کلیات رسائل نور سے ماخوذ

بدیع الزمان سعید نورسیؒ

حیات و واقعات

ان کے شاگردوں کے قلم سے

PAK NUR FOUNDATION

بسم الله الرحمن الرحيم

کلیات رسائل نور سے ماخوذ

بدیعُ الزمان سعید نُورسیؒ

حیات وواقعات

ان کے شاگردوں کے قلم سے

PAK NUR FOUNDATION

پاک نور فاؤنڈیشن

نام کتاب: .... بدیعُ الزمان سعید نُورسیؒ: حیات وواقعات (Urduca Tarihce-i Hayat)
ان کے شاگردوں کے قلم سے

طبع اول: 2019ء

طباعت: .... بیت السلام پرنٹنگ پریس لاہور، پاکستان
042-37141518, 0321-7351350

ترجمہ، تصحیح ومعاونت

• ثناءاللہ شاہد • محمد عثمان اجمل • مصطفیٰ کچمز • افضل حسین • عبدالرحمٰن آراس
• جمیل اُزترک • صالح سونمز • محمود آراس • منیر توران

پروف ریڈنگ

• مصطفیٰ کچمز • محمد عثمان اجمل

0336-5923336
0332-4422270
0337-9763757
0332-8598128

PAK NUR FOUNDATION

فہرست

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

مترجمین ومرتبین کی طرف سے چند باتیں

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى عَبۡدِهٖ وَرَسُوۡلِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ الۡمَبۡعُوۡثِ رَحۡمَةً لِلۡعَالَمِيۡنَ، وَعَلٰى آلِهِ الطَّيِّبِيۡنَ الطَّاهِرِيۡنَ، وَصَحۡبِهِ الۡغُرِّ الۡمَيَامِيۡنَ، وَمَنۡ سَارَ عَلٰى نَهۡجِهٖ وَاهۡتَدٰى بِهَدۡيِهٖ إِلٰى يَوۡمِ الدِّيۡنِ؛ وَبَعۡدُ:

یہ بدیع الزمان سعید نورسی کی وہ سوانح عمری ہے جو ان کے قریبی شاگردوں نے لکھی ہے۔

یہ کتاب ترکی زبان میں لکھی گئی اور طبع کی گئی تھی، اس کی تالیف کے پچاس سال گزرنے کے بعد ہم پہلی بار اسے اپنے معزز اردو قارئین کے لیے مکمل اردو ترجمہ میں پیش کر رہے ہیں۔

یہ سوانح عمری استاد نورسی کی زندگی کے آخری ایام میں لکھی گئی تھی اور اس کی تیاری میں آپ کے کچھ ان شاگردوں نے تعاون کیا تھا جنہوں نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا تھا، اور ان کی قرآنی دعوت میں منسلک ہو گئے تھے، جو ہمیشہ ان کی صحبت میں رہے اور ان کے حالات کا قریب سے مشاہدہ کرتے رہے، جیل، جلاوطنی اور دیگر مصیبتوں میں ان کے ساتھ رہے اور ان کی زندگی کے آخری لمحے تک ان کی خدمت میں رہے۔[1]

اس کتاب کی تالیف کا آغاز تو انہوں نے 1944ء میں کیا، لیکن قید و بند اور جلاوطنی کے حالات کی وجہ سے فارغ 1958ء میں ہوئے۔

ادھر استاد نورسی کو جب ان لوگوں کے پختہ ارادے کا علم ہوا تو آپ نے ان لوگوں سے کہہ دیا کہ میری زندگی کے ساتھ تعلق رکھنے والے صرف انہی واقعات پر اکتفا کریں جن کا تعلق قرآنی خدمت کے ساتھ ہے۔ اور پھر جب کام مکمل ہو گیا تو آپ نے اجمالی طور پر اس کے متعلق معلومات حاصل کریں اور کچھ چیزوں کو برقرار رہنے دیا، کچھ کے بارے میں کہا کہ یہ حذف کر دیں اور کچھ مقامات میں کچھ تبدیلیاں لانے کا حکم دیا۔ اور ''الآیۃ الکبریٰ'' و ''مناجات'' نامی رسالوں کو اس میں شامل کرنے کا مشورہ دیا۔

---

[1] اُن میں سے نمایاں ترین دو ہیں: زبیر کوندوزالپ اور مصطفی صونغور۔ ان دو حضرات نے اس کتاب کی نصوص کا اقتباس کیا، ان کے معانی و مفاہیم کو سانچوں میں ڈھالا اور ان کے مواد کو ترتیب دیا۔ ان کے علاوہ دیگر لوگوں کی کوششیں اضافی اور تکمیلی ہیں۔

اس کتاب کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہ استاد نورسی کی حالات زندگی پر لکھی جانے والی جامع ترین اور سب سے پہلے لکھی جانے والی کتابوں میں سے ایک ہے۔ اور استاد کے ساتھ سب سے زیادہ قریبی تعلق رکھنے والی ہے؛[1] کیونکہ اس کے علاوہ جو کتابیں ہیں ان کے مؤلفین نے انہیں پہلے تو استاد کی تالیفات سے اور ان کے ذاتی رسائل و دفاعات سے اکٹھا کر کے ترتیب دیا اور پھر اُن میں تاریخی تسلسل، ذاتی بیانات اور ان سے متعلقہ تفاصیل کا اضافہ کیا اور یوں وہ ایک اہم دستاویز کی صورت اختیار کر گئیں، ایک گہری شہادت اور ایک ایسے بنیادی مرجع کی حیثیت اختیار کر گئیں کہ جن کی طرف رجوع کیے بغیر بات بنتی ہی نہیں اور اس پر مزید یہ کہ انہیں ''کلیاتِ رسائلِ نور'' میں ان کے ایک بنیادی جز ہونے کی حیثیت سے درج کر دیا گیا ہے۔ انہیں یہ اہمیت دینا بھی چاہیے؛ کیونکہ یہ کتابیں جہاں مرحلہ وار تسلسل کے ساتھ اور مختلف پہلوؤں سے استاد نورسی کی سیرت پر روشنی ڈالتی ہیں؛ وہاں ''رسائلِ نور'' کی دنیا میں داخل ہونے کے لیے ایک اہم دروازے کا کام دیتی ہیں؛ کیونکہ یہ رسائل کے بہت سے مضامین کو ذہن کے قریب کرتی ہیں اور اس کے قسما قسم کے باغات سے پکے اور تروتازہ پھل مہیا کرتی ہیں۔

جلدی میں لکھے گئے ان پیش لفظوں میں اگر ہم کتاب کا تعارف کرانا شروع کر دیں تو اس کا حق ادا نہیں کر سکیں گے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کتاب کے بہت سے پہلو اور متعدد مضامین وعنوانات ہیں۔ یہ کتاب اگرچہ — جیسے کہ ہم نے پہلے واضح کیا — اصل میں ایک سیرت کی کتاب ہے جو نورسی کی واقعتا یگانہ روزگار شخصیت کا تعارف کراتی ہے اور قاری کو ان کے منفرد قسم کے خط وخال، ان کی بلند پایہ عادات وصفات، اُن کی قرآنی دعوت اور ان کے بھرپور تجربات کا تعارف کراتی ہے، لیکن دوسری طرف یہ کتاب ایک ایسی معنوی شخصیت اور ایک ایسی جماعت کے حالات بیان کرتی ہے جس نے ایمان کے ساتھ اور ایمان کی خاطر زندگی گزاری، اور جس جماعت کے لوگوں نے بیک وقت شجاعت اور حکمت کے ساتھ مسلح ہو کر اللہ کی راہ میں معنوی جہاد کیا اور صبر سے کام لیا، دشمنوں کے مقابلے میں صبر کیا اور گوناگوں قسم کی تکلیفوں اور مشقتوں سے دوچار ہوئے، ایمان کے نور کو پھیلایا اور شدید ترین قسم کے حالات میں کفر والحاد اور گمراہ کُن نظریات کے حملوں کا سامنا کیا۔

پھر وہ زمان ومکان جن میں اس سوانح عمری کے حالات وواقعات رونما ہوتے رہے ہیں، بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہیں، اور وہ خاص طور پر پیشِ نظر رہیں تو اِن حالات کا ایک اور پہلو سامنے آجاتا ہے، اور وہ اس طرح کہ یہ حالاتِ

---

[1] اس مقام پر ہم آپ کی حالاتِ زندگی کے بارے میں ایک چھوٹی سی کتاب کے بارے میں بتانا چاہیں گے جو آپ کے سگے بھتیجے اور بھلے انسان شاگرد عبدالرحمان بن عبداللہ نورسی نے لکھی ہے۔ یہ کتاب انہوں نے اس وقت لکھی تھی جب استاد ''جدید سعید'' کے مرحلے کی چوکھٹ پر تھے، اس لیے عبدالرحمان صاحب نے اپنی کتاب میں زیادہ تر حالات ''پرانے سعید'' کے لکھے اور ''جدید سعید'' کے حالات بہت کم لکھ پائے۔ اس کے بعد عبدالرحمان صاحب 1928ء میں جوانی میں ہی فوت ہو گئے۔ انہوں نے اپنی اُس مختصر سی کتاب میں جو کچھ لکھا ہے؛ وہ ہماری اس کتاب میں مناسب جگہ پر تفصیل کے ساتھ درج کر دیا گیا ہے۔

زندگی جہاں ایک ایسے علاقے میں ایمان کو بچانے اور قرآن کی خدمت کی کہانی بیان کرتی ہے جس علاقے نے خلافت اسلامیہ کی آخری آبادی کو گود میں لیا اور دین کی جلاوطنی کے، اس کے خلاف جنگ وجدل کے اور دینی شناخت کو سرے سے مٹا ڈالنے کے سخت ترین منصوبے اپنی آنکھوں سے دیکھے، وہاں عین اُسی وقت اُس کا دوسرا پہلو یہ سامنے آتا ہے کہ یہ اصلاح وتجدید کی ایک اصلی، حقیقی، مضبوط جڑوں والی، اور دُوررَس اور بعید نظر دعوت ہے جو ہر دور میں ہمیشہ رہنے والی آسمانی وحی کے اُبلتے ہوئے سرچشمے سے سیراب ہوتی رہی ہے اور نوعِ بشر کے ہادی اور انسان کے بانی انبیا کے منہج کو اپنا نمونہ بناتی ہے۔

ان سب چیزوں کے ساتھ ساتھ یہ سوانح عمری سچی تعلیم وتربیت کے مواقف اور وجدانی مشاہد کی ایک بہت بڑی کتاب ہے۔ اسی طرح یہ کتاب ایک ایسی کھڑکی ہے جو قاری کو اُمت کی قریبی تاریخ کے حالات وواقعات کا درشن کراتی ہے، اور یوں اس کی نظر میں وسعت پیدا کرتی ہے، اس کی سوچ فکر کو پالش کرتی ہے، اس کی معرفت کو مالا مال کرتی ہے۔ اور تزکیۂ نفس کا ایک ایسا طاق ہے جس میں جلنے والا چراغ قاری کے نفس کی تہذیب کرتا ہے اور اس کی بصیرت کو روشن کرتا ہے۔

استاد سعید نورسی کی سیرت پر کتاب تیار کرنے والوں نے یہ باتیں صدی کا ایک تہائی حصہ گزرنے کے بعد لکھیں، اور یہ تہائی حصہ اُن باضابطہ سرکاری حملوں سے بھرا ہوا تھا جو استاد کی شہرت کو بدنما بنانے کے لیے، اُن کی عزّت کو بٹا لگانے کے لیے، لوگوں کو ان کی دعوت سے دور کرنے کے لیے اور انہیں ڈرا دھمکا کر ان کے راستے سے ہٹانے کے لیے مسلسل کیے جاتے رہے...... ان حالات میں یہ کتاب منظرِ عام پر آئی تا کہ استاد کا اور اُن کی دعوت کا صحیح تعارف کرا دے، ایسی چیزوں کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دے جو انہیں بالکل بے گناہ و بے قصور ثابت کر دیں اور ان کی شخصیت کی پاکیزگی، اُن کی صورت کی تابانی ودرخشانی، اور ان کی غرض وغایت کی بلند آہنگی کو کھول کر بیان کر دے۔ قاری کو بعض مقامات پر کچھ ایسی عبارتیں ملیں گی جو استاد نورسی اور ان کے رسائل کی مدح سرائی، ان کی تعظیم وتکریم اور ان کی بڑائی و برتری سے بھری ہوئی ہیں۔ اور اس میں کوئی پریشانی والی بات بھی نہیں؛ کیونکہ یہ عبارتیں ان لوگوں نے لکھی ہیں جنہوں نے استاد نورسی کو اپنی معنوی زندگی میں پہچانا ہے، اور عوالمِ علویہ میں ان کے حلقہ نشین رہے ہیں، آپ کی مؤلفات ان کی روحانی زندگی کا سرچشمہ، پنگھٹ، مرشد اور ترقی کا زینہ رہی ہیں۔ ایسے لوگوں کا حق بھی بنتا ہے اور ان کے لیے سزاوار بھی یہی ہے کہ وہ استاد اور ان کے رسائل کے بارے میں اُس آدمی کی طرح بتائے جو ساتھ رہا ہو، جس نے آنکھوں سے دیکھا ہو، جس نے زبان سے چکھا ہو اور دل سے جانا پہچانا ہو، نہ کہ اس آدمی کی طرح جس نے صرف سنا ہو، نقل کیا ہو اور تاریخی طور پر قلم بند کیا ہو۔

اس کتاب کو تیار کرنے والوں کو اس بات کا اعتراف ہے کہ حُجم کے لحاظ سے ضخیم ہونے اور اپنی سی کی گئی محنت اور کوشش کے باوجود یہ کتاب استاد نورسی کی زندگی کے تمام پہلوؤں کا اور ان کی زندگی میں پیش آنے والے تمام احداث و

واقعات کی تفاصیل کا احاطہ نہیں کرسکی ہے، اس کی وجہ اوّلاً تو مضامین و موضوعات کی طبیعت ہے، اور ثانیاً وہ شرط ہے جو تیار کنندگان نے اپنے لیے لازم کر رکھی تھی۔ تاہم اس کے باوجود یہ بات پوری ذمہ داری سے کہی جاسکتی ہے کہ کتاب کی قدرو قیمت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے، اور یہ اپنے مضمون میں ایک بڑی اہم دستاویز اور قابلِ اعتماد مرجع ہے۔ ہاں اگر کوئی اس مضمون کو مزید پھیلانا اور وسعت دینا چاہتا ہے تو وہ ان کتابوں کی طرف رجوع کرسکتا ہے جو بعد میں لکھی گئی ہیں۔[1]

کچھ ترجمے کے بارے میں

یہ بات بتادینا بہت ضروری ہے کہ ہم نے اپنے اِس عمل میں ''دارُالانوار پریس'' کے مطبوعہ ترکی نسخے کو اصل مانا ہے اور اُسی پر اعتماد کیا ہے۔ اور اس میں بھی اس ترتیب کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے جو پہلی طباعت میں ہے۔ اور یہ وہی ترتیب ہے جس پر ترکی کی وزارتِ مذہبی اُمور سمیت اس کتاب کو طبع کرانے والے تمام بورڈس متفق ہیں۔

اسی طرح ہم نے اپنے اس عمل میں اُس خصوصیت کو بھی مدّنظر رکھا ہے جس سے یہ بہرہ ور ہے، چنانچہ ہم نے کافی مدت گزرجانے کے باوجود اس کے مندرجات میں کوئی تصرف نہیں کیا، اور اس میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ بعض مقامات کچھ مزید وضاحت کے محتاج تھے، اور کہیں کسی اشکال کو رفع کرنے کی ضرورت تھی، اس کام کے لیے ہم نے حواشی لکھ دیے جن سے یہ غرض جہاں تک ممکن ہوا بخوبی حاصل ہوگئی۔ پھر یہ بتانے کے لیے کہ یہ حواشی کہاں سے لیے گئے ہیں، ان کے درمیان اس طرح کا خطِ امتیاز کھینچا کہ جو ترجمہ کمیٹی نے لکھے تھے اُن کے آخر میں ''ھ۔ت'' لکھ دیا جو کہ ''هيئة الترجمة'' یعنی ترجمہ کمیٹی کا مخفف ہے۔ اور جو خود اس کتاب کو تیار کرنے والوں کی طرف سے تھے ان کے آخر میں یا تو تیار کرنے والوں کے نام لکھ دیے، یا پھر ''المُعِدُّوْنَ'' یعنی تیار کنندگان لکھ دیا۔ رہے وہ حواشی جو خود مؤلف کی طرف سے لکھے گئے ہیں، ان کے آخر میں ''سعید'' لکھ دیا گیا ہے یا ''مؤلف''۔

---

[1] اس ضمن میں نمایاں ترین کتابیں یہ ہیں:

(1) بدیع الزمان سعید نورسی کی مفصل سوانح حیات۔ یہ اُن کے شاگرد عبدالقادر بادلی رحمۃ اللہ علیہ نے ترکی زبان میں لکھی ہے۔

(2) سعید نورسی: حیات و تالیفات اور مسلک، مشہور صحافی اشرف ادیب کے قلم سے نکلی ہے جس نے استاد کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ترکی زبان میں ہے۔

(3) الشهودُ الاواخر (آخری گواہ) از ''نجم الدین شاہین''۔ مؤلف نے استاد کے باقی ماندہ شاگردوں سے ملاقاتیں کیں اور استاد کے ساتھ اُن کی یادوں اور یادداشتوں کی توثیق کی، یہ بھی ترکی میں ہے۔ اس کا ترجمہ مامون عاکف رشید نے عربی میں کردیا ہے۔

(4) ''بدیع الزمان سعید نورسی کی حالاتِ زندگی سرکاری دستاویزات کی روشنی میں از ڈاکٹر احمد آق گوندوز۔ یہ بھی ترکی زبان میں ہے اور چھ بڑی جلدوں میں ہے۔

(5) السيرة الذاتية از اُستاد احسان قاسم صالحی۔ عربی زبان میں تقریباً 550 صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب ہے۔

نوٹ از اُردو مترجم

حواشی کے ضمن میں اردو ترجمے میں یہ انداز اختیار کیا گیا ہے:

استاد نورسی کی طرف سے لکھے گئے حواشی کے آخر میں "سعید یا مؤلف" لکھ دیا گیا ہے۔

جو حواشی مترجم کی طرف سے ہیں اُن کے آخر میں مترجم لکھ دیا گیا ہے۔

اور جن حواشی کے آگے مؤلف یا مترجم نہیں لکھا گیا ہے وہ سب کے سب تیار کنندگان کی طرف سے ہیں۔

کتاب کے آغاز میں ہم نے مقدمے کے ساتھ ایک چھوٹی سی لسٹ کا اضافہ کیا جو کتاب میں وارد ہونے والی اصطلاحات وتعبیرات کی وضاحت کرتی ہے۔

مزید یہ کہ کتاب کے آخر میں ہم نے کچھ جغرافیائی نقشے لگا دیے ہیں جو اس کتاب میں وارد ہونے والے اہم مقامات کی وضاحت کرتے ہیں۔

اس کتاب کے ترجمے میں ان تین شخصوں پر مشتمل گروہ نے تعاون کیا ہے: حسین عثمان، خلیل جادو اور محمد ابوالخیر سیّد۔ انھوں نے ترجمے کی ساخت پرداخت اور تحریر وتعبیر کا کام سنبھالا۔ اور خصوصی طور پر اشعار کی ذمہ داری استاد محمد حسین کے سپرد کی گئی۔

چنانچہ انہوں نے ان اشعار کا ترجمہ کیا اور انہی عربی نظم میں ڈھالا۔ پھر اس کام پر کچھ اصحابِ علم ومطالعہ فاضل بھائیوں، دوستوں اور اساتذہ کرام نے نظرِ ثانی کی۔ پھر آخری نظر کی، آیات واحادیث کی تخریج کی، اور کتاب کے آخر میں جامع قسم کی فہرست بنانے کی ذمہ داری استاد محمد بسام حجازی نے لی۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمارے اس عمل کو اپنی رضا مندی سے نوازے اور اسے لوگوں میں کچھ اس طرح کی مقبولیت عطا کر دے کہ یہ سب کے لیے مفید ونفع بخش ثابت ہو جائے، اور اس میں حصہ لینے والے ہر مسلمان کو جزائے خیر دے۔ آمین!

إِنَّهُ سُبْحَانَهُ خَيْرُ مَسْؤُولٍ وَأَكْرَمُ مَأْمُولٍ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي بِنِعْمَتِهِ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ

ترجمہ اور نشر واشاعت کا کام کرنے والوں کا ترجمان

محمد ابوالخیر سید عفا اللہ عنہم وتولاھم

22 ربیع الاول 1437ھ بمطابق 2 جون 2016ء

استنبول

اس کتاب میں وارد ہونے والی خصوصی اصطلاحات وتعبیرات

اَناضول ایشیا: اس سے مراد غالباً اسلامی علاقے ہیں، اس میں مختلف اقسام کے تمام خطے، پرگنے اور تمام اقوام و قبائل شامل ہیں۔

اَناطول/اناطولیہ: ایک علاقے کا نام ہے جس میں اِن دنوں جمہوریہ ترکی کے اکثر علاقے داخل ہیں لیکن اس میں ترکی کا یورپی حصہ داخل نہیں ہے۔

انانیت: انسان کا خود کو مُلک وتدبیر کا مالک سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بندگی سے آزاد ہوکر اپنے نفس کی طرف مائل ہوجانا۔

اہلِ دنیا: وہ اربابِ سیاست جنہوں نے نظامِ خلافت کے منہدم ہوجانے اور جمہوریت کی بنیاد پڑ جانے پر اس علاقے میں تمام معاملات کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔

تجریدِ مطلق: کسی قیدی کو اس کے اپنے ماحول سے دور اور علیحدہ رکھنا، اور اسے ہر طرح کے باہمی میل جول سے روک دینا۔

تَرجُمان: پہنچانے والا اور بیان کرنے والا۔ استاد نورسی اپنے آپ کو رسائلِ نور کا ترجمان کہتے ہیں، یعنی یہ کہ اُنہوں نے اِن رسائل کو واضح کرکے بیان کیا ہے اور قرآن کریم سے حاصل کیے ہوئے مضامین کی تعبیر کی ہے۔

قرآن کریم کی حقیقی تفسیر یا معنوی تفسیر: یعنی قرآن کے صرف الفاظ کی ہی نہیں بلکہ اس کے حقائقِ کبریٰ اور مقاصدِ کلیہ کی تفسیر۔

رومی تقویم: ایک خاص شمسی تقویم جو عہدِ عثمانی کے اواخر میں ہجری قمری تقویم کے دوش بدوش چلتی رہی۔ یہ تقویم عیسوی تقویم سے پانچ سو چوراسی اور تیرہ دن متاخر ہے۔ اس کے مہینوں کے نام بلادِ شام وعراق میں رائج مہینوں کے تقریباً مطابق ہیں۔ اس کا آغاز مارچ (آذار) کے مہینے سے ہوتا ہے۔

جمعیت: انیسویں صدی کے اواخر میں اور بیسویں صدی کے اوائل میں اس لفظ کا استعمال تقریباً اسی معنی میں ہوا جسے آج کل پارٹی یا سیاسی جماعت کہا جاتا ہے۔

31 مارچ کا حادثہ: فوج کی بغاوت کا واقعہ جو کہ 13 اپریل 1909ء اور رومی تقویم کے مطابق 31 مارچ 1325 میں پیش آیا۔

اس میں ترکی فوج کی پہلی آرمی کور کے آٹھ دستوں نے بغاوت کردی تھی جو سلطان عبدالحمید کی حکومت کے حمایتی

تھے۔ اس بغاوت کے نتیجے میں بہت بڑا ہنگامہ ہوا جس میں کچھ افسر اور حکومت کے آدمی قتل ہو گئے، اور کچھ لوگ انجمن اتحاد وترقی کی حکومت کے مقابلے میں اُٹھ کھڑے ہوئے، جونئی نئی برسرِ اقتدار آئی تھی، اور انہوں نے حکومت کی اس سیاست کو ماننے سے انکار کر دیا جو دینی احساسات کو ذلیل سمجھتی تھی اور دین مخالف لوگوں کی صفائی دیتی ہے۔ انجمن اتحاد و ترقی نے اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے ترک فوجوں کے ہیڈ کوارٹر'' سَلانِک'' سے ایک فوج طلب کر لی جسے ترکی زبان میں ''حرکت اور دوسو'' یعنی ''حرکۃُ الجہاد'' کہا جاتا ہے۔ اس نے چند جھڑپوں کے بعد باغیوں کو منتشر کر کے شہر میں امن قائم کر دیا۔

حشمت: شان وشوکت، جاہ وجلال، رعب داب اور غرور ونخوت وغیرہ۔ رعب داب کے مالک آدمی کو ''مُحتشم'' کہا جاتا ہے۔

حقیقتِ قرآنیہ: یہ عبارت خود قرآن کریم کے بارے میں اِس حیثیت سے کہی جاتی ہے کہ قرآن فی نفسہٖ حق ہے، رہے قرآنی حقائق، تو اس سے مراد وہ حقائق ہیں جو قرآن کریم نے بتائے ہیں اور جن کے بارے میں اس نے خبر دی ہے۔

اجتماعی یا معاشرتی زندگی: اس سے سیاسی زندگی اور عمومی حالات مراد ہوتے ہیں۔ اور کبھی اس سے ازدواجی زندگی مراد ہوتی ہے۔

رُومَلی: خلافتِ عثمانیہ کے وہ علاقے جو برِّ اعظم یورپ میں واقع ہیں۔ یہ وہی وسیع وعریض علاقے ہیں جو آج کل بلغاریہ، یونان اور بلقان کے نام سے مشہور ہیں۔

سفاہت: عربی زبان میں اس کا معنی جہالت، بے وقوفی اور کم عقلی ہوتا ہے، لیکن ترکی زبان میں اسے ہوائے نفس کی پیروی، شہوت پرستی اور رذائل وقبائح کے ارتکاب میں ہوتا ہے۔ ہوائے نفس اور شہوت پرستی کا صدور چونکہ بیوقوفی اور کم عقلی ہوتا ہے اس لیے اِطْلَاقُ اِسمِ الْمَلْزُوْمِ عَلَى اللاَّزِمِ کے قاعدے کے تحت اس کا نام ہی سفاہت رکھ دیا گیا۔

شخص معنوی/معنوی شخصیت: فردِ واحد کے بالمقابل شخص یا شخصیت اس سے مراد وہ مضبوط اور باہم مل جل کر کام کرنے والی جماعت ہے جس کے تمام افراد ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہوں اور کسی عظیم الشان مقصد کو حاصل کرنے کے لیے تمام کام آپس میں بانٹ کر سرانجام دیتے ہوں۔

عصرِ سعادت: رسالت مآبؐ اور خلفائے راشدینؓ کا عہدِ زرّیں۔ دوسرے لفظوں میں اسے ''خیرُ القرون'' بھی کہا جاتا ہے۔

عہدِ حریّت: ایک مرحلہ جو کہ 1908ء میں آئینی حکومت کے اعلان سے شروع ہوتا ہے اور پہلی جنگِ عظیم کے ختم

ہونے کے بعد 1919ء میں ماتحت پارلیمنٹ کے برخاست ہو جانے تک جاری رہا۔

فوضویت: (Anarchy) ایک سیاسی فکری مذہب جو کہ معاشرے میں کسی بھی طرح کی حکومت یا سلطنت کو تسلیم نہ کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اور اس بات کا قائل ہے کہ حکومت فرد کی سب سے بڑی دشمن ہے، اور یہ کہ حکومت ختم کر دینے سے انسانی مسائل و مصائب کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس مذہب کو بے نظمی، فقدانِ حکومت، ''انارکی اور مطلق العنانیت'' بھی کہا جاتا ہے۔

لادینیت: اس سے مراد کبھی تو دین کو رد کر دینا، اس کے ساتھ دشمنی رکھنا اور اس کے ساتھ جنگ کرنا ہوتا ہے، اور کبھی اس سے دین کو عمومی زندگی سے علیحدہ اور دُور کر دینا اور اسے صرف خصوصی حالات و معاملات تک محدود کر دینا مراد ہوتا ہے۔

مجلسِ مبعوثین، مجلسِ مبعوثاں: عہدِ عثمانی کی پارلیمنٹ یا مجلس قانون ساز

مدرسۂ یوسفیہ: جیل؛ کیونکہ جیل حضرت یوسفؑ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے داعیانِ ایمان کے لیے ایک مدرسے کی حیثیت رکھتی ہے۔

مشروطیت: علاقے کا نظم و نسق چلانے کے لیے ایک صیغہ، جس کی بنیاد اس بات پر تھی کہ دستور اور عوام الناس کی مُنتخب پارلیمنٹ کی بہتری کی خاطر سلطان کے اختیارات محدود کیے جا سکتے ہیں، اِسے 24 جون 1908ء میں عثمانی خلافت میں نافذ کیا گیا، اسے نافذ کرنے کے جو قانونی نتائج سامنے آئے وہ یہ تھے: ''اساسی قانون'' یعنی ''دستور'' کی تمام شقوں کو اس طرح عمل میں لانا کہ جس سے سلطان کے اختیارات سمٹ جائیں۔

پارلیمنٹ کی پھر سے اس انداز سے تشکیل کرنا کہ جس سے اُسے اس کی اصل حیثیت یعنی قانون سازی کی صلاحیت واپس مل جائے اور وزارت اس کے سامنے جوابدہ رہے اور وہ سلطان کے سامنے جوابدہ رہے، دوسرے لفظوں میں اسے آئینی حکومت کہا جاتا ہے۔

مصطفی کمال: جمہوریہ ترکیہ کا مؤسّس اور اس کا رئیسِ اول۔ ہم نے اس کتاب میں اس کا ذکر اس کے صرف نام ہی سے کیا ہے۔ اس کے لقب ''اتاتُرک'' یعنی ''ترکوں کا باپ'' کا ذکر نہیں کیا ہے جو اس نے اپنے لیے خود اختیار کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے یہ لقب ترکوں کے اور ان کے اُن آبا و اجداد کے درمیان دراڑ ڈال دیتا ہے جن کی عظیم الشان تاریخ مردانگی کے کارناموں اور بلند پایہ اسلامی واقعات سے بھری پڑی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

وَبِہٖ نَسۡتَعِیۡن

مقدّمہ

مدینہ منورہ میں مقیم ایک جلیلُ القدر عالم کے قلم سے [1]

میں نے ''علامہ اقبالؒ'' کے بارے میں جو مقدمہ لکھا تھا اس میں کہا تھا:

''انسان جب عظیم لوگوں کی سوانح حیات پڑھتا ہے اور ان کے بلند پایہ فضائل ومناقب کا مطالعہ کرتا ہے اور ان کی دلنشیں یادوں میں غور کرتا ہے تو اُسے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کہ وہ کسی اور ہی دنیا میں داخل ہو گیا ہے۔ ایک آسمانی روحانی شعلہ اُس کے دل میں صاف شفاف محبت کے احساسات کی آگ روشن کر دیتا ہے اور فیضان الٰہی اس کی تمام ہستی کو نہال کر دیتا ہے۔''

تاریخ نے ہمارے لیے ایسے ایسے عظیم لوگ محفوظ کر رکھے ہیں جن کی عظمت کے سامنے عظیم لوگوں کی عظمت ماند پڑ جاتی ہے، یہ لوگ تاریخ کے ہیرو اور اس کا قابلِ فخر سرمایہ ہیں، ان کا ذکر آتے ہی روح وسیع وعریض جہانوں میں گھومنے کے لیے زمین سے بلند ہو جاتی ہے۔ اور کہیں گہرائیوں سے اُسے ہزاروں خوشبوئیں اپنے گھیرے میں لے لیتی ہیں، گویا کہ وہ جنّت کے پھولوں کے گھنے گلستان میں راستہ بنا رہی ہو!

میں یہ مقدمہ لکھتے وقت اس گہری حقیقت کو اُس کے پورے جلال وعظمت کے ساتھ بخوبی محسوس کر رہا ہوں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب جسے ہم اپنے معزز قارئین کے لیے گہرے صدق واخلاص کے ساتھ پیش کر رہے ہیں دلوں کو فتح کر لینے والے عظیم استاد ''بدیع الزمان سعید نورسی'' کی سوانح حیات پر مشتمل ہے، جن کی ایک صدی پر محیط بابرکت عمر کی

[1] اس سے مراد شیخ علی عُلوی تورو چو ہیں۔ یہ پچھلی صدی میں ترکی کے نامور عالمِ دین اور شاعر رہے ہیں۔ 1922ء میں قونیہ میں پیدا ہوئے۔ ایک ایسے گھرانے میں پروان چڑھے جہاں علم وادب کا دور دورہ تھا۔ اس لیے وہ بچپن ہی سے علم وادب کے حصول میں لگ گئے اور اس علمی سفر کی تکمیل اُنہوں نے مصر میں کی۔ اس کے بعد انہوں نے مدینہ منورہ میں رہائش اختیار کی اور وہاں ''عارف حکمت'' لائبریری کی ادارت سنبھالی، زندگی کا اکثر حصہ آپ نے وطن سے باہر گزارا اور عالم عرب اور عالمِ اسلام کے مشہور ترین علما وادبا ودعاۃ ومجاہدین سے میل جول رکھا۔ 2002ء میں فوت ہوئے اور بقیع شریف میں دفن ہوئے، ترکی زبان میں متعدد کتب اور شعری دیوان یادگار چھوڑے ہیں۔ آپ کا سب سے زیادہ مشہور شاہکار ''یادداشتیں'' ہیں جو کہ تین جلدوں میں ہیں۔

کتاب کا ہر صفحہ ہزاروں قسم کے حیرت انگیز اور عمرِ مبارک کے دلکش واقعات سے بھرا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ کتاب آپ کے ''رسائل نور'' کے نام سے ظہور میں آنے والے ایک سوتیس عدد علمی شہ پاروں کے ساتھ مضبوط تعلق رکھتی ہے، اور مزید یہ کہ اس کا تعلق طلاّبِ نور کے ساتھ بھی ہے جو کہ صرف اپنے ماحول و معاشرے کے لیے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے اخلاق وفضائل، صدق واخلاص اور ایمان وعرفان کی بہترین مثالیں پیش کر رہے ہیں۔

کسی بھی کتاب کا مقدمہ چونکہ اس کتاب کے مضامین کا خلاصہ شمار کیا جاتا ہے، اس لیے کوئی بھی مقدمہ چند اوراق میں اس جلیلُ القدر کتاب کے اُن وسیع وعریض، گہرے مضامین کا احاطہ کیونکر کر سکتا ہے جن میں سے ہر موضوع کے لیے ایک مستقل کتاب درکار ہے!

میں نے اگرچہ جس موضوع کے بارے میں بھی چاہا نظم ونثر میں خوب لکھا ہے، لیکن مجھے اس قدر حیرانی اور درماندگی کا سامنا کبھی بھی نہیں کرنا پڑا جو اس وقت درپیش ہے!

اس بنا پر جو شخص اس کتاب کو گہری نظر، عُلوی نشے، جوش وجذبے اور پوری بیدار مغزی کے ساتھ اس کے معانی کے ذائقے سے شادکام ہوتا ہوا پڑھے گا، اُسے بدیع الزمان حیرت انگیز طور پر ایک یگانہ روزگار شخصیت اور ایک بے مثل عالم نظر آئے گا، جو کہ بچپن ہی سے غیر عادی طور پر پروان چڑھا اور عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ تجلیاتِ الٰہیہ کا مظہر بن گیا۔

میں نے اس عظیم انسان کی شخصیت کے بارے میں جب ذرا باریک بینی سے غور کیا، اور اس کی کتابوں کو گہری نظر سے پڑھا اور اس کے شاگردوں کے ساتھ جان پہچان حاصل کی، اور جب میں نے حِسّی، شعوری، فکری اور روحانی طور پر اِس عالمِ نور میں زندگی گزارنی شروع کی، تو مجھے ایک ایسی گہری حقیقت کا ادراک ہو گیا جس کے بارے میں ایک عربی شاعر بہت پہلے اپنے ان الفاظ کے ساتھ اظہار کر گیا ہے ؎

وَلَيْسَ عَلَى اللهِ بِمُسْتَنْكِرٍ أَنْ يَجْمَعَ الْعَالَمَ فِيْ وَاحِدٍ[1]

''اللہ تعالیٰ کسی ایک آدمی میں پورے ایک جہان کو اکٹھا کر دینے کے ڈھنگ سے خوب واقف ہے۔''

اس قُطب کے فلک کی طرف کھنچے چلے آنے والوں کی تعداد میں اگر روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے تو اس میں حیرانی والی کوئی بات نہیں ہے، چنانچہ یہ لوگ اس کے اغراض ومقاصد کی بلندی سے، اس کی دعوت کی اونچائی سے اور اس کے ایمان کی عظمت سے الہام اور مدد پا رہے ہیں، اور یہ جلیلُ القدر محیّر العقول واقعہ اہلِ ایمان کے دلوں میں مسلسل سرور وانشراح کی رُوح پھونک رہا ہے۔ اور منکرین کو مغموم ومقہور بنا رہا ہے۔

مومن دلوں میں ایک معنوی رابطے کی طرح زندہ صورت میں گھر کر جانے والے اس الٰہی واقعے کو ایک مجاہد کبیر ایسے الفاظ کے ساتھ یاد کرتا ہے جو دلوں کی وادیوں میں وجد کی لہر دوڑا دیتا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے: ''ان گھور اندھیرے

[1] یہ شعر عباسی دور کے مشہور شاعر ابونواس متوفی (813م۔891ھ) کا ہے۔ (مترجم)

دنوں میں جب اخلاقی بے راہ روی سارے بندھن توڑ کر طوفان کی طرح ہر جہت پر چھا رہی ہے اور ہر فضیلت کی ناؤ ڈبو دینے کے لیے ہاتھ بڑھاتی چلی جا رہی ہے...... ایسے حالات میں بدیع الزمان کا فیض ایک اُبلتے اور اُچھلتے ہوئے راز کی طرح ایک دل سے دوسرے دِل میں سرایت کر رہا ہے، اور ہمیں اس میں تسلی کا سامان مل رہا ہے...... ہماری راتیں بہت زیادہ تاریک ہو رہی ہیں۔ اور راتوں کی تاریکی جب شدید ہو جاتی ہے تب فجر کا طلوع ہونا بالکل قریب ہوتا ہے۔''

جی ہاں، وہ لوگ جنہوں نے ایک دل سے دوسرے دل تک سرایت کر جانے والے اُس نور کے فیضان کا نظارہ کیا ہے جس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکا اور جس کی روشنی اطرافِ عالم میں پھیلتی ہی چلی گئی، وہ لوگ حیرت کے عالم میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے: یہ آدمی کون ہے جس کی شہرت تمام علاقوں میں پھیل گئی ہے؟ اس کے حالات زندگی کیا ہیں؟ اس کی تالیفات وتصنیفات کون سی ہیں؟ پھر اس کا مسلک ومشرب کیا ہے؟ وہ کسی اسلامی جماعت کے منہج پر ہے یا کسی صوفیانہ سلسلے کا پیروکار ہے؟ یا کسی سیاسی پارٹی کا لیڈر ہے؟

پھر معاملہ یہیں تک نہ رُکا بلکہ ان کے خلاف شدید ترین اداراتی اور عدالتی مقدمات کا آغاز ہو گیا۔ اور پے در پے رنگارنگ کی محکمانہ کارروائیوں کا اور بے دریغ تحقیقات کا تانتا بندھ گیا۔ پھر بالآخر اور اس بات کے واضح طور پر آشکار ہو جانے کے بعد کہ یہ الٰہی تجلّی تو فقط ایمان وعرفان کا ایک عظیمُ الشان محل ہے جو دلوں کی دنیا میں تعمیر کیا گیا ہے۔ عدالتِ الٰہی اس صورت میں سامنے آئی: ''بدیع الزمان سعید نورسی کی اور ان کی ''رسائل نور'' نامی تالیفات کی برأت۔''

اس قرارداد اور فیصلے کا اعلان سرکاری طور پر کیا گیا، اور اس کے بعد ازل سے لے کر ابد تک تبدیل نہ ہونے والی سُنَنِ الٰہیہ کی حقیقت مادے پر روح کے غلبے کی صورت میں، اور حق کے باطل پر، نور کی ظلمت پر اور ایمان کی کفر پر فتح پانے کی صورت میں جلوہ ریز ہو کر دائمی طور پر خورشید تاباں بن کر چمکتی دمکتی رہی۔

کہا جاتا ہے: اگر آپ کوئی ایسا بہترین معیار چاہتے ہیں جو کسی بھی ماحول ومعاشرے کے کسی مصلح کی حقیقت کو کھول کر سامنے رکھ دے اور اس بات کا انکشاف کر دے کہ وہ اپنے دعوے میں کتنا سچا اور کتنا مخلص تھا؛ تو دیکھو کہ اس کی دعوت سے پہلے اُس کے کیا حالات تھے، اور جب اس کی دعوت کامیاب ہو گئی تو اس کی ذاتی، سماجی، رُوحانی اور مادی زندگی میں کیا تبدیلیاں آئیں، اور پہلی اور دوسری زندگی میں کون سے فرق واضح طور پر نمایاں ہوئے!

مثال کے لیے ہم اسی آدمی کو سامنے رکھتے ہیں جس کے حالاتِ زندگی لکھے جا رہے ہیں، ہم اُس کی پہلی زندگی کو دیکھتے ہیں جب اُس نے ابھی اپنی دعوت کا آغاز نہیں کیا تھا: تو پتا چلتا ہے کہ وہ ایک انتہائی متواضع، بارُعب، ایثارکُن، جاں نثار اور دوسروں کے لیے قربانی دینے والا انسان تھا، سنجیدگی، جفاکشی، صاف دلی، خوش اخلاقی اور فضیلت میں اس کی مثال دی جاتی تھی، مختصر یہ کہ وہ پاک دلی وپاکبازی میں ایک بلند پایہ شخصیت تھا۔

پھر ہم اس کی اُس زندگی کے اس مرحلے کو دیکھیں گے جب وہ اپنے جہاد میں کامیاب ہو گیا اور اس نے قلوب و

ارواح ومشاعر میں ایک بلند پایہ جاذبِ نظر مقام بنالیا، کیا وہ اُسی طرح صاف ستھرا اور قابلِ تقلید نمونہ رہا جیسے پہلے تھا یا اُن دیگر لوگوں کی طرح ہو گیا جو فتح کے نشے میں سرشار ہو گئے اور اپنے آپ کو اتنے عظیم لوگ سمجھنے لگے کہ پھولے جامے میں نہ سماتے تھے؟

جی ہاں، یہ ایک صاف شفاف ترین آئینہ ہے جو کسی بھی صاحبِ دعوت آدمی کی شخصیت کو منعکس کرتا ہے، اُس کی حقیقت واصلیت کو واضح طور پر آشکار کر دیتا ہے؛ اور اس کی دعوت کی حقیقت و ماہیت کو — چھوٹی ہو یا بڑی — طشت اَز بام کر دیتا ہے۔

تاریخ ہمیں انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بتاتی ہے کہ وہ اس مشکل ترین امتحان کے میدان میں بازی لے گئے ہیں، اور خاص کر امامُ الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم، پھر ان کے بعد آپ ﷺ کے خلفا اور صحابہ کرامؓ، اور پھر وہ عظیم شخصیات جو اس روشن راستے میں گام زن ہوئیں۔

رسول اللہ ﷺ حدیث شریف میں اپنی معجزانہ بلاغت کے ساتھ فرماتے ہیں: ''اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ'' یعنی ''علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔'' اس سے مراد یہ ہے کہ عالم دین کوئی معمولی شان کا مالک نہیں ہوتا؛ کیونکہ نبی کے وارث کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ حق وحقیقت کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے سلسلے میں اُسی راستے میں چلے جس میں وہ چلے ہیں، اس میں خواہ اُسے کتنی ہی تکلیفوں، مشقتوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے، ہلاکت خیز وادیوں اور گھاٹیوں سے گزرنا پڑے، بلکہ خواہ اُسے اِن سے بھی زیادہ بُرے معاملات یعنی مقدموں، سماعتوں، محکمانہ کاروائیوں، جیلوں، نظر بندیوں، جلاوطنیوں، شہربدریوں، زہرخورانیوں، سولیوں اور پھانسیوں جیسے معاملات کا سامنا کرنا پڑے، انواع واقسام کے ایسے ایسے ظلم وستم اور وحشت وبربریت سے دوچار ہونا پڑے جو اس کے شان گمان میں بھی نہ آسکتے ہوں!

بدیع الزمان سعید نورسی اپنے مقدس جہاد کے ذریعے زندگی میں پچاس سال سے زیادہ عرصے تک اِسی دشوار راستے میں چلے اور یہ بات عملی صورت میں ثابت کرتے ہوئے کہ وہ اُن علما میں سے ہیں جو انبیا کے وارث ہیں، ہزاروں رکاوٹوں کو بجلی کی طرح عبور کرتے چلے گئے۔

ان کے علم وادب اور ان کے ڈھیروں اخلاق وفضائل وخصائل میں سے جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے، وہ ہے ان کا پہاڑوں جیسا راسخ، سمندروں جیسا گہرا اور آسمانوں جیسا وسیع وعریض ایمان۔

الٰہی! یہ کیسا ایمان ہے! یہ کیسا ختم نہ ہونے والا صبر ہے! یہ کیسا فولاد جیسا مضبوط اِرادہ ہے! پھر اس بیجا سختی، ظلم و تشدد، دھمکی اور اس طرح کے گوناگوں آلام ومصائب وتکالیف کہ جن کے ذکر سے خیال پر بھی کپکپی طاری ہو جائے......
ان سب کے باوجود وہ کیا بلند سر ہے کہ جھکنا جانتا ہی نہیں! وہ کیا آواز ہے کہ دھیمی نہیں پڑتی!

علّامہ اقبال کی شاعری پڑھنے کے بعد مجھ پر جب ایک وجدانی سی کیفیت طاری ہوگئی تو میں نے اس کیفیت میں

''مجاہد'' کے نام پر ایک قصیدہ لکھا۔ اس قصیدے کے بارے میں لوگوں نے مجھے کہا کہ: ''آپ نے اس میں مبالغے سے کام لیا ہے! لیکن میں کہتا ہوں کہ اس منفرد کتاب کو پڑھنے کے بعد کہ جس کا مقدمہ لکھنے کا مجھے شرف حاصل ہو رہا ہے؛ جو شخص بھی اس قصیدے کو پڑھے گا وہ حیرت خیز وجدانی کیفیت میں ڈوب جائے گا اور اس بات کا ادراک کرلے گا کہ اللہ کے وہ کیسے بندے ہیں جن کے ساتھ کمال ایمان نے حیرت انگیز اور تعجب خیز قسم کی کرم فرمائیاں کی ہیں!

ان يحظ عزم بهذا القلب يحمله   وسر ايمان هذا المرء يدخله
أن قيود الردى يوما تكبله   تجيش كالبركان لا شئ يغلله
يزيد قوته الهام بارئنا   كل الليالى رجاؤ يا النبى له
النور محراب قلب ما يكون هنا   در السماء كقنديل تُدلدله
وليس من قوله ثلج الشتا عرض   وليس ترهقه الأحزان والوَله
يمضى مدى عمره لا شيئ يقلقه   عذب الظلال بصيف اذ يظلله
مافى الجنان يرى دنياه لو مُحيت   لخطب لا ينحنى كالطودماثله
اذاالمهاوى أحاطت والدّنى حُلَك   والشمس قد طُمست والبدر مأفله
والكرب قدعمّ والسبع الطباق هوت   ما حاد عن دربه لم يخبُ مِشعله
لن تطفأالروح والايمان يوقدها   ما أقدس القلب بالايمان يُكمله
مثل البراكين لاشئ يقوم لها   صوت من القلب للوجدان ينقله
يا سارِى الدرب ان الفجر مُنبلج   يبكى الظلام وما قد جاء مِشعله
فارق النجوم من الجنات انت يدُ   درب الخلاص الى الانسان تحمله

1۔ جو دل اس آدمی کے پاس ہے اگر وہ دل عزم سے بہرہ ور ہو جائے اور ایمان کا جو راز اس آدمی کے پاس ہے اگر وہ اُس دل میں داخل ہو جائے۔

2۔ تو پھر موت کی زنجیریں اسے قید کیسے کر سکتی ہیں؟ ایسا آدمی ایک لاوے کی طرح اُبلتا رہتا ہے، اسے کوئی چیز پابند نہیں کر سکتی۔

3۔ باری تعالیٰ کے الہام اس کی قوت میں اضافہ کرتے رہتے ہیں اور وہ ہر رات اپنے نبی ﷺ کے دیدار کا امیدوار رہتا ہے۔

4۔ نوردل کا محراب ہے، یہاں چودھویں کا چاند ہاتھوں میں لڑکھڑانے والی لالٹین کی طرح نہیں ہے۔

5۔ اس کی گفتگو سردی کے اولوں کی طرح جمی ہوئی ظہور میں نہیں آتی، اور غم اور سرگشتگی اسے نڈھال نہیں کرتے۔

6۔ وہ اپنی تمام عمر چلتا جاتا ہے، گرمی میں ٹھنڈے میٹھے سائے اسے متاثر نہیں کرتے۔

7۔ اس کی نظر جنتوں پر نہیں ہے، کسی مصیبت کی وجہ سے اگر اس کی ساری دنیا بھی مٹ جائے تو بھی وہ کسی سیدھی کھڑی چٹان کی طرح رہتا ہے، جھکتا نہیں۔

8۔ ہر طرف ہلاکت کے گڑھے ہیں، دنیائیں اندھیر ہو جائیں، سورج بے نور ہو جائے، چاند غروب ہو جائے۔

9۔ مصیبت عام ہو جائے اور ساتوں طبق بھی زمین پر گر جائیں، تو بھی وہ اپنے رستے سے اِدھر اُدھر نہیں ہوتا اور اس کی مشعل بجھتی نہیں۔

10۔ وہ روح کہ جسے ایمان روشن کر رہا ہو، وہ کبھی نہیں بجھتی، وہ دل کتنا پاکیزہ ہے جس کی تکمیل وہ ایمان کے ساتھ کر رہا ہے!

11۔ بالکل آتش فشانوں کی طرح کہ جنھیں کوئی چیز روک نہ سکے، ایک آواز ہے جسے وہ وجدان کے لیے دل سے نکال رہا ہے۔

12۔ اے شاہراہ پر چلنے والے مسافر، بلاشبہ وہ فجر طلوع ہو گئی ہے اور اس کی مشعل آ چکی ہے جو تاریکیوں کو خون کے آنسو رُلا دے گی۔

13۔ پس اُوپر ستاروں کی طرف چڑھتا جا، تو جنتوں سے آنے والا ایک ہاتھ ہے جو انسان کو خلاصی دینے والا راستہ اُٹھائے ہوئے ہے۔

ایسے لگتا ہے جیسے یہ اشعار مجاہد کبیر بدیع الزمان کے بارے میں لکھے گئے ہیں؛ کیونکہ یہ بلند پایہ صفات انہی کی ہیں۔

ہمیں غور کرنا چاہیے کہ آیتِ کریمہ ﴿ وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ﴾ میں اللہ تعالیٰ مجاہدین کے ساتھ کس چیز کا وعدہ کرتا ہے؛ وہ ایمان اور قرآن کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے جان اور جہان کو قربان کر دینے والے مجاہدین کے ساتھ ہدایت اور حقیقت کا راستہ واضح کر دینے کا وعدہ کرتا ہے؛ اور جب اس وعدۂ الٰہی کو بروئے کار لانے والی تمام شروط پوری ہو جائیں تو پھر اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف کبھی نہیں کرتا۔

یہ آیت کریمہ استاد نورسی صاحب کی شخصیت کا تحلیلی جائزہ لینے کے لیے ہمیں ایک نورانی مرشد کا کام دے رہی ہیں، چنانچہ ہم اس نُورِ صافی کی روشنی میں اس شخصیت کی گہری صفات و علامات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں؛ کیونکہ جس آدمی کی حفاظت اور حمایت اس انداز سے کی گئی ہو کہ وہ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا مظہر بن گیا ہو اس کے ہاں غم، خوف، قلق واضطراب اور اُکتاہٹ وغیرہ جیسی چیزوں کی کوئی قابلِ ذکر اہمیت نہیں رہ جاتی ہے۔

جی ہاں، اللہ کے نور سے منور ہو جانے والے دل کے آفاق کو کون سا بادل دھندلا اور چھپا سکتا ہے؟

وہ بندۂ خدا جس کی رُوح ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُنس کی سعادت سے بہرہ یاب رہے اُسے یہ فانی امیدیں اور خواہشیں، زوال پذیر عزتیں، عظمتیں، نعمتیں اور پست اغراض و مقاصد اطمینان، سکون اور تسلی کیونکر عطا کر سکتے ہیں۔

بدیع الزمان بلاشبہ ایک مبارک شخصیت اور عنایتِ ربانیہ کا ایک نادرِ روزگار مظہر ہیں، اس کے ہاں جیل کے بندی خانے اور گلستان برابر ہو چکے ہیں، وہ ان دونوں سے ابدی نورانی علوم کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ پھانسی گھاٹ کی لکڑیاں اس کے ہاں وعظ و ارشاد کے منبروں کی حیثیت اختیار کر چکی ہیں جن پر چڑھ کر وہ انسانیت کے کانوں میں بلند مقاصد کی راہ میں صبر و شکر، ثابت قدمی، زندہ دلی اور بے جگری کے درسوں کا رس گھولتے ہیں اور — پے در پے — قید خانے اس کے ہاں یوسفی مدرسوں کا رُوپ اختیار کر چکے ہیں جن میں وہ ایک بہت بڑے استاد کی حیثیت سے لیکچر دینے کے لیے داخل ہوتا ہے؛ کیونکہ اُن میں قید تمام قیدی اس کے شاگرد ہیں جو اس کی رہنمائی کے بہت زیادہ محتاج ہیں۔

اُس کا ہر دن چند ابنائے وطن کے ایمان کو بچا لینا اور مجرموں کی کایا پلٹ کر انہیں فرشتوں جیسے انسان بنا دینا ایک ایسی سعادت ہے جو اُس کے ہاں دُنیا کے کسی بھی پیمانے سے ماپی تولی نہیں جا سکتی ہے۔

اخلاص و ایمان کے ان بلند پایہ احساسات میں گُندھا ہوا انسان بلاشبہ تھوڑی دیر کے لیے چمکنے والی کھوٹی تاثیر کو یقیناً تیاگ چکا ہے جو اِس کثیف مادی دنیا میں زمان و مکان کے مفہوم سے جنم لیتی ہے، اور اپنی روح کو اپنے چمکدار انوار کے ساتھ جگمگاتے ہوئے معنوی دنیا کے آفاق کی بلندی تک لے جا چکا ہے۔

بلاشبہ وہ تمام مقام عالی کہ جس کا تعارف کبار صوفیہ کرام ''فنا فی اللہ'' اور ''بقا باللہ'' کے نام سے کراتے ہیں، اسی قدسی مقام کو حاصل کر لینے کا نام ہے۔

جی ہاں، ہر صاحبِ ایمان آدمی اُنس، حضوری، خشوع و خضوع، فیضان، تجرّد اور استغراق سے کچھ نہ کچھ حصہ ضرور پاتا ہے اور ہر آدمی اپنے ایمان و عرفان، اپنے تقویٰ و صلاح کاری اور استعداد اور معنوی قوتوں کے حساب سے اس فیضانِ الٰہی سے سیراب ہوتا ہے۔ البتہ یہ بلند پایہ حالت، خوبصورت تال میل اور بے مثل فیضان ان عظیم الشان مجاہدین و محسنین کے لیے ہمیشہ جاری رہتا ہے جن کا ذکر اِس آیتِ کریمہ میں ہوا ہے۔ اس بنا پر یہ لوگ اپنے مولا کریم کو بھولنے کی غفلت میں مبتلا نہیں ہوتے بلکہ تمام عمر اپنے درندوں جیسے نفوسِ امارہ کے ساتھ برسرِ پیکار رہتے ہیں، ان کی زندگی کا ہر لمحہ صفحۂ ہستی پر ترقی و کمال کی بلند پایہ یادیں رقم کر جاتا ہے اور یوں ان کا وجود اور اُن کی ہستی کا ذرّہ ذرّہ جلال و جمال و کمال کی صفات سے متصف ربُّ العالمین کی خوشنودیوں میں ڈھل جاتا ہے۔

اے اللہ! ہمیں اس خوش بخت جماعت میں شامل کر دے۔ آمین!

☆ ☆ ☆

ہم نے گزشتہ صفحات میں اُستاد نورسی کے ایمان کی اس عظمت پر بحث کی ہے جو نہ صرف اُن کے دوستوں کو موہ لیتی ہے اور حیرت میں ڈال دیتی ہے بلکہ ان کے دشمنوں کے دلوں میں بھی رعب ڈالتی ہے۔ جیسے ہر شخصیت کی گونا گوں امتیازی خصوصیات اور محدود صفات ہوتی ہیں جو اس شخصیت کی تشکیل کرتی ہیں، اسی طرح استاد نورسی کی بھی کچھ صفات و خصوصیات ہیں جو اُس کی شخصیت کی تشکیل کرتی ہیں، ہم اس مضمون میں اِس یگانۂ روزگار شخصیت، اُن کے بے نظیر اخلاق وصفات وخصوصیات وکمالات کو موضوعِ بحث بنائیں گے جو نور کے ہالے کی طرح اسے اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہیں۔ اُن میں سے چند ایک یہ ہیں:

ایثار وقربانی

قربانی کسی بھی صاحبِ دعوت کی کامیابی کی اہم ترین شرط ہے، اور خاص کر اُس وقت جبکہ اس کی دعوت اصلاحی بنیادوں پر استوار ہو، ایسی صورت میں دل اور آنکھیں اس اہم نقطے کی پیروی کرنے کے لیے بے تاب ہو جاتے ہیں اور ان میں اُس کے لیے گہرے احساسات پیدا ہو جاتے ہیں۔ استاد نورسی کی زندگی مجموعی طور پر ایثار وقربانی کی تابناک مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

قربانی کے بارے میں ایک دن میں نے علامہ مصطفی صبری آفندی مرحوم سے ایک بڑی پیاری بات سنی، وہ کہہ رہے تھے: ''آج اسلام کو ان بے مثال مجاہدوں کی ضرورت ہے جو صرف اپنی دنیا ہی نہیں بلکہ اپنی آخرت کو بھی قربان کر دینے کے لیے تیار ہوں!''

میں چونکہ اس جلیل القدر انسان کی اس بات کو مکمل طور پر سمجھ نہ سکا تھا، اس لیے مجھے یہ بات صوفیہ کرام کے اُن اقوال و اَسرار کی طرح لگی جو اُن سے استغراق کی حالت میں صادر ہوتے ہیں۔ اس لیے میں نے اس بات کا کسی مجلس وغیرہ میں کبھی کسی سے ذکر نہ کیا، تا آنکہ ایک وقت ایسا آگیا جب میں نے جوش وجذبے سے بھرپور بالکل یہی مقولہ بدیع الزمان کی بعض عبارتوں میں پڑھ لیا تب مجھے اس بات کا ادراک ہوا کہ ایثار وقربانی کا معیار عظیم لوگوں کے حساب سے عظیم تر ہو جاتا ہے۔

کیا وہ تقدُّس مآب مہربان خدا اپنی جانوں کو اسلام کی راہ میں قربان کر دینے والے مجاہدین کی ان قربانیوں کو رائیگاں جانے دے گا؟ کیا اس اَرحمُ الراحمین کو یہ بات پھبتی ہے کہ اپنے جان نثار بندے کو اپنے لطف وکرم، اپنی رحمت اور اپنی عنایت سے محروم رکھے؟ حاشا وکلّا! ہزار بار حاشا وکلّا!

بدیع الزمان اِس بے محل تجلّی کی تابندہ ترین مثال بن کر چمک رہے ہیں۔ انہوں نے تمام زندگی دنیا کی تمام لذتوں

سے اور اس کی جائز لطف اندوزیوں سے کنارہ کش رہ کر گزاری۔ وہ تمام عمر مجرد رہے، انہیں اتنا وقت نہیں ملا جس میں وہ ایسی پُرسعادت عائلی زندگی کی بنیاد رکھ سکتے جس کے گھنے سائے میں آرام سے بیٹھ جاتے اور لطف اندوز ہوتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی اتنی خوبصورت بنادی کہ ہمارے فانی قلم اُس کی عظمت وجلالت کو بیان کرنے سے قاصر ہیں! چنانچہ دنیا میں وہ کون سا گھرانہ ہے جس کا سربراہ ایسا سعادت مند ہو جیسے بدیع الزمان ہے، جو کہ معنوی طور پر ایک بہت بڑے گھرانے کا سربراہ ہے!

آج دنیا میں ایسا خوش بخت کون ہے جو اُن کی طرح لاکھوں نیکوکار بیٹوں کا باپ ہو؟

اور ان جیسا کون استاد ہے جس نے طلبہ کے اس جمِ غفیر کی تربیت کی ہو؟

یہ مقدس روحانی تعلق باذن اللہ رہتی دنیا تک قائم رہے گا اور نور کی شاہراہ پر ابدُ الآباد کی طرف بڑھتا جائے گا؛ کیونکہ یہ دعوتِ الٰہی قرآن کریم کے نور کے سمندر میں وجود پذیر ہوئی، پروان چڑھی اور جگمگائی ہے۔ اسی سے پھوٹی ہے اور اسی کے سنگ رہے گی۔

شفقت ورحمت

استاد نورسی نے بچپن ہی سے حق وحقیقت کا راستہ پالیا تھا۔ حتی کہ جن دنوں وہ اپنے دل کی آوازوں اور روح کی سرگوشیوں کو سُننے کے لیے غاروں میں جا کر بیٹھتے تھے؛ اُن دنوں میں بھی وہ عبادت، اطاعت، تفکُّر اور مراقبے سے اَذواق وفیوض حاصل کرنے والے ایک ''عارف باللہ'' تھے۔

لیکن ان خوفناک ایام میں کہ جب کفر واِلحاد کا خطرہ ہر جگہ منڈلا رہا تھا اور اس کی تاریک رات کی لہریں عالم اسلام کو اور خاص کر ترکی کو اپنی لپیٹ میں لینے پر تُلی ہوئی تھیں، اُن دنوں میں اُستاد نورسی جہاد کے میدان میں ایسے کود پڑے جیسے شیر چھلانگ لگا کر اپنی جھاڑی سے باہر آجاتا ہے، یا جیسے آتش فشاں پھٹ جاتا ہے اور دہکتے انگارے برسانا شروع کر دیتا ہے، اُنہوں نے اس بلند پایہ دعوت کی راہ میں اپنا ہر قسم کا آرام وسکون تیاگ دیا۔ اُس دن سے ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر کلمہ ایک انگارہ بن گیا، ان کی ہر سوچ دلوں کو گرمانے اور بھرمانے والا اور افکار واحساسات کو بھڑکانے والا ایک شعلہ بن گئی۔

استاد نورسی کا مکمل طور پر گوشہ نشیں اور عُزلت گزین ہو جانے کے بعد رہنما بن کر سماجی زندگی کی طرف پلٹ آنا امام غزالی کی زندگی کے اہم ترین تاریخی مرحلے کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بڑے لوگوں کو ارشاد وتوجیہ ورہنمائی اور روشنی بکھیرنے کی ذمہ داری اُس وقت سونپتا ہے جب کچھ دیر کے لیے انہیں گوشہ نشیں بنا کر اُن کی تربیت کر لیتا ہے اور انہیں تزکیہ وتصفیہ کے مراحل سے گزار لیتا ہے۔ اسی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ ان شبنم کے

قطروں سے بھی زیادہ پاک صاف اور تابناک باطن کے جھونکے جب بھی دلوں پر اپنا عکس ڈالتے ہیں، ان پر بے مثال قسم کے نقوش و آثار چھوڑ جاتے ہیں۔

جیسے آج سے نو سو سال پہلے امام غزالی نے اخلاق و فضائل کے میدان میں فتوحات کی ہیں، اسی طرح اس دور میں بدیع الزمان نے ایمان و اخلاص کے میدان میں فتوحات کو آشکار کیا ہے۔

جی ہاں، استاد نورسی کو جو چیز اس جہاد کے بھڑکتے ہوئے میدان میں کشاں کشاں لے آئی وہ اُن کا وہ شفقت و رحم دلی کا جذبہ ہی ہے جس کی نظیر اس دور میں کم ہی ملتی ہے۔ اس حقیقت کے بارے میں ہم انہی کی زبان سے سنتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

''لوگ مجھ سے کہتے ہیں: تو لوگوں کے معاملات میں دخل اندازی کیوں کرتا ہے؟

میں کہتا ہوں: مجھے خود اس کا پتا نہیں چلا...... میرے سامنے ایک ہولناک قسم کی آگ بھڑکی ہوئی ہے جس کے شعلے آسمان کو چھو رہے ہیں...... اِس میں میرا بیٹا جھلس رہا ہے...... اُس کے شعلے میرے ایمان کی طرف بڑھ رہے ہیں...... اس لیے میں یہ آگ بجھانے اور اپنے ایمان کو اس آگ سے بچانے کے لیے تیزی سے اُٹھتا ہوں، لیکن اب مجھے روکنے کے لیے اگر کوئی میرے راستے میں کھڑا ہو جاتا ہے، اور اسے میرے پاؤں کی ٹھوکر لگ جاتی ہے...... تو اس ہولناک آگ کے سامنے اس چھوٹے سے حادثے کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے؟ تنگ سوچ اور کوتاہ نظری۔''

استغنا و بے نیازی

استاد نورسی نے اپنی زندگی میں استغنا کی ہزاروں مثالیں قائم کی ہیں، اور وہ مثالیں ہمارے اس معاشرے کے ہر طبقے میں زبان زد عام ہو چکی ہیں؛ کیونکہ استاد نورسی اپنے استغنائے تام کی وجہ سے ماسوٰی سے مادی اور معنوی طور پر بالکل علیحدہ ہیں۔ اور اپنی تمام ہستی کے ساتھ ربُّ العالمین کے اس بے پایاں خزانے کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ اور یہ چیز انہوں بطورِ عادت ہی اختیار نہیں کی ہے بلکہ یہ ان کا مذہب، مسلک اور مشرب رہا جس پر وہ تمام زندگی کاربند رہے، اور حالات جیسے بھی رہے ہوں وہ اس سے دستبردار نہ ہوئے۔

قابلِ توجہ بات اس ضمن میں یہ ہے کہ ان کا یہ مسلک صرف اُنہی تک محدود نہیں رہا بلکہ ایک مقدس فکر کی طرح اُن کے شاگردوں میں بھی منتقل ہو گیا، اس حد تک کہ ایک نوری طالبِ علم جو نور کے سمندر میں نہا لینے کی وجہ سے شرافت کا مظہر بن گیا ہے، اُس کے استغنا کی کیفیت کو دیکھ کر عام آدمی حیرت زدہ رہ جاتا ہے!

ذرا ملاحظہ کریں کہ وہ اِس اہم ترین نقطے پر اپنی بلند پایہ شاہکار کتاب ''مکتوبات'' کے دوسرے مکتوب میں ایمانی و عرفانی احساس کے ساتھ کتنے خوبصورت انداز میں چھ پہلوؤں سے روشنی ڈالتے ہیں۔

پہلا سبب: اہلِ ضلالت اہلِ علم پر بے محابہ تہمت لگاتے ہیں کہ اہلِ علم اپنے علم کو اپنی گزر اوقات کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ اور ان پر زیادتی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ علماء علم اور دین کو اپنے روزگار کا وسیلہ بنا لیتے ہیں۔ اس لیے ان لوگوں کو عملاً جھوٹا ثابت کرنا بہت ضروری ہے۔

دوسرا سبب: ہم حق کی نشر واشاعت کے لیے انبیاء علیہم السلام کی اتباع کے مکلّف ہیں، کیونکہ جن لوگوں نے حق کی نشر واشاعت کی ہے انہوں نے لوگوں سے مکمل استغنا کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے قرآن کریم کی زبان سے کہا ہے:

﴿إِنْ أَجْرِيَ إِلاَّ عَلَى اللهِ... إِنْ أَجْرِيَ إِلاَّ عَلَى اللهِ﴾

پس یہ فتوحاتِ الٰہیہ جو کہ "رسائلِ نور" کی صورت میں جلوہ گر ہوئی ہیں؛ انبیاء علیہم السلام کے مسلک کی پیروی کی ایک بے نظیر مثال اور ایک دلکش نتیجہ ہیں۔ اور اسی بنیاد پر اُستاد نورسی اپنے بیش قیمت ہیرے جیسے قیمتی علمی وقار کو محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔

چنانچہ ایک ایسا آدمی جو اُن مختلف مادی اور ذاتی مفادات، دنیاوی مرتبوں اور تنخواہوں کے بندھنوں سے آزاد رہا جن میں عام لوگ جکڑے ہوئے ہیں، ایسا آدمی دلوں کو فتح کیونکر نہیں کرے گا، اور ایمان دار نفوس اس کے فیضان سے اور اس کے نُور سے لبریز کیونکر نہ ہوں گے؟

کفایت شعاری

کفایت شعاری درحقیقت اُسی استغنا کی تفسیر ووضاحت ہے جس کے بارے میں ابھی ہم نے بات کی ہے۔ اور کفایت شعاری کے محل میں داخل ہونے کا ایک ہی دروازہ ہے، اور وہ ہے "استغنا"، اس لیے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ استغنا اور کفایت شعاری کے درمیان لازم وملزوم کا تعلق ہے۔

استاد نورسی جیسا مجاہد کہ جس نے استغنا کے باب میں انبیا کو نمونہ بنایا ہے، اس کے ہاں کفایت شعاری ایک فطری خصلت بن جاتی ہے۔ تب اسے ایک دن کی خوراک کے لیے روٹی کے ایک ٹکڑے اور تھوڑے سے شوربے کے ساتھ پانی کا ایک گلاس کافی ہوجاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا عظیم انسان فرانسیسی شاعر "لامرتین" کے بقول: "کھانے کے لیے نہیں جیتا بلکہ جینے کے لیے کھاتا ہے۔"

استاد نورسی کے مسلک ومشرب کے بارے میں چندیں معلومات حاصل کر لینے کے بعد میں نہیں سمجھتا کہ اُن کی اس بلند پایہ کفایت شعاری کو صرف طعام وشراب جیسے معمولی معمولی معاملات میں ہی اور صرف مادی اُمور میں ہی منحصر کردیا جائے، بلکہ یہ عظیمُ الشان انسان اس قابل ہے کہ اس کی کفایت شعاری کا انداز معنویات کے میدان میں بھی پیش نظر رکھا

جائے!

مثال کے طور پر اُستاد کی کفایت شعاری کا دائرہ کار صرف کھانے پینے اور پہننے تک ہی محدود نہ تھا بلکہ وہ ایک عبقری انسان تھے اور سوچ فکر، ذہن، وقت، قابلیت و استعداد حتی کہ جان اور سانس جیسی مجرد معنوی اقدار کو بھی انتہائی دقیق میزان کے ساتھ ناپ تول کر استعمال کرتے تھے کہ مبادا ان کے استعمال میں کوئی کمی بیشی ہو جائے یا یہ بے کار اور بے فائدہ چلے جائیں!

یہ بے لاگ مراقبہ اور دقیق محاسبہ جو آپ کی تمام زندگی میں آپ کا دستور العمل اور عادت بن کر رہ گیا تھا، اس کے بنیادی اصول اُنہوں نے اپنے تمام شاگردوں کو تلقین کر دیے تھے۔ اس لیے کوئی بھی طالبِ نور کوئی بھی کتاب کسی بھی وقت ایسے ہی پڑھنا شروع نہیں کر دے گا اور اِدھر اُدھر کی ہر بات کو کان لگا کر پورے دھیان سے نہیں سنے گا؛ کیونکہ اُس کا دل کسی ایسے کلمے کو ہی اپنی توجہ کا مرکز بناتا ہے جو تمام معاملات میں اُسے ''خبردار''، ''خبردار'' کہہ کر جھنجھوڑتا رہے!!

یوں اپنی اس روش سے استاد نُورسی نے ایک پاکیزہ نسل کی تربیت کر کے عملی صورت میں یہ بات ثابت کر دی کہ وہ ایک بے مثال مُربی اور باصلاحیت مصلح ہیں...... اور وہ ایک ایسے نادرِ روزگار انسان ہیں جنہوں نے کفایت شعاری کی تاریخ میں نور کی سطروں سے لکھے گئے ایک تابناک صفحے کا اضافہ کر دیا ہے۔

تواضع اور بے نفسی

رسائلِ نور کے چار دانگ عالم میں وسیع پیمانے پر پھیل جانے میں اِن دو خصلتوں کا بڑا گہرا عمل دخل ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ استاد نے اپنے دروس میں اور اپنی تالیفات میں اپنے لیے ''قطبُ العارفین'' اور ''غوث الواصلین'' جیسے القاب اختیار نہیں کیے ہیں؛ یہی وجہ ہے کہ دل ان کی طرف سرگرم احساسات کے ساتھ متوجہ ہو گئے اور ان کے ساتھ خالص ترین اور پاکیزہ ترین محبت کرنے لگ گئے اور فوراً ان کے بلند پایہ مقصد کی جیتی جاگتی تصویر بن گئے۔

مثال کے طور پر؛ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے اخلاق و فضائل اور حکمتوں اور عبرتوں بھرے دروس میں بات کا رُخ براہِ راست اپنی ذات کی طرف پھیر دیتے ہیں اور اپنی تلخ و شیریں، تند و تیز اور دہکتی گفتگو کا اوّلیں مخاطب اپنی ذات کو ٹھہراتے ہیں۔

اور وہیں سے وہ تمام نور و سرور مرکز سے محیط کی طرف پھیلتے ہوئے سعادت و حضور کے دیوانے دلوں کی طرف پھیل جاتا ہے۔

آپ اپنی ذاتی زندگی میں آخری درجے کے بردبار، وضعدار، متواضع اور صلح کُل قسم کے انسان تھے، کسی بھی انسان کو حتی کہ ذرّے کو بھی تکلیف دینے کے روادار نہیں تھے، اور اس ضمن میں بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار رہتے تھے، بے شمار تکلیفیں، مشقتیں، محرومیاں اور سختیاں برداشت کر جاتے تھے، بشرطیکہ اس راہ میں اُن کے ایمان اور قرآن

پر کوئی حرف نہ آتا ہو!

میں نے اس پُرسکون بحر کو ایسا طوفان بنتے کبھی نہیں دیکھا جس کی لہریں آسمان کی طرف اُٹھ رہی ہوں، اور اسے کبھی ایسا سمندر بنتے نہ دیکھا جو ساحلوں پر خوف و ہراس پیدا کرتا ہو؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ قرآنِ کریم کے سچے خادم ہیں اور ایمان کی سرحدوں پر پہرہ دینے والے غیرت مند جاں نثار سپاہی ہیں۔

اُنہوں نے اس حقیقت کی خود ہی اپنے ان الفاظ کے ساتھ وضاحت کی ہے: سپاہی جب اپنی باری کے مطابق ڈیوٹی پر ہوتو اسے اپنا اسلحہ کبھی نہیں اُتارنا چاہیے، اگر چہ خود کمانڈر جنرل ہی کیوں نہ آجائے۔ اور میں بھی قرآن کا خادم اور اُس کا سپاہی ہوں، میں جب ڈیوٹی پر ہوتا ہوں تب میرے سامنے میدان میں کوئی بھی آجائے میں ''حق یہی ہے'' کہتا ہوں اور سر نہیں جھکاتا ہوں۔

مندرجہ ذیل اشعار ان کی اُس حالت کی منظر کشی کرتے ہیں جب وہ اپنی ڈیوٹی پر اور میدانِ جہاد میں ہوتے ہیں:

إِنِّي أُحَطِّمُ كُلَّ قيدٍ كاسرٍ
مُدْمِي اللجامِ لَكالجوادِ الضامر

حاشا لنفسي أن تُباع رخيصةً
في صفقةٍ بيد العدو الغادرِ

جَذري هنا، ذاتي وايماني هنا
حاشا أُباعدُ أو أشِيْحَ بناظري

ان البعاد هو الاسار هوالضّنى
سجن مُذلّ ياله من فاقر

لحظات عمري ماحييتُ لقدغدت
عشقايدوم مدى الزمان الدائر

وكقلعة شمّاءَ ايماني غدا
شيدت ركائزها على يد قادر

كم ذاتُكلِّلُني السعادة والرضى
قدسية الآمال مفترح خاطري

اجدادی الشهداء فی جناتهم
یرجون لقیای بروض عاطر

انی اذا روحی نوت بخلودها
لم یفن عمری خالد لا أمتری

أما الممات فانما هو مرتقی
للقاء ربی ذی الجلال الغافر

1۔ میں توڑ دینے والی ہر زنجیر کو چکنا چور کر دیتا ہوں، میں ایک پھرتیلے گھوڑے کی طرح خون آلود لگام کا حامل ہوں۔

2۔ میری جان خدانخواستہ کسی غدار دشمن کے سودے میں نہیں خریدی جا سکتی۔

3۔ میری جڑ یہاں ہے، میری ذات اور میرا ایمان یہاں ہے، یہ نہیں ہو سکتا کہ میں یہاں سے دور چلا جاؤں یا تنگ نظری کا رویہ اختیار کر لوں۔

4۔ دور ہونا ہی قید ہے، اور قید ہی بخیلی ہے۔

5۔ میں جب تک زندہ ہوں میری عمر کے لحظات گھومنے والے زمانے تک قائم دائم رہنے والے عشق کا روپ اختیار کر چکے ہیں۔

6۔ میرا ایمان ایک فلک بوس قلعہ بن چکا ہے جس کی بنیادیں ایک صاحب قدرت ہستی کے ہاتھ سے اُٹھائی گئی ہیں۔

7۔ میرے دل کو خوش کرنے والی، مقدس آرزؤوں والی سعادت و رضامندی مجھے کس قدر نہال کیے رکھتی ہے!

8۔ میرے شہدا آباواجداد اپنی جنتوں میں عطر بیز باغیچوں میں میرے ساتھ ملاقات کی امید لگائے ہوئے ہیں۔

9۔ میری روح جب اپنی جنت میں آباد ہو جائے گی تو میری عمر فنا نہیں ہوگی بلکہ وہ خلد آشنا ہو جائے گی، اس بارے میں مجھے کوئی شک نہیں۔

10۔ رہی موت، تو وہ مغفرت کرنے والے پروردگار ذوالجلال کی ملاقات کرنے کے لیے اُوپر جانے کا ذریعہ ہے۔

☆ ☆ ☆

میں کتاب کے پیش لفظ میں اُستاد کے مختلف علمی، فکری، صوفی اور ادبی پہلوؤں پر تفصیل سے گفتگو کرنا چاہتا تھا، لیکن مجھے اس بات کا بھی یقین تھا کہ یہ موضوعات اپنی گہرائی اور گیرائی کی وجہ سے چند صفحات میں پورے نہیں آسکیں گے، اس لیے میں نے چند جملوں میں ان کی طرف اشارہ کر دینا ہی مناسب سمجھا۔

میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس بات کی دردمندانہ التجا کرتا ہوں اور اُمید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے ان گہرے موضوعات پر کلیاتِ رسائلِ نور اور طلابِ نور سے استفادہ کرتے ہوئے تحلیلی اور تحقیقی انداز میں ایک مستقل اور ضخیم کتاب لکھنے کی توفیق بخشے گا اور اس ضمن میں میں استاد محترم اور اپنے طالب علم بھائیوں سے خصوصی دعاؤں کا طالب ہوں۔

علم وفضل

ضیا پاشا مرحوم اپنے ایک شعر میں ایک بہت بڑی حقیقت کا اظہار کرتے ہیں جسے لوگوں نے نسل در نسل اپنا دستورُ العمل بنائے رکھا ہے، فرماتے ہیں:

لیس بالأقوال لکن انما	عرّف الانسان مرآةُ العمل
رُتبةُ الانسان دوماً عقلُه	لیس بالمظهر تقدیرُ الرجل

1۔ اقوال کے ذریعے نہیں، انسان کی پہچان صرف عمل کے آئینے نے کروائی ہے۔

2۔ انسان کا مرتبہ ہمیشہ اُس کی عقل ہے، آدمی کی عزت کا معیار اُس کی ظاہری شکل وصورت نہیں ہے۔

جی ہاں، ایک علیحدہ قسم کے یگانہ روزگار آدمی کی علمی فتوحات نے جس اُمتِ اسلامیہ کو ''رسائل نور'' کی شکل میں ایمان وعرفان کی ایک نفیس لائبریری تحفہ میں دی ہو اور دلوں میں ایک مقدّس نورانی اِدارے کی بنیاد رکھ دی ہو؛ ایسے آدمی کی علمی فتوحات کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں گفتگو کرنا چڑھی دوپہر میں سورج کا تعارف کرانے کی طرح ہے!

لیکن جیسے کہ ہمارے ایک دل جلے شاعر نے وجد کی حالت میں کہا ہے ؎

''حُسن وہی ہے کہ جو اِرادہ چھین لے''

یہی وجہ ہے کہ وہ مُبارک انسان کہ جس کی زندگی کا ہر لمحہ تجلّیات اِلٰہیہ کا مظہر بن گئی ہو، ایسے انسان کے علم وعرفان، اَخلاق وکمالات کے بارے میں جس بے مثال ذوق وشوق اور الٰہی جھونکوں کا اضافہ ہوجاتا ہے، اس کی گرفت اتنی مضبوط ہوجاتی ہے کہ میں گفتگو کے اس سلسلے کو دراز تر کرنے پر مجبور ہوجاتا ہوں۔

استاد نورسی نے رسائل نور میں اہم ترین دینی، سماجی، اخلاقی، علمی، ادبی، فلسفی اور روحانی مسائل پر خامہ فرسائی کی ہے اور تمام مسائل کا بہترین انداز میں حل پیش کیا ہے۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ انہوں نے اُن اہم اور مشکل ترین مسائل پر قلم اُٹھایا ہے جن مسائل کی خطرناک راہوں میں بہت سے علما بھٹک چکے ہیں، اور انہیں قطعی صورت میں اور بہترین واضح تر انداز میں حل کر دیا اور اہل السنہ والجماعہ کی پیروی کرتے ہوئے بہت سی اُلجھی ہوئی اور ٹیڑھی ترچھی راہوں سے باہر نکل آئے، اور اپنے رسائل کو پڑھنے والوں کو بھی سلامتی کے ساحل تک پہنچایا۔

اسی راہ ورسم کو سامنے رکھ کر ہم خالص محبت اور دلی اطمینان کے ساتھ اپنے معزز سماج کے تمام طبقوں میں ''کلیات رسائل نور'' پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں؛ کیونکہ یہ قرآن کریم کے نور کے سمندر کے جھلملاتے قطرے اور اس کے خورشیدِ ہدایت کے جھلملاتے بلوریں ٹکڑے ہیں۔

اس بنا پر میرے خیال میں ہر مسلمان کے کندھے پر اس وقت سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ان نورانی کتابوں کی نشر واشاعت کے لیے بھاگ دوڑ کرے جو کہ ایمان کو بچاتی ہیں۔ کیونکہ تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں مل جاتی ہیں جو اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ صرف ایک کتاب بہت سے افراد کی، بلکہ بہت سے خاندانوں کی اور بہت سی جماعتوں اور لاتعداد لوگوں کی ہدایت وسعادت مندی کا سبب بن گئی۔

کتنا خوش بخت ہے وہ انسان جو اپنے مومن بھائی کا ایمان بچانے کا سبب بن جائے!!

افکار وخیالات

یہ بات سب جانتے ہیں کہ ہر مفکر کا ایک خصوصی نظامِ فکر ہوتا ہے، اور اس کے سامنے ایک خصوصی غرض وغایت ہوتی ہے جس کے لیے وہ اپنی تمام فکری زندگی میں دوڑ دھوپ کرتا رہتا ہے، اور اس کے سامنے ایک ''مَثَل اَعلیٰ'' ہوتی ہے جو اس کے تمام وجود پر حاوی ہو چکی ہوتی ہے۔ اور ان پہلوؤں پر گفتگو جب بدیع الزمان نورسی کے بارے میں چلے گی تو اس کے لیے کئی طویل مقدمات درکار ہوں گے۔ البتہ یہ اور بات ہے کہ ان طویل مقدمات کو سمیٹ کر ایک جملے میں بیان کیا جا سکتا ہے، اور وہ یہ ہے:

''تمام انبیاء علیہم السلام کی اور تمام آسمانی کتابوں کی اکلوتی دعوت کا اعلان، یعنی خالقِ کائنات کی اُلوہیت اور اُس کی وحدانیت کا اعلان، اور اس عظیمُ الشان دعوت کو علمی، منطقی اور فلسفی دلائل کے ساتھ ثابت کرنا۔''

کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ استاد نورسی منطق، فلسفہ اور طبیعی علوم کے ساتھ دلچسپی رکھتے تھے؟

جی ہاں، منطق اور فلسفہ جب تک قرآن کے ساتھ صلح وصفائی کے ساتھ چلتے ہیں اور حق وحقیقت کی خدمت کرتے ہیں تو استاد نورسی ایک قادر الکلام منطقی اور سب سے بڑے فلسفی ہیں۔ رہیں وہ تابندہ درخشندہ دلیلیں اور قطعی براہین جنھیں استاد نُورسی دنیا کو دعوت دینے کے لیے اپنی اس بلند پایہ ہمہ گیر دعوت کے اثبات کے ضمن میں استعمال کرتے ہیں؛ وہ طبیعی علوم ہی تو ہیں جو اپنی ڈگر پر چلتے ہوئے پے در پے یہ بات ثابت کر رہے ہیں کہ قرآن واقعتاً اللہ کا کلام ہے۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ فلسفہ جب اپنے اصل معنی میں ''حکمت'' سے صادر ہو تو پھر جو بھی کتاب واجبُ الوجود باری تعالیٰ کی مقدس ذات کے اثبات اور اس کی صفات کو ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہے، وہ کتاب حکمتِ عالیہ بن جاتی ہے اور اس کا مؤلف ایک عظیمُ الشان حکیم اور فلسفی بن جاتا ہے۔

استاد نورسی اسی علمی یعنی قرآن کریم کے نورانی راستے پر چلنے کی برکت سے جامعات کے ہزاروں طالب علموں کے ایمان بچانے کے شرف سے مشرف ہوئے اور اس خصوصی طرزِ عمل کی برکت سے وہ اپنی علمی خصوصیات سے بڑھ کر بہت سی ادبی اور فلسفی امتیازی خصوصیات سے مزین ہو گئے۔ مجھے پوری اُمید ہے کہ اس بارے میں ایک مستقل کتاب لکھوں گا اور اس میں انہی کی تالیفات سے مثالیں پیش کروں گا۔ ومن اللہ التوفیق۔

صوفیانہ پہلو

میں نے ایک دفعہ نقشبندی سلسلے کے ایک جلیلُ القدر متبع سنت عالمِ دین سے پوچھا تھا کہ جنابِ والا! صوفیہ کرام اور علماءِ کرام کے درمیان تعلقات کشیدہ کشیدہ سے کیوں رہتے ہیں؟

تو انہوں نے جواب دیا: ''علمائے کرام نبی ﷺ کے علم کے وارث بنے ہیں، اور صوفیہ کرام آپ ﷺ کے عمل کے؛ اس لیے جو آپ ﷺ کے علم اور عمل کا ایک ساتھ وارث ہوا اُسے ''ذوالجناحین'' کہا جاتا ہے!

اسی بنا پر طریقت کی غرض و غایت یہ ہوئی ہے کہ مصطفی علیہ الصلاۃ والسلام کے اخلاقِ عالیہ سے مزین ہو کر، معنوی بیماریوں سے پاک صاف ہو کر اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں فنا ہو کر رخصتوں کی بجائے عزیمتوں پر عمل کیا جائے۔

اس لیے جو آدمی اس درجۂ عالیہ پر فائز ہو جائے وہ بلاشبہ اہلِ حقیقت میں سے ہوگا، مطلب یہ کہ اُس نے وہ غرض و غایت حاصل کر لی جو طریقت سے مطلوب ہے۔ لیکن اس بلند پایہ مرتبے پر فائز ہونا چونکہ ہر ایک لیے ممکن نہیں ہے اس لیے اس مطلوبہ ہدف تک آسانی کے ساتھ پہنچنے کے لیے ان اکابر نے کچھ معین قواعد مقرر کر دیے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ''طریقت'' کا دائرہ ''شریعت'' کے دائرے کے اندر ہے، چنانچہ جو طریقت کے دائرے سے باہر نکلے گا وہ شریعت کے دائرے میں گرے گا۔ لیکن شریعت کے دائرے سے باہر نکلنے والا ابدی خسارے میں جا گرے گا۔ والعیاذ باللہ! اس جلیلُ القدر عالم نے جو کچھ کہا ہے اُس پر اعتماد کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ: بدیع الزمان کے بتائے ہوئے طریقِ نور اور شوائب سے خالی حقیقی تصوف کے درمیان کوئی جوہری فرق نہیں ہے۔ یہ دونوں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا تک، اور بالآخر جنتِ عالیہ اور رُویت باری تعالیٰ تک پہنچاتے ہیں۔

مذکورہ بیان کی بنیاد رکھتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ اس اصلی غرض و غایت تک پہنچنے کا ارادہ رکھنے والے ہمارے صوفی بھائیوں میں سے جو چاہے بغیر کسی حرج اور رُکاوٹ کے رسائلِ نور کو پڑھ سکتا ہے۔ بلکہ رسائلِ نور نے اپنے قرآنی منہج کے ذریعے تصوف میں ''مراقبے'' کے دائرۂ کار کو وسیع کر دیا ہے۔ اور اس میں ''تفکُّر'' کو ایک اہم ترین وِرد وظیفے کی حیثیت سے شامل کر دیا ہے۔

جی ہاں، وہ سالک جو فقط اپنے دل کے مراقبے میں مشغول ہے، اس تفکّر کے ذریعے اس کی آنکھوں کے اور اس کی

روح کے سامنے ایسے آفاق کھل جاتے ہیں جو پہلے نہیں کھلے تھے۔ چنانچہ وہ اپنے دل اور اپنے لطائف کے ذریعے ایک ساتھ ذرّوں سے لے کر سیاروں تک مراقبہ، مشاہدہ اور غور و تامُّل کرتا ہوا اپنے دل اور اپنے لطائف کے ذریعے ذرّوں سے لے کر ستاروں تک تمام کائنات کا اور اُس کی عظمت و ہیبت کا مطالعہ کرتا ہے۔ اور ان عوالم میں کمال وجد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور صفات عالیہ کی لامحدود تجلیات کا دیدار کرتا ہے۔ تب وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اُس کا یہ شعور علمُ الیقین، عینُ الیقین اور حقُ الیقین کے درجے تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ ایک غیر محدود بے پایاں عبادت گاہ کے پہلوؤں میں ہے۔

کیا بات ہے اس عظیمُ الشان ہیبت خیز عبادت گاہ کی جو کروڑوں جماعتوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے!! جس میں ہر ایک پورے خشوع و خضوع اور استغراق میں اپنے خالق کا ذکر کر رہا ہے۔ اور ہر ایک اپنی بولی میں، اپنے سُر میں، اپنے نغمات میں اور اپنی خوبصورت اور پُرسوز زبان کے ساتھ ایک ہی آواز کی طرح پوری ترتیب کے ساتھ سُریلی آوازوں میں سُبْحَانَ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللهُ، وَاللهُ اَكْبَرُ کا ورد کر رہا ہے۔

پس وہ آدمی جو ایمان عرفان اور قرآن کے اس راستے پر چلتا ہے جس کی منصوبہ سازی رسائلِ نور نے کی ہے، وہ اس ہیبت خیز اور عظیمُ الشان عبادت گاہ میں داخل ہو جاتا ہے اور ہر آدمی اس سے اپنے ایمان، اپنے عرفان، اپنی استعداد اور اپنے اخلاص کے حساب سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔

ادب

لفظ، معنی، اسلوب اور مضمون کے بارے میں اُدبا، شعرا، مفکرین اور علماء قدیم سے دو گروہوں میں تقسیم ہیں: ایک گروہ صرف اسلوب، تعبیر، وزن اور قافیے کو اہمیت دیتا ہے، چنانچہ اس گروہ نے عمارت کے لیے معنی کو قربان کر دیا ہے۔ اور یہ چیز شعر میں سب سے زیادہ واضح نظر آتی ہے۔

دوسرے فریق نے معنی و مفہوم کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے اور لفظ کے لیے مغز کا خون نہیں کیا ہے:

اس مختصر سے مقدمے کی روشنی میں بدیع الزمان جیسے عظیم مفکر کا ادبی پہلو سمجھنا ممکن ہو جاتا ہے؛ کیونکہ استاد نورسی نے اپنی بابرکت قیمتی زندگی کانوں میں گونجتے رہنے والے کلمات کو نظم کرنے اور ترتیب دینے میں صرف نہیں کر دی ہے، بلکہ یہ عبقری انسان نسلوں، صدیوں اور زمانوں کو دینی احساس، ایمانی شعور، اور اخلاق و فضائل کے مفاہیم و مطالب کی تلقین کرنے میں مصروف رہا تا کہ جب تک نوعِ بشری باقی ہے یہ قلب و ارواح و وجدان و افکار میں ایک زندہ و جاوید مقدّس نمونہ بن کر جگمگاتے رہیں۔ ایسا مجاہد انسان جو اِس بلند پایہ غرض و غایت کو اُجاگر کرنے کے لیے اپنے نفس و نفیس سے دستبردار ہو گیا ہو، اس کا اُسلوب بالکل فطری اور زوال پذیر نقوش و نگار سے خالی ہونا چاہیے۔

لیکن اس کے باوجود استاد چونکہ ایک حساس طبیعت، نازک شعور، گہری سوچ فکر اور وسیع و بلند خیالات کے مالک

ہونے کی وجہ سے ایک فطری قابلیت اور بلند پایہ ادبی صلاحیتوں کے مالک قادرُ الکلام ادیب تھے۔ یہی وجہ ہے کہ موضوعات کے لحاظ سے ان کا اسلوب اور اندازِ تعبیر بدلتا رہتا ہے، چنانچہ وہ علمی و فلسفی مضامین اور عقل کو مطمئن کرنے والے منطقی اور ریاضی دلائل پیش کرتے وقت انتہائی مختصر جملے اور ترکیبیں استعمال کرتے ہیں۔ لیکن جب دل کو بیدار اور روح کو بلند پرواز بنانا چاہتے ہیں تو ان کی عبارتیں بالکل واضح اور تفسیر وتشریح سے بے نیاز اور تابناک ہوتی ہیں۔

مثال کے طور پر: جب وہ آسمانوں، آفتابوں، ماہتابوں، ستاروں اور خاص کر موسمِ بہار کی منظر کشی کرتے ہیں؛ اور جب ان عوالم میں پائی جانے والی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی تجلی کی تصویر کھینچتے ہیں تو ان کا اسلوب ایک انتہائی لطیف شکل اختیار کر جاتا ہے؛ چنانچہ اس اسلوب میں پائی جانے والی ہر تشبیہ آپ کو ایک ایسی ہری بھری لوح کے سامنے کھڑا کر دے گی جس نے خوبصورت ترین چمکدار رنگوں کے جوڑے پہن رکھے ہیں، اور آپ کو ہر تصویر میں ایک ایسا عمدہ اور انوکھا عالم نظر آئے گا جو زندگی کی خصوصیات سے بھرپور ہے۔

اسی چیز کی روشنی میں ایک نوری طالب علم — خواہ وہ یونیورسٹی کی سطح کا ہو اور کسی بھی مضمون میں تخصص کر رہا ہو — رسائلِ نور کے مطالعے کے ذریعے اپنے احساسات، اپنے فکر، اپنی روح اور اپنے وجدان کو اطمینان کی دولت سے مالا مال کر سکتا ہے۔

وہ مطمئن کیوں نہیں ہوگا، جبکہ رسائل نور ورد کا ایک ایسا گلدستہ ہے جو قرآن کریم کے کائنات جیسے وسیع وعریض گلستان سے تیار کیا گیا ہے!!

اور اس بابرکت گلستان میں رحمان کی طرف سے بادِ نسیم کے عطر بیز جھونکے آتے ہیں اور اس میں اُس کی روشنی ہے، تابندگی ہے اور اس کا نُور ہے۔

یَقُوْلُ خَرِیرُ الماءِ بِالرُّوحِ حاجةٌ

لِقُرآنِ رَبِّي دائمًا حاجةَ البشَرِ

ترجمہ: پانی گرنے کی آواز کہتی ہے کہ روح کو میرے پروردگار کے قرآن کی ہمیشہ نوعِ بشر کی طرح ضرورت رہے گی۔

علی عُلوی قوروجو

روح کے سامنے ایسے آفاق کھل جاتے ہیں جو پہلے نہیں کھلے تھے۔ چنانچہ وہ اپنے دل اور اپنے لطائف کے ذریعے ایک ساتھ ذرّوں سے لے کر سیاروں تک مراقبہ، مشاہدہ اور غور و تامُّل کرتا ہوا اپنے دل اور اپنے لطائف کے ذریعے ذرّوں سے لے کر ستاروں تک تمام کائنات کا اور اُس کی عظمت و ہیبت کا مطالعہ کرتا ہے۔ اور ان عوالم میں کمال وجد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور صفات عالیہ کی لامحدود تجلیات کا دیدار کرتا ہے۔ تب وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اُس کا یہ شعور علمُ الیقین، عینُ الیقین اور حقُّ الیقین کے درجے تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ ایک غیر محدود بے پایاں عبادت گاہ کے پہلوؤں میں ہے۔

کیا بات ہے اس عظیمُ الشان ہیبت خیز عبادت گاہ کی جو کروڑوں جماعتوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے!! جس میں ہر ایک پورے خشوع و خضوع اور استغراق میں اپنے خالق کا ذکر کر رہا ہے۔ اور ہر ایک اپنی بولی میں، اپنے سُر میں، اپنے نغمات میں اور اپنی خوبصورت اور پُرسوز زبان کے ساتھ ایک ہی آواز کی طرح پوری ترتیب کے ساتھ سُریلی آوازوں میں سُبْحَانَ اللہِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ، وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ، وَاللہُ اَکْبَرُ کا ورد کر رہا ہے۔

پس وہ آدمی جو ایمان عرفان اور قرآن کے اس راستے پر چلتا ہے جس کی منصوبہ سازی رسائلِ نور نے کی ہے، وہ اس ہیبت خیز اور عظیمُ الشان عبادت گاہ میں داخل ہو جاتا ہے اور ہر آدمی اس سے اپنے ایمان، اپنے عرفان، اپنی استعداد اور اپنے اخلاص کے حساب سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔

ادب

لفظ، معنی، اسلوب اور مضمون کے بارے میں اُدبا، شعرا، مفکرین اور علماء قدیم سے دو گروہوں میں تقسیم ہیں: ایک گروہ صرف اسلوب، تعبیر، وزن اور قافیے کو اہمیت دیتا ہے، چنانچہ اس گروہ نے عمارت کے لیے معنی کو قربان کر دیا ہے۔ اور یہ چیز شعر میں سب سے زیادہ واضح نظر آتی ہے۔

دوسرے فریق نے معنی و مفہوم کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے اور لفظ کے لیے مغز کا خون نہیں کیا ہے:

اس مختصر سے مقدمے کی روشنی میں بدیع الزمان جیسے عظیم مفکر کا ادبی پہلو سمجھنا ممکن ہو جاتا ہے؛ کیونکہ استاد نورسی نے اپنی بابرکت قیمتی زندگی کانوں میں گونجتے رہنے والے کلمات کو نظم کرنے اور ترتیب دینے میں صرف نہیں کر دی ہے، بلکہ یہ عبقری انسان نسلوں، صدیوں اور زمانوں کو دینی احساس، ایمانی شعور، اور اخلاق و فضائل کے مفاہیم و مطالب کی تلقین کرنے میں مصروف رہا تا کہ جب تک نوعِ بشری باقی ہے یہ قلب و ارواح و وجدان و افکار میں ایک زندہ و جاوید مقدّس نمونہ بن کر جگمگاتے رہیں۔ ایسا مجاہد انسان جو اِس بلند پایہ غرض و غایت کو اُجاگر کرنے کے لیے اپنے نفس و نفیس سے دستبردار ہو گیا ہو، اس کا اُسلوب بالکل فطری اور زوال پذیر نقوش و نگار سے خالی ہونا چاہیے۔

لیکن اس کے باوجود استاد چونکہ ایک حسّاس طبیعت، نازک شعور، گہری سوچ فکر اور وسیع و بلند خیالات کے مالک

ہونے کی وجہ سے ایک فطری قابلیت اور بلند پایہ ادبی صلاحیتوں کے مالک قادرُ الکلام ادیب تھے۔ یہی وجہ ہے کہ موضوعات کے لحاظ سے ان کا اسلوب اور اندازِ تعبیر بدلتا رہتا ہے، چنانچہ وہ علمی و فلسفی مضامین اور عقل کو مطمئن کرنے والے منطقی اور ریاضی دلائل پیش کرتے وقت انتہائی مختصر جملے اور ترکیبیں استعمال کرتے ہیں۔ لیکن جب دل کو بیدار اور روح کو بلند پرواز بنانا چاہتے ہیں تو ان کی عبارتیں بالکل واضح اور تفسیر وتشریح سے بے نیاز اور تابناک ہوتی ہیں۔

مثال کے طور پر: جب وہ آسمانوں، آفتابوں، ماہتابوں، ستاروں اور خاص کر موسمِ بہار کی منظر کشی کرتے ہیں؛ اور جب ان عوالم میں پائی جانے والی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی تجلی کی تصویر کھینچتے ہیں تو ان کا اسلوب ایک انتہائی لطیف شکل اختیار کرجاتا ہے؛ چنانچہ اس اسلوب میں پائی جانے والی ہر تشبیہ آپ کو ایک ایسی ہری بھری لوح کے سامنے کھڑا کردے گی جس نے خوبصورت ترین چمکدار رنگوں کے جوڑے پہن رکھے ہیں، اور آپ کو ہر تصویر میں ایک ایسا عمدہ اور انوکھا عالم نظر آئے گا جو زندگی کی خصوصیات سے بھرپور ہے۔

اسی چیز کی روشنی میں ایک نوری طالب علم — خواہ وہ یونیورسٹی کی سطح کا ہو اور کسی بھی مضمون میں تخصص کر رہا ہو — رسائلِ نور کے مطالعے کے ذریعے اپنے احساسات، اپنے فکر، اپنی روح اور اپنے وجدان کو اطمینان کی دولت سے مالا مال کرسکتا ہے۔

وہ مطمئن کیوں نہیں ہوگا، جبکہ رسائل نور وِرد کا ایک ایسا گلدستہ ہے جو قرآن کریم کے کائنات جیسے وسیع وعریض گلستان سے تیار کیا گیا ہے!!

اور اس بابرکت گلستان میں رحمان کی طرف سے بادِنسیم کے عطر بیز جھونکے آتے ہیں اور اس میں اُس کی روشنی ہے، تابندگی ہے اور اس کا نُور ہے۔

يَقُوْلُ خَرِيْرُ الماءِ بِالرُّوحِ حاجةٌ

لِقرآنِ رَبِّي دائمًا حاجةَ البشَرِ

ترجمہ: پانی گرنے کی آواز کہتی ہے کہ روح کو میرے پروردگار کے قرآن کی ہمیشہ نوعِ بشر کی طرح ضرورت رہے گی۔

علی عُلوی قوروجو

مدخل

ہمیں آغاز میں ہی اس بات کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ یہ سوانح عمری اس جلیل القدر استاد کی زندگی کے تمام گوشوں کا احاطہ نہیں کر پائی؛ چنانچہ اس میں بہت سے مسائل اختصار کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں اور بہت سے ایسے واقعات واحداث گول کر دیے گئے ہیں جو اُن کی شخصیت کی امتیازی خصوصیات پر روشنی ڈال سکتے تھے۔ وارد ہونے والے بہت سے افکار و مباحث کو اس ایجاز و اختصار کے ساتھ اور لپیٹ کر بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ استاد اُن کے بارے میں تفصیل میں جانا پسند نہیں کرتے تھے۔

ان کی شخصیت کے ساتھ تعلق رکھنے والے مباحث انتہائی اختصار کے ساتھ بیان کرنے کے متعدد اسباب ہیں، ان میں سے اہم یہ ہیں:

استاد شروع سے ہی اپنے رسالوں میں اور درسوں میں یہ بیان کرتے تھے کہ یہ زمانہ جماعت کا زمانہ ہے، اور ایمانی خدمت کے باب میں شخصی امتیازات و کمالات کسی بھی طرح معنوی شخص کے اثرات کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور ان میں سے ایک سبب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی فانی شخصیت کے بجائے قرآن کریم سے پھوٹنے والے رسائل نور کی طرف نظر رکھنے کی طرف توجہ دلایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ تمام قدروں، قیمتوں اور فضیلتوں کا سرچشمہ قرآنی حقیقتیں ہیں جو رسائلِ نور میں جلوہ افروز ہیں۔

اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ انہیں جب اس بات کا پتا چلا کہ ان کی سوانح عمری تیار کی جا رہی ہے تو انہوں نے یہ کہلا بھیجا: ''تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں، صرف وہی مباحث لکھو جن کا تعلق رسائلِ نور کے ساتھ ہے''۔ اس لیے ہم نے زیادہ تر توجہ صرف رسائل نور پر اور ان دفاعی بیانات پر رکھی جن کا مختلف اوقات میں آپ کی زندگی کے ساتھ تعلق رہا ہے، اور جن کا تعلق ان کی ذات سے زیادہ نوری خدمات کے ساتھ ہے۔ اور ہم نے انہیں مقالات و واردات کی صورت میں کچھ اس انداز سے لکھا کہ وہ آپ کے اُس دور کے حالات پر کسی حد تک روشنی ڈالتے ہیں۔

یہ کتاب اپنی اِس شکل میں مستقبل میں بحث و تحقیق کا ذوق رکھنے والے طلابِ نور کے لیے ایک حقیقی مصدر کی صورت گری کرتی ہے۔ اِسی طرح یہ کتاب ان محترم قلمکاروں کے لیے مرجع کی حیثیت رکھے گی جو آپ کی ایسی سوانح حیات لکھنا چاہیں گے۔ جو مزید ثقاہت اور پختگی سے مزین ہو، اور اس کتاب سے کہیں زیادہ مفید ثابت ہوگی۔

اس مناسبت سے ہم اس بات کی یاد دہانی کرنا پسند کرتے ہیں کہ اس کتاب کی تالیف اور ساخت پرداخت میں اُدبا کے قلموں کے حوالے نہیں کیا گیا ہے جو بے بنیاد مبالغہ آرائیوں کی طرف میلان رکھتے ہیں، اور نہ ہی اسے ان قلمکاروں

کے شخصی رایوں کے حوالے کیا ہے جو مختلف مسالک و مشارب کی طرف نسبت رکھتے ہیں، بلکہ یہ کتاب ان تمام چیزوں سے پاک ہے اس میں ایسی کسی چیز کی ملاوٹ نہیں۔

اسی طرح ہمیں اس بات کا بھی اعتراف ہے کہ ہم ایسا طرزِ بیان، ایسی عبارت اور ایسا اسلوب پیش نہیں کر سکے جو رسائلِ نور کے تابندہ و درخشندہ اوصاف کے ساتھ سعید نورسی کی زندگی کے اور اُن کے اُن اخلاق کے شایانِ شان ہو جو اوّل سے لے کر آخر تک بے مثال بہادری اور بے نظیر پاکدامنی کا نمونہ ہیں۔

آپ نے جو ہمہ گیر قسم کی خدمات پیش کی ہیں، ان میں سے صرف ایک ہی خدمت، یا بہادری اور دلاوری کے وہ کارنامے جو آپ نے زندگی کے مختلف مراحل میں سرانجام دیے ہیں، ان میں سے کوئی کسی ایک ہی بے مثل اور خارقِ عادت کارنامہ، یا وہ بے نظیر علمی شہ پارے جو آپ نے تالیفات کی شکل میں پیش کیے ہیں؛ ان میں سے کوئی ایک آدھ واقعہ اور شہ پارہ ہی آپ کو کوئی اس طرح کی معقول وجہ اور اتنا مواد فراہم کر سکتا ہے کہ اس کی روشنی میں اُن کی سوانح عمری پر کوئی قابلِ قدر قسم کی کتاب لکھی جا سکتی ہے؛ چہ جائیکہ جب صورتِ حال یہ ہو کہ اُن کی زندگی منفرد قسم کی بے شمار خوبصورت عادتوں سے اور بلند پایہ اخلاق سے بھرپور ہو، قرآنی خدمات اور ایمانی شجاعت سے معمور ہو، ایک سو تیس کے قریب قیمتی اور نفیس کتابوں کا تاج پہنے ہوئے ہو، اور اس طرح کی ہمہ گیر و پُرتاثیر خدمات سے لبریز ہو جو کسی ایک شہر یا ایک علاقے میں ہی منحصر نہ ہوں، بلکہ عالمِ اسلام اور تمام دنیا میں پھیل چکی ہوں!! بلاشبہ جو آدمی اس طرح کی سیرت کا حامل ہو جو ہم نے بیان کی ہے؛ اِس طرح کی ایک کتاب اُس کی سیرت کا حق ادا نہیں کر سکتی۔

ہم استاد کے مسلک، مشرب اور ان کے خصوصی حالات کی پہچان بھی نہیں کرا سکے، اور نہ اُن کی اس شخصیت کی پہچان کرا سکے ہیں جس نے اُن کی ذات میں اور اُن کی خدمت میں بہت سے عادات و خصائل اور بہتیرے اخلاق و آداب کو جمع کر دیا تھا؛ کیونکہ ایسا کرنے کے لیے اُن کے ہر شاگرد کے ساتھ اور ان لوگوں کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ملاقات کرنا اور ان سے پوچھنا پاچھنا ضروری ہے جو اُن کی خدمت میں رہے اور اُن کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا قریب سے مشاہدہ کرتے رہے، تاکہ اُن کی ایک قدرے مفصل ایسی سوانح حیات مرتب کرنا ممکن ہو جائے۔

☆ ☆ ☆

اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آ جائے گی کہ ایک بہت بڑی حقیقت موجود ہے جو واقعاتی زمین میں ظہور پذیر ہو چکی ہے، اور یہ حقیقت اس قابل ہے کہ اُسے صرف اناطولیہ (ترکی) کے لیے یا عالمِ اسلام کے لیے ہی نہیں بلکہ تمام انسانیت کے لیے قلم بند کر لیا جائے اور دستاویزی شکل میں محفوظ کر لیا جائے اور اس حقیقت میں لوگوں کے بہت سے گروہوں کے شریک ہو جانے کی وجہ سے یہ عمومیت اور ہمہ گیریت کا رُوپ دھار چکی ہے، چنانچہ اس حقیقت کو ''ایمانی رسائلِ نور کی خدمت'' اور ''بدیع الزمان اور طلاّبِ نور'' کا نام دے دیا گیا ہے۔

سوانح عمری کی اس کتاب میں یہ چیز واضح طور پر سامنے آجائے گی کہ اس حقیقت اور دھارے کی ماہیت کیا ہے؟ اس کا سرچشمہ کیا ہے اور غرض وغایت کیا ہے؟ لوگوں کے مختلف طبقات میں اور فرد اور جماعت کی مادی اور معنوی زندگی میں اس کے اثرات کیا مرتب ہوں گے؟ اور امت یا قوم ہونے کی حیثیت میں مستقبل میں ہمارے امن اور ہماری سعادت کو بروئے کار لانے میں اس کا کیا کردار ہوگا؟ اور اخیر میں اس دعوت کے مقابلے میں ہر فرد سرور و امتنان محسوس کرے گا، اِلّا یہ کہ کوئی بالکل ہی بیمار دل، فسادی اور عقل وشعور سے محروم ہو!

ممکن ہے کوئی سوال کرے اور پوچھے کہ اس سوانح عمری کے لکھنے سے مقصد یہ ہے کہ سعید نورسی کو ایک بلند پایہ شخصیت کی صورت میں اُجاگر کیا جائے؟ اُن کی اتنی زیادہ مدح وسرا کی جائے اور انہیں اتنا بڑھا چڑھا کر پیش کیا جائے کہ وہ بشر کے معیار سے کہیں بلند نظر آئیں؟

تو اِس کا جواب یہ ہے کہ: نہیں، پوری ذمہ داری سے کہتے ہیں کہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یاد رہے کہ جس آدمی کو اس دنیا کی حقیقت و ماہیت معلوم ہو جاتی ہے، اس کے نزدیک کسی عارضی شان وشوکت، ریاکاری اور شہرت و ناموری کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی ہے۔ اور جس آدمی کو حقیقت کا ادراک ہو جاتا ہے وہ ان جھوٹی اور زوال پذیر مبالغہ آمیز تعریفوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا اور اپنے گُن گانے والی زباتوں کی طرف توجہ نہیں دیتا۔

اسی بنا پر سعید نورسی جیسا آدمی اس زمین پر ایک عظیمُ الشان معنوی ہیرو نظر آتا ہے۔ ان کی زندگی اگرچہ بہت سے عجیب وغریب کارناموں سے بھری پڑی ہے، لیکن جو چیز توجہ کی طالب ہے، یہ ہے کہ وہ ایک منفرد طرز کے ایثار پیشہ آدمی تھے۔ اُنہوں نے خود کو راہِ حق میں اِس حد تک فنا کر دیا تھا کہ اپنی ذات کی بھی نفی کر دی تھی، وہ عنایتِ الٰہی کا مظہر بن گئے تھے؛ کیونکہ اُنہوں نے پہاڑوں جیسی رکاوٹیں عبور کر لی تھیں اور اپنی مقدّس دعوت کا اعلان بغیر تردّد کے کر دیا تھا اور اپنی اس دعوت کے ساتھ اس دور کے سینکڑوں تخریب کار دھاروں کا اِس حد تک مقابلہ کیا کہ اِسے ساحلِ سلامتی تک پہنچا دیا۔ اور یہی وہ چیز ہے جو اس بات کو پوری تاکید کے ساتھ ثابت کرتی ہے کہ انہوں نے راہِ حق میں خود کو مکمل طور پر قربان کر دیا تھا اور اپنی فانی شخصیت سے مکمل طور پر دستکش ہو چکے تھے اور خود کو مکمل فنا کر چکے تھے۔

جی ہاں، سعید نورسی نے اپنی شخصی عبقریت کے ذریعے عالمِ انسانیت میں کسی نئے راستے کی نشاندہی نہیں کی ہے، بلکہ اپنی دعوت کی بنیاد اس اَزلی حقیقت کو بنایا ہے جو تمام زمانوں پر حکمران رہی ہے، اور اپنی جان اور اپنی زندگی کو اس دعوت کے لیے وقف کر دیا اور اپنی قابلیتوں اور صلاحیتوں کو اس کی خدمت میں لگا دیا۔ اُن کی شخصیت میں اور ان کی خدمت میں نظر آنے والے بلند پایہ کمالات واوصاف اسی قُدسی دعوت کی جھلکیاں ہیں۔

جس طرح یہ ہوتا کہ جب ہزاروں آئینوں کے درمیان ایک روشن چراغ رکھ دیا جائے تو اس کی روشنی کا عکس ہر آئینے کی سطح پر پڑتا ہے اور اس طرح وہ روشنی ایک کلّی حیثیت اختیار کر جاتی ہے اور آئینوں کی تعداد کے برابر عظیمُ الشان قدر و

قیمت حاصل کر لیتی ہے، اسی طرح بدیع الزمانِ کے ساتھ ہوا؛ کیونکہ انہوں نے اپنی توجہ مکمل طور پراَکوان واَزمان کے معنوی سورج قرآنِ حکیم، اوردینِ اسلام کے مبلّغ سیدنا محمد ﷺ پر مرکوز رکھی؛ اس طرح آپ رسائل نور کے ظہور کا وسیلہ بن گئے جن سے ان دونوں کی روشنی منعکس ہو رہی ہے۔ اوراس طرح آپ معنوی طور پراُن ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگوں کے قلوب وارواح میں بس گئے جنہوں نے آپ کی مؤلفات سے نوراورآپ کی دعوت سے قوت اور مدد حاصل کی۔ آپ لوگوں میں ایک مقبول ترین شخصیت بن گئے اور وہ آپ کو ایک عظیم الشان مفکّر اور ایک ایسے انسان کی حیثیت سے یاد کرنے لگے جسے نمونہ بنایا جاسکتا ہے۔

جی ہاں، انہوں نے جب کچھ جاں نثاراورجاں سپار اہلِ ایمان میں سے ایک عظیم معنوی شخص کو کشید کیا، اوراس معنوی شخص کے ذریعے گمراہی کے دھاروں کے آگے ایک نا قابلِ تسخیر قرآنی اور ایمانی بندھ کی بنیاد رکھی اوراپنی اُس مقدس دعوت میں عزم وثبات کا اظہار کیا جس پر آپ خود ایمان لائے تھے، اور جس کے ذریعے اہلِ ایمان کے دلوں میں تحریک پیدا کی تھی اوراسلامیوں کی روحوں میں وجدان اور گرم جوشی کو بیدار کیا، اُن مسکینوں اور ناداروں کی دستگیری کی اوراُن کی طرف دست تعاون بڑھایا جوفنا پذیر چیزوں کے جھانسے میں آچکے تھے، اوراُن کے لیے ایک ہمیشہ باقی رہنے والی حقیقت کا اعلان کیا اوراس بات کی پوری کوشش کی کہ اُن کی نظریں اس حقیقت کی طرف ہی لگے رہیں؛ یہ تمام کام کر کے انہوں نے اہلِ ایمان کے لیے ایک نقطۂ استناد کی بنیاد رکھ دی تھی اور ظاہر ہے کہ یہی تو وہ معانی ہیں اور یہی تو وہ قدریں اور قیمتیں ہیں جنہوں نے آپ کو معنوی طور پر جاوداں بنا دیا ہے!

اور باوجوداس کے کہ اُن کا وظیفہ بہت عالی شان ہے؛ وہ ایک بشر کی طرح ایک عزیز القدر عبداور ایک مستغنی فقیر ہیں، اپنی عبودیت کے وظیفے کی روشنی میں وہ اپنی ذات کے بارے میں جانتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ مجھ میں سب لوگوں سے زیادہ عیب ہیں، مجھ میں سب سے زیادہ کمیاں ہیں اور میں سب لوگوں سے زیادہ عاجز اور فقیر ہوں، چنانچہ وہ رحمت کے دروازے کی چوکھٹ پر سر رکھ کر عاجزی اور فقیری کے ساتھ گریہ زاری کرتے ہیں اور انسانیت کے لیے رحمت اور سعادت طلب کرتے ہیں۔ جی ہاں، وہی کہتے ہیں:

''میں اگرایک بھی آدمی کا ایمان بچالوں تو میرے نزدیک جہنم ایک پھولوں کا باغیچہ ہوگی۔''

آپ نے ایک ایسا وظیفہ ادا کیا ہے کہ سب کواس بات کا علم ہوگیا ہے اور دوست دشمن سب نے گواہی دی ہے کہ انہوں نے صرف اپنی ذات میں ہی انانیت وغرور کے صنم توڑنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ انہوں نے نیچر کے پجاریوں کے بتوں کو بھی توڑ کر انہیں پاش پاش کر دیا ہے۔ آپ پر تہنیت وتبریک اور قدردانی وجوہر شناسی کے جو پھول برسائے گئے ہیں، اس کے پیچھے یہی وجہ کارفرما ہے۔

بعض اخبارات میں وقتاً فوقتاً جو اس طرح کے مضامین چھپتے رہے ہیں کہ دین کے دشمن براہِ راست آپ کا سامنا

نہیں کرتے ہیں بلکہ غالباً پردے کے پیچھے سے وار کرتے ہیں، اور وہ اس طرح کہ اپنے حملوں کا رُخ اُن لوگوں کی طرف کرتے ہیں جو دین کی خدمت میں مصروف ہیں اور اس راہ میں مصائب جھیلتے اور تکلیفیں برداشت کرتے ہیں۔ چنانچہ دین کے یہ دشمن اِس طرح کے مخلص لوگوں کی عام لوگوں کی نظروں میں شہرت کو نقصان پہنچانے کے لیے، اور لوگوں کو اُن سے متنفر کرنے کے لیے اُن پر طرح طرح کے الزام لگاتے ہیں اور انہیں بدنام کرتے ہیں، تاکہ ان کا حوصلہ ٹوٹ جائے، ان کی سرگرمی ٹھنڈی پڑ جائے اور وہ عملی زندگی سے دُور ہو جائیں۔

اپنی اس روِش سے وہ دین کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں، دین کو پھلنے پھولنے سے روکتے ہیں اور کفر اور رذالت کو رواج دینے کے لیے زمین ہموار کرتے ہیں۔ جمہوریت اور مذہبی آزادی میں رواداری کے دور[1] میں حالت جب اس حد تک خراب ہو چکی ہے، تو پھر اس دور کا اندازہ تم لوگ خود لگا سکتے ہو جس میں قومی اسمبلی کے ممبر سے یہ اعلان کیا جاتا تھا کہ دین زہرِ قاتل ہے!!

پچھلے دنوں جن لوگوں نے استاد کو اور طلاّبِ نور کو عدالتوں میں گھسیٹا ان کے درمیان کچھ ایسے چہرے سامنے آگئے جو اپنے تخریبی منصوبوں، اپنی پوشیدہ دشمنیوں اور ذاتی مصلحتوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے پسِ پردہ متحرک تھے۔ ان کا کام تو صرف اتنا تھا کہ وہ اپنی ذمہ داریاں نبھائیں، لیکن اُنہوں نے اچانک پینترا بدل کر بدیع الزمان اور اس کے شاگردوں پر حملے شروع کر دیے، اُن پر طرح طرح کے بے تکے الزام لگا کر انہیں بدنام کرنے لگے اور اُن کی توہین کرنے لگے، ایسے لگتا تھا جیسے انہوں نے بڑے بڑے قومی غداروں اور دیش دروہیوں کو گرفتار کر لیا ہے! اس حد تک کہ عدالت نے جب اِن ملزموں کو بری کر دیا تو کچھ ذمہ دار لوگوں نے افواہ سازی کے قانون پر عمل کرتے ہوئے بے دھڑک یہ افواہیں پھیلا دیں کہ بدیع الزمان کو جلد ہی پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔

ہمارا مقصد یہاں ایسے لوگوں پر یلغار کرنا نہیں ہے، ہم تو صرف حقیقت بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ہوسکتا ہے اُن میں سے اکثر لوگ معذور ہوں اور اُنہوں نے جو کچھ بھی کیا مجبور ہو کر کیا ہو۔

صورتِ حال جو بھی ہو، یہ معاملہ بہر کیف یہ ثابت کرتا ہے کہ جن دنوں بدیع الزمان کو عدالتوں میں لے جایا گیا اور فیصلے اُن کے حق میں ہوتے رہے، اُن دنوں ملحد اور بے دین لوگ پسِ پردہ سازشوں میں مصروف تھے اور تخریب کار تنظیمیں اپنی سرگرمیوں کو پروان چڑھانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھیں۔ اور وہ لوگ جب محکمانہ طور پر انہیں مجرم ثابت نہ کر سکے اور اُن کی دعوت کا راستہ نہ روک سکے تو اُن کے خلاف ظالم قسم کی افترا پردازی کرنے لگے، اُن پر

---

[1] اس سے مراد وہ پانچ دہائیاں ہیں جس میں ترکی میں ڈیموکریٹک پارٹی برسرِ اقتدار رہی اور یہ سب اس دور کے پچیس سال بعد ہوا جسے ''تاسیس جمہوریت'' کا نام دیا جاتا ہے، جس میں ترکی ایسے سیاسی ہتھکنڈوں سے آشنا ہوا جو دین اور دینی شعائر کے ساتھ برسرِ پیکار تھے اور دین داروں پر ظلم وستم روا رکھتے تھے۔

سوقیانہ قسم کے جھوٹے الزام لگانے لگے، ان کے خلاف پورے زور وشور سے پروپیگنڈہ کرنے لگے اور سوچ سمجھے منصوبے کے تحت انہیں نشانہ بنا کر ان پر حملے کرنے لگے۔ لیکن ایسے دردناک حالات کا مشاہدہ کرنے والا ہر منصف مزاج آدمی بغیر کسی تردّد کے یہ بات کہہ دیتا تھا کہ ''یہ آدمی ایک پامرد مستقیم عالم اور حقیقت پرست انسان ہے۔''

بنابریں، ہم نے جو کچھ بھی بتایا ہے وہ اُن مضامین کی نشر و اشاعت کے لیے ایک بہت بڑا عامل بن جانا چاہیے جو بدیع الزمان اور رسائل نور کی تعریف وستائش، مدح سرائی اور قدر شناسی کے بارے میں لکھے گئے ہیں، اور نشر و اشاعت کا یہ سلسلہ بغیر کسی انقطاع کے مسلسل چلتا رہنا چاہیے، اور یہ کہ ان کی طرف انگشتِ تنقید بلند نہیں ہونی چاہیے؛ کیونکہ یہ بات سب پر عیاں ہے کہ جن لوگوں نے اِس آدمی کے حالات زندگی میں اور اُس کی تالیفات میں غور سے کام لیا ہے، انہوں نے کمال قدر دانی سے کام لیتے ہوئے صرف اور صرف تعریف وثنا اور مدح وتبریک کا راستہ اختیار کیا ہے۔

اس قسم کے واقعات خاص طور پر اُن تحقیقاتی اور عدالتی کمیٹیوں کے ساتھ پیش آئے جہاں اُستاد کو عدالتی کاروائی کے لیے پیش کیا گیا، ان لوگوں نے جب آپ کی سیرت اور کردار کو دیکھا اور آپ کی کتابوں کو گہری نظر سے پڑھا تو اِن میں نظر آنے والے حسن و جمال اور کمالات کی تصدیق کی۔ اور اس بات سے اس حقیقت کی تاکید ہو جاتی ہے جس کی صراحت اُمت کے ذہین ترین اور دور اندیش ترین لوگوں نے کی ہے۔ اسی طرح جس حقیقت کی صراحت اہلِ عقول و اہلِ قلوب نے سعید نورسی اور رسائلِ نور کے حق میں بیان دے کر کی ہے؛ اور وہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اس معاملے کو ایک حقیقتِ کُبریٰ کا ظہور مانا ہے جس کا آغاز نصف صدی پہلے ہو گیا تھا اور ابھی تک جاری ہے، اور وہ حقیقت روز بروز پھلتی پھولتی اور ہمہ گیر ہوتی جا رہی ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ جب علیم ہے، اور اس کا علم اور اس کی مدح وثنا ہی کافی ہے؛ اور جب بڑے بڑے باکمال لوگ ہمیشہ پوشیدگی کو ترجیح دیتے چلے آئے ہیں؛ اور جب یہ حقیقت ہے کہ حقائق عالمِ بقا میں پوری آب وتاب کے ساتھ واضح طور پر پھیلا دیے جائیں گے؛ تو پھر رسائل نور کی خوبیوں کا، ان کی عزت افزائیوں کا، اور ان پر برسنے والے الٰہی الطاف وعنایات کا ذکر اس لمبے چوڑے انداز کے ساتھ کیوں کیا جاتا ہے؟ اور ان عجیب وغریب کمالات کو اور توفیقوں کو اس حد تک موضوعِ سُخن کیوں بنایا جاتا ہے جو سعید نورسی کو قرآنی خدمات کے دوران ملی ہیں؟

پھر ہم انہیں نشر کیوں کریں؟ کیونکہ ایسا ہوا ہے، اور اُن کی بہت سی علمی تالیفات کے ساتھ اس طرح کی بہت سی تقریظات[1] لگا دی گئی ہیں!!

جواب: رسائلِ نور اس طرح کے سوالوں کے جواب بڑی وضاحت سے دیتے ہیں، اُن میں سے ایک سوال کا خلاصہ یہ ہے:

---

[1] کسی کتاب کے لیے ایسا مضمون لکھنا جس میں کتاب اور مصنف دونوں کی تعریف کی گئی ہو۔ (مترجم)

بدیع الزمان نے رسائلِ نور کے ذریعے جو خدمت سرانجام دی ہے وہ تمام کی تمام قرآن کریم کے کھاتے میں جاتی ہے، دیگر ہیچ۔ اور وہ خوبیاں اور عزت افزائیاں جو رسائل نور کے حصے میں آئی ہیں ان کا ذکر ایمان کے حقائق کو نشر کرنے کے لیے، مسلمانوں کی کمر ہمت باندھنے کے لیے اور ان کے ایمان کو مضبوط کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ کچھ اور چیزیں بھی جڑی ہوئی ہیں، اور وہ یہ کہ ان چیزوں کا ذکر اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ دین اسلام کا بول بالا ہو، اس کے دشمن معاشرے میں فساد برپا کرنے کے لیے جو حملے کرتے ہیں اُن کے آگے بندھ باندھا جائے، ہر انسان کے دل میں ایک قطعی قسم کے اطمینان کا بیج بودیا جائے، اور تمام کے سامنے برملا طور پر یہ اعلان کر دیا جائے کہ دینِ اسلام ہی بنی نوعِ انسان میں پائے جانے والے تمام مادی و معنوی کمالات کا مکھن اور خلاصہ ہے۔

ابھی جن مخالف دشمنوں کا ذکر ہوا، ان لوگوں نے سعید نورسی پر جو ظالم قسم کے حملے کیے اور جو باطل افترا پردازیاں کیں، ان کے دفعیہ کے لیے وہ مجبور ہو گئے اور اس بنا پر انہوں نے اس اِکرامِ الٰہی یعنی رسائلِ نور کو اللہ کی طرف سے ملنے والی عزت کا ذکر کیا۔ اور اُس حسنِ قبول اور عنایتِ ربانی کو کھول کر بیان کیا جس سے ایمان کی یہ خدمت بہرہ یاب ہوئی، صرف اس لیے کہ اس سے تھوڑے سے، فقیر حال، اور کمزور طلاّبِ نور کے دل میں غیر محدود معارضین اور بہت سے مضبوط قسم کے دشمنوں کے مقابلے میں معنوی قوت، غیبی مدد، جرأت و بہادری اور عزم و ثبات اور حوصلہ پیدا ہو جائے۔

اس ضمن میں ہمارے لیے وہی بات کافی ہے جو بدیع الزمان نے اپنے ایک خط میں لکھی ہے، جو ان کی سوانح عمری میں درج کر دیا گیا ہے، وہ کہتے ہیں:

مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میں کسی بھی طرح اس طرح کی مقبول ترین تالیفات کا مظہر ہونے کے قابل نہیں ہوں لیکن قدرتِ الٰہی کی شان، اس کی عادت اور اس کی عظمت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ ایک بالکل معمولی سے بیج سے پہاڑ جیسا عظیم الشان درخت پیدا کر دیتی ہے۔

اور میں بخدا یہ بات پوری تاکید کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ میں رسائلِ نور کی اگر تعریف کرتا ہوں تو اس سے میرا واحد مقصد صرف اور صرف قرآن کے حقائق کی اور ایمان کے ارکان کی تائید کرنا، ان کا اثبات کرنا اور ان کی نشر و اشاعت کرنا ہے۔

پس میرے خالقِ رحیم و کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے خود پسندی سے بچایا ہے اور مجھے نفس کے عیوب و نقائص دکھا دیے ہیں، اور یوں اُس نے میرے دل میں اس نفسِ امارہ کے بارے میں لوگوں کی داد وصول کرنے کی کوئی خواہش باقی رہنے نہیں دی ہے۔

وہ آدمی جو دنیائے فانی کو اپنے پیچھے چھوڑ کر قبر کے دھانے پر کھڑا اجل کا منتظر ہو، اُس کا اس دنیا کی طرف لپکنا ریاکاری خوفناک قسم کے خسارے کا مظہر اور ایک ایسی حماقت ہوگی جس پر مرثیہ کہنا چاہیے۔

میں اس روحانی حالت میں ان رسائل نور کی امتیازی خصوصیات کو نمایاں کر رہا ہوں جو کہ ایمانی حقائق کا ترجمان ہونے کے علاوہ کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتے ہیں...... ان حقائق کو میں اس حیثیت سے نمایاں کر رہا ہوں کہ یہ قرآنِ کریم کا سرمایہ ہیں۔

پس رسائلِ نور میں پائے جانے والے حقائق وکمالات میرا نہیں بلکہ قرآن کا سرمایہ ہیں اور اسی سے ٹپکے ہیں۔

''مقالات'' کے بارے میں مَیں یہ بات تواضع سے نہیں بلکہ حقیقت کو بیان کرنے کے لیے کہتا ہوں کہ:

''مقالات'' میں پائے جانے والے حقائق وکمالات میرے نہیں بلکہ قرآن کے ہیں اور قرآن ہی سے ٹپکے ہیں؛ حتی کہ ''دسواں مقالہ'' اور دیگر رسائل بھی عمومی طور پر کچھ قطرات ہیں جو قرآن کی سینکڑوں آیات سے ٹپکے ہیں۔

بات جب ایسے ہی ہے، اور میں فانی ہوں، عنقریب کوچ کر جاؤں گا؛ تو پھر ضروری ہے کہ باقی رہنے والے کام اور پائندہ نقش کا تعلق میرے ساتھ نہ جوڑا جائے، اور ایسا کرنا ٹھیک بھی نہیں ہے۔

اہلِ ضلالت وطغیان کی چونکہ یہ عادت ہے کہ وہ مؤلف کی توہین کر کے اس کے آثارِ قلم کی توہین کرتے ہیں، اس لیے یہ ضروری ہے کہ قرآن کے آسمان کے ستاروں کے ساتھ وابستہ رسائل کو میرے جیسے بوسیدہ ستون کے ساتھ نہ باندھا جائے جس کا گر جانا ممکن ہے اور جو بہت سے اعتراضات وتنقیدات کا نشانہ بن سکتا ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ کسی بحث یا موضوع کی امتیازی خصوصیات کو لوگوں کے رواج کے مطابق اس کے مؤلف کے طور طریقے میں ڈھونڈا جاتا ہے جسے اس مضمون یا نقش کا سرچشمہ سمجھا جاتا ہے، اور — اس رواج کی روشنی میں — میرے جیسے مفلس اور بے مایہ آدمی کو اور میری شخصیت کو جو کہ فی نفسہ ان ہزاروں خصوصیات میں سے ایک خصوصیت کو بھی ظاہر نہیں کر سکتی؛ ان بلند پایہ حقائق اور بیش قیمت جواہرات کا مالک بنا دینا حقیقت پر بہت بڑا ظلم ہے۔

اس لیے میں یہ بات کہنے پر مجبور ہوں کہ رسائلِ نور میری ملکیت نہیں بلکہ قرآن کا مال ہیں اور قرآن کی امتیازی خصوصیات کے رشحات کا مظہر بن گئے ہیں۔

جی ہاں؛ لذیذ انگوروں کے خوشوں کی خصوصیات ان کی سوکھی شاخوں میں تلاش نہیں کی جاتیں۔

بس یوں سمجھو کہ میں اس سوکھی شاخ کی حیثیت رکھتا ہوں۔

جی ہاں، سعید نورسی کو لادینی الحاد کے دھاروں کا منہ موڑنے کے لیے اپنی ایمانی اور قرآنی خدمات کے ضمن میں اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ ان کے بہت سے مددگار ہوتے اور حکومت اور عوام کی طرف سے اُن کی حوصلہ افزائی اور تائید ہوتی، لیکن معاملہ اس کے بالکل برعکس سامنے آیا، اور ان پر بہت سے الزام لگے، تہمتیں تراشی گئیں اور افواہیں اُڑائی گئیں، مقصد صرف یہ تھا کہ انہیں جیل ہو جائے، اُن کی تالیفات مٹا دی جائیں اور لوگ آپ سے دور ہو جائیں...... ایسے

حالات میں اپنے مسلک حقہ کا دفاع کرنا ان کے لیے ایک ضروری امر ہو گیا تھا، اب ان کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ جو خدمت وہ کر رہے ہیں اس کے بارے میں اُن پر جو الزام لگے ہیں اُن کا دفاع کریں اور اپنی خدمت کو بے داغ اور بے قصور ثابت کرنے کے لیے حقیقت واضح کر دیں۔ اور ایسا کرنا بہت ضروری تھا؛ کیونکہ یہ خدمت قرآنِ کریم اور نبوّت کے مقامِ عالی کے شرف سے باریاب تھی۔

جی ہاں، یہ ذمہ داری نبھانا اُن کے لیے بہت ضروری تھی، اس حد تک ضروری تھی کہ اس راہ میں اُن کی شخصیت بھی بے آبرو ہو گئی تو پروا نہیں، وہ عوام کو فائدہ پہنچانے اور ان کی سعادتمندی کے لیے اپنے ذاتی نقصان پر بھی راضی ہیں۔ رسائل نور کی تعریف وثنا اور قدردانی کے باب میں جو کچھ لکھا اور شائع کیا جاتا ہے، اُسے اِسی زاویۂ نگاہ سے دیکھنا چاہیے، ورنہ ایمانی خدمت کو نقصان پہنچ جائے گا۔

لیکن یہ بات یاد رہے کہ ہم جس دور سے گزر رہے ہیں اس میں تنگ وتاریک اور محدود فکر لے کر متحرک ہونے کی گنجائش نہیں ہے؛ کیونکہ ملحد اور بے دین لوگ اپنے غلط سلط اور مضرّت رساں مناہج، تخریب کار عقائد اور کھوٹی اور دو نمبر کی بہادر شخصیات کی تشہیر اور نمائش کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، اور انہیں لوگوں کے سامنے اس انداز سے پیش کر رہے ہیں کہ ان کے گرد مدح وثنا کا ایک ہالہ ہوتا ہے؛ اس سے مقصد صرف یہ ہے کہ اُن کی تحسین و آفرین ہو اور ان کے لیے تالیاں پیٹی جائیں! حالانکہ وہ بالکل نااہل اور کسی بھی طرح کی تعریف یا مدح سرائی کے قابل نہیں ہوتیں۔

ہمیں زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں دنیا میں اس خوفناک اور منہ زور بے دین دھاروں کے قائدین کو اگر عظیم الشان ہیرو بنا کر پیش کیا جاتا ہے، تو پھر مسلمان اپنے برحق دین کی تعریف کیوں نہیں کرتے اور اس کی مدح سرائی سے کیوں گھبراتے ہیں؟ اس کے بلند پایہ کمالات وخصوصیات کی نشر واشاعت کیوں نہیں کرتے؟ پھر ایسی کتابوں کی داد کیوں نہیں دی جاتی جو اِس دور میں قرآن کے لیے آئینے کی حیثیت رکھتی ہیں اور بے دینی کے اُمڈے ہوئے سیلاب کے آگے بند باندھتی ہیں، الحاد زندیقیت کا مقابلہ کرتی ہیں اور دین کی عظیم ترین خدمات سرانجام دیتی ہیں؟ اور ایسی کتابوں کے اُس متواضع مؤلف کی مدح سرائی کیوں نہیں کی جاتی جس نے بے حد وحساب ظلم برداشت کیے ہیں؟

اور یہ بات بھی یاد رہے کہ اس ضمن میں جو کچھ بھی لکھا گیا ہے صرف نظریاتی موضوعات کے انداز سے ہی نہیں لکھا گیا ہے، بلکہ اس کا بڑا حصہ صرف حقائق کو اُجاگر کرنے کے لیے اور مؤلف پر کیے گئے اعتراضات اور لگائے گئے الزامات کے دفاعی ردّ کی صورت میں لکھا گیا اور شائع کیا گیا ہے۔

استاد کے حالات زندگی

اجمالی طور پر اور اُن کی گلی خدمات کے پیشِ نظر دو بڑے واضح مرحلوں میں پیش کی جاتی ہے:

پہلا مرحلہ: اس مرحلے میں کچھ فصول اور مُشاہد ہیں جن میں سے ہر فصل اور ہر مشہد بذاتِ خود ایک زندگی شمار ہوتا ہے۔ان کی ولادت، نشوونما سے لے کر علمی تحصیل، ''وان'' میں اِقامت، استنبول آنے اور سیاسی زندگی میں حصہ لینے، پھر پہلی جنگِ عظیم میں شرکت کرنے اور روس میں قید ہو جانے، استنبول میں دارُالحکمۃ الاسلامیۃ کا ممبر بننے، اور وہاں رضا کارانہ لشکر میں خدمات سرانجام دینے، انقرہ آکر وہاں کی پہلی قومی اسمبلی میں اپنی سرگرمی دکھانے، اور پھر اُسے خیر باد کہہ کر وہاں سے گوشہ نشینی کے لیے ''وان'' چلے آنے تک۔

یہ مرحلہ: جو کہ آپ کی عمر کے پچاس سال جاری رہا— اپنے تمام اَحداث وواقعات اور اپنے تمام رنگوں اور موسموں سمیت بعد میں آنے والے اُس مرحلے کے لیے ایک مقدمہ یا تیاری اور تمہید شمار ہوتا ہے جس میں آپ نے دوسری خدمتِ کبریٰ یعنی ایمان وقرآن کی خدمت سرانجام دی۔

دوسرا مرحلہ: اس مرحلے کا آغاز اُن کی جلاوطنی سے ہوتا ہے، یعنی جب انہیں مشرقی شہر ''وان'' سے— جہاں آپ گوشہ نشیں تھے— جلاوطن کر کے دور دراز کے مغربی علاقے میں ''اسپارٹا'' نامی صوبے کے ایک پسماندہ گاؤں ''بارلا'' میں جلاوطن کر دیا گیا۔وہاں جبری اقامت کے تحت رکھا گیا۔اسی دوسرے مرحلے میں رسائل نور کا ظہور وانتشار ہوا اور اُنہیں انتہائی اخلاص، ایثار، قربانی، دوستداری و پائیداری، عزم وثبات، بیدار مغزی وہشیاری اور اقتصاد و کفایت شعاری کے ساتھ ایمانی خدمت اور معنوی دینی جہاد کی تسبیح میں پرو دیا گیا۔

ان کی زندگی کے اس مرحلے کے ڈانڈے اس دور کے ساتھ جا ملتے ہیں جس میں پہلی جنگِ عظیم کے نتیجے میں خلافتِ عثمانیہ ختم ہوگئی تھی۔ اور سوشلزم جس کی بنیاد ہی آسمانی ادیان و مذاہب کے ساتھ دشمنی اور جنگ پر تھی۔ اُس نے عالمِ انسانیت میں بشری تہذیب وتمدن کا قلع قمع ہی کر دیا تھا؛ معمورۂ عالم پر غالب آتا جا رہا تھا اور دُنیا کے اطراف واکناف میں خوف وسراسیمگی کی فضا پیدا کرتا چلا جا رہا تھا اور ہمارے تمام علاقوں کو ڈرا دھمکا رہا تھا اور انہیں معنوی تباہ کاریوں کے خطرات سے دوچار کیے جا رہا تھا۔

یہ یقیناً ایک ایسا دور تھا جو ایک ایسی نامور بہادر اُمت کے بارے میں ایک تحقیقی وتفتیشی، دقیق نظری پر مبنی اور عدل و انصاف سے مزین گہرے مطالعہ کا مطالبہ کر رہا تھا جس اُمت نے ایک ہزار سال تک قرآن کا جھنڈا بلند کیے رکھا اور ہر دور میں اسلام کی خدمت کو اپنا تمغۂ امتیاز بنائے رکھا۔

استاد نے رسائلِ نور کی تالیف کرتے وقت یہ ذکر کر دیا تھا کہ یہ مؤلّفات قرآن کریم کے اعجاز کی جھلکیاں ہیں، اور ان کا فائدہ لوگوں کے تمام گروہوں کو ہوگا۔ اور یہ رسائل ایک ایسی آہنی قرآنی دیوار کا رُوپ اختیار کر جائیں گے جو وطن اور قوم کی حفاظت کرے گی اور ہمارے علاقے میں وسیع پیمانے پر پھیلتے ہوئے الحادی سیلاب کے آگے بندھ باندھ دیں گے۔

انہوں نے یہ بھی ذکر کیا کہ رسائلِ نور کے ذریعے جو خدمت کی جارہی ہے عنقریب وسیع پیمانے پر پھیل جائے گی، اور ترک قوم نئے سرے سے اسلام کے لشکروں میں سے ایک ہراول لشکر اور اس کے جاں نثاروں میں سے ایک جاں نثار اُمت بن کر اُبھرے گی۔

اِسی طرح اُنہوں نے یہ بھی ذکر کیا کہ ہماری قوم عنقریب مادی اور معنوی طور پر ترقی کر جائے گی۔ اور اسلام مستقبل میں رسائلِ نور کی نشر و اشاعت کے نتیجے میں، انہیں قومی سطح پر اپنانے اور سرکاری طور پر نشر کرنے، پھیلانے اور وزارتِ تربیت کے قرآنی حقیقت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لینے کے نتیجے میں ایک عظیم قوت بن کر اُبھرے گا۔

رسائلِ نور ایک خاص نام اور ایک خاص عنوان ہیں، یہ قرآنی حقائق کی ایک ایسی نظم ہیں جو اس زمانے میں منظرِ عام پر آئی ہے۔ ہماری قوم نے جو اصلی اسلام کو— جو کہ انسانیتِ کبریٰ ہے— مضبوطی سے پکڑ لیا ہے؛ یہ رسائل قوم کے اس کردار کے ترجمانی کرتے ہیں، اور اُس قوم کے ایک نئی روح کے ساتھ اور ایک بھڑکتے ہوئے نئے جوش و ولولے اور گہری محبت کے ساتھ بیدار ہو جانے کی بہترین تعبیر ہیں۔

یہ رسائل ایمان کو مضبوط کرتے ہیں اور اسے زندگی کے اُن حالات واطوار کے مقابلے میں حاکم اور فیصل بناتے ہیں جو حالات ہمارے اس دور نے یکسر تبدیل کر کے رکھ دیے ہیں جس دور میں ہم جی رہے ہیں، اور ایمان کو جدید دنیا اور اس کے مدہوش اور حیران کر دینے والے نظام کی چکا چوند کے مقابلے میں لاکھڑا کرتے ہیں، اور اس لحاظ یہ اسلام کے جوشیلے اور موجزن احساسات کا ترجمہ ہیں۔

یہ رسائل ان نامور بیدار مغز جان نثاروں کی طرف اشارہ ہیں جن کے دل ایمان اور محبتِ نبوی سے لبریز ہیں اور جو اس نسبت کے شرف سے مشرّف ہو کر دنیا و مافیہا پر فخر کرتے ہیں؛ اسی طرح یہ رسائل اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے اُس ایمانِ راسخ کا، اُن اخلاق عالیہ کا اور ان قابلِ فخر کارناموں کا برملا اظہار کر دیا ہے جو اس اُمت کی ماضی کے لائق ہیں۔

بدیع الزمان قرآن حکیم کے اُن حقائق کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو گئے جو عام لوگوں کو مخاطب کرتے ہیں۔

اور وہ اُن حقائق کو سمجھ کر اُن سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں؛ اور رسائل نور میں ان کی اِس انداز سے براہِ راست تفسیر و توضیح کی کہ اِس میں نہ تو کسی قسم کے احساسات وجذبات ملوث ہوئے، نہ کوئی مادی و معنوی منافع جات قریب آئے اور نہ اس

پر کوئی مقام ومشرب اثر انداز ہوا؛ اوراس طرح اُنہوں نے ان حقائق کے ترجمان کی ذمہ داری نبھائی۔

پس اُن کی لکھی ہوئی یہ کتابیں کسی خاص گروہ، جماعت یا کسی خاص طبقے کے لیے نہیں ہیں بلکہ ان سے تمام لوگ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ لیکن یہ سوانح عمری قارئین کرام کی توجہ خصوصی طور پر اُن رسائل نور کی طرف کرواتی ہے جو اس دور میں قرآن کریم کی حکمت کے انوار کی حیثیت رکھتے ہیں، یعنی یہ کتاب رسائلِ نور سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اُسے پیش کر رہی ہے۔ رہے خود سعید نورسی، تو وہ اس کتاب میں ایک ایسے سپوت کی صورت میں اُبھرتے ہیں جس نے قرآن کی خدمت کی راہ میں اپنی جان تک قربان کر دینے کی حالت تک کوشش کی اور سنتِ نبوی کی اتباع کو اپنا دستورُ العمل بنایا، اور اس طرح ایک قابل تقلید نمونہ بن گئے۔

ان کی سوانح عمری کی کتابوں میں چونکہ کچھ رسائل ایسے بھی وارد ہوئے ہیں جن سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ سعید نورسی کسی دور میں فلسفہ کے مسلک کے کافی حد تک پیروکار رہے ہیں، پھر وہ قرآنِ حکیم کی رہنمائی سے حق اور حقیقت تک پہنچ گئے، تب اُنہوں نے اپنی یہ کتابیں لکھیں تا کہ اِس دور میں فلسفہ اور سائنس کے ساتھ شغف رکھنے کی وجہ سے شکوک و شبہات کی دلدل میں پھنسے لوگوں کو بچا سکیں اور عقلی دلائل و براہین کے ذریعے اُن کی گلوخلاصی کرا سکیں؛ اس لیے اس دور میں انسان کی حیاتیاتی شروط اور روحانی احوال کے پیشِ نظر رسائلِ نور کا مسلک اور طریقِ کار، سالم ترین، پُرامن ترین، مختصر ترین اور عام ترین قرآنی راستہ ہے۔ یہ مسلک اوّل سے لے کر آخر تک علم اور تفکر کی راہ پر گامزن ہے۔ اور ان کے فائدے سماج کے مختلف میدانوں میں کام کرنے والوں کے لیے بہت زیادہ ہیں۔

وہ لوگ جنہوں نے رسائلِ نور پڑھ کر اور طالب علم بن کر ان سے علم حاصل کر کے ایمانی فکر کی دولت حاصل کر لی ہے، وہ اپنے دنیاوی اعمال و وظائف کو اُخروی زندگی اور ابدی سعادت کے لیے وسیلہ بنا کر عنقریب سعادتِ کبریٰ سے ہمکنار ہو جائیں گے۔

بلاشبہ نوجوانوں کی یہ مہذب و متمدن نسل جو دین اسلام میں پائی جانے والی اِس جلیل القدر حقیقت کا ادراک کر چکی ہے، بھرپور سعادت مندی کے ساتھ دینِ حق کی خدمت کے لیے اُٹھ کھڑی ہوگی اور اِس انسانیت کے لیے حقیقت کو نشر کرنے کی کوشش کرے گی جو مسلسل اِس کی تلاش میں ہے لیکن اُسے مل نہیں رہی۔

جی ہاں، ہر وہ آدمی جس کے کندھوں پر کوئی ذمہ داری ہو — وہ طالب علم ہو، یونیورسٹی کا پروفیسر ہو یا پارلیمنٹ کا ممبر ہو — وہ اپنے اردگرد کے ماحول کو روشن کرنے کا مکلف ہے۔ اور جس آدمی کے کندھے پر کسی شہر کی، کسی صوبے کی، حتی کہ کسی علاقے کی ذمہ داری ہو اور وہ اس کو روشنی دینے، اسے سعادت مند بنانے، اور اُس کی صحت وسلامتی کا خیال رکھنے کا مکلف ہو؛ اُسے تو بہت ہی زیادہ بیداری، ہشیاری اور سمجھداری کی ضرورت ہے۔

سعید نورسی نے اپنے ان رسائل کے ذریعے اس وطن کے باسیوں کے لیے ایک عظیم ترین نیکی اور عظیم ترین خدمت

پیش کی ہے، اور اس کے عوضانے میں کوئی بدلہ، داد اور شکریے کا مطالبہ نہیں کیا ہے۔ اور علی الرّغم اس کے کہ کچھ ایسے رسائل بھی موجود ہیں جن کا رُخ ان کی ذات کی مدح وثنا کی طرف ہے، آپ نے ان رسائل کو بھی رسائلِ نور کے نام سے یاد کیا ہے اور انہیں رسائل نور کے کھاتے میں ہی ڈال دیا ہے اور انہیں اُن فائدوں کی ایک علامت قرار دیا ہے جو اُن کے پڑھنے والے اُن کے انوار سے حاصل کر رہے ہیں۔

استاد نورسی اس امت اور نوجوانوں سے حقیقت میں یہ چاہتے ہیں کہ وہ دنیاوی اور اُخروی سعادت کو حاصل کرنے کے لیے ایمان کو غنیمت سمجھیں۔ اور اس مقصد کو حاصل کے لیے وہ یہ چاہتے ہیں کہ رسائل نور کو — جو کہ اس دور میں قرآن کا درس ہیں — بنیاد بنا یا جائے، انہیں ہر جگہ اور ہر گھر میں پھیلا دیا جائے اور ان سے ایمان کے حقائق سیکھے جائیں۔

انہوں نے بارہا دفعہ یہ خوشخبری دی اور خبردار کیا کہ یہ خطرناک دھارے جو اُمت اور تمام علاقوں کو ڈرا دھمکا رہے ہیں۔ پس یہ خدمت کہ جس پر رضائے الٰہی کا سایہ ہے؛ جو کوئی بھی اس کی تفسیر اور اس کی سرگرمیوں کی توجیہ دیگر اغراض و مقاصد کے لیے کرنا چاہتا ہے، وہ صرف اپنی بے بصیرتی کا اعلان کرتا ہے۔

وہ حقیقی سعادت جس کی تلاش انسان کی رُوح اور اس کی بلند پایہ ماہیت کر رہی ہے، صرف اور صرف اُسی راستے میں پائی جاتی ہے جس کی نشاندہی قرآن نے کی ہے، اور اس کا سراغ اسی اُفق میں ملے گا جو رضائے رحمان کی برکتوں سے جگمگا رہا ہے۔

بدیع الزمان انسانیت کے لیے اس راستے کی اور اس اُفق کی نشاندہی پوری وضاحت کے ساتھ کر رہے ہیں، اُس کا اعلان کر رہے کہیں، اور یہ بات ثابت کر رہے ہیں کہ انسان کے لیے صراطِ مستقیم پر چلنے والے اس نورانی قافلے کے ساتھ مل جانے کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

یہ کتاب جو ہم نے تیار کی ہے، اس کے ذریعے ہم نے — اپنی عاجزی و درماندگی کے باوجود — اس حقیقت کی کسی نہ کسی حد تک خدمت کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے، اور آج اسے طبع کروا رہے ہیں تاکہ یہ مستقبل میں اس نور سے منوّر نیک بختوں کے لیے مرجع کا کام دے۔

ہم اُمید کرتے ہیں کہ ہم نے ایک گہری اور ہمہ گیر سوانح عمری تیار کی ہے۔

وَمِنَ اللّٰهِ التَّوْفِيق

تیار کنندگان

پہلا حصّہ

ابتدائی زندگی

[1877ء تا اواخر 1925ء]

بدیع الزمان سعید نورسی رومی تقویم[1] کے مطابق (1393) میں ''نورس'' نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ نورس صوبہ بِتلس کے ضلع ''ہیزان'' کی تحصیل ''اسپارِٹ'' میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔

آپ کے والد کا نام مرزا اور والدہ کا نام نوریہ ہے۔

نو سال کی عمر تک آپ اپنے والدین کے پاس رہے اور ابتدائی تعلیم اُن ہی سے حاصل کی۔ عمر کے اس حصے میں ان پر ایک روحانی حالت طاری رہی اور وہ اپنے بڑے بھائی ''ملا عبداللہ'' کے حالات پر غور کرتے رہتے جو کہ ہمہ وقت پوری تندہی سے زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ چنانچہ وہ جب دیکھتے کہ ان کا بھائی جو کہ ہمہ تن تحصیلِ علم میں مصروف ہے، اُن میں اور گاؤں کے اَن پڑھ لڑکوں میں واضح فرق دیکھتے تو حیران رہ جاتے کہ ان کے درمیان اتنا فرق ہے! تب اُنہوں نے تحصیلِ علم کو اپنی زندگی کا نصبُ العین بنالیا اور پوری سنجیدگی و سرگرمی سے تحصیلِ علم کی طرف متوجہ ہو گئے۔

اُن کی منزلِ مقصود انہیں شیخ محمد امین آفندی کے مدرسے میں لے گئی جو کہ تحصیل ''اسپارٹ'' کے ''تاغ'' نامی گاؤں میں واقع تھا۔ البتہ آپ وہاں زیادہ دیر تک نہ رہ سکے؛ کیونکہ آپ فطری طور پر اپنی عزتِ نفس کا بہت زیادہ خیال رکھتے

---

[1] بمطابق 1294ھ اور 1877م عثمانی سلطنت کے اواخر میں ہجری یا قمری تقویم کے ساتھ ساتھ یہ خاص رومی تقویم رائج تھی۔ اس تقویم کا تعلق شمسی تقویم کے ساتھ ہے۔

تھے اور اگر انہیں چھوٹی سی بات بھی تحکمانہ انداز میں کہی جاتی تو اُسے آسانی سے برداشت نہ کرتے تھے۔[1] چنانچہ وہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد مدرسہ چھوڑ کر ''نورس'' واپس آ گئے۔ ''نورس'' میں چونکہ ان دنوں کوئی مدرسہ نہیں تھا اس لیے ان کے درس و تدریس کا سلسلہ ہفتہ میں صرف ایک دن تک ہی محدود ہو کر رہ گیا، یعنی جس دن اُن کا بڑا بھائی گاؤں میں گھر والوں کو ملنے آتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد آپ ''پِرمس'' نامی گاؤں میں چلے گئے۔ پھر آپ شیخ ''ہیزان'' کے سرمائی مقام میں چلے گئے۔ لیکن یہاں پر بھی تحکّم کو برداشت نہ کر سکے، چنانچہ اِس مدرسے میں بھی ان کا چار عدد طالبِ علموں کے ساتھ اختلاف ہو گیا، آپ خود اعتمادی اور خودداری کی وجہ سے ان کی رائے کے ساتھ متفق نہ ہو سکے۔ پھر بھی اس کے بعد ان چاروں نے آپ کو آرام سے نہ بیٹھنے دیا، چنانچہ انہوں نے آپ کو مستقل طور پر تنگ کرنا شروع کر دیا اور جب بھی ان کا جی چاہتا اکٹھے ہو کر چلے آتے اور جھگڑا کرنے کی کوشش کرتے۔ ایک دن تنگ آ کر آپ شیخ ''سید نور محمد'' کے پاس چلے گئے اور کسی گلے شکوے اور عجز و درماندگی کا اظہار کیے بغیر ان سے کہنے لگے: شیخ صاحب! اِن سے کہیں کہ اگر یہ لوگ میرے ساتھ لڑنا جھگڑنا چاہتے ہیں تو دو دو کر کے آئیں، چاروں ایک ساتھ نہیں۔ شیخ صاحب ننھے سعید کی اس جوانمردی سے خوش ہوئے اور اس سے کہنے لگے: تو میرا شاگرد ہے اور آج کے بعد تجھے کوئی بھی تنگ نہیں کرے گا۔ اُس دن کے بعد آپ وہاں ''تلمیذُ الشیخ'' کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

اس مدرسے میں آپ کچھ عرصہ گزارنے کے بعد اپنے بڑے بھائی ''مُلّا عبداللہ'' کے ساتھ ''نورشین'' نامی گاؤں میں چلے گئے۔ ان دنوں گرمی کا موسم تھا اس لیے وہ اپنے بڑے بھائی ملا عبداللہ اور گرد و نواح کے رہنے والوں کے ساتھ سیدھے ''شیخان'' کے سرمائی مقام پر چلے گئے۔ وہاں ایسا ہوا کہ ایک دن اُن کا کسی مسئلے میں اپنے بڑے بھائی ''مُلّا عبداللہ'' کے ساتھ مجادلہ ہو گیا، تو ''تاغ'' کے مدرسے کے مدرّس ''محمد امین آفندی'' نے دخل اندازی کرتے ہوئے آپ سے کہا: تم اپنے بھائی کے حکم کی مخالفت کیوں کرتے ہو؟

یہ مدرسہ مشہور شیخ ''عبدالرحمان'' صاحب کا تھا، چنانچہ مُلّا سعید نے مدرس محمد امین آفندی کو جواب میں کہا: جناب! اس مدرسے میں ہم اکٹھے آئے ہیں اس لیے میری طرح آپ بھی یہاں طالب علم ہی ہیں؛ اس لیے آپ کو یہاں استاد کے مقام پر فائز ہو کر بات نہیں کرنی چاہیے۔

پھر آپ فوراً مدرسہ چھوڑ کر ''نورشین'' کی طرف چل دیے اور رات کے اندھیرے میں ایک ایسا خطرناک قسم کا جنگل

---

[1] یہ عزّتِ نفس جو مُلّا سعید میں پائی جاتی ہے اس کا سرچشمہ حبِّ نفس نہیں بلکہ تقدیرِ الٰہی ہے، جس نے اپنی عنایت سے اپنے ایک بندے کو یہ خصلت عطا کر دی ہے تاکہ وہ مستقبل میں کوئی بہت بڑی ذمہ داری ادا کر سکے، اور وہ ذمہ داری ہے اعلاءِ کلمۃُ اللہ۔ پس اس ذمہ داری کو کماحقہ ادا کرنے کے لیے علمی عزت ایک لازمی خصلت تھی۔ ہو سکتا ہے مُلّا سعید کو اس وقت اس معاملے کی حکمت و ماہیت کا علم نہ ہو! لیکن مرورِ زمانہ نے ظاہر کر دیا کہ علمی عزّت جو رسائل نور جیسی عظیم الشان اور وسعت بداماں خدمت کا لازمی تقاضا ہے؛ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس کا چھوٹا سا بیج ملا سعید کی روح میں بو دیا تھا، تا آنکہ آج وہ ایک تناور درخت بن گیا۔ (مرتّبین)

عبور کر گئے جس سے دن کے وقت بھی گزرنا مشکل تھا!

شرقی اناطولیہ میں مدرسہ کھولنے کے بعد اس کے انتظامی معاملات کے بارے معمول یہ تھا کہ کوئی بھی سند یافتہ عالمِ دین کسی گاؤں یا قصبے میں — جسے وہ خود پسند کرتا — مدرسہ کھولتا اور اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لیے وہاں مفت تعلیم دیتا اور اگر خود کر سکتا تو طالب علموں کی تمام تعلیمی حاجات وضروریات خود پوری کرتا ورنہ وہاں کے باشندے ان طالب علموں کی تعلیمی، تدریسی اور معاشی ضروریات پوری کرتے۔ ملا سعید ان طالب علموں میں واحد طالب علم تھے جو کسی بھی صورت میں زکوٰۃ وصدقات قبول نہیں کرتے تھے اور کسی بھی طرح کسی کے زیرِ بار احسان رہنا گوارہ نہیں کرتے تھے۔[1] ''نورشین'' کے مدرسے میں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد آپ ''ہیزان'' آ گئے پھر مدرسے کی زندگی چھوڑ کر اپنے والد صاحب کے پاس رہنے لگے...... تا آنکہ بہار کا موسم آ گیا۔ اسی دوران آپ نے خواب میں دیکھا کہ قیامت برپا ہو گئی ہے اور کائنات نئے سرے سے وجود پذیر ہو گئی، اور اس دوران وہ خود اس سوچ میں ڈوبے ہوئے ہیں کہ نبی ﷺ کے ساتھ ملاقات کیسے ہو سکتی ہے؟ پھر ان کے ذہن میں آیا کہ پل صراط کے پاس جا کر کھڑے ہو جانا چاہیے، سب لوگ وہیں سے گزریں گے، اس لیے میں وہیں انتظار کروں گا۔ چنانچہ وہ وہاں چلے گئے اور یکے بعد دیگرے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے دیدار سے مشرّف ہوئے، حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ کی ملاقات سے بہرہ یاب ہو گئے...... اور پھر اُن کی آنکھ کھل گئی۔

اس خواب سے حاصل ہونے والی مدد نے آپ کے دل میں علم حاصل کرنے کے لیے ایک عظیم قسم کی سرگرمی، مستعدی اور گرم جوشی پیدا کر دی۔[2]

---

[1] دوسرے مکتوب میں اور دیگر رسائل میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ آپ زکوٰۃ وصدقات وغیرہ جیسی کوئی بھی چیز بھی قبول کیوں نہیں کرتے تھے، اور اگر کبھی بار مجبوری کوئی چیز قبول کرنی پڑ جاتی تو اُس کے مقابلے میں اپنی طرف سے کوئی چیز لازماً دیتے۔ جی ہاں، رحمتِ الٰہیہ نے مُلّا سعید کی روح میں ان کے بچپن ہی سے اُخروی خدمت کے مقابلے میں کسی بھی چیز کو طلب نہ کرنے کی صلاحیت کے قدسی دستور کی اجمالی سی فہرست رکھ دی تھی؛ تا کہ آپ رسائلِ نور کے ذریعے کمال اخلاص کے ساتھ ایمانی خدمت ادا کرتے رہیں اور یہ خدمت اپنی مکمل صورت میں ظہور میں آ جائے۔ (مرتبین)

[2] بعد میں اِس خواب کے بارے میں ہم پر ایک ایسی حقیقت کا انکشاف ہوا کہ مُلّا سعید جس کی چلتی پھرتی تصویر تھے، لیکن وہ حقیقت اُن کے حالات زندگی کے بارے میں لکھی جانے والی کتابوں میں نہیں، اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے خواب میں نبی ﷺ سے درخواست کی تھی کہ مجھے علم عطا کیا جائے تو نبی ﷺ نے انہیں خوشخبری دی کہ انہیں قرآن کا علم عطا ہو گا، لیکن اس شرط پر کہ وہ آپ ﷺ کی امت میں سے کسی سے سوال نہ کریں۔ یہ حقیقت نورسی صاحب کی زندگی میں واضح طور پر نظر آئی؛ کیونکہ آپ آغازِ شباب ہی سے ''بدیع الزمان'' کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے اور وہ ہر سوال کا جواب دے دیتے تھے، لیکن خود کسی سے کوئی سوال نہیں کرتے تھے اور جواب دینے میں کسی کا سہارا نہیں لیتے تھے۔ (مرتبین)

چنانچہ آپ اپنے والدِ گرامی سے اجازت لے کر تحصیلِ علم کے لیے ''ارواس'' میں چلے گئے۔ لیکن وہاں کے مشہور مدرّس ''ملّا محمد امین'' نے ان کی کم عمری کی وجہ سے خود پڑھانے کے بجائے انہیں اپنے ایک شاگرد کے سپرد کر دیا۔ ملّا سعید پر یہ بات گراں گزری۔

یہ مشہور مدرّس ایک دن مسجد میں درس دے رہے تھے کہ اچانک مُلّا سعید نے ان کی کسی بات پر اعتراض کرتے ہوئے انہیں مخاطب کر کے کہا: جناب والا! مسئلہ ویسے نہیں ہے جیسے آپ نے ذکر کیا ہے۔ پھر انہیں یاد دلایا کہ آپ نے مجھے پڑھانے سے انکار کر دیا تھا۔

یہاں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد ''میر حسن ولی'' کے مدرسے میں چلے گئے، لیکن وہاں انہوں نے دیکھا کہ یہ مدرسہ ابتدائی نئے طالب علموں کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا، اس بنا پر انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ پڑھائی کا آغاز ہی آٹھویں کتاب سے کریں گے اور اس سے پہلے پڑھائی جانے والی سات کتابیں چھوڑ دیں گے جن کا اُس سے پہلے پڑھنا ضروری تھا۔

پھر کچھ دنوں کے بعد وہ تفریحِ خاطر کے لیے ''وسطان'' نامی قصبے میں چلے گئے، وہاں ایک مہینہ ٹھہرنے کے بعد ''مُلّا محمد'' نامی شخص کی ہمراہی میں ''اُرزروم'' صوبے کے شہر ''بایزید'' چلے گئے۔ آپ کے تحصیلِ علم کی حقیقی تاریخ یہیں سے شروع ہوتی ہے؛ کیونکہ ابھی تک تو وہ نحو وصرف کے مبادیات میں ہی اُلجھے ہوئے تھے اور اس ضمن میں ''الاظہار'' کا متن پڑھ چکے تھے۔[1] چنانچہ اب ''بایزید'' میں وہ تین مہینے تک شیخ محمد جلالی کے ہاں پوری تندہی سے تحصیلِ علم میں مصروف رہے اور ان کے تحصیلِ علم کا انداز واقعتاً بڑا عجیب وغریب تھا؛ کیونکہ مشرقی اناطولیہ میں نصاب میں ''مُلّا جامی''[2] سے لے کر آخری مقررہ کتاب تک جتنی بھی کتابیں تھیں انہوں نے وہ تمام کی تمام پڑھ ڈالیں، اُن کا طریقہ یہ تھا کہ وہ ہر کتاب کے ایک، دو یا زیادہ سے زیادہ دس درس لیتے اور بقیہ کتاب چھوڑ دیتے۔ ان کے استاد شیخ محمد جلالی صاحب نے جب اُن سے اُن کی اس روش کے بارے میں پوچھا تو اُنہوں نے جواب میں کہا: ''اتنی زیادہ کتابیں اَز اوّل تا آخر مکمل طور پر پڑھنا میرے بس کا روگ نہیں ہے۔ یہ کتابیں ہیروں کے خزانوں کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان خزانوں کی چابی آپ کے پاس ہے اور میں آپ سے اس بات کی اُمید لگائے بیٹھا ہوں کہ آپ مجھے بتا دیں گے کہ ان خزانوں کے اندر کیا کچھ ہے؛ مطلب یہ کہ مجھے اس بات کا علم ہو جائے کہ یہ کتابیں کن علوم پر مشتمل ہیں، پھر بعد میں جو چیز میری طبیعت کے مطابق ہو

---

[1] علمِ نحو کی ایک ٹیکسٹ بک۔ پورا نام ''اظہار الأسرار'' ہے۔ تقی الدین محمد بن پیر علی برکوی متوفی 981ھ کی تالیف ہے۔

[2] اس سے مراد علم النحو کی مشہور کتاب ''کافیہ ابن حاجب کی شرح ہے جس کا پورا نام: ''الفوائد الضیائیہ بشرح الکافیہ'' ہے اور ''شرح مُلّا جامی'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے مؤلف مُلّا عبد الرحمان جامی متوفی 898ھ ہیں۔

گی میں اس کا مطالعہ کرلوں گا۔

اس طرح کا جواب دینے میں اُن کی غرض ایک تو یہ تھی کہ ان کی ذات میں فطری طور پر پائے جانے والے انوکھے پن اور سوچ فکر کی تجدیدی صلاحیت کا اظہار ہو جائے، اور اس تجدید فکر کو اس وقت کے موجودہ مدارس کے اصول و مبادی میں داخل کر دیا جائے، اور وقت کو بہت سی شروح و حواشی میں ضائع ہونے سے بچالیا جائے۔[1]

اور اس صورت میں انہوں نے صرف تین ماہ کے عرصے میں ان علوم وفنون میں کمال حاصل کرلیا اور ان کے خلاصہ و ماحصل میں دسترس حاصل کرلی جن کی تحصیل کے لیے مقررہ اصول وقواعد کی رُو سے بیس سال کا عرصہ درکار تھا!

ان کے استاد نے ان سے پوچھا: کون سے علوم تمہاری طبیعت کے موافق ہیں؟

اُنہوں نے جواب دیا: ان علوم کے درمیان فرق کرنا میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ یا تو یہ ہے کہ میں تمام کے تمام علوم جانتا ہوں، اور یا پھر ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں جانتا۔

مُلاّ سعید کے ہاتھ جو بھی کتاب لگتی وہ اسے پڑھ لیتے اور سمجھ لیتے تھے۔ اُن کا سمجھ سوچ کر پڑھنے اور یاد رکھنے کا یومیہ

---

[1] علم الکلام کے میدان میں اُن کے تجدیدی کارنامے کا ظہور ان کے ان ایک سو تیس رسائل میں ہوا ہے جو ''رسائلِ نور'' کے نام سے مشہور ہیں اور جو تیس سال میں مکمل ہوئے۔

جی ہاں، ان کا صرف تین ماہ میں وہ علوم حاصل کر لینا جن کی تحصیل کے لیے پندرہ سال درکار ہوں؛ ایک غیبی اشارہ تھا کہ ایک ایسا دور آنے والا ہے جس میں ایسے مدارس ناپید ہو جائیں گے جن میں ایک سال کے لیے بھی ایمان کا علم پڑھایا جائے گا، پندرہ سال تو بہت دور کی بات ہے۔ اور یہ کہ اُس دور میں قرآن کی ایک ایسی تفسیر ظہور میں آئے گی جو شائقین کو پندرہ ہفتوں میں وہ اسباق پڑھا دے گی جن کے لیے پندرہ سال درکار ہوتے ہیں۔ اور یہ کہ اس طرح کی تفسیر کی خدمت ملا سعید سے لی جائے گی۔ اور اب یہ تفسیر ظہور میں آچکی ہے اور سب کے سامنے ہے۔ اور گزشتہ تیس سالوں کے دوران الحاد وزندیقیت کی داعی خفیہ قسم کی فساد انگیز تنظیموں کے پے در پے حملوں کے باوجود رسائل نور نے ہر جہت میں لاکھوں نسخوں کی صورت میں ایمان کے حقائق کے درس دیے ہیں، اور یہ لاکھوں لوگوں کے ایمان کو مضبوط کرنے کا وسیلہ بنے ہیں۔ قرآن کے یہ جدید دروس ہزاروں کاتبوں کے قلموں سے پھیلے ہیں اور اس ضمن میں پریس کی بھی ضرورت نہیں پڑی۔ اناطولیہ میں اس کی سرگرمیوں نے، اس کی ایمانی خدمات نے اور اس کے بلند پایہ عقلی دروس نے تمام لوگوں کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی، اس حد تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ انوار عدالتوں اور تفتیشی کارروائیوں کے ذریعے اہلِ سیاست وحکومت کو بھی پڑھا دیے اور یہ انوار پڑھے لکھے مہذب نوجوانوں میں پھیل گئے، اور یوں اسلام اور ایمان کے جاں نثار بہت زیادہ ہو گئے اور ضلالت وکفرِ مطلق کے حملے پسپا اور بے اثر ہو گئے، اور ارضِ وطن کے ہر کونے میں دین کے ساتھ دوستی اور حمایت کی لہریں آشکار ہونے لگیں، اور اس طرح رسائلِ نور نے اسلام کی سعادت وفیروزمندی کی وہ صبحِ صادق طلوع کر دی جو عنقریب عالمِ اسلام اور عالمِ انسان میں روشنی بکھیرنے والی تھی۔ والحمد للہ رب العالمین۔

نصاب ''جَمْعُ الْجَوَامِع''[1] ''شَرْحُ الْمَوَاقِف''[2] اور ''تُحْفَةُ الْمِنْهَاج''[3] جیسی کتابوں کے دوسو صفحات تھے۔ وہ طلب وتحصیل میں اس حد تک مستغرق تھے اور اس میں اس حد تک منہمک ہو گئے تھے کہ عام زندگی سے تقریباً کٹ کر رہ گئے تھے۔ اُن سے جس علم کے بارے میں جو سوال کیا جاتا بغیر کسی تردّد اور پس وپیش کے فوراً اس کا جواب دے دیتے تھے۔

زندگی کے اس مرحلے کے مختصر حالات

اوّلا: آپ نے اشراقی حکما کا مسلک اختیار کیا[4] اور ان کے احوال ومقامات تک پہنچنے کی اُمید میں زہد وتقشّف اور دیگر ریاضتوں میں منہمک ہو گئے؛ کیونکہ اشراقیوں کا یہ نظریہ ہے کہ بدنی ریاضتوں سے سوچ فکر کو جلا ملتی ہے اور روح جگمگا اٹھتی ہے۔ لیکن وہ لوگ اپنے اجسام کو ان ریاضتوں کا بالتدریج عادی بناتے ہیں، لیکن مُلّا سعید نے ان کے ان تدریجی قوانین کو نظر انداز کر دیا اور چھوٹتے ہی آخری مرحلوں میں پہنچ گئے، چنانچہ وہ روٹی کے صرف ایک ٹکڑے پر تین تین دن گزار جاتے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا جسم اتنی مشقت برداشت نہ کر سکا اور وہ بہت زیادہ کمزور ہو گئے۔

ثانیاً: آپ نے ''دَعْ مَا يُرِيبُكَ إِلَى مَا لاَ يُرِيبُكَ'' والے قاعدے کو اپنا دستورُ العلم بنایا جس پر تصوّف کا دارومدار ہے، جیسے کہ امام غزالیؒ نے ''اِحیاء العلوم'' میں ذکر کیا ہے؛ چنانچہ آپ نے ہر خوراک سے حتی کہ روٹی سے بھی پرہیز شروع کر دیا اور کچھ عرصہ تک صرف جڑی بوٹیاں کھا کر گزارہ کرتے رہے۔

ثالثاً: انہوں نے خاموشی اختیار کر لی، چنانچہ وہ کلام شاذونادر ہی کرتے تھے۔ ان دنوں میں ''مُلّا احمد خانی'' کے مزار پر جا کر خلوت میں بیٹھا کرتے تھے۔ مُلّا احمد خانی کُردوں کے ایک ذہین ترین ادیب تھے۔ بسا اوقات وہاں رات بھی گزار لیا کرتے تھے، حالانکہ وہاں صبح کے وقت داخل ہونے سے گھبراہٹ طاری ہوتی تھی۔ آپ کی اس روش کو لوگوں

---

[1] اصول فقہ کی ایک مشہور کتاب، جس کے مؤلف تاج الدین عبدالوہاب سبکی (متوفی 771ھ) ہیں۔ اُنہوں نے یہ کتاب بہت سی کتابوں سے کشید کر کے لکھی ہے۔

[2] علمُ الکلام میں عضدُ الدین عبدالرحمان بن احمد الایجیؒ (متوفی 756ھ) کی ''المواقف'' نامی کتاب کی شرح یہ کتاب اس موضوع میں متاخرین کی لکھی ہوئی کتابوں میں چوٹی کی کتاب شمار ہوتی ہے اس کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں۔

[3] کتاب کا پورا نام ''تُحْفَةُ الْمُحْتَاجِ فِيْ شَرْحِ الْمِنْهَاجِ'' ہے، یہ ابن حجر ہیتمیؒ (متوفی 973ھ) کی تالیف ہے۔ فقہ شافعی کی مشہور کتاب ہے، اس میں مؤلف نے امام نوویؒ (متوفی 676ھ) کی کتاب ''مِنْهَاجُ الطَّالِبِيْنَ'' کی شرح کی ہے۔

[4] اشراقیہ، اشراقین The illuminous (The Illuminati) قدیم فلاسفہ کا ایک گروہ جو کثرت ریاضت یعنی مراقبہ ومکاشفہ کے ذریعے دلوں کی تطہیر اور باطن کی صفائی کا قائل ہے۔ اس لیے وہ تعلیم وتعلّم کے سلسلے میں ایک دوسرے کے پاس چل کر جانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔ (بقراط، افلاطون اور مولانا عبدالرحمان جامی وغیرہ حکمائے اشراقیہ میں سے تھے)۔
[فرہنگ اصطلاحات تصوّف اَز قاضی عبدالکبیر منصور پوری]۔ مترجم۔

نے خود شیخ صاحب کی کرامت شمار کیا اور کہنے لگے کہ نورسی صاحب ملا احمد خانی کے فیوض و برکات کا مظہر بن گئے ہیں۔ یہ تمام واقعات جب پیش آئے اس وقت آپ کی عمر تیرہ چودہ سال کے درمیان تھی۔

پھر ان کے دل میں کبار علما کے ساتھ ملاقاتیں کرنے کی آرزو پیدا ہوئی اور آپ نے اپنے استاد سے بغداد جانے کی اجازت مانگی...... آپ نے درویشوں والا چولا پہنا اور بغداد کی طرف چل پڑے اور رات دن دشوار ترین پہاڑوں اور خوفناک گھنے جنگلوں میں غیر معروف راستوں میں رات دن محوِ سفر رہے اور اچانک ''بِتلِس'' جا نکلے۔ چنانچہ وہاں آپ نے ''شیخ محمد امین آفندی'' کے ساتھ ملاقات کی اور دو دن تک ان کے دروس میں حاضر ہوتے رہے۔ شیخ امین صاحب نے ان سے کہا کہ درویشوں والا چولا اُتار کر علما کا لباس پہن لیں۔ لیکن آپ نے ان کا کہنا نہ مانا اور ان سے کہا: میں ابھی بالغ نہیں ہوا ہوں اس لیے علما کا معزز لباس پہننا مجھے زیب نہیں دیتا۔ اور میں عالم ہو بھی کیسے سکتا ہوں؛ کیونکہ میں تو ابھی بچہ ہوں!

اس کے بعد اُنہوں نے ''شروان'' کا رُخ کیا جہاں اُن کے بڑے بھائی مُلّا عبداللہ قیام پذیر تھے۔ ملاقات ہونے کے بعد دونوں بھائیوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ یہ تھی کہ اُن کے بھائی نے ان سے سوال کیا: میں نے تمہارے بعد ''شرح شمسیه''[1] نامی کتاب مکمل پڑھ لی ہے، تُو کیا پڑھ رہا ہے؟

بدیع الزمان: میں نے اَسّی کتابیں پڑھ ڈالی ہیں۔

ملا عبداللہ: کیا مطلب؟

بدیع الزمان: میں نے تمام نصابی کتابیں مکمل پڑھ کر مزید بھی بہت سی کتابیں پڑھ ڈالی ہیں۔

مُلا عبداللہ: پھر تو میں آپ کا امتحان لوں گا!

بدیع الزمان: میں تیار ہوں، جو چاہے پوچھیں۔

تب اُنہوں نے بدیع الزمان کا امتحان لیا تو انہیں اُن میں اتنی علمی قابلیت نظر آئی کہ انہیں اپنا استاد ماننا پڑا، حالانکہ وہ — بدیع الزمان — خود چند ماہ پہلے اُن کے شاگرد رہ چکے تھے اور یوں ملا عبداللہ نے طالب علموں سے آنکھ بچا کر اُن سے پڑھنا شروع کر دیا، یہ سلسلہ چوری چھپے کافی عرصہ تک چلتا رہا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی، تا آنکہ ایک دن طالب علموں نے نظر چرا کر دیکھ لیا کہ مُلا عبداللہ اپنے چھوٹے بھائی سے پڑھ رہے ہیں، انہوں نے حیران ہو کر پوچھا کہ یہ کیا؟ تو اُنہوں نے بات گول کر دی تا کہ اُن کے بھائی کو کہیں نظر نہ لگ جائے، اور ان سے کہنے لگے: میں اُسے پڑھا رہا ہوں۔

---

[1] ''الشمسية''، علم منطق کی کتاب ہے جو کہ نجم الدین عمر بن علی القزوینی (متوفی 675ھ) کی تصنیف ہے۔ اس کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں: سب سے مشہور شرح سعد الدین تفتازانی (792ھ) کی ہے۔ یہاں اُسی کا ذکر ہے۔

اپنے بڑے بھائی عبداللہ کے ہاں کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد آپ ''سِیْ اِرْث''[1] کی طرف روانہ ہوئے جہاں ''ملا فتح اللہ آفندی'' کا مدرسہ تھا۔ ملا فتح اللہ نے ان سے پوچھا: تُم پچھلے سال تو ''سیوطی''[2] کی کتاب پڑھ رہے تھے، اس سال ''ملا جامی'' پڑھ رہے ہو؟ تو آپ نے انہیں جواب دیا: جی ہاں، میں ''مُلّا جامی'' پڑھ چکا ہوں۔

مُلا فتح اللہ نے اُن سے جس کتاب کے بارے میں بھی سوال کیا اُنہوں نے جواب میں یہی کہا کہ: میں وہ کتاب پڑھ چکا ہوں۔ ملا فتح اللہ تو حیرت و دہشت کی تصویر بن کر رہ گئے کہ اس نے اتنی زیادہ کتابیں اتنے تھوڑے وقت میں پڑھ لی ہیں!! لیکن وہ معاملے کی تہ تک نہ پہنچ سکے۔ چنانچہ انہوں نے بدیع الزمان سے پھر سوال کیا: پچھلے سال تو تُم پاگل تھے، کیا ابھی تک پاگل ہو؟

مُلّا سعید نے جواب دیا: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسرِ نفسی کی غرض سے کسی حقیقت کو عام لوگوں سے تو چھپا لیتا ہے لیکن اپنے باپ سے بھی بلند درجہ رکھنے والے اپنے استاد کے سامنے اسے اصل حقیقت بیان کرنا ہی پڑتی ہے۔ اس لیے استادِ محترم! آپ چاہیں تو ان کتابوں سے میرا امتحان لے سکتے ہیں۔

چنانچہ ملا فتح اللہ نے ان کتابوں میں سے جہاں سے بھی سوال کیا انہوں نے اس کا بہترین جواب دے دیا۔ حتیٰ کہ ''مُلا علی صوران'' جو کہ ایک سال قبل مُلا سعید کے ایک استاد کے استاد تھے، انہوں نے دونوں کی یہ بات چیت سننے کے بعد مُلّا سعید سے پڑھنا شروع کر دیا۔

مُلّا فتح اللہ نے اُن سے کہا: تمہاری ذہانت تو بالکل غیر معمولی ہے، حافظہ کیسا ہے؟ اور یہ کہتے ہوئے اُن کے ہاتھ میں ''مقامات حریری'' نامی کتاب تھما دی کہ صرف دو دفعہ پڑھ کر کچھ سطریں حفظ کر سکتے ہو؟

مُلا سعید نے کتاب پکڑ کر اس کا ایک صفحہ صرف ایک دفعہ پڑھا اور اُسے زبانی یاد کر لیا اور فر فر سنا دیا۔ مُلا فتح اللہ نے دہشت زدہ ہو کر کہا: ایک ہی شخص میں اس درجے کی ذہانت اور قوتِ حافظہ کا ایک ساتھ اکٹھے ہونا ایک نادر چیز ہے!!

پھر وہاں انہوں نے ''جمع الجوامع'' نامی کتاب یاد کرنا شروع کی۔ اور ہر روز اُسے پوری توجہ سے دو گھنٹے دینے لگے اور ایک ہفتہ میں اُسے زبانی یاد کر لیا۔ اس واقعہ کے بارے میں ملا فتح اللہ نے اپنا یہ مشہور قول کہا تھا: ''قَدْ جَمَعَ فِيْ حِفْظِهٖ جَمْعَ الْجَوَامِعِ جَمِيْعَهٗ فِيْ جُمْعَةٍ '' اور یہ الفاظ انہوں نے کتاب کے سرِ ورق پر لکھ دیے تھے۔

ان کی یہ باتیں ''سِیْ اِرْث'' میں پھیل گئیں، ملّا فتح اللہ نے اُن کی تعریف میں علما کے سامنے بہترین کلمات کہے، انہوں نے کہا: ہمارے مدرسے میں ایک اُبھرتا ہوا نوجوان آیا ہے جس کی — اس عمر میں — ذہانت و فطانت اور علم و

[1] مشرقی ترکی میں ایک شہر کا نام۔ عربی تاریخ و ادب میں اس کا نام ''اسعرد'' آیا ہے۔

[2] اس سے ان کی مراد ''البهجة المرضية في شرح الألفية'' نامی کتاب ہے جو کہ علم النحو میں الفیہ ابن مالک کی بہترین شرح ہے۔

فضل نے مجھے حیران کر کے رکھ دیا ہے؛ میں نے اس سے جو بھی سوال کیا ہے اس نے بغیر کسی تردّد کے اس کا صحیح صحیح جواب دیا ہے۔ تب علما نے انہیں اپنی ایک مجلس میں بلایا اور اُن سے اپنے تیار کیے ہوئے مختلف سوال کیے، ملا سعید نے بغیر کسی تردّد کے ان سب کے صحیح صحیح جواب دے دیے۔ وہ جب جواب دیتے تو اپنی نظریں مُلاّ فتح اللہ کے چہرے پر گاڑھ دیتے اور بولتے جاتے، ایسے لگتا تھا جیسے وہ کسی کتاب سے پڑھ کر بول رہے ہوں۔ چنانچہ انہوں نے ان کے علم و فضل کا اعتراف کر لیا، اُن کی بہت زیادہ تعریف کی اور کہا کہ یہ نوجوان کوئی عام نہیں بلکہ کوئی خارقِ عادت اور غیر معمولی نوجوان ہے۔

ان کا نام اردگرد کے علاقوں میں مشہور ہو گیا اور لوگ ان کے بارے میں کہنے سننے لگے، ان کی توقیر کرنے لگے اور ان کی طرف ایسے دیکھنے لگے کہ وہ ایک ولی اللہ ہیں، لیکن اس چیز سے چھوٹی سطح کے علما اور طالب علموں کی غیرت کی رگ پھڑک اٹھی، حتیٰ کہ کچھ ناسمجھ قسم کے نوجوان طلبہ جب آپ کو علمی میدان میں مغلوب کرنے میں ناکام ہو گئے تو آپ کو قوت کے بل پر چپ کرانے پر تُل گئے اور انہوں نے آپ پر حملہ کرنے کی ٹھان لی۔ ''سیٔ اِرْت'' کے باسی چونکہ آپ کو ایک عظیم انسان سمجھتے تھے اور آپ کی بہت عزت کرتے تھے، اِس لیے انہیں جب ان شریر لوگوں کے ارادوں کا پتا چلا تو وہ آپ کی مدد کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے ملا سعید کو ایک گھر میں محفوظ کر دیا لیکن وہ علم کے مسلک میں اپنی شدید غیرت کی وجہ سے، اور اس پر حریص ہونے کی وجہ سے کہ علماء کرام اور طالب علم جاہلوں اور نادانوں کے ہتھے نہ چڑھ جائیں، اور جاہل لوگ علما کے معاملات میں مداخلت کرنے کے عادی نہ ہو جائیں؛ ان تمام خدشات کے پیشِ نظر وہ گھر سے باہر نکل آئے اور اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ان طالب علموں کے سامنے جا کھڑے ہوئے، جو انہیں نقصان پہنچانے پر تُلے ہوئے تھے، اور انہیں کہنے لگے: مجھے بے شک قتل کر دو...... لیکن خدارا علم کی قدر و منزلت کا خیال رکھو اور اس کے بلند مرتبے کا پاس لحاظ کرو۔

آپ نے منہ دوسری طرف پھیر کر انہیں خود حملہ کرنے کا موقع دیا، لیکن ان میں سے کسی نے بھی ان پر حملہ نہ کیا...... اور یوں اختلاف ختم ہو گیا۔

علاقے کے گورنر نے وہاں کچھ سپاہی بھیجے تھے تاکہ وہ ان طالب علموں کو شہر بدر کر دیں اور مُلّا سعید سے کہیں کہ گورنر کے ہاں جا کر اُن کی پناہ میں بحفاظت رہیں۔ لیکن آپ نے ان کی یہ دعوت رد کر دی اور ان سے کہا: ہم طالب علم ہیں، آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں لیکن پھر صلح کر لیتے ہیں۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ باہر کا کوئی شخص ہمارے معاملات میں دخل اندازی نہ کرے۔ یہ بھی یاد رہے کہ غلطی میری تھی۔

یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب ان کی عمر ابھی صرف پندرہ سولہ سال تھی۔ آپ بڑے خوبصورت اور مضبوط گٹھے جسم کے مالک تھے، ان دنوں آپ ''سعید مشہور'' کے نام سے پہچانے جاتے تھے، انہوں نے ''سیٔ اِرْت'' میں اپنی قابلیت

کے بارے میں اعلان کر رکھا تھا کہ وہ اپنے معاصرین میں سے کسی کا بھی سامنا کرنے کے لیے، اُس کے ساتھ مناظرہ کے لیے اور اپنے سے کیے گئے کسی بھی سوال کا جواب — کسی بھی دوسرے کی مدد لیے بغیر — دے سکتے ہیں۔ پھر آپ دوبارہ ''بِتلِس'' لوٹ گئے، وہاں انہیں پتا چلا کہ یہاں دو علمائے دین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، دونوں شیوخ علیحدہ علیحدہ مدرسہ چلا رہے اور دونوں کے پاس کافی تعداد میں طلبہ بھی ہیں، آپ نے یہ اختلاف ختم کرنے کے لیے بھرپور کردار ادا کیا اور لوگوں کو یاد دلایا کہ اسلام میں ایسی باتیں — اور خاص کر غیبت وغیرہ — ایک دوسرے تک پہنچانے کی قطعاً اجازت نہیں ہے جن کا انجام برا ہو، لوگوں نے شیخ امین آفندی کو اس بات کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا: ''وہ ابھی تک بچہ ہی ہے، خطاب کرنے کے قابل نہیں ہے۔''

یہ بات مُلّا سعید تک پہنچ گئی اور وہ تو فطری طور پر اس طرح کی بات برداشت ہی نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ شیخ کے پاس گئے اور اُن کی دست بوسی کرنے کے بعد کہنے لگے: جناب! آپ میرا امتحان لے سکتے ہیں، میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ میں خطاب کرنے کی قابلیت رکھتا ہوں۔

تب شیخ نے ان کے لیے مختلف علوم کے سولہ عدد مشکل ترین سوال تیار کیے، لیکن انہوں نے ان سب کے جواب دے دیے اور پھر اس کے فوراً بعد وہ جامع قریش چلے گئے اور وہاں لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے لگے۔ تب ''بِتلِس'' کے باشندے دو دھڑوں میں بٹ گئے، ایک دھڑا ملا سعید کی تائید کرنے لگا اور دوسرا دھڑا شیخ امین آفندی کی، گورنر ڈر گیا کہ کہیں شہر میں فساد ہی برپا نہ ہو جائے، اس لیے اس نے ''ملا سعید'' کو شہر بدری کا حکم صادر کر دیا۔ تب آپ ''بِتلِس'' چھوڑ کر ''شِروان'' آ گئے۔

اس طرح کے منفرد مزاج اور یگانہ طبیعت کے رکھنے والے انسان کے اگر بہت سے مخالفین پیدا ہو جائیں تو اس میں حیرانی کی کوئی خاص بات نہیں، اور خاص کر بعض وہ علمائے ظاہر جو اُن کے ساتھ علمی میدان میں مقابلہ نہ کر سکے وہ اُن کے ذاتی حالات کی جاسوسی میں لگ گئے اور اپنی پوری قوتیں اور صلاحیتیں صرف کر کے ان کو لوگوں میں بے عزت کرنے کے مواقع ڈھونڈنے لگے۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک دن ان سے کسی وجہ سے فجر کی نماز چھوٹ گئی۔ مخالفین کو اس بات کا پتا چلا تو اُنہوں نے لوگوں میں یہ بات پھیلا دی کہ ملّا سعید نے نماز چھوڑ دی ہے۔

ان سے سوال کیا گیا: یہ تمام لوگ آپ کے بارے میں اس طرح کی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا: جی ہاں، جو بات لوگوں میں اس تیزی کے ساتھ پھیل جاتی ہے اس کی کوئی نہ کوئی بنیاد تو ضرور ہوتی ہے نا! مجھ سے غلطی

ہوئی ہے، اور مجھے اس کی دو سزائیں ملی ہیں: ایک اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، اور دوسری لوگوں کی میرے بارے میں چہ میگوئیاں۔ رہا اس کا بنیادی سبب، تو وہ یہ ہے کہ مجھ سے میرا وہ وِرد چھوٹ گیا تھا جسے میں ہر رات پڑھنے کا عادی ہو گیا ہوں۔ لوگوں کی روحوں کو اس حقیقت کا شعور تو ہو گیا تھا لیکن وہ اس کا مکمل طور پر احاطہ نہ کر سکے اور انہیں اس کے نام کا پتا نہ چل سکا، اور انہوں نے غلطی سے اس کا نام کچھ اور رکھ دیا۔

''شِروان'' میں اقامت کے دوران آپ کے پاس ''سِیئ اِرث'' کے نواحی علاقے سے ایک آدمی آیا اور اُن سے کہنے لگا: سِیئ اِرث میں ایک نوجوان آیا ہے کوئی پندرہ برس سے زیادہ کا نہیں ہوگا، اور اس نے وہاں کے تمام علما کو لاجواب کر دیا ہے۔ اب میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ آپ وہاں جا کر اُس کے ساتھ مناظرہ کریں اور اُسے لاجواب کریں۔ مُلّا سعید نے اُس کی دعوت کو قبول کیا اور اس کے ساتھ ''سِیئ اِرث'' جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ پھر وہ دونوں چلے گئے، دو گھنٹے تک چل لینے کے بعد ملا سعید نے اس آدمی سے اس چھوٹی عمر کے عالم دین کے اوصاف کے بارے میں اور اس کے لباس وغیرہ کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا: جناب میں اس کا نام تو نہیں جانتا البتہ اتنا بتا سکتا ہوں کہ وہ جب پہلے پہل آیا تھا تو اس نے درویشوں والا چولا پہنا ہوتا تھا اور وہ اپنے کندھوں پر بکری کی کھال کی چادر رکھتا تھا، پھر اس کے بعد اس نے طالب علموں والا لباس پہننا شروع کر دیا اور مناظرے میں تمام علما کو لاجواب کر کے رکھ دیا۔ ملا سعید نے جب اس آدمی کی یہ بات سنی تو اسے معلوم ہو گیا کہ وہ اُسی کے بارے میں بات کر رہا ہے اور اسے اس بات کا پتا چل گیا کہ اس کی ایک سال پہلے والی حالت کی خبر اردگرد کی تمام بستیوں میں پھیل گئی ہے...... چنانچہ وہ انہی پاؤں پر واپس آ گئے اور اس آدمی کے ساتھ نہ گئے۔

پھر کچھ عرصے کے بعد وہ ''سِیئ اِرث'' کے ایک قصبے ''ہِلّو'' چلے گئے اور ایک مشہور مزار کے قبے کے نیچے خلوت نشین ہو گئے، وہاں ایک عجیب واقعہ جو ان کے ساتھ پیش آیا یہ تھا کہ آپ نے عربی لغت کی مشہور کتاب ''القاموس المحیط'' اوّل سے لے کر ''بابُ السین'' تک زبانی یاد کر لی۔ ان سے جب اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب میں کہا: قاموس ہر لفظ کے مختلف معانی بتاتی ہے، اور میں اس کے برعکس لغت کی کوئی ایسی کتاب لکھنا چاہتا ہوں جس میں یہ بتایا جائے کہ ایک ہی معنی کے لیے مختلف قسم کے کتنے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

آپ جتنی دیر وہاں خلوت میں رہے آپ کا سب سے چھوٹا بھائی آپ کے لیے کھانا لے کر آتا رہا۔ مُلّا سعید شوربے میں جتنے دانے وغیرہ ہوتے چیونٹیوں کو ڈال دیتے اور شوربے میں روٹی بھگو کر کھا لیتے۔ اُن سے پوچھا گیا: دانے آپ چیونٹیوں کو کیوں ڈال دیتے ہیں؟ تو اُنہوں نے جواب دیا: میں نے دیکھا ہے کہ وہ اجتماعی زندگی کی بڑی پابند ہیں، اور اپنا کام انتھک محنت اور عجیب لگن کے ساتھ کرتی ہیں، وہ چونکہ جمہوری نظام کو پسند کرتی ہیں اس لیے میں انہیں اس کا

صلہ دینے کی غرض سے ان کا تعاون کرنا چاہتا ہوں۔[1]

ایک رات انہوں نے خواب میں شیخ عبدالقادر جیلانی قُدس سرُّہ کو دیکھا وہ اُن سے مخاطب ہو کر کہہ رہے تھے: ملا سعید! تم قبیلۂ ''میران'' کے رئیس مصطفی پاشا کے پاس جاؤ اور اسے صحیح راستے پر چلنے کی دعوت دو، نماز اور امر بالمعروف کی تاکید کرو اور اُسے کہو کہ وہ ظلم کرنے سے باز آ جائے۔ اگر وہ قبول کر لے تو فبہا، ورنہ اس کو قتل کر دو۔[2] جاگنے کے بعد اُنہوں نے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی فرمائش پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیا اور سفر کی تیاریاں کر کے ''مِلّو'' قبیلہ میران کی طرف روانہ ہو گئے۔

حتی کہ مصطفی پاشا کے خیمے تک جا پہنچے اور خیمے میں داخل ہو گئے، لیکن مصطفی پاشا خیمے میں موجود نہیں تھا، وہ وہاں بیٹھ کر اُس کے انتظار میں ستانے لگے، کچھ دیر کے بعد پاشا آ گیا اور ملا سعید کے سوا سب لوگ اس کے احترام میں کھڑے ہو گئے، لیکن ''سعید'' نہ اٹھے اور اپنی جگہ پر جم کر بیٹھے رہے۔ مصطفی پاشا کو دھچکا سا لگا۔

تب اُس نے قبیلے کے ایک معزز آدمی ''فتاح پاشا'' کی طرف متوجہ ہو کر اس سے پوچھا: یہ کون ہے؟ اُس نے بتایا کہ یہ مشہور مُلّا سعید ہے۔ مصطفی پاشا تو یہ سُن کر گھبرا سا گیا؛ کیونکہ وہ علما کو بالکل ناپسند کرتا تھا، لیکن اس نے اپنی گھبراہٹ کو چھپا کر اور غصے پر قابو کرتے ہوئے اُن سے پوچھا: یہاں کیسے آنا ہوا؟ ملا سعید نے جواب دیا: میں تم کو نیک راہ پر چلنے کی دعوت دینے آیا ہوں۔ ظلم واستبداد کو چھوڑ دو اور نماز پڑھنا شروع کر دو، ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔

پاشا یہ جواب سن کر غصے سے پاگل ہو گیا اور غیظ وغضب کے عالم میں خیمے سے باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر خیمہ میں آیا اور اُن سے دوبارہ پوچھا: کیسے آنا ہوا؟

ملا سعید نے کہا: میں جس کام کے لیے آیا ہوں وہ آپ کو بتا نہیں چکا ہوں؟

---

[1] 1935م میں اسکی شہر کی فوجداری عدالت میں ان سے سوال کیا گیا: جمہوری نظام کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تو انہوں نے جواب میں کہا: میری تمام زندگی جو کہ آپ کے ریکارڈ میں ہے، ثابت کرتی ہے کہ میں — چیف جسٹس کو چھوڑ کر — تم سب لوگوں کے پیدا ہونے سے پہلے کا ایک دین دار جمہوری ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے اپنا چیونٹیوں والا قصہ سنا دیا اور ان سے کہنے لگے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے ہر خلیفہ ایک ہی وقت میں خلیفہ بھی اور رئیس جمہوریت بھی ہوتا تھا، چنانچہ صدیق اکبرؓ بلاشبہ اس جمہوریت کے رئیس تھے جس میں عشرہ مبشرہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ لیکن یہ ہے کہ وہ کام کے بغیر صرف نام کے اور مضمون کے بغیر صرف شکل وصورت کے متدین رؤسا نہ تھے اور یہ کہ شرعی عدالت وشرعی حریّت کے معانی کے حامل تھے۔

[2] سلطان عبدالحمید ثانی نے ایک مسلّح فوج تیار کر رکھی تھی جس کا نام ''حمیدی فوج'' تھا اور اس کے سپرد دولت عثمانیہ کی مشرقی حدود کی حفاظت کی ذمہ داری لگائی ہوئی تھی؛ کیونکہ ان حدود پر ارمنی جتھے آزاد ارمن حکومت قائم کرنے کے لیے عام لوگوں کو قتل کرتے رہتے تھے۔ ''مُصطفی پاشا'' مشرقی اناطولیہ میں ایک کُرد قبیلے کا سردار تھا۔ حمیدی فوج کے تین دستوں کی قیادت حاصل کر لینے کی وجہ سے ''پاشا'' کے مرتبے پر فائز ہو چکا تھا۔ لیکن اس نے اپنے اختیارات کا غلط فائدہ اٹھایا اور ظلم و جبر، فساد انگیزی اور حدود فراموشی میں نام کمایا۔

تب مصطفی پاشا نے خیمے کے ستون کے ساتھ لٹکتی ہوئی مُلا سعید کی تلوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: اس کُند تلوار سے مجھے قتل کرو گے؟

ملا سعید بولے: آپ کو تلوار نہیں کاٹے گی میرا ہاتھ کاٹے گا۔

مصطفی پاشا غصے میں لال ہو کر پھر خیمے سے باہر نکل گیا اور چکر لگا کر واپس آ گیا اور ملا سعید سے کہنے لگا۔ جزیرہ[1] میں میرے بہت سے علما ہیں، تم اُن کے ساتھ مناظرہ کرو، اگر تم مناظرے میں انہیں ہرادو گے تو میں تمہارے کہنے کے مطابق عمل کروں گا، لیکن اگر تم انہیں ہرا نہ سکے تو میں تمہیں دریائے فرات میں پھینکوا دوں گا۔

ملا سعید نے اسے کہا: جس طرح تمام علما کو مطمئن یا لاجواب کرنا میرے بس میں نہیں، اُسی طرح مجھے دریا میں پھینکوا دینا تمہارے بس میں نہیں۔ تاہم اگر میں ان علما کے سوالوں کے صحیح جواب دینے میں کامیاب ہو گیا تو میں تم سے تمہاری یہ ''ماؤزر'' بندوق لوں گا، اور اگر تم نے اپنے وعدے کی خلاف ورزی کی تو میں تمہیں تمہاری اسی بندوق سے قتل کر دوں گا۔

اس گرم سرد گفتگو کے بعد وہ دونوں اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر جزیرے کی طرف روانہ ہوئے۔ پاشا نے تمام راستے میں ان سے کوئی بات نہ کی حتی کہ وہ ''بانی خانی'' نام کے ایک ریسٹورنٹ میں پہنچ گئے۔ وہاں ملا سعید تھکاوٹ کے باعث تھوڑا سا آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے تو انہیں نیند آ گئی...... اُٹھے تو دیکھا کہ آپ کے اردگرد جزیرہ کے علما ہاتھوں میں کتابیں تھامے مناظرے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ اور ان کے جاگنے کا بڑے اہتمام سے انتظار کر رہے ہیں۔

ایک دوسرے کو خوش آمدید کہنے اور باہمی تعارف کے بعد ان کے درمیان چائے کا دور چلا پھر علماء کرام اپنی کتابوں میں منہمک ہو گئے اور ان سے پوچھنے کے لیے سوالات تیار کرنے لگے، لیکن ان سب پر حیرت، پس و پیش اور ادھیڑ بن کی سی حالت طاری تھی؛

کیونکہ وہ آپ کی شہرت سے کافی حد تک واقف ہو چکے تھے۔ وہ اس قدر حیرت زدہ تھے کہ چائے تک پینا بھول گئے، جبکہ نوری صاحب نے اپنا کپ ختم کر کے ان میں سے بھی ایک دو کا کپ پی لیا لیکن انہیں بالکل پتا نہ چلا! تب پاشا نے علما سے کہا: میں اگرچہ ایک بے علم آدمی ہوں، تاہم اتنا ضرور جانتا ہوں کہ تم لوگ مناظرے میں ہار جاؤ گے؛ کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ سوچ فکر اور کتابوں کے مطالعہ میں اس حد تک غرق ہو گئے ہو کہ چائے پینا بھی بھول گئے ہو، جبکہ اس نے اپنا کپ پی کر تم میں سے کچھ لوگوں کے کپ بھی پی لیے ہیں!

---

[1] جزیرہ دراصل اس بالائی علاقے کو کہا جاتا ہے جو دجلہ و فرات کے درمیان واقع ہے، لیکن عام گفتگو میں اس سے مراد سطح مرتفع کا وہ علاقہ ہوتا ہے جو ان دنوں ترکی کے جنوب مشرق، عراق کے شمال اور سوریا کے شمال مشرق میں منقسم ہے۔ اور اس جگہ جزیرہ سے مراد غالباً جزیرہ ابن عمر ہے جسے جزری بھی کہا جاتا ہے اور جس کی طرف کافی علما منسوب ہیں۔ یہ علاقہ موجودہ ترکی میں شام کی سرحد پر واقع ہے۔

ملا سعید نے علماء کرام کے ساتھ پیار محبت کی باتیں کیں اور ان سے کہا: میں نے اپنے ساتھ یہ معاہدہ کرر کھا ہے کہ خود کسی سے سوال نہیں کروں گا؛ اس لیے میں تم لوگوں کی طرف سے سوال کا منتظر ہوں۔ تب علما نے اُن سے چالیس کے قریب سوال کیے۔ آپ نے ایک ایک کر کے ان سب کے صحیح جواب دے دیے، صرف ایک سوال کا جواب غلط دیا، لیکن علما کو اس کا پتا نہ چلا اور انہوں نے وہ بھی صحیح مان لیا۔ لیکن مُلّا سعید کو مجلس برخاست ہونے کے بعد اس کا احساس ہو گیا، چنانچہ وہ جلدی سے ان کے پیچھے گئے اور کہنے لگے: میں معذرت خواہ ہوں کہ میں آپ کے ایک سوال کا صحیح جواب نہیں دے سکا ہوں، لیکن اس کے باوجود آپ لوگوں کو پتا نہیں چلا ہے۔ پھر آپ نے انہیں صحیح جواب بتا دیا۔ تب علماءِ کرام نے کہا: آپ نے ہمیں واقعتاً لا جواب کر دیا ہے۔

اس مناظرے کے بعد ان میں سے بعض علما نے تو آپ سے پڑھنا شروع کر دیا، اور مصطفی پاشا نے بھی اپنا وعدہ پورا کیا، چنانچہ اس نے نماز پڑھنا شروع کر دی اور اپنا ''ماؤزر'' بھی آپ کو تحفے میں دے دیا۔

ملا سعید جہاں ایک بے نظیر علمی استعداد کے مالک تھے وہاں ایک صحیح البدن جوان اور مضبوط قد کاٹھ اور ڈیل ڈول کے مالک انسان تھے، کشتی لڑنا بہت پسند کرتے تھے، مدرسے میں طالب علموں کے ساتھ کشتی لڑا کرتے تھے اور کوئی طالب علم انہیں کشتی میں بھی ہرا نہیں سکتا تھا۔

ایک دن ''مصطفی پاشا'' کے ساتھ گھوڑ دوڑ میں حصہ لینے کے لیے گئے، پاشا نے حکم دے رکھا تھا کہ مُلّا سعید کے لیے ایک ایسا گھوڑا تیار کیا جائے جو غیر تربیت یافتہ اور اَڑیل قسم کا ہو، جس پر کبھی سواری نہ کی گئی ہو اور اس پر قابو پانا نہایت دشوار ہو، اس سے اس کی نیت — واللہ اعلم — یہ ہوگی کہ وہ اس سے گر کر مر جائیں! پاشا نے ملا سعید کو گھوڑا پیش کر دیا تو انہوں نے اس پر سوار ہو کر دو چار چکر کاٹے، لیکن جب اُسے بھگانے لگے تو اس نے سرکشی کی اور پھر وہ جب بھی اُسے کسی سمت میں بھگانے کی کوشش کرتے وہ دوسری سمت میں بھاگ اُٹھتا، اور وہ اس پر قابو پانے میں ناکام رہے، پھر اچانک وہ اس سمت میں بھاگ کھڑا ہوا جہاں کچھ بچے کھیل رہے تھے۔ اور وہاں اُس نے چراغ پا ہو کر اپنی اگلی ٹانگوں سے ایک بچے کو ضرب لگا دی جو اُس کے دونوں کندھوں کے درمیان لگی اور وہ اس کے پاؤں کے درمیان گر کر تڑپنے لگا اور پھر ساکت ہو گیا۔ وہ بچہ جزیرے کے کسی سردار آغاؤں میں سے کسی آغا کا بیٹا تھا۔ لوگ اسے بچانے کے لیے بھاگے، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ بچہ مردے کی طرح بے حس و حرکت پڑا ہے تو سردار کے خادموں نے مُلّا سعید کو مارنے کے لیے خنجر نکال لیے، یہ منظر دیکھ کر ملا سعید نے بھی اپنا پستول نکال لیا اور اُن سے کہنے لگے:

> ''اگر حقیقت دیکھی جائے تو اس بچے کو اللہ نے مارا ہے، اور ظاہری طور پر دیکھا جائے تو بچے کو گھوڑے نے مارا ہے، لیکن اگر اصل سبب دیکھا جائے تو اسے اس گنجے مصطفی نے مارا ہے؛ کیونکہ یہ سرکش گھوڑا اُس نے مجھے جان بوجھ کر دیا تھا لیکن ذرا ٹھہر جاؤ! پہلے ہم بچے کو دیکھتے ہیں، اگر واقعی مر گیا ہے تو پھر ہم لڑ بھڑ کر کوئی فیصلہ کر لیں گے۔''

پھر وہ گھوڑے سے نیچے اترے، بچے کو گود میں لیا۔ اور جب دیکھا کہ وہ کوئی حرکت نہیں کر رہا ہے تو اس کو ٹھنڈے پانی کے تالاب میں ڈالا۔ اس پر بچے نے آنکھیں کھول دیں اور مسکرانے لگا۔ اور اس منظر سے ہر آدمی حیران ہو کر رہ گیا۔

اس عجیب واقعے کے بعد ملا سعید جزیرے میں کچھ دیر تک قیام پذیر رہے۔ پھر اپنے ایک شاگرد ''ملا صالح'' کے ساتھ وہاں سے نکل کر ''بیرُ ذ'' نامی علاقے میں چلے آئے۔ اس علاقے میں عرب بدوؤں کے کچھ لوگ آباد تھے۔ آپ وہاں کافی عرصے تک رہائش پذیر رہے۔ وہاں آپ کو اطلاع ملی کہ مصطفی پاشا نے لوگوں پر پھر سے ظلم وستم شروع کر دیا ہے؛ چنانچہ وہ فوراً پاشا کے پاس پہنچے اور انہیں وعظ ونصیحت کی۔ ایک دن ان کے درمیان بات چیت میں کچھ گرمی آ گئی اور ملا سعید نے پاشا کو سخت سست کہہ ڈالا اور اسے مخاطب کر کے دھمکی دے کر کہا: تو نے لوگوں پر پھر سے ظلم کرنا شروع کر دیا ہے، اس لیے اب میں تجھے راہِ حق میں قتل کر دوں گا۔ تب پاشا کے کاتب نے معاملہ ٹھنڈا کرنے کے لیے مداخلت کی، لیکن ملا سعید اس کے ظالمانہ رویے پر اُسے برا بھلا کہتے ہی رہے۔ مصطفی پاشا سے اپنی یہ اہانت برداشت نہ ہوئی اور اس نے مُلا سعید کو قتل کرنے کی نیت سے ان پر حملہ کر دیا۔ لیکن قبیلے کے لوگوں نے بیچ بچاؤ کرا دیا، اور جھگڑا ختم ہو گیا۔ آخر کار پاشا کا چھوٹا بیٹا ''عبدالکریم'' ملا سعید کو ایک طرف لے جا کر کہنے لگا: میرے والد کے عقائد صحیح نہیں ہیں...... میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ یہ جگہ چھوڑ کر کسی دوسری جگہ تشریف لے جائیں۔

مُلا سعید نے ''عبدالکریم'' کی اس درخواست کو ردّ کرنا مناسب نہ سمجھا، چنانچہ وہ اکیلے ہی ''بیرُ ذ'' نامی علاقے کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں جنگل میں سے گزرتے ہوئے ان کا سامنا اچانک بدُّو ڈاکوؤں سے ہو گیا، ڈاکو خنجروں سے مسلح تھے، آپ نے اپنے ماؤزر سے ان کی طرف چند گولیاں نکالیں جس سے وہ فرار ہو گئے۔ آپ نے سفر جاری رکھا لیکن تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ اچانک ڈاکوؤں کا ایک اور گروہ سامنے آ گیا جو تعداد میں پہلے گروہ سے کہیں زیادہ تھے۔ ان سب نے آپ کو گھیرے میں لے لیا، اور قریب تھا کہ آپ کو قتل کر ڈالتے لیکن ان میں سے ایک نے آپ کو پہچان لیا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: میں اسے جانتا ہوں۔ یہ ایک مشہور آدمی ہے جسے میں ''میران'' کے قبیلے میں دیکھ چکا ہوں۔ تب ڈاکو آپ سے دور ہٹ گئے اور انہوں نے آپ سے معافی مانگی اور آپ کو جنگل کے خطرناک مقامات سے بحفاظت نکال دینے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں لیکن، مُلا سعید نے ان کی یہ پیش کش قبول نہ کی اور اکیلے ہی سفر جاری رکھا، تا آنکہ چند دن کے بعد وہ ''ماردین'' پہنچ گئے۔ وہاں کے علما آپ کے ساتھ مناظرہ کرنے کی کوشش کرنے لگے، لیکن ان کی علمی صلاحیتوں نے اُن علما کو ان کے سامنے زانوئے تلمّذ تہ کرنے پر مجبور کر دیا، حالانکہ وہ ابھی بالکل نوجوان تھے!

انہی دنوں میں آپ کی ''ماردین'' میں آئے ہوئے طالب علموں کے ساتھ ملاقات ہوئی، ان میں سے ایک تو ''جمال الدین افغانی کا پیروکار تھا'' اور دوسرا سنوسی سلسلے کا مرید تھا، ان دونوں کے ساتھ ملاقات کر کے آپ کو جمال الدین

افغانی کے مسلک اور سنوسی سلسلے کے بارے میں آگاہی ہوئی۔

مُلّا سعید جوانی کے آغاز میں ہی سیاسی زندگی کے ساتھ وابستہ ہو گئے، آپ کی سیاسی زندگی کا آغاز ''ماردین'' میں ہوا جہاں آپ نے اُمّت اور وطنِ عزیز کی خدمات کی شروعات کیں۔ اور اس کا انجام یہ ہوا کہ والی شہر نے آپ کو گرفتار کر کے چند سپاہیوں کی نگرانی میں ہتھکڑیاں لگا کر ''بتلیس'' روانہ کر دیا۔ راستے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ آپ نے نماز پڑھنے کے لیے سپاہیوں سے ہتھکڑیاں اُتارنے کے لیے کہا تو انہوں نے انکار کر دیا۔ تب آپ نے خود ہی وہ ہتھکڑیاں ایسے کھول لیں کہ جیسے وہ رومال کے ساتھ دی گئی کوئی گرہ کھول رہے ہوں! اور ہتھکڑیوں کو کھول کر ان کے پاؤں میں پھینک دیا۔ وہ تو یہ منظر دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے اور اس چیز کو انہوں آپ کی کرامت شمار کیا۔[1] اور پھر انہوں نے تسلیم و انقیاد کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ابھی تک تو ہم آپ کے نگران تھے، لیکن آج کے بعد ہم آپ کے خادم ہیں۔

وہ جب ''بتلیس'' میں تھے انہیں ایک دن یہ خبر پہنچی کہ حاکم شہر کے ہاں ایک محفل جمتی ہے جس میں وہ اپنے ملازموں کے ساتھ مل کر شراب پیتا ہے؛ تو انہوں نے غضب ناک ہو کر کہا: مجھے یہ بات کسی بھی طرح قبول نہیں کہ اس کام کا ارتکاب کوئی ایسا انسان کرے جو ''بتلیس'' جیسے متدین شہر میں حکومت کی ترجمانی کر رہا ہو۔ پھر اس کے بعد وہ فوراً اس مجلس میں گئے اور شراب کے بارے میں وارد ہونے والی حدیث پڑھ کر اپنی گفتگو کا آغاز کیا، شراب نوشی کی مذمت کی اور ان کے ساتھ سخت لہجے میں بات کرنے لگے، اس خدشے کے پیشِ نظر کہ کہیں حاکم شہر ان پر حملہ نہ کروا دے، اِس دوران انہوں نے اپنا ہاتھ اپنے پستول پر رکھے رکھا۔ لیکن حاکم شہر ایک آخری درجے کا جہاندیدہ، متحمل مزاج اور بُردبار انسان تھا؛ چنانچہ وہ بالکل خاموش رہا۔

مُلّا سعید اپنی بات ختم کر کے جب مجلس سے باہر آئے تو حاکم کے معاون نے پریشانی کے عالم میں ان سے کہا: یہ آپ نے کیا کیا؟ آپ نے جو باتیں یہاں کی ہیں ان کی وجہ سے تو آپ کو پھانسی ہو سکتی ہے؟

نوجوان سعید نے کہا: پھانسی کے بارے میں تو میں نے نہیں سوچا تھا، بس اتنا ہی سمجھتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ جیل ہو جائے گی یا جلاوطن کر دیا جائے گا! لیکن بہرحال نہی عن المنکر کی راہ میں مر گیا تو کوئی نقصان نہیں۔

شراب نوشی کی اس محفل سے واپس آنے کے تقریباً دو گھنٹے بعد حاکمِ شہر نے دو سپاہی بھیج کر آپ کو طلب کیا۔ آپ ان سپاہیوں کے ساتھ حاکم کے پاس آئے تو اُس نے بڑے احترام و تعظیم کے ساتھ استقبال کیا، خوش آمدید کہا اور آپ کے ہاتھ چومنے کے لیے جھکا، اور آپ سے کہنے لگا: ہر انسان کا کوئی نہ کوئی استاد ہوتا ہے، اور آپ میرے استاد ہیں۔

☆ ☆ ☆

[1] بدیع الزمان سے ایک دن پوچھا گیا کہ آپ نے ہتھکڑیاں کیسے کھول لی تھیں؟ انہوں نے جواب دیا: یہ تو میں بھی نہیں جانتا، یہ ضرور نماز کی کرامت ہوگی۔

نوجوان سعید فطری طور پر کچھ اسی طرح کے تھے ان، کی فطرت یہ کسی بھی طرح قبول نہیں کرتی تھی کہ اسے کسی قانون کا پابند کر دیا جائے یا اس کی حرکت کو کسی حد میں محدود کر دیا جائے۔ وہ اپنی حرکات وسکنات میں اور تمام حالات میں آزاد رہنا پسند کرتے تھے، اور کہا کرتے تھے: ''میں کسی ایسے قانون کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ میری حریّت اور میرے استقلال پر حد بندیاں قائم کرے جو کسی کے مزاج کے مطابق بنایا گیا ہو۔''

اس بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ جب پہلے پہل استنبول آئے تو وہ اپنی آزادی پر قدغن لگنے سے اور کسی بھی طرح کی قید میں پابند ہونے سے دور بھاگتے تھے۔ اور یہ وہ چیز ہے جس کا مشاہدہ ہم ان کی تمام زندگی میں کرتے ہیں۔ آپ کے تن من میں بسنے والا حریّت واستقلال کا یہ وہی عشق ہے جس نے آپ کی زندگی کے دوسرے دور میں یورپ کی طرف سے دَر آنے والی ہولناک گمراہی اور زندیقیت کے حملوں کو روکنے میں بڑے اچھے نتائج دیے تھے۔ اور اُسی نے قرآن کریم کے خلاف طبیعی فلسفے سے پیدا ہونے والے مطلق استبداد کے مبادیات کا انکار کرنے اور انہیں دھتکار دینے اور تسلیم نہ کرنے کے ضمن میں بہترین نتائج عطا کیے تھے۔ اسی طرح جو تہذیب وتمدّن اور اسلامی حریّت — جو کہ حقیقی شرعی حُریّت ہے — کے لیے آپ نے جو کوشیش کیں، آپ کے اس عشق نے ان کوششوں اور محنتوں کو خوب بارآور کیا۔

مُلا سعید جب ''بِتلِس'' میں تھے، تقریباً سولہ سال کے ہو گئے تھے، لیکن اس مرحلے میں انہیں طویل مطالعہ یا زیادہ پڑھائی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی؛ کیونکہ اب تک اُن کی معلومات الہامی قسم کی ہی تھیں۔ لیکن یہ الہامی کیفیات دھیرے دھیرے ماند پڑنے لگیں اور انہیں اس بات کا پتا نہیں چل پا رہا تھا کہ اس کا سبب کیا ہے؟ کیا اس کا سبب یہ ہے کہ وہ بالغ ہو گئے ہیں، یا پھر یہ کہ انہوں نے سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا ہے؟ چنانچہ اُن دنوں میں انہوں نے اپنی پوری توجہ ہر قسم کے علم کا ''متن'' پڑھنے اور بالخصوص دین اسلام پر وارد ہونے والے شکوک وشبہات کا رد کرنے میں صرف کر دی، اور فقط دو سال کے عرصے میں ''مطالع'' کے ساتھ ساتھ ''المواقف''[1] جیسی دو کتابیں اور ان کے ساتھ ساتھ علوم آلیہ یعنی نحو، صَرف اور منطق وغیرہ اور علومِ عالیہ یعنی تفسیر وکلام وغیرہ میں چالیس کتابوں کے متن حفظ کر لیے۔ وہ اپنی حفظ کی ہوئی کتابوں کو دورے کی شکل میں دہراتے رہتے تھے، چنانچہ اپنی محفوظات میں سے وہ ہر روز ایک جز پڑھتے اور ہر تین مہینے میں دورہ مکمل کر لیتے۔

وہ بیک وقت دو متضاد حالتوں کے مالک تھے: ایک وہ حالت جس میں ان کا ذہن صاف شفاف اور کشادہ ہوتا تھا، اس حالت میں وہ اپنے ہاتھ لگنے والی ہر کتاب کو سمجھ لیتے تھے، اور کوئی کتاب یا کسی کتاب کا کوئی حصہ اُن کے لیے مشکل

---

[1] ''مطالع الانوار فی المنطق والحکمۃ''، از قاضی سراج الدین محمود بن ابو بکر ارموی متوفی (682ھ)۔ اور ''المواقف فی علم الکلام'' ''عضد الدین عبدالرحمان بن احمد الایجی متوفی ''756ھ'' کی تصنیف ہے۔

نہیں ہوتا تھا۔ اور دوسری حالت وہ جس میں ان کا ذہن بسط وکشادگی کی بجائے انقباض کی حالت میں ہوتا تھا، اس حالت میں مطالعہ تو رہا ایک طرف، وہ کسی کے ساتھ بات کرنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

اس دوران آپ نے قرآن پاک بھی حفظ کرنا شروع کر دیا اور ہر دن ایک دو پارے حفظ کر لیتے تھے اور اس طرح کافی حصہ حفظ کر لیا۔ لیکن دل پر وارد ہونے والے دو خیالات کی وجہ سے مکمل نہ کر سکے: ایک تو یہ کہ قرآن کریم کو زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ پڑھنا اس کی عزت وحرمت کی پاسداری کے منافی ہے۔ اور دوسرا یہ کہ اس کے حقائق کی معرفت حاصل کرنا اس کے حفظ کرنے سے زیادہ ضروری ہے، اس بنا پر انہوں نے دو سال کے عرصے میں وہ چالیس کتابیں زبانی یاد کر لیں جو حکمتِ اسلامیہ اور علوم اسلامیہ کے اِردگرد گھومتی ہیں، تاکہ یہ کتابیں بعد میں قرآنی حقائق کے لیے کلید کا کام دیں، اس پر وارد ہونے والے شبہات کا راستہ بند کریں اور ان شبہات سے اس کی حفاظت کریں۔ وہ روزانہ ان میں سے ایک جز پڑھ لیتے اور ہر تین ماہ میں ان کی دہرائی مکمل کر لیتے۔

انہوں نے ''المرقاۃ''[1] نامی کتاب شرح اور حاشیے کے بغیر ہی حفظ کرنا شروع کر دی۔ حفظ کرنے کے بعد انہوں نے اپنی سمجھ سوچ اور کتاب کی شرح اور حاشیے کے درمیان موازنہ کرنا شروع کر دیا۔ اور انہوں نے دیکھا کہ صرف تین کلمات کے علاوہ بقیہ تمام کتاب کو وہ اُسی طرح سمجھے ہیں جیسے شرح اور حاشیے میں لکھا ہے، اور ان تین کلمات کی بھی آپ نے ایسی توجیہ پیش کی کہ علماء عش عش کر اُٹھے!

ایک دن کسی آدمی نے ان سے جھوٹ بولا اور کہا: بتلس کے ایک بڑے عالم شیخ محمد الکفر اوی آپ کے لیے بددعا کرتے رہتے ہیں۔ آپ یہ سن کر اُن کی خدمت میں حاضر ہو گئے، شیخ صاحب نے اُن کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا، آپ تبرّک کے لیے شیخ صاحب کے درس میں بھی حاضر ہوئے۔

یہ آخری درس تھا جو آپ نے اپنی زندگی میں باقاعدہ کسی عالمِ دین سے لیا۔

ایک رات خواب میں آپ کو ''شیخ محمد کفراوی'' ملے اور آپ سے کہنے لگے: ملّا سعید! مجھے آ کر مل جاؤ کیونکہ میں سفرِ آخرت پر روانہ ہو رہا ہوں۔ مُلا سعید نے خواب میں ہی شیخ کی اس طلب پر فوراً لبیک کہا اور اُن کی زیارت کے لیے روانہ ہو گئے، لیکن دیکھتے ہیں کہ شیخ صاحب اُڑتے چلے جا رہے ہیں۔ اس کے بعد آپ نیند سے بیدار ہو گئے، گھڑی دیکھی تو رات کے سات بج رہے تھے[2] آپ پھر سو گئے۔ صبح ہوتے ہی آپ نے شیخ کفراوی کے گھر سے ماتم کی آوازیں بلند ہوتی سنیں، آپ فوراً وہاں پہنچے تو پتا چلا کہ شیخ صاحب رات سات بجے فوت ہو گئے ہیں۔ تب آپ انتہائی غم کی حالت

---

1 ''مرقاۃُ الوصول الی علم الاصول''۔ محمد بن فراموز بن حنفی المعروف مُلّا خسرو، متوفی 885ھ کی تالیف ہے۔

2 یعنی توقیتِ غروبی کے لحاظ سے سات کا ٹائم تھا جو کہ عام توقیت کے لحاظ سے آدھی رات یا اس سے کچھ زیادہ کے برابر ہے۔

میں إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھتے ہوئے واپس لوٹے۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔آمین!

☆ ☆ ☆

ملا سعید شرقی اناطولیہ کے ''شیخ سید نور محمد''، ''شیخ عبدالرحمان تاغی''، ''شیخ فہیمؒ'' اور ''شیخ محمد کفراوی'' جیسے کبار علما کے ساتھ بڑی محبت رکھتے تھے؛ کیونکہ ان لوگوں کے ہاتھوں آپ نے علم و عرفان کے جام پیے تھے۔اسی طرح آپ ''شیخ امین آفندی''، ''مُلّا فتح اللہ'' اور ''شیخ فتح اللہ آفندی'' کے ساتھ بھی حد سے زیادہ محبت رکھتے تھے۔

مُلّا سعید ''حسن پاشا'' کی دعوت پر ''وان'' شہر چلے گئے؛ کیونکہ وہاں کوئی مشہور عالمِ دین نہیں تھا۔وہاں آپ پندرہ سال قیام پذیر رہے اور اس دوران پڑھنے پڑھانے میں مصروف رہے اور وعظ و تبلیغ اور تعلیم و تربیت کی خاطر قبائل میں گھومتے پھرتے رہے۔اور اس تمام مدت میں آپ کے والیٔ شہر اور اس کے ملازمین کے ساتھ مضبوط تعلقات رہے۔

''وان'' میں قیام کے دوران آپ کو اس بات کا یقین ہوگیا تھا کہ قدیم طرز پر لکھا ہوا علمُ الکلام اکیلا اس دور میں اسلام پر وارد ہونے والے اور اس کے بارے میں پھیلائے گئے شکوک و شبہات کا جواب دینے کے لیے کافی نہیں ہے اور یہ کہ اس دور میں جدید سائنسی علوم حاصل کیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔[1] چنانچہ اس کے بعد آپ نے پوری جد و جہد اور انہماک سے ان علوم کو حاصل کرنا شروع کر دیا، اور تھوڑی ہی مدت میں تاریخ، جغرافیا، جیالوجی، فزکس، کیمسٹری، فلکیات اور فلسفہ جیسے سرکردہ علوم کے بنیادی مسائل پر اپنے ذاتی مطالعہ کے ذریعے کسی بھی استاد سے پڑھے بغیر دسترس حاصل کر لی۔

اس ضمن میں ایک واقعہ تو یہ ہے کہ اُنہوں نے جغرافیہ کے ایک استاد کے ساتھ ایک مناظرے میں حصہ لیا تو اُنہوں نے اس مضمون کی کوئی ایک آدھ کتاب کو لے کر چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر اَز بر کرلیا۔پھر دوسرے دن والیٔ شہر ''طاہر پاشا'' کی رہائش گاہ پر استاد کے ساتھ مناظرہ کیا اور اُسے لاجواب کر دیا۔اسی طرز پر آپ نے صرف پانچ دن کے عرصے میں نامیاتی کیمیا کے مباحث میں دسترس حاصل کر لی اور پھر کیمسٹری کے ایک استاد کے ساتھ مناظرہ کیا اور اُسے لاجواب کر دیا۔اِس واقعہ کے بعد اہلِ علم نے جب آپ کی عجیب و غریب صلاحیتوں کا اور بے پناہ علمی قابلیتوں کا مشاہدہ کیا تو آپ کو ''بدیع الزمان'' کا لقب دے دیا۔یاد رہے کہ آپ ابھی نوجوانی کی عمر میں ہی تھے۔

''وان'' میں اقامت کی مُدّت کے دوران بدیع الزمان نے تعلیم و تربیت کے باب میں ایک خاص طریق کار اپنایا،

---

[1] وہ علوم جو بدیع الزمان نورسی نے آغازِ شباب میں حاصل کر لیے تھے اُن علوم نے آپ کے لیے ان جلیل القدر قرآنی اور اسلامی خدمات کے لیے وہ ضروری زمین ہموار کر دی تھی جو مستقبل میں سرانجام دینے والے تھے۔اور اس یقین کے حاصل ہو جانے کے تقریباً چالیس سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو کلیاتِ رسائل نور کی تالیف کی توفیق بخش دی جس علم الکلام کے میدان میں تجدیدی کارنامہ سرانجام دیا۔

آپ نے اپنے نصاب میں ایک تو وہ دینی اور سائنسی کتابیں رکھیں جو خود آپ کے ذاتی تجربے میں آچکی تھیں، اور اس کے ساتھ ساتھ آپ نے وہ افکار و مطالعات رکھے جو اُس وقت تک آپ نے حاصل کیے تھے۔ اِس کے ساتھ ساتھ انہوں نے عصرِ حاضر کی ضروریات کی اہمیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا بلکہ انہیں بھی اپنایا، نبھایا اور اختیار فرمایا۔

یہ ایک ایسا منہج ہے جو طلبہ کو تعلیم و تربیت اور تہذیب و تمدن کے بہترین سانچے میں ڈھال دیتا ہے؛ کیونکہ یہ منہج دینی حقائق کا اثبات کرتا ہے اور ان کی ایسے جدید انداز کے ساتھ وضاحت کرتا ہے جو عصرِ حاضر کے ذہن اور سمجھ سوچ کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔

مُلّا سعید ''وان'' میں جتنی دیر تک قیام پذیر رہے، ایسی صفات اور امتیازی خصوصیات سے مزین رہے جو اس علاقے کے علما کے حالات کے بالکل برعکس تھیں۔ ان میں سے ایک صفت یہ تھی کہ اُنہوں نے کسی سے بھی بطور ہدیہ کبھی مال نہ لیا۔ بلکہ کبھی تنخواہ بھی قبول نہ کی۔[1]

جی ہاں، باوجود اس کے کہ انہوں نے اپنی ساری زندگی انتہائی بے سروسامانی اور فقر و فاقہ کے عالم میں گزاری، اور وہ تمام عمر تنہا اور قید و بند و جلاوطنی کی مصیبتوں سے دوچار رہے؛ ایسا کبھی نہ ہوا کہ انہوں نے مقابلے میں کوئی چیز دیے بغیر کسی سے مال یا تحفہ وغیرہ لیا ہو۔ اور یہ بات مشاہدے سے ثابت ہو چکی ہے۔

اور اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ انہوں نے کسی عالمِ دین سے خود کبھی کوئی سوال نہ کیا، لیکن ان بیس برسوں میں خود اُن سے جو بھی سوال ہوا انہوں نے اس کا جواب ضرور دیا۔ اس خصوصی صورتِ حال کے بارے میں وہ فرمایا کرتے تھے: میں علماء کرام کے علم کا انکار نہیں کرتا ہوں، اس لیے میرا ان سے سوال کرنا ایک فضول کام ہے، البتہ اگر کسی کو میرے علم کے بارے میں شک ہے وہ مجھ سے سوال کر سکتا ہے، میں اس کا جواب دوں گا۔

اور اس کا ایک دیگر پہلو یہ بھی ہے کہ وہ جس طرح خود زکوٰۃ اور تحفے تحائف نہیں لیتے تھے، اسی طرح اپنے شاگردوں کو بھی یہ چیزیں لینے سے منع کرتے تھے اور انہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر عمل کرنے پر اُبھارتے تھے، حتیٰ کہ بسا اوقات اُن کے روزگار کا خود کوئی نہ کوئی انتظام کر لیتے تھے۔

اور اس کا ایک مزید پہلو اُن کا دائمی تجرّد اور اشیائے دُنیا کے ساتھ دلی طور پر لاتعلقی کا رویّہ ہے، اس ضمن میں وہ فرماتے ہیں: ''میرے پاس جو بھی دنیاوی ساز و سامان ہو، وہ اس طرح کا ہونا چاہیے کہ میں جب چاہوں اسے اپنے ہاتھ میں لے لوں۔'' ایک دفع ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا: ''وہ دور بہت جلد آرہا ہے جب لوگ میری اس حالت کی وجہ سے مجھ پر رشک کریں گے، کہ دنیاوی مال و ثروت میرے لیے سکھ شانتی کا سامان پیدا نہیں کر سکتے، میں تو اس دنیا کو صرف ایک مہمان خانہ سمجھتا ہوں''۔

---

[1] اپنی زندگی کے اُسی سالوں میں وہ اپنی اس روش پر ثابت قدم رہے۔

''وان'' کے گورنر ''طاہر پاشا'' کے ہاں یورپی زبانوں سے ترجمہ شدہ کافی علمی کتابیں تھیں۔ طاہر پاشا ان کا مطالعہ کر کے اُن سے کچھ سوالات تیار کر کے ملا سعید سے ان کے جوابات پوچھا کرتا تھا، مُلّا سعید بغیر کسی تردّد کے ان کے جواب دے دیتے تھے، حالانکہ وہ ان کتابوں کے بارے میں جانتے تک نہیں تھے!

اور آپ نے ترکی زبان میں بات چیت کرنا ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی سیکھا تھا۔ ایک دن انہوں نے وہ کتابیں دیکھیں تو اُنہیں پتا چلا کہ ''طاہر پاشا'' انہی کتابوں سے سوالات تیار کرتا رہا ہے! تب آپ نے وہ کتابیں مہیّا کر کے بالکل تھوڑے سے وقت میں اُن کے مضامین اَزبر کر لیے۔

اس دوران ان کی سب سے بڑی غرض وغایت اور آخری خواہش یہی رہی کہ وہ ''وان'' اور ''بِتلس'' میں مصر'' جامعہ اَزہر'' کی طرز پر ''مدرسةُ الزهراء'' کے نام کی ایک یونیورسٹی بنائیں۔ وہ اس پروجیکٹ کو فکری مقام سے نکال کر حقیقت کی زمین پر لانا چاہتے تھے۔ آپ گرمیوں کا موسم ''وان'' میں ''باشید'' اور ''بیتُ الشباب'' نامی سرمائی مقامات میں گزارہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے ''طاہر پاشا'' سے کہا کہ ان علاقوں میں کچھ پہاڑ ایسے ہیں جن کی چوٹیوں پر جولائی میں بھی برف پڑتی ہے۔ تو اس نے یہ کہتے ہوئے آپ کی بات کو ردّ کر دیا کہ ''وہاں جولائی کے مہینے میں برف بالکل نہیں ہوتی۔'' پھر ایک دفعہ ملا سعید کچھ عرصے کے بعد ان مقامات میں تھے اور انہیں ''طاہر پاشا'' کے ساتھ کی ہوئی گفتگو یاد آئی تو انہوں نے پہلی دفعہ ترکی زبان میں خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ:

پاشا صاحب! برف ''باشید'' کی چوٹیوں کو ڈھانپ رہی ہے، اس لیے آپ اس چیز کا انکار نہ کریں جسے آپ دیکھ نہیں سکے ہیں؛ کیونکہ ہر چیز آپ کی معلومات میں منحصر نہیں ہے۔ والسلام!

مُلّا سعید جب کبھی قبیلوں کے درمیان لڑائی جھگڑے کا سنتے تو فوراً اُن کے درمیان دخل اندازی کرتے اور انہیں وعظ ونصیحت کر کے اُن دو متنازعہ فریقوں کے درمیان صلح کرا کے چھوڑتے۔ حتیٰ کہ انہوں نے ''شکر آغا'' اور ''میران'' قبیلے کے سردار مصطفی پاشا کے درمیان بھی صلح کرادی کہ جن کے درمیان صلح کرانے سے حکومت بھی عاجز آ گئی تھی۔ اور آپ نے مصطفی پاشا سے کہا: ''آپ نے تو توبہ نہیں کر لی تھی؟''

تو مصطفی پاشا نے اُن سے کہا: سیدا! میں آپ کا حکم کی اطاعت گزار ہوں، آپ کی مخالفت نہیں کرتا۔ یہ کہہ کر اُس نے آپ کی خدمت میں ایک گھوڑا اور کچھ مال پیش کرنا چاہا، لیکن آپ نے یہ کہہ کر ردّ کر دیا: کیا آپ کو اس بات کا پتا نہیں چلا کہ میں کسی سے مال نہیں لیتا؟ جب ایسا ہے تو پھر میں آپ جیسے ظالم سے مال کیسے لے سکتا ہوں؟ اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے اپنی توبہ توڑ ڈالی ہے؟ اب آپ جزیرے تک نہیں پہنچ سکیں گے۔

اور وہ واقعتاً جزیرے پہنچنے سے پہلے راستے ہی میں مر گیا۔

بدیع الزمان ریاضیات میں اُعجوبۂ روزگار تھے، وہ ریاضی کے انتہائی پیچیدہ اور مشکل ترین مسائل بے ساختہ چٹکی

بجاتے میں حل کر لیتے تھے۔ حتی کہ انہوں نے ''عِلْمُ الْجَبرِ وَ الْمُقَابَلَة'' میں بھی ایک چھوٹی سی کتاب لکھی تھی۔ وہ گورنر طاہر پاشا کے دربار میں منعقد ہونے والے ریاضی کے مباحثوں میں حاضر ہوتے اور مجلس کے سامنے رکھے جانے والے وہ مسائل جنھیں دوسرے لوگ کاغذوں پر لکھ کر حل کرنے میں مصروف ہوتے؛ وہ ان مسائل کو ان لوگوں سے پہلے ذہنی طور پر حل کر لیتے۔ آپ اس طرح کے مباحثات ومناقشات ومسابقات میں اکثر حاضر ہوتے رہتے اور ہمیشہ اوّل رہتے۔

اسی طرح کی ایک مجلس میں کچھ اس طرح کا مسئلہ پیش ہوا:

فرض کریں کہ پندرہ عدد مسلمان ہیں اور پندرہ غیر مسلم، وہ سب کے سب ایک ہی صف میں اس طرح کھڑے ہیں کہ ہر مسلمان کے پیچھے ایک غیر مسلم ہے۔ اب ہمیں قرعہ اندازی کرنا ہے، لیکن اس طرح کہ قرعہ ہر دفعہ غیر مسلم کے نام کا نکلے، یہ تقسیم کیسے ہوگی؟

تو انہوں نے جواب دیا: اس مسئلے کے فارمولے کی ایک سو چوبیس متحمل صورتیں ہیں۔ پھر اس مسئلے کے حل کی کیفیت بیان کی اور کہا: میں ایک مسئلہ پیش کر رہا ہوں جو اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہے، اور اُس کے فارمولے کی ارمکائی ہزار متحمل صورتیں ہیں۔ پھر انہوں نے دو گھنٹوں کی مدت میں ایک مسئلہ ترتیب دیا جس کے افراد کی تعداد سو عدد رکھی، اُن میں سے پچاس مسلمان ہیں اور پچاس غیر مسلم، اور اس میں شرط یہ ہے کہ قرعہ ہر دفعہ غیر مسلم کے خلاف ہی پڑے۔ پھر آپ نے ایک اور مسئلہ ترتیب دیا جس کے افراد میں پانچ سو مسلمان اور پانچ سو غیر مسلم ہیں۔ اور بتایا کہ اس مسئلے کے فارمولے کی اڑھائی لاکھ محتمل صورتیں ہیں۔ اور یہ مسائل آپ نے ایک مستقل کتاب میں لکھ کر وہ کتاب ''طاہر پاشا'' کی خدمت میں پیش کر دی۔[1]

بدیع الزمان ''وان'' میں اقامت کے دوران گورنر کے ساتھ مل کر بعض اخبارات کا مطالعہ کرتے تھے، اور خاص کر عالم اسلام کے مسائل کو تو بڑے ہی اہتمام کے ساتھ پڑھتے تھے، ان اخبارات کے مطالعہ سے اُن کے ہاں عالمِ اسلام کے حالات کے بارے میں کافی حد تک عمومی معلومات جمع ہوگئی تھیں۔ ایک دن گورنر نے اُنہیں کسی اخبار میں شائع ہونے والی ایک دھماکا خیز خبر کے بارے میں بتایا، اُس خبر کا حاصل یہ تھا کہ برطانیہ کے وزیر نوآبادیات نے پارلیمنٹ میں ہاتھ میں قرآن کا ایک نسخہ پکڑ کر بڑے واشگاف لہجے میں کہا: جب تک مسلمانوں کے پاس قرآن ہے ہم ان کو غلام بنا کر نہیں رکھ سکتے اور اپنا اقتدار ان پر مضبوط نہیں کر سکتے، اب یا تو ان کے ہاتھوں سے قرآن چھین لینا چاہیے، یا پھر انہیں قرآن سے برگشتہ کر دینا چاہیے۔

اس دل ہلا دینے والی خبر کا بدیع الزمان کی طبیعت پر بڑا گہرا اثر پڑا۔ اور وہ تو بڑی روشن صلاحیتوں، تابندہ قابلیتوں،

---

[1] افسوس کہ یہ کتاب ''وان'' میں آتش زدگی کے ایک حادثے میں جل کر ضائع ہوگئی۔

نازک ترین احساسات اور بیدار لطائف کے مالک اور علم وعرفان، اخلاص اور جرأت وشجاعت جیسی بلند پایہ خصوصیات سے مزین ہے تھیں۔ چنانچہ انہوں نے اس خبر پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے کہا: ''میں دنیاوالوں پر یہ ثابت کردوں گا کہ قرآن ایک معنوی سورج ہے جس کی تابندگی کبھی ماند نہیں پڑسکتی اور جس کی روشنی کبھی بجھائی نہیں جاسکے گی''۔ اور آپ کی روح کی گہرائیوں میں سے ایک پختہ ارادے نے جنم لیا جو اس عمل کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کبھی نرم نہیں ہوتا تھا۔[1]

---

1 سعید نورسی نے پینسٹھ سال پہلے جب یہ خبر سنی کہ وزیر نوآبادیات نے برٹش پارلیمنٹ میں یہ ہرزہ سرائی کی ہے، تو ان کی روح میں ایسی ہمت پیدا ہوگئی جو تھکنا جانتی ہی نہیں تھی: اور ان کے دل میں ایسی غیرت وسرگرمی نے جنم لیا جسے اُکتاہٹ کی پہچان ہی نہیں تھی۔ اُنہوں نے اس بات کا حتمی فیصلہ کرلیا کہ قرآن کا معجزہ چاردانگ عالم میں پھیلا دیں گے، اس کے اعجاز کو بانگِ دُہل ثابت کریں گے اور اس کا انکار کرنے والوں کی زبانیں بند کردیں گے۔

''وان'' میں وہ اپنے پندرہ سالہ قیام کے دوران اسی سے زائد کتابوں کی صورت میں اپنے علمی محفوظات کی طرف رجوع رکھتے تھے اور انہیں دہراتے رہتے تھے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ عالمِ اسلام کے حالات کو بھی مطالعہ میں رکھتے تھے اور ضروری معلومات لیتے رہتے تھے۔ اس بے مثال علامۂ روزگار کے بارے میں جہاں سب کو پتا چل گیا تھا کہ وہ نوجوانی کی عمر میں ہی بے پناہ علم اور نادرِ روزگار حافظے اور ذہانت وفطانت کا مالک ہے؛ وہاں اس بات کا پتا بھی چل گیا تھا کہ اُس کے ہم عصروں کو چھوڑ کر صرف اُسے قرآنی حکمت سے نوازدیا گیا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اہلِ عالم کے لیے یہ بات ''دلائل وبراہین'' کے ساتھ ثابت کرنے کے لیے کہ قرآن ایک ایسا معجزہ ہے جو اس دور کے تمام علوم وآداب سے کہیں زیادہ بلند ہے؛ یہ بات ثابت کرنے کے لیے اس کے پاس ثابت قدمی، امید، جاں نثاری اور استعدادِ کامل جیسی صفات موجود تھیں۔

جس طرح گندم کے دانے کے برابر بیج سے صنوبر کے پہاڑ جیسے درخت کا پھوٹ پڑنا قدرتِ الٰہی کو واضح طور پر واشگاف کردیتا ہے؛ اسی طرح بدیع الزمان کی زندگی اور اس کی خدمات کے ذریعے ...... جو کہ اس بیج کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے ...... تاریخ کے شدید ترین زمانی حصے میں بہت سے ذہنوں کے بغیر ایک ہمہ گیر معنوی فتح کا ظہور میں آجانا اور صرف ترکی میں ہی نہیں بلکہ تمام عالمِ اسلام میں بلکہ دنیا کے اکثر حصوں میں اس کے اثرات کا واضح طور پر محسوس ہونا بھی عقل وقلب کے سامنے یہ چیز واضح طور پر واشگاف کردیتا ہے کہ یہ سب قدرتِ مطلق کا کرشمہ ہے، یہ خدمت اللہ نے خود لی ہے اور اس کی رہنمائی پروردگارِ عالم نے خود کی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بدیع الزمان صاحب جب اپنی ایک کتاب میں اُس عنایتِ الٰہی کا ذکر کرتے ہیں جو ایمانی خدمت کے حصے میں آتی ہے؛ تو اس نعمتِ الٰہی کا ذکر تحدیثِ نعمت کی صورت میں کرتے ہیں؛ چنانچہ وہ کہتے ہیں:

جنگِ عظیم اوّل سے کچھ دیر پہلے یا اس کے آغاز میں، میں نے ایک سچے واقعہ میں دیکھا کہ میں ''آگری'' نامی پہاڑ کے نیچے کھڑا ہوں جو کہ ''کوہِ ارارات'' کے نام سے مشہور ہے۔ اچانک پہاڑ ہولناک اور دہشت خیز طریقے سے پھٹتا ہے اور اُس کی پہاڑوں کی سی ضخامت کی چٹانیں اطرافِ عالم میں اِدھر اُدھر بکھر جاتی ہیں اور دنیا میں ایک زلزلہ سا برپا ہوجاتا ہے۔ میں اسی ہولناکی کی وجہ سے ابھی تک بے ہوشی کے عالم میں تھا کہ اچانک دیکھا کہ میری والدہ مرحومہ میرے پہلو میں کھڑی ہیں۔ میں نے ان سے کہا: امی جان! ڈرو نہیں، یہ اللہ کا حکم ہے، اور وہ حکیم ورحیم ہے۔ میں ابھی اسی حالت میں تھا کہ ناگہاں میرے پہلو میں ایک بارعب قسم کا آدمی آکھڑا ہوتا ہے اور مجھے حکم دیتا ہوا کہتا ہے: قرآن کا اعجاز بیان کرو:

تب میں بیدار ہوگیا اور سمجھ گیا کہ عنقریب ایک بہت بڑا دھماکہ ہونے والا ہے اور کوئی تبدیلی رونما ہونے والی ہے جس کے بعد قرآن کے اردگرد کی بہت سی فصیلیں منہدم ہوجائیں گی۔ تب قرآن اپنا دفاع خود کرے گا، اس پر چاروں طرف سے حملے کیے جائیں گے۔ اور اس کا اعجاز اس کے لیے فولادی دزرہ کا کام دے گا، اور میں یہ سمجھ گیا کہ اُس دور میں اُس کے اِس طرح کے اِعجاز کو ظاہر کرنے کے لیے میرے جیسے کسی آدمی کا تعیّن ہوگا جو اپنی حد سے کہیں بڑھ کر اُسے ظاہر کردے گا، اور میں ہی وہ آدمی ہوں جسے اس کام کے لیے متعین کیا گیا ہے۔

بدیع الزمان مشرق اناطولیہ میں ایک یونیورسٹی بنانے کے لیے تگ ودَو کرنے کے لیے استنبول کی طرف متوجہ ہو گئے، یہ یونیورسٹی یا تو ''وان'' میں بنائی جائے، یا پھر ''دیار بکر'' میں، اور اس کا نام ''المدرسۃ الزہراء'' رکھا جائے۔ ایک لکھاری آپ کے استنبول میں قدم رنجہ فرمانے کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچتا ہے: ''مشرق کے بلند و بالا پہاڑوں سے ...... ذہانت و فطانت کا ایک دہکتا شعلہ استنبول کے آسمان میں چمک رہا ہے''۔

ایک دن گورنر طاہر پاشا نے ملا سعید سے کہا: آپ نے مشرق کے علما کے ساتھ مناظرہ کر کے تو انہیں لاجواب کر دیا ہے، لیکن کیا آپ استنبول جا کر وہاں کی وہیل کو چیلنج کر سکتے ہیں؟

بدیع الزمان نے استنبول پہنچ کر[1] سب سے پہلا کام یہ کیا کہ وہاں کے علما کو بحث و مناظرے کی دعوت دی اور ایک بورڈ پر یہ عبارت لکھ کر اسے گھر کے دروازے پر آویزاں کر دیا: یہاں ہر پیچیدہ گرہ کھولی جاتی ہے، اور ہر مسئلے کا جواب دیا جاتا ہے، لیکن کسی سے سوال نہیں کیا جاتا۔[2]

تب استنبول کے مشہور علما یکے بعد دیگرے جوق در جوق آپ سے ملنے کے لیے آنے لگے، آپ سے سوال کرتے اور آپ اُن سوالوں کے بالکل درست جواب دیتے جس سے علما کو آپ کے علم کی فراوانی، انداز بیان کی قوت اور بات چیت میں بلاغت اور روانی کا یقین ہو گیا، جبکہ آپ ابھی نوجوانی کی عمر میں ہی تھے۔

ان کے کچھ اسی طرح کے یہی عجیب و غریب حالات و اَطوار تھے جن سے خوش ہو کر وہ آپ کی قدردانی و جوہر شناسی

---

[1] استنبول میں آپ 1907م کے اواخر میں آئے تھے۔

[2] اس مقام پر ان مذکورہ باتوں کے علاوہ ایک بات کا اضافہ کرنا بہت ضروری ہے، اور وہ یہ کہ سعید نورسی کی آخری تیس چالیس سال کی زندگی کچھ ایسی ڈگر پر اور اس انداز سے چل رہی تھی کہ وہ اس میں بالکل بے اختیار تھے، جیسے کہ اس بات کی انہوں نے ایک معنوی اشارے کے ساتھ خود صراحت کی ہے اور جیسے کہ یہ بات اُن کی قرآنی خدمت اور ہمہ گیر معنوی جہاد سے سمجھ میں آتی ہے۔ اور وہ اس طرح کہ پروردگار کی رحمت وعنایت نے ان پر ان کی عمر کے انہیں آخری تیس چالیس سالوں میں رسائلِ نور کی صورت میں اُن پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ یعنی یہ کہ باری تعالی نے انہیں اُعجوبۂ روزگار ذہانت و فطانت اور نادر روزگار قسم کی عبقریت سے نوازا ہوا تھا، اور اُن سے مستقبل میں قرآن کریم کی جلیل القدر خدمات لینے کے لیے اُنہیں اپنی الطاف وعنایات کے ایک عجیب قسم کے حصار میں لے رکھا تھا۔ اس بنا پر ان کے حالاتِ زندگی پر نظر ڈالتے وقت یہ نقطہ آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونا چاہیے، جیسے کہ آغاز میں بالوضاحت بتا دیا گیا ہے۔
عہد حریّت سے قبل انہوں نے اِس جلیل القدر قرآنی خدمت کے بارے میں خبر دیتے ہوئے اپنے بہت سے شاگردوں اور دیگر بھائی بندوں سے کہہ دیا تھا۔ میں ایک ''نور'' دیکھ رہا ہوں اور مستقبل کو بڑی امیدوں کے ساتھ دیکھ رہا ہوں۔ وہ اپنی اس بات کے ساتھ ''اِحساس قبل الوقوع'' کے ذریعے رسائل نور کی موجودہ خدمت کی جھلک دیکھتے تھے: جب وہ استنبول میں تھے تو اُس ''نور'' کو سیاسی میدان میں دیکھتے تھے اور اِسی بنا پر انہوں نے سیاست کو دین اور قرآن کی خدمت کا آلۂ کار بنانے کے لیے اپنی خداداد قوتوں کے ساتھ آخری درجے کی جدو جہد کی۔

پر مجبور ہو گئے۔ حتی کہ اُن علما نے آپ کے بارے میں کہا کہ وہ ایک نادرِ روزگار ہستی ہیں اور ''بدیع الزمان'' کا لقب پانے کے قابل ہیں۔

اس طرح کی عبارت اُسے لکھ کر اپنے دروازے پر لٹکا دینے سے اُن کی غرض صرف یہی تھی کہ وہ مشرقی اناطولیہ میں پائی جانے والی علم وعرفان کی محنتوں اور کوششوں کی طرف توجہ مبذول کرواسکیں، ورنہ ان کی طبیعت میں ظہور وریاکاری کی محبت اور انانیت کا میلان قطعاً نہیں تھا، بلکہ اس کے برعکس وہ تو تظاہر وتفاخر اور خودنمائی کے جھمیلوں سے کوسوں دور بھاگتے تھے۔ وہ جہاں ذہانت وفطانت، قوتِ حافظہ، علم وعرفان اور جرأت وبہادری میں نادر روزگار تھے وہاں اخلاص وصفائے نفس اور بے نفسی میں اس سے کئی درجے آگے تھے۔ تصنّع اور تکلّف انہیں بالکل اچھے نہیں لگتے تھے۔

آپ جب استنبول میں تشریف لائے تو اتفاق سے ایسا ہوا کہ وہاں جامعہ اَزہر کے مشہور عالم ''شیخ بخیت مطیعی''، مفتیٔ دیارمصر یہ اپنے دورے پر استنبول آئے ہوئے تھے۔ تو وہ بعض علما جو مناظرے میں بدیع الزمان سے مغلوب ہو گئے تھے انہوں نے شیخ صاحب سے درخواست کی کہ وہ ''کردستان'' کے چکنے اور پتھریلے پہاڑوں سے آئے ہوئے نوجوان کے ساتھ مناظرہ کریں۔ شیخ نے ان کی درخواست قبول کر لی اور مناسب وقت کا انتظار کرنے لگے، تا آنکہ وہ وقت آ گیا، ہوا اس طرح کہ ایک دن یہ سب لوگ مسجد ''ایا صوفیا'' میں نماز پڑھ کر باہر نکلے اور ایک چائے خانے میں بیٹھ گئے۔ تب شیخ ''بخیت'' کافی تعداد میں جمع علما کی موجودگی میں ''بدیع الزمان'' کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے: مَاتَقُوْلُ فِي حَقِّ الْأُوْرُوْبَا وَالْعُثْمَانِيَّةِ، یعنی ''یورپیت اور عثمانیت کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''

شیخ یہ سوال کر کے وہ نورسی کے بے کراں علم کا، یا ان کی تابناک ذہانت کا امتحان نہیں لینا چاہتے تھے، بلکہ وہ تو فقط یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ اس نوجوان کے پاس دنیا کے سیاسی حالات کے بارے میں کتنی معلومات ہیں اور یہ مستقبل کے بارے میں کیسی بصیرت کا حامل ہے؟

تب نورسی نے انہیں یہ کہتے ہوئے جواب دیا کہ

إِنَّ الْأُورُبَا حَامِلَةٌ بِالْإِسْلَامِيَّةِ فَسَتَلِدُ يَوْماً مَا وَإِنَّ الْعُثْمَانِيَّةَ حَامِلَةٌ بِالْأُورُوْبَائِيَّةِ فَسَتَلِدُ يَوْماً مَا

یعنی ''یورپ کو اسلامیت کا حمل ٹھہر چکا ہے اور ایک دن آنے والا ہے جب وہ اسلامیت کو جنم دے گا اور عثمانیت کو یورپیت کا حمل ٹھہر چکا ہے اور یہ ایک دن یورپیت کو جنم دے گی۔''[1]

[1] استاد نورسی کی عبارت میں یہ الفاظ اسی طرح وارد ہوئے ہیں؛ کیونکہ عثمانی لغت میں یہ الفاظ اسی طرح استعمال ہوتے تھے۔ ''یورپیت'' سے مراد یورپی لوگوں کی عادتیں، اُن کے رسوم ورواج، تہذیب وتمدن اور ان کا نظامِ زندگی ہے۔ اور ''عثمانیت'' سے مراد سلطنت عثمانیہ اور ''اسلامیت'' سے مراد دین اسلام ہے۔

شیخ بخیت نے یہ سن کر کہا: اس نوجوان کے ساتھ بحث مباحثہ یا مناظرہ نہیں کیا جا سکتا۔ میں اس کی رائے کے ساتھ بالکل متفق ہوں۔ لیکن اپنی بات اس معجزانہ بلاغت کے ساتھ صرف ''بدیع الزمان'' ہی کہہ سکتا ہے۔[1]

استنبول میں بدیع الزمان کی زندگی کسی حد تک سیاسی زندگی تھی، اور ان کے سیاسی زندگی میں داخل ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ فَنَا فِيْ خِدْمَةِ الْاِسْلَامِ ہو چکے تھے، اور انہیں اس بات کا مکمل اطمینان تھا کہ وہ یہ خدمت سیاست کی راہ سے اچھے طریقے سے سرانجام دے سکتے ہیں۔ اسی طرح آپ ہمیشہ آزادی کے حامی رہے۔

جب انہوں نے ''ژون ترک''[2] پارٹی کے اَعضاء وارکان کے ظلم و جبر کا رنگ دیکھا تو اُن کی کھل کر مخالفت کی اور ان سے کہا: تم نے دین کے ساتھ بُرا سلوک کیا ہے، اللہ تعالیٰ کی حدوں کو توڑا ہے اور شریعت کی توہین کی ہے۔ عنقریب تم بہت بُرے انجام سے دوچار ہونے والے ہو!

اور پھر ''حریّت'' یا ''مشروطیت''[3] کے اعلان کے بعد آپ نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مل کر ''جمعیتِ اتحادِ محمدی'' کے نام سے ایک جماعت تشکیل دی جو کہ تمام ترکی میں پھیل گئی، اور اُسے اس قدر قبول عام حاصل ہوا کہ ان کے اپنی اس جماعت کے بارے میں صرف ایک مضمون سے ''اَزمیت'' شہر اور اُس کے مضافات سے پچاس ہزار لوگ اس

---

[1] بدیع الزمان کی کہی ہوئی دونوں باتیں بالکل اسی طرح ظہور میں آئیں جیسے انہوں نے کہی تھیں۔ اس خبر کی تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ آئینی حکومت کے صرف سال دو سال کے بعد ہی ترکی میں ایسی بہت سی بدیسی عادتیں اپنالی گئیں جو اسلامی شعائر کے بالکل خلاف تھیں، اور پھر دھیرے دھیرے انہیں فرض کر دیا گیا۔ جبکہ آج کل ہم دیکھ رہے ہیں کہ یورپ میں قرآن اور اسلام کی مقبولیت بڑھتی جا رہی ہے۔ اور خاص کر خوش نصیب جرمن لوگوں کا فوج در فوج اسلام میں داخل ہونا استاد کی اس بات کی بہت بڑی گواہی ہے۔

[2] ''ژون ترک''، فرانسیسی لفظ ہے جس کا معنی ہے ''جوان ترک''۔ یہ ایک سیاسی جماعت تھی جس کی بنیاد 1865م میں رکھی گئی تھی۔ یورپ زدہ اشرافیہ کے بیٹوں پر مشتمل تھی، پھر یہ ایک حکومت مخالف تحریک بن گئی اور اس کے اکثر ارکان یورپ منتقل ہو گئے اور سلطان سے یورپی طرز کی اصلاحات کا مطالبہ کرنے لگے، جس میں ایک مطالبہ یہ تھا کہ ہر قسم کی آزادی کا دروازہ کھول دیا جائے، دستور کا اعلان کیا جائے اور پارلیمانی نظام کی بنیاد رکھی جائے اور سیاسی اور اجتماعی زندگی میں دین کی دخل اندازی ختم کر دی جائے۔ اس کے اعضاء ارکان نے بعد میں ''انجمن اتحاد و ترقی'' کے نام پر ایک جماعت کی بنیاد رکھی جو کہ مشروطیت کے اعلان کے بعد تمام معاملات پر قابض ہو گئی۔ اسی جماعت نے سلطان عبدالحمید کی حکومت کا تختہ الٹ کر خلافتِ عثمانیہ کا چراغ گل کر دیا۔

[3] مشروطیت کا مطلب ہے ''آئینی حکومت'' جس کے ذریعے علاقہ جات کا انتظام وانصرام کیا جاتا ہے۔ اور اس کے بنیادی قوانین میں یہ چیز شامل تھی کہ دستور اور عوام کی منتخب قومی اسمبلی کی خاطر سلطان کے اختیارات محدود کر دیے جائیں۔ اس کا اعلان خلافتِ عثمانیہ میں 24 جولائی 1908م کو ہوا جب سلطان عبدالحمید ثانی نے 1876م کا قانون بحال کر دیا تھا۔ مشروطیت کے اس اعلان پر قانونی طور پر جو چیزیں مرتب ہوئیں یہ تھیں: اساسی قانون یعنی دستور کے تمام اجزا کو قابلِ عمل بنایا جائے جس سے سلطان کے اختیارات میں کمی آ جائے گی۔ قومی اسمبلی اور پارلیمنٹ کی دوبارہ اس انداز سے تشکیل کی جائے کہ ان کے پاس قانون سازی کے اختیارات ہوں۔ اور یہ کہ وزارت جس طرح سلطان کے سامنے جوابدہ ہے، پارلیمنٹ کے سامنے بھی جوابدہ ہو۔

میں منسلک ہو گئے۔

استاد بدیع الزمان اپنے موقف کی وضاحت کے لیے تقریریں بھی کرتے تھے اور دینی اخبارات و جرائد میں مضامین بھی لکھتے تھے، ان مضامین میں وہ آزادی کا مطلب بتاتے اور اس کی غلط تفسیر و تعبیر سے خبردار کرتے اور اس بات پر زور دیتے کہ ''مشروطیت'' کا اصل مفہوم سمجھنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے، اور وہ یہ ہے کہ مشروطیت سے مراد ''شرعی مشروطیت'' ہے، دیگر ہیچ۔

ان کے یہ مضامین فصاحت و بلاغت، دلائل و براہین اور قوت تاثیر میں اپنی مثال آپ تھے، جن سے اہلِ علم اور سیاستدانوں نے بہت فائدہ اُٹھایا۔

ان دنوں میں وہ اس بات کی خوشخبری دیا کرتے تھے کہ اُمت کی بیداری ہی ایشیا اور اناطولیہ کی سعادت کے لیے صبح صادق کا پیغام ہے۔ البتہ اُمت کو چاہیے کہ وہ جتنی جلدی ہو سکے شرعی احکام کی پابند ہو جائے ورنہ وہ اس سعادتمندی و فیروز بختی سے محروم ہو جائے گی۔ اور وہ اس بات سے خبردار کرتے تھے کہ ''مشروطیت'' کو اگر شرعی حریت کے دائرے میں رکھ کر نہ سمجھا گیا اور اُس پر شریعت کے مطابق عمل درآمد نہ کیا گیا تو یہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی اور معاملات کی کلید کسی مستبِد ظالم ادارے کے ہاتھ میں آجائے گی۔

[ہم ذیل میں اُن کی تقریروں اور مضمونوں کے کچھ نمونے پیش کر رہے ہیں جن سے ان کے سیاسی نظریات ورجحانات کی وضاحت ہو سکے گی۔ ان تقریروں میں اُن کی وہ تقریر بھی ہے جو انہوں نے آزادی کے اعلان کے تیسرے دن فی البدیہہ کی تھی، پھر دوسری مرتبہ وہی تقریر ''سیلانِک''[1] کے میدان حریت میں کی تھی اور وہ اُسی وقت اخبارات میں شائع ہوگئی تھی۔]

آزادی سے خطاب

اے شرعی آزادی! تو اگر چہ دھیمی آواز میں پکارتی ہے، لیکن وہ آواز بڑی میٹھی اور خوشخبری کی حامل ہوتی ہے، چنانچہ اس آواز سے تُو میرے جیسے غفلت کی نیند میں ڈوبے ہوئے گنوار دیہاتی کو بیدار کر دیتی ہے، اگر تُو نہ ہوتی تو میں اور عام لوگ قید و بند کی جیلوں میں زندگی گزار رہے ہوتے۔

اگر تُو شریعت کو— جو کہ خود عین زندگی ہے —اپنی زندگی کا سرچشمہ بنالے تو میں تجھے خوشخبری دیتا ہوں کہ تُو جاودانی عمر سے ہمکنار ہوگی اور زندگی کی جنت میں پہنچے گی اور نشو و نما پائے گی۔ اور میں اس مظلوم قوم کو بھی خوشخبری دیتا ہوں کہ یہ ماضی کے مقابلے میں ہزار درجے زیادہ ترقی کرے گی، بشرطیکہ یہ قوم تجھے اپنا ہادی و رہنما بنالے اور تجھے اپنی ذاتی اغراض میں استعمال نہ کرے اور انتقامی سوچ سے ملوث نہ کردے!

پروردگار! یہ کتنی پُرسعادت قیامت ہے! اور یہ کتنا خوبصورت حشر ہے! جو کہ اِس دور میں ہمارے لیے بعث بعد الموت کے ایک چھوٹے سے نمونے کی صورت گری کر رہے ہیں!!

یہ دیکھو، ایشیا اور ''رولی''[2] کے کھنڈرات میں مدفون قدیم تہذیب میں زندگی نے رینگنا شروع کر دیا ہے، اور یہ دیکھو ظلم و استبداد کی تمنا کرنے والے اور بندگانِ خدا کو نقصان پہنچا کر اپنے فائدے ڈھونڈنے والے اپنی زبانوں سے یہ بات دہرا رہے ہیں کہ:

﴿يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرَابًا﴾

---

[1] عثمانی خلافت کی اراضی میں واقع ایک شہر تھا جس پر یونان نے 1912م کے اواخر میں قبضہ کر لیا تھا۔ ان دنوں یہ یونان کا دوسرا بڑا شہر شمار ہوتا ہے۔

[2] ''رولی'' یا ''رُوم ایلی'' ...... عثمانی خلافت کے وہ علاقے جو براعظم یورپ میں واقع ہیں...... رقبے کے لحاظ سے یہ علاقے بہت زیادہ وسیع و عریض خطۂ زمین پر پھیلے ہوئے تھے۔ آج کل یہ علاقہ جات بلغاریہ، یونان اور حکومت ہائے بلقان کے ناموں سے معروف ہیں۔

اور ہماری جدید مشروط حکومت نے چونکہ ایک معجزے کی طرح جنم لیا ہے، اس لیے ان شاء اللہ یہ ﴿نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا﴾ مظہر بن جائے گی۔

خاموشی کا وہ رمضان جس کے ہم نے تیس سال تک پورے صبر و توکل کے ساتھ روزے رکھے ہیں؛ تہذیب و ترقی کی اس جنت نے اُس رمضان کے لیے اپنے عذاب سے خالی ثواب کے تمام دروازے چوپٹ کھول دیے ہیں۔[1]

اور یاد رکھیں کہ یہ شرعی قانون جو کہ عوامی حکومت کے لیے براعتُ الاستہلال کا حکم رکھتا ہے، ہمیں جنتوں کے خزانہ داروں کی طرح داخل ہو جانے کے لیے کہہ رہا ہے، اس لیے اے میرے مظلوم ہم وطن بھائیو! آؤ ہم اس میں داخل ہو جائیں اور اس میں داخل ہونے کے دروازے یہ ہیں:

اس جنت کا پہلا دروازہ شریعت کے دائرے میں رہ کر دلوں میں اتحاد پیدا کرنا ہے۔

اور دوسرا دروازہ ابنائے اُمت کے درمیان آپسی محبت ہے۔

تیسرا دروازہ علم ہے۔

چوتھا دروازہ انسانی کوشش ہے۔

اور پانچواں دروازہ رذالت سے دور رہنا ہے۔ اور بقیہ کو میں تمہارے ذہنوں پر چھوڑ دیتا ہوں۔

پس خبردار اے میرے ہم وطن بھائیو! اس آزادی کو رذائل سے آلودہ ہو کر اور دین کی بے قدری کر کے دوبارہ مرنے مت دینا۔

شریعتِ مطہّرہ کی بنیادوں پر اُٹھنے والے، اساسی قانون نے فاسد افکار، رذیل اخلاق، شیطانی حیلوں حربوں اور کمینی قربت جوئی کے سامنے ملک الموت کی طرح میدان میں آ کر ان چیزوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ اس لیے اب اسراف، شریعت کی مخالفت اور غیر شرعی لذّات کا ارتکاب کر کے اِن کے مردہ جسم میں دوبارہ زندگی نہ ڈال دینا۔

یہ شرعی آزادی نصیب ہو جائے تو یوں سمجھو کہ ہم تھوڑا ہی عرصہ پہلے قبر میں تھے اور ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی تھیں۔ لیکن آج ہم اس آئینی حکومت اور ابنائے امت کے اتحاد کی برکت سے زندگی کے رحم میں داخل ہو گئے ہیں: اور عنقریب ہم پھلیں پھولیں گے اور نشوونما پائیں گے اور بھرپور جوانی میں قدم رکھیں گے، اور عملی طور پر اساسی شرعی قانون کی گاڑی

---

[1] 1878م میں مشروطیت کے مطابق عمل کرنے کی طرف اشارہ ہے؛ کیونکہ سلطان عبدالحمید نے عمل کا تعلق دستور کی بعض شقوں کے ساتھ جوڑ دیا تھا اور قومی اسمبلی کو معطل کر دیا تھا، حالانکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسمبلی یورپی قوتوں کا آلۂ کار بن گئی تھی اور وہ قوتیں اسمبلی میں ایسے ارکان زبردستی گھسیڑ دیتی تھیں جو ان کے حمایتی ہوتے تھے اور پھر ان کے ذریعے خلافتِ عثمانیہ کو بکھیرنے کے لیے اپنے منصوبوں پر عمل کرواتی۔

پر اور فکری طور پر شرعی سواری کی براق پر سوار ہو جائیں۔ اور اس طرح ہم معجزۂ نبویہ کی برکت سے ترقی کے میدان میں پیچھے رہ جانے والے سو سالوں کو عبور کر لیں گے اور اس وحشت ناک صحرائے کُبریٰ کو تھوڑے سے وقت میں طے کر لیں گے اور ترقی یافتہ مہذب قوموں کے دوش بدوش چل کر ان کی برابری کریں گے، بلکہ انہیں پیچھے چھوڑ دیں گے؛ کیونکہ وہ تو بیل گاڑیوں پر سوار ہیں لیکن ہم ریل گاڑیوں پر اور گیسی غباروں جیسے وسائل پر سوار ہو کر اُن سے کہیں آگے نکل جائیں گے۔ بلکہ ہم انہیں میلوں پیچھے چھوڑ دیں گے جیسے کہ ہم نے ماضی میں کیا تھا؛ اور یہ سب اسلامی حقیقت کے فضل و کرم سے ہوگا جو کہ اخلاق حسنہ کا مجموعہ ہے، فطری استعداد کی برکت سے ہوگا، ایمان کے فیضان سے ہوگا اور ہضم کر لینے کی اُس سہولت سے ہوگا جو بھوک کی شدّت سے پیدا ہوتی ہے۔ تعلیم و تعلّم کے پیشے کے ساتھ منسلک ہونے کی وجہ ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے میرا جو مقام ہے میں اس مقام کے پیشِ نظر اور جو مقام مجھے حرّیت کی گواہی عطا کرتی ہے، اس کے پیشِ نظر میں آپ کو خبردار کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ:

خبردار اے میرے ہم وطنو! حرّیت کی غلط تفسیر نہ کرو، ورنہ وہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی اور ہمیں حسبِ سابق پھر سے قید و بند کی پرانی کڑوی شراب نئے جام میں پینا پڑے گی؛[1] کیونکہ آزادی صرف اور صرف اخلاقِ حسنہ کے ساتھ اور شریعت کے آداب و احکام کی پاسداری کے ذریعے ہی پنپتی اور پروان چڑھتی ہے۔ بدیع الزمان

شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والسلام زندہ باد

شریعتِ مطہرہ ابد تک جانے والی ہے؛ کیونکہ اس کا صدور اَزلی کلام سے ہوا ہے، اور ہم نفسِ امارہ کے استبداد کی رزالت سے چھٹکارہ اسلام کا سہارا لے کر اور اس کی مضبوطی رسی کو سے پکڑ کر ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ اور حقیقی آزادی کا حقیقی فائدہ ہمیں اسی صورت میں ہوگا جب ہم ایمان کی مدد سے زندگی گزاریں گے؛ کیونکہ جو خالق کائنات کا حقیقی غلام ہوگا وہ مخلوق کی غلامی سے اُوپر اُٹھ جائے گا۔ ہر انسان چونکہ اپنے عالَم یعنی اپنے جہان کا قائد ہے اس لیے وہ اپنے ''عالم اصغر'' میں جہاد اکبر کرنے کا، اخلاقِ محمدی میں ڈھلنے اور ان کے مطابق چلنے والا، اور سنتِ محمدی کو زندہ کرنے والا ملازم ہے۔

اے والیانِ امر! اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہیں توفیق سے نوازا جائے تو پھر اپنے اختیارات کا استعمال اللہ تعالیٰ کے فطری قوانین کے مطابق کرو، ورنہ ناکامی و نامرادی سے دوچار ہو جاؤ گے؛ کیونکہ اسلامی اور عثمانی علاقوں میں انبیاء علیہم السلام کا ظہور ہونا— جیسے کہ سب کو معلوم ہے— صرف تقدیرِ الٰہی کی طرف سے اس بات کا ایک خاص اشارہ اور رمز ہے کہ اس ملکت کے باسیوں کے لیے ترقی و کمالات کا زینہ صرف دین ہے۔ اور ایشیا، افریقہ اور روملی کے گلستانوں کے

---

[1] جی ہاں، ہمیں بدترین استبداد کے ہاتھوں اس سے بھی زیادہ خطرناک اور زہر آلودہ قید کا جام پینا پڑا۔ (سعید)

پھول اسلام کی روشنی سے کھلیں گے اور پروان چڑھیں گے۔

دنیا کے لیے دین کی قربانی نہیں دی جا سکتی۔ ماضی میں دین کے مسائل تباہی سے ہمکنار ہو جانے والے استبداد کو سہارا دینے کے لیے بطور رشوت پیش کیے جاتے تھے، لیکن دین کے مسائل سے دامن جھاڑ کر اور ان کی قربانی دے کر ہمیں نقصان کے علاوہ کیا ملا؟

آگاہ رہو کہ امت کے دل کو جو بیماری لگی ہے اس کا نام ''ضعفِ دین'' ہے، اور اس بیماری سے شفا حاصل کرنے کی صورت صرف یہی ہے کہ دین کو مضبوط کیا جائے۔

ہمارا مشرب یہ ہے کہ ''محبت کے ساتھ محبت کی جائے اور دشمنی کے ساتھ دشمنی رکھی جائے'' یعنی یہ کہ مسلمانوں کے درمیان محبت کے رشتے کو طاقتور بنایا جائے اور ان کے درمیان پائے جانے والے دشمنی کے لشکروں کو پسپا کیا جائے۔

اور ہمارا مسلک یہ ہے کہ خود کو محمدی اخلاق کے مطابق ڈھالا جائے اور سنت نبوی کو زندہ کیا جائے۔

ہمارا مرشد شریعتِ مطہرہ ہے...... ہماری تلوار تیز تر دلائل و براہین ہیں...... اور مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔

بدیع الزمان

حقیقت

دینی جریدہ: نمبر 70

26 شباط 1334 رومی

مارچ / 1909 میلادی

ہم ''قَالُوْا بَلٰی'' والے عہد سے ''جمعیت محمدیہ'' میں داخل ہیں۔

ہمارے اتحاد میں ہماری وحدت کی سمت کا تعین توحید ہی کرتی ہے۔ ایمان ہی ہمارا عہد اور ہمارا وعدہ ہے۔ اس لیے ہم جب تک موحّد ہیں تب تک متّحد ہیں۔ اور ہر مومن اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے مکلف ہے، اور اس دور میں اس کا سب سے بڑا سبب مادی ترقی ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ اغیار سائنس اور صنعتی ترقیوں کے ساتھ ہمیں اپنے معنوی استبداد کی چکی میں پیستے چلے جا رہے ہیں۔ اس لیے ہم اعلائے کلمۃ اللہ کے ان بدترین دشمنوں کے خلاف اُسی ہتھیار کے ساتھ جہاد کریں گے، اور وہ دشمن ہیں جہل، فقر اور اختلاف۔ رہا خارجی جہاد، تو وہ ہم ہیرے کی تلواروں کے سپرد کرتے ہیں، اور وہ ہیں شریعتِ مطہرّہ کی قطعی براہین کی تلواریں؛ کیونکہ مہذب لوگوں کو دلائل و براہین کے ساتھ مطمئن کر کے ہی مغلوب کیا جا سکتا ہے، جبر و اِکراہ کے ساتھ نہیں، جیسے کہ مُورکھ، ناسمجھ اور پست قسم کے لوگ کرتے ہیں۔

ہم محبت کے فدائی ہیں اس لیے ہمارے پاس لڑائی جھگڑے کے لیے وقت نہیں ہے۔

مشروطیت کا مطلب یہ ہے کہ عدالت، شوریٰ اور قوت کو قانون میں محصور کر دیا جائے۔ اور شریعتِ مطہرہ کی بنیاد چونکہ تیرہ سو سال پہلے رکھ دی گئی تھی، اس لیے یورپ سے احکام کی بھیک مانگنا دینِ اسلام کے ذمے بدترین قسم کے ناکردہ گناہ لگانے کے مترادف ہے، اور یہ ایسے ہی ہے جیسے نماز پڑھتے وقت شمال کی طرف منہ کر لیا جائے۔

قوت کا قانون کے ماتحت ہونا ضروری ہے ورنہ استبداد کا دور دورہ ہوگا۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ ہر ضمیر پر حاکم اور ہر وجدان پر آمر ہو۔ اور یہ چیز صرف معرفتِ تامّہ اور تہذیب عامہ سے یا دین اسلامی کے عنوان ہی سے بروئے کار آسکتی ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو پھر ہمیشہ کے لیے استبداد کی ہی حکمرانی ہوگی۔ پس اتفاق ہدایت میں ہوتا ہے، مزاج اور ہوائے نفس میں نہیں۔

تمام لوگ آزاد ہو چکے ہیں لیکن پھر بھی اللہ کے بندے ہیں۔ ہر شے آزاد ہو چکی ہے، کسی آدمی کو کوئی عیب دار کام کرنے کے لیے کسی دوسرے کے عیب کا سہارا نہیں لینا چاہیے، اور نہ ہی اسے یہ عُذر پیش کرنا چاہیے کہ فلاں آدمی بھی تو یہ کام کر ہی رہا ہے نا!

نا اُمیدی ہر کمال کے لیے رکاوٹ ہے

استبداد کی وراثت یہ ہے: مجھے کیا؟! سوچنا دوسروں کا کام ہے۔

بدیع الزمان

☆ ☆ ☆

کراصو یہودی

اسی زمانے میں آپ کی ''سیلانک'' میں منعقدہ کانفرنس میں استنبول کے ایک یہودی مذہبی راہنما سے بات چیت ہوئی جس کا نام ''عمانویل کراصو'' تھا۔ لیکن وہ مجلس میں آپ کے سامنے زیادہ دیر ٹھہر نہ سکا اور بحث کے دوران ہی اٹھ کر تیزی سے بھاگ گیا اور اس نے جا کر انتہائی سراسیمگی اور گھبراہٹ کے عالم میں اپنے ساتھیوں سے کہا: اگر میں سعید نورسی کے پاس تھوڑی دیر اور ٹھہر جاتا تو وہ مجھے مسلمان کر لیتے۔

یاد رہے کہ یہ کراصو ''سالونیکا'' کی اُس فری میسن تنظیم کا ماسٹر تھا جو خفیہ طور پر چالاکی کے ساتھ خلافت عثمانیہ کے حصے بخرے کرنا چاہتی تھی۔ کراصو کی نورسی صاحب کے ساتھ ملاقات کرنے سے غرض یہ تھی کہ وہ ان کو اپنی تحریک میں شامل کرنا چاہتا تھا اور ان کو اپنے خبیث مقصد کی بَرآری کے لیے آلہ کار بنانا چاہتا تھا۔ لیکن:

اے بسا آرزو کہ خاک شد

☆ ☆ ☆

31/مارچ کا حادثہ[1]

اور بالآخر 31/مارچ کا منحوس واقعہ رونما ہوگیا جس کے بھیانک نتائج میں پندرہ علما کو پھانسی دے دی گئی، جن پر یہ الزام تھا کہ وہ اس حادثے میں شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کررہے تھے۔ اس حادثے میں بدیع الزمان پر بھی اُنہی دنوں میں مقدمہ چلا۔ عدالت کے احاطے کے ایک باغیچے میں جب ان کے مقدمے کی سماعت اور ان سے سوال جواب ہو رہے تھے، وہ اپنی آنکھوں کے سامنے ان پندرہ علما کو پھانسی کے پھندوں میں جھولتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ عدالت کے چیف جسٹس ''خورشید پاشا'' نے ان سے جواب مانگتے ہوئے کہا: تو بھی شریعت کا نفاذ چاہتا ہے؟

تو بدیع الزمان نے جواب دیا: میری اگر ہزار جانیں بھی ہوتیں تو میں انہیں اسلام کے لامتناہی حقائق میں سے صرف ایک حقیقت پر بھی قربان کرنے میں تردّد کا اظہار نہ کرتا؛ کیونکہ شریعت ہی سعادتمندی و فیروزبختی کا سبب ہے۔ اور وہی حقیقی عدالت ہے، اور وہی فضیلت ہے۔ البتہ میں اس کا مطالبہ اُس طرح نہیں کرتا جس طرح باغی اور سرکش لوگ کرتے ہیں۔

پھر عین اُس وقت کہ جب وہ اس انتظار میں تھے کہ عدالت اُن کے لیے پھانسی کا حکم صادر کرے گی، اس نے آپ کو بری کردیا۔ تب آپ عدالت کا شکریہ ادا کیے بغیر احاطے سے باہر نکل آئے، اور ''بایزید'' کے علاقے سے جہاں عدالت واقع تھی ''سلطان احمد'' کے علاقے کی طرف روانہ ہوگئے، اور آپ کے پیچھے ہزاروں لوگ جمع ہوکر نعرے لگاتے آرہے تھے: ظالموں کے لیے جہنم زندہ باد۔ ظالموں کے لیے جہنم زندہ باد۔

بدیع الزمان نے مارشل لاء کی اس عدالت میں جو بیان دیا کافی طویل اور بڑا دلیرانہ جواب تھا جو کہ انہی دنوں دو مرتبہ طبع ہوا۔ آپ کے اس دفاعی بیان کے کچھ حصے ہم نے اس کتاب میں درج کردیے ہیں تاکہ 31/مارچ کے حادثے کا اور بدیع الزمان کے دلیرانہ بیان کا حقیقی رُخ آشکار ہوجائے۔

---

[1] یہ واقعہ 13/اپریل 1909 میں پیش آیا، ہوا یہ کہ 13/اپریل کی درمیانی شب کو ترکی فوج کی پہلی آرمی کور کے دستوں نے بغاوت کردی اور اپنے افسروں پر قابو پالیا اور علما کی سرکردگی میں ایا صوفیہ کے میدان میں پہنچ گئے جس کے پاس پارلیمنٹ کی عمارت واقع تھی۔ اور انہوں نے مطالبہ کیا کہ شریعت نافذ کی جائے، وزیرِ جنگ اور ایوان صدر احمد رضا کو برطرف کیا جائے، کابینہ توڑ دی جائے اور لڑکیوں کے مدرسوں کو بند کرنے والوں کو اور بے دین لوگوں کو سزا دی جائے وغیرہ..... استاد نورسی نے اس بغاوت کو فرو کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ فوج نے محمود شوکت پاشا کی قیادت میں اس بغاوت پر قابو تو پالیا لیکن سلطان عبدالحمید کو سازش کے الزام میں 7/اپریل 1909 کو معزول کرکے ان کے چھوٹے بھائی محمود رشاد کو خلیفہ بنا دیا گیا۔ یہ حادثہ عثمانی ترکی میں مروجہ یونانی تقویم کی رُو سے 31/مارچ کا واقعہ کہلاتا ہے۔ اس واقعے سے اسلامی تحریک کو بہت نقصان پہنچا۔ اسے 31/مارچ کا حادثہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ رومی کیلنڈر کے حساب سے 31 مارچ کو پیش آیا تھا۔ رومی کیلنڈر میں سال 31 مارچ کو شروع ہوتا ہے، اور عثمانی سلطنت کے اواخر میں رومی کیلنڈر ہی مروج و مستعمل تھا۔ (مترجم)

باسمہ سبحانہ

﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾

مصیبت کے دو مدرسوں کی سند

یا سعید نورسی اور کورٹ مارشل نامی مضمون کا ایک ٹکڑا

مقدمہ

آزادی کو جب جنون کے ساتھ ملا دیا گیا تو کمزور سے استبداد نے پاگلوں کے ہسپتال کو میرے لیے مدرسہ بنا دیا۔

اعتدال واستقامت جب قدامت پسندی کے ساتھ مخلوط ہو گئے تو مشروطیت کے خلاف شدید استبداد نے جیل کو میرے لیے مدرسہ بنا دیا۔

میری اس سند کے بارے میں بہت گہرائی سے غور وفکر کرنے والے میرے محترم بزرگو! اَز راہِ کرم اپنی ان روحوں کو اور اپنے خیالات کو جسم اور دماغ کی طرف بھیج دو، جو ایک ایسے سیدھے سادھے دیہاتی طالب علم کے لیے پریشان ہو رہے ہیں جو اپنے قومی تعصب کی وجہ سے اپنی قوم پر ہونے والے ظلم کو برداشت نہیں کرتا اور اس کی مدد کو دوڑتا ہے، اور جو اس جدید تہذیب وتمدّن سے ابھی نیا نیا آشنا ہوا ہے؛ تاکہ تم لوگ غلطی سے اُسے غلط نہ سمجھ بیٹھو!

میں نے 31 / مارچ والے حادثے کے موقع پر کورٹ مارشل میں کہا تھا:

> ''میں چونکہ ایک طالب علم ہوں اس لیے ہر چیز کو شریعت کے میزان پر تولتا ہوں، اور صرف اسلام کو اپنی قومیت مانتا ہوں، اس لیے ہر چیز کا فیصلہ اُسی کی دوربین سے دیکھ کر کرتا ہوں۔''

اس لمحے میں جبکہ میں اس برزخ کے دروازے پر جسے تم لوگ جیل کہتے ہو، اُس گاڑی کے انتظار میں کھڑا ہوں جو اس اسٹیشن سے آخرت کی طرف روانہ ہو رہی ہے جسے تم لوگ پھانسی کہتے ہو، اِس لمحے میں نوعِ بشر کے بے رحم سماجی حالات پر تنقید کرتا ہوا اور ﴿یَوْمَ تُبْلَی السَّرَآئِرُ﴾ جیسی آیت کریمہ کے راز کو سامنے رکھ کر صرف تمہیں ہی نہیں بلکہ تمام نوعِ بشر کو مخاطب کر کے کہتا ہوں: حقائق دل کی قبر سے ننگے ہو کر باہر آ گئے ہیں، اس لیے جو غیر محرم ہے وہ ان کی طرف نہ دیکھے، میں آخرت کے لیے بڑے اشتیاق سے تیار ہوں..... ان پھانسی پا جانے والوں کے ساتھ کوچ کرنے کے لیے مستعد ہوں۔

ذرا اُس بدوی کا تصور کرو جو عجائب وغرائب پر فریفتہ ہو، اور اس نے استنبول کے عجائب ومحاسن کے بارے سن تو رکھا ہو لیکن استنبول دیکھا نہ ہو؛ ذرا تصور کرو کہ وہ اُسے دیکھنے کے لیے کتنا مُشتاق اور بے چین ہوگا؟ میری حالت بھی اس وقت بالکل اُس بدوی کی سی ہے، میں بھی اُسی ذوق وشوق سے عالمِ آخرت کو دیکھنا چاہتا ہوں جو کہ عجائب وغرائب کی نمائش گاہ ہے۔ یاد رکھو کہ آپ لوگوں کا مجھے اِدھر اُدھر جلا وطن کر دینا کوئی سزا نہیں، کچھ کر سکتے ہو تو مجھے ذہنی اور وجدانی قسم کی سزا دو ورنہ اس کے علاوہ کوئی بھی سزا میرے لیے سزا نہیں ہوگی بلکہ میرے لیے شرف ہوگی۔

استبداد کے دور میں یہ حکومت عقل کے پیچھے لٹھ لیے پھرتی رہی، اور آج کل یہ زندگی کے ساتھ اُلجھ رہی ہے، حکومت کے لچھن اگر یہی ہوتے ہیں تو پھر جنون زندہ باد موت زندہ باد اور ظالموں کے لیے دوزخ زندہ باد۔

میں ہمیشہ کسی ایسے موقع کی تلاش میں رہا جس میں اپنے افکار کی وضاحت کر سکوں، اب فوجداری عدالت نے مجھے یہ موقع فراہم کر دیا ہے۔ دیگر لوگوں کی طرح شروع میں مجھ سے بھی کچھ سوال کیے گئے اور جواب مانگے گئے۔ مجھ سے پوچھا گیا۔ تم بھی شریعت کا مطالبہ کرتے ہو؟

تو میں نے ان سے کہا:

> ''میری اگر ہزار جانیں بھی ہوتیں تو میں انہیں اسلام کے لامتناہی حقائق میں سے صرف ایک حقیقت پر بھی قربان کرنے میں تردّد کا اظہار نہ کرتا؛ کیونکہ شریعت ہی سعادتمندی وفیروز بختی کا سبب ہے۔ اور وہی حقیقی عدالت ہے، اور وہی فضیلت ہے۔ البتہ میں اس کا مطالبہ اُس طرح نہیں کرتا جس طرح باغی اور سرکش لوگ کرتے ہیں۔''

انہوں نے مجھ سے یہ بھی پوچھا کہ کیا تم ''اتحادِ محمدی'' کے ساتھ وابستہ ہو؟

تو میں نے جواب دیا: ''مجھے اس کا ایک چھوٹا سا کارکن ہونے پر فخر ہے، لیکن بالکل اُسی انداز میں جو میں نے پہلے بیان کر دیا ہے...... مجھے ملحدوں کے سوا کوئی ایسا آدمی دکھا دو جو اس انجمن کے ساتھ وابستہ نہ ہو!''

میں مشروطیّت کو تہمت سے، اہلِ شریعت کو نا اُمیدی سے، اس دور کے لوگوں کو تاریخ کی نظر میں جہل وجنون کی تہمت سے اور حقیقت کو اَوہام وشبہات سے بچانے کے لیے وہ تمام سوال وجواب طبع کروا کر شائع کر رہا ہوں۔

میں نے کہا: اے افسر وا وراے پاشو! یہ اجمالی طور پر وہ جرائم ہیں جو مجھے جیل میں ڈالنے کا تقاضا کرتے ہیں:

إِذَا مَحَاسِنِيَ اللَّاتِي أُدِلُّ بِهَا كَانَتْ ذُنُوبِي، فَقُلْ لِي كَيْفَ أَعْتَذِرُ ؟[1]

---

[1] میرے وہ محاسن وفضائل جن پر مجھے ناز ہے، اگر وہی میرے گناہ بن جائیں، تو پھر تم ہی بتاؤ کہ میں عذر کیسے پیش کروں؟ یہ شعر ابو عبادہ ولید بن یحیی البحتری (206ھ۔284ھ) کا ہے۔ قصیدے کا مطلع یہ ہے: فِي الشَّيْبِ زَجْرٌ لَهُ لَوْ كَانَ يَنْزَجِرُ۔

میں ابتدائی طور پر کہتا ہوں: جس آدمی میں مردانگی کا جوہر پایا جائے وہ خود کو کسی جرم کا ارتکاب کرنے سے بہت بلند سمجھتا ہے۔اور اگر اس پر تہمت لگا کر اُسے کسی جرم میں ملوث کر بھی دیا جائے تو وہ سزا سے نہیں ڈرتا...... آگاہ رہو کہ مجھے اگر اَز راہِ ظلم پھانسی دے دی گئی تو میں دو شہیدوں کا اجر پاؤں گا۔اور اگر میں جیل میں رہا تو یہ کٹھ پتلی حکومت جو آزادی کا صرف نام ہی جانتی ہے اس کے معنی سے نا آشنا ہے، اس حکومت سے جیل کہیں بہتر جگہ ہے جہاں میں ایسی حکومت سے آرام میں رہوں گا۔ ظالم بن کر جیتے رہنے سے ظلم سہہ کر مر جانا کہیں بہتر ہے۔اور میں یہ بھی کہتا ہوں: وہ بعض لوگ جنہوں نے سیاست کو الحاد و لادینیت کے لیے آلۂ کار بنایا ہوا ہے، وہ اپنے عیب چھپانے کے لیے دوسروں کو رجعیت پسند ہونے کا اور دین کے نام پر سیاست چمکانے کا الزام دیتے ہیں۔

اور یہ کہ انٹیلی جینسی کے عناصر جو آج کل پائے جاتے ہیں گزرے ہوئے کل کے جاسوسوں سے کہیں زیادہ بدترین ہیں، اب ایسے حالات میں ان کی دوستی اور جانبداری کا بھروسا کیونکر کیا جا سکتا ہے اور ان کے اقوال پر عدل کی بنیاد کیونکر رکھی جا سکتی ہے؟

پھر انسان جب عدل و انصاف کی بنیاد مکر و فریب اور خبثِ باطن پر رکھتا ہے تو لامحالہ ظلم و جبر کے پھندے میں اُلجھ جاتا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ عیب اور کمی کوتاہی سے کوئی بھی پاک نہیں۔

البتہ یہ بات اور ہے کہ یہ عیوب و نقائص کو جو کہ یک مشت نہ ہوں بلکہ کئی ایسے دنوں میں بکھرے ہوں جن کا آپس میں کوئی تعلق ہی نہ ہو، اور ان کا تعلق ایک کے ساتھ نہیں بلکہ کئی افراد کے ساتھ ہو، اور اُن کے مقابلے میں محاسن و فضائل اتنے زیادہ ہوں کہ وہ عیوب ان کے درمیان چھپے پڑے ہوں اور نظر ہی نہ آتے ہوں؛ اس طرح کے عیوب و نقائص کو پوری تکلیف اُٹھا کر بدنیتی سے تلاش کرتے رہنا اس وہم میں ڈالتا ہے کہ یہ ایک ہی آدمی سے اور ایک ہی وقت میں صادر ہوئے ہیں، اس لیے اس شخص کو کڑی سے کڑی سزا ملنی چاہیے۔ حالانکہ تفتیش وغیرہ کا یہ انداز بذاتِ خود شدید ظلم ہے۔

اب ہم اپنے جرائم کی طرف آتے ہیں جو کہ ساڑھے گیارہ کی تعداد تک پہنچ گئے ہیں۔[1]

پہلا جرم

پچھلے سال حریّت کا اعلان ہونے کے بعد میں نے وزارت کے دفتر کی طرف سے مشرقی علاقہ جات میں پائے جانے والے قبائل کو تقریباً ساٹھ ٹیلیگرام بھیجے، ان کا مضمون کچھ اس طرح کا تھا:

مشروطیّت اور دستور کا مسئلہ جس کے بارے میں تم لوگوں نے سنا ہے، اس کا مطلب حقیقی عدالت اور شرعی شوریٰ ہی

---

[1] اس مقام پر صرف وہی فقرے درج کیے گئے ہیں جو خاص طور پر مؤلف کے مسلک و مشرب کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اس لیے جو تفصیل سے پڑھنا چاہتا ہے وہ آپ کے اس رسالے کی طرف رجوع کرے جو "مصیبت کے دو مدرسوں کی سند" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

ہے؛ اس لیے اس کا خوشدلی سے استقبال کرو اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے پوری کوشش کرو؛ کیونکہ ہماری دنیاوی سعادتمندی مشروطیت میں پنہاں ہے، اور استبداد کی طرف سے سب سے زیادہ دُکھ ہمیں نے اٹھایا ہے۔

اس ٹیلیگرام کا ہر طرف سے مثبت جواب آیا اور ان لوگوں نے اس کی بہت تعریف کی۔

اب صرف اس بنا پر کہ میں نے مشرقی علاقہ جات کے حکمرانوں کو خبردار کیا تھا اور انہیں غافل نہیں رہنے دیا تھا تاکہ کوئی نئی قسم کا دیگر استبداد ان کی غفلت سے فائدہ نہ اُٹھا لے، اس لیے میں نے جرم کا ارتکاب کیا تھا، کیونکہ میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ: مجھے کیا لگے؟ اس لیے مجھ پر مقدمہ چلا دیا گیا ہے۔

دوسرا جرم

میں نے عام علما اور طلبہ کے لیے اُس حقیقی تعلق کی وضاحت کی جو شریعت اور اُس چیز کے درمیان پایا جاتا ہے جسے ''مشروطیّت'' کہا جاتا ہے، اور مسجد ''ایا صوفیا''، مسجد ''بایزید'' مسجد ''الفاتح'' اور مسجد ''سلیمانیہ'' میں متعدد خطبے دے کر اس بات کو تفصیل سے بیان کیا اور انہیں بتایا کہ شریعت اور اس مسلط ہو جانے والے استبداد کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس بات میں میں نے انہیں خصوصی طور پر یہ کہا کہ: حدیث شریف ''سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ ''[1] کے مطابق شریعت آئی ہی استبداد اور ظالمانہ تسلّط کو مٹانے کے لیے ہے۔

میں نے جتنے خطبے دیے ہیں، ان میں سے کسی خطبے کے کسی لفظ پر اگر کسی کو کوئی اعتراض ہے تو میں نے جو کچھ کہا ہے اُسے دلائل و براہین کے ساتھ ثابت کرنے کے لیے تیار ہوں۔

اور میں نے یہ بھی کہا: شریعت کا حقیقی مسلک ہی شرعی مشروطیّت کی حقیقت ہے، یعنی یہ کہ میں نے مشروطیت کو شرعی دلائل کے ساتھ قبول کیا۔ تہذیب و تمدن کا دعویٰ کرنے والے دیگر لوگوں کی طرح تقلیدی روش کے ساتھ یا شریعت کی مخالفت کر کے نہیں۔ اور میں نے شریعت کو کسی بھی چیز کے لیے کبھی بھی بطورِ رشوت پیش نہیں کیا ہے۔ میرا جرم صرف یہ ہے کہ میں نے علما اور شریعت کو یورپ کے فاسد ظنون و اَوہام سے بچانے کے لیے مقدور بھر کوشش کی ہے، اور اس کے صلے میں تمہاری طرف سے اس ناروا سلوک سے دوچار ہوں۔

تیسرا جرم

میں اس بات سے ڈرا کہ بعض پارٹیوں کے نمائندے میرے ان محنت مزدوری کرنے والے سیدھے سادھے اہلِ

---

[1] یہ حدیث بیہقی نے شُعب الایمان میں، ابونعیم نے ''حلية الأولياء'' میں، دیلمی نے اپنی ''مسند'' میں، ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں، ابوعبدالرحمان سُلمی نے ''آداب الصحبة'' میں، اور دیگر محدثین نے ایسی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے جن میں کچھ ضعف پایا جاتا ہے لیکن عجلونی نے ''كشف الخفاء'' میں کہا ہے کہ یہ حدیث تعدُّدِ طرق کی وجہ سے حسن لغیرہ کے درجے کی ہے۔

وطن کو— کہ جن کی تعداد صرف استنبول میں تقریباً بیس ہزار ہے— کہیں دھوکہ دے کر ان کا غلط استعمال نہ کرلیں کہ جس سے مشرقی صوبہ جات کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو؛ بنابریں میں نے ان لوگوں کے تمام علاقوں کا دورہ کیا اور جا بجا ان کے ساتھ ملاقاتیں کیں، ڈھابوں اور قہوہ خانوں میں ان کے ساتھ بات چیت کی اور انہیں ان کی سمجھ میں آجانے والی زبان میں ''مشروطیّت'' کا مطلب بتایا۔ میں نے ان سے کہا: استبداد سراپا ظلم اور تحکّم ہے اور مشروطیت عدل وانصاف اور شریعت ہے؛ چنانچہ سلطان اگر ہمارے پیارے نبی کے حکم کی اطاعت کرے گا اور اُن کے نقشِ قدم پر چلے گا تو وہ ہمارا خلیفہ ہوگا اور ہم اس کی اطاعت کریں گے، اور اگر ایسا نہ ہوا تو پھر جو لوگ ظلم وجبر کا ارتکاب کرتے ہیں اور ہمارے پیارے نبی ﷺ کے منہج کی مخالفت کرتے ہیں وہ ڈاکو ہیں، اگرچہ حکمران ہی کیوں نہ ہوں۔

میں نے ان سے یہ بھی کہا: ہمارے اصل دشمن تین ہیں: جہل، فقر وفاقہ اور اختلاف۔

اور ہم اپنے ان تینوں دشمنوں کے خلاف علم ومعرفت، صنعت وحرفت اور اتفاق واتحاد کے ذریعے جہاد کریں گے۔ ہم اپنے ہاتھ اپنے ان حقیقی بھائیوں تُرکوں کی طرف بڑھائیں گے جنہوں نے کسی نہ کسی طرح بیداری اور ترقی کی راہ میں ہمارا ہاتھ پکڑا ہے، اور ہم اپنے ہمسائیوں کا ہاتھ دوستی کے مضبوط ہاتھ کے ساتھ پکڑلیں گے؛ کیونکہ لڑائی جھگڑے میں شر ہی شر ہے، اور لڑائی جھگڑے کے لیے ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ اور ہم حکومت کے معاملات میں عمل دخل نہیں دیں گے کیونکہ ہم ان کی حکمت نہیں جانتے۔

اس نصیحت کا ان مزدور طبقہ لوگوں پر خاطر خواہ اثر اس دن ہوا جس دن انہوں نے ہڑتال کی اور آسٹریا کی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا تھا۔[1] چنانچہ انہوں نے انفعال واضطراب کی آخری حد پر پہنچ کر بھی انتہائی عقل مندی وہشیاری کا ثبوت دیا۔

میں نے ایسے حالات میں ان لوگوں کا سلطان کے ساتھ تعلق استوار کرنے کی کوشش کی تو گویا میں نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا اور بائیکاٹ کرنے والوں کے ساتھ یورپ کے خلاف اقتصادی جنگ کا سبب بنا۔ اس لیے مجھ پر یہ مصیبت نازل ہوئی۔

چوتھا جرم

مجھے اس بات سے بہت تکلیف پہنچی کہ یورپ شریعت کو استبداد کا حمایتی اور مُوافق سمجھتا ہے، اور یورپ کے اس سوءِ

---

[1] ظاہری وضع قطع کے ساتھ شغف رکھنے والے ایک شخص نے ایک دن بدیع الزمان کے ساتھ اس بات میں مناقشہ کیا اور ان سے کہا کہ آپ کو ایسا لباس پہننا چاہیے جو آسٹریا کے علمی مقام کے ساتھ مناسبت رکھتا ہو، تو نورسی صاحب نے اسے جواب میں کہا: تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ آسٹریا کے ساتھ بائیکاٹ کررہے ہو، مگر اُن کے ہیٹ پہننا نہیں چھوڑتے ہو۔ لیکن میں تمام یورپ کا بائیکاٹ کرتا ہوں اور اپنے علاقے کا ہی مادی ومعنوی لباس پہنتا ہوں۔

ظن کو ہمارے جہل وتعصّب کی وجہ سے مزید تقویت ملی ہے۔ میں نے اس بدظنی کو غلط ثابت کرنے کے لیے مشروطیت کو شریعت کا ترجمان سمجھ کر دوسروں سے کہیں بڑھ کر خوش آمدید کہا ہے، البتہ مجھے اس بات کا خوف ضرور ہے کہ کہیں کوئی اور طرح کا استبداد نئے سرے سے اس بدظنی کو سچا ثابت نہ کر دے! اس بنا پر میں نے ''اَیا صوفیا'' میں ارکانِ پارلیمنٹ سے مخاطب ہو کر اپنی خداداد قوت کے ساتھ بانگ دہل کہا تھا کہ:

مشروطیّتؔ کو اختیار کر لو اور اس کے بارے میں باور کراؤ کہ یہ مشروعیت کا عنوان ہے؛ تاکہ کوئی مخفی قسم کا لادینی استبداد نہ آجائے اور اس کی پاکیزگی کو اپنے گندے ہاتھوں کے ساتھ آلودہ نہ کر جائے، اور اسے اپنے مقاصد کو پورا کرنے کا ذریعہ نہ بنا لے۔ اور آزادی کو آدابِ شریعت کا پابند بناؤ؛ کیونکہ اگر بے علم لوگوں کو اور عوام الناس کو کسی قید و بند اور شرط کے بغیر آزاد و بے مہار چھوڑ دیا گیا تو وہ حرص و ہوا، اور پستی و کمینگی اور نافرمانی کی طرف جُھک جائیں گے۔ عدالت کی اس نماز کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ مذاہبِ اربعہ تمہارا قبلہ ہوں!

اب میں نے چونکہ صراحت کے ساتھ، ضمنی طور پر اور مذاہبِ اربعہ سے اجازت لے کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ مشروطیت کے حقائق کا استنباط کرنا ممکن ہے، اور اس طرح میں نے ایک عام سا طالب علم ہونے کے باوجود اپنے کندھوں پر وہ ذمہ داری اُٹھالی ہے جسے اُٹھانا علماءِ کرام کا فرض تھا، اس لیے اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے، اس لیے یہ سزا ابھی بھگت رہا ہوں۔

پانچواں جرم

اخبارات و رسائل نے کچھ اس قسم کے مضامین نشر کیے جو دو قسم کے فاسد قیاسوں پر مبنی ہیں اور عزت آبرو کے نام پر بٹا لگاتے ہیں۔ اپنی اس روش سے ان اخبارات و رسائل نے اسلامی اخلاق کو دھکا لگایا ہے اور رائے عامہ کو پراگندہ و بدنما کر کے رکھ دیا ہے۔ چنانچہ میں نے اخبارات میں کچھ مضامین لکھ کر ان کی تردید کی۔ میں نے اپنے مضامین میں کہا:

> ''اے صحافیو اور اخبار نویسو! ادبا کے لیے یہ بات بہت ضروری ہے کہ وہ ادب سے آراستہ ہوں، اور اسلامی آداب کے رنگ میں بھی رنگے ہوئے ہوں۔''

ان کے الفاظ و کلمات کسی خاص موقع محل سے نہیں بلکہ اُمت کے عمومی اور مشترکہ دِل سے نکلنے چاہئیں۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ مطبوعات کے قانون کے لیے تمہارے ضمیروں میں دینی شعور اور خالص نیت کی حکمرانی ہونی چاہیے۔ جبکہ صورت حال یہ ہے کہ تم لوگوں نے دو فاسد قیاس استعمال کیے ہیں: ایک یہ کہ شہروں کی چھوٹی چھوٹی بستیوں کو استنبول پر قیاس کیا۔ دوسرے یہ کہ استنبول کو یورپ پر قیاس کیا۔ اس سے تم نے رائے عامہ کو ناہموار کر دیا اور اسے بھول بھلیوں میں ڈال دیا۔ اور تم نے انتقام اور ذاتی مصلحت کے جذبات بھڑکا دیے۔ جس طرح ایک الف با بھی نہ پڑھ سکنے والے بچے کو

طبیعیات کے فلسفے کا درس نہیں دیا جاتا، اور جس طرح ایک مرد کو اداکارہ کا لباس نہیں جچتا؛ اسی طرح یورپ کے احساسات کو بھی استنبول میں لاگو کرنا ٹھیک نہیں۔

جس طرح زمانے اور اوقات مختلف ہوتے ہیں اسی طرح قومیں بھی مختلف ہوتی ہیں اور جگہوں اور مقاموں میں تباین ہوتا ہے، چنانچہ ایک کا لباس دوسرے کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا، اِس سے یہ پتا چلا کہ فرانس کا عظیم انقلاب کسی بھی حال میں ہماری تحریک کا دستور نہیں بن سکتا۔ غلطی اس وقت ہوتی ہے جب ہم نظریات کو اپنانے اور عمل میں لانے کی کوشش کرتے ہیں اور مقتضائے حال سے غافل ہوجاتے ہیں۔

میں ایک اَن پڑھ دیہاتی آدمی ہوں۔ لیکن اس کے باوجود میں نے کچھ فریب کار، مغالطہ آفریں اور کینہ توز اخبار نویسوں کو نصیحت کی ہے، اس لیے میں نے یقیناً بہت بڑا جرم کیا ہے۔

چھٹا جرم

بڑے بڑے اجتماعات کے دوران لوگوں کے دلوں میں جو تناؤ اور ہیجان انگڑائیاں لیتا ہے، میں نے وہ بہت دفعہ محسوس کیا ہے اور مجھے اس بات کا خطرہ ہی رہتا تھا کہ عوام کہیں اُمورِ سیاست میں دخل اندازی کر کے امنِ عامہ میں کوئی بگاڑ پیدا نہ کر دیں، چنانچہ میں نے وہ تناؤ اپنی اس بولی کے ساتھ ختم کر دیا جو ایک دیہاتی طالب علم بول سکتا ہے، اور جس کا واسطہ ترکی زبان کے ساتھ بالکل نیا نیا پڑا ہو۔

مثال کے طور پر: میں نے مسجد ''بایزید'' میں ہونے والے طلبہ کے اجتماع کے دوران، مسجد ''ایا صوفیا'' اور ''فرح تھیٹر'' میں منعقد ہونے والی محفلِ میلاد میں ان لوگوں کے جذبات کو کسی حد تک کنٹرول میں کیا اور ان کے بھڑکتے احساسات و مشاعر کو فرو کیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی اور ہی آندھی چل سکتی تھی۔

میں ایک بدوی آدمی ہوں لیکن میں نے مہذب لوگوں کی مکاریوں اور فریب کاریوں کا علم رکھتے ہوئے بھی ان کے معاملات میں دخل دیا، اس لیے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا۔

ساتواں جرم

میں نے یہ سنا کہ ''اتحادِ محمدی'' کے نام سے ایک جمعیت بنی ہے[1] تب مجھے اس بات کا شدید خطرہ لاحق ہوا کہ اس مبارک نام کے تحت بعض لوگوں سے کچھ غلطیاں صادر نہ ہوجائیں۔ پھر اس کے بعد مجھے پتا چلا کہ ''سہیل پاشا'' اور ''شیخ صادق''[2] جیسے کچھ لوگوں نے اس بابرکت نام کو صرف عبادت اور سنتِ نبوی کے ساتھ جوڑ دیا ہے؛ اور اس طرح انھوں

---

[1] اس دور میں ''جمعیت'' کا نام قریب قریب اسی معنی میں استعمال ہوتا تھا جس معنی میں آج کل ''پارٹی'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

[2] اتحادِ محمدیؐ کے بانی ارکان میں سے دو اہم شخصیتیں۔

نے اس سیاسی پارٹی سے اپنا تعلق منقطع کر لیا ہے اور وہ سیاست میں کوئی دخل نہیں دیتے۔ لیکن خوف نے مجھے ایک دفعہ پھر گھیر لیا جب میں نے کہا: اس نام پر سب کا حق ہے، اس کو کسی خاص حدّ میں محدود اور کسی کے ساتھ خاص نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ میں جیسے — کسی نہ کسی لحاظ سے — متعدد دینی جمعیتوں کے ساتھ تعلق رکھتا ہوں؛ کیونکہ میں دیکھ چکا ہوں کہ ان سب کا مقصد ایک ہے۔ اسی طرح میں اس مبارک نام کے ساتھ نسبت رکھتا ہوں، البتہ ''اتحادِ محمدی'' کی وہ پہچان جو میں نے کروائی ہے، اور جس کی وجہ میں نے اس کی طرف اپنی نسبت کی ہے، یہ ہے کہ یہ ایک ایسا دائرہ ہے جو مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک پھیلے ہوئے ایک نورانی سلسلے کے ساتھ مربوط ہے۔ اور اس کے ساتھ منسلک ہونے والوں کی تعداد تین کروڑ سے زائد ہے۔

اس اتحاد کے ساتھ وحدت، ہم آہنگی اور ربط وضبط کی بنیاد توحیدِ الٰہی ہے۔ اس کا عہد و پیمان اور حلف نامہ ایمان ہے، اس کے اعضا وارکان وہ تمام اہلِ ایمان ہیں جو اس میں ''قَالُوْا بَلٰی'' کے وقت سے داخل ہو چکے ہیں۔ اُن کے ناموں کی لسٹ والا رجسٹر لوحِ محفوظ ہے، ان کے افکار کا ناشر تمام اسلامی کتابیں، اس کے روز نامے اور وہ تمام دینی اخبارات و رسائل ہیں جن کا مقصدِ وحید اور ہدف اعلائے کلمۃ اللہ ہے، اس کے ٹھکانے، جلسہ گاہیں، نشست گاہیں اور میٹنگ رومز مسجدیں، دینی مدارس اور دائرُ الذکر ہیں اور اس کا مرکز حرمین شریفین ہیں۔ رہا اس جمعیت کا صدر تو وہ فخرِ عالم ﷺ ہیں۔ اس کا مسلک مجاہدۂ نفس یعنی تخلُّق بالاخلاق المحمدیہ، سنتِ نبوی کا اِحیا، آپسی محبت، باہمی دوستی اور اس وقت تک نصیحت کرنا ہے جب تک کہ وہ نقصان دہ ثابت نہ ہو۔

اس اتحاد کا داخلی نظام سنتِ نبوی ہے۔ اس کا قانون شرعی اوامر ونواہی ہیں۔ اس کی تلواریں قطعی دلائل و براہین ہیں؛ کیونکہ دلدادگانِ تہذیب پر غلبہ انہیں مطمئن کر کے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے نہ کہ جبر و اکراہ کے ساتھ، اور حقیقت کی جستجو صرف محبت کے ساتھ ہوتی ہے۔ رہا لڑائی جھگڑا، تو وہ تعصُّب اور تخلُّف کو سینے سے لگا کر رکھنے سے جنم لیتا ہے۔ لیکن اس اتحاد کا ایک ہی مقصد ہے اور اُس کے سامنے ایک ہی ہدف ہے اور وہ ہے اعلائے کلمۃُ اللہ۔

شریعت کے سو میں سے ننانوے حصے اخلاق، عبادت، فضیلت اور آخرت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، اور ایک فیصد سیاست کے ساتھ۔ ہمارے اُولوالامر لوگوں کو اس بارے میں غور فکر کرنا چاہیے۔

اِن دنوں ہمارا واحد مقصد یہ ہے کہ ترقی کی اس راہ میں اس نورانی سلسلے کے ذریعے وجدانی دلیری کے ساتھ سب لوگوں کو کھینچ کر کعبۂ کمالات تک پہنچا دیا جائے؛ کیونکہ اس دور میں اِعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جتنے بھی اسباب ہیں ان میں سے مادی ترقی ایک بہت بڑا سبب ہے۔ پس میں اس اتحاد کا ایک فرد ہوں اور اس کے دوسرے افراد کی طرح اس کے غلبے کا حریص ہوں۔ میرا تعلق ان فرقوں اور پارٹیوں کے ساتھ نہیں جو فرقہ بندی کا سبب بنتے ہیں۔

حاصلِ کلام یہ کہ: میں نے اتحادِ اسلامی کے ضمن میں ''سلطان سلیم''[1] کی بیعت کی اور اسلامی اتحاد کے بارے میں اس کی سوچ فکر کو قبول کر لیا۔ سلطان سلیم نے ہی مشرقی حکومتوں کو بیدار کیا ہے اس لیے اُن لوگوں نے بھی اُس کی بیعت کر لی۔ کیونکہ اِس دور کے اہلِ مشرق وہی پرانے دور کے اہلِ مشرق ہی ہیں۔ اور اس معاملے میں ہمارے اسلاف میں سے شیخ جمال الدین افغانی، سرکردہ علما میں سے مفتی دیارِ مصر یہ شیخ محمد عبدہ، سرگرم علما میں سے علی سعاوی۔[2]

''خواجہ تحسین''[3] اور ''نامق کمال''[4] ہیں جو اتحادِ اسلامی یعنی اتحادِ محمدی کے ساتھ وابستہ ہوئے۔ اور پھر سلطان سلیم ہیں جن کا یہ شعر ہے:

اِنَّ الخلاف لهم ظَلَّ يُقلقنی حتی بزاویتی فی ضَمّةِ القبر

الا بوحدتنا دفع العدا زحفوا ان تفترق اُمتی واغشیةَ الصدر

ترجمہ: باہمی اختلاف ایک ایسا غم ہے جس نے مجھے گوشۂ قبر میں بے قرار کر رکھا ہے

ان حملہ آور دشمنوں کو روکنا امت کی وحدت کے ذریعے ہی ممکن ہے، امت اگر متفرق رہی تو سینہ غم سے نڈھال رہے گا۔

---

[1] سلطان سلیم اوّل بن بایزید ثانی بن سلطان محمد الفاتح، جو کہ سلطان ''یاوُز'' یعنی بہادر کے نام سے مشہور ہیں۔ 876ھ بمطابق 1470م میں پیدا ہوئے، اور 918ھ بمطابق 1512م میں تختِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ اپنے عہدِ خلافت میں مندرجہ ذیل اہم کارنامے سر انجام دیے: ایران کی طرف سے منڈلاتے ہوئے صفوی خطرے کو پیچھے دھکیلا۔ پرتگالیوں کو شمالی افریقا اور بحرِ احمر کے ساحلوں سے مار بھگایا۔ شام، عراق، مصر، حجاز اور جزائر کے علاقوں میں ایک ہی خلافت کے جھنڈے کے نیچے اکٹھے کر دیا جس کا دارُ الخلافہ قسطنطینہ تھا۔ اسی بنا پر آخری عباسی خلیفہ کی اولاد سے خلافت آپ تک سرکاری طور پر منتقل ہو گئی۔ آلِ عثمان میں سے یہ پہلے خلیفہ تھے جنھیں ''امیر المومنین'' اور ''خلیفۃ المسلمین'' کا لقب دیا گیا۔ اور وہ پہلے خلیفہ تھے جنہوں نے خود کو ''خادم الحرمین الشریفین'' کا لقب دیا۔ بڑے بیدار مغز، دور اندیش، صاحب رائے اور فیصلہ کن طبیعت کے مالک محبِّ علم اور ادب پرور حکمران تھے۔ 926ھ بمطابق 1520ء میں فوت ہوئے۔

[2] علی سعاوی: ''جون ترک'' پارٹی کے اہم اُبھرتے ہوئے رکن، عثمانی مفکر۔ بلند ترین تعلیمی عہدوں پر فائز رہے اور استبداد کا قلع قمع کر کے آزادی کی بنیاد رکھنے کا دعوی کرنے والی سیاسی سرگرمیوں میں شامل رہے۔ سلطان عبد الحمید کا تخت اُلٹ کر اس کی جگہ مراد خامس کو بٹھانے کی کوشش میں برپا ہونے والی تحریک میں شرکت کرنے کی وجہ سے 1878 کو قتل کر دیے گئے۔

[3] شیخ تحسین یا شیخ حسن تحسین 1811م میں پیدا ہوئے۔ خلافتِ عثمانیہ پہلی سائنسی یونیورسٹی کی بنیاد رکھنے کے لیے انہیں جدید سائنس پڑھنے اور اس کے تجربات سے ملک کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے فرانس بھیجا گیا۔ اس مہم میں وہ مصر کے ''رفاعہ طہطاوی'' کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں اس یونیورسٹی کی بنیاد 1870م میں رکھی گئی۔ 1881م میں فوت ہوئے۔

[4] نامق کمال: عثمانی دور کے ایک نامور سیاسی شاعر، صحافی اور لکھاری۔ 1840م میں پیدا ہوئے۔ انہیں ''شاعر الوطن'' اور ''شاعر الحریۃ'' کا لقب دیا گیا۔ 1888م میں فوت ہوئے۔

میں نے جب اس اتحاد کے لیے کام کیا تو میرے سامنے دو مقصد تھے:

پہلا مقصد: یہ کہ ہم اس نام یعنی اتحادِ محمدی کو تحدید و تخصیص کے دائرے سے باہر نکال دیں اور یہ اعلان کر دیں کہ یہ تمام اہلِ ایمان کے لیے ہے، تاکہ ہم ہر قسم کے اوہام وخطرات وخدشات کو پراگندہ کرسکیں اور اختلاف وافتراق سے بچ سکیں۔

دوسرا مقصد: تاکہ ہم توحید کے ذریعے ان فرقوں کے افتراق کے آگے بند ھ باندھ سکیں جو اس مصیبت کا سبب بنے ہیں جو ہم پر ٹوٹی ہے۔ لیکن افسوس کہ زمانے نے یہ فرصت نہ دی، بلکہ اس سیلاب کے آگے میں خود بھی نہ ٹھہر سکا۔

پھر میں یہ کہا کرتا تھا: اگر کوئی آگ بھڑک اُٹھے تو میں اس کے بجھانے میں حصہ دار بنوں گا، لیکن یہ آگ کچھ اس طرح سے بھڑکی کہ مشائخ والے اُس لباس کو بھی جلا کر راکھ کر گئی جو میں پہنا کرتا تھا، اور یوں اُس نے اس جھوٹی شہرت کو زائل کر دیا جو میری برداشت سے باہر ہو رہی تھی، میں اس کا احسان مند ہوں۔

میں ایک سادہ سا آدمی ہوں، لیکن میں نے اپنے ذمے وہ کام لگا لیا جو کہ نیشنل اسمبلی، ہاؤس آف لارڈز اور کیبنٹ کا اہم ترین وظیفہ تھا۔

اور ظاہر ہے کہ اس طرح میں نے بہت بڑا جرم کیا۔

آٹھواں جرم

میں نے سنا کہ بعض فوجی بھی لوگوں کی دیکھا دیکھی بعض سیاسی جماعتوں، تنظیموں اور تحریکوں کے ساتھ وابستہ ہو گئے ہیں۔ تب میرے ذہن میں اس خوف ناک حادثے کی یاد تازہ ہو گئی جو "انکشاریوں"[1] کے ساتھ پیش آیا، اور مجھے اس بات کا بہت دکھ ہوا۔ تب میں نے ایک رسالے میں لکھا:

اس زمانے میں سب سے مقدّس جمعیت اہلِ ایمان کے لشکروں کی جمعیت ہے۔ اور یہ وہ جمعیت ہے کہ جس میں ایک ادنی سپاہی سے لے کر کمانڈر تک، داخل ہونے والے تمام لوگ جان نثار اہلِ ایمان کے لشکروں کی ڈوری میں اکٹھے

---

[1] "انکشاری" عثمانی فوج کی ایک خصوصی تنظیم، جو نظم وضبط طاقت و ہمت اور عزم وارادے کے لحاظ سے ایک بہترین اور طاقتور ترین تنظیم تھی۔ شروع میں اس کی ذمہ داری خالص عسکری خدمات سرانجام دینا تھی۔ اور یورپ میں فتوحات کا سہرا اُسی کے سر ہوتا تھا۔ لیکن مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اُس کے افراد اپنی بنیادی ذمہ داری سے برگشتہ ہو گئے اور لہو ولعب، جمع مال اور سیاسی اور حکومتی معاملات میں دخل اندازی کے عادی بن گئے۔ اور ان کی یہ دخل اندازی اس حد تک جا پہنچی کہ خلیفہ کو معزول یا قتل بھی کر دیتے تھے۔ 1826ء میں جب سُلطان محمود ثانی نے فوج میں اصلاحات کے منصوبے کا اعلان کیا تو انہوں نے سلطان کے خلاف بغاوت و نافرمانی کا اعلان کر دیا اور استنبول میں انارکی اور تخریب کاری کا بازار گرم کر دیا۔ تب سلطان نے اُن کی سرکوبی کے لیے ایک پورا توپ خانہ بھیج کر ان کی چھاؤنیوں کو اُڑا دیا اور انہیں جڑ سے اُکھاڑ دیا۔ اس واقعے کو "واقعہ خیبریہ" کہا جاتا ہے۔

ہو کر یک جان ہو جاتے ہیں؛ کیونکہ دنیا میں پائی جانے والی مقدّس ترین جمیعت کا مقصد اتحاد، اخوت، اطاعت، محبت اور اعلائے کلمۃ اللہ ہے اور تمام مومن سپاہی اس مقصد کا مکمل ترین مظہر ہیں۔ یہی لوگ مرکز و محور ہیں، اور تمام قوموں اور جمعیتوں کو اپنی نسبت انہی کی طرف کرنی چاہیے، بلکہ دیگر جمعیتوں کو بھی چاہیے کہ وہ قوم کو سپاہیوں کی طرح اخوت و محبت کا مظہر بنائیں۔

رہا اتحادِ محمدی، تو یہ تمام اہلِ ایمان کے لیے ایک عالمگیر حیثیت رکھتا ہے، یہ کوئی جمعیت، پارٹی اور گروپ وغیرہ نہیں ہے۔ اس کا مرکز اور اس کی صفِ اول مجاہدین و شہدا اور علما و مرشدین سے تالیف پاتے ہیں، چنانچہ کوئی ایسا مومن جاں نثار سپاہی نہیں ہوگا — سپاہی ہو یا آفیسر — جو اس اتحاد سے باہر ہو جس کی وجہ سے اسے اس کی طرف نسبت کرنے کی ضرورت پیش آسکتی ہو۔ البتہ بعض رفاہی جمعیتوں کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ خود کو ''اتحادِ محمدی'' کا نام دے سکتی ہیں۔ میں اس معاملے میں دخل اندازی نہیں کروں گا۔

میں تو ایک سیدھا سادھا سا طالب علم ہوں، اور میں نے چونکہ کبار علما سے ان کی ذمہ داری چھین لی ہے، اس لیے میں نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

نواں جرم

میں نے 31/مارچ کے دہشت خیز حادثے کا بڑے نزدیک سے مشاہدہ کیا، یہ مشاہدہ میں نے دور سے ہی کیا، اور وہ بھی صرف دو تین منٹ تک، اور میں نے وہاں بہت سے مطالبات سُنے۔ لیکن جیسے سپیکٹرم کے سات رنگوں کو اگر سرعت کے ساتھ گھمایا جائے تو صرف سفید رنگ ہی نظر آتا ہے، اسی طرح ان مختلف مطالبات کے درمیان سے صرف ایک ہی لفظ واضح طور پر سامنے آیا، اور وہ لفظ تھا ''شریعت''، جو کہ ایک ہزار سے لے کر ایک تک فساد کو ختم کر دیتا ہے اور عوام کو انارکی سے بچاتا ہے، اور ایک معجزانہ طریقے سے سیاستِ عامہ کو افراد کے ہاتھ میں کھلونا بننے سے محفوظ رکھتا ہے۔ تب مجھے اس بات کا ادراک ہوا کہ حالات بہت زیادہ خراب ہیں اور نافرمانی کا راج ہے، اور ایسے حالات میں نصیحت کرنا بالکل بے فائدہ ہے۔ ورنہ میرا تو دل چاہتا تھا کہ میں اس آگ کو بجھانے کے لیے بھاگ دوڑ کروں جیسے کہ میں پہلے کرتا چلا آیا ہوں؛ لیکن صرف تین منٹ کے بعد عوام کا ہجوم زیادہ ہو گیا۔ اور میرے علاقے کے لوگ ٹھہرے سیدھے سادھے گنوار لوگ، اس لیے اگر میں وہاں کچھ اور دیر ٹھہرتا تو جھوٹی شہرت کا مظہر بنتا۔ اس لیے میں اس خوف سے کہ مبادا وہاں کوئی مجھے دیکھ لے، مجھے کوئی جاننے والا مل جائے اور اس حادثے میں شریک ہو جائے، میں وہاں سے چپکے سے کھسک آیا اور سیدھا ''باقر کوئی''[1] چلا گیا، اور میں نے اپنے ہر ملنے والے کو یہ وصیت کی کہ مداخلت کرنے سے باز رہے۔

[1] استنبول کا ایک علاقہ جو کہ ''سلطان احمد'' میدان سے بارہ کلومیٹر دور ہے جہاں 31 مارچ کا حادثہ پیش آیا۔

چنانچہ اگر میں وہاں ایک ذرّہ برابر بھی دخل اندازی کرتا تو اس واقعہ میں ایک اہم شخص بن کر اُبھرتا، کیونکہ میرا لباس میری نشان دہی کر رہا تھا اور مجھے سب کے سامنے اس طرح کی شہرت آشکار کر رہی تھی جس کا میں کبھی خواہش مند نہیں رہا ہوں۔ اور ہوسکتا ہے اُس وقت میں اپنا وجود ثابت کر دیتا اور ''ایاستافونوس''[1] تک پہنچنے کے لیے — اگرچہ یہ کام مجھے اکیلے کو ہی کرنا پڑتا — تب بھی تحریک چلانے والے اس لشکر کا سامنا ضرور کرتا اور ایک بہادر ہیرو کی موت مرتا۔ اور میرا یہ دخل اندازی کرنا ایک ایسا بدیہی امر ہوتا کہ اس کے بارے میں کسی قسم کی تحقیق کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہ رہتی۔

پھر دوسرے دن میں نے فوجی اطاعت کے بارے میں تفصیل سے پوچھا جو کہ ہماری زندگی کا بندھن ہے، تو لوگوں نے مجھے بتایا کہ: پولیس افسران اس حادثے میں فوج کی وردی پہن کر شریک ہوئے تھے، اس لیے اطاعت شعاری و فرمانبرداری میں زیادہ خلل واقع نہیں ہوا۔

میں نے پوچھا: کتنے افسر مارے گئے؟ تو انہوں نے مجھے دھوکہ دہی سے غلط جواب دیا اور کہا: صرف چار افسر، اور وہ بھی اس لیے کہ وہ اپنی اس رائے پر اَڑے ہوئے تھے کہ شریعت اور آدابِ شریعت کو نافذ کیا جائے۔

پھر میں نے اخبارات کا مطالعہ کیا تو پتا چلا کہ وہ تمام کے تمام اس ماجرے کے بارے میں یہ تصور پیش کر رہے ہیں کہ وہ بغاوت قانون کے مطابق ہی تھی۔ تو اس سے مجھے ایک گونہ خوشی حاصل ہوئی؛ کیونکہ میرا مقدّس ترین مقصد یہ تھا کہ احکامِ شریعت کو مکمل طور پر نافذ کر دیا جائے۔ لیکن فوجی نافرمانی کی وجہ سے مجھے سخت دھکا لگا اور میں غمگین ہو گیا۔ تب میں نے تمام اخبارات میں فوج کے لیے ایک خطاب نشر کیا۔ جس میں فوج کے سپاہیوں سے مخاطب ہو کر کہا:

اے سپاہیو! تمہارے یہ افسر اگر ایک گناہ کا ارتکاب کر کے خود اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں، تو تم لوگ اپنی نافرمانی کی وجہ سے تین کروڑ عثمانیوں اور تیس کروڑ مسلمانوں کے بعض حقوق پر ظلم کر رہے ہو؛ کیونکہ اس دور میں عام عثمانیوں اور مسلمانوں کی عزت، سعادت اور توحید کا جھنڈا صرف آپ لوگوں کی اطاعت کے بل پر ہی لہرائے گا۔ اور تم لوگ ہو کہ ایک طرف تو شریعت کا مطالبہ کرتے ہو لیکن دوسری طرف نافرمانی کر کے اس کی مخالفت کرتے ہو!

پھر میں نے ان کی تحریک اور ان کی بہادری کی قدر کی؛ کیونکہ اخبارات نے — جو کہ رائے عامہ کے جھوٹے ترجمان ہیں۔ ہمارے سامنے ان کی اِس تحریک کی تصویر کچھ اس طرح کھینچی تھی کہ یہ ایک قانونی معاملہ تھا۔ میری نصیحت کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا اور اس کا خاطر خواہ اثر بھی ہوا اور اس سے نافرمانی کا یہ جوش کسی حد تک فرد بھی ہو گیا اور یہ کوئی معمولی کام نہیں تھا۔

میں ایک ایسا آدمی ہوں کہ بالفعل عقلی امراض کے ہسپتال میں داخل رہا ہوں، لیکن میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ ''میری

---

[1] استنبول کا ایک محلہ جو ''باقر کوئی'' کے علاقے کے ماتحت ہے۔ آج کل اس کا نام ''یشیل کوئی'' ہے۔

بلا سے، مجھے کیا لگے!؟''اس طرح کے معاملات کی فکر تو صرف اہلِ عقل و دانش کو ہی ہونی چاہیے!

دسواں جرم

میں علما کے ہمراہ جمعہ کے دِن آرمی ہیڈکوارٹر میں فوجی جوانوں سے ملاقات کے لیے گیا اور انہیں ایک پُرتاثیر خطاب کیا، میری نصیحت کچھ عرصے کے بعد اس قدر بار آور ثابت ہوئی کہ ان میں سے آٹھ دستے سرکشی سے باز آ کر حلقۂ اطاعت میں داخل ہو گئے۔ اُن سے خطاب کرتے ہوئے میں نے کہا:

اے توحید پرست سپاہیو! توحید کا جھنڈا اور تیس ملین عثمانیوں اور تین سو ملین مسلمانوں کی سعادتمندی و فیروز بختی اور ان کی عزّت و بزرگی — کسی حد تک — تمہاری اطاعت گزاری و فرمانبرداری کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اس لیے تمہارے اِن افسروں نے اگر ایک گناہ کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے تو تم لوگ اپنی اس نافرمانی اور سرکشی کے ذریعے تین سو ملین مسلمانوں پر ظلم کر رہے ہو؛ کیونکہ تم اپنی اس روش کے ساتھ اسلامی اخوت کو ہلاکت کے گھاٹ اُتار رہے ہو۔

یاد رکھو کہ لشکر کی چھاؤنی ایک بہت بڑے اور منظم کارخانے کی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے اگر اس کارخانے کے کسی ایک حصے سے یا اس کے کسی کل پرزے سے نافرمانی ظہور میں آ جائے تو کارخانہ تمام کا تمام بدترین انارکی اور بدنظمی کا شکار ہو جائے گا۔ اس لیے فوج کو سیاست میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔ ماضی میں انکشاری فوج کے ساتھ جو ہوا وہ میری اس بات کا بہترین گواہ ہے۔

تم لوگ شریعت کا مطالبہ کرتے ہو لیکن احوال واقعی یہ ہے کہ تم اس کی مخالفت کر کے اُس کی نیک نامی کو داغدار کر رہے ہو۔ یہ بات شریعت، قرآن، حدیث، حکمت اور تجربے سے ثابت ہے کہ حکمران جب تک سیدھا رہے، دین کے دامن کے ساتھ وابستہ رہے اور حق پر ڈٹا رہے، تب تک اُس کی اطاعت فرض ہے، اس لیے تمہارے اُولو الامر اور تمہارے استاد تمہارے یہ افسر ہیں۔ اب یہ سمجھو کہ جس طرح اگر کسی ماہر انجینئر یا ماہر ڈاکٹر سے غلطی ہو جائے تو اس سے ڈاکٹری یا انجینئری کے پیشے پر کوئی حرف نہیں آتا؛ تمہارے اس معاملے کی حیثیت بھی کچھ اسی طرح کی ہے، ان فنونِ سپہ گری کے ماہر، تجربہ کار، روشن فکر، غیرت منداور مومن افسروں سے اگر قانون کی کوئی تھوڑی سی مخالفت ہو گئی ہے تو تم لوگ ان کی وجہ سے عثمانیوں پر اور عام مسلمانوں پر ظلم نہ کرو؛ کیوں کہ سرکشی صرف ظلم ہی نہیں بلکہ اس میں لاکھوں لوگوں کے حقوق پر زیادتی بھی ہے۔

یہ بات تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو کہ توحیدِ الٰہی کا جھنڈا اس دور میں تمہاری شجاعت و دلاوری کے ہاتھ میں ہے، اور اس ہاتھ کی قوت صرف اطاعت شعاری اور نظم وضبط میں ہے، چنانچہ نظم وضبط کے پابند ایک ہزار سپاہی ایک لاکھ بدنظم اور بے لگام سپاہیوں کی برابری کرتے ہیں اس لیے اس طرح کی بغاوتوں اور شورشوں کی ضرورت ہی کیا ہے جن میں

بہت سا خون بہا دیا جاتا ہے، اور جو ایک سو سالہ تاریخ میں تین کروڑ لوگ بھی برپا نہ کر پائے، جبکہ تم لوگوں نے اپنی اطاعت گزاری کے ذریعے خون بہائے بغیر ہی یہ کام کر کے دکھا دیا!

ایک بات اور ہے، اور وہ یہ کہ وطن کے ایک روشن فکر افسر کا ہاتھ سے جاتے رہنا تمھاری معنوی قوت کے ضائع ہوجانے کے مترادف ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ اِن دنوں حکمرانی ایمانی، عقلی اور علمی شجاعت کا نام ہے، اس لیے کبھی ایک روشن فکر آدمی ایک سو آدمی کی برابری کر جاتا ہے۔ اور اغیار تم پر اس قوت کے ذریعے غلبہ حاصل کرنے کے لیے مسلسل کوشش کررہے ہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف فطری شجاعت اس دور میں ناکافی ہوچکی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ میں تم لوگوں تک فخرِ عالم ﷺ کا یہ حکم پہنچاتا ہوں کہ اطاعت فرض ہے، اس لیے اپنے افسروں کی مخالفت نہ کرو۔

فوج زندہ باد!

شرعی مشروطیت زندہ باد!

اب میں نے چونکہ بہت سے علما کے ہوتے ہوئے اس طرح کی جلیل القدر ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر اُٹھایا ہے، اس لیے میں نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

گیارہواں جرم

میں اُس رُسوا کُن حالتِ زار کا مشاہدہ کر چکا ہوں جس میں مشرقی صوبہ جات کے قبیلے مبتلا تھے، اور میں نے اس بات کا ادراک کرلیا تھا کہ ہماری دنیاوی ترقی اور سعادتمندی کے دروازے کسی نہ کسی جہت سے تہذیب وتمدن کے اِن جدید سائنسی علوم کے ذریعے سے ہی کھلیں گے، اور اس کے لیے ضروری ہے کہ اِن علوم وفنون کے چشمے ان مدارس سے پھوٹیں، اور علما ان چشموں کی رواں دواں نہریں ہوں تاکہ علما ان علوم سے مانوس ہوجائیں؛ کیونکہ ان صوبہ جات میں ابتدائی طالب علموں جیسے لوگوں کی باگ ڈور علما کے ہاتھ میں ہی ہے۔

چنانچہ اس غرض و غایت نے مجھے مہمیز لگائی اور میں اس سعادت کو حاصل کرنے کی اُمید لے کر استنبول چلا آیا جسے ''بابِ سعادت'' کہا جاتا ہے۔ اور باوجود اس کے کہ اُن دنوں معزول سُلطان کی طرف منسوب کیے جانے والے استبداد نے حالانکہ آجکل اُس کی جگہ اُس سے بھی بدتر اور ہمہ گیر قسم کے استبداد نے لے لی ہے۔ مجھے وزارتِ داخلہ کے ذریعے شاہی تحفے کی طرح گزر بسر کا سامان دے دیا تھا، لیکن میں نے قبول نہ کیا اور رد کر دیا، اور ایسا کرنا میری غلطی تھی، لیکن میری اس غلطی میں بہتری تھی؛ کیونکہ اس سے میں نے ان لوگوں کی غلطیوں کو اُجاگر کر دیا جو دینی علوم کے ذریعے متاعِ دُنیا کی طلب میں لگے ہوئے تھے۔ چنانچہ میں نے عقل کو قربان کر دیا اور اپنی آزادی سے دستبردار نہ ہُوا، اس

مشفق سلطان کے سامنے اپنا سر نہ جھکایا اور میں اپنے ذاتی مفاد سے کنارہ کش ہو گیا۔

پس جو لوگ اِن دنوں میں پتنگوں کی حیثیت رکھتے ہیں وہ مجھے صرف محبت سے جھکا سکتے ہیں، جبر سے نہیں۔ کیونکہ میں اپنے علاقے میں ڈیڑھ سال سے علوم و معارف کی نشر و اشاعت کے لیے سرگرمِ عمل ہوں۔ اور یہ میرا ایک کام ہے جس کے بارے میں استنبول کے اکثر باسی جانتے ہیں۔

میں ایک بار بردار مزدور کا بیٹا ہوں، اور میں نے ایک بہت بڑے جُرم کا ارتکاب کیا ہے؛ کیونکہ جو کام میں نے کیا ہے اُس کام کے گُن مجھ میں نہیں ہیں، میں فقر کی حالت سے باہر نہیں آیا ہوں اور میں نے دنیا کی طرف میلان نہیں کیا ہے، حالانکہ اس نے اپنے دروازے میرے لیے چوپٹ کھول دیے ہیں۔

اور یہ کام میرے حق میں اس وجہ سے بھی جرم بن گیا ہے کہ میں نے مشرقی صوبہ جات کے پہاڑوں کی چوٹیوں میں پائے جانے والے اپنے محبوب ترین علاقے چھوڑ کر صرف عوام کی خاطر ایسے اُمور میں دخل اندازی کی ہے جو مشروطیت کے دور میں تلخ ترین قید خانے میں میرے لیے نیزے کی نوک بن گئے اور پاگلوں کے شفاخانے میں میرے لیے شدید ترین اذیّت کا باعث بنے ہیں۔

بلکہ یہ کام واقعتاً ایک بہت بڑا جرم تھا جس کا میں نے ارتکاب کیا، اور جس کی بدلے میں مجھے اس ہیبت ناک عدالت کا سامنا کرنا پڑا۔

آدھا جرم

اور یہ آدھا جرم یہ ہے کہ میں نے سابق مرحوم سلطان حضرت عبدالحمید خان کو اس کے ہاتھ سے خلافت — یعنی اسلام کے دائرے اور رابطے کے مرکز — کی باگ نکل جانے پر خلافت کے ساتھ اپنی وفاداری کا اظہار کرتے ہوئے، اور یہ سمجھ کر کہ اُن کو اپنے سامنے رونما ہونے والے اجتماعی خلل کے کچھ پہلوؤں کا ادراک ہو گیا ہے اور وہ اس پر پشیمان بھی ہیں؛ اور وہ اس ضمن میں کوئی نصیحت وغیرہ قبول کر لینے کے لیے تیار بھی ہیں، قرآن کریم کے بتائے ہوئے ''وَالصُّلْحُ خَيْرٌ'' والے قاعدے پر عمل کرتے ہوئے، اور اس گمان پر کہ واقعہ جو رونما ہوا ہے وہ بہت سے تاثرات و انفعالات کے لیے ایک بیج کا کام دے گا اور بہت سی اَغراض کا سرِ آغاز ہے جو زیادہ بہتر صورت میں سامنے آنے والی ہیں؛ ان تمام چیزوں کے پیشِ نظر میں نے سلطان عبدالحمید صاحب سے کہا:

ڈوبنے والے اس تارے [1] کو دارُ العلوم میں تبدیل کر دو، اس سے اِس کی قدر و قیمت ثُریّا سے بھی بلند ہو جائے گی، اور اس میں سیاحوں، سپاہیوں اور پہریداروں کے بجائے اہلِ حقیقت کا تعیّن کر دو جو کہ رحمت کے فرشتے ہیں، اس سے

---

[1] ڈوبنے والے تارے سے مراد سلطان عبدالحمید کا محل ہے جو ''قصرِ یِلدَز'' کے نام سے مشہور ہے، ''یِلدَز'' کا معنی ستارہ ہے۔

یہ محل جنت نشان بن جائے گا، اور رعایا کو وہ مال و دولت واپس کر دو جو اُس نے آپ کو قصرِ یلدز میں تحفے میں دیا ہے تا کہ اس سے وہ ایسی بڑی بڑی یونیورسٹیاں بنائیں اور چلائیں جن میں دین اور سائنس کی ایک ساتھ تعلیم دی جائے، اور اس طرح وہ اپنی اُس مہلک بیماری کا علاج کر سکیں گے جس کا دوسرا نام جہالت ہے۔ اور رعایا کی محبت اور مروّت پر بھروسا رکھو، آپ کے شاہی نظم و ضبط کو چلانے کا بوجھ وہ اپنے کاندھوں پر اُٹھالے گی۔

آپ جس عمر کو پہنچ چکے ہیں اس میں آپ کو صرف آخرت کے اُمور و معاملات پر توجہ دینی چاہیے۔ قبل اس کے کہ یہ دنیا آپ کو چھوڑ جائے، آپ اسے خود چھوڑ دیں، اور اپنی عمر کی زکوٰۃ اپنی دوسری عمر میں صرف کر دیں۔

اب ہم موازنہ کر کے کہتے ہیں: قصرِ یلدز کو تھیٹر بنانا چاہیے یا دارُ العلوم؟ اُس میں سیّاحوں کی آمد و رفت رہنی چاہیے یا عُلماء کی؟ اُسے لوٹ کا مال بننے کے لیے چھوڑ دیا جائے یا ہدیے میں دے دیا جائے؟ دونوں میں سے کون سی بات بہتر ہے؟ میں اِس کا فیصلہ منصفین پر چھوڑتا ہوں۔

میں نے ایک عام سا آدمی ہو کر ایک بہت بڑے سلطان کو نصیحت کی ہے، اس لیے میں نے آدھے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

اور اس لیے اس آدھے جرم کے دوسرے حصے کو بیان کرنے کا ابھی وقت نہیں آیا......[1]

پس افسوس اس بات کا ہے کہ عین اس وقت کہ دنیا جب اُس شرعی مشروطیّت کے لیے بڑی بے تاب اور پیاسی تھی جو کہ ہماری سعادت ہے، اور جب ان علوم و معارف کی بڑی دیوانی تھی جو اسلام کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں اور جو ہماری سماجی زندگی کے لیے سرچشمے کی حیثیت رکھتے ہیں؛ اچانک اس حادثے میں افراط سے کام لینے والے حدود فراموش لوگ آ گئے اور انھوں نے مشروطیت کو اپنے اغراض و مقاصد اپنے کینوں اور بغضوں کے ساتھ خلط ملط کر دیا۔ اور روشن خیالی کے دعوے دار آ گئے اور ان لوگوں نے ایسے اعمال سرانجام دیے جو دین کے منافی تھے، اور اس میں تفریط کا مظاہرہ کیا۔ اور یوں ان دونوں گروہوں نے اُمت کی خواہشات و رغبات کے آگے ایک بند باندھ دیا۔ اس بند کو باندھنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسے گرا دیں۔ وطن کے نام پر اُن لوگوں سے اسی چیز کی اُمید کی جاتی ہے۔

اے پاشو اور افسرو! ان ساڑھے گیارہ جرائم کے گواہ ہزاروں تک جا پہنچتے ہیں، بلکہ بعض جرائم کے گواہ تو استنبول کے آدھے باسیوں تک جا پہنچتے ہیں۔ اور میرے پاس اس پر مترتب ہونے والی سزا پر راضی ہونے کے باوجود ساڑھے گیارہ سوال ہیں جن کے میں جوابات چاہتا ہوں۔ اور میں ان برائیوں کے مقابلے میں اپنی صرف ایک نیکی کو اُجاگر

---

[1] دوسرے حصے کو بیان کرنے کا وقت پندرہ سال کے بعد آیا۔ اس لیے "سراج النور" نامی کتاب کا آخری مبحث پڑھا جائے۔ یہ وہی مضمون ہے جس کی وجہ سے مؤلف کو اٹھائیس سال تک کی قید و بند کی مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ اس مبحث کو پڑھنے کے بعد آپ کو جرم کے دوسرے حصے کا پتا چل جائے گا۔ (سعید)

کروں گا، اور وہ یہ ہے کہ میں نے یہاں پر موجود اُس مستبد شعبے کا مقابلہ کیا ہے جس نے لوگوں کی اُمیدوں اور آرزوؤں کو زمین بوس کر دیا ہے، ان سے ان کا آرام وسکون چھین لیا ہے، جس نے کینوں کو بیدار کر دیا ہے، پارٹی سازی، گروہ بازی اور فرقہ بندی کے جذبات کو ہوا دی، اور ان قومی اور نسلی پارٹیوں، جمعیتوں اور تحریکوں کی تشکیل کا سبب بنا جن کا نتیجہ صرف اختلاف وافتراق کی صورت میں برآمد ہوتا ہے، اور جنھوں نے مشروطیت کا تو صرف نام استعمال کیا لیکن استبداد کے مفہوم پر عمل کیا، اتحاد وترقی کے نام کو بگاڑا اور اس کی نیک نامی کو آلودہ کر دیا۔

ہر آدمی کی ایک اپنی سوچ فکر ہوتی ہے، اس لیے صلحِ عام اور عفوِ عام کو اجاگر کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ اور ان خصوصی امتیازات کو درمیان سے اُٹھا دینا بہت ضروری ہے تا کہ کوئی بھی آدمی دوسروں کی طرف خود کو بڑا سمجھنے والی اُس دوربین کے ساتھ نہ دیکھے جس سے لوگ اُسے کیڑے مکوڑے نظر آئیں، اور اس طرح اختلاف اور لڑائی جھگڑا چلتا رہے۔

میں کہتا ہوں: ہم حقیقی مسلمان ہیں، اور یہ بات ہم فخر سے نہیں کہتے، ہم کبھی دھوکہ کھا تو جاتے ہیں لیکن دھوکہ دیتے نہیں۔ ہم صرف اس چار دن کی زندگی کے لیے جھوٹ نہیں بولتے؛ کیونکہ ہم یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ''اِنَّمَا الْحِیْلَةُ فِیْ تَرْكِ الْحِیَلِ''، یعنی اصل حیلہ یہی ہے کہ تمام حیلے چھوڑ دیے جائیں۔

لیکن میں نے حقیقی مشروطیت کے نام پر خود سے یہ عہد کیا ہے کہ مجھے جہاں کہیں بھی اور جس شکل میں بھی استبداد نظر آئے میں اُس کا قلع قمع کر دوں، خواہ اس نے اپنا نام مشروطیّت رکھ لیا ہو، خواہ مشروطیت کا لبادہ اوڑھ لیا ہو، میرا یہ اعتقاد ہے کہ مشروطیّت کے دشمن وہ لوگ ہیں جو مشروطیّت کو قبیح و ناگوار ظالم اور خلاف شریعت شکل میں ظاہر کر کے شوریٰ کے دشمنوں میں اضافہ کر رہے ہیں، حالانکہ قاعدہ کہتا ہے:

''لَا تَتَبَدَّلُ الْحَقَائِقُ بِتَبَدُّلِ الْأَسْمَاءِ''، یعنی ناموں کے بدل جانے سے حقائق نہیں بدل جاتے''۔

سب سے بڑی غلطی چونکہ یہ ہے کہ انسان خود کو غلطی سے پاک سمجھے، اس بنا پر میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوں اور کہتا ہوں:

> ''میں نے لوگوں کی نصیحت قبول کرنے کے بجائے انہیں نصیحت قبول کرنے پر ابھارنا چاہا، اور میں نے خود اپنی رہنمائی کرنے کے بجائے دوسروں کی رہنمائی پر عمل کیا، اور اپنے اس طرزِ عمل سے میں نے امر بالمعروف کی اہمیت اتنی گھٹا دی کہ وہ بے اثر ہو کر رہ گیا۔''

پھر یہ بات تجربے سے ثابت شدہ ہے کہ بدلہ کسی کمی کوتاہی کے نتیجے میں ملتا ہے، صرف یہ ہے کہ ماضی کی کسی کمی کوتاہی کا بدلہ کبھی کبھار کسی ناکردہ گناہ کی سزا کی صورت میں مل جاتا ہے، یعنی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان بظاہر تو بالکل بے گناہ نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں سزا کا مستحق ہوتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسی مصیبت نازل کر دیتا ہے جو اُسے جیل

میں دھکیل دیتی ہے، اور یہ چیز اُس کی طرف سے ظلم نہیں بلکہ عین عدل ہوتی ہے، لیکن جج اُسے سزا سنا دیتا ہے اور وہ سزا جج کی طرف سے ظلم بن جاتی ہے۔

اے اصحابِ اقتدار! میرا معاشرے میں ایک مقام اور وقار تھا، اور میں نے اس مقام کے ذریعے امت اسلامیہ کی خدمت کرنا چاہی، لیکن تم لوگوں نے مجھے اس مقام سے نیچے گرا دیا۔

میں ایک جھوٹی شہرت کا حامل تھا جو مجھے میرے نہ چاہنے کے باوجود مل گئی تھی۔ میں اس شہرت کے بل پر عوام کو سمجھاتا بجھاتا تھا اور میری نصیحت کارگر بھی ہوتی تھی۔ لیکن تم لوگوں نے اِسے مٹا ڈالا، میں اس پر تم لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں تو اب ایک کمزور سی زندگی کا مالک رہ گیا ہوں، اور اس سے بھی اُکتا گیا ہوں۔ میری دعا ہے کہ اگر میں اس زندگی کے ساتھ پھانسی کے ڈر سے چمٹ کر رہوں تو اللہ مجھے ہلاک کر دے۔ تب میں موت کو مسکرا کر گلے سے نہ لگاؤں تو مرد نہیں۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ مجھے ظاہری صورت میں مجرم اور گناہ گار ثابت کر کے سزا کا حق دار سمجھنا عنقریب تمہیں روحانی اور وجدانی طور پر مجرم اور گناہ گار بنا دے گا۔ اس سارے معاملے میں میرا تو کوئی نقصان نہیں ہوا، بلکہ یہ معاملہ میرے لیے عزّت وتکریم کا باعث ہے۔ البتہ یہ ضرور ہوا ہے کہ تم لوگ میری نصیحت میں پائی جانے والی تاثیر کو بے اثر کر کے اوّلاً اُمت کو نقصان پہنچا بیٹھے ہو۔ پھر ثانیاً تم لوگوں نے خود اپنے آپ کو نقصان پہنچایا ہے؛ کیونکہ میں تمہارے دشمنوں کے ہاتھوں میں ایک قطعی حجت بن گیا ہوں۔

تم لوگوں نے مجھے کسوٹی پر کسا، لیکن اگر تم ان اشخاص کو کسوٹی پر کستے جنھیں تم ''خصوصی دستے'' کا نام دیتے ہو،[1] تو پھر کیا خیال ہے کتنے لوگ صحیح سالم نکلتے؟

خبردار! مشروطیت اگر کسی ایک گروہ کے ظلم و استبداد اور خلافِ شریعت عمل کرنے کا نام ہے، تو ''فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلَانِ أَنِّي مُرْتَجِعٌ''، یعنی پھر جن وانس گواہ رہیں کہ میں پسماندہ اور رجعیت پسند ہوں؛ کیونکہ جھوٹ پر بنیاد رکھ کر اُٹھایا جانے والا اتحاد بھی جھوٹ ہے، اور فساد انگیزی کی بنیاد پر اُٹھنے والی مشروطیت بھی فاسد ہے۔ رہا اس کا مسمّٰی یعنی وہ چیز جسے مشروطیت کا نام دیا گیا ہے، تو وہ حق وصداقت اور رفعِ امتیازات کی بنیادوں پر ہمیشہ قائم رہے گا۔

☆ ☆ ☆

31 مارچ والے حادثے کی شکل میں اُمڈنے والی دہشت خیز طوفانی آندھی نے بہت سے اسباب کی کارفرمائی کی وجہ سے بدنظمی اور لاقانونیت کی ایک طبعی استعداد پیدا کر دی تھی، لیکن ہوا یہ تھا کہ اس ہنگامے میں ملوّث تمام لوگ نام استعمال کر رہے تھے ہمیشہ معجزات رونما کرنے والی شریعت کا، اور یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہی تھا۔

---

[1] چند گنے چنے خصوصی افراد کا مجموعہ جو ''انجمن اتحاد وترقی'' میں صفِ اول اور ہراول دستے کی اہمیت رکھتے تھے۔

اب شریعت کا نام استعمال ہونے کی وجہ سے یہ آندھی چونکہ خیر سلامتی سے گزر گئی، اس لیے یہ نام— اللہ کے ہاں— ان اخبارات ورسائل کا گریبان پکڑے گا جنہوں نے آدھا اپریل گزر جانے کے بعد بھی اپنی زبانیں برائیاں بیان کرنے کے لیے کھولے رکھیں۔

اُس وقت جو سات قسم کے حالات پیدا ہو چکے تھے، ان کے پیشِ نظر اگر اُن سات مسائل کو عبرت کی نگاہ سے دیکھا جائے جن کی وجہ سے یہ حادثہ رونما ہوا، تو حقیقت بالکل واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے؛ وہ مسائل اور حالات یہ ہیں:

1۔ یہ تحریک نوے فیصد ''انجمن اتحاد وترقی'' کے خلاف اور اُن کے تسلُّط اور جبر واستبداد کے خلاف اٹھی۔

2۔ اس تحریک کا ہدف یہ تھا کہ ان وزراء کو تبدیل کر دیا جائے جو مختلف پارٹیوں کے درمیان محلِ نزاع بن چکے تھے۔

3۔ یہ تحریک مظلوم سلطان کو بچانا چاہتی تھی جسے گہری سازش کے ذریعے معزول کر دیا گیا تھا۔

4۔ یہ تحریک ان تمام تعلیمات کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہو جانا چاہتی تھی جو عسکری رسوم ورواج اور دینی آداب کے خلاف تھیں۔

5۔ یہ تحریک حسن فہمی [1] کے قاتل کو سرِ عام لانا چاہتی تھی، جس کا معاملہ کافی پیچیدہ ہو چکا تھا۔

6۔ یہ تحریک ملازمت سے نکالے گئے عام خدمتگاروں اور افسروں کے حالات میں برابری لانا چاہتی تھی اور ان کی تکلیفیں دور کرنا چاہتی تھی۔

7۔ یہ تنظیم حریّت کے اُس مفہوم کو ختم کرنا چاہتی تھی جو فسق وفجور، کمینگی اور چھچھورے پن پر مشتمل تھا، اسے شریعت کے آداب میں محدود کرنا چاہتی تھی، اور قصاص اور ہاتھ کاٹنے کی سزا کا اجرا کرنا چاہتی تھی؛ کیونکہ عوام کے ہاں شرعی حکومت سے مراد عام طور پر یہی دو چیزیں ہوتی ہیں۔

لیکن زمین گدلا چکی تھی، منصوبہ سازی ہو چکی تھی، سازشیں تیار کی جا چکی تھیں، اور پھندے لگائے جا چکے تھے اور جال بچھائے جا چکے تھے...... اور فوج کی مقدس فرمانبرداری کو قربان کر دیا گیا۔

اس ماجرے کا بنیادی سبب دراصل پارٹیوں اور جماعتوں کے درمیان رونما ہونے والا وہ جنگ وجدل تھا جس وہ اپنی اپنی پارٹی کے لیے تعصب وجانبداری اور دوسری پارٹیوں کے لیے بغض وکینے کا کھل کر اظہار کرتے تھے۔ اخبارات ورسائل اس ضمن میں جھوٹ لکھنے کا میلان رکھتے تھے اور پوری تندہی سے پریشانیاں پھیلاتے تھے اور ''بلاغت'' کے بجائے ''مبالغہ'' پر اعتماد کرتے تھے۔[2]

اس لیے جیسے سات رنگوں کو اگر زور سے گھمایا جائے تو سوائے سفید رنگ کے اور کچھ بھی نظر نہیں آتا، اسی طرح ان

---

[1] عثمانی دور کا ایک نامور صحافی، نسلی طور پر ''البانی'' تھا۔ انجمن اتحاد وترقی کے خلاف تنقیدی مقالات لکھنے میں مشہور ہوا۔ 6/اپریل 1909م میں اسے اچانک قتل کر دیا گیا۔

[2] تھوڑے سے الفاظ میں مقتضائے حال کے مطابق گفتگو کرنا بلاغت کہلاتا ہے۔

سات مطالبات سے شریعتِ بیضاء کی روشنی کے علاوہ اور کوئی چیز جلوہ گر نہیں ہوتی۔ پس یہ سات مطالبات فساد کے آگے بند باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

☆ ☆ ☆

میں اپنی پوری قوت کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہماری ترقی صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہماری قومیت یعنی اسلامی قومیت ترقی کرے، اور یہ کہ ہم شریعت کے حقائق کو جلوہ گر کر دیں۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو ہم اس مَثَل کا مصداق بن جائیں گے:

''کوا چلا ہنس کی چال، اپنی بھی بھول گیا۔''

بالکل، ہمیں اسلامی قومیت کی عزّت اور اس کی بزرگی کا شعور ہونا چاہیے، ہمیں آخرت کے ثواب کا شعور ہونا چاہیے، اسی طرح ہمیں وطنی حمیت اور اسلامی حمیت کا شعور ہونا چاہیے اور ہمیں حُبِ وطن اور حبِ دین کا ایک ساتھ شعور ہونا چاہیے۔

اے پاشو اور اے افسرو! میں اپنے جرائم کی سزا کا مطالبہ اور اپنے سوالوں کے جواب کا مطالبہ کرتا ہوں۔ رہا اسلام، تو وہ انسانیتِ کبریٰ ہے۔ اور رہی شریعت، تو وہ ایک مثالی شہر ہے، اور عالمِ اسلام اس قابل ہے کہ افلاطون کا مثالی شہر بن جائے!

پہلا سوال:[1] ان سیدھے سادھے لوگوں کی کیا سزا ہے جو اخبارات کی پھیلائی ہوئی گمراہ کن سازشوں کی بھینٹ چڑھ گئے اور اپنے رسوم ورواج کے ہاتھوں مجبور ہو کر عمومی حالات کی رَو میں بہہ گئے؛ کیونکہ اُن کا گمان یہ تھا کہ ان کا یہ عمل شرعی ہے؟

دوسرا سوال: مجھے یہ بتاؤ کہ اگر کوئی انسان ایک اژدھے کا روپ اختیار کر لے، یا کوئی ولی ایک ڈاکو کا لبادہ اوڑھ لے، یا مشروطیّت استبداد کی شکل اختیار کر جائے؛ تو ایسے لوگوں کے مقابلے میں اُترنے والے کی کیا سزا ہو گی؟ ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ حقیقت میں اژدھے، ڈاکو اور مستبد ہی ہوں!!

تیسرا سوال: کیا مستبِد صرف ایک شخص ہی ہوتا ہے؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ بہت زیادہ اشخاص ہوں؟

میرا یہ اعتقاد ہے کہ قوت قانون میں ہونی چاہیے، ورنہ استبداد پھیل جائے گا اور تنظیموں تحریکوں کی آشیرباد سے شدید تر ہو جائے گا۔

چوتھا سوال: کون سی چیز زیادہ نقصان دہ ہے، ایک بے قصور آدمی کو پھانسی پر لٹکا دینا یا دس مجرموں کو معاف کر دینا؟

---

[1] یہ سوالات کچھ اُوپر چالیس بے قصور قیدیوں کی آزادی کا سبب بنے۔ (سعید)

پانچواں سوال: کیا اہلِ فکر اور نظریاتی لوگوں کے خلاف مقدمے قائم کرنے سے نفاق اور افتراق نہیں پھیلے گا، چہ جائیکہ انہیں موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے؟

چھٹا سوال: قومی و نسلی امتیازات کا قلع قمع کیے بغیر اُمّت کا وہ اتحاد ظہور میں کیسے آ سکتا ہے جو کہ ہماری سماجی زندگی کا سرچشمہ ہے؟

ساتواں سوال: یہ بتائیں کہ مساوات میں خلل ڈالنا اور اس کا حق دار صرف چند لوگوں کو ہی سمجھنا اور پھر اوّل سے لے کر آخر تک تمام کا تمام انہی پر نافذ کر دینا، کیا یہ روشن مساوات سے عاری ظلم وستم نہیں؟ اگرچہ اس کی ظاہری صورت عدل وانصاف کی ہے؟

پھر یہ بتاؤ کہ ان قیدیوں کی اکثریت جن کو بری قرار دینے اور انہیں آزاد کر دینے کی وجہ سے ان کا بے قصور ہونا روزِ روشن کی طرح واضح ہو چکا ہے اور یہ قیدی شاید اسی فیصد تک جا پہنچتے ہیں — ان کے ساتھ جو سلوک ہوا ہے — اگر وہ قانون کا حکم ہے تو پھر اکثر لوگوں کو اس حکم میں بغض، کینے اور انتقام کے جذبات نظر نہیں آئیں گے؟

میرے پاس فوجی عدالت کو کہنے کے لیے اب کچھ نہیں ہے، اب اس معاملے میں سوچنا صرف مخبروں کا کام ہے۔

آٹھواں سوال: یہ بتائیں کہ اگر ایک گروہ اپنے آپ کو دیگر لوگوں کے مقابلے میں کچھ امتیازی خصوصیات کا مالک سمجھ لے اور اس بات کا دعویٰ کرتا پھرے کہ ہم مشروطیّت کی نمائندگی کر رہے ہیں، اور پھر اسی دعوے کے بل پر لوگوں سے چھیڑ خانی کرے، انہیں بے عزت، سبکسار اور بے وقار کرے اور ان کے جذبات کو پے در پے ہمہ وقت مجروح کرتا رہے تا کہ وہ مجبور ہو کر ان لوگوں کی طرح نظر آئیں جو مشروطیّت کے خلاف جا رہے ہوں؛ تو پھر بتاؤ کہ اگر لوگ اس ہٹ دھرم قسم کے ظلم واستبداد کے خلاف اُٹھ پڑیں جس نے مشروطیّت کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے تو اِس میں گناہ کس کا ہوگا؟

نواں سوال: باغبان اگر باغ کا دروازہ کھول دے اور سب کو باغ میں داخل ہونے کی عام اجازت دے دے، تو اُس سے باغ کو جو نقصان پہنچے گا اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟

دسواں سوال: یہ بتاؤ کہ اگر آزادیٔ فکر اور آزادیٔ تعبیر کے تمام بندھن کھول دیے جائیں اور انہیں آزاد کر کے ان کے لیے میدان کھلا چھوڑ دیا جائے، اور پھر لوگوں کا ان کی سوچ فکر اور گفتگو پر محاسبہ بھی کیا جائے؛ تو یہ اس مسکین قوم کو دوزخ میں پھینکنے کا ایک منصوبہ نہیں ہوگا؟

چلو دوزخ میں ڈالنے کا منصوبہ نہ بھی ہو، تو پھر بھی اسی غرض کو بروئے کار لانے کے لیے کوئی دیگر ذرائع موجود نہیں ہیں جو استعمال میں لائے جا سکیں؟

گیارھواں سوال: سب مشروطیّت کا حلف اُٹھاتے ہیں، حالانکہ وہ یا تو مشروطیت کے اصل مفہوم کے مخالف ہیں، یا

پھر اس کی مخالفت کرنے والوں کے سامنے خاموش رہتے ہیں، کیا ایسے میں ان حلف برداروں کو قسم کا کفارہ دینا ضروری نہیں ہو جاتا ہے؟ کیا ان حالات میں قوم جھوٹی نہیں ہوگی؟ ان حالات میں بے قصور رائے عامہ جھوٹی، مختلّ العقل اور بے تمیز شمار نہیں ہوگی؟

الحاصل: ان دنوں جو صورتِ حال غالب اور مسلّط ہے، وہ ہے شدید قسم کا تسلّط اور استبداد؛ اور اس کی وجہ ہے جہالت کی بھر مار، ایسے لگتا ہے جیسے استبداد اور تجسُّس کی رُوحیں ایک دوسرے میں داخل ہو چکی ہیں۔ بظاہر یہی نظر آ رہا ہے کہ مقصد سلطان عبدالحمید سے آزادی واپس لینا نہیں بلکہ اصل مقصد قلیل اور خفیف استبداد کو کثیر اور شدید استبداد میں تبدیل کرنا تھا!

آدھا سوال: یہ بتاؤ کہ اگر کوئی نحیف البدن دقیق الحس آدمی جو مچھر اور شہد کی مکھی کا ڈنک بھی برداشت نہ کر سکتا ہو، وہ پوری مشقت اور اضطراب سے مچھر یا مکھی کو خود سے دُور ہٹانے کی کوشش میں لگ جائے، اور کوئی دیکھنے والا کہہ دے کہ اس کا مقصد مچھر یا مکھی کو خود سے دُور ہٹانا نہیں بلکہ اس کی اصل غرض و غایت یہ ہے کہ وہ ایک خونخوار شیر کو بیدار کر دے اور اسے خود اپنے پر مسلط کر لے؛ تو کون احمق ہوگا جو اس بات سے دھوکہ کھائے گا؟

اس سوال کے دوسرے حصے کو آشکار کرنے کی اجازت نہیں ہے......

اے پاشو اور افسرو![1] میں اپنی پوری قوت کے ساتھ کہتا ہوں کہ: مجھے ان تمام حقائق پر اصرار ہے جو کہ اخبارات و رسائل میں طبع ہونے والے میرے تمام مقالات میں پائے جاتے ہیں، مجھے اگر ''عصرِ سعادت''[2] کی عدالت کی طرف سے بلایا جائے جسے ماضی کے زمانے میں شریعت کی عدالت کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، تو میں ان طبع کردہ حقائق کو بعینہٖ آشکار کر دوں گا، زیادہ سے زیادہ میں اُس وقت یہ کروں گا کہ ان حقائق کو لباس وہ پہنا دوں گا جو اُس دور کی ضروریات کے مطابق ہوگا، اور اگر مجھے پیشی والی اس ڈائری کی تاریخ کے تین سو سال بعد تنقیدی نظر رکھنے والے اہلِ عقل کی عدالت میں بلایا جائے تو بھی میں ان حقائق کو تر و تازہ حالت میں آشکار کر دوں گا، صرف اتنا ہوگا کہ زمانے کی وسعت پذیری اور پھیلاؤ کی وجہ سے ان میں جو تھوڑی بہت کمی بیشی دَر آئی ہوگی وہ پوری کر دوں گا، مطلب کہنے کا یہ ہے کہ حقیقت بدلتی نہیں...... حقیقت ہی حق ہے، یعنی ''اَلْحَقُّ يَعْلُوْ وَلَا يُعْلٰى عَلَيْهِ''، ''حق بلند ہوتا ہے اور اُوپر جاتا ہے، اُس کے مقابلے میں بلند ہو کر اُسے دبایا نہیں جاتا''۔

اُمت بیدار ہو چکی ہے، اِسے اگرچہ مغالطہ آفرینی اور فریب کاری سے کچھ عرصے کے لیے غفلت کی نیند سُلا دیا گیا

---

[1] پاشا: ترکی میں سرکردہ اور سربرآوردہ لوگوں کا لقب اور خطاب، جس کا معنی عام طور پر سردار، حاکم، گورنر، نواب اور لارڈ وغیرہ ہوتا ہے۔ (مترجم)

[2] یعنی نبوت اور اس کے بعد خلفائے راشدین کا دور۔

تھا، لیکن یہ حالت ہمیشہ نہیں رہے گی، رہا وہ وہم جو یہ تصور دیتا ہے کہ یہ حالت ایک حقیقت ہے تو اس وہم کی عمر بالکل تھوڑی ہے۔ اور بیدار اور جوشیلی رائے عامہ کی مہربانی سے اس طرح کے مغالطے اور گمراہ کن پروپیگنڈے تتر بتر ہو جائیں گے، اور حقیقت بہت جلد واشگاف ہو کر سامنے آجائے گی۔ اِن شاء اللہ۔

تمہاری اس قبیح صورت اور بدنما جیل کی حالت بڑی خوفناک تھی...... انتہائی مشکل وقت، غیر مانوس جگہ، وحشت زدہ قیدی، افواہیں اُڑانے والے اخبارات ورسائل، پریشان افکار، غمگین دل، دردناک نا اُمید ضمیر، شوروغل سے بے چین کرنے والے چوکیدار، اور ہمیں پہلی نظر دیکھتے ہی ہماری مصیبت پر خوش ہونے والے سرکاری ملازم...... لیکن ان سب کے باوجود یہ معاملہ مجھے تو بڑا تسلی بخش لگتا تھا؛ کیونکہ میرا ضمیر مجھے ملامت نہیں کرتا تھا، بلکہ قِسما قِسم کے یہ مصائب میرے ہاں موسیقی کے رنگارنگ نغمات کے مشابہ تھے، پھر آج میں نے اس مدرسے میں اپنا وہ درس پورا کر لیا جو پچھلے سال پاگل خانے میں حاصل کیا تھا، میں مصیبت کے طویل زمانے کے لیے بڑے طویل دروس حاصل کر چکا ہوں، اور میں نے بے قصور مظلوم کے غم سے — جو کہ دنیا میں روحانی لذت ہے — کمزور کے لیے درسِ رأفت اور ظالم کے لیے درسِ نفرت حاصل کیا۔

میں اس بارے میں بڑا پُراُمید ہوں کہ بہت سے بے قصور لوگوں کے دلوں سے نکلنے والی غم کے بخارات میں لپٹی ہوئی آہیں اور کراہیں رحمت کی ایک بدلی تیار کر دیں گی۔ اور عالمِ اسلام میں آہستہ آہستہ اسلامی ممالک کے وجود میں آنے کے ساتھ یہ بدلی بالفعل بننا شروع ہو چکی ہے۔

آگاہ رہو کہ تہذیب اگر زمینی ہو تو وہ کچھ اس طرح کی زیادتیوں کے لیے راستہ ہموار کرتی ہے جو عزت واحترام کو تباہ کرتی ہوں، اور اس طرح کی افترا پردازیوں اور الزام تراشیوں کو رواج دیتی ہے جو بالآخر نفاق تک پہنچا دیتی ہوں، اور اس طرح کے کردار جنم دیتی ہے جو دین کی اہمیت بالکل ختم کرنے کے درپے ہوں، اور مشکل ترین قسم کے شیطانی مغالطے، اور ظالم قسم کے انتقامی افکار کو پروان چڑھاتی ہوں؛

تو پھر سب لوگ اس بات کے گواہ رہیں کہ میں مشرقی ریاستوں کے پہاڑوں کی بلندیوں پر بنے ہوئے پرانے بدوی خیموں کو کہ جو مطلق حرّیت کے میدان ہیں، ترجیح دیتا ہوں اور انہیں قصرِ سعادت نامی اِس تہذیب وتمدّن کے مقابلے میں زیادہ پسند کرتا ہوں جہاں کینوں، بُغضوں اور بُری نیتوں نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں؛ کیونکہ حرّیتِ فکر، حرّیتِ تعبیر، حُسنِ نیت اور سلامتیٔ قلب جیسی چیزیں کہ جن کا اس پست تہذیب میں نام نشان تک نہیں ملتا، مشرقی اناطول کے پہاڑوں میں انہیں کا حکم اور ان چیزوں کا اصل مفہوم ومطلب نافذ ہے، اور میرے علم کے مطابق اُدبا تو بڑے ادب والے ہوتے ہیں، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ بعض بے ادب قسم کے اخبارات کینے اور نفرتیں پھیلا رہے ہیں، تو ادب اگر اِسی کو کہتے ہیں اور اخلاقیات کا معیار اگر یہی ہے، اور رائے عامہ اگر اس حد تک مضطرب اور ڈانواں ڈول ہو چکی ہے، تو

گواہ رہو کہ میں اس ادب سے دستبردار ہوں اور میرا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، اور میں ان اخبارات و رسائل کے بجائے اپنے علاقے کے بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان کوہِ ''باشید'' کی چوٹی پر بیٹھ کر کائنات کی لوحوں کا مطالعہ کروں گا اور قدرتی مناظر کے نظارے سے آنکھیں ٹھنڈی کروں گا:

فضل الا له بنا يسمو ويرفعنا
عن كل أُعطيةٍ جوفاءَ تُغرينا
قِدْماً غنِينا به عن كلّ حادثة
فما رَنَت للسّوى يوماً أمانينا
نحن المجانينُ لا ليلى و وصلتها
نبغي، ولاذكَر ها كنا مُرجّينا

(اللہ کا فضل ہمیں ہر اُس کھوکھلے عطیے کو قبول کرنے سے بلند رکھتا ہے جو ہمیں بہکا ڈالے، ہم اُس کی طفیل سے اَزل سے ہی ہر واقعہ سے بے نیاز ہیں؛ یہی وجہ ہے کہ آرزوئیں اس کے علاوہ کسی کو بھی جھانک کر نہیں دیکھتی ہیں، ہم مجنون ضرور ہیں لیکن نہ تو کسی لیلیٰ کے محتاج ہیں، نہ اُس کے وصال کے خواہشمند، اور نہ اُس کے ذکر کے امیدوار۔)

تنبیہ: میرا اس تہذیب و تمدّن سے دستبردار ہونا تمہیں بے چین کردے گا۔

جی ہاں، میں اس ذِلت، رذالت اور جبر و استبداد سے آلودہ تہذیب پر دیہاتی زندگی کو ترجیح دیتا ہوں؛ کیونکہ یہ تہذیب لوگوں کو اخلاق سے عاری فقیر بنا دیتی ہے، اور وہ اَز سرتا پا لہو و رذالت کی دلدل میں دھنس جاتے ہیں؛ لیکن حقیقی تہذیب نوعِ انساں کی ترقی و کمال کی خدمت کرتی ہے، اُسے پروان چڑھاتی ہے اور اس کی نوعی ماہیت کو محلِ قوت سے نکال کر محلِ فعل میں لے آتی ہے، اس لیے اس نقطۂ نظر کی رُو سے اس تہذیب کی طلب انسانیت کی طلب ہے۔

پھر میری ''مشروطیّت'' کے معنی کے ساتھ فریفتگی اور محبت کا سبب یہ ہے کہ مستقبل میں ایشیا اور عالمِ اسلام کی ترقی و تہذیب کا پہلا دروازہ صرف مشروطیّت اور شریعت کے دائرے میں پنپنے والی شرعی حرّیت ہے۔

اور پھر اسلام کی سعادت مندی و فیروز بختی اور عزّت آبرو اور خوش نصیبی کی چابی صرف شُوریٰ میں ہے جو کہ مشروطیّت میں پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس موجودہ لمحے تک بھی تین سو ستر ملین مسلمان غیروں کے معنوی استبداد کے نیچے دبے ہوئے ہیں؛ اس لیے اِن دنوں اگر دُنیا میں اور خاص کر ایشیا میں اسلام کی حاکمیت غالب آجائے تو ہر مسلمان فرد حاکمیت کے کسی نہ کسی حقیقی جز کا مالک ہوگا اور ان تین سو ستر ملین مسلمانوں کو اس قید سے بچانے کا واحد حل آزادی ہے، چنانچہ اگر — بفرضِ محال — بیس ملین آدمی یہاں آزادی کی بنیاد رکھتے ہوئے نقصان اُٹھا جائیں تو یہ چیز آزادی کے لیے فداکاری شمار ہوگی، جو بیس دے کر تین سو لے لے گی۔

پس افسوس ہے کہ قومیں اور نسلیں ہمارے ہاں ہوا کی طرح خلط ملط ہوگئی ہیں لیکن پانی کی طرح باہم آمیختہ نہیں ہوئیں، اور اب اسلامی حقائق کے عملِ کہربائی کے ذریعے عنقریب باہم آمیختہ ہوجائیں گی اور اسلامی معارف کی روشنی کی حرارت کے ذریعے قوت پیدا کریں گی تا کہ اس طرح ایک متعدلُ المزاج عدالت کو جنم دے سکیں۔ مشروع مشروطیت زندہ باد......اور شرعی حقیقت کی تربیت سے مکمل درس پانے والی حریت نیرہ پائندہ باد۔

استبداد کا غریب الزمان

مشروطیت کا بدیع الزمان

اور اس زمانے کا بدعۃ الزمان

سعید نورسی

اس کے بعد آپ استنبول میں زیادہ دیر تک نہ رہے بلکہ اسے چھوڑ کر ''وان'' چلے آئے۔ ''باطوم''[1] کے راستے سے ہوتے ہوئے جب ''تِفلیس''[2] سے گزر کر غور وفکر کرتے ہوئے ''شیخ صنعان'' کے ٹیلے پر چڑھے تو اچانک آپ کے سامنے ایک روسی سپاہی آ گیا اور آپ سے سوال وجواب کرنے کرنے لگا:

☆ آپ اس جگہ کو اتنے غور سے کیوں دیکھ رہے ہیں؟

— میں اپنے مدرسے کی منصوبہ سازی کر رہا ہوں۔

☆ آپ کہاں سے ہیں؟

— بِتلیس سے۔

☆ لیکن یہ تو تفلیس ہے؟

— بتلیس اور تفلیس سگی بہنیں ہیں۔

☆ کیا مطلب؟

— ایشیا اور عالم اسلام میں عنقریب پے در پے تین روشنیاں چمکیں گی، اور تمہارے ہاں تہ بہ تہ تین اندھیرے چھائیں گے، اور وہ وقت بہت جلد آنے والا ہے جب اس استبداد کا پردہ چاک ہوجائے گا اور سکڑ جائے گا۔ تب میں یہاں آؤں گا اور اپنا مدرسہ بناؤں گا۔

---

[1] بحر اسود کے کنارے پر ایک شہر کا نام، یہ ترکی کی حدود کے قریب جارجیا کے مغرب میں واقع ہے۔

[2] ایک شہر جسے مسلمانوں نے حضرت عثمانؓ کے دور میں فتح کیا، ان دنوں یہ شہر جارجیا کا دارُالحکومت ہے۔ عرفِ عام میں اس شہر کو ''تبلیسی'' کہا جاتا ہے۔

☆ افسوس کہ ایسا ہونے والا نہیں، مجھے تو تمہاری اس طرح کی اُمیدوں پر حیرت ہو رہی ہے!

— اور مجھے تمہاری عقل پر حیرت ہو رہی ہے! تمہارا کیا خیال ہے کہ سردی کا یہ موسم کبھی ختم نہیں ہوگا؟ یاد رکھو کہ ہر موسمِ سرما کے بعد موسم بہار آتا ہے، اور ہر رات کے بعد دن کا آنا ضروری ہے۔

☆ اسلام پارہ پارہ ہو کر بکھر چکا ہے!

— اسلام کے بیٹے جدید علوم سے آراستہ ہو رہے ہیں، دیکھو یہ اسلام کا مستعد بچہ ہندانگریز کے کالج میں محنت اور لگن سے پڑھ رہا ہے، اِدھر اسلام کا ذہین صاحبزادہ مصر انگریز کے مینجمنٹ کالج میں علم حاصل کر رہا ہے، اور یہ عالمِ اسلام کے دو غیرت مند بیٹے قوقاز اور ترک کی سرزمین روس کے ملٹری کالج میں علم حاصل کر رہے ہیں، قومی فخر و اعتزاز کے یہ بیٹے جب ڈگریاں حاصل کرلیں گے تو ان میں سے ہر ایک کسی برِ اعظم کی قیادت سنبھالے گا، اور اس طرح یہ سب لوگ اپنے عدل پرور باپ یعنی اسلام کا جھنڈا بلند کریں گے، یعنی کمالات کے آفاق میں لہرانے والا اسلام کا رُعب دار جھنڈا، اور — اِن موجودہ حالات کی مرضی کے برعکس — تقدیرِ ازلی کی حمایت سے نوعِ بشر میں پائی جانے والی حکمتِ ازلی کے راز کا انکشاف واعلان کریں گے۔

☆ ☆ ☆

''وان'' پہنچنے کے فوراً بعد بدیع الزمان نے لوگوں کی رہنمائی کرنے کے لیے قبیلوں میں گھومنا پھرنا شروع کر دیا، ان قبائل میں وہ علمی، تہذیبی اور معاشرتی دروس دیتے تھے، اس ضمن میں اُنہوں نے ایک کتاب بھی طبع کروائی جسے سوال و جواب کے انداز میں ترتیب دیا، اور اس کا نام ''المناظرعات'' رکھا۔ آپ ایک طرف جو سیاستدانوں کے ساتھ بات چیت کرتے۔ اور دوسری طرف جو قبیلوں اور لوگوں کے مختلف طبقات کے ساتھ ملتے جلتے اور بات چیت کرتے، وہ بلاشبہ بہت ہی زیادہ اہمیت کی حامل تھی، مذکورہ بیانات سے یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کی غایتِ عُظمیٰ اور مقصدِ وحید دُنیا میں اسلام کے نور کی اور قرآن کے حقائق کی نشر و اشاعت کرنا تھا، اور آپ نے اپنا یہ وظیفہ اپنی زندگی میں قرآن کریم کا ترجمان بن کر پوری طرح نبھایا۔

فضیلت اور اسلامی تربیت کے آراستہ پیراستہ جوڑے پہن کر بن سنور کر بیٹھی ہوتی ہے۔

سوال: آزادی ایمان کی خاصیت کیونکر ہوسکتی ہے؟

جواب: جیسے ایمان کی عزّت وعظمت اور اس کی شان وشوکت نے ایمان کے ربط وضبط کے ذریعے سُلطانُ الکائنات کے خادم کو اپنے آقا کے علاوہ خود کو کسی کے سامنے ذلّت اور پستی کا اظہار کر کے جھکنے سے اور کسی کے ظلم واستبداد اور زور و جبر کی حکومت میں داخل ہونے سے روک دیا ہے، اسی طرح اس کی ایمانی شفقت اُسے دوسروں کے حقوق پر زیادتی کرنے سے اور اُن کی آزادیوں پر دست درازی کرنے سے روکتی ہے۔

جی ہاں، جو بادشاہ کا مخلص خادم ہوگا وہ رعایا کے کسی فرد کے سامنے پستی کا اظہار نہیں کرے گا اور کسی عاجز و درماندہ اور بے بس مسکین کے غلبہ وتسلّط کی ماتحتی میں نہیں رہے گا، پس آزادی ایمان کے کمال کی مقدار کے حساب سے چمکتی دمکتی ہے، عصرِ سعادت اور خیرُ القرون تمہارے لیے اس چیز کی بہترین مثالیں ہیں......

سوال: ہم کسی عظیم آدمی، کسی ولی اللہ، کسی شیخ یا بڑے عالِم کے مقابلے میں آزاد کیسے ہو سکتے ہیں؟ کیونکہ ان لوگوں کو بہت سے خصوصی امتیازات کی بنا پر ہم پر حکمرانی کرنے کا حق پہنچتا ہے، اور ہم ان کے فضائل کے قیدی ہیں۔

جواب: ولایت، مشیخت اور عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ تواضع اور فنائے ذات کا مظہر بن جائے نہ یہ کہ تکبّر کرتا پھرے اور دوسروں پر حکم چلاتا رہے، اس بنا پر متکبّر آدمی ایک ایسے بچے کی طرح ہے جو خود کو تکلّف سے پیر یا شیخ بنانے کی کوشش میں مصروف ہو، اس لیے اُسے تمہارے رواج کے مطابق کوئی بڑا آدمی نہیں ہونا چاہیے......

سوال: دکھ کی بات یہ ہے کہ انتہائی خوفناک اور زہریلے قسم کے اژدھوں نے منہ کھولے ہوئے ہیں اور وہ ہمارے ملک کو پارہ پارہ کر دینے کی اور ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں کو زہر آلود کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، اور ہماری اُس روحانی اُمید کو بالکل اُلٹ کر نااُمیدی میں تبدیل کر دینا چاہتے ہیں جو ہمیں تسلّی اور حوصلے کا سامان مہیا کرتی ہے، ایسے حالات میں آپ کیا کہتے ہیں؟!!

جواب: ڈرومت؛ تہذیب، فضیلت اور حرّیت نے غالب آکر عالمِ انسانیت کا دروازہ کھٹکھٹانا شروع کر دیا ہے، اور اس کا پلڑا روز بروز بھاری ہوتا جا رہا ہے۔ اور ایسی صورتِ حال میں میزان کے دوسرے پلڑے کا آہستہ آہستہ ہلکا ہوتے جانا ایک ضروری اَمر ہے۔

اور اگر ہم بفرضِ محال یہ تسلیم کر لیں کہ اُنہوں نے خدانخواستہ ہمیں پارہ پارہ کر دیا ہے اور ہمیں قتل کر دیا ہے، تو پھر اس بات پر اعتماد رکھیں کہ ہم قتل بیس ہوں گے اور زندگی کی طرف تین سو لوٹائے جائیں گے، ہم اپنے سروں سے رذائل و اختلافات کا غبار صاف کر رہے ہوں گے اور نوعِ بشر کے قافلے آگے آگے چلیں گے اور حقیقی نور سے منوّر ہو کر اور متحد ہو کر نوعِ بشر کے قافلے کی قیادت کریں گے؛ اس لیے ایسی موت سے خوف مت کھاؤ جو ایک ایسی زندگی عطا کر رہی ہے

جو زیادہ مضبوط، زیادہ قوی اور زیادہ باقی رہنے والی ہے، اور اگر ہم مر گئے تو اسلام صحیح سالم صورت میں باقی رہے گا، پس مقدّس امت سلامت رہے۔

سوال: ہم غیر مسلموں کی برابری کیسے کر سکتے ہیں؟

جواب: مساوات فضیلت اور شرف میں نہیں بلکہ حقوق میں ہوتی ہے، پس حقوق کے میدان میں سلطان اور عام لوگ برابر ہیں۔

اچھا، ذرا ایسی شریعت کا تصور کرو جس نے یہ کہا ہو کہ: جانتے بوجھتے ہوئے چیونٹی نہ مسلو، اور وہ چیونٹی تک کو عذاب دینے سے منع کرتی ہو، وہ شریعت بنی آدم کے حقوق کو نظر انداز کیونکر کرے گی؟!! کبھی نہیں...... لیکن ہم ہی اس شریعت کے مطابق ڈھل نہ سکے اور اس کے حکم کے مطابق چل نہ سکے۔

جی ہاں، بلکہ میرا تو یہ خیال ہے کہ حضرت علیؓ کا جو ایک عام یہودی کے ساتھ جھگڑا ہوا تھا، اور ہمارے قابلِ فخر و اعتزاز صلاح الدین ایوبی کا ایک مسکین سے عیسائی کے ساتھ مقدّمہ، تمہاری اس غلطی کی تصحیح کرتے ہیں۔[1]

اس کی وجہ یہ ہے کہ مشروطیت ہی اُمت کی حاکم ہے اور حکومت خادم ہے؛ چنانچہ جب مشروطیّت سچ ثابت ہوگی تو پھر گورنر اور نمبردار سربراہ نہیں بلکہ اُجرت پر کام کرنے والے خدام ہوتے ہیں، پس غیر مسلم سربراہ نہیں ہو سکتا بلکہ خادم ہوگا۔

اس لیے تم لوگ جب یہ فرض کر لو گے کہ ذمہ داری ایک طرح کی ریاست وسیادت ہے، تو پھر جب ہم نے اپنی ریاست میں تین ہزار غیر مسلموں کو شریک کر لیا تو ہم نے چہار دانگ عالم میں اُمتِ اسلامیہ کے تین ہزار افراد کی ریاست کے لیے راستہ کھول دیا، جس نے ایک کھو کر ہزار کما لیا وہ نقصان میں نہیں رہا۔

[1] ''قدیم سعید''، جن دنوں ''آزادی'' کے لیے پوری گرمجوشی، غیرت مندی اور ''نور'' کی چمکدار خاصیت کی طرف سے آنے والی مکمل تسلّی اور قوی اُمید کے ساتھ سیاست کو اسلام کا ہتھیار بنا کر میدان میں اُترا کرتے تھے، ان دنوں اُس نے احساس قبل الوقوع کی برکت سے حدیث کے مفہوم کی روشنی میں اُس خوفناک بے لگام استبداد کی آمد کو بھانپ لیا تھا جو دین کے ساتھ دشمنی لینے والا تھا؛ چنانچہ اُنہوں نے اس کے بارے میں اس کے وقوع میں آنے کے پچاس سال پہلے خبر دے دی اور انہیں اس بات کا شعور حاصل ہو چکا تھا کہ اُنہوں نے جس اُمید اور تسلی کی خبر دی ہے یہ بے لگام استبداد سے پچیس سال تک عملی طور پر جھٹلاتا رہے گا؛ اسی بنا پر اُنہوں نے تیس سال قبل ''اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ وَالسِّيَاسَةِ'' کہہ کر سیاست کو تیاگ دیا اور ''جدید سعید'' بن گئے۔

13 / مارچ والے حادثے کے بارے میں آپ کا جواب

میں 31 / مارچ کے حادثے میں اِس طرح کی ایک حالت کا مشاہدہ کر چکا ہوں؛ اور وہ یہ کہ مشروطیت کے وہ غیرت مند حامی جو اسلام پر اپنی روحیں قربان کرتے ہیں اور جنہوں نے مشروطیت کی نعمت کو پہچان لیا ہے اور اس میں انہیں جوہرِ حیات ملا ہے؛ انہوں نے جب اس کے فرعی مسائل کو شریعت کے مطابق ڈھالنا چاہا، اور اس ضمن میں اُنہوں نے ''عدالت'' کی نماز ادا کرنے کے لیے حکومت کو قبلے کا رُخ بتایا، اور مشروطیّت کی قوت کے بل پر اُنہوں نے شریعت کے نام کا بول بالا کرنا چاہا اور مشروطیّت کو شریعت کی قوت کی برکت سے بقا و دوام سے ہمکنار کرنا چاہا اور سابقہ تمام برائیوں اور کوتاہیوں کے بوجھ کو شریعت کی مخالفت کے کندھوں پر رکھ دینا چاہا؛ تو اچانک کچھ اپنے دائیں اور بائیں کی بھی پہچان نہ کر سکنے والے مُورکھوں نے طوطوں کی طرح یہ رٹ لگا دی کہ ہم شریعت چاہتے ہیں، وہ یہ سمجھتے تھے کہ — حاشا و کلا — شریعت استبداد اور مطلق العنانی کی اجازت دیتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس مدہوشی کی فضا میں یہ بات کسی کی سمجھ میں ہی نہ آسکی کہ اصل مقصد ہے کیا! اور یوں منزل نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

سازشیں تو پہلے ہی تیار ہو چکی تھیں، بعد میں تو صرف اتنا ہوا کہ وقت آنے پر کچھ اوباشوں نے دھوکہ دہی سے غیرت و حمیت کا نقاب اوڑھ کر اِس مقدّس نام کا غلط استعمال کر کے ہلہ بول دیا، یہ ایک سیاہ دھبہ ہے جس میں بہت زیادہ عبرت پائی جاتی ہے......[1]

میرے نزدیک اصل حقیقت یہ ہے کہ کسی مسلمان کی نسل سے جنم لینے والے آدمی کی عقل وفکر تو اس کا ساتھ چھوڑ سکتی ہے لیکن اُس کی فطرت اور اس کا وجدان واحساس کسی بھی حال میں اسلام سے لاتعلّقی کا اظہار نہیں کر سکتا ہے، بلکہ سیاست میں شدھ بُدھ رکھنے والے تو رہے ایک طرف، پرلے درجے کے مُورکھ اور بدکردار لوگ بھی اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ اسلام کے دامن کے ساتھ وابستہ ہو جائیں گے جو کہ ہماری تکیہ گاہ اور ہمارا محفوظ قلعہ ہے۔

پھر تاریخ ہمیں خبر دیتی ہے کہ ''عصرِ سعادت'' سے لے کر آج تک ایک بھی مسلمان ایسا نہیں ہوا جس نے عقلی محاکے کے ذریعے کسی اور مذہب کو دینِ اسلام پر ترجیح دی ہو یا دلیل کے بل بوتے پر اسلام کو چھوڑ کر کسی اور دین میں داخل ہو گیا ہو۔

[1] خبردار! آگے نہ بڑھیں؛ اِس حادثے میں بڑے بڑے عالی ہمت لوگ خاموش رہے، اور غرض پرست لوگوں نے آزادی کی حقیقی آواز کو دبا دیا، جس کا نتیجہ یہ ہو کہ مشروطیت بہت تھوڑے سے لوگوں میں منحصر ہو کر رہ گئی اور اُس کے حامی اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ (سعید)

ہاں، دین سے نکل جانے والے مل جاتے ہیں، لیکن یہ مسئلہ اور ہے، رہی تقلید، تو اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

بلکہ صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے، اور وہ یہ ہے کہ تمام ادیان و مذاہب کی طرف نسبت رکھنے والے لوگ عقلی محاکے اور قطعی دلیل و برہان کی روشنی میں جوق دَر جوق اِسلام میں داخل ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں، اور اگر ہم نے انہیں اسلام کا حقیقی چہرہ اور اس کی صدق و استقامت والی صفات کا پہلو دکھا دیا تو لوگ اس میں جوق دَر جوق داخل ہوتے ہی رہیں گے۔

تاریخ بھی ہمیں یہ خبر دیتی ہے کہ اہلِ اسلام کا تمدُّن اسلام کی حقیقت کی خاطر اس کے پیروکاروں کے ساتھ تسلسل کے ساتھ مطابقت رکھتا آیا ہے، لیکن باقی ادیان اس کے برعکس ہیں۔

اسی طرح ہمیں حقیقت بھی اس بات کی خبر دیتی ہے کہ جو بھی انسان ہوش رکھتا ہے اس کے لیے کسی دین کو اپنائے بغیر رہنا ممکن ہی نہیں، خاص کر وہ انسان جو بیدار ہو گیا ہو اور انسانیت کا ذائقہ چکھ چکا ہو، اور اسے اس بات کی پہچان ہو گئی ہو کہ وہ مستقبل اور اَبد کے لیے تیار کیا گیا ہے؛ ایسے آدمی کے لیے کسی دین کے بغیر زندگی گزارنا ممکن ہی نہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک وہ کوئی ایسا ''نقطہ'' حاصل نہ کر لے جس سے وہ مدد طلب کرتا رہے اور کائنات کی یلغار کے مقابلے میں صرف اُسی پر بھروسا کرتا رہے، اور اُسی میں اُس کی لامحدود اُمیدیں، آرزوئیں پھلتی پھولتی اور پروان چڑھتی رہیں؛ اس وقت تک اس کے لیے زندگی گزارنا ممکن ہی نہیں۔ اس نقطے سے میری مراد حقیقت کا وہ بیج ہے جسے دین حق کہا جاتا ہے، یہی وہ راز ہے جس کی رُو سے ہر فردِ بشر کے ہاں دینِ حق کی جستجو کا میلان بیدار ہو چکا ہے، اور یہ بات اس حقیقت کا اشارہ دیتی ہے کہ اسلام مستقبل میں نوعِ بشر کے لیے دین فطرت ثابت ہو گا۔

ارے بے انصافو! تمہاری نظروں میں اُس اسلام کی حقیقت تنگ کیوں پڑ گئی ہے جو کہ تمام عالم کو اپنے بازوؤں میں تھام لینے، اس کی تربیت کرنے، اسے ایک جھنڈے کے نیچے جمع کرنے اور اسے روشن کرنے پر قادر ہے؛ چنانچہ تم نے یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا ہے کہ یہ تو صرف فقرا کا اور بعض متعصب شیوخ کا دین ہے؛ تم اس کے آدھے پیروکاروں کو اس کے دائرے سے باہر نکال دینا چاہتے ہو؟ تم اسلام کے اس نورانی اور جامع کمالات اور نوعِ بشری میں پائے جانے والے بلند ترین احساسات و مشاعر کی تربیت کرنے والے مواد پر مشتمل ''محل'' کو ایک ''تعزیت والے سیاہ خیمے'' میں تبدیل کرنے کی جرات کیسے کر رہے جس کے اندر چند فقرا، جنگلی اور پسماندہ لوگ پناہ لیے بیٹھے ہیں؟

ہر آدمی اُسی چیز کی پیروی کرتا ہے جو اُسے اپنے آئینے میں نظر آتی ہے، اور تمہیں تمہارے اس جُھوٹے سیاہ آئینے نے اس معاملے کی تصویر کچھ اسی طرح کی ہی دکھائی ہے۔

سوال: آپ زیادتی کرتے ہیں اور خیال کو حقیقت سمجھتے ہیں اور ہمیں جاہل و نادان بنا کر ہماری توہین کرتے ہیں؛ یہ آخری زمانہ ہے...... اور زمانہ بد سے بدتر ہوتا چلا جائے گا۔

جواب: یہ کیوں ضروری ہے کہ یہ دنیا باقی سب لوگوں کے لیے تو ترقی کی دنیا ہو، اور صرف ہمارے لیے تنزّل کی دنیا ہو؟ کیا ایسے ہی ہے؟ پھر تو میں کبھی بھی آپ لوگوں کو مخاطب کر کے بات نہیں کروں گا، میں اپنا رُخ دوسری طرف کر رہا ہوں اور ان لوگوں کو مخاطب کر رہا ہوں جو مستقبل میں آئیں گے۔

اے تین سو سال کے بعد بلند و بالا دور کے پیچھے چھپ جانے والو! تم خاموشی کے ساتھ نُور کے کلمات سُن رہے ہو اور مخفی و غائبانہ آنکھ کے ساتھ ہمارا مشاہدہ کر رہے ہو؛ اے سعیدو، حمزاو، عمرو، عثمانو، طاہرو، یوسفو، احمدو اور اے باقی ماندہ لوگو! میں تمہی سے مخاطب ہوں...... اپنے سر اٹھاؤ اور کہو: تُو نے سچ کہا، یہ تصدیق آپ کے ذمے ایک قرض ہونا چاہیے، میرے یہ معاصرین اگر مجھے نہیں سن رہے ہیں تو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں، میں تمہارے ساتھ ٹیلیگراف کی ان لہروں کی وساطت سے گفتگو کر رہا ہوں جو "تاریخ" نامی ماضی کی وادیوں سے لے کر تمہارے بلند و بالا مستقبل کی چوٹیوں تک پھیلی ہوئی ہیں۔

میں کیا کروں؟ میں نے جلد بازی سے کام لیا اور سردیوں میں چلا آیا، اور تم لوگ جنت جیسی بہار میں آؤ گے؛ نور کے وہ بیج جو اَب بوئے جائیں گے وہ بہت جلد تمہاری زمین میں پھول بن کر کھلیں گے، اور ہم اپنی اِن خدمات کے مقابلے میں تم لوگوں سے اجر جیسی جو چیز مانگتے ہیں، یہ ہے کہ تم لوگ جب کبھی ماضی کے کسی مہ و سال سے گزرنے کے لیے آؤ تو ہماری قبر پر سے ضرور ہوتے جانا اور اس موسم بہار کے کچھ تحفے اُس قلعے کی چوٹی کے گلے میں ڈال دینا جو میرے مدرسے کی قبر کا شاہد ہے، میری ہڈیوں کا میزبان ہے اور "خورخور" کی نمناک مٹی کا دربان ہے......ہم چوکیدار کو بتادیں گے...... ہمیں آواز دینا...... تو تم ہماری قبر سے "هنيئًا لكم" کی صدائے بازگشت سنو گے۔

یہ چھوٹے چھوٹے شیر خوار بچے جو ہمارے ہمراہ اس دور کے پستانوں سے دودھ پی رہے ہیں، اور اُن کی آنکھیں پیچھے[1] ماضی کی طرف دیکھ رہی ہیں، ان کے تصوّرات بھی اُنہیں کی طرح معزول اور بے حقیقت ہیں...... یہ لوگ اس کتاب کے حقائق کو خیالات سمجھتے ہیں، لیکن مجھے اس بات کا مکمل اطمینان اور کامل بھروسا ہے کہ اس کتاب کے مسائل تمہارے درمیان ایک حقیقتِ واقعہ بن کر اُبھریں گے۔[2]

اے میرے خطاب کو سننے والو! میں اس شدّت کے ساتھ چیخ چیخ کر اس لیے پکار رہا ہوں؛ کیونکہ میں تیرھویں صدی کے منارے پر کھڑا ہوں اور شکل و صورت سے مہذب لگنے والے، دینی لحاظ سے بالکل بے پروا اور فکری طور پر ماضی کی عمیق ترین وادیوں میں بھٹکنے والے لوگوں کو مسجد کی طرف بلا رہا ہوں اور انہیں کہہ رہا ہوں:

---

[1] اس سے مراد "وان" کا قلعہ ہے جو کہ "خورخور" کے مِٹ جانے والے مدرسے کے لیے ایک گواہ کی حیثیت رکھتا ہے، اور جو "وان" کے مدرسے "المدرسة الزهراء" کا ایک زندہ نمونہ ہے۔

[2] احساسِ قبل الوقوع کی روشنی میں رسائل نور کے متعلق خبر دے رہے ہیں جو کہ مستقبل میں تالیف ہونے والے تھے۔ (سعید)

''ارے اُس اسلام کو چھوڑنے والو جو کہ دو زندگیوں کی رُوح ہے...... اے دو پاؤں پر حرکت کرنے والی قبرو...... بدبختو...... آئندہ نسل کے دروازے میں کھڑے ہو کر اس کا راستہ مت روکو، قبریں تمہارا انتظار کر رہی ہیں، راستہ چھوڑ دو تا کہ وہ نئی نسل آ سکے جو واقعتاً اسلامی حقائق کا جھنڈا بلند کرے گی اور وہ تمام کائنات پر لہرانے لگے گا۔''

سوال: پہلے لوگ ہم سے اچھے تھے، یا ہمارے جیسے تھے، لیکن بعد میں آنے والے تو زیادہ بُرے ہوں گے!

جواب: اے ترکو اور کُردو! کیا خیال ہے، اگر میں ابھی ایک اجتماع منعقد کروں، اور اس چیخنے چنگھاڑنے والے دور میں برپا کی گئی مجلس میں تمہارے ایک ہزار سال پہلے گزرے ہوئے آبا واجداد کو بلالوں اور تمہاری اس اولاد کو بھی بلالوں جو دو صدیوں کے بعد آنے والی ہے، تو کیا خیال ہے کہ تمہارے آبا واجداد جو دائیں طرف صف باندھے بیٹھے ہوں گے یہ نہیں کہیں گے: اے ہمارے نافرمان اور ہماری میراث کو ضائع کر دینے والے چھوٹے شرارتی بچو! تم ہو ہماری زندگی کا ماحاصل؟! افسوس ہے کہ تم لوگوں نے ہمارے بارے میں ایک بانجھ قسم کا اندازہ لگایا اور ہمیں بانجھ بنا کر رکھ دیا۔

اسی طرح بائیں طرف کھڑے مستقبل کے شہر سے آنے والے تمہارے بچے تصدیق کرتے ہوئے تمہیں یہ نہیں کہیں گے کہ اے ہمارے کسلمند آبا واجداد! کیا تم ہی ہماری زندگی کے دو صغری اور کُبری مقدمے ہو؟ کیا تم ہی ہمارے اور ہمارے عظیم آبا واجداد کے درمیان ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ باندھنے والا رابطہ اور حدِّ اوسط ہو؟ یہ کیسا مخلوط اور مغالطے میں ڈالنے والا بے حقیقت قیاس ہے!

پس اے کوچ کرتے رہنے والے خانہ بدوشو؛ شورش پسندو اور انقلاب کے دعویدارو![1] تم لوگ خیالی مشہد[2] میں دیکھ چکے ہو کہ اس اجتماعِ کبیر میں دونوں طرفوں نے تمہارے خلاف دلیل قائم کی ہے......

جوابات کا ایک حصّہ

بات اگر یہی ہے تو پھر میں کہتا ہوں: تم لوگ واقعتاً ایک خارقِ عادت قسم کی شجاعت کی استعداد کے مالک ہو؛ اس کی دلیل یہ ہے تم میں کچھ لوگ ایسے موجود ہیں کہ جو تھوڑی سی منفعت، جزوی سی شان وشوکت، یا رمزی سی عزّت آبرو جیسے چھوٹے چھوٹے معاملات کی خاطر؛ یا پھر صرف اس لیے کہ انہیں بہادر اور سُورما کہا جائے؛ اس طرح کے کاموں کے لیے اپنی زندگی کو کوئی اہمیت نہیں دیتے ہیں اور اپنے قائد کے مقام کی تعظیم کی راہ میں اپنی جان پر کھیل جاتے ہیں، یہ سب کچھ تو مدہوشی کے عالم میں ہوتا ہے، لیکن یہی لوگ اگر ہوش میں آ جائیں تو کیا خیال ہے کیا کچھ نہیں کر گزریں گے! کیا ان کی زندگی ___ اگرچہ وہ ہزاروں جانوں کے مالک بھی کیوں نہ ہوں ___ اسلام کی انمول قومیت جب انہیں تین سو ملین

---

[1] ان الفاظ کا اضافہ بعد میں کیا گیا۔ (سعید)

[2] خیال بھی سینما ہی ہے۔ (سعید)

مسلمانوں کی اخوت اور ان کا معنوی تعاون عطا کر دے گی، تو ان کی زندگی اِس قومیت کی راہ میں غیر اہم اور بے قیمت نہیں ہو جائے گی؟! یہ قومیت[1] جو اپنی زندگی دس روپوں میں بیچ سکتی ہے، وہ اُسے دس لاکھ روپے میں تو ضرور ہی اور پورے جوش و جذبے کے ساتھ بیچے گی۔

لیکن افسوس صد افسوس کہ جس طرح ہماری خوبیاں ہمارے ہاتھوں سے نکل کر غیر مسلموں کے ہاں پہنچ گئیں، اسی طرح ان لوگوں نے ہم سے ہمارے اخلاقِ عالیہ چرا لیے، تو گویا کہ ہمارے بعض معاشرتی اخلاقِ عالیہ بھی جب ہمارے ہاں رواج نہ پا سکے تو وہ ہم سے نفرت کھا کر اُن کے ہاں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے، اور گویا کہ ان کے بعض رذائل جب ان کے ہاں کچھ زیادہ رواج نہ پا سکے تو انہیں ہماری جہالت کے بازار میں لا کر سجا دیا گیا۔!

جب تم اِس طرح کا سفید جملہ سنتے ہو یا سرخ خصلت دیکھتے ہو کہ ''میں مر جاؤں تو کوئی پروا نہیں، میرا ملک، میری اُمت اور میرے پیارے زندہ رہنے چاہئیں'' تو تمہیں تعجب نہیں ہوتا؟ یہ جملہ جو کہ موجودہ ترقی و تقدّم کی بنیاد بلکہ دینِ حق کا تقاضا ہے، یہ غیر مسلموں نے ہم سے چھین لیا ہے۔؛ کیونکہ ان میں سے ایک فدائی اور جاں نثار کہتا ہے: ''میں مر جاؤں تو کوئی بات نہیں میری اُمت سلامت رہنی چاہیے؛ کیونکہ میری روحانی زندگی اسی میں ہے۔!! لیکن اب صورت حال یہ بن گئی ہے ہمارے دستِ ہمت کو روک دیا گیا ہے اور ہماری لگام اس سے چھڑوا کر ایسے احمق جملے اور ایک ایسی یک چشمی عادت کے ہاتھوں میں تھما دی گئی ہے جو کہ تمام سفلیات و اَنانیات کی بنیاد ہے، جیسے کہ یہ جملہ: ''میں پیاسا مر جاؤں تو پھر کبھی بارش نہ ہو[2] یا پھر یہ جملہ کہ: میرے بعد دنیا کا جو بھی حال ہو، ہوتا رہے، میرے بعد تو طوفان بھی آ جائے تو پروا نہیں۔''

اس بنا پر ہماری سب سے زیادہ قابلِ تعریف خصلت اور ہمارے دین کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی ارواح، اپنے اَعضاء و جوارح، اپنے وجدان، اپنے فکر اور اپنی تمام قوتوں کے ساتھ کہیں کہ: ہم اگر مر بھی جائیں تو اسلام یعنی ہماری اُمت زندہ اور اَبد تک باقی رہے گی، میری امت کو زندہ رہنا چاہیے، مجھے اُخروی ثواب ہی کافی ہے؛ کیونکہ میری معنوی زندگی جو کہ اُمت کی زندگی میں ہے، مجھے باقی رکھے گی اور مجھے عالمِ عُلوی میں مسرور و شادمان رکھے گی، اور ہمیں کہنا چاہیے... اور یہ کہتے ہوئے نورانی غیرت ہمارا مرشد ہو...... کہ: وَالْمَوْتُ يَوْمُ نَوْرُوْزِنَا'' یعنی ''موت ہمارا یومِ نوروز ہے۔''[3]

س: سب سے پہلے ہمارے لیے کیا چیز ضروری ہے؟

---

[1] ہماری قومیت ایک جسم ہے، اس کی رُوح اسلام ہے اور اس کی عقل قرآن اور ایمان ہے۔ (سعید)

[2] مؤلف نے یہاں ایک آدھ لفظ کی تبدیلی کے ساتھ ابو فراس حمدانی کے ایک شعر کا دوسرا مصرعہ استعمال کیا ہے، یعنی: ''وَاِنْ مِتُّ عَطشًا فَلَا نَزَلَ الْقَطرُ''، مکمل شعر یہ ہے:

معلِّلتی بالوصل والموت دونه — اذا متُّ ظمآناً فلا نزل القطر

[3] نوروز یا نیروز، فارسی تقویم کے مطابق موسم بہار کے آغاز میں ایک دن، برصغیر میں اِسے بسنت کہا جاتا ہے جو کہ مقامی تقویم کے مطابق چیت سے بیساکھ تک دو مہینوں میں کسی ایک دن منایا جاتا ہے۔ مترجم۔

ج: سچائی

س: پھر کیا؟

ج: جھوٹ سے احتساب

س: پھر کیا؟

ج: استقامت، وفا، اخلاص، ثبات اور تسانُد یعنی باہمی پشتیبانی۔

س: کیوں؟

ج: کیونکہ کفر کی ماہیت جھوٹ ہے، اور ایمان کی ماہیت سچ ہے۔ کیا یہ برہان کافی نہیں کہ ہماری زندگی کی بقا دائمی ایمان، سچائی اور تسانُد یعنی باہمی پشتیبانی کی مرہونِ منت ہے؟

س: کیا پہلے ہمارے قائدین کی اِصلاح ضروری نہیں؟

ج: بالکل، جس طرح تمہارے رؤساء وقائدین نے تمہارے اموال اپنی جیبوں میں ڈال لیے ہیں اور جیبوں کو بند کر لیا ہے، اسی طرح ان لوگوں نے تم سے تمہاری عقلیں بھی چھین لی ہیں یا انہیں تمہارے دماغوں میں محبوس کر دیا ہے، اس بنا پر میں تو صرف ان عقلوں کو مخاطب کرتا ہوں جو تمہارے پاس موجود ہیں۔

اے رؤسا وقائدین! اس توکل سے بچ کر رہو جو کہ عین سستی اور کسلمندی ہے...... تم میں سے کوئی آدمی کوئی کام دوسروں پر نہ چھوڑے...... ہماری خدمت اپنے اس مال کے ساتھ کرو جو تمہارے اپنے پاس ہے، اور اپنی اُن عقلوں کے ساتھ کرو جو تمہارے پاس موجود ہیں؛ کیونکہ تم لوگ ان مسکینوں کی خدمت کر کے اپنی اُجرت لے چکے ہو، اس لیے اب تمہارے لیے اس چیز کا تدارک کرنا بہت ضروری ہے جسے تم گرمی کے موسم میں ضائع کر چکے ہو۔[1] پس یہ خدمت کا موقع ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مسلمان بیدار ہونا شروع ہو گئے ہیں[2]؛ کیونکہ انہیں خیر اور شر کی صحیح طور پر سمجھ آ گئی ہے۔

جی ہاں، یہی وہ راز ہے جس نے ان وادیوں کے قبیلوں کو توبہ واستغفار کی طرف لگا دیا ہے، بلکہ یہ راز آہستہ آہستہ تمام مسلمانوں میں سرایت کرتا جا رہا ہے اور وہ اسے حاصل کرنے کی کوشش بھی کر رہے ہیں، لیکن تم لوگ چونکہ بدُو ہو اور تمہاری اصلی فطرت ابھی مسخ نہیں ہوئی ہے، اس لیے تم لوگ مقدّس اسلامی قومیت کے بہت زیادہ قریب ہو۔

---

[1] ایک مشہور عربی مثل کی طرف اشارہ ہے: "اَلصَّيْفُ ضَيَّعَتِ اللَّبَنَ" یہ ضرب المثل اس آدمی کے لیے کہی جاتی ہے جو کسی چیز کو ضائع کر کے اس کی طلب میں لگ جاتا ہے۔

[2] جی ہاں، یہ بات پینتالیس سال پہلے کہی گئی تھی، اور ''قدیم سعید'' کے اس درس میں اُس کی تصدیق پاکستان اور عربی علاقوں کے قبائل کر رہے ہیں؛ کیونکہ وہ آزادی حاصل کر کے اپنی اپنی حکومتیں قائم کر چکے ہیں، اور یہ تصدیق مستقبل میں کرتے رہیں گے۔ (سعید)

مجھ سے ناواقف لوگ میری سیر و سیاحت کے دوران میرا لباس دیکھتے تو مجھے کوئی تاجر سمجھتے، اس لیے پوچھتے:

س: کیا آپ تاجر ہیں؟

ج: میں تاجر بھی ہوں، کیمسٹ بھی۔

س: کیسے؟

ج: میں دو مادوں کو آپس میں ملا دیتا ہوں، تب ان میں سے ایک سے تریاقِ شافی نکلتا ہے اور دوسرے سے روشنی پھیلا دینے والی بجلی۔

س: یہ دو مادے کہاں پائے جاتے ہیں؟

ج: ایک ڈبیا میں، وہ یا تو سیاہ ہوگی اور یا ہیرے کی طرح چمک رہی ہوگی، اُس پر لکھا ہے: ''قلب'' اور وہ ایک صندوق کے اندر رکھی ہوئی ہے جو دو پاؤں پر چلتا ہے، اس کی پیشانی پر لکھا ہوا ہے ''انسان'' اور وہ تہذیب و تمدُّن اور فضیلت کے بازار میں پائی جاتی ہے۔

س: اس کے نام کون کون سے ہیں؟

ج: ایمان، محبت، وفا اور حمیت۔

اَلْجُرِیْدَۃُ السَّیَّارَۃُ... اُبُوْلَاشَیْئَ... اِبْنُ الزَّمَانِ

أَخُوالْعَجَائِبِ... اِبْنُ عَمِّ الْغَرَائِبِ

سعید نورسی

اس کے بعد آپ ''وان'' سے ''دمشق'' چلے گئے، وہاں علمائے کرام نے آپ پر زور دیا کہ خطاب کریں، تب آپ نے جامع مسجد اُموی میں لگ بھگ دس ہزار حاضرین کے عظیمُ الشان مجمع میں تقریر کی، حاضرین و سامعین میں کم و بیش ایک سو علما بھی تھے۔ آپ کی تقریر بڑے ذوق و شوق اور توجہ سے سنی گئی اور غیر معمولی قسم کے قبولِ عام، استحسان اور قدر شناسی کی سند حاصل کر گئی۔ بعد میں اسے ''خطبۂ شامیہ''[1] کے نام سے مستقل طور پر علیحدہ طبع کرا دیا گیا۔

---

[1] خطبہ شامیہ پچھلی صدی کے آغاز میں دو تین دفعہ شائع ہوا اور اس کے تمام نسخے ختم ہو گئے، پھر استاد کو اپنی زندگی کے آخری دنوں میں ایک نسخے کا پتا چلا اور ان کے شاگردوں نے اُن سے اس کا ترکی میں ترجمہ کرنے کی خواہش ظاہر کی تو اُنہوں نے کچھ شاگردوں کو اس کا ترکی ترجمہ املا کرا دیا اور اس میں حالات کے تقاضے کے مطابق تھوڑی سی وسعت کر دی اور اس کا ایک بہترین سا مقدمہ بھی لکھا، اس مقام پر جو اقتباس درج کیا گیا اُسی ترکی نسخے سے لیا گیا ہے جس میں کچھ وسعت اور کشادگی سے کام لیا گیا، رہی اصل عربی نص، تو وہ استنبول کے مؤسسۃ وقف الخدمۃ کی نگرانی میں محقق صورت میں طبع ہو چکی ہے۔

اس خطبے نے ان مادی اور معنوی امراض کے اسباب کی نشاندہی کی ہے جن میں عالمِ اسلام مبتلا ہے اور جن کی وجہ سے وہ غلامی اور مصیبتوں سے دو چار ہو چکے ہیں اور ان امراض کے بالمقابل ان سے خلاصی پانے کے راستے بھی بتائے، پھر عقلی دلائل کے ساتھ ثابت کیا کہ اسلام عنقریب روئے زمین پر بلند ترین مادی اور معنوی ترقی پیش کرے گا اور اس کی آئندہ آنے والی تہذیب کمال شان وشوکت کے ساتھ زمین کے چہرے سے تمام میل کچیل صاف کر دے گی۔

بلاشبہ یہ ایک منفرد اور بشارت دینے والا خطبہ اور صرف مسلمانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ عمومی انسانیت کے لیے ایک ہمہ گیر اور عظیمُ الشان درس ہے۔

وہ خطبے کے آغاز میں فرماتے ہیں:

میں نے اس زمین پر اور اس زمانے میں نوعِ بشر کی معاشرتی زندگی کے مدرسے میں یہ سیکھا ہے اور اس بات کا علم حاصل کیا ہے کہ قرونِ وُسطیٰ میں جس چیز نے ہمیں مادی طور پر آگے بڑھنے سے روک دیا تھا، اور یورپ اور دیگر اقوام ترقی کی راہ پر گامزن ہیں اور مستقبل کی سمت میں پرواز کر رہی ہیں، اور ہم پیچھے رہ گئے ہیں، صرف چھ بیماریاں ہیں:

1: مایوسی کی زندگی۔

2: سماجی اور سیاسی زندگی میں سچائی کا خاتمہ۔

3: عداوت سے محبت۔

4: ان نورانی روابط سے ناواقفیت جو اہلِ ایمان کو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ رکھتے ہیں۔

5: استبداد جو کہ سرایت کر جانے والی گوناگوں بیماریوں کی طرح پھیل گیا ہے۔

6: ذاتی مفاد پرستی۔

رہا ان چھ مہلک بیماریوں کا علاج، تو وہ میں نے اُس قرآن کریم کی ڈسپنسری سے حاصل کیا ہے جو کہ ہماری معاشرتی زندگی کے لیے ایک میڈیکل کالج کی حیثیت رکھتا ہے، اس علاج کی وضاحت میں مَیں چھ باتوں کروں گا، ان چھ باتوں کے بارے میں میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ علاج کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

پہلی بات: اُمید، یعنی رحمتِ الٰہیہ سے قوی اُمید رکھنا۔

جی ہاں، اے گروہِ مسلماناں! میں نے جو سبق دیکھا ہے اس کی بنا پر میں تمہیں یہ خوشخبری دیتا ہوں کہ صبحِ صادق کی علامات جگمگا اُٹھی ہیں اور آج کُل عالمِ اسلام کی سعادتمندی کے سورج کے چمکنے کا وقت بالکل قریب آ گیا ہے، اور خاص طور پر عثمانیوں کی اور ان لوگوں کی سعادتمندی کا جن کی بیداری و ہشیاری کی بدولت اسلام ترقی کی منزلیں طے کر رہا ہے، یعنی دنیائے عرب۔

اور میں اس نا اُمیدی کے باوجود تمام دنیا کو سنا دینے والے مکمل اطمینان کے ساتھ کہتا ہوں:[1]

مستقبل اسلام کا ہے، صرف اسلام کا، اور حکمرانی صرف قرآن اور ایمان کی ہے، اور میرے پاس اپنے اس دعوے کے بہت سے دلائل و براہین ہیں جن سے میں نے سبق سیکھا ہے، اس مقام پر میں اُن میں سے ایک پوری اور ایک آدھی برہان کا ذکر کروں گا، اور اس کا آغاز ایک مقدمے کے ساتھ کرتا ہوں:

اسلام کے حقائق اپنی مکمل قابلیت اور استعداد کی بدولت معنوی اور مادی ترقی کے لیے ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔

رہی پہلی جہت یعنی معنوی ترقی کی جہت، تو اس معاملے میں یہ بات یاد رکھو کہ تاریخ جو کہ حقیقی واقعات کا ریکارڈ رکھتی ہے، اور جو حقیقت کا صادق ترین گواہ ہے وہ ہمارے سامنے روس کو شکست دینے والے اس جاپانی کمانڈر جنرل کی وہ گواہی رکھتی ہے جو اُس نے اسلام کی حقانیت کے بارے میں دی تھی، اس نے کہا ہے: تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ اہلِ اسلام کی ترقی و تمدن صرف اسلامی حقائق کی قوت اور اہلِ اسلام کے اس قوت کے حساب سے متحرک رہنے میں ہے، اور ان کا تنزل، تخلف و انحطاط، جنگلی پن اور ان کا مصائب و آلام میں گھر جانا، شکستوں اور شکستگیوں سے دوچار ہونا؛ ان حقائق کے کمزور پڑ جانے کی مقدار میں تھا، لیکن دیگر ادیان کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔

ہم اگر اپنے اعمال و افعال کے ذریعے اسلامی مکارمِ اخلاق اور ایمانی حقائق کے کمالات کو آشکار کرنا شروع کر دیں تو ادیان کے پیروکار اسلام میں جوق در جوق داخل ہو جائیں، بلکہ زمین کی حکومتیں اور اس کے براعظم اس کے دامن میں آ جائیں۔

میرے اس جامع مسجد اُموی میں آنے والے اور عالمِ اسلام کی بہت بڑی جامع مسجد میں رہنے والے بھائیو! پچھلے پینتالیس سالوں میں واقع ہونے والے ان بڑے بڑے واقعات سے عبرت حاصل کرو۔

اور اے اہلِ فکر اور اے اہلِ دانش اور اے خود کو مہذّب و متمدن کہلوانے والو! سمجھو اور عقل کے ناخن لو۔

حاصلِ کلام: ہم مسلمان! قرآن کے شاگرد اور دلیل و برہان کے پیروکار ہیں، ہم ایمان کے حقائق میں اپنی عقل، فکر اور قلب کے ذریعے داخل ہوتے ہیں، اور برہان کو رُہبان کی تقلید میں چھوڑ نہیں دیتے جیسے کہ دیگر ادیان کے بعض لوگ

---

[1] 45 سال پہلے ''قدیم سعید'' نے اِحساس قبل الوقوع کی قبیل سے یہ خبر دی تھی کہ عالمِ اسلام — اور اس کے ہراول میں عرب ممالک ہیں — عنقریب استبداد سے خلاصی پا جائے گا اور اجنبیوں کے قید سے آزاد ہو جائے گا اور اسلامی حکومتیں قائم کرے گا، اُس وقت انہوں نے دو عالمی جنگوں کے بارے میں اور اُس مطلق استبداد کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا جو کم و بیش چالیس سال تک مسلّط رہا، چنانچہ انہوں نے 1371ھ کے واقعات کے بارے میں تاخیر کی وجہ کو بنظر عبرت دیکھے بغیر ایسے خوشخبری دے دی کہ گویا وہ 1327ھ میں ہی ہو جائیں گے۔

کرتے ہیں۔

اس بنا پر مستقبل میں حکمرانی چونکہ عقل، علم اور معرفت کے ہاتھ میں ہوگی، اس لیے حکمران بلاشبہ قرآن ہی ہوگا، کیونکہ عقلی برہان اُس کی تصدیق کرتی ہے، اور عقل اس کے تمام احکام کی تائید کرتی ہے۔

پھر وہ پردے جو اسلام کے سورج کے سامنے حائل ہوتے رہے ہیں آہستہ آہستہ سرک رہے ہیں، اور وہ رُکاوٹیں جو بشریت کی طرف آنے والے نور کو روکتی تھیں، وہ آہستہ آہستہ اُوپر اُٹھ رہی ہیں، اس فجر کے طلوع ہونے کی علامتیں پینتالیس سال پہلے ظاہر ہوگئی ہیں، اور صبحِ صادق تو لگ بھگ ایک ہزار تین سو اکہتر سال پہلے چمک اٹھی تھی، پس یہ فجر اگر کاذب ہوگی تو عنقریب تیس چالیس سال کے بعد فجرِ صادق طلوع ہونے ہی والی ہے۔ اِن شاء اللہ

جی ہاں، اسلام کی حقیقت ماضی کے دور پر مکمل طور پر غالب نہیں آسکی؛ کیونکہ اس کے آگے آٹھ خوفناک قسم کے پردے حائل ہوگئے تھے:

پہلا، دوسرا اور تیسرا پردہ: اُس دور میں غیروں کی جہالت، بدنظمی اور ان کا اپنے دین کے بارے میں تعصّب اور یہ تین رُکاوٹیں تہذیب و تمدن اور علم و معرفت کے محاسن کی برکت سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔

چوتھا اور پانچواں پردہ: پادریوں، راہبوں اور رُوحانی مرشدوں کا غلبہ و تسلُّط، اور اغیار کا اُن کی اندھی تقلید کرنا۔ یہ دونوں رُکاوٹیں بھی آزادی کی سوچ کے فروغ پانے اور نوعِ بشر کے حقیقت کو تلاش کرنے کے میلان کی وجہ سے زوال کی زد میں ہیں۔

چھٹا اور ساتواں پردہ: ہمارے درمیان پھیل جانے والا استبداد ہے، اور ہماری بداخلاقیاں ہیں جو شریعت کی مخالفت کی وجہ سے جنم لے رہی ہیں۔ اور یہ بات یاد رکھیں کہ شخصی اور انفرادی استبداد کی قوت میں جو زوال آیا ہے، وہ اس بات کی طرف اشارہ کررہا ہے کہ تیس چالیس سال کے بعد جماعتوں اور تنظیموں کا خوفناک قسم کا استبداد بھی ختم ہوجائے گا، اور اسلامی غیرت و حمیت کے زوردار بہاؤ کی وجہ سے اور بداخلاقی کے بُرے نتائج کے سامنے آنے کی وجہ سے یہ دو رُکاوٹیں بھی زوال کی زَد میں ہیں اور عنقریب مکمل طور پر زائل ہوجائیں گی...... ان شاء اللہ۔

آٹھواں پردہ: یہ ہے کہ کچھ لوگ اس وہم میں مبتلا ہیں کہ وہ کچھ مسائل جو جدید سائنس نے ثابت کردیے ہیں وہ اسلام کے حقائق کے ظاہری معانی کے خلاف ہیں یا برعکس۔ اور یہ وہم ماضی کے زمانے میں — کسی حد تک — اسلامی حقائق کے غلبے کی راہ میں دیوار بن کر کھڑے ہوگئے تھے۔

مثال کے طور پر: فلاسفہ اور جدید سائنس کے ماہرین اس وہم میں مبتلا ہیں کہ وہ دو رُوحانی فرشتے جن کی ڈیوٹی بامرِ الٰہی زمین پر لگی ہوئی ہے اور جن کا نام مچھلی اور بیل ہے، دونوں واقعتاً کوئی ضخیم مچھلی اور گرانڈیل قسم کا بیل ہیں، چنانچہ وہ

حقیقتِ حال کا علم نہ ہونے کی وجہ سے اسلام کی مخالف صف میں کھڑے ہو گئے۔ اس طرح کی سینکڑوں مثالیں ہیں کہ جب ان کی حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے تو انتہائی قسم کے ہٹ دھرم فلاسفہ بھی سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں۔

رسائلِ نور نے تو اس معاملے میں اس حد تک کام کیا ہے کہ ''قرآنی معجزات'' میں ہر وہ آیت پیش کر دی ہے جس پر سائنس نے اعتراض کیا ہے، اور اس کے پس پردہ پائی جانے والی قرآنی اعجاز کی جھلک کو طشت اَز بام کر دیا ہے، اور ہر اس جملے اور کلمے کو موضوعِ بحث بنایا ہے جسے جدید سائنسدانوں نے ہدفِ تنقید بنایا ہے، اور اس میں پائے جانے والے ایسے عالی شان حقائق کا انکشاف کیا ہے جن تک سائنس کا دستِ کوتاہ نہیں پہنچ سکا، اور یوں ضدّی ترین فلاسفہ کو بھی مان جانے پر مجبور کر دیا ہے۔ ''قرآنی معجزات'' نامی کتاب ہر آدمی کی پہنچ میں ہے جو چاہے اس کا مطالعہ کر سکتا ہے اور دیکھ سکتا ہے کہ آج سے چالیس پچاس سال پہلے جب اُن لوگوں نے یہ بات کہی تھی، اُس کے بعد یہ رُکاوٹ بھی کس طرح پاش پاش ہو گئی!

جی ہاں، یہ کام اگر اب نہیں ہوا تو عنقریب تیس چالیس سال کے بعد ہو جائے گا؛ چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ تینوں قوتیں — سائنس، معرفت وحقیقت اور تہذیب وتمدن — اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ حقیقت کی جستجو، انصاف اور انسانیت کی محبت کی طرف متوجہ ہو چکی ہیں، اور اِن آٹھوں رُکاوٹوں کو راہ سے ہٹانے کے لیے انہیں شکست دینے اور پاش پاش کرنے کے لیے اپنے ہتھیار سنبھال کر میدان میں اتر چکی ہیں، ان قوتوں نے اپنے ہتھیاروں کا رُخ اپنے آٹھ دشمنوں کی سرحدوں کی طرف کر دیا ہے، نتیجتاً ان دشمنوں کو ہزیمت سے دو چار کر رہی ہیں، اور عنقریب پچاس سال کے بعد انہیں تتّر بتّر کر دیں گی۔ ان شاء اللہ۔

جی ھاں، وَالْفَضْلُ بِمَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ۔

مثال کے طور پر بدیع الزمان نے ''بسمارک''[1] اور مسٹر ''کارلائل''[2] کے اسلام کی حقانیت کے بارے میں مُنصف اقوال نقل کرنے کے بعد کہا:

امریکا اور یورپ کے محقّق عباقرہ کی ذہانت وفطانت کی کھیتیوں نے جو پیداوار عطا کی ہے، میں اُس پیداوار پر اعتماد کرتا ہوا پورے یقین کے ساتھ حتمی طور پر کہتا ہوں: امریکا اور یورپ کو اسلام کا حمل ٹھہر چکا ہے اور وہ عنقریب کسی نہ کسی

---

[1] اٹوان بسمارک، انیسویں صدی میں یورپ کا نمایاں ترین سیاستدان اور قائد، جرمنی میں 1815ء میں پیدا ہوا اور جرمنی میں ہی 1898ء میں فوت ہوا۔ اس نے قرآن کے بارے میں ایک جگہ واضح طور پر کہا ہے: ''وہ یہ اللہ کا کلام ہے جو اس نے محمد ﷺ پر نازل کیا ہے۔ اور یہ کسی بھی قسم کی تحریف سے پاک ہے۔

[2] ''ٹامس کارلائل'' مشہور قلمکار اور مؤرخ اسکاٹ لینڈ میں 1795ء میں پیدا ہوا اور 1881ء میں لندن میں فوت ہوا، اس نے تاریخ اور ادب میں بڑی وقیع کام کیا ہے، نبی ﷺ کی سیرت پر اس کی کتاب ''محمد رسول اللہ ﷺ، ایک مثالی شخصیت'' بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ امریکی فلسفی ''ایمرسن'' اس کے افکار سے بہت متاثر ہوا اور امریکا میں اس کی کتابوں کی اشاعت کرتا رہا۔

دن اسلامی سلطنت کو جنم دینے والے ہیں، بالکل ایسے جیسے عثانی خلافت کو یورپ کا حمل ٹھہرا ہے اور اُس نے یورپی سلطنت کو جنم دے دیا ہے۔

اے میرے جامع مسجد اُموی میں اکٹھے ہونے والے بھائیو! اور اے میرے نصف صدی کے بعد جامع مسجد عالمِ اسلام میں اکٹھے ہونے والے بھائیو! کیا سابقہ مقدمات یہ نتیجہ ظاہر نہیں کرتے کہ مستقبل کے براعظموں میں جو آئندہ حقیقی اور معنوی حکمران ہوگا، اور جو نوعِ بشری کو کشاں کشاں دنیاوی اور اُخروی سعادت کی طرف لے جائے گا وہ صرف اور صرف اسلام ہے، اور وہ حقیقی عیسائیت ہے، جو خرافات اور تحریفات سے پاک ہو کر اسلام کا رُوپ اختیار کر لے گی اور قرآن کی پیروی کرے گی اور اس کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائے گی۔

دوسری جہت یعنی مادی ترقی کی جہت، مادی طور پر اسلام کی ترقی کے قوی اسباب بھی یہ بات ظاہر کرتے ہیں کہ مستقبل میں اسی کی حکمرانی ہوگی، چنانچہ جس طرح ہم نے پہلی جہت میں اس کی معنوی ترقی کا اثبات کیا ہے، اسی طرح یہ دوسری جہت مستقبل میں مادی طور پر بھی پوری قوت کے ساتھ اس کی ترقی اور حاکمیت کا اثبات کرتی ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ عالمِ اسلام کے معنوی شخص کے دل میں مغلوب و مقہور نہ ہونے والی پانچ شدید قسم کی قوتیں جمع ہو چکی ہیں:

پہلی قوت: تمام کمالات کا مالک حقیقی تہذیب و تمدّن اور سچی سائنس کے ہتھیاروں سے لیس اُستاد جو کہ تین سو ستر ملین نفوس کو نفسِ واحدہ بنانے پر قادر ہے، یعنی دینِ اسلام کہ جسے کوئی بھی قوت مقہور نہیں کر سکتی۔

دُوسری قوت: تہذیب و تمدّن اور صنعت و حرفت کا حقیقی اُستاد جو کہ مبادی اور وسائل کی تکمیل کے ہتھیاروں سے لیس ہے، اور وہ ہے شدید احتیاج اور فقر جس نے ہماری کمر توڑ ڈالی ہے، پس یہ قوت نہ تو خاموش ہو سکتی ہے اور نہ توڑی جا سکتی ہے۔

تیسری قوت: شرعی اور قانونی آزادی جو کہ نوعِ بشر کو بلند مقاصد سکھاتی ہے اور انہیں بلندیوں تک جانے والی دوڑ سے گزار کر ان مقاصد تک پہنچنے کے لیے آمادہ کار کرتی ہے۔ اور یہ قوت استبداد کی جمعیت کو پارہ پارہ کر رہی ہے، احساسات کو اُن بلند ترین عُلوی مقاصد کے لیے بھڑکاتی ہے جو کہ رشک، غیرت، حسد اور تنافس کے مواد سے تیار کیے گئے ہیں، جنھیں مکمل بیداری و ہشاری کے زادِ راہ سے نوازا گیا ہے، جن میں باہمی مقابلے کی رغبت، تجدُّد کا میلان، تہذیب و تمدّن یعنی اس آزادی کی طرف جھکاؤ رکھ دیا گیا ہے جو انسانیت کے شایانِ شان بلند ترین کمالات میں رغبت اور میلان رکھتی ہے۔

چوتھی قوت: شفقت سے تیار شدہ ایمانی شہامت، اور اس کا مطلب ہے ظالموں کے سامنے ذلت اور پستی کا اظہار نہ کرنا اور مظلوموں کو ذلیل نہ کرنا، مطلب یہ کہ شرعی آزادی کی ایک اہم ترین بنیاد یہ ہے کہ مستبد اور مطلق العنان لوگوں کے ساتھ مداہنت کا اظہار نہ کیا جائے، غریبوں مسکینوں پر تسلط نہ جمایا جائے اور اُن کے سامنے تکبُّر کا اِظہار نہ کیا جائے۔

پانچویں قوت: اِسلامی عزّت، جو کہ اعلائے کلمۃُ اللہ کا اعلان کرتی ہے۔ اور اس دور میں اللہ کا بول بالا کرنا مادی ترقی پر اور حقیقی تہذیب وتمدّن میں داخل ہوجانے پر موقوف ہے۔ اور اِس اسلامی عزّت کی بارگاہ سے صادر ہونے والے اس قطعی امر کو عالمِ اسلام کے لیے مستقبل میں —ایمان کے تقاضے کے مطابق— مکمل طور پر نافذ بلاشبہ معنوی شخص ہی کرے گا۔

جی ہاں، اسلام نے جیسے ماضی میں سیف وسلاح کے ساتھ دشمن کے تعصب کا قلع قمع کر کے، اس کے سامانِ جنگ کو توڑ مروڑ کر اور اس کی زیادتیوں اور دست درازیوں کی راہیں بند کر کے ترقی کی ہے، اسی طرح وہ مستقبل میں مادی تلواروں اور ہتھیاروں کے بجائے معنوی تلواروں کے ذریعے اپنے دشمنوں کو شکست دے گا اور اُن کی جمعیت کو منتشر کرے گا، یہ معنوی تلواریں حقیقی تہذیب وتمدّن کی، مادی ترقّی کی اور حق وعدل کی تلواریں ہیں۔

یادرکھو کہ تہذیب وتمدُّن سے ہماری مراد تہذیب کے محاسن اور اس کی وہ مثبت صفات ہیں جو نوعِ بشر کے لیے نفع بخش اور مفید ہیں، نہ کہ اس کی برائیاں اور اس کے گناہ؛ کیونکہ کچھ احمق لوگوں نے تہذیب کی برائیوں اور رذالتوں کو خوبیاں سمجھ لیا ہے اور اُن کی تقلید کرنے پر کمربستہ ہوچکے ہیں۔

اور اس طرح انہوں نے ہماری بہتریوں اور بھلائیوں کو پراگندہ کر کے رکھ دیا، اور دین کو رشوت کی صورت میں استعمال کیا۔ اِس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ نہ دین کے رہے نہ دنیا کے!

پھر جب تہذیب کے گناہ اُس کی خوبصورتیوں پر غالب آ گئے اور اس کی برائیوں کا پلڑا اچھائیوں کے مقابلے میں بھاری ہوگیا تو نوعِ بشر نے دو خوفناک قسم کی عظیم جنگوں کی صورت میں اس کا مزا چکھا، جنھوں نے اس گناہ گار و بے باک تہذیب کو تہ وبالا کر دیا اور جن کے نتیجے میں اس تہذیب نے خون کی اُلٹی کر کے روئے زمین کو سرخ کر کے رکھ دیا۔ اور اب وہ وقت بہت جلد آنے والا ہے جب اس تہذیب کے محاسن اسلام کی اس قوت کی برکت سے غالب آ جائیں گے جو —ان شاء اللہ— مستقبل میں زمامِ اقتدار اپنے ہاتھ لے لے گی اور زمین کے چہرے کو گندگیوں سے پاک کر دے گی اور عالمی امن قائم کر دے گی۔

جی ہاں، یورپ کی تہذیب کی بنیاد چونکہ فضیلت وہُدیٰ پر نہیں بلکہ ہوس ہوا پر اور غلبہ وتسلّط پر استوار ہوئی ہے، اس لیے اب تک اس تہذیب کی برائیاں اس کی اچھائیوں پر غالب رہی ہیں، اور یہ ایک ایسے درخت کے ساتھ مشابہت اختیار کر گئی ہے جسے انارکسٹ، انقلابی، باغی اور شورش پسند تحریکیں کھوکھلا کر رہی ہیں، اور یہ چیز اس بات کی ایک طرح کی بہت بڑی دلیل اور بہت بڑا مضبوط اشارہ ہے کہ ایشیا کی تہذیب ہی غالب آئے گی جو کہ بہت جلد منظرِ عام پر آنے والی ہے۔

اب حیرانی والی بات یہ ہے کہ جب اہلِ ایمان واسلام کے سامنے مادی ومعنوی ترقی کے اس طرح کے قوی اسباب اور مضبوط وسائل موجود ہیں، اور مستقبل کی سعادت کا راستہ ریل کی پٹڑی کی طرح برابر اور رواں دواں ہے؛ تو پھر یہ نا

اُمید کیوں ہو جاتے ہیں؟!

اور آپ لوگ کیسی فحش غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں جب یاس وقنوط کی حالت میں یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دنیا غیروں کے لیے اور عام لوگوں کے لیے تو دارُالترقّی بن گئی ہے، لیکن صرف بیچارے مسلمانوں کے لیے دارُالانحطاط بنی ہوئی ہے اور صرف مسلمان ہی پستی کا شکار ہیں، اور ایسی باتیں کرکر کے تم عالمِ اسلام کی معنوی قوت کو پارہ پارہ کر رہے ہو!!

انسان کی فطرت میں اور تمام کائنات کی فطرت میں چونکہ کمال تک پہنچنے کا میلان رکھ دیا گیا ہے؛ اس لیے حق و حقیقت مستقبل میں عالمِ اسلام میں کچھ اس طرح کی دنیاوی سعادت کو آشکار کر دیں گے کہ جس سے نوعِ بشری کی سابقہ غلطیوں کا ازالہ ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ۔ اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب نوعِ بشر نے جو مظالم ڈھائے ہیں اور جو خطائیں کی ہیں ان کی وجہ سے کہیں وقت سے پہلے ہی قیامت برپا نہ ہو جائے!

جی ہاں، دیکھو زمانہ خطِ مستقیم پر حرکت نہیں کرتا کہ مبدء و منتہا ایک دوسرے سے دور ہوتے جائیں، بلکہ یہ کرۂ ارض کی طرح ایک دائرے میں گھومتا ہے؛ چنانچہ یہ کبھی ترقی کی حالت میں موسمِ بہار اور گرما کو ظاہر کرتا ہے، اور کبھی تنزّل کی حالت میں موسم سرما اور خزاں کو ظاہر کرتا ہے۔

تو جس طرح خزاں کے بعد بہار آتی ہے، اور جس طرح رات کے بعد دن آتا ہے، اُسی طرح نوعِ بشر کا بھی ایک دن مقرر ہے اور وہ آیا ہی چاہتا ہے، اور اس کی بہار بھی آنے ہی والی ہے۔ ان شاء اللہ۔

بس اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اسلام کی حقیقت کے سورج کے طلوع ہونے کا اور ایک عالمگیر امن وسلام کے سائے میں پنپنے والی حقیقی تہذیب وتمدن کے دیدار سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کا انتظار کرو۔

دوسری بات جو میری سوچ فکر زندگی میں میرے تجربات کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچتی ہے کہ نا اُمیدی ایک انتہائی بیماری ہے جو عالمِ اسلام کے دل میں سرایت کر چکی ہے۔

جی ہاں، وہ نا اُمیدی جس نے ہمیں اس حد تک اُدھ مؤا سا کر کے رکھ دیا ہے کہ ایک دو ملین آبادی والے چھوٹے سے ایک مغربی ملک کو یہ موقع فراہم کر دیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے بیس ملین نفوس کی آبادی والے ملک پر قبضہ کر لے، اسے اپنا وطن بنا لے اور انہیں مسخر کر کے اُن سے اپنی خدمت کروائے۔

یہ نا اُمیدی ہی ہے جس نے ہمارے اخلاق عالیہ کو مرگ آشنا کر دیا ہے اور ہماری آنکھوں کو منفعتِ عامہ سے پھیر کر شخصی منفعت میں منحصر کر دیا ہے۔

اور یہ نا اُمیدی ہی ہے جس نے ہماری ایمان سے اُبھرنے والی معنوی قوت کو تاراج کر کے رکھ دیا ہے، وہ معنوی قوت جو تھوڑی سی مادی قوت کے بل پر زمین کے مشارق ومغارب پر اپنا تسلُّط قائم کرنے میں کامیاب ہو گئی، لیکن یہی

غیر معمولی معنوی قوت جب نا اُمیدی کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگئی تو ظالم بدیسی لوگ گزشتہ چار سو سال سے مسلمانوں کو اپنے قیدی بنانے میں کامیاب ہو گئے، اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کی سُستی، کاہلی اور بے کاری کو اپنی سُستی کے لیے دلیل بناتا ہے، خود کوست بن جانے کے لیے مجبور سمجھتا ہے اور کہتا ہے: میں کیا کروں؟ سب لوگ میری طرح سست اور کاہل ہیں!! اور اس طرح وہ ایمانی غیرت وشہامت سے خالی ہو کر اسلام کی خدمت سے دستبردار ہو جاتا ہے۔

یہ بیماری چونکہ ہم میں اس حد تک سرایت کر چکی ہے کہ ہم پر ظلم ڈھا رہی ہے اور ہمیں قتل کرتی چلی جا رہی ہے؛ اس لیے ہم اپنے اس قاتل سے قصاص ضرور لیں گے اور اُسے قتل کر کے رہیں گے، اس نا اُمیدی کے سر پر ہم عنقریب ﴿لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللهِ﴾ کی تلوار سے بھرپور وار کریں گے اور حدیث شریف: ''مَالَا يُدْرَكُ كُلُّهُ لَا يُتْرَكُ كُلُّهُ'' کی حقیقت کے ساتھ بہت جلد اس کی کمر توڑ کر رکھ دیں گے۔

جی ہاں، نا اُمیدی سب سے زیادہ خطرناک روگ ہے جو اُمتوں اور قوموں کے وجود کو لگ چکا ہے، یہ مرض تو — جیسے کہ کہا جاتا ہے: ''سَرَطَانُ الْأُمَمِ'' یعنی امتوں کے لیے کینسر کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ مرض کمالات تک نہیں پہنچنے دیتا اور ''أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي''[1]، والی حدیث میں پائی جانے والی حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ یہ تو عاجزوں اور بزدلوں کا کام ہے، اس کا سہارا تو پست اور کمینے لوگ لیتے ہیں! یہ اسلامی شہامت کے لائق نہیں ہے۔ اور خاص کر ان عربوں کا کام نہیں ہے جو اتنی بلند و بالا عادات و خصائل کے مالک ہیں کہ جن پر انسانیت فخر کرتی ہے۔

عالمِ اسلام نے عربوں کے عزم وثبات و پامردی سے بڑے سبق سیکھے ہیں، اور عالم عرب بھی بہت جلد اِس نا اُمیدی کو پرے پھینک دے گا، ان شاء اللہ، اور اسلام کی بہادر اور جنگجو افواج یعنی ترک لوگوں کی طرف اتفاق وتسانُد کا ہاتھ بڑھائے گا، اور دونوں ایک ساتھ دنیا کے اطراف واکناف میں قرآن کا جھنڈا بلند کر کے لہرا دیں گے۔

تیسری بات: میری تمام زندگی کی تحقیقات کے خلاصے نے اور سماجی زندگی کے تجربات کے ماحصل نے مجھے جو سکھایا ہے وہ یہ ہے کہ ''سچائی اسلام کی اُسُّ الاساس ہے'' اُس کی بلند پایہ عادات وخصوصیات کا مضبوط بندھن ہے اور اُس کے احساساتِ عالیہ کا آمیزہ ہے۔ حقیقت جب یہی ہے تو پھر ہمیں اپنے درمیان سچائی کو زندہ کرنا چاہیے جو کہ ہماری اجتماعی اور معاشرتی زندگی کی بنیاد ہے اور اِس کے ذریعے اپنے معنوی امراض کا علاج کرنا چاہیے۔

جی ہاں، سچائی ہی اسلام کی اجتماعی زندگی کے لیے عروۃُ الوثقیٰ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ریاکاری عملی جھوٹ کی ایک قسم ہے، مداہنت اور تصنُّع ایک رذیل قسم کے جھوٹ کے سوا اور کچھ نہیں، اور نفاق ایک نقصان دہ جھوٹ ہے، دیگر ہیچ: رہا جھوٹ، تو وہ صانعِ ذُوالجلال کی قدرت پر افترا پردازی ہے، اور کفر اپنی تمام انواع واقسام سمیت سراپا جھوٹ ہے، اور

[1] ایک صحیح قدسی حدیث کا ٹکڑا، دیکھیں بخاری حدیث نمبر 7405، اور مسلم، حدیث نمبر 6981

ایمان سراپا سچائی۔

اس راز کی بنا پر جھوٹ اور سچ کے درمیان ایک بے حد قسم کا گمبھیر فرق ہے، اس لیے ان دونوں کے درمیان اُتنی ہی دوری ہونا بہت ضروری ہے جتنی کہ مشرق و مغرب کے درمیان ہے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ یہ ایک دوسرے میں داخل نہ ہوں جیسے نار اور نُور کی صورتِ حال ہے۔ لیکن ہوا یہ ہے کہ اس خبیث سیاست نے اور گھٹیا اغراض و مقاصد پر مبنی دعوتی حملوں نے ان دونوں کو خلط ملط کر دیا ہے اور یوں انسانی کمالات کو برباد کر کے رکھ دیا ہے۔[1]

---

[1] میرے بھائیو! یہ درس جو "قدیم سعید" نے پینتالیس سال قبل دیا تھا، اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ سعید سیاست کے ساتھ اور اسلام کے معاشرتی مسائل کے ساتھ گہری وابستگی رکھتا تھا، لیکن خبردار یہ کبھی نہ سوچنا کہ اُس نے دین کو سیاست کا آلۂ کار یا وسیلہ بنالیا تھا، ایسا ہرگز نہیں، بلکہ وہ تو اپنی تمام تر قوت کے ساتھ سیاست کو دین کا آلۂ کار بنانے کی کوشش کرتا تھا، اور کہا کرتا تھا: "میں دین کی ایک حقیقت کو ہزار سیاستوں پر ترجیح دیتا ہوں"۔

جی ہاں، وہ اُس وقت — یعنی پچاس سال پہلے — یہ بات اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ بعض زندیق منافق سیاست کو لادینیت کا آلۂ کار بنانے کی کوشش میں مصروف ہیں؛ اس لیے وہ اس کے بالمقابل سیاست کو اسلام کے حقائق کے لیے آلۂ کار اور اُن کا خادم بنانے کی کوشش میں مصروف ہوگیا۔ لیکن بیس سال کے بعد اُسے محسوس ہوا کہ کچھ دیندار سیاستدان، اُن خفیہ زندیق منافق سیاستدانوں کی کوششوں کا توڑ کرنے کے لیے کہ جنہوں نے سیاست پر یورپ کا رنگ چڑھا کر اُسے بے دینی کا آلۂ کار بنالیا تھا؛ دین کو اسلامی سیاست کا آلۂ کار بنانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ لیکن اسلام کے سورج کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ان زمینی روشنیوں کے فلک میں گھومتا رہے یا ان کا آلۂ کار بن کر رہ جائے، اسلام کو کسی چیز کا آلۂ کار بنانے کا مطلب اس کی قیمت گرانے اور اس کے خلاف بہت بڑے جرم کا ارتکاب کرنے کے مترادف ہے۔

حتیٰ کہ "قدیم سعید" نے اس طرح کی جانبدارانہ سیاست کا ایک نمونہ یہ بھی دیکھا کہ ایک دفعہ ایک اچھا خاصا عالمِ دین بڑی گرمجوشی کے ساتھ ایک ایسے منافق کی تعریف کر رہا تھا جس کے سیاسی افکار اس کے ساتھ میل کھاتے تھے، اور وہ ایک دیگر نیک قسم کے عالمِ دین پر محض اس لیے تنقید کر رہا تھا کہ وہ اس کا سیاسی مخالف تھا، صرف تنقید ہی نہیں بلکہ اسے فاسق و فاجر کہہ رہا تھا!! تب قدیم سعید نے اُس سے کہا: آپ کی حالت تو یہ ہے کہ تمہاری اس سیاسی سوچ کی شیطان بھی تائید کرے تو آپ اس کے لیے رحمت کی دعا کریں گے، اور اگر تمہاری سیاسی سوچ کی فرشتہ بھی مخالفت کرے تو آپ اس پر لعنت کریں گے!!

اسی بنا پر قدیم سعید نے تینتیس سال پہلے — اور اب پینتالیس سال ہونے کو ہیں — کہا تھا: "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ وَ السِّیَاسَۃِ"؛ اور سیاست سے کنارہ کش ہوگیا تھا۔

ہمارے استادِ گرامی کے تمام رسائل اور کتابیں جو کہ ایک سو تیس کی تعداد میں ہیں، نظر ثانی اور تفتیش و تجسس کی غرض سے حکومت کی تحویل میں دی گئیں، حکومتی اداروں اور محکموں نے مختلف اوقات میں اور ہر انداز سے ان کی مکمل طور پر تحقیق و تفتیش اور پرکھ پڑچول کی، لیکن انہیں کوئی ایک بھی ایسی علامت نہ ملی جو اس بات کا اشارہ دیتی ہو کہ انہوں نے دین کو سیاست کے لیے استعمال کیا ہو، حالانکہ صورتِ حال یہ تھی کہ ان کا پالا مسلسل ظالموں، مرتدوں اور منافقوں سے پڑا ہوا تھا، بلکہ انہیں ختم کر دینے کے خفیہ احکام بھی صادر ہو چکے تھے!! یہ چیز اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ آپ نے دین کو سیاست کا آلۂ کار نہیں بنایا تھا۔

رہے ہم طلّابِ نور کہ جنہوں نے استاد کی زندگی کے احوال کو بہت قریب سے دیکھا ہے، تو ہم تو اس طرح کی منفرد اور نادرِ روزگار صورتِ حال سے حیران ہیں اور اسے رسائلِ نور کے دائرے میں حقیقی اخلاص کی بہت بڑی دلیل سمجھتے ہیں۔ (طلّابِ نور)

میرے اس جامع مسجد اموی میں اکٹھے ہونے والے بھائیو......! میرے چالیس پچاس برس کے بعد عالم اسلام کی مسجد کبیر میں جمع ہونے والے چار سو ملین مومن بھائیو......! نجات صرف اور صرف سچائی میں ہے...... صرف سچائی عُروۃُ الوثقی ہے۔ رہا مصلحت کی خاطر جھوٹ بولنا، تو اسے زمانے نے منسوخ کر دیا ہے۔

چوتھی بات: میں نے اپنی پوری زندگی میں اجتماعی زندگی سے جو کچھ سیکھا ہے، اور تحقیقات نے میرے سامنے جو نتیجہ رکھا ہے، یہ ہے کہ جس چیز کے ساتھ سب سے زیادہ محبت کی جانی چاہیے وہ خود محبت ہے، اور دشمنی اس قابل ہے کہ اس کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی رکھی جائے۔

مطلب یہ ہے کہ محبت کی وہ صفت جو نوعِ بشر کی معاشرتی زندگی پر امن و آشتی کا رنگ چڑھا دیتی ہے اور اسے سعادت آشنا کر دیتی ہے، وہ صفت ہی اس قابل ہے کہ اس کے ساتھ محبت کی جائے، اور دشمنی جو کہ معاشرتی زندگی کو اوندھا کر کے رکھ دیتی ہے، بہت نقصان دہ اور بدصورت صفت ہے، اور یہ صفت اس بات کی سب سے زیادہ حق دار ہے کہ اس سے دشمنی رکھی جائے، اس سے دُور رہا جائے اور اس سے نفرت کی جائے۔

پانچویں بات: وہ سبق جو میں نے شرعی شوریٰ سے سیکھا ہے، یہ ہے کہ اس دور میں کسی آدمی کا گناہ صرف ایک گناہ ہی نہیں رہ جاتا ہے، بلکہ بڑھتا جاتا ہے اور بسا اوقات ایک سو گناہ بن جاتا ہے۔ بالکل یہی صورتِ حال نیکی کی ہے، وہ ایک ہی نہیں رہتی بلکہ بسا اوقات ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے۔

اس چیز میں ایک حکمت بھرا راز پایا جاتا ہے کہ شرعی حرّیت اور مشروع شوریٰ نے ہماری حقیقی قومیت کی حاکمیت کو آشکار کر دیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہماری حقیقی قومیت کی بنیاد اور اس کی روحِ رواں اسلام ہے۔ اور خلافتِ عثمانیہ اور ترکی فوج — اِس اسلامی قومیت کے علمبردار ہونے کی بنا پر — اس موتی کے لیے سیپ اور محفوظ قلعے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور عرب اور تُرک حقیقی بھائی اور اس مقدس قلعے کے نگہبان و پاسبان ہیں۔

اور یوں اس مقدس ربط وضبط کی برکت سے جو اس قومیت کی پہچان ہے، اہلِ اسلام ایک ہی کنبہ بن جاتے ہیں اور یوں اسلامی اقوام وقبائل آپس میں میل جول رکھتے ہیں اور اسلامی اخوت کے ذریعے ایک دوسرے کو مضبوط بندھن میں باندھتے رہتے ہیں جیسے کہ ایک قبیلے کے اور ایک گھرانے کے لوگ کرتے ہیں، اور سب لوگ معنوی طور پر — بلکہ اگر ضروری ہو جائے تو — مادی طور پر بھی ایک دوسرے کا تعاون کرتے ہیں، گویا کہ اسلامی قومیں آپس میں کسی نورانی زنجیر کے ساتھ بندھی ہوئی ہوں۔

تو جیسے کسی قبیلے کا کوئی ایک فرد اگر کسی جرم کا ارتکاب کرے تو دشمن قبیلے کی نظر میں اس قبیلہ کے تمام افراد مشکوک، مجرم اور دشمن ہو جاتے ہیں، گویا کہ وہ جرم اُس تمام قبیلہ نے کیا ہے! تب وہ ایک جرم ہزاروں جرائم کا حکم لے لیتا ہے۔

اور جیسے جب کوئی فرد کوئی ایسا اچھا کام کرتا ہے جو قبیلہ کے لیے قابلِ فخر ہو، تو قبیلہ کے تمام افراد اس پر ایسے فخر کرتے

ہیں کہ گویا وہ اچھا کام ان سب نے کیا ہو؛ بالکل اسی طرح اس دور میں — اور خاص کر چالیس پچاس سال کے بعد — یہی حال برائی کا ہوگا، برائی صرف بُرے آدمی کی ذات تک محدود نہ رہے گی بلکہ لاکھوں مسلمان نفوس تک تجاوز کر جائے گی، اور خصوصاً چالیس پچاس سال کے بعد اس کی بہت سی مثالیں سامنے آ جائیں گی۔

اس جامع مسجد اموی میں میری باتیں سننے والے میرے بھائیو!، اور چالیس پچاس سال کے بعد عالمِ اسلام کی جامع مسجد میں اکٹھے ہونے والے مسلمانو! صرف یہ بات کہہ کر اپنے آپ کو معذور نہ سمجھو کہ ہم کسی کو نقصان نہیں دیتے، اور ہم کسی کو نفع نقصان پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتے؛ کیونکہ تمہارا یہ عذر قبول نہیں ہوگا، اور تم جب یہ کہتے ہو کہ ''ہمیں کیا لگے؟'' یہ کہتے وقت تمہاری سستی کاہلی اور بے پروائی، اور تمہارا اُمّتِ اسلامیہ کے لیے حقیقی وحدت اور اسلامی اتحاد کے لیے کوئی کام کرنے کے لیے آگے نہ بڑھنا یقیناً ایک بہت بڑا ناقابلِ تلافی نقصان اور ظلمِ عظیم ہے۔

تو جس طرح ایک برائی ہزاروں گنا تک بڑھ جاتی ہے، اسی طرح اِس دور میں نیکی بھی بڑھتی ہے، نیکی سے میری مراد وہ نیکی ہے جو اسلام کے تقدُّس کے ساتھ تعلّق رکھتی ہے، یہ نیکی صرف نیکی کرنے والے تک ہی محدود نہیں رہتی ہے بلکہ معنوی طور پر لاکھوں اہلِ ایمان کے لیے مفید ہو جاتی ہے اور ان کی مادی اور معنوی زندگی کو مضبوط کرتی ہے، اس بنا پر یہ زمانہ سستی کے بستر پر لیٹے رہنے کا اور یہ بات دہراتے رہنے کا نہیں کہ ''مجھے کیا لگے؟''

میرے اس جامع مسجد میں اور چالیس پچاس سال کے بعد عالمِ اسلام کی بہت بڑی مسجد میں اکٹھے ہونے والے بھائیو! میرے بارے میں یہ مت سمجھنا کہ میں اس منبر پر تمہیں نصیحت کرنے کے لیے بیٹھا ہوں، بلکہ میں تو اس پر تم لوگوں سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے کے لیے بیٹھا ہوں، کیونکہ چھوٹی چھوٹی قوموں کے منافع جات — جیسے کہ کُرد ہیں — اور ان کی دینی اور اُخروی سعادتیں تم جیسی بڑی بڑی حکمران اور معلم قسم کی قوموں پر موقوف ہیں، جیسے عرب اور تُرک۔ اور ہم — اسلام کی چھوٹی چھوٹی قوموں کے ساتھ تعلق رکھنے والے تمہارے چھوٹے بھائی — تمہاری سستی اور کسلمندی کی وجہ سے بہت زیادہ نقصان اُٹھا رہے ہیں۔

اے عظیمُ الشان بزرگوار عرب بزرگو جو کہ بڑی حد تک بیدار ہو چکے ہیں یا ہو رہے ہیں! تم لوگ میری باتوں کے اوّلیں مخاطب ہو؛ کیونکہ تم لوگ ہمارے اور اسلام کی تمام اقوام کے استاد اور امام، اور تم لوگ ہی اسلام کے مجاہد تھے۔ پھر تمہارے اس مقدس وظیفے میں ترکوں جیسی عظیم قوم نے تمہارا بھرپور ساتھ دیا۔ اس بنا پر تمہارا کسلمندی کی وجہ سے جنم لینے والا گناہ بہت بڑا گناہ ہے، جیسے کہ تمہاری نیکی عظیم ترین اور بلند ترین ہے۔ اور ہماری امید بہت بڑی ہے جو ہمیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے — خاص کر چالیس پچاس سال کے بعد — لگی ہوئی ہے، بہت بڑی ہے، اور وہ اُمید یہ ہے کہ عرب اقوام بھی اُسی طرح متحد ہو جائیں جیسے متحدہ امریکہ کے عوام متحد ہو گئے ہیں، تاکہ ہم بلند ترین مقام پر فائز ہو جائیں اور ہمیں معمورۂ عالم کے کسی ایک حصے پر بلکہ اکثر حصے پر اسلام کی حاکمیت قائم کرنے کی توفیق مل جائے جو کہ ان

دنوں قیدی بنی ہوئی ہے؛ آئندہ نسلیں — اگر قیامت بہت جلد برپا نہ ہوگئی تو — یہ منظر عنقریب دیکھ لیں گی، ان شاء اللہ۔

میرے بھائیو! یہ بات تمہارے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آنی چاہیے کہ میں تمہیں سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے لیے اُبھار رہا ہوں، حاشا وکلّا! کیونکہ اسلام کے حقائق ہر قسم کی سیاست سے کہیں زیادہ بلند ہیں۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ سیاست اِن حقائق کی خادم بن جائے، لیکن کسی بھی طرح کی سیاست کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اسلام کو اپنا آلۂ کار بنالے۔

میں اپنی ناقص سمجھ کے مطابق اس دور میں اسلام کی معاشرتی زندگی کو ایک کارخانہ سمجھتا ہوں جس کے بہت سے دندانے اور بہت سے پہیے ہیں، ان میں سے اگر ایک پہیہ آہستہ چلے یا اپنے ساتھی پر زیادتی کرے تو آلے کا تمام میکانزم خراب ہو جائے گا۔ اسی لیے اب اسلامی اتحاد کا وقت آ گیا ہے اور تمہارے اندر جو عیوب و نقائص اور شخصی کوتاہیاں پائی جاتی ہیں اُن سے صرفِ نظر کرنا ضروری ہوگیا ہے۔

میں آپ سے انتہائی دُکھ درد اور افسوس کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ کچھ اجنبی لوگوں نے جیسے ہم سے ہمارے وطن اور ہمارے قیمتی اموال چھین لیے ہیں اور اس کے بدلے میں ہمیں ردّی سامان دے دیا ہے، اسی طرح اُنہوں نے یہی کام اُس وقت کیا جب ہم سے ہمارے اخلاقِ عالیہ اور ہمارے بعض وہ اوصاف واطوار لے لیے جو ہماری معاشرتی زندگی کی امتیازی خصوصیات کی حیثیت رکھتے تھے، اور ان چیزوں کو انہوں نے اپنی ترقی کی بنیاد بنالیا اور ان کی قیمت ہمیں اپنے گندے اخلاق، پست عادات اور رذیل طبیعتوں کی صورت میں ادا کر دی۔

مثال کے طور پر، ان میں سے ایک شخص ہم سے لی ہوئی عادتوں کی ترجمانی کرتا ہوا کہتا ہے: ''اگر میں مرجاؤں تو کوئی بات نہیں، بس میری اُمت سلامت رہنی چاہیے؛ کیونکہ میری ہمیشہ رہنے والی زندگی صرف میری اُمت کی بقا میں ہے۔''
پس یہ ایک کلمۂ حق ہے جو انہوں نے ہم سے لیا ہے۔ اور یہ کلمہ جو انہوں نے ہم سے چرالیا ہے اُن کی ترقی کی مضبوط ترین بنیاد ہے۔ یہ کلمہ دینِ حق اور حقائقِ ایمان سے پھوٹتا ہے، اس لیے یہ ہم اہلِ ایمان کا ساز وسامان ہے۔ لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ ہم میں سے جو آدمی انا پرست ہے وہ ہمارے اندر غیروں کی گندی خصلتوں اور بدصورت بدیسی عادتوں کی ترجمانی کرتا ہوا کہتا ہے: اگر میں پیاسا مرجاؤں تو بارش کا قطرہ بھی نازل نہ ہو، اور اگر میں خوش بختی کا منہ نہ دیکھ سکوں تو پھر یہ دنیا ہی برباد ہو جائے۔

یہ احمقانہ کلمہ زبان سے صرف بے دینی کی وجہ سے نکلتا ہے اور آخرت سے بے علمی کی راہ سے آتا ہے۔ یہ ہمارے ہاں باہر سے آیا ہے اور ہمارے درمیان زہر پھونک رہا ہے۔

پھر اس اُمت کی اس سوچ فکر کا وہ سرمایہ جو غیروں نے ہم سے لے لیا ہے، اُن لوگوں میں سے کوئی نہ کوئی اُٹھ کر ہم سے اس سوچ فکر کی ایسے قیمت لیتا ہے جیسے کہ وہ خود کوئی اُمت ہو؛ کیونکہ ہر آدمی کی قیمت اُس کے قصد وارادے کے حساب سے ہوتی ہے، اس لیے جس آدمی منزلِ مقصود اُس کی اُمت ہوگی وہ اکیلا ہی ایک چھوٹی سی اُمت ہوگا۔

اور ہم اِدھر اپنے کم نظر لوگوں کی وجہ سے، غیروں سے لی ہوئی غلط عادتوں کی وجہ سے، ہم میں سے ہر ایک کے نفسی نفسی کہنے کی وجہ سے اور اس اُمت کی منفعت سے آنکھیں چرا کر اپنی سوچ فکر کا رُخ مکمل طور پر اپنی ذاتی منفعت کی طرف پھیر لینے کی وجہ سے ہمارے ایک آدمی کی قیمت اتنی گر جاتی ہے کہ ہماری اسلامی قومیّت کی قوت اور قدسیّت کے باوجود ہمارا ایک ہزار آدمی ایک آدمی ثابت ہوتا ہے۔

اَلَا مَنْ كَانَ هِمَّتُهُ نَفْسَهُ فَلَيْسَ مِنَ الْإِنْسَانِ لِأَنَّهُ مَدَنِيٌّ بِالطَّبْعِ.

یاد رکھو کہ جس آدمی کے پیشِ نظر صرف اپنی ذات ہوتی ہے وہ انسان نہیں؛ کیونکہ انسان تو مدنی الطبع ہے اور فطرتاً ہی اپنے ابنائے جنس کا خیال رکھنے کے لیے مجبور ہے اور اس کی شخصی زندگی کا دوام صرف معاشرتی زندگی کے ساتھ ہی ممکن ہے۔

انسان کی ضروریات کا اندازہ روٹی کے اس نوالے سے لگاؤ جو وہ کھاتا ہے، وہ ایک نوالہ حاضر کرنے کے لیے اسے کتنے ہاتھوں کی ضرورت پڑی؟ چنانچہ انسان اس چیز کے مقابلے میں معنوی طور پر ان ہاتھوں کو چومتا ہے۔ یہی صورتِ حال ان کپڑوں کی ہے جو وہ پہنتا ہے، اُن کے ساتھ کتنے کارخانوں اور فیکٹریوں کا تعلق ہے؟ تو انسان جب حیوان کی طرح زندگی نہیں گزار سکتا، اور جب فطری طور پر اس کا ابنائے جنس کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے، اور جب وہ اپنے ابنائے جنس کو معنوی قیمت ادا کرنے کے لیے مجبور ہے؛ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ فطری طور پر مدنی الطبع یعنی مل جل کر رہنے والا ہے۔

اور وہ آدمی جو اپنی نظر اپنی ذاتی مصلحت میں محصور کر لیتا ہے، وہ انسانیت کی کھال سے نکل جاتا ہے اور ایک موذی درندہ بن جاتا ہے، سوائے اس آدمی کے جو مجبور ہو، کوئی حقیقی عذر رکھتا ہو اور اس کے پاس کوئی حیلہ نہ ہو، ایسا آدمی اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

چھٹی بات: مسلمانوں کو سعادت و فیروزمندی کی کنجی اسلامی معاشرتی زندگی میں ہے، اور اس کا دوسرا نام ہے "شرعی شوریٰ"، اور آیت کریمہ ﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ شوریٰ کو بنیاد بنانے کا حکم دیتی ہے۔

جی ہاں، جیسے تمام انسانی علوم و ترقیات کی بنیاد اُن زمانوں کی شوریٰ ہے جنہیں تاریخ نے اُس نام سے نقل کیا ہے جسے بنی نوعِ انسان کے ہاں "تلاحق الافکار" کہا جاتا ہے، ویسے ہی برّ اعظم ایشیا کا قافلے کے پیچھے رہ جانے کا سبب ان کا اس حقیقی "شوریٰ" سے دستبردار ہو جانا ہے۔ اب صرف شوریٰ ہی ایک ایسی حقیقت ہے جو برّ اعظم ایشیا کے بند دروازے کے لیے چابی کا کام دے سکتی ہے اور اسے مستقبل کی راہ سمجھا سکتی اور دکھا سکتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح افراد آپس میں مشورے کرتے ہیں اسی طرح قوموں اور برّ اعظموں کو بھی آپس میں مشورے کرتے رہنا چاہیے۔ اور وہ انواع و اقسام کی زنجیریں جنہوں نے تین سو بلکہ چار سو ملین مسلمانوں کے پاؤں جکڑ

رکھے ہیں ان زنجیروں کو اور استبداد کی مضبوط ہتھکڑیوں کو صرف شرعی شوریٰ اور ایمانی شفقت وشہامت سے پھوٹنے والی شرعی آزادی سے ہی کھولا اور توڑا جا سکتا ہے، وہ شرعی آزادی جو کہ شرعی آداب سے مزیّن اور اس بے باک مغربی تہذیب میں پائی جانے والی برائیوں سے پاک ہے۔

ایمان سے پھوٹنے والی شرعی آزادی دو طرح کے حکم دیتی ہے:

أَنْ لَا يُذَلِّلَ وَلَا يَتَذَلَّلَ مَنْ كَانَ عَبْدًا لِلّٰهِ لَا يَكُوْنُ عَبْدًا لِلْعِبَادِ. وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ.

یعنی کوئی انسان کسی کو ذلیل نہ کرے اور خود ذلیل نہ ہو...... اللہ کا بندہ بندوں کا بندہ نہیں ہوسکتا۔

''اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔''

جی ہاں، شرعی آزادی رحمان کا عطیہ ہے،[1] ''یعنی ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تحکّم اور استبداد کے ذریعے دوسروں کو ذلیل نہ کیا جائے، اور ظالموں کے سامنے ذلت، پستی اور گڑگڑاہٹ کا اظہار نہ کیا جائے۔ پس جو اللہ کا حقیقی بندہ ہوگا وہ اُس کے علاوہ کسی کی بھی بندگی قبول نہیں کرے گا۔ اور کوئی بھی کسی دوسرے کو اپنا پروردگار نہیں بنائے گا؛ کیونکہ جس نے اللہ کو نہ پہچانا وہ ہر چیز کو اور ہر شخص کو پروردگار سمجھ بیٹھے گا، ہر انسان اپنے حساب سے ایسے ہی کرے گا اور اپنے بنائے ہوئے اس پروردگار کو اپنے اوپر مسلّط کرلے گا۔

جی ہاں، شرعی آزادی اسمِ گرامی الرحمان الرحیم کی بنا پر اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا احسان ہے، اور یہ آزادی ایمان کی خاصیت ہے۔

فَلْيَحْيَ الصِّدْقُ وَلَا عَاشَ الْيَأْسُ فَلْتَدُمِ الْمَحَبَّةُ وَلْتَقْوَ الشُّوْرَى

سچائی زندہ باد، نااُمیدی مردہ باد، محبت زندہ باد، شوریٰ مضبوط باد!

اَلْمَلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهَوَى وَالسَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى[2]

دمشق میں آپ کا قیام زیادہ نہ رہا، چنانچہ آپ مشرقی اناطولیہ میں ''المدرسۃ الزہراء'' نامی یونیورسٹی کی بنیاد رکھنے کے لیے استنبول چلے گئے اور مشرقی ریاستوں کے ترجمان کی حیثیت سے ''رومَلی'' کے سفر میں سلطان رشاد کے ہم سفر بنے، سفر کے دوران ٹرین میں ان کے اور ماڈرن سکولوں کے دو اُستادوں کے درمیان بحث ہوئی۔ اس کا خلاصہ ''خطبۂ

[1] استاد نے یہ فقرہ اور آنے والا دراصل عربی زبان میں لکھا تھا، پھر اس کا ترجمہ کردیا۔

[2] اس فقرے کے ترجمے میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: اِنَّ اللَّوْمَ وَالْعِتَابَ وَالْكُرْهَ لِمَنِ اتَّبَعَ الْهَوَسَ وَالْهَوَى، وَالسَّلَامَ وَالسَّلَامَةُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى، آمِيْن

شامیہ'' کے ذیل میں لکھ دیا گیا ہے۔ اس مقام پر ہم اس کے کچھ جملے بالفاظہ نقل کرتے ہیں:

''عہدِ حریّت کے ابتدائی دنوں میں مجھے مشرقی ریاستوں کے ترجمان کی حیثیت سے ''رومِلی'' کی طرف جاتے ہوئے سلطان ''رشاذ'' کا رفیق سفر بننے کا اتفاق ہوا۔ ٹرین میں بیٹھے ہوئے میرا جدید اسکولوں کے فارغ دو ہم سفر استادوں کے ساتھ مباحثہ ہوا۔ ان دونوں نے مجھ سے پوچھا کہ دونوں میں سے کون سی چیز زیادہ قوی اور زیادہ لازم ہے، دینی حمیت یا قومی حمیت؟

تو میں نے کہا: ہمارے ہاں — یعنی مسلمانوں کے ہاں — دین اور قومیت متحد بالذات ہیں، ان کے درمیان جو اختلاف نظر آرہا ہے، اعتباری، فرضی، ظاہری اور عارضی ہے، حقیقی یا جوہری نہیں، بلکہ دین تو اُمت کی روح اور اس کی زندگی ہے، چنانچہ دین اور قومیت کو اگر اس نظر سے دیکھا جائے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے مختلف اور متباین ہیں تو دینی حمیت عوام اور خواص تمام لوگوں کے لیے ہوگی، جبکہ قومی حمیت صرف ایک فیصد لوگوں میں منحصر ہو جاتی ہے، یعنی صرف انہی لوگوں میں منحصر ہو کر رہ جاتی ہے جو اپنی ذاتی مصلحت کو اپنی قوم پر قربان کر دیتا ہے۔

بات جب یہی ہے تو پھر دینی حمیت کو حقوقِ عامہ کی بنیاد ہونا چاہیے اور قومی حمیت کو ان حقوق کی خادم، اس کی قوت اور اس کا قلعہ ہونا چاہیے۔

ہم مشرقی لوگ مغربی لوگوں جیسے نہیں ہیں، ہمارے دلوں پر حکمرانی دینی احساس کی ہے، تقدیرِ اَزلی نے اکثر انبیاء علیہم السلام کو مشرق میں بھیج کر اس بات کا اشارہ کر دیا ہے کہ بیداری اور ترقی کی راہ میں مشرق کی قیادت صرف دینی احساس ہی کر سکتا ہے۔ عصرِ سعادت اور عصرِ تابعین اس حقیقت کی قطعی برہان کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اے میرے اس ٹرین نامی چلتے پھرتے مدرسے کے ہم درسو، اور یہ پوچھنے والو کہ کون سی حمیت زیادہ قابلِ اہتمام ہے دینی یا قومی؟ اے ماڈرن اسکولوں کالجوں کے طالب علمو! اور اے ہمارے ساتھ دورِ حاضر کی ٹرین میں بیٹھ کر مستقبل کی طرف سفر کرنے والے ماڈرن اسکولوں کالجوں کے طالب علمو! میں تم لوگوں سے کہتا ہوں:

دینی اور اسلامی قومی حمیّت ترکوں اور عربوں کے رَگ و پے میں رچ بس چکی ہے، اور ان کے جسم کا کچھ اس طرح سے حصہ بن چکی ہے کہ ان سے جدا نہیں ہو سکتی اور یہ کہ اسلامی حمیت ایک قوی ترین اور مضبوط ترین سلسلہ ہے جو عرش سے آیا ہے، یہ ایک ٹوٹ کر علیحدہ نہ ہونے والا عُروۃُ الوُثقیٰ ہے، اور یہ ایک مقدّس محفوظ قلعہ ہے جو منہدم نہیں ہوتا اور شکست نہیں کھاتا۔

میں نے جب یہ کہا تو وہ دونوں مہذّب علما کہنے لگے: آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟ آپ کا یہ اتنا بڑا دعوٰی بہت بڑی حجت اور قوی ترین دلیل کا طالب ہے، آپ کے پاس کون سی دلیل ہے؟

ٹرین اس دوران سرنگ سے نکل چکی تھی اور ہم گردنیں لمبی کر کے باہر کے منظر سے لطف اندوز ہو رہے تھے، اچانک ہماری نظر چار پانچ سال کے ایک بچے پر پڑی جو کہ ریلوے لائن کے قریب کھڑا تھا۔ میں نے اپنے ان دونوں مہذب استادوں سے کہا: یہ معصوم بچہ اپنی زبانِ حال سے ہمارے سوالوں کا جواب دے رہا ہے، ہمارے اس رواں دواں مدرسے میں میرے بجائے اُسے ہمارا استاد ہونا چاہیے؛ کیونکہ اس کی زبانِ حال مندرجہ ذیل حقیقت کہہ رہی ہے۔

زمین کے اس چوپائے کو دیکھو جو کہ دوڑتا بھاگتا بے اختیار اس طرح آگے کی طرف بڑھتا جا رہا ہے کہ گھبراہٹ پھیلاتا جا رہا ہے، جبکہ یہ بچہ اس کی گزرگاہ سے ایک میٹر کے فاصلے پر کھڑا ہوتا ہے۔

اب باوجود اِس کے کہ زمین کا یہ جانور اپنے شور وغل اور گھن گرج کے ساتھ ڈرا رہا ہے اور اپنے حملے کے ذریعے دھمکا رہا ہے اور اپنی زبانِ حال کے ساتھ کہتا چلا جا رہا ہے کہ: ''جو سامنے آئے گا کچلا جائے گا''، لیکن یہ معصوم بچہ پوری آزادی کے ساتھ عجیب قسم کی بہادری کے ساتھ اور دہشت خیز اطمینان کے ساتھ اُس کے راستے میں کھڑا ہے، اُسے اس کی دھمکی، ڈراوے اور غُل غپاڑے کی کوئی پروا نہیں، ایسے لگتا ہے جیسے وہ اپنی بہادری، جوانمردی اور ثابت قدمی کی زبانِ حال سے یہ کہتا ہوا اس کے حملے کی توہین کر رہا ہے کہ: اے ٹرین! تو مجھے اپنی اس گھن گرج والی چھک چھک سے ڈرا نہیں سکے گی، تُو اپنے نظام کی اسیر ہے، تیری لگام تیرے ڈرائیور کے ہاتھ میں ہے، تُو مجھے روند کر نہیں جا سکتی اور نہ ہی تُو مجھے اپنے استبداد کے تحت کر سکتی ہے، اس لیے اپنی راہ لے اور اپنے ڈرائیور کے حکم کے مطابق اپنے راستے پر چلتی جا۔

اے میرے اس ٹرین میں ہم سفرو، اور اے پچاس سال بعد علوم ومعارف کا شغل اپنانے والو! آؤ زمانے کی بساط کو لپیٹ دو، اور رستم ایرانی اور ہرقل یونانی[1] کے وجود کو ان کی بہادری کے عجیب وغریب افسانوں سمیت اس معصوم بچے کی جگہ پر رکھ دو۔ اور ان دونوں کے زمانے میں چونکہ ٹرین کا وجود نہیں تھا اس لیے ان کا یہ اعتقاد بھی نہیں تھا کہ یہ ایک طے شدہ نظام کے تحت چلتی تھی، اور یوں جب یہ اس حالت میں سرنگ سے نکلی کہ اس کے سر میں ایندھن والی آگ جل رہی تھی، تو انہوں نے تصوّر کیا کہ اس کی سانسوں میں بادلوں کی گھن گرج تھی اور اس کی آنکھوں میں بجلی کی چمکیں تھیں۔ ایسی ایک ٹرین خوف وہراس پھیلاتی ہوئی اچانک ان دو بہادر سورماؤں یعنی رستم وہرقل کی طرف بڑھتی چلی جا رہی تھی؛ ان پر اس صورتِ حال کی وجہ سے کتنا خوف وہراس طاری ہوا ہوگا!! اور وہ دونوں — بڑے بہادر ہونے کے باوجود — اس سے ہزاروں میل دور بھاگتے ہوئے نظر آتے۔

دیکھو تو زمین کے اس جانور کی دھمکی کے سامنے ان دونوں کی آزادی کیسے مضمحل ہو جاتی ہے اور ان کی بہادری کیسے پگھل جاتی ہے کہ ان کے سامنے فرار ہو جانے کے علاوہ کوئی حیلہ ہی نہیں رہ جاتا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا یہ اعتقاد

---

[1] فارسی اور افریقی وراثت کی دو مشہور شخصیتیں جو کہ قوت وشجاعت اور جوانمردی کی علامتیں بن چکی ہیں۔

ہے کہ اس ٹرین کا کوئی ڈرائیور نہیں ہے، وہ اسے ایک مطیع وفرمانبردار سواری نہیں بلکہ ایک چیرنے پھاڑنے والا خوفناک شیر سمجھتے ہیں جو اپنے پیچھے ٹرین کی بوگیوں کے برابر بیس عدد شیر گھسیٹ کر چلا آ رہا ہے۔

اے میرے بھائیو! اور پچاس سال کے بعد میرے ان کلمات کو سننے والے دوستو!

وہ چیز جس نے اس پانچ چھ سالہ بچے کو، اُن دو بہادر سورماؤں سے کہیں زیادہ آزادی، بہادری، بے خوفی اور ثابت قدمی عطا کر دی ہے، وہ صرف حقیقت کی وہ گٹھلی ہے جو اس کے دل میں نشوونما پا چکی ہے، اور وہ ہے اس کا یہ ایمان اور اعتقاد و اطمینان کہ اس ٹرین کا یقینا کوئی نظام ہے جس کے مطابق یہ چل رہی ہے۔ اور وہ چیز جس نے ان دونوں بہادروں کو شدید گھبراہٹ میں مبتلا کر دیا اور ان کے احساسات کو خوف و ہراس کا اسیر بنا دیا وہ صرف ان کا عدمِ اعتقاد ہے جس پر جہالت و بے علمی کا رنگ چڑھا ہوا ہے، یعنی ان کا یہ نہ جاننا کہ اس ٹرین کا کوئی ڈرائیور ہے۔ اور ان کا اس بات پر ایمان نہ ہونا کہ یہ کسی نظام کے تحت چل رہی ہے۔

پس جو صورت حال ان دو تمثیلوں میں پائی جاتی ہے، یعنی یہ کہ ان دو عجیب قسم کے بہادروں کی نادانی، عدمِ اعتقاد اور گمراہی ان کے خوف و ہراس کا سبب بن گئی ہے۔ بالکل اسی طرح کی صورتِ حال کفر اور ضلالت میں پیش آتی ہے، چنانچہ کفر و ضلالت مجموعہ شمسیہ سے لے کر ٹی بی کے جراثیم تک تمام کائنات کو اپنے تختۂ مشق بناتے ہیں اور اِن تمام چیزوں کو اہلِ ضلالت کے لیے زنجیریں، ہتھکڑیاں اور خوف زدہ کرنے والے ہزاروں قسم کے گروہ سمجھتے ہیں جو کسی اندھی قوت، اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے ہوئے اتفاق اور گونگی بہری نیچر کے ہاتھ میں کھیل رہے ہیں، اور بے یار و مددگار نوع بشر پر حملے کر رہے ہیں۔ پھر کفر و ضلالت کافروں اور گمراہوں کو اُن کے دنیا میں ہوتے ہوئے بھی جہنم میں گرا دیتے ہیں اور انہیں جہنم کے تھوہر کا کچھ نہ کچھ مزا چکھاتے رہتے ہیں؛ کیونکہ وہ انسان کی ہمہ گیر قسم کی ماہیت، اُس کی کُلّی قسم کی صلاحیت، اس کی غیر محدود حاجات وضروریات اور غیر متناہی خواہشات و رغبات کو سامنے رکھ کر اس کی طرف رُخ کرتے ہیں اور اس کے دل میں دائمی خوف، الم، گھبراہٹ، سراسیمگی، قلق اور پریشانی پھونک دیتے ہیں، اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ انسان کے وہ تمام علوم و معارف اور اس کی وہ تمام ترقیاں جو کہ دین و ایمان سے یکسر خالی ہیں رستم اور ہرقل کے بہادری کی طرح کوڑی کی حیثیت بھی نہیں رکھتی ہیں! البتہ وہ انسان کو لہو و لعب و رذالت اور مدہوشی کا ٹیکہ لگا کر اس کے احساسات کو ایک طرح سے وقتی طور پر بے حس کر دیتے ہیں تا کہ اُسے ان الم خیز خوفناک واقعات کا شعور نہ رہے۔ اس کتاب[1] کے مقدمے میں اس حقیقت کی چند مثالوں کے ساتھ وضاحت کر دی گئی ہے، اور رسائل نور نے اس کا اثبات سینکڑوں دلیلوں کے ساتھ کر دیا ہے۔

ایمان اور کفر کے درمیان موازنے کی بھی یہی صورت ہے، چنانچہ جس طرح ایمان اور کفر اپنے نتائج وثمرات جنّت اور دوزخ کی صورت میں دیں گے، اسی طرح ان کا معاملہ اِس دنیا میں ہے، اور وہ اِس طرح کہ ایمان دنیا میں ایک

---

[1] اس سے اُن کی مراد خطبۂ شامیہ ہے جس کا ترکی میں وسیع پیمانے پر ترجمہ کیا گیا۔

معنوی جنّت بروئے کار لاتا ہے اور موت کو دنیاوی مسائل و مصائب سے آزادی، دستبرداری اور سبکدوشی کا نام دیتا ہے، جبکہ کفر دنیا میں بھی ایک معنوی جہنم ہے، انسان کی حقیقی سعادت کو تہس نہس کر دیتی ہے اور موت کو ابدی نیستی و نابودی بنا دیتی ہے۔ اس مسئلے کے لیے ہم رسائل نور میں حِس و شہود کی روشنی میں بیان کردہ سینکڑوں قطعی دلیلوں کا حوالہ دے کر اختصار سے کام لے رہے ہیں۔

اگر اس تمثیل کی حقیقت کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہو تو اپنے سر ذرا اُوپر اُٹھاؤ اور کائنات کو دیکھو...... اس میں تمہیں واقعات و حادثات کے کتنے سلسلے...... کتنے پے درپے واقعات، کائنات کے اجرام اور سیار ستاروں کے کتنے ہی گُرے دکھائی دیں گے جنھیں قدرتِ اَزلی نے انتہائی حکمت اور نظام کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اور انہیں بحر و بر اور فضائے بیکراں میں اِس ٹرین کی طرح بَرّی اور بحری غبارے، سیارے، طیارے اور سفینے بنا کر ٹھہرا رکھا ہے!!

جس طرح ان تمام چیزوں کا عالمِ شہادت اور مادی کائنات میں وجود ہے، اسی طرح ان چیزوں کے ان سے بھی زیادہ عجیب سلسلہ وار نظائر موجود ہیں جنھیں قدرتِ اَزلی نے عالمِ روحانی میں اور معنوی دنیاؤں میں پیدا کر رکھا ہے۔ جس کے پاس عقل ہے وہ ان کی تصدیق کرتا ہے، اور جس کے پاس بصیرت ہے وہ ان میں سے اکثر چیزوں کو دیکھ سکتا ہے۔

پس کائنات میں پائے جانے والے یہ تمام مادی اور معنوی سلسلے بے ایمان اہلِ ضلالت پر حملہ کرتے ہیں اور انہیں ڈراتے دھمکاتے ہیں، اور اس طرح اہلِ ایمان کے برخلاف ان کی قوتوں کو زیر وزبر کر دیتے ہیں؛ اور جہاں تک اہلِ ایمان کا تعلق ہے تو یہ چیزیں انہیں ڈراتی دھمکاتی نہیں بلکہ انہیں فرح وسرور، سعادت و مانوسیت اور اُمید وقوت عطا کرتی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے ایمان کے ذریعے دیکھتے ہیں کہ اِن مادی اور معنوی کائناتوں کے اور ان سیّار کائناتوں کے غیر محدود سلسلوں کو حکمت کے دائرے میں پورے نظم وضبط کے ساتھ اپنے اپنے وظیفے کی طرف ہانکا جا رہا ہے، اور انہیں ایک حکمت والا کاریگر چلا رہا ہے اور ان کی نگرانی و نگہبانی کر رہا ہے۔ چنانچہ ان میں سے کوئی بھی اپنے اپنے وظیفے سے ایک ذرے کے برابر بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوتا اور کوئی ایک بھی دوسرے پر زیادتی نہیں کرتا۔ جیسے کہ وہ اپنے ایمان کے ذریعے یہ بھی دیکھ لیتے ہیں کہ کائنات میں جو کچھ بھی ہے کمالِ صنعت کا اور جمال کی تجلّی کا مظہر ہے، چنانچہ ایمان انہیں معنوی قوت عطا کرتا ہے اور اس کے ذریعے ان کے لیے ابدی سعادت کا ایک نمونہ ظاہر کر دیتا ہے۔

اور یہ دہشت خیز خوف اور پریشان کُن آلام و مصائب جن کا سامنا اہلِ ضلالت عدم ایمان کے نتیجے میں کرتے ہیں جدید سائنس ان کے سامنے ہاتھ باندھے بے بس ہو کر کھڑی رہتی ہے، چنانچہ نہ تو جدید سائنس انہیں تسلی کا سامان یا معنوی قوت فراہم کر سکتی ہے، نہ یہ انسانی ترقی، اور نہ ہی ان دونوں کے علاوہ کوئی چیز؛ یہی وجہ ہے کہ ان کی بے باکی اور دلاوری کافور ہو جاتی ہے، البتہ یہ ہے کہ وقتی غفلت پردہ ڈال دیتی ہے اور دھوکہ دے دیتی ہے۔

رہے اہلِ ایمان، تو اُن کے ہاں ایمان کی برکت سے اس طرح کے خوف کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی اور ان کی معنوی

قوت ٹوٹ پھوٹ کا شکار نہیں ہوتی، بلکہ یہ لوگ اس طرح کے حادثات کو اُس حقیقت کی نظر سے دیکھتے ہیں جو ایمان میں پائی جاتی ہے، اور ثابت قدمی، بلند ترین معنوی قوت اور اُس حقیقت کی نظر سے دیکھتے ہیں جو ایمان میں پائی جاتی ہے —جیسے کہ مذکورہ مثال میں اس معصوم بچے نے کیا— چنانچہ اِن لوگوں کو اس طرح کے واقعات میں حکمت والے صانع و کردگار کی طرف سے ایک تدبیر اور ادارت نظر آتی ہے جو حکمت کے دائرے میں کام کر رہی ہے، اور یہ اوہام و مخاوف سے آزاد رہتے ہیں اور یہ بات سمجھتے ہیں کہ اِس سیار کائنات کے مقدور میں یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے صانع الحکیم کے امر اور اذن کے بغیر حرکت کر جائے یا کسی کو نقصان پہنچا جائے۔

چنانچہ ان میں سے ہر ایک —اپنے درجے کے حساب سے— دنیاوی زندگی میں سعادت کا اور کمال طمانیت کا مظہر بن جاتا ہے۔

لیکن جس کے دل میں حقیقت کا بیج اور ایمان اور دین حق سے پھوٹنے والا نقطۂ استناد نہ ہو، اس کی معنوی قوت بہر صورت مضمحل ہو جائے گی، بالکل ایسے جیسے مذکورہ مثال میں رستم اور ہرقل کی بہادری مضمحل ہوگئی اور اُس کی جوانمردی پگھل کر رہ گئی، اس کی ہستی کے بندھن ٹوٹ جائیں گے اور وہ کائنات کے حادثات کا اسیر ہو کر رہ جائے گا، اور خوف سے سہا ہوا ہر ایک کے سامنے ہاتھ پھیلانے والا سائل بن جائے گا۔ اس حقیقت کو ہم بہت اختصار کے ساتھ بیان کر رہے ہیں؛ کیونکہ رسائلِ نور نے سینکڑوں قطعی دلیلوں کے ساتھ ایمان کی حقیقت میں پائے جانے والے راز کا اثبات کر دیا ہے اور گمراہی میں جو خوفناک قسم کی دنیاوی بدبختی پائی جاتی ہے اُسے پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

اب اس بات کا پتا نہیں چل پا رہا ہے کہ نوعِ بشر نے جب معنوی قوت، تسلّی اور ثابت قدمی کی ضرورت محسوس کر لی تھی تو پھر عصرِ حاضر میں اُنھوں نے اسلام سے اور اُن ایمانی حقائق سے دستکش ہونا گوارا کیونکر کر لیا جو اُن کے لیے ایک نقطۂ استناد کی حیثیت رکھتے ہیں اور اِس دور میں قوت، تسلی اور سعادت مندی کو بروئے کار لا سکتے ہیں! اور وہ ان حقائق کو چھوڑ کر گمراہی، لہو ولعب، بدمعاشی، بے حیائی اور اُس جھوٹی سیاست کا دامن کیونکر پکڑ رہے ہیں جو ان کی تمام تر معنوی قوتوں کا ستیاناس کر رہی ہے، ان کی تسلی کو تتر بتر کر رہی ہے اور اُن کے عزم وثبات کو متزلزل کر رہی ہے، اور اسلامی قومیت سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اسے —مغرب زدگی کے نام پر— زندگی کے رکن کی اور مرکز کی حیثیت دے کر اپنا رہے ہیں!!

اُن کا یہ کردار بشری مصلحت اور انسانی منفعت سے کتنا دور ہے!! یاد رکھو کہ اگر دنیا کی عمر کے کچھ دن اور ہیں تو عن قریب نوعِ انسان —اور ان میں مسلمان سرفہرست ہیں— بیدار ہو جائے گی، ہوش کے ناخن لے گی اور قرآن کے حقائق کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھام لے گی۔

☆ ☆ ☆



استاد نورسی کی پہلی جنگِ عظیم کے بعد استنبول میں اپنے بھتیجے عبدالرحمن کے ساتھ ایک یادگار تصویر

انہیں دنوں ''کوسووا'' میں ایک یونیورسٹی کی بنیاد رکھنے کا منصوبہ پیش ہوا، تب انہوں نے اتحادیوں سے اور سلطان ''رشاد'' سے کہا: ''اس طرح کی یونیورسٹی کی مشرقی اناطولیہ کو زیادہ ضرورت ہے؛ کیونکہ یہ علاقہ عالمِ اسلام کے لیے مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔'' تو اُنہوں نے آپ سے وہاں یہ یونیورسٹی کھولنے کا وعدہ کر لیا۔ لیکن اس کے فوراً بعد ہی جنگ بلقان چھڑ جانے کی وجہ سے ''کوسووا'' پر قبضہ ہو گیا۔ تب بدیع الزمان نے اس یونیورسٹی کے لیے مختص کی گئی رقم کے لیے درخواست دی — اور یہ رقم انیس ہزار سنہری لیرا تھی — تاکہ مشرقی علاقے میں یونیورسٹی کی بنیاد رکھی جا سکے، اور آپ کی درخواست قبول کر لی گئی۔

بدیع الزمان نے بارِ دِگر ''وان'' کا رُخ کیا اور ''وان'' کی جھیل کے کنارے ''اُدرَمیت'' میں یونیورسٹی کی بنیادی اینٹ رکھ دی — لیکن کیا کیا جائے؟ پہلی جنگِ عظیم چھڑ جانے کی وجہ سے منصوبہ دھرا کا دھرا رہ گیا — مُلا سعید اُسی سال سردی کے موسم میں اپنے طالب علموں کو یہ کہہ کر خبردار کیا کرتے تھے کہ: ''تیار رہو، ایک خوفناک حادثہ اور بہت بڑی مصیبت افق میں سر اُٹھا رہی ہے۔''

ایک رضا کار دستے کا قائد ہونے کی حیثیت سے بدیع الزمان نورسی کی امت اور وطن کے لیے لازوال قربانیاں

بدیع الزمان نے ''قفقاس'' کے محاذ پر جہاد کی ذمہ داریاں کچھ اس انداز سے نبھائیں کہ دستے کا کمانڈر اور محاذ کا کمانڈر جنرل ''انور پاشا'' عش عش کر اُٹھے پھر وہ محاذ پر روسی فوج کی پیش قدمی کی وجہ ''وان'' کی طرف واپس ہو گئے اور شہر خالی ہو گیا تو بدیع الزمان اپنے چند طلبہ کے ہمراہ مرتے دم تک شہر کا دفاع کرنے کا پختہ عزم لے کر ''وان'' کے قلعہ میں قلعہ بند ہو گئے۔ لیکن والی شہر ''جودت بک'' نے انہیں اصرار کے ساتھ کہا کہ پسپائی کی کاروائی کی ضمانت دینے کی خاطر ''وسطان'' نامی قصبہ کی طرف نکل جاؤ، چنانچہ یہ لوگ حکم برداری کے تحت پسپا ہو گئے۔

اس اثنا میں کہ جب شہر کا گورنر، علاقے کا ناظم، شہر کے باشندگان اور فوج کے سپاہی ''وان'' کا انخلا کر کے ''وسطان'' کے راستے میں ''بتلیس'' کے گرد و نواح کی طرف جا رہے تھے کہ اچانک رُوسی ''قازاق''[1] کے گھڑ سواروں نے ''وسطان'' پر زوردار حملہ کر دیا، مُلا سعید نے اپنے چند شاگردوں اور چالیس کے لگ بھگ پامرد بہادر فوجیوں کے ساتھ اس حملے کو روکا اور اس طرح انہوں نے تارکینِ وطن کو دشمنوں کے ہتھے چڑھنے سے بچا لیا اور انہیں ایک محفوظ راستہ مہیا کر دیا۔ دشمنوں کے حملے کو روکنے کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ وہ رات کے ٹائم اپنے طالب علموں کو لے کر اُن کے دلوں میں رعب پیدا کرنے کی غرض سے اس اُونچے ٹیلے پر چڑھ گئے جس کے نیچے ''قازاق'' کھڑے تھے، جس سے قازاقوں کو یہ وہم

[1] ''قازاق''، قازق کی جمع، روس کی ایک انتہائی تجربہ کار آخری درجے کی تربیت یافتہ اور منجھی ہوئی فوج، جو کہ روس امپائر کی عسکری قوت کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حقیقت رکھتی تھی۔

ہو گیا کہ کوئی بہت بڑی کمک آ پہنچی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی، یوں انہیں اپنی پڑ گئی اور ان کی پیش قدمی رُک گئی، اس طرح ''وسطان'' روس کے قبضہ میں آنے سے بچ گیا۔

ان معرکوں کے تلاطم میں آپ نے اپنے شاگردِ رشید مُلّا حبیب کی ہمراہی میں اپنی ''اِشاراتُ الاعجاز'' نامی مشہور تفسیر کا آغاز کیا، اس کی تالیف کا طریق کار یہ تھا کہ آپ کبھی گولیوں کی بوچھاڑ میں، کبھی گھوڑے کی زین پر، اور کبھی خندق میں ہوتے ہوئے اپنے شاگرد کو اِملا کرواتے جاتے تھے۔ اور اِس طرح کے سنگین حالات میں اس تفسیر کا ایک معتد بہ حصہ تالیف ہو گیا۔

اس یگانۂ روزگار تفسیر کے آغاز میں لکھے جانے والا ''اِفادۂ المرام'' چونکہ اس کے بارے میں بعض معلومات کی وضاحت کرتا ہے، اس لیے ہم اسے یہاں درج کر رہے ہیں۔[1]

---

[1] تنبیہ: تفسیر ''اشاراتُ الاعجاز'' پہلی جنگ عظیم کے پہلے سال میں محاذِ جنگ پر کسی مرجع اور مصدر کے بغیر لکھی گئی۔ جنگ کے شدید ترین حالات اور ان کے نتائج میں جنم لینے والی محرومیوں کا تقاضا یہ تھا کہ یہ تفسیر متعدد اسباب کے پیشِ نظر انتہائی ایجاز واختصار کے ساتھ لکھی جائے، یہی وجہ ہے کہ سورۂ الفاتحہ اور تفسیر کا ابتدائی حصہ کچھ زیادہ ہی اجمال واختصار کا حامل رہا۔

اوّلاً: وہ وقت کچھ اس طرح کا تھا کہ اس میں تفصیل میں جانے کی گنجائش ہی نہیں تھی، اور ''قدیم سعید'' اپنا مطلب ومقصد بالکل چھوٹی چھوٹی عبارتوں میں اور چھوٹے چھوٹے جملوں میں ادا کیا کرتا تھا۔

ثانیاً: اس وجہ سے بھی کہ ''قدیم سعید'' عام لوگوں کے بجائے اپنے ہونہار شاگردوں کے فہم وذکا کے درجے کا زیادہ خیال رکھتے تھے۔

ثالثاً: وہ چونکہ نظمِ قرآن میں پائے جانے والے دقیق ترین اور بلند ترین معجزانہ ایجاز کو بیان کرتے تھے، اس لیے ان کی عبارت بھی دقیق اور مختصر ہوتی تھی۔ البتہ ایک دن میں نے ''جدید سعید'' کی نظر سے اس کا مطالعہ کیا تو میں نے پایا کہ اس میں پائی جانے والی علمی تدقیقات وتحقیقات واقعتاً ''قدیم سعید'' کا — اُن کی خطاؤں کے باوجود — بہترین تحفہ ہے۔

''قدیم سعید'' چونکہ اس تفسیر کو اِملا کرواتے وقت ہمیشہ شہادت کے لیے تیار رہتا تھا، اِس لیے اُس نے یہ کتاب خالص نیت کے ساتھ بلاغت کے قوانین اور علومِ عربیہ کے دساتیر کے مطابق لکھی تھی، اس بنا پر میں اس میں کسی بھی جگہ پر تنقید نہیں کر سکتا۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تالیف کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دے گا اور اس تفسیر کے لیے ایسے آدمی پیدا کر دے گا جو اسے کماحقہ سمجھ سکیں گے۔ ان شاء اللہ۔

اگر جنگِ عظیم جیسی کچھ رُکاوٹیں سامنے نہ آتیں تو یہ نیت پکی تھی کہ یہ جز قرآن کے ''نظمی اعجاز'' کو بیان کرنے کے لیے خاص رہے، اور بقیہ تمام اجزاء میں اعجاز کے دیگر پہلو بیان کے کفیل ہوتے۔ چنانچہ اگر بقیہ اجزا میں رسائل نور میں بکھرے ہوئے حقائق کو یکجا کر دیا جائے تو قرآنِ معجز بیان کی ایک جامع اور منفرد قسم کی تفسیر مرتب ہو جائے۔

ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ کسی علمی بورڈ کو یا اس طرح کی کسی کمیٹی کو توفیق دے دے اور وہ تفسیر کے اس جز کو ''کلمات یا مقالات''، ''لمعات'' اور ''مکتوبات'' کے ساتھ ملا کر ایک مصدر ومرجع بنالے اور مستقبل میں اس کی روشنی میں قرآن کی تفسیر لکھ دے، ان شاء اللہ — سعید نورسی —

استنبول کے دارُ الفتویٰ کے ناظم ''علی رضا آفندی'' اس تفسیر کا بہت زیادہ مطالعہ کیا کرتے تھے، اور اپنے ساتھ میل جول رکھنے والے دوستوں بھائیوں سے کہا کرتے تھے: ''یہ تفسیر ایک ہزار تفسیر کی قیمت رکھتی ہے اور اس میں ایک ہزار تفسیر کی قُوت ہے۔'' علمائے مشرق اور عراق وشام کے کبار علما نے اس تفسیر کی بہت تعریف کی ہے۔ بعض علما نے اس تفسیر کے بارے میں کہا ہے: یہ ایک انوکھی اور بے مثل تفسیر ہے''۔

اِفادۃُ المرام

قرآن چونکہ انواع واقسام کے علوم کا جامع اور ہر دور میں نوعِ بشر کے تمام طبقوں کے لیے ایک عظیم الشان خُطبہ کی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے اس کی کوئی شایان شان تفسیر کسی ایسے آدمی کے ذہن سے بروئے کار نہیں آسکتی جو اپنے مسلک ومشرب کے لیے تعصب رکھتا ہو؛ کیونکہ اس کی سمجھ سوچ تو اُس کی اپنی ہے، وہ دوسرے کسی کو اپنی طرف دعوت نہیں دے سکتا الّا یہ کہ جمہور اس کی سوچ سمجھ کو قبول کر لیں اور اِس طرح وہ دوسروں تک بھی پہنچ جائے۔ اور اس کا استنباط — ذاتی خواہش کے ساتھ نہیں — صرف اُسی کے لیے قابلِ عمل ہے، کسی دوسرے کے لیے حجت نہیں بن سکتا، الّا یہ کہ کسی طرح کا کوئی اجماع اس کی تصدیق کردے۔

جس طرح احکام میں نظم وضبط اور ترتیب پیدا کرنے کے لیے، اور اجماع کو نظر انداز کرنے اور حرّیت فکر کو اپنانے کی وجہ سے جو انارکی پھیل گئی ہے، اسے دور کرنے کے لیے ایسے محقق علما کی ایک بہت بڑی انجمن کا ہونا ضروری ہے جو عام لوگوں کے امن وامان اور جمہور کے اعتماد کا مظہر بن کر اُمّت کی ضمانتی کفالت کی ذمہ داری اُٹھالے، اور اس طرح وہ اُس اجماع کی حجیت کا راز بن جائے جس کی تصدیق اور مہر کے بغیر اجتہاد کا نتیجہ شریعت اور دستور نہ بن سکے؛ اِسی طرح قرآن کے معانی منکشف کرنے کے لیے، اور تفاسیر میں اِدھر اُدھر متفرق پڑے تمام محاسن کو جمع کرنے کے لیے، اور جدید سائنسی علوم وفنون کا انکشاف کرکے اور عصرِ حاضر کو کھنگال کر اس کے جگمگاتے حقائق کا اثبات کرنے کے لیے بھی مختلف علوم وفنون کے ماہر متخصص علما کی ایک معیاری قسم کی انجمن کا ہونا بھی بہت ضروری ہے، اس انجمن کے اعضا وارا کین دقیق نظری کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ تفسیری اندازِ فکر میں بھی وسیع نظری کے حامل ہوں۔

نتیجۃُ المرام: یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر کرنے والا انتہائی قسم کا عالی دماغ، ذہین وروشن ضمیر، بیدار مغز، عالی ہمت، چوکنّا، حقیقت کی تہ تک پہنچ جانے والا، اجتہاد کا مالک اور ولیٔ کامل ہونا چاہیے؛ اور ایسا شخص اِس دور میں اس انجمن یا بورڈ کے درمیان وہ معنوی شخص ہی ہوسکتا ہے جو قلوب وارواح کے ملاپ اور باہمی تساند سے، اور افکار کے تسلسل، تلاحق اور تعاون سے، اور دلوں کی باہمی امداد، اخلاص اور مضبوطی سے جنم لے کر ظہور میں آئے، یقیناً اسی طرح کا معنوی شخص قرآن کی تفسیر کرسکتا ہے۔

اگر ''لِلْکُلِّ حُکْمٌ لَیْسَ لِکُلٍّ''، یعنی جو حکم سب کے لیے مجموعی صورت میں ہوتا ہے وہ ہر ایک کے لیے انفرادی صورت میں نہیں ہوتا، میں پائے جانے والے راز کو سامنے رکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ اجتہاد کے آثار، ولایت کا خاصہ اور اس چمک دمک جیسی چیزیں بسا اوقات کسی ایسی جماعت میں نظر آجاتی ہیں کہ جس کے افراد علیحدہ علیحدہ صورت میں اس سے خالی ہوتے ہیں۔

پھراس دوران کہ جب میں بھی اسی طرح کے ایک گروہ کے ظہور کا منتظر تھا۔ اوراس کی طرف متوجہ ہو چکا تھا، اور یہ ایک مدّت سے میرے خیالات کی انتہا تھی؛ ایک دن اچانک میرے دل میں احساس قبل الوقوع کی طرح کا ایک خیال کوندا کہ ایک بہت بڑا زلزلہ آنے والا ہے۔[1]

چنانچہ میں نے اپنی عاجزی، کم مائیگی، بے بضاعتی اور اٹک اٹک کر گفتگو کرنے کے باوجود اکیلے ہی قرآن کے نظم اور اس کے بعض حقائق میں پائے جانے والے اعجاز کے بارے میں وارد ہونے والے اشارات کو مَالاَ يُدْرَكُ كُلُّهُ لاَ يُتْرَكُ كُلُّهُ کے قاعدے کے تحت قلم بند کرنا شروع کر دیا۔ مجھے تفاسیر کی طرف رجوع کرنے کا موقع نہیں مل سکا، اس لیے مجھ پر وارد ہونے والے یہ اشارات کو اگر تفاسیر کے مطابق ہوں تو فبِھا و نِعِمَتْ، اور اگر ایسا نہ ہوا تو اس کا گناہ میری گردن پر۔

اور پھر وہ واقعۂ کُبریٰ رونما ہو گیا۔ چنانچہ جہاد کا فریضہ ادا کرنے کے دوران جنگ کے مورچوں میں مجھے جب بھی فرصت ملتی ان وادیوں اور پہاڑوں کے درمیان حالات کے اختلاف کے باوجود متفاوت عبارتوں میں مجھ پر جو کچھ وارد ہوا میں نے اُسے الفاظ وعبارات میں قید کر لیا۔ اور باوجود اس کے کہ جو کچھ لکھا تصحیح واصلاح کا محتاج تھا، میرا دل اس میں کسی قسم کے تغییر وتبدیل کے لیے راضی نہیں ہوتا تھا؛ کیونکہ وہ سب کچھ ایسی خلوصِ نیّت کی حالت میں رونما ہوا تھا جواب موجود نہیں ہے۔ چنانچہ اب میں اسے اہلِ کمال کی نظر کرتا ہوں، اس لیے کہ اگر یہ تفاسیر کے ساتھ میل کھا جائے اور اگر اسے قبول عام حاصل ہو جائے تو یہ تفسیر کے بعض پہلوؤں کے لیے ایک قسم کے مأخذ کا کام دے سکے گی۔

لَقَدْ سَاقَنِىْ شَوْقِىْ اِلٰى مَا هُوَ فَوْقَ طَوْقِىْ
فَاِنِ اسْتَحْسَنُوْهُ شَجَّعُوْنِىْ عَلَى الدَّوَامِ

وَمِنَ اللّٰهِ التَّوْفِيْقُ

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

ان معرکوں میں تفسیر ''اشاراتُ الاعجاز'' کا کاتب ''مُلّا حبیب'' شہید ہو گیا جو کہ استاد کے بیس ہونہار طالب علموں کے برابر شمار ہوتا تھا۔ اُس کی شہادت ایران کے محاذ کے کمانڈر ''خلیل پاشا'' کے ساتھ ''وسطان'' میں ایک جاسوسی کی مہم ادا کرتے ہوئے ہوئی۔

[1] جی ہاں، انہوں نے ''وان'' میں ہمارے ''خورخور'' نامی مدرسے میں ایک درس کے دوران ہمیں ایک بہت بڑے زلزلے کے متعلق خبر دی تھی جو آیا ہی چاہتا تھا۔ اور پھر اُسی طرح ہوا جیسے آپ نے خبر دی تھی؛ کیونکہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد جنگِ عظیم چھڑ گئی تھی۔
(حمزہ، محمد شفیق، محمد مہری)

یہ وہ وقت تھا جب اَرمن فدائی کئی علاقوں میں مسلمانوں کے بچوں کو ذبح کر رہے تھے، اور اس کے ردّعمل میں بسا اوقات اَرمن بچے بھی قتل ہو رہے تھے۔ ایک دفعہ یہ ہوا کہ مُلّا سعید کے زیرِ امارت ایک علاقے میں ہزاروں اَرمن بچے اکٹھے کر کے لائے گئے، تو آپ نے اپنے سپاہیوں کو یہ کہتے ہوئے حکم دیا کہ: ''ان بچوں کو کچھ نہ کہنا۔'' اور پھر اُنہیں آزاد کر دیا، اور وہ بچے روسی مورچوں کے پیچھے سے ہو کر اپنے گھروں کو چلے گئے۔ ان کے اس رویے کا اَرمنوں پر بہت گہرا اثر ہوا اور وہ مسلمانوں کے اخلاق سے بہت متاثر ہوئے۔ پھر روس نے جب ان علاقوں پر قبضہ کر لیا تو فدائی دستوں کے قائدین نے مسلمانوں کے بچوں کو قتل کرنے سے گریز کیا اور یہ کہتے ہوئے آپس میں عہد معاہدہ کیا کہ:

مُلّا سعید نے ہمارے بچے قتل نہیں کیے اور انہیں ہمارے حوالے کر دیا تھا، اس لیے آج کے بعد ہم بھی مسلمانوں کے بچوں کو قتل نہیں کریں گے۔ اپنے اس کردار کے ساتھ مُلّا سعید نے ان علاقوں میں ہزاروں بے قصور لوگوں کو ہلاکت سے بچا لیا۔

اور پھر کچھ مدت کے بعد جب روس نے ''وان'' اور ''موش'' کے شہروں پر قبضہ کر لیا اور تین ڈویژنوں کے ساتھ ''بتلیس'' کی طرف پیش قدمی شروع کر دی، تو وہاں کے گورنر ''ممدوح بک'' اور کمانڈر ''گل علی'' نے بدیع الزمان سے کہا: ہم پسپا ہونے پر مجبور ہیں؛ کیونکہ ہمارے پاس اس وقت آپ کے ان تقریباً دو ہزار رضا کاروں کے علاوہ صرف ایک ہی دستہ رہ گیا ہے؟ تو بدیع الزمان نے ان دونوں سے کہا: اگر ہم نے یہ کام کر لیا تو ''بتلیس'' وہاں کے باسیوں اور پناہ گزینوں سمیت اُن کے قبضے میں چلا جائے گا...... ہمارے پاس آخری سانس تک مقابلہ کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔

ان دونوں نے کہا: ''موش'' پر روسی قبضہ ہونے کے بعد جو سپاہی وہاں رہ گئے ہیں وہ وہاں سے تیس عدد توپیں سمگل کر کے ہمیں بھیجنے کی کوشش کریں گے، آپ اگر اپنے ان رضا کاروں کے ساتھ وہ توپیں وہاں سے بحفاظت نکال کر لا سکتے ہیں تو ہم اُن کے ذریعے کچھ دنوں تک مقابلہ کر سکیں گے...... اور اس طرح شہر کے باسیوں کی جان بچ جائے گی۔

تو بدیع الزمان نے کہا: یہی بات ہے تو میں توپیں لے کر ہی آؤں گا، ورنہ اپنی جان دے دوں گا۔

تب آپ نے اپنے تین سو رضا کار لیے اور رات کے اندھیرے میں ''نورشین'' کی طرف بڑھے جہاں توپیں لائی جانے والی تھیں، اُدھر صورتِ حال یہ تھی کہ ان توپوں کی حفاظت پر مامور روسی ''قازاق'' دستے کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے ایک خبر مل چکی تھی جس کا حاصل یہ تھا کہ رضا کاروں کا وہ قائد جس نے ''بتلیس'' کا دفاع کیا ہے، آ رہا ہے اور وہ اپنے ساتھ تین ہزار رضا کاروں کو لے کر توپیں لے جانے کے لیے آ رہا ہے، اور اس کارروائی میں وہاں پہاڑوں میں مرکز بنا کر بیٹھا ہوا مرکزی قائد ''موسیٰ بک'' اپنے ایک ہزار آدمیوں سمیت اس کے ہمراہ ہے۔ اس خبر میں اگرچہ مبالغہ تھا لیکن اس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور ''قازاق'' کے قائد پر خوف طاری ہو گیا اور وہ آگے نہ بڑھ سکے۔

بدیع الزمان نے توپیں چھڑوانے کے لیے اپنے ساتھیوں کو توپوں پر تقسیم کر دیا، اور وہ اس طرح کہ انہیں چند ٹکڑیوں میں بانٹ دیا اور ہر ٹکڑی کو کوئی توپ چھڑانے کی ذمہ داری دے دی اور یوں آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے آخری توپ تک کو بھی چھڑا لیا۔ اور اس طرح ان توپوں کو ''بتلیس'' منتقل کرنے میں کامیاب ہو گئے، ان توپوں کے ساتھ رضا کاروں اور دشمن فوجیوں کے درمیان چند دنوں تک جھڑپیں ہوتی رہیں، اور بالآخر وہاں کے باسی اپنے ساز و سامان سمیت وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

اس جنگ میں بدیع الزمان جان بچانے کے لیے خندقوں کا سہارا نہیں لیتے تھے بلکہ اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے اور ان کا خون گرمانے کے لیے محاذ جنگ کی فرنٹ لائن پر ادھر ادھر چلتے پھرتے رہتے تھے۔ البتہ ایک دفعہ وہ اپنے گھوڑے کی زین پر بیٹھے اگلے مورچوں کی فرنٹ لائنوں میں دائیں بائیں آ جا رہے تھے کہ اچانک اُن کے دل میں ایک ایسی بات آئی جس نے اُن پر گہرا اثر چھوڑا، اس بات کا ماحصل یہ ہے کہ: ''میں اگر ابھی اِسی حالت میں شہید ہو جاؤں، یعنی اُس وقت جب میں اگلے مورچوں میں واضح طور پر سرِ عام پھر رہا ہوں؛ تو اُس وقت اس بات سے بچ کر رہنا کہ میرے انداز و کردار میں نمایاں ہونے کا شوق انگڑائیاں لے رہا ہو جو میرے اس اِخلاص کا ستیاناس کر دے جو شہادت کے مرتبے کی بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔'' تب انہوں نے اپنے گھوڑے کی لگام کھینچی اور فوراً خندق کی طرف لوٹ آئے اور اپنے بھائیوں کے ساتھ مل گئے۔[1]

ایک دفعہ وہ محاذ پر گھوم پھر رہے تھے کہ اچانک انہیں تین گولیاں لگیں، لیکن آپ پسپا نہ ہوئے اور جان بچانے کے لیے خندقوں میں داخل نہ ہوئے، تا کہ ان کے کردار سے رضا کاروں کے حوصلے پست نہ ہوں، حتی کہ گورنر ''ممدوح بک''

---

[1] اس مقام پر یہ کہنا ممکن ہے کہ عین اس لمحے میں جب گھمسان کا رَن پڑا ہوا تھا اور وہ اس لمحے میں موت و حیات کی کشمکش میں تھے، ایسے لمحے میں ان کی سوچ فکر کا رخ اخلاص کی طرف مُڑ جانا، انسانی کمالات کی مثالوں میں سے ایک نادر مثال ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ میدانِ کارزار میں اور دشمنوں کے سامنے اور توپوں کی گولہ باری کے درمیان ہوتے ہوئے ان کا کمال کے اخلاص جیسے بلند ترین اور صاف شفاف ترین مرتبے کا شدت سے خیال رکھنا، اور ان کا ایمانی شجاعت اور اسلامی شہامت رکھنے والے قائد کی ذمہ داریوں کو نبھاتے وقت اپنی روح اور اپنی نیت میں اخلاص کو حاضر رکھنے کی حرص رکھنا ان کے جہاد کی بلندی، قربانی اور قابلِ قدر دینی خدمات پر دلالت کرتا ہے، اور اِس سے بڑھ کر یہ اُن کی روح کے کمال پر دلالت کرتا ہے۔

اس سے پتا چلا کہ ''بدیع الزمان''، ''صاحب الزمان''، ''فخر الدوران'' اور ''فطین العصر'' جیسے مدح و ثنا کے اوصاف جو مسلمانوں کے درمیان ملا سعید کی پہچان بن گئے تھے اور اُن کی زندگی جن کی گواہ تھی، کوئی غیر حقیقی اوصاف یا منہ زبانی کہے جانے والے کلمات ہی نہیں تھے؛ کیونکہ وہ عظیم الشان قرآنی اور ایمانی خدمت جس کی ذمہ داری رسائل نور نے اور اس مقدس معنوی شخصیت نے اپنے کندھوں پر اٹھائی ہے جو آپ کے لاکھوں ایثار پیشہ اور دینی حمیت میں عزت محسوس کرنے والے طلبہ نے تشکیل دی ہے؛ اس بات کی شاہد صادق اور قطعی دلیل ہے۔

اور کمانڈر ''گل علی'' نے انہیں پیغام بھیجا؛ کیونکہ وہ اُن کے بارے میں بڑے فکر مند ہو گئے تھے۔ انہوں نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ پیچھے لوٹ آؤ، تو انہوں نے اُن کا پیغام یہ کہہ کر رد کر دیا کہ '' مجھے ان کافروں کی گولیاں قتل نہیں کر سکیں گے۔'' حقیقت یہ ہے کہ اُن میں سے تین گولیاں جان لیوا تھیں، چنانچہ ان میں سے ایک گولی تو آپ کے خنجر کو لگی، ایک تمبا کو کا ڈبہ چیرتی ہوئی نکل گئی، ایک سگریٹ کے پائپ کو لگی اور ایک ان کے کندھے سے رگڑ کر آگے جا گری۔ اور وہ بالکل محفوظ رہے۔

وہاں کے باشندے، گورنر اور کمانڈر ''گل علی'' جب راتوں رات ''بتلیس'' سے نکل گئے، اور فوج اور رضا کار دستے پسپا ہو گئے، تو مُلا سعید اور ان کے چند جان نثار طالب علم وہیں رہ گئے، وہ شہر کو چھوڑ کر جانے کی بجائے اس کی پہرے داری کرتے رہے۔ ان لوگوں کا عزم یہ تھا کہ شہر میں رہ جانے والے کمزور و ناتواں لوگوں کے دفاع میں جان بھی قربان کرنی پڑی تو کر دیں گے۔ پھر صبح کے وقت اُن کی مٹھ بھیڑ دشمنوں کی ایک ٹکڑی سے ہو گئی جس کے نتیجے میں ان کے کافی ساتھی شہید ہو گئے، اور اسی معرکے میں ان کا جاں نثار شاگرد اور بھانجا ''عُبید'' بھی اُن کی حفاظت کرتا ہوا شہید ہو گیا، پھر وہ خود اور ان کے باقی ماندہ شاگرد دشمنوں کی تین صفوں کو چیرتے ہوئے نکلنے لگے، لیکن صرف استاد اور ان کے تین شاگرد بچ کر نکلنے میں کامیاب ہوئے، اور وہ ایک حیران کن طریقے سے پانی کی ندی پر بچھائے گئے ایک پُل کے نیچے چھپے رہے، اُن کی بندوقیں اُن کے ہاتھوں میں تھیں۔ آپ کا ہر اعضا زخمی تھا اور پاؤں میں موچ آئی ہوئی تھی، اِسی حالت میں وہ لوگ تینتیس گھنٹے پُل کے نیچے پانی اور کیچڑ میں چُھپے رہے، ان مشکل ترین حالات میں بھی جبکہ دشمن کی قیام گاہ ان کے عین سروں کے اوپر تھی، اور ان میں فوج کے سپاہی اور آفیسر بھی تھے، ایسی حالت میں وہ وہاں کے باسیوں کے بچ کر نکل جانے والوں کی خوشی میں بالکل مطمئن دل کے ساتھ اپنے ساتھیوں کے دلوں میں تسلی کی روح پھونک رہے تھے، چنانچہ وہ کہتے تھے: ہمارا سامنا جب کچھ زیادہ دشمنوں کے ساتھ ہو گا تب ہم اپنا اسلحہ استعمال کریں گے، ہم اپنی قیمتی جانیں سستے میں ہرگز نہیں گنوائیں گے اور اُن میں سے صرف ایک دُو عُنصر پر گولی نہیں چلائیں گے۔

عنایتِ الٰہیہ کا لطف و کرم دیکھو کہ یہ لوگ رُوسی فوجیوں کو دیکھ رہے تھے، جبکہ روسی فوجی انہیں تینتیس گھنٹے تک تلاش کرتے رہے لیکن ڈھونڈ نہ سکے۔ اور بالآخر بدیع الزمان نے اپنے شاگردوں سے کہا: آپ لوگ جا سکتے ہیں، میں نے تمہیں اپنا حق معاف کر دیا، مجھے چھوڑ دو اور اپنی جانیں بچانے کی کوشش کرو؛ لیکن ان جاں نثار سورماؤں نے آپ سے کہا: ہم آپ کو کسی صورت نہیں چھوڑ سکتے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم آپ کو اس حالت میں چھوڑ کر جائیں! ہم اگر شہید ہی ہوں گے تو آپ کی خدمت اور ملازمت کرتے ہوئے شہید ہوں گے۔

اس کے بعد روسی اُنہیں قید کر کے ''وان''، ''جَلفا''[1]۔

---

[1] ارمینیا کی آخری جنوبی کنارے پر واقع ایک شہر، اس کی حدود ایران سے ملتی ہیں۔

''تفلیس'' اور پھر ''کلوگریف''[1] سے گزرتے ہوئے ''کوسترما''[2] لے گئے۔

اَرمن فدائی تحمّل و برداشت اور سخت جانی میں بڑے مشہور تھے، اُن کے بارے میں تو یہ تک بتایا جاتا ہے کہ ''انہیں اگر کوئلوں پر بھی اُلٹا کر کے لٹا دیا جائے اور ان کی آنکھیں اُبل کر باہر آ جائیں، تو بھی راز افشا نہیں کرتے'' لیکن اس کے باوجود روسی کہتے تھے: ''بدیع الزمان کے فدائی تحمّل و برداشت سخت جانی میں اَرمنوں سے بازی لے گئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ ہمارے ''قازاق'' سپاہیوں کو کچلنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔''

بدیع الزمان کو قیدیوں کی چھاؤنی میں لے جایا گیا، وہاں ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے، اور وہ یہ ہے کہ رُوسی کمانڈر انچیف ایک دن قیدیوں کی پرسشِ احوال کے لیے چھاؤنی میں گیا، بدیع الزمان نے اسے آداب نہ کہا اور اس کے احترام میں اپنی جگہ سے نہ اٹھے۔ کمانڈر اس حرکت سے پیچ و تاب کھا کر رہ گیا، پھر وہ دوبارہ آیا اور اُن کے آگے سے دوبارہ گزرا، اُس کا خیال تھا کہ اِس نے مجھے پہچانا نہیں، لیکن بدیع الزمان جب پھر بھی نہ اُٹھے تو اُس نے مترجم کے ذریعے ان سے کہا: تم جانتے نہیں کہ میں کون ہوں؟

بدیع الزمان: کیوں نہیں، میں اسے جانتا ہوں، یہ ''نِکولا نِکولاوِچ'' ہے۔

کمانڈر: اِس نے اپنے اس عمل سے روسی فوج کی توہین کی ہے، اور رُوسی فوج کی توہین کر کے یہ زارِ روس کی توہین کر رہا ہے۔

بدیع الزمان: کوئی توہین نہیں کی میں نے، میں ایک مسلمان عالم ہوں، اور جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اُس کا مرتبہ اللہ کو نہ جاننے اور نہ ماننے والے سے کہیں بڑا ہے؛ اس لیے میں آپ کے احترام میں کھڑا نہیں ہوا۔

اس جرم کی پاداش میں بدیع الزمان کو فوجی عدالت کے سپرد کر دیا گیا، آپ کے بعض آفیسر ساتھیوں نے آپ سے درخواست کی کہ کسی بہت بڑے انجام سے بچنے کے لیے فوراً کوئی عُذر پیش کر دیں۔ لیکن آپ نے کسی بھی چیز کی پروا نہ کرتے ہوئے بڑی دلیری سے جواب دیا:

ان لوگوں کا میرے حق میں پھانسی یا موت کا فیصلہ صادر کرنا میرے لیے ابدی دنیا کی طرف سفر کرنے کے لیے پاسپورٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔

بالآخر آپ کے خلاف موت کا فیصلہ صادر ہو گیا۔ سزا پر عملدرآمدگی کا وقت ہوا تو آپ نے نماز کی اجازت مانگی، اور

---

[1] رُوس کے قلب میں ماسکو کے شمال مشرق میں واقع ایک شہر۔ یہ ماسکو سے تقریباً سات سو کلومیٹر دور ہے۔

[2] روس کے قلب میں ماسکو کے شمال مشرق میں واقع ایک شہر، یہ شہر ماسکو سے تقریباً ساڑھے تین سو کلومیٹر دور ہے۔

ان سے کہا: نماز پڑھنے کے بعد میں اپنا سینہ ننگا کر کے تمہارے سامنے کھڑا ہو جاؤں گا تا کہ تم گولی مار سکو۔ نماز ختم ہونے سے پہلے روسی کمانڈر اُن کی طرف بڑھا اور نماز ختم ہونے کے بعد اُن سے معذرت خواہانہ لہجے میں کہنے لگا: مجھے اس بات کا احساس ہو گیا ہے کہ آپ نے جو کچھ کیا ہے اپنے عقیدے کو مضبوط تھامنے کی وجہ سے کیا ہے، میں آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔ اِس کے بعد اُس نے ان کی سزائے موت معاف کر دی۔

☆ ☆ ☆

بدیع الزمان روس میں تقریباً اڑھائی سال قید میں رہے، لیکن اسلام کا یہ فدائی جس نے اپنی زندگی قرآن اور اسلام کی طرف دعوت دینے کے لیے اور سنتِ خیرُ الانام کو زندہ کرنے کے لیے وقف کر رکھی تھی، وہاں ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھا رہا، بلکہ اپنے ماحول کو روشن کرنے کے لیے اور وہاں کے لوگوں کی رہنمائی کرنے کے لیے سرگرم عمل رہا، چنانچہ وہ اپنے ساتھ قید ہونے والے قیدی افسروں میں درس دیتا رہا۔ ایک مرتبہ وہ اپنے نوے عدد آفیسر ساتھیوں کو درس دے رہے تھے کہ اچانک ایک روسی کمانڈر آ گیا اور اُس نے اُنہیں درس دینے سے روک دیا، اور دلیل یہ دی کہ وہ سیاسی موضوع میں درس دے رہے ہے۔ لیکن جب اُسے پتا چلا کہ اس آدمی کی تمام تر سرگرمیاں دینی، علمی اور معاشرتی ہیں، تو اُنہیں اُن کی حالت پر چھوڑ دیا۔

بالآخر بدیع الزمان اس قید سے چھوٹ گئے، کیونکہ وہ وہاں سے فرار ہو کر ''پطرس برگ'' اور ''وارشو'' کے راستے ہوتے ہوئے ''ویانا'' کو عبور کرتے ہوئے 1334 رومی میں صحیح سالم استنبول پہنچ گئے۔[1]

ذیل میں بدیع الزمان اپنی ایک کتاب میں اپنی قید کی زندگی کے بارے میں بتاتے ہیں۔ یاد رہے کہ بدیع الزمان جنگِ عظیم اوّل میں رضا کاروں کے ایک دستے کے کمانڈر تھے۔[2]

لوگ آپ کے استنبول میں آنے پر بہت خوش ہوئے اور آپ کے دیدار سے اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں، اور آپ کو پوچھے بتائے بغیر ہی ''دائرة المشيخة الاسلامية'' کے دار الحکمۃ الاسلامیہ کا رکن بنا دیا گیا۔ ''دارُ الحکمت''

---

[1] بمطابق 1336ھ-1918ء

[2] اس قید و بند پر کافی عرصہ گزرنے کے بعد استاد کو ایک قیدی کی صورت میں ''بارلا'' منتقل کر دیا گیا، وہاں انہوں نے اپنی سابقہ زندگی کے تجربات تحریر کیے جو کہ ''چھبیسویں لمعے'' کی ''تیرھویں اُمید'' میں درج ہیں۔ تفصیل سے پڑھنے کے لیے اس کتاب کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

اُن دنوں ایک اسلامی اکیڈمی کی حیثیت رکھتی تھی جس میں ''محمد عاکف''[1]، ''اسماعیل حقی ازمیری''[2] اور ''احمدی المایلی''[3] جیسے گنے چنے سرکردہ علما اپنی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔

آپ کے بھتیجے اور معنوی بیٹے ''عبدالرحمان'' جو کہ آپ کے ایک ذہین فطین، سرگرم، گرم جوش اور بہادر شاگرد تھے، آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

چچا جان جب 1334 رومی میں قید سے رہائی پا کر آئے تو اُنہیں اُن سے پوچھے بغیر اور اُن کی مرضی معلوم کیے بغیر ''دارُ الحکمۃ الاسلامیۃ'' میں رکن کی حیثیت سے تعینات کر دیا گیا، لیکن قید و بند کی مصیبتوں سے گھائل ہو جانے کی وجہ سے وہ اس وظیفے کو جاری نہ رکھ سکے، چنانچہ ایک عرصے کے لیے انہیں ان کی ذمہ داری سے علیحدہ رکھا گیا، اور باوجود اس کے کہ وہ استعفا دے کر مستقل طور پر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جانا چاہتے تھے اور بہت دفعہ ایسا کیا بھی، لیکن اُن کے سنگیوں ساتھیوں نے اُن کی پیش نہ جانے دی اور انہیں استعفا نہ دینے دیا، اس بنا پر وہ اپنی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ میں ان کے حالات کا جائزہ لیتا رہتا تھا، وہ اپنی ذات پر ضرورت سے زیادہ خرچ نہیں کرتے تھے۔ آپ سے اکثر پوچھا جاتا تھا کہ: آپ اس حد تک کفایت شعاری سے کام کیوں لیتے ہیں؟ تو وہ جواب دیا کرتے تھے: میں چاہتا ہوں کہ زندگی اسی طرح بسر کروں جس طرح اس قوم کی اکثریت کرتی ہے، قوم کی اکثریت اپنی معیشت کے اُمور کی

---

[1] محمد عاکف ارصوی، مشہور ترکی کاتب اور شاعر، 1878م ایک البانی الاصل خاندان میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں قرآن کریم حفظ کر کے ابتدائی دینی علوم پڑھے، اس کے بعد ویٹرنری میڈیسن میں ڈگری حاصل کی، صراطِ مستقیم کے نام پر ایک ماہنامہ جاری کیا جو بعد میں ''سبیل الرشاد'' کے نام پر جانا گیا۔ اس میں انہوں نے ایسے بہت سے مقالات و اشعار نشر کیے جو ترکوں کی اسلامی روایات کے ساتھ وابستگی کے لیے پُرفخر تائید مہیا کرتے تھے۔ انہوں نے ترکی زبان میں قرآن کریم کی تفسیر شروع کی جو مکمل نہ ہو سکی۔ ہجرت کر کے مصر چلے گئے اور وہاں گیارہ سال مقیم رہے پھر استنبول لوٹ آئے اور وہاں 1936م میں فوت ہو گئے۔ ترکی قومی ترانہ لکھنے کی وجہ سے ''شاعر الاستقلال'' کے لقب سے معروف ہوئے۔ علامہ اقبال کے ہمعصر تھے، ہم انہیں ترکی کا اقبال کہہ سکتے ہیں۔

[2] ایک تُرکی عالم، فکر و فلسفہ ان کا موضوع تھا، ''ازمیر'' میں 1869م میں پیدا ہوئے۔ چھوٹی عمر میں ہی قرآن کریم حفظ کر لیا اور ادب و فلسفہ اور دینی علوم میں دسترس حاصل کی استنبول یونیورسٹی میں شعبۂ الٰہیات (دینیات) کے صدر تھے۔ کئی کتابیں یادگار چھوڑیں، جن میں ''معانی القرآن''، ''تاریخ الفلسفۃ الاسلامیہ''، ''علم الکلام الجدید''، ''المنطق التطبیقی'' اور ''حکمۃ التشریع'' بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ 1946م میں انقرہ میں فوت ہوئے۔

[3] یہ ''محمد حمدی یازار'' کے نام سے معروف ہیں۔ 1878م میں ترکی کے جنوبی مغربی ''انطالیہ'' میں پیدا ہوئے، ان کی پرورش علم و ادب کے گھر میں ہوئی، چھوٹی عمر میں ہی قرآن کریم حفظ کر لیا اور اپنے دور کے مستند علما سے دینی علوم حاصل کیے۔ اپنی مادری زبان ترکی کے علاوہ عربی فارسی اور فرانسیسی میں مہارت حاصل کی۔ اُن کے قلم سے کافی کتابیں نکلیں جن میں سے ترکی زبان میں ''تفسیر قرآن'' سب سے زیادہ مشہور ہے جو کہ نو جلدوں میں ہے۔ 1942م میں استنبول میں فوت ہوئے۔

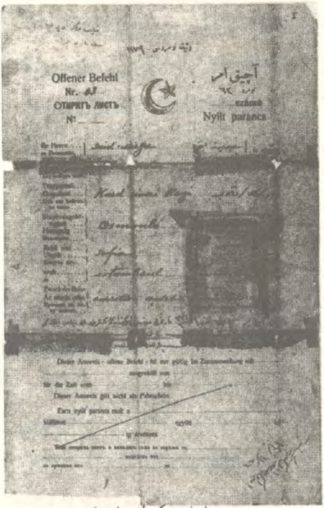
منصوبہ بندی اِسی طرح کرتی ہے؛ میں اپنا شمار اس اقلیت میں نہیں کرنا چاہتا جو اسراف سے کام لیتی ہے۔

ان کی عادت تھی کہ وہ ''دارُ الحکمۃ الاسلامیۃ'' سے ملنے والی تنخواہ سے بقدرِ ضرورت کچھ پیسے رکھ لیتے تھے اور بقیہ تمام تنخواہ مجھے دے کر کہتے: اسے سنبھال کر رکھو۔ ایک دفعہ یہ ہوا کہ میں نے انہیں بتائے بغیر ایک سال کی جمع کی ہوئی تمام پونجی خرچ کر دی؛ کیونکہ مجھے پتا تھا کہ وہ میرے ساتھ بڑے مشفق ہیں اور پیسے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ انہیں جب پتا چلا کہ میں نے تمام پیسے خرچ کر ڈالے ہیں تو مجھ سے فرمایا: یہ مال ہمارا نہیں بلکہ عوام کا تھا، آپ نے کیوں خرچ کیا؟ آپ نے غلط کیا ہے، اس لیے میں آپ کو خزانچی کے منصب سے معزول کرتا ہوں اور یہ ذمہ داری اپنے ہاتھ میں لیتا ہوں۔

پھر کچھ عرصے کے بعد اُن کا ارادہ اپنی اُن بارہ عدد تالیفات کو طبع کرانے کا ہوا جو حقائق کے بارے میں لکھی گئی ہیں، تب انہوں نے وہ جمع کیے ہوئے پیسے لیے اور انہیں ان کتابوں کی طباعت پر خرچ کیا، پھر ایک دو کتابوں کے علاوہ تمام کتابیں مفت تقسیم کر دیں، میں نے پوچھا کہ آپ نے یہ کتابیں مفت تقسیم کیوں کی ہیں؟ انہیں قیمتاً کیوں نہیں بیچا؟ تو انہوں نے کہا: میری تنخواہ سے میرے لیے صرف اتنی رقم ہی جائز ہے جس سے میری کمر سیدھی رہے، اس سے زائد جو کچھ بھی ہے قوم کا ہے۔ اور میں ایسا کر کے انہیں کا مال انہیں واپس کر رہا ہوں۔

جیسے کہ پہلے بیان ہوا ''دارُ الحکمۃ الاسلامیۃ'' میں وہ اپنی ذمہ داریاں اِسی طرح ذاتی جد و جہد کے ساتھ نبھاتے رہے؛ ذاتی جد و جہد پر انحصار اس لیے کرتے تھے کہ وہاں انہیں اجتماعی طور پر کام کے راستے میں بہت سی رُکاوٹیں نظر آتی تھیں، اور جو لوگ بدیع الزمان سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھے پھرتے تھے، انہوں نے موت کو اپنی منزلِ مقصود بنا رکھا تھا، اِسی وجہ سے وہ ''دارُ الحکمت'' میں ایک سخت جان انسان بن کر رہ گئے تھے، چنانچہ وہ گمراہ کُن اجنبی تاثیرات کے لیے لوہے کا چنا ثابت ہوئے اور وہ تاثیرات اُن کو اپنے ہاتھ کا کھلونا نہ بنا سکیں۔ انہوں نے گمراہ کُن فتاویٰ جات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ جب بھی اسلام کو ہدف بنانے والے یا اسلام کا مقابلہ کرنے والے کسی دھارے کا ظہور ہوا تو انہوں نے فوراً کوئی کتاب لکھ کر ان افکار کا پردہ چاک کر دیا اور انہیں بیخ و بن سے اُکھاڑ کر رکھ دیا۔

☆ ☆ ☆



Offener Befehl
Nr.
ОТКРЫТЬ ЛИСТЬ
№
آچیق امر
Nyilt parancs

استاد بدیع الزمان کی وطن واپسی کے دستاویز



روس سے وطن واپسی پر جرمن آفیسر کی لی ہوئی تصویر

قید سے لوٹنے کے بعد استنبول آکر آپ نے اپنی زندگی کے بارے میں جو کچھ لکھا اُس سے ایک اقتباس

نویں اُمید

میں پہلی جنگ عظیم میں روس کے شمال مشرق کے ایک دور دراز ''کوستورما'' نامی قصبہ میں قید تھا۔ وہاں مشہور دریائے ''وولگا'' کے کنارے پر تا تاریوں کی ایک چھوٹی سی مسجد تھی۔ میں ساتھیوں کے درمیان ہوتا ہوا بھی قید و بند کی پابندیوں سے تنگ پڑ جاتا تھا اور گوشۂ تنہائی کی تلاش میں تھا، لیکن اجازت کے بغیر قید خانے سے باہر جا کر ادھر ادھر گھوم پھر نہیں سکتا تھا۔ پھر بعد میں کچھ تا تاریوں نے میری ذمہ داری اور کفالت قبول کر لی اور مجھے اُس دریائے ''وولگا'' کے کنارے والی اُس مسجد میں رہنے کی اجازت مل گئی، اب میں اس مسجد میں تنہا رہنے لگا۔ موسم بہار قریب آ چکا تھا۔ اور شمال کے اس علاقے کی راتیں بہت طویل ہونے کی وجہ سے میں اکثر راتیں جاگ کر گزارتا تھا۔ چنانچہ اجنبیت کی تاریکیوں میں اور ان تیرہ و تار سیاہ راتوں میں فراق کا احساس دلانے والی ہوا کی سنسناہٹ، بارش کے مہین قطروں کی ٹپاٹپ سے پیدا ہونے والی حزن خیز آواز اور دریائے ''وولگا'' کی غم انگیز لہروں نے مجھے وقتی طور پر غفلت کی نیند سے بیدار کیے رکھا۔ میں اگرچہ اپنے آپ کو اتنا بوڑھا نہیں سمجھتا تھا، تاہم عالمی جنگ کو دیکھنے والا آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے۔ وہ دن گویا کہ آیت کریمہ: ﴿يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا﴾ میں پائے جانے والے راز کی منہ بولتی تصویر تھے۔ وہ دن چونکہ بچوں کو بھی بوڑھا کر دینے والے تھے، اس لیے میں خود کو اسی سال کا بوڑھا محسوس کر رہا تھا جبکہ میری عمر اس وقت صرف چالیس سال تھی۔ چنانچہ ان طویل تاریک راتوں، غمگین اجنبیت اور پریشان کن صورتِ حال میں مجھ پر زندگی اور وطن سے مایوسی طاری ہو گئی اور میری نظر اپنی عجز و درماندگی اور تنہائی پر چلی گئی اور یوں اُمید ٹوٹ گئی۔ کچھ ایسے ہی حالات تھے جن سے میں دو چار تھا کہ اچانک قرآن کی بارگاہ سے مدد آئی اور میری زبان ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ دہرانے لگی اور میرے دل نے روتے ہوئے کہا:

غریبم، بے کسم، ضعیفم، ناتوانم
الامان گویم، عفو جویم، مدد خواہم ز در گاہت الٰہی
(میں اجنبی ہوں، بے کس ہوں، کمزور ہوں، ناتواں ہوں۔
الٰہی! میں تیری بارگاہ سے امان چاہتا ہوں، معافی چاہتا ہوں اور مدد کا خواستگار ہوں۔)

میری رُوح نے بھی میرے وطن کے پرانے احباب کو یاد کیا اور اس اجنبیت کے عالم میں مجھ پر موت کا خیال طاری ہو گیا۔ اور میں نیازی مصری کی طرح یہ کہنے لگا:

دُنیا غمِندَن گی چُوبیُو قُلْغَۀ قنادآچُوب

شوقْ اَیلۀ هر دم اُچُوبها غیرِ رِم دوست دوست

(میں غم دنیا سے گزر گیا اور فقر و حرماں نصیبی کے لیے پر کھول کر

ہمہ وقت فرطِ اشتیاق سے دوست دوست پکارتا ہوا اڑتا پھرتا ہوں۔)

چنانچہ میری رُوح احباب کو تلاش کر رہی تھی۔

مختصر یہ کہ میرا ضعف و عجز اس غموں بھری طویل، نازک اور اجنبیت و فراق والی رات میں اللہ تعالیٰ کی چوکھٹ پر پرانے سفارشی اور وسیلہ بن گئے چنانچہ میں اب تک حیران ہوں کہ میں چند ہی دنوں کے بعد اکیلا ہی غیر متوقع طور پر وہاں سے فرار ہو گیا۔ اور یہ مسافت اتنی زیادہ تھی کہ پیدل چلنے کی صورت میں ایک سال میں طے ہوتی اس پر مزید یہ کہ میں روسی زبان سے بالکل ناآشنا تھا، لیکن میں اپنے ضعف و عجز پر مہربان ہو جانے والی عنایتِ الٰہیہ سے ان تمام مشکلات سے انتہائی معجزانہ طریقے سے نجات پا گیا۔ چنانچہ میں وہاں سے ''وارشوا'' اور ''آسٹریا'' کی طرف سے ہو کر چلتا ہوا ''استنبول'' پہنچ گیا، اور یوں میں اس قید و بند سے انتہائی غیر معمولی آسانی کے ساتھ نجات پا گیا۔ اور یہ طویل فراری والی سیاحت میں نے جس سہولت اور سہج پن سے پوری کی وہ رُوسی زبان پر عبور رکھنے والے بہادر ترین اور ذہین ترین لوگوں کو بھی نصیب نہ ہوئی ہو گی۔

لیکن ''دریائے وولگا'' کے کنارے مسجد میں گزاری ہوئی اُس رات میں وارد ہونے والی کیفیت نے میرے دل میں یہ فیصلہ ڈالا کہ:

''میں اپنی بقیہ عمر غاروں میں بسر کر دوں گا۔ اِن لوگوں کے ساتھ جو میل ملاپ رکھ لیا ہے وہی کافی ہے۔ میں جب بالآخر قبر میں اکیلا ہی جاؤں گا تو پھر مجھے ابھی سے تنہائی اور گوشہ نشینی اختیار کر لینی چاہیے تا کہ تنہائی کی عادت پڑ جائے اور اُس سے اُنس پیدا ہو جائے۔''

لیکن افسوس کہ استنبول میں مخلص دوست احباب کی کثرت، استنبول کی آراستہ پیراستہ دنیاوی زندگی، اور خاص کر میری حیثیت سے بڑھ کر میری طرف رُخ کر لینے والی شان و شوکت اور شہرت و ناموری جیسی لاحاصل چیزوں نے مجھے یہ قرارداد وقتی طور پر فراموش کرادی گویا کہ اجنبیت کی وہ رات میری چشمِ حیات کی سیاہی تھی، ایک روشنی بخش سیاہی۔ اور استنبول کا سفید چمکدار دن میری چشمِ حیات کی سفیدی تھی، ایک تاریک سفیدی۔ اس لیے یہ آنکھ آگے کی جانب نہ دیکھ سکی اور ایک دفعہ پھر گہری نیند سوگئی۔ تا آنکہ پیر جیلانی نے اسے دو سال کے بعد اپنی کتاب ''فتوح الغیب'' کے ذریعے کھول دیا۔

پس اے معمّر خواتین وحضرات! یادرکھو کہ بڑھاپے میں ضعف وعجز اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کو جذب کرنے کا ایک بہت بڑا وسیلہ ہے۔ اور جیسے کہ بہت سے واقعات میں مَیں نے خود اپنی ذات میں مشاہدہ کیا اسی طرح سطحِ زمین میں پائی جانے والی رحمت کی جلوہ طرازیاں بھی اِس حقیقت پر انتہائی واضح طور پر دلالت کرتی ہیں؛ اُس کی وجہ یہ ہے کہ تمام جانداروں میں زیادہ عاجز، درماندہ اور لاچار چھوٹے بچے ہوتے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ رحمت کی جلوہ گریوں کے روشن ترین مظہر ہیں۔ اور رحمت کی یہ جلوہ گری درخت کی چوٹی پر بنے ہوئے گھونسلے میں پڑے ہوئے بچے کی ماں کو ایک اطاعت گزار سپاہی کی طرح استعمال کرتی ہے، چنانچہ اس کی ماں اُسے رزق مہیا کرنے کے لیے اِدھر اُدھر بھاگتی پھرتی ہے۔ اور یہ سارا کرشمہ اس کی عاجزی ودرماندگی کا ہے۔ لیکن جونہی اس چھوٹے سے بچے کے پر مضبوط ہوتے ہیں اور وہ اپنی عاجزی ودرماندگی کو بھول جاتا ہے، اس کی ماں اُسے کہتی ہے: جا اور اپنا رزق تلاش کر۔ اور پھر اِس کے بعد اُس کی طرف سے بے پرواہو جاتی ہے۔

رحمت کا یہ راز جس طرح چھوٹے بچوں کے بارے میں چلتا ہے، اسی طرح ان بوڑھوں کے لیے بھی چلتا ہے جو ضعف وعجز کی جہت سے بچوں جیسے ہو گئے ہیں۔

میرے بہت سے تجربات ہیں جو مجھے مکمل اطمینان دیتے ہیں کہ جس طرح بچوں کو اُن کا رزق اُن کی عاجزی کی وجہ سے پستانوں کے پائپوں کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے، اِسی طرح معصوم اہل ایمان بوڑھوں کو اُن کا رزق برکت کی صورت میں مہیا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کسی بھی گھر کی برکت کا اصل ستون اس گھر کے معمّر لوگ ہیں۔ اور یہ بھی کہ اس گھر کو آلام و مصائب سے بچانے والے اُس گھر کے جھکی کمر والے ہی معصوم معمّر خواتین وحضرات ہیں۔ اس حقیقت کا اثبات حدیث شریف کے اِس جز سے ہوتی ہے: ''لَوْلَا الشُّيُوْخُ الرُّكَّعُ لَصُبَّ عَلَيْكُمُ الْبَلَاءُ صَبًّا'' مطلب یہ کہ اگر تمہارے یہ جھکی کمروں والے بوڑھے نہ ہوئے تو آلام ومصائب تم پر سیلاب کی طرح اُمڈ آتے۔

تو جب ضعف وعجز رحمتِ الٰہیہ کو جذب کرنے کا اتنا بڑا وسیلہ ہے، اور جب قرآن حکیم اولاد کو بوڑھے والدین کے ساتھ آیت کریمہ:

﴿إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾

کے ذریعے پانچ پہلوؤں سے معجزانہ انداز میں شفقت اور احترام کے سلوک کی تعلیم دیتا ہے، اور جب دینِ اسلام اس کی تلقین کرتا ہے اور جب انسان کی فطرت عمر رسیدہ لوگوں کے ساتھ احترام اور رحم دلی کے رویے کا تقاضا کرتی ہے، تو پھر یاد رکھو کہ ہم بوڑھے لوگ ہمہ وقت جوانی کی ترنگوں سے اُٹھنے والے ان عارضی مادی ذائقوں کی بجائے انسانی فطرت اور عنایتِ الٰہیہ کی حرمت ورحمت سے وارد ہونے والے بڑی اہمیت کے حامل دائمی، معنوی اور روحانی ذائقوں سے نہال ہو

رہے ہیں، اس لیے ہمیں چاہیے کہ اس بڑھاپے کے بدلے میں اگر ہمیں سو جوانیاں بھی مل جائیں تو وہ جوانیاں لینے کی خواہش یا کوشش نہ کریں۔

جی ہاں، میں خود تمہیں اِس بات کا اطمینان دلاتا ہوں کہ اگر مجھے "پرانے سعید" کے عہد شباب کے دس سال دے دیے جائیں تو میں اُن کے بدلے میں اپنے اس "نئے سعید" کے بڑھاپے کا ایک سال بھی دینے کے لیے تیار نہیں ہوں گا۔ میں اپنے بڑھاپے پر بالکل راضی ہوں اس لیے تمہیں بھی اپنے بڑھاپے پر راضی ہو جانا چاہیے۔

دسویں اُمید

قید سے لوٹنے کے بعد استنبول میں رہائش پذیر ہوا تو سال دو سال کے لیے مجھ پر پھر سے غفلت کا غلبہ ہو گیا۔ وہاں کی سیاسی فضا نے مجھے تفکّر فی النفس کا موقع نہ دیا اور میرے فکر و نظر میں انتشار پیدا کر دیا۔

ایک دن میں استنبول میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مقبرے کے پاس گہری وادی پر جھانکنے والی ایک بلند جگہ پر بیٹھا ہوا آفاق پر نظریں جمائے ہوئے تھا کہ اچانک مجھ پر ایک خیالی سی حالت طاری ہو گئی، مجھے ایسے لگا جیسے کہ میری خصوصی دنیا مر رہی ہے اور اُس کی روح ایک طرف سے قبض ہوتی جا رہی ہے۔ تو میں نے کہا: کیا میرے ذہن میں خیالات کی یہ لہر قبرستان کے پتھروں پر لکھی ہوئی ان تحریروں سے اُٹھ رہی ہے؟ چنانچہ میں نے نظر کو ادھر سے ہٹایا اور دور آفاق کی بجائے نگاہ کو قبرستان پر مرکوز کر لیا، تو میرے دل میں یہ خیال اُبھرا:

اِس قبرستان میں سو استنبول پایا جاتا ہے۔ یعنی ایک استنبول سو مرتبہ خالی ہو کر اس جگہ میں سما چکا ہے۔ تو جس حاکمِ قدیر نے استنبول کے باسیوں کو یہاں سو مرتبہ دفن کر دیا ہے، تُو اُس کے حکم سے یہ چیز باہر نہیں ہے، اس لیے تُو بھی لامحالہ یہاں سے کوچ کرنے والا ہے۔

میں اس ہولناک خیال کو اپنے ساتھ لیے اِس مرتبہ بھی جامع سلطان ایوب کے اُس چھوٹے سے کمرے میں چلا گیا جہاں پہلے بھی بسا اوقات آتا رہتا تھا۔ اور میں نے سوچا کہ میں تین جہتوں سے ایک مسافر کی حیثیت رکھتا ہوں: میں جس طرح اس چھوٹے سے کمرے میں ایک مسافر ہوں اِسی طرح استنبول میں مسافر ہوں، اور اس دنیا میں بھی مسافر ہوں۔ اور مسافر کو چاہیے کہ اُسے اپنے راستے کی فکر دامن گیر رہے، کیونکہ جیسے میں عنقریب کمرے سے نکل جاؤں گا، اسی طرح کسی دن استنبول سے نکل جاؤں گا اور اسی طرح کسی دن دنیا سے بھی نکل جاؤں گا۔

اور یوں اس حالت میں میرے قلب و دماغ پر ایک المناک اور فراق بھری حُزن خیز حالت طاری ہو گئی؛ کیونکہ میں صرف ایک دو دوستوں کو نہیں بلکہ استنبول میں بسنے والے اپنے ہزاروں محبوب دوستوں کو داغِ فراق دے کر جانے والا ہوں، صرف یہی نہیں بلکہ اپنے محبوب شہر استنبول کو چھوڑنے والا ہوں۔ اور اس دنیا میں پائے جانے والے اپنے

لاکھوں احباب سے جدا ہونے والا ہوں، جیسے کہ خود اس دنیا سے بھی جدا ہونے والا ہوں جس دنیا میں میں اُلجھ گیا ہوں اور جس کی محبت میں گرفتار ہوں۔

اسی سوچ میں غلطاں و پیچاں میں ایک دفعہ پھر میں قبرستان کی اُسی اُونچی جگہ پر چلا گیا۔ میں کبھی کبھار عبرت پذیری کے لیے سینما چلا جایا کرتا تھا۔ اسی بنا پر میں نے دیکھا کہ استنبول کے باسی مجھے اُس لمحے میں چلتے پھرتے جنازے نظر آ رہے تھے، بالکل ایسے کہ جیسے مرے ہوئے لوگ سینما سکرین پر بعینہٖ چلتے پھرتے نظر آتے ہیں کہ وہ ماضی کے سالوں کو حاضر میں لے آتے ہیں۔ تو میرے خیال نے مجھ سے کہا: اس قبرستان میں مدفون لوگوں میں سے کچھ لوگ اگر سینما سکرین پر چلتے پھرتے نظر آ سکتے ہیں، تو پھر وہ جو اس قبرستان میں مستقبل میں داخل ہوں گے ان کے بارے میں یہ سوچو کہ گویا وہ اس میں داخل ہو چکے ہیں۔ بس یوں سمجھ کہ وہ چلتے پھرتے جنازے ہیں۔

پھر اچانک یہ غم آلود حالت قرآنِ حکیم کے نُور اور حضرت غوثِ اعظم شیخ جیلانی کی رہنمائی سے مستی و سرور میں بدل گئی، اور وہ اس طرح کہ قرآن کریم سے وارد ہونے والے نور نے مجھے اس غمگین حالت کے مقابلے میں یاد دلایا کہ:

روس کے شمال مشرقی قصبہ ''کوستورما'' میں قید کے دوران تمہارے ایک یا دو آفیسر دوست تھے، اور تمہیں یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ تمہارے یہ دوست بہر صورت استنبول واپس جائیں اور اگر کوئی آپ سے یہ پوچھتا کہ: تُم استنبول جانا چاہتے ہو یا یہیں رہنا چاہتے ہو؟ تو اگر تم میں ذرہ برابر بھی عقل ہوتی تو پوری خوشی سے استنبول جانا قبول کرتے؛ کیونکہ تمہارے ایک ہزار ایک دوستوں میں سے نوسو ننانوے دوست استنبول میں رہتے ہیں، اس جگہ پر تو صرف ایک دو ہی ہیں اور وہ بھی عنقریب استنبول چلے جائیں گے۔ اس بنا پر استنبول جانا تمہارے لیے غمناک فراق یا المناک افتراق نہیں ہوگا۔ اور تُم واقعتاً یہاں آ بھی چکے ہو، کیا تُم خوش نہیں ہو؟ تم دشمن کے علاقے کی انتہائی طویل اور تاریک راتوں سے اور اُن کی انتہائی تند و تیز سردی سے نجات پا چکے ہو اور جنت نظیر شہر استنبول میں آ چکے ہو۔ بعینہٖ اسی طرح تمہارے بچپن سے لے کر اب تک کے ننانوے فیصد دوست احباب اُس قبرستان کی طرف کوچ کر گئے ہیں جس نے تمہیں مبتلائے دہشت کر دیا ہے، اور اس دنیا میں اب تمہارے ایک دو دوست رہ گئے ہیں، اور وہ بھی عنقریب یہاں پہنچ جائیں گے۔ پس اس دنیا میں تمہاری موت فراق نہیں بلکہ وصال اور ان دوست احباب کے ساتھ ملاقات کا نام ہے۔

جی ہاں! مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ، یعنی وہ باقی رہنے والی روحیں اپنی مٹی کے نیچے دبی ہوئی پرانی رہائش گاہوں کو چھوڑ چکی ہیں اب اُن میں سے کچھ تو ستاروں میں چہل قدمی کر رہی ہیں۔ اور کچھ برزخ کے مختلف طبقات میں۔

جی ہاں؛ قرآن و ایمان نے اس حقیقت کو اتنی قطعی صورت میں ثابت کیا ہے کہ جو شخص قلب و روح سے بالکل ہی محروم نہ ہو گیا ہو، یا اس کا دل گمراہی میں بالکل ہی غرق نہ ہو گیا ہو، وہ اس پر ضرور بہ ضرور ایسے ایمان لائے گا جیسے کہ یہ اس کے لیے آنکھوں دیکھی بات ہو؛ کیونکہ وہ صانعِ کریم و رحیم جس نے اس دُنیا کو اسی طرح اپنے انواع و اقسام کے

لامحدود لطف واحسان سے مزین کیا ہے۔ اور جو اسی طرح اپنی معزز و مشفق ربوبیت کا اظہار کرتا ہے اور بیجوں جیسی معمولی اور بے قیمت چیزوں کی نگرانی ونگہبانی کرتا ہے، وہ اس انسان کو معدوم نہیں کرے گا جو کہ اس کی تمام مصنوعات کے مابین ایک کامل ترین، جامع ترین اور اہم ترین صنعت ہے۔ اور اُسے — جیسے کہ بظاہر واضح طور پر نظر آتا ہے — اُسے یونہی بغیر رحمت کے اور بغیر کسی عاقبت وانجام کے آخری طور پر فنا کر کے مٹا نہیں ڈالے گا۔ بلکہ وہ خالق الرحیم اپنی اس محبوب صنعت کو وقتی طور پر اس مٹی کے نیچے کاشت کر دے گا جو کہ رحمت کا دروازہ ہے، تا کہ وہ آخرت کی زندگی میں اپنے پھل دے سکے، بالکل ایسے جیسے کہ ایک کسان بیجوں کو مٹی میں بو دیتا ہے۔[1]

اس قرآنی یاددہانی کے بعد یہ قبرستان مجھے استنبول سے زیادہ مانوس ہو گیا، اور خلوت نشینی وعُزلت گزینی، جلوت اور میل جول کی زندگی سے اچھی محسوس ہوئی۔ چنانچہ مجھے بحرِ فاسفورس کے درے پر ''صاری یر'' نامی جگہ پر ایک خلوت خانہ مل گیا۔ وہاں غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ اپنی کتاب ''فتوح الغیب'' کے ذریعے میرے طبیب ومرشد بن گئے۔ اور امام ربانی رضی اللہ عنہ اپنی کتاب ''مکتوبات'' کے ذریعے میرے لیے ایک مشفق اور مونس استاد کا رُوپ اختیار کر گئے۔

تب مجھے بڑھاپے میں داخل ہو جانے، جدید تہذیب کی لذتوں سے پہلو تہی کرنے اور اجتماعی زندگی کے مظاہر سے کنارہ کش رہنے میں بڑی خوشی محسوس ہوئی۔ اور اس پر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

بس اے میری طرح بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھنے والو! اور بڑھاپے کی آگاہیوں اور خبرداریوں کی وجہ سے موت کو بہت زیادہ یاد کرنے والو! ہمیں قرآن کے عطا کردہ نورِ ایمان کی رُو سے بڑھاپے، موت اور مرض کو ایک اچھی چیز سمجھنا چاہیے، بلکہ قرآن کے عطا کردہ نورِ ایمان کی رُو سے ہمیں ان پر ایک لحاظ سے خوش ہونا چاہیے۔ جب ہمارے پاس ایمان جیسی بے حد قیمتی نعمت موجود ہے تو پھر بڑھاپا بھی اچھا ہے، بیماری بھی اچھی ہے اور موت بھی لذیذ ہے۔ بُری چیز اگر کوئی ہے تو وہ گناہ ہے، رذالت ہے، بدعت ہے اور ضلالت ہے۔

گیارہویں اُمید

قید سے واپس آنے کے بعد میں اور بھتیجا عبدالرحمان[2] استنبول میں واقع ''چاملجہ'' نامی ٹیلے پر ایک محل میں اکٹھے رہتے تھے۔ اُن دنوں میں مَیں جس طرح کی زندگی گزار رہا تھا اُسے دنیاوی نقطۂ نظر سے ہم جیسے لوگوں کے لیے پُر سعادت مثالی زندگی کہا جا سکتا ہے؛ اور وہ اس لیے کہ ایک تو میں قید سے نجات پا گیا تھا، پھر دار الحکمۃ الاسلامیۃ میں مجھے

---

[1] یہ حقیقت تمام رسائل میں عمومی طور پر اور دسویں اور انتیسویں مقالے میں خصوصی طور پر دو ضرب دو چار کی طرح ثابت کر دی گئی ہے۔ (مؤلف)

[2] عبدالرحمان بن عبداللہ استاد نورسیؒ کے بھتیجے تھے۔ 1903م میں نُورس میں پیدا ہوئے اور 1928م کو فوت ہوئے۔ انقرہ میں ذوالفضل نامی بستی میں دفن ہیں اُنہوں نے 1918م استاد نورسی کی سوانح عمری لکھی جو مطبوع ہے۔ (مترجم)

اپنے علمی ذوق کے مطابق نشر و اشاعت کے اعلیٰ پیمانے کے وسائل میسّر تھے، پھر عزّت وعظمت اور شہرت و ناموری جو مجھے مل رہی تھی وہ میری توقعات سے کہیں بڑھ کر تھی، پھر میں استنبول کے خوبصورت ترین مقام ''چاملجہ'' میں رہائش پذیر تھا جہاں میری حاجات وضروریات کا ہر سامان وافر مقدار میں موجود تھا، اور پھر یہ کہ میرے ساتھ میرا مرحوم بھتیجا عبدالرحمان رہائش پذیر تھا جو کہ انتہائی ذہین تھا اور جو میرے لیے ایک جان نثار شاگرد، فرمان بردار خدمتگار، کاتب اور معنوی بیٹے کی حیثیت رکھتا تھا۔ پس انھی دنوں میں جب میں خود کو دنیا کا سب سے بڑا سعادت مند انسان سمجھتا تھا، اچانک ایک دن میری نظر آئینے پر پڑی تو دیکھا کہ سر اور داڑھی میں چند سفید بال چمک رہے تھے۔ اور پھر اچانک وہ روحانی تنبیہ جو قید کے دوران کوستورما میں وولگا کے کنارے والی مسجد میں ہوئی تھی، پھر سے بیدار ہونا شروع ہو گئی تو میں نے اس روحانی تنبیہ کی تاثیر سے ان حالات واسباب کا گہری نظر سے کھوج لگانا شروع کر دیا جنھیں میں دنیا کی سعادت مندی کا دار و مدار سمجھتا تھا اور جن کے ساتھ میں دلی طور پر وابستہ ہو گیا تھا۔ تب گہری نظر سے دیکھنے کے بعد جو سبب بھی سامنے آیا اتنا فاسد، ردّی اور پُرفریب تھا کہ کسی بھی طرح دل لگانے کے قابل نہیں تھا مزید یہ کہ انھی دنوں میں ایک ایسے دوست کی طرف سے بے وفائی کا رویہّ سامنے آیا جسے میں اپنا بہترین دوست سمجھتا تھا اور جس کی طرف سے کسی ایسے رویے کا تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس بنا پر دُنیا کی طرف سے ایک وحشت سی پیدا ہو گئی۔ میں نے اپنے دل سے کہا: کیا خیال ہے! میں مکمل طور پر دھوکے میں ہوں؛ کیونکہ حقیقت کی نظر سے دیکھنے پر ہماری جس حالت پر سر پیٹنے کو جی چاہتا ہے دنیا ہماری اس حالت پر رشک کرتی ہے؟ یا پھر یہ تمام لوگ پاگل ہو گئے ہیں؟ یا میں پاگل پن کے راستے پر گامزن ہوں جو دنیا کے اِن طلب گاروں کو پاگل سمجھ رہا ہوں؟ صورتِ حال جو بھی ہو، بہرکیف میں نے بڑھاپے کی عطا کردہ بیداری کی برکت سے پہلے تو اُن فانی اَشیا کے فنا و زوال کا مشاہدہ کر لیا جن کے ساتھ میں مضبوط تعلق رکھے ہوا تھا۔ پھر میں نے اپنی ذات کی طرف بھی نظر دوڑائی تو اسے انتہائی عاجز و درماندہ پایا۔ بقا کی طالب اور بقا کے وہم کی وجہ سے فانی چیزوں میں مبتلا میری روح نے پوری قوت کے ساتھ کہا: میں جب جسمانی طور پر فنا پذیر ہوں تو پھر ان فانی اشیا کی طرف سے مجھے کون سی بھلائی کی اُمید ہو سکتی ہے: اگر میں عاجز ہوں تو پھر ان عاجزوں سے میں کیا توقع رکھ سکتی ہوں؟ اس لہٰذا ایک ایسی قدیرِ اَزلی اور باقی سرمدی ہستی ضرور ہے، جس کے پاس میری بیماری کی دوا ہے، اور یوں میں نے تلاش شروع کر دی۔ چنانچہ اس وقت میں نے سب سے پہلے تو اپنے حاصل کیے ہوئے سابقہ علم کی طرف مراجعت کی اور اس سے اُمید اور تسلّی کا سامان ڈھونڈنے لگا۔ اور میں اُن دنوں اپنی فاش غلطی سے یہ سمجھتا تھا کہ فلسفی علوم انسانی فکر وبصیرت کی روشنی کا دار و مدار، تہذیب وثقافت کا محور اور ہمہ جہتی تکمیل کا سرچشمہ ہیں، اس لیے میں اب تک اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ اِن فلسفی علوم سے سیر ہوتا رہا۔ لیکن افسوس کہ ان فلسفیانہ مسائل نے میری روح کو آلودہ کر دیا اور میری روحانی ترقی کے آگے رکاوٹ بن گئے۔

پھر اچانک قرآنِ حکیم کی مقدّس حکمت اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم سے میری مدد کو پہنچی اور اُس نے فلسفی مسائل کی میل کچیل کو دھو کر صاف کر دیا جیسے کہ ہم نے بہت سے رسائل میں واضح کیا ہے۔

اُن میں سے ایک یہ کہ اِن فلسفیانہ علوم سے پھوٹنے والی رُوحانی تاریکیاں میری رُوح کو کائنات میں غرق کر رہی تھیں، چنانچہ میں جس طرف بھی نگاہ کر کے اُس سے روشنی طلب کرتا، مجھے ان مسائل میں نہ تو روشنی کی کوئی کرن نظر آتی اور نہ ہی شرحِ صدر ہوتا، بلکہ مجھے اپنا سانس گھٹتا ہوا محسوس ہوتا۔ تا آنکہ قرآنِ حکیم سے وارد ہونے والی اور ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ کے جملے کی تلقین کرنے والی توحید نے ان تمام تاریکیوں کو ایسے تتر بتر کر دیا جیسے چمکدار روشنی کا ایک کوندا تاریکیوں کو بکھیر کر رکھ دیتا ہے۔ اور یُوں میں نے چین کی سانس لیا۔ لیکن نفس اور شیطان نے اہلِ ضلالت اور احباب فلسفہ سے سیکھے ہوئے اپنے اُس درس و تلقین پر اعتماد کیا اور عقل و قلب پر یلغار کر دی، لیکن اس یلغار کے جلو میں نفسیاتی مناظروں کے میدان میں جیت بالآخر دل کی ہوئی۔ وللہ الحمد۔ ان میں سے کچھ مناظروں کا ذکر چونکہ بہت سے رسائل میں آ چکا ہے اس لیے یہاں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ البتہ اس مقام پر دِل کی ہزاروں جیتوں میں سے صرف ایک جیت کا اظہار کرنے کے لیے میں اُن ہزاروں دلائل میں سے صرف ایک کی وضاحت کروں گا تا کہ یہ اُن عمر رسیدہ لوگوں کی رُوحوں کی صفائی ستھرائی کا کام دے جو اپنے عہدِ شباب میں کچھ ایسے مسائل کے ساتھ اپنے ضمیروں کو آلودہ، اپنے دلوں کو بیمار اور اپنی رُوحوں کو میلا کر چکے ہیں جن میں سے بعض مسائل سراپا گمراہی اور بعض بالکل عبث اور بے کار ہیں، اور جنھیں وہ اجنبی حکمت اور تمدّنی علوم کا نام دیتے ہیں تا کہ وہ توحید کے حق میں نفس اور شیطان کے شر سے نجات پا جائیں۔ مناظرے کی کیفیت کچھ یوں ہے:

میرے نفس نے فلسفی علوم کی وکالت کرتے ہوئے کہا:

''کائنات میں پائی جانے والی جتنی بھی چیزیں ہیں وہ اپنی طبیعت کے لحاظ سے موجودات میں عمل دخل رکھتی ہیں، پس یہاں ہر چیز کا رُخ کسی نہ کسی سبب کی طرف ہے اور وہ اُس سے صادر ہوئی ہے، چنانچہ پھل کو درخت سے اور دانے کو مٹی سے طلب کرنا چاہیے۔ تو پھر ایسے میں اللہ سے مانگنے اور چھوٹی سے چھوٹی چیز کے لیے اس کے آگے گریہ زاری کرنے کا کیا مطلب ہے؟''

تو قرآنِ کریم کے نُور سے توحید کا راز کچھ اس طرح منکشف ہوا:

میرے دل نے میرے فلسفی نفس سے کہا: چھوٹی سے چھوٹی چیز بڑی سے بڑی چیز کی طرح براہِ راست خالقِ کائنات کی قدرت سے صادر ہوتی ہے اور اس کے خزانے سے نمودار ہوتی ہے۔ اِس کے علاوہ کسی اور صورت میں نہیں ہو سکتی، اسباب تو صرف پردہ کی حیثیت رکھتے ہیں؛ اُس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ایسی مخلوق جسے ہم اپنے حساب سے حقیر ترین اور کم ترین سمجھتے ہوں ممکن ہے کہ وہ تخلیق و صنعت کے اعتبار سے بڑوں سے بھی بڑی ہو! چنانچہ مکھی اگر صنعت کے لحاظ سے

مرغی سے بڑھ کر نہیں ہے تو اُس سے کم بھی نہیں ہے، اس بنا پر یا تو چھوٹے بڑے کے درمیان کوئی بھی فرق کیے بغیر یا تو سب کی تخلیق کی نسبت مادی اسباب کی طرف کر دی جائے اور یا پھر سب کی نسبت ایک اکیلی ذات کی طرف کر دی جائے۔ پہلی صورت محال دَر محال ہے اور دوسری صورت واجب اور ضروری ہے؛ کیونکہ: ان تمام چیزوں کی نسبت اگر ایک ذات یعنی قدیرِ اَزلی کی طرف کی جائے، اور جب ساری موجودات کا انتظام اور ان میں پائی جانے والی حکمتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے، جب ہر چیز کی مقدار کا تعین اس کے علم میں ہے اور جب لاانتہا مصنوعات و مخلوقات مشاہدے کے مطابق انتہائی سہولت کے ساتھ ہمہ وقت وجود میں آ رہی ہیں وہ قدیرُ العلیم لامحدود قدرت کا مالک ہے جیسے کہ ہم نے بہت سے رسائل میں وضاحت کی ہے اور اسے خاص کر بیسویں مکتوب میں اور تیسویں لمعے کے آخر میں غیر محدود قوی دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ وہ "کُنْ فَیَکُوْنُ" کے امر کے ساتھ پلک جھپکنے میں ہر چیز پیدا کر لیتا ہے۔ تو پھر اس بات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ اس خارقِ عادت سہولت اور غیر معمولی آسانی کا سرچشمہ وہی علمی احاطہ اور قدرت کی عظمت ہی ہے۔

مثال کے طور پر، ایک ایسی کتاب جو کہ آنکھوں سے نظر نہ آنے والی روشنائی سے لکھی گئی ہو، اس کی لکھائی کو ظاہر کرنے کے لیے اس پر کوئی کیمیائی مادہ مَل دیا جائے، تو وہ کتاب دفعتاً اپنے تمام نقوش اس طرح سے اُبھار کر واضح کر دے گی کہ ہر آنکھ کو پکار پکار کر کہے گی کہ مجھے پڑھو۔ بالکل اسی طرح اس قدیرِ اَزلی کے ہمہ گیر علم میں ہر چیز کی مخصوص صورت ایک معیّن مقدار سے متعیّن ہوتی ہے، چنانچہ وہ قدیرِ مطلق اُس علمی ماہیت پر انتہائی سہولت اور آسانی کے ساتھ اپنی اُس قوت کو مَل دیتا ہے جو کہ اس کی قدرت کی ایک چھوٹی سی تجلّی ہے، بالکل اس کیمیائی مادے کی طرح جو تحریر پر مَل دیا جاتا ہے، اور "کن فیکون" کے امر سے اور اپنی غیر محدود قدرت اور اپنے نافذ ہو جانے والے ارادے سے اس چیز کو ایک خارجی وجود عطا کر دیتا ہے اور اسے آنکھوں کے سامنے عیاں کر دیتا ہے اور اپنی حکمت کے نقوش کا مطالعہ کرواتا ہے۔ لیکن اگر ان تمام اشیا کی نسبت بیک وقت اُس قدیرِ اَزلی اور بِکلِ شیءٍ علیم کی طرف نہ کی جائے تو پھر یہ لازم آتا ہے کہ مکھی کے سائز کی کسی چھوٹی سی چیز کے بدن میں دنیا کی وہ اکثر انواع واقسام مخصوص میزان کے ساتھ جمع ہو جائیں جن کا اس کے ساتھ تعلق ہے، اور یہ اُسی صورت میں ممکن ہے جب اس مکھی کے جسم میں کام کرنے والے تمام ذرّات اس مکھی کی تخلیق کا راز اور اُس کے کمال صنعت میں پائی جانے والی دقیق ترین تفاصیل کے متعلق پورا پورا علم رکھتے ہوں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ مادی اور طبعی اسباب بالبداہت اور تمام اہلِ عقل کے بالاتفاق عدم سے کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے ہیں لہٰذا اگر اُن کے لیے کسی چیز کو ایجاد کرنا ممکن ہو تو وہ چیزوں کو اکٹھا کرنے سے ہی ہو سکتا ہے۔ اور جب یہ کام اکٹھا کرنے سے ہی ہوتا ہے تو پھر ذی حیات میں سے جو بھی ہو اس میں اکثر عناصر و انواع کے نمونے کچھ اس طرح پائے جاتے ہیں کہ گویا وہ کائنات کا خلاصہ اور اس کی گٹھلی ہے، تو اس صورت میں یہ لازم ہے کہ یہ اسباب ایک باریک چھلنی کے ذریعے پورے درخت کو چھان کر ایک گٹھلی اور پوری روئے زمین کو چھان کر ایک ذی حیات کو لے کر اور اس کو

حتاس پیمانوں کے ساتھ ماپ تول کرا کٹھا کرلیں۔اور طبعی اسباب چونکہ جاہل و جامد ہیں،اُن کے پاس کوئی علم نہیں ہے کہ وہ کسی منصوبے، پلان،فہرست، پیمانے یا راستے کی کوئی تدبیر کرسکیں اور یُوں آنے والے ذرّات کواُن پیمانوں کے مطابق پگھلا کر معنوی سانچے میں ڈھال دیں تا کہ وہ ذرّات بکھر نہ جائیں اوران کا نظام خراب نہ ہوجائے۔جبکہ یہ بات توعقل واحتمال و اِمکان سے بالکل بعید ہے کہ کسی جاندار کوایک منظم بدن عطا کردیا جائے اور سیلاب کی طرح رواں دواں ذرّات کواُوپر نیچے بغیر تفرّق وانتشار کے نظم وترتیب کے ساتھ اور بغیر کسی سانچے اور مقدار کے ایک بلاک کی طرح رکھ دیا جائے۔اور اِن ذرّات کوغیر محدود اور بے شمار شکلوں اور مقداروں کے مابین کسی خاص مقدار اور معین شکل میں کھڑا کردیا جائے؛ کیونکہ یہ بات ممکن ہے کہ ہر چیز کی شکل وحیثیت لامحدود جہتوں اور طرزوں کی حامل ہو!پس جو دل کی بینائی سے محروم نہ ہوگیا ہواُسے یہ چیز بہرصورت نظر آجائے گی۔

جی ہاں،اگر تمام کے تمام مادی اسباب اکٹھے ہوجائیں اور وہ بااختیار بھی ہوں،تو بھی وہ اس مذکورہ حقیقت کی بنا پر اور آیت کریمہ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ﴾ میں پائے جانے والے راز کی رُو سے مخصوص میزان کے ساتھ صرف ایک مکھی کا بدن اور اس بدن کے آلات واعضا کو اِدھر اُدھر سے اکٹھا کر کے یکجا نہیں کرسکتے۔اور اگر بالفرض ایسا کر بھی لیں تو انہیں ان کی معین مقدار میں ٹھہرا نہیں سکتے اور اگر ایسا کر بھی لیں تو اس بدن میں پے درپے نوبہ نو آنے والے اور اس میں مصروفِ عمل رہنے والے ذرّات کو منظم صورت میں استعمال نہیں کرسکتے ہیں۔تو اس سے بداہتاً پتا چلا کہ اسباب ان چیزوں کے مالک ہرگز نہیں ہیں۔اور یہ کہ اِن کا حقیقی مالک اسباب کے علاوہ کوئی اور ہستی ہے۔

جی ہاں،ان کا ایک ایسا حقیقی مالک ہے جو کہ تمام سطحِ زمین پر تمام جانداروں کو اتنی آسانی کے ساتھ پیدا کرتا ہے جیسے کہ ایک مکھی کو زندہ کرنا ہو۔اور ایک مکمل موسم بہار کو اتنی سہولت کے ساتھ ظہور میں لے آتا ہے جیسے کہ وہ صرف ایک پھول کا معاملہ ہو۔آیت کریمہ: ﴿مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾ میں یہی راز پایا جاتا ہے؛اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اِدھر اُدھر سے اکٹھا کرنے کا محتاج نہیں، کیونکہ وہ ﴿كُن فَيَكُونُ﴾ کے امر کا مالک ہے۔اور وہ ہر موسمِ گل میں موسمِ گُل کی لامحدود موجودات کے عنصری مواد کے علاوہ ان موجودات کے لامحدود صفات واشکال اور ان کے ساتھ مناسبت رکھنے والے حالات پیدا کرتا ہے۔اِس لیے بھی اس کے علم میں ہر چیز کا منصوبہ،اس کا اندازہ اور ماپ تول،اس کی فہرست اور اُس کا راستہ متعین ہے۔اور اِس لیے بھی کہ تمام ذرات اس کے علم اور اُس کی قدرت کے دائرے میں حرکت کرتے ہیں۔اس بنا پر وہ ہر چیز کو پلک جھپکنے میں انتہائی آسانی کے ساتھ اس طرح ایجاد کرتا ہے کہ وہ ذرّہ برابر بھی ادھر اُدھر نہیں ہوتی۔چنانچہ جس طرح یہ سیارے اُس کا ایک فرمانبردار لشکر ہیں،اسی طرح یہ ذرے بھی اُس کے منجملہ لشکروں میں سے ایک لشکر کا حکم رکھتے ہیں۔پس جب یہ موجودات اس اَزلی قدرت کے بھروسے پر محوِ حرکت

اوراس علم اَزلی کے دساتیر وقوانین کے مطابق مصروف عمل ہیں، تو پھر یہ آثار اس قدرت کے حساب سے وجود میں آتے ہیں، تو پھر یہ آثار اپنے بے قیمت اور چھوٹے چھوٹے ہونے کی وجہ سے چھوٹے اور انہیں اہمیت نہ دینے کی وجہ سے غیر اہم نہیں بن جائیں گے؛ کیونکہ ایک مچھر اس قوت کی طرف منسوب ہونے کی برکت سے نمرود کو قتل کرسکتا ہے۔ایک چیونٹی فرعون کا محل برباد کردیتی ہے اور صنوبر کا ذرّے برابر کا بیج اپنے کندھے پر صنوبر کا پہاڑ جیسا ضخیم درخت اٹھائے ہوتا ہے۔جیسے کہ ہم نے دیگر بہت سے رسائل میں ثابت کیا ہے کہ ایک سپاہی کی جب شاہی فوج میں ملازم ہونے کی وجہ سے بادشاہ کی طرف نسبت ہوجاتی ہے تو وہ اپنی طاقت سے ہزار گنا زیادہ طاقت کا مظہر بن جاتا ہے، جیسے کہ مثال کے طور پر وہ کسی دوسرے مخالف بادشاہ کو گرفتار بھی کرلیتا ہے۔اسی طرح ہر چیز اس ازلی قدرت کی طرف منسوب ہوجانے کے طفیل طبعی اسباب سے ہزار گنا زیادہ صنعت وحرفت کے معجزات کا مظہر بن جاتی ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ:

آخری درجے کی صنعت وکاریگری اور سہولت وآسانی کے ساتھ وجود میں آنے والی کسی بھی چیز کا وجود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ایک قدیرِ ازلی اور صاحبِ علم محیط ہستی کا شاہکار ہے ورنہ اس کا وجود میں آنا لاکھ بار محال ہے بلکہ وہ دائرہ اِمکان سے خارج اور دائرۂ امتناع میں داخل ہوجائے گی، ممکن کی صورت سے نکل جائے گی اور ممتنع کی ماہیت میں داخل ہوجائے گی، بلکہ کوئی بھی چیز وجود میں آئے گی ہی نہیں بلکہ اس کا وجود میں آنا بالکل ہی محال ہوگا۔

پس میرا نفس جو کہ اہلِ ضلالت اور اصحاب فلسفہ کا وکیل اور وقتی طور پر شیطان بن چکا تھا! اُسے اس انتہائی واضح، انتہائی مضبوط اور انتہائی گہری دلیل وبرہان نے خاموش کردیا، اور یُوں وہ وللہ الحمد! ایمانِ کامل کی دولت سے بہرہ ور ہو گیا۔اور اُس نے کہا:

جی ہاں! ضرور بالضرور میرا کوئی اس طرح کا پروردگار اور خالق ہونا چاہیے جو کہ میرے دل کے چھوٹے سے چھوٹے خیالات اور مخفی سے مخفی اُمید وآہ وزاری کو جانتا ہو، جو بے پایاں قدرت کا مالک ہو کہ میری روح کی پوشیدہ ترین حاجات و ضروریات کو پورا کرے، اور اس دنیا کو کسی اور دنیا کا رُوپ دے دے، اور مجھے ابدی سعادت سے ہمکنار کرنے کے لیے اس بھاری بھرکم دنیا کو بیخ وبُن سے اُکھاڑ کر اس کی جگہ پر آخرت کی بنیاد رکھ دے۔جو ایسی قدرت کا مالک ہو جو مکھی کو ایسے ہی پیدا کرلے جیسے آسمانوں کو ایجاد کرتی ہے اور جو سورج کو آسمان کے چہرے میں ایسے مضبوط کر کے جڑ دے کہ جیسے وہ اُس کی آنکھ ہو، بالکل ایسے جیسے کہ وہ ایک ذرّے کو میری آنکھ کی پُتلی میں ٹھہراتی ہے۔ورنہ جو مکھی پیدا نہیں کر سکتا وہ میرے دل کے خیالات میں دخل اندازی نہیں کرسکتا اور میری رُوح کی آہ وپکار کو نہیں سُن سکتا، اور جو آسمانوں کو پیدا نہیں کرسکتا وہ مجھے ابدی سعادت سے ہمکنار نہیں کرسکتا ہے۔اس لیے میرا پروردگار وہ ہے جو میرے دل کے خیالات وتصورات کی اصلاح کرتا ہے اور جو دنیا کو آخرت میں ایسے ہی تبدیل کرتا ہے جیسے کہ فضا کو بادلوں سے بھر کے ایک گھنٹے

میں خالی کر دے، جو جنّت بناتا ہے اور اس کا دروازہ میرے لیے کھول کر مجھے کہتا ہے: اس میں داخل ہو جا۔

پس اے میرے وہ معمّر بھائیو جنھوں نے اپنی عمروں کا کچھ حصہ میری طرح بدبختی سے بے نور اجنبی فلسفی علوم میں صرف کر دیا ہے! قرآن کی زبان پر جاری ہونے والے اس مقدس دائمی منشور ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ سے یہ بات سمجھ لو کہ یہ ایک ایسا قدسی، قوی اور حقیقی رکنِ ایمان ہے جو کسی بھی جہت سے کبھی بھی متزلزل نہیں ہوتا۔ بدلتا نہیں اور پارہ پارہ نہیں ہوتا!!!! اور وہ تمام معنوی تاریکیوں کو تتّر بتّر کر دیتا ہے اور تمام معنوی زخموں کا مداوا کرتا ہے۔

اس طویل واقعے کو اپنے بڑھاپے کی اُمید کے ابواب میں درج کرنا میرے اختیار سے نہیں تھا اور نہ ہی میں ایسا کرنا چاہتا تھا، بلکہ میں اس سے احتراز کرتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ اُکتاہٹ پیدا کرتا ہے۔ لیکن اب میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ مجھ سے میری بے اختیاری سے لکھوایا گیا ہے۔ بہر کیف ہم اپنے مضمون کی طرف لوٹتے ہیں۔

اپنے سر اور داڑھی میں چند سفید بال دیکھنے کے بعد اور ایک وفادار دوست کی طرف سے بے وفائی کا رویہ دیکھنے کے بعد استنبول میں جب ظاہری چمک دمک اور زیب و زینت والی زندگی کے ذائقوں سے میرا دل اُچاٹ ہو گیا تو میرا نفس اِن ظاہری ذائقوں کی بجائے جن پر وہ فریفتہ ہو چکا تھا معنوی ذائقوں کی طلب میں لگ گیا، اور اس بڑھاپے میں — جو اہلِ غفلت کو ٹھنڈا، بوجھل اور ناخوب نظر آتا ہے — اُس بڑھاپے میں اُس نے نُور اور تسلّی کا سامان طلب کیا تو میں نے توحید کے نور میں اور ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ میں ان بے حقیقت، بے انجام اور بے ذوق دنیاوی ذائقوں کے عوض میں بہترین، دائمی اور حقیقی ایمانی ذائقوں سے بہرہ یاب ہوا۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔ اور اس بات پر اس کا ہزاروں بار شکر کہ اِس طرح وہ بڑھاپا جو کہ اہلِ غفلت کی نظر میں بارد اور ثقیل نظر آتا ہے، وہ مجھے توحید کے نُور کی برکت سے روشن تر، گرم تر اور خفیف تر نظر آیا ہے۔

پس اے معمر خواتین و حضرات! تمہارے پاس اگر ایمان ہے، اور تمہارے پاس اگر نماز اور آہ و زاری ہے جو کہ ایمان کو بڑھاتی اور روشن کرتی ہیں، تو پھر تم اپنے بڑھاپے کو اس نظر سے دیکھ سکتے ہو کہ یہ ایک ابدی جوانی ہے؛ کیونکہ اِس کے ذریعے تم ابدی جوانی کما سکتے ہو۔ رہا وہ بڑھاپا جو کہ حقیقتاً المناک، تاریک، خبیث، ثقیل اور بارد ہے، تو وہ اہل ضلالت کا بڑھاپا ہے، بلکہ ان کی جوانی بھی اِسی طرح کی ہے۔ پس انہیں رونا چاہیے اور کہنا چاہیے: ہائے افسوس! ہائے حسرت!

لیکن تم اے ایمان سے بہرہ ور محترم بوڑھو! تمھیں یہ کہتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے: الحمدللہ علی کل حال۔

خواب میں ایک خطاب

[ایک حیرت انگیز روحانی واقعہ جو انہوں نے ''سنوحات'' نامی رسالے میں اس وقت درج کیا جب وہ استنبول میں دارالحکمۃ الاسلامیہ کے رکن تھے۔]

ستمبر 1919ء میں حوادثِ زمانہ سے جنم لینے والی نا اُمیدی کی وجہ سے میں بہت زیادہ مضطرب اور پریشان تھا، اور گھنگھور اندھیرے میں روشنی کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا، لیکن یہ روشنی مجھے بیداری میں جو کہ دَرحقیقت ایک معنوی خواب ہے، نہ مل سکی، بلکہ یہ روشنی مجھے ایک سچے خواب میں ملی جو کہ حقیقت میں بیداری کا حکم رکھتا ہے۔

میں تفصیلات میں جائے بغیر صرف وہی نقاط ذکر کروں گا جو اُس وقت میری زبان پر جاری ہوئے، اور وہ کچھ اس طرح ہے کہ:

یہ جمعۃ المبارک کی ایک رات تھی، میں نیند کی حالت میں عالمِ مثال میں چلا گیا، وہاں میرے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے مجھے کہا: عالمِ اسلام کے موجودہ اور مستقبل کے حالات پر گفتگو کرنے کے لیے ایک پُروقار مجلس برپا ہے، آپ کو اُس میں شرکت کی دعوت ہے۔ میں نے دعوت قبول کی اور چل دیا۔

یہ ایک پُرنور مجلس تھی کہ ایسی کوئی مجلس مجھے دنیا میں کبھی نظر نہیں آئی، اُس میں سلف صالحین کے اور ہر دور کے نمائندے شریک تھے۔ میں حیران و ششدر دروازے پر ہی کھڑا تھا کہ اچانک مجھے اُن میں سے ایک آدمی نے یہ کہہ کر آواز دی کہ:

اے دورِ آلام و مصائب کے انسان! آپ بھی آئیں اور اپنی رائے کا اظہار کریں۔

تو میں نے دروازے پر کھڑے کھڑے ہی کہا: آپ لوگ پوچھیں، میں جواب دوں گا۔

تو اُن میں سے ایک نے کہا: یہ شکست کب ختم ہوگی؟[1] اور اگر فتح ہوتی تو پھر کیا ہوتا؟

میں نے کہا: مصیبت صرف شر ہی نہیں ہوتی، چنانچہ جس طرح مصیبت کبھی سعادت مندی میں پنہاں ہوتی ہے اسی طرح کبھی سعادت مندی بھی مصیبت سے جنم لیتی ہے۔

اور یہ اسلامی حکومت کہ جس نے اعلائے کلمۃ اللہ اور عالمِ اسلام کے استقلال کی حفاظت کی خاطر جہاد جیسے فرضِ کفایہ

[1] شکست سے یہاں پہلی جنگ عظیم میں سلطنت عثمانیہ کی شکست مراد ہے۔ (مترجم)

کی ذمہ داری اپنے سر لی ہوئی ہے اور خلافت کے جھنڈے کو تھام رکھا ہے، اور جسمِ واحد کے مالک عالمِ اسلام کے لیے بہت سی قربانیاں دی ہیں، اس حکومت پر جو مصیبت نازل ہوئی ہے اسے اس مصیبت کے بدلے میں ایسی سعادت ملنے والی ہے جس پر عالمِ اسلام مستقبل میں اٹکھیلیاں کرے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مصیبت نے اُس اسلامی اخوت کے احساسات کو متحرک کر دیا ہے جو کہ ہماری زندگی کی روح ہے اور اس کے لیے اکسیر کی حیثیت رکھتی ہے، اور اُس میں بیداری کی ایک ایسی روح پھونک دی ہے کہ جس کی نظیر ملنا مشکل ہے، کیونکہ عین وہ وقت کہ جب ہم دکھ درد میں مبتلا تھے، پورا عالمِ اسلام ہمارے ساتھ رو رہا تھا، اور اگر یورپ ہمارے دکھ درد میں مزید اضافہ کر دیتا تو پورا عالمِ اسلام چیخ پکار شروع کر دیتا۔ اس لیے ہم اگر مریں گے تو بیس کی تعداد میں، لیکن اٹھائے تین سو کی تعداد میں جائیں گے۔[1]

کیونکہ ہم ایسے دور میں جی رہے ہیں جسے معجزات کا دور کہا جاتا ہے، اور اس دور میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں موت کے بعد دو تین سال کے بعد اُٹھا دیا گیا ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ ہم اپنی اس ہزیمت کی وجہ سے ایک وقتی اور عارضی سی سعادت سے محروم ہو گئے ہیں، لیکن یہ ضرور ہے کہ ایک بہت جلد آنے والی دائمی سعادت ہماری منتظر ہے، اور یہ کہ ان حالات میں جو شخص ایک محدود، تغیر پذیر اور جزوی حال کے بدلے میں ایک وسیع و عریض اور بے پایاں مستقبل کو اختیار کرلے گا تو وہ یقیناً نفع میں رہے گا۔ اچانک مجلس کی طرف سے ایک آواز گونجتی ہے اور کہتی ہے: وضاحت کریں۔ میں نے کہا:

جنگیں اس دور میں اقوام و مِلَل اور حکومتوں کے درمیان جنگوں سے بدل کر انسانی طبقات کے درمیان ہونے والی جنگوں میں تبدیل ہو چکی ہیں، چنانچہ جس طرح انسان قیدی بننا قبول نہیں کرتا ہے، اسی طرح وہ مزدور بننا بھی پسند نہیں کرتا۔

اگر ہم جیت جاتے تو ہو سکتا ہے کہ اپنے دشمنوں کے استبداد کے دھارے میں بے اختیار بہتے چلے جاتے! جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ یہ دھارا بڑا ظالم ہے، عالم اسلام کی طبیعت کے بالکل منافی اور اہلِ ایمان کی مطلق اکثریت کی مصلحت کے خلاف ہے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کی عمر بالکل تھوڑی ہے، اور اس کا انجام یہ ہے کہ یہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا، اس لیے ہم اگر اسے اختیار کر لیتے تو عالمِ اسلام کو ایک ایسے راستے پر ڈال دیتے جو اس کی طبیعت اور فطرت کے بالکل منافی ہے، لیکن ہم اس بات کے پابند بنا دیے گئے ہیں کہ ایشیا کے اطراف و اکناف میں اس خبیث مدنیت کی حفاظت کریں جس سے ہمیں نقصان کے علاوہ کچھ بھی نہیں ملا ہے، جس کی سیآت اس کی حسنات پر غالب ہیں، شریعت جسے ٹھکراتی ہے، انسانی مصلحت یہ تقاضا کر رہی ہے کہ یہ ختم ہو جائے گی، اور ان کی بیداری یہ فیصلہ کر رہی ہے کہ اس کا

---

[1] اس سے تمام عالمِ اسلام کے مسلمانوں کی تعداد کو خلافتِ عثمانیہ کے مسلمانوں کی تعداد کے ساتھ ملا کر مجموعی طور پر مسلمانوں کی کل تعداد مراد ہے۔

چراغ گل ہونے ہی والا ہے...... یہ مدنیت اپنے معنی میں ایک بنیادی و ابتدائی، متوحش، ظالم و جابر اور رذالتوں سے بھری ہوئی مدنیت ہے۔

اہلِ مجلس میں سے ایک اور آدمی بولا:

شریعت اس مدنیت کو ٹھکراتی کیوں ہے؟[1]

میں نے کہا:

کیونکہ یہ پانچ فاسد بنیادوں پر کھڑی ہے، چنانچہ:

1۔ اس کا نقطۂ استناد ''قوت'' ہے، اور قوت کی فطرت میں ظلم و زیادتی ہے۔

2۔ اس کا ہدف و مقصد ''مصلحت'' ہے اور اس کی عادت ''دھکم پیل'' ہے۔

3۔ زندگی میں اس کا دستور زور آزمائی اور ''اکھاڑ پچھاڑ ہے۔ اور اکھاڑ پچھاڑ کا مطلب ''کشمکش'' اور کھینچا تانی ہے۔

4۔ اور اس کے ہاں انسانی گروہوں کے درمیان روابط و تعلقات کی بنیاد نسل پرستی اور نقصان دہ قومیت ہے اور یہ دونوں چیزیں دوسروں کو ہڑپ کرنے تک پہنچا دیتی ہیں، اور نسل پرستی و قومیت فطری طور پر ہولناک قسم کے تصادموں کا باعث بنتی ہے۔

5۔ رہی اس کی پرکشش سرگرمی، تو وہ ہے ہوا و ہوس کی حوصلہ افزائی، ان کی خواہشات و رغبات کی تکمیل کرنا اور ان کے مطالبات پورے کرنے کے لیے راستے ہموار کرنا۔

اور ہوا و ہوس انسانیت کے مقام کو فرشتوں کے درجے سے اٹھا کر کتوں کے پست مقام پر گرا دیتی ہے، اور انسان کو معنوی طور پر مسخ کر کے رکھ دیتی ہے، چنانچہ تہذیب و تمدّن کے دلدادگان کی اکثریت کی حالت یہ ہے کہ ان کے باطن اگر تبدیل ہو کر ظاہر بن جائیں اور ان کی سیرتیں اگر صورتیں بن جائیں تو خیال کی دنیا میں ان کھالوں کے اندر آپ کو بھیڑیے، ریچھ، سانپ، خنزیر اور بندر نظر آئیں گے۔

---

[1] اس سے ہماری مراد تہذیب کے وہ فضائل و محاسن ہیں جو نوعِ انسان کے لیے مفید ہیں، نہ کہ اس کی برائیاں، بدکاریاں اور بے حیائیاں جنھیں بیوقوف لوگ اچھائیاں سمجھ رہے ہیں اور ان کی اس طرح اندھی تقلید کر رہے ہیں کہ ہمیں فنا کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ اور اس تہذیب کی سیّآت کے حسنات سے بھاری ہو جانے پر اور اس کے گناہوں کے اس کے فضائل پر غالب آ جانے کی وجہ سے نوعِ انسان نے پچھلی دو عالمی جنگوں میں دو اتنے زناٹے دار تھپڑ کھائے ہیں کہ اس گناہ آلود تہذیب کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا ہے، حتیٰ کہ نوعِ انسانی نے اسے خون کی قے کی صورت میں اُگل دیا ہے جس سے زمین کی سطح سرخ ہو گئی ہے، مستقبل میں ان شاء اللہ اسلام کی قوت کی برکت سے تہذیب کی خوبیاں غالب آ جائیں گی، زمین کی سطح اس کی میل کچیل سے صاف ہو جائے گی اور عالمی امن متحقق ہو جائے گا۔ (سعید)

اور یوں اس معاصر تہذیب نے سو میں سے اسی لوگوں کو مشقت اور بدبختی میں ڈال دیا ہوا ہے، اور دس فیصد کو وہمی سعادت سے ہم کنار کر دیا ہے، اور بقیہ دس کو اس طرح کا بنا دیا ہے کہ وہ نہ ادھر کے رہے ہیں نہ ادھر کے! سعادت تو سعادت اس وقت کہلائے گی ناں جب اس سے تمام لوگ یا اکثر لوگ بہرہ ور ہوں گے، لیکن اِدھر تو معاملہ یہ ہے کہ یہ صرف قلیل ترین لوگوں کے حصے میں آئی ہے، اور قرآن جو کہ نوع انسان کے لیے سراپا رحمت ہے، ایسی کسی تہذیب کو قبول نہیں کرتا ہے جو تمام لوگوں کی، یا کم اَز کم اکثریت کی سعادت کی ضمانت نہ دے سکے۔

پھر اس بگنٹ حرص و ہوا کے غلبے کی وجہ سے بہت سی غیر ضروری حاجات بن چکی ہیں، چنانچہ عہد بداوت میں ایک انسان جو کہ چار چیزوں کا محتاج تھا، جدید تہذیب نے اسے ایک سو حاجات کا محتاج کر کے ایک تہی دست فقیر بنا کر رکھ دیا ہے، اور پھر انسان جو کام کرتا ہے وہ اس کے اخراجات کے لیے کافی نہیں ہوتا، اس لیے اس کی ضروریات نے اُسے دھوکہ دہی اور حرام کمائی کے راستے پر لگا دیا ہے، اور اس کی تمام اخلاقی قدروں کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔

پھر اس تہذیب نے جماعت کو مال و ثروت سے نواز دیا ہے اور نوع کو فخر و غرور میں مبتلا کر دیا ہے، لیکن اس کے بالمقابل اس نے اشخاص و افراد کو فقرا، تہی دست اور اخلاق سے عاری بنا دیا ہے۔

قرونِ اُولی میں پائی جانے والی پسماندگی، بدنظمی، آوارگی اور وحشی پن کے جتنے بھی مظاہر تھے، اس تہذیب نے وہ سب ایک ہی دفعہ میں اُگل دیے ہیں، اور عالم اسلام کا اس تہذیب کو قبول کرنے سے کترانا، اس کے مقابلے میں سرد مہری کا مظاہرہ کرنا اور اسے قبول کرنے میں تردّد کا اظہار کرنا، یقیناً ایک قابلِ توجہ معاملہ ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت میں پائی جانے والی ہدایتِ الٰہی جو کہ استقلال و استغنا جیسی خصوصیات کی حامل ہے، ایسی ہدایت کی، رُوم کے فلسفے کی شاطری و عیاری کے ساتھ پیوندکاری کر دینا یا اس کے ساتھ مخلوط کر دینا ہی ممکن نہیں، چہ جائیکہ یہ ہدایت اس فلسفے کی پیروی کرے یا وہ فلسفہ اسے بالکل نگل ہی جائے!

باوجود اس کے کہ قدیم روم اور یونان دو جڑواں تہذیبیں تھیں اور ایک ہی جڑ سے پروان چڑھی تھیں، اور باوجود اس کے کہ تہذیب اور مسیحیت نے ان دونوں کو یکجا کرنے کی بہتیری کوششیں کیں، لیکن اس کے باوجود ان دونوں نے اپنی چالاکی و ہشیاری اور شاطری و عیاری کی وجہ سے مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اپنے استقلال کی حفاظت کی اور ان دونوں کا وجود تیل اور پانی کی طرح علیحدہ علیحدہ شناخت کا حامل رہا، حتی کہ اس وقت بھی وہ ایسی لگتی ہیں کہ جیسے یہ دو روحیں ہیں جو کہ دو مختلف صورتوں میں زندگی گزارنے کے لیے دنیا میں تناسخ کے ذریعے دوبارہ آ گئی ہیں۔

تو اگر یہ دو تہذیبیں جڑواں ہونے اور مخلوط ہو جانے کے تمام اسباب کے موجود ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط نہیں ہو رہی ہیں، تو پھر وہ نورِ ہدایت جو کہ شریعت کی روح ہے، اسے کسی بھی صورت میں روم کی اس چالاکی

ہشیاری کے ساتھ نہ تو مخلوط کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے اس کے ذریعے ہڑپ کیا جا سکتا ہے جو کہ اس آلودہ اور ظالم تہذیب کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔

انہوں نے کہا: تو پھر شریعت میں پائی جانے والی تہذیب کیسی ہے؟

میں نے کہا: جہاں تک اس تہذیب کا تعلق ہے جس کا حکم شریعت محمدیہ دیتی ہے، تو وہ اس موجودہ تہذیب کے چھٹ جانے کے بعد ظاہر ہوگی، اور ان فاسد بنیادوں کی جگہ پر مضبوط بنیادوں کو استوار کرے گی۔

اس کا نقطہ استناد قوت کی بجائے ''حق'' ہے، اور حق، عدل اور توازن کا امین ہے۔ اس کا ہدف مصلحت کی بجائے فضیلت ہے اور فضیلت کی فطرت میں محبت اور تجاذب پایا جاتا ہے۔

رہا اس کی وحدت کا پہلو، تو وہ قومیت اور نسل پرستی کی بجائے دین وطن اور طبقات کے ربط وضبط کا نام ہے اور یہ ربط وضبط خالص اخوت، مسالمت اور خارجی عدوان کے مقابلے میں دفاع پر مشتمل ہے۔

رہا اس کا دستورِ حیات، تو وہ زور آزمائی اور کشمکش کی بجائے، تعاون ہے، اور تعاون اتحاد اور تساند یعنی باہمی پشت پناہی کا باعث بنتا ہے۔

پھر یہاں ''ہوا'' کی بجائے ''ہدیٰ'' ہے، اور ہدیٰ کی خاصیت یہ ہے کہ اس سے انسانیت ترقی کر پاتی ہے اور روح تکمیل پاتی ہے؛ کیونکہ ہُدیٰ حرص وہوا کے غلبے کی حد بندی کرتی ہے اور کمینے نفسِ امارہ کی خواہشات ورغبات کی راہ ہموار کرنے کی بجائے روح کے بلند احساسات کی آواز پر لبیک کہتی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے اس ہزیمت کے نتیجے کو دوسرے دھارے کے ساتھ جوڑ دیا ہے، جو کہ مظلوموں کا اور اکثریت[1] کا دھارا ہے، کیونکہ اگر دیگر لوگوں کے ہاں مظلوموں اور فقیروں کا تناسب اسی فیصد ہے، تو ان کا تناسب ہم مسلمانوں کے ہاں نوے بلکہ پچانوے فیصد ہے۔

اس دوسرے دھارے کے مقابلے میں عالم اسلام کا موقف اگر عقل وفکر کے ذریعے اسلامی دھارے میں تبدیل کر دینے اور اس کا خدمت گزار بنا دینے کی بجائے معارضے اور لا اُبالی پن کی صورت میں ہی سامنے آتا رہا، تو عالمِ اسلام اس دھارے کے اس پر غالب آجانے کی وجہ سے بالکل تنہا اور بے سہارا ہو جائے گا، اس کی ہر کوشش ناکام ہوگی اور یہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گا؛ کیونکہ میرے دشمن کا دشمن جب تک اُس کے ساتھ دشمنی کرتا رہے گا میرا دوست ہوگا، جیسے کہ میرے دشمن کا دوست جب تک اس کی دوستی کا دم بھرتا رہے گا میرا دشمن رہے گا۔

---

[1] پہلی جنگ عظیم کے بعد دنیا کی بیشتر اقوام مراد ہیں۔ (مترجم)

ان دونوں دھاروں کی مصلحتیں اوراغراض ومقاصد متضاد ہیں، چنانچہ اگر ان میں سے ایک یہ کہے کہ: مرجاؤ، تو دوسرا کہے گا! اٹھ کھڑے ہوجاؤ۔ اس لیے ان میں سے ایک کی مصلحت اگر ہمیں نقصان، اختلاف، کمزوری اور غفلت میں لے جارہی ہو تو دوسرے کی مصلحت کا تقاضا یہ ہوگا کہ ہم بہرکیف مضبوط اور متحد ہوجائیں۔

مشرق یعنی اسلامی مشرق کی اقوام اور براعظم ایشیا کے عمومی باشندوں کے درمیان پائی جانے والی خصومت اسلام کی راہ کا روڑا بنتی تھی، اور اب وہ ختم ہوگئی ہے، اور اسے ختم ہو ہی جانا چاہیے، اور مغرب کی آپ کی لڑائی اہلِ اسلام کے درمیان اخوت اور اتحاد کی فضا پیدا کرنے کے لیے سب سے زیادہ مؤثر سبب ہے، اس لیے اسے باقی رہنا چاہیے۔

پھر اچانک یہ منظر نظر آیا کہ میری باتوں کی تصدیق کی علامات مجلس سے نمایاں ہونا شروع ہوگئیں، تب اہلِ مجلس نے کہا: ہاں، امید رکھو؛ کیونکہ مستقبل میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کے اندر اسلام کی صدائے بازگشت کی ایک چیختی چنگھاڑتی گونج سنائی دے گی، اور اس بات میں کوئی دوسری رائے نہیں ہوسکتی!

پھر ایک آدمی نے دوبارہ پوچھا: مصیبت ہمیشہ کسی گناہ کے نتیجے میں نازل ہوتی ہے، اور کسی عمل کے مکافات کا پیش خیمہ ہوتی ہے، تم نے آخر کیا کیا ہے کہ اپنے کردار کے ذریعے تقدیر کو اس بات کا قائل کرلیا ہے کہ وہ تم پر یہ مصیبت نازل کردے؟؛ کیونکہ عام مصیبت اکثریت کے گناہوں پر مرتب ہوتی ہے؛ تو پھر آپ لوگوں کی فوری سزا کیا ہو؟

میں نے کہا: اس مصیبت کا پیش خیمہ یہ ہے کہ ہم ارکانِ اسلام میں سے نماز، روزے اور زکوٰۃ جیسے تین ارکان اسلام کو بے کار سمجھ کر چھوڑ چکے ہیں، اور وہ اس طرح کہ خالق نے ہم سے پانچ نمازوں کے لیے چوبیس گھنٹوں میں سے صرف ایک گھنٹہ مانگا لیکن ہم نے نمازوں کے بارے میں سستی کا اظہار کیا: تو نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے ہمیں محنت مشقت، ٹریننگ اور جہدِ مسلسل کی صورت میں ایک ایسی نماز پر لگا دیا جو ہم مسلسل پانچ سال دن رات بغیر وقفے کے پڑھتے رہے[1] پھر اس نے ہم سے ایک سال میں سے صرف ایک مہینہ مانگا کہ ہم اس میں روزے رکھا کریں، لیکن ہم بھوک پیاس کے ڈر سے روزے نہ رکھے، تو پھر اس نے ہم سے اس کا کفارہ ادا کرنے کے لیے پانچ سال روزے رکھوائے۔

پھر اس نے ہمیں اپنے ہی عطا کردہ مال سے بطور زکوٰۃ دسواں یا چالیسواں حصہ مانگا، لیکن ہم نے بخل کیا اور ظلم کیا، تو اس نے ہمیں ڈھیروں کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنے پر مجبور کردیا؛ کیونکہ بدلہ تو اسی طرح کا دیا جاتا ہے جس طرح کا عمل ہو۔

---

[1] ان پانچ سالوں کی طرف اشارہ ہے جن میں خلافتِ عثمانیہ نے پہلی جنگ عظیم میں شرکت کی اور یہ عرصہ 1914ء سے لے کر 1919ء کا ہے۔

رہی ہماری وہ سزا جو ہمیں نقد ملی، تو وہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس امت کو جو کہ فسوق وعصیان میں گر چکی ہے۔ خُمس یعنی پانچواں حصہ معاف کر دیا ہے، یعنی اتنا حصہ جو کہ چار ملین لوگوں کو پورا آتا ہے، اور انہیں ترقی دے کر ولایت کے درجے پر فائز کر دیا ہے، اور انہیں جہاد اور شہادت کا مقام عطا کر دیا ہے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ عام غلطیوں سے جنم لینے والی اس عام مصیبت نے ماضی کے تمام گناہ دھوڈالے ہیں۔

پھر ان میں سے ایک نے یہ بھی کہا:

اگر کچھ ذمہ دار لوگوں نے غلطی کر کے امت کو تباہ کر دیا ہے، تو اِس کا کیا جائے؟

تو میں نے کہا: مصیبت میں مبتلا آدمی اس کا بدلہ چاہتا ہے، اب یا تو اسے اس کا بدلہ اُس ذمہ دار آدمی کی نیکیوں سے دیا جائے گا جس نے اُس غلطی کا ارتکاب کیا ہے، لیکن ادھر حالت یہ ہے کہ یہ ذمہ داران ایک ایسی چیز پر حکومت کر رہے ہیں جو ہے ہی نہیں؛ اور یا پھر اسے بدلہ غیب کے خزانے سے دیا جائے گا، اور اس طرح کے اعمال کا غیب کے خزانے سے بدلہ ملنے کا مطلب جہاد اور شہادت کے درجے پر فائز ہونا ہے۔

تب میں نے دیکھا کہ: مجلس نے میری گفتگو کو پسند کیا ہے اور اس کی داد دی ہے۔

پھر میں اپنے اس شدید اعصابی تناؤ سے بیدار ہو گیا، اور میں نے خود کو چار پائی پر بیٹھے ہوئے پایا، میں ہاتھ گرہ کی صورت میں باندھے ہوئے تھا اور پسینے سے شرابور تھا۔

وہ تمام رات اسی حالت میں گزری۔

بدیع الزمان کتابیں اکٹھی نہیں کرتے تھے اور اپنے ساتھ کوئی کتاب نہیں رکھتے تھے، اُن سے جب پوچھا جاتا کہ وہ دیگر کتابیں کیوں نہیں پڑھتے ہیں؟ تو وہ جواب دیتے: میں قرآن کریم سے سمجھ سوچ اِس طریقے سے حاصل کرتا ہوں کہ اپنی سمجھ کو قرآن کے علاوہ ہر چیز کی سوچ سے خالی کر دیتا ہوں۔

وہ جب دیگر کتابوں سے کوئی چیز نقل کرتے — جیسے بعض ایسے مسائل جنہیں وہ بہت زیادہ اہم سمجھتے ہوں — تو اسے کسی بھی تبدیلی کے بغیر نقل کرتے۔ اُن سے جب پوچھا جاتا کہ آپ ایک بات بعینہٖ اُسی طرح کیوں دہرا دیتے ہیں؟ تو وہ جواب دیتے: حقیقت سے دل اُکتاتا نہیں، اس لیے میں اس کی پوشاک تبدیل کرنے کو پسند نہیں کرتا۔

جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بدیع الزمان نے اپنے بارہ عدد رسائل کو طبع کروانے کے لیے کہا تھا جو قرآنی حقائق

کے بارے میں بحث کرتے تھے،[1] اُن میں سے تین چار تو تُرکی زبان میں تھے اور باقی عربی زبان میں۔ یہ رسائل حقائق کا اثبات ایسے اسلوبِ بیان کے ساتھ کرتے ہیں کہ اس کی نظیر آج تک کسی کتاب میں شاید نظر آتی ہے۔

---

[1] بدیع الزمان سعید نورسی کی وہ تالیفات جن میں سے بعض اُنہوں نے استنبول میں اور بعض انقرہ میں طبع کروائیں، بعد میں جو چالیس سال کے بعد دوسری بار "المثنوی العربی النوری" کے نام پر ایک مجموعے کی شکل میں نشر کردی گئیں۔ اس کتاب کے مقدمے میں انہوں نے ان تالیفات کے بارے میں بتاتے ہوئے لکھا:

"قدیم سعید — لگ بھگ پچاس سال پہلے — عقلی اور فلسفی علوم کے ساتھ بہت زیادہ انہماک رکھنے کی وجہ سے حقیقت الحقائق تک پہنچنے کے لیے کسی ایسے مسلک ومشرب کی تلاش میں تھا جو طریقت وحقیقت کو ایک ساتھ لے کر چلنے والے لوگوں کی صف میں داخل ہو، اور اکثر اہلِ طریقت کی طرح صرف قلب کے متحرک ہوجانے کو کافی نہیں سمجھتا تھا، بلکہ وہ اپنی پوری کوشش، اپنی سوچ فکر اور اپنی عقل کو ان بیماریوں سے شفا دلانے میں صَرف کر رہا تھا جو فلاسفہ کی کتابوں کا دائمی مطالعہ کرنے سے اُسے لگ چکی تھیں۔ پھر — اِن بیماریوں سے خلاصی پانے کے بعد — اس نے بعض ایسے عظیم الشان اہلِ حقیقت کی اقتدا میں چلنا چاہا جو عقل اور قلب کے ساتھ حقیقت کی طرف متوجہ ہیں، تب اُس نے دیکھا کہ اُن میں سے ہر کوئی کسی نہ کسی جاذبِ نظر خصوصیت کا مالک ہے جو صرف اُسی کے ساتھ خاص ہے۔ لیکن ان میں سے ترجیح کسے دی جائے؟ اس معاملے میں وہ پریشان ہوگیا، تب امام ربانی نے ایک غیبی طریقے سے اپنے اس قول کے ساتھ اُس کی رہنمائی کی کہ: "وحِّدِ القبلة" اس کا مطلب یہ تھا کہ کسی ایک استاد کے پیچھے پیچھے چلو — تب زخموں سے چُور چُور قدیم سعید کے دل میں یہ بات آئی کہ حقیقی استاد قرآن کے علاوہ اور کوئی نہیں، اور ایک ہی قبلہ کی طرف منہ کر کے رکھنا اُسی صورت میں ممکن ہے جب ہر چیز کو چھوڑ کر صرف قرآن کی استادی پر کاربند رہا جائے۔ چنانچہ اُس نے اِس قدسی استاد کی رہنمائی میں اپنی روح اور اپنے دل کو بڑے عجیب وغریب طریقے سے چلانا شروع کیا اور اُس کے نفسِ امارہ نے اپنے شکوک وشبہات کے ساتھ اُسے معنوی علمی مجاہدے کے لیے مجبور کردیا۔

اس راستے میں گام زن ہونے، راستے کی مشقتیں سہنے اور شکوک وشبہات کا دفعیہ کرنے کے دوران اُس نے بہت سے مقامات طے کیے اور اُن کا بغور مطالعہ کیا، وہ ان مقامات میں ایسے داخل نہیں ہوا جیسے اہلِ استغراق داخل ہوتے اور آنکھیں بند کیے آگے نکل جاتے ہیں، بلکہ اُس نے قلب وروح وعقل کی آنکھیں کھولے ہوئے وہ انداز اختیار کیا جو امام غزالی، امام ربانی اور جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہم نے اختیار کیا تھا۔

پس الحمد للہ کہ اُس نے قرآن کے درس اور اس کی رہنمائی کے ذریعے حقیقت تک پہنچنے کا راستہ پالیا، حتّٰی کہ اُن "رسائل نور" کے ذریعے جو "جدید سعید" نے لکھے۔

وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَهُ آيَةٌ تَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ وَاحِدٌ کی حقیقت کو طشت اَز بام کردیا۔

ان مقامات میں اپنی سیر وسیاحت اور سلوک میں وہ امام غزالی، امامِ ربانی اور جلال الدین رومی کی طرح عقل کی نگرانی میں دل کے ساتھ اور دل کی حمایت میں عقل کے ساتھ تیز تیز چلتا رہا، یوں اس نے بہت کم عرصے میں اپنے دل اور روح کے زخموں پر مرہم رکھ لیا اور خود کو وساوس واوہام کی دلدل سے باہر نکال لیا۔ اور ان وساوس واوہام سے خلاصی پاجانے کے بعد "قدیم سعید" سے "جدید سعید" میں منقلب ہوگیا۔ وللہ الحمد۔

چنانچہ اس کے بعد اُس نے مثنوی شریف کی طرز پر — جو کہ فارسی زبان میں ہے — عربی زبان میں چھوٹی چھوٹی عبارتوں میں بہت سے رسائل لکھے، اور جب بھی اُسے فرصت ملتی انہیں طبع کروادیتا۔ وہ رسائل "قطرۃ"، "حباب"، "حبّہ"، "زھرۃ"، "ذرّہ"، "نقطہ"، "شعلہ"، "لوامع"، "رشحات" اور "لاسیمات" کے نام سے موسوم ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ "لمعات" اور "نقطہ" نامی دو رسالے ترکی زبان میں بھی لکھے۔ اور یہ مسلک اُس نے لگ بھگ پچاس سالوں کے دوران اُن "رسائل نور" میں واضح کیا جو "مثنوی شریف" کے ساتھ مشابہت اختیار کر گئے ہیں، البتہ اِن رسائل نے نفس وشیطان کے ساتھ داخلی طور پر مجاہدے کی بجائے حیرانیوں میں بھٹکتے ہوئے ضرورت مندوں کو بچایا اور گمراہیوں میں ڈگمگاتے فلسفیوں کو سیدھا راستہ سجھایا۔

اس سے واضح ہوگیا کہ "المثنوی العربی النوری" "رسائلِ نور" کے لیے ایک نرسری کی حیثیت رکھتی ہے۔ اُس نے مخفی طرق کی طرح نفوس کو اور انسان کے باطن کو پاک صاف کر کے معرفت الٰہیہ کا راز سمجھانے کی کوشش کی ہے، چنانچہ اُسے روح وقلب کے دائرے میں ایک راستہ کھول دینے کی توفیق سے نوازا گیا۔

رہے رسائل نور جو اُس کا پکا ہوا باغ ہے، انہوں نے انفسی دائرے میں کام کرنے کے ساتھ ساتھ جہری طرق کی طرح آفاقی اور خارجی دائروں کی طرف دیکھتے ہوئے ہر جگہ پر اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لیے، وسیع وعریض راستہ کھول دیا ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ یہ موسیٰ کی لاٹھی ہیں جہاں بھی ماری جائے گی آبِ زُلال بہادے گی۔

اسی طرح "رسائلِ نور" کا مسلک علماوحکما کا مسلک بھی نہیں ہے، بلکہ یہ قرآن کے معنوی اعجاز سے حاصل کیا ہوا مسلک ہے؛ کیونکہ یہ ہر چیز کے اندر سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کی کھڑکی کھول دیتے ہیں، چنانچہ ایک سالک راہ "رسائل نور" سے ایک گھنٹے میں اتنا کچھ حاصل کرلیتا ہے جو دیگر مسالک میں چلنے والے ایک سال میں حاصل کرپاتے ہیں۔ اور یہ چیز قرآن کریم کا ایک راز ہے جس کا انکشاف اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے کردیتا ہے اور پھر وہ آدمی اس راز کے ذریعے ہٹ دھرم قسم کے لوگوں کے حملوں کو روکتا ہے۔ رسائل نور نے اس ہیبت خیز دور میں اس طرح کے ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کا مقابلہ کیا بھی ہے اور ہمیشہ غالب ہی رہے ہیں۔"

یہاں استاد نورسی کا وہ کلام ختم ہوتا ہے جو انہوں نے "المثنوی" کے مقدمے میں لکھا ہے اور جس کا ترجمہ ان کے بھائی عبدالمجید نے کیا ہے، ہم نے ان کا یہ کلام معمولی سے تصرّف کے ساتھ بتمامہ نقل کردیا ہے۔

وہ جب "دار الحکمۃ الاسلامیۃ" میں رکن کی حیثیت سے کام کرتے تھے، ان دنوں ان میں ایک روحانی تغیر رونما ہوا تھا جس کا ذکر انہوں نے اپنی ایک تالیف میں کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

آج سے تیس سال قبل قدیم سعید کے غافل سر پر سخت قسم کے طمانچے پڑنے کی وجہ سے اُس نے ''اَلْمَوْتُ حَقٌّ'' والے قضیے کا تصور باندھا تو اُسے نظر آیا کہ وہ کیچڑ میں پڑا ہوا ہے۔ تب اُس نے بچ کر نکل جانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارے اور اس سے باہر نکلنے کا راستہ ڈھونڈا...... لیکن اس نے دیکھا کہ راستے مختلف ہیں۔

اس لیے وہ تردّد میں سرگرداں رہا...... تب اس نے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ''فتوح الغیب'' نامی کتاب سے فال نکالی، چنانچہ اُس نے اُسے کھولا تو اس میں یہ عبارت نظر آئی: أَنْتَ فِيْ دَارِ الْحِكْمَةِ فَاطْلُبْ طَبِيْبًا يُدَاوِيْ قَلْبَكَ[1]

اور عجیب بات یہ ہے کہ میں ان دنوں ''دار الحکمۃ الاسلامیۃ'' میں بطور عضو کام کر رہا تھا۔ اور گویا کہ میں اہلِ اسلام کے زخموں کا علاج و مداوا کرنے والا حکیم و معالج تھا، حالانکہ میں خود شدید بیمار تھا، اور بیمار کو چاہیے کہ سب سے پہلے خود اپنا علاج کرے پھر دوسروں کی طرف توجہ کرے۔

شیخ نے مجھے ایسے ہی مخاطب کیا اور کہا: تُو مریض ہے اس لیے کوئی طبیب تلاش کر جو تیرا علاج کرے۔ تو میں نے کہا: آپ ہی میرے طبیب بن جائیں۔

تب میں نے خود کو اُن کا مخاطب سمجھ کر کتاب کو پڑھنا شروع کر دیا۔ لیکن اُن کی کتاب کا لہجہ بہت سخت تھا، میرے غرور کو ہولناک طریقے سے توڑتا چلا جا رہا تھا، چنانچہ اس نے میرے نفس میں شدید قسم کے عملِ جراحی کا کام کیا جسے میں برداشت نہ کر سکا، چنانچہ میں اپنے نفس کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کتاب صرف آدھی پڑھ سکا؛ کیونکہ میرا ذہن یہی بن چکا تھا کہ اس کا رُخ میری طرف ہے اور اس کا مخاطب میں ہی ہوں اس لیے اُسے مکمل کرنا میرے بس میں نہ رہا۔ تب میں نے کتاب کو واپس الماری میں رکھ دیا...... پھر کچھ عرصے کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ اُس شفا بخش عملِ جراحی کی وجہ سے پیدا ہونے والے آلام ختم ہو گئے ہیں اور اُن کی جگہ ایک قسم کی لذّت نے لے لی ہے۔ چنانچہ میں نے اپنے پہلے استاد کی کتاب مکمل پڑھ ڈالی اور اس سے بہت فائدہ اُٹھایا اور اس کے اَوراد و وظائف و مناجات کو کان لگا کر غور سے سنا اور نہال ہو گیا۔

پھر میرے ہاتھ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی ''مکتوبات'' نامی کتاب لگی، میں نے اُسے نیک فالی کی نیت سے کھولا تو اس میں صرف دو مکتوبات میں ''بدیع الزمان'' کا لفظ پایا جاتا ہے۔ میں نے ان دو مکتوبات کو کھول کر دیکھا تو وہ دونوں ''میرزا بدیع الزمان'' نامی آدمی کی طرف لکھے گئے تھے؛ تو میں نے کہا سُبْحَانَ اللہ یہ تو مجھ سے ہی مخاطب ہے کیونکہ میرے والد کا نام ''میرزا'' اور اس دور میں قدیم سعید کا لقب ''بدیع الزمان'' تھا۔ اور میرے علم میں چوتھی صدی ہجری

[1] ''تُو دار الحکمت میں ہے، اس لیے کوئی ایسا طبیب تلاش کر جو تیرے دل کا علاج کرے۔''

میں گزرنے والے ''بدیع الزمان ہمدانی''، کے علاوہ کوئی بھی ایسا آدمی نہیں تھا جو اس لقب سے مشہور ہوا ہو!

اس لیے یہ ضروری ٹھہرا کہ امامِ ربانی کے زمانے میں اس نام کا آدمی ضرور رہا ہوگا جس کی طرف یہ دونوں خط لکھے گئے ہیں! اور ضروری ہے کہ اس آدمی کے حالات بھی میرے حالات کے ساتھ ملتے جلتے ہوں گے! اس لیے مجھے ان مکتوبوں میں اپنی بیماری کی دوا مل گئی۔

امام ربانی ان دومکتوبوں کی طرح دیگر مکتوبات میں بھی پورے اصرار اور تاکید کے ساتھ وصیت کرتے ہیں کہ:

اپنا قبلہ ایک ہی بناؤ، یعنی کسی ایک شخص کو اُستاد و مرشد بنا کر اس کے پیچھے چلو اور دیگر کسی کے ساتھ بھی خود کو مشغول نہ کرو۔

اُن کی یہ اہم وصیّت میری استعداد اور روحانی حالات کے موافق نہ بیٹھ سکی، میں سوچتا رہتا تھا کہ کس کے پیچھے لگوں اس کے یا اُس کے؟ چنانچہ میں حیران و سرگرداں رہا، کیونکہ ہر ایک میں مختلف پرکشش خصوصیات پائی جاتی ہیں اس لیے میں کسی ایک پر اکتفا نہیں کر سکتا تھا۔

میں اسی حیرت میں سرگرداں تھا کہ اچانک اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دل پر یہ بات وارد ہوئی کہ مختلف طرق کا سرِ آغاز، ندی نالوں کا سرچشمہ اور ان تمام سیاروں کا سورج قرآنِ حکیم ہے، اور قبلہ کو حقیقی طور پر ایک بنانے کا طریقہ صرف قرآن میں ہی ہے، اس بنا پر وہی مرشدِ اعلیٰ اور استادِ اَقدس ہے...... تب اسی دن سے میں نے اپنی تمام تر توجہ قرآن کریم پر مبذول کر دی اور اس کے دامن کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیا۔ یہ بات کسی بھی شک و شبہے سے بالاتر ہے کہ میری ناقص پراگندہ قابلیت اس مرشد حقیقی سے کما حقہ فائدہ نہیں اُٹھا سکتی، البتہ اس کا فیضان جو کہ آبِ حیات کی حیثیت رکھتا ہے اُسے اپنی حیثیت سے چوس سکتی ہے۔ اور اُس کے فیضان سے یہ بات بھی ممکن ہے کہ ہم اہلِ قلب اور اصحابِ حال کو ان کے درجات کے حساب سے اس فیضان کا دیدار کرا سکیں۔ پس ''مقالات'' اور رسائل کی صورت میں قرآن کریم سے کشید کردہ انوار فقط علمی اور عقلی مسائل ہی نہیں ہیں بلکہ یہ ایمانی قلبی، روحانی مسائل اور ایمانی احوال ہیں، یہ انتہائی قیمتی اور بلند پایہ معارف الٰہیہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اُن سے پوچھا جاتا تھا کہ: ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ جنگ عظیم میں ہماری شکست پر کافی افسردہ ہیں؟ تو وہ جواب دیتے: جہاں تک میرے آلام و مصائب کا تعلق ہے، تو وہ میں نے برداشت کر لیے ہیں، لیکن اہلِ اسلام کے آلام و مصائب مجھے نچوڑتے جا رہے ہیں...... عالمِ اسلام کو لگنے والی ضربوں کو میں محسوس کر رہا ہوں کہ سب سے پہلے میرے دل پر لگ رہی ہیں اور یہی وہ چیز ہے جس کے غم سے دل بجھتا جا رہا ہے! پھر کہتے — اور یہ کہتے ہوئے ان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل جاتی — لیکن مجھے ایک نور نظر آ رہا ہے جو مجھے یہ سارے مصائب بھلا دے گا۔

وہ جن دنوں استنبول میں تھے، ان دنوں انہوں نے وطن اور اُمت کے لیے سب سے بڑی، سب سے اہم اور سب سے زیادہ مؤثر خدمت سرانجام دی، اور وہ ہے ان کا ''خطوات ستہ'' نامی کتاب شائع کر کے دین کی عزت اور اسلام کے

شرف کی نگرانی و پاسبانی کرنا اور ظالم، باغی اور سرکش لوگوں کی ناک کاٹ کر رکھ دینا۔ ان کی بہادری، جرأتمندی اور کمالات کی عملی دلیل ہمیں ان کے ان چھ عدد سیدھے، سلیس اور تیکھے جوابات سے ملتی ہے جو اُن سوالات کے منہ پر چھ عدد معنوی طمانچوں کی حیثیت رکھتے ہیں جو استنبول پر قبضے کے دوران انگلیکان برطانوی کلیسا کی طرف سے اسلامی مشیخت سے کیے گئے تھے۔

یہ رسالہ طبع ہو گیا اور استنبول میں متعین انگریز گورنر جنرل کو اس کے مضمون کے بارے میں بتا دیا گیا، اور اُسے یہ خبر بھی دے دی گئی کہ بدیع الزمان ہمہ وقت انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہتا ہے اور اس ضمن میں وہ سُستی نہیں دکھاتا۔

اس پر اُس متکبر اور سرکش گورنر نے اُسے قتل کر کے راستے سے ہٹا دینے کا فیصلہ کر لیا، لیکن انہی مخبری کرنے والوں میں سے بعض لوگوں نے اسے سمجھایا اور ڈرایا کہ ایسا کرنے سے مشرقی اناطولیہ انگریزوں کا ابدی دشمن بن جائے گا، اور وہاں کے قبیلے کسی بھی قیمت پر بغاوت کا اعلان کر دیں گے۔ تب اُس نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا اور اُس کے خلاف کچھ نہ کر سکا۔

انگریزوں نے استنبول میں شیخ الاسلام کو اور دیگر علما کو مکر و فریب کے ساتھ رام کر کے اپنی صفوں میں ملانے کی جو سر توڑ مذموم کوششیں کیں، ان کے مقابلے میں بدیع الزمان اپنے ''خطوات ستہ'' نامی رسالے کے ذریعے اور استنبول میں اپنی نشاط انگیز سرگرمیوں کے ساتھ انگریزوں کی ترکوں کے ساتھ اور تمام عالم اسلام کے ساتھ تاریخی دشمنی کی حقیقت کا انکشاف کرنے میں لگے ہوئے تھے، اور ان کی استعماری فریب کاریوں اور سیاسی چالوں کا پردہ چاک کر رہے تھے۔ اس طرح وہ اناطولیہ میں وطن کی آزادی کی تحریک کو کندھا دینے والی ایک اہم جہت کی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔ ذیل میں ہم ان کا خصوصی طور پر اس موضوع کے ساتھ تعلق رکھنے والے کلام کا ایک اقتباس نقل کر رہے ہیں:

> ''انگریز جب استنبول پر قبضہ کر رہے تھے اور ان کی توپیں اس کے درّے پر گولے برسا رہی تھیں، انگلیکان چرچ کے سب سے بڑے بشپ نے — انگلیکان برطانیہ میں سب سے بڑا چرچ ہے — اسلامی مشیخت کو چھ سوال لکھ کر بھیجے اور ان کے جواب طلب کیے۔ میں ان دنوں ''دارالحکمۃ الاسلامیۃ'' کا رکن تھا۔ مجھ سے کہا گیا کہ ان سوالوں کے جواب دو، وہ لوگ اپنے ان چھ سوالوں کا جواب چھ سو کلمات کے ساتھ چاہتے ہیں۔ تو میں نے کہا: میں نہ چھ سو الفاظ کے ساتھ جواب دوں گا، نہ چھ کلمات کے ساتھ، بلکہ ایک کلمے کے ساتھ بھی نہیں، میں تو جواب میں صرف ان کے مونہوں پر تھوک دوں گا؛ کیونکہ تم سب لوگ دیکھ رہے ہو کہ یہ جب سے ان لوگوں نے اپنے پاؤں ہمارے درّے پر ٹکائے ہیں اور ہمارا گلا گھونٹنا شروع کیا ہے، ان کا قائد پادری بڑے فخر و غرور اور لاف زنی سے ہمیں سوال لکھ کر بھیج رہا ہے، اس لیے اس کے جواب میں اس کے چہرے پر تھوکنا ہی ضروری ہے۔ اِن سرکش ظالموں کے بے رحم چہروں پر

تھوک دو۔''

انقرہ کی حکومت نے[1] بدیع الزمان کو ان کے مقام و مرتبہ کی داد دینے اور اُن کی اُن کامیاب خدماتِ جلیلہ کا اعتراف کرنے کے لیے انقرہ آنے کی دعوت دی، جو خدمات انہوں نے استنبول میں سرانجام دیں اور جن کے ترکی قوم کو بہت زیادہ فائدے ہوئے۔ مصطفیٰ کمال پاشا[2] نے یہ دعوت انہیں ٹیلیگرام کے ذریعے دی، لیکن انہوں نے جواب میں کہا: میں خطرناک جگہوں پر رہ کر مقابلہ کرنا چاہتا ہوں، خندقوں کے پیچھے سے جہاد کرنا مجھے پسند نہیں، میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ علاقہ اناطولیہ سے زیادہ خطرے کی زد میں ہے۔

آپ کو ٹیلیگرام کے ذریعے تین دفعہ دعوت دی گئی اور بالآخر انہوں نے اپنے دوست رکنِ قومی اسمبلی اور ''وان'' کے گورنر ''تحسین بک'' کی دعوت پر انقرہ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ انقرہ میں اگرچہ ان کا بڑی گرم جوشی کے ساتھ استقبال ہوا، لیکن وہاں انہیں وہ ماحول نہ مل سکا جس کی انہیں اُمید تھی۔ اس لیے انہوں نے اپنی اقامت گاہ ''جامع مسجد حاجی بیرام'' کے ہمسائے میں منتقل کر لی۔

انقرہ آ کر انہیں جس چیز کی وجہ سے بہت زیادہ تکلیف محسوس ہوئی، یہ تھی کہ انہوں نے دیکھا کہ قومی اسمبلی کے اراکین مغرب کی تقلید میں، اور اسلام کے ان شعائر کے بارے میں سستی برتنے کی وجہ سے دینی معاملات سے لاتعلق ہو چکے ہیں جو ترک قوم کے تاریخی مفاخر میں شمار ہوتے ہیں، چنانچہ آپ نے انہیں مخاطب کر کے ایک بیان دیا جو اُن کے لیے اس اسمبلی میں عبادت کی اور خاص کر نماز کے التزام کی اہمیت واضح کرتا ہے اور اُن پر اِس کے واجب ہونے کی تاکید کرتا ہے۔ ''کاظم قر بکر پاشا'' نے وہ بیان ''مصطفیٰ کمال پاشا'' کے سامنے پڑھ کر سنایا۔ وہ بیان یہ ہے:

''أَيُّهَا الْمَبْعُوثُونَ! إِنَّكُمْ مَبْعُوثُونَ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ''[3]

اے مجاہدینِ اسلام! اور اے اہلِ حلّ وعقد! میں تمہاری توجہ مندرجہ ذیل دس باتوں اور کچھ نصیحتوں کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو آپ کو اللہ کا یہ فقیر ایک خاص معاملے کے بارے میں بتا رہا ہے:

1۔ اللہ تعالیٰ کی وہ عظیمُ الشان نعمت جو اِس فتح میں آشکار ہوئی ہے،[4] شکر کی طلب گار ہے، تا کہ یہ ہمیشہ رہے اور

---

[1] انقرہ کی حکومت کچھ پولیس اور فوجی افسروں کے ہاتھوں اُس وقت قائم ہوئی جب انگریزوں نے استنبول پر قبضہ کر کے اسے اپنا پایۂ تخت بنا لیا تھا۔

[2] اِس سے مراد ''اتاترک'' ہے جو اُس مرحلے میں قائم کی گئی قومی اسمبلی کا سربراہ تھا۔

[3] اے ''مبعوثو! تم ایک بڑے دن میں مبعوث کیے جاؤ گے''، یعنی اُٹھائے جاؤ گے۔ مبعوث اس دور میں قومی اسمبلی کے ممبر کو کہا جاتا تھا۔ (مترجم)

[4] اس سے مراد وہ موقع ہے جب استعماری قبضے سے آزادی کی جنگ میں پہلی جنگ عظیم میں عثمانی سلطنت کے شکست کھا جانے کے بعد بدیسی قوتوں نے ترکی پر دھاوا بول دیا تھا اور ترک قوم نے ان کا حملہ پسپا کر دیا تھا۔

بڑھتی رہے، ورنہ نعمت کے مقابلے میں اگر شکر کا رویہ اختیار نہ کیا جائے تو وہ زائل ہو جاتی ہے۔ آپ لوگوں نے چونکہ اللہ کی توفیق سے قرآن کے دشمنوں کے حملوں سے مُلک حفاظت کی ہے، اس لیے آپ لوگوں پر یہ لازم ہے کہ اس کے اوامر پر عمل کریں، اور ان اوامر میں سے ایک امر نماز ہے جو کہ اس کے قطعی صریح فرائض میں سرِ فہرست ہے، اور ایسا کرنا اس لیے ضروری ہے تا کہ اس دیدۂ زیب صورت میں قرآن کا فیضان آپ لوگوں پر مسلسل جاری و ساری رہے۔

2۔ تم لوگوں نے عالمِ اسلام کو خوش کر دیا ہے اور اس کا دل جیت لیا ہے، لیکن یہ چیز دوام اس وقت اختیار کرے گی جب اسلامی شعائر کی پابندی ہوگی؛ کیونکہ مسلمان تم لوگوں کے ساتھ محبت تمہارے اسلام کی وجہ سے کرتے ہیں۔

3۔ تم لوگ اس دنیا میں ان مجاہدین وشہدا کے قائد رہے جو اولیاء اللہ کی حیثیت رکھتے ہیں، اور ہمّتِ عالی رکھنے والے لوگوں کا کام یہ ہے کہ وہ دوسری دنیا میں اس نورانی گروہ کے رُفقا بننے کے لیے کوشش کرتے رہیں، اور یہ اُس صورت میں ممکن ہے جب قرآنِ کریم کے قطعی اوامر کے مطابق زندگی بسر کی جائے، اور اگر ایسا نہ ہوا تو تم لوگ — جو یہاں قائد ہو — وہاں کے ایک سپاہی سے نور مانگنے کے لیے مجبور ہو جاؤ گے!!

آگاہ رہو کہ یہ کمینی دنیا اپنے تمام تر جاہ وجلال وشہرت سمیت کوئی ایسی متبع نہیں ہے جس سے کوئی عقل مند آدمی سیر ہو سکے، اس سے مطمئن ہو جائے یا براہِ راست دنیا برائے دنیا حاصل کرنے میں لگا رہے۔

4۔ اس مسلمان قوم کے گروہ حتّٰی کہ ان میں جو بے نماز بھی ہیں — بلکہ جو فاسق بھی ہیں — اپنا سربراہ کوئی دین دار آدمی دیکھنا چاہتے ہیں، کردستان میں عام طور پر کسی سرکاری ملازم سے جو سوال ہوتا ہے نماز کے بارے میں ہوتا ہے، اگر وہ ملازم نمازی ہے تو اس پر اعتماد کرتے ہیں، ورنہ وہ آدمی کتنا بھی قابل کیوں نہ ہو، ان لوگوں کی نظر میں مشکوک ہی رہتا ہے۔

چنانچہ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ''بیت الشباب''[1] کے قبیلوں کے درمیان اضطراب واقع ہو گیا، میں نے وہاں جا کر وجہ پوچھی تو لوگوں نے مجھے بتایا کہ: ہمارے علاقے کا ناظم نماز نہیں پڑھتا ہے، ہم لوگ ایک بے دین آدمی کی بات کیسے مان سکتے ہیں؟ حالانکہ صورت حال یہ تھی کہ یہ بات کہنے والے خود بے نماز تھے، بلکہ اس سے بڑھ کر وہ چور ڈاکو بھی تھے!!

5۔ اکثر انبیاء علیہم السلام کا مشرق میں آنا، اور زیادہ تر حکما وفلاسفہ کا مغرب میں آنا تقدیرِ ازلی کی طرف سے اس بات کی رمز ہے کہ مشرق میں جو چیز اُبھرے گی وہ دین اور دل ہوگا فلسفہ اور عقل نہیں۔ اب تم لوگوں نے جب مشرق میں ادراک کو بیدار کر دیا ہے تو پھر ایسی چال چلو جو اُس کی فطرت کے ساتھ مطابقت رکھتی ہو، ورنہ تمہاری تمام تگ ودَو یا تو بے کار چلی جائے گی، یا اُس کے اثرات سطحی سے رہ جائیں گے۔

---

[1] ''بیت الشباب'' سیریا اور عراق کی سرحدوں کے قریب مشرقی ترکی کے جنوب میں ایک علاقے کا نام ہے۔

6۔ تمہارا اور اسلام کے دشمن یعنی انگریزوں نے تمہاری دین سے بیگانگی کا خوب فائدہ اُٹھایا اور اُٹھا رہے ہیں، بلکہ میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ یہ لوگ اسلام کا جو نقصان کر رہے ہیں اس نقصان سے کم نہیں جو اسے یونانیوں نے پہنچایا تھا۔[1] اس لیے تمہارے لیے یہ ضروری ہے کہ اسلام کی مصلحت اور امت کی سلامتی کی خاطر اسے بے کار سمجھ کر چھوڑ دینے کے بجائے اسے عمل میں لاؤ۔

یہ بات تو تم لوگوں پر واضح ہو چکی ہے کہ ابنائے امت نے وطن کے اندر تو اتحادیوں کا استقبال صرف اس بنا پر نہایت کراہت، نفرت اور بیزاری سے کیا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے دین کو کوئی اہمیت نہیں دی ہے، حالانکہ وہ لوگ عزم وثبات اور ایثار وقربانی کا پیکر تھے، اور حالانکہ اسلام کی اس موجودہ بیداری میں ان کا بڑا کردار ہے! لیکن وطن سے باہر کے مسلمانوں کے دلوں میں ان لوگوں کی بڑی عزت ہے، اور وہ ان کا بڑا احترام کرتے ہیں؛ کیونکہ انہیں اس بات کا علم نہیں کہ یہ لوگ دین سے بیزار ہیں۔

7۔ باوجود اس کے کہ عالمِ کفر اپنے تمام وسائل وذرائع، اپنی تہذیب، اپنے فلسفے، اپنی سائنس اور اپنے مددگاروں کے ساتھ عالمِ اسلام پر حملہ آور ہو چکا ہے اور باوجود اس کے کہ وہ اس پر بہت عرصے سے مادی طور پر غالب بھی آ چکا ہے، اس سب کے باوجود وہ اس پر دینی طور پر غلبہ حاصل نہیں کر سکا ہے۔

اسلام نے سنت اور جماعت کے ذریعے اپنی قُوّت وصلابت کی حفاظت کیے رکھی ہے، جبکہ دیگر گمراہ اسلامی فرقے اقلیت میں، نقصان دہ اور محکوم رہے ہیں۔ اس بنا پر یورپ کی اس غلیظ تہذیب سے ٹپکنے والا کوئی بھی نیا دین بیزار دھارا عالم اسلام کے سینے میں عزّت کی جگہ نہیں بنا سکتا ہے، مطلب یہ ہے کہ عالمِ اسلام میں کوئی بھی قابلِ ذکر انقلاب اسلامی دستوروں کی ماتحتی کے ذریعے ہی ممکن ہے، اسلامی دستوروں سے انحراف کر کے ایسا ہونا ممکن ہی نہیں، اور پہلے کبھی ایسا ہوا بھی نہیں، اور اگر کبھی ہوا ہے تو وہ پلک جھپکتے میں ختم ہو گیا ہے۔

8۔ ایک ایسے وقت میں کہ جب قرآن کی تہذیب و مدنیت غالب آنے ہی والی ہے، اور جب یورپی تہذیب جو کہ مفاسد ورذائل سے بھری پڑی ہے اور جو دین کو کمزور کرنے کا سبب بن گئی ہے، یہ تہذیب پارہ پارہ ہونے کو ہے؛ دین کو بے کار سمجھ کر اور اس کے احکام میں سُستی کا مظاہرہ کر کے کوئی مفید وکارآمد اور ایجابی عمل کرنا ممکن ہی نہیں، رہا تخریب کار، نقصان دہ اور سلبی عمل، تو اس میں اسلام نے جو زخم کھائے اور غم اٹھائے ہیں، اُس کے لیے وہی کافی ہیں۔

9۔ وہ لوگ جو تُم لوگوں سے محبت کرتے ہیں، تمہاری کوششوں کی اور فتح یابیوں کی قدر کرتے ہیں، جمہور مومنین ہی ہیں، اور خاص کر عوام کا طبقہ، اور وہ صاحبِ استقامت اور محلِ ثقہ مسلمان ہیں۔ یہ لوگ تمہارے ساتھ سچی محبت کا

---

[1] پہلی جنگ عظیم کے بعد یونان نے ترکی کے کچھ علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا، استاد نورسی نے اپنا یہ خطاب اس وقت کیا تھا جب یونان ان مقبوضہ علاقوں کو چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

برتاؤ کرتے ہیں، تمہارے شانہ بشانہ چلتے ہیں، تمہارے چاہنے والے ہیں، تمہاری قربانیوں کی قدر کرتے ہیں اور تمہیں ایک عظیمُ الشان اور خوبصورت ترین بیدار اور یادگار قسم کی قوت پیش کرتے ہیں؛ اس لیے اسلام کی مصلحت کے نام پر تمہارے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ قرآن کریم کے اوامر کی اطاعت کرتے ہوئے اِن لوگوں کے ساتھ میل جول رکھو اور ان پر اعتماد کرو۔ ورنہ افرنگیوں کے ان مقلدوں کو اور یورپ کے بد بخت شیدائیوں کو — جو کہ اسلام سے خالی ہو چکے ہیں اور اُمت سے اپنا رشتہ توڑ چکے ہیں — آگے کر دینا اور انہیں عام مسلمانوں پر فضیلت دے دینا اسلامی مصلحت کے بالکل منافی ہوگا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عالمِ اسلام اپنا چہرہ تمہارے علاوہ کسی اور طرف پھیر لے گا، اُن سے مدد مانگے گا اور سہارا ڈھونڈے گا۔

10۔ اگر کسی راستے میں ہلاکت کے نو عدد اور نجات کا صرف ایک احتمال ہو، تو ایسے خطرناک راستے پر ایک متہوّر اور مجنون قسم کا آدمی ہی چلے گا جسے اپنی زندگی کی کوئی پروا نہ ہو۔ اگر ہم دینی فرائض میں سے کسی ایک فریضے پر عمل پیرا ہونے کو دیکھیں، جیسے کہ نماز ہے جو کہ چوبیس گھنٹوں میں سے صرف ایک گھنٹہ لیتی ہے، تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں نجات کا احتمال سو میں سے ننانوے فیصد موجود ہے، لیکن نقصان کا احتمال اس میں سو میں سے صرف ایک فیصد ہے، اور وہ بھی دنیاوی نقصان ہے جس کی بنیاد غفلت اور کسلمندی ہے، لیکن فرائض کو ترک کر دینے کے نقصان کی نسبت سو میں سے ننانوے فیصد ہے، جبکہ اس میں نجات کا ایک احتمال ہو سکتا ہے جس کی بنیاد غفلت و گمراہی ہو۔

اب آپ خود ہی بتائیں کہ وہ کون سا عذر ہے جس کی رُو سے یہ ممکن ہے کہ وہ ایسے فرائض کو بے کار سمجھنے اور انہیں چھوڑ دینے کی گنجائش نکال دے جو دین اور دنیا کے لیے نقصان دہ ہو؟ اور غیرت و حمیّت و نخوت اس چیز کی اجازت کیسے دے سکتی ہے، خاص کر اُس وقت کہ جب مُجاہد قائدین اور اس مؤقر اسمبلی کے وارکان ایک نمونے کی حیثیت رکھتے ہوں؟ ان کے عیوب ونقائص جو لوگوں کو نظر آتے ہیں، یا تو وہ اُن عیبوں میں اُن کی پیروی کریں گے یا ان پر تنقید کریں گے، اور ان دونوں صورتوں میں نقصان ہے!! اس لیے ان کا اس اسمبلی میں حقوق اللہ کی ادائیگی ضمنی طور پر حقوق العباد کی ادائیگی ہوگی۔

وہ لوگ جو تواتر اور اجماع پر مشتمل بے حد وحساب دلائل اور خبریں سنتے نہیں اور اپنے کان بند کر لیتے ہیں، اور نفس امارہ کے سفسطوں اور شیطان کے وسوسوں سے جنم لینے والے وہم کا دامن مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیتے ہیں؛ وہ کوئی بھی حقیقی اور سنجیدہ کام سرانجام نہیں دے سکتے...... اس لیے اس تبدیلی کے بنیادی پتھر کا سخت اور مضبوط ہونا بہت ضروری ہے۔

اور اس اسمبلی نے — اپنی معنوی شخصیت کے ساتھ — اپنی خداداد قوت کے پیشِ نظر اِس اسمبلی کو ''سلطنت'' کا معنی دے کر حلف اُٹھایا ہے اور اس کی نگرانی ونگہبانی کی ہے۔ اور اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ یہ اسلامی شعائر پر قائم رہنے کے لیے اور انہیں قائم کرنے کے لیے ان کے مطابق زندگی بسر کر کے ان کی وکالت کرتے ہوئے اس اسمبلی کو ''خلافت'' کا معنی دے کر اس کی نگرانی ونگہبانی کرے؛ کیونکہ ایسا کر کے اس قوم کی دینی حاجات وضروریات کو پورا کرنا ہے جس کی

فطرت اس جدید تہذیب کے چکا چوند بہکاووں کے باوجود مسخ نہیں ہوئی ہے، اور جو اپنی زندگی کا پہیہ رواں دواں رکھنے کے لیے اگر چار چیزوں کی محتاج ہے تو اپنے دین کی ایک دن میں کم از کم پانچ دفعہ محتاج ہے؛ اس لیے اگر اسمبلی نے قوم کی دینی ضروریات کو پورا کرنے کا سامان نہ کیا تو قوم ''خلافت'' کے معنی کو فقط نام، لفظ اور رسم و رواج کا لباس پہنانے کے لیے مجبور ہو جائے گی، جو کہ آپ قبول کر چکے ہیں،[1] اور اس معنی کو دوام دینے کے لیے اُسے قوت جو کہ اسمبلی کے پاس نہیں ہے یا صحیح طریقے سے حاصل نہیں ہوتی، اختلافات و نزاعات کو جنم دینے کا سبب بنتی ہے، اور یہ چیز آیتِ کریمہ: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا﴾ کے منافی ہے۔

یہ زمانہ جماعت کا زمانہ ہے، اور معنوی شخص جو کہ جماعت کی روح ہے، وہ زیادہ مضبوط ہے اور شرعی احکام کو نافذ کرنے کی زیادہ قدرت رکھتا ہے، بلکہ خود خلیفہ کے لیے ابھی اُس پر اعتماد کیے بغیر ذاتی طور پر اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں۔ بنا بریں یہ معنوی شخص اگر ہموار و استوار ہو گا تو چمکے گا اور تمام پہلوؤں سے کامل ہو گا، اور اگر بُرا ہو گا تو اس کی برائی بہت بڑی ہو جائے گی۔ فردِ واحد کے محاسن اور معاصی محدود ہوتے ہیں، لیکن جماعت کے محاسن اور معاصی غیر محدود ہوتے ہیں؛ اس لیے جو محاسن تم لوگ خارجی زمین پر حاصل کر چکے ہو انہیں داخلی زمین پر ضائع مت کرو۔

تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو کہ تمہارے ابدی دشمن، مخالف اور بدخواہ اسلامی شعار کو تہس نہس کرنے کی تدبیریں کرتے رہتے ہیں، اور اگر یہ بات حقیقت ہے کہ وہ ایسے کرتے رہتے ہیں، تو پھر تمہارا ضروری وظیفہ ان شعائر کو زندہ کرنا اور ان کی نگرانی و پاسبانی کرنا ہے، ورنہ تم اپنے گھات میں بیٹھے ہوئے دشمن کو لاشعوری طور پر خود پر غالب کر بیٹھو گے۔ پس شعائر میں سستی دکھانا امت کی کمزوری کی عکاسی کرتا ہے اور کمزوری دشمن کو روکتی نہیں بلکہ اسے بھڑکاتی اور برانگیختہ کرتی ہے۔

حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ

☆ ☆ ☆

اس بیان کے جو نتائج سامنے آئے اُن میں سے ایک اہم ترین نتیجہ یہ تھا کہ سوائے اُن کے کہ جو پہلے ہی نماز کے پابند تھے۔ اسمبلی کے ساٹھ ارکان پکے نمازی بن گئے۔

پھر جب انہوں نے دیکھا کہ نمازیوں کی تعداد بڑھ گئی ہے، تو اُنہوں نے سابقہ چھوٹے سے کمرے کے بجائے ایک کھلی جگہ نماز کے لیے خاص کر لی۔ لیکن اس کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ ارکانِ اسمبلی، دیگر قائدین اور علما کے سامنے جب یہ

---

[1] بدیع الزمان نے یہ بیان 19 کانونِ ثانی/ جنوری 1923ء میں بانٹا تھا، یعنی اس مرحلے میں جو ''سلطنت'' اور ''خلافت'' کے سقوط کے درمیان آتا ہے، اور وہ اس طرح کہ اسمبلی نے یکم نومبر/ تشرین الثانی 1922ء ''سلطنت'' کو ختم کرنے اور ''خلافت'' کو باقی رکھنے کی قرارداد پیش کی تھی، اس شرط پر کہ اسمبلی پر خلیفہ کا اختیار رہے گا۔ لیکن بعد میں 3 آذار/ مارچ 1924م کو ''خلافت'' کو مکمل طور پر ختم کر دیا۔

بیان پڑھا گیا تو رئیس قومی اسمبلی ''مصطفی کمال پاشا'' کے ساتھ ایک گرم سرد بحث مباحثے کا سلسلہ چل نکلا؛ کیونکہ مصطفی کمال پاشا ایک دن جبکہ استاد بدیع الزمان کی موجودگی میں اسمبلی میں ساٹھ کے قریب ارکان کے ساتھ تبادلۂ خیالات کر رہا تھا، اچانک بدیع الزمان کو مخاطب کر کے کہنے لگا: ہمیں آپ جیسے بہادر عالم کی ضرورت ہے، یہاں ہم نے آپ کو اس لیے بلایا ہے تاکہ آپ کے افکارِ عالیہ سے مستفید ہو سکیں، لیکن آپ نے آ کر سب سے پہلی جو چیز لکھی، نماز کے معاملات کے بارے میں لکھی اور اس طرح ہمارے درمیان اختلاف کا بیج بو دیا۔

تو استاد نُورسی نے اسے انتہائی معقول اور مناسب سا جواب دیا، پھر اس کی طرف ہاتھ کی دو انگلیوں سے اشارہ کرتے اسے دھمکی آمیز لہجے میں کہا: ''پاشا! اسلام میں ایمان کے بعد سب سے بڑی حقیقت نماز ہے، اور جو نماز نہیں پڑھتا وہ خائن ہے، اور خائن کا حکم مردود ہے۔'' تب پاشا نے فوراً انہیں راضی کر لیا اور انہیں کوئی نقصان پہنچانے سے گریز کیا۔ انقرہ میں اپنے قیام کے دوران بدیع الزمان اپنے پہلے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مسلسل کوشش میں لگے رہے، اور وہ مقصد تھا مشرقی اناطولیہ میں ایک سائنس یونیورسٹی کی تعمیر، اور انہوں نے یہ منصوبہ قومی اسمبلی میں پیش کر دیا تھا اور اسمبلی سے مخاطب ہو کر کہا تھا: اس یونیورسٹی کے معاملے کی پیروی میں ساری زندگی کروں گا۔ سلطان ''رشاد'' اور اتحادیوں نے اس کام کے لیے بیس ہزار طلائی لیرے مخصوص کر دیے تھے، اب تم لوگ بھی اس رقم میں اُتنا ہی اِضافہ کرو۔

تب ارکانِ اسمبلی نے اس کام کے لیے جدید نقرئی کرنسی کے ایک لاکھ پچاس ہزار لیرے مختص کر دیے۔ تب بدیع الزمان نے کہا: اس قرارداد پر ارکان اسمبلی کے دستخط ضروری ہیں۔ لیکن ایک رُکن نے اعتراض کرتے ہوئے کہا: آپ تو رواجی مدارس کے اصولوں کے مطابق چل رہے ہیں، اس لیے آپ تو اس یونیورسٹی میں اسلامی علوم کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں پڑھائیں گے، جبکہ ہماری صورتِ حال یہ ہے کہ ہمیں اِن دنوں مغرب کا طرزِ عمل اپنانا ضروری ہے!!

تو بدیع الزمان نے جواب دیا: یہ مشرقی صوبہ جات عالمِ اسلام کا ایک بہت بڑا مرکز ہیں، اور جدید علوم کے ساتھ ساتھ دینی علوم کی تعلیم دینا لازم بلکہ لازم ترین ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر انبیاء علیہم السلام کا مشرق میں آنا اور اکثر حکما وفلاسفہ کا مغرب میں یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ مشرق کی ترقی دین کے ساتھ وابستہ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جدید علوم کی تعلیم وتدریس اگر صرف دیگر صوبوں تک ہی محدود رکھ لیں تو کام چل سکتا ہے، لیکن مشرق میں تمہیں —— ہر حالت میں اور وطن اور اُمت کے نام پر —— دینی علوم کو ہی بنیاد بنانا پڑے گا، ورنہ وہاں ترکوں کے علاوہ دوسرے مسلمانوں میں ترکوں کے ساتھ حقیقی اخوت کا اِحساس کبھی بھی پیدا نہیں ہوگا، جبکہ ہمیں ان دنوں دشمنوں کے مقابلے میں آپسی تعاون اور باہمی اعتماد کی سخت ضرورت ہے۔ خاص طور پر یہ بات میں آپ لوگوں کو ایک واقعاتی مثال کے ساتھ سمجھاتا ہوں:

پچھلے دنوں میرے پاس ایک انتہائی ذہین فطین اور چاک وچوبند غیر تُرک طالب علم تھا، اس نے میرے قدیم مدرسے

میں دینی علوم پڑھ کر غیرت وحمیت کے جو درس لیے تھے، اُن کی روشنی میں وہ مجھ سے کہا کرتا تھا: ایک نیک ترک میرے نزدیک میرے فاسق بھائی اور باپ سے زیادہ اچھا ہے۔

دن گزرتے گئے اور وہ طالب علم — بدبختی سے — صرف مادی جدید علوم کا مطالعہ کرنے میں مگن رہا۔ پھر جب میں قید سے لوٹ کر آیا تو تقریباً چار سال کے بعد ہماری ملاقات ہوئی اور ہمارے درمیان قومی حمیّت کے بارے میں گفتگو چلی، تو اُس نے کہا: میں آج کل ایک کُردی رافضی کو ایک نیک اور دین دار ترکی عالم پر ترجیح دیتا ہوں!!

تو میں نے کہا: افسوس صد افسوس! تیرا دماغ اس حد تک خراب ہو چکا ہے؟ تب میں ایک ہفتہ تک اُسے بچانے کی کوشش میں لگا رہا اور اُسے اُس کی پہلے والی حقیقی حمیت کی طرف پلٹا کر رہا۔

پس اے اراکین اسمبلی! وہ پہلی حالت جو اُس طالب علم کی تھی تمام ترکی قوم کو اس کی کتنی سخت ضرورت ہے!! اُس کی بعد والی حالت وطن کی مصلحت سے کتنی دور ہے! اس کا فیصلہ میں تمہاری عقلوں کے سپرد کرتا ہوں۔

بلکہ اگر ہم — بفرضِ محال — یہ مان بھی لیں کہ تم لوگوں نے دوسرے علاقوں میں دنیا کو دین پر ترجیح دے دی ہے اور کچھ سیاسی وجوہ کی بنا پر دین کو کوئی خاص اہمیت نہیں دے سکے ہو، تو اب تمہارے لیے یہ بات بہر صورت لازم ہے کہ تم مشرقی صوبوں میں دین کی تدریس کو بہت زیادہ اہمیت دو۔

آپ نے جب یہ درخواست پیش کی تو مزاحمت کرنے والے اراکین اسمبلی سے اُٹھ کر چلے گئے اور ایک سو تریسٹھ اراکین نے اس قرارداد پر دستخط کر دیے۔

☆ ☆ ☆

بدیع الزمان انقرہ آئے تو ایک کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی امید انہیں کشاں کشاں لیے پھرتی رہی، اس کام کے خواب وہ جوانی کے دنوں ہی سے دیکھتے چلے آرہے تھے اور اُسے انہوں نے اپنی زندگی کی غرض وغایت اور ماحصل قرار دے رکھا تھا اور اپنی زندگی اس کے لیے وقف کر رکھی تھی، اور وہ تھا عالمِ اسلام کا بیدار ہونا اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا، پھر یہ کہ ان کی وہ تمام گفتگوئیں جو اس سے قبل مشرقی اناطولیہ میں سینکڑوں اہلِ علم وفضل کے ساتھ ہوئیں ان کا ستارہ مکمل طور پر استنبول میں آ کر چمکا اور اس سے علما بہت زیادہ متاثر ہوئے، مزید یہ کہ اہلِ سیاست اُن سے کچھ خوف زدہ سے رہتے تھے، یہ تمام حالات ایک بہت بڑے اسلامی مرکز کی تعمیر کی طرف اشارہ کر رہے تھے، اور آپ کو اس وظیفے کے بارے میں اپنی ذمہ داری کا احساس بہت جلد ہو گیا تھا، بالکل ایسے جیسے انہیں اس ذمہ داری کے معاملے میں اپنی سرگرمی اور سرور کا احساس ہو گیا تھا۔

وہ خطبات جو آپ نے حریّت کا اعلان ہوتے ہی مختلف اجتماعات میں دیے تھے اور وہ مقالات جو مختلف رسائل و

جرائد میں لکھے تھے، وہ اسی نیت اور اسی تصوّر کا نتیجہ تھے۔ آپ نے اپنے یہ خطبے اور مقالے اس اُمید پر پیش کیے کہ یہ حریت مشروطیت کو شریعت کا خادم بنا کر عالمِ اسلام اور اناطولیہ کے لیے سعادتِ عظمیٰ کا وسیلہ بنیں گے۔ اور آپ نے ایسے بیانات دیے تھے جو اس بات کی صراحت کرتے تھے کہ مستقبل کے ظلمات وتحوّلات وتغیّرات کے سمندر کی لہروں میں قرآن کی بازگشت ہی اعلی وارفع اور منزل تک پہنچنے والی ہے، جیسے کہ آپ کی بعض مؤلفات ''لمعات''[1]، ''سنوحات'' اور ''خطبۂ شامیہ'' وغیرہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

عالمِ اسلام میں عباسیوں کے بعد قیادت کی باگ ڈور ترکوں نے سنبھالی، اُن کی خلافت اور اُمور و معاملات کے بارے میں ان کی حکیمانہ ادارت لگ بھگ ایک ہزار سال تک رہی، پھر وہ عالمگیر جنگ چھڑ گئی جس نے تمام عالم کو خوف وہراس میں مبتلا کر دیا، اور اس کے اختتام پر عثمانی خلافت ختم ہو گئی اور اسلام کے ابدی دشمن ان کی حکومت کے مرکز پر قابض ہو گئے اور اپنی طرف سے اس بات پر مطمئن ہو گئے کہ انہوں نے خود اسلام کا خاتمہ کر دیا ہے۔ یہی وہ جگر سوز مرحلہ ہے جس میں بدیع الزمان اس طریقے سے ''انقرہ'' آئے کہ اللہ کی قدرت اور اس کا احسان ان کا ہاتھ پکڑ کر اُنہیں کھینچ کر لا رہے تھے، اور وہ اس اُمید سے بھرے ہوئے تھے کہ میدان میں آنے والی اُن جدید قوتوں کے ساتھ مل کر کام کریں گے، جن سے یہ اُمید وابستہ تھی کہ وہ دین کی دعوت کا بیڑا اُٹھائیں گی۔

آپ نے اُس جمہوری حکومت کے ساتھ اسمبلی میں کام کیا جس نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تھی اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور معجزۂ نبویہ کی برکت سے دشمنوں کی راہ روکنے میں کامیاب رہی، آپ کی نیت اور غرض و غایت یہ تھی کہ جمہوری حکومت کی توجہ اس طرف کرا دیں کہ وہ قرآن کریم کو اپنا سہارا اور عالمِ اسلام کی وحدت کو اپنا نقطۂ استناد بنائے اور اس عظیم الشان قوت کے ذریعے مادی و معنوی تمدّن کی بنیاد رکھے جس پر اسلام کی حقیقت استوار ہے۔ حکومت کے سامنے ان افکار کے بیج بونے کے لیے آپ نے عملی اقدامات کیے، لیکن آپ کے سامنے بڑی دشوار قسم کی گھاٹیاں نمودار ہو گئیں۔

اُس وقت آپ پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ جس فتنے سے اور اُس فتنے میں پائی جانے والی جن خوفناک برائیوں سے اُمتِ اسلامیہ گزشتہ تیرہ سو سال سے پناہ مانگتی آئی ہے، اُس فتنے کا دور شروع ہو چکا ہے، جیسے کہ ان پر اس بات کا بھی انکشاف ہو گیا کہ وہ لوگ کون ہیں جو عالمِ اسلام میں اس فتنے کی آگ کو ہوا دیں گے۔ ایک دن اُنہوں نے قومی اسمبلی کے سربراہ مصطفیٰ کمال پاشا کے ساتھ اس کے دفتر میں لگ بھگ دو گھنٹے تک گفتگو کی، اس کے ساتھ ہونے والی گفتگو میں

---

[1] یہاں ''لمعات'' سے مراد وہ دیوان ہے جو عربی میں ''اللوامع'' کے نام سے اور ترکی میں لمعات کے نام سے مطبوع ہے۔ اور وہ ''قدیم سعید'' کی آخری تالیف ہے اُس کی تالیف 1337ھ بمطابق 1919ء میں رمضان میں ہوئی، رسائل نور کے ظہور کے بعد آپ نے اس میں کچھ تبدیلیاں کیں اور بعض حواشی کا اضافہ کیا اور اسے اپنے مجموعے ''مقالات'' کے ساتھ منسلک کرنے کا حکم دیا۔

یہ تھا کہ آپ نے اُسے خبردار کیا کہ اسلام اور ترکوں کے دشمنوں کی نظروں میں معزز بننے کے لیے اور شہرت حاصل کرنے کی امید میں اسلامی شعائر کو تہس نہس کرنے سے اِس قوم وطن اور عالم اسلام کو بڑے گہرے نقصانات پہنچیں گے، مزید برآں انہوں نے اُسے اس بات سے بھی خبردار کیا کہ موجودہ عادات واطوار کے خلاف بغاوت کرنا اور کوئی بنیادی تبدیلی لانے کے احکام جاری کرنا اگر بہت ضروری ہے، تو پھر اس طرح کی کاروائی کا سرچشمہ قرآن کریم کا قُدسی دستور ہونا چاہیے، اور یہ ضروری ہے کہ وہ براہِ راست اسلام کی مصلحت کے لیے ہو۔ پھر آپ نے مندرجہ ذیل مثال سے اس کی وضاحت کی:

فرض کرو کہ ''جامع آیا صوفیا'' بابرکت اور قابل احترام اہلِ فضل وکمال لوگوں سے بھری ہوئی ہے، لیکن چبوترے اور دروازے پر کچھ بیوقوف، کمینے، لونڈے اور بے حیا قسم کے شوریدہ سر لوگ کھڑے ہیں۔ اور مسجد کی کھڑکیوں سے اجنبی سیاح لگے ہوئے ہیں جو لہو ولعب میں مگن ہیں۔

اب ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور اس جماعت میں شامل ہو جائے اور انتہائی میٹھے اُسلوب اور خوبصورت آواز میں قرآن کی چند آیتوں کی تلاوت کرے تو ہزاروں حقیقت پسند لوگوں کی آنکھیں اس کی طرف لگ جائیں گی اور وہ حسنِ توجہ اور معنوی دُعا کے ذریعے اس آدمی کو ثواب کا حق دار بنا دیں گے۔ لیکن یہ معاملہ اُن بدمعاش لونڈوں کو، بیوقوف ملحدوں کو اور چند اجنبی لوگوں کو پسند نہیں آئے گا۔

لیکن اگر وہ آدمی مسجد میں جا کر جماعت میں شامل ہو کر غُل غپاڑا شروع کر دے اور اُونچی آواز کے ساتھ فحش اور گندے گانے گائے اور ناچنا شروع کر دے تو اُس کے فحاشی پر اُبھارنے کی وجہ سے وہ بیوقوف لونڈے اور بے حیا لوگ خوش ہو جائیں گے۔ اور وہ مسلمانوں کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر خوش ہونے والے اجنبی لوگوں کی طنزیہ ہنسی اور داد وصول کرلے گا۔ جبکہ اُس عظیمُ الشان بابرکت جماعت کے تمام افراد اُسے کراہت اور تحقیر کی نظر سے دیکھیں گے اور اسے پستیوں کے آخری درجات میں گرا ہوا سمجھیں گے۔

اس مثال کی روشنی میں یہ سمجھیں کہ عالَم اسلام اور براعظم ایشیا ایک عظیمُ الشان جامع مسجد ہے، اور اس میں پائے جانے والے اہلِ ایمان واَصحابِ حقیقت اس میں پائی جانے والی قابلِ احترام جماعت ہے۔ وہ بے حیا قسم کے لونڈے وہ ریاکار لوگ ہیں جو بچگانہ عقلوں کے مالک ہیں، اور وہ شوریدہ سر اور بے شرم لوگ وہ ہیں جن کا نہ کوئی دین ہے نہ مذہب اور اجنبی سیاح وہ اجنبی صحافی ہیں جو بدیسی افکار پھیلا رہے ہیں۔

پس ہر مسلمان کا — اور خاص کر صاحبِ فضل وکمال مسلمان کا — اُس کے مرتبے کے حساب سے اس مسجد میں ایک پُروقار مقام ہے جو ہر ایک کو نظر آتا ہے اور لوگ اس پر نظریں جمائے ہوئے ہیں۔ اس لیے اگر اُس سے ایسے اعمال و تصرّفات کا صدور ہوتا ہے جن سے اسلام کے رضائے الٰہی اور اخلاص جیسے بنیادی اوصاف کی بُو آتی ہو، اور جن سے

قرآنِ حکیم کے سکھائے ہوئے احکام اور قدسی حقائق کے ساتھ گہری وابستگی کا اظہار ہوتا ہو، اور اس کی زبانِ حال معنوی طور پر قرآنی آیات کی تلاوت کر رہی ہو تو وہ ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ'' والی دعا میں داخل ہو جاتا ہے جو کہ معنوی طور پر عالمِ اسلام کے ہر فرد کی وردِ زبان ہے، اس دُعا میں حصے دار بن جاتا ہے اور اُخوت کی رُو سے عام اہلِ ایمان کے ساتھ جُڑ جاتا ہے۔ لیکن بعض اہلِ ضلالت کی نظروں میں جو کہ نقصان دہ حیوانات کی ہی ایک قسم ہیں، اور بعض احمقوں کی نظروں میں جو کہ داڑھی والے بچوں کی حیثیت رکھتے ہیں— ایسے لوگوں کی کوئی قیمت نہیں ہوتی!

اور اگر وہ آدمی اپنے ان آباواجداد سے اور اپنے اُن اسلاف سے منہ پھیر لے جنھیں وہ فخر وشرف کا دار و مدار سمجھتا ہے۔ اور اپنے اُن سلف صالحین کا روشن راستہ چھوڑ دے جن پر وہ روحانی طور پر بھروسا کرتا ہے، اور ہوا و ہوس کے زیرِ اثر ریاکاری وشہرت کی غرض سے، بدعت والے کاموں اور ایسے اعمال وحرکات میں لگ جائے؛ جو ہوا و ہوس سے آلودہ ہوتی ہیں، جن سے غرض ریاکاری اور شہرت ہوتی ہے اور بدعات کا نمونہ ہوتی ہیں، تو وہ آدمی معنوی طور پر تمام اہلِ حقیقت اور اہلِ ایمان کی نظر میں درکِ اسفل میں جا گرتا ہے؛ کیونکہ ایک مومن آدمی کتنا بھی عامی اور جاہل قسم کا ہو، جب اس طرح کے ریاکار لوگوں کو دیکھتا ہے تو اس کے دل کو وہ لوگ مردہ سے لگتے ہیں اور وہ انہیں معنوی طور پر ناپسند کرتا ہے، اگرچہ اس کی عقل اس چیز کا ادراک نہ کر سکے۔

مندرجہ ذیل حدیث میں اس راز کا پتا ملتا ہے:

اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللهِ[1]

پس یہ دوسرا یعنی حبِّ جاہ کا دیوانہ اور شہرت کی حرص میں مبتلا شخص ایک غیر محدود جماعت کی نظر میں اسفل سافلین میں جا گرتا ہے اور بہت سے بیوقوفوں، مسخروں، بے وقعت اور جذباتی سے لوگوں کی نظروں میں وقتی طور پر منحوس مقام حاصل کر لیتا ہے۔ اور اس کے اردگرد کچھ جھوٹے اور فریب کار دوست ہی رہ جاتے ہیں۔ جو دنیا میں اس کے لیے نقصان کا اور برزخ میں عذاب کا باعث بنیں گے اور آخرت میں اُس کے دشمن ہو جائیں گے۔ جیسے کہ اس آیت کریمہ میں ہے:

﴿اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ﴾

رہا وہ آدمی جو پہلی صورت میں ہے، اگرچہ وہ اپنے دل سے حبِّ جاہ کو باہر نہ نکالے، تو ایک قسم کا رعب دار اور شروعی معنوی مقام حاصل کر لے گا جو اُس کی حبِّ جاہ والی پھڑکتی ہوئی رگ کو ساکن کر دے گا، بشرطیکہ وہ اخلاص اور رضائے الٰہی کو بنیاد بنا لے اور حبِّ جاہ کو اپنا ہدف نہ بنائے۔

---

[1] طبرانی الکبیر: (7497)، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم: 97/4۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: کشف الخفاء للعجلونی: 42/1۔ (مترجم)

یہ آدمی کسی تھوڑی سی بلکہ بہت ہی تھوڑی سی غیر اہم چیز سے محروم ہوگا لیکن اس کے بدلے میں بہت سی انتہائی قیمتی چیزیں پالے گا جن میں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ اپنے آپ سے بہت سے سانپوں کو دور ہٹالے گا اور ان کے بدلے میں بہت سی بابرکت مخلوقات کو اپنا دوست بنالے گا اور ان کے ساتھ مانوس ہو جائے گا۔ یا اپنے آپ سے بہت سی وحشی بھڑوں کو دور کر دے گا اور اس کے بدلے رحمت کا شربت پلانے والی شہد کی مکھیوں کو اپنے قریب کر لے گا اور ان کے ہاتھوں سے شہد پیئے گا، یعنی وہ ایسے دوست پالے گا جو عالمِ اسلام کے اطراف واکناف سے اس کی رُوح کو آبِ کوثر کی طرح بہت سے فیوض وبرکات سے سیراب کر دیں گے اور اپنی دعاؤں کے ذریعے اس کے نامۂ اعمال میں ثواب درج کرتے رہیں گے۔

میں نے ایک دفعہ اس تمثیل کا لُبِّ لباب پوری قوت کے ساتھ ایک ایسے چھوٹے سے آدمی کے منہ پر کہہ دیا تھا جو ایک بہت بڑے دنیاوی منصب پر فائز تھا، لیکن شہرت کی حرص میں کسی ایسی غلطی کا ارتکاب کر بیٹھا جس کی وجہ سے اُسے تمام عالمِ اسلام کی طرف سے جگ ہنسائی کا سامنا کرنا پڑا۔

اس تمثیل نے ایک دفعہ تو اُسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا، لیکن میں خود چونکہ اپنے آپ کو حبِّ جاہ سے نہیں بچا سکا تھا اس لیے وہ میرے بیدار کرنے سے بھی بیدار نہ ہو سکا۔

لیکن مصطفیٰ کمال پاشا پر اس کا کوئی خاطر خواہ اثر نہ ہوا اور اُس نے بدیع الزمان کی بات کے ساتھ اتفاق نہ کیا۔ بلکہ وہ اپنی اندرونی خیانت، بدنیتی اور اپنی منہ زور خواہشوں کو چھپا نہ سکا، اور اس نے بدیع الزمان کو بھی اپنی خواہشوں کی بھینٹ چڑھانے کے لیے اپنے ساتھ ملانا چاہا اور ان کی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اُٹھانا چاہا اور ان کی خدمت میں بھاری اور دلکش نذرانے پیش کرنے لگا: ان میں سے ایک پیشکش یہ تھی کہ اُس نے انہیں پارلیمان کا رُکن بنانے کا وعدہ کر دیا، اور اُن سے انہیں "دارُ الحکمت" میں ان کی پرانی ملازمت پر بحال کرنے کا وعدہ کیا اور شیخ سنوسی[1] کی جگہ انہیں مشرقی صوبوں میں واعظِ عام کا منصب دینے کا وعدہ کیا، اور انہیں ایک شاندار قسم کا محل دینے کا وعدہ کیا، اور اس کے علاوہ بھی بہت سی مراعات پیش کیں۔

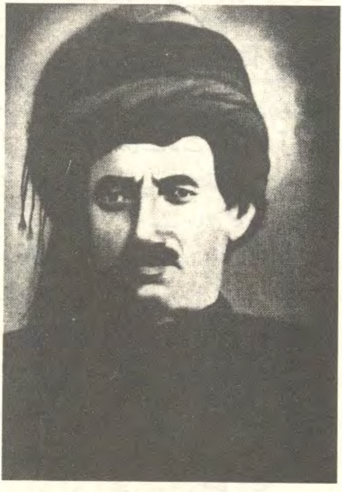
لیکن بدیع الزمان نے آخری دور کے بعض لوگوں کے اُن اوصاف کا واضح طور پر مشاہدہ کر لیا تھا جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں، وہ عہدِ حرّیت سے پہلے جب استنبول میں مقیم تھے اُس وقت ان احادیث کی کچھ تاویلات دیکھ چکے تھے، اور ایسے لوگوں کے عالمِ اسلام میں اور عام دنیا میں ظہور پذیر ہونے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ اور یہ

---

[1] شیخ احمد شریف بن محمد السنوسی، ایک عظیم محبِ وطن مجاہد اور قائد لیبیا سے تعلق رکھتے تھے، لیبیا، مصر، سوڈان اور چاڈ میں بیک وقت دعوتی اور جہادی سرگرمیوں کا علم بلند کیا۔ 1918 میں انتہائی مجبوری کے عالم میں لیبیا کو چھوڑ کر استنبول آ گئے اور 1924 تک ترکی میں ہی رہے۔ پھر ترکی چھوڑ کر حجاز آ گئے، اور وہیں مدینہ منورہ میں 1933 میں فوت ہوئے۔

اشخاص جب ظاہر ہوں گے، اُس وقت جو قرآن کریم کو ماننے والے ہوں گے وہ لوگ اگر ان اشخاص کو پالیں اور ان کا سامنا کریں تو روایات میں ان کے لیے ایک وصیت یہ آئی ہے کہ: یہ اشخاص جب ظاہر ہوں گے تو سیاست کے میدان میں مغلوب نہیں ہوں گے، ان کے ساتھ مقابلہ صرف معنوی تلوار کے ساتھ ہی ممکن ہوگا، اور وہ ہے قرآن کے اعجاز کے انوار۔ تب بدیع الزمان نے ان روایات پر عمل کرتے ہوئے انقرہ میں رہ کر ان لوگوں کے ساتھ کام سے دستبردار ہونے کا، اور ان کی تمام دلکش پیشکشوں اور عہدوں کو ٹھکرا دینے کا فیصلہ کرلیا۔

وہ جب ریلوے اسٹیشن کی طرف جارہے تھے تو راستے میں کچھ ممبران قومی اسمبلی ان کے ہمراہ ہولیے، اور ان سے اپنا فیصلہ واپس لینے اور انقرہ میں رہ جانے کے لیے کہنے لگے، لیکن آپ نے ان کی بات نہ مانی، ان سے سے معذرت کا اظہار کیا اور وہاں سے ''وان'' کا رُخ کرلیا، اور معاشرتی زندگی کی گہما گہمیوں سے دور رہ کر وہاں ''ارک'' نامی پہاڑ کی چوٹی پر واقع ''زرنباد'' نامی چشمے پر واقع ایک غار میں زندگی گزارنے کا فیصلہ کرلیا۔



پہلی جنگ عظیم کے آخری ایام میں لی گئی استاد بدیع الزمان کی ایک یادگار تصویر

اَنقرہ میں آپ کی زندگی سے متعلق رسائل نور سے ایک اقتباس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

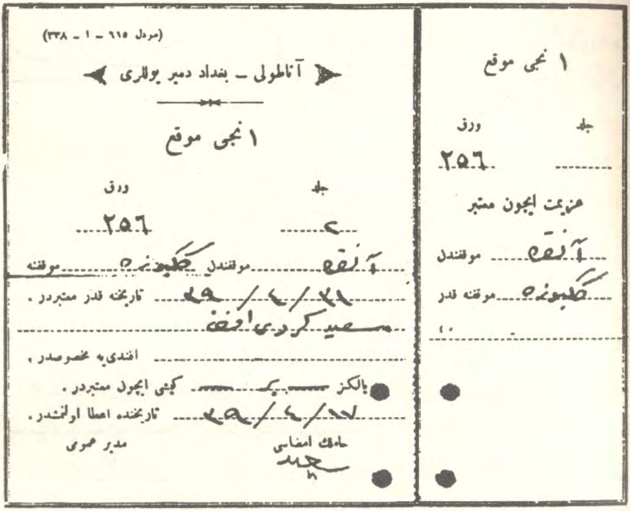
﴿قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾

یہ آیتِ کریمہ استفہام انکاری کے ذریعے ''اللہ تعالی کے بارے میں تو کسی شک کی گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی اس کے بارے میں کوئی شک ہونا چاہیے'' کہتے ہوئے یہ بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود اور اس کی وحدانیت بدیہی ہے۔

اس راز کو واشگاف کرنے سے پہلے میں آپ کی توجہ ایک اہم واقعہ کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

مجھے 1334ھ، (1922م) میں ''انقرہ'' کے دورے کی دعوت دی گئی، میں نے وہاں دیکھا کہ یونان کے اسلامی فوج کے مقابلے میں شکست کھا جانے پر اہل ایمان بہت زیادہ خوش ہیں، لیکن میں نے فرحت وشادمانی کی اس لہر کے بطن سے ابھرتی ہوئی اُس دہشت ناک زندیقیت اور لادینیت کو اچھی طرح بھانپ لیا تھا جو اپنی خباثت اور مکروفریب کے ساتھ اپنے خطرناک نظریات کے اسلحے سے لیس ہو کر اہل ایمان کے عقائد پر شب خون مار کر انہیں مکدّر اور زہر آلود کرنے کے لیے تیزی سے رینگتی چلی آرہی تھی۔ میرے دل کی گہرائیوں سے ہُوک اٹھی، میں تڑپ کر رہ گیا اور میں نے چیختے ہوئے اور اس آیت کریمہ کے دامن کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اس ہیبت ناک بھوت کا مقابلہ کرنے کے لیے مدد مانگی، جو کہ ارکانِ ایمان کے درپے ہونا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے عربی زبان میں ایک ایسی قوی اور تیز ترین برہان سپردِ قلم کی جو اس زندیقیت کا سر قلم کردے۔ اور اس مضمون کے معانی وافکار، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کی وضاحت واثبات کے لیے اِس آیت کریمہ کے نور سے کشید کیے۔ اور اسے میں نے انقرہ کے یَنی گن نامی پریس سے طبع کروایا۔ لیکن افسوس کہ یہ مضبوط دلیل اور برہان لوگوں کے ذہنوں میں الحاد وزندیقیت کے امڈے ہوئے طوفان کے سامنے بند ھ باندھنے میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کرسکی۔

اس کی وجہ ایک تو یہ تھی کہ یہ مضمون انتہائی مختصر اور مجمل تھا۔ اور مزید یہ کہ ترکی میں — خاص کر اس وقت — عربی زبان کو سمجھنے والے اور اس کی طرف توجہ کرنے والے لوگ انتہائی کم تھے۔ بنابریں بصد افسوس کہ اس الحاد کے اثرات معاشرے میں بے دھڑک پھیلتے چلے گئے، جس نے مجھے اس بات پر مجبور کردیا کہ میں اس مضمون کو دوبارہ ترکی زبان میں ترتیب دوں اور اس میں پائے جانے والے اختصار واجمال کی تفصیل وتوضیح کردوں، چنانچہ اب وہ ''رسالہ'' یا مضمون موجودہ شکل میں آپ کے ہاتھ میں ہے۔



(مودل ٦١٥ ـ ١ ـ ٣٣٨)

آناطولی ـ بغداد دمیر یوللری

١ نجی موقع

جلد ورق

٢٥٦

موقفندن موقفنه

تاریخنه قدر معتبردر.

سعید کردی افندی

افندی‌یه مخصوصدر.

بالکز کیشی ایچون معتبردر.

تاریخنده اعطا اولنمشدر.

حامل امضاسی مدیر عمومی

سعید

١ نجی موقع

جلد ورق

٢٥٦

عزیمت ایچون معتبر

موقفندن

موقفنه قدر

اس ٹرین کا ٹکٹ جس میں بدیع الزمان نے ''قدیم سعید'' سے ''جدید سعید'' تک منتقل ہوتے ہوئے سفر کیا

دوسرا حصہ

بارلا

بارلا میں گزرے ہوئے ایام

[اواخر 1925ء۔اپریل 1935ء]

رسائل نور کا ظہور

ہم نے استاد نورسی کی حالاتِ زندگی کا جائزہ لیا ہے اور ان کی مشرقی اناطولیہ میں ولادت سے لے کر اس مرحلے تک ایک پے در پے کے بعد دوسرے مرحلے سے واقفیت حاصل کی ہے۔

اور اب ہم اس عظیم الشان دعوت کے کھلے میدان میں داخل ہو رہے ہیں جس کی شہرت عام ہوئی اور جس کا بہت زیادہ فائدہ ہوا، یہ دعوت ایک نادرۂ روزگار چیز تھی، یہ آپ کی زندگی کے پچاس سالوں کا ماحصل تھا، اور وہ تھا رسائلِ نور کا ظہور جو خوب چمکے دمکے اور جنہوں نے اپنی روشنی سے مادی اور معنوی اندھیروں کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیے، اور ترکی کی سرزمین سے ایک ایسا سورج چمکا یا جو رُوئے زمین کے اطراف واکناف میں پھیلے ہوئے علم وعرفان کے میدانوں میں مسلسل اپنی کرنیں بھیج رہا ہے۔

بدیع الزمان کی مشرقی صوبوں سے اناضول کے مغربی علاقوں کی طرف جلا وطنی

ابھی وان کی جس غار کا ذکر ہوا ہے، بدیع الزمان کے اُس غار میں عزلت گزینی کے دوران مشرق میں بغاوت اور سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوگئی، وہیں پہ آپ کی طرف ایک نامی گرامی شخص نے[1] خط بھیجا، اس میں اُس نے یہ کہتے ہوئے آپ سے اپنی تحریک کے لیے مدد اور تائید مانگی کہ: ''آپ ایک مضبوط اثر ونفوذ کے مالک ہیں''؛ تو استاد نے

[1] اس سے مراد شیخ ''سعید پیران'' ہیں، بہت بڑے عالم، نقشبندی سلسلے کے شیخ اور کُرد قبیلوں میں بڑے اثر ورسوخ کے مالک تھے۔ تُرکی کے جنوب مشرق میں ان کے ہاتھوں مسلح نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی۔ یہ تحریک 1925 میں ان کے چند رفقائے کار کے ہمراہ پھانسی کی سزا پا جانے پر دم توڑ گئی۔

اُسے جواب میں لکھا: ''تُرکوں نے صدیوں تک اسلام کی خدمت کی ہے، اور ان میں بہت سے اولیا نے جنم لیا ہے، اس لیے ان کے پوتوں کے خلاف تلوار اُٹھانا ٹھیک نہیں؛ اس لیے آپ بھی اُن کے خلاف تلوار نہ اٹھائیں، اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں اور کوئی اقدام نہ کریں؛ کیونکہ قوم کو اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کی رہنمائی کی جائے اور اُسے روشنی دی جائے''۔

ان کے اس واضح موقف کے باوجود انہیں مغربی اناطولیہ کی طرف جلاوطن کر دیا گیا؛ چنانچہ پولیس کے چند سپاہیوں کو ان کے اس غار کی طرف بھیج دیا گیا، تا کہ وہ انہیں وہاں سے نکال کر اس علاقے کی طرف لے جائیں جہاں انہیں جلاوطن کیا گیا تھا۔ وہ انہیں وہاں سے لے کر چلنے ہی والے تھے کہ اچانک وہاں کے رہائشی، سرکردہ لوگ اور دیگر لوگ مسلح ہو کر اکٹھے ہو گئے اور آپ سے گڑگڑا کر کہنے لگے: ہمیں چھوڑ کر نہ جائیں، ہمیں اجازت دیں ہم ان لوگوں سے بات کرتے ہیں، آپ چاہیں تو ہم آپ کو بلادِ عرب میں لیے جاتے ہیں، لیکن آپ نے گرجدار آواز کے ساتھ انہیں کہا: میں اناطولیہ جاؤں گا، میں وہاں کے لوگوں کے پاس جانا چاہتا ہوں۔

آپ کو شدید فوجی پہرے میں پہلے ضلع ''بُورْدُرْ'' لے جایا گیا، وہاں آپ نے ظلم وتشدّد اور انتہائی کڑی نگرانی میں بڑی تلخ قید و بند کی زندگی گزاری، لیکن اس کے باوجود آپ وہاں ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھے رہے، بلکہ کچھ اہلِ ایمان کو ایمان کے حقائق کا درس[1] دینے لگے۔ پھر ان درسوں میں سے تیرہ درسوں پر مشتمل ایک کتاب لکھی اور اس کا نام رکھا: ''نور کی طرف کھلنے والا پہلا دروازہ''۔ اور باوجود اس کے کہ یہ کتاب خفیہ طور پر لکھی گئی تھی اور خاص خاص لوگوں کے پاس رہی تھی، اہلِ ایمان حکمت کے ان جواہر پاروں کی قیمت کو پہچان گئے جو اس میں جَڑے گئے تھے اور دیوانہ وار اُن کی طرف لپکنے لگے، ان کے نسخے نقل کرنے لگے اور وہ نسخے آپس میں لینے دینے لگے، تا آنکہ حکومت کے دین دشمن خفیہ ایجنٹوں کو اس بات کا پتا چل گیا، چنانچہ انہوں نے ایک رپورٹ تیار کی جس کا حاصل یہ تھا کہ سعید نورسی اس علاقے میں آرام سے نہیں بیٹھ رہا ہے بلکہ دین کے درس دیتا ہے اور مذہبی سرگرمیوں میں مصروف ہے۔ اس رپورٹ کے نتیجے میں انہوں نے آپ کو ''اسپارٹا''[2] کے پہاڑوں میں واقع ایک دور دراز کونے کی ''بارلا'' نامی بستی میں بھیجنے کا فیصلہ کر لیا، اس اُمید پر کہ اجنبیت، وحدت اور محرومی اُن کی سرگرمیاں لپیٹ کر رکھ دے گی اور اس طرح وہ نسیان وفراموشی کی تاریکیوں میں ختم ہو جائیں گے۔

بدیع الزمان جن دنوں ''بوردُر'' میں تھے، ایک دن ان کے پاس فیلڈ مارشل ''فیضی چقمق'' آئے، تب وہاں کے گورنر نے اُن سے شکایت کی کہ نورسی حکومت کے اوامر کی اطاعت نہیں کرتا ہے۔ اور اپنے ہاں آنے والوں کو دین کی

---

[1] ''بوردُر''، ایک ضلع کا نام جو کہ ترکی کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔

[2] ترکی کے جنوب مغرب میں ایک صوبہ جو کہ مشرقی جانب سے 'بوردُر'' کے متوازی چلتا ہے۔

تعلیم دیتا ہے! لیکن فیلڈ مارشل نورسی کی قدر و قیمت، اس کا مقام و مرتبہ، اس کی ثابت قدمی اور اس کی عقلی صلاحیتوں کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا، چنانچہ اس نے گورنر سے کہا: اس کا احترام کرو اور اسے پریشان نہ کرو، کیونکہ یہ ایک بے ضرر انسان ہے۔

بدیع الزمان کو جہاں بھی جلا وطن کیا جاتا، حکومتی مشینری اہلِ ایمان کو اُن سے دُور رکھنے اور انہیں آپ کے دینی دروس سے روکنے کے لیے اُن کے خلاف پوری کوشش سے ناروا حملے کرنے میں مصروف رہتی اور آپ کی شخصیت کو داغدار کرنے کے لیے ہر طرح کا حربہ آزماتی۔ لیکن آپ کے ایمانی دُروس کی تاثیر اور ان کی قیمت وہاں کے باسیوں کے درمیان ایک دل سے دوسرے دل تک سرایت کرتی رہتی تھی، بالکل ایسے جیسے کہ آپ کی تالیفات کی محبت اور ان کا عشق دلوں پر غلبہ حاصل کرتا رہتا تھا۔

☆ ☆ ☆

بارلا

بارلا وہ پہلا مرکز ہے جس میں ان کلیات رسائلِ نور کی تالیف کا آغاز ہوا جو کہ اہلِ ایمان کے لیے ایک معنوی طاقت ثابت ہوئے۔ یہی وہ علاقہ ہے جس میں اُمتِ اسلامیہ اور خاص کر اَناطولیہ کے رہائشیوں کے سر پر ٹوٹنے والے خوفناک قسم کے الحاد اور گمراہی کے دھارے کو روکنے کے لیے قرآن سے طلوع ہونے والا آفتابِ سعادت چمکا اور ہدایت کے انوار جگمگائے۔ اور یہی وہ مجوّزہ خطۂ زمین ہے جہاں سے سعادتِ دارین کو اپنے دامن میں رکھنے والی تالیفات رونق افروز ہوئیں، یہ تحفہ اس بابرکت اناطولیہ کو اور اس دلاور مسلمان قوم کو، اور عالمِ اسلام کو لطفِ الٰہی، احسانِ الٰہی اور رحمتِ الٰہیہ نے عطا کیا۔ ''بارلا'' میں بدیع الزمان دائمی ظلم و تشدُّد، ناروا سختی اور بے رحم قسم کی نگرانی میں زندگی بسر کرتے تھے، انہیں ''بارلا'' میں جلاوطن کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ بڑے بڑے شہروں سے اس طرح دور رہیں کہ وہ آبادیوں سے کٹی ہوئی کسی دور افتادہ بستی میں اکیلے رہ جائیں اور ان کی روح میں پایا جانے والا اسلامی غیرت کے جوش وجذبے کا انگارہ بجھ جائے، اسی طرح اس کے پیچھے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ انہیں خاموش کر دیا جائے، لوگوں کے ساتھ میل جول سے روک دیا جائے، قرآن کی خدمت سے اور ایمانی اور اسلامی کتابوں کی تالیف سے باز رکھا جائے۔ ان ملحدوں کا سامنا کر کے ان کے اعتراضات کا دُوبدو جواب دینے کے لیے جو ماحول درکار تھا، وہ ماحول ان سے مکمل طور پر چھین لیا گیا تھا اور عملی طور پر ان کا سامنا کرنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہنے دی گئی تھی۔ لیکن اس تمام منصوبے کے برعکس وہ اپنے کام میں مکمل طور پر کامیاب ہوئے، چنانچہ وہ بےکار نہ بیٹھے، بلکہ ''بارلا'' جیسے دور دراز اور پسماندہ علاقے میں رہ کر اُن کلیاتِ رسائلِ نور کی تالیف کے لیے سرگرمِ عمل رہے جو ایمان اور قرآن کے دروس پیش کرتے ہیں، اور خفیہ طور پر اُن کی نشر و

اشاعت کا انتظام کرتے رہے۔

یہ توفیقِ الٰہی اور نصرتِ خداوندی ان کے لیے ایک واضح غلبے کی صورت میں سامنے آئی؛ اور یہ اس لیے کہ اُس ہولناک الحاد و بے دینی کے دور میں ایک بھی حقیقی دینی تالیف کو طبع و نشر کرنے کی اجازت نہیں تھی، بلکہ دین کا کام کرنے والوں کو خاموش کر دیا جاتا تھا اور انہیں ختم کر دیا جاتا تھا۔لیکن دشمنانِ دین بدیع الزمان کو خاموش یا ختم نہ کر سکے، اور ان کی اُن ایمانی اور اسلامی تالیفات پر پابندی نہ لگا سکے جو اونگھتے ہوئے قلوب وعقول کو بیدار کر رہی تھیں۔

اُن کی تالیف کردہ یہ دینی مطبوعات ایک ایسا کارنامہ تھا کہ پچیس سال تک مسلّط رہنے والے اُس ظلم واستبداد کے اُن سخت ترین ادوار میں ان کے علاوہ دوسرا کوئی بھی سرانجام نہ دے سکا۔

بدیع الزمان کی ''بارلا'' میں جلاوطنی 1926 سے 1927 تک چلی، اور یہ عرصہ اس مطلق استبداد کے دورانیے کا پہلا سال تھا جس سے ترکی پچیس سال تک دو چار رہا۔اور اس عرصے میں بے دین خفیہ تنظیموں ایک ایسا منصوبہ تیار کیا جس کا ہدف اسلام کی روح کو بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکنا تھا۔اور اس ضمن میں اسلام کے شعائر کو ایک ایک کر کے ختم کرتے جانا اور انہیں مٹاتے جانا اور قرآن کریم کے تمام نُسخوں کو جمع کر کے انہیں ضائع کر دینا تھا۔لیکن جب دیکھا کہ یہ کاروائیاں کامیاب ہونے والی نہیں ہیں، تو اُنہوں نے ایک اور منصوبے پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا جس کا تقاضا یہ تھا کہ تیس سال کے بعد آنے والی نسلیں قرآن کو ختم کر دینے کی ذمہ داری خود ہی سنبھال لیں گیں۔اور اس خبیث شیطانی منصوبے کو نافذ کرنے کا فیصلہ کر لیا......تب تمام علاقوں میں اسلام کی مقدّسات پر ظلم وتعدّی کی اور اُس کے ارکان کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے کی وہ بھیانک کاروائیاں ظہور میں آئیں کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

جی ہاں، ہر وہ چیز جو ترکوں کو اور ان کی قوم کو اسلام کے ساتھ باندھ کر رکھے ہوئے تھی، ان لوگوں نے اس چیز کی قطع و برید کرنے کی بہت زیادہ کوشش کی، اور وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب بھی ہو گئے، اور اس مسلمان قوم کو ان کے اسلام سے دور رکھنے کے لیے اور اُس سے محروم کرنے کے لیے انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا، حالانکہ یہ وہ قوم ہے جن کے آباؤ اجداد نے قرآن کا جھنڈا بلند کیا ہے اور چھ سو سال تک، بلکہ خلافتِ عباسیہ کے دور سے لے کر ایک ہزار سال تک دنیا کو چیلنج کیا ہے۔

اور یہ کاروائیاں کوئی جُزوی سی یا محدود قسم کی نہیں تھیں، بلکہ ہمہ گیر قسم کی کُلّی اور عمومی کاروائیاں تھیں جن کی تباہ کاریاں لاکھوں سیدھے سادھے لوگوں کے، اور خاص کر نوجوانوں اور طالب علموں کے ایمان اور عقیدے کو تہہ و بالا کر گئیں۔اور پھر ان کاروائیوں نے اناطولیہ کے باسیوں کی اور ان کی نسلوں کی قیامت تک کے لیے ابدی زندگی کو ہدف بنایا۔

اس تاریک دور میں اُن لوگوں نے اُس بہادر اور دلاور قوم کی زندگی سے اسلام اور قرآن کے تمام نشانات کو بگاڑنے اور انہیں مٹا دینے کی پوری کوشش کی جس نے — اپنے تابناک ماضی کی گواہی کے مطابق — ایک ہزار سال تک قرآن کا

جھنڈا بلند کر کے ایک بلندترین مقام حاصل کیا ہے، اور انہوں نے اس بات کے لیے بھی مسلسل تگ و دو کی کہ جدید نسلیں اور شہادتوں کے علمبردار اس حُلیے میں منصۂ شہود پر آئیں کہ وہ اپنے ماضی سے بالکل کٹے ہوئے ہوں، اپنے عظیم آباو اجداد کے بارے میں کچھ نہ جانتے ہوں، اور اپنی دس صدیوں پر جُہدِ مسلسل سے بھری ہوئی تابناک تاریخ سے یکسر ناواقف ہوں۔ اور چکنی چپڑی، آراستہ پیراستہ اور پُرفریب باتوں کے ساتھ انہیں بے راہ کرنے کے جتن کیے، جیسے یہ کہ جدید تہذیب کے قافلے کے ہم قدم ہو کر چلنا چاہیے، اور یہ کہ چلو تم اُدھر کو جدھر کی ہوا ہو وغیرہ...... اور ان کوششوں کے پیچھے غرض صرف یہ تھی کہ کمیونزم کے لیے بنیادیں ہموار ہو جائیں۔

اسلام کے حقائق کو — اُن کے اندر پائی جانے والی تہذیب وتمدّن اور مادی ومعنوی ترقی کی بنیادوں سمیت — دور ہٹا دیا گیا تا کہ ان کی جگہ پر ایک بوسیدہ سالادین فلسفہ براجمان ہو جائے، وہ فلسفہ جو کہ تاریک تر مبادیات، بے مہار و بے قید اخلاقیات، فلاسفہ کے اپنے افکار اور گمراہ کن رجحانات وتصوّرات کا پلندہ ہے، اور جن کی کمیونزم، فری میسن اور اِلحاد وزندیقیت کے ایجنٹ بڑے وسیع پیمانے پر تلقین اور نشر واشاعت کر رہے ہیں۔

اسلام کے دشمن — اور خاص کر انگریز اور فرانسیسی — عالمِ اسلام کو مادی اور معنوی طور پر تقسیم کرنے کی سازشیں کرتے رہتے تھے، تا کہ اُن کے لیے اُس کا مال ومتاع لوٹنے کی راہیں آسان ہو جائیں، اور ان سازشوں میں سے سرفہرست سازش یہ تھی ترکی جیسی بہادر قوم کا تعلُّق اس کی عادات وتقلیدات اور اسلامی اقدار سے توڑ دیا جائے تا کہ یہ قوم مکمل طور بدل جائے اور اپنے نظریات کے بالکل اُلٹ چلنا شروع کر دے۔ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ اس دور نے ان سازشوں کے نافذ ہونے کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کر لیا۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ مرحلہ جس میں بدیع الزمان نے رسائلِ نور کے ذریعے اسلام اور قرآن کی خدمت کھلے بندوں کرنا شروع کر دی تھی، اور اسلام کے بہادر فدائیوں کی طرح ایک فدائی کی صورت میں سامنے آ کر اسلام وقرآن کا دفاع کرنے کے لیے وقف ہو گیا تھا اور اس راہ میں اپنی جان قربان کرتا تھا، یہ مرحلہ اُس لادینی مرحلے کے طویل ہونے کی وجہ سے طویل ہو گیا تھا جس کی نظیر روئے زمین پر دیکھی نہیں گئی۔

اس لیے وہ خدمت جس کا بیڑا بدیع الزمان نے اُس دور میں رسائلِ نور کے ذریعے اُٹھایا، اُس میں غور کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس دشوارترین دور کے حالات وکوائف کو نگاہ میں رکھے؛ کیونکہ ایسے مشکل حالات میں کہ جن کی اس سے پہلے کوئی مثال ہی نہ ملتی ہو، خدمت کا ایک ذرہ بھی پہاڑ کے برابر کی عظیمُ الشان قیمت حاصل کر لیتا ہے، اور ایک معمولی سی خدمت کے لیے ممکن ہوتا ہے کہ وہ بہت بڑا نتیجہ پیدا کر دے اور بہت بڑی قیمت پا لے۔

اس بنا پر، رسائلِ نور اس خطرناک اور ہوش رُبا دور کا نتیجہ اور ماحصل ہیں، اور ان کا مؤلف ایک عظیم ترین ہیرو ہے جس سے جہاد کے میدانوں کا تعارف اُس دشوارترین دور میں ہوا جس میں حکومت کے ارکان پچیس سال تک دین کو

ملیامیٹ کر دینے کی کوششوں میں مصروف رہے، اور قیامت تک اُس مرشدِ کامل کی حیثیت سے امتِ محمدیہ کو دار السلام کی طرف بلاتا رہے گا اور نوعِ بشر کے لیے راستہ واضح کرتا رہے گا۔ رہے رسائلِ نور، تو وہ قرآن کی ایک الماسی تلوار ہے جس کی اِفادیت کی دلیل حالات نے اور وقتِ گزراں نے دے دی ہے اور جس کی گواہی آنکھوں دیکھے احداث و واقعات نے خود دے دی ہے۔

رسائلِ نور نے اپنی ناقابلِ تردید قطعی براہین اور عقلی و منطقی دلائل کے ساتھ دین کے منافی مادی اور طبیعی فلسفے کا بُطلان ثابت کر دیا ہے اور اس کے بے فائدہ، بے مایہ اور محال ہونے پر براہین کا اَنبار لگا دیا ہے، بدترین کافر فلاسفہ کا ناطقہ بند کر دیا ہے، الحادوزندیقیت کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے اور کفرِ مطلق کو ہزیمت سے دوچار کر دیا ہے۔

جی ہاں، اس بے مثال ظلم و جبر اور تکلیف و تشدد کے باوجود جن سے بدیع الزمان دوچار ہوئے، یہ رسائل ظہور میں آئے اور چمکے دمکے جگمگائے، اور یہ — اللہ کے حکم سے — اس دور میں اور مستقبل میں اسلام کی ایک تلوار بنیں گے۔

یہ رسائل قلوب وارواح کے محبوب اور عاشقوں کے معشوق اور جانِ جاناں بن چکے ہیں اور بنے رہیں گے۔ ان کے لیے ہر قیمتی اور نفیس چیز قربان کر دی جائے گی، یہ لوگوں کے دلوں میں بڑا بلند مقام بنا کر رہیں گے، ان کے سروں کا تاج بنیں رہیں گے؛ کیونکہ ان رسائل نے اُن کے لیے جو جو بلند اور نفیس ایمانی خدمت پیش کی ہے، اُس کی وجہ سے یہ ان کی نجات کا خوبصورت گلوبند بن گئے ہیں۔

رسائل نور قرآن کریم کا ایک ایسا معجزہ بن کر طلوع ہوئے جس کا باقی ماندہ زمانوں میں انتظار تھا، اور اس قرآنی حقیقت کے اِردگرد لاکھوں طلبہ اور بھائی بند ایسے جمع ہیں جیسے پروانے روشنی کے اردگرد جمع ہوتے ہیں، اور ان میں سرِ فہرست ان کا مؤلف بدیع الزمان سعید نورسی ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے ان رسائل کے نور سے اقتباس کیا ہے اور ان سے ایمان اور قرآن کے حقائق کو چُوس کر نہال ہو گئے ہیں، ان کے ذریعے انہوں نے اپنے ایمان کو مضبوط کیا ہے اور اس بات کا عزم کر چکے ہیں کہ اِس حقیقتِ کُبریٰ کا اعلان تمام دنیا کے سامنے ہو جائے، اور اِنہیں پڑھنا اور ان کی خدمت کرنا ان کی زندگی کا مقصد بن چکا ہے۔

جی ہاں، یہ رسائل ترکوں، تُرکی میں رہنے والے دوسرے لوگوں اور عالمِ اسلام کے لیے فخر و اعتزاز کا باعث بن گئے ہیں، ان کی وجہ سے انہیں ابد تک شرف وعزّت کا احساس رہے گا، یہ اُن کی تاریخ کے صفحات کو ایسے ہی سنہری حروف سے لکھیں گے جیسے کہ ان کی ماضی لکھی گئی تھی۔ اور یہ عالمِ اسلام میں قرآن اور اسلام کی خدمت کے میدان میں ایک قابلِ قدر اور قابلِ رشک قائد اور سردار کا کردار ادا کریں گے۔

یہ وسعت پذیر کلّی حیثیت رکھنے والی تالیفات جو کہ اناطولیہ اور عالمِ اسلام میں جہاں جاتی ہیں وسیع پیمانے پر پھیل جاتی ہیں، مقبولیت کے ریکارڈ توڑ دیتی ہیں اور بہترین، خوبصورت اور پاکیزہ ماحول پیدا کر دیتی ہیں؛ یہ صرف قرآن کی

پونجی اور عالمِ اسلام اور اہلِ ایمان کی ملکیت ہیں، اور اس وطن کے باسیوں کے لیے اسلامی فخر و اعتزاز کا باعث ہیں۔ اسی طرح یہ رسائل اس علاقے کو چلانے والی حکومت کے لیے نقطۂ استناد ہیں۔ جیسے کہ یہ عظیم الشان حقائق کا ایک منظوم کلام ہیں، جس کے کلمات باذن اللہ تمام جہان کے کانوں میں دُہرائے جائیں گے، اس وقت جب وہ زمانہ آئے گا جس میں رسائل نور پڑھائے جائیں گے اور ریڈیو کے ذریعے معمورۂ عالم میں نشر کیے جائیں گے۔[1]

جی ہاں، ان رسائل نے ترکی کے آسمان سے ایک ایسا آفتاب طلوع کیا ہے جس کی کرنیں دُنیا میں علم و عرفان کے میدانوں میں جگمگا رہی ہیں۔ اور یہ جگمگاہٹ اُس معنوی سورج کی صرف جھلک سے پیدا ہوئی ہے جو عالمِ بشریت کے آسمان پر ساڑھے تیرہ سو سال پہلے چمکا اور یہ اس سورج کی جگمگاتی کرنوں میں سے صرف ایک کرن ہے جو ہر دور میں جگمگاتی رہے گی۔ یہ اس کے معنوی معجزات کا ایک معجزہ ہے جن کا آنے والے تمام زمانوں میں انتظار رہے گا۔ ان رسائل نے اپنے واضح اثرات صرف معنوی میدان میں نہیں چھوڑے بلکہ محسوس مادی میدان میں بھی برابر چھوڑے ہیں۔

جی ہاں، رسائلِ نور کی تاثیر اس اسلحے سے اور ان ایٹم بموں سے بھی زیادہ ہے جن پر قومیں اور حکومتیں اپنی حفاظت اور اپنے دفاع کے لیے اعتماد کرتی ہیں۔ جو بھی رسائل نور میں اور اُس خدمت میں علم و بصیرت کی آنکھ کے ساتھ تامل کرے گا جو بدیع الزمان نے رسائل نور کے ذریعے تیس سال تک اناطولیہ میں سرانجام دی ہے — اگرچہ تھوڑا سا تامل ہی کر لے — تو وہ یہ تاثیر بالفعل پائے گا اور اس کی تصدیق کرے گا۔ اور وہ خدمت جو رسائل نے ہنگامِ ظہور سے لے کر اب تک انجام دی ہے اس پر مرتب ہونے والے نتائج اتنے عظیم اور اتنے دِل آویز ہیں کہ مسلکِ حقیقت میں رسوخ رکھنے والوں کی طرف سے بے انتہا مبارکباد، قدردانی اور تحسین و آفرین کے مستحق ہیں، اِس وطن میں انہوں نے جو حقیقی ایمان کی نشر و اشاعت کی ہے اس کا ایمان کو مضبوط کرنے میں بہت بڑا کردار ہے۔ اس علاقے میں کفر و الحاد اور رذیل گمراہی کے ساتھ نبرد آزما ہونے کے لیے ان کا اپنا ہی انداز تھا؛ کیونکہ ان رسائل نے اس کا راستہ انبیاء علیہم السلام کے راستے پر چلتے ہوئے ایک مثبت اور تعمیری عمل کے انداز کے ساتھ کیا تھا، یہاں تک کہ اس عظیم الشان معنوی دینی جہاد میں فتح و نصرت اس کا مقدر بن گئی۔

رہا مسلسل مصروفِ جہاد رہنے والا یہ چھوٹا سا گروہ جو رسائلِ نُور کے طلبہ سے تشکیل پاتا ہے، تو اس کے افراد کے درمیان ایسا اتحاد اور ایسی محبت اور روشنی پائی جاتی ہے کہ اس سے وہ جلیل القدر مقبول راز پروان چڑھا کہ جو عنایتِ الٰہیہ اور رحمتِ الٰہیہ کو کھینچنے کا وسیلہ بن گیا۔ جہدِ مسلسل کرنے والا یہ چھوٹا سا مخلص گروہ ایک بیج کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے جو ایک تنگ سی جگہ میں پھوٹا اور اُس سے وہ عظیم درخت شجرۂ طوبیٰ پروان چڑھا جو دنیا کی مختلف جہتوں میں اپنی شاخیں پھیلاتا چلا جا رہا ہے۔

---

[1] ان دنوں ریڈیو نشر و اشاعت کا ایک بڑا مضبوط اور مؤثر ذریعہ تھا۔

رسائلِ نور قرآن کریم کے چشمۂ صافی سے چودھویں صدی ہجری میں ٹپکے، یہ اَناطولیہ سے نکلے اور پھیلنے شروع ہو گئے اور اس کے پھیلنے کا دائرہ عالمِ اسلام میں اور عمومی دنیا میں مسلسل وسیع ہوتا جارہا ہے۔ اپنے منفرد قسم کے اخلاص کی بدولت اور ایمان اور توحیدِ خالص کی خدمت کو اپنا اساسی مسلک بنانے کے نتیجے میں یہ توفیقِ ایزدی سے نواز دیے گئے اور ایمان اور قرآن کے حقائق پر مشتمل ہونے کی وجہ سے حقیقت کا ایسا نور بن گئے جو ہر جگہ پر ضوء فشاں ہونے لگا، چنانچہ رحمتِ الٰہیہ نے ان رسائل کو ایک قرآنی بندھ اور ایمانی نُور بنا دیا جو اُمت اسلامیہ کی مادی ومعنوی مہالک و مصائب سے حفاظت کرتا ہے۔

قرآن وایمان کا مقابلہ کرنے والوں کا تعاقب کرنے کے لیے رسائلِ نور نے دلیل و حجت اور مطمئن کر دینے والا انداز اختیار کیا، نزاع وفساد اور زور و جبر کا نہیں، اور اس طرح انہوں نے حقیقت کے تابناک چہرے سے پردہ اُٹھا دیا اور فکر و فلسفہ کے مختلف میدانوں میں دنیا والوں کے لیے یہ ثابت کر دیا کہ اسلام دیگر کسی بھی دین کے مقابلے میں زیادہ حق رکھتا ہے، اور قرآن جو کہ عالمِ انسان کے لیے ہدایت کا سورج ہے سراسر معجزہ ہے۔ اور اس بات پر بڑے خالص، صاف شفاف اور قطعی قسم کے دلائل و براہین پیش کیے۔ اور اس بات پر منطقی براہین پیش کیں کہ دین ونبوّت ہی دو ایسے عامل ہیں جنہوں نے روئے زمین پر کمال، ترقی اور تہذیب وتمدن کی بنیادیں استوار کی ہیں؛ اور یہ کہ نوعِ بشر جہالت کے ان گھٹاٹوپ اندھیروں سے باہر خاص طور پر اسلام کے ظہور کے ذریعے سے اور عالمِ اسلام کی ریاست وقیادت سے ہی نکل سکتی ہے۔ اور یہ کام اب مستقبل میں اللہ کے حکم سے ہونے ہی والا ہے۔

رہیں وہ بنیادیں جو نوعِ بشر نے رکھی ہیں جیسے فضلیت اور عمومی مصلحتیں کہ جن کا مشاہدہ ہم فلسفہ وحکمت میں کرتے ہیں، تو یہ بھی اُسی آفتابِ نبوت کے انعکاسات ہیں جو انسان کی دنیا پر چمکا ہے اور جس کی روشنیاں، کرنیں اور شعاعیں نوعِ بشر کے افکار وقلوب میں جگمگائی ہیں، بالکل ایسے جیسے سورج طلوع ہوتا ہے تو اپنی شعاعوں کے ذریعے رات کے اندھیروں کو تار تار کر دیتا ہے۔ پس یہ روشنی جو کہ ہمیں حکمت میں، حقیقی فلسفے میں اور سائنس اور دیگر علوم وفنون میں نظر آرہی ہے، وہ صرف اور صرف اُس آفتابِ قرآن کا اور قندیلِ نبوت کا ایک انعکاس اور ایک جلوہ ہے جنہوں نے عالمِ بشریت کو روشن ودرخشاں کر دیا ہے۔

پس اے عالمِ اسلام ہوش میں آ! صرف قرآن کو مضبوطی سے پکڑ، اور اپنی تمام تر ہستی کے ساتھ صرف اسلام کی طرف متوجہ ہو جا...... اے ان قابلِ احترام بزرگوں کے پوتو! جن کے بارے میں تاریخ گواہی دیتی ہے کہ انہوں نے ایک ہزار سال تک قرآن کی خدمت کی ہے اور روئے زمیں پر اسلام کی روشنی پھیلائی ہے، اپنے چہروں کو قرآن کی سمت میں موڑنے کی پوری پوری کوشش کرو...... اسے پڑھو اور اسے سمجھو، اور اس دور میں اس کی تفسیر اور اس کے معنوی معجزے کا مطالعہ کرو جس کا نام ''رسائل نور'' ہے۔

تُم لوگوں کی زبانیں جب قرآن کی آیات کو دہرائیں تو اپنے احوال واخلاق کو اس انداز میں ڈھال لو کہ وہ اس کے معانی کی نشرواشاعت کریں، اسے زبانِ حال سے بھی پڑھو، ایسا کرلو گے تو تم لوگ دنیا کے سردار، عالَم کے قائد اور انسانیت کی سعادت کا وسیلہ بن جاؤ گے۔

خبردار! ہوش میں آؤ اے ان لوگوں کے پوتو جنہوں نے صدیوں تک اپنی ذمہ داری یہ بنائی رکھی کہ دنیا میں قرآن کا جھنڈا بلند کر کے رکھیں گے! ہوش میں آؤ اور دنیا میں بلند ترین، بزرگ ترین اور مقدّس ترین مراتب حاصل کرلو...... ہوش میں آؤ؛ کیونکہ عالمِ اسلام کی اس صبحِ صادق کے دوران تمہارا غفلت میں کھوئے رہنا سمجھداری کی بات نہیں...... آپ لوگوں کو جو کرنا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن اور ایمان کے نور سے منوّر ہو جاؤ اور اسلام کی تربیت کے ذریعے مکمل بن جاؤ، اپنے تمام حالات وکیفیات میں اسے اپنا مرشد بناؤ، اس کی تہذیب کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھام لو جو کہ حقیقی انسانی تہذیب ہے؛ تاکہ تم عالمِ اسلام کی بیداری وہشیاری میں شریکِ کار اور رہنما بن جاؤ۔

رہے امریکا اور یورپ کی طرف سے آنے والے علوم وفنون، تو ان کی طرف توحید کے نور میں بھیگے ہوئے قرآنی تفکر کی آنکھ سے دیکھنا چاہیے؛ کیونکہ اصل میں تو وہ اسلام کی پونجی ہیں؛ مطلب یہ کہ ان کی طرف اُن کے خالق وباری کے نام سے دیکھنا چاہیے، اِس لیے ہمیں یہ کہنا چاہیے اور دوسروں کو بھی ہمارے ساتھ یہ دہرانا چاہیے کہ: آگے بڑھو...... رسائلِ نور کی جانب جو کہ ایمانی اور قرآنی حقائق کا وہ مجموعہ ہیں جو ابدی اور سرمدی سعادت کو واضح تر انداز میں بیان کرتا ہے۔

اے معزز دینی بھائیو! اے ایشیا کے لشکروں کے ان سورماؤں کے بیٹو! جن کے ہاتھوں میں دنیا کی زمام رہی؛ تمہارے لیے پانچ سو سال تک سوتے رہنا ہی کافی ہے۔ قرآن کی صبح ہوگئی ہے اب جاگ جاؤ؛ کیونکہ اگر تم نہ جاگے تو تمہارا اس کے سورج کے سامنے آنکھیں بند کر کے پڑے رہنا، اور تمہارا غفلت کے صحرا میں سوتے رہ جانا تمہیں تخلّف، تنزُّل اور بربادی کا شکار بنا دے گا۔

قرآن کی نہر سے علیحدگی اختیار نہ کرو ورنہ تم اس تہذیب وتمدّن کی خواہشات وشہوات اور اس کے رذائل کی خشک زمین پر بکھر جانے والے قطروں کی طرح جذب ہو کر ختم ہو جاؤ گے، بلکہ اَمن وسلامتی اور سعادت مندی کی نہر میں قرآنی سیلاب کی طرح متحد ہو جاؤ اور جدید تہذیب وتمدّن کے رذائل وقبائح سے کنارہ کش رہو، اور اسلامی حقیقت کی وہ ندیاں بن جاؤ جو اس وطن میں آبِ حیات کی طرح بہتی ہیں تاکہ اسلام اور ایمان کی روشنی کے ساتھ اس کی خاک پر حقیقی تہذیب وتمدُّن کے علوم وفنون کے پھول کھلیں۔ اور یہ وطن اللہ کے حکم سے ایک ایسا باغیچہ بن جائے جس پر مادی اور معنوی سعادت سایہ فگن رہے۔

ہم اساسی موضوع کی طرف لوٹتے ہیں...... وہ چند سال جن میں بدیع الزمان نے ''بارلا'' میں اپنی جبری اقامت

کے دوران رسائلِ نور تالیف کیے، وہ اتنی اہمیت کے حامل ہیں کہ اُن کے ایک لحظے کو ایک زمانے کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جس طرح جما دینے والی سخت ترین سردی میں کہ جب برفباری ہو رہی ہو، اور حالات بھی ہولناک و ہلاکت خیز ہوں، ایسے حالات میں ایک گھنٹے کی پہرے داری ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے، کچھ اس طرح کی گھمبیر صورت حال اُس دشوار اور تاریک دور میں پیش آئی تھی؛ کیونکہ ایک سو تیس نہیں بلکہ صرف ایک حقیقی رسالہ لکھنا جو ایمان اور اسلام کے حقائق پر مشتمل ہو، قیمت اور اہمیت کی رُو سے ہزاروں رسالوں کے برابر ہے۔

جی ہاں، اُس ناگوار زہرہ گداز دور میں اس دہشت خیز حکومت کی طرف سے رنگارنگ کی ذلت و اہانت کے کڑوے گھونٹ پیتے تھے، اور اس دور کے لوگ تو یہاں تک پہنچ چکے تھے کہ انہوں نے قرآن کو زائل کر دینے اور دینی عقائد سے سرے سے دور رہنے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا تھا، جیسے کہ رُوس میں ہو رہا تھا۔ لیکن انہیں ڈر اس بات کا تھا کہ کہیں مسلمان قوم کی طرف سے کوئی اس کے برعکس نتیجہ نہ نکل آئے! اس لیے وہ کوئی اس طرح کا کام کرنے سے تو باز رہے، البتہ اس کی بجائے انہوں نے ایک اور قرارداد پیش کی جس کا ماحصل یہ تھا: ''سکولوں کالجوں میں ہم جو نصاب ترتیب دینے والے ہیں'' اس نصاب کو پڑھ کر جو نوجوان ان اسکولوں کالجوں سے نکلے گا وہ قرآن کو دُور ہٹانے اور اس سے بیزار کرنے کا بیڑا خود ہی اُٹھالے گا، اس طریقے سے ہم اس قوم کا تعلق قرآن سے توڑ سکتے ہیں۔ ان جہنمی سازشوں کا تانا بانا تیار کرنے والے، انہیں پروان چڑھانے والے اور ان خوفناک فتنوں کے اصل کاریگر صرف وطن سے باہر الحادی دھاروں کے قائدین اور وطن کے اندر ان کے کارندے تھے، اور وہی لوگ ان دنوں دین کے مخالف اور اس کے دوبارہ آنے اور اس کی ترقّی کے دشمن ہیں۔

جی ہاں! ہم ترک قوم پر نازل ہونے والے ان دلدوز مصائب کے بدصورت چہرے سے نقاب اُتارنے اور ان کی تفصیلات کی وضاحت کرنے کی ذمہ داری مستقبل کے انصاف پسند مؤرخین اور ترکی مسلمان اہلِ قلم کے سپرد کرتے ہیں، تاکہ یہ لوگ ان حقائق کی نشر و اشاعت آزادی کی اس فضا میں کر سکیں جس کی بنیادیں ان دنوں وطن میں برسرِ اقتدار جمہوری پارٹی نے استوار کی ہیں۔

ہماری صرف اور صرف واحد ذمہ داری یہ ہے کہ ہم ایمانی اور قرآنی حقائق میں مصروف رہیں، پس ہم صرف اور صرف اسلام اور ایمان کے دھارے میں ہیں۔

جی ہاں، وحشت اور جنگلی پن سے بھرے ہوئے الحاد و زندیقیت اور گمراہی کے اس دور میں بدیع الزمان انتہائی سخت نگرانی کے تحت تھے، ان سخت گیر حکمرانوں کی طرف سے اسی طرح کا ظلم برداشت کرتے تھے جو ہر دور میں ظالم و جابر حدود فراموش حکمرانوں کی طرف سے ہوتا آیا ہے۔ اور یہ حالت پچیس سال تک رہی، اور اس دوران عالمِ اسلام غیروں کی کمر توڑ غلامی کے تحت ذلیل ترین فقر و فاقہ کی چکی میں پس رہا تھا، اور اس کے برعکس خفیہ تنظیمیں جو فساد و الحاد کی

نگرانی کر رہی تھیں، وہ اپنے حلیفوں کے تعاون سے ترکی اور عالمِ اسلام میں اپنی خطرناک قسم کی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھیں۔

پس جس طرح بدر اور اُحد کے معرکے عالم اسلام کی فتوحات کا سر آغاز تھے، رسائلِ نور کی اہمیت بھی کچھ اسی انداز کی ہے؛ کیونکہ یہ رسائل ایمانی خدمت اور ایسے معنوی دینی جہاد کا وسیلہ بنے کہ عصرِ نبوت کے بعد سے اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی ہے۔

اور باوجود اس کے کہ بدیع الزمان ''بارلا'' میں ایک ایسے قیدی کے ساتھ مشابہت رکھتے تھے جس کے ہاتھ بھی بندھے ہوئے ہوں؛ وہ اِس جلاوطنی کے مقام میں رسائلِ نور کی تالیف اور نشر و اشاعت کے ذریعے ایک بلیغ اور بلند آہنگ خطیب کا رُوپ اختیار کر گئے اور ایسے لگتا تھا کہ جیسے وہ اناطولیہ اور عالمِ اسلام کی مسجد میں کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے ہیں اور قرآن سے حاصل کیے ہوئے دروس لوگوں میں لُٹا رہے ہیں...... ایسے لگتا تھا کہ جیسے وہ چودھویں اور بیسویں صدی ہجری کے منارے کی چوٹی پر کھڑے ہیں اور اپنے معاصِر اہلِ اسلام اور بنی نوعِ انسان سے مخاطب ہیں، اور مستقبل کی اُن نسلوں سے مخاطب ہیں جو اِس دور کے پیچھے مستقبل کی صفوں میں صفیں باندھے کھڑے ہیں۔[1] جی ہاں! یہ بچے جو بدیع الزمان کے ساتھ گہرا تعلق رکھتے تھے اور ان کے گرد جمع ہو گئے تھے، یہ وہ بچے تھے جن کی مائیں بھی طلابِ نور میں سے تھیں۔ اور اُن کے ساتھ ایک جلیل القدر مرشد اور بہت بڑے مجدّد کی طرح کلام کر رہے ہیں۔

---

[1] رسائل نور کو سب سے زیادہ شوق سے نوجوانوں نے اور معصوم بچوں نے پڑھا ہے، اور اس کی ان گنت مثالیں ہیں، لیکن ہم یہاں صرف ایک مثال پیش کریں گے، اور وہ یوں ہے کہ: ایک دن بدیع الزمان ''بولوادین'' کے علاقے سے گزر رہے تھے کہ اچانک ان پر پرائمری اسکول کے بچوں کی نظر پڑ گئی، اور وہ اسکول سے نکل کر بھاگتے ہوئے آئے اور آپ کی گاڑی کے اردگرد جمع ہو گئے، اور اپنے دلی ذوق و شوق اور احترام کا اظہار کرتے ہوئے آپ کو سلام کہنے لگے، گویا کہ وہ اپنی زبانِ حال سے آپ کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔
ایک دفعہ جب ہم نے ''امیرداغ'' کی بستیوں کی گلیوں میں دیکھا کہ بچے راہ میں بکھرے ہوئے کانٹوں کی پرواہ بھی نہ کرتے ہوئے دور سے آپ کی طرف بھاگتے چلے آ رہے ہیں، اور اُونچی اُونچی آواز کے ساتھ کہہ رہے ہیں: ہمارے دادا بدیع الزمان...... ہمارے دادا بدیع الزمان! ہم نے استاد سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا:
''ان معصوموں کے قلوب و ارواح کو — حسِ قبل الوقوع سے — اس بات کا شعور ہو گیا ہے — اگرچہ ان کی عقلیں اس کا ادراک نہیں کر سکیں — کہ رسائل نور عنقریب ان کا ایمان بچائیں گے، خود ان کی اور ان کے علاقے کی اور ان کے مستقبل کی خوفناک قسم کے خطرات سے حفاظت کریں گے۔ پس یہ بچے رسائلِ نور کا شکریہ ادا کر رہے ہیں، اور ان کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کر رہے ہیں۔ اور میں چونکہ ان رسائل کا ترجمان ہوں اس لیے یہ مخاطب مجھے کر رہے ہیں''۔ اور آپ نے یہ بھی کہا کہ میں ان کے لیے دعا کرتا ہوں۔ استاد نورسی بچوں کے ساتھ بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔ چنانچہ بچے جب آپ کے اردگرد اکٹھے ہوتے تو آپ انہیں بڑی شفقت سے فرماتے: میرے لیے دعا کرو؛ کیونکہ تم معصوم ہو اور تمہاری دعا قبول ہوتی ہے۔

رسائلِ نُور کی تالیف اور نشر و اشاعت

بدیع الزمان نے کلیاتِ رسائلِ نور اتنے سخت حالات کے بوجھ تلے تالیف کیے کہ جو ان آلام و مصائب کی یاد دِلا دیتے ہیں جو ماضی میں امت کے علما و مشاہیر پر گزرے۔ وہ ایک مضبوط عزم کے، کبھی نرم نہ پڑنے والے ارادے کے اور کبھی نہ ختم ہونے والی خدمت کے عشق کے مالک تھے، چنانچہ انہوں نے اِن کی تالیف میں صبر کرتے ہوئے، برداشت کرتے ہوئے، قربانی دیتے ہوئے اور کسی بھی تھکاوٹ یا اُکتاہٹ کا مظاہرہ کیے بغیر اپنی تمام تر کوشش، محنت اور قوت صَرف کر دی، تا آنکہ اِن رسائل کو ایک ایسے مرشد کے روپ میں پیش کر دیا کہ جو ابنائے اسلام اور بنی نوعِ انسان کے قلوب و ارواح کو روشن کرنے اور ان کی رہنمائی کرنے کا بیڑا اُٹھاتا ہے اور اس قوم اور ملک کو کمیونزم کے اژدھوں سے، فری میسن اور الحاد و زندیقیت کی آفتوں سے محفوظ رکھتا ہے، اور آنے والے دنوں میں ان کی برائیوں سے بچائے گا۔

رسائل نور کی تالیف ایک سو تیس رسائل کی صورت میں تیئس سال میں مکمل ہوئی۔ یہ ان دنوں میں لکھے گئے جب ان کی بہت زیادہ ضرورت تھی، چنانچہ اس شدید ضرورت کے پیشِ نظر یہ تریاقِ شافی اور علاجِ کافی کی صورت میں جلوہ گر ہوئے اور بہت سے لوگوں کے معنوی امراض کا مداوا کرنے لگے۔ اور ان کا پڑھنے والا— خواہ کوئی بھی ہو— یہ محسوس کرنے لگا کہ گویا یہ خصوصی طور پر اُسی کے لیے لکھے گئے ہیں، چنانچہ وہ بڑے ذوق و شوق اور بہت زیادہ ضرورت محسوس کرتے ہوئے ان کا مطالعہ کرنے لگا؛ ایسا کیوں نہ ہوتا، کیونکہ یہی تو ہیں جو اس دور کے لوگوں کے لیے اور بعد میں آنے والوں کے لیے وہ جواب پیش کرتے ہیں جو اُن کی ایمانی، اسلامی، فکری، روحانی، قلبی اور عقلی حاجات و ضروریات کا حل پیش کرتا ہے۔

یہ قرآن حکیم کی حقیقی تفسیر ہیں؛ کیونکہ یہ آیات کی تفسیر اُن کی ترتیب کے حساب سے نہیں کرتے بلکہ اس حساب سے کرتے ہیں جس حساب سے آیاتِ کریمہ اُن ایمانی حقائق کی وضاحت کرتی ہیں جو عصر حاضر کی حاجات و ضروریات کو پورا کرتے ہیں اور اُن کے ساتھ ہم آہنگ ہوتے جاتے ہیں۔ پس تفسیر کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے جو آیت کے لفظ اور عبارت کی تفسیر کرتی ہے، اور دوسری قسم وہ ہے جو آیت کا معنی اور اس کے حقائق کی وضاحت کرتی ہے اور اس کے دلائل و براہین پیش کرتی ہے۔ رسائلِ نور کا شمار دوسری قسم کی اہم ترین، وسیع ترین، قوی ترین اور تابندہ ترین تفاسیر میں ہوتا ہے۔

اور یہ امر ہزاروں اہلِ تحقیق اور اصحاب تدقیق کی شہادت سے ایک ثابت شدہ حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے۔

رسائلِ نور ایسے اسلوب میں لکھے گئے اور طبع و نشر ہوئے کہ جس کی نظیر آج تک نظر نہیں آئی؛ اور وہ اس طرح کہ

بدیع الزمان سعید نورسی ایک اَن پڑھ قسم کے آدمی تھے، ان کا خط اتنا اچھا نہیں تھا کہ وہ رسائل خود اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے یا نقل کر سکتے، اس بنا پر وہ یہ رسائل کاتبوں کو انتہائی سرعت کے ساتھ اِملا کرواتے تھے، اور وہ اسی سرعت کے ساتھ لکھتے جاتے تھے، ایک دن میں گھنٹے دو گھنٹے تک اس انداز سے تالیف وتصنیف میں مصروف رہنے کے ساتھ ساتھ کچھ اس طرح کی دیدہ زیب کتابیں بھی ظہور میں آگئیں کہ جنھیں املا کروانے میں دس دس بارہ بارہ گھنٹے صَرف ہو گئے، اور کچھ ایسی بھی کہ جو بہت ہی تھوڑے وقت میں مکمل ہو گئیں۔

طالب علم اپنے استاد کے رسائل ایک دوسرے سے نقل کرتے اور ان سے بہت سے نسخے تیار کر لیتے، پھر آپ کے پاس لے کر آتے، اور آپ کاتبوں سے سرزد ہونے والی غلطیوں کی تصحیح کرتے۔ تصحیح کرتے وقت آپ کی عادت یہ ہوتی تھی کہ ایک نسخے کو پوری تحقیقی وتدقیقی نظر سے دیکھتے، اس کا موازنہ کرنے کے لیے اصلی نسخے کو دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ کرتے، اور جو رسالہ آج سے پچیس تیس سال پہلے لکھا تھا اس کی تصحیح آج تک کرتے چلے آ رہے ہیں،[1] اور اس ضمن میں وہ اصل نسخے کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

گردونواح کی بستیوں سے اور قرب وجوار کے دیہاتوں سے طالب علم آپ کے پاس آتے اور تالیف شدہ رسائل بڑے والہانہ انداز میں اور بڑے اہتمام سے لے جاتے، پھر جب لوٹتے تو انہیں اپنے ہاتھوں سے لکھتے، نقل کرتے اور طبع کراتے۔

بدیع الزمان نے رسائل نور قرآن کریم کے علاوہ کسی بھی دیگر کتاب کی طرف رجوع کیے بغیر لکھے، اور تالیف کرتے وقت ان کے پاس کوئی بھی کتاب نہیں تھی جیسے کہ مرحوم شاعر محمد عاکف نے کہا ہے:

> ''اس دور کے ذہنوں کے لیے ہمیں قرآن کا تعارف براہِ راست قرآن کی وحی سے رہنمائی لے کر کرانا چاہیے۔ اور اللہ کی طرف سے بدیع الزمان کے لیے اس شعر کے معنی کو اُبھار کر واضح کرنا آسان ہو گیا تھا۔''

تاریخ میں کسی ایسے طریقے کی مثال نہیں ملتی جس طریقے سے رسائل نور کی نشرواشاعت ہوئی ہے تاریخ سے ہمیں پتا نہیں چلتا کہ کچھ کتابیں ایسی بھی ہوں گی جو اس طریقے سے طبع ہوئی ہوں، اس کی وضاحت کچھ اس طرح ہے کہ:

رسائلِ نور کو عربی حروف میں طبع کروانا ضروری تھا؛ کیونکہ عربی حروف میں ہی یہ قوت ہے کہ وہ قرآنِ کریم کی خدمت اور اس کے رسمُ الخط کی حفاظت کی ذمہ داری لیے ہوئے ہیں۔[2] اور اُس عرصے میں عربی حروف کی کتابت منع کر دی گئی تھی اور اس کے پریس بند کر دیے گئے تھے، اور بدیع الزمان فقیر آدمی تھا دنیاوی سامان اُس کے پاس بالکل نہ تھا۔ اور رسائلِ نور کو لکھنے والے اور اس کے نسخوں کی نقلیں تیار کرنے والے صرف یہی نہیں کہ اپنی ضروری حاجات پوری ہو جانے

---

[1] یہ مضمون 1957 کے لگ بھگ لکھا گیا۔

[2] اس وقت قرآن کریم عربی حروف کے بجائے لاطینی حروف میں طبع ہونا شروع ہو گیا تھا۔

کے بارے میں مطمئن نہیں تھے، بلکہ اس سے بڑھ کر وہ قید و بند کی صعوبتوں، ایذا رسانیوں اور ظلم وستم کے رویّوں کا شکار بھی ہوتے تھے، اور اس کے ساتھ ساتھ بدیع الزمان کے خلاف حکومت کی پر تشدّد کاروائیاں اور اخباراتی پروپیگنڈے اور ناقدانہ حملے ہر جگہ پر خوف و ہراس پیدا کر رہے تھے اور لوگوں کو مخاوِف واَوہام کے شکنجوں میں جکڑ رہے تھے، جس کی بنا پر وہ استاد بدیع الزمان کے پاس آنے سے اور اُن سے دین و ایمان کا درس لینے سے خوف کھاتے تھے۔

اور یہ وہ وقت تھا جب علمائے دین اور عُشاقِ حقیقت میں ان کے دینی اخلاص کی وجہ سے پھانسیوں پر چڑھانے اور انہیں سولیوں پر لٹکا دینے کی سزاؤں نے خوف و ہراس اور کم ہمتی کی فضا پیدا کر رکھی تھی۔ جبکہ استبدادِ مطلق اور ظلمِ شدید نے اہلِ دین کی زبانوں کو تالا لگانے کی سیاست فرض کر رکھی تھی، چنانچہ ان تمام دروس پر مکمل پابندی عاید کر دی گئی جو اسلام کی حقیقت اور اس کے اصولوں کی وضاحت کرتے تھے، اور کسی ایک حقیقی رسالے کو بھی شائع کرنے کی اجازت نہ دی گئی جو دین کے حقائق کے بارے میں بتاتا ہو، اور قوم کو اس طرح کے درسوں سے محروم کر دیا گیا، اور اسلام کو ایک روح سے خالی جسم بنانے کے لیے سر توڑ کوشش شروع ہو گئی۔[1]

اور یُوں اس دور میں دین کے خلاف پوری سرکشی اور بداطواری کے ساتھ جنگ کا حملہ ہو گیا، اور اس حملے کے ہمراہ ایک ستم گر قسم کا استبداد بھی تھا جو اہلِ ایمان کی زندگی کو مادی اور معنوی طور پر پابہ زنجیر قید کر دینا چاہتا تھا۔ تب ان حالات میں رسائلِ نور آئے اور انہوں نے آ کر اس شدید حملے کا راستہ روکا، اور ان تمام زنجیروں کو اور خاص کر معنوی زنجیروں کو توڑ ڈالا۔ رسائلِ نور نے الحاد و لادینیت کی کمر توڑ ڈالی ہے اور اس کے ارکان کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔

جی ہاں، رسائلِ نور کفر کی تاریکیوں میں بجلی کی طرح چمکے ہیں اور یہ قرآن کریم کے انوار میں سے ایک ایسا نور بن کر چمکے ہیں جس نے تمام حجاب جلا دیے ہیں اور جو اپنی تمام تر رونق و جلال کے ساتھ جگمگا رہا ہے، اور رسائل نور سے تحقیقی ایمان کے دروس لینے کے بعد طُلّاب نور کے ایمان نے ترقی کی، اور یہ طلّاب ایمانی شہامت اور اسلامی جرأت کے مالک بن گئے، اور ان کی تعداد روز بروز مسلسل بڑھتی ہی چلی گئی۔

جیسے ایک بہادر قائد اپنی زبانِ حال کے ساتھ سینکڑوں سپاہیوں میں بہادری کی روح پھینک دیتا ہے اور وہ ان کے لیے نقطۂ استناد اور جائے اعتماد ہوتا ہے، بالکل وہی صورتِ حال رسائلِ نور کے اس معنوی شخص کی ہے جو اُن ہزاروں بلکہ لاکھوں طلّابِ نور کی شکل میں متمثل ہوا ہے جن کا ایمان حقیقی ایمان کے دروس سے مضبوط ہو چکا ہے، اور ان میں سرِ فہرست بدیع الزمان سعید نورسی ہیں؛ کہ یہ طلّاب اہلِ ایمان کے لیے اسوۂ حسنہ اور نقطۂ استناد بن چکے ہیں، اور الحاد

[1] وہ تمام ملحد اور بے دین لوگ جو اس طرح کی دین دشمن سرگرمیوں میں مبتلا تھے وہ آج بھی [پچاس کی دہائی میں ڈیموکریٹک پارٹی کی حکومت کے دور میں] دین کی اس بیداری کو قبول نہیں کر رہے ہیں۔

کے مقابلے میں ان کے ایمان کی قوت اور اُن کی بہادری و جوانمردی لوگوں کو بیدار اور ہشیار کرنے میں بہت مؤثر اور کارگر ثابت ہوئی۔

چنانچہ اِن لوگوں نے اپنے دلوں میں پائے جانے والے خوف اور وہم کو جھٹک دیا، لوگوں کو نا اُمیدی کی فضا سے باہر کھینچا اور وطن کے تمام کونوں میں بسنے والی عوام میں شجاعت و سرور اور اُمید کی روح پھونک دی۔

اہلِ حقیقت کے ہاں یہ بات مُصدَّق اور مُسلَّم ہے کہ طلّاب رسائلِ نور کہ جنہوں نے اپنی زندگی کی غرض و غایت اِن رسائل کو بنایا ہے، اُن میں سے صرف ایک طالب علم ہی ایک سو آدمی کی قوت کا حامل ہے، اور اس کا ایمان اور اسلام کی خدمت کرنا ایک سو ناصح کی خدمت کے برابر ہے۔

طلّابِ نور نے اپنے اموال اور اہل وعیال کی قُربانیاں دیں اور اس ضمن میں انہوں نے کبھی کوئی تردّد نہ کیا، بلکہ رسائلِ نور کے ذریعے ایمان واسلام کی خدمت کرتے ہوئے اگر انہیں اپنی روحیں بھی قربان کرنے کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے بطیبِ خاطر قربان کر دیں۔

اور اپنے اُستاد کی طرح انہوں نے نڈر ہو کر، کافروں کے ظلم وستم کی اور ان کی جیلوں کی، اُن کی سختیوں کی اور ان کے نشانہ باندھ کر کیے جانے والے ناروا حملوں کی پروانہ کرتے ہوئے بہادری و دلاوری کا مظاہرہ کیا، اور انہوں نے اپنا ایک ہی نصبُ العین بنائے رکھا، اور وہ تھا رسائلِ نور کی راہ سے اپنے ایمان کو بچانے کے لیے اور ایمان اور اسلام کی خدمت کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے رسائلِ نور کی قرأت اور ان کی درس وتدریس؛ چنانچہ انہوں نے یہ خدمت سرانجام دینے کے لیے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اپنے تمام امکانات صرف کر دیے۔

جی ہاں، وہ اس بات پر پختہ ایمان لا چکے تھے کہ وہ اُس ربّانی سفینے کے خدام ہیں جو اُمتِ محمد یہ کو ساحلِ سلامتی تک پہنچائے گا؛ پس ان کی زندگی میں سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ قرآن اور ایمان کی خدمت کے ذریعے اس چیز کا وسیلہ بن جائیں کہ اُمتِ محمد یہ خوشحالی وخوش بختی کی زندگی گزارے۔

رسائلِ نور پہلے پہل ہاتھوں کے ساتھ لکھے اور نقل کیے گئے، اور اس عرصے میں مرد، عورتیں، بوڑھے اور جوان طلّاب نور ''اسپارٹا'' اور اس کے گردونواح میں اس ذمہ داری کو بڑی محنت، کوشش، تسلسل اور سرگرمی ونشاط کے ساتھ نبھاتے رہے، حتی کہ اس عرصے میں ایسے لوگ بھی پائے گئے جو ان رسائل کو لکھنے اور نقل کرنے کے لیے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے اور سات آٹھ سال تک باہر ہی نہیں نکلے، حتّٰی کہ صرف ''صاوٗ'' نامی گاؤں میں جو کہ ایک نوری مدرسہ بن چکا تھا، ایک ہزار قلم تھے جو کتابت اور نشر واشاعت سے اُکتاتے نہیں تھے۔

ان رسائل کی تالیف کے بیس سال بعد ان کی نشر واشاعت فوٹو کاپی مشین کے ذریعے ہوتی رہی، پھر اس کے دس سال بعد یہ پریس میں طبع ہونے لگے۔ اور عنقریب وہ دور آنے والا ہے جب یہ سونے کے پانی سے لکھے جائیں گے اور براڈ کاسٹنگ کے مختلف وسائل و ذرائع سے مختلف زبانوں میں نشر ہوں گے اور روئے زمین ایک بہت بڑا نوری مدرسہ بن جائے گا۔

☆ ☆ ☆

رسائل نور کی نشر واشاعت کے ضمن میں بابرکت فاضل عورتوں نے بھی بہت زیادہ کوششیں کیں، قربانیاں دیں اور بڑی قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں، حتّٰی کہ ان میں کچھ عورتیں ایسی بھی تھیں جو استاد کے پاس آئیں اور کہنے لگیں: ہمارے قابلِ احترام استاد! میں اپنے خاوند کے تمام دنیاوی کام خود سنبھالوں گی تاکہ وہ مکمل طور پر آپ کی اور رسائلِ نور کی خدمت کے لیے فارغ رہے۔ ان بہادر عورتوں نے اپنے خاوندوں کے تمام بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا لیے تاکہ وہ اپنی یہ ذمہ داری دلجمعی سے ادا کر سکیں۔

اور ان میں کچھ عورتیں وہ بھی تھیں جو اس خدمت میں حصہ اس طرح لیتی تھیں کہ جب ان کے خاوند رات کے اندھیرے میں چوری چھپے رسائل کی کتابت کرتے تو وہ ان کے پاس چراغ لے کر بیٹھ جاتیں اور اس طرح جہاں تک ان سے بن آتا دین اور ایمان کی خدمت کرتیں۔

اور کچھ محترم عورتیں اور نوجوان لڑکیاں وہ بھی تھیں جنہوں نے رسائلِ نور اپنے ہاتھوں سے لکھے، ان میں اپنی آنکھوں کا نور انڈیلا اور بابرکت کاتبوں کے طور پر انہوں نے ایمان کی خدمت کی۔

نوری طالبات میں بڑی عظیم عورتیں ظہور میں آئیں، اُنہوں نے رسائل نور کو اتنے جوش و جذبے اور والہانہ انداز کے ساتھ پڑھا جو انہیں نورِ ایمان کی برکت سے ہنگام مرگ حسنِ خاتمہ تک پہنچاتا تھا، انہوں نے یہ رسائل اپنی دینی بہنوں کو پڑھ کر سنائے اور انہیں ان رسائل کا تعارف کروایا، عورتوں کے درمیان ان کی نشر واشاعت کرنے کے لیے انہوں نے بڑی عظیم الشان خدمات سرانجام دیں، اور انہیں قرآن و ایمان کے انوار سے منور کرنے کا وسیلہ بن گئیں۔ اور وہ رسائل کو پڑھنے پڑھانے کی برکت سے ایمان کے ایسے مراتب پر پہنچ گئیں کہ گویا ''مقامِ'' ارشاد پر فائز ہو گئی ہوں۔

عورتیں صرف اللہ تعالٰی کی رضا کی طلب میں پورے اخلاص اور صفائے دل کے ساتھ رسائلِ نور کے ساتھ وابستہ ہو گئی تھیں، کیونکہ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ ان میں قرآن کے انوار چمک دمک رہے ہیں اور عوام کو فیض پہنچا رہے ہیں اور ان کے دلوں میں بے اندازہ محبت الٰہی جوش مارنے لگی اور اس سے وہ دنیا و آخرت کی سعادت سے ہمکنار ہو گئیں اور رسائلِ نور اپنی قدر و قیمت اور عظمت کی وجہ سے ان کے پاک صاف، خوبصورت اور پاکیزہ دلوں میں گھر کر گئے۔

چنانچہ وہ جب انہیں پڑھتیں اور آپس میں سنتی سناتیں اور سمجھتی سمجھاتیں، نُور اور برکت سے لبالب ہو جاتیں اور ان کی آنکھیں نورانی آنسوؤں سے ڈبڈبا جاتیں اور وہ اُنس واطمینان کے آخری درجے تک پہنچ جاتیں۔ پس وہ کتنی خوش بخت ہیں! انہوں نے مقدس ایمانی خدمت پیش کی ہے اُس کی برکت سے ان کا پاکیزہ ذکر ہمیشہ باقی رہے گا اور ان کی قبریں باذن اللہ جنت کے باغیچوں کی طرح مہکتی رہیں گی اور آخرت میں وہ بلند ترین درجات حاصل کرلیں گی۔ ان شاءاللہ۔

انہوں نے رسائل نور پڑھ کر اور آگے پڑھا کر بہت زیادہ معنوی کمائیاں کرلی ہیں اور عظیم الشان بلند مراتب پر فائز ہوگئی ہیں۔ اب صرف یہی نہیں کہ انہیں استاد کی دعائیں ملتی ہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر وہ لاکھوں طلّابِ نور کی دعاؤں سے بھی نہال ہو رہی ہیں، اور طلّابِ نور کے درمیان قائم معنوی شراکت کے طفیل ان کے نیک اعمال کے ثواب باذن اللہ ان عورتوں کی نیکیوں کے رجسٹروں میں درج ہوتے رہیں گے۔ ہمیں رحمتِ الٰہی سے بہت زیادہ امید ہے کہ ہماری اکثر عورتوں کی حالت یہی ہوگی۔ ان شاءاللہ

رسائلِ نور جن بلند و بالا حقائق پر مشتمل ہیں، اہلِ بصیرت ناشرین کو اُن کا ادراک بخوبی ہو گیا تھا، چنانچہ ان لوگوں نے ان کے مقدس درسوں سے بہت کچھ سیکھا، اور اخلاص وصدق سے لبریز دلوں کے ساتھ دین کے ان دشمنوں کا مقابلہ کرنے لگے جو پردے کے پیچھے چھپے کارستانیوں میں مصروف تھے۔ نور کے سپوت اس ضمن میں ظلم وتشدد سے دوچار ہوئے، ان کے گھروں میں تفتیشی کاروائیوں کے لیے درّانہ گھُسا گیا، انہیں جیلوں میں ٹھونسا گیا اور وہاں انہیں گوناگوں سزاؤں اور ابتلاؤں سے دوچار کیا گیا، لیکن یہ تمام حربے انہیں اس عرصے میں اپنے الماسی قلموں کے ساتھ رسائلِ نور کی نشرواشاعت سے باز نہ کرسکے۔ یہ لوگ اگر دنیا کی نعمتوں کے طلبگار ہوتے تو وہ انہیں ضرور مل جاتیں، لیکن انہوں نے تو اپنی زندگیاں رسائلِ نور کی خدمت کے لیے وقف کررکھی تھیں اور اس راہ میں انہوں نے تمام دنیوی مراتب کو اور ذاتی ثروتوں کو قربان کردیا۔

شاید کوئی پوچھنے والا یہ پوچھے کہ: یہ عزم، قوت، قربانی، ثابت قدمی اور وفاداری جس سے طُلّاب نور مزین تھے، اس میں راز کیا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے: ان تمام باتوں کا راز رسائلِ نور میں پائے جانے والے وہ بلند ترین حقائق ہیں جن کے دامن تک شبہات کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا، پھر اس کا راز وہ ایمانی خدمت ہے جو اللہ وحدہ کی رضامندی پانے کے لیے ادا کی جارہی ہے، اور وہ عظیمُ الشان اخلاص ہے جس سے استاد بدیع الزمان مزین تھے۔

استاد نورسی ''بارلا'' میں آٹھ سال تک مقیم رہے، وہ اپنا زیادہ تر وقت پہاڑوں کی وادیوں میں، اور باغات میں اور خاص کر انگوروں کی بیلوں میں گزارتے تھے، اور عام طور پر پُرسکون پہاڑوں میں اور دو تین گھنٹوں کی مسافت پر واقع انگوروں کے باغات میں خلوت گزیں ہو جاتے تھے، چنانچہ وہ ایک دن میں پیدل چل کر اتنی دور تک چلے جاتے تھے

جہاں تک آنے جانے میں پانچ گھنٹے لگ جاتے تھے، رسائلِ نور لکھتے تھے اور ان کے لیے ہر روز چار گھنٹے خاص کرتے تھے۔ اور ''اسپارٹا'' اور اس کے گرد ونواح میں ہاتھوں سے لکھے جانے والے رسائلِ نور کی تصحیح کرتے، اس پر مزید یہ کہ وہ زیادہ تر اپنا کھانا خود ہی تیار کرتے تھے۔

اُس مرحلے میں رسائلِ نور طلاب نور کی پہلی کھیپ کے ہاتھوں چالیس مقامات پر لکھے جاتے تھے، پھر وہ استاد کے پاس بھیجے جاتے، وہ ان تمام نسخوں کو اپنے کندھوں پر اُٹھا لیتے اور انہیں لے کر پہاڑوں اور وادیوں کی طرف چلے جاتے اور وہاں جا کر اُن کی تصحیح کرتے، اور پھر اپنے گھر کی طرف لوٹ آتے۔

آپ کو شہر بدری کا حکم ملا، اور اس عرصے میں آپ پر انواع واقسام کے ظلم وستم ڈھائے گئے اور انہیں کسی بھی آدمی سے ملاقات کرنے سے روک دیا گیا، لیکن ان تمام محرومیوں کے باوجود آپ نے ایک ختم نہ ہونے والی معنوی دولت و ثروت حاصل کر لی؛ کیونکہ وہ قرآن کریم سے پھوٹنے والے اُن ایمانی حقائق کی تالیف اور نشر واشاعت کرتے تھے جو عالمِ اسلامی اور عالمِ انسانی کے لیے نور اور ہدایت کے حامل تھے۔ انہوں نے اپنا تمام وقت اپنی تالیفات پر صرف کیا ہے، اور عنقریب ایسا وقت آنے والا ہے جس میں یہ مؤلفات اناطولیہ کے اطراف واکناف میں طبع ونشر کی جائیں گی اور یہ اہلِ سیاست کی آنکھیں اپنی جانب پھیر لیں گی، تب یہ کفر والحاد کے ان عقائد کا پردہ چاک کر دیں گی جو اُس اُمت پر فرض کرنے کی ناپاک سازش ہو رہی ہے جس نے طویل صدیوں تک اسلام کا جھنڈا اُٹھائے رکھا ہے اور یہ اُن اہلِ کفر و ضلالت ورذالت کے خطرناک دھاروں کے آگے مضبوط بندھ باندھے گی جو بعد میں آنے والے زمانوں میں گمراہی کے طاغوتوں کے معنوی شخص کے رُوپ میں آئے گا، اور انہیں اس وطن پر اپنا اثر ونفوذ پھیلانے سے روکے گی، اور مستقبل کی نسلوں کے لیے اُن کی ابدی نجات وسعادت کا منبع ومصدر بن جائے گی۔

استاد نورسی دنیا کے خوش بخت ترین انسان تھے؛ کیونکہ وہ ایک قُدسی عظیم المعنی دعوت کے مالک تھے، وہ اِذنِ الٰہی اور تدبیرِ ربّانی کی برکت سے ایک عظیم تاریخی تبدیلی کا مبدا تیار کر رہے تھے، چنانچہ وہ نہ تو متزلزل ہوئے، نہ ڈگمگائے، اور اپنی غرض وغایت سے ذرّہ بھر بھی اِدھر اُدھر نہ ہوئے؛[1] بلکہ اس کے برعکس وہ ایک ہدایت کی ایک ایسی مشعل اٹھائے ہوئے تھے جو تاریکیوں کو منتشر کر رہی تھی اور اعتقادات کی تصحیح کر رہی تھی، وہ ایک عظیم جدوجہد اور عظیم عزم ویقین کے مالک تھے؛ کیونکہ ان کا وظیفہ، اُن کی خدمت دنیا وآخرت میں لوگوں کی سعادت مندی وفیروز بختی اور ان کی خوشحالی و بھلائی کے ضامن ہیں۔

☆ ☆ ☆

[1] اس دور میں قانونی طور پر ایک ایسا لباس پہننا لازم کر دیا گیا تھا، جس کی رُو سے مردوں کو سر پر یورپی ہیٹ رکھنا ضروری تھا، اور پگڑی، ٹوپی یا اس طرح کی دیگر کوئی بھی چیز ممنوع تھی۔

''بارلا'' میں استاد نورسی دو کمروں پر مشتمل ایک گھر میں رہتے تھے، آپ کا اپنا کوئی گھر نہیں تھا، بلکہ پوری زمین پر آپ کے قبضہ وتصرّف میں ایک بالشت جگہ بھی نہیں تھی۔ چنانچہ ''بارلا'' میں وہ جس گھر میں آٹھ سال تک مقیم رہے، پہلا نوری مدرسہ ہے، اور یہ مدرسہ تین سو پچاس ملین فرزندانِ اسلام کے لیے ایک طرح کا مرکز شمار ہوتا ہے۔

اس مدرسے کے نیچے پانی کا ایک چشمہ بہہ رہا ہے، اور عین سامنے آسمان کو چھوتا ہوا چنار کا درخت ہے جس کی تین ضخیم شاخیں ہیں، اس کی شاخوں کا ایک چھوٹا سا مچان بنا دیا گیا تھا۔ استاد بہار اور گرمی کے موسم میں اس میں استراحت، تفکّر اور عبادت کے لیے بیٹھا کرتے تھے۔

استاد کے قریب رہنے والے، اُن کے شاگرد اور ''بارلا'' کے باشندے یہ بیان کرتے ہیں کہ: ہم رات کو اُستاد کو چنار کے اس مبارک درخت کی شاخوں میں بنے ہوئے مچان میں دیکھا کرتے تھے، وہ وہاں بیٹھے —— خاص کر بہار اور گرمی کے موسم میں —— پَو پھٹنے تک اَوراد وتسبیحات میں مشغول رہتے تھے۔ اور ہم انہیں ہر صبح کے وقت گھنی ٹہنیوں کے درمیان پھڑ پھڑاتی اور چہچہاتی چڑیوں کے درمیان دیکھتے، ایسے لگتا تھا کہ جیسے وہ چڑیاں شوق وجذب کی حالت میں ہوں...... ہمیں یہ پتا نہیں چلتا تھا کہ وہ کب سوتے اور کب اُٹھتے ہیں۔

وہ اکثر بیمار رہتے تھے، اور ان کے اوقات شدّتوں اور سختیوں سے بھرپور تھے، اور اس کے ساتھ ساتھ وہ کھانا بھی بہت کم کھاتے تھے، شوربے جیسی کوئی تھوڑی بہت چیز کھا کر مطمئن ہو جاتے تھے۔

اُن کے کچھ اَوراد واذکار ایسے تھے جنھیں وہ ہر رات پابندی کے ساتھ پڑھا کرتے تھے، وہ اَوراد واذکار کچھ قرآنی سورتوں کا مجموعہ تھے، اس کے بعد ''الجوشن الکبیر'' نامی مناجات کی باری آتی تھی جو کہ مشہور ومعروف ماثور مناجات ہے۔ اس کے بعد شاہِ جیلانی اور شاہِ نقشبند جیسے کبار اولیا کے مناجات واحزاب تھے، اور پھر صَلٰواتِ نوریہ اور خاص کر ''الحِزب النوری'' پڑھتے تھے جو کہ رسائلِ نور کا منبع ہے، اور ان کے علاوہ دیگر اَوراد واذکار بھی پڑھتے جو کہ قرآنی آیات کے لمعات ہیں، مزید وہ ''تفکّرِ ایمانی'' کا مجموعہ بھی پڑھتے جو ''انتیسویں لمعے'' میں ہے۔ اِن کی پڑھائی سے فارغ ہو جانے کے بعد رسائلِ نور میں مصروف ہو جاتے، لیکن دِن کے وقت تو وہ رسائل نور کے مطالعہ وتصحیح میں ہی مصروف رہتے اور ان کی خدمت کو دیگر کاموں پر مقدم رکھتے۔ اور اگر کوئی ایسا کام سامنے آجاتا جس کا خصوصی طور پر رسائل کے ساتھ تعلق ہوتا تو اپنے تمام کام چھوڑ کر پہلے اُسے پورا کرتے۔ بہار کے موسم میں وہ چنار کے ضخیم درخت کی شاخوں پر بنے ہوئے مچان پر جا بیٹھتے اور وہاں رسائل کے حقیقی عُلوی منبع ومعدن سے ان کے حقائق کا الہام پا کر مطالعہ کرتے ہوئے اور غور وفکر کرتے ہوئے اپنا وظیفہ ادا کرتے؛ آپ کا خیال ہے کوئی عبارت استاد نورسی کے اُس تفکّر کو اور ان احساسات ومشاعر کو بیان کرنے کا حق ادا کر سکتی ہے جو وہ ان پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور ان درختوں پر کرتے تھے جن کے ساتھ وہ ''کوہِ چام'' کے دامن میں بہت زیادہ مانوس ہو گئے تھے، یا وہ تفکّر چنار کے اس درخت پر کرتے تھے جو کہ ﴿شَجَرَةٌ مُّبَارَكَةٌ﴾ میں

پائے جانے والے راز کا مظہر بن چکا ہے!

حقیقت یہ ہے کہ وہ بات لفظوں میں بیان نہیں ہوسکتی؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس یگانۂ روزگار انسان کو اپنی کمال رحمت کے ساتھ کچھ اس طرح کی اِستعداد دے کر پیدا کیا تھا جو انواع واقسام کے انسانی کمالات کی جامع تھی، اور اس نے ان استعدادوں اور صلاحیتوں کو کسی عظیم ترین صورت میں آشکار کرنا چاہا، اور اس کام کے لیے اُس نے ان امتیازی خصوصیات کے مالک شخص کو تمام حقائق میں استاذ الکلّ کا درجہ عطا فرمایا کہ وہ ان رسائلِ نور کا معنوی شخص ہے، وہ رسائلِ نور جنھوں نے شجرِ اسلام کو کمک پہنچائی اور سہارا دیا اور اس کی شاخوں اور ٹہنیوں کو آنے والے زمانوں تک پھیلا دیا، اور اہلِ حقیقت واہلِ کمال کو رسائل نور کے اس معنوی شخص کی طرف تعجب اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھنے کے لیے آمادہ کردیا جس کے اندر اسلامی حقائق کے انوار اور اُن کی تجلّیات مندرج ہوگئی تھیں۔[1]

استاد نورسی رسالتِ احمدیہ اور حقیقتِ محمدیہ کے لیے ایک آئینے کی حیثیت رکھنے والے ان رسائل نور کے لیے مسلسل مصروفِ جدوجہد رہے، اور اس میں انہوں نے اپنی شخصیت کو فنا کردیا اور مٹ گئے۔ لیکن وہ معنوی طور پر عالمِ اسلام میں پیدا ہوئے اور اسی میں رہے، اور رسائلِ نور — باذن اللہ — باقی اور بارآور رہیں گے اور رہتی دنیا تک اپنا پھل دیتے رہیں گے۔ تو کیا وہ صانع الجلیل جس نے مکھی کے پر کی تخلیق کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے، اور اس کے ذرّات میں بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں درج کردی ہیں، کیا اس کے لیے یہ ممکن ہے کہ اُس کی رحمت کا اُن علاقوں کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو جن میں رسائلِ نور تالیف کیے گئے ہیں؛ اور ان جگہوں کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو جن میں ان کے مؤلف نے اپنے قدسی وظائف ادا کیے ہیں؟ یا یہ کہ وہ مبارک درخت، وہ جگہیں اور وہ نوری مدارس جنھوں نے یہ قُدسی خدمات پیش کی ہیں، وہ خصوصی رحمتِ الٰہیہ کے دائرے سے خارج ہوں؟! حاشا وکلا! یہ قطعاً غیر ممکن ہے۔

استاد نورسی اپنی ''بارلا'' میں اِقامت کے دوران گرمیوں میں کبھی کبھی جبلِ ''چام'' پر چڑھ جاتے اور وہاں کافی عرصے تک خلوت گزیں رہتے، اس فلک بوس پہاڑ کی چوٹی پر دو بڑے بڑے درخت تھے جہاں وہ پناہ گزیں ہوتے تھے؛ کیونکہ وہ دو درخت آپ کے چنار کے درخت پر بنے ہوئے مچان کی طرح دو نوری مدرسوں کی حیثیت رکھتے تھے، وہاں وہ رسائلِ نور میں مصروف رہتے اور کہتے: ''ان جگہوں کے بدلے مجھے قصرِ یلدز بھی قبول نہیں۔''[2]

---

[1] یہ کلمات اس گہری پہچان اور احسان مندی کی سچی تعبیر کرتے ہیں جو ترکی کے اہلِ ایمان کے دلوں میں اُن کوششوں کے بارے میں جاگزیں ہے جو استاد نورسی نے ان بدترین حملوں کو روکنے کے لیے صرف کی ہیں جو اس قدیم اسلامی علاقے کے باشندوں پر کیے گئے؛ کہ اگر رسائلِ نور کی خدمات میدان میں نہ آتیں تو آج اِن علاقوں کی حالت مشرقی یورپ کے اُن علاقوں سے ذرا بھی مختلف نہ ہوتی جن کی اسلامی پہچان کمیونزم کے پھیلاؤ اور الحاد وزندیقیت کی ضربوں سے بالکل ہی مٹ گئی ہے۔ بلغاریا اور بلقان اس کے جیتے جاگتے نمونے ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔

[2] سلطان عبدالحمید کے محل کا نام، ہے اور ''یلدز'' کا معنی ہے ستارہ، یعنی ستارہ محل۔ (مترجم)

یہاں ہم کلام کو مختصر کر رہے ہیں، تا کہ بعض رسائل کے اور خط و کتابت کے کچھ نمونے درج کریں جو استاد کی ''بارلا'' میں اور ''جبلِ چام'' میں گزاری ہوئی زندگی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور رسائلِ نور کی حقیقت کو کھول کر بیان کرتے ہیں۔

بِاسْمِهٖ سُبْحَانَهٗ

﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾

سَلَامُ اللّٰهِ وَرَحْمَتُهٗ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى اِخْوَانِكُمْ لَاسِيَّمَا ... الخ

میرے معزز بھائیو!

میں اس وقت جبلِ چام کی فلک بوس بلندیوں پر صنوبر کے ایک گرانڈیل درخت کی چوٹی پر ایک مچان میں رہائش پذیر ہوں، کہ میں انسانوں سے وحشت کھا کر جنگلی جانوروں کے ساتھ مانوس ہو چکا ہوں۔ اگر کبھی انسانوں کے ساتھ مل بیٹھنے کو جی چاہتا ہے تو تم لوگوں کو خیال ہی خیال میں اپنے پاس پاتا ہوں، تمہارے ساتھ بات چیت کرتا ہوں اور تسلّی پاتا ہوں۔ میں اب اس جگہ پر اگر کوئی رکاوٹ آڑے نہ آئی تو مہینہ دو مہینے اکیلا ہی رہوں گا۔ ''بارلا'' واپس آنے پر رُو برو ملاقات کا کوئی راستہ نکالیں گے جس کا میں تم لوگوں سے بھی زیادہ مشتاق ہوں۔ اور یہ ملاقات تمہاری خواہش کے عین مطابق ہوگی۔

اب میں اُن چند قلبی واردات کا ذکر کرتا ہوں جو صنوبر کے اس درخت پر وارد ہوئیں۔

پہلی: جزوی طور پر ایک خاص پرائیویٹ راز ہے۔ لیکن آپ سے راز چھپایا نہیں جا سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جس طرح بعض اہلِ حقیقت اسم ''الودود'' کا مظہر ہوتے ہیں اور اس اسم کے مرتبۂ عظمیٰ کی تجلیات کے ساتھ موجودات کی کھڑکیوں سے واجبُ الوجود کی طرف دیکھتے ہیں، اسی طرح آپ کے اس معدومِ محض بھائی کو ایک ایسی کیفیت عطا کر دی گئی ہے جو اسمِ ''الرحیم اور الحکیم'' کی مظہریت کا وسیلہ بنتی ہے، صرف اس وقت جب وہ اس غیر متناہی خزانے کی منادی کرتا ہے۔ تمام مقالات اس مظہریت کے جلوے ہیں اور یہ مقالات اللہ تعالیٰ کے فرمان گرامی: ﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ میں پائے جانے والے راز کے مظاہر ہیں۔ ان شاء اللہ

دوسری: نقشبندی سلسلے میں پڑھا جانے والا یہ فقرہ اچانک دل پر وارد ہوا:

در طریق نقشبندی لازم آمد چار ترک
ترکِ دنیا، ترکِ عقبیٰ، ترکِ ہستی، ترکِ ترک

پھر اس فقرے کے بعد یہ فقرہ وارد ہوا:

در طریقِ عجز مندی لازم آمد چار چیز

فقرِ مطلق، عجزِ مطلق، شکرِ مطلق، شوقِ مطلق اے عزیز

پھر دل پر اس کے بعد وہ رنگین فنی شعر وارد ہوئے جو آپ نے لکھے ہیں، یعنی: ''کتابِ کائنات کا یہ صفحۂ رنگین دیکھو...... الخ'' چنانچہ میں نے ان شعروں کے ذریعے روئے آسمان پر جھلملاتے ستاروں کو دیکھا تو کہا: کاش میں شاعر ہوتا اور یہ شعر مکمل کر سکتا! اور پھر میں نے شعر و نظم کی استعداد نہ رکھنے کے باوجود اس کا آغاز کر دیا، لیکن اسے نظم و شعر میں نہ ڈھال سکا۔ تب میں نے جیسے وارد ہوا ویسے ہی لکھ دیا۔ لیکن میرا وارث بننے والے شخص! اگر آپ اسے نظم میں ڈھال سکتے ہیں تو ڈھال لیں۔

[اچانک وارد ہونے والی واردات یہ ہے]

ستاروں کو یعنی ان کے لذت بھرے خطاب کو سنو۔

حکمت کی تابندہ کتاب کو دیکھو کہ اس نے کیا فیصلہ کیا ہے۔

یہ سب کے سب ایک ساتھ زبانِ حق کے ساتھ پکار رہے ہیں کہ:

ہم قدیرِ ذُوالجلال کی سلطنت کی جاہ وحشمت کی درخشندہ براہین ہیں۔

ہم صانع وکردگار کے وجود کی، اس کی وحدت کی اور اس کی قدرت کی گواہی دینے والے ہیں۔

ہم آسمان کی گہری نظر سے دیکھنے والی ہزاروں آنکھیں ہیں جو روئے زمین کو سنہرا بنا دینے والے ناز بردار معجزات سے دل لبھانے اور تفریح خاطر کے لیے گہری نظر کے ساتھ جنت کی طرف اور زمین کی طرف دیکھتی ہیں۔ جیسے کہ فرشتے دل لُبھاتے اور تفریح کرتے ہیں۔

ہم تخلیق کے شجرِ طوبیٰ کے خوبصورت پھل ہیں جنھیں جمیل ذوالجلال کے دستِ حکمت کے ساتھ آسمانوں کے درمیان اور کہکشاں کی ٹہنیوں پر لٹکا دیا گیا ہے۔

ہم اہلِ آسمان کے لیے چلتی پھرتی مسجدیں، گھومنے پھرنے والے گھر، بلند گھونسلے، روشنی بکھیرنے والے چراغ اور رعب دار اور لرزہ خیز ہوائی جہاز اور بحری سفینے ہیں۔

ہم قدیرِ ذوالکمال اور حکیم ذوالجلال کی قدرت کے معجزات، صنعت کے خوارق، حکمت کے نوادرات، تخلیق کے زیرک و دانشمند افراد اور نور کے عوالم ہیں۔

یوں ہم لاکھوں زبانوں کے ساتھ لاکھوں براہین کو نمایاں کرتے ہیں اور یہ براہین اسے سناتے ہیں جو انسان ہے۔

اس ملحد کی وہ آنکھیں اندھی ہو جائیں جو ہمارا چہرہ نہیں دیکھتیں اور ہمارے اقوال نہیں سنتیں، جبکہ ہم حق کے ساتھ بولنے والی آیات ہیں۔

ہمارا سکہ ایک ہے، ہمارا طرّہ ایک ہے۔ ہم اپنے پروردگار کے مسخر اور اس کے تسبیح خواں ہیں۔ ہم پرستش کرتے ہوئے اس کا ذکر کرتے ہیں۔ اور ہم کہکشاں کے حلقۂ کبریٰ کی طرف منسوب مجذوب ہیں۔

الباقی ھوالباقی سعید نورسی

چھٹا مکتوب

بِاسْمِهٖ سُبْحَانَهٗ

﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾

سَلَامُ اللّٰهِ وَرَحْمَتُهٗ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمَا وَعَلٰى اِخْوَانِكُمَا، مَادَامَ الْمَلَوَانُ وَتَعَاقَبَ الْعَصْرَانِ وَمَادَامَ الْقَمَرَانِ وَاسْتَقْبَلَ الْفَرْقَدَانِ۔

میرے غیرت مند بھائیو اور حمیّت پسند اور اس دارِ اجنبیت یعنی دنیا میں میری تسلی کے دارومدار دوستو!

آپ لوگوں کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان معانی میں میرا حصّے دار بنایا ہے جو مجھ پر انعام کیے گئے ہیں، اسی لیے آپ لوگوں کا میرے احساسات میں بھی حصہ داری کے حق دار بن جانا ضروری ٹھہرا۔

اور میں اپنی اس اجنبیت میں جدائی کے جو دکھ اُٹھا رہا ہوں، اُن میں سے کچھ دکھوں کا ذکر میں آپ لوگوں کے لیے کروں گا، لیکن جو زیادہ کڑے اور زیادہ المناک دکھ ہیں ان کا ذکر نہیں کروں گا تاکہ آپ لوگ زیادہ پریشان نہ ہوں۔

میں گزشتہ دو تین مہینوں سے بالکل تنہا رہ گیا ہوں۔ البتہ پندرہ بیس دنوں کے بعد کبھی کوئی مہمان آجاتا ہے تو سماں تبدیل ہوجاتا ہے ورنہ ہمہ وقت اکیلا ہی رہتا ہوں، اور تقریباً پچھلے بیس دنوں سے تو یہاں کے پہاڑی لوگ بھی چلے گئے ہیں، اب ان میں سے میرے اردگرد کوئی بھی موجود نہیں ہے سب ادھر اُدھر بکھر گئے ہیں۔

اب اس اندھیری رات میں، ان اجنبی پہاڑوں کے درمیان کہ جہاں درختوں کی غمگین سرسراہٹ کے علاوہ کوئی آواز یا چیخ چنگھاڑ سنائی نہیں دیتی ہے، میں خود کو باہم گرمتداخل پانچ مختلف قسم کی اجنبیتوں کے درمیان گھرا ہوا پاتا ہوں۔

پہلی اجنبیت

بڑھاپے کی وجہ سے میں اپنے اکثر ہم عمروں، ہم جولیوں، قرابت داروں اور محبوب دوستوں سے بچھڑ کر بالکل اکیلا رہ گیا ہوں؛ وہ مجھے چھوڑ کر عالمِ برزخ کو چلے گئے ہیں۔ ان کی اس جدائی کی وجہ سے اجنبیت کا یہ احساس شدید تر ہوگیا ہے۔

اس اجنبیت سے ایک مزید اجنبی دائرہ ابھر آیا ہے، اور وہ یہ کہ مجھے الم فراق سے جنم لینے والی اجنیت کا احساس ہو

رہا ہے، کیونکہ اکثر چیزیں جن کے ساتھ میرا تعلق تھا مجھے چھوڑ گئی ہیں۔ جیسے گزرا ہوا موسم بہار۔

اور اس اجنبیت کے اندر سے اجنبیت کا ایک اور دائرہ نکل آیا ہے، اور وہ یہ کہ میں اپنے وطن اور اپنے احباب و اقربا سے دور ہو گیا ہوں اور اس بنا پر اکیلا رہ گیا ہوں۔ چنانچہ مجھے اس صورتِ حال سے پیدا ہونے والی فرقت سے بھری ہوئی اجنبیت کا شدید احساس ہو رہا ہے۔

اس تاریک رات اور خاموش پہاڑوں کی ان عجیب و غریب کیفیات نے مجھے اس غربت میں ایک اور گہری اجنبیت کا احساس دلا دیا ہے۔

اور اس اجنبیت کے دوران مجھے محسوس ہوا کہ میری اس فانی مہمان سرائے سے ابدُ الآبادی کی طرف کوچ کر جانے کے لیے تیار کھڑی روح کے سامنے ایک اور غیر معمولی قسم کی اجنبیت کا میدان کھل گیا ہے۔ تب میں نے سوچا اور اچانک کہہ دیا: سبحان اللہ! ان تاریکیوں کا اور اجنبیت کی ان اقسام کا مقابلہ کیونکر ہو گا؟

پھر میرے دل نے فریاد کی اور کہا:

یارب! غریبم، بے کسم، ضعیفم، ناتوانم، علیلم، عاجزم،

بے اختیارم، الامان گویم، عفو جویم، مدد خواہم، ز درگاہت الٰہی۔

تو ناگہاں نورِ ایمان، فیضِ قرآن اور لطفُ الرحمان مجھے اتنی قوت فراہم کرنے لگے کہ جس سے یہ پانچوں قسم کی تاریک اجنبیتوں کے دائرے اُنس و سرور کے پانچ دائروں میں تبدیل ہو گئے۔ اور میری زبان ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ کا ورد کرنے لگی اور میرا دل ﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَاۤ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾ کی تلاوت کرنے لگا۔

اور میری عقل بھی میرے دہشت و اضطراب کی وجہ سے فریاد کرنے والے نفس کو مخاطب کر کے کہنے لگی:

ارے مسکین! چیخ و پکار چھوڑ، فریاد چھوڑ اور اپنی مصیبت میں اللہ پر بھروسا رکھ؛ کیونکہ شکوہ نری مصیبت ہے۔

بلکہ مصیبت در مصیبت، اور خطا در خطا ہے۔

اگر تجھے وہ مل جائے جس نے تجھے مبتلائے مصیبت کیا ہے،

تو پھر یہ مصیبت عطا در عطا اور صفا در صفا بن جائے گی۔

جب ایسا ہی ہے تو گلہ شکوہ چھوڑ، اور بلبلوں کی طرح شکر و سپاس کا خوگر بن، کہ ان کی سرخوشیوں سے پھول مسکرا اُٹھتے ہیں۔

اور اگر تُو اِس چیز سے محروم رہا تو پھر یاد رکھ کہ یہ دنیا تمام کی تمام درد ہے، رنج ہے، فنا ہے، زوال ہے۔ ہوا کے دوش پر اڑتا ہوا چھوٹے سے چھوٹا ذرہ ہے۔ اِس لیے آ، اور اپنی مصیبت میں اُس پر توکل کر۔

تجھے کیا ہو گیا ہے کہ چھوٹی سی مصیبت میں چیخ وپکار کر رہا ہے۔ جبکہ حالت یہ ہے کہ تجھ پر اتنے مصائب کا بوجھ لادا گیا ہے جو کہ ساری دنیا کو پورے آسکتے ہیں!

توکل کی مدد سے مصیبت کا سامنا کر کے مسکرایا کرتا کہ مصیبت بھی مسکرا دے؛ کیونکہ مصیبت جوں جوں مسکرائے گی چھوٹی ہوتی چلی جائے گی اور دھیرے دھیرے پگھل کر خوشی میں تبدیل ہو جائے گی۔

اور میں نے وہی کہا جو میرے استاد مولانا جلال الدین رومیؒ نے کہا تھا:

اوگفت: ''الَستُ'' وتُو گفتی: ''بلیٰ''

شکرِ ''بلیٰ'' چیست؟ کشیدنِ بلا

سرِّ بلا چیست کہ یعنی منم

حلقہ زنِ درگہِ فقر وفنا

تب میرے نفس نے کہا: جی ہاں؛ جی ہاں...... عجز، توکل اور فقر والتجا کے ذریعے ہی تاریکیاں چھٹتی ہیں اور نور کا دروازہ کھلتا ہے۔ والحمد للہ علی نور الایمان والاسلام۔

ابن عطاء اللہ الاسکندری کے اس حکیمانہ قول میں مجھے ایک عالی شان حکمت دکھائی دی:

''مَاذَا وَجَدَ مَنْ فَقَدَهُ وَمَاذَا فَقَدَ مَنْ وَجَدَهُ؟'' یعنی جسے اللہ تعالیٰ مِل گیا اُسے ہر چیز مل گئی اور جو اس سے محروم رہا وہ ہر چیز سے محروم رہا، اور اگر اُسے کوئی چیز مل بھی گئی تو وہ اس کے گلے میں مصیبت بن کر رہ جائے گی۔ اور میں حدیث شریف: ''طُوْبیٰ لِلْغُرَبَاءِ'' میں پایا جانے والا راز سمجھ گیا۔ تب میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

پس اے میرے بھائیو!

اجنبیت کی یہ انواع واقسام کی تاریکیاں اگرچہ نورِ ایمان کی بدولت منوّر ہو گئی ہیں، لیکن یہ ہے کہ وہ مجھ پر اپنے تھوڑے بہت احکام لاگو کر گئی ہیں اور مجھے کچھ اس طرح کا اندازِ فکر عطا کر گئی ہیں:

میں جب اجنبی ہوں، اجنبیت میں زندگی گزار رہا ہوں اور کوچ کر کے اجنبیت کی طرف ہی جانے والا ہوں، تو کیا اس مہمان خانے میں جو ذمہ داریاں میرے سپرد کی گئی تھیں وہ ختم ہو گئی ہیں کہ اب میں تم لوگوں کو اور ان ''مقالات'' کو اپنا نمائندہ بنا کر چلا جاؤں؟ اور اس دنیا سے اپنا تعلق کُلّی طور پر ختم کر لوں؟ یہ سوچ میرے دِل میں اسی طرح وارد ہوئی۔ اس لیے میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں: ''مقالات'' جو تالیف ہو چکے ہیں کافی ہیں؟ کیا ان میں کوئی کمی رہ گئی ہے؟

مطلب یہ کہ کیا میری ڈیوٹی ختم ہوگئی ہے تاکہ میں اس دنیا کو فراموش کر کے خود کو بطیب خاطر حقیقی لذیذ اور نورانی اجنبیت کی گود میں گرادوں؟ اور مولانا جلال الدین رومیؒ کی طرح کہوں۔

رانی سماع چہ بوَد؟ بی خود شدن زِ ہستی

اندر فنائی مطلقْ ذوقِ بقا چشیدنْ

کیا مجھے کسی بلند پایہ اجنبیت کی کھوج میں لگ جانا چاہیے؟ یہ سوال آپ لوگوں سے اسی غرض کے پیشِ نظر کیے گئے ہیں۔

الباقی ھو الباقی

سعید نورسی

تیرہواں مکتوب

بِاسْمِهٖ سُبْحَانَهٗ

﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾

اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْمَلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهَوٰى۔

میرے عزیز بھائیو!

آپ لوگ اکثر میرے حال احوال اور راحت و رامش کے بارے میں پوچھتے رہتے ہیں۔ اور یہ بھی پوچھتے ہیں کہ میں حکومت سے رہائی کا پروانہ کیوں نہیں مانگتا، اور یہ کہ میں احوالِ عالم کی سیاست کے ساتھ دلچسپی کیوں نہیں رکھتا۔ آپ کے یہ سوال مجھ پر تکرار کے ساتھ وارد ہوتے ہیں...... اور مجھ سے معنوی طور پر پوچھا گیا ہے۔ اس بنا پر میں ان سوالوں کا جواب دینے کے لیے مجبور ہو گیا ہوں، اور یہ جوابات جدید سعید کی زبان سے نہیں بلکہ قدیم سعید کی زبان سے ہیں۔

آپ کا پہلا سوال: آپ کا کیا حال ہے؟ آپ خیر و عافیت سے ہیں؟

جواب: میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ اُس نے انواع و اقسام کے اس ظلم کو رحمت میں تبدیل کر دیا ہے جو اہلِ دنیا نے مجھ پر ڈھائے ہیں[1] اور اس کی وضاحت کچھ اس طرح ہے کہ میں نے سیاست کو خیر باد کہہ دیا تھا اور دنیا سے کنارہ کش ہو گیا تھا۔ اور ایک دفعہ میں کسی پہاڑ کی غار میں آخرت کے بارے میں سوچ بچار کر رہا تھا کہ اچانک اہلِ دنیا نے مجھے وہاں سے نکال دیا اور اَزراہِ ظلم مجھے جلاوطن کر دیا۔ لیکن خالقِ رحیم و کریم نے اس جلاوطنی کو میرے حق میں رحمت بنا دیا اور اس خوفناک اور اخلاص شکن اسباب کے ساتھ دو چار پہاڑ کے دامن میں پائی جانے والی اس تنہائی کو

[1] اہلِ دنیا سے مراد یہاں صاحبِ اقتدار لوگ ہیں نہ کہ عام دنیادار۔ (مترجم)

''بارلا'' کے مخلص اور پُرامن پہاڑوں میں خلوت نشینی کے رُوپ میں تبدیل کر دیا۔ میں جب روس میں قید تھا، اس وقت میں نے یہ تہیہ کرلیا تھا اور اللہ کے حضور گڑگڑایا بھی تھا کہ میں اپنی آخری عمر میں کسی غار میں خلوت نشیں ہوجاؤں گا۔ اب اُس اَرحمُ الراحمین نے ''بارلا'' کو وہ غار بنا دیا ہے اور مجھے غار کے فوائد عطا کر دیے اور میرے کمزور کندھوں پر تنگ و تاریک غار کی مشقتوں کا بوجھ نہیں ڈالا۔ بس اتنا ہے کہ ''بارلا'' میں کچھ لوگ وہم کا شکار ہو گئے تھے جس کی وجہ سے مجھے کچھ تکلیفیں اُٹھانا پڑیں؛ کیونکہ میرے یہ وہم کے شکار لوگ بزعمِ خویش میرے آرام وسکون کا خیال رکھتے تھے، لیکن اس وہم پرستی کی وجہ سے وہ میرے دل کو اور قرآن کی خدمت کو نقصان پہنچا بیٹھے!

پھر ان اہلِ دنیا نے تمام جلاوطنوں کو رہائی کے پروانے دے دیے اور مجرموں کو معاف کر دیا اور انہیں جیل سے نکال دیا، لیکن میرے ساتھ ظلم وتعدّی کا رویہ روا رکھا اور مجھے اس طرح کی دستاویز نہ دی۔ چنانچہ ربِّ رحیم نے مجھ سے قرآن کی خدمت اور زیادہ لینے کے لیے اور ان ''مقالات'' نامی قرآنی انوار کی تالیف کروانے کے لیے مجھے اس شور وغوغا سے محفوظ جگہ پر مزید رہنے کا موقع دیا اور اس جلاوطنی کو ایک عظیمُ الشان رحمت میں تبدیل کر دیا۔

پھر یہ بھی ہے کہ اِن اہلِ دنیا نے ان تمام اثر ورسوخ رکھنے والے طاقتور اور صاحبِ حیثیت مشائخ ورؤسا کو — جو اُن کی دنیا میں دخل اندازی کر سکتے ہیں — اور انہیں اپنے اعزہ واَقربا کے ساتھ بلکہ ہر ایک کے ساتھ میل جول رکھنے کی اجازت بھی دے دی۔ جبکہ مجھے بالکل علیحدہ رکھا اور ایک بستی میں بھیج دیا اور ایک دو کے علاوہ میرے تمام اُقربا واصدقا کو مجھ سے ملنے اور میری ملاقات کے لیے آنے سے منع کر دیا۔

پس میرے خالقِ رحیم نے اس خلوت کو میرے حق میں ایک عظیمُ الشان رحمت میں تبدیل کر دیا اور میرے ذہن کو غیر اہم چیزوں سے بالکل صاف شفاف کر دیا اور اس چیز کو قرآن کریم کے فیض کو قبول کرنے کے لیے ایک وسیلہ بنا دیا۔

پھر شروع شروع میں مَیں نے اگر دو سال کے عرصے میں بھی ایک دو معمول کے رسالے لکھے ہیں تو اہلِ دنیا نے اسے بہت زیادہ سمجھا، حتی کہ آج کے دن تک بھی ان لوگوں کا یہی رویہّ ہے کہ ہر دس بیس دنوں میں یا ایک مہینے میں مجھے ملنے کے لیے ایک دو مہمان بھی آ جائیں تو یہ اچھا نہیں سمجھتے، حالانکہ یہ میل ملاقات صرف آخرت کی غرض سے ہوتا ہے! یوں ان لوگوں نے اس پہلو سے بھی مجھ پر ظلم کیا، لیکن میرے ربِّ رحیم اور خالقِ حکیم نے اس ظلم کو میرے حق میں رحمت میں تبدیل کر دیا، اور وہ اس طرح کہ اس نے میری اِس اقامت کو ان تین مہینوں میں مرغوب ومحبوب خلوت اور مقبول عُزلت کا رُوپ دے دیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ۔

پس میرے حال احوال اور راحت وآرام تو کچھ اسی طرح کے ہی ہیں۔

تمہارا دوسرا سوال: آپ حکومت کو رہائی کا پروانہ حاصل کرنے کے لیے درخواست کیوں نہیں دیتے؟

جواب: میں اس مسئلے میں حکومت کا اور اہلِ دنیا کا نہیں بلکہ تقدیر کا پابند ہوں۔ اس لیے میں تقدیر کی طرف رجوع

کروں گا۔ پس جب تقدیر مجھے اجازت دے گی اور میرا رزق یہاں سے ختم ہو جائے گا، میں چلا جاؤں گا۔

اس معنی کی حقیقت یہ ہے کہ:

ہر مصیبت میں دو سبب پائے جاتے ہیں: ظاہری سبب۔ حقیقی سبب

اہلِ دنیا ظاہری سبب بنے اور مجھے یہاں لایا گیا۔ لیکن تقدیرِ الٰہی حقیقی سبب ہے، پس تقدیرِ الٰہی نے میرے بارے میں اس عزلت نشینی کا فیصلہ کیا۔ ظاہری سبب نے ظلم کیا ہے اور حقیقی سبب نے عدل۔

ظاہری سبب نے کچھ اس طرح سوچا کہ یہ آدمی علم اور دین کی بہت زیادہ خدمت کرتا ہے، اس لیے ہوسکتا ہے کہ یہ ہماری دنیا کو نقصان پہنچائے۔ پس اس احتمال کے پیشِ نظر اُنہوں نے مجھے جلاوطن کر دیا اور تین پہلوؤں سے مجھے دُگنا ظلم کا نشانہ بنایا۔

رہی تقدیرِ الٰہی، تو اُس نے دیکھا کہ میں علم اور دین کی کماحقہ اور پورے اخلاص کے ساتھ خدمت نہیں کر رہا ہوں، اِس لیے اُس نے میرے بارے اس جلاوطنی کا فیصلہ صادر کر دیا، اور ان کے اس دُگنے ظلم کو دُگنی رحمت میں تبدیل کر دیا۔ پس جب میرے بارے میں فیصلہ تقدیر نے کیا ہے، اور وہ عادل ہے؛ تو میں اُسی کی طرف رجوع کروں گا۔ رہا ظاہری سبب، تو وہ کچھ وسائل و ذرائع کا مالک ضرور ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہلِ دنیا کی طرف رجوع کرنے کا کوئی مطلب ہی نہیں ہے؛ کیونکہ اگر ان کے ہاتھ میں کوئی حق ہوتا یا وہ کچھ قوی اسباب کے مالک ہوتے تو ان کی طرف رجوع کیا جاسکتا تھا پس میں نے اُن کی اس تباہ شدنی —دنیا کو مکمل طور پر تیاگ دیا ہے۔ اور میں ان کی اس— برباد شدنی — سیاست کو کلی طور پر چھوڑ چکا ہوں۔ بنا بریں، جن وسائل و اوہام کا انہیں وہم ہے ان کی قطعاً کوئی اصلیت نہیں ہے۔ اس لیے میں اُن کی طرف رجوع کر کے ان اوہام کو کوئی حقیقت نہیں دینا چاہتا۔ اور اگر میرے دل میں دنیا کی سیاست میں دخل اندازی کرنے کی کوئی تھوڑی سی خواہش بھی ہوتی جس کی باگ ڈور کے سرے غیروں کے ہاتھوں میں ہیں، تو آٹھ سال اور آٹھ گھنٹے بھی پیچھے نہ رہتا اور میدان میں آ کر اپنے آپ کو نامزد کر لیتا، جبکہ آٹھ سال سے میں نے ایک بھی اخبار کو پڑھنے کی خواہش تک نہیں کی اور پڑھا بھی نہیں، اور پچھلے چار سال سے تو میں بڑی کڑی نگرانی میں ہوں اور میری طرف سے ایسی کسی حرکت کا اظہار تک بھی نہیں ہوا ہے، مطلب یہ ہے کہ قرآن کی خدمت بذاتِ خود تمام سیاسیات سے بلند درجہ رکھتی ہے۔ اس لیے یہ خدمت مجھے دنیا کی اس سیاست میں دخل اندازی کا موقع ہی نہیں دیتی جو کہ اکثر و بیشتر جھوٹ کا پلندہ ہے!

اور حکومت سے مراجعت نہ کرنے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ حق کو باطل سمجھنے والوں کے سامنے حق کا دعویٰ کرنا باطل ہی کی ایک قسم ہے، اس لیے میں اس طرح کے باطل کا ارتکاب نہیں کرنا چاہتا۔

آپ کا تیسرا سوال: آپ دنیا کی سیاست سے اس حد تک بے پروائی کا مظاہرہ کیوں کرتے ہیں؟ اور صفحاتِ عالم پر

گزرنے والے واقعات وحوادث کے سامنے اپنے طور اطوار قطعاً تبدیل نہیں کرتے ہیں؟ آپ دنیاوی سیاست کے ان صفحات کو اچھا سمجھتے ہیں اس لیے خاموش رہتے ہیں، یا پھر ڈر کر خاموش رہتے ہیں؟

جواب: قرآن کی خدمت نے مجھے عالَم سیاست سے اس شدّت کے ساتھ منع کر رکھا ہے کہ مجھے اس کا تصور تک بھلا دیا ہے۔ ورنہ میری گزشتہ زندگی اس بات کی گواہ ہے کہ میں جس مسلک کو حق سمجھتا ہوں اس پر چلنے سے نہ تو خوف نے میرا ہاتھ پکڑ کر کبھی روکا ہے اور نہ کبھی روک سکے گا!

پھر یہ بھی ہے کہ میں خوف کھاؤں کس سے؟ کیونکہ ''اَجل'' کے علاوہ میرا اس دنیا کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔ میرے اہل وعیال نہیں ہیں کہ جن کی مجھے فکر دامن گیر ہو۔ میرے پاس مال نہیں کہ جس کا تصور مجھے پریشان کرے۔ نہ کوئی خاندانی عزّ وشرف ہے جو میری نگاہ میں رہے۔ اور اللہ کی رحمت ہو اس پر جو دنیاوی شان وشرف یعنی ریاکارانہ جھوٹی شہرت کو توڑنے کے لیے میری مدد کرے، نہ کہ اس کی حفاظت کرنے کے لیے۔

رہ گئی میری اجل، تو وہ خالقِ الجلیل کے ہاتھ میں ہے، اور اُسے اس کا وقت آنے سے پہلے ہاتھ کون لگا سکتا ہے؟ لیکن یہ بات یاد رہے کہ ہم ان لوگوں میں سے ہیں جو عزّت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دیتے ہیں:

قدیم سعید کی طرح ایک شاعر کہتا ہے:

وَنَحْنُ أُنَاسٌ لاَ تَوَسُّطَ بَيْنَنَا
لَنَا الصَّدْرُ دُوْنَ الْعَالَمِيْنَ أَوِالْقَبْرُ[1]

اصل بات یہ ہے کہ قرآن کی خدمت مجھے سیاسی سماجی زندگی کے بارے میں سوچنے ہی نہیں دیتی؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی زندگی ایک سفر کا نام ہے۔ اور میں قرآن کی روشنی میں دیکھ چکا ہوں کہ نوعِ انسانی جس راستے میں محوِ سفر ہے وہ راستہ کیچڑ میں دھنس چکا ہے اور انسانی قافلہ اس بدبودار کیچڑ میں لت پت گرتا پڑتا اور سنبھلتا ہوا چلا جا رہا ہے۔ اُن میں سے بعض محفوظ راستے میں چل رہے ہیں، اور بعض ایسے ہیں کہ اُنہیں اس کیچڑ سے بچ نکلنے کا بقدرِ امکان راستہ مل گیا ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ اس گندے اور بدبودار کیچڑ میں اندھیرے میں چل رہے ہیں۔ چنانچہ اُن سو میں سے بیس لوگ مدہوشی کی وجہ سے اس گندے گارے کو مشک وعنبر سمجھ کر اپنے چہروں اور آنکھوں پر ملتے جا رہے ہیں، چنانچہ وہ اس میں گرتے ہیں اور اُٹھ کر پھر چلتے ہیں، حتّیٰ کہ اس میں غرق ہو جاتے ہیں۔

رہے باقی اسّی فیصد، تو وہ اس کیچڑ کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور یہ بات بھی اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ یہ نجس اور متعفّن ہے۔ لیکن وہ حیران ہیں، سیدھا راستہ نہیں پا سکتے۔ اب ان کے سامنے دو راستے ہیں:

پہلا راستہ: ان مدہوشوں کو ڈنڈے مار مار کر ہوش میں لانا۔

---

[1] یہ شعر ابوفراس حمدانی کا ہے۔ (مترجم)

دُوسرا راستہ: ان حیرت زدگان کو نور کا اظہار کر کے سلامتی کا راستہ دکھانا۔

اور میں دیکھ رہا ہوں کہ اسی آدمیوں نے بیس آدمیوں کے مقابلے میں ہاتھوں میں ڈنڈے پکڑے ہوئے ہیں۔ لیکن اِن اسی عدد حیرت کے مارے مسکینوں کے لیے نور کا حقیقی طور پر ظہور نہیں ہوتا ہے، اور اگر ہو بھی جائے تو خطرے سے خالی نہیں؛ کیونکہ ان لوگوں نے ہاتھوں میں نور اور ڈنڈا ایک ساتھ پکڑے ہوئے ہیں۔ اس لیے وہ حیرت زدہ انسان ڈر رہا ہے کہ کہیں یہ لوگ مجھے نور کے ذریعے اپنی طرف کھینچ کر ڈنڈے تو نہیں ماریں گے؟ پھر یہ بھی ہے کہ ڈنڈا بسا اوقات کسی وجہ سے ٹوٹ بھی جاتا ہے، اور اگر ایسا ہو گیا تو پھر تو نور بھی اُڑ جائے گا یا بجھ جائے گا!

اب یہ سمجھو کہ وہ کیچڑ نوعِ انسانی کی بیوقوف غافل اور گمراہ معاشرتی زندگی ہے۔ اور وہ بدمست و مدہوش اس گمراہی سے لذت گیر ہونے والے سرکش لوگ ہیں۔ اور حیرت زدگان وہ لوگ ہیں جو گمراہی کو ناپسند تو کرتے ہیں لیکن اس سے باہر نہیں نکل سکتے۔ اور اس سے نجات چاہتے ہیں لیکن راستہ نہیں پا رہے ہیں۔ اور رہے وہ ڈنڈے تو وہ سیاسی دھارے ہیں۔ باقی رہے وہ انوار، تو وہ قرآنی حقائق ہیں۔

پس نور کے ساتھ نہ تو لڑائی جھگڑا ہو سکتا ہے، نہ اس کے ساتھ دشمنی ہو سکتی ہے۔ اُسے صرف شیطان مردُود ہی ناپسند کرتا ہے۔ اِسی بنا پر میں نے قرآن کے نور کی پاسبانی کرنے کے لیے یہ کہتے ہوئے سیاست کی لاٹھی ہاتھ سے جھٹک دی ہے کہ: "أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ وَالسِّيَاسَةِ"

چنانچہ میں نے اس نور کو اپنی دونوں بانہوں میں لے کر اپنی چھاتی کے ساتھ لگا لیا۔

اور میں نے یہ دیکھ لیا کہ سیاست کے ان دھاروں میں موافقوں اور مخالفوں میں ان انوار کے عاشق موجود ہیں۔

پس یہ قرآنی دروس و انوار جو کہ ان سیاسی دھاروں اور گروہ بندیوں سے کہیں زیادہ بلند درجہ رکھتے ہیں، اور جن کا اعلان و اظہار ایک پاکیزہ صاف ستھری اور ان لوگوں کے افکار و اغراض سے یکسر پاک جگہ سے کیا جا رہا ہے، ان کے کسی پہلو پر صرف وہی لوگ تہمت لگا سکتے ہیں اور ان سے صرف وہی لوگ کنارہ کش رہ سکتے ہیں جو حیوان خصلت ہیں لیکن انسانوں کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں، اور شیطان ہیں لیکن انسانوں کا روپ دھارے ہوئے ہیں اور الحاد و زندیقیت کو سیاست سمجھ کر اس کے دامن کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے سیاست سے دور ہو کر سیاسی پروپیگنڈے کی تہمتوں کے تحت قرآن کے ہیروں جیسے حقائق کی قیمت گرا کر کانچ کے ٹکڑوں کی قیمت کے برابر نہیں کی ہے، بلکہ ان ہیروں کی قیمت ہر گروہ کی نظر میں لحہ بہ لحہ بڑھتی ہی جا رہی ہے اور ان کی تابناکیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْ لَا أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾

الباقی ھو الباقی

سعید نورسی

بائیسواں لمعہ

باسمہ سبحانہ

یہ ایک چھوٹا سا انتہائی خصوصی، مخفی اور پرائیویٹ رسالہ جو کہ میں نے آج سے بائیس برس پہلے اس وقت لکھا تھا جبکہ میں ''سپارٹا'' نامی ریاست کی ایک بستی ''بارلا'' میں رہائش پذیر تھا۔ اور یہ رسالہ میرے مخلص ترین، خاص ترین اور قریب ترین بھائیوں کے لیے خاص تھا، لیکن اس کا تعلق چونکہ ''سپارٹا'' کے باسیوں اور وہاں کے حکومتی ارکان کے ساتھ بھی ہے، اِس لیے میں اسے سپارٹا کے عدل پرور گورنر، وہاں کی عدلیہ، اور پولیس کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ اور اگر مناسب سمجھا جائے تو نئے حروف کے ساتھ ٹائپ رائٹر کے ذریعے کچھ نسخے لکھ دیے جائیں تا کہ وہ لوگ جو گزشتہ پچیس تیس سال سے گھات میں بیٹھے ہیں اور میری نجی زندگی کے راز جاننا چاہتے ہیں، انہیں معلوم ہو جائے کہ ہماری زندگی میں کوئی بھی مخفی راز قطعاً نہیں ہے، اور یہ کہ ہمارا مخفی ترین راز یہ رسالہ ہے۔

اس میں تین اشارات ہیں۔ یہ اشارات دراصل سترہویں لمعے کی پندرہویں یاددہانی کا تیسرا مسئلہ تھا، لیکن سوالات کی قوت اور ہمہ جہتی اور جوابات کی قوّت اور درخشانی کی وجہ سے یہ سوالات لمعات کے ساتھ مخلوط ہو گئے: اور یوں اکتیسویں مکتوب کے بجائے بائیسواں لمعہ بن گئے۔ اس لیے ''لمعات'' کو چاہیے کہ وہ اس لمعے کے لیے اپنے درمیان جگہ بنا دیں۔

اور یہ لمعہ ہمارے خاص الخاص، مخلص ترین اور صادق ترین بھائیوں کے لیے ایک خاص پیغام ہے۔

سعید نورسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ إِنَّ اللهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قَدْ جَعَلَ اللهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝﴾

یہاں تک لکھا تھا کہ بہت سخت بیمار ہو گیا۔

یہ مسئلہ تین اشاروں پر مشتمل ہے:

پہلا اشارہ

ایک اہم سوال جس کا تعلق میری ذات اور رسالۂ نُور کے ساتھ ہے۔ بہت سے لوگوں کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ:

اہلِ دنیا جب بھی فرصت پاتے ہیں، آپ کی آخرت کے معاملات میں دخل اندازی کرتے ہیں؛ حالانکہ آپ اُن کی دنیا کے ساتھ کوئی میل ملاپ نہیں رکھتے اور یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ کسی بھی حکومت کا کوئی بھی قانون تارکِ دنیا اور گوشہ نشیں لوگوں کے معاملے میں دخل اندازی نہیں کرتا ہے؟

جواب: نئے سعید کا جواب اس سوال پر صرف خاموشی ہے، اور وہ کہتا ہے کہ اس کا جواب میری طرف سے تقدیر الٰہی کو دینا چاہیے بایں ہمہ یہ جدید سعید قدیم سعید سے اُس کی عقل پرستی کو مستعار لے کر اُس کی روشنی میں کہتا ہے: اس سوال کا جواب اسپارٹا صوبے کی حکومت اور اس کے باشندے دیں گے، کیونکہ یہ حکومت اور یہ باشندے اُس معنی ومفہوم کے ساتھ مجھ سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں جو اس سوال میں پایا جاتا ہے۔

جب ہزاروں افراد پر مشتمل ایک حکومت اور لاکھوں نفوس پر مشتمل آبادی میری بجائے میرے بارے میں سوچنے اور میرا دفاع کرنے پر مجبور ہے، تو پھر میں خواہ مخواہ اپنا دفاع کیوں کروں اور بات چیت کرنے کے لیے اِن مدعیوں کے سامنے کیوں آؤں؟

مجھے اس صوبے میں رہتے ہوئے نو سال ہو گئے، اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میں اُن کی دنیا سے منہ پھیرتا جا رہا ہوں، اور میری کوئی بھی حالت ان لوگوں سے پوشیدہ نہیں رہی ہے۔ اور میرے خاص الخاص اور مخفی ترین رسائل و مضامین حکومت اور ارکانِ اسمبلی کے ہاتھ میں ہیں، بنابریں، اگر میری کسی بھی حرکت سے اُمورِ دنیا میں دخل اندازی کا شائبہ ہوتا، یا کوئی ایسا عزم وارادہ سامنے آتا جس سے ان اہلِ دنیا کو کوئی خوف خطرہ لاحق ہو سکتا ہو یا ان کی دنیاوی سرگرمیوں میں خلل کا باعث بن سکتا ہو تو یہاں کی حکومت اور اس کی عدالتیں میرے بارے میں کبھی خاموش نہ رہتیں اور مجھ پر ہاتھ ضرور ڈالتیں، کیونکہ حکومت ان نو سالوں میں میرے بارے میں انتہائی محتاط رہی ہے اور میری کڑی نگرانی کر رہی ہے، اور میری حالت یہ ہے کہ میں اپنے ہر ملنے والے کے سامنے بغیر کسی احتیاط کے اپنے سینے کے راز کھول کر رکھ دیتا ہوں۔

بنابریں، اگر میں کسی ایسی غلطی کا ارتکاب کر رہا ہوں جو قوم کی سعادت اور وطنِ عزیز کے مستقبل کے لیے نقصان دہ ہے تو اس کے ذمہ دار گذشتہ نو سال سے پولیس چوکی کے نگران سے لے کر حکمران تک سب لوگ ہیں، پس میرے دفاع کے ذمہ دار یہ لوگ ہیں اور یہی لوگ اُن لوگوں کے مقابلے میں بتنگڑ کو بات بنائیں گے جو میرے بارے میں بات کو بتنگڑ بنا دیتے ہیں، تا کہ خود کو ذمہ داری کے بوجھ سے محفوظ کر سکیں۔ اِسی بنا پر میں اس سوال کی ذمہ داری اُن پر ڈال رہا ہوں۔

رہی یہ بات کہ اس صوبے کی عوام عمومی طور پر میرا دفاع کرنے کے خود مجھ سے زیادہ ذمہ دار کیوں ہیں تو اِس کی وجہ یہ ہے کہ:

ان نو سالوں میں ہم نے سینکڑوں رسائل کے ذریعے تگ ودو کی ہے اور ان رسائل نے اس مُبارک برادر دوست قوم

میں، اُن کی ابدی زندگی میں اور ان کی قوتِ ایمانی اور سعادتِ زندگانی کے لیے مادی اور عملی طور پر اپنی بھرپور تاثیر چھوڑی ہے، اور ان رسائل کی وجہ سے کسی کو نہ تو کوئی نقصان پہنچا ہے اور نہ کسی کی طرف سے قطعاً کسی خلل یا قلق و اضطراب کا مظاہرہ ہوا ہے اور اِن سے ایسی کوئی حرکت بھی مشاہدے میں نہیں آئی ہے جس سے کسی دنیاوی یا سیاسی غرض و غایت کی بُو آتی ہو۔ اور اسپارٹا کے اس صوبے نے — بحمد اللہ — ان رسائل کی وساطت سے ایمانی قوت اور دینی مضبوطی کی حیثیت سے ایک بابرکت مقام حاصل کر لیا ہے، بالکل اُس بابرکت مقام کی طرح جو قدیم دور میں شام شریف کے شہر کو حاصل رہا ہے، اور اس برکت کی طرح جو عالمِ اسلام میں جامعۂ ازہر جیسے عمومی یونیورسٹی کو حاصل ہے۔

چنانچہ اس علاقے میں ایمان کی قوت بے دینی کے رجحانات پر حاکم ہے، اور عبادت کا ذوق وشوق بُری عادات و اطوار پر غالب آ گیا ہے، اور رسائل نور کے طفیل یہ ریاست دوسری ریاستوں پر دینی امتیاز حاصل کر گئی ہے یہی وجہ ہے کہ اس صوبے کی تمام عوام — حتیٰ کہ اگرچہ ان میں بالفرض کوئی ملحد بھی ہو — میرا اور رسائلِ نور کا دفاع کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔

اور یوں میرا ایک جزوی ساحق جس کی کوئی قیمت نہیں، اِن لوگوں کے اس اہمیت کے حامل دفاعی حقوق کے ضمن میں مجھے اپنے دفاع کے لیے مجبور نہیں کرتا، اور خاص کر ان حالات میں کہ جب میرے جیسا عاجز آدمی اپنی خدمات سرانجام دے چکا ہو اور ہزاروں طالب علم اس کی طرف سے مصروفِ تگ ودَو ہوں وہ اپنے دعوے کا دفاع بذاتِ خود نہیں کرے گا۔

دُوسرا اشارہ

ایک تنقیدی سوال کا جواب ہے اہلِ دنیا کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ:

تم ہم سے ناراض کیوں ہو، تم نے کبھی ہمیں درخواست بھی نہیں دی اور بالکل خاموش ہو کر بیٹھ گئے ہو؟ اور تم ہمیں شدید شکوہ کرتے ہوئے کہتے ہو کہ "تم مجھ پر ظلم کرتے ہو"۔ حالانکہ صورتِ حال یہ ہے کہ ہمارے کچھ خصوصی قوانین و دساتیر ہیں جو ہم نے عصرِ حاضر کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر وضع کیے ہیں اور آپ ان قوانین کو اپنے آپ پر نافذ نہیں کرتے ہیں۔ اب قانون نافذ کرنے والا ظالم نہیں ہوگا، جبکہ اِسے قبول نہ کرنے والا نافرمان ہوگا۔

مثال کے طور پر ہمارے اِس دورِ حریّت اور عہدِ جمہوریت میں جس کا ہم نے اِنہی دنوں میں آغاز کیا ہے ایک اہم دستور یہ ہے کہ مساوات جیسے بنیادی قانون کو سامنے رکھ کر لوگوں پر جبر و اکراہ اور غلبہ وتسلط روا نہ رکھا جائے اور یہ نظریہ ہمارے ہاں ایک بنیادی قانون کی حیثیت رکھتا ہے، جبکہ آپ کبھی عالمِ دین کی حیثیت سے، کبھی شیخ کی صورت میں اور کبھی عابد وزاہد کے رُوپ میں لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتے ہیں اور یُوں حکومت کے اثر ونفوذ سے باہر رہ کر کوئی اجتماعی قوت اور مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

آپ کے ان ظاہری حالات اور سابقہ زندگی کے واقعات سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے۔

یہ انداز — جدید تعبیر کے مطابق — مستبد برجوازی طبقے کی حکومت میں تو ٹھیک سمجھا جاسکتا ہے، لیکن عوام کی بیداری اور غلبے سے جو اشتراکی بالشویکی قوانین لاگو ہو چکے ہیں، وہ ہمارے حالات و معاملات کے ساتھ دوسرے کسی بھی قانون کے مقابلے میں زیادہ میل کھاتے ہیں، اس لیے ہم نے ان قوانین کو قبول کرلیا ہے جبکہ تمہارے یہ طور واطوار ہم پر گراں گزرتے ہیں اور ہمارے نظام کے خلاف جاتے ہیں۔ اس بنا پر ہماری طرف سے اگر تم پر کوئی سختی روا رکھی جاتی ہے تو تم کو شکوہ وشکایت کا یا ناراض ہونے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

جواب: جس شخص نے انسانی معاشرے کی اجتماعی زندگی میں کوئی راستہ کھولا، اور اگر وہ کائنات میں جاری وساری قانونِ فطرت کے ساتھ ہم آہنگ نہ ہو، تو وہ فلاح و بہبود کے کاموں میں توفیق سے محروم ہو جاتا ہے، بلکہ اس کی تمام تر تگ ودو شر وفساد کی راہ میں لگ جاتی ہے۔

کسی بھی عمل کی کامیابی کے لیے اُس کا قانون فطرت کے ساتھ ہم آہنگ ہونا چونکہ بہت ضروری ہے، اس لیے اس مطلق مساوات کا یہ قانون صرف اُسی صورت میں نافذ ہوسکتا ہے جب انسان کی فطرت کو تبدیل کر دیا جائے اور نوعِ بشر کی تخلیق میں جو بنیادی حکمت پائی جاتی ہے اسے بالکل نظر انداز کر دیا جائے۔

جی ہاں، میں بھی نسبی طور پر اور زندگانی کی گزر بسر کے لحاظ سے عوام کے طبقے کے ساتھ تعلق رکھتا ہوں اور میں اُن لوگوں میں سے ہوں جو حقوق کے بارے میں فکری اور مشرب کے طور پر قانونِ مساوات کو پسند کرتے ہیں، اور میں سن تمیز سے ہی ان لوگوں میں سے ہوں جو اسلام سے جنم لینے عدل و انصاف اور شفقت و رحمت کے تقاضے کے تحت برجوازی نامی طبقۂ خواص کے غلبہ و تحکُّم اور ظلم واستبداد کی مخالفت میں پیش پیش رہے ہیں۔

بنابریں، میں اپنی تمام تر قوت کے ساتھ مکمل عدل وانصاف کا حامی اور ظلم وتغلّب اور استبداد و تحکم کا مخالف ہوں۔

البتہ یہ ہے کہ نوعِ انسانی کی فطرت اور اس میں پائی جانے والی حکمت اس ''مُطلَق مساوات'' کے قانون کے خلاف ہیں؛ اُس کی وجہ یہ ہے کہ فاطرِ حکیم جس طرح اپنی کمالِ قدرت اور حکمت کے اظہار کے لیے ایک تھوڑی سی چیز سے بہت سے محصولات حاصل کرتا ہے، ایک صفحے سے بہت سی کتابیں نقل کرتا ہے اور ایک چیز کے ساتھ بہت سے وظائف ادا کرتا ہے، اسی طرح وہ نوع بشر کے ساتھ ہزاروں اقسام کے وظائف ادا کرتا ہے۔

اِسی عظیم الشان حکمت کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسان کو ایسی فطرت پر پیدا کیا ہے جو ہزاروں قسم کے ثمرات دیتی ہے۔ اور دیگر حیوانات کی طرح اُس نے انسان کی قوتوں پر اور اُس کے لطائف وحواس و مشاعر کی کوئی حد بندی نہیں کی ہے بلکہ انہیں مطلق اور آزاد چھوڑ دیا ہے۔ اور اسے ایسی استعداد عطا کر دی ہے جو لامحدود مقامات میں جولانیاں کرتی ہے۔ اسی بنا پر وہ نوعِ واحد ہونے کے باوجود ہزاروں قسم کی انواع واقسام کا حکم لے لیتا ہے۔

اسی بنا پر خلیفۂ ارض، نتیجۂ کائنات اور سلطانِ ذی حیات بن گیا ہے۔ اور یوں نوعِ انساں کے انواع واقسام میں بٹ جانے کا خمیر اور اس کی مشین کا اہم ترین پُرزہ حقیقی ایمان والی فضیلت ہے جو کہ مسابقت کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ اور فضیلت کو ختم کر دینے کی صرف ایک ہی صورت ہے، اور وہ یہ کہ بشری ماہیت کو تبدیل کر دیا جائے، عقل کا چراغ بجھا دیا جائے، دل کو مار دیا جائے اور رُوح کو مٹا دیا جائے۔

جی ہاں! یہ کامل کلام: ''نہ ممکن ظلم ایلہ، بیداد ایلہ، اِمحائے حریّت۔ چالش ادراکی قالدر، مقتدرسک، آدمیتدن''[1] اس قابل تھا کہ حریت کے پردے میں ہولناک قسم کے استبداد کے حامل اِس غدّار زمانے کے منہ پر مارا جاتا، لیکن غلطی سے اِسے ایک ایسے آدمی کے منہ کے سامنے اُچھال دیا گیا ہے جو اس طمانچے کا مستحق نہیں تھا۔ چنانچہ میں اِس دور کے منہ پر مارنے کے لیے اِس قول کے بجائے کہتا ہوں: ''نہ ممکن ظلم ایلہ، بیداد ایلہ اِمحائے حقیقت۔ چالش قلبی قالدر، مقتدرسک آدمیتدن''[2] اگر صاحبِ اقتدار ہے تو آدمیت دِل سے محروم کر دیے۔ یا یہ کہ: ''نہ ممکن ظلم ایلہ، بیداد ایلہ اِمحائے فضیلت۔ چالش وجدانی قالدر، مقتدرسک، آدمیتدن۔''[3]

جی ہاں، ایمان کے رنگ میں رنگی ہوئی فضیلت جس طرح جبر واِکراہ کا وسیلہ نہیں ہوتی، اسی طرح استبداد کا سبب بھی نہیں ہوتی؛ کیونکہ جبر واکراہ اور دوسروں پر زبردستی غلبہ وتسلّط قائم کرنا کوئی فضیلت نہیں۔ بلکہ اہل فضیلت کا تو اہم مشرب ہی یہ ہے کہ انسانی معاشرے میں عجز وفقر وتواضع کے ساتھ گھل مل کر رہا جائے۔ الحمد للہ کہ ہماری زندگی اسی مشرب کے مطابق گزری ہے اور اسی کے مطابق گزر رہی ہے۔ میں فخر کے ساتھ اس بات کا دعویٰ نہیں کرتا کہ میں کسی فضیلت کا مالک ہوں، بلکہ میں تحدیثِ نعمت اور شکر گزاری کی نیت سے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم کے ساتھ مجھ پر احسان کیا ہے اور مجھے ایمان وقرآن کے علوم کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی فضیلت سے نوازا ہے۔ اور میں نے — بحمد اللہ — اللہ کے اس احسان کو مسلمان اُمت کی سعادت مندی اور نفع بخشی کے لیے صرف کیا ہے۔ اور میری یہ سوچ فکر کبھی بھی تحکّم وتغلّب کا وسیلہ نہیں رہی ہے۔ پھر ایک بڑے اہم راز کی بنا پر میں لوگوں کی توجہ سے اور ان کے میرے اردگرد جمع ہونے سے نفرت کرتا ہوں، اِن چیزوں کو اہلِ غفلت لوگ تلاش کرتے ہیں اور میں ان سے دور بھاگتا ہوں اور انہیں اپنے لیے نقصان دہ سمجھتا ہوں؛ کیونکہ ان دو چیزوں نے میری زندگی کے بیس سال ضائع کر دیے ہیں۔ البتہ یہ ہے کہ میں ان چیزوں کو اس بات کی علامت سمجھتا ہوں کہ لوگوں میں رسائل نور مقبول ہو رہے ہیں، اِس لیے میں ان سے ناراض نہیں ہوتا ہوں۔

---

۱ ظلم وبیدادگری سے حریّت کو مٹانا ممکن نہیں۔ اگر تُو صاحبِ اقتدار ہے تو آدمیّت کو ادراک سے محروم کر دے۔

۲ ظلم وبیدادگری سے حقیقت کو مٹانا ممکن نہیں۔

۳ ظلم وبیدادگری سے فضیلت کو مٹانا ممکن نہیں۔ اگر تُو صاحبِ اقتدار ہے تو آدمیت کو وجدان سے محروم کر دے۔ مترجم۔

اے اہلِ دنیا!

یہ جو تم ہمہ وقت میری گھات میں رہتے ہو، اور مجھے ہمیشہ اس طرح سے دباؤ میں رکھتے ہو کہ جیسے میں کوئی ایسا انسان ہوں جو قدیم سے غلبہ و تسلط حاصل کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہوں اور دل میں تحکّم و استبداد کی آرزو رکھے ہوئے کسی موقع کی تاک میں ہوں! یہ سب کچھ میرے ساتھ کس قانون اور کس مصلحت کے تحت ہو رہا ہے؟ دنیا کی کوئی بھی حکومت ماورائے قانون ایسے معاملات کی اجازت نہیں دیتی جو کسی کو پسند نہ ہوں۔ حالانکہ میں تمہاری دنیا کے ساتھ قطعی طور پر اختلاط نہیں رکھتا ہوں، اور کسی بھی جہت سے تمہارے ان نظاموں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا ہوں۔ اور نہ ہی میں نئے سرے سے تمہاری اس دنیا کو پانے کی نیت رکھتا ہوں اور اس پر سب سے بڑی دلیل میرے سابقہ نو سال ہیں جو میں نے قید و بند میں گزارے ہیں۔

پس میرے ساتھ جو اس طرح کے بُرے سلوک روا رکھے جا رہے ہیں ان سے صرف میں ہی ناخوش نہیں ہوں بلکہ تمام نوعِ بشر اِن سے ناخوش ہے۔ بلکہ اگر ادراک ہو سکے تو— تمام کائنات —ناخوش و نالاں ہے۔

تیسرا اِشارہ

ایک احمقانہ سوال جو کہ مغالطے پر مشتمل ہے۔

اہلِ حکم میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں:

آپ جب اس وطن میں ہیں تو پھر آپ گوشہ نشینی کے پردے میں خود کو ان قوانین سے کیوں بچاتے ہیں؟

مثال کے طور پر: آپ حکومت کی ذمہ داری سے باہر رہ کر ایک خاص امتیاز اور فضیلت زیب تن کر کے عوام پر حکم چلاتے ہیں اور ان پر اپنا اثر و نفوذ لاگو کرتے ہیں۔ پس یہ چیز موجودہ حکومت میں جمہوریت کے دساتیر میں سے ایک ایسے دستور کے منافی ہے جو کہ آپ اپنے ہاتھ چومنے کی اجازت کیوں دیتے ہیں فخر یہ سا انداز کیوں اختیار کیے رکھتے ہیں، اور یہ کیوں کہتے ہیں کہ لوگوں کو میری بات سننا چاہیے، حالانکہ آپ حکومت کے ملازم نہیں ہیں؟

جواب: جو لوگ قانون کو نافذ کرتے ہیں اُن کے لیے اِسے دوسروں پر نافذ کرنا اُسی وقت ممکن ہوگا جب وہ اسے پہلے اپنے آپ پر نافذ کریں گے اور تم اپنے اس دستور اور قانون کو اپنے آپ پر لاگو کرنے سے پہلے دوسروں پر لاگو کر کے خود اسے توڑتے اور اس کی مخالفت کرتے ہو۔ چنانچہ تُم اپنے اس مطلق مساوات کے قانون کو مجھ پر تو لاگو کرنا چاہتے ہو لیکن خود اس سے دامن بچاتے ہو اور اپنے آپ پر لاگو نہیں کرتے ہو۔

میں کہتا ہوں: معاشرے میں کوئی سپاہی جب فیلڈ مارشل کے مرتبے پر پہنچ جائے اور اسے بھی لوگوں کی طرف سے وہی توجہ اور وہی احترام ملے جو فیلڈ مارشل کو مل رہا ہے۔

یا پھر اگر فیلڈ مارشل کوئی عام سپاہی بن جائے اور اس سپاہی جیسی معمولی حالت اختیار کر لے اور اس فیلڈ مارشل کی اپنے منصب سے ہٹ کر کوئی خاص اہمیت نہ رہ جائے۔ اسی طرح اگر کسی فوج کو فتحیاب کرانے والا ذہین ترین آرمی کمانڈر عام لوگوں کی توجہ اور ان کی محبت اور احترام کے جذبات میں کسی کند ذہن سپاہی کے برابر کھڑا ہو جائے تو پھر تم لوگ اپنے اس قانونِ مساوات کی رُو سے مجھے کہہ سکتے ہو کہ اپنے آپ کو عالم نہ کہو۔ لوگ جو تمہارا احترام کرتے ہیں اُسے جھٹک دو۔ اپنی فضیلت کا انکار کر دو، اپنے خادم کی خدمت کرو اور سوالیوں کے ساتھ رہو۔

سوال: اگر تم کہو کہ یہ احترام اور یہ مقام واقبال جو لوگ دے رہے ہیں، یہ تو صرف ملازمین کے لیے خاص ہے، اور وہ بھی اس وقت جب وہ ڈیوٹی پر حاضر ہوں، جبکہ آپ غیر ملازم انسان ہیں۔ اس لیے آپ کو چاہیے کہ آپ عوام کا احترام قبول نہ کریں، جیسے کہ حکومت کے ملازم کرتے ہیں۔

جواب: اگر انسان صرف جسم سے عبارت ہوتا، اگر دنیا میں بغیر مرنے کے ہمیشہ رہتا، اگر قبر کا دروازہ بند اور موت قتل کر دی جاتی اور ملازمت صرف فوج میں اور حکومت کے دیگر اداروں میں منحصر ہو کر رہ جاتی، تب تو تمہارے اس کلام کا کوئی معنی ہو سکتا تھا۔ لیکن جب انسان صرف جسم سے عبارت نہیں، اور اس لیے قلب وزبان وعقل ودماغ کو جسم کی غذا کے لیے قطع نہیں کیا جا سکتا اور انہیں جسم کا نوالہ نہیں بنایا جا سکتا اور انہیں مٹایا نہیں جا سکتا، اور یہ ساری چیزیں بھی جسم کی طرح غذا اور نظام وانتظام کی طالب ہیں، اور جب قبر کا دروازہ بھی بند نہیں کیا جا سکتا اور جب قبر کی دوسری جانب جانے کی فکر ہر شخص کے لیے سب سے اہم مسئلہ ہے، تو جب پھر وہ وظائف جن میں عوام اطاعت کرتی اور احترام کرتی ہے، اُن وظائف کو صرف ان عسکری، سیاسی اور اجتماعی اداروں میں منحصر نہیں کیا جا سکتا جن کا تعلق عوام کی صرف دنیاوی زندگی کے ساتھ ہے۔

جی ہاں، جس طرح سیاحوں کو سیر وسیاحت کے لیے دستاویزات دینا ایک وظیفہ ہے، اسی طرح دیارِ ابد کی طرف سفر کرنے والے مسافروں کو دستاویزات دینا اور راستے کی تاریکیوں کو دُور بھگانے کے لیے اُن کے ہاتھوں میں روشنی تھمانا بھی یقیناً ایک ایسا وظیفہ ہے کہ دوسرا کوئی بھی وظیفہ اس کی اہمیت کو نہیں پہنچ سکتا ہے۔ اور ایسے وظیفے کا انکار صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب موت کا انکار کر دیا جائے، تیس ہزار گواہوں کی گواہیوں کی تکذیب کر دی جائے اور ان گواہوں کی گواہی کا انکار کر دیا جائے جو اِس دعوے کی تصدیق کرتے ہیں کہ موت برحق ہے۔ اور جو اس دعوے پر ہر روز اپنے جنازوں کے ساتھ مہریں لگاتے ہیں۔

تو اگر کچھ اس طرح کے معنوی وظائف کا وجود ہے جو معنوی حاجاتِ ضروریہ کے سہارے پر کھڑے ہیں، اور اِن میں سے اہم ترین وظیفہ ایمان اور اس کی درس وتدریس اور اسے مضبوط کرنا ہے اور یہ اِیمان جو کہ راہِ ابد میں سیر وسیاحت کا پاسپورٹ ہے، ظلماتِ برزخ میں دل کے لیے مشعلِ راہ اور سعادتِ ابدی کی کلید ہے، تو پھر اس بات میں کوئی شک

نہیں کہ اہلِ معرفت میں سے جو آدمی یہ وظیفہ ادا کرتا ہے، وہ اپنے اُوپر انعام کی گئی فضیلتِ ایمانی اور نعمتِ الٰہی کی کفرانِ نعمت کی صورت میں نا قدری نہیں کر رہا ہے اور سُفہا و فساق کے پست درجے میں نہیں گرتا ہے اور کسی بھی صورت میں خود کو پست اور کمینے لوگوں کی بدعات و سفاہت کے ساتھ آلودہ بھی نہیں کرتا ہے پس یہ گوشہ نشینی جو تمہیں اچھی نہیں لگتی اور جسے تم مساوات کے منافی سمجھتے ہو، صرف اسی بنا پر اختیار کی گئی ہے۔

پس اس حقیقت کو سامنے رکھ کر میں تم جیسے متکبر لوگوں کو نہیں جو مجھے سزائیں دے کر پریشان رکھتے ہیں اور کبر و غرور اور اس مساوات کی قانون شکنی کے معاملے میں فرعون بنے بیٹھے ہیں، میں تم جیسے لوگوں سے کچھ نہیں کہتا کیونکہ متکبر لوگوں کے سامنے تواضع کا مطلب پستی و فروتنی لیا جاتا ہے اس لیے ان کے سامنے تواضع اختیار نہیں کرنی چاہیے چنانچہ میں اہلِ حکم میں سے منصف مزاج، متواضع اور عدل پرست لوگوں کو مخاطب کر کے کہتا ہوں:

مجھے — الحمد للہ — اپنے عجز و قصور کا پورا پورا ادراک ہے، اس لیے میں مسلمانوں کے مقابلے میں متکبر بن کر کسی بھی مقامِ احترام کا طالب نہیں ہوں، بلکہ اپنے کچھ نہ ہونے اور اپنی لاانتہا کمی کوتاہی کو ہمہ وقت نظر میں رکھتا ہوں، اور اِس بنا پر استغفار سے کچھ تسلّی پاتا ہوں۔ اور یہ کہ میں لوگوں سے دعا کا طالب ہوں نہ کہ احترام کا۔ اور میرا خیال ہے کہ میرے تمام ساتھی میرے اس مسلک کے بارے میں اچھی طرح سے جانتے ہیں۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ میں درس و تدریس کے وقت علم کے اُس عزّ و وقار کا پورا پورا خیال رکھتا ہوں جس وقار کا تقاضا یہ مقام کرتا ہے۔ اور یہ سب قرآن کی خدمت کے وقت اور ایمان کے حقائق بتانے کے موقع پر قرآن کے عز و شرف اور ایمان کے حقائق کے پیشِ نظر ہوتا ہے، چنانچہ میں اس دوران اہلِ ضلالت کے سامنے سر نہ جھکانے کی غرض سے وقتی طور پر اس معزز حالت کو اپنے اُوپر طاری کر لیتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ اہلِ دنیا کے قوانین میں ان نقاط کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔

ایک حیرت خیز معاملہ

اس بات کا ہر شخص کو علم ہے کہ اہلِ معرفت ہر جگہ ہر چیز کا فیصلہ علم و معرفت کی روشنی میں کرتے ہیں۔ چنانچہ انہیں جب کسی بھی جگہ یا کسی بھی شخص میں معرفت کا سراغ مل جائے تو مسلکِ علم کا اعتبار کرتے ہوئے اس شخص کے لیے دوستی اور احترام کا دم بھرتے ہیں۔ اس حد تک کہ اگر اس علاقے میں کسی دشمن ملک سے کوئی پروفیسر آ جائے تو تمام اہلِ علم و معرفت اس کے علم و معرفت کے احترام میں ساتھ ملاقات کو جائیں گے اور اس کا احترام کریں گے۔

اور اِدھر صورت حال یہ ہے کہ جب برطانیہ کی اعلیٰ علمی مجلس نے اسلامی مشیخت سے اپنے چھ سوالوں کے جوابات صرف چھ سو کلمات میں مانگے تھے۔

تو ایک صاحبِ علم و معرفت نے ان چھ سوالوں کے جوابات چھ کلمات میں دیے تھے جو لوگوں کو پسند آئے تھے اور

انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا تھا۔ اور یہ صاحبِ علم وہی ہے جس کی اپنے وطن میں کوئی قدر نہیں ہوئی ہے۔

اور اسی صاحبِ علم نے غیروں کی اہم بنیادوں کا اور حکما کے عظیم اُصولوں کا مقابلہ کیا اور حقیقی علم و معرفت کے بل پر ان پر غالب رہا۔

اُسی نے قرآن کریم کے فیضان سے حاصل کی ہوئی علم و معرفت کی قوت کے سہارے یورپ کے فلاسفہ کو چیلنج کیا۔

اور اُسی نے حریّت کے اعلان سے چھ مہینے پہلے استنبول میں مذہبی علما کو اور ماڈرن سائنس کے اداروں کے سربراہوں کو بحث و مناقشہ کی دعوت دی، چنانچہ اس نے اُن لوگوں کے تمام سوالات کے بغیر کسی کمی بیشی کے بالکل صحیح جواب دیے اور خود کسی سے قطعاً کوئی سوال نہ کیا۔[1]

اور اُس نے اپنی تمام زندگی اس قوم کی فیروز بختی کے لیے وقف کر رکھی ہے، اور اسی قوم کی زبان یعنی ترکی زبان میں سینکڑوں رسائل نشر کیے ہیں اور اُن کے ذریعے اس قوم کو روشن کیا ہے۔

اب یہ آدمی جس نے اس قسم کے کارنامے سرانجام دیے ہیں، اور جو اِس قوم کا دینی اور وطنی دوست اور بھائی ہے، ایسے آدمی کو جنہوں نے ستایا اور پریشان کیا ہے، اُس کے لیے دِل میں دشمنی پالی ہے، بلکہ اُس کی اہانت کی ہے، علم و معرفت کے دائرے کے ہی آدمی ہیں اور اس کے ساتھ کچھ سرکاری علما ہیں۔

اب آؤ اور اس صورتِ حال میں غور کرو اور بتاؤ کہ اسے کیا نام دو گے؟

کیا یہ تہذیب و تمدُّن ہے؟ کیا یہ مرفت پروری ہے؟ یا وطنیت پروری ہے؟ یا قومیت پروری ہے یا جمہوریت پروری؟ نہیں، اِن میں سے کوئی چیز بھی نہیں۔ حاشا و کلا۔

بلکہ یہ تقدیرِ الٰہی ہے، اِس تقدیر الٰہی نے اُس صاحبِ معرفت کے لیے ایسی جگہ سے دشمنی کا اظہار کروایا ہے جہاں سے اُسے دوستی کی اُمید تھی، صرف اس لیے کہ وہ اخلاص کے ساتھ ہمکنار ہو جائے اور احترام کی وجہ سے اُس کا علم ریا کاری کے دائرے میں داخل نہ ہو جائے۔

---

[1] جدید سعید کہتا ہے: قدیم سعید جو اِس مقام پر فخر یہ یہ باتیں کر رہا ہے، میں اُس کی ان باتوں میں شریک نہیں ہوں، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ میں اُسے چپ نہیں کرا سکتا؛ کیونکہ میں اس مضمون میں اسے بولنے کا حق دے چکا ہوں۔ بلکہ میں دم سادھ کر بیٹھا ہوں تا کہ وہ متکبر لوگوں کے مقابلے میں کچھ نہ کچھ فخر کا اظہار کر سکے۔ (مؤلف)

اختتام

میرے اوپر حملہ جو کہ میرے لیے حیرت خیز تھا لیکن شکر کا موجب بن گیا۔

اہلِ دنیا کے یہ معمول سے بڑھ کر متکبر اور مغرور لوگ انانیت کے معاملے میں اتنے حساس ہیں کہ اگر یہ معاملہ شعوری طور پر ہوتا تو کرامت کا درجہ اختیار کر جاتا یا فوق العادۃ کوئی معاملہ بن جاتا۔ یہ معاملہ کچھ اس طرح ہے۔

یہ لوگ میرے ایسے تکبر کا شدت کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں جو مجھے محسوس ہی نہیں ہوتا ہے۔ گویا کہ یہ لوگ اپنے احساسِ انانیت کے میزان کے ذریعے میری ریاکاری پر مبنی انانیت کی کسی جزوی سی حالت کو محسوس کر لیتے ہیں جس کے وجود کا میرے نفس اور میری عقل کو شعور بھی نہیں ہوتا۔

مجھے ان آٹھ نو سالوں میں اس چیز کے تقریباً آٹھ نو تجربے ہو چکے ہیں؛ چنانچہ میں اپنے خلاف اُن کے ظالمانہ رویے کے بعد تقدیرِ الٰہی کے بارے میں سوچا کرتا تھا اور کہتا تھا: تقدیرِ الٰہی نے ان لوگوں کو میرے اُوپر مسلط کیوں کر دیا ہے؟ اور یوں اس سوال کی روشنی میں میں اپنے نفس کی دسیسہ کاریوں کی ٹوہ میں رہتا تھا۔

چنانچہ ہر مرتبہ میں یہ بات سمجھا کرتا تھا:

یا تو میرا نفس کسی غیر شعوری طریقے سے فطری طور پر غرور و تکبر کی طرف مائل ہو گیا ہے، یا پھر اُس نے جانتے بوجھتے ہوئے مجھے دھوکہ دے دیا ہے! چنانچہ اُس وقت میں یہ کہتا تھا: تقدیرِ الٰہی نے ان ظالموں کے ظلم کی صورت میں میرے حق میں عدل سے کام لیا ہے۔ ان میں سے ایک واقعہ یوں ہے:

اس موسم گرما میں میرے دوستوں نے مجھے ایک خوبصورت گھوڑے پر بٹھا دیا، اور ہم ایک سیرگاہ کی طرف نکل گئے۔ تو صرف اتنی بات پر کہ میرے دل میں لاشعوری طور پر دکھاوے کی صورت میں سیر و تفریح کی خواہش نے انگڑائی لی تو اہلِ دنیا نے جھٹ اس خواہش کی انتہائی شدت کے ساتھ مزاحمت کی، اور اس طرح صرف یہی نہیں کہ اُنہوں نے میری مخفی خواہش کو کاٹ کر رکھ دیا بلکہ میری اور بھی کافی ساری نفسانی خواہشات کا گلا دبا دیا۔

اور ایک یہ کہ اس مرتبہ رمضان میں میرے نفس نے — میری لاشعوری میں — ریاکاری کی صورت میں تکبر کا مظاہرہ کرنا چاہا، گویا کہ وہ شکر کے پردے میں فخر کرنا چاہتا تھا۔ اور یہ اس وقت ہوا جب متقدمین میں سے ایک عظیم الشان مقدس امام کے ہماری طرف اپنی غیبی کرامت کے ذریعے معنوی نگہِ التفات کرنے کے بعد زائرین کے احترام اور اُن کے حُسنِ ظن، اور معزز بھائیوں کے تقویٰ و اخلاص سے ایک خوبصورت سماں بنا ہوا تھا۔ تب یہ اہلِ دنیا اچانک شدید حساسیت کے ساتھ مجھ سے دوچار ہوئے، بلکہ اس طرح محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے یہ لوگ ریاکاری کے ذرّات کو بھی محسوس کر لیتے ہیں۔

پس میں نے اس بات پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ اِن لوگوں کا ظلم میرے لیے اخلاص کا وسیلہ بن گیا ہے۔

﴿رَبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَأَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ﴾

﴿سُبْحَانَكَ لاَ عِلْمَ لَنَا اِلاَّ مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ اَللّٰهُمَّ يَا حَافِظُ . يَا خَيْرَ الْحَافِظِيْنَ!

اِحْفَظْنِيْ وَاحْفَظْ رُفَقَائِيْ مِنْ شَرِّ النَّفْسِ وَالشَّيْطَانِ، وَمِنْ شَرِّ الْجِنِّ وَالْاِنْسَانِ، وَمِنْ شَرِّ أَهْلِ الضَّلاَلَةِ وَاَهْلِ الطُّغْيَانِ. آمِيْنَ آمِيْنَ

چھبیسواں لمعہ

چھٹی اُمید

میں اپنی جلاوطنی والی المناک اسیری کے دوران جب بارلا کی چراگاہوں پر جھانکنے والے جبل چام کی چوٹی پر لوگوں سے وحشت زدہ ہو کر الگ تھلگ یکّا وتنہا زندگی بسر کر رہا تھا۔ اُن دنوں مجھے اس عزلت نشینی میں کسی روشنی کی تلاش تھی۔ اور پھر ایک رات اس فلک بوس پربت کی چوٹی پر اُگے ہوئے اُونچے صنوبر کے درخت پر بنے ہوئے اس کھلی چھت والے چھوٹے سے کمرے میں بڑھاپا مجھے تین چار قسم کی باہم دیگر پیوست اجنبیتوں کا احساس دلانے لگا۔ رات خاموش تھی۔ درختوں کے پتوں سے پیدا ہونے والی غمگین سرسراہٹ، مہین سی آواز اور جھنکار کے سوا کسی قسم کی کوئی آواز یا سرگوشی بھی سنائی نہیں دیتی تھی۔ بس ہُو کا عالم طاری تھا۔ مجھے ایسے لگا جیسے یہ مہین سی آواز میرے نازک احساسات، میرے بڑھاپے اور میری اجنبیت کے تاروں کو چھُو گئی ہے، چنانچہ بڑھاپے نے میرے دل کے کان میں مجھے ڈراتے ہوئے سرگوشی کی:

جس طرح دِن اس سیاہ قبر میں تبدیل ہو گیا ہے اور جس طرح دنیا نے اپنا سیاہ کفن اوڑھ لیا ہے، اِسی طرح تمہاری عمر کا دن بڑھاپے کی رات میں تبدیل ہو گا اور دنیا کا دن رات کی برزخ میں بدلے گا اور زندگی کی گرمی موت کی سردی میں تبدیل ہو گی۔ تو میرے نفس نے مجبوری و دردمندی سے کہا:

جی ہاں، میں جس طرح وطن سے دور ہو کر یہاں اجنبیت کی زندگی بسر کر رہا ہوں، لیکن وہ غربت و اجنبیت جوان پچاس سالوں میں اپنے کوچ کر جانے والے دوست احباب کے فراق سے اور ان کے چلے جانے کے بعد روتے رہنے سے ملی ہے۔ وہ اس غربت وطن سے کہیں زیادہ غم انگیز اور المناک ہے۔ اور رنج و غم و اجنبیت کے مارے اس پہاڑ پر اِس شب دیجور میں اجنبیت کی اس کیفیت میں جس غربت و اجنبیت کی طرف میں بڑھ رہا ہوں وہ اس غربت و اجنبیت

سے کہیں زیادہ غم انگیز اور المناک ہے۔اور وہ یہ ہے کہ بڑھاپا مجھے خبر دے رہا ہے کہ اب تمام دنیا سے آخری جدائی کا وقت آگیا ہے۔پس میں اِس اجنبیت در اجنبیت اور غم اندر غم والی کیفیت سے کسی روشنی اور اُمید کی تلاش میں سرگرم ہو گیا۔اور دم بھر میں ایمان باللہ میری مدد کے لیے لپکا اور اُس نے مجھے ایک ایسا اُنس عطا کر دیا کہ مجھ پر طاری ہونے والی وحشت ہزار گنا دُگنی چوگنی بھی ہو جاتی تو وہ اُنس اُس کے لیے کافی ہو جاتا اور اس کی عطا کردہ تسلی اس گھبراہٹ پر بھاری رہتی۔

جی ہاں، اے عمر رسیدہ خواتین و حضرات! جب ہمارا ایک رحیم خالق ہے تو ہمارے لیے کوئی اجنبیت نہیں ہے۔جب وہ ہے؛ ہمارے لیے ہر چیز ہے۔جب وہ ہے تو اس کے فرشتے بھی ہوں گے لہٰذا یہ دنیا خالی نہیں ہے۔

چنانچہ یہ خالی پہاڑ، تہی دامن صحرا اور یہ اُجڑے دیار اللہ کی ذی شعور عبادت گزار مخلوقات سے بھرے پڑے ہیں۔اور ان پہاڑوں کے پتھر اور اِن صحراؤں کے درخت اللہ پر ایمان اور اُس ایمان کی روشنی میں کائنات کو دیکھنے کی برکت سے ایسے اُنس و محبت بھرے، ہم سفر بن جاتے ہیں جو زبانِ حال سے ہمارے ساتھ محوِ کلام رہتے ہیں اور ہماری محبت کا دم بھرتے ہیں۔

جی ہاں، اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرنے والے اور گواہی دینے والے دلائل و شواہد اِس کائنات کی موجودات اور اِس عالَم کی کتاب کبیر کے حروف کی تعداد کے برابر ہیں۔اور اس کی رحمت پر دلالت کرنے والے دلائل و شواہد ذی اَرواح مخلوقات کے اعضا و جوارح، اور ان کی ان خوراکوں اور اُن نعمتوں کی تعداد میں ہیں جو کہ شفقت و رحمت و عنایت کا وسیلہ بنیں گی۔یہ تمام دلائل و شواہد ہماری رہنمائی ہمارے رحیم و کریم و اَنیس اور محب و مشفق خالق و صانع کے آستانے کی طرف کرتے ہیں۔اور اس دروازے پر سب سے بڑا سفارشی عجز و ضعف ہیں۔اور عجز و ضعف کے ساتھ سب سے زیادہ میل کھانے والا وقت بڑھاپے کا ہے۔اس لیے یہ ضروری ہے کہ بڑھاپے پر ناراضگی کی بجائے رضامندی کا اظہار کیا جائے اور اس کے ساتھ پیار کیا جائے؛ کیونکہ وہ اُس درِعالی پر ہمارا ایسا سفارشی ہے جس کی سفارش قبول ہوگی۔

ایک چھوٹا سا خصوصی خط جو اٹھائیسویں مکتوب کا تتمہ بن سکتا ہے۔

میرے دو اُخروی بھائی اور سرگرم شاگرد جناب خُسرو اور جناب رافت کے نام

''مقالات'' کا مجموعہ جو کہ قرآنی انوار سے کشیدہ ہے، اس میں ہم تین قرآنی کرامتوں کو محسوس کرتے تھے، لیکن تم لوگوں نے اپنی کوشش اور ذوق و شوق سے ان تین پر ایک اور چوتھی کرامت کا اضافہ بھی کر دیا ہے۔

جہاں تک اُن تین کرامتوں کا تعلق ہے جو ہمارے علم میں ہیں، تو اُن میں سے پہلی قرآنی کرامت وہ غیر معمولی

سہولت اور تیز رفتاری ہے جو اس کی تالیف میں میسر آئی ہے، اس حد تک کہ انیسواں مکتوب جو کہ پانچ اقسام پر مشتمل ہے، پہاڑوں اور باغوں میں، کسی بھی کتاب سے مدد لیے بغیر ہر روز تین چار گھنٹوں کے حساب سے صرف تین دن میں یعنی بارہ گھنٹوں میں لکھا گیا۔ تیسواں مقالہ بیماری کی حالت میں پانچ چھ گھنٹوں میں لکھا گیا۔ جنّت کی بحث یعنی اٹھائیسواں مقالہ ''سلیمان'' کے وادی والے باغ میں گھنٹے دو گھنٹے میں لکھا گیا، میں سلیمان اور توفیق بھی اس سرعت رفتاری پر حیران تھے۔ اور اس طرح ان کی تالیف میں قرآن کی یہ کرامت تھی۔

دوسری قرآنی کرامت یہ ہے کہ اس کی کتابت میں غیر معمولی قسم کی سہولت، ذوق وشوق سامنے آیا اور کسی قسم کی اُکتاہٹ کا احساس نہ ہوا۔ چنانچہ ان میں سے کسی بھی ''مقالے'' کے ظہور میں آتے ہی بہت سی جگہوں پر کمال اشتیاق کے ساتھ اس کی کتابت شروع ہو جاتی، حالانکہ اس دور میں اُکتاہٹ اور ملال پیدا کرنے والے بہت سے اسباب موجود ہیں، لیکن ان کی کتاب کو بہت سے اہم مشاغل پر ترجیح دی جاتی تھی۔

اور تیسری قرآنی کرامت کہ ان کی قرأت بھی اُکتاہٹ پیدا نہیں کرتی، خاص کر اس وقت جب انہیں پڑھنے کی ضرورت محسوس ہو، بلکہ جوں جوں پڑھتے جائیں ذوق وشوق بڑھتا ہے اور اُکتاہٹ قریب نہیں آتی۔

تم لوگوں نے اِن کی ایک چوتھی قرآنی کرامت بھی ثابت کر دی ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہمارا ''خسروؔ'' جیسا بھائی جو خود اپنے آپ کو سُست کہتا ہے اور جس نے پانچ سال قبل ''مقالات'' کو سنا تھا اور اُن کی کتابت کے بارے میں سستی کا مظاہرہ کرتا رہا؛ اُسی خسرو نے صرف ایک مہینے کے دوران انتہائی خوبصورتی اور دقتِ نظری کے ساتھ چودہ کتابیں قلم بند کی ہیں۔ بلا شبہ یہ چیز قرآنی اسرار کی چوتھی کرامت ہے، اور خاص کر ''تینتیس دریچوں'' والے مقالے یعنی ''تینتیسویں مکتوب'' کی تو بہت زیادہ قدردانی ہوئی ہے، کہ اُسے انتہائی خوبصورت، جاذبِ نظر اور عمدہ خط کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

جی ہاں؛ دریچے نامی یہ کتاب معرفتِ خداوندی کے باب میں انتہائی قوی اور تابناک کتاب ہے، البتہ پہلے چند دریچوں میں کچھ زیادہ ہی اِجمال اور اختصار سے کام لیا گیا ہے، لیکن آگے جا کر وہ دھیرے دھیرے کھلتے چلے جاتے ہیں اور زیادہ ضوفشاں ہوتے جاتے ہیں، تمام مؤلفات کے برعکس زیادہ تر ''مقالات'' میں تقریباً یہی انداز اپنایا گیا ہے کہ ان کا آغاز اجمال کے ساتھ ہوتا ہے لیکن پھر تدریجاً کھلتے جاتے اور روشن ہوتے جاتے ہیں۔

اٹھائیسویں مکتوب کا ساتواں مسئلہ

جو کہ ساتواں خط ہے

﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾

[یہ مسئلہ سات اشاروں پر مشتمل ہے]

پہلے ہم تحدیثِ نعمت کے طور پر عنایتِ الٰہیہ کے متعدد اسرار کو آشکار کرنے والے سات اسباب کو وضاحت کے ساتھ بیان کریں گے۔

پہلا سبب

پہلی جنگ عظیم سے کچھ پہلے یعنی اس کے اوائل میں مَیں نے ایک سچا واقعہ دیکھا، کیا دیکھتا ہوں کہ میں مشہور پہاڑ ''ارارات'' کے نیچے کھڑا ہوں، اچانک وہ ایک دہشت ناک صورت میں پھٹ گیا اور اس نے پہاڑوں جیسے بڑے بڑے تودے دنیا کے تمام کونوں میں بکھیر دیے، اس دہشت خیز ماحول میں مَیں نے دیکھا کہ میری والدہ مرحومہ میرے پاس ہی کھڑی ہیں۔ میں نے کہا: امی! ڈرو نہیں، یہ سب اللہ کے حکم سے ہو رہا ہے، اور وہ بڑا رحیم اور حکیم ہے۔

میں اسی حالت میں ہی تھا کہ اچانک ایک معزز سا آدمی سامنے آیا اور آمرانہ طریقے سے مجھے کہنے لگا: قرآن کے اعجاز کو کھول کر بیان کرو!

میں بیدار ہو گیا۔ اور یہ بات سمجھا کہ عنقریب بہت بڑا دھماکا ہونے والا ہے، اور اس انقلاب و انفجار کے بعد قرآن کے اِردگرد کی فصیلوں میں دراڑیں پڑنے والی ہیں تب قرآن اپنا دفاع براہ راست خود کرے گا۔

قرآن پر دھاوا بولا جائے گا اور اس کا اعجاز اس کے لیے ایک فولادی درع کا کام دے گا۔ اور میرے جیسا آدمی اس طرح کے اعجاز کو آشکار کرنے کے لیے نامزد ہو جائے گا اور مجھے پتا چل گیا کہ یہ ذمہ داری میرے کندھوں پر ڈالی گئی ہے اور اس کام کے لیے میں ہی نامزد ہوا ہوں۔

قرآن کریم کے اِعجاز کی جب مقالات کے ذریعے کسی حد تک وضاحت ہو گئی ہے، تو پھر اس اِعجاز کی بدولت اور اس کی اشاعت و برکات کی برکت سے اپنی ان خدمات کے سلسلے میں حاصل ہونے والی عنایات کا اظہار کرنا قرآنی اعجاز کی اِعانت ہی شمار ہوگا، اس لیے ان الطاف و عنایات کا اظہار بہت ضروری ہے۔

دوسرا سبب

قرآنِ حکیم چونکہ ہمارا مرشد، ہمارا اُستاد اور ہمارا امام ہے اور تمام آداب میں ہمارا رہنما ہے، اور وہ اپنی مدح سرائی کرتا ہے؛ اس لیے ہم بھی اس کے دیے ہوئے درس کی اتباع کرتے ہوئے اس کی تفسیر کی تعریف کرتے ہیں۔

اور پھر تالیف شدہ یہ ''مقالات'' چونکہ اس کی یک نوعی تفسیر ہی ہے اور یہ تمام رسائل قرآن کے حقائق اور اس کی ملکیت اور اُس کا مال ہیں۔ اور قرآن حکیم خود پوری شان وشوکت سے اپنے کمالات کا ذکر کرتا ہے اور اکثر سورتوں میں اپنی اسی انداز سے مدح کرتا ہے جو اس کے لائق ہے، خاص کر اُن سورتوں میں جن کا آغاز ''الٓرٰ اور حٰمٓ'' جیسے حروفِ مقطعات سے ہوتا ہے؛ تو بلاشبہ ہم بھی اُن ربانی عنایات کو ظاہر کرنے کے مکلّف ہیں جو اس خدمت کے قبول ہو جانے کی علامت ہیں۔ اور قرآن حکیم کے اعجاز کی ان جھلکیوں کو آشکار کرنے کے مکلّف ہیں جو ''مقالات'' میں منعکس ہو رہی ہیں؛ کیونکہ ہمارا اُستاد اسی طرح کرتا ہے۔

تیسرا سبب

''مقالات'' کے بارے میں مَیں یہ بات تواضع سے نہیں بلکہ حقیقت کو بیان کرنے کے لیے کہتا ہوں کہ:

''مقالات'' میں پائے جانے والے حقائق وکمالات میرے نہیں بلکہ قرآن کے ہیں اور قرآن ہی سے ٹپکے ہیں؛ حتیٰ کہ ''دسواں مقالہ'' اور دیگر رسائل بھی عمومی طور پر کچھ قطرات ہیں جو قرآن کی سینکڑوں آیات سے ٹپکے ہیں۔

بات جب ایسے ہی ہے، اور میں فانی ہوں عنقریب کوچ کر جاؤں گا؛ تو پھر ضروری ہے کہ باقی رہنے والے کام اور پائندہ نقش کا تعلق میرے ساتھ نہ جوڑا جائے، اور ایسا کرنا ٹھیک بھی نہیں ہے۔

اہلِ ضلالت وطغیان کی چونکہ یہ عادت ہے کہ وہ مؤلف کی توہین کر کے اس کے آثارِ قلم کی توہین کرتے ہیں، اس لیے یہ ضروری ہے کہ قرآن کے آسمان کے ستاروں کے ساتھ وابستہ رسائل کو میرے جیسے بوسیدہ ستون کے ساتھ نہ باندھا جائے جس کا گر جانا ممکن ہے اور جو بہت سے اعتراضات وتنقیدات کا نشانہ بن سکتا ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ کسی بحث یا موضوع کی امتیازی خصوصیات کو لوگوں کے رواج کے مطابق اس کے مؤلف کے طور اطوار میں ڈھونڈا جاتا ہے جسے اس مضمون یا نقش کا سرچشمہ سمجھا جاتا ہے، اور —اس رواج کی روشنی میں— میرے جیسے مفلس اور بے مایہ آدمی کو اور میری شخصیت کو جو کہ فی نفسہٖ ان ہزاروں خصوصیات میں سے ایک خصوصیت کو بھی ظاہر نہیں کر سکتی؛ ان بلند پایہ حقائق اور بیش قیمت جواہرات کا مالک بنا دینا حقیقت پر بہت بڑا ظلم ہے۔

اس لیے میں یہ بات کہنے پر مجبور ہوں کہ رسائلِ نور میری ملکیت نہیں بلکہ قرآن کا مال ہیں اور قرآن کی امتیازی خصوصیات کے رشحات کا مظہر بن گئے ہیں۔

جی ہاں؛لذیذ انگوروں کے خوشوں کی خصوصیات ان کی سوکھی شاخوں میں تلاش نہیں کی جاتیں۔

بس یوں سمجھو کہ میں اس سوکھی شاخ کی حیثیت رکھتا ہوں۔

چوتھا سبب

کبھی کبھی تواضع سے کفرانِ نعمت لازم آجاتا ہے، بلکہ تواضع کفرانِ نعمت بن جاتی ہے۔اور کبھی تحدیثِ نعمت فخر بن جاتی ہے،اور یہ دونوں ہی نقصان دہ ہیں۔اب کفرانِ نعمت اور فخر سے بچنے کے لیے ہمارے پاس ایک ہی وسیلہ ہے،اور وہ یہ ہے کہ: ان خصوصیات وفضائل کا اعتراف کیا جائے لیکن ان کی ملکیت کا دعویٰ نہ کیا جائے،یعنی انسان اس بات کا اِظہار کرے کہ یہ چیز مُنعمِ حقیقی کے انعام کے آثار ہیں۔

مثال کے طور پر: اگر آپ کو کوئی شخص قابلِ فخر مرصّع ومزین خوبصورت سوٹ پہنا دے اور آپ اسے پہن کر بہت خوبصورت نظر آنے لگیں،اور لوگ آپ سے کہیں کہ؛ ماشاءاللہ،آج تو بڑے خوبصورت نظر آرہے ہیں!اور آپ جواب میں بڑی تواضع کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہیں: اوناں جی! میں کون ہوتا ہوں؟ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں!اس سوٹ سے خوبصورتی کہاں سے آئی! یہ تو کچھ بھی نہیں! یہ انداز یقینا کفرانِ نعمت ہوگا،اور اس ماہر کاریگر کے حق میں بے ادبی کا مظاہرہ ہوگا جس نے آپ کو یہ سوٹ پہنایا ہے۔

اسی طرح اگر آپ اسے فخر یہ انداز میں یہ کہہ دیں کہ: جی ہاں؛ میں واقعی بہت خوبصورت ہوں! کوئی ہے جو ہم سا ہو؟ ہم سا ہو تو سامنے آئے! یہ انداز بھی یقیناً خود پسندی پر مبنی فخر وغرور ہی ہوگا،اس لیے کفران اور فخر سے بچنے کے لیے آپ کو یہ کہنا چاہیے کہ:

جی ہاں؛ میں خوبصورت لگ رہا ہوں،لیکن حقیقت میں خوبصورت میں نہیں بلکہ یہ لباس ہے اور وہ شخص ہے جس نے مجھے یہ لباس پہنایا ہے۔

اسی طرح میں بھی—اگر میری آواز روئے زمین کے اطراف واکناف میں پہنچ جائے تو—بلند آواز سے یہ منادی کرتا ہوں کہ:''مقالات'' خوبصورت ہیں اور حقائق ہیں۔لیکن یہ میرے نہیں بلکہ کچھ شعاعیں ہیں جو قرآن کریم کے حقائق سے چمکی ہیں،اور میں

وَمَا مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِيْ
وَلٰكِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِيْ بِمُحَمَّدٍ

والے قاعدے کو سامنے رکھ کر کہتا ہوں:

وَمَا مَدَحْتُ الْقُرْآنَ بِكَلِمَاتِيْ
وَلٰكِنْ مَدَحْتُ كَلِمَاتِيْ بِالْقُرْآنِ

مطلب یہ کہ قرآن کے اعجاز کے حقائق کو میں نے خوبصورتی نہیں دی ہے اور میں نے انہیں خوبصورت انداز سے بیان نہیں کیا ہے بلکہ قرآن کے خوبصورت حقائق نے میری تعبیروں کو بھی حسن بخشا ہے اوران کی شان بلند کی ہے۔

واقعہ جب یہی ہے تو پھر قرآن کی مقالات نامی امتیازی خصوصیات کی رعنائیوں اور زیبائیوں کو آشکار کرنا اور اس انعکاس پر مرتّب ہونے والی عنایاتِ الٰہیہ کو قرآنی حقائق کے نام پر بروئے کار لانا تحدیثِ نعمت کا ایک قابلِ قبول انداز ہے۔

پانچواں سبب

آج سے کافی دیر پہلے میں نے اللہ کے ولی سے یہ سنا کہ اُس نے قدیم اولیا کے غیبی اشارات سے ایک حقیقت کا استخراج کیا ہے اور اُسے اس پر اطمینان بھی حاصل ہے کہ: ''مشرق کی سمت سے عنقریب ایک نور کا ظہور ہوگا جو بدعات کی تاریکیوں کو پراگندہ کردے گا۔'' میں نے اس طرح کے نور کے ظہور کا بہت انتظار کیا اور کررہا ہوں۔ لیکن پھول چونکہ بہار میں کھلتے ہیں اس لیے اس طرح کے مقدس پھولوں کے لیے راہ ہموار کرنا ضروری ہے۔ اور ہمارا علم یہ کہتا ہے کہ ہم اپنی اس خدمت کے ذریعے ان معزز نورانیوں کا راستہ ہموار کررہے ہیں۔ اِس لیے ان گل ہائے نو بہار کا سہرا ہمارے سر نہیں ہے۔

بلاشبہ ''مقالات'' نامی انوار کے ساتھ تعلق رکھنے والی عنایاتِ الٰہیہ کو بیان کرنا فخر وغرور کا دارومدار نہیں ہوسکتا بلکہ یہ چیز تحدیثِ نعمت اور شکر وسپاس کا دارومدار ہوگی۔

چھٹا سبب

عنایتِ ربانی جو کہ ترغیب کا وسیلہ ہے اور ''مقالات'' کی تالیف کی وجہ سے ہماری قرآنی خدمت فوری اور پیشگی صلہ ہے، اس عنایت کا مطلب ہے کہ ہمیں اس خدمت کی توفیق سے نوازا گیا ہے اور تحدیثِ نعمت کے لیے اس توفیق کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اگر توفیق سے بھی آگے گزر جائے اور بلند ہوجائے تو وہ اکرام الٰہی ہوگا، اور اکرامِ الٰہی کا اظہار کرنا ایک طرح کا معنوی شکر ہے۔ اور عنایت جب اکرام سے آگے گزر جائے تو پھر وہ لامحالہ قرآنی کرامت ہوگی اور ہم اس سے بہرہ یاب ہوچکے ہیں۔ اور اس طرح کی کرامت کا اظہار اگر اس طرح سے ہوجائے کہ ہمارے اختیار سے باہر ہو، ہمارے سان گمان میں بھی نہ ہو اور ہمیں پتا بھی نہ چلے، تو اس میں کوئی نقصان نہیں۔ اور اگر یہ عنایت معمول کی کرامتوں سے بھی اُوپر چلی جائے تو پھر بلاشبہ قرآن کے اعجاز کے معنوی شعلے ہوں گے۔ اب اعجاز کا برملا اظہار کرنا چونکہ ضروری

ہے، اس لیے جو چیز اعجاز کی معاون ہوگی اعجاز کے کھاتے میں ہی جائے گی۔ اس لیے وہ فخر وغرور کا نہیں بلکہ شکر و سپاس کا مدار ہوگی۔

ساتواں سبب

نوعِ انسانی کے اَسی فیصد لوگ اصحابِ تحقیق نہیں ہیں کہ تحقیق کر کے حقیقت تک رسائی حاصل کر کے اُسے پہچان جائیں اور اُسے قبول کرلیں، بلکہ وہ مسائل کو اَز راہِ تقلید اُن لوگوں سے سُن کر مانتے ہیں جنھیں وہ بظاہر قابلِ اعتماد سمجھتے ہیں اور اُن کے بارے میں حسنِ ظن رکھتے ہیں، حتی کہ ایسے لوگ ایک قوی حقیقت کو محض اس لیے ضعیف سمجھتے ہیں کہ وہ کسی ضعیف شخص کے ہاتھ ہوتی ہے جبکہ ایک بے قیمت مسئلہ اگر کسی قیمتی آدمی کے ہاتھ میں ہوتو اسے بڑا قیمتی سمجھتے ہیں۔

اس بنا پر میں ان قرآنی اور ایمانی حقائق کے بارے میں اعلان و اظہار کرنے کے لیے مجبور ہوں جو میرے جیسے کمزور و نادار آدمی کے ہاتھ میں ہیں، تاکہ اکثر لوگوں کی نظروں میں ان کی قیمت نہ گر جائے ...... میں اس بات کا اعلان کرتا ہوا کہتا ہوں: ''کوئی ہے جو ہمارے اختیار کے بغیر اور ہماری بے خبری میں ہم سے خدمت لے رہا ہے اور ہماری بے علمی میں ہمیں بڑے بڑے کاموں میں استعمال کر رہا ہے۔ اور اس باب میں ہماری دلیل یہ ہے کہ ہمیں کچھ ایسی عنایات اور سہولیات میسّر آجاتی ہیں جن کے بارے میں نہ ہمیں شعور ہوتا ہے اور نہ اختیار۔ پس ہم ان الطاف وعنایات کا برسرِ عام اعلان کرنے پر مجبور ہیں۔''

ان مذکورہ سات اسباب کے پیشِ نظر ہم چند کلّی قسم کی ربّانی عنایات کی طرف اشارہ کریں گے:

پہلا اشارہ

''توافقات'' ہیں جن کی وضاحت ''اٹھائیسویں مکتوب'' کے آٹھویں مسئلے کے پہلے نکتے میں کی گئی ہے۔

اور وہ یوں ہے کہ ''معجزاتِ محمدیہ'' نامی سترہویں مکتوب میں تیسرے اشارے سے لے کر اٹھارہویں اشارے تک دو صفحوں کو چھوڑ کر باقی ساٹھ صفحات میں ایک کاتب کے نسخے میں دوسو سے زیادہ ''رسولِ اکرم ﷺ'' کے کلمات کمال موازنے کے ساتھ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں؛ اور کاتب کو اس بات کی خبر ہے نہ علم۔ چنانچہ جو بھی گہری نظر اور انصاف کے ساتھ دو صفحوں کو دیکھے گا وہ تصدیق کرے گا کہ یہ چیز اتفاقاً ظہور میں نہیں آئی ہے؛ کیونکہ ایسا ہوسکتا ہے کہ اتفاق سے ایک یا دو صفحات میں بہت سے ملتے جلتے کلمات آجائیں اور توافق ظہور میں آجائے، لیکن یہ توافق ناقص ہوگا، اور اگر مکمل طور پر حاصل ہو جائے تو ایک دو صفحات میں ہوگا تمام صفحات میں نہیں۔ لیکن اِدھر معاملہ یہ ہے کہ ''رسول اکرم ﷺ'' کے الفاظ تمام صفحات میں کمال توازن کے ساتھ ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے ہیں، کہیں ایک صفحے میں دوبارہ آگئے ہیں، کہیں تین بار کہیں چار بار اور کہیں اس سے زیادہ بار؛ اس لیے بلا شبہ ایسا اتفاق سے نہیں ہوسکتا بلکہ یہ

توافق کا کرشمہ ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ حاصل ہونے والا یہ توافق جسے آٹھ مختلف کاتب مختلف نسخوں میں تبدیل نہیں کر سکے اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں مضبوط قسم کا اشارہ پایا جاتا ہے؛ کیونکہ جیسے قرآن کی بلاغت اعجاز کے درجے کو پہنچی ہوئی ہے اور کسی کے لیے بھی اس درجے تک پہنچنا ممکن نہیں رہا ہے، اسی طرح ''انیسویں مکتوب'' جو کہ رسول اللہ ﷺ کے معجزات کا آئینہ ہے، اس مکتوب میں پائے جانے والے ''توافقات''؛ اور ''پچیسویں مقالے'' میں جو کہ قرآنی معجزات کا ترجمان ہے، اور ''رسائل نور'' میں جو کہ قرآن پاک کی تفسیر ہیں...... ان سب میں پائے جانے والے توافقات ایسی عجیب و غریب صورت حال کو آشکار کرتے ہیں جو تمام کتابوں پر فوقیت لے جاتی ہے۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ قرآن کے اور رسول کریم ﷺ کے معجزات کی کرامتوں کی ایک قسم ہیں جو ان آئینوں میں جھلملا رہے ہیں اور ان میں نقش ہو گئے ہیں۔

دوسرا اشارہ

قرآنی خدمت کے ساتھ تعلق رکھنے والی دوسری ربّانی عنایت یہ ہے کہ:

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ احسان کیا ہے کہ مجھے کچھ محنتی، سنجیدہ اور مخلص، غیرت مند، فداکار اور جاں نثار قسم کے مضبوط عزم وارادے کے مالک بھائی مہیا کر دیے ہیں جن کے قلم ہیرے کی تلواریں ہیں، اور انہیں دیارِ غربت میں اور میل جول سے منع کیے گئے میرے جیسے تنہا، نیم خواندہ اور قلم سے محروم آدمی کے معاونین بنا دیا ہے، اور قرآنی ذمہ داری کا وہ بوجھ ان مضبوط کندھوں پر رکھ دیا ہے جو میرے کمزور اور عاجز و ناتواں کندھوں پر بہت بھاری محسوس ہوتا تھا اور کمال لطف و کرم کے ساتھ میرا بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔ اور یہ مبارک گروہ ''خلوصی'' کی تعبیر کے مطابق وائرلیس اور ٹیلیگراف ریسیور کی اور صبری کی تعبیر کے مطابق بجلی گھر میں بجلی پیدا کرنے والی مشینوں اور پُرزوں کی حیثیت رکھتا ہے۔ باوجود اس کے کہ ان پہ سب لوگ مختلف امتیازات اور بیش قیمت خصوصیات کے حامل ہیں، بایں ہمہ وہ ذوق وشوق اور غیرت و حمیت، سعی و عمل اور جدوجہد وغیرہ میں ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں، اور یہ چیز بھی — صبری کی تعبیر کے مطابق — غیبی توافقات کی ہی صورت ہے۔

پس ان لوگوں کا اس دور میں (یعنی جس دور میں حروف تبدیل کر دیے گئے ہیں، کوئی پریس موجود نہیں، ہر شخص ایمانی انوار کا محتاج ہے اور سستی و بے عملی پیدا کرنے والے اور ذوق وشوق کو توڑنے والے بہت سے اسباب موجود ہیں...... ایسے دور میں) ان لوگوں کا قرآنی انوار کی نشر واشاعت کرنا اور اُنہیں ہر جگہ تک پہنچا دینا اور اُن کا اس خدمت کو نہایت ذوق وشوق سے سرانجام دینا براہِ راست قرآنی کرامت اور نمایاں قسم کی عنایتِ الٰہیہ ہے۔

جی ہاں؛ جس طرح ولایت کی کرامت ہوتی ہے اُسی طرح خالص نیّت کی بھی ایک کرامت ہوتی ہے، اور خلوص کی بھی ایک کرامت ہوتی ہے، خاص کر اللہ تعالیٰ کے لیے برپا کی گئی خالص اخوت کے دائرے میں بھائیوں کے مابین پائی جانے والی خالص سنجیدہ باہمی پشتیبانی اور ربط وضبط بھی بہت زیادہ کرامتوں کا حامل ہوتا ہے، اس حد تک کہ اس طرح کی جماعت کا معنوی شخص ایک ولی کامل کی حیثیت رکھتا ہے اور عنایاتِ الٰہیہ سے بہرہ وَر ہوتا ہے۔

پس اے قرآن کی خدمت کے میدان میں میرے بھائیو اور ساتھیو!

جس طرح کسی قلعے کو فتح کرنے کا سہرا صرف فوج کے کمانڈر کے سر باندھ دینا اور سارا مالِ غنیمت صرف اُسی کی جھولی میں ڈال دینا ظلم اور غلطی ہے، اسی طرح تمہیں بھی نہیں چاہیے کہ تم لوگ اپنے قلموں سے اور اپنے معنوی شخص کی قوت سے حاصل ہونے والی فتوحات کے طفیل اُمڈنے والی عنایات کا سہرا صرف میرے جیسے نادار مسکین کے سر باندھ دو!

پس بلاشبہ اس طرح کی بابرکت جماعت میں غیبی توافقات سے بھی بڑھ کر بڑے قوی قسم کے غیبی اشارات پائے جاتے ہیں، اور مجھے وہ صاف نظر آرہے ہیں لیکن میں وہ اشارات تمام لوگوں کو اور ہر ایک کو نہیں دِکھا سکتا۔

تیسرا اشارہ

رسائل نور کے اجزا کا شدید ترین ضدّی اور ہٹ دھرم قسم کے لوگوں کے لیے بھی تمام اہم ترین ایمانی اور قرآنی حقائق کا تابناک صورت میں اثبات کر دینا ایک الٰہی عنایت اور قوی ترغیبی اشارہ ہے؛ کیونکہ کچھ ایمانی اور قرآنی حقائق ایسے ہیں جنھیں سمجھنے سے ''ابن سینا'' جیسے پرلے درجے کے دانشور اور دُور اندیش آدمی نے بھی اپنی عاجزی و درماندگی کا اعتراف کرلیا، اور اس نے کہہ دیا کہ ''عقلِ محض کو یہاں کوئی راستہ نہیں ملتا''۔ لیکن وہ حقائق جن تک ابن سینا جیسا عبقری انسان اپنی عقل و دانش کے بل پر بار نہ پا سکا وہ دسواں مقالہ یعنی رسالۂ حشر عوام الناس بلکہ بچوں تک کو سمجھا رہا ہے!

اسی طرح سعد الدین تفتازانی علامۂ روزگار نے مثال کے طور پر ''تقدیر اور ''جزوِ اختیاری'' کے راز کو حل کرنے کی کوشش کی لیکن اپنی ''التلویح'' نامی کتاب کے ''بارہ مقدمات'' والے مضامین میں چالیس پچاس صفحات میں حل کر سکے، اور اس کی تعلیم بھی صرف خاص لوگوں کو ہی دے سکے۔ لیکن رسائل نور نے ان مسائل کو چھبیسویں مقالے کے دوسرے مبحث میں جو کہ تقدیر کے بارے میں بحث کرتا ہے، صرف دو صفحوں میں حل کر دیا ہے، اور ایسے طریقے سے کہ ہر آدمی سمجھ سکتا ہے...... یہ چیز اگر عنایت نہیں تو اور کیا ہے؟

اسی طرح مشکل سے حل ہونے والا یہ طلسم ایک حیرت خیز مُعمّہ یعنی طلسم کائنات اور رازِ تخلیقِ عالم جس نے عقلوں کو حیران کر رکھا ہے اور جس کے راز کی گرہ کسی بھی فلسفے سے نہ کھل سکی؛ قرآن عظیم الشان کے اِعجاز کی برکت سے کھل گئی، یہ

گرہ ''چوبیسویں مکتوب'' میں، اور ''انتیسویں مقالے'' کے آخر میں ''ایک رمزی نکتے'' کے نام سے اور ''تیسویں مقالے'' میں ذرّات کے تحوّلات کی چھ حکمتوں والے مضمون میں کھولی جا چکی ہے۔ ان رسائل نے تخلیق کائنات، اس کے آغاز و انجام اور رازِ ہستی کی چیستان کو حل کر دیا ہے اور ذرّات کے تحوّلات میں پائی جانے والی حکمتوں کو طشت اَز بام کر دیا ہے۔ یہ رسائل سب کے سامنے ہیں انہیں دیکھا جا سکتا ہے۔

اسی طرح سولہویں اور بتیسویں مقالے نے ''اَحدیت''، ربوبیت کی لاشریک وحدت اور ذاتِ الٰہی کی بے انتہا قربت اور ہماری اس سے بے انتہا دُوری کے حیرت خیز حقائق کو کمال وضاحت کے ساتھ آشکار کیا ہے۔

اسی طرح بیسواں مکتوب ہے جس نے کمال وضاحت کے ساتھ بتایا ہے کہ قدرتِ الٰہیہ کے لیے ذرّے اور سیّارے برابر ہیں، اور حشرِ اعظم میں تمام ذی اَرواح کو زندہ کرنا اُس قدرت کے لیے ایک نفس کے زندہ کرنے کے برابر آسان ہے، اور یہ کہ تخلیق کائنات کے باب میں دخل اندازی کا تصوّر عقل سے درجۂ امتناع کی حد تک بعید ہے...... وحدت کے اس عظیم الشان راز کا انکشاف بیسویں مکتوب میں اور اس کی ذیلی بحث میں "وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" کی تشریح کے تحت تین تمثیلوں کے ساتھ کر دیا گیا ہے۔

اسی طرح قرآنی اور ایمانی حقائق میں اتنی وسعت پذیری، ہمہ جہتی اور عالمگیری ہے کہ اس کا احاطہ کسی ذہین ترین انسان کا ذہن بھی نہیں کر سکتا ہے، لیکن اس کے باوجود ان حقائق کی مُطلق اکثریت کا ظہور اپنی تمام نزاکتوں، گہرائیوں اور گیرائیوں سمیت میرے جیسے سمٹے سمٹائے، پراگندہ ذہن اور ژولیدہ حال انسان پر ہو جانا، اور وہ انہیں برق رفتاری سے قلم بند کرتا جا رہا ہے اور اس کے پاس مراجعت یا حوالے کے لیے کوئی کتاب بھی نہیں...... کیا یہ چیز براہِ راست ایک طاقت وَر غیبی اشارہ، عنایتِ ربانیہ کا ایک درخشاں جلوہ اور قرآنِ حکیم کے معنوی اعجاز کا ایک تابندہ نقش نہیں ہے؟

چوتھا اشارہ

پچاس ساٹھ رسالے ایسے ہیں جن کے باب میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی اسی نظرِ عنایت سے نوازے رکھا ہے؛ کیونکہ وہ رسائل میرے جیسے کسی ایسے انسان سے تالیف پا ہی نہیں سکتے جو بہت کم سوچتا ہو، ظہور میں آنے والی قلبی واردات کا پیرو کار رہو، اس کے پاس بحث و نظر اور تحقیق و تدقیق کے لیے وقت نہ ہو بلکہ یہ کام بلند پایہ ذہین لوگوں پر مشتمل تحقیقاتی کمیٹی کا ہے، جبکہ یہ کام اُن کی انتھک محنت اور بے لاگ توجہ سے بھی بروئے کار نہیں آ سکتا...... ان رسائل کا اس انداز سے تالیف پا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کام براہِ راست اللہ تعالیٰ کی عنایت و مہربانی کا کرشمہ ہے؛ کیونکہ ان رسائل میں پائے جانے والے تمام کے تمام گہرے حقائق تمثیلوں کے ذریعے عوام الناس میں سے عام سے عام اور اَن پڑھ لوگوں تک کو پڑھائے اور سمجھائے جاتے ہیں، جبکہ کبار علما کہتے ہیں: اِن میں سے اکثر حقائق سمجھ میں نہیں آتے ہیں، اس بنا پر وہ اُن حقائق کی تعلیم عام لوگوں کو بلکہ خاص لوگوں کو بھی نہیں دیتے ہیں۔

پس حقائق کی تالیف میں اوران کی وضاحت کرنے میں کچھ اس طرح کی غیر معمولی آسان بیانی سے نوازا جانا کہ جس سے سمجھ سوچ سے بعید تر حقائق کچھ ایسے انداز سے بیان کر دیے جائیں کہ سادہ لوح انسان بھی سمجھ جائیں، میرے جیسے شخص کا کام نہیں ہوسکتا جو تر کی زبان پر دسترس نہیں رکھتا، جس کی باتیں اتنی مُغلق ہوتی ہیں کہ اکثر لوگ سمجھ ہی نہیں پاتے ہیں، اور جس کے بارے میں کافی عرصے سے مشہور ہے کہ وہ بالکل ظاہری حقائق کو بھی اُلجھا دیتا ہے، اور جس کی پرانی تالیفات اس کی اس بُری شہرت کی تصدیق بھی کرتی ہیں...... ایسے شخص کے ہاتھوں اتنی سہل بیانی اور آساں نویسی کا ظہور میں آجانا یقینا عنایتِ الٰہیہ کا کرشمہ ہے، قرآنِ کریم کے معنوی اعجاز کا ایک جگمگاتا جلوہ اور قرآنی تمثیلات کو منعکس کرنے والی شکل وصورت ہے، اس کا اپنا کمال نہیں۔

پانچواں اشارہ

رسائلِ نور کے وسیع پیمانے پر پھیل جانے کے باوجود سب سے بڑے عالم سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے عام آدمی تک، اور بڑے سے بڑے نیک ولی سے لے کر ایک فروتر ضدی ملحد فلسفی تک...... جو کہ لوگوں کے مختلف طبقات کی نمائندگی کرتے ہیں...... ان میں سے کسی کا بھی ان رسائل پر تنقید نہ کرنا۔ حالانکہ یہ ان کے سامنے ہیں وہ انہیں دیکھتے اور پڑھتے ہیں اور ہر گروہ نے اپنے اپنے درجے کے حساب سے ان سے فائدہ بھی اُٹھایا ہے اور کچھ گروہ اس کے طمانچوں اور تھپڑوں کی زد میں بھی آئے ہیں...... میں کہتا ہوں کہ یہ سب ربانی عنایت اور قرآنی کرامت کی علامت ہے۔

پھر اس ڈھب کے رسائل جو کہ بہت زیادہ چھان بین اور گہری تحقیق وجستجو کے بعد لکھے جاتے ہیں اور غیر معمولی سرعت کے ساتھ میرے افکار وادراک کو پریشان کر دینے والے انقباضِ خاطر اور تنگی کے عالم میں لکھے اور لکھوائے جاتے ہیں؛ یہ سب عنایتِ ربانی اور اکرامِ الٰہی کے نتیجے کے سوا اور کچھ نہیں۔

جی ہاں؛ میرے تمام بھائی، میرے پاس رہنے والے تمام دوست اور تمام نسخہ نویس یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ انیسویں مکتوب کے پانچوں اجزا کسی بھی کتاب کی طرف مراجعت کیے بغیر ہر روز تین یا چار گھنٹوں کے حساب سے کچھ دنوں میں اور مجموعی طور پر بارہ گھنٹوں میں لکھے گئے، حتیٰ کہ چوتھا اہم ترین جز جس نے ''رسولِ کریم ﷺ'' کے جملے کے ذریعے ختم نبوت کو واضح طور پر آشکار کیا ہے، یہ جز محض حافظے کے بل پر پہاڑوں کے کونوں کھدروں میں اور بارش کے نیچے لکھا گیا۔

اسی طرح ''تیسواں مقالہ'' جو کہ ایک جلیل القدر گہرا رسالہ ہے ایک باغ میں چھ گھنٹوں کے عرصے میں لکھا گیا۔ اسی طرح اٹھائیسواں مقالہ ''سلیمان'' کے باغ میں دو گھنٹوں سے بھی کم عرصے میں لکھا گیا۔

دیگر زیادہ تر رسائل بھی اسی طرح تالیف ہوئے۔

اور میرے قریب تر رہنے والے لوگ جانتے ہیں کہ میں اس سے پہلے جب کبھی گھٹن کا شکار ہوتا تھا، واضح ترین حقائق کو بیان کرنے سے عاجز آجاتا تھا، بلکہ ان سے لاعلم ہو جاتا تھا، اور خاص کر جب مرض اس گھٹن سے بڑھ جاتا میں تدریس وتالیف کے کام سے رُک جاتا تھا۔ جبکہ اہم ترین ''مقالات'' اور اسی طرح دیگر رسائل مرض اور گھٹن کے شدید ترین اوقات میں لکھے گئے اور تیز ترین رفتار سے کم سے کم وقت میں مکمل ہو گئے۔ پس یہ چیز اگر براہِ راست اکرامِ ربانی اور قرآنی کرامت نہیں تو اور کیا ہے؟

پھر کوئی بھی کتاب جب اس طرح کے الٰہی اور ایمانی حقائق کو زیرِ بحث لاتی ہے تو اس کے بعض مسائل بہر حال بعض لوگوں کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں، اس بنا پر ہر مسئلہ ہر ایک کے لیے نشر نہیں کیا جاتا ہے، جبکہ ان رسائل نے نہ تو ابھی تک کسی کو کوئی نقصان پہنچایا ہے، عکسِ عمل کی طرح کسی میں بُری تاثیر نہیں چھوڑی ہے اور نہ ہی کسی ذہن کو مخدوش کیا ہے۔ اِس ضمن میں مَیں بہت سے لوگوں سے پوچھ بھی چکا ہوں۔ اس سے ہمارے نزدیک یہ بات متحقق ہو گئی ہے کہ یہ چیز براہِ راست ایک غیبی اشارہ اور ربانی عنایت ہے۔

چھٹا اشارہ

میرے ہاں یہ بات یقینی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ میری زندگی کے اکثر احداث وواقعات میرے اختیار واقتدار اور شعور وتدبیر کی بساط سے باہر چلتے ہیں؛ کیونکہ ان واقعات کو قرآن کریم کی خدمت کرنے والے اس طرح کے رسائل کو جنم دینے کے لیے ایک معین روانی عطا کر دی گئی ہے اور انہیں ایک عجیب وغریب جہت بخش دی گئی ہے۔ بلکہ میری تمام کی تمام علمی زندگی ''مقالات'' کے ذریعے اعجازُ القرآن کو بیان کرنے کے لیے تمہیدی مقدمات کی حیثیت رکھتی ہے، حتی کہ بغیر کسی سبب کے اور وجہِ جواز کے اور میری چاہت کے برعکس میری جلاوطنی، شہر بدری اور تنہائی کی اِس سات سالہ زندگی کے دوران، لوگوں سے دور میرے مشرب کے برخلاف دُور دراز کی ایک بستی میں میری زندگی کے دن گزرنا اور میرا اپنے سابقہ تمام اجتماعی تعلقات وروابط سے علیحدہ ہو جانا...... ان تمام چیزوں نے مجھ میں کسی بھی شک وشبہ سے خالی یہ کامل اطمینان پیدا کر دیا کہ یہ سب کچھ مجھے قرآن کی خالص اور کسی بھی شائبہ سے پاک صاف خدمت کرنے کے لیے تیار کرنے کا ساز وسامان ہے۔

بلکہ مجھے اس ضمن میں مکمل اطمینان حاصل ہو چکا ہے کہ یہ سختیاں جو مجھ پر یہ لوگ بسا اوقات روا رکھے ہوئے ہیں اور وہ مصیبتیں اور دشواریاں جن کی چکی میں مَیں پس رہا ہوں؛ یہ سب مجھے ایک خفیہ مہربان ہاتھ کے لطف وعنایت کے ذریعے اپنی نظر کو صرف اور صرف قرآن کریم کے اسرار ورموز میں منحصر کر لینے کے لیے آمادہ کرنے اور اسے اِدھر اُدھر بھٹکنے سے روکنے کے لیے ہے۔ اور باوجود اس کے کہ میں مطالعہ کا بہت شوقین تھا، میری روح میں قرآن کریم کے علاوہ کسی بھی دوسری کتاب سے کنارہ کش رہنے کی رغبت ڈال دی گئی ہے۔

تب مجھے اس بات کا ادراک ہو گیا کہ مطالعہ جو کہ اس اجنبیت میں میرا واحد تسلّی کا سامان ہے، اس سے مجھے صرف اس بنا پر روک دیا گیا ہے کہ صرف اور صرف قرآنی آیات ہی میرا مطلق اُستاد ہیں۔

پھر تالیف شدہ رسائل اور کتابیں — مطلق اکثریت کے ساتھ — میری روح میں جنم لینے والی ضرورت کے تحت مجھے کسی بھی بیرونی سبب کے بغیر اچانک انعام کر دی گئی ہیں، اور میں یہ رسائل جب اپنے بعض دوستوں کے سامنے ظاہر کرتا تھا تو وہ کہتے تھے: ''یہ اس دور کے زخموں کی دوا ہیں'' اور جب یہ پھیل گئے تو مجھے اپنے اکثر بھائیوں سے پتا چلا کہ یہ اس دور کی ضرورت کو پورا کرتے ہیں اور اس کے زخموں کے لیے مرہم مہیا کرتے ہیں۔

یہ حالات جو ابھی بیان کیے گئے ہیں — اور یہ میری بساط میرے ارادے کے دائرے، میرے شعور اور میری حالات زندگی سے باہر ہیں — اور علوم و معارف کے بارے میں میرا علما کے انداز سے ہٹ کر تحقیق و جستجو کا ایسا انداز جو خود میرے بھی اختیار میں نہیں ...... اِن تمام باتوں سے مجھے اس بات میں قطعاً شبہ نہ رہا کہ یہ سب اس بلند پایہ نتیجے تک لے جانے کے لیے ایک قوی قسم کی عنایتِ الٰہی اور واضح قسم کا اکرامِ ربانی ہے۔

ساتواں اشارہ

اپنی اس خدمت کے پانچ چھ سالہ دور میں ہم اپنی آنکھوں سے اِکرامِ الٰہی، عنایتِ ربانی اور کرامتِ قرآنی کے سینکڑوں اثرات کا مشاہدہ کر چکے ہیں۔ اور یہ بات کسی بھی مبالغے سے بالاتر ہے۔ ان میں سے بعض اثرات کی طرف ہم ''سولہویں مکتوب'' میں اشارہ کر چکے ہیں، بعض کی وضاحت ''چھبیسویں مکتوب'' کے چوتھے مبحث کے متفرق مسائل میں اور بعض کی ''اٹھائیسویں مکتوب'' کے تیسرے مسئلے میں کر چکے ہیں۔ میرے قریبی ترین ساتھیوں کو اس بات کا علم ہے، اور خاص کر میرا دائمی ہم نشیں ''سلیمان'' ان میں سے اکثر مسائل کا بخوبی علم رکھتا ہے۔ اور خصوصی طور پر قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ہم رسائل و مقالات کی نشر و اشاعت، تصحیح و تنقیح و ترتیب اور تبییض و تسوید کے سلسلے میں کراماتی انداز سے اُمیدوں سے بڑھ کر آسانیوں سے نہال ہو جاتے ہیں۔ اب اس چیز کے بعد ہمیں اس بات میں ذرا بھی شک نہیں رہا کہ یہ سب قرآنی کرامت ہے۔ اور اس کی ہمارے پاس سینکڑوں مثالیں ہیں۔

پھر معیشت اور گزر اوقات کے باب میں ہمارا پالن پوشن اتنی شفقت کے ساتھ ہو رہا ہے کہ ہم سے خدمت لینے والی صاحب عنایت ہستی ہمارے دل کے چھوٹے سے چھوٹے مطالبات ہماری اُمیدوں سے بڑھ کر ایسی جگہ سے پوری کر دیتی ہے کہ جو ہمارے شان گمان میں بھی نہیں ہوتی!

پس یہ حالت اس بات کی طرف ایک قوی تر اشارہ ہے کہ یہ قرآنی خدمت ہم سے لی جا رہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے دائرے میں اور اس کی عنایت و مہربانی کے سائے میں ہمیں اس قرآنی خدمت کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ھٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ

﴿سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ﴾

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَاةً تَكُوْنُ لَكَ رِضَاءً وَلِحَقِّهٖ اَدَاءً وَعَلٰی آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا آمین۔

ایک خاص سوال کا جواب

[اس عنایت الٰہیہ کا راز ایک خاص پرائیویٹ معاملہ تھا، اسے ''چودھویں مقالے'' کے آخر میں لگا دیا گیا تھا، لیکن کسی بھی وجہ سے اکثر نسخہ نویسوں سے بھول ہوئی اور وہ اسے نہ لکھ پائے جس کی بنا پر یہ مخفی و مستور رہا۔ اس لیے اب اس کی اصل جگہ یہی ہے، اور یہ جگہ اس کے لیے موزوں ترین ہے۔]

میرے بھائی! آپ یہ پوچھتے ہیں کہ:

آپ نے قرآنِ کریم کے فیضان سے جو ''مقالات'' لکھے ہیں اُن میں ایک غیر معمولی قوت اور تاثیر کیوں ملتی ہے جو دیگر مفسرین و عارفین کے ہاں بہت کم ملتی ہے؟ کیونکہ بسا اوقات یہاں ایک کلمے میں پُورے ایک صفحے کے برابر قوت پائی جاتی ہے، اور کبھی ایک صفحے میں پوری کتاب کی قوت ہوتی ہے؟

جواب: یہ جواب بہت پیارا ہے۔ میں بغیر کسی لگی لپٹی کے اور بلا تکلف کہتا ہوں کہ: اس لیے کہ اس شرف کا سرچشمہ اعجاز القرآن ہے میں نہیں ہوں۔

جی ہاں؛ اکثریت اور اغلبیت کے اعتبار سے ایسے ہی ہے؛ کیونکہ یہ مقالات:

تصور نہیں تصدیق ہیں۔[1]

تسلیم نہیں ایمان ہیں۔[2]

معرفت نہیں شہادت و شہود ہیں۔[3]

تقلید نہیں تحقیق ہیں۔[4]

---

[1] تصدیق: خبر دینے والے کی طرف اپنے اختیار سے سچائی کی نسبت کر دینے کو تصدیق کہتے ہیں۔ لیکن اگر خبر دینے والے کی طرف سچ یا جھوٹ یا نفی و اثبات کی نسبت نہ جائے بلکہ صرف خبر کا ادراک ہو جائے تو وہ تصوّر ہے۔ (مترجم)

[2] مراد ''اسلام''، یعنی یہ بظاہر مان لینا ہے، سورۂ حجرات کی آیت "قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا" کی طرف اشارہ ہے۔ (مترجم)

[3] شہادت: آنکھوں دیکھی خبر دینا۔ شہود: حق کی معرفت حق کے ذریعے کرنا اور معرفت کسی چیز کا اسی شکل میں ادراک کر لینا جس شکل میں وہ دراصل ہے۔ (مترجم)

[4] تحقیق: کسی مسئلے کو اس کی دلیل کے ساتھ ثابت کرنا تحقیق اور کسی کے قول کو بغیر دلیل و حجت کے قبول کر لینا تقلید۔ (مترجم)

التزام نہیں اذعان ہیں۔[1]

تصوّف نہیں حقیقت ہیں۔

صرف دعویٰ نہیں دعویٰ کے ضمن میں برہان ہیں اور اس راز میں حکمت یہ ہے کہ:

پہلے زمانوں میں ایمانی اصول مضبوط اور محفوظ تھے، سرِ تسلیم خم کر دینے کا جذبہ قوی اور کامل تھا۔ فروع میں اصحابِ معرفت کے توضیحی بیانات بغیر دلیل کے بھی کافی ووافی اور قابلِ قبول ہوتے تھے۔

لیکن اس دور میں سائنسی گمراہیاں ایمان کی بنیادوں پر اور اس کے ارکان پر دست درازی کر چکی ہیں، اس بنا پر اس حکیمُ الرحیم ذوالجلال نے جو ہر بیماری کو اس کے مطابق دوا مہیا کرتا ہے۔ اُس نے میری عاجزی و درماندگی اور میرے فقر وضعف پر ترس کھاتے ہوئے مجھ پر یہ احسان کیا کہ مجھے قرآن کی اُن تمثیلات کے ایک شعلے سے نواز دیا جو قرآن کریم کے اعجاز کا ایک تابندہ ترین مظہر شمار ہوتی ہیں، تا کہ میں اس شعلے کے ساتھ اپنی ان کتابوں کو روشن کر سکوں جو خاص طور پر قرآن کریم کی خدمت کے لیے لکھی گئی ہیں۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ، تمثیل والے راز کی دُوربین کے ذریعے بعید ترین حقائق کو انتہائی قریب کر کے ظاہر کر دیا گیا۔

اسی طرح تمثیل کے راز میں پائی جانے والی جہت وحدت کے ذریعے متفرق اور پراگندہ تر مسائل کو یکجا کر دیا گیا۔

اور اسی طرح تمثیل کے راز کی سیڑھی کے ذریعے انتہائی آسانی کے ساتھ بلند ترین حقائق تک پہنچ حاصل کر لی گئی اور پھر اسی طرح تمثیل کے راز کی کھڑکی کے ذریعے غیبی حقائق اور اسلامی بنیادوں کے بارے میں شہود کے قریب قریب والا ایمانی یقین حاصل ہو گیا۔

چنانچہ عقل کے ساتھ ساتھ وہم وخیال حتیٰ کہ نفس و ہویٰ بھی سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گئے، اور شیطان بھی ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گیا۔

حاصل کلام

میری کتابوں میں جو بھی حسن و جمال اور قوتِ تاثیر پائی جاتی ہے سب کی سب قرآنی تمثیلات کی جھلکیاں ہیں۔ میرا حصہ ان میں صرف اپنی شدید ضرورت، انتہائی قسم کی عاجزی و درماندگی اور گریہ زاری کے ساتھ دستِ طلب دراز کیے رکھنا ہے۔ پس بیماری میری ہے اور دوا قرآن کی۔

---

[1] اِذعان دل کے عزم کو اور عزم وارادے کی پختگی کو کہتے ہیں۔ اور التزام کا مطلب ہے کسی چیز کو اپنے لیے ضروری قرار دے لینا اگرچہ وہ ضروری نہ بھی ہو۔ (مترجم)

ساتویں مسئلے کی اختتامی بحث

[اس بحث میں خصوصی طور پر ان اَوہام کا اِزالہ کیا گیا ہے جو عنایاتِ الٰہیہ کی آٹھ صورتوں میں وارد ہونے والے غیبی اشارات پر وارد ہوئے ہیں یا ہو سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں عنایاتِ الٰہیہ کے ایک بہت بڑے راز کو آشکار کیا گیا ہے۔]

یہ اختتامی بحث چار نکات پر مشتمل ہے:

پہلا نکتہ

ہم نے ''اٹھائیسویں مکتوب'' کے ساتویں مسئلے میں ''توافقات'' کے ذکر کے ضمن میں اپنے ایک غیبی اشارے کے جلوے کے مشاہدے کا دعویٰ کیا۔ اس اشارے کا احساس ہمیں آٹھ کلّی قسم کی سات آٹھ معنوی عنایات سے ہوا تھا۔ اور اس اشارے کے جلوے کا مشاہدہ ہم نے ''آٹھویں عنایت'' نامی ''توافقات'' کے عنوان کے تحت کیا تھا اور ہم اس بات کا دعویٰ کرتے چلے آرہے ہیں کہ یہ سات یا آٹھ عنایات اتنی قوی اور قطعی ہیں کہ اِن میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ مستقل طور پر ان غیبی اشارات کا اثبات کرتی ہے۔ اور اگر ان میں سے کوئی — بفرضِ محال — کمزور بھی نظر آئے، بلکہ اگر کسی کا انکار بھی کر دیا جائے تو یہ چیز اس غیبی اشارے کی قطعیت میں خلل انداز نہیں ہوگی؛ کیونکہ جو ان آٹھ عنایات کا انکار نہیں کر سکے گا وہ ان اشارات کا بھی انکار نہیں کر سکے گا۔

لیکن لوگوں کے طبقات مختلف ہیں، اور عوام کا طبقہ جو کہ اکثریت کی نمائندگی کرتا ہے، زیادہ تر اپنے مشاہدے اور آنکھوں دیکھی بات پر اعتماد کرتا ہے، اس لیے میں ''توافقات'' پر وارد ہونے والے اوہام کے دفعیہ کی غرض سے حقیقت کو موازنے کی صورت میں بیان کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں، اس لیے نہیں کہ یہ حقیقت سب سے زیادہ قوی ہے، بلکہ اس لیے کہ یہ ان آٹھ عنایات میں سے سب سے زیادہ ظاہر اور عام ہے، اگرچہ دوسری عنایات بھی کچھ کم قوی نہیں ہیں۔ اور یہ اس لیے کہ ہم نے اس ظاہری عنایت کے بارے میں کہا تھا۔

ہمارے تالیف کردہ رسائل میں ''قرآن'' اور ''رسول اکرم ﷺ'' کے الفاظ میں ''توافقات'' کچھ اس انداز سے نظر آتے ہیں کہ اس قسم کے شبہے کی گنجائش ہی نہیں چھوڑتے ہیں کہ انہیں قصد اور ارادے سے منظم کیا گیا ہے اور متوازی وضع قطع دے دی گئی ہے! اور اس بات کی دلیل کہ یہ کام ہمارے قصد و ارادے سے نہیں ہوا ہے، یہ ہے کہ ہمیں ان توافقات کے بارے میں تین چار سال کے بعد پتا چلا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ کوئی غیبی قصد و ارادہ اور عنایتِ الٰہیہ کا اثر تھا۔ اور ان دو کلمات کو ''توافق'' کی صورت میں یہ عجیب و غریب کیفیت اور وضع قطع فقط قرآنِ کریم اور رسولِ

اکرم ﷺ کے معجزات کا اِثبات کرنے کے لیے دی گئی ہے، اوران دو کلمات کی برکت قرآن پاک اور رسول کریم ﷺ کے معجزات کی تصدیق کے لیے مُہر کی حیثیت اختیار کرگئی ہے۔

بلکہ اسی طرح ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت رکھنے والے تمام کلمات بھی کثرت کے ساتھ ''توافق'' کا مظہر بن چکے ہیں لیکن یہ چیز چند محدود صفحات کے ساتھ خاص ہے، البتہ یہ دو کلمات ان دونوں رسالوں میں مکمل طور پر اور اکثر رسائل میں جا بجا نظر آتے ہیں۔

لیکن ہم نے کئی دفعہ بتایا ہے کہ اس توافق کی بنیاد دیگر کتابوں میں بھی پائی جاتی ہے، لیکن اس عجیب وغریب درجے میں نہیں جو بلند قصد اور بلند ارادے پر دلالت کرتا ہو!

پس باوجود اس کے کہ ہمارے اس دعوے کا توڑ موجود نہیں، تاہم پھر بھی ظاہری نظر سے اس میں ایک دو جہتیں ایسی نظر آتی ہیں جیسے باطل اور بے جوڑ سی ہوں!

پہلی جہت: آپ لوگوں نے تھوڑے سے غور وفکر کے بعد ایسے توافق ایجاد کر لیے ہیں، اور قصد وارادے کے ساتھ اس طرح کام کر لینا کچھ مشکل نہیں!

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں:

کسی بھی دعوے کو ثابت کرنے کے لیے دو سچے گواہ کافی ہیں۔ اور ہمارے اس دعوے کے تو سینکڑوں گواہ موجود ہیں! صرف یہ ہوا ہے کہ ہمیں اس بات کا پتا تین چار سال کے بعد لگا، اور اس میں ہمارے قصد وارادے کا کوئی تعلق نہیں!

اس مناسبت سے میں ایک نقطے کی وضاحت کرتا ہوں:

یہ اعجازی کرامت اس انداز کی نہیں ہے جیسے قرآنِ حکیم بلاغت کی رُو سے اعجاز کا درجہ رکھتا ہے؛ کیونکہ انسانی طاقت بلاغت کی راہ میں چل کر قرآن کے بلاغی معجزے کے درجے کو نہیں پہنچ سکتی!

چونکہ یہ اعجازی کرامت انسانی قدرت سے حاصل نہیں ہوسکتی اور قدرت کا اس میں کوئی عمل دخل ہے بھی نہیں! اس لیے اگر دخل اندازی ہوجائے تو تکلف اور بدنظمی کا شکار رہے گی۔[1]

---

[1] کسی ایک نسخے میں ''انیسویں مکتوب'' کے ''اٹھارہویں'' اشارے میں ہم نے ''قرآن کریم'' کے نو کلمات کے نیچے خط کھینچا تو اُن کے مجموعے سے لفظِ ''محمد ﷺ'' بن گیا۔ اور اس کے بالمقابل صفحے میں ''قرآن کریم'' کے آٹھ کلمات میں توافق پایا گیا اور ان کے مجموعے سے لفظ ''اللہ'' بن گیا! ان توافقات میں اس طرح کی بہت سی نادر مثالیں پائی جاتی ہیں۔ (مؤلف)
نوٹ: اس حاشیے کی حقیقت ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔
''بکر، توفیق، سلیمان، غالب، سعید''۔

تیسرا نکتہ

خاص اشارے اور عام اشارے کی مناسبت سے ہم ربوبیت و رحمانیت کے رازوں میں سے ایک گہرے راز کی طرف اشارہ کریں گے۔

ہمارے ایک بھائی نے ایک بہت خوبصورت بات کہی تھی، آپ اُس بات کو اِس مسئلے کا موضوع بنا سکتے ہیں۔ وہ بات یہ ہے:

ایک دن میں نے اُسے ایک خوبصورت توافق دکھایا تو اُس نے کہا: بہت خوب! پس ہر حقیقت خوبصورت ہے لیکن ان مقالات میں حاصل ہونے والی ''توفیق'' اور ''توافقات'' خوبصورت ترین ہیں! تو میں نے بھی کہا: جی ہاں؛ ہر چیز یا تو حقیقت میں خوبصورت ہے، یا ذاتی طور پر خوبصورت ہے، یا پھر اپنے نتائج کے اعتبار سے خوبصورت ہے۔ اور اس خوبصورتی کی نظر ربوبیتِ عامہ، رحمت کی شمولیت اور عام تجلّی کی طرف ہے۔ اور اس ''توفیق'' میں پایا جانے والا غیبی اشارہ خوبصورت ترین ہے؛ کیونکہ یہ ایسے انداز سے واقع ہوا ہے کہ اس کی نظر خاص رحمت، خاص ربوبیت اور خاص تجلّی کی طرف ہے۔ اسے ہم ایک تمثیل کے ساتھ قریبُ الفہم بناتے ہیں:

کسی بھی بادشاہ کی شاہانہ مرحمت کا اُس کے قانون اور عمومی سلطنت کے ذریعے قوم کے تمام افراد کو شامل ہونا ممکن ہے، چنانچہ ہر فرد براہِ راست اس بادشاہ کے لطف و کرم اور اس کی سلطنت کا مظہر ہوتا ہے یعنی اس عمومی صورت کے ضمن میں افراد بہت سے خصوصی تعلقات کے حامل ہوتے ہیں۔

دُوسری جہت: اس کے خصوصی احسانات و اوامر کی ہے۔ چنانچہ وہ اس عمومی قانون سے اُوپر اُٹھ کر کسی فرد کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرتا ہے اور اُسے خصوصی توجہ کے ساتھ نوازتا ہے۔ اب اس تمثیل کی روشنی میں یہ سمجھو کہ ہر چیز ذاتِ واجبُ الوجود اور خالقِ حکیم الرحیم کی ربوبیتِ عامہ اور رحمتِ شاملہ سے بہرہ یاب ہے۔ مطلب یہ کہ ہر چیز اپنے اپنے حصے میں آئی ہوئی جہت میں کسی خاص صورت میں اس کے ساتھ وابستہ ہے اور وہ اپنی قدرت اور علمِ محیط کے ذریعے ہر چیز کے چھوٹے سے چھوٹے معاملے میں اُس کا تصرّف، اُس کا عمل دخل اور اُس کی ربوبیّت کارفرما ہے، چنانچہ اس چیز کے تمام حالات و معاملات کا فیصلہ اس کے علم اور اس کی حکمت کی روشنی میں ہوتا ہے۔

اس لیے نیچر کی یہ مجال نہیں کہ اس کی ربوبیت کے تصرّف کے دائرے میں چھپ جائے یا تاثیر کی براہِ راست مالک بن جائے اور اس دائرے میں دخل اندازی کر سکے! اور نہ ہی تصادُف یا اتفاق کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اُس کی حکمت کے حسّاس میزان کے دائرے میں پائے جانے والے شؤون و معاملات میں کوئی دخل اندازی کر سکے!

ہم نے رسائلِ نور میں بیس جگہوں پر قرآن کریم کی تلوار کے ساتھ اتفاق اور نیچر کی نفی کر دی ہے اور انہیں معدوم کر

کے رکھ دیا ہے اور قطعی دلائل کے ساتھ ثابت کر دیا ہے کہ یہ دونوں کسی بھی تاثیر کے مالک نہیں ہیں اور اُن کی اِن اُمورو معاملات میں دخل اندازی محال ہے!

لیکن اہلِ غفلت ربوبیتِ عامہ کے ظاہری اسباب کے دائرے میں پائے جانے والے اُن تمام اُمور کو "اتفاق" کا نام دے دیتے ہیں جن کے اسباب اور حکمتیں ــــ ان کی نظر میں ــــ سمجھ سے باہر ہوتی ہیں، اور بعض افعالِ الٰہیہ کہ جن کی حکمتوں کا احاطہ نہیں ہوسکتا، اُن کے قوانین نیچر کے پردے کے نیچے چھپے ہوئے ہیں وہ انہیں دیکھ نہیں سکے اور ان کی پہنچ صرف نیچر تک ہی رہی۔

دوسری

اُس کی خاص ربوبیت، اس کا خصوصی التفات اور اس کی خصوصی رحمانی امداد ہے، اور وہ اس طرح ہے کہ اسمِ گرامی "الرحمٰن الرّحیم" اُن افراد کی مدد کرنے کے اور خصوصی تعاون کے لیے لپکتے ہیں اور انہیں ان سختیوں سے نجات دلاتے ہیں جو عام قوانین کی تنگیاں اور سختیاں برداشت نہیں کر پاتے ہیں۔

اسی بنا پر ہر جاندار اور خاص کر انسان ہر آن اُسی سے مدد مانگتا ہے اور اُس سے تعاون چاہتا ہے۔

پس اس کے احسانات جو اس کی خصوصی ربوبیت میں پائے جاتے ہیں، ــــ حتی کہ اہلِ غفلت کے ہاں بھی ــــ نہ تو "اتفاق" کے تحت چھپ سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں نیچر کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے۔

پس اس راز کی روشنی میں ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ "قرآنی معجزات" اور "معجزاتِ رسول ﷺ" میں پائے جانے والے غیبی اشارات خصوصی اشارات ہیں اور ہمیں اس بات کا یقین ہوگیا ہے کہ یہ کوئی خصوصی امداد اور خاص عنایت ہے جو خود کو ضدی اور عناد پرست لوگوں کے مقابلے میں آشکار کر رہی ہے۔ اور اس چیز کا اعلان ہم نے محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے کیا ہے۔

اس ضمن میں ہم سے اگر کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو اللہ ہمیں معاف فرمائے۔ آمین!

﴿رَبَّنَا لاَ تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا﴾

☆ ☆ ☆



استاد بدیع الزمان کی وہ تصویر جو اس وقت لی گئی جب وہ پہلے پہل ''بارلا'' میں تشریف لائے۔

میرے بھائیو! میں آپ لوگوں کے لیے ایک ایسے نظریے کی وضاحت کروں گا جو آپ کو ایک اُستاد، طالب علموں اور ہم درسوں کے درمیان تعلقات کے بارے میں فائدہ دے گا، اور وہ یہ ہے کہ آپ لوگ ایک جہت سے تو میرے شاگرد ہیں، اور یہ بات میری اوقات سے بڑھ کر ہے، دوسری جہت سے میرے ہم درس ہیں، اور تیسری جہت سے میرے معاون اور مشیر ہیں۔

میرے عزیز بھائیو! تمہارا اُستاد معصوم عنِ الخطا نہیں، بلکہ یہ سمجھنا بھی خطا ہوگا کہ وہ خطا نہیں کرتا؛ کیونکہ اگر ایک باغ میں ایک خراب سیب باغ کے لیے نقصان دہ نہیں ہوتا، اور جیسے کسی خزانے میں ایک کھوٹے سکے کا وجود خزانے کی قیمت کم نہیں کرتا، اِسی طرح ایک نیکی کے بدلے میں دس نیکیاں اور برائی کے بدلے میں صرف ایک برائی کے راز کی رُو سے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ کسی برائی کا یا کسی غلطی کا وقوع پذیر ہو جانا دل کو گدلا نہ کرے اور دوسری نیکیوں پر اعتراض کرنے کے لیے آمادہ نہ کرے؛ کیونکہ حقائق کے ساتھ تعلق رکھنے والے مسائل ایسے صریح اور قطعی ہیں کہ ان میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے؛ کیونکہ ان مسائل کے کلّیات اور بعض تفصیلات الہامی قسم کی ہیں۔

میرے بھائیو اور میرے ہم درسو! یاد رکھو: تمہیں اگر میری کسی غلطی کا پتا چل جائے، اور تم لوگ مجھے اُس کے بارے میں بلا تکلف بتا دو تو میں بہت خوش ہوں گا، بلکہ اگر تم مجھے اس کی وجہ سے ہدفِ تنقید بھی بناؤ تو میں تم سے کہوں گا: جزاکم اللہ خیرا؛ کیونکہ حق کا خیال رکھنا ضروری ہے، اور اس راہ میں مخلوق کی طرف التفات نہیں کیا جاتا، اور نفس امّارہ کی انانیت کو راضی کرنے کے لیے کسی حقیقت کو رد نہیں کیا جاتا، بلکہ ہم حق کے مقام کی پاسداری کرتے ہوئے حقیقت کو سر آنکھوں پر رکھتے ہیں، اگر چہ اس کی ماہیّت کا پتا نہ بھی چلا سکیں۔

اور تم لوگ یہ تو جانتے ہی ہو کہ اس دور میں یہ ایمانی وظیفہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے؛ اس لیے یہ وظیفہ کسی میرے جیسے کمزور، پراگندہ فکر اور حیلہ و وسیلہ سے محروم شخص کے کندھوں پر نہیں رکھا جانا چاہیے، بلکہ حتّی المقدور اس کی مدد کرنے کے لیے کمر بستہ رہنا چاہیے۔

اور دو سال سے ہمارے شب و روز حقائقِ جلیلہ کے ساتھ گزر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال رحمت سے بڑے لطیف توافقات سے نوازا ہے جو کہ پھلوں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں، چنانچہ اِن پھلوں کے ذریعے اس نے ہمارے ذہنوں کو لطیف بنا دیا ہے اور مالا مال کر دیا ہے اور انہیں جلیلُ القدر قرآنی حقیقت کی طرف متوجّہ کر دیا ہے، اور ان پھلوں کو ہماری روحوں کی غذا اور روزی بنا دیا ہے، چنانچہ یہ پھل کھجوروں کی طرح ایک ہی وقت میں پھل اور غذا بن گئے ہیں۔ اور حقیقت، زینت اور امتیازی حیثیت ایک ساتھ اکٹھی ہو گئی ہیں۔[1]

---

[1] مطلب یہ ہے کہ ان حقائق میں وہ چیزیں جو ضروری ہیں اُن چیزوں کے ساتھ یکجا ہو گئی ہیں جو آرائش و زیبائش اور با کمال بنانے کا کام دیتی ہیں۔

میرے بھائیو! ہم اس زمانے میں ضلالت وغفلت کا مقابلہ کرنے کے لیے کسی عظیم معنوی قوت کے محتاج ہیں، لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ میں اپنی ذات کی طرف دیکھتا ہوں تو خود کو انتہائی کمزور اور مفلس پاتا ہوں، میں کسی خارقِ عادت کرامت کا مالک نہیں کہ جس کے ذریعے یہ حقائق ثابت کرسکوں، اور نہ ہی میرے پاس وہ قُدسی ہمت ہے جس کے ذریعے میں دلوں کو اپنی طرف کھینچ سکوں، اور نہ ہی میں کسی عُلوی صلاحیت کا مالک ہوں کہ اس کے ساتھ عقلوں کو مسخر کرلوں، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ میں قرآنِ حکیم کی بارگاہ میں ایک داد چاہنے والا خادم بن جاؤں، اس کے بعض اسرار طلب کروں تاکہ ہٹ دھرم قسم کے اہلِ ضلالت کے عناد کا قلع قمع کرسکوں اور انہیں انصاف کی چوکھٹ پر کھڑے ہونے کے لیے مجبور کردوں۔ میں توافقات میں قرآنی کرامت کے قبیل کی الٰہی کرامت دیکھ چکا ہوں۔

جی ہاں، میں ''اشاراتُ الاعجاز'' اور ''رسالۃُ الحشر'' میں جو کہ قرآن سے ٹپکے ہیں، ایک قطعی اشارہ محسوس کرچکا ہوں۔ پس یہ دونوں کتابیں میرے نزدیک قرآنی کرامت ہیں، اِن کی کوئی نظیر موجود ہو یا نہ ہو۔

☆ ☆ ☆

میرے عزیز، وفادار اور محنتی بھائی! آپ جو قرآنی وظیفہ ادا کررہے ہیں تمام کا تمام بابرکت ہے، میری اللہ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو توفیق سے نوازے اور سستی اور کاہلی کو آپ سے دور رکھے اور آپ کو مزید ہمت ارادے اور نشاط سے نوازے۔

میں آپ کو اخوت اور بھائی چارے کا ایک دستور بتاتا ہوں جسے ہمہ وقت آویزۂ گوش بنا کر رکھنا چاہیے، اور وہ یہ ہے کہ: زندگی وحدت اور اتحاد کے نتیجے کے سوا اور کچھ نہیں، اور اس باہم آمیختہ اتحاد کے زائل ہوجانے سے معنوی زندگی ختم ہوجاتی ہے، جیسے کہ اس کی طرف اللہ تعالٰی کے اس فرمان گرامی نے اشارہ کیا ہے: ﴿وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ﴾

جیسے کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ اگر تین الف علیحدہ علیحدہ لکھے جائیں تو اُن کی قیمت تین ہوگی، لیکن اگر انہیں عددی تساند کے ساتھ لکھا جائے تو اُن کی قیمت ایک سوایک ہوگی، یہی صورتِ حال آپ لوگوں کی ہے؛ اور وہ اس طرح کہ آپ لوگوں جیسے تین چار خدّامِ حق اگر اعمال کو آپس میں تقسیم کیے بغیر انفرادی طور پر حرکت میں آئیں گے تو اُن کی قوت تین یا چار آدمیوں کی ہوگی، لیکن اگر وہ حقیقی اخوت کے جذبے کے تحت اور ایسے تساند کے ساتھ حرکت کریں گے کہ جس سے وہ ایک دوسرے کی امتیازی خصوصیات پر فخر کریں، اور ایک دوسرے میں اس حد تک فنا ہوجائیں کہ ان میں سے ہر شخص دُوسرے کی آنکھ بن جائے، تو یہ چار افراد قوت اور قیمت کی رُو سے چار سو بن جائیں گے۔

تم لوگ ایک طرح سے ان بجلی گھروں کے نگران ہو جو صرف یہی نہیں کہ ''اسپارٹا'' جیسے عظیم الشان شہر کو بلکہ آس پاس کے علاقوں کو بھی روشن کردے گی۔ اور مشین کے تمام دندانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ آپس میں تعاون کریں، اس کا

مطلب یہ ہے کہ ان دندانوں کے درمیان ایک دوسرے کے خلاف حسد اور غیرت جیسے جذبات جنم نہیں لیتے، بلکہ اس کے برعکس جب کسی ایک دندانے میں زیادہ قوت ہوتی ہے تو وہاں خوشی، سرور اور امتنان کی فضا بن جاتی ہے۔ لیکن اگر کسی دندانے میں شعور ہو، اور وہ دیکھے کہ دوسرا دندانہ اس سے زیادہ قوت والا ہے، تو وہ اس سے خوش ہوگا اور اس کا ممنون ہوگا؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ قوی دندانہ اس کے وظیفے کا بوجھ ہلکا کر رہا ہے۔

اور وہ لوگ جو اپنے کندھوں پر حق وحقیقت اور قرآن وایمان کی خدمت جیسا نفیس اور عظیم الشان خزانہ اُٹھائے ہوئے ہیں اُن کے کندھوں کے ساتھ جب کوئی نیا کندھا آ کر مل جاتا ہے تو وہ شکر ادا کرتے ہیں اور فخر و امتنان کے احساس سے بھر جاتے ہیں۔

خبردار! اپنے درمیان تنقید کا دروازہ کبھی نہ کھولنا؛ کیونکہ تمہارے بھائیوں کے دائرے سے باہر بہت سے لوگ تنقید کے حق دار ہیں۔

جیسے میں تم لوگوں کی خوبیوں پر فخر کرتا ہوں، اور اس خوبی پر نظر رکھتا ہوں جو مجھ میں نہیں ہے، تو وہ خوبی تم لوگوں میں پائے جانے کی وجہ سے خوش ہوتا ہوں، تم لوگوں کو بھی چاہیے کہ تم ایک دوسرے کو ایسے ہی دیکھو جیسے تمہارا استاد تمہاری طرف دیکھتا ہے، اور تم میں سے ایک کو دوسرے کے فضائل نشر کرنے والا بن جانا چاہیے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

میرے محترم محبوب استاد!

آپ کے قلم سے نکلا ہوا ہر کلمہ، یعنی آپ کا لکھا ہوا ہر رسالہ فی نفسہ ایک بڑی شفا بخش دوا اور مدد کا ایک ایسا سرچشمہ ہے جس سے میں بہت زیادہ فیض حاصل کرتا ہوں، حتّٰی میں نے انہیں جب بھی پڑھا ہے دوبارہ نئے سرے سے پڑھنے کو جی چاہا، پھر جب میں انہیں مکرّر پڑھتا ہوں تو اس وقت مجھے جن بلند ترین اِلٰہی اذواق کا احساس ہوتا ہے اُسے بیان کرنے کے لیے مجھے الفاظ نہیں ملتے۔ اور میں بلا شبہ اس نیک فالی پر یقین رکھتا ہوں کہ جو بھی انصاف کی نظر سے یہ رسائل پڑھے گا — اگرچہ ان کے کچھ حصے ہی پڑھ لے — تو وہ حق کے آگے جھک جائے گا اور ان کا اقرار کرلے گا، حتّٰی کہ اگر وہ منکر بھی ہوا تو انکار کے راستے سے منہ موڑ لے گا، یا اگر وہ فاسق و فاجر ہوا تو توبہ کر جائے گا اور باز آجائے گا۔

خسرو

☆ ☆ ☆

ایک ڈاکٹر کی طرف خط جسے رسائل نور کی قرأت نے بیداری و ہشیاری سے ہمکنار کر دیا تھا، اور وہ رسائل نور کا شیدائی ہوگیا تھا۔

خوش آمدید میرے عزیز وفادار دوست اور توفیق یافتہ ڈاکٹر جس نے اپنے مرض کی تشخیص کر لی ہے...... وہ روحانی بیداری جس کا ذکر آپ نے اپنے خط میں بڑے جوش وجذبے کے ساتھ کیا ہے، تہنیت وتبریک کے قابل ہے۔

یادرکھو کہ کائنات میں سب سے زیادہ قیمتی سوغات زندگی ہے، اور سب سے قیمتی وظیفہ زندگی کی خدمت کرنا ہے، اور زندگی کی بزرگ ترین خدمت یہ ہے کہ اس فانی زندگی کو دائمی زندگی میں تبدیل کرنے کی کوشش کی جائے۔

رہی اس زندگی کی قیمت اور اہمیت، تو وہ اس لحاظ سے ہے کہ یہ باقی رہنے والی زندگی کے لیے مبدو منشا کی حیثیت رکھتی ہے۔ ورنہ نظر کو اس فانی زندگی میں اِس طرح سے منحصر کر لینا کہ یہ ابدی زندگی کو خراب کر دے اور اس میں زہر بھر دے، سراسر حماقت ہے، اور ایسے ہی ہے کہ جیسے برقِ خاطف کی ایک چمک کو سرمدی آفتاب پر فضیلت دے دی جائے۔

اگر چہ حقیقت میں تو نظر آتا ہے کہ غافل مادہ پرست ڈاکٹر سب لوگوں سے زیادہ بیمار نظر آتے ہیں، لیکن یہ لوگ جب قرآن کریم کی مقدس فارمیسی سے ایمانی علاج کا تریاق حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے تو اپنی بیماریوں کا علاج بھی کرلیں گے اور انسانی زخموں کا بھی؛ اور آپ کی یہ بیداری جیسے آپ کے زخم کے لیے مرہم ہے، اسی طرح یہ دیگر ڈاکٹروں کی بیماریوں کے لیے بھی دوائی کا کام دے گی۔ ان شاء اللہ۔

آپ تو یہ جانتے ہیں کہ کبھی کسی نا اُمید ہو چکے مریض کے دل کو معنوی تسلّی سے ہمکنار کر دینا اُس کے لیے ایک ہزار دواؤں سے بھی زیادہ نفع بخش ثابت ہوتا ہے، لیکن نیچر میں دھنسا ہوا ڈاکٹر اُس مسکین مریض کو مزید اندھیروں میں دھکیل دیتا ہے جو پہلے ہی کڑوی کسیلی نا اُمیدی کے ہاتھوں اَدھ مُوا ہو چکا ہوتا ہے...... اس لیے ہم بہت زیادہ پُراُمید ہیں کہ آپ کی یہ بیداری آپ کو بیچارے لوگوں کے لیے مدارِ تسلّی اور نور کی شعاعیں بکھیرنے والا ڈاکٹر بنا دے گی۔ اِن شاء اللہ۔

آپ جانتے ہیں کہ عمر بہت چھوٹی ہے اور فرائض وواجبات بہت زیادہ ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ آپ اگر ان معلومات کا سراغ لگائیں جو آپ کے ذہن میں ہیں — جیسے کہ میں نے کیا ہے — اور ان معلومات کو کرید کرید کر دیکھیں تو آپ کو پتا چلے گا کہ ان میں بہت سی معلومات کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کے ساتھ مشابہت رکھتی ہیں، جن کی نہ کوئی ضرورت ہے، نہ اہمیت، اور نہ ہی ان سے کسی فائدے کی اُمید ہوسکتی ہے۔ میں نے بھی ایک دفعہ اپنے ذہن کی دنیا کو اسی طرح ٹٹول کر دیکھا تھا، اور پایا تھا کہ وہاں بہت سی چیزیں ایسی دھری ہوئی ہیں جن کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے؛ اس بنا پر کسی ایسے وسیلے کو تلاش کرنا بہت ضروری ہے جو ان علمی معلومات کو اور فلسفی معارف کو ایسے نفع بخش نورانی علوم بنا دے جن میں زندگی کی دھڑکن سنائی دیتی ہو؛ اس لیے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرو کہ وہ آپ کو ایسی بیداری سے ہمکنار کر دے جو تمہاری سوچ فکر کو حکیم ذُوالجلال کی راہ میں چلا دے اور کوڑے کرکٹ کے اس ڈھیر میں آگ لگا دے اور اُسے نُور میں تبدیل کر دے، اور وہ غیر ضروری علمی معارف نفیس ترین الٰہی معارف بن جائیں۔

میرے دانشور دوست!

میرے دل کی یہ بہت زیادہ خواہش ہے کہ جدید سائنس میں مہارت رکھنے والے ''خلوصی'' جیسے لوگ میدان میں اُتریں جو ایمانی انوار اور قرآنی اسرار کی بہت زیادہ ضرورت اور تڑپ محسوس کرتے ہوں۔ اور ''مقالات'' میں چونکہ آپ کے وجدان کو مخاطب کرنے کی اہلیت ہے، اس لیے آپ ان میں سے ہر مقالے کے بارے میں یہ سمجھیں کہ وہ آپ کی طرف لکھا گیا ہے، میری طرف سے نہیں بلکہ قرآن کے ترجمان کی طرف سے، اور اُسے قرآن کی قدسی فارمیسی کا ایک نسخہ سمجھیں، اور انہیں میری غیبوبت (روپوشی) اور عدم موجودگی میں حضوری اور ہمنشینی کا ایک وسیلہ خیال کریں۔

آپ جب چاہیں میرے ساتھ خط و کتابت کر سکتے ہیں، لیکن میری طرف سے جواب موصول نہ ہونے پر تنگدل نہ ہونا؛ کیونکہ میں شروع سے ہی خط بہت کم لکھتا ہوں، حتّٰی کہ میں نے تین سالوں میں اپنے سگے بھائی کو صرف ایک ہی خط لکھا ہے، حالانکہ مجھے اس کے بہت زیادہ خط آچکے ہیں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

حافظِ مخلص، اُستادِ مدقّق، پاک دل، رسائلِ نور کی سابقہ کتابت کے سابقہ ہیرو حافظ ''خالد'' کا ایک فقرہ

رسائلِ نور کے مؤلف نادرۂ روزگار، خادمُ القرآن بدیع الزمان سعید نورسی کے بارے میں اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہزار قسم کے احساسات میں سے صرف ایک احساس آشکار کر رہا ہوں۔

میرے اُستاد بلا شبہ اسم گرامی ''النور'' کا مظہر ہیں، پس یہ اسم شریف اُن کے لیے اسمِ اعظم ہے؛ چنانچہ ان کی بستی کا نام ''نورس''، ان کی والدہ کا نام ''نوریہ'' اُن کے قادری استاد کا نام ''نورُ الدین'' اور ان کے نقشبندی استاد کا نام ''سید نور محمد'' ہے؛ پھر انہیں قرآن پڑھانے والے اساتذہ میں سے ایک استاد کا نام ''حافظ نوری''، اور قرآن کی خدمت کے ضمن میں ان کے خاص امام کا نام ''ذوالنورین'' ہے، رضی اللہ عنہ۔ جیسے آیت النور کہ جس نے اُن کے فکر کو اور ان کے دل کو منوّر کر دیا ہے، اور بلند پایہ نورانی تمثیلات جو کہ مشکل اور پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کا وسیلہ بنی ہیں، اور ان کا اپنے رسائل کے مجموعے کا نام ''رسائلِ نور'' رکھنا؛ یہ تمام چیزیں اس بات کا تائید کرتی ہیں کہ اسمِ گرامی ''النور'' ہی آپ کے لیے اسمِ اعظم ہے۔ آپ کی ''رسائلِ نور'' کے نام سے تالیف کردہ انوکھی طرز کی کتابوں کی تعداد عربی زبان میں لکھی گئی کتابوں سمیت اب تک ایک سو اُنیس تک پہنچ گئی ہے۔[1] اور ان میں سے ہر رسالہ اپنے موضوع میں ایک منفرد حیثیت کا حامل ہے۔

---

[1] یہ تعداد اب ایک سو تیس تک پہنچ گئی ہے۔

''رسالۂ حشر'' جو کہ ''دسواں کلمہ'' یا ''دسواں مقالہ'' سے نام کے مشہور ہے، اپنے بلند پایہ اسلوب اور رفعتِ فکر سے بڑھ کر ایک انتہائی خوبصورت، پرکشش اور جامع قسم کا رسالہ ہے، حشر و نشر کے مسئلے پر جہاں علما نے خالص نقلی دلائل فراہم کیے ہیں، وہاں اس رسالے نے حشر و نشر کا اثبات انتہائی قوی اور قطعی قسم کے عقلی دلائل کے ساتھ کیا ہے، اور بہت سے لوگوں کا ایمان بچایا ہے۔

اور میں آیتِ کریمہ ﴿هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا﴾ میں پائے جانے والے راز کی رُو سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ: رسائلِ نور معرفت کا وہ چاند ہے جو اپنے انوار خورشیدِ حقیقت یعنی ''قرآنِ معجز بیان سے حاصل کرتا ہے، حتیٰ کہ یہ رسائل اُس مشہور فلکیاتی قضیے کا مصداق بن گئے ہیں جو یہ کہتا ہے: ''چاند کی روشنی سورج کی روشنی سے حاصل کی ہوئی ہے۔''

جیسے کہ میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ: میرے اُستاد قرآن کے ساتھ اپنے گہرے تعلق کی بنا پر قرآن کے لیے چاند کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں، آسمانِ رسالت کے سورج یعنی رسولِ اکرم ﷺ سے نور حاصل کرتے ہیں۔ اور یہ چاند ''رسائلِ نور'' کی شکل میں آشکار ہو چکا ہے۔

میرے اُستاد میں ایسی خصالِ حمیدہ جلوہ گر ہوئیں کہ لوگوں میں شاذ و نادر ہی نظر آئیں گی، چنانچہ آپ جب اُن کی ظاہری حالت دیکھیں گے سمجھیں گے کہ شاید وہ عبادات کے احکام بھی نہ جانتے ہوں، لیکن اچانک ہی معاملہ تبدیل ہو جاتا ہے، اور آپ پاتے ہیں کہ وہ تو علم کا ایک سمندر ہیں، ان پر اُن کے حسبِ استطاعت رسولِ اکرم ﷺ کی جناب سے استفادہ کر کے جو کچھ کھلتا ہے، اُسے کہتے چلے جاتے ہیں، اور جب ان پر آپ کی درگاہ سے استفادے کی صورت میں کچھ وارد نہیں ہوتا تو وہ اپنی بے بسی و بے نفسی کا اعلان کر دیتے ہیں اور ایسے ظاہر ہوتے ہیں جیسے کہ مہینے کی آخری راتوں کا چاند ہو، اور وہ کہتے: ''میرا نہ تو نور ہے اور نہ کوئی قیمت''۔ اُن کی یہ خصلت ان کی مکمل تواضع اور انکساری کا مظہر اور اس حدیث شریف پر عملِ تام کا نمونہ تھی: "مَنْ تَوَاضَعَ رَفَعَهُ اللهُ"۔[1]

اس خصلت کے آثار میں سے ایک یہ ہے کہ جب بعض علمی مسائل میں ہم جیسے طلبہ کی طرف سے ان کے ساتھ کوئی اختلاف سامنے آتا تو طالب علم جو کہتے وہ اس کے بارے میں غور کرتے، تب اگر طلبہ کی بات حق ہوتی تو یہ کہتے ہوئے پوری تواضع اور سرور کے ساتھ اُسے قبول کرتے اور تسلیم کرتے کہ ''ماشاءاللہ! تم لوگ مجھ سے اچھا جان گئے ہو، فجزاکم اللہ خیراً''، وہ حق اور حقیقت کو غرورِ نفس اور انانیت پر ہمیشہ ترجیح دیتے تھے، بلکہ میں بعض مسائل میں اُن کے ساتھ اختلاف رکھتا تھا، وہ اس پر خوش ہوتے تھے اور میری تعریف کرتے تھے، پھر میں اگر غلطی پر ہوتا تو وہ مجھے زچ کیے بغیر

---

[1] ترمذی، حدیث نمبر: 2161، ترمذی کے الفاظ یہ ہیں: "وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللهُ" اور ابن ماجہ میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے: "مَنْ يَتَوَاضَعَ لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ دَرَجَةً يَرْفَعُ اللهُ بِهِ دَرَجَةً"، دیکھیے حدیث نمبر: 4316۔ (مترجم)

بڑے اچھے اسلوب کے ساتھ متنبہ کر دیتے، اور اگر میرا موقف ٹھیک ہوتا تو بہت خوش ہوتے۔

میرے استاد حقیقی علمُ الحکمت میں یعنی دین و شریعت کی حکمت میں ایک خاص طرح کی مہارت رکھتے ہیں، بلکہ وہ حکمتِ بشری میں بھی فوقیت رکھتے ہیں، بلکہ میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ وہ اس علم میں افلاطون اور ابن سینا سے بھی بڑھ گئے ہیں؛ تیرہ سال پہلے وہ جب ''دارُ الحکمت'' میں ملازم تھے، اُنہوں نے قُطبِ ربّانی قندیلِ نورانی عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ — جو کہ اِذنِ الٰہی سے بچپن سے ہی دین کی نصرت وحمایت ومعاونت کا مظہر تھے — کی کتاب ''فتوح الغیب'' ہاتھ میں لی، اور فال لینے کے لیے اُسے کھولا، تو اچانک اُن کے سامنے یہ عبارت اُبھری: ''تو دارُالحکمت میں ہے، اس لیے کوئی ایسا طبیب تلاش کر جو تیرے دل کا علاج کرے۔'' اس عبارت نے اُن کے دل پر گہرا اثر کیا، اور یہی عبارت انہیں ''قدیم سعید'' سے ''جدید سعید'' میں تبدیل کرنے کا سبب بن گئی۔

''قدیم سعید'' نے اُن سوالوں کے مختصر ترین اور مُسکت جواب دیے تھے جو اُن سے انگریز نے کیے تھے۔ انہوں نے ''منطق'' میں ایک انوکھی طرز کا رسالہ لکھا ہے جس کا نام ''التعلیقات'' ہے، ابن سینا نے اس باب میں جو کچھ لکھا ہے، یہ رسالہ ان پر فوقیت رکھتا ہے۔ آپ نے قیاس استقرائی میں پائے جانے والے منطقی اشکال کو دس ہزار تک پہنچا دیا، اور آپ کے علاوہ دیگر علما وہاں تک نہیں پہنچ سکے۔

میں نے ان کی ایک ''سُنُوحات'' نامی کتاب میں پڑھا ہے کہ انہوں نے خود کو دیکھا کہ وہ عالم معنی کے ایک مدرسے میں رسول اکرم ﷺ سے دروس لیتے تھے، چنانچہ ان معنوی دروس پر بنیاد رکھتے ہوئے آپ نے اپنی ''اشارات الاعجاز'' نامی اچھوتی اور عمدہ ترین تفسیر لکھی، ایک دن آپ نے مجھ سے کہا تھا: اگر جنگ عظیم احداث وواقعات ونتائج سمیت میرے آڑے نہ آتی تو میں باذن اللہ ''اشاراتُ الاعجاز'' ساٹھ جلدوں میں لکھتا۔ لیکن رسائلِ نور اس تفسیر کی جگہ لے لیں گے، ان شاء اللہ۔

میں نے استاد کے ساتھ جو سات آٹھ سال گزارے ہیں اُن میں بڑے اہم مشاہدات کیے ہیں، لیکن اس قاعدے کے مطابق کے ''قطرہ سمندر کی دلیل ہوتا ہے''، میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ ایک فقرہ سمندر پر دلالت کرنے کے لیے کافی ہے؛ میں نے یہ فقرہ بہت جلدی میں لکھا ہے؛ کیونکہ میرا اُن سے جدا ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اور مجھے اس بات کا یقین ہے کہ آپ آیتِ کریمہ: ﴿وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ﴾ کے راز کی رُو سے مجھے اپنی دعاؤں سے نوازتے رہیں گے؛ کیونکہ انہوں نے مجھے بہت دفعہ اپنی ہمنشینی کے قابل سمجھا۔

حافظ خالد

☆ ☆ ☆

تیسرا حصہ

اَسکی شہر

اَسکی شہر میں گزرے ہوئے ایام

چوری چھپے کارروائیاں کرنے والے دشمنانِ دین نے جب دیکھا کہ رسائلِ نور ظہور پکڑتے جا رہے ہیں، اور اسلام و ایمان کی لکڑی مضبوط ہوتی جا رہی ہے، تو انہوں نے 1935 میں ''اَسکی شہر'' کی فوجداری عدالت میں ایک دعویٰ دائر کر دیا۔ یہ دعویٰ جھوٹی اور حکومت کو گمراہ کر دینے والی تہمتوں پر مبنی تھا، جن کا ماحصل یہ ہے کہ بدیع الزمان نے ایک خفیہ تنظیم بنائی ہوئی ہے، یہ حکمران نظام کے ساتھ برسرِ پیکار ہے اور اس کی بنیادوں کو اُکھاڑنے کے لیے سرگرمِ عمل ہے اور لوگوں کو حکومت کے خلاف بھڑکاتا ہے، وغیرہ ...... وغیرہ...... اس جھوٹے دعوے کے پیچھے ان کی غرض یہ تھی کہ وہ حکومت کی جانب سے کوئی ایسا فیصلہ صادر کروالیں جو بدیع الزمان کی قطعی طور پر مذمت کرتا ہو اور انجام کار اُسے ختم کر دے۔

اس چیز کو بنیاد بنا کر وزیر داخلہ اور آرمی جنرل نے ''اسپارٹا'' کی طرف رُخ کیا، ان کے ہمراہ محافظ پولیس کے بہت زیادہ مسلح سپاہی بھی تھے، انہوں نے حفاظتی تدابیر کے پیشِ نظر ''اسپارٹا'' سے ''اَفیون'' تک تمام راستے میں گھڑسوار فوجی دستے تعینات کر دیے تھے، اسپارٹا اور اس کے اردگرد کے تمام علاقے فوجوں یونٹوں کی تحویل میں تھے، تا آنکہ ایک دن صبح سویرے اُس مکان تک رسائی ہوگئی جس میں بدیع الزمان خلوت گزیں ہوتے تھے، چنانچہ اس مظلوم اور بے قصور انسان کو وہاں سے نکال کر اُسے اس کے طالب علموں کے ہمراہ ہتھکڑیاں ڈال کر فوجی ٹرکوں میں ڈال کر ''اَسکی شہر'' لے جایا گیا۔

جنرل روحی بک نے راستے میں ''بدیع الزمان'' اور ان کے طالب علموں کے ساتھ نرم رویہ اپنالیا اور ان کی ہتھکڑیاں کھولنے کا حکم صادر کر دیا، چنانچہ انہوں نے تمام راستہ وقت پر نمازیں ادا کرتے ہوئے کاٹا اور کوئی نماز قضا نہیں ہونے دی، اور ''روحی بک'' کو جب بدیع الزمان اور ان کے شاگردوں کی اصل حقیقت کا اور ان کی برأت و بے قصوری کا ادراک ہوگیا تو وہ ان کا دوست بن گیا۔

سعید نورسی کو اور ان کے ایک سو بیس شاگردوں کو ''اَسکی شہر'' کی جیل میں ڈال دیا گیا، اور اُنہیں اکیلے کو ایک سیل میں علیحدہ رکھا گیا، اُن پر ہر قسم کا ظلم وستم اور تشدد روا رکھا گیا اور اُنہیں ہر طرح کی تکلیف سے دو چار کیا گیا۔ لیکن اس سب کے باوجود انہوں نے ''تیسواں لمعہ'' اور ''پہلی اور دوسری شعاع'' کی تالیف کی۔ اور اس پر مزید یہ کہ ان کے جیل میں

داخل ہونے کے بعد جیل کے بہت سے قیدیوں کی حالت سنور گئی اور وہ دین کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔

پسِ پردہ چھپ کر کام کرنے والے ملحدین بہت سی افواہیں پھیلا رہے تھے اور ہوائیاں اُڑا رہے تھے جو یہ کہہ رہی تھیں: ''بدیع الزمان اور اس کے شاگردوں کے خلاف موت کا حکم صادر ہونے ہی والا ہے''۔[1] اس سے ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ ''اسپارٹا'' اور اس کے اردگرد کے علاقوں کے لوگوں کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا کر دیا جائے، جبکہ استبداد وطغیان کے اِس دور کا حکمران مشرقی علاقہ جات کے دورے پر رہتا تھا، اُسے یہ وہم ہو گیا تھا کہ کہیں نورسی کو جیل میں ڈالنے کی وجہ سے سول نافرمانی کی تحریک ہی سر نہ اُٹھالے!

جبکہ صورتِ حال یہ تھی کہ بدیع الزمان سعید نورسی نے اپنی تمام زندگی میں مُثبت عمل کو اپنا دستور بنا رکھا تھا، اور وہ اس بات کا اعلان کرتے تھے کہ ''چند لوگوں کی غلطیوں کو بہانہ بنا کر سینکڑوں لوگوں کو تکلیف دینا جائز نہیں!'' یہی وجہ ہے کہ ان دلدوز مظالم کے دوران کبھی کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا، بلکہ بدیع الزمان اپنے شاگردوں کو ہمیشہ صبر و تحمل اور صرف ایمان اور اسلام کی خاطر عمل کرنے کی نصیحت کیا کرتے تھے۔ اس بات کا سب کو ادراک ہو چکا تھا کہ اس طرح کی خوف پھیلانے والی بے سروپا باتیں اور پروپیگنڈے، اور تخریبی اعمال میں آگے کی جانب بڑھتے چلے جانا صرف ملحدوں اور دین دشمنوں کی مصلحت کے کھاتے میں ہی ڈالا جا سکتا ہے۔

بدیع الزمان کو 1935 میں ان کے ایک سو بیس شاگردوں سمیت ''اَسکی شہر'' کی فوجداری عدالت کے حوالے کیا گیا۔ پکڑ دھکڑ اور تفتیشی کاروائیوں کے بعد عدالت نے آپ کے تمام رسائل اور خطوط جمع کر لیے، لیکن عدالت کو ان میں ایک بھی ایسی دلیل نہ مل سکی جو انہیں مجرم ثابت کر سکتی ہو۔ تب عدالت نے آخر میں صرف ایک ذاتی رائے کی بنا پر ایک ظالمانہ فیصلہ صادر کر دیا جس کی رُو سے بدیع الزمان کو گیارہ مہینے اور آپ کے پندرہ ساتھیوں کو چھ مہینے جیل میں رہنا تھا، جبکہ بقیہ ایک سو پانچ لوگوں کو عدالت نے بری کر دیا۔

یاد رہے کہ ان لوگوں پر جس جرم کا الزام لگا تھا اگر وہ حقیقتاً ثابت ہو جاتا تو سعید نورسی کو لازماً پھانسی کی اور ان کے ساتھیوں کو کم اَز کم قید با مشقت کی سزا ہو جاتی؛ اِسی بنا پر سعید نورسی نے اس فیصلے پر اعتراض کیا تھا اور واضح کیا تھا کہ اس طرح کا فیصلہ تو اس کے خلاف کیا جاتا ہے جو گھوڑا چوری کر لے یا کسی لڑکی کو اغوا کر لے، اور اصرار کے ساتھ مطالبہ کیا کہ

---

[1] جی ہاں، ظلم کی اخیر ظالموں کی ہلاکت کی صورت میں آشکار ہوتی ہے، اور واقعتاً آشکار ہو بھی چکی ہے، چنانچہ دیکھ لو کہ جن لوگوں نے یہ چال چلی اور مکر کیا ان کے لیے آج موت کے ہاتھوں ابدی ہستی کا فیصلہ ہو گیا ہے، وہ جہنم کی آخری گہرائیوں میں گر رہے ہیں اور ذلت آمیز زندگی گزار رہے ہیں، ایک نیست و نابود کر دینے والی شکست سے دو چار ہو کر اور جہنم کے عذاب سے بھی شدید تر عذاب میں گرفتار ہونے کی وجہ سے ان کی شان و شوکت ختم ہو چکی ہے، جبکہ بدیع الزمان اسلامی عزت اور ایمانی شہامت کے ساتھ اسلام اور ایمان کے ایک بہادر خادم کی صورت میں بھرپور زندگی گزار رہے ہیں، اور اپنی اسلامی فتوحات اور ایمان و قرآن کی دائمی خدمات کے ذریعے مسلمان ترکی قوم اور عالمِ اسلام کے لیے معنوی عیدوں کو ظہور میں لاتے رہتے ہیں۔

عدالت کی سزا منطقی، معقول اور سنجیدہ ہونی چاہیے؛ اور وہ اس طرح کہ یا تو یہ فیصلہ کیا جائے کہ وہ بالکل بے قصور ہے اس لیے بری کر دیا جائے، یا پھر اُسے سزائے موت دی جائے، یا پھر ایک سوا ایک سال کے لیے جیل میں رکھا جائے۔

اس مقام پر ہمارے لیے ایک اور عجب طرح کا واقعہ ذکر کیے بغیر آگے جانا ممکن نہیں، اور وہ یہ ہے کہ بدیع الزمان جب جیل میں تھے، ''اَسکی شہر'' کے سرکاری وکیل نے دیکھا کہ وہ تو بازار میں گھوم پھر رہے ہیں، تو حیرت و دہشت کے عالم میں بھاگا بھاگا جیل کے داروغے کے پاس آیا اور اُسے ملازمت سے معطل کر دینے کی دھمکی دیتے ہوئے کہنے لگا: تم نے بدیع الزمان کو بازار کیوں جانے دیا؟ وہ تو وہاں مٹر گشت کر رہا تھا!!

تو داروغے نے کہا جناب! بدیع الزمان تو جیل میں ہے، بلکہ انفرادی سیل میں ہے، آئیں خود دیکھ لیں۔

چنانچہ وہ دونوں گئے تو دیکھا کہ اُستاد تو واقعی اپنے سیل میں تھے، یہ عجیب وغریب واقعہ ایوان عدالت میں پھیل گیا اور جج صاحبان ایک دوسرے سے یہ کہتے ہوئے بیان کرنے لگے کہ یہ بات ہماری عقلوں سے باہر ہے۔[1]

---

[1] اسی طرح کا ایک اور واقعہ اس وقت بھی پیش آیا جب آپ ''دنیزلی'' کی جیل میں تھے، وہاں لوگوں نے کئی بار آپ کو مختلف مساجد میں نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا، سرکاری وکیل نے اس بارے میں سنا تو غضب ناک ہو کر جیل کے داروغے سے کہنے لگا: مجھے پتا چلا ہے کہ آپ نے بدیع الزمان کو فجر کی نماز مسجد میں پڑھنے کی اجازت دی ہوئی ہے؟ جیلر نے اس بات کی پوری تحقیق کی اور پورے اعتماد سے بیان دیا کہ بدیع الزمان جیل سے باہر بالکل نہیں گیا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ پیش آیا، اور وہ اس طرح کہ ''اَسکی شہر'' کی جیل کا انچارج افسر جمعہ کے روز اپنے رجسٹرار کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک اس کے کان میں آواز پڑی، کوئی اسے پکار رہا تھا: جیلر صاحب! جیلر صاحب! اُس نے دیکھا تو سامنے بدیع الزمان کھڑے تھے جو اسے اونچی آواز سے کہہ رہے تھے: میرا آج ''جامع اَق'' میں حاضر ہونا بہت ضروری ہے تو جیلر نے جواب میں کہا: ٹھیک ہے جناب۔ پھر وہ اپنے آفس میں چلا گیا اور یہ الفاظ دہرا رہا تھا: لگتا ہے جناب کو معلوم نہیں ہے کہ وہ جیل میں ہیں اور باہر نکلنا ان کے لیے ممکن نہیں۔ ظہر کا وقت ہوا تو جیلر اُستاد کی رائے لینے کے لیے ان کے کمرے کی طرف گیا، کھڑکی سے اندر دیکھا تو استاد ندارد! پہرے دار سے پوچھا تو اس نے کہا: وہ تو اندر ہی تھے؟ پھر دروازہ بھی تو مقفل ہے؟ تب جیلر بھاگتا ہوا مسجد کی طرف گیا، دیکھا تو بدیع الزمان پہلی صف میں دائیں جانب کھڑے نماز ادا کر رہے تھے، لیکن جب نماز ختم ہونے کے قریب آئی تو دیکھا کہ بدیع الزمان اپنی جگہ پر نہیں ہیں! تب وہ فوراً جیل کی طرف بھاگا، وہاں دیکھا تو ''اللہ اکبر'' کہتے ہوئے سجدے کے لیے جھک رہے تھے، پھر تو وہ دہشت زدہ ہو کر رہ گیا۔ یہ واقعہ جیلر نے خود اپنی زبان سے بیان کیا۔

[5391 میں ''اَسکی شہر'' کی عدالت میں بدیع الزمان سعید نورسی کے دفاعی بیان کے بعض حصے۔]

''اَسکی شہر'' کی عدالت میں یہ حقیقت تو آشکار ہو گئی تھی کہ سعید نورسی سیاسی معاملات میں دلچسپی نہیں لیتے ہیں، لیکن اس نے انہیں صرف اس بنا پر سزا سنادی کہ انہوں نے ایک ایسا رسالہ لکھا ہے جو ایک قرآنی آیت کی تفسیر کرتا ہے، اور بلاشبہ یہ ایک ایسا خطرناک عدالتی فیصلہ تھا کہ جس کی مثال پہلے نہیں ملتی ہے؛ کیونکہ آج تک ایسا نہیں ہوا کہ دنیا میں کسی عدالت نے کسی مفسّر کو صرف اس بنا پر سزا دے دی ہو کہ اس نے قرآن کی کسی آیت کی تفسیر کی ہے!

اُس دفاعی بیان کا ایک حصہ

اراکینِ عدالت!

ان لوگوں نے مجھ پر چار پانچ الزام لگائے ہیں جن کی بنا پر مجھے عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کیا گیا ہے:

پہلا اِلزام: میرے بارے میں اطلاع دی گئی ہے کہ میں قدامت پرست ہوں اور دین کو رجعت پسندی کا آلۂ کار بنا کر کچھ ایسے کام کرنے کی نیت رکھتا ہوں جو امنِ عام میں خلل ڈالنے کا سبب بن سکتے ہیں۔

جواب: اوّلاً: امکان اور چیز ہے اور وقوع اور چیز، چنانچہ ہر فرد کے لیے بہت سے لوگوں کو قتل کرنا ممکن ہے، تو کیا اس بنا پر اس کے خلاف مقدمہ چلایا جائے گا؟ اسی طرح ماچس کی ہر تیلی کے لیے کسی بہت بڑے گھر کو جلا کر راکھ کر دینا ممکن ہے، تو کیا اس میں پائی جانے والی امکانیت کی وجہ سے ماچس کے وجود کو دنیا سے ختم کر دینا چاہیے؟

ثانیاً: اس بات سے لاکھ بار خدا کی پناہ کہ وہ ایمانی علوم جن میں ہم مصروف ہیں؛ انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے علاوہ کسی اور چیز کے لیے آلۂ کار بنا لیں!

جی ہاں، جیسے یہ بات ممکن نہیں کہ سورج چاند کا تابع ہو جائے، اسی طرح ایمان جو کہ سعادت ابدی کی مقدّس نورانی کلید اور اُخروی زندگی کا تابندہ سورج ہے، اس کے لیے بھی یہ ممکن نہیں کہ وہ سیاسی زندگی کا آلۂ کار اور اس کے ہاتھ میں کھلونا بن کر رہ جائے۔

جی ہاں، ایمان کا وہ راز جو کہ کائنات کا سب سے بڑا مسئلہ اور تخلیقِ عالم کی سب سے بری پہیلی ہے، کوئی کائناتی مسئلہ اس راز سے بڑا نہیں ہے کہ ایمان اس کا آلۂ کار بن جائے!

اراکینِ عدالت!

یقین مانو کہ مجھے یہاں پر مشقت اور تھکا دینے والے انداز میں کھڑا کرنا اگر صرف میری ذات کے ساتھ اور میری

دنیاوی زندگی سے متعلق ہوتا، تو میں ایک دفعہ پھر خاموش ہو جاتا، جیسے کہ دس سال خاموش رہا ہوں؛ لیکن اس کا تعلق چونکہ بہت سے لوگوں کی ابدی زندگی کے ساتھ اور عظیم کائنات کے طلسم کو کھولنے کی وجہ سے کائنات کی تفسیر کرنے والے رسائلِ نور کے ساتھ ہے؛ اس لیے اگر میرے سو سر بھی ہوں اور ہر روز ان میں سے ایک سر کاٹ دیا جائے، تو بھی میں اس عظیم الشان کام سے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ میں بڑھاپے کی عمر میں قبر کے دہانے پر کھڑا ہوں، اس لیے اگر میں تمہارے قبضے سے چھوٹ بھی جاؤں تو اجل کے پنجوں سے نہیں چھوٹ سکتا۔

اس دہشت خیز کائنات کے طلسم کے ساتھ تعلق رکھنے والا کوئی مسئلہ لے لو، وہ طلسم جس کا انکشاف قرآنِ حکیم نے کیا ہے؛ رسائلِ نور اس کشاف عظیم کی اس انداز سے تفسیر کرتے ہیں کہ گویا کہ اُسے سینکڑوں مسائل کو موضوع بحث بنانے کی وجہ سے اُسے آنکھوں کے سامنے جلوہ گر کر دیتے ہیں، یہ اجل اور قبر کے ساتھ تعلق رکھنے والے ایمان کے راز کا مسئلہ ہے؛ اجل اور قبر کہ جن کے ساتھ ہر انسان دو چار ہونے ہی والا ہے۔

اب آپ کا کیا خیال ہے کہ ایک ایسا آدمی جو موت اور اجل پر ایمان رکھتا ہو، اس کے لیے یہ ممکن ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے سیاسی مسائل کو موت اور اجل سے بھی بڑا سمجھ کر اسے سیاسی مسائل کا آلۂ کار بنا دے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ اجل جو کہ کسی بھی لحظے میں سر کاٹ سکتی ہے، کہ اس کا کوئی معین وقت نہیں ہے؛ وہ یا تو ابدی طور پر معدوم ہو جانے کا نام ہے، یا ایسے عالم کی طرف جانے ''ریٹائرمنٹ ٹِک'' ہے جو اِس عالم سے کہیں زیادہ خوبصورت ہے، اور قبر جو کہ ایک لحظے کے لیے بھی بند نہیں ہوتی وہ یا تو ابدی عدم اور تاریکیوں کے کنویں کا دروازہ ہے، یا اُس عالم کا دروازہ ہے جو زیادہ بقا بدوش، زیادہ باقی رہنے والا اور زیادہ روشن ہے۔

اور یوں رسائلِ نور مقدس قرآنی کشفیات کے فیضان سے اور دو ضربِ دو چار کے قطعی ہونے کی طرح بالکل قطعی طریقے سے شک وشبہے سے پاک قطعی حل آشکار کرتے ہیں، وہ حل اَجل کو ابدی طور پر معدوم ہو جانے کے دائرے سے نکال کر ایک ''ریٹائرمنٹ ٹِک'' کا رُوپ دے دیتے ہیں، اور قبر کو عدم کے اتھاہ کنویں سے تبدیل کر کے ایک خوشنما سرسبز وشاداب باغیچے کا دروازہ بنا دیتے ہیں۔ اگر یہ تمام دنیا میری ملکیت میں ہو تو اِس حل کو پانے کے لیے مجھے وہ سب قربان کر دینے میں ذرا بھی تردّد نہ ہوگا۔ ہر عقل مند آدمی یہی کام کرے گا۔

اے معززین! نور نے اس طرح کے سینکڑوں ایمانی مسائل کو آشکار کیا ہے اور ان کی وضاحت کی ہے، تو اب کون سا انصاف اجازت دیتا ہے، کون سی عقل یہ بات قبول کرتی ہے اور کون سا قانون اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان رسائل کی طرف اس نظر سے دیکھا جائے کہ یہ تخریب کار مطبوعات اور سازشی کتابیں ہیں جنھیں سیاسی سرگرمیوں کے لیے استعمال کیا جائے گا؟ ایسا ہر گز نہیں، سو بار نہیں۔

کیا خیال ہے، وہ لوگ جو اس تہمت کا سبب بنے ہیں ان سے پوچھا نہیں جائے گا؟ مستقبل میں آنے والی نسلیں ان

سے پوچھیں گی نہیں؟ اور آخرت جو کہ حقیقی مستقبل ہے، وہاں کے لوگ ان سے نہیں پوچھیں گے؟ حاکمِ ذوالجلال سبحانہ و تعالیٰ ان سے کچھ نہیں پوچھے گا؟

پھر اس مبارک وطن میں رہنے والی فطری طور پر دین دار قوم پر حکومت کرنے والے لوگوں کو چاہیے کہ وہ دین کی جانب جھکیں اور اس کے لیے حوصلہ بڑھائیں۔ یہی وہ چیز ہے جو حکمرانی کا وظیفہ ان پر فرض کرتا ہے۔

پھر جب سیکولر جمہوریت کے مبادیات یہ ہیں کہ وہ دین کے معاملے میں لاتعلق اور غیر جانبدار ہو کر رہے اور ملحد و بے دین لوگوں کے معاملات میں دخل اندازی نہ کرے؛ تو پھر اس کے بالمقابل اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کسی بھی طریقے سے دین دار لوگوں کو بھی تنگ نہ کرے اور ان کی راہ میں روڑے نہ اُٹکائے۔

ثالثاً: بارہ سال قبل رؤسائے ''انقرہ'' نے مجھے میری ''خطوات ستہ'' نامی کتاب میں انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے کے اعزاز میں انقرہ کا دورہ کرنے کی دعوت دی؛ میں وہاں گیا، لیکن ان کی توجُہات میرے بڑھاپے کے احساسات کے ساتھ مطابقت نہ رکھ سکیں، انہوں نے مجھ سے کہا: ہمارے ساتھ کام کرو، تو میں نے کہا: ''جدید سعید'' کے لیے تمہارے ساتھ کام کرنا ممکن نہیں؛ کیونکہ وہ آخرت کے لیے کام کرنا چاہتا ہے، البتہ یہ ہے کہ وہ اپنی راہ پر چلتا ہوا تمہارے راستے کی رکاوٹ نہیں بنے گا۔

جی ہاں، میں نے ان سے کبھی تعرُّض نہ کیا اور ان سے تعرض کرنے والوں کا ساتھ بھی نہ دیا؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس تعرُّض کی وجہ سے ہم اُس عسکری بیدار مغزی و چابکدستی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں جو امتِ اسلامیہ کی اقدار کی اور ٹھوس بنیادوں کی خدمت کر سکتی تھی، اور افسوس ہے کہ یہ ان اقدار کے خلاف استعمال ہونے والا وسیلہ بن چکی ہے!

جی ہاں، مجھے محسوس ہوا کہ رؤسائے ''انقرہ'' بڑے ہشیار چالاک اور زیرک لوگ ہیں، اور خاص کر رئیس الجمہور یہ تو بہت ہی زیرک ہیں۔ میں نے دل میں کہا: قوم میں ڈر اور خوف کے احساسات بیدار کر کے اس زِیرکی و بیدار مغزی کو اُمت کی اقدار و ثوابت کے خلاف استعمال کرنا جائز نہیں؛ اس لیے میں اپنی پوری کوشش سے ان کی دنیا سے نکل گیا اور اس میں دخل اندازی ختم کر دی، اور آج تیرہ برس ہونے کو ہیں میں سیاست کے میدان سے مکمل طور پر باہر ہو چکا ہوں، حتّٰی کہ مجھ پر اس واجنبیت کے عالم میں —ایک دو کے علاوہ— تقریباً بیس عیدیں گزر چکی ہیں جو میں نے اپنے اس کمرے میں ایک قیدی کی طرح گزاری ہیں؛ صرف اس بنا پر کہ کوئی غلط فہم اور وہمی آدمی یہ نہ سمجھ لے کہ میں سیاست میں حصہ لیتا ہوں۔

اب میں وہ دلیلیں پیش کرتا ہوں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ میں حکومت کے اعمال وافعال کے درپے نہیں ہوتا ہوں اور اس کے معاملات میں مداخلت کرنے کی رغبت نہیں رکھتا۔

پہلی دلیل: میں نے گزشتہ تیرہ سال سے ایسا کوئی اخبار نہیں پڑھا جو سیاست کی زبان بولتا ہو، اور میری اس سچائی کے

بارے میں میرے ''بارلا'' کے تمام دوست احباب جانتے ہیں جہاں میں نے نو مہینے گزارے ہیں۔ اس میں صرف ایک فقرے کو استثنا حاصل ہے جو میں نے اس صحافی کے بارے میں کہا تھا جو اُس نے اُس وقت کہا تھا جب میں ''اسپارٹا'' کی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا تھا، اور میرے کانوں سے اس صحافی کی آواز ٹکرائی جو بڑھ چڑھ کر حملے کر رہا تھا اور طلابِ رسائل نور کو کافر و ملحد کہہ رہا تھا۔

دوسری دلیل: میں نے ''اسپارٹا کے صوبے میں دس سال گزارے ہیں، اس تمام عرصے میں کوئی ایسی علامت سامنے نہیں آئی جو یہ اشارہ بھی دیتی ہو کہ دنیا میں اتنی زیادہ عالمگیر تبدیلیوں کے دوران میں نے سیاست میں دخل اندازی کی کوئی کوشش کی ہو۔

تیسری دلیل: میری رہائش گاہ کا ایسے بہیمانہ انداز میں مسمار کر دیا جانا اور انتہائی گہرے طریقے سے اس کی چھان بین کرنا اور اس کا کونہ کونہ چھان مارنا، اور میرے اُن اَوراق کو اور اُن خصوصی کتابوں کو بحقِ سرکار ضبط کر لیا جانا جو دس سال سے میرے پاس تھیں، اور اس پر گورنر ہاؤس کا اور امن عام کے ادارے کا یہ اعتراف کر لینا کہ انہیں میری اُن کتابوں میں کوئی ایسا مواد نہیں ملا ہے جس سے حکومتی سیاست کے ساتھ مزاحمت کرنے کی یا ٹکرانے کی بُو آتی ہو۔

آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر میرے جیسے کسی عام سے انسان کو ''بغیر کسی وجہ کے'' دس سال کے لیے نہیں صرف دس مہینے کے لیے شہر بدر کر دیا جائے، اور اُسے گرانبار ظلم وستم کا سامنا کرنا پڑے اور وہ انتہائی تکلیف دہ پہرے کی سختیاں جھیلتا رہے، اور اس کی خاص الخاص ذاتی ڈائری کے اوراق علی الاعلان نشر کر دیے جائیں؛ آپ کے خیال میں خود وہ اَوراق ایسے بیسیوں فیصلے آشکار نہیں کر دیں گے جو اُن ظالموں کے منہ پر طمانچہ لگانے کے لیے کافی ہوں گے؟

اگر تم کہو کہ ہمیں بیس سے زائد ایسے خط ملے ہیں جو آپ نے دوسرے لوگوں کو لکھے ہیں؟ تو میں کہوں گا: یہ خطوط بہت سالوں میں لکھے گئے ہیں: سوال یہ ہے کہ اگر میں نے دس سالوں میں دس دوستوں کو دس بیس خط لکھ دیے ہیں تو کیا یہ بہت زیادہ ہیں؟! یاد رکھو کہ خط وکتابت کرنا اگر جائز ہے، اور یہ چیز تمہاری دنیا کے ساتھ متصادم نہیں ہوتی، تو پھر ہزار خط بھی لکھ دیے جائیں تو جرم نہیں ہوگا۔

چوتھی دلیل: یہ بات آپ لوگوں کے سامنے ہے کہ میری جو کتابیں ضبط کی گئی ہیں، انہوں نے سیاست سے قطع نظر کر کے اپنا رُخ مکمل طور پر ایمان کی طرف کیا ہوا ہے، سوائے دو تین رسالوں کے کہ اُن میں ''سعید قدیم'' نے اپنی مہرِ سکوت کو توڑ دیا ہے اور کچھ پتھر دل افسروں کے ظلم وستم کے رویّوں کے خلاف اس کے جذبات بے قابو ہو گئے ہیں؛ لیکن رسائل میں اس نے حکومت پر اعتراض نہیں کیا ہے، بلکہ اُن ذمہ دار افسروں پر اعتراض کیا ہے جنہوں نے اپنے اختیارات کا غلط استعمال کیا ہے اور ان سے ناجائز فائدہ اُٹھایا ہے: چنانچہ آپ نے منظم طریقے سے اپنی شکایت کا اظہار کیا ہے؛ لیکن اس کے باوجود میں نے ان رسائل کو اپنے خاص رسائل سمجھا اور ان کے طبع ونشر کی اجازت نہ دی، اور وہ

میرے کچھ خاص دوستوں کے حفاظتی حصار میں رہے۔ حکومت کا کام تو صرف یہ ہے کہ ظاہری حالات واقعات دیکھے اور ظاہری حرکات وسکنات پر نظر رکھے، دلوں کو اور خصوصی مخفی معاملات کو ٹٹولنا حکومت کا کام نہیں؛ کیونکہ ہر انسان کو اپنے دل کے ساتھ اور اپنے گھر میں اپنی مرضی کا برتاؤ کرنے کی اجازت ہے، اپنے دل میں اور اپنے گھر میں بیٹھ کر وہ حکمرانوں کی مذمت بھی کر سکتا ہے، اُن کے کردار سے بدظن بھی ہو سکتا ہے اور ان کے رویّوں کو غلط بھی کہہ سکتا ہے۔

چنانچہ ان میں سے ایک وہ مختصر سا رسالہ ہے جو آج سے سات سال قبل اور ترکی زبان میں اذان کے ظہور سے قبل ان حکومتی ذمہ داران کے ردّ میں لکھا گیا تھا جنہوں نے میرے شافعی مذہب کے مطابق پگڑی باندھنے اور اپنی خصوصی عبادات کی ادائیگی کے بارے میں مداخلت کرنے کی کوشش کی تھی۔ پھر اس کے بعد جب جدید اذان[1] ظہور میں آئی تو میں نے کہا: یہ رسالہ خصوصی ہے، اور میں نے اسے نشر کرنے سے منع کر دیا۔

پھر یہ بھی ہے کہ میں جب ''دارُ الحکمۃ الاسلامیۃ'' میں تھا، اس وقت میں نے یورپ سے پردے کے بارے میں وارد ہونے والے ایک اعتراض کا جواب لکھا تھا، پھر میں نے پردے کے مضمون پر ''چوبیسویں لمعے'' کے نام سے موسوم یہ مختصر سا رسالہ چھپا دیا۔ یہ رسالہ اُن رسائل سے لیا گیا تھا جو بہت دیر پہلے طبع ہوئے تھے، اور اسے ''سترھویں لمعے'' کے ایک مسئلے کی حیثیت سے درج کیا گیا تھا، لیکن میں نے اُسے ایک سال سے لے کر اب تک چھپا کر رکھا تھا تاکہ مستقبل میں وہ قوانین سلطنت کے ساتھ مزاحم نہ ہوں۔ لیکن اُسے کسی وجہ سے ایک غلط طریقے سے کسی خاص جہت میں بھیج دیا گیا، حالانکہ اس بات کا سب کو پتا بھی تھا کہ یہ ایک قرآنی آیت پر جدید تہذیب کی طرف سے وارد کیے گئے ایک اعتراض کا دنداں شکن جواب ہے، اور عہدِ جمہوریت میں اس طرح کی علمی آزادی کو کسی بھی طرح قید نہیں کیا جا سکتا۔

پانچویں دلیل یہ ہے کہ پچھلے نو سال سے میرا ایک بستی میں گوشہ نشینی اختیار کر لینا، سیاست اور معاشرتی زندگی سے کنارہ کش ہو کر تجرّد کی زندگی میں رغبت رکھنا، اور گزشتہ دس سالوں میں میرا کسی بھی سرکاری عدالت کی طرف رجوع نہ کرنا، صرف اس بنا پر کہ میں سیاست کی دنیا میں دخل اندازی نہ کروں۔ اور اس راستے میں مجھے وہ تمام اقسام کے ظلم و استبداد سہنے پڑے جو مجھ پر بارہا دفعہ ڈھائے گئے جیسے کہ اب کی بار ڈھائے گئے ہیں، میں اگر ان عدالتوں کی طرف رجوع کرتا تو میرے لیے ''بارلا'' کے بجائے استنبول میں قیام کرنا ممکن ہوتا۔

اِس دفعہ مجھے جو عدالت میں اس ظالمانہ طریقے سے کھڑا کیا گیا، ہو سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ میں چونکہ حکومت کے ارکان و ذمہ داران کی طرف رجوع نہیں کرتا اور امیرِ ''اسپارٹا'' کے دربار میں حاضری نہیں دیتا، اس لیے میرا یہ رویہ انہیں بُرا لگا ہو اور ان کی کبریائی کو چوٹ لگی ہو! اس لیے انہوں نے اپنے حقد و حسد اور اپنی بے دست و پائی کی وجہ سے بات کا

---

[1] اس سے مراد وہ دور ہے جب اذان اور اقامت پر پابندی لگ گئی تھی اور ان کی جگہ کچھ ترکی الفاظ جاری کر دیے گئے تھے۔ یہ قرارداد 18 جولائی 1922ء کو صادر ہوئی۔

بتنگڑ بنا دیا ہو اور وزارتِ داخلہ کو میرے خلاف بھڑکا دیا ہو!

حاصل: میرے وہ تمام دوست احباب جو ہمیشہ میرے ساتھ رہتے ہیں، سب جانتے ہیں کہ سیاست میں حصہ لینا یا اُسے براہِ راست اپنا لینا تو رہا ایک طرف، سیاست کے بارے میں سوچنا ہی میرے اساسی مقصد، رُوحانی احوال اور مقدس ایمانی خدمت کے خلاف ہے، بلکہ میرے ساتھ مناسبت ہی نہیں رکھتا۔ مجھے نور عطا ہوا ہے سیاسی چھڑی نہیں۔

اس حالت کی ایک حکمت میرا یہ اطمینان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں سیاست سے کنارہ کشی اور اس کے بارے میں شدید نفرت ڈال دی ہے، تاکہ وہ لوگ جو ایمانی حقائق کے والہ وشیفتہ ہیں، لیکن حکومت کی ذمہ داریوں کی ڈوری میں بندھے ہوئے ہیں، وہ ان حقائق سے محروم نہ رہ جائیں، یا انہیں شک وشبہ اور تردُّد کی نظر سے نہ دیکھیں۔

لیفٹیننٹ کرنل مرحوم ''عاصم بک''[1] سے جواب طلبی ہوئی، تو اُس نے دیکھا کہ اگر اُس نے سچ بولا تو اُس کے استاد کو نقصان پہنچے گا، اور اگر اُس نے جھوٹ بولا تو اُس کی چالیس سالوں پر محیط پاکیزہ واستوار عسکری شرافت پر دھبا لگتا تھا، تب اُس نے اپنے پروردگار سے دعا کی: اے اللہ! مجھے اپنے پاس بلالے۔ اور پھر اُسی وقت دَس منٹ کے اندر اندر اس کی روح قبض ہوگئی، اور وہ شہیدِ استقامت بن گیا، اور اُن بدترین غلطیوں کی بھینٹ چڑھ گیا جن کا ارتکاب اُن لوگوں نے کیا تھا جو تعاوُن علی الخیر اور اہلِ خیر کے ساتھ دوستداری کو ایک بہت بڑی غلطی شمار کرتے تھے، حالانکہ ان دونوں پر دنیا کا کوئی قانون بھی محاسبہ نہیں کرتا۔

جی ہاں، جس نے بھی رسائل نور سے مکمل درس حاصل کیا ہے، وہ موت کو سفر کرنے کا پاسپورٹ سمجھتا ہے، اور وہ موت کا پیالہ ایسے چسکیاں لے کر پی جاتا ہے جیسے کہ وہ پانی کا پیالہ پی رہا ہو! اگر مجھے ان لوگوں کا غم نہ ہوتا جو میرے بعد دنیا میں رہیں گے، اور مجھے ان کے آلام ومصائب کا اہتمام نہ ہوتا تو میں بھی وہی بات کہتا جو میرے عزیز بھائی ''عاصم بک'' نے کہی تھی، یعنی: اے اللہ! مجھے اپنے پاس بلالے۔

بہر حال معاملہ جو بھی ہو، ان لوگوں نے مجھ پر جو الزام لگائے تھے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ

تیسرا الزام: اُن لوگوں نے مجھ پر جو الزام لگائے تھے اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رسائلِ نور حکومت کے اِذن کے بغیر وسیع پیمانے پر پھیل جانے کی وجہ سے اور ایمانی شعور کو مضبوط کرنے کی بنا پر مستقبل میں حکومت کی آزادانہ

[1] لیفٹیننٹ کرنل احمد عاصم اوگزدم، عثمانی فوج میں ایک آفیسر کی حیثیت سے کام کیا۔ بلادِ عرب اور اناطولیہ کے متعدد علاقوں میں خدمات سر انجام دیں استاد کے ساتھ ان کا تعارف اس وقت ہوا جب انہیں ''بوردر'' میں جلا وطن کیا گیا تھا۔ وہ استاد کے ہم عمر تھے۔ رسائلِ نور کی نقل وکتابت اور نشر واشاعت کے ضمن میں انہوں نے بڑی جلیل القدر خدمات سر انجام دیں۔ اپریل 1935ء میں ''اسپارٹا'' میں اس وقت فوت ہوئے جب اُن سے استاد نورسی کے ساتھ تعلقات کے بارے میں وضاحت طلب کی گئی تھی۔ اس وقت استاد نورسی ''اَسکی شہر'' میں قید تھے۔

مبادیات کے آگے رکاوٹ بن سکتے ہیں اور امنِ عام میں خلل ڈال سکتے ہیں۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ''رسائلِ نور'' نُور ہیں، اور نور سے نقصان نہیں ہوتا، بلکہ انہوں نے تیرہ سال پہلے آغاز ہی میں سیاست کی لاٹھی اپنے ہاتھ سے پھینک دی تھی، اور اپنی تمام تر توجہ اُن مقدس حقائق کو مضبوط کرنے کی طرف مبذول کر دی تھی جو کہ قوم و وطن کی زندگی کے لیے بنیاد کے پتھر کی تشکیل کرتی ہیں۔ اور میں یہ بات پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ان تمام فاضل بھائیوں سے کہ جنہوں نے یہ تمام کے تمام یا ان میں سے کچھ رسائل پڑھے ہیں، اس بات کی گواہی دلوا سکتا ہوں کہ یہ اس مبارک قوم کے لیے نقصان دہ نہیں بلکہ ننانوے فیصد نفع بخش ہیں۔ میں یہ چیلنج کرتا ہوں کہ کوئی میدان میں آئے اور کہے کہ: میں نے ان میں کوئی نقصان دہ چیز ملی ہے پایا ہے۔

ثانیاً: میرے پاس نہ تو پریس ہے اور نہ منجھے ہوئے لکھاری، بلکہ مجھے تو کوئی لکھنے والا مشکل سے ہی ملتا ہے، اور میرا اپنا خط اچھا نہیں، بلکہ میں تو ادھ پڑھ آدمی ہوں، اپنے ٹوٹے پھوٹے خط کے ساتھ مشکل سے ایک گھنٹے میں ایک صفحہ لکھ سکتا ہوں۔

''مرحوم عاصم بک''، جیسے بعض معزز لوگوں نے اپنی خوبصورت لکھائی کے ساتھ میری مدد کی، ان کی یہ تحریریں میرے لیے خوبصورت یادوں کی حیثیت رکھتی ہیں، چنانچہ ان لوگوں نے میری غموں سے بھری اجنبیت کی یادوں کو قلم بند کر لیا، پھر اس کے بعد کچھ فاضل دوستوں نے اُن ایمانی انوار کو پڑھنا چاہا، کیونکہ انہیں ان رسائل میں اپنی بیماری کی شافی دوا مل گئی تھی؛ چنانچہ انہوں نے جب ان رسائل کو پڑھا تو انہیں اِن میں حقُ الیقین کے ساتھ اپنی ابدی زندگی کے حق میں تریاق نظر آیا، اس لیے انہوں نے اپنے لیے یہ رسائل نقل کر لیے۔

آپ لوگ ''رسالۃ الفہرست'' ہی لے لیں، یہ رسالہ تمہارے ہاتھوں میں ہے اور تمہاری تحقیقات و تدقیقات کی نظر میں ہے، یہ رسالہ ظاہر کرتا ہے کہ رسائلِ نور کا ہر جز کسی نہ کسی قرآنی آیت کی حقیقت کی تفسیر کرتا ہے، خاص کر وہ آیات جو ایمان کے ارکان کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں، چنانچہ یہ رسائل ان آیات کی کچھ اس انداز سے وضاحت کرتے ہیں کہ انہوں نے قرآن پر حملے کی اُن تمام سازشوں کو ناکام بنا دیا ہے اور انہیں بیخ و بن سے اُکھاڑ دیا ہے جو یورپ کے فلاسفہ نے ایک ہزار سال سے تیار کی ہیں۔

''بوڑھوں کے لیے اُمید بھرا پیغام'' جو کہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، اگر اُس کی گیارہویں اُمید میں ایمانی اور توحیدی براہین میں سے صرف ایک برہان لے لیں اور بطورِ نمونہ اس کا مطالعہ کریں اور اس کی گہرائی میں اتریں تو تم پر میرے دعوے کی سچائی آشکار ہو جائے گی۔

پھر مجھے اس بات کا پورا پورا یقین ہے کہ جو شخص بھی نظرِ انصاف کے ساتھ رسائلِ نور کے کچھ نمونوں کا مطالعہ کرے گا جیسے کہ ''کفایت شعاری''، ''مریضوں کے نام پیغام'' جو کہ پچیس ایمانی دواؤں پر مشتمل ہے، اور ''بوڑھوں کے نام

پیغام" جو کہ بوڑھوں کے لیے تیرہ عدد ایمانی اُمیدوں اور تسلیوں پر مشتمل ہے؛ وہ ان کے قوم و وطن کے لیے مفید ہونے کی قدر ضرور کرے گا؛ کیونکہ یہ مبارک قوم کی آدھی آبادی یعنی فقیروں، بیماروں اور سن رسیدہ لوگوں کے لیے دولت و ثروت کا ایک انمول خزانہ ہے۔

تحقیق کی اس مہم میں تمہاری مدد کی خاطر کہتا ہوں کہ "رسالۃ الفہرست" ان رسائل کی ایک قسم ہے جن کی عمر بیس سال ہے، اور ان میں سے بعض کے بنیادی مباحث کا آغاز "دارُ الحکمت" سے ہو گیا تھا۔ اور فہرست میں جو نمبر ہیں، تالیف کی ترتیب سے نہیں ہیں، چنانچہ مثال کے طور پر "بائیسواں مقالہ"، "پہلے مقالے" سے قبل لکھا گیا، اور "بائیسواں مکتوب"، "پہلے مکتوب" سے قبل لکھا گیا۔ اور اس طرح کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔

ثالثاً: رسائلِ نور کے اجزا جو کہ "علم الایمان" سے عبارت ہیں، امنِ عام اور استقرار کی بنیادیں استوار کرتے ہیں، جی ہاں، ایمان جو کہ اخلاقِ حسنہ کا سرچشمہ اور خصالِ حمیدہ کا منبع ہے، کسی بھی صورت میں امن عام کو خراب نہیں کرتا بلکہ امن کو بروئے کار لاتا ہے اور اس کی بنیادیں مضبوط کرتا ہے، جبکہ عدمِ ایمان سے جنم لینے والی بے اخلاقی ہی امنِ عام میں خلل انداز ہوتی ہے۔

یاد رکھو کہ میں نے آج سے بیس تیس سال پہلے کسی اخبار میں برطانوی وزیرِ نو آبادیات کا ایک مضمون پڑھا تھا، اُس میں وہ کہتا ہے: "مسلمانوں کے ہاتھوں میں جب تک قرآن ہے ہم ان پر اپنا تسلط مضبوط نہیں کر سکتے ...... اس لیے ہمیں ان کے ہاتھوں سے قرآن چھیننے کی اور اُن کی نظروں میں اس کی اہمیت گھٹانے کی کوشش کرنا ہوگی۔" تب اُس معاند کافر کی بات نے میری نظر کو گزشتہ تیس سال سے یورپ کے فلاسفہ کی طرف پھیر دیا ہے، چنانچہ تب سے میں جہادِ نفس کے بعد ان کے ساتھ جہاد کر رہا ہوں، اور میں داخلی اُمور کی طرف توجہ نہیں کرتا ہوں، بلکہ یہ کہتا ہوں کہ: اندرونی برائیوں کا سرچشمہ یورپ کی غلطیاں اور اُس کی مفسدانہ حرکات ہیں، اسی بنا پر میں یورپ کے فلاسفہ پر حملہ آور ہوتا ہوں اور ان پر اپنے غضب کی آگ برساتا ہوں۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ رسائل نُور نے مادی اور طبیعی فلاسفروں کا ناطقہ بند کر دیا ہے اور اس معاند کافر کی اُمیدوں کو خاک میں ملا دیا ہے۔

پس دنیا میں کسی بھی شکل کی کوئی بھی حکومت ایسی نہیں ہے جو اپنے علاقے کی بابرکت پیداوار کو اور اپنی غیر متزلزل معنوی قوت کے سرچشموں کو روک لے یا اُن کے نشر کرنے والے کو مجرم قرار دے دے، اور وہ آزادی جس سے یورپ میں راہب متمتع ہو رہے ہیں، یہ واضح کرتی ہے کہ ایسا کوئی قانون نہیں ہے جو اُن لوگوں سے تعرّض کرے جو دُنیا سے علیحدہ ہو چکے ہیں اور خود کو اپنے ایمان اور اپنی آخرت کے لیے وقف کر چکے ہیں۔

الحاصل: مجھے اس بات کا یقین ہے کہ دنیا میں ایسا قانون کوئی نہیں جو پچھلے دس برسوں سے محکوم، جلاوطن، کسی بھی انسان کے ساتھ میل ملاپ سے روکے گئے بوڑھے کھوسٹ شخص کو روکے یا روکنے کی کوشش کرے جو اپنی اُن علمی

واردات اور یادداشتوں کو قلم بند کرنا چاہتا ہو جن کا تعلق اس کے اُس ایمان کے ساتھ ہے جو ابدی سعادت کی کلید ہے، پھر یہ ہے کہ اُن پر کسی بھی عالمِ دین کی طرف سے اب تک کوئی تنقید نہ ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ عین حق اور محض حقیقت ہیں۔
مجھے متہم کرنے اور کٹہرے میں کھڑا کرنے کے جو اسباب بتائے گئے ہیں، ان میں سے ایک سبب یہ ہے کہ:

چوتھا الزام: میرے بارے میں یہ خبر دی گئی ہے کہ میں ایسے درس دیتا ہوں جو تصوّف کے اُن سلسلوں کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں جن پر ''ملک میں پابندی لگی ہوئی ہے۔''

جواب: اوّلاً: میری وہ تمام کتابیں جو تمہارے ہاتھوں میں ہیں اس بات کی گواہ ہیں کہ میں ایمانی حقائق میں مصروف ہوں، پھر میں نے ایسے متعدد رسائل لکھے ہیں جو اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ ''یہ دور طریقت کا نہیں بلکہ ایمان کو بچانے کا دور ہے، طریقت کے بغیر جنت میں داخل ہونے والے بہت زیادہ ہوں گے، لیکن ایمان کے بغیر جنّت میں جانے والا کوئی نہیں ہوگا؛ اس لیے یہ دور ایمان کے لیے کام کرنے کا ہے۔''

ثانیاً: میں دس سال سے صوبہ ''اسپارٹا'' میں ہوں، یہاں کے باسیوں میں سے کوئی میدان میں آئے اور کہے کہ ''اس نے مجھے طریقت میں کوئی درس دیا ہے،'' البتہ ایک عالم ہونے کی حیثیت سے میں نے کچھ خاص الخاص اُخروی بھائیوں کو علومِ ایمانیہ اور حقائقِ عالیہ کے بارے میں کچھ درس ضرور دیے ہیں، اور یہ چیز طریقت کی تعلیم نہیں بلکہ حقیقت کی تدریس ہے۔

ہاں، ایک بات اور، اور وہ یہ کہ میں شافعی المذہب ہوں، اور میری نماز کے بعد والی تسبیحات احناف کی تسبیحات سے کچھ مختلف ہیں، پھر میں نمازِ مغرب سے لے کر نمازِ عشاء تک، اور فجر سے پہلے استغفار اور تلاوت قرآن جیسے اُمور میں مصروف رہتا ہوں، اس لیے کسی کا استقبال نہیں کرتا۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ دنیا کا کوئی قانون اس چیز سے منع نہیں کرتا۔
طریقت کے اس مسئلے کی مناسبت سے، حکومتی اور عدالتی اراکین نے مجھ سے پوچھا ہے: پھر میں گذر بسر کیسے کرتا ہوں؟

جواب: میں کافی دنوں تک صرف ایک پارہ[1] پر گزارہ کرتا ہوں، بلکہ بسا اوقات تو میں اس سے بھی کم پر گزارہ کر لیتا ہوں، جیسے کہ میرے وہ تمام دوست جانتے ہیں جو ہمیشہ میرے ساتھ رہتے ہیں، اور یہ صرف کفایت شعاری کی برکتیں اور مکمل قناعت کے خزانے کے فیضان ہیں حتّٰی کہ میں نے سات سالوں میں اپنی کپڑوں اور جرابوں جیسی ضروریات صرف سات سِکّوں میں پوری کر لی ہیں۔ اور یہ چیز ''بارلا'' کے باسی اچھی طرح جانتے ہیں جن کے درمیان میں نے نو سال گزارے ہیں۔

---

[1] ایک لیرے میں سو قُرش اور ایک قرش میں چالیس پارے ہوتے ہیں۔

پھر میں اپنے اس کردار[1] کی گواہی کے مطابق جو کہ آپ سب کے سامنے ہے، میں نے لوگوں کے تحائف وصدقات وخیرات سے گریز کیا ہے اور اپنے مخلص ترین دوستوں کے تحفے بھی قبول نہیں کیے، حالانکہ اس سے ان کی دل شکنی بھی ہوئی ہے۔ اور میرے معاون دوست یہ بات جانتے ہیں کہ اگر مجھے کبھی کسی کا تحفہ قبول کرنے کے لیے مجبور کیا گیا تو اُسے اس شرط پر قبول کیا کہ اس کے بدلے میں تحفہ دینے والے کو کچھ نہ کچھ ضرور دوں گا۔

میں نے ''دارُالحکمۃ الاسلامیۃ'' سے جتنی تنخواہ لی اُس کا زیادہ تر حصہ اُن کتابوں کی طباعت پر صرف کر دیا جو اس وقت تالیف کی تھیں اور ان میں سے کچھ حصہ حج پر جانے کے لیے بچا کر رکھ لیا، چنانچہ کفایت شعاری وقناعت کی برکت سے یہ تھوڑا سا مال بھی مجھے دس سال تک کافی رہا۔ چنانچہ میری ساکھ بھی بچی رہی، اور اس بابرکت مال سے کچھ بچا ہوا حصہ میرے پاس ابھی تک محفوظ ہے۔

معزز عدالت! میرے اِس طویل بیان کی سماعت اُکتاہٹ کا باعث نہیں بنی چاہیے؛ کیونکہ میرے مقدمے کی اس فائل کے ساتھ میری بیس تیس کتابیں بھی نتھی کر دی گئی ہیں، اور مجھ پر لگائی گئی ان تہمتوں کے مقابلے میں میرا یہ طویل بیان یقیناً بہت چھوٹا شمار ہوگا!

میں قوانین نہیں جانتا؛ کیونکہ میں نے تیرہ سال سے دنیا کے معاملات میں کوئی دخل نہیں دیا ہے، اور میری زندگی اس بات کی گواہ ہے کہ میں اپنے دفاع کی خاطر نہ تو دھوکہ فریب سے کام لیتا ہوں اور نہ کسی کو گمراہ کرتا ہوں۔ میں نے حقیقتِ حال بے کم وکاست بیان کر دی ہے۔ آپ لوگ ضمیر اور وجدان رکھتے ہیں اور قوانین کو بے لاگ طریقے سے لاگو کرنا جانتے ہیں؛ اس لیے میرے بارے میں قانون کا جو بھی تقاضا ہے اُسے پورا کیجئے اور آپ کا جو بھی فیصلہ ہو سنا دیجئے۔

اور یہ بھی یاد رکھیں کہ بعض کوتاہ قسم کے ملازموں اور نااہل ونالائق افسروں کو میرا معاملہ کچھ زیادہ ہی خطرناک نظر آیا ہے، اس لیے انہوں نے اسے کچھ زیادہ ہی بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے اور رائی کا پہاڑ بنا دیا ہے، صرف اس بنا پر کہ وہ کسی مثبت تدبیر کے مالک نہ تھے، یا کچھ زیادہ ہی خوف محسوس کرنے لگے تھے، یا پھر اس بنا پر کہ وہ مختلف قسم کے کچھ ایسے وہموں کا شکار ہو چکے تھے جن کی آڑ میں غلط کام کر لیے جاتے ہیں جیسے کہ بھیڑیے نے بھیڑ کے بچے کو کھانے کا بہانہ بنایا تھا، یا پھر اس لیے کہ کسی مقام ومنصب تک پہنچنے کے اس طرح کی الٹی سیدھی حرکتیں کرنا ہی پڑتی ہیں، اور یا پھر اُنہیں آزادی کے نئے قوانین لاگو کرنے کے لیے زمین ہموار کرنا پڑتی ہو اور وہ کچھ اس طرح کے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں تا کہ اس طرح وہ حکومت کا قُرب حاصل کر سکیں۔ ہم آپ سے یہ اُمید رکھتے ہیں کہ آپ اپنی قابلیت کے بل بوتے پر ان کے اوہام کے پہاڑ کو رائی بنا کر ظاہر کریں، یعنی ان کی دوربین کو اُلٹا کر دیں اور جو کچھ انہوں نے دیکھا ہے اس کے برعکس دیکھیں۔

---

[1] اس سے مراد اُن کی وہ مختصر سی حالات زندگی ہے جو اُن کے بھتیجے عبدالرحمان نے لکھی ہے۔

میں آپ سے ایک اُمید اور بھی لگائے ہوئے ہوں، اور وہ یہ ہے کہ آپ لوگ میری ضبط کی ہوئی وہ کتابیں واپس کر دیں جو میرے نزدیک انمول ہیں۔ انقرہ لائبریری نے آج سے بارہ سال پہلے ان میں سے کچھ اہم کتابوں کو شکر و امتنان کے ساتھ قبول کیا تھا، اور لائبریرین نے اس بات کا اعلان اخبارات میں کیا تھا۔

میں اس قضیے میں آپ کے جوڈیشل بورڈ کی اجازت سے یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ میرے اس دفاعی بیان کی ایک کاپی کو سرکاری وکیل تک پہنچادے تاکہ وہ ان لوگوں کے خلاف دعویٰ دائر کرے جنھوں نے مجھے نقصان پہنچایا ہے، ایک کاپی وزارات داخلہ کو اور ایک پارلیمنٹ کو بھی ارسال کردے۔

میرے سابقہ دفاعی بیان کا تتمّہ

میں اپنے فاضل جج اور جوڈیشل بورڈ کی توجہ اس طرف کرا رہا ہوں کہ میں اپنے سابقہ دفاعی بیان میں مندرجہ ذیل تین شِقوں کا اضافہ کر رہا ہوں:

پہلی شق: یہ لوگ ہم سے باصرار و تکرار پوچھتے ہیں اور اس انداز سے پوچھتے ہیں کہ گویا ہم کوئی گروہ یا تنظیم ہیں، اور ان کے اس سوال پر اصرار کرنے سے ہماری حیرانی و پریشانی میں اضافہ ہو جاتا ہے اور ہمیں محسوس ہو جاتا ہے کہ ہمیں متہم کرنے کے لیے سوچے سمجھے منصوبے سے کام لیا جا رہا ہے اور مکّارانہ چال چلی جا رہی ہے، چنانچہ یہ لوگ ہم سے کہتے ہیں: اس تنظیم کو چلانے کے لیے تم لوگ مال کہاں سے لیتے ہو؟

جواب: اوّلاً: میں بھی ان لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے پاس کوئی ایسا وثیقہ یا کوئی ایسی دلیل ہے جو ہماری طرف سے بنائی گئی کسی سیاسی پارٹی کے وجود پر دلالت کرتی ہو؟ اور کیا تمہیں کوئی ایسی حجت یا دلیل ملی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہو کہ ہم نے مال دولت کے ساتھ کوئی ایسی تنظیم بنائی ہے جس کی وجہ سے تُم نے اس سوال کی رَٹ لگائی ہوئی ہے؟

میں پچھلے دس سال سے صوبہ ''اسپارٹا'' میں کڑی نگرانی کے تحت ہوں، اب ایک ایسا انسان جو اجنبیت اور اکیلے پن کے عالم میں زندگی گزار رہا ہو، اور جو صرف اُنہی ایک دو آدمیوں کو دیکھ سکتا ہو جو اس کے کام کاج میں مصروف ہیں، اور جو ہر دس دن میں صرف ایک دو مسافروں کو دیکھ سکتا ہو، جو دنیا سے اُکتا چکا ہو، جو سیاست سے شدید نفرت کرتا ہو، اور جو حکومت خلاف مضبوط قسم کی سیاسی پارٹیوں اور تنظیموں کی عملی کاروائیوں کے نتائج بالکل الٹ نکلنے کی صورت میں اُن پارٹیوں کو لاحق ہونے والے نقصانات کا اور ان کی خواہشات کے بالکل برعکس اُن کی ناکامیوں کا بار بار مشاہدہ کر چکا ہو، اور وہ تمام تر سیاسی پارٹیوں کو اور سیاسی دھاروں کو تیاگ چکا ہو، چنانچہ اس نے ان پارٹیوں میں اس وقت بھی شرکت نہ کی جب اُسے اپنی قوم میں اور اپنے ہزاروں دوستوں اور ہمدردوں کے درمیان ایک بہترین موقع ملا تھا، لیکن اس نے اس موقع سے فائدہ نہ اُٹھایا اور تحقیقی ایمان کی خدمت کو اتنا مقدّس کام سمجھا، کہ اس خدمت کو سیاسی اغراض و مقاصد کی خاطر

ملوّث کرنا تو رہا ایک طرف جو کہ عظیم ترین گناہ ہے، اُس میں کسی بھی دوسرے کام کی آمیزش کو جائز ہی نہ سمجھا، چنانچہ وہ دس سال قبل سے "أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ وَالسِّيَاسَةِ" کو دستور بنا کر سیاست سے ایسے بھاگا جیسے کہ شیطان سے بھاگتا ہے — جس نے "الحيلةُ في عدم الحيلة" والے راز کو پالیا ہو، اور باوجود اس کے کہ وہ عصبی المزاج تھا اور اپنے راز بے خوف وخطر بیان کر دیتا تھا، لیکن اُس نے اس قسم کی تنظیم کے بارے میں دس سال میں ''اسپارٹا'' کی وسیع و عریض ریاست کے جاسوس اور مخبر قسم کے ملازموں کو کچھ نہ بتایا ہو۔ ایسا میں کہتا ہوں: ایک آدمی جس کی یہ حالت ہو، ان سب کے باوجود اس کے پاس کوئی آئے اور کہے کہ: '' تو ایک تنظیم کی سرپرستی کر رہا ہے اور اس کی سرگرمیوں کی ادارت کر رہا ہے،'' تو ایسے آدمی کی اس طرح کی افترا پردازیوں کو نہ صرف میری طرف سے بلکہ صوبہ ''اسپارٹا'' کی طرف سے، میرے تمام جاننے والوں کی طرف سے حتی کہ تمام اہلِ عقل واہلِ وجدان کی طرف سے نفرت اور دھتکار کی نظر سے دیکھا جائے گا اور وہ سب لوگ اُسے یہ کہیں گے کہ تو بدیع الزمان کے خلاف منصوبہ بندی کے تحت سازشیں کر کے اس پر تہمتیں لگا رہا ہے۔

ثانیاً: ہمارا ہدف ایمان ہے، ہمارے پاس ایمان کی اخوت کے طفیل ''اسپارٹا'' کے ننانوے فیصد باسیوں کے ساتھ اور ابنائے وطن کے ساتھ ایک اٹوٹ قسم کا رابطہ ہے۔ رہی تنظیم، تو وہ اکثریت کے درمیان اقلیت کے اتفاق کا نام ہے۔ اب ایک ایسی چیز جس کا وجود ایک کے مقابلے میں ننانوے فیصد ہو، اسے تنظیم شمار نہیں کیا جا سکتا۔ احوال واقعی یہ ہیں کہ ایک ظالم وستم شعار مُلحد یہ سمجھتا ہے کہ دوسرے تمام لوگ بھی اُسی کی طرح مُلحد ہیں، چنانچہ وہ اس بابرکت متدین قوم کی اہانت کے لیے اپنی اس سوچ کا پرچار کرتا ہے۔

ثالثاً: ایک میرے جیسا انسان جس نے ترک قوم کے ساتھ سچی محبت کی ہو اور اس کی دل سے عزت کی ہو؛ کیونکہ اُس نے قرآن کی تعریف سے حصہ پایا ہے، جس نے اُس امت کے ساتھ دوستی کا دم بھرا اور اس کی مدد کی ہو جس اُمت نے چھ سو سال سے قرآن کا جھنڈا بلند کیا ہے اور تمام دنیا کا سامنا کیا ہے۔ اِس کی عملی طور پر اس طرح سے خدمت کی ہو جو اس کے ایک ہزار بیٹوں کی شہادت کی رُو سے ایک ہزار قوم پرست ترکوں کی خدمت کے برابر ہو، اور صرف اس بنا پر کہ اُس نے تیس چالیس ترک نوجوانوں کو اپنے وطن اور اپنی قوم کے تیس ہزار بے نماز لوگوں پر ترجیح دی ہو جس نے یہ اجنبیت و بے دری اختیار کی ہو، اور اہلِ علم کی علمی عزت اور مقام و مرتبے کی حفاظت کی ہو، اور جس نے واضح ترین صورت میں ایمانی حقائق کی تدریس کی ہو؛ چنانچہ ان دس، بیس یا تیس سالوں کے عرصے میں اگر اُس کے ساتھ ایمان، حقیقت اور آخرت کے خالص رشتے کے ذریعے بیسیوں بلکہ سینکڑوں، بلکہ ہزاروں شاگرد جان نثاری، قربانی اور فداکاری کی رو سے وابستہ ہو گئے ہیں اور وہ آپس میں آخرت کو ترجیح دینے والے بھائی بن گئے ہیں، تو یہ اُس نے کوئی اتنا بڑا کام تو نہیں کر دیا ہے کہ اسے اس حد تک نقصان دہ سمجھا جائے؟! یا کوئی صاحبِ ضمیر اور انصاف پرست آدمی ان پر تنقید کرنے کو جائز سمجھے گا؟ یا اُنہیں اِس نظر سے دیکھنا ممکن ہے کہ وہ کوئی سیاسی تنظیم ہیں؟!

رابعاً: وہ لوگ انصاف سے کتنا دُور ہیں جنھوں نے یہ سوال کیا ہے کہ تُو گزر بسر کرنے کے لیے اور تنظیم سازی کے لیے مال کہاں سے لیتا ہے؟ اور یہ سوال کیا بھی اس آدمی سے ہے جس نے دس سالوں میں اپنی گزر بسر کے معاملات سو روپے میں چلائے ہیں، اور بسا اوقات تو ایسا ہوا کہ اُس نے ایک دن میں صرف چالیس پارے خرچ کیے ہیں، اور سات سال میں ایک ایسی عبا پہنی جس پر ستر پیوند لگے ہوئے تھے۔ اہلِ انصاف یہ بات خوب جانتے ہیں۔

دوسری شق: ان لوگوں نے دہشت گردی کے ذریعے لوگوں میں خوف و ہراس پھیلا کر، اور آزادی کے قوانین کو جاری کرنے میں سہولت پیدا کرنے کے لیے حکومت کو دھوکے میں رکھ کر ''مَنَمَن''[1] جیسا حادثہ گھڑنے کا ارادہ کیا، چنانچہ یہ لوگ حکومت کے آزادی کے قوانین کو آسانی کے ساتھ قابلِ قبول بنانے کے پروگرام کو ذریعہ بنا کر مجھے طاقت کے بل پر ''بارلا'' سے ''اسپارٹا'' لے آئے۔ لیکن جب ان پر واضح ہو گیا میرے لیے اس طرح کے فتنوں کے لیے آلۂ کار بننا ممکن نہیں، اور میرے اندر اس طرح کے بانجھ منصوبوں میں کوئی دلچسپی نہیں جو ہر جہت سے قوم، وطن اور دین لیے نقصان دہ ہوں؛ تو انہوں نے اپنے منصوب تبدیل کر لیے اور میری جھوٹی اور مجھے پسند نہ آنے والی شہرت سے فائدہ اُٹھا کر ایسی مکاریوں اور فریب کاریوں کا جال بچھایا کہ جو خواب و خیال میں بھی نہیں سکتیں، چنانچہ انہوں نے ''مَنَمَن'' جیسے ایک مظلوم من گھڑت حادثے میں مجھے ملوث کر دیا اور قوم و ملک، حکومت اور بہت سے بے قصور ملزموں کو بہت بڑا نقصان پہنچاتے ہوئے مجھے ''اسپارٹا'' سے ''اَسکی شہر'' لے آئے۔ لیکن اُن کے جھوٹ کا بھانڈا آج جب چوراہے میں پھوٹ گیا ہے تو انہوں نے بالکل وہی بہانے گھڑ لیے جو بھیڑیے نے بھیڑ کے بچے کو کھانے کے لیے گھڑے تھے، اور اس سے اُن کی غرض صرف یہ تھی کہ وہ ارکان عدالت کو گمراہ کر دیں۔ میں اس ملک کا شہری ہونے کی حیثیت سے اپنے دفاع کا پورا پورا حق رکھتا ہوں، اس لیے میں ارکانِ عدالت کو یاد دلاتا ہوں کہ انہیں اس طرح کے مسائل میں انتہائی احتیاط اور بیدار مغزی کی ضرورت ہے۔

حق تو یہ ہے کہ تہمت خود اُن پر لگنی چاہیے؛ کیونکہ اس سے پہلے انہوں نے حکومت کے آدمیوں کے قریب ہونے کی کوشش کی حیلہ سازی سے ایک چھوٹا سا واقعہ گھڑا جس کے ذریعے وہ بعض سیدھے سادھے بے قصور مساکین کو برانگیختہ کر چکے ہیں۔ اور انہیں ایک جھوٹی تنظیم کے مصنوعی چہرے کے پیچھے لگا دیا۔ پھر اس کے بعد انہوں نے حکومت کو گمراہ کیا اور رائی کا پہاڑ بنا دیا جیسے کہ شیاطین کرتے ہیں، اور وہ بہت سے بے قصور آدمیوں کو کچلنے کا سبب بن گئے، ملک قوم کو بہت سا نقصان پہنچا بیٹھے اور دیگر لوگوں کے کندھوں پر بہت سا بوجھ لاد بیٹھے، پس ہمارا قضیہ بالکل اسی طرح کا ہے۔

---

1 ''مَنَمَن'' کا حادثہ سول نافرمانی کی تحریک کا نام ہے جو ضلع ''اِزمِر'' کے ایک نواحی علاقے ''مَنَمَن'' میں 1920 میں برپا ہوئی، اس تحریک میں سیدھے سادھے دین دار لوگوں کو ایسے کاموں میں ملوث کر دیا گیا جو حکمران نظام کے خلاف جاتے تھے، اس حادثے کو عمومی علاقے میں دینی سرگرمیوں پر پابندیاں لگانے اور دین دار لوگوں پر سختیاں ڈھانے کا ذریعہ بنا لیا گیا۔

تیسری شق: عدالت کو اپنی آزادی واستقلال کی حفاظت دیگر سرکاری اداروں سے بڑھ کر کرنی چاہیے، اور وہ خارجی مؤثرات کو اپنے ذاتی احساسات وجذبات ومشاعر سے علیحدہ ہو کر دیکھنے کی سب سے زیادہ اہلیت رکھتی ہے، اور اس آزادی اور استقلال کی روشنی میں مَیں اپنی آزادی کے حقوق کا آزادی کے ساتھ دفاع کرنے کا پورا پورا حق رکھتا ہوں۔

جی ہاں، تمام عدالتوں میں کچھ ایسے مقدمے چل رہے ہیں جو اموال اور ارواح کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں: اب اگر کوئی جج کسی قاتل پر غضب ناک ہو جائے اور مغلوبُ الغضب ہو کر اُسے نیست کرنے کا حکم دے دے تو وہ بھی قاتل بن جائے گا؛ اس کا مطلب یہ ہے کہ ارکانِ عدالت اگر اپنے جذبات واحساسات اور خارجی مؤثرات سے مکمل طور پر آزادانہ ہو جائیں تو وہ مروّجہ عدالت کی شکل میں خوفناک قسم کے گناہوں کے مرتکب ہوں گے۔

پھر مجرم، حکومت مخالف اور وہ لوگ جن کے آگے پیچھے کوئی نہیں ہے، ان کے بھی تو کچھ حقوق ہیں نا! اور یہ لوگ اپنے حقوق کے لیے چاہتے ہیں کہ انہیں کوئی ایسا مرجع وماویٰ مل جائے جو بالکل غیر جانبدار ہو۔

پھر میری طرف ایک اور تعبیر کی نسبت کی جا رہی ہے، اور وہ تعبیر عدالت کی نظر میں جانبداری کا اشارہ کر رہی ہے، اور عدل کی ماہیت کو ظلم کا رُوپ دے رہی ہے، اور وہ یہ ہے کہ ''اسپارٹا'' میں جب مجھے جواب دہی کے لیے طلب کیا گیا تو وہ لوگ مجھے ''سعید کُردی'' کہہ کر مخاطب کرتے تھے، یا کہتے تھے: ''سعید کُردی''، یا ''یہ کُردی''، حالانکہ میرا نام ''سعید نورسی'' ہے۔ لیکن وہ لوگ مجھے ''کردی'' کہہ کر میرے دوستوں اور اُخروی بھائیوں کے سامنے قومی نعرہ بلند کرتے ہیں اور میرے خلاف جذبات کو ہوا دیتے ہیں، اور عدالت اور اس کی عدالتی کاروائی کے بہاؤ کا رُخ بالکل ہی اُلٹ سمت میں موڑ دینا چاہتے ہیں۔

جی ہاں، اور باوجود اس کے کہ بہت سے تاریخی واقعات اس بات کی وضاحت دیتے ہیں کہ عدالت کی شرطِ اوّل یہ ہے کہ عدالت اور جج مقدمات کو اس طرح کی غیر جانبدارانہ نظر سے دیکھیں کہ اس میں کسی طرفداری کا شائبہ تک نہ پایا جائے، جیسے سیدنا علیؓ کا اپنی خلافت کے دور میں عدالت میں ایک یہودی کے ساتھ برابر بیٹھنا، اور عدالتوں میں بہت سے اُمرء کا عام لوگوں کے ساتھ برابر میں بیٹھ کر فیصلے سننا وغیرہ؛ لیکن اس کے باوجود میں ان لوگوں سے جو صرف اس بنا پر عدالت کی نظر کو بھٹکانا اور میرے خلاف جذبات کو بھڑکانا چاہتے ہیں کہ میں ایک غریب الدّیار اجنبی ہوں، میں ایسے لوگوں سے کہتا ہوں:

> ''معزز ارکانِ عدالت! میں سب سے پہلے مسلمان ہوں، میری ولادت بھلے ہی 'کردستان' میں ہوئی ہے لیکن میں نے ترکوں کی خدمت کی ہے، اور میں نے اپنی ننانوے فیصد مفید ومنفعت خیز خدمات کا رُخ اُنہی کی طرف رکھا ہے، اور میں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حِصہّ ان کے درمیان گزارا ہے، اور مجھے صادق ترین اور مخلص ترین بھائی بند انہیں میں سے ملے ہیں۔''

میں اس بات پر ایسے ایک ہزار بہادر و بلند حوصلہ حقیقی ترکی نوجوانوں کی گواہی پیش کر سکتا ہوں کہ میں نے ترک قوم کی خدمت اس سے کہیں زیادہ کی ہے جتنی اُن ایک ہزار لوگوں نے کی ہے جو اپنے آپ کو تُرک قوم کا عاشق ظاہر کرتے ہیں، اور مجھے ''کُردی'' کہتے ہیں۔ میں نے ترکوں کے ساتھ محبت کی ہے، اور دوسرے لوگوں سے زیادہ اُن کی طرف میلان رکھا ہے، اور اس کے پیچھے ایک ہی چیز کارفرما ہے، اور وہ ہے میری مقدس خدمت اور میرے قرآنی مسلک کا تقاضا؛ کیونکہ ترکی اسلام کے بہادر ترین لشکروں میں شمار ہوتے رہے ہیں۔

جیسے کہ میں اپنے اس دعوے پر اپنی ان تیس چالیس کتابوں کو گواہ بنا سکتا ہوں جو عدالتی بورڈ کی تحویل میں ہیں، اور خاص کر وہ کتابیں جو ''کفایت شعاری''، ''بوڑھوں کے نام پیغام'' اور ''مریضوں کے نام پیغام'' کے نام سے ہیں، اور جو مصیبت زدگان، فقرا، دین دار اور اَتقیا و اصفیا کے ان کئی گروہوں کی خدمت کرتی ہیں جو کہ ترک قوم کے ایک چوتھائی حصے کی ترجمانی کرتے ہیں، اور یہ خدمت ایسی ہے جو کہ ان ہزار لوگوں کی خدمت کے برابر ہے جو ترک قومیّت کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ پس یہ کتابیں کردوں کے ہاتھوں میں نہیں بلکہ ترک نوجوانوں کے ہاتھوں میں ہیں۔

میں عدالتی بورڈ کی اجازت سے ان ظالم ملحدین سے جنھوں نے ہمیں اس مصیبت میں دھکیل دیا ہے، اور حکومت کے بلند پایہ آدمیوں کو غافل بنایا اور قومیت کے نظریے کے بل پر سازشوں کا جال پھیلایا ہے، یہ کہنا چاہتا ہوں:

اے کارپردازانِ ریاست! کیا اس بات کا تعلق قومیت کے ساتھ ہے کہ تم چالیس سے زائد ایسے اشخاص کو اس مصیبت میں گھسیٹ دو جو ترکوں کے بہترین جوان اور جلیل القدر شیوخ ہیں، گویا کہ انھوں نے کسی بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہو! اور یہ سب کچھ ہوا ایک ایسی دفعہ کے تحت کہ جس کا میرے بارے میں کوئی ثبوت بھی نہیں ملا! اور اگر وہ ثابت ہو بھی جاتا تو جرم نہ ہوتا، اور اگر جرم ہوتا بھی تو اس کا ذمہ دار میں اکیلا ہی ہوتا۔

جی ہاں، اس طویل تر بے رحمانہ اور ظالمانہ نظر بندی کا شکار چند وہ فاضل لوگ بھی ہوئے جو ترک نوجوانوں کے لیے قابلِ فخر سرمایہ ہیں، تو کیا یہ چیز بھی قومیت میں شامل ہے کہ انہیں ان کے اہل وعیال کے سامنے گرفتار کر لیا جائے اور انہیں مجرموں کی طرح کھینچتے ہوئے اس مصیبت میں ڈال دیا جائے، صرف اس بنا پر کہ میں ان کے ساتھ ملاقات کیے بغیر ان کی قدر و قیمت پہچان گیا ہوں، انہیں سلام پہنچایا ہے یا ان کی طرف کوئی ایمانی رسالہ بھیجا ہے؟!

میں یہ کہہ رہا ہوں — اور میرا شمار تمہاری نظر میں ایک غیر مہذب قوم میں ہوتا ہے — ان نظر بند ملزموں میں ایسے ایسے معزز ترک نوجوان اور مؤقر بوڑھے پائے جاتے ہیں کہ میں جن میں سے صرف ایک آدمی کے بدلے میں اپنی قوم میں سے سو آدمی لینے کے لیے بھی تیار نہیں ہوں، اور ان میں سے بعض وہ بھی ہیں کہ جن کی وجہ سے میں نے گزشتہ پانچ سال سے حکومت کے اُن ذمہ داران پر بددعا کرنا چھوڑ دیا ہے جو مجھ پر مسلسل دس سال سے ظلم کرتے چلے آ رہے ہیں؛ اور ان میں بعض وہ معزز ترین ساتھی بھی ہیں جن کے اندر میں نے کمال بلند پایہ اخلاق و عادات کے ظاہر ترین نمونے

دیکھے ہیں اور میں نے ان کی قدر کی ہے، حوصلہ افزائی کی ہے اور انہیں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے، اور اُن کے کردار سے میں ترک قوم کے تفوّق کا راز پہچان پایا ہوں۔

میں اپنے وجدان پر اور دیگر بہت سی علامات و واقعات پر اعتماد کرتا ہوا یہ بات تاکید کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر میرے ان نظر بند بے قصور فاضل ملزموں کی تعداد کے برابر بدن ہوتے، یا ان پر نازل ہونے والی تمام سختیاں میں اپنے اُوپر لے سکتا، تو میں پورے فخر کے ساتھ وہ سختیاں اُٹھانے کا مطالبہ کرتا۔

اُن کے بارے میں میرا یہ احساس اُن کی ذاتی قدر و قیمت کی وجہ سے ہوا نہ کہ اُن سے کوئی ذاتی فائدہ حاصل کرنے کے لیے؛ کیونکہ ان میں کچھ تو وہ ہیں جنھیں میں پہلی بار دیکھ رہا ہوں، اور کچھ تو ایسے ہیں کہ انہیں میری وجہ سے نفع ہوا ہے اور مجھے ان کی وجہ سے نقصان اُٹھانا پڑا، لیکن مجھے اگر ان کی وجہ سے ہزار نقصان بھی ہوجائے تو بھی میری نظر میں ان کی قیمت کم نہیں ہوگی۔

پس اے تُرک قومیّت کے مدّعی ظالم مُلحدو! آپ کی تعبیر کے مطابق میرے جیسے کُردی کی وجہ سے کچھ فضول اور بے معنی قسم کی بدگمانیوں پر اعتماد کرتے ہوئے کیا ان معزز لوگوں کی اہانت کرنا اور اُن کو ذلیل کرنا قومیّت ہے جو ترک قوم کے لیے فخر کا باعث ہیں؟ کیا یہی ترکی قومیّت ہے؟! کیا یہی وطنیت ہے؟! اس کا جواب اے بے انصافو! میں آپ لوگوں کے سپرد کرتا ہوں۔

عدالت کو جب اکثر لوگوں کی بے گناہی کا علم ہوگیا تو اس نے انہیں رہا کردیا، اس لیے کہ اگر کوئی جرم ثابت ہوتا بھی تو وہ میرا ہوتا، ان لوگوں نے تو اپنے کریمانہ اخلاق کے ساتھ جو بھی کیا ہے صرف یہ ہے کہ میرے جیسے بوڑھے کھوسٹ پردیسی کی کچھ چھوٹی موٹی خدمات کی ہیں، یعنی اس طرح کی خدمات کہ سخت سردی میں اس کے لیے انگیٹھی کا بندوبست کردیا، اُسے پانی مہیا کردیا، اُس کے لیے کھانے کا انتظام کردیا اور اس کے بعض خصوصی رسائل کی کتابت کردی وغیرہ...... اور یہ تمام کام انہوں نے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کیے۔ اور انہوں نے میرا دل خوش کرنے کے لیے یادگار کے طور پر میرے دور سالوں کے آخر میں اپنے دستخط کیے ہیں جو کہ میرے پاس ڈائریوں کی شکل میں محفوظ پڑے ہیں؛ اب آپ خود ہی بتائیں کہ دنیا کا کوئی قانون، کوئی اصول یا کوئی مصلحت ایسی ہے جس کی رُو سے اس طرح کے لوگوں کا اس طرح کے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرکے مؤاخذہ کیا جائے؟

میرے دفاعی بیان کا دوسرا تتمہ

معزز عدالت! میرے آئندہ بیانات میں ممکن ہے تم کو کچھ ایسے اُمور مل جائیں جو تمہاری ذمہ داری کی نظر میں ضروری نہ ہوں، لیکن وہ ایسے مسائل ہیں جن کا تعلق اس عمومی علاقے کے ساتھ، بلکہ تمام جہان کے ساتھ ہے، اس لیے

میرے یہ بیانات صرف تم لوگ ہی نہیں سن رہے ہو بلکہ معنوی طور پر وہ لوگ بھی سن رہے ہیں۔

پھر میرے بیانات میں تمہیں کچھ بے ترتیبی بھی نظر آئے گی، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے میرے ایک اہم ترین حق سے محروم کر دیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ میں نے اپنے خط کے بھدّے ہونے کی وجہ سے اُن سے اُمید کی تھی کہ وہ مجھے کوئی ایسا کاتب مہیا کر دیں جسے میں اپنے اس مسئلے کے بارے میں — جو کہ موت وحیات کا مسئلہ ہے — اپنے دفاعی حق کی استدعا اِملا کرواسکوں، لیکن اُنہوں نے ایسا نہ کیا، بلکہ ازراہِ ظلم وتشدّد مجھے دو ماہ کے لیے مکمل طور پر بات کرنے سے روک دیا؛ اس بنا پر میں اپنے بھدّے اور بے ترتیب خط کے ساتھ منظّم اور مرتب طریقے سے نہ لکھ پایا۔

اور میرا آخری بیان یہ ہے: اگر ہم بحث وتکرار کی رُو سے یہ فرض بھی کر لیں کہ رسائلِ نور — جیسے کہ بعض فسادی قسم کے مخبروں کی رپورٹوں میں آیا ہے — حکومت کی بعض سیاسی چالوں کے معارض اور اس کے قوانین کے خلاف چلتے ہیں اور اُن کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہیں، اور وہ کچھ اس طرح کے سیاسی افکار اور سیاسی عقائد ونظریات کے حامل ہیں جو حکومت کے خلاف اور اُلٹی سمت کو چلتے ہیں اور یہ عام طور پر ایمان کی نہیں بلکہ سیاست کی بات کرتے ہیں؛ تو میں اس واضح طور پر دروغ وافترا پر مبنی دعوے کے جواب میں کہتا ہوں کہ:

جمہوریت جب آزادی کی ایک وسیع ترین شکل ہے، اور حکومت جب حفاظتی اقدامات کے تحت جمہوریت کی وسیع ترین صورت میں اکثر شکلیں قبول کر چکی ہے، تو پھر جمہوریت کی آزادی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی بھی حال میں علمی آزادی کو جرم قرار دے دے، اور اس کے ناقابلِ تردید درست افکار کو اور اس کے قطعی حقیقی علمی چینلز کو جب تک کہ وہ امنِ عامہ میں خلل انداز نہیں ہوتے استبداد کے آرڈر کے تحت رکھے۔ جی ہاں، کیا اس دنیا میں کوئی ایسی حکومت بھی ہے جس کے تمام افراد ایک ہی سیاسی چینل پر ہوں؟

بحث ونظر کی رُو سے ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ میں نے اپنے سیاسی عقائد ورجحانات خفیہ طور پر صرف اپنے لیے لکھ رکھے ہیں، اور اُن کے متعلق صرف اپنے چند خاص الخاص آدمیوں کو ہی بتایا ہے؛ پھر بھی میرے سننے میں آج تک کوئی ایسے قوانین نہیں آئے جو کہتے ہوں:

یہ بہت بڑا جرم ہے؛ حالانکہ رسائل نور تو صرف ایمان کے بارے میں بحث کرتے ہیں، اور سیاست کی تاریکیوں میں نہیں گرے ہیں، بلکہ سیاست کے میدان میں بالکل اُترتے ہی نہیں ہیں۔

اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ کسی سیکولر جمہوریت کی ماہیت سے نابلد ملحد نے یہ کہہ دیا ہے کہ تیرے یہ رسائل ایک مضبوط دینی لہر کی تشکیل کر رہے ہیں؛ اور بے دین جمہوریت کے اصول ومبادی کے ساتھ ٹکراتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ سیکولر جمہوریت کا مطلب ہے دین کو دنیا سے جدا کر دینا، لیکن اگر اس کا وہ مطلب ہے جو دل میں کھٹک بھی نہیں سکتا، یعنی یہ کہ دین کو بالکل ہی چھوڑ دیا جائے اور دنیا کے ساتھ دین کا کوئی تعلق ہی نہ رہے، تو یہ ایک ایسی بات ہے

جو ایک آخری درجے کے احمق مُلحد کے علاوہ کسی کے لیے قابل قبول نہیں ہوسکتی۔

جی ہاں، جس طرح دنیا میں کسی بھی امت نے دین کے بغیر زندگی نہیں گزاری ہے، اُسی طرح ترک قوم کا بھی ہر دور میں یہ طرّہ امتیاز رہا ہے کہ وہ دنیا کے جس حصے میں بھی پائی گئی ہے مسلمان ہی پائی گئی ہے جبکہ دیگر تمام مسلمان قوموں میں کوئی نہ کوئی غیر مسلم گروہ لازماً پایا جاتا ہے، خواہ وہ قوم کتنی بھی چھوٹی کیوں نہ ہو!

چنانچہ اس مبارک قوم نے روئے زمین پر کروڑوں اسلامی مصادر کے ذریعے ایک حقیقی اور سچی دیندار قوم کی شکل میں اپنے فخریہ کارناموں کا جھنڈا بلند کیا ہے، اور ان قابلِ فخر سپوتوں نے اپنی تلواروں کے ساتھ ایک ہزار سال تک دین حق کا ایک بہادر و دلاور لشکر تیار کیا۔ اس لیے جب بے دین اور ملحد قسم کے جھوٹے لوگ اس قوم پر یہ تہمت رکھتے ہیں کہ یہ قوم دین کا انکار کر رہی ہے یا بے دین ہے، تو وہ ایک عظیم جرم کا ارتکاب کرتے ہیں جس کی سزا وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں پانے کے مستحق ہیں۔

حالانکہ رسائلِ نور دین کے اس وسیع دائرے کے بارے میں بات نہیں کرتے ہیں جس میں معاشرتی زندگی تک کے قوانین شامل ہیں، بلکہ اس کا اصل موضوع اور اصل ہدف جس کے بارے میں وہ بات کرتے ہیں، ایمان کے وہ عظیم ترین ارکان ہیں جو کہ دین کی خاص ترین اور بلند ترین اقسام ہیں۔

پھر میری اپنی ذات کے بعد — میرے اکثر مخاطبین یورپ کے فلاسفر ہیں — اور یہ قُدسی مسائل اگر صحیح ہیں، تو پھر میں تو اس بات کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ کسی کو ان رسائل میں کسی نقصان دہ پہلو کا وہم بھی ہوسکتا ہے، البتہ شیطان قسم کے لوگوں کی بات اور ہے۔

البتہ تین چار رسائل ایسے ضرور تھے جن کا رُخ کچھ ذمہ دار لوگوں کی طرف تھا اور ان میں اُن کے خلاف کچھ تنقیدی شکوے کا مواد موجود تھا، لیکن وہ تنقید حکومت کی مخالفت کرنے یا اس کے ساتھ دشمنی کے اظہار کے لیے نہیں تھی، بلکہ وہ حکومت کے بعض ان ذمہ داران کے خلاف تھی جنہوں نے مجھ پر ظلم ڈھائے تھے اور اپنے عہدے کا غلط استعمال کیا تھا۔ ان رسائل کو میں نے خصوصی رسائل شمار کیا ہے اور ان کی نشر و اشاعت سے روک دیا ہے تا کہ وہ کسی غلط فہمی کا سبب نہ بن سکیں۔

دیگر اکثر رسائل چار پانچ سال پہلے لکھے گئے تھے، بلکہ ان میں سے بعض آٹھ سال پہلے اور بعض تیرہ سال پہلے لکھے گئے تھے۔ لیکن ''رسالہ کفایت شعاری''، ''بوڑھوں کے نام پیغام'' اور ''مریضوں کے نام پیغام'' پچھلے سال لکھے گئے۔ بایں ہمہ کوئی تھوڑی سی عقل رکھنے والا آدمی بھی جب غیر جانبداری کے ساتھ ان رسائل کی گہرائی میں جائے گا، تو تسلیم کرے گا کہ یہ حکومت سے ٹکراتے نہیں ہیں، اور ان میں امنِ عامہ میں خلل ڈالنے والا اور حکومت کو گمراہ کہنے والا کوئی مواد نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس حکومت کو چاہیے کہ ان کی قدر کرے اور داد دے۔

بحث ونظر کی رُو سے اگر ہم یہ فرض کر بھی لیں کہ ان میں بہت سے نقطہ ہائے نظر ایسے ہیں جو حکومت کے خلاف جاتے ہیں تو میں انہیں دنوں چھپنے والے ''قانونِ معافی'' کے بموجب جو کہ 28 جولائی 1933م سے قبل واقع ہونے والے اس طرح کے جرائم کے بارے میں عفوِ عام کا اعلان کرتا ہے؛ اُس قانون کو سامنے رکھتے ہوئے میں یہ دعوی کرتا ہوں کہ: ان رسائل کو مقدمات کی اور سرکاری انکوائری کی بھینٹ چڑھانے کی کوئی خاص وجہ یا ضرورت نظر نہیں آتی ہے اور میں مطالبہ کرتا ہوں کہ یہ ہمیں واپس کر دیے جائیں اور ہمارے ساتھ ظلم وستم کا یہ رویہ فوراً ختم کیا جائے۔

اگر ایک بے سدھ، مدہ مست اور فاقدُ العقل آدمی جسے انسانی حقیقت و ماہیت کو حیوانیت کے پست ترین اور بدبخت ترین درجے میں نظر آتی ہے، اور جو دنیا کو دائمی اور غیر زوال پذیر سمجھتا ہے جو کبھی مرے گا ہی نہیں؛ اس طرح کا آدمی اگر یہ کہے کہ ''تیرے تمام رسائل بھرپور قوت والے ایمانی درس دیتے ہیں، تو اس طرح دنیاوی دلچسپیوں کو کمزور کرتے اور نظر کو آخرت کی طرف پھیر دیتے ہیں، جبکہ صورتحال یہ ہے کہ اس نازک دور میں ہمارے لیے اپنی تمام تر قوت، تمام تر اہتمام اور تمام تر عقلی صلاحیتوں کو دنیا کی طرف متوجہ کیے بغیر زندگی گزارنا دشوار ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دور میں زندگی کی حفاظت کرنا اور دشمنوں سے محتاط رہنا ایک مشکل ترین کام ہے''، تو اس کا جواب یہ ہے: یہ صحیح ہے کہ تحقیقی ایمان کے دروس نظر کو آخرت کی طرف پھیر دیتے ہیں، لیکن وہ چونکہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ دُنیا آخرت کی کھیتی ہے، بازار اور نمائش گاہ ہے، اس لیے دنیاوی زندگی کے لیے مزید عمل کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔

پھر یہ ایک ٹھوس شکل میں معنوی قوت مہیا کرتے ہیں، اور یہ ایک ایسی قوت ہے کہ جب ایمان ختم ہو جائے تو اس قوت کی عمارت ایک دہشت خیز انداز میں منہدم ہو جاتی ہے۔ پھر یہ رسائل نا اُمیدی کی وجہ سے بیکاری اور گریز پائی میں گرے ہوئے لوگوں کو اُٹھاتے ہیں اور اُن کی ہمت بندھاتے ہیں اور اُنہیں سعی وعمل، جرأت و ہمت اور حوصلہ مندی کی راہ پر گامزن کرتے ہیں۔ اب آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ لوگ جو دنیاوی زندگی چاہتے ہیں، کیا وہ لوگ کسی ایسے قانون کا وجود قبول کر لیں گے جو اس تحقیقی ایمان کے دروس پر پابندی لگاتا ہو، وہ دروس جو ایسے دلائل کے ساتھ ثابت ہیں جو کسی قسم کا اعتراض قبول نہیں کرتے ہیں، اور یہ وہی دروس ہیں جو ایک طرف سے دنیاوی زندگی کی لذت کے لیے سعی وعمل پر اُبھارتا ہے اور دوسری طرف سے اس معنوی قوت کی ضمانت دیتا ہے جو لامحدود مصائب و آلام کے مقابلے میں ثابت قدم رہنے کے لیے ایک مرکزی نقطے کی حیثیت رکھتی ہے؟! کیا اس طرح کے قانون کا وجود ممکن ہے؟!

اگر کوئی جاہل آدمی جو وطن کے لیے تو غیرت کا دعوی کرے لیکن قوم کو چلانے کے لیے اور وطن میں امن قائم کرنے والی حقیقی بنیادوں سے لابلد ہو، وہ انسان یہ کہے کہ اگر تو نے بغیر کسی تحفظ اور احتیاط کے موجودہ نظام کی مخالفت کرے تو تمہارے رسائل میں پائی جانے والی قوتِ تاثیر سے علاقے میں فتنہ برپا ہو سکتا ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر یہ بھی ممکن ہے کہ خود یہ رسائل ہی موجودہ نظام کی مخالفت کرنے والوں کے لیے اور امن واستقرار کو تہ وبالا کرنے والوں کے لیے ایک

قابلِ اعتماد مرکز بن جائیں! یہی وہ اسباب ہیں جن کی بنا پر ہم تمہارا راستہ روکتے ہیں۔ تو اس کا جواب: جس نے رسائل نور سے درس لیا ہے وہ ایسے فتنوں میں بالکل حصہ نہیں لیتا جو معصوم و بے قصور لوگوں کا خون بہاتے ہیں اور ان کے حقوق ضائع کرتے ہیں، اور ان فتنوں کے قریب بھی نہیں پھٹکتا جو پے در پے تجربات کی رُو سے بالکل بے نتیجہ اور سراسر نقصان دہ رہے ہیں۔

گزشتہ دس سالوں کے عرصے میں دسیوں فتنے برپا ہو چکے ہیں، لیکن ان دس کے مقابلے میں دس رسائل نور کے دس طالب علم بھی شریک نہیں ہوئے، بلکہ ان میں سے کسی بھی فتنے میں کسی ایک بھی طالب نور نے قطعاً کوئی حصہ نہیں لیا ہے، اور یہ چیز ثابت کرتی ہے کہ رسائلِ نور ان فتنوں کے بالکل برعکس ہیں، اور یہ کہ ان کا مرکزی نقطہ امن واستقرار کو بروئے کار لانا ہے۔

آپ کے سامنے دو آدمی ہیں، اب آپ ہی بتائیں کہ ادارت وتدبیر اور امن عامہ کی حفاظت کی حیثیت سے دونوں میں سے کون سی چیز زیادہ آسان ہے، ایک ہزار مومن یا پست قسم کے بے دین دس عدد انارکسٹ؟

جی ہاں، ایمان جب اچھی عادتوں کے بیج بو دیتا ہے اور انہیں بارآور کر دیتا ہے، تو رحمت وشفقت کے احساسات بیدار ہو جاتے ہیں اور انسان دوسروں کو نقصان پہنچانے سے گریز کرتا ہے۔

رہی میری بے احتیاطی اور ذاتی تحفظات، تو یہ تمام علاقہ جانتا ہے کہ میں گزشتہ تیرہ سال سے پوری کوشش کر رہا ہوں، کہ میں کہیں حکومت کو چوکنا نہ کر بیٹھوں، یا حکومتی کاموں میں اُلجھ جاؤں یا اُس کے معاملات میں دخل اندازی کرنا شروع کر دوں۔ اور ''اسپارٹا'' کے باشندے یہ جانتے ہیں کہ میں سیاست سے کنارہ کش رہ کر اور ایک عجیب انداز سے ڈرا سہما گوشہ نشیں ہو کر زندگی بسر کر رہا ہوں۔

پس مجھے اس مصیبت میں دھکیلنے والے انصاف دشمنو! نظر یہی آتا ہے کہ تم لوگوں نے میرے لیے اپنے دل میں کینہ پال رکھا ہے اور امن واستقرار کے خلاف کوئی بھی قدم نہ اُٹھانے کی وجہ سے تم میرے خلاف غصے سے بھڑک اٹھے ہو؛ اس لیے تم لوگوں نے اپنی امن ودشمنی کے جوش میں مجھے گرفتار کروا کر دیا ہے۔

جی ہاں، جو لوگ امن عام میں خلل انداز ہونا چاہتے ہیں اور انارکی پھیلانا چاہتے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جو حکومت کو دھوکہ دینے کے بعد اور عدالت کو بے فائدہ طور پر مصروف کرنے کے بعد میری گرفتاری کے پیچھے کھڑے ہیں، اور اب عدالتی بورڈ — اور ان میں سرکاری وکیل سرفہرست ہیں — کو چاہیے کہ وہ صرف ہماری طرف سے نہیں بلکہ تمام سلطنت کی طرف سے اپنے حق میں دعویٰ دائر کرے۔

اگر یہ کہا جائے کہ آپ سرکاری ملازم نہیں ہیں اور آپ لوگوں کا احترام حاصل کرنے کے لیے سرکاری ملازموں کی طرح دین کی تدریس نہیں کر سکتے، پھر یہ بھی ہے کہ ایک سرکاری محکمہ بھی موجود ہے جو دین کی تدریس کر رہا ہے، اس لیے

اس کی موافقت حاصل کرنا ضروری ہے، تو اس کا جواب یہ ہے:

اوّلاً: میرے پاس پریس اور کاتب نہیں ہیں جو نشر و اشاعت کا کام سنبھال لیں، رہا ہمارا درس، تو وہ خصوصی درس ہے، اور وجدان و ضمیر کی آزادی کا ایک دستور ہے جو خصوصی اُمور کی آزادی کی کفالت لیتا ہے، خاص کر اس وقت کہ جب وہ اُمور ایمانی یا وجدانی ہوں۔

ثانیاً: انجمن اتحاد و ترقی کی حکومت کا مجھے ''دار الحکمۃ الاسلامیہ'' میں تعینات کرنے پر اتفاق اور مجھے علم کی نشر و اشاعت کے لیے مکلف کرنا، اور یورپ کے مقابلے میں اسلامی حقائق کا اثبات کرنا، اور وزارتِ مذہبی اُمور کی طرف سے مجھے ''وان'' میں بطور واعظ تعینات کرنا، اور میرے سو سے زائد رسائل کا تا ایں دم بغیر کسی نقد و جرح کے علما کے ہاں متداول رہنا؛ یہ تمام چیزیں ثابت کرتی ہیں کہ میں لوگوں کے لیے تعلیم و تدریس کا حق رکھتا ہوں۔

ثالثاً: اگر قبر کا دروازہ بند کر دیا جائے اور انسان دنیا میں ہمیشہ رہے کبھی مرے نہیں تو پھر تمام ذمہ داریاں صرف عسکری، اداری اور سرکاری بن کر رہ جائیں گی۔ لیکن جب ہر روز کم اَز کم تیس ہزار گواہ اپنے جنازوں کے ساتھ اپنے اس دعوے پر مہر لگاتے ہیں جو یہ کہتا ہے کہ: ''الموت حق''، تو پھر ایسی ایمانی ذمہ داریاں بہر صورت موجود ہیں جو دنیا کے ساتھ تعلق رکھنے والی ذمہ داریوں سے کہیں زیادہ اہم ہیں۔ اور یہ رسائل نور آپ کے سامنے ہیں جو یہ وظائف قرآن کے امر سے بخیر و خوبی ادا کر رہے ہیں۔

اور جب قرآن کریم —— جو کہ رسائلِ نور کا آمر اور حاکم ہے —— اپنی قیادت کے ذریعے تین سو پچاس لوگوں پر حکمرانی کر رہا ہے اور ان کی ٹریننگ کر رہا ہے، اور ان لوگوں کے پانچ میں سے چار حصے کے ہر روز کم از کم پانچ مرتبہ حضرتِ الٰہیہ میں اپنے ہاتھ اُٹھواتا ہے اور تمام مساجد میں اور تمام مجمعوں میں اپنے مقدس آسمانی اوامر پڑھواتا ہے، تو پھر یہ ضروری ہے کہ رسائل نور —— جو کہ اس کی حقیقی تفسیر ہیں اور اس کے سورج کا نور ہیں اور اس کے ایک ملازم ہیں —— اِس ایمانی وظیفے کو اللہ کے حکم سے حادثات و واقعات سے متاثر ہوئے بغیر ادا کرتے رہیں گے، اور اس ضمن میں نہ تو وہ حادثات و واقعات سے متاثر ہوں گے، اور نہ ہی رکاوٹیں ان کا راستہ روک سکیں گی، معاملہ جب ایسے ہی ہے، تو پھر اہلِ دنیا اور اہلِ سیاست اِس بات کی سخت ضرورت ہے کہ وہ ان سے استفادہ کریں، اِن کے ساتھ ہٹ دھرمی کا معاملہ نہ کریں اور ان کی راہ کا روڑا نہ بنیں۔

جی ہاں، رسائل نور بہت سے اجزا پر مشتمل ہیں، جیسے ''انتیسواں مقالہ'' کہ جس نے کائنات کے طلسم کے سربستہ راز منکشف کیے ہیں، اور موجودات کے اُس طلسم کے دروازے چوپٹ کھول دیے ہیں جو ان سوالوں پر مشتمل ہے: کہاں سے؟، کس طرف؟، اور اس کا آخری انجام کیا ہے؟، اسی طرح ''تیسواں مقالہ'' ہے جس نے تحوُّلاتِ ذرّات کا معمّہ حل کر دیا ہے، اور پھر ''چوبیسواں مکتوب'' ہے جس نے کائنات میں دائمی طور پر جاری زوال و فنا میں چھپی ہوئی عمومی فعالیت

وخلاّ قیت کا عجیب وغریب طلسم حل کر دیا ہے، اور اسی طرح ''بیسواں مکتوب'' ہے جس نے ثابت کر دیا ہے کہ نوع انسانی کا حشر ونشر ایک مکھی کے زندہ کر دینے کی طرح آسان ہے، اور جس نے توحید کی اہم ترین اور عمیق ترین پہیلیوں کی وضاحت کر دی ہے، اس کا انکشاف کر دیا اور اسے حل کر دیا ہے، اسی طرح ''تیئسواں لمعہ'' کہ جس کا دوسرا نام ''نیچر کی حقیقت'' ہے، اس نے نیچر پرستوں کی کافرانہ سوچ کو باطل کر دیا ہے اور اسے بیخ وبن سے اُکھاڑ کر رکھ دیا ہے۔

ان رسال کا گہری نظر اور سوچ فکر کے ساتھ مطالعہ کرنے والے لوگ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اگر کسی بھی حکومت کے پاس کوئی ایسا عالم، ادیب، مفکر یا یونیورسٹی کا پروفیسر ہوتا جو ان معموں میں سے صرف ایک معمہ حل کر دیتا جو رسائل نور نے حل کیے ہیں تو اس کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی ہوتی، اس کو صلہ ملتا اور اسے انعام واکرام سے نوازا جاتا۔

میرے ان بیانات کو اس نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے کہ یہ اصل مضمون سے ہٹ کر تمام تر غیر متعلقہ تفصیلات ہیں؛ کیونکہ سو سے زیادہ رسائل نور میری گرفتاری کے وارنٹ کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں اور حکمران بورڈ کو ان رسائل کے پڑھنے کا اور ان کی جانچ پڑتال کرنے کا مکلّف کر دیا گیا ہے، اور مجھے اس بات کا پابند کر دیا گیا ہے کہ میں اس بات کی وضاحت کروں اور جواب دوں کہ ان رسائل کا قرآن کے ساتھ، عالم اسلام کے ساتھ اور مستقبل کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ لیکن کسی بھی مسئلے کی مکمل وضاحت صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ قریب اور بعید کے تمام احتمالات کی وضاحت کی جائے؛ اس لیے ہمارے اس مسئلے کے ساتھ تعلق رکھنے والے بعید کے احتمال کی وضاحت کرنا بہت ضروری ہے، اور وہ یوں ہے کہ:

اگر ان بد بخت لوگوں کا — جو کہ کفر والحاد کے مسلک پر عمل پیرا ہو چکے ہیں — کسی سیاسی مقصد کے پردے میں حکومت کے بعض عہدوں میں گھس جائے، یا اس کے کچھ لوگ سرکاری ملازمت کے سلسلے کی کڑیاں بن جائیں، اور رسائل نور کے خلاف سازشوں کا جال بچھا دیں اور انہیں ختم کرنے اور دھمکیاں دے کر مجھے خاموش کرانے کے لیے یہ کہیں کہ تعصب کا دور بیت چکا ہے، اس لیے ایسے دور میں کہ جب ہمیں ماضی کو یکسر بھول جانے اور اپنی پوری طاقت کے ساتھ مستقبل کی طرف متوجہ ہو جانے کی ضرورت ہے، ہمیں رجعت پسندی کی صورت میں اس طرح کے سخت اور بنیادی دینی وایمانی مسائل کا درس دینے سے گریز کرنا چاہیے؛ تو اس کا جواب یہ ہے:

اوّلاً: جس زمانے کے بارے میں یہ گمان کیا جاتا ہے کہ ماضی ہے اور بیت چکا ہے، وہ مستقبل بن چکا ہے، وہی حقیقی مستقبل ہے اور ہم اسی کی طرف رواں دواں ہیں۔

ثانیاً: رسائل نور اس حیثیت سے کہ وہ قرآنِ کریم کی تفسیر ہیں، قرآن کریم کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اور قرآن کریم اس عمومی جاذبیت کی طرح ایک حقیقی جاذبیت ہے جو کہ کرۂ ارض کو عرش کے ساتھ باندھے ہوئے ہے، اور رسائل نور جیسی قرآنی تفسیر کا سامنا کرنا ایشیا کے حکمرانوں کے بس کی بات نہیں ہے، ان کی ذمہ داری تو صرف یہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ

صلح کا رویہ رکھیں، اس سے فائدہ اُٹھائیں اور اس کی حمایت وحفاظت کریں۔

رہا مجھے خاموش کرا دینا، تو اس میں سمجھنے والی بات یہ ہے کہ اگر کسی چھوٹے سے انکشاف کی راہ میں، یا کسی سیاسی فکر کے لیے اور یا کسی دنیاوی مقام ومرتبے کے لیے بہت سے معزز لوگوں کے سروں کی قربانی دی جاسکتی ہے، تو یاد رکھیں کہ اگر میری ملکیت میں میرے جسم کے ذرات کی تعداد کے برابر سر ہوں، اور انہیں کسی ایسی دولت وثروت کو حاصل کرنے کے لیے قربان کرنا ضروری ہو جائے جو عظیم تر جنت کا مول ہو سکے، اور ایسے آبِ حیات کی تلاش میں قربان کرنا ضروری ہو جائے جو ابدی زندگی عطا کر دے، اور ایسے انکشافات کے لیے قربان کرنا ضروری ہو جائے جو فلسفیوں کو دہشت میں ڈال دیں، تو بغیر کسی تردُّد کے بہر صورت قربان کر دوں گا۔

پھر مجھے دھمکی دے کر یا قتل کر کے خاموش کر دینا ایک زبان کی بجائے ایک ہزار زبانوں کو بولنے پر آمادہ کر دے گا۔ میں رحیم ذُوالجلال سے یہ اُمید کرتا ہوں کہ وہ رسائل نور کے ذریعے کہ جنہوں نے بیس سال سے روحوں کو آباد رکھا ہے؛ ایک خاموش زبان کی جگہ ہزاروں زبانوں کو بولنے کی قوت عطا کر دے گا۔

☆ ☆ ☆

ایک حقیر سا مسئلہ جس کے بارے میں مجھ سے ایسے پوچھا گیا کہ جیسے وہ کوئی بہت بڑا جرم ہو

یہ لوگ کہتے ہیں: ''آپ انگریزی ہیٹ نہیں پہنتے، اور عدالت اور اس طرح کے دیگر سرکاری اداروں میں اپنے سر سے ٹوپی وغیرہ نہیں اتارتے، مزید یہ کہ آپ ملکی قوانین کو تسلیم نہیں کرتے، جس کی وجہ سے آپ سخت سزا کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔''

جواب: کسی قانون کو نہ ماننا اور چیز ہے اور اس پر عمل نہ کرنا مکمل طور پر اور چیز، پہلی چیز کی سزا اگر قتل ہے تو دوسری کی ایک دن کی حوالات، یا ایک لیرا جرمانہ، اور یا پھر ڈانٹ ڈپٹ اور، جھڑکی گھرکی اور طعن ملامت وغیرہ۔

پس میں ان قوانین پر عمل نہیں کرتا، بلکہ میرا ان قوانین کے لیے مکلف ہونا ممکن ہی نہیں؛ کیونکہ میں تو گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہا ہوں، اور یہ قوانین گھروں کوٹھڑیوں پر لاگو نہیں ہوتے۔

تنبیہ: علی الرغم اس کے کہ ''اسپارٹا'' اور ''اسکی شہر'' کی عدالتوں نے اور وزارت داخلہ نے دو ماہ قبل میری ان ذاتی کتابوں کو اور خصوصی رسائل کو ضبط کر لیا تھا جو کہ میرے پاس دس سالوں میں جمع ہوئی تھیں اور اُن کی انتہائی گہری نظر کے ساتھ تحقیق وتفتیش کر لی تھی، اور اُن کے اس اعتراف کے باوجود کہ ان کتابوں اور رسالوں میں ایسے کسی مواد کا وجود نہیں جو کسی تہمت کا سبب بن سکے، جیسے کسی پریس کی یا کسی خفیہ تنظیم کی تشکیل وغیرہ؛ اس اعتراف کے باوجود وہ تحقیق و تفتیش کے عمل میں لگے ہوئے ہیں، اور میں کہتا ہوں:

محترم بزرگو! اپنے آپ کو خواہ مخواہ بیکار کی تکلیف میں مت ڈالو، تم لوگوں کو جس چیز کی تلاش ہے وہ اگر موجود ہے، اور تمہیں اس طویل مدت میں اب تک اس کا کوئی سراغ بھی نہیں ملا ہے، تو یاد رکھو کہ اس تمام کاروائی کے پیچھے ایک یگانۂ روزگار قسم کی ایسی عجیب ترین زیرکی کام کر رہی ہے جو نہ تو مغلوب ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس کا سامنا کیا جا سکتا ہے۔ اور حل صرف یہی ہے کہ اس کے ساتھ بنا کر رکھی جائے اور نرم روی کا مظاہرہ کیا جائے ورنہ تم لوگوں نے جوان تمام بے گناہ لوگوں کو نقصان پہنچائے اور تکلیفیں دی ہیں تمہارے لیے وہی کافی ہیں؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کو للکارنا قحط و وبا اور گرانی وگرانباری کے نزول کا سبب بنتا ہے۔

جبکہ اگر کسی تنظیم وتحریک کا سراغ نہ مل سکے اور اس کے انکشاف کا کوئی راستہ سجھائی نہ دے تو اُس کی تشکیل وتاسیس کی تہمت میرے جیسے جلد بھڑک اُٹھنے والے عصبی المزاج شخص پر لگ ہی نہیں سکتی جو کہ اپنے خفیہ ترین راز بغیر کسی تحفظ کے اجنبیوں کو بھی بتا دیتا ہے۔ اور ایسا ہو بھی چکا ہے کہ اُس نے فوجی عدالت کے سامنے اپنا مردانگی وجوانمردی سے بھرپور مشہور دفاعی بیان پیش کیا تھا۔ اور بڑھاپے کی عُمر میں وہ اپنے مسلک کی رُو سے ایسی خطرناک مہموں سے دور رہنے پر مجبور ہو چکا ہے جن کے انجام کا پتا نہ ہو؛ اس لیے اُس کی طرف اس طرح کی تہمتوں کی نسبت کرنا کہ جس کی سرحدیں بیوقوفی کے ساتھ مل رہی ہیں، یا تو انتہائی سادگی کی دلیل ہے اور یا پھر کوئی سوچی سمجھی سازش!

میں عدالتی بورڈ سے اپنے حق کا مطالبہ کر رہا ہوں، میری جو کتابیں ضبط ہوئی ہیں میرے نزدیک ان کی قیمت کا اندازہ پیسوں کے ساتھ نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ یہی کتابیں آج سے بارہ سال قبل انقرہ کی لائبریری بڑے شکر وافتخار کے ساتھ وصول کر چکی ہے، اور میرے دل میں اُن رسائل کے انقرہ لائبریری میں رکھے جانے کی بڑی اہمیت ہے، اور خاص کر ان میں سے وہ رسائل جو کہ صرف ایمانی اور اُخروی موضوعات پر مشتمل ہیں، یعنی ''انیسواں مکتوب'' اور ''انتیسواں مقالہ''، یہ دونوں رسالے میری معنوی ثروت اور میری زندگی کا پھل ہیں، اور یہ دونوں ایک علیحدہ قسم کی قیمت کے حامل ہیں؛ کیونکہ ان دونوں نے قرآن کریم کے دس قسموں کے اعجاز میں سے ایک قسم کے اعجاز کا ایک جلوہ آنکھوں کے سامنے نمایاں کر دیا ہے، اس پر مزید یہ ہے کہ یہ دونوں رسالے میں نے خصوصی طور پر اپنے لیے انتہائی خوبصورت انداز میں سنہری حروف کے ساتھ لکھوائے ہیں، اور اس پر بھی مزید یہ کہ ان رسائل میں ''بوڑھوں کے نام پیغام'' نامی رسالے کے تین چار نسخوں میں سے ایک نسخہ بھی ہے جو کہ میرے بڑھاپے کی غمگین یادوں پر مشتمل ہے اور جو میں نے اپنے لیے لکھوایا تھا۔

یہ رسائل چونکہ کسی بھی ایسے دنیاوی موضوع سے خالی ہیں جس کی بنا پر مجھ سے کوئی باز پُرس ہو سکے؛ اس لیے میں دل کی گہرائیوں سے یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ مجھے میری وہ کتابیں میری عربی کتابوں سمیت واپس کر دی جائیں؛ کیونکہ میری یہ کتابیں میری ان پانچ دردناک اور غمگین اجنبیتوں میں میری دوست اور مُونس ہیں جو اس اجنبی دنیا نے میرے کندھوں

پر ڈال دی ہیں، بلکہ اس حد تک کہ یہ کتابیں جیل اور قبر میں بھی میری دوست اور مونس ہونگی۔ اور مجھے اگر ان سے محروم کر دیا گیا تو پھر قریب ہے کہ میں چھٹی قسم کی نا قابلِ برداشت اجنبیت کا شکار ہو جاؤں گا، اس لیے آپ لوگ اس تھکا دینے والی اجنبیت کے عذاب سے جنم لینے والی سسکیوں سے بچ کر رہیں۔

☆ ☆ ☆

میں عدالت کے چیف جسٹس اور ارکانِ عدالت سے اپنے ایک اہم حق کا مطالبہ کرتا ہوں

اور وہ یہ ہے کہ اس قضیے میں مَیں اکیلا ہی موضوعِ بحث نہیں ہوں کہ آپ کو حقیقتِ حال کا پتا چل جائے تو آپ لوگ مجھے بری کر دیں؛ کیونکہ صورتِ حال یہ ہے کہ اس قضیے میں اہلِ علم واہلِ تقوی اپنے معنوی تشخص سمیت قوم کی نظر میں مشکوک اور متّہم ہو گئے ہیں، اور حکومت انہیں شک وشبہ کی نظر سے دیکھ رہی ہے۔ اور ان کے لیے اب یہ جاننا ضروری ہو گیا ہے کہ ان مہلک وہ مضرّ ت رساں منصوبوں سے کنارہ کش کیسے رہ سکتے ہیں!

لہٰذا، میں چاہتا ہوں کہ میرے اُس دفاعی بیان کا آخری حصہ طبع کر دیا جائے جو میں نے صرف اپنے لیے لکھا ہے، اور اُسے جدید لاطینی حروف میں نشر کر دیا جائے تا کہ اہلِ علم واہلِ تقویٰ اپنے خلاف بچھائے گئے سازشوں کے جال میں پھنسنے کے لیے اس کی طرف کھینچتے نہ چلے آئیں! اور تا کہ اس طرح کے مہلک ومضرت رساں منصوبوں میں گرنے سے بچ جائیں، اور تا کہ حکومت اپنے معنوی شخص سمیت قوم کی نظروں میں تہمت کے تیروں سے بچ جائے، اور اسے اہلِ علم پر جو اعتماد تھا وہ دوبارہ لوٹ آئے اور ان کے درمیان پیدا ہونے والا سوءِ تفاہُم دور ہو جائے، تا کہ دوبارہ کوئی ایسا اختلاف یا اس طرح کے حوادث رونما نہ ہونے پائیں جو حکومت، وطن اور قوم کے حق میں نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔

حق بات یہ ہے کہ آج سے نو سال پہلے سے لے کر آج تک جب ''دسویں مقالے'' کے آٹھ سو نسخے شائع ہوئے تو حشر کا انکار اہلِ ضلالت میں سے چند منکرین کے دلوں میں ہی منحصر ہو کر رہ گیا۔ چنانچہ اس مقالے نے اُن کی زبانوں کے لیے اس کے صراحتاً انکار کی گنجائش نہ چھوڑی اور ان کے منہ بند کر دیے، اور اپنے خارقِ عادت دلائل وبراہین ان کی آنکھوں میں نصب کر دیے۔

جی ہاں، یہ رسالہ جو کہ ایمان کے حشر جیسے عظیم رکن کی وضاحت کرتا ہے، ایمان کے جسم کے لیے ایک فولادی زرہ کی حیثیت اختیار کر گیا ہے اور اس نے اہلِ ضلالت کا ناطقہ بند کر کے رکھ دیا ہے، اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جمہوری حکومت کو اس سے اس حد تک خوشی ہوئی ہے کہ اسے ارکانِ اسمبلی نے، والیانِ شہر نے اور بڑے بڑے ذمہ دار حکومتی عہدے داروں نے پوری آزادی کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لیا ہے۔

میں نے اعتراضی بیان میں ایک حکایت بیان کی ہے جو میری اُس حالت کی تصویر کشی کرتی ہے جب میں اجنبی اور

یکہ وتنہا تھا، چار مہینے سے ایک ایسے کیس کا سامنا کر رہا تھا جس کے انجام کا پتا نہیں کہ موت ہے یا زندگی؟ اُس کیس میں سوال کرنا یا اپنی دردناک حالت پر اطمینان کا اظہار کرنا منع تھا، اگر چہ وہ کسی جہت سے ایک آدھ رسالے کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو، اور میری تشہیر کچھ اس انداز سے کی جاتی تھی کہ جو لوگوں کو مجھ سے نفرت دلائے اور میرے خلاف ان کا غصہ بھڑکائے، اور مجھے کسی بھی طرح کی مدد سے اور سہولت سے محروم رکھا جائے۔

اور وہ حکایت یہ ہے کہ پرانے زمانے میں ایک بادشاہ کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو گیا جس کی دوا صرف کسی بچے کا خون تھا، تب کسی باپ نے جج کی اجازت کے بعد بھاری قیمت لے کر اپنا بیٹا پیش کر دیا، بچے نے وہاں مجلس میں رونے بلکنے اور شکایت کرنے کے بجائے ہنسنا شروع کر دیا، تب لوگوں نے اس سے پوچھا کہ: تو شکایت کیوں نہیں کرتا اور مدد کیوں نہیں مانگتا، بلکہ اس کے بجائے تو ہنس کیوں رہا ہے؟ تو اُس نے انہیں جواب دیا: انسان پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ سب سے پہلے اپنے باپ کی طرف بھاگتا ہے، پھر جج کی طرف، اور پھر بادشاہ کی طرف، لیکن میرا باپ مجھے ذبح ہو جانے کے لیے بیچ رہا ہے، اور جج مجھ سے میری زندگی چھین لینے والا فیصلہ صادر کر رہا ہے، اور خود بادشاہ میرا خون مانگ رہا ہے؛ اس لیے اس طرح کی عجیب وغریب بدشکل حالت کے مقابلے میں کہ جو کبھی کسی کو پیش ہی نہیں آئی، پر جو کسی نے آج تک دیکھی نہ ہو، ہنسنا ہی بہتر ہے۔

تو جناب ''شکری قایا''[1]

صاحبو! ہمارا حال بھی اس جیسا ہی ہو گیا ہے، چنانچہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ پہلے ہم گورنر کی طرف رجوع کرتے جو کہ مقامی طور پر حکومت کی نمائندگی کرتا ہے، پھر عدالت کی طرف جاتے، اور پھر وزارت داخلہ کی طرف، اور انہیں اپنے پر ڈھائے جانے والے ظلم وستم کی داستاں سناتے، اور ان زیادتیوں کی وضاحت کرتے جو ہم پر روا رکھی گئیں تا کہ ظالموں کی دستبرد سے خلاصی پاتے؛ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وزیرِ داخلہ — جو کہ ہمارے شکوے پر کان دھرنے والے آخری شخص تھے — وہ ہمارے معاملے میں اپنے باطل خیالات وافکار وخدشات کے پیچھے لگ گیا، اور ان پر اس نے حقیقت کا رنگ چڑھا دیا۔ اور اپنی اِس غلطی پر پردہ ڈال کر اُس سے بھی بڑی غلطی کا ارتکاب کر بیٹھا۔

اور یوں وہ باطل ذرائع ووسائل کا سہارا لے کر ہمیں نقصان پہنچانے کے لیے سرگرم ہو گیا، اور اپنی غرور ونخوت کی بیماری کی دوا کے لیے ہمارے خون کا طلب گار ہو گیا۔

ہم بھی اپنی طرف سے ''شکری قایا'' صاحب کی ذاتی شخصیت کو سامنے رکھ کر اُن کا شکوہ جناب ''شکری قایا''

---

1 ''شکری قایا'' اُس جمہوری پیپلز پارٹی کے ایک رُکن ہے، جس کی بنیاد مصطفی کمال پاشا نے رکھی تھی، جمہوریت کی تاسیس کے دور میں متعدد عہدوں پر فائز رہا، ان میں سے 1927 سے لے کر 1938 تک وزارت داخلہ کے منصب خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، اپنی وزارت کے دورانیے میں اس نے دین کے شعائر اور دین کے حاملین کے خلاف انتہائی سخت اور کٹھور قسم کے سیاسی انداز کا مظاہرہ کیا۔

صاحب کی جناب میں ان کے وزیر داخلہ ہونے کی حیثیت سے کرتے ہیں۔[1]

اگر مجھے یہ پتا چل جائے کہ عدالت کے اِس محکمے کے وہ ملازمین جو آزادی کو مکمل طور پر تحفظ دینے کے لیے سرگرمِ عمل ہیں، اور کسی بھی طرح کے دباؤ اور پابندیوں کو قبول نہیں کرتے ہیں، اور عدالت کے احساس کے تحت اپنے مافی الضمیر کو ہی فیصل بناتے ہیں...... اگر مجھے پتا چل جائے کہ یہ لوگ جناب ''شکری قایا'' کے بارے میں ہماری بات سن لیں گے، تو ہم اس کے خلاف دعویٰ کرنے والے پہلے شخص ہوں گے؛ کیونکہ وہ گزشتہ ایک سال سے ہمارے بارے میں مسلسل روزانہ کی اور ہفتہ وار رپورٹ مانگ رہا ہے، اور اس طرح وہ ہمارے خلاف جاسوسوں کو اور امن کمیٹیوں کے ملازمین کو چوکنا کیے رکھتا ہے اور ہمیں قربانی کے جانوروں کی طرح قربانی کے لیے تیار رکھتا ہے۔

لیکن اس کے باوجود عدالت کا فریضہ ہم پر حتمی طور پر یہ ذمہ داری ڈالتا ہے کہ ہم عدالت کے علاوہ دیگر کسی بھی ذریعے کو استعمال میں نہ لائیں۔ اور باوجود اس کہ ارکانِ عدالت حقیقت میں عدالت کے ساتھ مکمل طور پر جڑے ہوئے ہیں اور انصاف سے کام لینا چاہتے ہیں؛ ''شکری قایا'' جیسے عالی منصب آدمی کے دباؤ کا سامنا نہیں کر سکتے، اس لیے ہمارا راستہ نہیں چھوڑ رہے ہیں، بلکہ ہمیں تکلیفیں جھیلنے کے لیے چھوڑ دیا ہے۔

---

[1] اس بات کی دلیل کہ ''شکری قایا'' بے اصل و بے بنیاد افکار و خیالات و اوہام کے پیچھے لگ کر بہت دور نکل گیا تھا اور آخری درجے کے کینے اور حقد میں مبتلا ہو گیا تھا؛ یہ ہے کہ وہ انقرہ سے بذاتِ خود اسپارٹا آیا اور اس کے ہمراہ ایک سو جوان رینجر کے اور ایک سو عام پولیس کے تھے؛ گویا کہ ''اسپارٹا'' میں پایا جانے والا فوجی دستہ اور گشتی پولیس اس کام کے لیے کافی نہ تھے، اور یہ سارے انتظام کیے جا رہے تھے، لوگوں کے درمیان خوف و ہراس کی فضا پیدا کر کے اور میرے جیسے اکیلے نہتے آدمی کو اس کے تین چار مسکین ساتھیوں سمیت عدالت تک پہنچانے کے لیے۔

اِس عمل سے قوم کا اتنا زیادہ مالی نقصان ہوا کہ جس کا اندازہ دو تین ہزار لیرہ تک لگایا گیا ہے، جبکہ اس کام کے لیے ایک رینجر کا اور ایک پولیس کا سپاہی کافی تھے! اور پھر ''اسپارٹا'' سے ''اَسکی شہر'' تک منتقلی کے اخراجات جو پانچ سولیروں تک پہنچ گئے تھے، ان بے قصور غریبوں مسکینوں کے کندھوں پر ڈال دیے گئے جنھیں بعد میں چھوڑ دیا گیا، اور یہ نقصان ان کو پہنچنے والا ان ہزاروں نقصانات کے علاوہ تھا جو ان کے معاشرتی مقام و مرتبہ کی توہین و تحقیر اور لوگوں کی اُن پر تنقید کی صورت میں سامنے آیا!!! اس طرح کے تصرفات اور اس قسم کی کاروائیاں وزارتِ داخلہ کے احکام و معاملات کو چلانے، امن و استقرار کی فضا قائم کرنے، اور پورے اعتماد اور راحت و رامش کی فضا میں کام کرنے کی محتاج قوم کی مصلحتوں کے لیے کتنی نقصان دہ ثابت ہوئیں، اس کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں۔

بلکہ ان واقعات سے تو یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کوئی ناچیز سا واقعہ گھڑ کر رائی کا پہاڑ بنایا جا سکتا ہے، اور ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ ایک ایسے وقت میں کہ جب وزارتِ داخلہ آخری درجے کی خاموشی اور امن و استقرار کو بروئے کار لانے کی محتاج ہے؛ قانون کے نام پر اس طرح کی غیر قانونی کاروائیاں کرنا اور ایسے حالات پیدا کر دینا جو امن و استقرار کی فضا کو تہ و بالا کر دیں، قانون کی نظر میں بہت بڑا جرم شمار ہوتا ہے، اس بنا پر ہم ''شکری قایا'' کی ذاتی حیثیت کا شکوہ اُن کی سرکاری حیثیت سے یعنی ان کے وزیر داخلہ ہونے کی حیثیت سے کرتے ہیں۔ (سعید)

رہا ''اسپارٹا'' کا گورنر اور اس علاقے کے رجالِ امن یعنی مقامی حکومت کے ارکان، تو ان کی بنیادی ذمہ داری اور ضمیر کی آواز تو یہ تھی کہ یہ دوسرے لوگوں سے زیادہ ہماری اور اپنے شہر کے دیگر بے قصور نظر بند مساکین کی حمایت کرتے اور اُن کی گلوخلاصی کے لیے دوڑ دھوپ کرتے ،لیکن اس کے برعکس وہ انہوں نے ان لوگوں کو اور خاص کر ان میں سے فقرا ومحتاجین کو ان کے روزگار کے ذاتی اعمال واشغال سے بھی روک رکھا ہے، اور اس کے لیے انہوں نے ہر بھونڈے سے بھونڈا حربہ استعمال کیا ہے، اور انہیں بھوکا پیاسا رکھ کر ناداری ومحتاجگی کے گڑھے میں گرا دینے کے لیے اپنا ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے۔

ہم اس دلخراش صورت حال کا سامنا شکوہ وشکایت سے نہیں کر رہے ہیں بلکہ علی الرغم اس کے کہ یہ ایک آخری درجے کی رُلا دینے والی صورتِ حال ہے؛ ہم اس کے سامنے اُس بچے کی طرح ہنس رہے ہیں، اور اپنا یہ مقدمہ العزیزُ الجبّار پر توکّل کرتے ہوئے اس کے دربار میں پیش کرتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

[ایک فقرہ جو میں نے اپنے بے گناہ بھائیوں کے لیے اس وقت لکھا جب اُن کی آواز کو دبا دیا گیا تھا اور مجھے اُن کے ساتھ بات چیت کرنے سے روک دیا گیا تھا، تاکہ ناامیدی کی اس حالت میں اُن کے لیے تسلی کا باعث بنے۔ موقع کی مناسبت کی وجہ سے وہ فقرہ یہاں درج کر دیا گیا ہے۔]

حفیظِ ذُوالجلال کی حفظ وحمایت ملاحظہ کرو کہ باوجود اس کے کہ ایک سو بیس سے زائد طلّاب نور سے — کہ جن کی تعداد اس مناسبت سے رسائل نور کی تعداد کے موافق تھی — پوچھ گچھ کی گئی اور انہیں تفتیشی عمل سے گزارا گیا، اور باوجود اس کے کہ ان کے خصوصی اوراق کی بڑی گہری نظر سے جانچ پڑتال کی گئی؛ ایسا کوئی بھی مواد برآمد نہ ہوا جو اُن میں سے ایک بھی طالب کا اس وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی متعدد تنظیموں میں سے کسی بھی تنظیم کے ساتھ کوئی تعلق ثابت کرتا ہو جو غیروں کی سازشوں کے سہارے پل رہی ہیں۔ اور حکومت خلاف تحریکوں کی تدبیروں سے پنپ رہی ہیں، اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی کا اور نظرِ عنایت کا کرشمہ ہے جو سب کو واضح طور پر نظر آ رہا ہے، اور اسی طرح یہ ایک حفاظتِ الٰہی اور عنایتِ ربّانی ہے جو رسائل نور کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور شیخ عبدالقادر جیلانی قُدّس سرہٗ کی جناب سے حاصل ہونے والی غیبی کرامتوں کی پوری قوت کے ساتھ تائید کر رہی ہے۔

ہمارے بیالیس عدد بے گناہ اور مظلوم بھائیوں کے بارگاہِ الٰہی میں اُٹھے ہوئے ہاتھوں نے 42 میزائلوں کو روک لیا ہے اور اس کا رخ موڑ کر اسے اُسی طرف واپس پلٹا دیا ہے جدھر سے اُسے چلایا گیا تھا[1] اور اُسے معنوی طور پر اس کے

---

[1] ایک مجازی تعبیر ہے جس سے استاد نورسی نے اپنے اور طلّاب نور کے خلاف کی گئی سازش کو اس دور میں استعمال ہونے والے سب سے بڑے میزائل کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

چھوڑنے والوں کے سروں پر پھوڑ دیا ہے، چنانچہ ہمیں صرف چند ہلکے سے زخم آئے ہیں جن پر ہمیں ثواب ملے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک ایسا میزائل جو ایک سال سے خوف و دہشت کی علامت بنا ہوا تھا، اس سے تھوڑا سا نقصان اُٹھا کر محفوظ ہو جانا ایک معجزاتی واقعہ ہے، اور اس طرح کی عظیم ترین نعمت کا حق یہ ہے کہ اس کے ملنے پر شکر اور فرح وسرور کا اظہار کیا جائے۔

ہماری زندگی کا آج کے بعد ہماری اپنی ملکیت میں رہنا ممکن نہیں؛ کیونکہ مُفسد قسم کے لوگوں کی طرف سے منصوبے یہی بنائے گئے تھے کہ اسے آخری طور پر ختم کر دیا جائے؛ اس لیے آج کے بعد اس زندگی کو اپنے لیے نہیں بلکہ حق اور حقیقت کے لیے وقف کر دینا چاہیے، اور ہم پر یہ لازم ہو گیا ہے کہ ہم اس بات کی پوری کوشش کریں کہ ہماری زبان سے شکایت نہ نکلے تا کہ ہم رحمت کے اثرات کا، اس کے چہرے کا اور اس کے لُبّ لباب کا مشاہدہ کر سکیں جو کہ ہمیں شکر و سپاس کی راہ پر ڈال دے گا۔

☆ ☆ ☆

مجھ پر جب اِس عجیب وغریب بیماری کا اتنا شدید حملہ ہوا کہ تین دن تک میری خوراک صرف دودھ کے ایک کپ تک محدود ہو کر رہ گئی؛ اس بیماری کے تیسرے دن میرے دل میں اچانک ایک خیال آیا، جسے میں نے ازراہِ تبرّک عدالت میں اپنے دفاعی بیان کے لیے مقدمہ کے طور پر قلم بند کر لیا، اس میں اگر شدت کا کوئی پہلو نظر آتا ہے تو اس کی وجہ میری یہ بیماری سمجھیں۔

جی ہاں، ایک ایسے وقت میں جبکہ میں شدید قسم کے ذہنی اضطراب اور سخت مایوس کن حالات سے دوچار تھا اور قابلِ رحم کیفیات میں مبتلا تھا، میں نے حقیقت کو صحیح صحیح بیان کرنے کی پوری پوری کوشش کی ہے؛ کیونکہ میں ایک ایسی حقیقت کا دفاع کرنے پر مجبور ہو گیا تھا جس کا دفاع کرنے کے لیے ایک سو آدمی ہونے چاہیے تھے۔

☆ ☆ ☆

مقدمہ، جسے کسی حکمت کی بنا پر بعد میں دفاعی بیان کے ساتھ نتھی کیا گیا ہے

میرے دفاعی بیان کے جتنے صفحات ہیں، ان کا انداز بیان کسی خطرناک قسم کی خفیہ تنظیم کے خلاف جواب دہی کی صورتِ حال کا آئینہ دار ہے۔ اور اس سے میرا مقصد یہ ہے:

جمہوری حکومت نے جس طرح سیکولرازم کے بنیادی اصول پر عمل کرتے ہوئے ''دین کو دنیا سے علیحدہ رکھنے کا اور خود غیر جانبدار رہنے'' کا فیصلہ کر لیا ہے، اور اس بنا پر وہ ملحدوں کو ان کی الحادی سرگرمیوں پر کچھ نہیں کہتی ہے؛ تو پھر اس فیصلے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ متدین لوگوں کی دینی سرگرمیوں کے بارے میں بھی سیکولر بن کر ہی رہے اور ان کی راہ میں روڑے نہ اٹکائے۔

اور میں اِس جمہوری حکومت سے جو کہ سیکولر ہونے کا دعوی کرتی ہے اور آزادی کی علمبردار ہے، یہ چاہتا ہوں کہ وہ ان تباہ کن خفیہ تحریکوں سے بے تعلق رہے جو الحادو زندیقیت کی پشت پناہی کرتی ہیں، سازش کے جال بُنتی ہیں اور حکومت کے ذمہ دار ملازموں کو گمراہ کرتی ہیں۔

میں تو صرف ان سازشیوں کا سامنا کر رہا ہوں جو اِن تحریکوں سے کھسک کر آگے آجاتے ہیں اور حکومتی عہدوں پر فائز ہو جاتے ہیں، انہوں نے اپنے ہاتھوں میں شکاری پرندوں جیسی دو تراشی ہوئی تہمتیں پکڑی ہوئی ہیں جن کے ساتھ وہ حسد و حِقد سے مغلوب ہو کر سچے دین داروں کا شکار کرتے ہیں اور حکومت کو غافل کرنے اور گمراہ کرنے کا کام کرتے ہیں۔

ان دو تہمتوں میں سے ایک تہمت ''رجعیت'' کی ہے، اس تہمت کا مطلب وہ یہ لیتے ہیں کہ ہر وہ آدمی جو ان کے ''الحاد'' اور ان کی ''لادینیت'' کی طرف میلان نہیں رکھتا وہ رجعیت پسند ہے۔

اور دوسری تہمت ہے ''دین کو سیاست کا آلۂ کار بنانا''، اور اس تہمت سے وہ صرف ہمیں بدنام کرنا چاہتے ہیں؛ کیونکہ ہم یہ کبھی نہیں چاہتے کہ یہ مسلمان حکومت ''لادینیت'' کو اپنا شعار بنالے۔ اللہ اسے اس کام سے محفوظ رکھے۔[1]

جی ہاں، جمہوری حکومت پر یہ لازم ہے کہ وہ قوم و وطن کو نقصان پہنچانے والے اِن مخفی فسادیوں کے افکار کو رواج دینے سے پرہیز کرے اور کسی بھی صورت میں اِن کی طرف جھکے نہیں، بلکہ ان لوگوں کو روکنا جمہوریت کے قوانین کا اہم تقاضا ہے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ ان جیسے لوگوں کی طرف جھکنا جمہوریت کے اساسی قواعد وضوابط سے متصادم ہے۔ پس حکومت کو چاہیے کہ وہ ہمارے اور اِن لوگوں کے درمیان فیصَل کا موقف اختیار کرے، اور حکمران ہونے کی حیثیت سے ہم میں سے جو ظالم وستمگر ہو اس کے خلاف اپنا فیصلہ صادر کرے۔

جی ہاں، اس بات سے انکار نہیں ہوسکتا کہ تدیُّن و الحاد کی لہر کائنات میں عہدِ آدم سے ہی جاری ہے اور یہ چیز روزِ قیامت تک اسی طرح جاری رہے گی؛ اور ہمارے قضیے کی گہرائی سے واقف ہونے والا ہر شخص اس بات کا ادراک کرسکتا ہے کہ ہمارے خلاف اُٹھنے والا یہ بے ہنگم شور و غوغا صرف دین داری کے خلاف الحادو زندیقیت کی چیخنی چلاتی دست درازی ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ زیادہ تر فلسفیوں کا مغرب اور یورپ میں ظاہر ہونا اور زیادہ تر انبیا کا مشرق اور ایشیا میں ظاہر ہونا تقدیرِ اَزلی کی طرف سے ایک اشارہ اور گہری رمز ہے کہ ایشیا میں دین کی لہر ہی غالب و حاکم رہے

---

[1] اِس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ملحدین یہ سمجھتے ہیں کہ حکومت جب تک کسی معیّن سیاست کی پیروی نہیں کرے گی تو اس کی سیاست — حاشا وکلا — الحاد ہی کی آئینہ دار ہوگی؛ اسی وجہ سے وہ میری اُس خدمت کو جو میں قرآن کریم کی قطعی نصوص سے ٹپکے ہوئے رسائلِ نور کے ذریعے ایمانی حقائق کی کر رہا ہوں، اُس خدمت کو حکومت مخالف سیاسی عمل سمجھ کر یہ لوگ اپنی اس حرکت سے دنیا کی بدصورت ترین افترا پردازی سے کام لے رہے ہیں۔

گی، اور اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ جمہوریت کی حکومت جو کہ ایشیا بہادر کی قیادت کررہی ہے، ایشیا کی اس فطری خصوصیت سے ضرور فائدہ اُٹھائے گی، اور اپنے غیر جانبدار بنیادی قوانین وضوابط میں الحاد کے بجائے دینداری کا خیال رکھے گی۔

دوسرا الزام: کبھی کبھی ایک اور موضوع بھی زیرِ بحث آجاتا ہے، اور وہ یہ ہے: ''رسائل نور کے اجزا میں کچھ مسائل ایسے ہیں جو قانونی مواد کے ساتھ ٹکراتے ہیں''، اور اس معاملے کا تعلق عدالت کے ساتھ ہے، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ رسائل بذاتِ خود سینکڑوں طرح کے معنوی انکشافات پر مشتمل ہیں، اور ''قانونِ حفظِ حقوقِ منکشف'' پر عمل درآمد کرتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ ان میں سے کوئی بھی انکشاف ضائع نہ ہونے پائے۔

انکشافات کی اہلِ حقیقت اور اہلِ علم وادب کے ہاں بہت بڑی قیمت اور بہت زیادہ اہمیت ہے، اور کسی کو بھی کسی دوسرے کے انکشافات پر حملہ کرنے اور اس پر قبضہ کرنے کی اجازت نہیں، اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کے خلاف عدالتی کاروائی ہوگی یہ ایک بین الاقوامی قانون ہے، اور اس پر ہر ملک میں عمل ہوتا ہے۔

رسائلِ نور ایک سو سے زائد رسائل کا نام ہے جو کہ ہزاروں حقائق پر مشتمل ہیں اور سینکڑوں معنوی انکشافات کا اظہار کرتے ہیں۔ میں انہیں ظہور میں لانے کے لیے اور ان کی تالیف کے لیے گزشتہ بیس تیس سال سے محنت کررہا ہوں، اور میں نے مختلف مصادر میں اپنی بحث وجستجو کا یہ نتیجہ اور اپنے پچاس سالہ فکری مجاہدات اور مسلسل تحقیقات وتدقیقات کا یہ پھل قلم بند کرلیا ہے، اور اب اگلے دنوں میں حکومت کی موافقت حاصل ہوجانے کے بعد اس کی نشر واشاعت کرنا چاہتا ہوں، لیکن صرف اس بنا پر کہ ان میں پندرہ نقاط ایسے ہیں جو بعد میں صادر ہونے والے چند قوانین کے ساتھ میل نہیں کھا رہے ہیں، انہیں کچھ تہمتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، اور یہ تہمتیں کچھ اس طرح کی زمین ہموار کررہی ہیں کہ جس سے دوسرے لوگوں کو یہ موقع مل سکتا ہے کہ وہ ان افکار کو اپنی طرف منسوب کرلیں، انہیں چرالیں اور یہ دعویٰ کردیں کہ یہ افکار ہمارے ہیں، اس پر مزید یہ کہ ان پر تہمت تراشی کا یہ رویہ ان حقائق وافکار کو اور میرے ان کے ساتھ تعلق رکھنے والے حقوق کو ضائع کردے گا؛ اس لیے آپ کے عدل پرور محکمے کو جو چیز سب سے پہلے اور سب سے زیادہ نگاہ میں رکھنی چاہیے وہ ہے حقیقت اور حقوق کی پاسداری کرتے ہوئے میرے حق کو تحفظ فراہم کرنا۔

پھر چونکہ میرے پاس اُن حقائق کا موجود ہونا ضروری ہے جو اُن رسائل میں ہیں جنھیں اس وہم کی بنا پر ضبط کرلیا گیا ہے کہ وہ جرم کا آلہ کار ہیں؛ کیونکہ یہی مواد سائنسدانوں، فلسفیوں، اکیڈیمک اسکالروں اور دیگر علوم کے حاملین کے سامنے اپنا مدعا ثابت کرنے کے لیے میرا وسیلہ ہے، اس لیے میرا مطالبہ یہ ہے کہ میرے وہ رسائل مجھے لوٹا دیے جائیں تاکہ میں انکشافات اور علمی مناظرات کے لیے اپنی تیاری برقرار رکھ سکوں، پس مجھے اگر ملزم بنا بھی دیا جائے تو بھی ان رسائل پر کوئی الزام نہیں آنا چاہیے، ان کا جیل میں میرا ساتھی بن کر رہنا بہت ضروری ہے۔

میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ عدالت اس حد تک گر جائے کہ حاسدوں اور کینہ وروں کے حملوں کے پیچھے کھنچتی چلی جائے؛ کیونکہ یہ چیز عدالتوں کے مقام و مرتبے کے اور ان کے اس کردار کے بالکل منافی ہے جو وہ حق کو واضح کرنے کے لیے ادا کرتی ہیں، اور ان کی عزت کو بٹا لگاتی ہے۔ اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ عدالتیں اِن لوگوں کی مکاریوں کو بے نتیجہ بنا دیں گی۔

وہ محکمہ جو عدل و انصاف کرنے اور حق کو ثابت کرنے کو اپنی ڈیوٹی کا بلند ترین مقام سمجھتا ہے، وہ محکمہ یقینی طور پر اپنی ڈیوٹی عدل کے بنیادی تقاضے پر اعتماد کرتے ہوئے ہر قسم کی خارجی تاثیرات سے آزاد رہ کر ادا کرتا رہے گا۔ اس بنا پر اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ اِسی وقت فوراً رسائل نور سے پابندی اُٹھانے کا اعلان کر دے، میری وجہ سے نہیں، بلکہ اُس بلند حقیقت کی پاسداری کرتے ہوئے جس کے ساتھ بہت سے حقائق اور بے گناہ لوگوں کے حقوق وابستہ ہیں، اور اس طرح اِن رسائل کو اُن باطل اَوہام سے بھی پاک کر دے جو ان کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔

تیسرا الزام: رہا وہ موہوم جرم جس کی ہماری طرف نسبت کر دی گئی ہے، تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس کے پیچھے یہ سازش کام کر رہی ہے کہ قانونِ سزا کے آرٹیکل نمبر 163 کو اُس کی احترازی قیود کو نظر انداز کیے بغیر اس کی ظاہری صورت میں اور عمومی صیغے کے ساتھ مکمل طور پر میرے خلاف لاگو کر دیا جائے۔[1]

اور باوجود اس کے کہ میرے اُن دفاعی بیانات میں جو کہ تمہارے افسروں کی طرف لکھے گئے ہیں، اُن تمام الزامات کے جوابات ہیں جن کی نسبت ہماری طرف کی گئی ہے، اس کے باوجود بجائے اس کے کہ رسائلِ نور کا استقبال قدر دانی کی نگاہ سے کیا جاتا اور ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی، لیکن ان کا استقبال صرف دس پندرہ نقطوں کی بنا پر نقد و جرح اور عقوبت و سزا کے ساتھ کیا گیا، حالانکہ یہ رسائل سو اجزا سے زائد ہیں اور ایک سو معنوی انکشافات پر مشتمل ہیں۔

میں جو آپ کے محکمے سے اپنے اس حق کا اور رسائلِ نور کی آزادی کا مطالبہ کر رہا ہوں، تو یہ مطالبہ میرا ایک بہت بڑا حق ہے اور اس مسئلے کو حل کرنا اور اس کا فیصلہ کرنا ایک ایسا ضروری معاملہ ہے جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

چوتھا الزام: ان لوگوں نے پہلے ہم پر یہ تہمت لگائی کہ ہم ایک صوفیانہ سلسلہ ہیں، لیکن جب انہیں اس طرح کی کوئی چیز نظر نہ آئی تو جھٹ یہ تہمت گھڑ لی کہ ہم ایک تحریک ہیں، پھر تیسرے نمبر پر اُنہوں نے یہ تہمت لگائی کہ ہم سیاست کر رہے ہیں، اور ہم حکمران کے انقلابی نظام کے مخالف تحریک ہیں، اور یہ کہ ہم ایک معارض تحریک ہیں، اور ہم ایسا مواد شائع کر رہے ہیں جس کی اجازت نہیں ہے...... اور اس طرح کی دیگر بہت سی تہمتیں۔

---

[1] آرٹیکل 163 کا مضمون یہ ہے کہ جو شخص بھی دینی بنیادوں پر کوئی حکومت قائم کرنے کی، یا کوئی سرکاری ادارہ قائم کرنے کی، یا کسی تحریک کی بنیاد رکھنے کی، یا کسی قانون کی بنیاد رکھنے کا عمل کرے گا یا اس کی دعوت دے گا، یا کسی بھی سیاسی غرض کے لیے دین کو یا دینی شعائر یا دینی مقدمات کو استعمال کرے گا یا دعوت دے گا، وہ مجرم اور قابل سزا ہوگا۔

حالانکہ صورتِ حال یہ ہے کہ مجھے مقصر کرنے کے لیے اور مجھے بے آبرو کرنے کے لیے آخری درجے کی کوششیں کرنے کے باوجود جب انہیں کوئی ایسی دلیل نہ ملی جو انہیں سہارا دے سکے، تو بالآخر انہوں نے ایک قانونی شق کا سہارا لیا اور اس کی احترازی قیود کو روندتے ہوئے اس کی ظاہری اور عمومی شکل پر عمل کیا۔ اور اس طرح ہمیں مقیم کرنا چاہا اور ہم پر ایک ایسے مسئلہ کا الزام لگانا چاہا جس کی نہ تو اُس سے کوئی گنجائش نکلتی تھی اور نہ ہی کوئی عقل مند آدمی اسے قبول کر سکتا تھا۔

جی ہاں، وہ مسئلہ جو ابھی ہم زیر بحث لائیں گے، اور جسے دنیا کا کوئی بھی عقل مند انسان حقیقت نہیں سمجھتا اور جس کے بارے میں ذرّہ برابر انصاف کا مالک بھی یہی کہے گا کہ یہ سفید جھوٹ ہے، ان کا یہ کہنا کہ: ''سعید کردی دین کو سیاست کے لیے استعمال کر رہا ہے''؛ میرے پاس اس بارے میں پندرہ بیس سے زائد دلیلیں ہیں جو میرے تقریباً پانچ دس جوابی دعووں میں موجود ہیں جو تمہاری فائلوں میں محفوظ ہیں، ان میں سے میں آپ کے سامنے صرف ایک دلیل رکھتا ہوں جو آپ کے اس دعوے میں پائے جانے والی تہمت کی قلعی کھول دے گی۔

پس میری حالت جو میں بیان کرنے والا ہوں، اور جسے میں سینکڑوں گواہوں کی شہادت کے ساتھ ثابت کرنے کی استعداد رکھتا ہوں، میری وہ حالت اس تہمت کو جڑ سے اکھاڑ کر رکھ دے گی، اور وہ یہ ہے کہ ''بارلا'' کی بستی جس میں میرا نو سال تک قیام رہا، اس بستی کے لوگوں کے مشاہدے کے مطابق، اور ''اسپارٹا'' کہ جہاں میں نو مہینے تک قیام پذیر رہا، میرے وہاں کے دوستوں کی گواہیوں کے مطابق، اور میرے قریب سے جاننے والے ہم نشیں ساتھیوں سے جو گواہیاں لی گئی ہیں ان گواہیوں کی روشنی میں یہ بات ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ میں نے گزشتہ تیرہ سالوں میں نہ تو کبھی کوئی اخبار وغیرہ پڑھا ہے، نہ خبریں سُنی ہیں، اور نہ ہی یہ چیزیں کبھی طلب کی ہیں — کیونکہ یہ سیاست کی زبان بولتی ہیں — بلکہ مجھے تو کبھی ان رسائل و اخبارات کو پڑھنے کی خواہش بھی نہیں ہوئی جو اُن واقعات و حادثات سے بحث کرتے ہیں جو میری ذات کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور سب لوگوں کو پریشان کرتے ہیں، چنانچہ نہ میں نے یہ خود پڑھے اور نہ کسی سے پڑھوا کر سُنے۔

تو کیا اب یہ کہا جائے کہ سعید رسائلِ نور لکھتا ہے، اور ان رسائل کی وساطت سے دین کو سیاست کے لیے استعمال کرتا ہے؟! مطلب یہ کہ دینِ حق اور تحقیقی ایمان جو کہ کائنات میں ایک مقدس ترین اور بلند ترین قدسی حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے، اُسے سیاست جیسے ادنیٰ، بے فائدہ، گناہ آلودہ، بے قرار اور بہت سے حقوق و فرائض کو ضائع کر دینے والے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے آلۂ کار بناتا ہے؟!! حالانکہ حکومت کی گہری تحقیقات و تدقیقات کے مطابق یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ رسائلِ نور کے مسائل کا — پندرہ مسائل کو چھوڑ کر — رُخ میری آخرت، میرے ایمان اور حقیقت کی طرف ہے۔

ایسی باتیں کہنے والوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی ہے کہ انہوں نے کتنا غلط فیصلہ کیا ہے اور وہ عقل و انصاف اور

ضمیر کے دائرے سے کتنے دور جا نکلے ہیں؟

عدالت بلاشبہ اس معاملے کا گہری نظر سے جائزہ لیتی رہے گی اور ہمارے بارے میں پھیلائے گئے اس طرح کے باطل اَوہام اور ناروا تہمتوں کو ردّ کر دے گی اور حق بات کو آشکار کر دے گی۔

باوجود اس کے کہ اکثریت کے ہاں قوانین سے لاعلم ہونا کوئی عذر نہیں سمجھا جاتا، لیکن جس آدمی کو ہمہ وقت کی سخت نگرانی کے تحت دباؤ میں رکھا گیا ہو، جسے دنیا کے ساتھ قطع تعلقی پر مجبور کر دیا گیا ہو، اور جسے ازراہ ظلم و جبر ایک اجنبی جگہ پر جلاوطن کر دیا گیا ہو، اور جیسے ایک دُور دراز کی غیر معروف سی بستی میں جبری اقامت کے تحت کڑی نگرانی میں رکھا گیا ہو؛ بلاشبہ ایسا آدمی اگر قوانین سے لاعلم رہے تو اسے اہلِ انصاف کے ہاں معذور سمجھا جانا چاہیے۔

پس میں ہی وہ آدمی ہوں، میں نہیں جانتا کہ مجھے کسی خفیہ اطلاع کا سہارا لے کر گھبراہٹ کے عالم میں قانون کی کس شِق کے تحت گرفتار کیا گیا ہے! صرف یہی نہیں بلکہ میں تو جدید لاطینی رسمُ الخط میں دستخط بھی نہیں کر سکتا، اور بسا اوقات دس دس دنوں میں میری اُس ایک آدمی کے علاوہ کسی انسان کے ساتھ ملاقات بھی نہیں ہوتی جسے میری دیکھ بھال کی ذمہ داری سونپی گئی ہے؛ کیونکہ تمام لوگ میری خدمت گزاری سے دور بھاگتے ہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ میرے بس میں یہ بھی نہیں کہ میں کوئی وکیل کر لوں، چنانچہ میں نے اپنے تمام مقدمات میں حق و حقیقت اور صدق و صواب کو بنیاد بنالیا؛ کیونکہ میں نے اپنی تمام زندگی میں یہ دستور اپنائے رکھا: ''مفید ترین اور خوبصورت ترین حیلہ یہ ہے کہ کوئی حیلہ اپنایا ہی نہ جائے۔''

اس حقیقت کی روشنی میں اب عدل پروری کا تقاضا اور ذمہ داری یہ ہے کہ میرے اس پیغام کو فیّاضی و مہربانی کی نظر سے دیکھا جائے جو کہ وقتِ حاضر کے قوانین اور اس کے سرکاری اصولوں کے ساتھ موافقت نہیں رکھتا ہے۔ میرا وہ پیغام خواہ میرے دفاعی بیانات میں ہے یا میرے ایک دو رسالوں میں نایاب سی شکل و صورت میں پایا جاتا ہے۔

وہ نقاط جو میرے دفاعی بیانات میں اجمالی صورت میں پائے جاتے ہیں، میری اس اَبجیکشن شیٹ میں موجود ہیں جو میں نے چارج شیٹ کے ردّ میں لکھی ہے، اِسی طرح وہ نقاط جو کہ اَبجیکشن شیٹ میں مجمل رہ گئے تھے اُن کی وضاحت میرے دفاعی بیانات میں کر دی گئی تھی، چنانچہ یہ دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔

آرٹیکل 163 کی اضافی احترازی اور استثنائی قیود کے ساتھ ساتھ اس آرٹیکل کے معنی و مفہوم کی بنیاد پر اور اُس مقصد کی بنیاد پر جو اس آرٹیکل کی صورت میں قانون وضع کرنے والے کے پیشِ نظر ہے —اور وہ یہ ہے کہ کوئی چیز امنِ عامہ میں خلل اندازی کا سبب نہ بنے —اور باوجود اس کے کہ میں نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ میری جانب سے اور رسائلِ نور کی جانب سے کبھی کوئی ایسی دلیل، علامت یا کوئی بے ساختہ چیز نظر نہیں آئی جو امن عامہ میں خلل ڈالنے کی طرف اشارہ کرتی ہو یا اس پر دلالت کرتی ہو، اور باوجود اس کے کہ میں نے اپنے ان دفاعی بیانات میں جو مِسلوں میں تحریری شکل میں موجود ہے، بیس مرتبہ قطعی صورت میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہمارے اس قضیے کا اس قانون کے ساتھ کوئی

تعلق نہیں ہے، اور یہ کہ سزا دینے کی کوئی بھی وجہ قطعاً نہیں بنتی ہے۔ اور اس لیے بھی کہ عدالتِ عالیہ کے مقام و مرتبے کو کسی بھی طرح یہ بات زیب نہیں دیتی ہے کہ وہ سماعت کے آغاز میں ہی پیدا ہو جانے والے خدشات سے متاثر ہو کر مذکورہ آرٹیکل کو صرف ہماری لاعلمی میں ہمارا مؤاخذہ کرنے کے لیے شائع کر دے۔

پس میں اپنی برأت کا مطالبہ کرتے ہوئے اپنی آخری بات جو کہتا ہوں یہ ہے:

حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۔

☆ ☆ ☆

دعوے کے خلاف میرا جوابِ دعویٰ

معزز عدالتی کمیشن اور سرکاری وکیل صاحب!

چارج شیٹ میں پایا جانے والا ہر وہ آرٹیکل جس کا سہارا لے کر مجھے متّہم کیا جا رہا ہے، اس کا جواب میرے ان دفاعی بیانات میں موجود ہے جو آپ کی سوال وجواب کی مِسلوں میں تحریری صورت میں محفوظ ہے، اور خاص کر وہ دفاعی بیان جو ''میرا آخری دفاعی بیان'' کے نام سے پینتیس صفحات پر پھیلا ہوا ہے، چنانچہ میں اعتراض کے بجائے آپ کی خدمت میں اسے ہی پیش کر رہا ہوں، اور عدل وانصاف کی نظر اس نقطے کی طرف پھیرنے کے لیے کہتا ہوں:

وہ کون سا انصاف اور کون سا ضمیر ہے جو مجھ پر یہ الزام لگانے کی اجازت دیتا ہے کہ میں امن عامہ کو بگاڑنے کی کوشش کر رہا ہوں! حالانکہ میری جانب سے کبھی ایسی کوئی علامت یا کوئی بے ساختہ حرکت سامنے نہیں آئی جو داخلی استقرار یا امن عامہ کے لیے نقصان دہ ثابت ہو، اس پر مزید یہ بھی ہے کہ مَیں گزشتہ دس سال سے صوبہ ''اسپارٹا'' میں بہت سی سخت پابندیوں کے تحت مظلومی کی زندگی گزار رہا ہوں۔

قانون کا آرٹیکل 163 جس طرح ہمارے خلاف استعمال ہوا ہے، اگر اس کی تفسیر کی جائے تو اس کی زد میں یہ تمام ائمہ، خطبا اور واعظین آ جائیں گے، اور ان میں سرفہرست وزیر مذہبی اُمور ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ دینی تعلیم و تربیت کے معاملے میں ہم اور وہ برابر ہیں، اس لیے اگر کم عقلی کی بنا پر یہ گمان کر لیا جائے کہ دین کی تعلیم بہر صورت داخلی امن میں خلل ڈالتی ہے تو پھر اس کے دائرے میں ہم سب آ جاتے ہیں۔

جی ہاں، میں ان لوگوں پر ایک جہت سے پھر بھی فوقیت رکھتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ میں ایمانی حقائق کی وہ وضاحت کر رہا ہوں جو کسی بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ اس بنا پر اگر ہم بفرضِ محال یہ مان بھی لیں عام دین دار لوگ چونکہ دین کی

درس وتدریس کرتے ہیں اس لیے ان پر اعتراض وارد ہوسکتا ہے، تو بھی ہماری ایمانی حقائق کی وضاحت کرنے والی روش اس اعتراض سے بچنے کا ایک ذریعہ بن جائے گی۔

البتہ یہ بات عدالت کی نظرِ انصاف کے ساتھ میل نہیں کھاتی ہے کہ بیس عدد بے گناہ اور بریٔ الذمہ لوگوں کو حراست میں رکھا جائے اور انہیں اُن کے اہل وعیال اور کام کاج سے محروم کر دیا جائے، اور انہیں ایک ایسے آرٹیکل کے تحت جیل میں ٹھونس دیا جائے جو میرے بارے میں تمام تر تحقیقات کے باوجود ابھی تک کوئی ثبوت نہیں مل سکا ہے، اور اگر ثبوت مل بھی جائے تو وہ بھی حقیقی عدالت کی نظر میں کسی جرم کی نشاندہی نہیں کرے گا، اور اگر کسی جرم کی نشاندہی کر بھی دے تو اس کا ذمہ دار صرف میں اکیلا ہی ہوں گا؛ کیونکہ اس الزام کے نتیجے میں بہت سے بے گناہ مسکین لوگ صرف اس بنا پر نقصان اُٹھا رہے ہیں کہ ان کا میرے ساتھ تھوڑا بہت تعلق ہے۔ حکومت کی چارج شیٹ جو یہ خبر دیتی ہے کہ مجھے شہر بدر اس لیے کیا گیا تھا کہ میں ''مشرق'' کے واقعات میں شریک تھا، تو اس کا جواب میں یہ دیتا ہوں کہ [1] حکومت کے ریکارڈ میں میری جو فائل موجود ہے، اس کے اردگرد کوئی شائبہ تک نہیں منڈلاتا ہے، اور حکومت کے ہاں یہ بات بھی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ مجھے صرف اور صرف احتیاطی تدابیر کو سامنے رکھتے ہوئے شہر بدر کیا گیا ہے؛ کیونکہ مجھے جب شہر بدر کیا گیا تھا میں اس وقت بھی اُسی طرح گوشہ نشین تھا جیسے اب ہوں، اور عین اُس وقت کہ جب میں اپنے ایک خادم کے ساتھ ایک پہاڑ کی غار میں بالکل اکیلا رہ رہا تھا، انہوں نے مجھے گرفتار کرلیا اور بلا کسی وجہ کے مجھ پر جبری اقامت فرض کردی، ان میں سے میں نو سال ایک بستی میں اور ایک سال ''اسپارٹا'' میں رہا، اور پھر اخیر میں مجھ پر یہ مصیبت نازل کردی۔

تیسری چارج شیٹ

اس کا ماحصل یہ ہے کہ یہ شخص جب ''بارلا'' میں تھا، اس نے ہر قریب وبعید کے ساتھ تعلقات بنا لیے تھے اور ان لوگوں کی مادی ومعنوی مساعدات کے بل پر اپنی سرگرمیوں کے لیے دوڑ دھوپ کرتا رہا، اور اپنی اُن تالیفات کے اجزا کو یکے بعد دیگرے لکھواتا رہا جن کے مجموعے کو وہ ''رسائل نور'' کہتا ہے، اور ان رسائل کو ''انطالیہ''، ''آیدن''، ''میلاس''، ''اغریدر''، ''دینار'' اور ''وان'' جیسے علاقوں میں مختلف وسائل کے ذریعے انتہائی خفیہ طریقے سے نقل کیا، ان کی نشر و اشاعت کی اور اپنے آدمیوں کی وساطت سے انہیں عام کردیا۔ اور جو رسائل داخلی امن میں خلل انداز ہوسکتے تھے ان پر ''خاص'' اور ''شِبہ خاص'' کا نشان لگادیا۔ اور اس طرح اس نے اپنی غرض وغایت کا اظہار کردیا اور اس کا اقرار کرلیا جو اس کے پیشِ نظر تھی۔

[1] اس سے مراد شیخ ''سعید بیران'' کی مسلح بغاوت ہے جو 1925 میں مشرقی ترکی میں سقوطِ خلافت اور اس کے نتیجے میں رونما ہونے والی ان کارروائیوں کے خلاف ظہور میں آئی جن کا مقصد ترک قوم کی اسلامی شناخت کو مٹاڈالنا تھا۔

اس فقرے کا میں واضح اور قطعی جواب دے رہا ہوں، اور یہ جواب میرے اُس جواب کے علاوہ ہے جو ''میرے آخری بیان'' کے نام سے گزر چکا ہے، اور جو میں نے آپ حضرات کو ابجیکشن شیٹ کی صورت میں پیش کیا ہے اور جو اس سے پہلے تمہاری مسلوں میں لکھا جا چکا ہے، چنانچہ میں کہتا ہوں:

سو بار نہیں، اور ہرگز نہیں، اس بات سے کہ میں ایمان کے علم کو رضائے الٰہی کے علاوہ کسی اور چیز کے لیے آلۂ کار بنا دوں! بلکہ یہ بات میرے مقدور میں ہی نہیں ہے، بلکہ اس بات کا حق کسی کو بھی نہیں پہنچتا۔

رسائل نور کے نام سے بیس سال کے عرصے میں ایک سو پچیس رسائل لکھے گئے ہیں، رہے وہ رسائل جن کے بارے میں ہم نے یہ کہا ہے کہ یہ خاص ہیں، تو ان میں سے تین رسائل ایسے ہیں جنھیں ہم نے ''خصوصی'' کہا ہے تا کہ وہ ہمارے لیے فخر وغرور یا ریا کاری کا سبب نہ بن جائیں۔ لیکن اب میں مجبور ہو کر اُن کی خصوصیت کے پہلوؤں میں سے ایک پہلو سے پردہ اُٹھاتے ہوئے کہتا ہوں: ان میں سے ایک تو ''کرامتِ غوثیہ'' کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، دوسرا ''کرامت علویہ'' کے ساتھ، اور تیسرا اخلاص کے ساتھ۔

جہاں تک دو کرامتوں کا تعلق ہے تو وہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور شیخ عبدالقادر جیلانی قُدّس سرہ کی جانب سے میری قرآنی خدمات کی قدر دانی کی صورت میں دو اشارے ہیں، اور میری اس سے حوصلہ افزائی کرنا میری اوقات سے سو درجے بڑھ کر ہے۔ اور رہا وہ رسالہ جو اخلاص کے موضوع پر ہے اور ریا کاری اور غرور وانانیت پر تنقید کرتا ہے، تو اُسے خصوصی اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ میرے خاص الخاص بھائیوں کے لیے خاص ہے، اب آپ یہ بتائیں کہ ان رسائل کا داخلی امن کے ساتھ کیا تعلق ہے کہ انہیں مُتّہم کر دیا جائے؟

رہی خصوصی رسائل کی دوسری قسم، تو اُن میں سے ایک دو تو وہ ہیں جو میں نے ''دار الحکمۃ الاسلامیہ'' میں لکھے تھے، اور ایک وہ ہے جو میں نے نو سال پہلے یورپ کے اعتراضات اور ''عبداللہ جودت''[1] کے کفریہ حملوں کے ردّ میں لکھا تھا۔ اسی طرح دو چھوٹے چھوٹے رسالے اور تھے جو میں نے ان سنگین ظالمانہ زیادتیوں کے خلاف لکھے تھے جو کچھ ذمہ دار افسر میرے خلاف روا رکھے ہوئے تھے، ان دونوں کا ذکر میں نے اپنے آخری دفاعی بیان میں کیا ہے۔

پھر ان چاروں رسالوں کی تالیف کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد میں نے ان کی نشر واشاعت کو روک دیا تھا تا کہ یہ کسی بھی شکل میں آزادی کے قوانین کو اور حکومت کے معاملات کو مس نہ کریں، اور میں نے کہا: یہ خصوصی رسائل ہیں، تب سے وہ میرے ایک دو خاص الخاص بھائیوں کے لیے خاص رہے اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ اس دقیق ترین تفتیشی عمل کے باوجود ان میں سے کوئی بھی رسالہ کسی بھی جگہ سے برآمد نہ ہوا، آپ لوگوں کے ہاتھ جو چیز لگی ہے وہ عام

---

[1] عبداللہ جودت کارلی داغ، خلافت عثمانیہ کے اواخر میں یورپی تہذیب وتمدّن کا مشہور ترین طرفدار، اُس نے مشہور مستشرق ''دوزی'' کی بعض ان کتابوں کا ترکی میں ترجمہ کیا جن میں اسلام اور شعائر اسلام پر رکیک حملے کیے گئے ہیں۔

رسائل کی فہرست ہے۔ اس بنا پر اِن نقاط کی وضاحت کرنا بہت ضروری ہو گیا تھا، اور میں نے یہ کام کر بھی دیا، اور میرا وہ جوابِ دعویٰ تمہاری مِسل میں لکھ دیا گیا ہے۔

آپ کی چارج شیٹ میں بہت سی جگہوں کے نام آئے ہیں اور آپ لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ میں نے بعض لوگوں کی وساطت سے رسائل نور کی نشر و اشاعت کے لیے اور انہیں عام لوگوں تک پہنچانے کے لیے بھاگ دوڑ کی ہے، تو اس کے جواب میں میں کہتا ہوں:

میں جن دنوں ایک بستی میں، اجنبیت کی حالت میں، اور انتہائی کڑی نگرانی میں بالکل اکیلا زندگی گزار رہا تھا، ان دنوں میں نے اپنے چار دوستوں کو بطور یادگار کچھ ایمانی جذبات واحساسات ارسال کیے تھے، اور میری حالت یہ ہے کہ میری لکھائی بھی اچھی نہیں اور میرا تعاون کرنے سے ہر آدمی کتراتا ہے۔ اب اگر یہ کہا جائے ''کہ اپنے اس انداز سے تُو نشر واشاعت کی کوشش کر رہا ہے تو یہ بات حقیقت سے کتنی دور ہوگی؟ آپ لوگوں کو اس بات کا اندازہ خود لگا لینا چاہیے۔''

میں نے ''وان'' میں پندرہ سال تک درس وتدریس کی خدمات انجام دی ہیں، اور اُن دِنوں میں اپنے قد کاٹھ سے کہیں بڑھ کر عامۃ الناس کی توجہ کا مرکز بن گیا تھا، ایسے حالات میں اگر میں نے اپنے کسی دوست کی طرف کوئی ایک دو ایمانی رسالے بھیج دیے ہیں تو یہ کہنا کیونکر صحیح ہوگا: ''تو اپنی مطبوعات کو لوگوں میں بانٹ رہا ہے؟!''

بلاشبہ میں نشر واشاعت کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا ہوں؛ کیونکہ میرے پاس نہ پریس ہے نہ کاتبین، اس پر مزید یہ کہ خود میرا اپنا خط بہت ردّی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ خود رسائلِ نور میں ہی کوئی ایسی کشش پائی جاتی ہے جو انہیں خود بخود طبع ہونے کے قابل بنائے جا رہی ہے، البتہ ایک بات ضرور ہے، اور وہ یہ کہ ہم نے جدید لاطینی حروف کے منظر عام پر آنے سے پہلے ''رسالۂ حشر'' طبع کیا تھا جس کا دوسرا نام ''دسواں مقالہ'' ہے۔ یہ رسالہ گورنروں اور دیگر حکومتی عہدیداروں کے ہاتھ لگ گیا تھا، لیکن ان میں سے کسی نے بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ اس رسالے کے آٹھ سو نسخے طبع ہوئے تھے۔ اور اس کے کچھ نتائج اس طرح کے سامنے آئے کہ اس طرح کے کچھ خالص ایمانی اخروی رسائل بے اختیارانہ طور پر کچھ لوگوں تک پہنچ گئے، اور میں بلا شبہ ان رسائل کے اس انداز سے پھیل جانے پر بہت خوش ہوا، کیونکہ یہ کام بے ساختہ ہوا تھا، اس میں میرا کوئی عمل دخل یا اختیار نہیں تھا۔ اور اس کام کی داد میں نے اپنے بعض خصوصی خطوط میں حوصلہ افزائی کے انداز میں دی۔

پھر اُن لوگوں کو ایک لمبے چوڑے رقبے پر پھیلے ہوئے شہر میں گہری تفتیش کے حملوں کے بعد پندرہ بیس آدمیوں کے پاس محفوظ میری چند کتابوں کے علاوہ کوئی چیز نہ ملی، تو اب ایک میرے جیسا آدمی جس نے اپنی عمر کے تیس سال اپنے بیس عدد خاص دوستوں کے گھیرے میں تالیف وتدریس کے مشغلے میں گزارے ہیں، اگر اس کے ہاں سے اس کے کچھ خاص رسائل مل جائیں تو کیا انہیں مطبوعات شمار کیا جائے گا؟ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے؟ اور ان مطبوعات کے ذریعے کوئی

ہدف متعین کیونکر ممکن ہے؟

حضراتِ گرامی! میں اگر کسی دنیاوی یا سیاسی مقصد کے لیے دوڑ دھوپ کر رہا ہوتا تو اس دس سال کے عرصے کے دوران میرے پندرہ بیس کے بجائے لاکھوں لوگوں کے ساتھ تعلقات ظاہر ہو چکے ہوتے۔ بہر کیف، میرے آخری دفاعی بیان میں اس نقطے کی مزید وضاحت اور تفصیل موجود ہے۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ چارج شیٹ میں میرے خلاف اُن دو ''قطعی''، علمی اور کسی بھی شک وشبہ سے بالاتر حقیقتوں کو اور دو علمی جوابوں کو ذمہ دار بنا دیا جائے جو میں نے دو آیتوں یعنی ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ اور ﴿فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ﴾ ''پر وارد ہونے والے جدید تہذیب کے اعتراضات کے ردّ میں لکھے ہیں، حالانکہ یہ آیتیں قدیم سے ہی تمام تفاسیر میں موجود ہیں۔

چارج شیٹ میں ''الفہرست'' سے نقل کرتے ہوئے اس مسئلے پر تنقید بھی وارد ہوئی ہے کہ قرآنی الفاظ اور اذکار کے ترجمے اصل کے قائم مقام نہیں ہو سکتے، اور یہ مسئلہ آٹھ سال قبل واقع ہوا تھا، اور یہ ایک ایسی سائنسی حقیقت ہے جو اعتراض قبول نہیں کرتی۔ لیکن اس کے بعد حکومت نے کافی زیادہ وقت گزرنے کے بعد عصرِ رواں کے بعض تقاضوں سے مجبور ہو کر ترجمے کے جواز کو برقرار رکھا۔ اب سوال یہ ہے کہ حکومت نے جب کوئی فیصلہ خود ہی کر لیا ہے تو پھر حکومت کی اس قرارداد کو میرے خلاف کیوں کھڑا کیا جا رہا ہے؟

ایک رسالہ اور بھی ہے جو کہ چار نقاط پر مشتمل ہے، اور جو ہماری مسجد کو تالا لگا دینے کی مناسبت سے لکھا گیا تھا،[1] یہ رسالہ علاقے کے ڈائریکٹر کی خدمت میں اور اس کے بعض رفقا کے نام ذاتی طور پر اور ان کے اختیارات کے غلط استعمال کرنے کے خلاف لکھا گیا تھا؛ کیونکہ انہوں نے مجھ پر بے رحمانہ ظلم کیا تھا۔ لیکن اس کا بھی سراغ نہ مل سکا؛ کیونکہ میں نے وہ رسالہ کسی کو نہیں دیا تھا۔

''دسویں مقالے''، یعنی رسالہ حشر کے توافقات میں سے ایک یہ ہے کہ اس کی سطروں کی تعداد ایک جہت سے اس کی تالیف کی تاریخ کے ساتھ موافقت رکھتی ہے اور دوسری جہت سے اُس سیکولر جمہوریت کے اعلان کی تاریخ کے ساتھ موافقت رکھتی ہے جو کہ دین کو دنیا سے علیحدہ رکھتی ہے، یعنی اس موافقت کا مطلب یہ ہے کہ سیکولرازم کا اعلان حشر کے انکار کی علامت ہوگا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جمہوریت جب تک غیر جانبداری کا مظاہرہ کرے گی اور دین اور الحاد سے تعرّض نہیں کرے

---

[1] استاد جب ''بارلا'' میں تھے تو انہوں نے وہاں طلابِ نور کے تعاون سے ایک ٹوٹی پھوٹی متروک مسجد کی مرمت کی تھی اور اس میں نماز پڑھنا اور لوگوں کے ساتھ ملاقاتیں کرنا شروع کر دی تھیں۔ اس مسجد پر تین دفعہ دھاوا بولا گیا اور پھر بالآخر اسے مقفل کر دیا گیا اور استاد کو اس میں لوگوں کے ساتھ ملاقات کرنے سے حتمی طور پر روک دیا گیا۔

گی تو پھراس بات کا احتمال بہرکیف موجود ہے کہ اہلِ ضلالت واہلِ الحاد اس کی غیر جانبداری کا فائدہ اُٹھائیں گے اور حشر کے انکار کا اعلان کر دیں گے؛ ورنہ یہ حکومت پر حملہ نہیں بلکہ اس کی غیر جانبداری کی طرف اشارہ ہے۔

حق بات یہ ہے کہ آج سے نو سال پہلے سے لے کر آج تک ''دسویں مقالے'' کے جو آٹھ سو نسخے شائع ہوئے تھے، انہوں نے حشر کا انکار اہلِ ضلالت میں سے منکرینِ حشر کے دلوں میں ہی محصور کر دیا اور ان کے لیے اتنی گنجائش ہی نہ چھوڑی کہ ان کی زبانیں اس کا صراحت کے ساتھ انکار کر سکیں۔

یہ رسالہ جو کہ ایمان کے حشر جیسے عظیم الشان رکن کی وضاحت کرتا ہے، یہ ایمان کے جسم پر ایک فولادی زرہ کی حیثیت اختیار کر گیا ہے اور اس نے اہلِ ضلالت کا ناطقہ بند کر دیا ہے۔ بلاشبہ جمہوری حکومت کو یہ رسالہ اتنا پسند آیا ہے کہ اسے ارکان پارلیمنٹ نے اور حکومت کے بڑے بڑے ذمہ داران نے کامل آزادی کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لیا۔

یہی صورتِ حال ''پردہ'' نامی رسالے کی ہے، کہ یہ رسالہ ایک انتہائی مضبوط مُسکِت علمی جواب ہے، اس اعتراض کا ردّ کرتا ہے جو یورپی تہذیب کی طرف سے فلسفے کی ترجمانی میں اور انگریزی سیاست کی فساد انگیزی کی حمایت میں آیتُ الحجاب پر وارد کیا گیا ہے۔ اس طرح کا علمی جواب اس قابل ہے کہ صرف آج سے پندرہ سال قبل ہی نہیں بلکہ ہر دور میں اُس کی قدر کی جائے، ایک جمہوری حکومت جو آزادی کی علمبردار ہے یقیناً اس علمی آزادی پر پابندیاں نہیں لگائے گی۔

اے عدالتی کمیٹی کے ممبران! رسائل نور کا ہدف اگر دنیا ہوتی، یا ان کے ذریعے کوئی دنیاوی مقصد حاصل کرنا ہوتا، تو ان ایک سو بیس رسائل میں ایسے ہزاروں نقاط مل جاتے جو تمہاری نظروں میں محلِ انتقاد ہیں۔

کسی مبارک باغ میں اگر پندرہ عدد پھل تُمّے کی طرح کڑوے نکل آئیں تو کیا اُس باغ کو صرف اس بنا پر ممنوع قرار دے دیا جائے گا، یا اس کے مالک سے اس بنا پر پوچھ گچھ کی جائے گی کہ اس میں اکیس ہزار پاکیزہ اور لذیز پھلوں کے درمیان پندرہ پھل کڑوے کیوں نکل آئے ہیں؟

میں اپنے آخری دفاعی بیان میں اس بات کی وضاحت کر چکا ہوں کہ میں نے تیس سال پہلے یورپ کے فلاسفروں کا، اور ان ملحدوں کا ردّ لکھا تھا جو اندرونِ وطن میں بیرونی منصوبوں کے لیے اور اپنے مفادات کے لیے کام کرتے ہیں، اور یہ کام میں ابھی تک اُن کی مخالف صف میں رہ کر کیے جا رہا ہوں۔ اور رسائل نور کو پڑھنے والے لوگ اس بات کا ادراک رکھتے ہیں کہ میری اپنی ذات کے بعد میرے زیادہ تر مخاطب یہی لوگ ہیں۔

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ میں نے تو یورپ کے فلسفیوں کے چہروں پر، اور ہر اس ملحد کے چہرے پر ایک زناٹے دار علمی طمانچہ رسید کیا جو بیرونی سازشوں کے لیے کام کرتا ہے؛ آپ یہ بتائیں کہ اُس طمانچے کا رُخ موڑ کر اُسے حکومت کے خلاف کس بنا پر کیا جا رہا ہے؟

عقل یہ بات کسی بھی طرح قبول نہیں کرتی ، بلکہ ہم تو اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے ہیں، اور جمہوری حکومت سے جو آزادی کو ایک متاعِ گراں بہا سمجھتی ہے، یہ اُمید ہے کہ وہ اس طرح کے علمی اور مبنی برحق طمانچوں کو خوش آمدید کہے گی اور انہیں سوال و جواب کے کٹہرے میں کھڑا کرنے کے بجائے خود حکومت ہی کی ترجمانی کرتے ہوئے اور قانون کی بہتری کا خیال کرتے ہوئے ان کی داد دے گی اور ان کے حق میں تالیاں پیٹے گی۔

اعتذار

فردِ جرم کی کاپی مجھ تک تین دن کی تاخیر سے پہنچائی گئی، چنانچہ اسے پہلے دن شام کے وقت جھٹپٹے میں پڑھا گیا؛ کیونکہ وہ دیر سے موصول ہوئی تھی، اور اس کا اکثر حصے کے دوسرے دن ترجمہ کیا گیا، اور یوں مجھے جوابِ دعویٰ لکھنے کے لیے صرف پانچ چھ گھنٹے ہی ملے، اس لیے میں نے طویل سا جواب دعویٰ یا اعتراضی بیان بہت جلدی میں سپردِ قلم کیا۔

میں نے سابقہ دفاعی بیانات میں جو کچھ کہا ہے اسے ایک بار پھر دہراتا ہوں: میرا یہ اعتراضی بیان یقیناً ناقص اور آخری حد تک بے ترتیب ہوگا؛ کیونکہ یہ طویل تر بیان چار پانچ گھنٹوں کی مدت میں لکھا گیا ہے، مزید یہ ہے کہ مجھے قوانین کے بارے میں اور خاص کر موجودہ سرکاری معاملات کے بارے میں کچھ زیادہ جانکاری بھی نہیں ہے، اور نہلے پہ دہلا یہ ہے کہ عرصہ دراز سے مجھے لوگوں کے ساتھ میل جول سے روک دیا گیا ہے؛ اس لیے اُمید ہے کہ میرے اس بیان کو چشم پوشی اور درگزری کی نظر سے دیکھا جائے گا۔

☆ ☆ ☆

سِول جج کو پیش کیا گیا آخری دفاعی بیان

باسمہ سبحانہ

میری ذات سے متعلقہ الزامات کے ردّ میں میرا بارہ صفحات پر مشتمل دفاعی بیان جو کہ تقریباً باسٹھ صفحات سے ترتیب دی گئی چارج شیٹ کے بارہ صفحات میں موجود ہے۔

عدالت کی روداد میں میرا تحریر شدہ دفاعی بیان ہمارے خلاف کیے گئے فیصلے والی کاپی میں ذکر کیے گئے مواد کے قطعی جوابات پر مشتمل ہے۔ میرا اُنتیس صفحات پر مشتمل آخری دفاعی بیان اور میری اُنیس صفحات پر مشتمل اَبجیکشن شیٹ جو اس موہوم چارج شیٹ کے ردّ میں لگی گئی ہے جس کی کوئی بنیاد ہی نہیں ہے اور جو اس فیصلہ فائل میں وارد ہے۔

یہ دونوں دفاعی بیان بالکل قطعی صورت میں ان تمام الزامات کی اور گرفتاری کے تمام نقاط کی، اور تہمتوں کی اُن تمام بنیادوں کی تردید کرتے ہیں اور انہیں بہکی ہوئی اور بے بنیاد باتیں ثابت کرتے ہیں اور ان کا باطل ہونا آشکار کرتے ہیں۔ البتہ اس مقام پر میں ''پانچ ایسی بنیادیں'' لکھ رہا ہوں جو اس فیصلے کے اصل تانے بانے کی وضاحت کرتی ہیں، اور کھول کر بیان کرتی ہیں کہ مجھ پر تہمت لگانے والوں نے کہاں سے دھوکہ کھایا ہے اور اس بے بنیاد جواب طلبی کا مواد انہوں نے کہاں سے حاصل کیا ہے۔

پہلی بنیاد: ایک بے اصل اور باطل دعویٰ ہے جو رسائل نور کے ایک سو بیس اجزا میں سے دو تین یا چار اجزا میں وارد ہونے والے پندرہ فقروں کو ذریعہ بنا کر مجھ پر اور رسائلِ نور پر حکومت کی مبادیات کی مخالفت کی، حکمران نظام کے ساتھ دشمنی کی اور داخلی امن کو زیروزبر کرنے کی کوشش کرنے کی تہمت لگاتا ہے۔

میں اس کے جواب میں کہتا ہوں: میں نے قرآنی حقائق کا علمی دفاع کیا ہے یورپ کی تہذیب کے مفید پہلوؤں کو چھوڑ کر صرف مضر پہلوؤں کی تردید کرتے ہوئے قرآنی حقائق کا علمی دفاع کیا ہے، سوال یہ ہے کہ میرا یہ دفاع حکومت کے نظام و مبادیات کی مخالفت اور اس کی انقلابی سیاست کے خلاف تحریک کیونکر شمار ہو سکتا ہے؟ صرف اس وجہ سے کہ جمہوری حکومت نے اِس دور کی بعض ضروریات کے تحت اس تہذیب کے کچھ قوانین اپنائے ہوئے ہیں؟

کیا اس جمہوری حکومت کو یورپی تہذیب کے معایب کی حمایت کرنا بہت اچھا لگتا ہے؟ کیا اس ناقص تہذیب کے مخالفِ اسلام قوانین کوئی ایسا ہدف تھا جسے حاصل کرنے کے لیے یہ حکومت شروع سے ہی کوشش کر رہی ہے؟ قرآنی

حقائق کے اس علمی دفاع کا اس ناقص تہذیب کے بعض قوانین کی تردید کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ یہ انداز حکومت مخالف موقف کی جگہ کیونکر لے سکتا ہے؟ چہ نسبت خاک را با عالم پاک!

آج سے تیس سال پہلے میں نے اپنے کچھ علمی دفاعی مضمون لکھے تھے اور ان کے ذریعے یورپ کے فلاسفہ کا اور ان کے ان اعتراضات کا ردّ کیا تھا جو انہوں نے ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ ، ﴿فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ﴾ ، ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ﴾ ، ﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ﴾ ، اور اس طرح کی دیگر قطعی قرآنی آیات میں پائے جانے والے قدسی حقائق پر وارد کئے تھے، اور یہ وہ حقائق ہیں جو ساڑھے تیرہ سو سال سے لاکھوں تفسیروں میں موجود ہیں، اور ان تفاسیر میں موجود ہیں جن سے آج تک ہماری لائبریریاں بھری ہوئی ہیں۔ لیکن دفاعی تحریروں کو میرے خلاف یہ کہہ کر استعمال کرنا کہ ''اس کا مقصد حکمران نظام، حکومت کے مبادیات اور اس کے انقلاب کے ساتھ ٹکر لینا ہے'' ؛ ایک واضح قسم کے حقد وحسد اور وہمِ باطل کی نشاندہی کرتا ہے۔ لیکن اگر اس کا تعلق اس عدل پرور محکمے کے ساتھ نہ ہوتا تو میں اسے اس قابل نہ سمجھتا کہ اس کا دفاع کیا جائے اور تردید کی جائے۔

پھر میرے اس علمی دفاع کا رُخ حکومت کے خلاف پھیرنے کی آخر وجہ کیا ہے؟ حالانکہ یہ صرف اور صرف ان ملحدوں کا راستہ روکتا ہے جو ایک عرصے وطن اور امت کو نقصان پہنچانے کی نیت سے روم اور ارمن کی جمعیتوں کے ذریعے فساد واختلاف اور الحاد وزندیقیت کے بیج بو رہے ہیں اور کفر والحاد کی یورپی تنظیموں کے لیے کام کر رہے ہیں؟ جی ہاں، اس علمی دفاع کی تفسیر اس انداز میں کس بنا پر کی جاتی ہے کہ یہ حکومت پر حملے کے مترادف ہے؟ اور انصاف کی کس آواز پر لبیک کہتے ہوئے حکومت کو الحاد وزندیقیت کا لبادہ اوڑھا دیا جاتا ہے اور پھر اسی چیز کو سامنے رکھ کر تہمتوں کا انبار لگا دیا جاتا ہے؟!

اور باوجود اس کے کہ جمہوری حکومت کی مضبوط بنیادیں اس طرح کے ملحدوں کے بالکل خلاف ہیں، تاہم اس کے کچھ مبادیات کو الحاد کا لبادہ پہنا دیا گیا اور پھر میرے اُن علمی دفاعات کو لے آئے جو بیس سال پہلے وطن، اُمت اور حکومت کے لیے ان فسادیوں پر غلبہ حاصل کر چکے ہیں، اور ان دفاعات کی تفسیر یہ کی گئی کہ یہ ''دین کو سیاست کے لیے استعمال کرتے ہیں اور عوام کو حکومت کے خلاف بھڑکاتے ہیں۔'' وہ کون سا انصاف ہے جو اس طرح کے انداز کو قبول کرتا ہے؟! اور کون سا ضمیر ہے جو اسے پسند کرتا ہے؟!

جی ہاں، میں صرف اس عدالت کے سامنے ہی نہیں بلکہ تمام جہان کے سامنے یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں نے یورپ کے فلاسفہ کے مقابلے میں مقدس ایمانی حقائق کا دفاع کیا اور کرتا رہوں گا، اور خاص کر میں ان لوگوں کا مقابلہ تو ضرور کرتا رہوں گا جو ملحد ہیں، اور اس سے بھی خاص طور پر وہ لوگ جو سیاست کو کفر والحاد کا آلۂ کار بناتے ہیں اور معنوی طور پر نقضِ امن کے مرتکب ہوتے ہیں۔

مجھے اس بات کا علم ہے کہ یہ جمہوری حکومت ایک مسلمان حکومت ہے، اور یہ ایسی الحادی لہروں کو پنپنے کے لیے کبھی میدان کھلا نہیں چھوڑے گی جو وطن اور قوم کے لیے نقصان دہ ثابت ہو، اس نے جدید تہذیب کے بعض قوانین کو صرف زمانے کی ضرورتوں کے تحت قبول کیا ہے، میں ان محققین کو کبھی مخاطب نہیں کروں گا جن کی ڈیوٹی قرار داد نامی ''چارج شیٹ'' کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، میرے مخاطب صرف ظالم ملحد لوگ ہیں، اور میں ان لوگوں کے اُن مکائد واَوہام کی تردید کرتا ہوں جن کا سہارا یہ لوگ لیتے ہیں، چنانچہ میں کہتا ہوں:

تم لوگ مجھ پر یہ تہمت لگاتے ہو کہ میں دین کو سیاست کا آلۂ کار بناتا ہوں، اور میں اس بدترین الزام کے مقابلے میں تم لوگوں پر یہ تہمت دھرتا ہوں کہ تم لوگ سیاست کو الحاد کا آلۂ کار بنانا چاہتے ہو، اور اس پر مزید یہ کہ میں ایک سو قطعی دلیل کے ساتھ یہ بات ثابت کر رہا ہوں کہ تمہاری یہ تہمت ایک واضح بہتان ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔

کسی دور میں ایک ذہین فطین، مکّار اور فنکار قسم کا بادشاہ رہا کرتا تھا، وہ عدل وانصاف کی نیت سے بڑے ظلم ڈھاتا تھا۔ ایک دن ایک محقق عالم نے اس سے کہا: بادشاہ سلامت! آپ عدل وانصاف کے نام پر اپنی رعایا پر ظلم کرتے ہیں، آپ جب اپنی حیلہ گر نقادنظر کے ساتھ علیحدہ علیحدہ زمانوں میں رونما ہونے والی متفرق برائیوں کو ایک جگہ اکٹھا کر لیتے ہیں اور یہ تصور کر لیتے ہیں کہ ساری برائیاں ایک ہی زمانے میں واقع ہوئی تھیں، اور پھر ان برائیوں کا ارتکاب کرنے والے کو سخت سزا دیتے ہیں۔ اسی طرح آپ کی حیلہ گر نقادنظر میں متفرق افراد سے صادر ہونے والی برائیاں اکٹھی ہو جاتی ہیں، اور اس کے نتیجے میں آپ تمام گروہ سے نفرت کرتے ہیں اور ان پر آپ کے غیظ وغضب کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے اور پھر آپ انہیں ناحق مارتے پیٹتے ہیں۔

جی ہاں، اگر آپ کے اندر سے وہ تمام تھوک ایک ہی دن میں نکل باہر آئے جو آپ ایک سال میں تھوکتے ہیں تو آپ یقیناً اس میں ڈوب جائیں گے، اور اگر چند اشخاص کسی تُمے جیسی کڑوی دوائیوں کی اتنی مقدار ایک ہی دن میں کھالیں جو آپ پوری زندگی میں مختلف اوقات میں کھاتے ہیں، تو ممکن ہے کہ وہ دوائی ان سب کو ہلاک کر دے۔

اس بنا پر، عین اس وقت کہ جب ضروری یہ ہوتا ہے کہ آپ اچھائیوں کے ساتھ اُن برائیوں پر پردہ ڈال دیں جو ان اچھائیوں کے دوران کبھی کبھی واقع ہو جاتی ہیں، آپ ان اچھائیوں کے بارے میں سوچے بغیر جو برائیوں کو مٹا ڈالتی ہیں، اپنی حیلہ گر نظر کے ساتھ متفرق برائیوں کو اکٹھا کر دیتے ہیں اور اس طرح اپنی رعایا کو دردناک عذاب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

اس محقق عالم کی تنبیہ کام کر گئی اور بادشاہ اپنے عدل کے نام پر کرنے والے ظلم وستم سے باز آ گیا ہے۔

کوئی بہت ہی بڑی مخفی قوت ہے جو مجھے بہرصورت زبردستی مجرم بنانا چاہتی ہے؛[1] کیونکہ ان لوگوں نے ہر ذریعہ اپنالیا ہے، ہر حیلہ آزمالیا ہے، اس آدمی کی طرح جو ایک ہزار وادیوں سے پانی اکٹھا کرتا ہے۔ میری سمجھ میں جو بات آرہی ہے یہ ہے کہ مجھ پر تہمت لگانے کی بہت زیادہ خواہش ہے اور یہ خواہش انگڑائیاں لے رہی ہے کہ مجھ پر تہمت لگ ہی جائے، اور مجھ پر ایسے ہی فردِ جرم اس دلیل سے بھی زیادہ عجیب وغریب دلیل سے عائد ہوجائے جس طرح کی دلیل بھیڑیے نے بھیڑ کے بچے کو دی تھی۔

چنانچہ وہ مثال کے طور پر گزشتہ تین مہینوں سے یہ عبارت دہرارہے ہیں: ''سعید کردی دین کو سیاست کا آلۂ کار بنارہا ہے''، اور میں اپنی تمام تر مقدسات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میں ایک ہزار ریاستوں کا بھی مالک ہوتا تو ان سب کو ایمانی حقائق پر فدا کردیتا؛ ایمانی حقائق کو دنیا کی سیاست کے لیے آلۂ کار بنانے کا توسوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

علی الرغم اس کے میں سوبار اس اتہام کو بے سروپا ثابت کرچکا ہوں، وہ اپنا بھدا اور بے سُرا راگ بار بار الاپتے ہی جاتے ہیں اور اسے بے فائدہ طور پر کھینچتے چلے جاتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی آرزو یہ ہے کہ کاش میں دباؤ میں آکر اور مجبور ہوکر اس طرح کے الزامات قبول کرلوں! اور میں ان ظالم ملحدوں پر یہ تہمت رکھتا ہوں کہ یہ لوگ سیاست کو الحاد کے لیے استعمال کرتے ہیں، لیکن رسوائیوں سے بھی ڈرتے ہیں اس لیے وہ اُس خوفناک معاملے کو چھپانے کی پوری کوشش کرتے ہیں جو انہیں تہمت کا سزاوار بنادے؛ اس لیے وہ یہ تہمت دہراتے رہتے ہیں کہ ''سعید دین کو سیاست کا آلۂ کار بناتا ہے۔''

تو یہ لوگ جب مجھے ہر صورت میں مجرم بنانا ہی چاہتے ہیں، تو میں اہلِ دنیا سے یہ کہتا ہوں کہ میں بڑھاپے کی اس عمر سے سال دوسال بچانے کے لیے خود کو ذلیل کرنا پسند نہیں کرتا ہوں۔

پانچویں بنیاد: اور اس میں چار نقطے ہیں۔

پہلا نقطہ: فیصلے کی کاپی میں لکھے گئے رسائلِ نور سے لیے گئے اقتباسات کے الفاظ کے ذریعے کھیل تماشا جاری ہے؛ کیونکہ یہ لوگ ان سے ایسے تعریضی معانی نکال لیتے ہیں جو مقصود نہیں ہوتے، جبکہ ہونا یہ چاہیے کہ رسائل نور کے کلمات — غیر مقصود تعریض[2] تو رہی ایک طرف — اگر کوئی تصریح بھی مل جائے، تو بھی وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں عفوو

---

[1] مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کو مجرم بنانے کے لیے ان کے ذمہ ایسی باتیں لگا رہے جو انہوں نے کہی ہی نہیں ہیں، اور ان باتوں کو جس ڈھنگ سے بیان کرتے ہیں وہ بذاتِ خود جرم کا باعث بن ہی سکتا!

[2] تعریض: ڈھال کر بات کہنا؛ کنایہ کی ایک قسم ہے جس میں موصوف مذکور نہیں ہوتا جیسے اگر کوئی غیر انسانی رویہ کا حامل ہو تو اسے کہا جائے کہ میں تو صرف انسانوں کو ہی سمجھا سکتا ہوں یا میری بات تو کوئی انسان ہی سمجھ سکتا ہے وغیرہ۔ قرآن کریم میں اس کی مثال ﴿يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا آمِنُوْا﴾ اور ﴿بَلْ فَعَلَهُ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا﴾ ہے۔ (مترجم)

درگزری اور رواداری کی نظر سے دیکھا جائے؛ کیونکہ رسائلِ نور کا ہدف بالکل مختلف ہے، یہ ایک مثال اس نقطے کی وضاحت کرنے کے لیے ایک پیمانے کا کام دے گی۔

مثال کے طور پر: میں اپنے راستے میں اپنے مقصد کو نگاہ میں رکھ کر ناک کی سیدھ پہ جا رہا ہوں، کہ اچانک اس دوران کسی بوڑھے آدمی سے ٹکرا جاتا ہوں، اور وہ زمین پر گر جاتا ہے۔ تو میں اسے کہتا ہوں: معذرت جناب! میں تو اپنی سمت میں اپنے دھیان میں جا رہا تھا کہ اچانک بے ارادہ آپ کے ساتھ ٹکرا گیا۔ میرے یہ کہنے پر وہ برا نہیں مانے گا بلکہ بہرصورت معاف کر دے گا، لیکن اگر میں اُسے تنگ کرنے کے لیے اپنی انگلی کے ساتھ اس کا کان چُھولوں تو وہ میری اس حرکت کو اپنی اہانت سمجھے گا اور مجھ سے ناراض ہو جائے گا۔

تو رسائل نور اگر اپنے علمی و فکری سفر کے دوران اہلِ دنیا کی سیاست کے ساتھ ٹکرا گئے ہیں یا ان میں کچھ ایسے کلمات پائے گئے ہیں جن کا لہجہ ذرا سخت ہے تو وہ عفو و درگزری کے لائق ہیں؛ کیونکہ ان کا اصل ہدف ایمان اور آخرت ہے۔ اور ہم اپنے ہدف کی طرف چلے جا رہے ہیں، ہمارا مقصد کسی کے ساتھ ٹکرانا یا کسی کا راستہ روکنا نہیں۔

مجھ پر ایسے ظلم ڈھائے گئے جن کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی

اگرچہ میرے آخری دفاعی بیان نے اور تینوں اعتراضی بیانات نے قطعی دلائل کے ساتھ بیس جہتوں سے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ قانون کا آرٹیکل نمبر 163 مجھ پر مطلقاً لاگو نہیں ہوتا، لیکن اس کے باوجود وہ ان لاکھوں کلمات میں پائے جانے والے صرف پندرہ کلمات کی بنا پر مجھے مجرم بنا دینے پر اصرار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان لاکھوں کلمات کے درمیان پندرہ عدد ایسے کلمات پائے جاتے ہیں جو سول لاء کے کچھ آرٹیکلز کے ساتھ موافقت نہیں رکھتے ہیں!

جبکہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ پھر کافی عرصے کے بعد عصرِ رواں کی ضرورتوں کے پیشِ نظر اُن سے صَرفِ نظر کر کے انہیں برقرار رکھا گیا تھا۔

اور باوجود اس کے کہ بیس سال کے عرصے میں تالیف پانے والے ایک سو بیس رسائل جلیل القدر معنوی اکتشافات پر مشتمل ہیں، ان کے متداول نسخے صرف اس بنا پر ضبط کر لیے گئے کہ ان میں لگ بھگ بیس عدد نقاط ایسے ہیں جو اُن کے ہاں محلِ انتقاد ہیں۔

اور میری وہ حقیقی علمی تحریریں جو کہ فلاسفۂ یورپ کے ملحد و بے دین شاگردوں کے ردّ میں ہیں، اور جو کہ انتہائی قیمتی اور مفید اُخروی مدافعاتی تحریریں ہیں، اور جو میرے قلم سے اس وقت نکلیں جب میں ''دارُ الحکمۃ الاسلامیۃ'' میں ملازم تھا، باوجود اس کے کہ یہ تمام مواد خالص علمی اور مدافعاتی ہے؛ میرے ان تمام علمی، منطقی اور قانونی دعووں اور دفاعوں کی سماعت کے وقت بغیر کسی جواز کے اور بغیر کسی قانونی تقاضے کے اور کوئی بھی وجہ بتائے بغیر ردّ کر دیا گیا۔

آرٹیکل 163 جب دینی جذبات کو بھڑکا کر امن عامہ میں خلل ڈالنے والے مواد کے بارے میں بحث کرتا ہے، تو اس کے تحت وارد ہونے والے لفظ ''کشادہ'' کی وضاحت کرنا، اور اِس عبارت کے ساتھ کچھ احترازی قیود لگانا بہت ضروری ہے، ورنہ یہ آرٹیکل اپنے وسیع معانی کی رُو سے تمام اہلِ دین، واعظین اور ائمہ کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔

اور ان میں سرفہرست وزیر مذہبی امور ہیں، جیسے کہ پہلے بیان ہوا کہ خود مجھے ذاتی طور پر اس میں شامل کر دیا گیا اور مجرم بنا دیا گیا، اور علی الرغم اس کے کہ میری ان قطعی حقیقی مدافعاتی تحریروں کے جو ایک سو صفحات سے زائد ہیں، اُس آرٹیکل کی تفسیر اس انداز سے کی جاتی ہے کہ میں اس کے حکم کے تحت آ ہی جاتا ہوں، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے حکم کے تحت ہر وہ شخص آسکتا ہے جو کوئی نصیحت کرتا ہے، بلکہ ہر وہ شخص آسکتا ہے جو اپنے دوست کو بھلائی کا راستہ دکھاتا ہے۔

اس قانونی آرٹیکل کا معنی یہ ہونا چاہیے: ''ان لوگوں پر پابندی عائد ہوگی جو تعصّب کے پردے میں شہری ترقی کے آگے روڑے اٹکاتے ہیں اور حکومت کے ساتھ ٹکراتے ہیں۔'' اور ہم نے بہت سے قطعی دلائل کے ساتھ یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ آرٹیکل اُس معنی کی رُو سے جو ہم نے ذکر کیا ہے، کسی بھی جہت سے ہمیں چُھو نہیں سکتا ہے۔

جی ہاں، اس آرٹیکل کا ایسا ''کشادہ'' ہونا ممکن نہیں کہ اس کی کوئی تفسیر نہ کی جا سکے اور اس کے ساتھ کوئی احترازی قیود نہ لگائی جا سکیں، اور وہ کسی بھی قید و بند سے آزاد رہ کر کسی بھی حاسد اور کینہ توز انسان کو یہ اجازت دے دے کہ وہ جسے چاہے پکڑے اور جس پر چاہے دے مارے۔

میرے بارے میں اور میرے ان ایک سو بیس رسائل کے بارے میں جو میں نے بیس سالوں کے دوران لکھے ہیں، ان کے بارے میں بڑی گہری تحقیقات اور تفصیلی تدقیقات ہوئی ہیں، اور میں گزشتہ دس سال سے ابھی تک کڑی نگرانی اور سخت پہرے میں ہوں، لیکن ان کی اس تمام تر تگ و دو کا نتیجہ یہ ہے کہ اب تک ان کے ہاتھ میں ایسی کوئی چیز نہیں لگی جو میرے ہاں یا دیگر قارئینِ رسائل کے ہاں جزوی طور پر بھی نقضِ امنِ عام کی نشاندہی کرتی ہو۔ اور میری حالت یہ ہے کہ میں تیرہ سال سے سیاست سے اُسی طرح بھاگ چکا ہوں جیسے شیطان سے بھاگتا ہوں، اور میں نے حکومت کے معاملات میں کبھی دخل نہیں دیا اور اُمورِ دنیا سے کبھی تعرّض نہیں کیا، اور اِس راہ میں مجھے اس طرح کی گونا گوں اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا جو عام انسان کی برداشت سے باہر ہیں، میں نے اس دنیا میں ایمان کی خدمت کو اپنا سب سے بڑا مقصد بنا لیا، جیسے کہ میرے قریبی پہچان رکھنے والے سب لوگ جانتے ہیں، اور جیسے کہ میں یہ بات بیس مختلف جہتوں سے ثابت بھی کر چکا ہوں، لیکن اس سب کے باوجود میرا تعاقب کرنا اور مجھے اس آرٹیکل کی زد میں لا کر یہ کہہ کر مجرم قرار دینا کہ ''سعید دین کو سیاست کے لیے استعمال کرتا ہے اور نقضِ امن کی سرگرمیوں میں مصروف ہے؛'' میرے اعتقاد کے مطابق ایک ایسا عدالتی فیصلہ جو عدالتوں اور فیصلوں پر کلنک کا ٹیکا لگا دے گا، اور یہ ایسا فیصلہ ہے جس کی مثال روئے زمین پر اس سے پہلے نہیں ملتی ہے۔

کیوں نہیں، بڑے بڑے سرکردہ حکمرانوں کا اور ابطال قائدین کا چھوٹی چھوٹی عدالتوں میں گھٹنے ٹیک دینا اور سراپا انقیاد ہو کر اطاعت کا اظہار کر دینا صرف یہ چیز ثابت کرتا ہے کہ عدالت کو ایک ایسا شرف اور مقام و مرتبہ حاصل ہے جو کسی بھی جہت سے مخدوش نہیں ہو سکتا، اس بنا پر میں اس بلند پایہ معنوی مقام پر اعتماد کرتا ہوں جو عدالتوں کو حاصل ہے، تا کہ اپنے حقوق کا پوری آزادی کے ساتھ دفاع کر سکوں۔

لیکن عین اس وقت کہ جب سنسر بورڈ بعض ایسے کلمات کو حذف کرنے کے بعد کہ جسے وہ نقصان دہ سمجھتا تھا، کسی ایک مقالے کو نشر کرنے کی اجازت دے دیتا ہے؛ مختلف اوقات میں تالیف کیے گئے ایک سو بیس رسائل لائے جاتے ہیں اور ان میں سے ایک سو پندرہ رسائل ضبط کر لیے جاتے ہیں، حالانکہ وہ رسائل انتہائی اہم اور مفید اور کسی بھی طرح کے شائبے سے پاک ہیں: بلکہ یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ انقرہ کی لائبریری نے ان میں سے بعض رسائل بڑے فخر سے وصول کیے ہیں، اور ان کے پاس ابھی تک موجود ہیں، جی ہاں، وہ رسائل صرف اس بنا پر ضبط کر لیے جاتے ہیں کہ ایک دو رسائل میں پندرہ عدد ایسے کلمات پائے جاتے ہیں جن پر موجودہ حالات سے متاثرہ نظر کی رُو سے نقصان دہ ہونے کا وہم ہو گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ضبطی کا یہ حکم تمام روئے زمین میں عدالتی فیصلے کے حق میں شرمندگی اور رسوائی کا باعث ہے۔ اس لیے میری عدالتِ عالیہ سے اپیل ہے کہ وہ اس مقام و مرتبے کی حفاظت کرے۔

وہ پانچ یا دس اہم ترین مسائل جو شدید تنقید کا نشانہ بنے اور جن کے نتیجے میں میری عام کتابیں بھی ضبط کر لی گئیں، یہ دو آیتیں تھیں: ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ اور ﴿فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ﴾ یہ دونوں آیتیں ان مسائل کے مقدمے میں بھی تھیں جن کی وجہ سے مجھے اور میری کتابوں کو موردِ الزام ٹھہرایا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ میں نے چالیس سال پہلے کچھ کتابیں عربی اور ترکی زبان میں لکھی تھیں، ان میں سے بعض طبع ہو گئیں اور بعض طبع نہ ہو سکیں، ان کتابوں میں میں نے مدنیّت یعنی جدید تہذیب کی درماندگی کے مقابلے میں قرآن کریم کا اعجاز ثابت کیا تھا، تہذیب سے میری مراد حقیقی نفع بخش تہذیب نہیں: بلکہ میری مراد اس تہذیب سے ہے جو بالکل قاصر اور نقصان دہ ہے اور جسے میں مدنیّت کے بجائے میم کے بغیر ''دنیّت'' یعنی پستی اور کمینگی بولتا ہوں۔ ان تالیفات میں میں نے قرآن کریم کو بنیاد بنایا، اور اس کمینی تہذیب کے جو پہلو قرآن کے خلاف جاتے ہیں انہیں میں نے گہری پستیوں میں پٹک دیا تھا۔

اُس وقت میں نے ان دو قرآنی آیتوں کے اور شہری قانون کی ان خاص شقوں کے درمیان موازنہ کیا تھا جو وراثت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور ایسی دلیلیں پیش کی تھیں جنہوں نے اُن کے معاند فلاسفہ کا ناطقہ بند کر دیا تھا۔ چنانچہ میں نے یہ مسائل لکھے اور جدید تہذیب اور فلاسفہ کے مقابلے میں ان کا دفاع کیا۔ اور یہ اس وقت سے پہلے کی بات ہے جب جمہوری حکومت نے عصرِ رواں کی ضروریات کے پیشِ نظر شہری قانون کے بعض مادوں کو برقرار رکھ لیا تھا، اور میں نے یہ بات کھول کر واضح کر دی تھی کہ عورت کے وہ حقوق جو قرونِ اُولیٰ اور قرونِ وسطیٰ میں پامال کر دیے جاتے تھے، قرآنِ کریم

نے انہیں پورے اہتمام کے ساتھ محفوظ کر دیا ہے۔

لیکن آج میرے خلاف اِسی آرٹیکل 163 کے تحت فردِ جرم عائد کر دی گئی ہے، اور دلیل یہ دی جا رہی ہے کہ ان دو مسئلوں کے بارے میں مَیں نے جو وضاحت پیش کی ہے وہ جمہوری حکومت کے قانون کے خلاف جا رہی ہے جبکہ میں عدالتِ عالیہ سے یہ کہتا ہوں کہ:

میں نے یورپ کے ملحدوں کے مقابلے میں قرآن کریم کے اعجاز کے اظہار کے لیے ان دو آیتوں کا ذکر اپنی تین کتابوں میں کیا ہے: ایک میں آج سے پندرہ سال پہلے، دوسری میں آج سے دس سال پہلے، اور تیسری میں آج سے نو سال پہلے، اور میں نے یہ کام اپنے اسلاف کی ارواح کے احترام میں اور اُس مقدس ترین حقیقی دستورِ الٰہی کے احکام پر تکیہ کرتے ہوئے کیا تھا جس پر ساڑھے تیرہ سو سال سے ہر صدی میں ساڑھے تین سو ملین انسانوں کے معاشرے میں عمل ہو رہا ہے، اور ان ساڑھے تین ہزار تفسیروں کی تصدیقات پر بھروسا کر کے کیا تھا جو اس دستورِ الٰہی کی اَز اَوّل تا آخر مکمل تصدیق کرتی ہیں۔ لیکن ہوا یہ کہ مجھے جیل بھیج دیا گیا جہاں میرے لیے موجودہ حالات میں اور اپنی گرتی ہوئی صحت کی حالت میں زندگی گزارنا انتہائی ناممکن ہے۔ جس کا مطلب صرف یہ ہے کہ میرے خلاف یہ فیصلہ صادر کر دیا گیا ہے کہ مجھے کسی بھی طریقے سے ختم کر دیا جائے اور ان دو مسئلوں کی طرح کے جو ابھی میں نے ذکر کیے ہیں، ایک دو مسئلوں کی وجہ سے ایک سو پندرہ رسائل پر فردِ جرم عاید کر دی گئی ہے۔ روئے زمین پر اگر عدالت کا کہیں وجود ہے تو وہ اس فیصلے کے بہر صورت ردّ کر دے گی اور اس کے خلاف احتجاج کرے گی۔

وہ بات جو ہمیں سب سے زیادہ نا اُمیدی اور حیرت میں ڈالتی ہے، یہ ہے کہ ان لوگوں نے جو ''اسپارٹا'' میں اس وقت کیا جب انہوں نے رائی کا پہاڑ بنا دیا تھا اور کچھ غیر حقیقی خدشات پر اعتماد کر کے میرے خلاف فیصلہ صادر کر دیا تھا، ''اسپارٹا'' کے اسی فیصلے کو ایک بدصورت اور ناگوار شکل میں جج صاحبان کی انوِسٹی گیشن میں، چارج شیٹ میں اور اس عدالت کے فیصلے میں دہرایا گیا جس نے مجھے مجرم قرار دیا۔

اور باوجود اس کے کہ میں نے ثابت کر دیا تھا کہ یہ قانون کسی بھی صورت میں مجھ پر لاگو نہیں ہوتا ہے اور میں نے صحیح اور درست بات سامنے لانے کے لیے مجبوراً اپنے دفاع میں مضبوط منطقی دلائل پیش کیے تھے جو کہ ایک سو بیس صفحات پر پھیلے ہوئے تھے؛ کیونکہ جھوٹ ہمارے مذہب میں مطلقاً ناجائز ہے، لیکن ان لوگوں نے میرے ان مثبت دلائل کی اور میرے دفاع کی کوئی پروانہ کی، بلکہ دھوکہ دینے کے لیے انہوں نے رسائل کی نقل و نسخ کی تاریخ کو اُن کی تالیف کی تاریخ کے ساتھ خلط ملط کر دیا، بلکہ اس حد تک کہ انہوں نے میری کسی آدمی کے ساتھ خط و کتابت کی تاریخ کو بھی اس کے ساتھ خلط ملط کر دیا، اور وہ عمل جو بیس سال ہوتا رہا اسے اس نظر سے دیکھا کہ گویا وہ ایک سال میں واقع ہوا ہے، چنانچہ انہوں نے ہماری حقیقت پر مبنی مدافعت کو کچھ بھی وقعت نہ دی اور ہمیں مجرم قرار دے دیا۔

میں عدالت سے جو کہ فیصلہ صادر کرنے کی سب سے بڑی اتھارٹی ہے، اس بات کا بڑی بے قراری کے ساتھ منتظر ہوں کہ وہ سب سے پہلے اس ظلم کو ختم کرے جس سے حق اور حقیقت کو ماننے والے لرزہ براندام رہتے ہیں، اور رسائلِ نور کی برأت کا اعلان کردے۔ لیکن اگر بفرضِ محال ہم یہ سمجھ لیں کہ عدالتِ عالی مقام اگر میری اس مبنی برحقیقت شدید داد خواہی اور انصاف طلبی پر کان نہیں دھرتی اور میری دادرسی نہیں کرتی ہے تو میں سخت مایوسی کے عالم میں کہوں گا:

ارے الحاد و زندیقیت کے خوگر ظالمو! ارے اپنی طرف سے یہ واقعہ گھڑ کر مجھے اس مصیبت میں پھنسانے والو! تم لوگ اگر مجھے بہر صورت مادی اور معنوی طور پر ختم کرنے کا ارادہ کر چکے ہو تو پھر فیصلے کا ہاتھ پکڑ کر اُسے فریب کاریوں اور سازشوں کی طرف کیوں لے جاتے ہو اور اس کے شرفِ عظیم پر دھبہ کیوں لگاتے ہو؟ حالانکہ اس کا یہ شرفِ عظیم ہی عام مظلوموں اور مسکینوں کا محافظ ہے؟! تمہیں چاہیے کہ پوری مردانگی کے ساتھ میرے سامنے آتے اور مجھے لگی لپٹی کے بغیر پوری صراحت کے ساتھ کہتے: ہم نہیں چاہتے کہ تُو اس دنیا میں رہے۔

فوجداری عدالت کے ہاتھ ایک کیس آ گیا، تو جج صاحبان ایک سو سترہ آدمیوں کے ہمراہ لگ بھگ چار مہینے تک تحقیق و تفتیش اور سوال و جواب کے عمل میں مصروف رہے، چنانچہ اُنہوں نے ڈیڑھ دن میں اس پر ایک سطحی سی نظر ڈالی، لیکن اس میں پائی جانے والی کمیوں کوتاہیوں اور غلطیوں سے آنکھیں بند کیے رکھیں اور صرف سطحی نظر پر اکتفا کرتے ہوئے ہی جلدی جلدی فیصلہ صادر کر دیا اور اس نے اس طعن کی طرف اور ضروری اسباب کے تحت جو اس کا ردّ کیا گیا، اس کی طرف، اور خاص کر میرے ان علمی مدافعات کی طرف التفات ہی نہ کیا جو رسائلِ نور میں پائے جانے والے اہم سائنسی انکشافات کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، اور جن کے بارے میں مَیں نے دعویٰ کیا ہے کہ میں اُنہیں اکیڈیمک بورڈ کے سامنے ثابت کروں گا اور انہیں واضح کروں گا۔

اس بنا پر اور اس نقطۂ نظر سے کہ وہ حق اور عدل کے عاشق ہیں، اس قانون مخالف اور قانون شکن غلط فیصلے کی گہری نظر سے تحقیق کرنا ضروری ہے۔

نتیجہ: ٹربیونل کی کاروائی میں، اور خاص کر میرے ضبط شدہ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ رسائل کا گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ میرے تمام اعتراضات کو اور تمام سائنسی، علمی، منطقی اور قانونی مدافعات کو احترام کی نظر سے نہیں دیکھا گیا، بلکہ انہیں انکوائری افسروں کی طرف سے بھی ردّ کر دیا گیا اور عدالت کی طرف سے بھی، اور یہ سب بغیر کسی دلیل کے اور قانونی دستاویز کے صرف شخصی آراء کی روشنی میں ہوا، اور ایسا کرنے کی ضروری وجوہات بھی نہیں بتائی گئیں۔ اور اس بنا پر میرے خلاف ایک ایسی جسمانی سزا کا فیصلہ سنا دیا گیا جسے برداشت کرنا میرے لیے میری جسمانی صحت کی وجہ سے ممکن نہیں، اور میرے ان رسائل کو ضبط کر لیا گیا جو معنوی انکشافات پر مشتمل ہیں، اور جو عرصہ تیس سال سے کائنات کے طلسم کا معمّہ کھول رہے ہیں اور یورپ کے فلاسفہ اور اور جدید تہذیب کے رذیل پہلوؤں

کے مقابلے میں ترکوں اور مسلمانوں کا دفاع کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا اسباب کے ساتھ ساتھ میرے اس اعتراضی بیان کی بنا پر جو چارج شیٹ کے رد میں پیش کیا گیا، اور میرے دوسرے اعتراضی بیان کی بنا پر جو میں نے تحریری طور پر دیا تھا اور جو کہ ان پانچ بنیادوں پر مشتمل ہے جو عدالت کے آخری سیشن کی بنیاد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، اسی طرح وہ تفصیلی وضاحتیں، علمی اور سائنسی اسباب ووجوہات اور قانونی کوتاہیاں جو کہ عنقریب گہری تحقیقات کے وقت میرے آخری دفاعی بیان کے ساتھ دوچار ہوں گی، ان سب کی بنا پر میں کہتا ہوں: میں تمہارے اس کمیشن سے اپیل کورٹ سے صادر ہونے والے اُس فیصلے کو توڑ کر عدل کو ظاہر کرنے کا منتظر ہوں جو کہ بالکل صریح اور واضح صورت میں مجھے مجرم بنا رہا ہے۔

اور میں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں، اور یہ کہتا ہوا اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہوں:

﴿وَأُفَوِّضُ أَمْرِىٓ إِلَى ٱللَّهِ إِنَّ ٱللَّهَ بَصِيرٌۢ بِٱلْعِبَادِ﴾

میرے ایک سو سے زائد صفحات پر مشتمل ساتوں دفاعی بیانات کی متعدد عدالتوں کی روائداد کی فائلوں میں توثیق ہو گئی، مزید یہ کہ انہیں عدالت میں متعدد بار پڑھ بھی لیا گیا، لیکن میرے نیچے دیے گئے تصیح شدہ بیان کی کاپی نہ پڑھی گئی اور نہ ہی روائداد کی فائل میں اس کی توثیق کی گئی؛ کیونکہ ہماری اپیل کے کاغذات ابھی تک آئے نہیں، لیکن روداد میں ان کی توثیق ہونا بہت ضروری ہے۔

ایک درخواست جو مقدمہ کی تصیح کے لیے کیبنٹ میں اُس وقت پیش کی گئی جب اپیل کورٹ نے اس کی تصدیق کر دی تھی

ایک شکوہ جس سے ظاہر ہوگا کہ یہ شکوہ حکومت سے ہے، لیکن اس میں پائی جانے والی تنقیدوں کا رُخ اُن سازشیوں کی طرف ہے جو حکومت کو گمراہ کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

اے اہلِ حل وعقد! مجھ پر ایسا ظلم ہوا ہے جس کی نظیر دنیا میں بہت کم ملتی ہے، اور اس ظلم پر خاموش رہنا چونکہ حق کی توہین ہے، اس لیے میں ایک بڑی اہم حقیقت کو کھول کر بیان کرنے کے لیے مجبور ہوں، چنانچہ میں کہتا ہوں:

قانون کے دائرے میں میرا وہ جرم ظاہر کرو جو میرے قتل کرنے کا یا ایک سو ایک سال تک جیل میں رکھنے کا تقاضا کرتا ہو، یا پھر یہ ثابت کرو کہ میں مُطلق پاگل آدمی ہوں، اور یا پھر مجھے، میرے رسائل کو اور میرے دوستوں کو مکمل طور پر

آزاد کر دو اور ہمارے ان نقصانات کا ہر جانہ ادا کرو جو تمہاری وجہ سے ہوئے ہیں۔[1]

جی ہاں، ہر حکومت کا کوئی قانون اور اصول ہوتا ہے، اور وہ حکومت کسی کو سزا اپنے اس قانون کے مطابق ہی دیتی ہے۔ پس جمہوری حکومت کے قوانین میں اگر ایسے اسباب موجود ہی نہیں جو مجھے اور میرے دوستوں کو سخت ترین سزا دینے کا موجب بنتے ہوں، تو پھر ہمیں پورے احترام کے ساتھ، معاوضہ دے کر اور ہمارے ساتھ راضی نامہ کر کے ہمیں مکمل آزادی سے نواز دینا لازم ہو جاتا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ میری اس انتہائی اہمیت کی حامل قرآنی خدمت جو کہ سب کے سامنے ہے، اِس خدمت کا رُخ اگر حکومت کی مخالفت کی طرف ہے، تو مجھے ایک سال کے لیے اور میرے چند ساتھیوں کو چھ مہینوں کے لیے جیل میں ڈالنا جائز نہیں، بلکہ میری سزا تو یہی تھی کہ مجھے یا تو سزائے موت جیسی سزا ہونا چاہیے تھی، یا پھر ایک سو ایک سال کے لیے جیل، اور ان لوگوں کو بھی سخت سے سخت سزا ہونا چاہیے تھی جو میرے ساتھ اس خدمت میں پوری سنجیدگی سے وابستہ ہیں، لیکن ہماری خدمات کا رُخ اگر حکومت کے خلاف نہیں ہے، تو پھر ان کا استقبال سزا، جیل اور اتہام کے بجائے قدر دانی، حوصلہ افزائی اور جزائے خیر کے ساتھ ہونا چاہیے۔

کیونکہ، ایک ایسی جلیلُ القدر خدمت جس کی زبان کے ساتھ ایک سو بیس رسائل بول رہے ہیں، اور جن کے ذریعے یورپ کے فلاسفہ کا مقابلہ کیا جاتا ہے، اور اس سے ان کی بنیادیں تہ و بالا ہو جاتی ہیں؛ یہ ضروری ہے کہ ان میں کوئی ایسی بالغ تاثیر پائی جاتی ہے جو باطن میں ایک خوفناک نتیجے تک پہنچا دیتی ہے، یا انتہائی منفعت خیز بلند پایہ علمی پھل پیدا کرتی ہے؛ اس بنا پر ہمارے خلاف رچائی گئی ظالموں کی مکاریوں اور فریب کاریوں پر پردہ ڈالنے کے لیے، رائے عامہ کو گمراہ کرنے کے لیے اور لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے مجھے بچوں کو کھلونے دے کر بہلانے کی طرح صرف ایک ہی سال کی جیل نہیں ہونی چاہیے، بلکہ ہمارے جیسے لوگوں کو یا تو فخر سے سر بلند کر کے سولی پر لٹک کر جان دے دینی چاہیے، یا پھر اپنے شایانِ شان مقام کے مطابق آزادرہ کر زندگی گزارنا چاہیے۔

جی ہاں، ایک ماہر چور جو ہزاروں کی قیمت کا ہیرا چرا سکتا ہو، وہ دس پیسے کی قیمت کے شیشوں کے ٹکڑے چُرا کر خود کو ایک ہیرے کی چوری کی سزا نہیں دلوا سکتا۔ دنیا کا کوئی چور ایسا نہیں کر سکتا، بلکہ اس طرح کی آخری درجے کی بیوقوفی کا کام ایک ہشیار تجربہ کار چور تو رہا ایک طرف، کوئی تھوڑی سی عقل رکھنے والا پھوہڑ انسان بھی نہیں کر سکتا۔

[1] یہ لسٹ اس دعوے کی تصحیح کے لیے لکھی گئی جو ہمارے خلاف اس حالت میں دائر کیا گیا جب اپیل کورٹ نے اس کی تردید کرنے کے بجائے اس کی تصدیق کی تھی، تب اُس وقت یہ لسٹ کیبنٹ میں، پارلیمنٹ میں، وزارت داخلہ اور وزارتِ عدل میں پیش کی گئی تھی، اب اگر میں ان تمام محکموں کو اپنی حقیقی مظلومیت کی داستان سنا نہ سکا اور اپنا اہم حق ان پر واضح نہ کر سکا اور اہم حق سنا نہ سکا تو مجھ پر اس زندگی کو الوداع کہنا ضروری ہو جائے گا؛ کیونکہ اگر میں چپ رہا تو میرا شخصی حق ضائع ہو جائے گا اور اس کے ساتھ ساتھ ہزاروں قابلِ احترام حقوق بھی ضائع ہو جائیں گے۔

اس لیے جناب والا! فرض کرو کہ میں اس چور ہی کی طرح ہوں جیسے کہ تمہارا وہم اور تمہارا اندیشہ ہے؛ تو پھر میں ''اسپارٹا'' کے نواح میں اس طرح کی ایک پسماندہ سی بستی میں رہنا اختیار کیوں کروں گا جہاں میں نے گوشہ نشین ہو کر نو سال گزار دیے ہیں؟ اور خود کو اور اپنے رسائل کو— جو کہ میرا مقصد حیات ہیں— خطرات میں کیوں ڈالوں گا اور اس طرح ان پانچ دس سیدھے سادھے مسکینوں کو حکومت کے خلاف کیوں بھڑکاؤں گا جن کے خلاف میرے ساتھ ہلکی پھلکی سزا کا فیصلہ ہوا ہے؟ میں جب استنبول یا انقرہ میں کسی بلند منصب پر فائز ہو سکتا ہوں جیسے کہ پہلے تھا، تو پھر اسی حقیقت پر کیوں جما رہوں؟ اور اس طرح میں ہزاروں لوگوں کو اپنے اس مقصد کی طرف متوجہ کر سکتا ہوں جسے میں حاصل کرنا چاہتا ہوں، اور اس طرح میرے لیے اِس ذلیل محکومیت کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے مسلک اور اپنی خدمت کے شایانِ شان عزت اور وقار کے ساتھ سیاست اور دنیا کے معاملات میں عمل دخل بھی ممکن ہو گا!

جی ہاں، میں اپنی پرانی ریاکاری اور خود پسندی کا تھوڑا بہت ذکر کروں گا، تاکہ میں ان لوگوں کی غلطی واضح کر سکوں جو مجھے ایک غیر اہم اور حقیر سے درجے تک گرا دینا چاہتے ہیں جہاں میرے وجود کا کسی کو کوئی فائدہ ہی نہ ہو، چنانچہ میں مدح سرائی اور اظہارِ فخر کے لیے نہیں بلکہ مجبوراً کہتا ہوں:

آپ لوگوں کی اس آدمی کے بارے میں کیا رائے ہے جس نے اپنے خطبے کے ذریعے اُن آٹھ فوجی دستوں کے سر جھکا دیے تھے جنہوں نے 31 / مارچ کے حادثے میں بغاوت کا اعلان کر دیا تھا؟ اور یہ ایسی بات ہے کہ جو بھی اس کے اُس پرانے دفاعی بیان کے بارے میں جانتا ہے جو ''مصیبت کے دو مدرسوں کی گواہی'' کے نام سے مشہور ہے، وہ اِس کی تصدیق کرتا ہے۔

اور جس نے استنبول میں جنگ آزادی کے دوران ''خطوات ستہ'' کے نام سے ایک مقالہ لکھ کر علماء کرام کے افکار کا رُخ انگریزوں کے خلاف موڑ دیا، اور اس طرح وطنی تحریک کے لیے ایک جلیل القدر خدمت پیش کی۔ اس بات کا ذِکر اُس وقت کے اخبارات نے کیا تھا۔

اور جس نے مسجد ''آیا صوفیا'' میں ہزاروں سامعین میں خطبہ دیا، اور اس کی وجہ سے انقرہ کی پارلیمنٹ میں اس کا استقبال گرما گرم تالیوں کے ساتھ کیا گیا۔

اور جس نے ایک سو تریسٹھ ارکانِ پارلیمنٹ کو ایک یونیورسٹی کی بنیاد رکھنے کے لیے ڈیڑھ لاکھ لیرے کی رقم خاص کرنے کے لیے دستخط کرنے پر آمادہ کر لیا تھا۔

اور جس نے رئیسِ جمہوریت کو اس وقت نماز پڑھنے کی دعوت دی تھی جب وہ اپنے دفتر میں تھا، اور بغیر کسی تردّد اور

خوف وخطر کے پوری ثابت قدمی کے ساتھ اس کے سخت لہجے کا سامنا کیا تھا۔[1]

اور جسے اتحادیوں کی حکومت کے بالاتفاق ''دارُالحکمۃ الاسلامیۃ'' میں یورپین حکما وفلاسفہ کو حکمتِ اسلامیہ کے ساتھ مؤثر طریقے سے چپ کرانے والا سب سے قابل آدمی شمار کیا گیا۔

جنگ میں اُس کے جہادی کردار کو انتہائی حوصلہ افزائی کے ساتھ سراہا گیا، اور جنرل ''انور پاشا'' پورے احترام کے ساتھ اس کے لیے استقبال کے لیے آگے بڑھا، اور یہ سلوک اس نے اور کسی کے ساتھ نہ کیا، اور اُس نے اس کی ''اشارات الاعجاز'' نامی کتاب کو بہت زیادہ پسند کیا جو کہ محاذِ جنگ میں لکھی گئی تھی اور آج ضبط کر لی گئی ہے، اور اس کی طباعت کے لیے اس نے ہر وہ اہتمام کیا جو ضروری تھا، صرف اس غرض سے کہ جنگ کی ان حسین معزز یادوں میں اس کا حصہ بھی شامل رہے اور اُسے بھی ثواب ملتا رہے۔

میں کہتا ہوں: اس طرح کے آدمی کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ کسی اٹھائی گیرا اُچکّے، کسی خچر چور اور لڑکی بھگا کر لے جانے والے کی طرح نیچے گر جائے اور خود کو رذیل ترین جرائم میں اُلجھا لے اور اس طرح اپنے علمی وقار کو، اپنی قدسی خدمت کو اور اپنے ہزاروں دوستوں کی نیک نامی کو بٹا لگا بیٹھے؛ کیونکہ تم لوگ اس کے ساتھ ایک بھیڑ بکری چور جیسا سلوک کر رہے ہو اور اس کے خلاف کامل ایک سال کی جیل کا فیصلہ سناتے ہو۔

اور پھر بغیر کسی سبب کے دس سال کی سخت ترین سزا کے بعد اب اس کے خلاف کبھی ایک سال کی جیل کا فیصلہ سنا دیتے ہو، اور کبھی اُسے جبری اقامت کے تحت رکھتے ہو، تاکہ وہ کسی کینہ پرور مُخبر یا چھوٹے موٹے کانسٹیبل کے تحکّم کے تحت رہے، حالانکہ وہ تو وہ ہے جس نے بادشاہ کا تحکّم بھی برداشت نہیں کیا!! خبردار رہیں، وہ یہ سمجھتا ہے کہ اسے ختم کر دینا ہی بہتر ہے۔

اور اس طرح کا آدمی اگر اُمورِ دنیا میں دخل دینا شروع کر دے یا کم اَز کم اس میں دخل دینے کی رغبت ہی رکھے، اور اس کی قُدسی خدمت اس کی اجازت بھی دے دے، تو اس طرح دخل دے گا جو ''مَنَمَن'' کے حادثے اور ''شیخ سعید'' کے واقعے سے دس گنا بڑھ کر ہوگا، اور اس کا یہ دخل ایک مدھم سی بھنبھناہٹ کی طرح نہیں بلکہ توپ کے گولے کی طرح گونج

[1] قدیم سعید بولنے کا حق مانگتے ہوئے کہتا ہے: تُو نے مجھے تیرہ سال سے بات کرنے کا موقع نہیں دیا لیکن وہ لوگ مسلسل نظر رکھے ہوئے آج مجھے دیکھتے ہیں تو تجھے الزام دیتے ہیں اور تجھ سے ڈرتے ہیں، اس لیے میرا ان کے ساتھ بات کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میری رائے میں انانیت بہت بُری چیز ہے لیکن کبھی کبھی مغرور ومعاند انانیت پسندوں کی تردید کرنے کے لیے، خودی کا دفاع کرنے کے لیے اور اس کی حفاظت کرنے کے لیے اس کا حقیقی صورت میں اظہار کر دینا چاہیے؛ اس بنا پر میرے لیے نرم لہجے میں بات کرنا، اور نفس کو فنا کر دینا ممکن نہیں جیسے کہ جدید سعید کر سکتا ہے؛ اس لیے اب بولنے کا حق میں قدیم سعید کو دیتا ہوں، لیکن اُس کی انانیت اور خود پسندی میں میں اُس کا شریک نہیں ہوں۔

دار اور زلزلہ انداز ہوگا جس کی بازگشت دنیا کے اطراف واکناف میں سنائی دے گی۔

جی ہاں، میں جمہوری حکومت کی توجہ ایک ایسے معاملے کی طرف کرا رہا ہوں جو ان خفیہ تنظیموں کی چالوں کو طشت اَز بام کردے گا جنھوں نے مجھے اس مصیبت سے دوچار کیا ہے، اور ان کی مکاریوں فنکاریوں اور مضرّت رساں جملوں کی خفیہ تدبیروں کا پردہ چاک کر کے رکھ دے گا؛ کیونکہ حکومت کو دھوکہ دینے والے سازشی ملازموں اور ایجنٹوں کی رپورٹوں کی وجہ سے ہی مشرقی صوبوں سے لے کر مغربی صوبوں تک ہر ایک جگہ پر سوال وجواب کا، پوچھ گچھ کا اور تحقیق و تفتیش اور انکوائری کا نہ رُکنے والا سلسلہ شروع ہوا ہے، اس حد تک کہ میرے دوست احباب کہ جن کی تعداد ایک لاکھ تک جا پہنچی ہے، پچھلے چھ مہینوں سے ان میں سے کسی ایک کے لیے بھی میری طرف کوئی خط لکھنا یا مجھے سلام و پیام تک بھیجنا ممکن نہ رہا، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارے خلاف براہِ راست حملوں کا رُخ کر دیا گیا ہے، اس طرح کے دھوکے کا منصوبہ تیار کیا گیا ہے اور اس انداز سے خوف وہراس پھیلا دیا گیا ہے جس کی مثال کسی واقعہ میں نہیں ملتی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اسکیم جو ان سازشیوں نے تیار کی ہے اس کا ہدف یہ تھا کہ کوئی ایسا واقعہ ظہور میں آئے جو میرے جیسے ہزاروں لوگوں کو سخت ترین سزا میں مبتلا کرنے کا موجب بن سکے، جبکہ صورت حال یہ ہے کہ سزا جو صادر ہوئی ہے وہ ذہنوں میں کچھ اس طرح کا حادثہ بٹھا دیتی ہیں کہ جیسے کسی عام سے آدمی نے کوئی چھوٹی موٹی چوری کر لی ہے؛ کیونکہ یہاں ایک سو پندرہ آدمیوں میں سے پندرہ بے گناہ آدمیوں کو پانچ چھ مہینے کی جیل کی سزا ہوئی ہے۔

آپ مجھے یہ بتائیں کہ کیا دنیا میں کوئی ایسا عقل مند بھی ہوگا کہ جس کے ہاتھ میں ہیرے کی شمشیر بّراں ہو، اور وہ کسی گردن توڑ شیر کی یا اژدھے کی دم پر پاؤں رکھ اُسے اپنے آپ پر مسلط کر لے؟! کیونکہ اگر وہ لڑنا چاہتا ہو، یا اپنی حفاظت کرنا چاہتا ہو تو وہ تلوار کی جگہ ضرور بدل دیتا۔

تم لوگوں نے اپنے وہم سے اور اپنے نقطۂ نظر سے مجھے کچھ اسی طرح کا آدمی سمجھا اور اِسی بنا پر میرے خلاف فیصلہ دیا اور اس طرح کی سزا سے دوچار کیا۔ پس اگر میں عقل وشعور کے اس حد تک خلاف برتاؤ کرتا تو پھر تمام علاقے میں خوف وہراس کی فضا پیدا کرنے اور مجھے ہدف بنا کر مجھ پر حملے کر کے رائے عامہ کو میرے خلاف کرنے کے بجائے مجھے کسی پاگل خانے میں بھیج دینا ضروری تھا۔ میں اگر اُسی اہمیت کا آدمی ہوں جو اہمیت آپ لوگ مجھے دے رہے ہیں، تو پھر یہ شخص شیر اور اژدھے سے خود پر حملہ کرانے کے لیے اپنی تیز تلوار ان کی دُم پر نہ تانتا، بلکہ بقدرِ امکان ان سے اپنی حفاظت کرتا۔ اور میں نے دس سال تک بطیبِ خاطر گوشہ نشینی اختیار کر کے اور انسانی طاقت سے بڑھ کر سختیاں برداشت کر کے یہی کچھ تو کیا ہے، اور میں نے کسی بھی شکل میں حکومت کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کی ہے اور نہ ہی کبھی اس میں دلچسپی لی ہے؛ کیونکہ میری قدسی خدمت مجھے اس سے روکتی ہے۔

اے اہلِ حل وعقد! ذرا بتاؤ تو سہی کہ ایک ایسا آدمی جس نے ایک ہی تقریر سے تیس ہزار آدمی اپنی صف میں ملا لیے،

جیسے کہ بیس سال پہلے اخبارات نے ذکر کیا، اور ''حرکت'' نامی فوج کی نظر واہتمام کا رُخ پھیر دیا، اور جس نے انگلستان کے کلیسا کے بشپ کے اُن چھ سوالوں کے جوابات چھ کلمات میں ہی دیے جن کے جوابات اُس نے چھ سو کلمات میں مانگے تھے، اور وہ عہد حریت کے آغاز میں کسی بھی مشہور سیاستدان کی طرح تقریر کیا کرتا تھا؛ کیا یہ ممکن ہے کہ اس کے ایک سو بیس رسائل میں صرف پندرہ عدد ہی ایسے کلمات پائے جائیں جو دنیا اور سیاست میں دلچسپی لیتے ہوں؟!

کیا کوئی بھی عقل یہ قبول کر سکتی ہے کہ یہ آدمی دوُر خا ہو؟ اور اس کا مقصد دنیا اور حکومت کی راہ میں روڑے اٹکانا ہو؟ اگر وہ اس طرح کی سوچ کا مالک ہوتا تو اس کا ذکر ایک ایک رسالے میں تلمیح یا تصریح کی صورت میں سو سو جگہ پر کرتا اور اگر اس کا مقصد سیاسی تنقید ہوتا تو کیا اس کے مقدور میں اتنے عرصے سے میراث اور حجاب کی قانونی حیثیت کے علاوہ اور کوئی مسئلہ نہیں رہ گیا ہے جس پر وہ تنقید کر سکے؟

کیوں نہیں، ایک ایسا آدمی جو ایک بہت بڑے انقلاب کی صورت میں قائم ہونے والے نظامِ حکمرانی کے خلاف جانے والے سیاسی افکار کا حامل ہو، اس کے سامنے ایسے ہزاروں مسائل ہو سکتے ہیں جنھیں وہ ہدفِ تنقید بنا سکے، نہ یہ کہ وہ صرف ایک دو ایسے مسئلے لے کر بیٹھا رہے جن کے بارے میں سب لوگ جانتے ہوں، جیسے کہ جمہوری حکومت کا یہ انقلاب صرف ایک دو چھوٹے چھوٹے مسائل کا ہی نام ہے!

اور علی الرّغم اس کے کہ میرا مقصد اس حکمران نظام کو ہدفِ تنقید بنانا بالکل نہیں، میرے بارے میں میری صرف ایک دو باتوں کو لے کر جو میں نے ماضی میں ایک دو رسالوں میں لکھ دی تھیں، یہ کہا گیا ہے کہ میں اس نظام پر اور اس کے انقلاب پر حملہ آور ہوتا ہوں۔

لیکن میں یہ پوچھتا ہوں: ایک ایسا علمی مواد جس کی وجہ سے معمولی سی سزا بھی لازم نہ آتی ہو، کیا وہ میلوں پر پھیلی ہوئی حکومت کی توجہ کو اُس کے مقصد سے کسی اور طرف پھیر سکتا ہے، اور اس کے ساتھ اس طرح کا رویہ اختیار کیا جا سکتا ہے جس سے معاشرے میں خوف و ہراس اور غم وغصہ کا ماحول بنتا ہو؟!

وطن عزیز کے اطراف واکناف میں ہمارے خلاف جو شدید قسم کے ناروا حملے ہوئے ہیں، اور لوگوں کو ہم سے خوف زدہ رکھنے کے لیے اُن کے درمیان جو خوف و ہراس پھیلایا گیا ہے، اور جو کام صرف ایک سپاہی دے سکتا تھا اُسے انجام دینے کے لیے خود وزیر داخلہ کا بہت سی فورس ساتھ لے کر ''اسپارٹا'' آنا، اور مجلس وزرا کے رئیس ''عصمت انونو'' کا اس مناسبت سے مشرقی صوبوں کا دورہ کرنا، اور مجھے جیل میں دو مہینے تک قطعی طور پر بات چیت سے منع کر دینا اور غربت اور تنہائی کے عالم میں کسی کو بھی مجھے سلام کرنے یا میرا حال تک پوچھنے کی اجازت نہ دینا، ان سب چیزوں کے مقابلے میں مجھے اور میرے پندرہ ساتھیوں کو ایک معمولی اور حقیری سزا سنا دینا ایک پہاڑ جیسے ضخیم درخت سے چنے کے دانے کے برابر کے صرف ایک ہی پھل کو پیدا کرنے کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے، اور ایک ایسی بے معنی اور حکمت سے خالی غیر

قانونی صورت حال کا انکشاف کرتا ہے کہ قانون کے ساتھ سب سے زیادہ پیار کرنے والی جمہوری حکومت جیسی کوئی بھی قانونی حکومت اس کا ارتکاب نہیں کر سکتی ہے، بلکہ دنیا کی کوئی بھی حکومت اس طرح کا کام نہیں کر سکتی ہے؛ کیونکہ حکومت کو حکومت کہا ہی اس معنی میں جاتا ہے کہ وہ اُمورِ سلطنت کو حکمت کے تحت سرانجام دیتی ہے۔

میں قانون کے دائرے میں رہ کر اپنے حقوق کا مطالبہ کر رہا ہوں، اور قانون کی آڑ میں ظلم کرنے والوں پر یہ الزام لگا رہا ہوں کہ وہ بہت بڑے جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں، اور مجھے اس بات کی قوی اُمید ہے کہ جمہوری حکومت کے قوانین ان مجرموں کے ظالمانہ ہتھکنڈوں کو ردّ کریں گے اور مجھے میرے حقوق لوٹا دیں گے۔

اَسکی شہر کی جیل میں

حبسِ انفرادی میں

سعید نورسی

سولھواں مکتوب

﴿اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾

یہ مکتوب فرمانِ گرامی ﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا﴾ کا مظہر بن چکا ہے اِس لیے یہ سخت لہجے میں نہیں لکھا گیا ہے۔

یہ دراصل ایک سوال کا جواب ہے جو اکثر لوگوں کی طرف سے صراحتاً یا ضمناً وارد ہوتا ہے۔ اس سوال کا جواب لکھنا مجھے پسند نہیں اور نہ ہی میں لکھنا چاہتا ہوں؛ کیونکہ میں نے اپنے تمام اُمور اللہ کے سپرد کر دیے ہیں اور اس پر توکّل کیے بیٹھا ہوں۔ لیکن اس کے باوجود مجھے میرے عالم میں اور میری حالت میں آرام کے ساتھ نہیں رہنے دیا جاتا۔ اور یہ لوگ میرے چہرے کو دنیا کی طرف پھیرتے ہیں۔ اس لیے میں اب مجبوراً خود کو نہیں بلکہ اپنے احباب و اَقربا کو اور اپنے ''مقالات'' کو اہلِ دنیا کے اَوہام وشبہات اور ان کی تکلیفوں سے بچانے کے لیے، اپنے دوستوں کے لیے، اہلِ دنیا کے لیے اور حکمرانوں کے لیے حقیقتِ حال بیان کرنے کے لیے ''جدید سعید'' کی زبان سے نہیں بلکہ ''قدیم سعید'' کی زبان سے پانچ نقاط کی وضاحت کر رہا ہوں۔

پہلا نقطہ: کہا گیا ہے کہ آپ سیاست سے اس حد تک بے رُخی کیوں اختیار کرتے ہیں کہ اب اس کے قریب تک نہیں پھٹکتے؟

جواب: ''قدیم سعید'' نے نو دس سال پہلے سیاست میں کافی حد تک دلچسپی لی ہے، وہ سمجھتا تھا کہ شاید میں سیاست کے ذریعے دین اور علم کی کچھ خدمت کر سکوں گا! لیکن اس کی یہ کوشش بے کار ثابت ہوئی اور وہ تھک ہار کر بیٹھ گیا، اور اُسے نظر آ گیا کہ یہ اُس کے حساب سے مشکوک، مشکل، خطرناک، اہم خدمات سے مانع اور فضول راستہ ہے، اس راستے میں زیادہ تر جھوٹ کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے، اور یہ لاشعوری طور پر کسی اجنبی کے ہاتھ کا آلۂ کار بن سکتی ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ جو آدمی ملکی سیاست میں حصہ لیتا ہے وہ موافق کا کردار ادا کرے گا یا مخالف کا، اس لیے اگر میں موافق بن کر رہوں تو میرے لیے سیاست ایک فضول اور بے معنی چیز ہوگی؛ کیونکہ میں حکومت کا کوئی ملازم یا پارلیمانی ممبر نہیں ہوں، اس لیے میرا سیاست میں حصہ لینا بالکل غیر ضروری اور بے فائدہ ہے۔ اور اگر میں سیاست میں حصہ لے کر مدِ مخالف کا کردار ادا کروں تو پھر میری یہ دخل اندازی فکر ونظر کے ساتھ ہوگی یا طاقت کے ساتھ، اگر فکری طور پر ہوگی تو پھر تو میری ضرورت ہی نہیں کیونکہ تمام مسائل بالکل واضح ہیں اور انہیں میری طرح تمام لوگ جانتے ہیں، اس لیے ان مسائل کے بارے میں یاوہ گوئیاں کرتے رہنا بالکل بے معنی سی بات ہے۔ اور اگر میں سیاست میں حصہ طاقت اور قوت کے ساتھ لوں اور مشکوک اہداف و مقاصد تک پہنچنے کے لیے ہنگامہ آرائی کروں تو اس سے مشکوک اہداف و مقاصد تک پہنچنے کے لیے ہزاروں قسم کی نافرمانیوں کا ارتکاب کرنے کا احتمال ہے۔ اور بہت سے لوگ ایک شخص کی وجہ سے مصیبت میں پڑ جاتے ہیں۔

پھر یہ بھی ہے کہ میرا وجدان دس میں سے ایک دو احتمالات کی بنا پر خود کو اور دوسرے بے گناہ لوگوں کو نافرمانیوں کی دلدل میں گرانے کو پسند نہیں کرتا ہے۔ اسی وجہ سے ''قدیم سعید'' نے تمباکو نوشی کے ساتھ ساتھ اخبار بینی، رسائل خوانی، سیاست اور دنیادارانہ سیاسی گفتگو سے کنارا کر لیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ میں نے آٹھ سال ہونے کو ہیں، اُس وقت سے لے کر آج تک کوئی اخبار نہ پڑھا ہے اور نہ سنا ہے۔ اگر ایسا ہوا ہے تو کوئی میدان میں نکلے اور ثابت کر دے کہ میں نے کبھی کوئی اخبار وغیرہ پڑھا ہے یا سنا ہے، حالانکہ ''قدیم سعید'' آٹھ سال پہلے ایک دن میں آٹھ آٹھ اخبار پڑھا کرتا تھا۔

مزید یہ کہ پانچ سال سے میری بود و باش اور نقل و حرکت کا بڑی گہری نظر سے جائزہ لیا جا رہا ہے۔ اب جس کو بھی مجھ میں کوئی سیاسی میلانات نظر آئے ہیں وہ بتائے، حالانکہ میرے جیسا مضبوط اعصاب کا انسان جو لاابالی اور بے تعلق قسم کی زندگی گزار رہا ہے اور جو ''اِنَّمَا الْحِیْلَۃُ فِیْ تَرْکِ الْحِیْلَۃِ'' کے دستور کو پیشِ نظر رکھ کر حیلے وسیلے سے کنارہ کش رہنے کو ہی سب سے بڑا حیلہ سمجھتا ہو، ایسے آدمی کے افکار آٹھ سال تو کیا آٹھ دن بھی چھپے نہیں رہ سکتے ہیں۔ اس لیے اگر اس کے دل میں سیاست کی اشتہا یا لالچ ہوتی تو وہ توپ کے گولے کی طرح گونج اُٹھتی اور ان گہری تحقیقات کی اور جانچ پڑتال کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

دُوسرا نقطہ: جدید سعید اس حد تک شدّت کے ساتھ سیاست سے کنارہ کش کیوں رہتا ہے؟

جواب: وہ سیاست سے اس شدّت کے ساتھ اس لیے دور بھاگتا ہے کہ کہیں وہ اس میں غیر ضروری اور بے فائدہ طور پر مداخلت کر کے اپنی لاکھوں سالوں سے زائد زندگی کو حاصل کرنے والی تگ ودو کو اِس دنیا کی سال دو سال کی مشکوک زندگی کی بھینٹ نہ چڑھا دے!

اور پھر سیاست سے اس شدت کے ساتھ اس لیے بھی دور بھاگتا ہے تاکہ ایمان اور قرآن کی اس خدمت کو سرانجام دینے میں کوئی خلل واقع نہ ہو جو کہ سب سے زیادہ اہم، جلیل القدر، صاف شفاف اور سب سے زیادہ حقیقت بردوش ہے؛ کیونکہ وہ کہتا ہے:

میں بوڑھا ہو رہا ہوں، اور اس عمر کو پہنچ جانے کے بعد نہیں جانتا کہ مزید کتنا جی سکوں گا! لہٰذا میرے لیے سب سے زیادہ اہم کام یہ ہے کہ میں اب ابدی زندگی کے لیے کام کروں۔ اور ابدی سعادت کا شاہ کلید اور ابدی زندگی کو حاصل کرنے کا پہلا وسیلہ ''ایمان'' ہے۔ اس لیے صرف اُسی کے لیے دوڑ دھوپ کرنی چاہیے۔

البتہ میں چونکہ ایک عالمِ دین ہوں اور شرعی طور پر لوگوں کو فائدہ پہنچانے کا مکلّف ہوں، اس لیے میں اس زاویے سے بھی لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن اس خدمت کا نفع یا تو دینی اور اُخروی زندگی کو ہوگا، یا پھر دنیاوی اور معاشرتی زندگی کو۔ اور یہ مجھ سے ہوگا نہیں۔

پھر یہ بھی ہے کہ تند و تیز دور میں یہ خدمت صحیح طور پر ادا بھی نہیں ہوتی، اس بنا پر میں نے اس جہت کو چھوڑ کر ایمان کی خدمت کی جہت کو ترجیح دے دی جو کہ زیادہ اہم، زیادہ لازم اور زیادہ سلامتی والی ہے اور میں دروازہ کھلا چھوڑ رہا ہوں تاکہ وہ ایمانی حقائق جو میں نے اپنے لیے کمائے ہیں اور وہ معنوی دوائیں جن کا تجربہ میں نے خود اپنی ذات پر کیا ہے، تمام لوگوں تک پہنچ جائیں؛ شاید کہ اللہ تعالیٰ یہ خدمت قبول کر لے اور اسے میرے پہلے گناہوں کا کفارہ بنا دے! اور اس خدمت کی راہ میں شیطان مردود کے علاوہ کسی کو بھی رکاوٹیں ڈالنے کا حق نہیں پہنچتا ہے، وہ مومن ہو یا کافر، صدیق ہو یا زندیق؛ کیونکہ بے ایمانی دیگر اُمور کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتی ہے؛ یہ بات ممکن ہے کہ ظلم و فسق اور کبائر میں کچھ منحوس شیطانی لذتیں پائی جائیں لیکن بے ایمانی میں لذّت کا قطعاً کوئی پہلو نہیں پایا جاتا ہے، بلکہ یہ الم دَر الم، ظلمت در ظلمت اور عذاب در عذاب ہے۔

پس میرے جیسے اکیلے انسان کا جو کہ بالکل لاتعلقی جیسی زندگی گزار رہا ہے اور اپنے پہلے گناہوں کا کفارہ طلب کرنے پر مجبور ہے؛ ایسے انسان کا بڑھاپے کی اس عمر میں ایک غیر محدود ابدی زندگی کے لیے تگ و دو نہ کرنا اور ایمان جیسے قدسی نور کی خدمت چھوڑ دینا اور سیاست کی خطرناک اور غیر ضروری رنگ رلیوں میں مصروف ہو جانا ایسا پاگل پن اور عقل و حکمت کے خلاف کام ہے کہ جسے پاگل بھی اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

لیکن اگر آپ یہ کہیں: قرآن اور ایمان کی خدمت آپ کو سیاست سے کیوں روکتی ہے؟

تو میں کہوں گا: ایمانی اور قرآنی حقائق جواہرات کا حکم رکھتے ہیں، اس لیے میں اگر سیاست میں مصروف ہو جاؤں تو میرے ان جواہرات کے بارے میں بھولے بھالے اور دھوکے میں آ جانے والے عوام کے ذہن میں یہ بات آئے گی کہ کیا یہ پیروکاروں کی تعداد بڑھانے کے لیے سیاسی پروپیگنڈہ نہیں ہے؟ چنانچہ وہ لوگ کچھ اسی انداز سے سوچیں گے اور ان جواہرات کو ایسے دیکھیں گے کہ جیسے یہ کانچ کے عام ٹکڑے ہیں۔ تب میں سیاست کے ساتھ وابستہ ہو کر ان جواہرات پر ظلم کروں گا اور یہ چیز ان کی قیمت کو گرانے کے مترادف ہوگی لہٰذا اے اہلِ دنیا! تم لوگ مجھے میری حالت پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے ہو؛ اور مجھے اُلجھا کر کیوں رکھنا چاہتے ہو؟

اگر تم یہ کہو کہ: مشائخ ہمارے معاملات میں مداخلت کرتے ہیں، اور لوگ آپ کو بھی بعض دفعہ ''شیخ'' کہتے ہیں۔

تو میں کہوں گا: صاحبو! میں شیخ نہیں ہوں، بلکہ میں تو صرف ایک عالم ہوں، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ میں گزشتہ چار سال سے یہاں ہوں، اس دوران میں اگر میں نے کسی ایک شخص کو بھی صوفیانہ طریقت کی تعلیم دی ہو تو تمہیں شک شبہ کرنے کا حق حاصل ہے، بلکہ اس کے برعکس میں نے اپنے پاس آنے والے ہر آدمی سے یہ کہا ہے: یہ زمانہ طریقت کا نہیں ہے، ایمان ضروری ہے اور اسلام ضروری ہے۔

اگر تم یہ کہو: لوگ آپ کو ''سعید کردی'' کہتے ہیں؟ ہوسکتا ہے آپ میں بھی نسل پرستی کی سوچ پائی جاتی ہو، اور یہ چیز ہمارے کام کے ساتھ میل نہیں کھاتی ہے!

تو میں کہوں گا: حضراتِ گرامی! ''قدیم سعید'' اور ''جدید سعید'' نے جو کچھ بھی لکھا ہے، وہ سرِ عام سب لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ میں اپنی ان تمام تحریروں کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے قدیم ہی سے منفی قومیت اور نسل پرستی کو زہرِ قاتل سمجھا ہے؛ کیونکہ یہ یورپ کی بیماریوں میں سے ایک خبیث قسم کی افرنگی بیماری ہے۔

اور میں سمجھتا ہوں کہ یورپ نے یہ افرنگی بیماری مسلمانوں کے درمیان پھینک دی ہے تاکہ وہ بکھر جائیں اور پارہ پارہ ہو جائیں اور پھر اُس کے لیے ان بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو نگلنا آسان ہو جائے!

اور میرے وہ شاگرد اور دوست جو کہ میرے ساتھ وابستہ ہیں سب جانتے ہیں کہ میں نے شروع سے ہی اس فرنگی بیماری کا "اَلْإِسْلَامِيَّةُ جَبَّتِ الْعَصَبِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةَ" کے قطعی حکم کے تحت مداوا کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ بات اگر یہی ہے تو پھر تم لوگ ہر واقعے کو بہانہ بنا کر میرا عرصہ حیات تنگ کیوں کرتے ہو؟

میرے ساتھ تمہارا یہ رویہ تو ایسے ہی ہے کہ جیسے اگر سپاہی مشرق میں غلطی کرے تو مغرب میں رہنے والے کسی سپاہی کو اس بنا پر سزا دے دی جائے کہ وہ دونوں سپاہی ہیں۔ یا پھر اگر کوئی دوکاندار استنبول میں غلطی کرے لیکن سزا کسی بغداد میں رہنے والے دوکاندار کو دے دی جائے؛ کیونکہ وہ بھی ہے تو دوکاندار ہی نا! ایسا کس قانون کے تحت ہو رہا ہے؟ اور اس

کا فیصلہ کون سا وجدان کرتا ہے؟ اور ایسا کون سی مصلحت کے تقاضے کے تحت کیا جار ہا ہے؟

تیسرا نقطہ: میرے وہ دوست جو میرے حال احوال اور میری راحت و رامش کا خیال رکھتے ہیں اور ہر مصیبت پر میرے صبر کے ساتھ خاموش رہنے پر حیران ہوتے ہیں، وہ مجھ سے پوچھتے ہیں: آپ پر جو مشقتیں اور تنگیاں نازل ہوتی ہیں آپ ان پر صبر کیسے کرتے ہیں، حالانکہ پہلے پہل تو آپ اتنے غصے والے اور عزت دار تھے کہ معمولی سی تحقیر بھی برداشت نہیں کرتے تھے؟

جواب: میں کہتا ہوں: دو کہانیاں اور دو چھوٹے چھوٹے واقعات سنو اور ان سے اپنے جواب اخذ کرلو۔

پہلی کہانی: آج سے دو سال قبل ایک ذمہ دار ڈائریکٹر نے میرے بارے میں میری عدم موجودگی میں بغیر وجہ کے کچھ توہین آمیز، اناپ شناپ اور غلط سلط باتیں کی تھیں۔ لوگوں نے وہ باتیں مجھے بتادیں، تو میں ''قدیم سعید'' کے مزاج کے مطابق ان سے صرف ایک گھنٹے تک پریشان رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے میرے دل پر ایک ایسی حقیقت نازل ہوئی جس نے میرے دل پر چھائی ہوئی تمام تنگی دور کر دی اور مجھے اس بات پر آمادہ کر دیا کہ میں اس شخص کو معاف کر دوں، اور وہ حقیقت یہ ہے:

میں نے اپنے من سے کہا: اس نے میری جو تحقیر کی ہے اور میری جو برائیاں بیان کی ہیں، ان کا تعلق اگر میری ذات کے ساتھ ہے تو اللہ اسے معاف فرمائے کہ وہ میری ذات کے عیوب بیان کر رہا ہے۔ اس لیے اگر اس نے سچ کہا ہے تو وہ مجھے میرے نفسِ امارہ کی تربیت کرنے کا موقع فراہم کر رہا ہے۔ اور یوں گویا کہ وہ مجھے غرور سے بچانے کے لیے میرا تعاون کر رہا ہے۔ اور اگر اس نے جھوٹ کہا ہے تو پھر یہ چیز مجھے ریا کاری سے، اور جھوٹی شہرت سے نجات دلائے گی جو اس ریا کاری کی بنیاد ہے۔

جی ہاں؛ میں نے اپنے نفس کے ساتھ کبھی مصالحت نہیں کی، کیونکہ میں اس کی تربیت نہیں کر سکا ہوں۔ چنانچہ اگر میری گردن میں بچھو ہو اور کوئی شخص مجھے بتادے یا دکھا دے تو اس کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہوگا نہ کہ اس کے ساتھ ناراض ہونا!

اور اگر اس شخص کی تحقیر و اہانت کا تعلق میری صفت کے ساتھ ہے یعنی اس چیز کے ساتھ ہے کہ میں ایمان اور قرآن کی خدمت کر رہا ہوں، تو اس کا تعلق میرے ساتھ نہیں ہے، اور میں اس شخص کو صاحبِ قرآن کے حوالے کرتا ہوں جو مجھ سے یہ خدمت لے رہا ہے، پس وہ عزیز ہے، حکیم ہے۔ اور اگر اس کی تحقیر و اہانت اور سب و شتم میری عزّت گھٹانے کے لیے ہے، تو پھر بھی اس کا تعلق میرے ساتھ نہیں ہے؛ کیونکہ میں ایک جلا وطن، قیدی، اجنبی اور دست بستہ انسان ہوں، اس لیے میں اپنے ہاتھ سے اپنی عزّت کی اصلاح کے لیے کچھ بھی کرنے کا حق نہیں رکھتا ہوں، بلکہ اس چیز کا حق اس گاؤں کو پہنچتا ہے جو میرا میزبان ہے اور جو میری نگرانی کر رہا ہے۔ پھر اس کا تعلق اس ضلع کے حکمرانوں کے ساتھ ہے اور اس

صوبے کے حکمرانوں کے ساتھ ہے، کیونکہ جو آدمی دوسرے آدمی کا قیدی ہو تو اس کی تحقیر اس کے مالک کی تحقیر ہوتی ہے، اور وہی اس کا دفاع کرے گا۔

مجھے جب پتا چلا کہ اصل حقیقت یہی ہے تو میرا دل مطمئن ہو گیا، اور میں نے کہا:

﴿وَأُفَوِّضُ أَمْرِيْ إِلَى اللهِ إِنَّ اللهَ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ﴾ چنانچہ میں نے اس واقعہ کے بارے میں یہ تصور کر لیا کہ گویا یہ پیش ہی نہیں آیا، اور میں نے اسے فراموش کر دیا، لیکن پھر کچھ دیر بعد مجھے پتا چلا کہ قرآن نے اسے معاف نہیں کیا......

دوسری کہانی: اسی سال کی بات ہے، میں نے سنا کہ کوئی واقعہ رونما ہوا ہے، لیکن میرے ساتھ کچھ اس طرح کا سلوک کیا گیا کہ جیسے میرا اس واقعے کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہو۔ حالانکہ میں نے اس واقعے کے رونما ہو جانے کے بعد اس کے بارے میں بالکل سرسری طور پر صرف سنا ہی تھا۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ میں خط و کتابت کرتا ہی نہیں تھا، اور اگر کبھی کرتا تھا تو کسی دوست کی طرف کوئی ایمانیات کا مسئلہ لکھ دیتا تھا۔ اور ایسا بھی بالکل شاذ و نادر ہی ہوا ہے۔ حتیٰ کہ میں نے چار سالوں میں اپنے سگے بھائی کی طرف صرف ایک خط لکھا۔ چنانچہ میں خود کو لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنے سے روکتا تھا اور اہلِ دنیا بھی مجھے روکتے تھے۔ بس پورے ہفتہ میں اپنے ایک دو دوستوں کے ساتھ ملتا تھا۔ رہے بستی میں آنے والے مہمان، تو اُن میں سے پورے مہینے میں کبھی کبھار صرف ایک دو آدمی کے ساتھ کسی اُخروی مسئلے کے بارے میں منٹ دو منٹ کے لیے ملاقات ہو جاتی تھی۔ مطلب یہ کہ اِن لوگوں نے مجھے میری اس اجنبیت کی حالت میں ہر چیز سے اور ہر ایک سے روک رکھا تھا۔ اور میں ایک ایسی بستی میں کہ جہاں میرے جیسے آدمی کے لیے نان ونفقہ کے لیے بھاگ دوڑ کرنے کی گنجائش ہی نہیں، بالکل اجنبی، اکیلا اور کسی قریبی دوست رشتے دار سے محروم تھا۔ حتیٰ کہ میں نے چار سال قبل ایک منہدم مسجد کو نئے سرے سے تعمیر کر لیا تھا اور اس میں چار سال امامت بھی کرائی تھی ......اللہ قبول کرے...... کیونکہ میرے پاس امامت وخطابت کی سرکاری سند موجود ہے لیکن اس کے باوجود میں گزشتہ رمضان میں مسجد نہیں جا سکا، چنانچہ مجھے بسا اوقات نماز اکیلے ہی پڑھنی پڑی اور یوں میں جماعت کے ساتھ ادا کی جانے والی نماز کے پچیس گنا والے اجر سے محروم رہا۔ لیکن میں نے ان دو واقعات کو بھی برداشت کیا اور صبر کا مظاہرہ کیا، جیسے کہ میں نے دو سال پہلے پیش آنے والے اس افسر کے معاملے میں صبر کیا تھا، اور میں آئندہ بھی ان شاء اللہ ایسے ہی کروں گا۔

اب میرے ذہن میں جو بات آ رہی ہے اور میں جو کہنا چاہتا ہوں، یہ ہے کہ:

اہلِ دنیا کی طرف سے مجھ پر جو تکلیف، تنگی ترشی اور ظلم وزیادتی نازل ہوئی ہے، اگر وہ میرے عیب دار و قصور وار نفس کی خاطر ہے تو میں انہیں معاف کرتا ہوں؛ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس سے میرا نفس سُدھر جائے اور یہ چیز میرے گناہوں کا کفارہ بن جائے!

میں دنیا کے اس مہمان خانے میں بہت سی خوشیاں دیکھ چکا ہوں، اس لیے اگر مجھے اس کی تھوڑی سی جفا کاری کا سامنا

کرنا پڑ رہا ہے تو میں اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔

اور اگر اہلِ دنیا مجھ پر یہ ظلم وستم ایمان اور قرآن کی خدمت کی جہت سے کر رہے ہیں تو اس کے دفاع کرنے کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے، کیونکہ میں اس چیز کو العزیز الجبار کے حوالے کرتا ہوں۔

اور اگر ایسا کرنے سے مقصد یہ ہے کہ عوام الناس کی توجہ مجھ سے ہٹ جائے، یعنی وہ یہ سب کچھ اُس بے اصل جھوٹی شہرت کو ختم کرنے کے لیے کر رہے ہیں جو ریا کاری کو جنم دیتی ہے اور اخلاص کا ستیاناس کر دیتی ہے تو خدا اُن پر رحمت کرے؛ کیونکہ عوام الناس کی توجہ حاصل کرنا اور لوگوں کی نظروں میں مشہور ہونا میرے جیسے لوگوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ لوگ جو میرے ساتھ میل جول رکھتے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں اپنے ذاتی احترام کا طلبگار نہیں ہوں، بلکہ اس چیز کو ناپسند کرتا ہوں، اس حد تک کہ میں اپنے ایک قیمتی دوست کو صرف اس بنا پر پچاس دفعہ ڈانٹ چکا ہوں کہ وہ میرا احترام کرنے میں بہت زیادہ مبالغے سے کام لیتا تھا۔

لیکن اگر اُن کے میری توہین کرنے اور مجھے لوگوں کی نظروں سے گرانے کا تعلق ان ایمانی اور قرآنی حقائق کے ساتھ ہے جن کی میں ترجمانی کر رہا ہوں، تو پھر تو ان کی کوششیں بالکل بے سود ہیں؛ کیونکہ قرآن کے ستاروں کو پردہ کے نیچے نہیں چھپایا جا سکتا ہے۔ اس لیے اگر کوئی اپنی آنکھیں بند کرلے تو وہ اکیلا ہی ہوگا جو دیکھ نہیں سکے گا اور اپنے اس اندھے پن کو دوسروں کے لیے دلیل نہیں بنا سکے گا۔

چوتھا نقطہ۔ چند وہم خیز سوالوں کا جواب ہے۔

پہلا سوال: اہلِ دنیا مجھ سے پوچھتے ہیں: آپ گزر بسر کیسے کرتے ہیں؟ اور کام کیے بغیر گزارہ کیسے کرتے ہیں؟ ہم اپنے وطن میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے والے سست لوگوں کو اور دوسرے لوگوں کی محنت مزدوری کے سہارے زندگی گزارنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

جواب: میں برکت اور کفایت شعاری کے سہارے گزر بسر کر رہا ہوں اور اپنے رزّاق کے علاوہ کسی کا بھی احسان قبول نہیں کرتا ہوں، اور یہ طے کر چکا ہوں کہ کسی کا بھی احسان قبول نہیں کروں گا۔

جی ہاں؛ جو آدمی ایک دن میں سو بلکہ چالیس پاروں[1] پر گزارا کر سکتا ہے وہ دوسرے کا احسان قبول نہیں کرے گا۔

میں اس مسئلے کی وضاحت میں قطعاً کچھ نہیں کہنا چاہتا تھا کیونکہ اس میں خطرہ تھا کہ یہ انداز کہیں غرور وتکبر کی خبر نہ دے رہا ہو! اس لیے اس اندیشے کے پیشِ نظر اس چیز کی وضاحت مجھے بالکل ناپسند تھی، لیکن اہلِ دنیا اس بارے میں جس

[1] پارہ، ایک ترکی سکے کا نام۔ چالیس پاروں کا ایک قرش، اور دس قرش کا ایک لیرا بنتا ہے، یعنی ایک لیرے میں چار سو قرش ہوتے ہیں۔ (مترجم)

انداز سے سوال کرتے ہیں اس سے چونکہ کئی قسم کے وہم سر اُٹھاتے ہیں، اس لیے میں مجبور ہو کر بتا رہا ہوں کہ:

میری زندگی کا ایک اہم دستور یہ ہے کہ میں بچپن ہی سے دوسروں کا مال قبول نہیں کرتا اگر چہ زکوٰۃ ہی کیوں نہ ہو۔ اور تنخواہ بھی قبول نہیں کرتا۔ مگر جب میں دارُالحکمۃ الاسلامیۃ میں ملازم تھا تو اپنے دوستوں کے مجبور کرنے پر میں نے سال دو سال کے لیے تنخواہ قبول کر لی تھی۔ اور یہ کہ میں دنیاوی گزر بسر کے لیے کسی کے زیرِ احسان نہیں ہوتا۔

میرے علاقے کے اور دوسرے علاقوں میں میرے ساتھ جان پہچان رکھنے والے سب لوگ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں۔

میرے بہت سے دوستوں نے اس باب میں بہت کوشش کی کہ میں اپنی جلاوطنی کے ان پانچ سالوں میں اُن کے تحفے قبول کرلوں، لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ اب اگر مجھ سے یہ پوچھا جائے کہ پھر آپ گزر اوقات کیسے کرتے ہیں؟

تو میں کہوں گا کہ برکت اور اکرامِ الٰہی کے ساتھ؛ کیونکہ میرا نفس اگرچہ ہر قسم کی حقارت اور اہانت کا مستحق ہے، لیکن میں خاص کر رزق کے معاملے میں قرآن کی خدمت کا بھرم رکھنے کے لیے اکرامِ الٰہی کے رُوپ میں ملنے والی برکت کا مظہر بن جاتا ہوں۔ اس مقام پر میں فرمانِ گرامی ﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ کو سامنے رکھ کر معنوی شکر ادا کرنے کی صورت میں اُن احسانات کی چند مثالیں ذکر کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کیے ہیں۔ یہ مثالیں اگرچہ معنوی شکر کے اظہار کے لیے ہیں تاہم پھر بھی میں ڈر رہا ہوں کہ ان میں کہیں ریاکاری وغرور کی آمیزش نہ ہو جائے اور یوں وہ مبارک برکت منقطع نہ ہو جائے؟ کیونکہ مخفی برکت کا ازراہِ فخر اظہار کرنا برکت کے ختم ہو جانے کا سبب بن جاتا ہے۔ لیکن کیا کیا جائے؟ کیونکہ میں ان کا ذکر کرنے پر مجبور ہو چکا ہوں۔

پہلی مثال: گیہوں کا ایک ''کیلہ''[1] جس سے چھتیس نان بن جاتے ہیں، مجھے ان چھ مہینوں میں کافی رہا اور ابھی تک ختم نہیں ہوا، اور میں نہیں جانتا کہ کب تک میرے لیے کافی رہے گا؟[2]

دوسری مثال: اس رمضان المبارک میں مجھے صرف دو گھروں سے کھانا آیا اور دونوں نے مجھے بیمار کر دیا۔ اس سے مجھے پتا چل گیا کہ مجھے دوسروں سے کھانا کھانے سے روک دیا گیا ہے۔ اور بقیہ رمضان میں مجھے میرے سچے دوست اور مبارک گھر کے مالک جس نے ماہ رمضان میں میرے اخراجات کی ذمہ داری لی تھی۔ ''عبداللہ چاؤش'' کی گواہی کے مطابق تین نان اور ایک اوقیہ چاول کافی رہے۔

تیسری مثال: پہاڑ پر مجھے اور میرے مہمانوں کو تین مہینے تک ایک اوقیہ گھی کافی رہا، حالانکہ ہم روزانہ روٹی کے ساتھ

---

[1] کیل: ایک قدیم پیمانے کا نام جو لگ بھگ چالیس لیٹر کے برابر ہوتا ہے۔ (مترجم)

[2] اور یہ پورے سال کے لیے کافی رہا۔ (مؤلف)

کھاتے رہے۔حتی کہ میرا ایک بابرکت مہمان تھا جس کا نام ''سلیمان'' تھا، اور ہُوا یوں کہ ہم دونوں کی روٹی ختم ہوگئی۔ وہ بدھ کا دن تھا۔تو میں نے اسے کہا کہ جاؤ اور روٹی لے آؤ۔تو اُس نے کہا کہ پچھلے دو گھنٹوں سے یہاں چاروں طرف مجھے کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آیا جس سے روٹی خریدی جا سکے۔اور میں یہ پسند کرتا ہوں کہ ہم جمعرات کو دونوں اس پہاڑ پر اللہ سے دعا کریں۔تو میں نے کہا: ٹھیک ہے میرے پاس ہی رہو، تَوَکَّلْنَا عَلَى اللهِ۔

پھر ہم بغیر کسی وجہ کے چلتے رہے یہاں تک کہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے۔ کیتلی میں تھوڑا سا پانی تھا اور ہمارے پاس چائے کی تھوڑی سی پتی اور چینی تھی۔تو میں نے کہا بھائی! تھوڑی سی چائے تو بنا دو! تو اس نے چائے بنانا شروع کر دی اور میں نیچے گہری وادی میں جھانکنے والے ایک صنوبر کے درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ میں افسوس کرتے ہوئے گہری سوچ میں ڈوب گیا کہ ہمارے پاس ایک باسی روٹی کا ایک ٹکڑا رہ گیا ہے اور یہ تو صرف آج کی شام ہمارے کام آسکے گا، اور باقی دو دن ہم کیا کریں گے اور میں اس صاف دل آدمی سے کیا کہوں گا؟ میں اسی سوچ میں غرق تھا کہ پھر میں نے اچانک اپنا سر گھمایا۔ مجھے ایسے لگا کہ جیسے میرا سر میرے اختیار کے بغیر خود بخود ہی گھوم گیا ہو! تو مجھے صنوبر کے درخت پر ایک بہت بڑی روٹی نظر آئی جو شاخوں کے درمیان سے ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔تو میں نے کہا سلیمان! خوشخبری ہو، اللہ نے ہمیں رزق دے دیا ہے! چنانچہ ہم نے وہ روٹی پکڑ لی اور پھر درخت کی طرف دیکھا تو نظر آیا کہ درخت کو کسی پرندے یا جنگلی جانور نے چھوا تک نہیں، اور بیس تیس دنوں سے کوئی بھی انسان اس چوٹی پر نہیں چڑھا ہے۔ چنانچہ وہ روٹی ہمیں دو دن تک کافی رہی، ہم اسے کھاتے رہے ختم ہونے کے قریب آئی تو اچانک دیکھا کہ میرا چار سالہ پرانا سچا دوست مستقیم سلیمان روٹی لے کر اُوپر چلا آرہا ہے۔

چوتھی مثال: یہ جیکٹ جو میں نے پہن رکھی ہے، یہ میں نے سات سال پہلے خریدی تھی اور اب اس پر پانچ سال ہونے کو ہیں۔ چنانچہ میں نے زیریں اور بالائی کپڑے، اور جوتے اور جرابیں صرف ساڑھے چار لیروں میں پورے کر لیے، اور یوں مجھے برکت، کفایت شعاری اور رحمتِ الٰہی کافی ہوگئی۔

اس جیسی اور بھی کافی مثالیں موجود ہیں، اور برکاتِ خداوندی کی بہت سی جہتیں ہیں جن میں سے بہت سی جہتوں سے اس بستی کے لوگ واقف ہیں۔لیکن خبردار! یہ گمان کبھی نہ کرنا کہ میں یہ مثالیں اظہارِ فخر کے لیے ذکر کر رہا ہوں بلکہ میں تو انہیں ذکر کرنے کے لیے مجبور ہوں۔اور یہ بھی مت سوچنا کہ ان کا تعلق میری فضیلت کے ساتھ ہے؛ کیونکہ یہ برکتیں یا تو میرے پاس آنے والے میرے مخلص دوست احباب کے لیے اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے، یا پھر یہ قرآنی خدمت کی عزت افزائی ہے، اور یا پھر یہ میرے پاس رہنے والی چار بلیوں کا رزق ہے جو ''یارحیم یارحیم'' پکارتی رہتی ہیں اور یوں اُن کا رزق برکت کی صورت میں آتا رہتا ہے اور میں اس سے فائدہ اُٹھالیتا ہوں۔

جی ہاں؛ آپ جب ذرا غور سے ان بلیوں کی غمگین خرخر سنیں گے تو سمجھ جائیں گے کہ یہ ''یارحیم، یارحیم'' کا ذکر کرتی ہیں۔

بلی کے ذکر نے مجھے میری مرغی کی یاد دلا دی۔

اور وہ اس طرح ہے کہ میرے پاس ایک مرغی تھی جو کہ اس سردی کے موسم میں انڈوں کی مشین کی حیثیت رکھتی تھی اور میرے لیے کبھی کبھار وقفہ کر کے ہر دن خزینۂ رحمت سے ایک انڈا دیا کرتی تھی۔ ایک دن ایسا ہوا کہ اُس نے دو انڈے دے دیے تو میں حیران رہ گیا، اور میں نے اپنے دوستوں سے پوچھا: ایسا بھی ہو جاتا ہے؟ تو انہوں نے کہا: یہ تو اللہ کا خاص احسان ہی لگتا ہے۔ اس مرغی کا ایک چوزہ تھا جو اس نے گرمیوں میں دیا تھا۔ اس نے بھی رمضان شریف میں انڈے دینے شروع کر دیے اور چالیس دن دیتی رہی۔ تب مجھے اور میرے خدمت گزاروں کو اس بات میں قطعاً کوئی شبہ نہ رہا کہ اس سردی میں اور رمضان شریف میں انڈوں کی یہ صورت حال اِکرامِ الٰہی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ پھر اس کی ماں نے جب دوبارہ انڈے دینے ختم کیے تو بیٹی نے دوبارہ شروع کر دیے، اور یوں انہوں نے مجھے انڈوں سے محروم نہ ہونے دیا۔

دوسرا اوہم خیز سوال: اہلِ دنیا کہتے ہیں کہ ہم آپ کی طرف سے اس باب میں کیسے مطمئن ہو جائیں کہ آپ ہماری دنیا کے ساتھ اختلاط نہیں رکھتے ہیں؟ ہوسکتا ہے کہ اگر ہم نے آپ کو آزاد کر دیا تو آپ اختلاط رکھنا شروع کر دیں؟ اور ہم کیسے جان سکیں گے کہ آپ حیلہ سازی نہیں کر رہے ہیں اور اپنے آپ کو تارکِ دنیا ظاہر کر رہے ہیں؟ بظاہر تو لوگوں کا مال نہیں لیتے لیکن خفیہ طور پر لے لیتے ہوں؟ ہمیں اس بات کا علم کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ کی یہ روش دھوکہ بازی نہیں ہے؟

جواب: میرے حالات بیس سال قبل فوجی عدالت اور میرے اخلاق واطوار پارلیمانی نظام کے اعلان سے پہلے سب کو معلوم ہیں۔ اور اُس دور میں میرے دفاعی بیانات جو کتاب میں صادر ہوئے، اس بات پر قطعی دلالت کرتے ہیں کہ میں نے زندگی اس انداز سے گزاری ہے کہ کبھی کسی حیلے کا بلکہ کسی ادنیٰ سے حیلے کا بھی سہارا نہیں لیا۔ اگر مجھے حیلہ سازیوں سے کام لینا ہوتا تو ان پانچ سالوں کے دوران ایک چاپلوس کی طرح تمہاری پناہ میں آتا؛ کیونکہ حیلہ ساز فریب کار آدمی کو اپنے ذاتی وقار کی کوئی پروا نہیں ہوتی، بلکہ وہ اپنے آپ کو لوگوں کا محبوب بنانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے، اس بنا پر وہ ہمیشہ لوگوں کو غفلت میں اور دھوکے میں رکھنے کی کوشش میں مصروف رہتا ہے۔ لیکن اِدھر صورتِ حال یہ ہے کہ میں نے اپنے اوپر ہونے والے حملوں اور تنقیدوں کے باوجود خود کو تمہارے سامنے گرا کر پست نہیں کیا ہے۔ چنانچہ میں نے اللہ پر توکّل کیا اور اہلِ دنیا سے منہ موڑ لیا۔

بات یہ ہے کہ جسے آخرت کا علم ہو جائے اور جس پر دنیا کی حقیقت کا انکشاف ہو جائے اور اس کے پاس عقل بھی ہو تو وہ اپنی اس روش سے پشیمان ہو کر پھر سے دنیا کی طرف نہیں لوٹے گا اور ایک ایسا انسان جو عمر کے پچاس سال گزار چکا ہے، اور بالکل تن تنہا ہے اور ہر شے سے لاتعلق ہو چکا ہے، وہ دنیا کی سال دو سال کی بے ہودہ، بے سروپا اور جھوٹی باتوں کے لیے اپنی ابدی زندگی کو قربان نہیں کر سکتا ہے، اور اگر ایسا کر بھی لے تو وہ حیلہ ساز وفریب کار نہیں ہوگا بلکہ بیوقوف

پاگل ہوگا۔اور بیوقوف پاگل کر بھی کیا لے گا کہ اُسے اہمیت دی جائے اور اس کا مقابلہ کیا جائے؟

باقی رہا یہ شبہ کہ میں بظاہر تارکِ دنیا لیکن بباطن طالبِ دنیا ہوں، تو میں اللہ تعالیٰ کے فرمان گرامی: ﴿ وَمَآ أُبَرِّئُ نَفْسِيٓ ۚ إِنَّ ٱلنَّفْسَ لَأَمَّارَةٌۢ بِٱلسُّوٓءِ ﴾ کے مطابق اپنے نفس کی برأت نہیں کرتا ہوں؛ کیونکہ میرا نفس تو ہر برائی کا طلب گار ہے۔لیکن کسی عقل مند کو یہ زیب نہیں دیتا ہے کہ وہ چھوٹی سی عمر میں بڑھاپے کے وقت میں، اس عارضی سے مسافر خانے میں اور فانی دنیا میں تھوڑی سی لذت کی خاطر اپنی دائمی زندگی اور ابدی سعادت کو خراب کر بیٹھے۔ چنانچہ میں نے ضروری سمجھتے ہوئے اپنے نفسِ امارہ کو عقل کا پیروکار بنا دیا؛ کیونکہ ایسا نہ کرنا اہلِ عقل وشعور کو زیب نہیں دیتا ہے۔

تیسرا وہم خیز سوال: اہلِ دنیا کہتے ہیں: کیا آپ ہم سے محبت رکھتے ہیں؟ ہمیں پسند کرتے ہیں؟ اگر آپ ہم سے محبت رکھتے ہیں تو پھر ہم پر غصہ کیوں کھاتے ہیں اور ہمارے ساتھ میل جول کیوں نہیں رکھتے؟ اور اگر آپ ہمیں پسند نہیں کرتے تو آپ ہمارے مدمخالف ہیں۔اور اپنے مدمخالف کو تو ہم پیس کر رکھ دیتے ہیں؟

جواب: تم لوگ تو رہے ایک طرف، میں اگر تمہاری دنیا کے ساتھ بھی محبت رکھوں تو دنیا سے کبھی منہ نہ پھیروں، اور میں تمہیں اور تمہاری دنیا کو پسند نہیں کرتا ہوں؛ کیونکہ میں کسی اور دنیا میں رہتا ہوں: میرے دل کو کچھ دیگر اُمور نے اتنا لبریز کر رکھا ہے کہ اس میں دیگر اُمور کے بارے میں سوچنے کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی ہے۔ تمہاری ڈیوٹی یہ ہے کہ تم ہاتھ پر یعنی ظاہری حالات پر نظر رکھو دل کے باطن پر نہیں؛ کیونکہ اگر تم لوگ امن وامان کی صورتِ حال کو کنٹرول میں اور اقتدار کو مضبوط رکھنا چاہتے ہو تو پھر تمہیں دل کے معاملے میں دخل اندازی کرنے کا اور یہ کہنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا ہے کہ دل کو ہمارے ساتھ محبت رکھنی چاہیے، کیونکہ تم اس محبت کے قابل ہی نہیں ہو۔اور میرا ہاتھ تمہارے معاملات میں دخل اندازی کرتا ہی نہیں۔

جی ہاں؛ میں جس طرح فصل بہار کی تمنا کرتا ہوں اور یہ پسند کرتا ہوں کہ وہ اسی موسمِ خزاں میں آجائے، لیکن میں اُسے براہِ راست بالفعل لا نہیں سکتا ہوں، اسی طرح میں دنیا کے حالات کو سنوارنے کی آرزو رکھتا ہوں، اس کے لیے دعا کرتا ہوں اور اہلِ دنیا کی اصلاح کی تمنا رکھتا ہوں۔لیکن یہ چیز میرے ارادے سے بالا اور میری طاقت کے دائرے سے باہر ہے۔اس لیے میں بالفعل دخل اندازی نہیں کرسکتا؛ کیونکہ یہ میری ذمہ داری نہیں ہے اور نہ ہی میری طاقت اور قدرت کے دائرے میں ہے۔

اشتباہ میں ڈالنے والا چوتھا سوال: اہلِ دنیا کہتے ہیں: ہم نے اتنے آلام ومصائب کا سامنا کیا ہے کہ اب کسی کی طرف سے بھی بےخوف نہیں ہوسکتے ہیں۔اس لیے اب آپ پر بھروسا کیسے کرسکتے ہیں کہ آپ کو جب بھی موقع ملا آپ ہمارے معاملات میں اپنی مرضی کے مطابق دخل اندازی نہیں کریں گے؟

جواب: پیچھے بیان کیے گئے نقاط اگرچہ تم لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے کافی ہیں، بایں ہمہ میں کہتا ہوں کہ:

باوجود اس کے کہ میں نے اپنے وطن میں اور اپنے طالب علموں، رشتے داروں اور دیگر کہنے سننے والوں اور جذبات سے بے قابو کردینے والے واقعات کے درمیان رہتے ہوئے تمہاری دنیا کے ساتھ میل جول نہیں رکھا ہے، لیکن اس کے باوجود دیار غربت میں ایک یکہ و تنہا، اجنبی، کمزور اور عاجز و درماندہ انسان اپنی پوری قوت کے ساتھ آخرت کی طرف متوجہ ہو چکا ہے، اُسے اختلاط، میل جول اور خط و کتابت سے روک دیا گیا ہے، اور اسے ایمان اور آخرت کی مناسبت سے آخرت کی راہ پر چلنے والے کچھ دوست میسّر آ گئے ہیں۔ وہ لوگوں سے اجنبی ہے اور لوگ اُسے اجنبی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ ایسا انسان اگر تمہاری اس خطرناک، نامراد اور بے پھل دنیا کے ساتھ اختلاط رکھے گا تو وہ دُگنے پاگل پن میں مبتلا پاگل ہوگا!

پانچواں نقطہ: پانچ چھوٹے چھوٹے مسائل کے اردگرد گھومتا ہے۔

پہلا مسئلہ: اہلِ دنیا مجھ سے کہتے ہیں: آپ اپنی ذات کو ہماری تہذیب کے آداب، ہمارے اسلوبِ حیات، ہماری بود و باش اور ہمارے لباس و پوشاک کے طور اطوار کے مطابق کیوں نہیں ڈھالتے؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ہمارے مخالف اور مدِ مقابل ہیں؟

تو میں کہتا ہوں: حضرات گرامی! آپ لوگوں کو مجھے اپنی تہذیب کے آداب کا پابند کرنے کا کیا حق ہے؟ جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ تم لوگوں نے بغیر حق کے مجھے پانچ سال سے ایک بستی میں رہائش رکھنے کے لیے مجبور کر رکھا ہے، مجھے خط و کتابت سے اور میل جول سے روک رکھا ہے۔ اپنے اس سلوک سے تو گویا کہ تم نے خود ہی مجھے تمدّنی حقوق سے محروم کر دیا ہے۔ پھر تم نے تمام جلاوطنوں کو آزاد کر دیا اور انہیں شہروں میں اپنے دوستوں رشتہ داروں کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی۔ اور پھر انہیں آزادی کے پروانے بھی دے دیے لیکن مجھے بغیر کسی وجہ کے ان چیزوں سے محروم کر دیا اور مجھے ایک دو کے علاوہ میرے کسی بھی ہم وطن سے ملنے سے روک دیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم لوگ مجھے اس قوم کا اور اس رعایا کا فرد ہی نہیں سمجھتے ہو، تو پھر مجھے اپنی تہذیب کے قوانین کے مطابق ڈھل جانے کا مکلّف کیوں کرتے ہو؟

پھر تم نے اس دنیا کو میرے لیے ایک جیل بنا کر رکھ دیا ہے؛ اور جیل کے قیدی کو تو اس طرح کے اُمور کا پابند نہیں کیا جاتا ہے!

پھر تم نے مجھ پر دنیا کا دروازہ بند کر دیا، تب میں نے آخرت کا دروازہ کھٹکھٹایا تو رحمتِ الٰہیہ نے کھول دیا۔ اب جو آدمی آخرت کے دروازے پر کھڑا ہوا اُسے دنیا کے ردّی آداب و اَسالیب کا مکلّف کیسے کیا جا سکتا ہے؟

اس لیے اگر تم لوگ مجھے آزاد کر دو، مجھے میرے شہر واپس بھیج دو اور مجھے میرے حقوق دے دو تو پھر مجھ سے اپنے ان آداب کی پابندی کرنے کا مطالبہ کر سکتے ہو۔

دوسرا مسئلہ: اہلِ دنیا کہتے ہیں: ہمارا ایک سرکاری محکمہ ہے جو ہمیں دین کے احکام اور اسلام کے حقائق کی تعلیم دیتا

ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ کس خصوصیت کی بنا پر دین کی نشر واشاعت کر رہے ہیں۔ اور آپ کے بارے میں جب جلاوطنی کا فیصلہ ہو چکا ہے تو پھر تو آپ کو ایسے معاملات کو ہاتھ میں لینے کا کوئی حق نہیں پہنچتا ہے؟

جواب: حق اور حقیقت محصور نہیں ہوتے تو پھر ایمان اور قرآن کو محصور کیسے کیا جا سکتا ہے؟ تم لوگ اپنی دنیا کے اسالیب وقوانین کو تو محصور کر سکتے ہو، لیکن قرآنی بنیادوں کو کسی سرکاری صورت شکل میں دنیاوی معاملات میں منحصر نہیں کیا جا سکتا جہاں عمل اُجرت پر کیا جاتا ہے، بلکہ یہ اسرار و فیوضات عطیۂ خداوندی ہیں، یہ صرف اس صورت میں ملتے ہیں جب نیت خالص ہو اور دنیا اور حظوظِ نفس سے ہاتھ اُٹھالیا گیا ہو!

پھر یہ بھی ہے کہ میں جب اپنے علاقے میں تھا تو اس سرکاری محکمے نے مجھے اوقاف کا خطیب مقرر کیا تھا اور میں نے یہ ملازمت قبول کر لی تھی لیکن تنخواہ نہیں لیتا تھا۔ میری تعیناتی کا وہ آرڈر میرے پاس محفوظ ہے، اور میں اس آرڈر کی بنا پر جہاں چاہوں امامت وخطابت کی ڈیوٹی ادا کر سکتا ہوں، کیونکہ میری جلاوطنی بالکل ناجائز اور سراسر ناانصافی پر مبنی ہے۔

پھر چونکہ تمام دیس بدر کیے گئے لوگوں کو اُن کے علاقوں میں واپس بھیج دیا گیا ہے، اس لیے میری پرانی دستاویزات کا حکم بدستور باقی ہے اور وہ کارآمد ہیں۔

ثانیا: میں نے جتنے بھی ایمانی حقائق لکھے ہیں ان میں مخاطب براہِ راست اپنے نفس کو ہی کیا ہے اور ہر ایک کو ان پر عمل پیرا ہونے کی دعوت نہیں دی ہے، بلکہ جن کی روحیں محتاج ہیں اور جن کے دل زخمی ہیں وہ ان قرآنی دواؤں کو خود ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ البتہ اس میں صرف ایک بات کو استثنا حاصل ہے، اور وہ یہ کہ میں نے جدید رسم الخط کے منظرِ عام پر آنے سے پہلے اپنی معیشت کا پہیہ رواں رکھنے کے لیے اپنے رسائل میں سے ''حشر'' نامی ایک رسالہ طبع کروایا تھا، میرے ساتھ پرخاش رکھنے والے سابقہ ظالم قسم کے گورنر کو اس کا پتا چلا تو اس نے اس کی جانچ پڑتال کروائی، لیکن جب اسے کوئی قابلِ اعتراض مواد نہ ملا تو درگزر کر گیا۔

تیسرا مسئلہ: اہلِ دنیا مجھے شک وشبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں، اس لیے میرے کچھ دوست بظاہر مجھ سے برأت و بیزاری کا اظہار کرتے ہیں بلکہ مجھ پر تنقید بھی کرتے ہیں: تاکہ اہلِ دنیا انہیں اچھا سمجھیں اور وہ ان کی آنکھ کا تارا بنے رہیں۔ حالانکہ دنیادار حیلہ گر اور سازشی لوگ ان کی مجھ سے برأت کا اظہار کرنے اور مجھ سے بچ کر رہنے والی اِس روش کو اپنے حق میں دوستی اور اخلاص نہیں سمجھتے، وہ ان لوگوں کو ریا کار اور بے ضمیر سمجھتے ہیں، اس لیے وہ انہیں اچھی نظر سے نہیں دیکھتے۔

اور میں کہتا ہوں، اے میرے اُخروی بھائیو!

میری قرآنی خدمت سے بیزاری کا اظہار کر کے دُور مت بھاگو؛ کیونکہ تمہیں میری طرف سے — ان شاءاللہ — کوئی گزند نہیں پہنچے گی۔ اور اگر کوئی مصیبت نازل ہو ہی گئی یا میرے ساتھ کوئی ظلم کا رویہ اختیار کیا گیا تو تم لوگ مجھ سے بیزاری کا اظہار کر کے بچ نہیں پاؤ گے، بلکہ اس صورت حال سے تو تم مصیبت اور تادیبی کارروائی کی لپیٹ میں اور زیادہ

آ جاؤ گے! پھر بتاؤ تو سہی کہ آخر ہوا کیا ہے جس کی وجہ سے تم لوگ شکوک وشبہات واوہام کا شکار ہو گئے ہو؟

چوتھا مسئلہ: اپنی اس جلا وطنی کے دنوں میں...... میں دیکھ رہا ہوں کہ بعض ریا کار لوگ جو سیاست کے کیچڑ میں گر چکے ہیں، میری طرف ایسے دیکھتے ہیں کہ جیسے میں ان کا رقیب اور مدِ مخالف ہوں، گویا کہ میرا بھی ان کی طرح دنیا کے ان سیاسی دھاروں کے ساتھ گہرا رشتہ ہے۔

پس اے عزیزانِ گرامی! میں ایمان کے دھارے میں ہوں اور میرے مدِ مقابل الحاد کا دھارا ہے، اس لیے میرا دیگر جھمیلوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے ان لوگوں میں سے جو اُجرت پر کام کرتا ہے ہوسکتا ہے وہ اپنے آپ کو کسی حد تک معذور سمجھتا ہو۔ لیکن بغیر اُجرت کے اور حمیت کے نام پر میرے مقابلے کی پوزیشن بنائے رکھنا، اور مجھے ایذا دیتے رہنا اور پریشان کرتے رہنا یقیناً بہت بڑی غلطی ہے، کیونکہ میرا دنیا کی سیاست کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہے جیسے کہ پہلے ثابت ہو چکا ہے۔ میں نے تو اپنے تمام اوقات قرآنی اور ایمانی حقائق میں منحصر اور اپنی تمام زندگی انہیں کے لیے وقف کر رکھی ہے۔

بات اگر یہی ہے تو پھر میرا جو بھی مخالف مجھے تکلیف دے اور میرا نقصان کر رہا ہے، اُسے سوچنا چاہیے کہ اس کی یہ روش الحاد وزندیقیت کے نام پر ایمان کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے۔

پانچواں مسئلہ: دنیا جب فانی ہے اور عمر چھوٹی سی ہے، ضروری ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں اور ابدی زندگی خود اسی دنیا میں ہی کمائی جا سکتی ہے، اور دنیا کا کوئی مالک ضرور ہے، دنیا کے اس مہمان خانے کا کوئی بہت کریم وحکیم مدبّر ہے، نیکی اور بدی کا بدلہ بہر کیف ملتا ہے، اللہ تعالیٰ کے فرمان گرامی: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ کی رُو سے تکلیفِ مالایُطاق کا وجود ہی نہیں ہے، نقصان نہ دینے والے راستے کو نقصان دہ راستے پر ترجیح دی جاتی ہے، اور احباب ومراتب صرف قبر کے دروازے تک ساتھ دیں گے؛ تو پھر سب سے زیادہ سعادت مند شخص وہ ہے جو دنیا کے لیے آخرت کو نہ بھلائے، دنیا کے لیے اپنی آخرت کو قربان نہ کرے اور دنیاوی زندگی کے لیے اپنی ابدی زندگی کو تباہ نہ کرے، اپنی عمر فضول اور بے کار چیزوں میں ضائع نہ کرے، خود کو ایک مہمان سمجھے اور اسی بنا پر صاحبِ خانہ کے اوامر کے مطابق عمل کرے، قبر کا دروازہ امن وسلامتی کے ساتھ کھول لے اور اس طرح ابدی سعادت میں داخل ہو جائے۔[1]

---

[1] میں انہی مذکورہ مقدمات کے پیشِ نظر ان مظالم وشدائد کی کوئی پروا نہیں کرتا اور نہ انہیں کوئی اہمیت دیتا ہوں جو میری شخصیت پر روا رکھے جاتے ہیں اور میں کہتا ہوں: یہ اس قابل ہی نہیں ہیں کہ انہیں اہمیت دی جائے۔ لہٰذا میں دنیا کے معاملات میں دخل نہیں دیتا۔ (مؤلف)

سولہویں مکتوب کی ذیلی بحث

بِاسْمِهٖ سُبْحَانَهٗ

﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾

دنیا کی اس متاعِ غرور کے دیوانوں کو یہ وہم ہو چکا ہے کہ اس دنیا میں میرے جیسا عاجز و درماندہ اجنبی آدمی ہزاروں آدمیوں کی قوت کا مالک ہے، اور اس وہم کے تحت وہ مجھے شدید ترین قید و بند میں جکڑے رکھتے ہیں، چنانچہ ان لوگوں نے مجھے بطور مثال ''بارلا'' کے کسی محلے میں بلکہ اس کے قریبی پہاڑوں میں بھی ایک آدھ رات گزارنے کی اجازت نہیں دی۔ اور اُنہیں یہ بات کہتے ہوئے تو آپ لوگ سُن ہی چکے ہیں کہ ''سعید پچاس ہزار آدمیوں کی طاقت رکھتا ہے، اس لیے ہم اسے آزاد نہیں چھوڑ سکتے۔''

اور میں کہتا ہوں:

اے دنیا کے بدبخت طلب گارو! تم اس دنیا کے کاموں میں تو اپنی تمام تر قوت صرف کر لیتے ہو لیکن اس کے معاملات کا علم حاصل کیوں نہیں کرتے ہو؟ اور یوں پاگلوں کی طرح فیصلے کیوں صادر کرتے ہو؟

اگر تم لوگ میری اس فانی شخصیت سے خوفزدہ ہو تو یہ ایک بے بنیاد خوف ہے جس کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ پچاس ہزار ہی ضروری نہیں بلکہ کوئی بھی انسان میرے کام سے پچاس مرتبہ دگنا کام کر سکتا ہے۔ اور کچھ نہیں تو کم اَز کم میرے کمرے کے دروازے پر کھڑا ہو کر یہ تو کہہ سکتا ہے کہ ''تجھے باہر آنے کی اجازت نہیں ہے۔'' اور معاملہ ختم ہو جائے گا!

لیکن اگر تم لوگ میرے پیشے سے یعنی دعوت الی القرآن سے اور میری ایمانی قوت کے ہتھیار سے خوفزدہ ہو تو پھر اچھی طرح جان لو کہ میں پچاس آدمیوں کی قوت کا مالک نہیں ہوں...... ہرگز نہیں...... تم لوگ اس بات میں سخت غلطی پر ہو۔

میں ایمان کے فضل سے اور اپنے پیشے کی رُو سے پچاس ملین آدمیوں کی طاقت رکھتا ہوں۔ میں تمام یورپ کو تمہارے تمام ملحدوں سمیت چیلنج دیتا ہوں۔ میں ان کے ان تمام محفوظ قلعوں میں گھس چکا ہوں جنھیں وہ طبعی یا سائنسی علوم کہتے ہیں، ہر ممنوعہ رکن کی اور کونے زاویے کی ڈھونڈ بھال کر چکا ہوں۔ اور ان کے تمام محفوظ ترین خفیہ خانوں کے پر دے چاک کر چکا ہوں۔

یہ سب کچھ ان بے پناہ ایمانی حقائق اور قرآنی دلائل و براہین کو نشر کرنے کے طفیل ممکن ہوا جن کی برکت سے میں

نے یورپ کے بڑے سے بڑے فلسفیوں کو چوپایوں سے بھی سو درجے نیچے درجے تک اُتار دیا۔ اب اگر تمہارے ان ملحدوں سمیت تمام کا تمام یورپ بھی اکٹھا ہو جائے تو میرے اس پیشے کے مسائل میں سے ایک مسئلے کے مقابلے میں بھی اللہ کی توفیق سے نہ تو ٹھہر سکیں گے اور نہ مجھے مغلوب کر سکیں گے۔

حاصلِ کلام یہ ہے: جس طرح میں تمہارے دنیاوی کاموں میں دخل اندازی نہیں کرتا، تمہیں بھی میرے اُخروی معاملات میں دخل اندازی کرنے کا حق نہیں پہنچتا ہے...... اور ایسا کریں بھی نہ! لیکن اگر تم لوگ عقل کے دشمن بن کر میرے معاملات میں دخل اندازی کرتے ہی رہے، تو پھر یقینی طور پر یاد رکھو کہ تمہیں اس سے کچھ بھی حاصل ہونے والا نہیں ہے اور تمہاری تمام تگ ودَو بیکار جانے والی ہے ؎

زورِ بازو سے کوئی تقدیر کو رَد کیا کرے
وہ شمع بجھتی نہیں روشن جسے خدا کرے

اہلِ دنیا کے میرے اردگرد گھومنے والے شکوک وشبہات بڑے خاص قسم کے ہیں، ایسے لگتا ہے کہ وہ میری طرف سے خوف زدہ سے رہتے ہیں؛ کیونکہ وہ میرے بارے میں ایسے ایسے اُمور خیال میں لاتے رہتے ہیں جن کا میرے ہاں وجود ہی نہیں ہے، اور اگر ان کا وجود ہو بھی تو وہ نہ تو سیاسی غلطی کا باعث ہیں اور نہ ہی ان کی وجہ سے مجھ پر کوئی سیاسی تہمت لگ سکتی ہے، جیسے مشیخت، عظمت، ریاست، خاندان، حسب ونسب، اثر ونفوذ، پیروکاروں کی کثرت، اہلِ وطن کے ساتھ میل ملاقات، سیاست میں دخل اندازی، حتی کہ حکومت مخالف سیاست وغیرہ...... چنانچہ وہ اس حد تک اَوہام کا شکار ہو گئے ہیں کہ اُنہوں نے جب جیل والے اور جیل کے باہر والے ملزموں کو معافی دینے کے بارے میں بات چیت کی تو مجھے ہر چیز سے محروم کر دیا، یعنی مجھے ان لوگوں میں شمار کیا جو ان کی نظر میں معاف کر دینے کے قابل نہیں تھے۔

ایک ناپائیدار و بدکردار قسم کے انسان کا پائیدار اور خوبصورت سا کلام ہے: ظلم اگر توپ، گولے اور قلعے کا مالک ہے تو حق کے پاس ایک ایسی مضبوط کلائی ہے جو مُڑتی نہیں اور ایسا چہرہ ہے جو پھرتا نہیں'' اور میں کہتا ہوں:

''اہلِ دنیا اگر حکومت اور قوت وشوکت کے مالک ہیں، تو قرآن کے خادم کے پاس قرآن کے فیضان کی برکت سے اس کا وہ علم ہے جو غلطی نہیں کھاتا، اس کا وہ کلام ہے جو خاموش نہیں ہوتا، اس کا وہ دل ہے جو دھوکا نہیں کھاتا اور اس کا وہ نور ہے جو بجھتا نہیں۔''

میری حفاظت پر مامور پولیس افسر سمیت بہت سے احباب نے مجھ سے بارہا دفعہ پوچھا: آپ حکومت سے آزادی کا پروانہ یا اجازت نامہ کیوں نہیں لیتے اور اس کے لیے درخواست کیوں نہیں دیتے؟

تو اس کا جواب یہ ہے: میں نہ اس کا مطالبہ کرتا ہوں اور نہ کر سکتا ہوں؛ اور اس کے پانچ چھ اسباب ہیں:

پہلا سبب: میں نے ان کی دنیا کے ساتھ اختلاط رکھا ہی نہیں ہے کہ تقدیرِ الٰہی کا محکوم ہوں؛ کیونکہ میری کمیوں

کوتاہیوں کے پیشِ نظر میرے متعلق جو بھی فیصلہ کیا ہے تقدیر نے کیا ہے، اس لیے میں مطالبہ بھی اُسی سے ہی کروں گا۔

دوسرا سبب: مجھے اس بات کا یقینی علم ہے اور اس پر میرا مکمل ایمان ہے کہ یہ دنیا ایک مہمان خانہ ہے جس میں تیزی کے ساتھ تبدیلی آتی جاتی ہے، اس لیے یہ حقیقی وطن نہیں ہے۔

اور اس میں تمام جگہیں برابر ہیں، لہٰذا اگر میں ہمیشہ اپنے وطن میں نہ رہا تو پھر اس کے پیچھے پیچھے عبث بھاگے پھرنا اور اس کی طرف دوبارہ لوٹ کر جانے کی کوشش میں لگے رہنا بالکل بے کار ہے۔ اور جب اس کی ہر جگہ مہمان سرائے کی حیثیت رکھتی ہے، تو اگر اس کے مالک کی رحمت دوست ہے تو پھر ہر چیز دوست ہے، اور ہر جگہ مفید ہے۔ لیکن اگر اس کی رحمت دوست نہیں تو پھر ہر جگہ دل پر بوجھ اور ہر انسان دشمن ہے۔

تیسرا سبب: حکومت سے کسی بات کا مطالبہ کرنا قانون کے دائرے میں ہوتا ہے، اور اِدھر صورتِ حال یہ ہے کہ میرے ساتھ جو سلوک روا رکھا جا رہا ہے وہ بالکل ہوا و ہوس کے مطابق اور ماورائے قانون ہے، میرے ساتھ ان چھ سالوں میں جلاوطن کیے گئے لوگوں والے قانون کے مطابق سلوک نہیں کیا گیا ہے۔ اور مجھے ہمیشہ ہی ایسے دیکھا گیا ہے جیسے تمام تمدّنی حقوق سے بلکہ تمام دنیاوی حقوق سے محروم انسان کو دیکھا جاتا ہے۔ اس لیے ان حالات میں اُن لوگوں سے قانون کے ذریعے مطالبہ کیسے کیا جا سکتا ہے جو میرے ساتھ یہ غیر قانونی سلوک کر رہے ہیں۔

چوتھا سبب: اس علاقے کے ڈائریکٹر نے اس سال حکومت سے میری طرف سے مطالبہ کیا کہ مجھے آب و ہوا کی تبدیلی کے لیے "بدرہ" نامی ایک بستی میں اقامت اختیار کرنے کی اجازت دے دی جائے جو کہ "بارلا" سے اس حد تک قریب ہے کہ اس کا ایک محلّہ ہی بن چکی ہے، لیکن حکومت نے اجازت نہ دی۔ تو اب یہ لوگ جنہوں نے اس طرح کی ایک معمولی سی ضرورت پوری کرنے سے بھی انکار کر دیا ہے، اُن سے مراجعت کیسے کی جا سکتی ہے۔ ایسے لوگوں سے مراجعت ایک بے فائدہ قسم کی لذلت اور توہینِ ذات ہے۔

پانچواں سبب: جو حق کے بارے میں یہ دعوے کرتا ہے کہ یہ باطل ہے ایسے آدمی کے سامنے حق کا دعویٰ کرنا اور حق کا مطالبہ کرنا ایک باطل کام اور حق کے لیے سوءِ ادب کا حکم رکھتا ہے، اور میں اس باطل کا اور حق کے سامنے اس سوءِ ادب کا ارتکاب نہیں کرنا چاہتا۔ والسلام۔

چھٹا سبب: اہلِ دنیا میرے حق میں جس سختی کا مظاہرہ کر رہے ہیں وہ اس لیے نہیں ہے کہ میں سیاست میں ملوث ہوں؛ کیونکہ وہ لوگ بھی یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں سیاست میں دلچسپی نہیں لیتا ہوں اور اس سے دُور بھاگتا ہوں، بلکہ وہ مجھے مبتلائے عذاب — شعوری یا لاشعوری طور پر — الحاد و زندیقیت کو خوش کرنے کے لیے کرتے ہیں، صرف اس بنا پر کہ میں نے دین کا دامن مضبوطی سے پکڑا ہوا ہے۔ اس لیے اس صورتِ حال میں ان سے کوئی مطالبہ کرنا یا انہیں درخواست دینا دینی جذبے پر ندامت کا اظہار کرنے اور زندیقیت کے مسلک کو اچھا سمجھنے کے مترادف ہوگا!

پھر یہ بھی ہے کہ میں جب بھی ان کی طرف رجوع کرتا ہوں اور ان سے کوئی مطالبہ کرتا ہوں یا اُن سے کوئی التجا کرتا ہوں تو عدل پرور تقدیرِ الٰہی مجھے ان کے ظالم ہاتھوں کے ذریعے سزا دے دیتی ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تو مجھ پر دین پر مضبوطی سے قائم رہنے کی وجہ سے سختیاں کرتے ہیں، اور تقدیر مجھ پر دین اور اخلاص کے بارے میں کمی کرنے کی وجہ سے اور بسا اوقات اہلِ دنیا کی خاطر ریا کاری سے کام لینے کی وجہ سے سختی کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سرِ دست میرے لیے اس سختی سے نجات پانا بہت مشکل ہے! چنانچہ اگر میں اہلِ دنیا سے مراجعت کروں گا تو تقدیر کہے گی کہ اے ریا کار! اِس مراجعت کا مزا چکھ! اور اگر میں ان سے مراجعت نہ کروں تو وہ کہیں گے کہ تو ہمارے ساتھ جان پہچان نہیں رکھتا اور ہماری بات نہیں مانتا ہے نا، اس لیے اب سختیوں کا سامنا کرتا رہ!

ساتواں سبب: یہ بات سب جانتے ہیں کہ ایک سرکاری آفیسر کی ڈیوٹی یہ ہے کہ وہ سماج دشمن لوگوں کا ہاتھ روکے اور ان کی لگام ڈھیلی نہ ہونے دے، اور معاشرے کے لیے سُود مند عناصر کے ساتھ تعاون کرے۔ اور اِدھر صورتِ حال یہ بنی ہے کہ سرکاری افسر جو میری نگرانی پر مامور ہے، میرے پاس اس وقت آیا جب کہ میں ایک قبر کے کنارے پہنچے ہوئے بوڑھے مہمان کے لیے کلمہ طیبہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کے ایمانی ذوق وشوق کی وضاحت کر رہا تھا، اور وہ عین اُسی وقت ایسے انداز سے آیا کہ جیسے مجھے کسی جرم میں رنگے ہاتھوں گرفتار کرنا چاہتا ہو! حالانکہ ایک عرصہ گزر گیا ہے کہ اُس نے ادھر کا کبھی چکر نہیں لگایا۔ اس نے مجھے ایسا محسوس کروایا کہ جیسے میں کسی بہت بڑے جرم کا ارتکاب کر رہا ہوں۔ چنانچہ اپنے اس انداز سے اُس نے اس بوڑھے مسکین کو محروم کر دیا جو میری باتیں بڑے اخلاص سے سن رہا تھا اور میرا غضب بڑھکا دیا۔ اور دوسری طرف یہاں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن کی اُس افسر کو کوئی پرواہ نہیں تھی، وہ لوگ جب بیہودگیوں کا ارتکاب کرنے لگے اور بستی کی معاشرتی زندگی میں زہر گھولنے لگے تو وہ ان کی حوصلہ افزائی کرنے لگ گیا اور انہیں اپنی نظرِ عنایت سے دیکھنے لگا:

اسی طرح یہ بات بھی سب لوگ جانتے ہیں کہ جو آدمی جیل میں ہو وہ اگرچہ ایک سو جرائم کا ارتکاب کیوں نہ کر چکا ہو، وہ اپنی نگرانی پر مامور ملازم —— وہ افسر ہو یا عام سپاہی —— کے ساتھ کسی بھی وقت بات چیت کرنے کا حق رکھتا ہے اور ملازم کا بھی حق ہے کہ ہر وقت ملزم کے ساتھ رہے، لیکن ادھر صورتِ حال یہ ہے کہ قومی حکومت کے دو معتبر قسم کے ملازم جو میری نگرانی پر مامور ہیں کئی دفعہ میرے کمرے کے پاس سے گزرے لیکن ایک سال ہونے کو ہے، وہ قطعاً نہ تو کبھی میرے پاس آئے ہیں، اور نہ ہی انہوں نے کبھی میرا حال پوچھا ہے۔ شروع شروع میں تو میرا خیال یہ تھا کہ وہ دشمنی کی وجہ سے میرے قریب نہیں پھٹکتے ہیں، لیکن پھر یہ کُھلا کہ وہ اپنے شکوک واوہام کی وجہ سے مجھ سے دور بھاگتے ہیں کہ گویا اگر وہ میرے قریب ہوئے تو میں انہیں نگل جاؤں گا۔

اس بنا پر یہ بات عقل مندی کی نہیں ہوگی کہ انسان ایسی حکومت کا اعتراف کرلے اور اس سے مراجعت کرے جس کے ڈیوٹی پر مامور ملازم ان لوگوں جیسے ہوں جن کے ساتھ میرا پالا پڑا ہوا ہے۔

اگر ''قدیم سعید'' موجود ہوتا تو عنترہ کی طرح کہتا:

مَاءُ الْحَيَاةِ بِذِلَّةٍ كَجَهَنَّمَ ‏ ‏ ‏ وَجَهَنَّمُ بِالْعِزِّ فَخْرُ مَنْزِلِیْ

لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ''قدیم سعید'' اب نہیں ہے۔ رہا ''جدید سعید'' تو وہ اہلِ دنیا کے ساتھ بات کرنا بالکل بے معنی سمجھتا ہے اور یہ کہہ کر خاموش ہو جاتا ہے:

''تباہ ہو جائے اِن کی یہ دنیا! یہ جو بھی فیصلے کر رہے ہیں کر لیں۔ ہم عنقریب ان کا مقدمہ عدالتِ عظمیٰ میں لے کر جائیں گے۔''

میرا عدمِ مراجعت کا آٹھواں سبب: میں جن نااہل دنیاداروں کی نااہلی کے بارے میں جانتے بوجھتے ہوئے اُن کی طرف جھک جاتا ہوں، عدل پرور تقدیرِ الٰہی مجھے انہی کے ہاتھوں سے سزا دیتی ہے، اور تقدیرِ الٰہی مجھے ان کے ظالم ہاتھوں کے ذریعے یہ سزا اس قاعدے کے تحت دیتی ہے:

''ناجائز محبت کا نتیجہ ظالم دشمنی ہے۔''

اور میں یہ کہہ کر خاموش ہو جاتا ہوں کہ میں اس سزا کا مستحق ہوں، اور چپ ہوں۔ میرے اس طرح خاموش ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ میں نے پہلی جنگِ عظیم میں ایک رضا کار دستے کی کمانڈ کرتے ہوئے دو سال تک جنگ کی اور کمانڈر انچیف ''انور پاشا'' کی کمانڈ میں اپنے قیمتی دوستوں اور طالب علموں کی قربانی دی۔ اس جنگ میں میں زخمی ہوا اور دشمنوں کے ہاتھ لگ کر قید ہو گیا۔ قید سے واپس آیا تو اپنی ''خطواتِ ستہ'' جیسی اُن کتابوں کی وجہ سے خود کو ہلاکت میں ڈال بیٹھا، جن کے ذریعے میں نے انگریزوں کو عین اس وقت للکارا جب انہوں نے استنبول پر قبضہ کیا تھا، اور اس طرح میں نے ان لوگوں کی مدد کی تھی جنہوں نے اب بغیر کسی وجہ کے مجھے قید بامشقت سے دو چار کیا ہے یعنی میرے یہ نادان دوست میرے اُس تعاون کی سزا مجھے اِس صورت میں دے رہے ہیں!

میرے ان دوستوں نے مجھ پر صرف تین مہینوں میں اتنی سختی اور اتنی مشقت کی ہے کہ روس میں اتنی تین سال میں بھی نہیں ہوئی تھی!

پھر روس کی نظر میں میں ایک غدار آدمی تھا جس نے ''کردوں'' کے رضا کارانہ دستوں کی قیادت کر کے بہت سے قازقیوں اور قیدیوں کو ذبح کر ڈالا تھا۔ لیکن اس کے باوجود ان لوگوں نے مجھے درس و تدریس سے منع نہیں کیا، چنانچہ میں اپنے دوستوں میں سے نوے قیدی افسروں کے ہمراہ اپنے اکثر شاگردوں کو درس دیا کرتا تھا، اور روس نے مجھے اس سے روکا نہیں تھا۔ ایک دفعہ میں جب درس دے رہا تھا، روسی کمانڈر کا ادھر سے گزر ہوا اور اُس نے میرے اس درس کو کوئی سیاسی پروپیگنڈا سمجھ لیا، کیونکہ وہ ترکی زبان نہیں جانتا تھا۔ چنانچہ اس نے مجھے ایک دفعہ تو منع کر دیا لیکن پھر اجازت دے دی۔ اسی طرح ہم نے اسی چھاؤنی میں ایک کمرے کو مسجد بنا لیا تھا اور وہاں یہ لوگ میری امامت میں باجماعت نماز پڑھا

کرتے تھے۔ روسیوں نے میرے اس کام میں بھی مداخلت نہ کی، مجھے میل جول سے بھی منع نہ کیا اور خط وکتابت سے بھی نہ روکا۔

جبکہ یہ لوگ جن کے بارے میں یہ فرض کیا جاتا ہے یہ میرے دینی اور وطنی بھائی ہیں، یہ لوگ بغیر وجہ کے مجھے درس دینے سے منع کر رہے ہیں، حالانکہ میں انہیں ایمان کے رنگ میں رنگنا چاہتا ہوں، اور وہ یہ بات جانتے ہیں کہ میں دنیا اور سیاست سے تعلقات منقطع کر چکا ہوں۔ اور یہ لوگ جنھیں میں ایمان کے رنگ میں رنگنا چاہتا ہوں، انہوں نے مجھے تین نہیں بلکہ چھ سال سخت ترین قید میں رکھا ہے؛ کیونکہ اس دوران انہوں نے مجھے لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے سے روک دیا اور مجھے درس سے بھی روک دیا حالانکہ میرے پاس اس کا اجازت نامہ بھی موجود تھا، حتیٰ کہ مجھے اس خاص درس سے بھی روک دیا جو میں اپنے کمرے میں دیا کرتا تھا۔ اور خط وکتابت کے راستے بھی بند کر دیے۔ اور سند واجازت نامہ ہونے کے باوجود مجھے میری اس مسجد سے بھی روک دیا جو میں نے خود تعمیر کی تھی اور جس میں میں نے چار سال امامت کرائی تھی، اور اس طرح مجھے جماعت کے ثواب سے محروم کر دیا۔ بلکہ مجھے اپنے تین خصوصی اُخروی بھائیوں کی جماعت کرانے سے بھی روک دیا جن کی جماعت میں ہمیشہ کرایا کرتا تھا: اور اس پر مزید یہ کہ اگر کوئی آدمی میرے نہ چاہنے کے باوجود میرے بارے میں کوئی کلمۂ خیر کہہ دیتا تو میری نگرانی پر مامور ملازم غضبناک ہو جاتا اور حسد سے جل بھن جاتا اور یہ کہتا ہوا بے سروپا قسم کے دلائل مہیا کرنا شروع کر دیتا ہے کہ: میں اس کا اثر ونفوذ توڑنا چاہتا ہوں۔ اور اُولی الامر کی توجہ حاصل کرنے کے لیے مجھ پر مزید سختیاں کرتا ہے اور مجھے تنگ کرتا ہے۔ اب جس کی یہ حالت ہو وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کس طرف رجوع کرے؟ اور جب خود حاکم ہی مدّعی ہو تو اس کے پاس شکایت لے کر نہیں جایا جاتا۔ اب میں معاملہ آپ پر چھوڑتا ہوں، آپ ان حالات میں جو چاہیں کہہ سکتے ہیں۔

لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ میرے ان دوستوں کے درمیان بہت سے منافق موجود ہیں، اور منافق چونکہ کافر سے زیادہ سخت ہوتا ہے، اس لیے یہ لوگ مجھے وہ سزائیں دے رہے ہیں جو ''روس'' کے کفار نے بھی نہیں دیں!

ارے بدبختو! میں نے تمہارے ساتھ کیا کیا ہے اور کر بھی کیا سکوں گا! میں تو یہ خدمت تمہارے ایمان کو بچانے اور تمہاری آخرت کی سعادت مندی کے لیے سرانجام دے رہا ہوں۔ لیکن نتیجہ چونکہ خلاف اُمید برآمد ہو رہا ہے اس لیے لگتا ہے کہ میری یہ خدمت خالص لوجہِ اللہ نہیں ہے جس کی بنا پر تم لوگوں کو جب بھی فرصت ملتی ہے مجھے اس کے بدلے میں سزا دیتے ہو۔ پس اب بلاشبہ ہم اپنا مقدمہ عدالتِ عظمیٰ میں لے کر جائیں گے......

اور میں کہتا ہوں: ﴿حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾

الباقی ھو الباقی

سعید نورسی

چوتھا حصہ

قسطمونو

قسطمونو میں گزری ہوئی زندگی

بدیع الزمان سعید نورسی ''اَسکی شہر'' کی جیل سے نکلے تو انہیں ''قسطمونو'' میں جلاوطن کر دیا گیا جہاں وہ ایک تھانے میں ایک لمبے عرصے تک حراست میں رہے، پھر اسی تھانے کے بالمقابل ایک عمارت میں دائمی جبری اقامت کے تحت رکھا گیا۔



استاد بدیع الزمان کی وہ تصویر جو اس وقت لی گئی جب وہ پہلے پہل ''بارلا'' میں تشریف لائے۔

باوجود اس کے کہ اُنہیں وہاں جلاوطنی کی حالت میں سخت گیر ظلم و تشدد اور سخت ترین نگرانی کے تحت آٹھ سال گزارنے پر مجبور کیا گیا تھا، لیکن وہ دست بستہ نہ رہے بلکہ خفیہ طریقے سے قرآنی انوار کی نشر و اشاعت میں مصروف رہے، چنانچہ اس کے نتیجے میں وہاں، اور خاص کر ''اینہ بولو'' کے علاقے میں فدا کاری و جاں نثاری کے جذبات سے سرشار ایسے طلبہ پروان چڑھے جنہوں نے ''اسپارٹا'' کے طالب علموں کی طرح پوری سرگرمی کے ساتھ اطراف و اکناف میں خفیہ طریقے سے رسائل نور کو لکھنے کا اور ان کی نشر و اشاعت کا کام شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ یہ رسائل بحرِ اسود کے علاقے میں فروغ پانا اور لوگوں کی توجہات کا مرکز بننا شروع ہو گئے۔

اور باوجود اس کے کہ استاد ''قسطمونو'' میں ایک لمبے عرصے تک جلاوطن رہے، وہ ''اسپارٹا'' کے شاگردوں سے بے تعلق نہ رہے؛ چنانچہ وہ الہام ربّانی کے ذریعے یہ بات جانتے تھے کہ یہ شہر عنقریب نشر واشاعت کا بیڑا اُٹھانے والے ایسے فدا کار و جان سپار لوگ برآمد کرنے والا ہے جو اطرافِ عالم میں رسائل نور کے اعلان واظہار کی ذمہ داری اُٹھالیں گے؛ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ یہ مہم عنقریب ''اسپارٹا'' کے مرکز میں قائم ہونے والی خدمت کے ذریعے سرانجام پائے گی۔

طلابِ رسائلِ نور اپنے محبوب و مشفق استاد کے احوال کا بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے۔ آپ کی راحت کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، آپ کے بارے میں اور رسائل نور کی ان خدمات کے ساتھ تعلق رکھنے والی خبروں کو بڑے شوق سے سنتے پڑھتے تھے جو اُن کے نوری بھائی سرانجام دے رہے تھے۔

ان ستائیس سالوں کے دوران بدیع الزمان اور طلابِ نور کے درمیان بہت سی خط وکتابت ہوئی، چنانچہ آپ طلابِ نور کو ایمانی خدمات سے متعلق بہت سے خط لکھتے تھے جو عام طور پر علمی، ایمانی اور اسلامی موضوعات پر مشتمل ہوتے، طلابِ نور یہ خطوط بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے اور اپنے ہاتھوں سے لکھ کر ان کی نشر واشاعت کرتے۔

لیکن دین کے دُشمنوں کی ظالمانہ کاروائیاں جب اس حد تک شدّت اختیار کر گئیں کہ رسائلِ نور اور اُستاد کے خطوط کو ڈاک کے ذریعے بھی کہیں بھیجنے پر پابندی عاید کر دی گئی، تو طلّابِ نور نے ان رسائل و مراسلات کو شہروں، دیہاتوں اور صوبوں کے درمیان نقل کرنے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی، اور یہ ذمہ داری انہوں نے اس حد تک نبھائی کہ اپنے درمیان ''نور کے ڈاکیے'' پیدا کر لیے جنہوں نے یہ ذمہ داری اپنے دلوں اور روحوں کی گہرائیوں سے رضا کارانہ طریقے سے نبھائی، اور ان کا اس بات پر پختہ ایمان ہو گیا کہ یہ خدمت ان کا مقدّس ترین وظیفہ ہے۔

آخری درجے کے حقائق پر مشتمل اور خاصی اہمیت کے حامل خوبصورت مراسلات نے جو کہ ''ملحقاتِ رسائل نور'' کے نام سے موسوم ہیں، طلابِ نور کی بہت سی روحانی حاجات وضروریات کو پورا کر دیا ہے اور ایمان وقرآن کی خدمت کے باب میں ان کے لیے ایک مرشد اور رہنما کا کام دیا ہے، اور دشمنانِ اسلام کی طرف سے پھیلائے جانے والے اور من گھڑت حملوں سے محفوظ رہنے کے لیے اُن کے ہاں بیداری اور ادراک پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

اس گھور تاریک دور میں ایک ایسی پُرفریب اور ظاہری چکا چوند والی حکومت مسلّط ہو گئی تھی جو دین کے ساتھ برسرِ پیکار تھی؛ اس کی وجہ سے بہت سے لوگ مایوسیوں کا شکار ہو گئے تھے، تب ان رسائل ومکاتبات نے آ کر دلوں میں سرور وانشراح کی رُوح پھونک دی، ان میں ایمان کی خدمت کی راہ میں کام کرنے کے لیے سنجیدہ عمل کا عشق پیدا کر دیا، اہلِ ایمان کو مایوسیوں سے نکالا، اور انہیں مستقبل میں رسائلِ نور کے ذریعے اسلام کے حق میں ہونے والی اُن فتوحات کی خوشخبریاں دیں جن کا نظارہ مستقبل عنقریب کرنے ہی والا تھا۔

جی ہاں، یہ خطوط و رسائل جو ''ملحقات'' میں شامل ہیں ایسے حقائق سے بھرپور ہیں جو روحوں کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں، دلوں کو انشراح بخشتے ہیں اور عقلوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اُن میں سے بعض رسائل ہم آئندہ صفحات میں درج کریں گے، اور جو رسائل انہوں نے ''قسطمونو'' میں لکھے تھے ان رسائل سے کچھ اقتباسات کے ذریعے وہ معلومات نقل کریں گے جو اُن کی ''قسطمونو'' میں گزاری ہوئی زندگی کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ اسی طرح ہم بعض مخلص وفادار طلّابِ نُور کے کچھ خطوط بھی درج کریں گے۔

آنے والے یہ خطوط تقریباً تیس عدد ہیں، یہ وہ خطوط ہیں جو اُستاد نے ''قسطمونو'' سے اپنے ''اسپارٹا'' میں رہنے والے شاگردوں کو لکھے تھے، یہ خطوط ہم نے ''ملحق قسطمونو'' سے لیے ہیں جو پانچ سو سے زائد صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں، ان میں استاد نے اپنے شاگردوں کے لیے رسائلِ نور کو اپنے ہاتھ سے لکھ کر ان کی نشر و اشاعت کی اہمیت اُجاگر کی ہے۔ اُن میں رسائل نور کی خدمت اور ان کی تبلیغ کی اساسیں محکم کی ہیں اور قواعد و ضوابط کی بنیادیں رکھی ہیں۔ ان میں اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ طلّابِ نور کی وہ خدمات جو آج معمولی سی لگتی ہیں، درحقیقت دنیا کا عظیم ترین کام ہیں۔ اور انہیں اس بات کی خوشخبری دیتے ہیں کہ یہ علاقہ رسائلِ نور کی برکت سے وسیع پیمانے کی معنوی فتوحات کا مشاہدہ کرے گا۔

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے عزیز القدر وفادار بھائیو!

جس طرح رسائلِ نور کی خدمت کرنے والے اکثر شاگردوں کو ایک طرح کی کرامت اور اکرام الٰہی کا احساس ہوتا ہے، اسی طرح تمہارے اس عاجز بھائی کو بھی اپنی شدید ضرورت کے پیشِ نظر انواع و اقسام کی ان بہت سی کرامتوں کا احساس ہوتا ہے۔

ہمارے اردگرد ان دنوں جو رسائلِ نور کے شاگرد ہیں، وہ اللہ کی قسمیں کھا کر اس بات کا اعتراف کرتے ہیں: ''ہم نے جب بھی رسائلِ نور کی خدمت کے لیے کام کیا زندگی میں وسعت و فراوانی اور دل میں انشراح اور ایسی خوشی پائی جو سب کو واضح طور پر نظر آئی۔

میں بھی کچھ اسی طرح کی کیفیت محسوس کرتا ہوں، حتیٰ کہ میرا نفس اور میرا شیطان اس بداہت کے سامنے بالکل ساکت ہو گئے ہیں۔''

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے اُخروی بھائیوں کے لیے ایک اہم تنبیہ

یہ دو نقطوں پر مشتمل ہے:

پہلا نقطہ: رسائلِ نور کے ساتھ نسبت رکھنے والے کا اہم ترین وظیفہ ان رسائل کو لکھنا، انہیں لکھوانا اور ان کی نشر و اشاعت پر ایک دوسرے کی مدد کرنا ہے، پس جو شخص انہیں لکھتا ہے، لکھواتا ہے اور پڑھتا ہے وہ ''طالبِ رسائلِ نور'' کا عنوان حاصل کر لیتا ہے، اور وہ میری معنوی غنیمتوں میں اور میری ان دُعاہائے خیر میں حصے دار بنے گا جو میں ہر روز سو یا سو سے زائد بار کرتا ہوں، اِسی طرح وہ ان ہزاروں معزز بھائیوں کی اور طلّابِ رسائلِ نور کی دعاؤں سے اور اُن کی غنیمتوں سے بھی حصہ پائے گا جو میری طرح دعاؤں میں مشغول رہتے ہیں۔

پھر مزید یہ بھی ہے کہ رسائلِ نور کی کتابت سے بہت زیادہ فوائد حاصل ہو سکتے ہیں؛ کیونکہ اس کی کتابت چار پہلوؤں سے چار قسم کی مقبول عبادات پر مشتمل ہے: چنانچہ یہ کاتب کے ایمان کو مضبوط کرتی ہے اور دوسروں کے ایمان کو خطرات سے بچانے کے لیے ان کی حصہ دار بنتی ہے، اور وہ تفکّرِ ایمانی حاصل کرتی اور کرواتی ہے جو ایک سال کی عبادت کے برابر ہے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔[1] اور اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ اپنے اس استاد کی مساعدت کرتا ہے جو کڑے حالات سے گزر رہا ہے اور جس کا خط بھی اچھا نہیں ہے، اور یوں وہ اس کی حسنات میں شریک ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے فوائد ہیں۔

میں یہ بات قسم کھا کر پوری تاکید کے ساتھ کہتا ہوں کہ جو شخص کوئی چھوٹا سا رسالہ بھی نقل کرتا ہے اور اس کے مضمون کا خود کو مخاطب سمجھتا ہے، وہ ایسے ہی ہے جیسے مجھے کوئی بہت بڑا ہدیہ پیش کر رہا ہے، بلکہ وہ اُس کے ہر صفحے کے اندر سے مجھے فرحت و سرور سے آشنا کرتا ہے، بالکل ایسے ہی جیسے کہ اگر مجھے ایک اُوقیہ چینی کا تحفہ دے دیا جائے۔[2]

دوسرا نقطہ: رسائلِ نور کے جنوں اور انسانوں میں سے دشمن — اور یہ وہ دشمن ہیں جو بے ایمان و بے امان ہیں — جب اس کے فولاد جیسے مضبوط قلعوں کا، یا اُس کی الماسی تلواروں جیسی دلیلوں کا دُو بدو مقابلہ کرنے سے عاجز آ گئے تو

---

[1] امام عجلونی نے کشف الخفائ، 319/2، حدیث نمبر 1004 کے تحت لکھا ہے: "تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ" وفی لفظ: "سِتِّيْنَ سَنَةٍ"، امام فاکہانی نے "تَفَكُّرُ" کے بجائے "فِكْرُ سَاعَةٍ" لکھا ہے عجلونی لکھتے ہیں: یہ حدیث نہیں بلکہ حضرت سرّی سقطیؒ کا قول ہے۔ اور ابن عباسؓ اور ابو درداءؓ سے یہ الفاظ وارد ہیں: "فِكْرَةُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةٍ"۔

[2] بیسویں صدی کی آخری تین دہائیوں میں ترکی اتنے شدید قسم کے قحط سے دوچار ہو گیا کہ غذائی مواد کی قیمتیں آسمان کو چھونے لگیں۔ اور چینی تو مہنگی ہونے کے ساتھ ساتھ مارکیٹ سے تقریباً غائب ہی ہو گئی تھی۔

اُنہوں نے ان کے کاتبوں پر شیطانی حملے کرنا شروع کر دیے اور لاشعوری طور پر خفیہ حیلوں وسیلوں سے انہیں چوٹیں لگانے لگے؛ تاکہ ان کی عزیمت کو کمزور کر دیں، ان کی کمر ہمت توڑ دیں اور انہیں رسائل کی کتابت سے باز رکھ سکیں، خاص کر اِس جگہ پر کہ جہاں حاجت شدید ہے کاتبین کم ہیں اور دشمن بیدار ہیں، لیکن بعض طلبہ چونکہ تابِ مقاومت نہیں رکھتے ہیں، اس لیے انہوں نے اِس علاقے کو کسی نہ کسی شکل میں انوار سے محروم کر دیا ہے۔

پس جو شخص مشربِ حقیقت میں مجھ سے ملاقات چاہتا ہے یا میرے ساتھ ہم نشینی چاہتا ہے، وہ کوئی سا بھی رسالہ کھول لے، اُس وقت وہ میرے ساتھ نہیں بلکہ اپنے خادم القرآن استاد کے ساتھ ملاقات کرے گا اور پورے ذوق و شوق سے ایمانی حقائق کے دروس سے نہال ہو جائے گا۔

''میرا صبر'' نامی رسالہ جب اپنے راستے میں چلتا ہوا میری طرف آ رہا تھا، اور میں اس کی معنوی تاثیر کی وجہ سے اُن آیات میں اور اس آیت: ﴿أَوَمَنْ كَانَ مَيْتاً فَأَحْيَيْنٰهُ﴾ میں، اور ان میں رسائلِ نور کی طرف پائے جانے والے مضبوط قرآنی اشارات اور طلابِ نور سے متعلقہ اہم قرآنی بشارات کے بارے میں غور کرنے لگا اور اس بارے میں سوچنے لگا کہ یہ رسائل اقطاب کی عنایت کا اس حد تک مظہر بن گئے ہیں کہ جو استحسان اور قدردانی کے مقدس جذبات انہیں نصیب ہوئے ہیں کسی تالیف کے حصے میں نہیں آئے: تو میرے دل میں اچانک یہ بات آئی کہ ان اشارات و بشارات وعنایات کے پیچھے جو حکمت اور جو راز پایا جاتا ہے وہ صرف مصیبت کی عظمت اور ہولنا کی ہے۔

جی ہاں، رسائل کی اہمیت اُن کی بلند پایہ عظمت میں پوشیدہ نہیں بلکہ ان کے اس جہاد میں ہے جو انہوں نے تخریب کاریوں اور ہولنا کیوں سے بھری ہوئی اُس مصیبت کا سامنا کرتے ہوئے کیا ہے جس کی مثال ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی ہے، اور یہ ہماری تھوڑی سی کوشش کے باوجود اتنی عظیم الشان اہمیت اختیار کر گئے ہیں کہ رسائلِ نور کے دائرے میں داخل ہونے والے لوگوں کے لیے یہ آیات اپنے دامن میں یہ قرآنی اشارے اور بشارت لیے ہوئے ہیں کہ یہ لوگ اپنے ایمان کو جو کہ خطرے کی زد میں ہے بچالیں گے اور اسے ساتھ لے کر قبر میں داخل ہوں گے تاکہ اس کی برکت سے جنت کی طرف روانہ ہو جائیں۔

جی ہاں، کبھی ایک عام سپاہی اپنی خدمات کی وجہ سے بریگیڈیر کے مرتبے سے بھی اوپر تک جا پہنچتا ہے اور ہزاروں مراتب ومناصب کی قیمت حاصل کر لیتا ہے۔

''انیسویں مقالے'' کے آخر میں قرآن کریم میں پائے جانے والے تکرار کی حکمتیں بیان کی گئی ہیں جو تمام رسائل نور میں اسی طرح چلتی ہیں، اور خاص کر اُن میں سے دوسری حکمت، چنانچہ یہ حکمت رسائل میں مکمل طور پر موجود ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان ہر آن قرآن کا محتاج ہے، لیکن ہر انسان کا تمام قرآن کو پڑھنا ہر آن پڑھنا ہر انسان کے مقدور میں نہیں، اس کے مقدور غالباً یہی ہے کہ وہ اس کی ایک آدھ سورت پڑھ لے، اس بنا پر زیادہ تر طویل سورتوں میں

قرآن کریم کے اہم مقاصد درج کر دیے گئے ہیں، اور اس طرح ہر سورت ایک چھوٹے سے قرآن کا رُوپ اختیار چکی ہے۔

اسی بنا پر حشر، توحید اور موسیٰؑ کے قصے جیسے بعض مقاصد تکرار سے بیان کیے گئے ہیں تا کہ کوئی ان سے محروم نہ رہے۔ اور پھر اِسی حکمت کے پیشِ نظر متعدد رسائل میں دقیق ایمانی حقائق اور ان کے قوی دلائل و براہین تکرار کے ساتھ بیان ہوئے ہیں، اور یہ چیز بسا اوقات میرے علم، میری رضا اور میرے اختیار کے بغیر ہی قلم بند ہو گئے ہیں، بسا اوقات تو میں اس معاملے میں حیران رہ جاتا تھا اور سوال کرتا تھا کہ مجھے یہ چیز بُھلا کیوں دی گئی ہے؟

پھر کچھ دیر کے بعد مجھے قطعی صورت میں معلوم ہوا کہ اس دور میں ہر شخص رسائل نور کا محتاج ہے، لیکن ان تمام رسائل کو حاصل کرنا ہر ایک کے مقدور میں نہیں ہے، اور اگر وہ حاصل کر بھی لے تو ان تمام کو پڑھنا اس کے بس کی بات نہیں، البتہ اس کے لیے کسی ایک آدھ چھوٹے سے جامع قسم کے رسالے کو حاصل کر لینا ممکن ہے جو رسائل نور کے ایک چھوٹے سے مجموعے کا حکم رکھتا ہے، اور یوں اُس کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ ان سے ایسے مسائل پڑھ لے جن کی اُسے بسا اوقات ضرورت رہتی ہے۔ پس جس طرح اُسے مثال کے طور پر ہر وقت بار بار غذا کی ضرورت ہے، اُسی طرح اُسے مطالعہ کی ضرورت بھی بار بار پڑتی ہے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

انسانی شفقت چونکہ رحمتِ ربانی کا ایک جلوہ ہے اس لیے اُسے اِس رحمت کے درجے سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے اور اُس ہستی کی شفقت کے مرتبے سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے جسے رحمۃٌ للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہے، اگر اُس سے متجاوز ہو جائے یا آگے بڑھ جائے تو وہ کسی بھی طرح رحمت یا شفقت نہیں بلکہ ایک روحانی مرض اور قلبی بیماری ہو گی جو گمراہی و الحاد کے راستے پر ڈال دے گی۔

مثال کے طور پر: انسان کی شفقت کا کفار و منافقین کو جہنم کی آگ میں جلانے اور جہاد جیسے معاملے میں تنگ دلی کا اظہار کرنا، اُسے ظلم سمجھنا اور اس کی تاویل کی طرف مائل ہونا، یقیناً صرف یہی نہیں کہ ایک ظلمِ عظیم اور آخری درجے کی سنگدلی ہے، بلکہ قرآن اور ادیانِ سماویہ کے ایک بہت بڑے حصے کا انکار اور اس کی تکذیب ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ وحشی درندے جو بے گناہ حیوانات کو چیرتے پھاڑتے ہیں، ان پر شفقت کرنا اور ترس کھانا ان مسکین حیوانات کے حق میں شدید قسم کی سنگدلی ہے، وحشی پن ہے اور بے ضمیری ہے۔

یہی صورتِ حال ان لوگوں کی ہے جو ہزاروں مسلمانوں کی ابدی زندگی کو برباد کر رہے ہیں اور سینکڑوں اہلِ ایمان کو خوفناک قسم کے گناہوں اور خطرناک انجام کی طرف دھکیل رہے ہیں؛ اس لیے ان لوگوں پر ترس کھا کر ان کے ساتھ شفقت اور باہمی لطف و کرم کا اظہار کرنا اور ان کے لیے عذاب سے نجات کی دعا کرنا ان مظلوم اہلِ ایمان کے حق میں

ایک بدترین قسم کا وحشی پن اور خوفناک قسم کی سنگدلی ہے۔ رسائلِ نور نے یہ بات قطعی طور پر ثابت کر دی ہے کہ کفر و ضلالت کائنات کی سب سے بڑی توہین، موجودات پر ظلمِ عظیم، رحمتوں کو بھگانے کا اور آفتوں کے نزول کا سبب ہے، اس حد تک کہ صحیح روایات میں آیا ہے کہ مچھلیاں سمندر کی تہ میں ظالموں کا شکوہ کرتی ہیں؛ کیونکہ ان ظالموں کی وجہ سے ان کی راحت چھن گئی ہے، اس بنا پر جو شخص آخرت میں کفار و منافقین کے مبتلائے عذاب ہونے پر دُکھ کرتا ہے اور ان پر شفقت کا اظہار کرتا ہے، اُسے حقیقت میں ان بے حد و حساب بے گناہ لوگوں کا دکھ نہیں ہوتا جو واقعتاً شفقت کے مستحق ہیں۔

☆ ☆ ☆

رسائل نور بلاشبہ اسلامی حقائق کے ساتھ تعلق رکھنے والی حاجات و ضروریات کو پورا کرتے ہیں، اور اس طرح دیگر مؤلفات کی ضرورت ہی باقی نہیں رہنے دیتے۔ چنانچہ بہت سے قطعی تجارب سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ رسائل نور میں ایمان کو بچانے، اُسے مضبوط کرنے اور اسے تحقیقی ایمان بنانے کا آسان ترین اور مختصر ترین راستہ موجود ہے، ایسا کیوں نہ ہو، رسائل نور یہ راستہ پندرہ سال کے بجائے پندرہ ہفتوں میں طے کر لیتے ہیں، اور یوں انسان کو تحقیقی ایمان تک پہنچا دیتے ہیں۔

تمہارا یہ فقیر بھائی بیس سال پہلے بہت زیادہ مطالعہ کرتا تھا، اس حد تک کہ بسا اوقات ایک ہی دن میں ایک مکمل جلد پوری طرح سمجھ کر پڑھ لیتا تھا۔ اور اب گزشتہ بیس سال سے میری حالت یہ ہے کہ مجھے قرآن پاک اور اس سے نکلے ہوئے رسائلِ نور ہی کفایت کر رہے ہیں، چنانچہ ان دونوں کے علاوہ نہ تو میں نے کوئی کتاب رکھی اور نہ ہی ان کے علاوہ مجھے کسی کتاب کی ضرورت پڑی۔

باوجود اس کے کہ رسائل نور بہت سے متنوع قسم کے حقائق پر مشتمل ہیں، بیس سال پہلے جب سے میں نے ان کی تالیف کا آغاز کیا ہے، مجھے کسی کتاب کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں پڑی ہے؛ اس لیے تم لوگوں کو اِس طرح کی ضرورت سے مجھ سے بھی بیس درجے بڑھ کر بے نیاز ہونا چاہیے۔

پھر میں جب تم لوگوں پر قناعت کر چکا ہوں اور کر رہا ہوں، اور تمہارے علاوہ نہ کسی کی طرف ملتفت ہوتا ہوں اور نہ کسی کے ساتھ سروکار رکھتا ہوں؛ تو پھر تم لوگوں کے لیے بھی رسائل نور پر قناعت کرنا لازم ہو جاتا ہے، بلکہ اس زمانے میں تو یہ چیز لازم ترین ہوگئی ہے۔

☆ ☆ ☆

پہلی بنیاد:[1] ''قدیم سعید'' نے اہلِ ایمان پر چھا جانے والی نا اُمیدی کا ردّ کرتے ہوئے مستقبل میں ایک نور کے

---

[1] استاد نورسی یہاں ان دو اہم ترین بنیادوں کے بارے میں بتا رہے ہیں جن پر ''قدیم سعید'' نے اپنی تالیفات میں اعتماد کیا ہے۔

ظہور کی خوشخبری دی تھی؛ چنانچہ اُس نے احساس قبل الوقوع سے یہ محسوس کرلیا تھا کہ مستقبل کے زہرہ گداز دور میں رسائل نور بہت سے اہلِ ایمان کے ایمان کو مضبوط کریں گے، اورانہوں اس دوربین کے ساتھ سیاست کے وہ میدان دیکھ لیے جو عہدِ حریّت نے اُبھار کر نمایاں کیے تھے، اور پھر جو کچھ محسوس کیا اُسے بغیر کسی تعبیر وتاویل منطبق کرنے کی کوشش میں لگ گئے، اور یہ سمجھ گئے تھے کہ معاملات اب سیاست، قوت اور کمیّت کے میدان میں چلیں گے، پس اُنہوں نے جو کچھ محسوس کیا وہ سچ سچ بتایا، صرف یہ ہوا کہ اس کی تعبیر ذرا زیادہ صحیح طریقے سے نہ کر سکے۔

دوسری بنیاد: ''قدیم سعید'' نے بعض سیاستدانوں اور نابغۂ روزگار ادیبوں کی طرح یہ محسوس کرلیا تھا کہ افق میں استبداد کے اندھیرے پھیل رہے ہیں، اس لیے اس کا مقابلہ کرنے کی تیاری کرو۔ یہ احساس قبل الوقوع اگرچہ تعبیر وتاویل کی محتاج تھی، لیکن بہرکیف انہیں اپنے سامنے ایک ظاہری شکل وصورت کا اور صرف نام کا کمزور سا استبداد نظر آیا تب وہ اس پر اندھا دھند حملے کرنے لگے، حالانکہ صورت حال یہ تھی کہ اصلی استبداد جس نے انہیں پریشان اور مبتلائے خوف کر رکھا تھا اس کے بعد آنے والا تھا، یہ سرکاری استبداد تو اس کی ایک ڈھلتی ہوئی پرچھائی تھی، چنانچہ ان لوگوں نے اُسے اصلی سمجھ کر اس پر دھاوا بول دیا۔ پس مقصد صحیح تھا لیکن نشانہ غلط تھا۔

یوں ''قدیم سعید'' کو اس موجودہ استبداد کا احساس بہت پہلے ہوگیا تھا، اس کی بعض تالیفات میں ایسا مواد ملتا ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ اس نے اس پر حملے بھی کیے ہیں۔ وہ سمجھتا تھا کہ شرعی مشروطیت میں اس بدہیئت خوفناک استبداد سے نجات کا وسیلہ موجود ہے، اور وہ اس اُمید پر تگ ودو بھی کرتا رہتا تھا کہ شرعی آزادی احکامِ قرآن کے دائرے میں رہ کر اس خوفناک مصیبت کو بہرصورت دفع کردے گی۔

''پھر مدرسۃ الزہرا'' کی وہ حقیقت جو ''رسالۃ المناظرات'' کے آخر میں وارد ہے، اور جو اس رسالے کی اساس اور اس کی روحِ رواں سمجھی جاتی ہے، رسائلِ نور کے اُس مدرسے کے لیے زمین ہموار کرنے کے مترادف تھی جو کہ مستقبل میں ظہور میں آنے والا تھا، اور سعید کو اس کی طرف اس کے علم اور اختیار کے بغیر کھینچ کھینچ کرلے جایا جا رہا تھا۔

احساس قبل الوقوع کی روشنی میں وہ اس نورانی حقیقت کو اس کی مادی شکل وصورت میں تلاش کرتا پھر رہا تھا، چنانچہ اس کے بعد وہ اس وقت ظہور میں آنا شروع ہوگئی جب سلطان رشادؒ نے ''وان'' میں مدرسۃ الزہراء کی تعمیر کے لیے مبلغ انیس ہزار سنہری لیرے دیے تھے اور اُس کی بنیاد کی اینٹ بھی رکھ دی گئی تھی، لیکن پھر پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی اور یہ منصوبہ مکمل نہ ہوسکا۔

پھر میں چھ سال کے بعد ''انقرہ'' گیا اور اس حقیقت کو بروئے کار لانے کے دوبارہ کوشش کی تب دو سو میں سے ایک سو تریسٹھ ارکانِ اسمبلی نے اس مدرسے کی تعمیر کے لیے ڈیڑھ لاکھ لیرا مختص کرنے پر موافقت کی اور سب نے اس قرارداد پر دستخط بھی کردیے، لیکن صد افسوس کہ مدارس بند کردیے گئے اور یہ حقیقت پایۂ تکمیل تک پہنچنے کے بجائے ایک دفعہ پھر

تاخیر کا شکار ہوگئی۔لیکن اس بات پر اللہ تعالیٰ کی بے پایاں حمد وسپاس کہ ''اسپارٹا'' کے صوبے میں اس مدرسے کی معنوی حقیقت کی بنیاد پڑ گئی اور اس نے رسائلِ نور ہوَیدا کر دیے۔اور اِن شاءاللہ شاگردانِ رسائل نور مستقبل میں اس علمی حقیقت کی مادی شکل کی بنیاد رکھنے کی توفیق سے نواز دیے جائیں گے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

فیضی بھائی!

آپ اگر ''اسپارٹا'' کے سپوتوں جیسا ہونا چاہتے ہیں تو پھر تمہیں اَز سرتا پا ان جیسا ہونا پڑے گا۔

جیل میں ہمارے ساتھ ایک بڑے مشہور اور جاذبِ نظر نقشبندی بزرگ پیرومرشد تھے،وہ چار مہینے تک تقریباً ساٹھ کے قریب طلّابِ نور کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے رہے اور انہیں طریقت میں پرونے کے لیے بڑی پرکشش باتیں کیں اور کوششیں کیں،لیکن وہ صرف ایک آدمی کو اپنے ساتھ ملا سکے،اور وہ بھی عارضی طور پر۔باقی ان سے مستغنی رہے،حالانکہ وہ اللہ کے نیک ولی تھے۔یہ لوگ ان کی طرف مائل اس لیے نہ ہوئے کہ وہ اس ایمانی خدمت کو کافی سمجھتے تھے جو رسائل نور پیش کر رہے ہیں اور وہ اس پر مطمئن تھے۔یہ سپوت اپنے روشن دلوں اور بصیرتِ نافذہ کے ساتھ یہ حقیقت سمجھ گئے تھے کہ:

وہ بیش قیمت اور بلند ترین ایمانی خدمت جو طلّابِ نور ''اسپارٹا'' میں سرانجام دے رہے ہیں،انہیں یہ اطمینان بخش رہی ہے کہ یہ خدمت ہی ان کے لیے کافی ہے،ان کے دلوں کی تیز نگاہوں نے ایک حقیقت کا ادراک کر لیا تھا جس کا ماحصل یہ ہے کہ رسائلِ نور کی خدمت ایمان کو بچانے کا نام ہے،اور طریقت ومشیخت انسان کو ولایت کے مراتب کا اہل بناتی ہے۔اور ایک آدمی کے ایمان کو بچالینا دس اہلِ ایمان کو ولایت کے درجے تک اُٹھا دینے سے کہیں زیادہ بہتر اور زیادہ ثواب کا حامل ہے؛ کیونکہ ایمان انسان کو ابدی سعادت سے ہمکنار کرتا ہے اور اسے تمام زمین سے زیادہ وسیع بادشاہت کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔لیکن ولایت مومن کی جنت کو وسیع کرتی ہے اور اُسے زیادہ تابناک اور چمکدار بناتی ہے۔جیسے ایک عام انسان کو حکمران کے درجے تک بلند کر دینا دس سپاہیوں کو کمانڈر کے درجے تک پہنچا دینے سے کہیں بڑا کام ہے،اسی طرح ایک انسان کے ایمان کو بچانے میں پایا جانے والا ثواب دس آدمیوں کو ولایت کے درجے تک پہنچا دینے سے کہیں زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

پس یہی وہ راز ہے جسے اسپارٹا میں آپ کے بھائیوں نے عمومی طور پر دیکھ لیا تھا،اگرچہ ان میں سے بعض لوگوں کی عقلیں اس کی حقیقت تک نہ پہنچ سکیں۔اور اسی راز کے پیشِ نظر ان لوگوں نے میرے جیسے کمزور گنہگار آدمی کی دوستی کو

عظیمُ الشان اولیا کی دوستی پر ترجیح دی، بلکہ اگر مجتہدین ہوتے تو ان کی دوستی پر بھی مجھے ترجیح دیتے۔

اس حقیقت کی بنا پر:

اگر اولیاء کرام میں سے کوئی قطب یا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جیسا کوئی شیخ اس شہر میں آجائے اور تجھے یہ کہے کہ میں دس دنوں میں تجھے مرتبۂ ولایت تک پہنچا سکتا ہوں، اور آپ رسائلِ نور کو چھوڑ کر اس کی طرف چلے جائیں تو پھر اسپارٹا کے بہادروں کے دوست نہیں بن سکتے۔

اس حقیقت کے پیشِ نظر، اس شہر میں اگر کوئی قطب یا غوثِ اعظم آجائے اور تجھے یہ کہے کہ ''میں تجھے دس دنوں میں ولایت کے درجے تک پہنچادوں گا،'' اور اس بنا پر تو رسائلِ نور کو چھوڑ دے گا اور اس کے پیچھے لگ جائے گا، تو پھر تیرے لیے ''اسپارٹا'' کے ابطال جیسا بطل بننا ممکن نہیں ہوگا۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

بات چیت کے بارے میں ایک دقیق میزان

[ایک بات چیت جو دل پر وارد ہوئی اسے میں نے کچھ طلّابِ نور بھائیوں کے ہاں پائے جانے والے افراط میں اعتدال پیدا کرنے کے لیے سپردِ قلم کر دیا ہے، اس سے غرض اُن کے اُس حسنِ ظن میں اعتدال پیدا کرنا ہے جو وہ میرے بارے میں رکھتے ہیں۔]

آج سے تقریباً چالیس سال پہلے میرے اور میرے بڑے بھائی ''مُلّا عبداللہ'' رحمہ اللہ کے درمیان ایک بات چیت ہوئی۔ اسے میں یہاں پیش کر رہا ہوں:

میرے بڑے بھائی نے شیخ ضیاء الدین قدس سرہ کے — جو کہ اولیائے صالحین میں سے ایک تھے — خالص الخاص مرید تھے۔ اور اہلِ طریقت اپنے مرشد کی محبت میں افراط سے کام لینے اور ان کے بارے میں مبالغہ آمیز حسنِ ظن رکھنے کے باب میں کوئی حرج نہیں سمجھتے ہیں، بلکہ اس افراط اور مبالغے کو پسند کرتے ہیں۔ اسی لیے میرے بھائی نے ایک دن مجھ سے کہا:

شیخ ضیاء الدین قطبِ اعظم کی طرح کائنات کے بارے میں بہت وسیع علم اور اطلاع رکھتے ہیں...... پھر اُنہوں نے

ان کے کچھ غیر معمولی اعمال کا اوران کے مقام بلند کی بہت سی مثالیں پیش کیں، تا کہ مجھ میں ان کے ساتھ وابستہ ہونے کی تحریک پیدا کر سکیں۔

لیکن میں نے کہا:

میرے عزیز بھائی! آپ مبالغے سے کام لے رہے ہیں، اگر آپ شیخ ضیاء الدین صاحب سے براہِ راست دُوبدُو ملاقات کریں تو بہت سے مسائل میں انہیں دلیل سے لاجواب کر دیں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ اُن کے ساتھ میری طرح حقیقی محبت نہیں رکھتے ہیں! کیونکہ آپ اُس ضیاء الدین سے محبت رکھتے ہیں جو آپ کے ذہنی تخیل کی پیداوار ہے، اور وہ یہ کہ وہ قطبِ اعظم ہیں جو کائنات کی ہر چیز کا علم رکھتے ہیں۔ آپ ان کے ساتھ اس عنوان سے بندھے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ اس صفت کی وجہ سے محبت رکھتے ہیں۔ لیکن اگر پردہ اُٹھ جائے اور حقیقت سامنے آجائے تو آپ کی یہ محبت زائل ہو جائے گی یا بہت کم پڑ جائے گی۔

لیکن میرے بھائی میں بھی اس بابرکت نیک ولی کے ساتھ اسی طرح محبت رکھتا ہوں جیسے آپ رکھتے ہیں، بلکہ ان کی وہی عزت وتوقیر کرتا ہوں جو اُن کے شایان شان ہے اور اُن کو بزرگ سمجھتا ہوں اور بہت زیادہ احترام کرتا ہوں کیونکہ وہ:

سنت نبوی سے راہ یافتہ حقیقت کے راستے میں اہلِ ایمان کے ایک عظیمُ الشان مرشد ہیں، ان کا حقیقی مقام جو بھی ہو ٹھیک ہے۔ پس اُنہوں نے جو ایمان کی خدمت کی ہے میں اس کے لیے اپنی روح تک کو قربان کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اگر ان کے حقیقی مقام کے چہرے سے پردہ سرکا دیا جائے تو میں مجھے جو اُن سے محبت ہے میں نہ پیچھے ہٹوں گا، نہ اس سے دستبردار ہوں گا اور نہ ان کے ساتھ اپنی محبت میں کمی کروں گا، بلکہ ان کے ساتھ اپنے تعلق کو اور مضبوط کرلوں گا، ان کے ساتھ پہلے سے زیادہ محبت کروں گا اور ان کی تعظیم وتوقیر میں مزید آگے بڑھ جاؤں گا۔

تو میں میرے بھائی! اُس ضیاء الدین صاحب کے ساتھ محبت رکھتا ہوں جو اصل میں اور حقیقت میں ہے، لیکن آپ اس ضیاء الدین کے ساتھ محبت رکھتے ہیں جو آپ کے خیال میں ہیں۔

میرا بھائی چونکہ ایک منصف مزاج عالم تھا اس لیے اس نے میرے نقطۂ نظر کو پسند کیا، اسے قبول کیا اور اس کی قدر کی۔

پس اے میرے بھائیو! اے نیک بختو جو کہ اللہ کے راستے میں اپنی جان تک کو قربان کر دیتے ہو! تمہارا میری ذاتی شخصیت کے بارے میں حسنِ ظن رکھتے ہوئے مبالغے سے کام لینا اگرچہ تمہارے لیے ذاتی طور پر نقصان دہ نہیں ہے، تاہم پھر بھی تمہارے جیسے متلاشیانِ حق اور حقیقت پسندوں کو چاہیے کہ وہ میری شخصیت کو قرآن کی خدمت اور اس میدان میں اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی حیثیت سے دیکھیں؛ کیونکہ اگر پردہ ہٹ جائے اور میری سر کی چوٹی

سے پاؤں کے تلوے تک آلودہ اصلیت تمہارے سامنے منکشف ہوجائے تو تمہیں مجھ پر ترس آئے اور میری حالت تمہیں دُکھی کردے۔ لیکن میں تمہیں اخوت کی اس محبت سے دور نہیں کرنا چاہتا ہوں جو ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ باندھے ہوئے ہے، اور تمہیں پشیمانی سے دو چار نہیں کرنا چاہتا ہوں۔ اِس لیے خود کو ایسے مقامات کے ساتھ مت باندھو جو تمہارے تصورات کی پیداوار ہیں اور جو میری حد سے بہت بڑھ کر ہیں۔ پس میری حیثیت تمہارے بھائی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ اور میرے پاس یہ طاقت بھی نہیں ہے کہ میں تمہارے لیے رہنما ہونے کا یا اُستاد ہونے کا دعویٰ کر سکوں...... میرے ہاتھ جو کچھ ہے صرف یہی کچھ ہے کہ ایمان کا درس لینے میں تم لوگوں کا کلاس فیلو ہوں، اس لیے مجھ سے ہمت اور مدد کا انتظار مت کرو بلکہ میں خود تمہاری معاونت کا اور تمہاری ہمتوں کا محتاج ہوں اور اپنی کمیوں وکوتاہیوں کے لیے تمہاری مشفقانہ دعاؤں کا اُمیدوار ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہم سب پر یہ انعام کیا ہے اور ہمیں اہلِ ایمان کی مقدّس ترین، شاندار ترین اور سودمند ترین خدمت کے لیے استعمال کیا ہے...... اور وہ ہے قرآن کی خدمت...... اور اس خدمت کو سرانجام دینے کے لیے ہم نے مختلف کاموں کو اپنے درمیان تقسیم کر لینے کا انداز اپنایا ہے۔ پس ہماری رہنمائی کے لیے تمہارے بھائی چارے اور تمہارے اتحاد کے راز سے اُبھرنے والی معنوی شخصیت کی رہنمائی اور استادیت ہی کافی ہے۔

تو اس دور میں جب ایمان اور قرآن کی خدمت کسی بھی خدمت سے بلند ہے، اور نوعیّت کمّیت پر فضیلت رکھتی ہے اور قرآن کی ان ثابت واستوار اور دائمی خدمات کے مقابلے میں سیاست کے چلتے پھرتے اور ہمہ دم متغیّر جھونکے اور اس کے وقتی اور زوال پذیر احداث وواقعات کچھ اہمیت نہیں رکھتے ہیں، بلکہ مقابلے کے لیے ان کے برابر بھی نہیں آسکتے اور اُن کا مرکز ومحور نہیں بن سکتے ہیں۔ اس لیے ہمارے پروردگار نے ہمیں قرآنِ کریم کے بہتے ہوئے جس نورانی مرتبے سے نوازا ہے ہمیں اس پر مطمئن رہنا چاہیے۔

پس اے پیارے بھائیو! ثابت قدمی وفادار وفاداری...... بلندی تک پہنچنے اور ترقی حاصل کرنے میں ہمارا راستہ حسنِ ظن میں انتہا پسندی اور اپنی حد سے زیادہ بلند مقامات کی طرف جھانکنے کی بجائے اپنے مابین ربط وضبط اور باہمی پشتیبانی میں انتہا پسندی اور حقیقی اخلاص واخوت کو حاصل کرنے کی تگ ودو کرتے رہنا ہے۔

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے اس جواب کی حکمت جس کے ذریعے تمہارے اُس خط کا جواب دیا ہے جو ایک ہفتہ قبل آیا تھا اور جو اُس حسنِ ظن کو کسی حد تک مجروح کرتا ہے جو تم لوگ میرے بارے میں رکھتے ہو۔

اِس دور میں حالات کے دھارے کچھ عجیب سا رُخ اختیار کر گئے ہیں اور اِس طرح کا غلبہ وتسلّط اختیار کر چکے ہیں کہ

تصور سے باہر ہے، اس حد تک کہ ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے رہے ہیں اور اسے اپنے مفاد کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔

اس بنا پر، اِس دور میں اگر وہ حقیقی سردار آجائے جس کے آنے کا انتظار اِس دور میں ہو رہا ہے، تو میرا یہ اندازہ ہے کہ وہ عالمِ سیاست کے معاملات کو ایک جانب کر دے گا اور اپنے ہدف تبدیل کر لے گا، تا کہ اس کی حرکات وسکنات سے ان دھاروں کے لیے ناجائز فائدہ نہ اُٹھایا جا سکے۔

پھر ہمارے سامنے تین مسائل ہیں:

حیات......شریعت......ایمان

اور حقیقت کی نظر میں ایمان کا مسئلہ سب سے زیادہ اہمیت والا اور سب سے زیادہ عظمت کا حامل ہے، لیکن عام لوگوں کی نظر میں، اور احوالِ عالم کی ضروریات کے پیشِ نظر حیات اور شریعت کے مسئلے بھی بڑے اہم مسائل ہیں، اور تینوں مسائل کے اوضاع واطوار کو تمام روئے زمین پر سے ایک ہی دفعہ تبدیل کر دینا ایک ایسا کام ہے جو نوع بشری میں جاری سنتُ اللہ کے خلاف ہے۔ اب وہ شخصِ منتظر اگر اِس دور میں موجود ہو تو وہ بقیہ دونوں مسئلوں کو چھوڑ کر صرف اسی مسئلہ کو بنیاد بنائے گا تا کہ ایمان کی خدمت عام لوگوں کی نظروں میں اپنی صفائی ستھرائی اور پاکیزگی نہ کھو بیٹھے، اور تا کہ عام لوگوں کے ذہنوں میں — کہ جو آسانی کے ساتھ دھوکے میں آجاتے ہیں — یہ بات اچھی طرح بیٹھ جائے کہ یہ خدمت دیگر مقاصد کے لیے آلۂ کار نہیں۔

پھر پچھلے بیس سال سے شدید ترین تخریب کار مسلسل ظلم واستبداد کی شدید ضربوں کی وجہ سے اخلاق میں انتہائی درجے کا بگاڑ آچکا ہے، اور وفاداری واعتماد اس حد تک نابود ہو چکے ہیں کہ دس بیس آدمیوں میں بھی ایک آدھ قابلِ اعتماد آدمی مشکل سے ملے گا۔

پس ان حیرت خیز حالات میں اعلیٰ درجہ کے صبر وثبات، سخت جانی، وفاداری اور اسلامی حمیّت سے مزین ہونا ضروری ہے، ورنہ ایمان کی خدمت بے پھل، بے نتیجہ اور مضرت رساں رہے گی۔

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ خالص ترین، سالم ترین، اہم ترین اور توفیقِ ایزدی کے لائق ترین خدمت یہی مقدّس اور بلند پایہ خدمت ہے جس کے دائرے میں طلّابِ رسائل نور کام کر رہے ہیں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

اس سال ماہ رمضان کی بہت زیادہ اہمیت ہے، اور اس میں عالمِ اسلام اور طلّابِ رسائل نور برابر ہیں، اور یہ بھی ہے کہ طلابِ رسائلِ نور کے بنیادی دستور، یعنی اُخروی اعمال میں اشتراک کے دستور کے پیشِ نظر اِن میں سے جو کوئی بھی

جو بھی عمل کرتا ہے، بالکل اُسی طرح کا عمل اس کے بھائیوں کے اعمال کے کھاتے میں لکھ دیا جاتا ہے۔ جیسے کہ اس دستور کے تقاضے کی رُو سے اور رحمتِ الٰہی کے تقاضے کی رُو سے رسائلِ نور کے دائرے میں داخل ہونے والے لوگوں کے مکاسب و اعمال صدق و اخلاص کی برکت سے بڑی عظمت کے اور کلّی حیثیت کے مالک بن جاتے ہیں؛ کیونکہ اُن میں سے ہر ایک شخص ہزاروں حصوں کا مالک بن جاتا ہے، اور یہ مکاسب و اعمال دنیاوی اموال میں اشتراک کے برعکس اللہ کے حکم سے بغیر کسی تقسیم و تجزیہ کے ہر ایک کے صحیفۂ اعمال میں لکھ دیے جاتے ہیں اور یہ لوگ اس معاملے میں اس آدمی کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں جو چراغ جلاتا ہے تو اس کی روشنی تقسیم ہوئے بغیر ہزاروں آئینوں میں منعکس ہو جاتی ہے۔

اس معنی کو سامنے رکھ کر ہم رحمتِ الٰہی کی وسعتوں سے یہ اُمید رکھتے ہیں کہ رسائلِ نور کے سچے شاگردوں میں سے اگر کوئی ایک بھی لیلۃ القدر کی حقیقت سے اور ماہ رمضان کے مرتبے سے ہمکنار ہو جائے تو تمام حقیقی سچے شاگرد اس نور میں حصے دار بن جائیں!

سعید نورسی

باسمہ سبحانہ

پہلا مسئلہ: ہمارے ایک بھائی نے نماز کی تسبیحات میں جو سُستی کا اظہار کیا ہے، اس کی بنا پر میں نے کہا تھا کہ نماز کے بعد والی تسبیحات ایک طریقتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام ہے، اور یہ ولایتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے اَوراد واَذکار ہیں۔ اس بنا پر ان کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔

پھر مجھ پر اس کلمے کی حقیقت کچھ اس طرح منکشف ہوئی کہ جس طرح ولایتِ محمدیہ جو کہ رسالت میں منقلب ہو گئی ہے تمام ولایتوں سے برتر ہے، اسی طرح اس ولایت کی طریقت بھی اسی درجے کے حساب سے تمام طرق سے برتر ہے، اور اسی طرح اس ولایتِ کبریٰ کے خصوصی اَوراد و اَذکار یعنی نماز کے بعد والی تسبیحات تمام اَوراد و اَذکار سے بلند تر حیثیت رکھتی ہیں۔

پھر مجھ پر ایک اور راز کا بھی انکشاف ہوا، اور وہ یہ کہ جس طرح کسی حلقۂ ذکر میں، یا کسی مجلس میں منعقد کیے گئے ختمِ خواجگاں میں جہاں مجلس کے تمام لوگ آپس میں روحانی طور پر بندھے ہوئے ہوں، ان سب کو ایک طرح کی روحانی حالت کا احساس ہوتا ہے، اسی طرح ایک زندہ اور ذکر کرنے والے دل کا مالک جب نماز کے بعد ''سبحان اللہ...... سبحان اللہ'' ...... کہتا ہے تو معنوی طور پر محسوس کرتا ہے کہ لاکھوں لوگ اس حلقۂ ذکر کے رئیس رسولِ اکرم ﷺ کے سامنے اپنے ہاتھوں میں تسبیحیں پکڑے وِرد کر رہے ہیں۔

پس یہ ہیں وہ عظمت و ہیبت و سربلندی کے احساسات جن کے تحت ایک صاحبِ ایمان آدمی دہراتا ہے: ''سبحان اللہ...... سبحان اللہ...... سبحان اللہ''۔

پھر اسی طرح جب وہ حلقۂ ذکر کے رئیس ﷺ سے صادر ہونے والے معنوی امر کے پیشِ نظر ''الحمد للہ......الحمد للہ'' کا تکرار کرتا ہے، اور پھر اس عظیم الشان حمد کے بارے میں غور کرتا ہے جو کہ اس وسیع وعریض حلقۂ ذکر میں پائے جانے والے دس کروڑ مریدوں کے سینوں سے نکل رہی ہوتی ہے، تو اُس وقت وہ ''الحمد للہ'' کہتا ہوا اس مجلس کا ہمنوا بن جاتا ہے۔

اور یہی معاملہ اللہ اکبر......اللہ اکبر......اور دعا کے بعد تینتیس بار اور لا الٰہ الا اللہ...لا الٰہ الا اللہ...لا الٰہ الا اللہ...کے تکرار کا ہے۔

پھر وہ ان اذکار واَوراد کو ختم کرنے کے بعد حلقۂ ذکر میں موجود اپنے بھائیوں کے ساتھ ان مذکورہ معانی کو دامن میں سمیٹتا ہوا صدرِ مجلس ذکر یعنی رسول کریم ﷺ کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے، اور کہتا ہے:

الف الف صلاۃ والف الف سلام علیك یا رسول اللہ۔

میں نے یہی محسوس کیا ہے، یہی سمجھا ہے، بلکہ خیال کی صورت میں یہی کچھ دیکھا ہے۔[1] یہی وہ راز ہے جس کی بنا پر میں کہتا ہوں نماز کے بعد والی تسبیحات کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔

دوسرا مسئلہ: اکتیسویں آیت کے اشارے کے بیان میں "یَسۡتَحِبُّونَ الۡحَیَاةَ الدُّنۡیَا" والی بحث میں کہا گیا ہے کہ اس دور کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسان کو اس طرح کا بنا دیتا ہے کہ وہ جانتے بوجھتے ہوئے بھی دنیاوی زندگی کو باقی رہنے والی زندگی پر ترجیح دیتا ہے، یعنی اس دور کا یہ دستور بن گیا ہے کہ انسان جانتے بوجھتے ہوئے ٹوٹے ہوئے شیشے کو باقی رہنے والے الماس پر ترجیح دیتا ہے۔

میں اس باب میں بہت حیران ہوتا تھا، حتیٰ کہ اِن دنوں میرے دل میں یہ خیال آیا:

جس طرح کسی کا کوئی عضو بیمار یا زخمی ہوجائے تو دیگر تمام اعضا اپنے اپنے بعض وظائف چھوڑ کر ایک دوسرے کو پکارتے ہوئے اس کی مدد کے لیے بھاگتے ہیں، انسانی فطرت میں رکھی گئی انسانی مشینری کی حالت بھی بالکل اسی طرح کی ہے جو زندگی کی حرص رکھنے، اس کی حفاظت کرنے، اس سے لطف اندوز ہونے اور اس کے ساتھ عشق کرنے کی ذمہ داری نبھاتی ہے، یہ مشینری اس دور میں کچھ اسباب ووجوہات کی بنا پر مجروح ہوچکی ہے، اور اب تمام لطائف کو اپنے مطابق مصروف کر رہی ہے اور انہیں پستیوں میں گرا رہی ہے اور انہیں ان کے حقیقی وظائف بھلا دینے کی کوشش میں مصروف ہے۔

اگر رقص وسرود پر مشتمل کوئی پُرکشش محفل جمی ہو، اور اس میں بدمستی اور اوچھے پن کے تمام تر سامان مہیا ہوں تو

---

[1] یعنی کشفی طور پر معلوم ہوا۔ (مترجم)

صرف اوباش وبدقماش قسم کے لوگ ہی نہیں اشراف واکابراور معززو پاکدامن پردہ دار عورتیں اور بچے بھی اپنے کام کاج چھوڑ کراس کی طرف کھنچے چلے آئیں گے اوراپنے حقیقی وظائف سے غافل ہوکراس میں شرکت کریں گے۔

اس دور میں انسانی زندگی کی صورتِ حال بھی کچھ اسی طرح کی ہے، اور خاص کر معاشرتی زندگی کی، یہ بڑی دردناک حالت میں ہے، لیکن ہے اتنی زرق برق اور بھڑکیلی کہ اس نے انسان کے تمام علوی لطائف کو اور خاص کر قلب وعقل کو نفسِ امارہ کی پیروی کے پیچھے لگا دیا ہے اوراس کی یہ حالت بنادی ہے کہ وہ اس فتنے کی آگ میں پتنگے کی طرح گرتے جا رہے ہیں۔

جی ہاں، بعض دفعہ حالات ایسا رُخ اختیار کر جاتے ہیں کہ بربنائے ضرورت وقتی طور پر دنیاوی زندگی کو اخروی زندگی پر کسی عام یا معمولی سی ضرورت کے تحت، یا کسی ایسے نقصان کے اندیشے سے ترجیح دے دینا جس میں ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو، جائز نہیں، اوراس میں رخصت نہیں۔

اور صورتِ حال یہ ہے کہ اس دور نے دنیاوی زندگی کی محبت انسان کے رَگ وپے میں اس حد تک گاڑ دی ہے کہ وہ کسی چھوٹی سی اور معمولی سی ضرورت کے تحت، یا پھر اس اندیشے سے کہ انہیں دنیا کا کوئی چھوٹا موٹا نقصان نہ پہنچ جائے، ہیرے جیسے انتہائی قیمتی دینی اُمور چھوڑ دیتا ہے۔

جی ہاں، یہ دور جس میں حد سے زیادہ اسراف اور حرص وہوا میں گرفتاری اور عدم کفایت شعاری اور قناعت سے دستبرداری کی وجہ سے برکت اُٹھ گئی ہے، اوراس پر مزید یہ کہ فقر وفاقہ، حاجات وضروریات اور ہموم وغموم بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں جس کی وجہ سے گزراوقات اور حفظِ حیات کے لیے اور زندگی کے بڑھتے انواع واقسام کے کمرتوڑ مطالبات کی وجہ سے انسانیت کی قبا تار تار ہوگئی ہے، اس پر یہ بھی زیادہ کر لیجئے کہ اہلِ ضلالت کی تمام تر کوششیں لوگوں کی نظروں کو اسی فانی دنیا پر اُٹکا دینے پر صرف ہورہی ہیں...... ان تمام چیزوں نے ان زخموں کو مزید گہرا کر دیا ہے جن کے زیراثر انسان زندگی کی کمترین ضروریات کو ایمان کے کسی عظیم ترین مسئلے پر ترجیح دے رہا ہے۔

جی ہاں، اس عجیب وغریب دور کے اس عجیب وغریب اور دہشت خیز مرض کے سامنے پامردی سے صرف رسائل نور ہی ٹِک سکتے ہیں جو قرآنِ معجز بیان کی تریاق جیسی دوائیاں نشر کر رہے ہیں۔ اوراس جان لیوا مرض کا مقابلہ صرف ان رسائل کے ثابت قدم، پامرد، مخلص، قوی دل اور جان نثار طالب علم ہی کر سکتے ہیں۔

اس لیے جتنی جلدی ہو سکے پوری وفاداری، ثابت قدمی، اخلاص، اعتماد اور سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان رسائل کے دامن کے ساتھ وابستہ ہوجانا چاہیے، تاکہ اس عجیب وغریب اور دہشت خیز مرض کی تاثیر سے بچنا ممکن ہو سکے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

حافظ ''علی'' نے اپنے استاد کی طرف جس خوبی کی اور جس مقام و مرتبے کی نسبت کی ہے جو کہ میری حد سے کہیں بڑھ کر ہے، اسے ہم اپنی شخصیت کی مدح سرائی نہیں بلکہ اُس کی سچی زبان سے کی ہوئی ایک قسم کی دعا سمجھتے ہیں۔ اسی طرح اُس نے جو ہمیں یہ خبر دی ہے کہ ''اسپارٹا'' اور اس کی مضافاتی بستیاں جیسے ''صاو'' وغیرہ، نوری مدارس میں تبدیل ہوگئی ہیں اور سچے نوری طلبہ دن بدن منوّر ہورہے ہیں اور بے مثال ترقی کرتے جارہے ہیں...... اس کی یہ تمام خبریں حقیقت پر مبنی ہیں اور صرف ہمارے لیے ہی نہیں بلکہ اناطولیہ اور تمام عالمِ اسلام کے لیے فرح و سرور کا باعث ہیں۔

اور ہم رحمتِ الٰہی سے اُمید رکھتے ہوئے اپنے دلوں اور روحوں کی گہرائیوں سے گڑگڑاتے ہوئے دعا کرتے ہیں کہ اس کے خط کا آخری فقرہ محقق ہوجائے، یعنی یہ کہ ''معنوی فتوحات کا اور اندھیروں کے چھٹ جانے کا وقت قریب آگیا ہے جیسے کہ مخبرِ صادق ﷺ نے خبر دی ہے''...... لیکن ہم شاگردانِ رسائلِ نور کی ذمہ داری تو خدمت کرنا ہے...... ایمان اور قرآن کی خدمت، بغیر اس کے کہ ہم معاملاتِ اِلٰہیہ میں دخل دیں یا انہیں آزما کر دیکھنے کی کوشش کریں، اس کے ساتھ ساتھ ہمیں کیفیت کا خیال رکھنا ہوگا نہ کہ کمیّت کا۔

پھر رسائلِ نور نے مخبرِ صادق ﷺ کی دی ہوئی خبروں کی مکمل طور پر تصدیق کی ہے اور انہیں واقعات کے ذریعے ثابت کردیا ہے اور کررہے ہیں۔

پھر ایک طویل عرصے سے مسلسل بگڑتے ہوئے ظروف واحوال کے باوجود کہ جو اخلاقی انحطاط اور دنیاوی زندگی کو اُخروی زندگی پر ترجیح دینے پر آمادہ کررہے ہیں؛ رسائل نور نے تا ایں دم اپنی بھرپور فتوحات کے ذریعے اور گمراہی و زندیقیت کی دست درازیوں کا زور توڑ کر، ہزاروں مساکین کے ایمان بچا کر اور سوسو کی بلکہ ہزاروں کی برابری کرنے والے ایک ایک طالب علم جیسے ہزاروں حقیقی اہلِ ایمان طالب علم پروان چڑھا کر صادق و مصدوق ﷺ کی دی ہوئی خبروں کی مکمل طور پر تصدیق کی ہے۔

ان رسائل کو اناطولیہ کے دل سے نکالنا کسی بھی قوت کے بس کی بات نہیں ہے، بلکہ یہ باذن اللہ اس وقت تک باقی رہیں گے جب تک زندگی کے وسیع دائرے کے اصل لوگ یعنی مہدی اور اس کے شاگرد آئیں گے اور اس دائرے کو وسیع کردیں گے، یہ بیج بالیاں بنیں گے، ہم اس منظر کا نظارہ اپنی قبروں کے اندر سے کریں گے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے عزیز وفادار بھائیو!

سابقہ دو فقروں میں دنیاوی زندگی کو اُخروی زندگی پر ترجیح دینے کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے، یہ اس کا تتمہ ہے۔

اس عجیب وغریب دَور نے دنیاوی زندگی کو دشوارتر بنا دیا ہے اور گزر بسر کی شروط بہت زیادہ اور بہت سخت کر دی ہیں، اور عادات واطوار کو اپنا بنا لینے اور دوسروں کی تقلید کی وجہ سے بہت سی غیر ضروری حاجات ضروریات کو ضروری بنا دیا ہے، چنانچہ اس نے ہمیشہ کے لیے ہر شخص کی غرض وغایت اور سب سے بڑا مقصد صرف دو ہی چیزوں کو بنا دیا ہے، اور وہ ہیں: اس کی زندگی اور اس کی معیشت۔

اور یوں اس نے اُس کی ابدی دینی زندگی اور اُخروی زندگی کے آگے ایک بہت بڑا بندھ باندھ دیا ہے اور اس زندگی کو ایک ثانوی یا ثالثی حیثیت دے دی ہے۔ انسان نے اپنی اس غلطی کی پاداش میں ایک بڑا زوردار طمانچہ کھایا ہے؛ کیونکہ اس کی دنیا ایک دوزخ کا رُوپ اختیار کر چکی ہے۔

اور تکلیف دہ صورتِ حال یہ ہے کہ بعض اہلِ دین اس خوفناک مصیبت کی وجہ سے بہت بڑے گرداب میں پھنس جاتے ہیں؛ اور معاملہ کی تہ تک پہنچ کر اسے صحیح طور پر سمجھ نہیں پاتے ہیں؛ چنانچہ میں نے کچھ متقی قسم کے دین دار لوگوں کو دیکھا ہے کہ ان کے ہمارے ساتھ بڑے گہرے تعلقات ہیں، وہ دین میں رغبت رکھتے ہیں اور اس کے مطابق عمل کرنا پسند کرتے ہیں، لیکن اس اُمید پر کہ اُن کی دنیاوی زندگی کامیاب گزرے اور کاروبارِ دنیا میں آسانیاں پیدا ہو جائیں، بلکہ کچھ لوگ تصوّف کے سلسلوں میں بھی رغبت رکھتے ہیں صرف اس نظریے سے کہ انہیں کشف وکرامات حاصل ہو جائیں! مطلب یہ کہ وہ اپنی آخرت رخی رغبت اور اس میں پائے جانے والے دینی وظائف کے ثمرات کو دنیاوی زندگی کے لیے سہارا بنانا چاہتے ہیں اور اُس سے اس تک پہنچنے کے لیے سیڑھی کا کام لینا چاہتے ہیں! لیکن وہ نادان یہ نہیں جانتے کہ دینی حقائق پر مرتب ہونے والے دنیاوی فوائد کہ جن پر دنیاوی اور اُخروی سعادت کا دارومدار ہے، ان کی حیثیت تو صرف یہ ہے کہ وہ کسی کام کو اختیار کرنے اور اس کے لیے اُبھارنے اور شوق دلانے کا کام دیتے ہیں، اس کے لیے ان کی کوئی حیثیت نہیں، لیکن اگر ان کو یہ حیثیت دے دی گئی کہ وہ عملِ خیر کے لیے علّت یا مقصد بن گئے، تو عمل باطل ہو جائے گا، یا کم اَز کم اخلاص میں خلل آ جائے گا اور ثواب نہیں ملے گا۔

آپ کو ہزاروں ایسے گواہ مل جائیں گے جو گواہی دیتے ہیں کہ وہ نور جو رسائل نور نے اپنے میزانوں اور موازنوں کے ذریعے پھیلایا ہے، وہ اس مریض، متوحّش اور منحوس دور کے ظلم اور ظلمت سے بچانے والا ایک بہترین ہتھیار ہے، اس بنا پر وہ لوگ جو رسائلِ نور کے دائرے کے قریب قریب ہیں لیکن اس میں داخل نہیں ہوئے، ان کے بارے میں یہ قوی احتمال ہے کہ وہ ہلاکت میں جا گریں گے۔

جی ہاں، ﴿يَسْتَحِبُّونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ﴾ میں پائے جانے والے اشارے کی بنا پر اس دور نے اہلِ اسلام کو بھی جانتے بوجھتے ہوئے دنیاوی زندگی کو اُخروی زندگی پر ترجیح دینے پر آمادہ کیا ہے، اور اہلِ ایمان پر ایک خبیث قسم کا نظامِ حکومت مسلّط کر دیا گیا ہے جس پر رُومی کیلنڈر کے حساب سے 1334 میں عمل شروع ہوا۔

جی ہاں، ﴿عَلَى الْآخِرَةِ﴾ کا جملہ علم جفر اور اَبجد کے حساب سے 1333 یا 1334 کے برابر ہے۔[1] اور یہ اس نظام کی شروعات کا سال ہے جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے۔

اور یہ نظامِ حکومت اس معاہدے کی جملہ شروط میں سے ایک تھا جو دشمنانِ اسلام نے پہلی جنگ عظیم میں غلبہ حاصل کرنے کے بعد لکھوایا تھا، اور اس کے عملی نتائج کچھ ہی سالوں کے بعد ظہور میں آ گئے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

ایک اہم ترین خط

جو اُستاد بدیع الزمان نے دوسری جنگ عظیم کے دوران لکھا

باسمہ سبحانہ

نوعِ بشر پر نازل ہونے والی اس مصیبت کے نتیجے میں غریبوں اور ناداروں پر جو بھوک اور اس جیسے دیگر آلام و مصائب کے پہاڑ ٹوٹے ہیں مجھے اس سے بہت زیادہ دُکھ ہوا اور میں اپنی طبعی رقّت وشفقت کی وجہ سے اندر سے لرز کر رہ گیا ہوں، پھر جان لیوا قسم کا جاڑے کا موسم اور معنوی یخ بستگی اس پر مستزاد ہے۔ میرے دل میں اچانک یہ خیال ڈالا گیا کہ اس طرح کے مصائب میں — حتی کہ خود کفار کے لیے بھی — کچھ معنوی رحم وکرم اور مکافات عمل کے کچھ ایسے پہلو موجود ہوتے ہیں جو ان کی شدت میں کمی کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح کی آسمانی مصیبتیں بے گناہوں کو شہادت کے

---

[1] علم جفر، اَبجد، یا اعداد میں ہر حرف کی ایک معین عددی قیمت دی جاتی ہے اور حروف کے اعداد نکال کر انہیں حساب میں لایا جاتا ہے اور کسی بھی صحیح اور مکمل جملے کے ذریعے کسی رقم یا سن وغیرہ کی تعبیر کر دی جاتی ہے اور اس کی طرف اشارہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ رمزی نظام قدیم دور سے آج تک ہر دور میں استعمال ہوتا آیا ہے۔ اسلامی ادوار میں بھی اس پر عمل در آمد رہا ہے اور اہم واقعات کی تاریخیں نکالی گئی ہیں، فارسی اور اردو شاعری میں بادشاہوں کی تخت نشینیوں اور سربا آوردہ لوگوں کی وفاتوں کی تاریخیں نکالنے کا کام بہت زیادہ ہے۔
استاد نورسی نے بعض قرآنی آیات سے اسی اسلوب کو سامنے رکھ کر کچھ معین مسائل کے استنباط کیے ہیں۔ استاد نورسی کوئی پہلے آدمی نہیں ہیں جنہوں نے یہ اسلوب اختیار کیا ہے البتہ وہ یہ اسلوب ایک تو اس حیثیت سے استعمال کرتے ہیں کہ یہ ایک مانوس اسلوب ہے، اور دوسرے یہ کہ اُن کے سامنے اصول فقہ کا مشہور قاعدہ ''دلالۃُ الاِشارہ'' ہوتا ہے، جو دلالت کے ایک ہے مرتبے تک محدود نہیں ہوتا ہے۔

مرتبے تک پہنچا سکتی ہیں۔

میں اگرچہ گزشتہ تین چار سال سے دنیا کے احوال اور اس کی جنگ سے لاتعلق رہ کر زندگی گزار رہا ہوں، لیکن جب یورپ اور روس میں بچوں اور کمزور لوگوں کی حالت زار کو یاد کرتا ہوں تو غمگین ہوتا ہوں۔ اب اس معنوی اشارے نے میرے سامنے کچھ تقسیمات رکھ دی ہیں جو کہ اس المناک شفقت کے لیے مرہم کا کام دے رہی ہیں۔ یہ تقسیمات کچھ اس طرح سے ہیں:

وہ لوگ جو اس آسمانی مصیبت کی وجہ سے یا ان میں سے ظالم لوگوں کے جرم کے نتیجے میں نازل ہونے والی مصیبت کی وجہ سے فوت ہو گئے ہیں یا در بدر ہو گئے ہیں اور راہوں میں بکھر کر رہ گئے ہیں، وہ اگر پندرہ سال سے کم عمر کے ہیں تو خواہ وہ کسی بھی دین یا مذہب کے پیروکار ہوں، ان کا شمار شہدا میں ہوگا۔ اور معنوی بدلہ جو کہ ان کا انتظار کر رہا ہے —جیسے کہ مسلمانوں کا معاملہ ہے— اُن کے لیے اس مصیبت کو کالعدم بنا دے گا۔

اور جو لوگ پندرہ سال سے اُوپر ہیں اور مظلوم و بے گناہ ہیں، اُن کا بدلہ بھی اسی طرح بہت بڑا ہے، اور ہو سکتا ہے کہ وہ انہیں جہنم کے عذاب سے بھی بچا لے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ آخری زمانے میں دین کی حیثیت چونکہ وہی رہ گئی ہے جو فترت کے دور والے دین کی ہوتی ہے، اور دین محمد ﷺ پر بے پروائی کے پردے ڈال دیے گئے ہیں، اور سیدنا عیسیٰؑ کا دینِ حق چونکہ آخری زمانے میں حکومت کرے گا اور اسلام کے دوش بدوش چلے گا، اس لیے یہ کہنا ممکن ہے کہ سیدنا عیسیٰؑ کے دین کے ساتھ وابستگی رکھنے والے فترت کی تاریکیوں میں رہ جانے والے مظلوم لوگ جو مصائب سے دوچار ہوئے ہیں، یہ مصائب ان کی بہ نسبت ایک قسم کی شہادت کا حکم رکھتے ہیں، خاص کر ان میں سے ان لوگوں کے لیے جو بوڑھے ہیں، مصیبت زدہ ہیں، فقرا ہیں، ضعفا ہیں اور حدود فراموش ظالم و مستبد لوگوں کی سختیوں کے اور ان کے ظلم و جبر کا شکار ہیں۔

جیسے کہ مجھے حقیقت کی جانب سے اس بات کی خبر دی گئی کہ یہ مصیبت ان لوگوں کے لیے سو گنا زیادہ نفع کا باعث ہے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ان لوگوں کے اس جدید تہذیب کے رذائل اور اس کی کافرانہ روش سے جنم لینے والے گناہوں کا، اور فلسفہ کی گمراہی اور اس کے کفر کا کفارہ ہے۔

پس میں نے اس پر ارحمُ الراحمین کا بے حد شکر ادا کیا اور اس المناک دکھ درد اور شفقت کے جذبات کے مقابلے میں تسلّی پائی۔

لیکن ان مصائب سے متاثر ہونے والے لوگ اگر پست قسم کے انسانی شیطان اور نوعِ بشر کو دُکھ دینے والے وحشی ظالم، اور وہ ''اَنا'' پرست لوگ ہیں جو اپنے ذاتی منافع کی خاطر عالمِ انسان میں آگ لگانے سے نہیں چوکتے ہیں، تو وہ خالص عدالتِ ربانی کی رُو سے اس سزا کے مستحق ٹھہرے ہیں۔

اور رہے وہ لوگ جو ان مصائب سے اس لیے دوچار ہوئے ہیں کہ وہ مظلوموں کی مدد کرنے کے لیے بھاگ دوڑ کر

رہے تھے، اور نوعِ بشر کی سلامتی اور دینی بنیادوں، آسمانی مقدسات اور انسانی حقوق کے تحفظ کی خاطر میدان میں آئے تھے، تو بلاشبہ ان کی قربانیوں پر مرتب ہونے والے معنوی اور اُخروی نتائج اتنے عظیم ہیں کہ یہ مصیبت اُن کے لیے باعثِ شرف اور ایک محبوب چیز بن جائے گی۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے بابرکت، معزز و فادار بھائیو!

آج سے تین دن پہلے جس وقت تم لوگوں کی طرف سے بھیجا گیا نورانی تحفہ اپنی منزلیں طے کرتا ہوا ''قسطمونو'' کی طرف آ رہا تھا، میں خواب میں دیکھ رہا تھا کہ کسی معنوی طرف سے ہماری طرف ایک قابلِ تعظیم حکمنامہ چلا آ رہا ہے، جو مقام و مرتبہ کی بلندی کا فیصلہ کر دے گا اور پورے احترام کے ساتھ ہم تک پہنچا دیا جائے گا۔ پھر جب ہم نے اس عالی مقام حکم نامے کی طرف نگاہ کی تو دیکھا کہ وہ قرآنِ عظیمُ الشان تھا۔ تب دل پر یہ معنی وارد ہوا:

ہم یعنی طلاّب، رسائل نور اور ان کا معنوی شخص۔ قرآنِ کریم کی کرامت کی برکت سے عالمِ غیب کی جانب سے ترقی حاصل کریں گے اور بلند مرتبے پر فائز ہوں گے۔

ابھی ابھی اس تعبیر کے ظہور میں آنے سے گھنٹے دو گھنٹے پہلے ''فیضی'' اور ''امین'' نے بھی میرے اس خواب کی تعبیر کی تھی، وہ تعبیر بھی اپنی جگہ پر حق ہے اور بڑی اہم ہے۔

پھر میری روح کو فرح و سرور کا دار و مدار بننے والے اس نورانی تحفے کا احساس پہلے ہی ہو گیا تھا، صرف یہ ہے کہ اس نے عقل کو اس بات کی خبر نہیں دی تھی، یعنی ہوا یہ کہ اس تحفے کے پہنچنے کے دو دن پہلے، اور اس دن کی صبح کے وقت جس دن ''فیضی'' اور ''امین'' نے اس کی تعبیر بیان کی تھی، مجھے اتنی خوشی اور شادمانی کا احساس ہوا تھا کہ اس سے پہلے ایسا کبھی نہ ہوا تھا، اور خوشی کا یہ احساس شام تک بلکہ اگلے دن کے کچھ حصے تک مسلسل رہا، اور میں اس دوران چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوشی کے ساتھ قریب چالیس مرتبہ کھل کر ہنسا۔ میں اور فیضی اس بات پر بڑے حیران تھے، حیرانی کی بات یہ تھی کہ جو آدمی تیس دنوں میں ایک مرتبہ بھی نہیں ہنستا ہے وہ ایک ہی دن میں تیس مرتبہ کیسے ہنس رہا ہے؟!

اب پتا چلا کہ اس خوشی اور شادمانی کا باعث دراصل وہ تحفہ تھا جو ابھی تک پہنچا نہیں تھا، وہ اُن پڑھوں اور معصوم بچوں کی لکھی ہوئی وہ تحریریں تھیں جو قرآن کی نمائندگی کر رہی تھیں؛ اور وہ تحریریں اس بات کی خبر دے رہی تھیں کہ رسائلِ نور آئندہ نسلوں کے صحیفوں میں، عالم اسلام کی تقدیروں کے صحیفے میں اور اہلِ ایمان کے آئندہ آنے والے صحیفوں میں

انوار کی نشر واشاعت کریں گے، اسی طرح یہ اس بات کی بھی خبر دے رہی تھیں کہ ان معصوم لوگوں کے خالص اعمال کی حسنات اور اُن کی پاک صاف خدمات عنقریب ہمارے اعمال کے صحیفوں میں درج کردی جائیں گی اور باقاعدہ ریکارڈ بن جائیں گی، اس کے ساتھ ساتھ یہ تحریریں طلاّبِ رسائلِ نور کی تقدیروں کی اوران کی دائمی فیروز بختی وشادمانی کی بھی خبر دیتی تھیں۔

مجھے چونکہ روحانی طور پر اس عظیم الشان مجموعے میں ہزارویں حصے کے ایک جز کا احساس ہو گیا تھا اس لیے اس احساس نے مجھ میں سرور وشادمانی کے جذبات اُبھار دیے۔

جی ہاں، ان جیسے سینکڑوں معصوم لوگوں کی طرف سے صادر ہونے والے مقبول اعمال اور مستجاب دعائیں جب میرے جیسے خطا کار کے اور میرے دیگر تمام بھائیوں کے اعمال ناموں میں داخل ہو جاتی ہیں، تو وہ ہزاروں قسم کی خوشیوں، مسرّتوں اور شادمانیوں سے آشنا کر دیتی ہیں۔

ہم ان معصوم اَن پڑھوں اور ان کے معلّموں کو ان کی اس طرح کے کڑے حالات اور تاریک دور کی سخت گیریوں میں اس طرح کی بہادرانہ کوششوں پر مبارک باد دیتے ہیں، اسی طرح ان کے والدین کو، اُن کی بستیوں کو اور ان کے شہروں اور قصبوں کو بھی مبارک باد دیتے ہیں، اسی طرح ہم اناطولیہ کو بھی مبارک باد کہتے ہیں۔ میں اگر ان تمام بابرکت لوگوں کے لیے علیحدہ مبارکبادی اور شکریے کے خصوصی کارڈ لکھ سکتا ہوتا تو یہ کام ضرور کرتا۔ پس میری یہ آرزوئیں ایسے ہی قبول کرلو کہ جیسے یہ واقعتاً لکھ دی گئی ہیں۔

میں ان تمام لوگوں کے نام ایک دائرے کی شکل میں لکھ لوں گا اور دعا کرتے وقت انہیں نگاہ میں رکھوں گا، اور ان لوگوں کو رسائلِ نور کے خصوصی شاگردوں کی فہرست میں شامل کرلوں گا، یہ لوگ میری معنوی کمائیوں میں میرے شریکِ کار رہیں گے۔

میری ترجمانی کرتے ہوئے ان لوگوں کے والدین کو ان کے اعزا واقربا کو اور ان کے اساتذہ کو میرا سلام کہنا۔ میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان لوگوں کو اور ان کی آل اولاد کو دنیا وآخرت میں نیک بخت بنائے۔ آمین، آمین، آمین

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے عزیز بھائیو!

ضروری تو یہ تھا کہ اس دور میں ایمانی حقائق مقصدِ اوّل اور ہر شے پر مقدم ہوتے، اور دیگر تمام اشیا دوسرے

تیسرے یا چوتھے درجے پر ہوتیں، ہونا تو یہی چاہیے تھا اب عین وہ وقت کہ جب لازم تو یہ تھا کہ رسائلِ نور کے ذریعے ان حقائق کی خدمت کرنا ہمارا سب سے پہلا وظیفہ رہتا اور یہ وظیفہ ہماری تمام تر توجہ اور اہتمام مرکز اور مقصود بالذات رہتا، لیکن اچانک یہ دیکھنے میں آیا کہ احوالِ عالم اور دنیاوی زندگی اور خاص کر معاشرتی زندگی اور اس سے بھی خاص کر سیاسی زندگی اور خاص الخاص طور پر جنگ عظیم جو کہ جدید تہذیبی گمراہیوں اور رذالتوں میں غضب الٰہی کی ایک تجلّی بن کر نازل ہوئی ہے؛ ان تمام چیزوں نے تعصب اور پارٹی بازی کی رَگ پھڑکا دی ہے اور اس سے متعلقہ کھینچاتانیوں کی فضا پیدا کر دی ہے۔ یہ چیزیں دل کی گہرائی تک رسائی حاصل کر گئی ہیں اور وہاں سے ہیرے جیسے قیمتی ایمانی حقائق کو اُکھاڑ کر ان کی جگہ پُرنقصان وہ فانی خواہشات و رغبات رکھ چکی ہیں۔

اس منحوس دور نے رگوں میں خون کو جما دیا ہے اور ان میں ان اُمور کی اس حد تک پیوندکاری کر دی ہے کہ رسائل نور کے دائرے سے باہر کے کچھ سطحی قسم کے لوگ بلکہ بعض کمزور قسم کے مشائخ نے اپنے معاشرتی اور سیاسی زندگی کے ساتھ گہرے تعلق کی وجہ سے ایمانی حقائق کو دوسرے یا تیسرے درجے پر رکھا ہوا ہے، اور اپنے ساتھ فکری ہم آہنگی رکھنے والے منافقوں کے دوش بدوش چلنے کے لیے ان کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھا رہے ہیں، اور جو اہلِ حقیقت بلکہ اہلِ ولایت ان کی مخالفت کرتے ہیں ان کے ساتھ دشمنی کا برتاؤ کرتے ہیں اور ان پر تنقید کرتے ہیں۔

پس اس دور کو گھیرے میں لے لینے والے اس خطرے کے مقابلے میں رسائلِ نور کی خدمت اور اس مصروفیت نے سیاست حاضرہ اور اس کی تمام تر دلچسپیوں کو میرے نظرِ اہتمام سے اس حد تک گرا دیا ہے کہ میں نے گزشتہ چار ماہ سے اس عالمی جنگ کو نہ تو کبھی کوئی اہمیت دی ہے اور نہ اس کے بارے میں کبھی پوچھا ہے۔

پھر رسائل نور کے خاص الخاص شاگرد جو نیستی سے دو چار نہ ہونے والے ہیرے کا حکم رکھنے والے ایمانی حقائق کی ذمہ داریاں نبھانے میں مصروف ہیں، انہیں اپنی اس مقدس ذمہ داری کو نبھانے میں کسی قسم کی سستی اور تھکاوٹ کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے اور اپنے افکار کو ظلم کیش لوگوں کی شطرنج بازی کی دلچسپی میں ملوّث نہیں کرنا چاہیے؛ کیونکہ حق تعالیٰ نے ہمیں ایک نورانی وظیفہ عطا کیا ہے اور ان لوگوں کو ظالم قسم کے تاریکیوں بھرے کھیل دے دیے ہیں، پس ایسے وقت میں کہ جب وہ لوگ اتنی بے پروائی کا مظاہرہ کر رہے ہیں کہ ہمارے تعاون کے لیے کوئی قدم نہیں اُٹھاتے اور ہمارے پاس موجود قُدسی انوار کے بارے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے؛ ایسے وقت میں ہم جب اپنی ذمہ داریاں چھوڑ کر ان کے تاریک تر کھیل دیکھنے میں مصروف ہو جائیں گے تو یہ بہت بڑی غلطی ہوگی۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

اِن دنوں جو لوگ تم پر سختیاں کر رہے ہیں اور رسائل نور کے بارے میں بُری نیتیں رکھتے ہیں، مجھے ان کے اس رویے سے دلی صدمہ ہوا ہے، میں نے ان پر بددُعا کرنے کا ارادہ کر لیا تھا، لیکن مجھے ''اسپارٹا'' پر ترس آگیا، تب میں نے ارادہ تبدیل کر لیا اور یہ دعا مانگی: ''اے اللہ! 'اسپارٹا' رسائلِ نور کے مدارس میں سے ایک مدرسۃ الزہراء ہے، اس لیے اس میں جتنے بھی لوگ ہیں ان سب کی، حتیٰ کہ حکومت کے ان نالائق عہدے داروں کی بھی اصلاح کر دے، اور ان کے لیے حسنِ خاتمہ کا بندوبست کر دے۔''

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے معزز و وفادار جاں نثار بھائیو!

''انوار'' نے ''اسپارٹا'' میں موقوف ہو جانے کے بعد وہاں کے بجائے یہاں پر ظہور میں آنے کی آمادگی ظاہر کر دی ہے۔۔۔ الحمدللہ۔۔۔ ھذا من فضلِ ربی

ہماری نگرانی پر مامور ایک آدمی ہمارے پاس آیا تھا، یہ آدمی بڑا اہم تھا جو کہ ہمارے اور سیاسی معاملات کے ساتھ گہرا تعلق رکھنے والا تھا، میں نے اس سے کہا:

میں نے گزشتہ اٹھارہ سال سے نہ تو کبھی تمہاری طرف رجوع کیا ہے اور نہ کبھی کوئی اخبار پڑھا ہے، اور آٹھ مہینے سے احوالِ عالم کے بارے میں ایک مرتبہ بھی کبھی کسی سے کچھ نہیں پوچھا ہے، گزشتہ تین سال سے جس ریڈیو کی آواز یہاں تک آتی ہے اُس ریڈیو کو بھی نہیں سنا ہے، صرف اس خدشے کے تحت کہ ہماری قدسی خدمت کو کوئی معنوی نقصان نہ پہنچ جائے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان کی خدمت اور اس کے حقائق دنیا کی ہر چیز سے بلند ہیں، اور یہ کسی بھی چیز کے تابع یا اس کے آلۂ کار نہیں ہو سکتے۔

ہمیں قرآن کریم کی خدمت نے اہلِ غفلت و اہلِ ضلالت سے بچ کر رہنے کے لیے اور دین کو دنیا کے لیے بیچ ڈالنے والے اور بقا بدوش قیمتی ہیرے کے بدلے میں ٹھیکرے لے لینے والے غافلوں سے محتاط رہنے کی غرض سے اس دور میں سیاست سے قطعی طور پر منع کر رکھا ہے؛ تاکہ لوگ اس ایمانی خدمت کو خارج میں پائی جانے والے حالات کے دھاروں کا آلۂ کار یا دُم چھلا نہ سمجھ بیٹھیں، اور تاکہ عوام کی نظر میں ان کی قیمت گر نہ جائے۔

پس اے اہلِ سیاست و اہلِ حکومت! تم لوگ ہمارے بارے میں جن خدشات و خطرات کا شکار ہو چکے ہو انہیں یکسر

جھٹک دو اور ہمارے معاملات میں دلچسپی لینا چھوڑ دو، ایسا کرنے کے بجائے تمہاری اصل ڈیوٹی تو یہ ہے کہ ہمارے لیے سہولتوں کا انتظام کرو؛ کیونکہ ہماری خدمت امن واحترام اور مہر و محبت کی بنیادیں رکھتی ہے اور امن و استقرار و نظم وضبط کے لیے اور معاشرتی زندگی کو انارکی و مطلق العنانی سے بچانے کے لیے سرگرمِ عمل ہے۔ اور اس طرح یہ تمہاری حقیقی ذمہ داری کی بنیاد استوار کر رہی ہے، اور اسے مضبوط کر رہی ہے اور اس کی تائید کر رہی ہے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے عزیز وفادار بھائیو!

ابھی صرف دس منٹ پہلے رسائل نور کے دائرے میں دو آدمی داخل ہوئے ہیں، ان میں سے ایک دوسرے کو لے کر آیا ہے، دونوں ہی بہادر اور مردانہ صفات سے بہرہ ور ہیں، لیکن دونوں ہی ناخواندہ قرأت وکتابت سے دربدر ہیں۔ میں نے ان دونوں سے کہا:

یہ دائرہ جو عظیمُ الشان نتائج بروئے کار لاتا ہے ان کے مقابلے میں غیر متزلزل دوستداری اور نرم نہ پڑنے والی مضبوطی وسخت جانی کا مطالبہ کرتا ہے۔ ''اسپارٹا'' کے سپوتوں نے جو اس طرح کی عجیب وغریب نوری خدمات پیش کی ہیں جن سے ایک عالم انگشت بدنداں رہ گیا ہے، صرف ان کی بے مثال دوستداری اور بلند پایہ مضبوطی اور سخت جانی کا کرشمہ ہے۔ اور اس مضبوطی وسخت جانی کا پہلا سرچشمہ ایمانی قوت اور اخلاص کی عادت ہے، اور دوسرا سرچشمہ فطری شجاعت ہے۔

اور میں نے ان سے کہا: تمہاری پہچان شجاعت وفتوت ہے، اب اس شجاعت وفتوت کا استعمال اگر تم دُنیا کے غیر اہم اور چھوٹے موٹے کاموں کے لیے کرو گے، تو پھر اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اپنے اس طرزِ عمل سے تم مردانگی، شجاعت اور قربانی کا اظہار رسائلِ نور کی قدسی خدمت کی راہ میں کرو گے اور اُن اخروی نتائج کے مقابلے میں جو کہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں، رسائل نور کے ساتھ اپنی دوستی نبھاتے رہو گے۔ ان دونوں نے میری یہ بات مکمل طور پر مان لی اور خوش ہوگئے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

انسانی دنیا اور اسلامی دنیا کے اس وقت جو تین ابھرتے ہوئے مسائل ہیں، یعنی ایمان، شریعت اور حیات؛ اُن میں سے سب سے بڑا مسئلہ ایمان کے حقائق کا مسئلہ ہے۔ اس لیے رسائل نور کے خواص اور سچے شاگرد سیاست سے بہت دور بھاگتے ہیں اور اس سے انتہائی زیادہ نفرت کرتے ہیں۔ اور ایسا صرف ایمانی قرآنی حقائق کو بچانے کے لیے ہے کہ کہیں یہ دیگر قوتوں کا اور تحریکوں کا آلۂ کار اور ان کا ماتحت وفرمانبردار نہ بن جائے، اور قرآن کے ہیرے جیسے نفیس حقائق کی حفاظت کرنے کے لیے کہ کہیں وہ دین کو دنیا کے بدلے بیچنے والے یا اِسے دنیا کے لیے آلۂ کار بنانے والے لوگوں کی نظر میں کانچ کے ٹکڑوں کے درجے تک نہ گر جائیں، اور یہ لوگ ایسا صرف اس لیے کرتے ہیں کہ ایمان کی خدمت جو کہ ایک مقدس ترین اور عظیم ترین خدمت ہے اُسے محفوظ کیا جائے تا کہ وہ صحیح طریقے سے ادا ہوتی رہے۔

بلکہ یہ بات تو تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو کہ تمہارے اس بھائی نے پچھلے اٹھارہ سال کے دوران اپنی کسی شدید تر ضرورت کے باوجود بھی حکومت کی طرف کبھی رجوع نہیں کیا ہے؛ صرف اس بنا پر کہ اس کا سیاست اور معاشرتی زندگی کے ساتھ تعلق اور میل جول نہ رہے، جیسے کہ اس نے گزشتہ آٹھ نو مہینوں سے کرۂ ارض پر چلنے والے ہرج مرج کے بارے میں ایک دفعہ بھی نہیں پوچھا ہے، اور اس کے بارے میں جاننے کی کبھی خواہش بھی نہیں کی۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

اے اس شہرت کے طلبگار جسے عرفِ عام میں ''شان وشوکت'' کہا جاتا ہے، مجھ سے سن! میرا یہ مشاہدہ ہے کہ شہرت عین ریا اور دل کی موت ہے، اس لیے اس کی طلب نہ کرتا کہ تو لوگوں کا غلام نہ بن جائے۔ اور اگر تجھے بغیر طلب کے خود بخود مل جائے تو کہہ: "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ"۔

میرے بھائیو! آپ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم اپنے مسلک میں انانیت غرور، حُبِ ذات اور شہرت کے پردے میں چھپے ہوئے مقامات ومراتب کی طلب سے ایسے بھاگتے ہیں جیسے زہرِ قاتل سے، حتیٰ کہ ہر ایسی چیز سے بچتے ہیں جن پر اس طرح کے حالات کا گمان بھی گزرتا ہو!

چنانچہ مثال کے طور پر: آپ نے گزشتہ سات سال میں مشاہدہ کیا ہے اور بیس سال کے عرصے میں اپنی تحقیقات میں اس بات کا ادراک کر لیا ہے کہ میں اپنی ذات کے لیے کسی احترام ومقام کا طلبگار نہیں ہوں۔ اس بات سے میں نے آپ لوگوں کو سختی سے منع کیا ہے اور اگر آپ لوگوں نے مجھے میری حد سے بڑھ کر کوئی مرتبہ دے دیا تو مجھے اچھا نہیں لگے گا، مجھے صرف ایک ہی مقام ومرتبہ قبول ہے، اور وہ یہ کہ میں رسائلِ نور کا جو کہ اس دور میں قرآن حکیم کا ایک معنوی معجزہ ہیں،

شاگرد بن کر رہوں اور انہیں تسلیم کرنے اور ان کی تصدیق کرنے کی صورت میں ان کے ساتھ وابستہ رہوں۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالشُّكْرُ لَهٗ۔

- اے سعید! مطلق تواضع، فنائے تام اور انانیت کو کُلّی طور پر ترک کردینے میں مٹی کی طرح ہو جا؛ تا کہ تُو کہیں رسائل نور کی صفائی ستھرائی کو گدلا نہ دے اور دلوں میں ان کی تاثیر کم کرنے کا سبب نہ بن جائے!
- وہ شخص کہ جس نے — بفضل اللہ — آج سے تیس برس پہلے دنیا کی وقتی اور عارضی شہرت، خود پسندی، خود بینی، غرور و خود فریبی اور کبر و ناز میں پائے جانے والے بے پناہ نقصانات کا ادراک کر لیا تھا، اور اس بنا پر اُس نے اپنی تمام خداداد قوتوں کے ساتھ۔ اپنے نفس کو انانیت سے بچانے کے لیے اور اسے حتی المقدور ریا کاری اور بناوٹ سے دور رکھنے کے لیے کامل تواضع اور تجرّد سے مزین ہو کر مجاہدے کا آغاز کر دیا تھا، حتی کہ اس پر اس کے بعض معاملات میں تعاون کرنے والے دوستوں نے اور اس بات کو جاننے والوں نے سچی گواہی دی ہے۔

اس پر مزید یہ بھی کر لیں کہ اس کا بیس سال سے ان تمام چیزوں سے کنارہ کش رہنا جنھیں ہر انسان اپنے لیے پسند کرتا ہے؛ جیسے کوئی معنوی مقام حاصل کرنا، لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنا، اُن کی طرف سے تعریف اور مدح و ثنا کا خواہش مند رہنا اور یہ توقع رکھنا کہ وہ اس کے بارے میں مبالغہ آمیز حسنِ ظن رکھیں اور اس طرح کی دیگر چیزیں جن کے بارے میں انسان کا نفس لپکتا اور للچاتا ہے بلکہ اس کا اپنے خاص دوستوں کو اپنے بارے میں حد سے زیادہ حسن ظن رکھنے سے منع کرنا، بلکہ اس معاملے میں اپنے خالص دوستوں کے احساسات کو مجروح کر دینا، جیسے کہ اس کے ان کی طرف ارسال کیے گئے خطوط سے ثابت ہے...... اور جس نے ان خطوط میں خود کو ہر فضیلت سے محروم شمار کیا ہے اور بتایا ہے کہ فضل و کرم تمام کا تمام اللہ کے لیے اور رسائل نور کے لیے جو کہ قرآن کریم کی تفسیر ہے خاص ہے اور اس بنا پر طلابِ نور کی معنوی شخصیت کے لیے ہے...... اور یہ کہ وہ تو اس مبارک خدمت میں صرف ایک خادم کی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ تمام چیزیں اس بات کو قطعی طور پر ثابت کرتی ہیں کہ اس کی تنگ و دَو لوگوں کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے نہیں ہے، بلکہ اس تصور کو شدت کے ساتھ رد کرتی ہیں۔

تو اب سوال یہ ہے کہ امنِ عامہ اور دیگر حکومتی ارکان کو ان لوگوں سے جو خدشات لاحق ہو رہے ہیں جو انانیت، حبِّ ذات اور شہرت اور دکھاوے کے پردے میں چھپی ہوئی ریا کاری سے مجتنب رہتے ہیں، بلکہ اس اجتناب کو اپنے عمل کا دستور بنا کر رکھتے ہیں؛ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟! اور اس کا جواز کیا ہے؟ یہ ایک ایسی بات ہے جسے پاگل بھی سمجھتے ہیں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے عزیز اور وفادار بھائیو!

میں نے ان دنوں تقویٰ اور عمل صالح کی بنیادوں کے بارے میں کافی غور وفکر کیا ہے، اس حیثیت سے کہ قرآن پاک کی نظر میں یہ دونوں یعنی تقویٰ اور عمل صالح ایمان کے بعد سب سے بڑے ستونوں کا درجہ رکھتے ہیں۔

تقویٰ یہ ہے کہ ممنوعہ چیزوں کو چھوڑ دیا جائے، گناہوں، سیاہ کاریوں اور نافرمانیوں سے دور رہا جائے۔ اور عمل صالح یہ ہے کہ بھلائیاں کمانے کے لیے وہ کام کئے جائیں جنھیں کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اس دور میں جو کہ اخلاقی اور روحانی تباہی، نفسِ امارہ کی شرانگیزی اور نفسانی خواہشات کی بے لگامی کا دور ہے...... تقویٰ بہت بڑی بنیاد بلکہ تمام بنیادوں کے لیے اساسی پتھر کی حیثیت اور عظیم الشان اہمیت اختیار کر جاتا ہے، کیونکہ اس کا مطلب ہی مفاسد کو دور ہٹانا اور کبائر کو ترک کرنا ہے؛ کیونکہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ: مفاسد کو دور ہٹانا منافع کو کھینچ کر پاس لانے سے زیادہ بہتر ہے۔

"دَرْءُ الْمَفَاسِدِ أَوْلٰی مِنْ جَلْبِ الْمَنَافِعِ"

اس دور میں روح واخلاق کو تباہ کرنے والے منفی رجحانات کی تند وتیز لہریں چونکہ زور وشور سے اٹھ رہی ہیں، اس لیے تقویٰ اس خوفناک تباہ کاری کے آگے سب سے بڑی اور بنیادی رکاوٹ بن جائے گا۔

اب جو آدمی فرائض ادا کرتا ہے اور کبائر کا ارتکاب نہیں کرتا، وہ ان شاء اللہ نجات پا جائے گا؛ کیونکہ چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ان کبائر کے درمیان خالص عمل کی توفیق مل جانا بڑی نادر اور کمیاب چیز ہے۔

ان مشکل حالات اور کڑی شرائط کے گھیرے میں رہ کر عمل صالح اگر قلیل مقدار میں بھی کیا جائے تو وہ کثیر کا حکم رکھتا ہے۔

پھر خود تقویٰ کے ضمن میں ہی ایک قسم کا عمل صالح اور بھی ہے، کیونکہ حرام کا چھوڑ دینا واجب ہے اور واجب کا ثواب بہت سی سنتوں اور نفلوں سے زیادہ ہے۔

تو ایسے حالات جن میں گناہ اور برائیاں ہر طرف سے حملہ آور ہو رہی ہیں، ایسے حالات میں تھوڑے سے عمل کے ہمراہ ایک گناہ سے ایک دفعہ بچ جانا سو گناہوں سے بچ جانے (وہ گناہ جو اس گناہ پر مرتب ہوں گے)، اور اسی طرح سو واجبات کو سرانجام دینے کے برابر ہوگا۔ یعنی نہ صرف گناہوں سے بچنے کا بلکہ سینکڑوں اعمال کرنے کا بھی ثواب ملے گا۔

یہ نکتہ بڑا اہم اور قابل توجہ ہے، اور یہ چیز صرف خالص نیت، تقویٰ اور گناہوں اور سیاہ کاریوں سے کنارہ کشی کے ارادے سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اور پھر یہ کہ اس طرح انسان ایسے اعمال صالحہ کا ثواب حاصل کر لیتا ہے جو ایک ایسی

عبادت سے پیدا ہوا ہے جس میں اس نے کوئی زیادہ کوشش بھی نہیں کی ہے۔

وقتِ رواں میں قرآن کریم کے خادم طلبۂ نور کے کندھوں پر جو سب سے اہم ذمہ داری ہے وہ یہ ہے:

یہ لوگ اپنے تمام اعمال میں تقویٰ کو بنیاد بنائیں اور پھر سیاہ کاریوں کے اس ہولناک ہجوم اور چاروں طرف سے گھیرا ڈالے ہوئے گناہوں کا سامنا اس کی ڈھال پہن کر کریں؛ کیونکہ ایک انسان کو موجودہ دور میں معاشرتی زندگی کے رنگارنگ طور طریقوں کے ضمن میں ہر لحہ سینکڑوں سینکڑوں گناہوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ اس صورت حال میں صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کی نیت ہی ایسی چیز ہے جو انسان میں بے شک ایسی صلاحیت پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ گویا کہ سینکڑوں اعمالِ صالحہ سرانجام دے رہا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس تقوے کے طفیل سینکڑوں محرمات سے دامن کشاں رہتا ہے۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ بیس آدمی بیس دنوں میں ایک عمارت نہیں بنا سکتے، لیکن شخصِ واحد اسے ایک دن میں گرا سکتا ہے۔

اس لیے جو اخلاقی اور روحانی اقدار کو تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے اس تخریب کار کے مقابلے میں بیس آدمی تعمیری ذہن رکھنے والے کھڑے ہوں۔ لیکن جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں معاملہ اس کے برعکس ہے، اور وہ اس طرح کہ ویران کرنے والے اور تخریب کار ہزاروں ہیں اور ان کے مقابلے میں تعمیر ساز ایک ہے، اور وہ ہے ''رسائل نور''۔

بنابریں! اکیلے رسائل نور کے خُدّام القرآن کا ایک دہشت ناک تباہ کاریوں کے مقابلے میں کھڑا ہو جانا یہ انتہائی فوق العادت اور حیرت انگیز امر ہے! اور اگر ایک دوسرے کے بالمقابل یہ دونوں (تخریبی اور تعمیری) ایک ہی قوت کی سطح پر آجائیں، یعنی ہم پلہ ہو جائیں تو روحانی اور اخلاقی تعمیر و کردار سازی کے میدان میں انتہائی حیرت انگیز اور کرشماتی کامیابیاں سامنے آئیں۔ اس ضمن میں ہم صرف ایک مثال بیان کرتے ہیں:

اجتماعی زندگی میں جو چیز سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے، وہ یہ ہے کہ: چھوٹا بڑے کی توقیر کرے اور بڑا چھوٹے پر شفقت کرے۔ لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس اخلاقی بنیاد میں بھی دراڑیں پڑ چکی ہیں، حتیٰ کہ اس ضمن میں بڑی افسوس ناک قسم کی خبریں سننے کو ملتی ہیں، اولاد کی طرف سے والدین کی گستاخیوں اور والدین کی طرف سے اولاد پر عدمِ شفقت کے بہت سے دلدوز قسم کے واقعات سامنے آئے ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ معاشرے کی یہ مضبوط بنیاد ہل چکی ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ قرآنی رسائل ''رسائل نور'' جہاں بھی گئے تخریب کاری کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے اور نہ صرف اس مضبوط اجتماعی دیوار کو سنبھالا دے گئے بلکہ اس کی تعمیر میں بھی لگ گئے۔

جس طرح یاجوج ماجوج سدِّ ذوالقرنین کو تباہ کر کے زمین میں فساد پھیلائیں گے اسی طرح کائنات میں سرایت کر جانے والا اور خوف وہراس، بدنظمی، افراتفری اور بے لگامی کی تاریکیوں سے بھرا ہوا یہ فساد اس کائنات کو گھیرے میں

لے چکا ہے اور زندگی اور اخلاق پر بدترین مظالم اور الحاد پرستی کے سائے دراز کر چکا ہے؛ یہ فساد یاجوج ماجوج کے فساد سے کہیں زیادہ پرآشوب اور بدنما ہے...... چنانچہ سدِ قرآنی یعنی تابندہ و درخشندہ شریعت محمدی کے متزلزل ہو جانے کے نتیجے میں بحر و بر میں فساد رونما ہو گیا ہے۔

طُلّابِ نور کا اس تباہ کن سیلاب کے مقابلے میں معنوی جہاد — اللہ کے حکم سے — بہت زیادہ ثواب کا حامل اور نتیجہ خیز شمار ہوگا؛ کیونکہ اس میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جہاد کی جھلک پائی جاتی ہے، اس لیے وہ لوگ تھوڑے عمل کے مقابلے میں بہت بڑے ثواب کے حق دار ٹھہریں گے۔

پس اے میرے عزیز بھائیو!

ان حساس اور مشکلات سے بھرے حالات اور ان سنگین واقعات کے سامنے ہمارے پاس اخلاص کی قوت کے بعد سب سے بڑی قوت اخروی اعمال میں اشتراک ہے؛ کیونکہ اس وسیلے سے تم میں سے ہر آدمی اپنے بھائیوں کے اعمال نامے میں بہت سی نیکیاں درج کر سکتا ہے؛ بالکل ایسے جیسے وہ تقویٰ کے قلعے اور اس کی خندقوں میں زبان کے وسیلے سے بہت سی کمک ارسال کرتا ہے۔

اور خاص کر اپنے اس عاجز اور فقیر بھائی سعید کے لیے جس پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں، تمہارا یہ بھائی ان تین مبارک مہینوں اور ان حاضر دنوں میں تمہاری کمک اور مساعدت کا بہت زیادہ محتاج ہے۔

اور میں تم لوگوں سے اس امداد و مساعدت کو کوئی بعید نہیں سمجھتا؛ کیونکہ تم لوگ اس تگ و دو کے قابل بھی ہو اور اس کے اہل بھی۔ اور تم ہی اپنے اس بھائی کے حالات پر ترس کھانے والے مشفق ہیرو اور وفا شعار ساتھی ہو، اور میں تم لوگوں سے یہ روحانی مساعدت اپنے مکمل جسم و جان اور روح کی گہرائیوں سے مانگ رہا ہوں۔

اور دوسری طرف میں بھی اپنے طالب علموں کو اپنی دعاؤں اور روحانی نیکیوں میں شریک رکھوں گا، بلکہ بسا اوقات میں تم لوگوں کے لیے "طلاب نور" کے نام سے سو سے بھی زیادہ بار دعا کرتا ہوں، لیکن اس میں "وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے"؛ کیونکہ اخروی اعمال میں اشتراک کے لیے ایمان اور وفاداری بنیادی دستور ہے۔

تمام بہن بھائیوں کو — اور ان میں اَن پڑھ شیوخ اور معصوم بچے سرفہرست ہیں — ہمارا سلام پہنچا دیں۔ اسی طرح بابرکت انجمن "النور" اور انجمن "الورد" اور "المدرسۃ النوریہ" کو ہمارا سلام اور سعادت و سلامتی کی دعا۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

اللہ تعالیٰ کی بے پایاں حمد وثنا کہ رسائلِ نور از خود منتشر ہوتے جا رہے ہیں اور ان کی فتوحات ہر سمت میں پھیلتی جا رہی ہیں، اور اہلِ ضلالت کی تمام تدبیریں ان کی فتوحات کو روکنے سے عاجز آ گئی ہیں، بلکہ بہت سے مُلحد اور بے دین لوگ تو ان کے آگے اپنے ہتھیار پھینک کر ہاتھ کھڑے کر رہے ہیں جیسے ''حافظ علی'' نے کہا ہے۔ یہ لوگ رسائل سے بہت زیادہ خوفزدہ ہیں۔ ان دنوں یہ لوگ رسائل کے ساتھ اپنے الحاد کے لیے تعصب کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے برسرِ پیکار ہیں کہ اُن سے خوفزدہ ہیں۔ ان کا یہ خوف عنقریب رسائل کے لیے مفید ثابت ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

پھر میں اپنے اس پرانے فاضل دوست کے لیے اور بیدار مغز لوگوں کے لیے اور تمہارے لیے بھی یہ واضح کرتا ہوں کہ ''جدید سعید'' قرآنِ معجز بیان کے فیضان سے ایمانی حقائق کے براہین کو حق اور منطق کے اتنے بلند درجات کی روشنی میں بیان کرتا ہے کہ انہوں نے صرف مسلمان علما ہی نہیں یورپ کے ضدی ترین فلسفیوں کو بھی لاجواب کر دیا ہے اور لاجواب کرتے چلے آ رہے ہیں اور انہیں ہتھیار پھینک دینے پر آمادہ کرتے چلے آ رہے ہیں۔

رہا قرآنِ معجز بیان کا اِس دور میں نگاہوں کو اپنے معنوی معجزات — یعنی رسائلِ نور — کی طرف پھیر دینا اور اس کا اِن کی طرف اشاری معنی کی صورت میں اس طرح کا اشارہ کرنا کہ جس طرح اُن کی قدر و قیمت اور اہمیت کی خبر حضرت علیؓ اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اشاری اور رمزی طریقے سے دی ہے؛ وہ صرف اس لسانُ الغیب قرآن کریم کے اعجاز کی شان اور اس کی معجزاتی بلاغت کا تقاضا ہے۔

جی ہاں، عین اس وقت جبکہ ہم، ''اَسکی شہر'' کی جیل میں ان کمر توڑ حالات میں کسی مقدس تسلی کے بہت زیادہ محتاج تھے، مجھے اچانک ایک معنوی اشارے کے ذریعے کہا گیا کہ تو رسائلِ نور کے لیے پہلے اولیا کے کلام سے شواہد لاتا ہے، حالانکہ اس مسئلے کے لیے تو ﴿وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ اِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِيْنٍ﴾ کی رُو سے قرآن کریم زیادہ بہتر ہے، تو آپ کا کیا خیال ہے قرآن کریم رسائلِ نور کو قبول کرتا ہے؟ اور قرآن کریم ان رسائل کو کس نظر سے دیکھتا ہے؟

میں اس عجیب وغریب سوال کے سامنے خود کو بے بس سا محسوس کر رہا تھا۔ چنانچہ میں نے قرآن سے مدد مانگی، تو ایک ساعت کے اندر اندر ہی مجھے محسوس ہونا شروع ہو گیا کہ رسائلِ نور تینتیس آیتوں میں مندرج ہیں، بالکل اس ایک فرد کی طرح جو کلیّے کے اس اشاری معنی میں داخل ہوتا ہے جو صریحی معنی کے متعدد طبقات وتفریعات کا ایک طبقہ یا اس کی ایک فرع ہوتا ہے، اور مجھے یہ بات بھی محسوس ہو گئی کہ ان رسائل کا اس معنی میں داخل ہونے کا قوی قرینہ موجود ہے، اور بعض

قرائن تو مجھے ایک گھنٹے کے اندر اندر کسی حد تک واضح طور پر نظر آ گئے اور بعض مجمل طور پر، اس بنا پر میرے اطمینان میں کسی بھی طرح کا کوئی شک وشبہ، وسوسہ یا وہم باقی نہ رہا۔ اور میں نے اپنا یہ قطعی اطمینان اہلِ ایمان کے رسائل نور پر ایمان کی حفاظت کی نیت سے سپردِ قلم کر دیا اور وہ تحریر اس شرط پر اپنے خاص الخاص بھائیوں کے سپرد کر دی کہ یہ ایک خاص ذاتی تحریر کے طور پر ان کے ہاں محفوظ رہے گی، ہمارا اس رسالے میں یہ دعویٰ نہیں ہے کہ آیت کا صریحی معنی یہی ہے، جس بنا پر علما و مشائخ کو یہ کہنا پڑے کہ: اس میں نظر ہے۔ اسی طرح ہم نے یہ بھی نہیں کہا ہے کہ: اشاری معنی کلی طور پر یہی ہے، بلکہ ہمارا کہنا تو یہ ہے:

آیتِ کریمہ کے صریحی معنی کے تحت معانی کے متعدد طبقات ہیں، ان میں سے ایک طبقہ رمزی اور اشاری معنی کا ہے پھر یہ اشاری معنی ایک کُلّی ہے جس کی ہر دور میں بہت سی جزئیات اور بہت سے افراد ہیں، اور رسائلِ نور اس دور میں اس کا ایک فرد ہیں۔ اور علما کے درمیان قدیم دور سے جَفر اور اَبجد کے حساب سے دلائل و قرائن و براہین نکالنے کا دستور چلا آرہا ہے، حساب کے اس دستور کو سامنے رکھا جائے تو یہ دلائل اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہ فرد عنقریب نگاہوں کا مرکز بن جائے گا اور بڑا جلیل القدر وظیفہ ادا کرے گا، اور اس طرح آیت کریمہ کے ظاہری مفہوم پر کوئی غبار نہیں آتا ہے اور اس کا صریحی معنی مجروح نہیں ہوتا، بلکہ یہ انداز قرآن کے اعجاز کو اور اس کی بلاغت کو واضح کرنے کا ایک وسیلہ ہے؛ اس لیے اس طرح کے غیبی اشارات پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

اہلِ حقیقت نے بے شمار قرآنی آیات سے لاتعداد استنباط کیے ہیں، اس لیے جو آدمی ان استنباطات کا انکار نہیں کرتا اسے اس کا بھی انکار نہیں کرنا چاہیے، بلکہ وہ انکار کر ہی نہیں سکتا۔

رہا وہ معترض جسے میرے جیسے عام آدمی کے قلم سے رسائلِ نور جیسی اہم تالیفات کے برآمد ہوتے حیرانی ہوئی ہے اور وہ اس بات کو ناممکن سمجھ رہا ہے، تو یہ آدمی اگر اللہ تعالیٰ کی اُس قدرت کی عظمت کے بارے میں غور کرلے جس نے صنوبر کے پہاڑ جیسے درخت کو گندم کے دانے کے حجم کے بیج سے پیدا کر دیا ہے، تو یہ بات کہنے پر مجبور ہو جائے گا کہ اس شدید ضرورت کے دور میں میرے جیسے عجزِ مطلق اور فقیرِ مطلق کے پُتلے کے ہاتھوں ان جیسی تالیفات کا ظہور میں آنا اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

اور میں رسائلِ نور کے مقام و مرتبے کی طرف سے تم لوگوں کو اور اعتراض کرنے والوں کو اطمینان دلاتا ہوں کہ ان اشارات نے، اور اولیائے کرام کی طرف سے وارد ہونے والے ایمانی رموز اور اخبارات نے مجھے ہمیشہ حمد و شکر کرنے پر اور اپنے عیوب و نواقص پر توبہ و استغفار کرنے پر آمادہ رکھا ہے اور اس سے میرے نفسِ امارہ میں کوئی اس طرح کی انانیت اور حبِّ ذات پیدا نہیں ہوئی کہ جو ان کی وجہ سے ایک لمحے کے لیے بھی فخر و غرور کا باعث بن سکے۔ اور یہ بات میں اپنے اُن حالات کو سامنے رکھ کر ثابت کر رہا ہوں جو کہ گزشتہ بیس سالوں سے آپ لوگوں کے سامنے ہیں۔

جی ہاں، اس حقیقت سے بڑھ کر ایک چیز اور بھی ہے، اور وہ یہ کہ عیب و سہو و نسیان سے کوئی انسان بھی خالی نہیں، اور

مجھ میں بہت سے ایسے عیوب ونواقص پائے جاتے ہیں جو میں نہیں جانتا، اور بسا اوقات میں ذہنی پراگندگی کا بھی شکار ہو جاتا ہوں جس کی وجہ سے رسائل میں غلطیاں درآتی ہیں۔

یہ دور جس میں ان حقیقی اور مضبوط دعاؤں کو بظاہر شکست اور پسپائی کا سامنا ہے، جن کے جھنڈے کے نیچے لاکھوں اہلِ ایمان ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو کر اکٹھے ہو گئے ہیں، اگر چہ اس دہشت خیز گمراہی کی شدید ضربوں کے مقابلے میں ان کے مشارب ومذاہب اور طرق میں اختلاف ہے۔

ایسے وقت میں رسائلِ نور نے یہ تمام حملے اپنے سینے پر سہے ہیں اور تمام بوجھ اپنے کندھے پر اُٹھا لیے ہیں۔ اور یوں ایمان کی راہ میں اپنا راستہ خود ہموار کر کے سب سے آگے بڑھ گئے ہیں۔

لہٰذا، ان کی تالیف کی نسبت ایک عاجز اور نیم خواندہ آدمی کی طرف کرنا ممکن نہیں جس نے اپنی زندگی جلاوطنی، جیل اور حکومت کی سخت نگرانی میں بسر کی ہے اور جس کے خلاف پروپگنڈے کیے جاتے ہوں اور لوگوں کے دلوں میں نفرتیں بھری جاتی ہوں، یعنی اس طرح کے آدمی کا ان رسائل کا مالک ہونا ممکن نہیں اور اس آدمی کے لیے بھی ممکن نہیں کہ وہ ان کی وجہ سے خود پر فخر کرے؛ کیونکہ یہ اس کے فہم وذکا اور اس کی مہارت سے برآمد نہیں ہوئے ہیں۔ بلکہ یہ تو صرف اس زمانہ میں قرآن کریم کے معنوی معجزات میں سے ایک براہِ راست معجزہ اور رحمتِ الٰہیہ کے احسانات میں سے ایک احسان ہیں۔ صرف اتنا ہے کہ اس آدمی نے اور اس کے ہزاروں دوستوں نے اس عالی شان نفیس ترین اور ہدیے کے لیے اپنے ہاتھ بڑھائے ہیں اور ان کی نشر واشاعت کے لیے سب سے پہلا قرعۂ فال اس آدمی کے نام نکل آیا ہے۔

اس چیز کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ بعض رسائل چھ گھنٹوں میں لکھے گئے ہیں، کچھ دو گھنٹوں میں، کچھ ایک گھنٹے میں اور کچھ دس منٹوں میں۔

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میرے پاس قدیم سعید کی ذہانت اور اس کی قوتِ حافظہ ہوتی تو بھی جو کچھ اس وقت دس منٹ میں لکھا گیا تھا میں اپنی طرف سے دس گھنٹوں میں بھی نہ لکھ پاتا، اور جو ایک گھنٹے میں لکھا گیا اُسے اپنی سوچ سے دو دنوں میں بھی نہ لکھا جاتا۔

تیسواں مقالہ کہ جس میں ''أنا'' کی ماہیت کے بارے میں بحث کی گئی ہے، اور جو چھ گھنٹوں میں لکھا گیا تھا، وہ میری طرف سے اور دیگر فلاسفہ وعباقرہ کی طرف سے چھ دنوں میں بھی نہ لکھا جا سکتا۔

پس ہم اگر چہ مُفلس ہیں، ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے، لیکن ہم قیمتی ہیروں کی نمائش گاہ میں خدام اور ایجنٹ بن چکے ہیں۔

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے معزز و فادار بھائیو!

ایک دن فجر کے اذکار کے دوران میرا نفس امارہ ''سعید قدیم'' کے احساسات کی تقلید میں اُس بدترین کینہ پرور غیبت سے متاثر ہو کر ہیجان میں آ گیا جس کے ذریعے ''استنبول'' میں مقیم اس شیخ نے مجھ پر حملہ کیا ہے، میرا نفس اس سے ہیجان میں آ گیا اور کہنے لگا: ''میں مظلوم ہوں، اور یہ ظلم میری طاقت سے بڑھ کر ہے'' اور یہ کہہ کر انتقام کا مطالبہ کرنے لگا۔ تب میرے دل میں فوراً یہ وارد ہوا جو کہ: ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ استنبول میں رسائل نور کی نشر و اشاعت کا وسیلہ بن جائے۔ اور تُو جب اپنی دنیاوی اور اُخروی زندگی کو رسائلِ نور کی فداکاری میں صرف کر رہا، تو پھر اس راہ میں اپنی عزتِ نفس بھی فدا کر دے۔

پھر جب دنیا میں ایسے لوگ بھی پائے گئے ہیں جنہوں نے فخرِ عالم اور سببِ تخلیق کائنات ﷺ کو مجنون کہا ہے، تو پھر عزتِ نفس کے ٹوٹنے کی پروانہ کر جو کہ اس سورج کے مقابلے میں ایک چھوٹے سے ذرّے کی حیثیت رکھتا ہے اور یوں میرا دل اس غیبی اشارے کی وجہ سے مطمئن ہو گیا۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

شیخ ''علی رضا'' جو استنبول کے کبار اور محقق علما میں سے ہیں، اور جو کہ ایک لمبے عرصے تک ''امین الفتویٰ'' کے منصب پر فائز رہے ہیں جو کہ ''مفتیٔ الانام'' کے نام سے معروف ہے، انہوں نے جب ''آیۃ الکبریٰ'' نامی رسالہ اور ''شعاعِ اوّل'' میں پائے جانے والے قرآنی اشارات اور ان جیسے دیگر رسائل پڑھے تو انہوں نے رسائلِ نور کے ایک سرکردہ طالب علم ''حافظ امین'' سے کہا: مجھے قطعی یقین ہے کہ بدیع الزمان نے اس زمانے میں اسلام کی بہت بڑی خدمت کی ہے اور اس نے اس پرفتن و ہولناک دور میں خود کو اسی مہم کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ اس کی تالیفات غایت درجے کی نفیس اور صحیح ہیں، اور یہ کہ رسائلِ نور دین کی تجدید کرنے والے ہیں۔ ''أَسْأَلُ اللهَ تَعَالَى لَهُ التَّوْفِيقَ، آمین۔''

اسی طرح بعض لوگوں نے بدیع الزمان پر یہ اعتراض کیا ہے کہ وہ داڑھی کیوں نہیں رکھتا؛ شیخ صاحب نے اس کا اس سے بھی دفاع کیا ہے، اور اس بارے میں مولانا جلال الدین رومی کے والدِ گرامی سلطانُ العلما کے قصے سے بھی استشہاد کیا ہے، اور اس چیز کا بھی اضافہ کیا ہے: ''یہ ضرور ہے کہ اس مسئلے میں بدیع الزمان کا کوئی اپنا اجتہاد ہوگا، اعتراض کرنے والے حق پر نہیں ہیں''۔ میں ''شیخ مصطفیٰ'' کو یہ بات نوٹ کروا رہا ہوں کہ:

میں بدیع الزمان کو مکمل احترام کے ساتھ اپنا سلام بھیج رہا ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ آپ کی تالیفات کی تکمیل کے معاملے میں آپ کا حامی و مددگار رہے، پس تم اپنے اس جہاد کو جاری رکھو، اور بعض علماء سو جو آپ پر معترض ہوتے ہیں اُن کی تنقید سے متاثر نہ ہونا؛ کیونکہ جیسا کہ سب جانتے ہیں پتھر پھل دار درخت کو ہی مارے جاتے ہیں، اللہ فیّاضِ مُطلق سے سوال ہے کہ وہ تمہیں بھلائیوں کی توفیق دے، اور تمہیں جلد از جلد منزلِ مراد تک پہنچا دے۔ دُمتم فی عنایۃ اللہ الحق الباقی۔

امینُ الفتویٰ السابق

علی رضا

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے معزز وفادار، مدقق اور مستقیم بھائیو!

ایک بہت بڑی حقیقت ہے جس کا بیان کرنا اور اس کے بارے ایک سنجیدہ سی تنبیہ کرنا بہت ضروری ہے، اور وہ یہ ہے کہ: اولیائے صالحین کو چونکہ آیت کریمہ ﴿لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کی رُو سے جب تک اللہ نہ بتائے غیب کا علم نہیں ہوتا؛ کیونکہ غیب کا علم اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا ہے۔

اولیائے صالحین کو چونکہ جب تک اللہ نہ بتائے تو غیب کا علم نہیں ہوتا، کیونکہ غیب کا علم اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا ہے؛ اس لیے بڑے سے بڑا ایک ولی بھی دوسرے ولی کی حقیقت اور احوالِ واقعی پر مطلع نہیں ہو سکتا ہے، بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی حقیقت سے بے خبر ہونے کی وجہ سے اس کا دشمن ہی بنا رہے۔ صحابہ کرامؓ میں سے عشرہ بشرہ کے درمیان جو ہوا اس بات کی بہترین دلیل ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ولی جب دوسرے ولی کا انکار کرتا ہے تو اس سے دونوں کے مقامِ ولایت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، الّا یہ کہ کوئی ایسا معاملہ سامنے آ جائے جو شریعت کے ظاہر کے خلاف ہو۔ اس لیے:

1۔ آیتِ کریمہ ﴿وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ کے دستور کی اتباع کے ساتھ۔

2۔ اہلِ ایمان کے ایمان کو شکست و ریخت سے بچانے کے لیے، اور ان کے آپس میں، اور ان کے اور ان کے شیوخ و رؤسا کے درمیان قائم حسنِ ظن کی حفاظت کر کے۔

3۔ مخلص اور ارکان کی حیثیت رکھنے والے طلّابِ نور کو غصے کے نقصان دہ جذبات سے بچانے کے لیے —اگرچہ وہ جذبات سچے ہی ہوں— باطل اعتراضات کی وجہ سے اُبھرنے والے غصے والے جذبات کے نقصان دہ جذبات سے بچانے کے لیے —اگرچہ وہ جذبات سچے ہی ہوں— جو کچھ بھی ضروری ہو اس کی بنا پر۔

4۔ اہلِ حق کے دونوں گروہوں کے درمیان جنم لینے والی وہ خصومت جس سے اِلحاد پرست لوگ اس خصومت سے بچ کر رہنا جس کی وجہ سے ملحد لوگ ایک گروہ کے ہتھیار کے ساتھ اور اس کے اعتراضات کے ساتھ دوسرے گروہ کی چمک دمک کو پوشیدہ کرنے کے لیے اسے مجروح کرتے ہیں اور ایک کو ذلیل کرنے کے لیے دوسرے کے دلائل کا سہارا لیتے ہیں اور پھر دونوں کو ایک ساتھ پسپا کر دیتے ہیں۔

ان مذکورہ بنیادوں کے پیشِ نظر طلاب نور کے لیے لازم ہے کہ وہ راستے کا روڑا بننے والے لوگوں کا سامنا تیزی تُرشی اور تہوُّر سے نہ کریں، اور انہیں ترکی بہ ترکی جواب بھی نہ دیں، بلکہ ان کا فرض ہے کہ وہ مصالحت کی رُوح کا اظہار کرتے ہوئے اور نقطۂ اعتراض کا وضاحت کے ساتھ جواب دیتے ہوئے صرف خود کا دفاع کرنے پر اکتفا کریں، کیونکہ اس دور میں انانیت اتنا سر اُٹھا چکی ہے کہ ہر شخص اپنی قدِ آدم کے برابر برف کے تودے جیسی انانیت کو پگھلانے کے لیے اور اس میں کوئی تبدیلی لانے کے لیے تیار نہیں بلکہ اپنے نفس کے لیے، ہمیشہ اس کا جواز نکالتا ہے اور اسے معذور سمجھتا ہے۔ یہ ہے مقام جہاں وہ خصومت و منازعت جنم لیتی ہے جس سے باطل پرست و گمراہ لوگ ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں اور اس کا گناہ اہلِ حق کے کھاتے ہیں چلا جاتا ہے۔

اور معلوم اعتراض کا واقعہ یہ بتاتا ہے کہ رسائل نور کو اور اس کے شاگردوں کو مستقبل میں کچھ اس طرح کے لوگوں سے بہت سے اعتراضات کا سامنا کرنا پڑے گا جنھیں اپنے مشرب پر بڑا ناز ہے اور معاشرے میں انہیں کچھ مقام و مرتبہ بھی حاصل ہے، اور ان لوگوں میں وہ صوفی مشرب لوگ بھی شامل ہیں جو اَنا پرست اور خود مست ہیں۔

ایک تو وہ لوگ جنھیں اپنے مسلک و مشرب پر بڑا ناز ہے، دوسرے وہ صوفی مشرب لوگ جو انا پرست اور خود مست ہیں، تیسرے کچھ وہ لوگ جو ہیں تو اہل حق اور اہلِ ارشاد، لیکن وہ اپنے مسالک و مشارب کے رسوم و رواج کو اور اپنے پیروکاروں کی حسنِ توجہ کو سنبھال کر رکھنے کی دُھن میں نفسِ امارہ کی آلائشوں سے پاک نہیں ہو سکے اور حبِّ جاہ کے بھنور سے باہر نہیں آسکے، بلکہ بسا اوقات تو وہ رسائلِ نور کے اور طلاّبِ رسائلِ نور کے مقابلے میں کچھ اس انداز سے آئے ہیں کہ وہ انداز واقعتاً دہشت خیز ہے۔ پس اس طرح کے واقعات میں ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم صبر، حوصلے، برداشت، ضبطِ نفس، اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کریں، دشمنی سے دور رہیں اور مخالف گروہوں کے سربراہوں پر تنقید کرنے اور ان کی اہمیت گھٹانے کی روش سے گریز کریں۔

میں ایک ایسا راز افشا کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں، جسے افشا کرنے کے لیے دل نہیں چاہتا تھا، اور وہ یہ ہے کہ رسائلِ نور کا معنوی شخص اور اُن خاص شاگردوں کا — جو کہ رسائل کے معنوی شخص کے ترجمان ہیں —، معنوی شخص، یہ دونوں مقام ''فرید'' کے مظہر ہیں، اس بنا پر جس طرح یہ دونوں اُس قطبِ اعظم کے دائرۂ تصرّف سے باہر تھے جو اکثر حجاز میں ہوتا ہے — چہ جائیکہ کسی بھی علاقے کے قطب کے زیرِ تصرّف ہو جائیں — اُسی طرح یہ دونوں اُس کے حکم کے تحت

آنے کے لیے یا اُس کا اعتراف کرنے کے لیے مجبور نہیں ہیں، جیسے کہ ہر دور میں دو اماموں کے موجود ہونے کے مسئلے کا معاملہ ہے۔

میرا بہت عرصے سے یہ خیال تھا کہ رسائل کا معنوی شخص اُن اِماموں میں سے کوئی امام ہوگا، پھر اب جا کر مجھ پر یہ واضح ہوا کہ قطب اعظم میں جب ''قطبیت'' اور ''غوثیت'' کے ساتھ ساتھ ''فردیت'' بھی یکجا ہوگئی ہے، تو پھر رسائل نور بھی کہ جن کے ساتھ آخری زمانے میں غوثِ اعظم کے شاگرد وابستہ ہیں، ''مقامِ فردیت'' کے مظہر ہیں۔

اس بنا پر اگر —بفرضِ محال— ایسا ہو جائے کہ رسائل نور پر قطبِ اعظم کی طرف سے، بلکہ مکہ مکرمہ کی طرف سے بھی کوئی اعتراض وارد ہو تو طلاّبِ نور کو چاہیے کہ وہ ثابت قدم رہیں، پریشان نہ ہوں اور ڈگمگائیں نہیں، بلکہ اس قطبِ اعظم کی طرف سے وارد ہونے والے اعتراض کو اُن کی طرف سے کریمانہ التفات، برکت کی دُعا اور سلام سمجھیں، ان کے ہاتھ چومیں اور اپنے اس عظیم استاد کے لیے اُن نقطہ ہائے اعتراض کی وضاحت کر کے اُن کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

پس اے میرے بھائیو! یہ دور جو کہ ایسی خوفناک لہروں کی اور ایسے ہولناک حوادث کی لپیٹ میں ہے کہ جن سے دنیا تھرّا رہی ہے اور لوگوں کی زندگی کپکپا رہی ہے۔ اس دور میں بہت زیادہ ثابت قدمی، بہادری و زندہ دلی اور جان نثاری کی ضرورت ہے۔

جی ہاں، باوجود اس کے کہ لوگ آخرت کے بارے میں جانتے ہیں اور ان کا اس پر ایمان بھی ہے، لیکن اس کے باوجود ان کا دنیا کو آخرت کے مقابلے میں بہتر ماننا، اور ان کا اس دنیا کے ساتھ آخرت کے مقابلے میں زیادہ محبت رکھنا اور جان بوجھ کر رضامندی کے ساتھ ٹوٹے ہوئے کانچ کو ہمیشہ صحیح سالم رہنے والے الماس پر ترجیح دینا، اور مستقبل کی صاف شفاف لذت کے خزانے کو موجودہ زہر آلود لذّت کے ایک درہم پر قربان کر دینا ہی اس دور کی مہلک بیماری اور خوفناک مصیبت ہے، جیسے کہ آیتِ کریمہ ﴿يَسْتَحِبُّونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ﴾ کے اشاری معنی سے پتا چلتا ہے۔

اس مصیبت کی وجہ سے بسا اوقات کچھ حقیقی مومنین بھی بڑی گھمبیر قسم کی غلطیاں کر جاتے ہیں، جیسے گمراہوں کا ہمنوا بن جانا وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اہلِ ایمان کو اور طلاّبِ رسائلِ نور کو ان مصائب کی برائیوں سے محفوظ رکھے۔ آمین!

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے بھائیو!

اس دور میں، اور خاص کر اس وقت طلابِ نور کے لیے آخری درجے کے صبر وثبات، باہمی پشتیبانی اور احتیاط و دور اندیشی کا مظاہرہ کرنا نہایت ضروری ہے، اور الحمد للہ ''اسپارٹا'' اور اس کے مضافات کے سپوت نے پہاڑ جیسے صبر وثبات کا کچھ ایسا مظاہرہ کیا ہے کہ وہ اس باب میں ایک قابل تقلید نمونہ بن گئے ہیں۔

اور آپ، اے ''خسرو!'' مجھے آپ کا خوبصورت اور پُر تاثیر خط مل گیا ہے، مجھے اس بات کی بہت زیادہ خوشی ہوئی ہے کہ آپ نے اپنی ذمہ داری پھر سے سنبھال لی ہے، اتنی خوشی کہ بیان سے باہر ہے: میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔

آپ کا مادی قلم جو ڈیڑھ سال تک معطل رہا ہے آپ اس کا بالکل غم نہ کریں؛ کیونکہ ''معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کی صورت میں آپ کے قلم کی یادگار آپ کی جگہ مشرقی صوبہ جات میں ایک منفع خیز، فعال گردش کر رہی ہے، اور آپ کے ہاتھوں کا لکھا ہوا آخری نسخہ آپ کی بجائے استنبول میں کام کر رہا ہے اور اللہ کرے تو فتوحات کرتا ہوا آگے بڑھتا جائے گا۔

بس آپ یہ سوچیں کہ قرآنِ عظیم الشان کے معجزے کی حیثیت رکھنے والے آپ کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے یہ دو نسخے ان علاقوں میں اور خاص کر رمضان المبارک کے مہینے میں آپ کے لیے کس قدر اجر وثواب اور تبریک واستحسان کا باعث بنیں گے!

اور آپ یہ بھی سوچیں کہ یہ دونوں نسخے جب طبع ہو کر عالمِ اسلام میں داخل ہو جائیں گے تو وہاں کے اطراف و اکناف سے آپ کی روح پر رحمت کی دعاؤں کے کیسے بادل برسنا شروع ہو جائیں گے۔ آپ اس کے بارے میں سوچیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے معزز وفادار بھائیو!

مجھے اپنے ایک ہزار تجربات کے نتیجے میں اس بات کا مکمل اطمینان حاصل ہو چکا ہے کہ میں جس دن رسائلِ نور کی خدمت کرتا ہوں، اُس خدمت کے حساب سے دل میں روشنی اور اُجالا، بدن میں چُستی و کشادگی اور ذہن میں صفائی و ستھرائی اور معیشت میں برکت ہو جاتی ہے، اس بات کا اعتراف اور بھی بہت سے لوگ کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ''یہ چیز

ہم بھی محسوس کرتے ہیں۔'' میرا جو کم اَز کم چیز پر گزارہ ہو جاتا ہے، جیسے کہ میں نے پچھلے سال لکھا تھا، وہ اسی برکت کی بنا پر ہے۔

امام شافعیؒ سے ان کا یہ قول منقول ہے: ''میں مخلص طالب علم کے رزق کا ضامن ہوں؛ کیونکہ اُن کے رزقوں میں برکت ہے۔''

یہ بات اگر حقیقت ہے، اور طلّابِ رسائل نور نے اِس دور میں خالص طالب علم کے اوصاف سے متصف ہونے کی مکمل اہلیّت ثابت کر دی ہے، تو پھر اس دور میں قحط اور بھوک کا کامیاب حل ان رسائل کی خدمت کو چھوڑ کر معیشت کی ضروریات کا بہانہ بنا کر معیشت کے پیچھے دوڑ دوڑ کر ہانپنا نہیں بلکہ شکر گزاری، کفایت شعاری اور رسائل نور کی شاگردی کا دامن پکڑنا ہے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

......رسائلِ نور اور اس کے وہ شاگرد جو اِن کا مکمل درس لے چکے ہیں، وہ ان کے سہارے دنیاوی سیاست کرنا تو درکنار، اُن کے بدلے دنیا و مافیہا بھی لینے کے لیے تیار نہیں ہیں، اور یہ لوگ آج کے دن تک اپنی اس روش پر دلائل دیتے چلے آ رہے ہیں۔

ہم اہلِ دنیا کی دنیا میں دخل نہیں دیتے، ہماری ذات سے کسی دُکھ یا نقصان کا اندیشہ رکھنا بیوقوفی ہے۔

اوّلاً: قرآن کریم نے ہمیں سیاست سے روک رکھا ہے، تا کہ اس کے الماس جیسے حقائق اہلِ دنیا کی نظر میں کانچ کے ٹکڑوں کے درجے تک نہ گر جائیں۔

ثانیاً: ہمیں شفقت، وجدان اور حقیقت بھی سیاست سے باز رکھتے ہیں؛ کیونکہ طمانچوں کے مستحق ملحد منافق اگر دس میں سے دو ہیں، تو ان کے ساتھ تعلق رکھنے والے معصوم بچے، کمزور، مریض اور بوڑھے سات آٹھ ہیں، اس لیے جب پریشانی آئے گی اور مصیبت ٹوٹے گی تو نقصان ان معصوم بے گناہ لوگوں کا ہوگا، اور ان ملحد منافقوں کو اگر کوئی تکلیف پہنچی بھی تو بالکل معمولی سی پہنچے گی۔

اس بنا پر شفقت، رحمت اور حق وحقیقت کہ جن پر رسائل نور مشتمل ہیں، اپنے شاگردوں کو ایسے انداز سے سیاست میں داخل ہونے سے منع کرتے ہیں جس سے امن اور نظام میں خلل واقع ہو، ان کے نتائج کا بروئے کار آنا تو ایک مشکوک فیہ امر ہے۔

ثالثاً: یہ وطن، یہ قوم اور یہ حکومت اگر چہ کسی بھی شکل میں ہوں رسائلِ نور کی بہت زیادہ محتاج ہیں، اس لیے، حتی کہ آخری درجے کے مُلحد اور لادین لوگوں پر بھی یہ چیز واجب ہے کہ ان کے ساتھ دشمنی مول لینے کے بجائے اور ان سے خوف کھانے کے بجائے ان کی ان دساتیر کی طرف داری کریں جو دین اور حق کے دامن کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے ہوئے ہیں۔ ہاں اگر وہ قوم و وطن اور اسلامی حاکمیت کے ساتھ خیانت کر رہے ہیں تو یہ بات اور ہوگی؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قوم و وطن کی سماجی زندگی کو تباہ کن اَنارکی سے بچانے کے لیے پانچ بنیادیں بہت ہی ضروری ہیں، ان میں سے پہلی بنیاد ہے: رحمت، دوسری ہے: احترام، تیسری ہے: امن، چوتھی ہے: حلال وحرام کی پہچان اور حرام سے اجتناب اور پانچویں ہے: نظام کا احترام اور بدنظمی، اَنارکی اور بے لگامی سے اجتناب۔

اس سے پتا چلا کہ رسائلِ نور جب معاشرتی زندگی کے معاملات ہاتھ میں لیتے ہیں تو ان پانچوں بنیادوں کو تحفظ فراہم کرتے ہیں اور امن وسلامتی کی بنیادیں رکھتے ہیں؛ اس لیے ان کی راہ میں روڑے اَٹکانے والوں کو اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ ان کی یہ روش بدنظمی واَنارکی اور قوم و وطن وامن کے ساتھ دشمنی کے کھاتے میں جاتی ہے۔

یہ بات میں نے خلاصۃً اس جاسوس کے گوش گزار کر کے اُسے کہا: یہ بات جا کر ان لوگوں کے کانوں سے نکال دیں جنھوں نے تمھیں بھیجا ہے، اور ان سے یہ بھی کہہ دو کہ وہ آدمی کہ جس نے اپنے لیے سہولت حاصل کرنے کی خاطر پچھلے اٹھارہ سال سے ایک دفعہ بھی حکومت کی طرف رجوع نہیں کیا ہے، اور اس نے ان جنگوں کی خبروں میں کبھی دلچسپی نہیں لی جن کی وجہ سے دنیا پچھلے اکیس برس سے فتنہ وفساد کی لپیٹ میں ہے، اور جس نے اونچے اونچے عہدوں پر فائز اہم شخصیات کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھانے سے ہمیشہ گریز کیا ہے اور ان سے بے نیاز رہ کر زندگی گزاری ہے...... اُس آدمی سے خوفزدہ اور لرزہ براَندام رہنے کا مطلب کیا ہے؟ صرف اس احتمال کے گمان سے ہی کہ وہ کہیں تمھاری دنیا میں دخل اندازی نہ کرے، تم لوگ ہمہ وقت نگرانی کر کے اور اس کی گھات میں رہ کر اس کی دنیا کو تنگ کیوں کرنا چاہتے ہو؟ ایسا کرنا کون سی مصلحت کا تقاضا ہے؟ یا کون سا قانون اس کی اجازت دیتا ہے؟

یاد رکھو کہ عام لوگ تو رہے ایک طرف یہ بات تو پاگل بھی جانتے ہیں کہ اِس آدمی کی راہ روکنا پاگل پن ہے!!

اس جاسوس نے میری یہ بات سُنی، اور چلا گیا۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے معزز بھائیو!

آپ لوگوں کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے رسائل کے درمیان میں نے ''اخلاص واخوت'' نامی رسالے کے نسخے دیکھے، تو مجھے مزید درس دینے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی، اس لیے میں تمہیں اس طرح کے رسائل کے دروس کا مشورہ دیتا ہوں، البتہ چند ایک باتوں کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرا رہا ہوں:

ہمارا مسلک چونکہ اخلاص پر تکیہ کناں ہے اور ایمانی حقائق پر بنیاد رکھتا ہے؛ اس لیے ہم اپنے مسلک کے مطابق جب تک مجبور نہ ہو جائیں، معاشرتی زندگی اور دنیاوی اُمور میں دخل اندازی نہیں کرتے۔ اور ہمیں ان حالات سے دستکش اور دور ہی رہنا چاہیے جو مقابلہ بازی، خود انحصاری اور آپسی کشمکش تک پہنچا دیتے ہیں۔ پس افسوس اور صد ہزار افسوس ان اہلِ علم، اہلِ تقوی اور کمزور لوگوں کے لیے جو دورِ حاضر میں خطرناک سانپوں کی یلغار کی زد میں ہیں، پھر مچھروں کی نیش زنیوں کے ساتھ مشابہت رکھنے والی معمولی ہفوات کی دلیل پکڑتے ہیں اور اس طرح وہ ایک دوسرے پر تنقید کر کے ان سرکش اژدہوں کا تعاون کرتے ہیں اور تخریب وتدمیر کے کاموں میں ان زندیق منافقوں کی مدد کرتے ہیں، بلکہ ان خبیثوں کے ہاتھوں ہلاک ہونے کے لیے ان کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔

چنانچہ ہمارے ایک مخلص بھائی کے خط میں ہے کہ ایک عمر میں بزرگ قسم کے عالم دین واعظ نے رسائلِ نور کے ساتھ کچھ اس انداز سے تعرّض کرنا چاہا جس سے انہیں نقصان پہنچ سکتا ہو، چنانچہ اس نے اِس دعوے کے ساتھ میری شخصیت پر نکتہ چینی کی کہ ایک میرے جیسے کمزور شخص نے کہ جس میں ہزاروں عیب پائے جاتے ہیں ایک سنت نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کو چھوڑ رکھا ہے، جبکہ میں نے اُسے ایک اہم عذر کی وجہ سے چھوڑا ہوا ہے۔

اوّلاً: یہ بات آپ بھی جان لیں اور وہ بزرگ بھی جان لیں کہ میری حیثیت تو رسائلِ نور کے خادم کی اور اس دوکان کے آڑھتی کی سی ہے، رہے رسائلِ نور تو وہ قرآن عظیم الشان کے ساتھ مربوط ایک حقیقی تفسیر ہے، وہ قرآن جو کہ عرشِ اعظم کے ساتھ متصل ہے، اور جہاں تک تعلق ہے مجھ میں پائے جانے والے نواقص وعیوب کا، تو وہ رسائلِ نور میں سرایت نہیں کرتے ہیں۔

ثانیاً: اس فاضل عالم وواعظ کو میرا سلام پہنچاؤ، انہوں نے مجھ پر جو اعتراضات کیے ہیں وہ مجھے بسر وچشم قبول ہیں اور مجھ پر جو تنقید کی ہے مجھے وہ بھی قبول ہے، لیکن تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ تم لوگ شیخ صاحب کو یا ان جیسے دیگر قابلِ احترام لوگوں کو مناقشے یا مناظرے پر آمادہ نہ کرو، بلکہ اگر کوئی ناپسندیدہ رویہ سامنے آجائے تو اگرچہ دعائیہ انداز کے ساتھ ہی ہو، جوابی کاروائی نہ کرو؛ کیونکہ اس شخص میں اگر ایمان کا شمہ بھی پایا جاتا ہے تو وہ ہمارا بھائی ہے، خواہ کوئی بھی ہو، حتی کہ اگر وہ ہمارے ساتھ دشمنی کا برتاؤ بھی کرے تو بھی ہمارے لیے ہمارے مسلک کے مطابق، اُسے ترکی بہ ترکی جواب دینا ممکن نہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے کہیں زیادہ بہت سے قوی دشمن اور کہیں زیادہ زہریلے سانپ موجود ہیں۔ اور ہمارے ہاتھوں میں نور ہے لاٹھیاں نہیں، اور نور دُکھ نہیں دیتا اور اپنی روشنی کے ذریعے نرمی وملاطفت کا مظاہرہ

کرتا ہے، اس لیے انانیتوں کو بھڑکنے کا موقع نہ دو، اور خاص کر ایسے آدمی کی انانیت جو اہلِ علم میں سے ہو اور اُس کی انانیت علم کی راہ سے آ رہی ہو، بلکہ جہاں تک ہو سکے آیت کریمہ ﴿وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا﴾ کے دستور کو سامنے رکھ کر خود ہی سمجھنے کی کوشش کرو۔

پھر یہ فاضل شیخ اگر اس سے پہلے رسائل نور کے دائرے میں داخل ہو چکے ہیں اور ان کی کتابت میں شریک ہوئے ہیں، تو وہ ان کے دائرے میں ہی ہیں، اس لیے اگر ان کے ہاں کسی فکری غلطی نے جنم لیا ہے تو ان سے درگزر کرو۔

پھر یہ عجیب و غریب دور ہمارے مسلک اور ہماری قدسی خدمت کی طرح ہم سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ ہم اس طرح کے متدین اور اصحابِ طریقت لوگوں سے اُلجھیں نہیں، بلکہ ان لوگوں سے بھی نہ اُلجھیں جن میں ایمان کی جھلک پائی جاتی ہے، اگر چہ وہ گمراہ فرقوں کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں، حتی کہ اگر چہ وہ عیسائیوں میں سے نہ ہوں کہ جو اللہ کی پہچان رکھتے ہیں اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور یہ کہ ہم ان کے ساتھ اختلافی نقطہ ہائے نظر کو مناقشہ وجدال کا باعث نہ بنائیں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

رسائل نور کا مسلک اللہ کے معاملات میں مداخلت نہ کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری نبھاتے چلے جانا ہے، چنانچہ ان کی ذمہ داری صرف تبلیغ ہے، رہی تاثر پذیری اور قبولیت، تو یہ اللہ کا کام ہے۔

پھر کمیت کی تو کوئی اہمیت ہی نہیں، کیونکہ آپ کو اگر اس علاقے میں ایک ''عاطف''[1] مل گیا ہے تو سمجھیں کہ ایک نہیں سول گئے، اس لیے ان خارجی اُمور میں جہاں تک ہو سکے دخل اندازی نہ کریں اور ان کی وجہ سے پریشان نہ ہوں، البتہ محتاط ضرور رہیں!

یہ دور غفلت و بے کاری اور ہموم عیش میں پریشان رہنے کا دور ہے، اس لیے اس دور میں تھوڑا سا عملِ خیر بھی بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے؛ اس لیے توقف، بے ہمتی اور پسپائی نہیں بلکہ ہر طرف رسائلِ نور کی تائید یافتہ فتوحات ہی فتوحات ہیں۔

سعید نورسی

[1] اُس سے مراد ''عاطف اورال'' ہیں، جو کہ رسائلِ نور کے ایک شاگرد تھے، عزیمت و اخلاص کے بارے میں ان کی مثال دی جاتی تھی۔

باسمہ سبحانہ

میرے عزیز وفادار بھائیو!

رسائلِ نور چونکہ ایک بڑی شان وشوکت والی فکری عبادت کا درجہ رکھتے ہیں، اس لیے انہیں قطعی طور پر دنیاوی مصلحتوں کو حاصل کرنے کے لیے وسیلہ اور دنیاوی نقصانات کے دفاع کے لیے ڈھال نہ بنایا جائے اوران کے ذریعے براہِ راست دنیاوی مقاصد طلب نہ کیے جائیں؛ کیونکہ اگر ایسا ہوا تو اخلاص میں فساد آئے گا اوراس جلیل القدر عبادت کی شکل تبدیل ہو جائے گی اور انسان ان بچوں جیسا ہو جائے گا جو آپس کی لڑائی میں قرآن کے اُسی سپارے کو ڈھال بنا لیتے ہیں جسے وہ پڑھ رہے ہوتے ہیں، اور یوں اُن کے سر کو لگنے والی چوٹ سپارے کو لازماً لگتی ہے۔اس لیے ان ضدی قسم کے دُشمنوں کے مقابلے میں رسائل نور کو ڈھال نہیں بنانا چاہیے۔

جی ہاں، ایسے بہت سے لوگوں کو تادیبی طمانچے پڑے جو رسائلِ نور کا راستہ روکتے ہیں اوراس کے ساتھ دشمنی کا رویہ رکھتے ہیں۔ اور ایسے واقعات سینکڑوں دفعہ پیش آئے ہیں۔لیکن یہ چیز ضروری ہے کہ رسائل کو تھپڑ مروانے کے لیے استعمال نہ کیا جائے، بلکہ یہ کسی کو نیّت اورارادہ کرنے سے نہیں پڑتے ہیں؛ کیونکہ یہ کام اخلاص اوراللہ کی عبودیت کے منافی ہے۔

جولوگ ہم پر ظلم کرتے ہیں ہم ان کا معاملہ اپنے پروردگار کو سونپتے ہیں جس نے ہمیں محفوظ رکھا ہے اور ہمیں رسائلِ نور کی خدمت کے لیے استعمال کیا ہے۔

جی ہاں، رسائلِ نور پر بہت سے خارقِ عادت دنیاوی نتائج مرتب ہو رہے ہیں،لیکن یہ نتائج طلب نہیں کیے جاتے بلکہ عطا ہوتے ہیں جیسے کہ اہم اَوراد واَذکار میں ہوتا ہے اس لیے یہ معاملے کی علت قطعاً نہیں بن سکتے بلکہ یہ ممکن ہے کہ یہ نتائج ان رسائل سے حاصل ہونے والے فوائد ہوں۔پس اگر طلب کا نتیجہ حاصل ہو جائے تو یہ علّت ہوں گے اور یہ چیز اخلاص کو برباد کر دیتی ہے اوراس عبادت کے کسی بھی حصے کو باطل کر دیتی ہے۔

جی ہاں، رسائلِ نور جو بہت سے ضدّی اور معاند قسم کے لوگوں کے ساتھ مقابلے میں ان پر غالب آ جاتے تو صرف اس لیے کہ ان میں اخلاص پایا جاتا ہے اور یہ کسی بھی دوسری غرض کے لیے وسیلہ نہیں ہیں، ان کا رُخ براہِ راست اَبدی سعادت کی طرف ہے......اوراس لیے کہ یہ ایمان کی خدمت کے علاوہ کسی بھی مقصد کے دَر پے نہیں ہوتے ہیں......اور یہ کسی شخصی کشف وکرامت کی طرف اِلتفات نہیں کرتے جن کی بعض اہلِ طریقت کے ہاں بہت زیادہ اہمیت ہے......اور اس لیے کہ یہ اپنی ذمہ داری ایمان کے انوار کی نشر واشاعت کرنے اوراہلِ ایمان کے ایمان کو بچانے میں ہی محصور رکھتے ہیں......اوراس طرح کی دیگر اشیا جوان رسائل نے نبوت کی اس وراثت سے حاصل کی ہیں جوولایتِ کُبریٰ کے حاملین صحابہ کرام کی شان ہے۔

جی ہاں، وہ دو محقق نتیجے جو اس پُرآشوب دور میں رسائلِ نور عطا کرتے ہیں وہ دونوں نتیجے ہر چیز سے بلند ہیں، اور یہ دونوں نتیجے صوفیانہ مقامات کی یا اس طرح کی دیگر کسی بھی چیز کی ضرورت باقی نہیں رہنے دیتے۔

پہلا نتیجہ: یہ ہے کہ رسائلِ نور کے دائرے میں پورے اخلاص اور اطمینان کے ساتھ داخل ہونے والوں کا خاتمہ بالایمان ہوتا ہے، اور اس بات کی بڑی قوی علامات موجود ہیں۔

دوسرا نتیجہ: رسائلِ نور کا ہر سچا حقیقی طالب علم ہزاروں زبانوں اور ہزاروں دلوں کے ساتھ دعا مانگتا ہے اور استغفار کرتا ہے اور بعض فرشتوں کی طرح چالیس ہزار زبانوں کے ساتھ تسبیح کرتا ہے، اور وہ ایک لاکھ ہاتھوں کا مالک ہے جو بلند پایہ قدسی حقائق کی جستجو کرتے ہیں، جیسے کہ رمضان المبارک کے مہینے میں لیلۃ القدر کی حقیقت کی تلاش و جستجو؛ اور یہ چیز اس اُخروی معنوی شراکت کے تقاضے کی برکت سے ظہور میں آتی ہے جو کہ رسائلِ نور کے دائرے میں ہمارے اختیار کے بغیر ہی قرار پا گئی ہے اور متحقق ہو گئی ہے۔

اس طرح کے نتائج کے لیے ہی رسائلِ نور کے شاگرد نوری خدمت کو ولایت کے مقام پر ترجیح دیتے ہیں، کشف و کرامات کے درپے نہیں ہوتے، دنیا میں آخرت کے پھل توڑنے کی کوشش نہیں کرتے، خالص الٰہیاتی شؤون واحوال جو کہ اُن کے دائرۂ کار سے باہر ہیں، اُن میں دخل نہیں دیتے؛ جیسے توفیق، لوگوں میں مقبولیت، ہر دلعزیزی، غلبہ واقتدار، شہرت و ناموری اور اذواق وعنایات وغیرہ، حالانکہ وہ ان چیزوں کے مستحق ہیں، اور وہ اپنے اعمال کی بنیاد اس طرح کے امور پر نہیں رکھتے، بلکہ وہ یہ کہتے ہوئے خالص مخلص ہو کر عمل کرتے ہیں:

''ہمارا کام صرف خدمت کرنا ہے، اور یہی کافی ہے۔''

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

طلّابِ سائل نور کے درمیان اُخروی معنوی شراکت کی بنا پر ہر طالب علم کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ جب ''آجِرنا ...... ارحمنا ...... اور اغفِر لنا وغیرہ جیسے جملے جمع کے صیغے کے ساتھ استعمال کرے تو رسائل نور کے تمام تر مخلص شاگردوں کو ذہن میں رکھے، تا کہ ہر طالب علم تمام طالب علموں کا ترجمان بن کر عمل اور مناجات کرے، تا کہ لیلۃ القدر جو رمضان المبارک میں پوشیدہ ہے اور جس کی قدر و قیمت اَسّی سال سے زیادہ ہے، اس سے ہم سب ہمکنار ہو جائیں۔ اور تمہارے اِس مسکین بھائی میں عمل کرنے کی قدرت بہت کم ہے، لیکن اُس سے جس خدمت کی اُمید رکھی جا رہی ہے وہ اُس کی حدّ سے بہت بلند ہے، اور وہ تمہارے تعاون کا اُمیدوار ہے جیسے کہ تم نے گزشتہ رمضان میں کیا؛ تا کہ اس سے جو اُمیدیں وابستہ ہو چکی ہیں وہ ان میں ناکام نہ ہو جائے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

تین دن قبل میں نے ''بائیسویں مقالے'' کو جب اُس کی تصحیح ہو رہی تھی؛ سنا، تو میں نے دیکھا کہ اس میں کُلّی ذکر، وسیع فکر، بہت زیادہ تہلیل ایک قوی قسم کا ایمانی درس، غفلت سے خالی حضوری، قُدسی حکمت، بلند پایہ فکری عبادت اور اس طرح کے بہت سے انوار پائے جاتے ہیں، تو اس سے مجھے پتا چلا کہ بعض طلابِ نور جو عبادت کی نیت سے اِن رسائل کی کتابت کرتے ہیں، انہیں پڑھتے ہیں انہیں سنتے ہیں، اس میں حکمت کیا ہے، اور میں نے کہا:

بارك الله؛ اور میں نے اس ضمن میں اُن کی تائید کی۔

سعید نورسی

''قرہ داغ''[1] کا ایک پھل

باسمہ سبحانہ

میرے معزز وفادار بھائیو!

اس مرتبہ خط کے بجائے یہ پھل بھیج رہا ہوں۔

عہدِ حریت سے لے کر اب تک جو مرحلہ ہے وہ قرآن کریم کی ایک آیت کے اشاری معنی کے کلّیے کے افراد میں سے ایک فرد ہے، چنانچہ ایک مرتبہ جب میں ''30 تشرین ثانی، 1385 رومی[2] میں ''قرہ داغ'' کی چوٹی پر چڑھ رہا تھا، اچانک میرے دل میں[3] یہ سوال پیدا ہوا کہ:

نوعِ بشر پر اور خاص کر مسلمانوں پر نازل ہونے والے یہ پے در پے مصائب و آلام کب سے ہیں؟ اور کب تک رہیں گے؟ تب قرآن معجز بیان نے جو کہ میری تمام تر مشکلات حل کرتا ہے سورۃ العصر کھول کر میرے سامنے رکھ دی اور مجھ سے کہنے لگا: دیکھ۔

تب میں نے دیکھا تو نظر آیا کہ آیتِ کریمہ ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ'' جو کہ ہر زمانے کو مخاطب کر رہی ہے اور ہمارے اس زمانے کی طرف مزید توجہ کے ساتھ متوجہ ہو رہی ہے، اپنے اعجاز کے لمعات میں سے ایک لمعے کا انکشاف کر رہی ہے، اور وہ اس طرح کہ اس کے موقع و محل کے اعدادِ علمِ جفر کے حساب 1324 بنتے ہیں جو کہ انسانی خساروں اور

---

[1] ''قرہ داغ'' ترکی لفظ ہے، جس کا معنی ہے ''سیاہ پہاڑ''۔ اور یہاں اس سے مراد وہ پہاڑ ہے جو قسطمونو کے قریب واقع ہے۔

[2] یہ تاریخ رومی تقویم کے حساب سے ہے جو کہ 1942 کے اواخر کے مطابق ہے۔

[3] 1324 رومی 1908 عیسوی کے مطابق ہے۔

آسمانی وزمینی مصائب کی تاریخ کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں، جیسے کہ سلطنت کی تبدیلی جو کہ آزادی کے انقلاب، جنگ بلقان، جنگ اطالیان، پہلی جنگ عظیم کی ہزیمتیں اوراس کے معاہدے، اسلامی شعائر کا اضطراب، ان علاقوں میں آنے والے زلزلے اور آتش زدگیاں، اور روئے زمین پر اُمڈنے والی دوسری جنگ عظیم کی تندوتیز آندھیاں وغیرہ......اور یہی وہ چیز ہے جس کے ذریعے یہ مقام اس زمانے میں ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ﴾ میں پائے جانے والی حقیقتوں میں سے ایک حقیقت کا تعیُّن کرتا ہے۔

اور ﴿اِلاَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ کے آخر میں آنے والی ''تا'' کو حساب میں ''ھا'' شمار کیا جائے گا۔ اور اگر ''شد'' بھی شمار کی جائے تو پھر جفر کے حساب سے اس کا موقع محل اس سال کی اور اگلے سال کی وہی تاریخ ظاہر کرتا ہے، یعنی 1358 اور 1359۔

تو آیت کریمہ نے جیسے یہ بتایا ہے کہ ان خساروں سے اور خاص کر معنوی خساروں سے نجات پانے کا واحد حل ایمان اور عمل صالح ہے، اسی طرح مفہوم مخالف کی رُو سے یہ بتا رہی ہے کہ ان خساروں کا واحد سبب کُفر اور کفرانِ نعمت یعنی ناشکری ہے۔ یعنی عدمِ ایمان اور فسق وفجور ہے۔

چنانچہ ہم نے سورۃ العصر کی عظمت وقدسیت پر یقین رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ یہ سورت چھوٹی سی ہونے کے باوجود بے پایاں حقائق کا ایک لبالب بھرا ہوا خزانہ ہے۔

جی ہاں، جس طرح قرآن سے اُبھرنے والا ایمان اور عملِ صالح عالمِ اسلام کو اس خوفناک دوسری عالمی جنگ سے بچانے کا سبب ہے جو کہ اس زمانے کا خسارہ ہے، اِسی طرح فقرا ومساکین پر نازل ہونے والی بھوک اور قحط سالی کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ روزے میں پائے جانے والی بھوک کی لذت سے ناآشنا رہے ہیں، اور مالداروں کو جو خسارہ اور مال و متاع کا نقصان ہوا ہے، اس کا سبب ان کا زکوٰۃ ادا کرنے کے بجائے مال کی ذخیرہ اندوزی کرنا ہے۔

اور رسائل نور کے ہزاروں اہلِ حقیقت اور بیدار مغز شاگردوں کا مطمئن رہنا بہت سے دلائل کے ساتھ یہ ثابت کرتا ہے کہ رسائلِ نور نے ﴿اِلاَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا﴾ کے مقدس جملے کی حقیقت کو تحقیقی درس کی صورت میں اپنے بلند پایہ انداز کے ساتھ لاکھوں لوگوں کے دلوں میں اُتار دیا ہے، پس اناطولیہ جو میدان جنگ بننے سے بچا رہا، اس کے پیچھے یہی سبب کارفرما ہے۔

رسائلِ نور کے کم سِن معصوم شاگرد

میرے معزز وفادار بھائیو!

ہمیں کچھ وہ نسخے بھی بھیجے گئے ہیں جو رسائل نور کے ساٹھ کے قریب کم سن معصوم طلبہ نے لکھے ہیں، چنانچہ ہم نے

ان اجزا کو تین جلدوں میں جمع کر دیا ہے اور ان میں سے بعض ننھے طالب علموں کے نام بھی لکھ لیے ہیں، مثال کے طور پر ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

عُمر: پندرہ سال، بکر: نو سال، حسین: گیارہ سال، حافظ نبی: چودہ سال، مصطفیٰ: چودہ سال، مصطفیٰ: تیرہ سال، احمد زکی: تیرہ سال، علی: بارہ سال، حافظ احمد: بارہ سال۔ اس کے علاوہ اور بھی اس طرح کی عمر کے بہت سے بچے جن کے نام طوالت کے خوف سے چھوڑ دیے گئے ہیں۔

ان بچوں نے ہمیں اپنے سنے ہوئے رسائل نور کے درس لکھ کر بھیجے ہیں، ہم نے ان کے نام فہرست میں درج کر دیے ہیں۔ اس دور میں ان بچوں کی یہ سنجیدہ کوششیں یہ بات واضح کرتی ہیں کہ رسائل نور میں ایک طرح کی معنوی رعنائی ودلربائی اور جاذبِ نظر روشنی پائی جاتی ہے، اور یہ کچھ اس طرح کی لذت، فرحت اور سرگرمی عطا کرتے ہیں جو اُن تمام تفریحات وترکیبات اور شوق انگیز چیزوں پر غالب آجاتی ہے۔ جو اسکولوں میں اس لیے استعمال کی جاتی ہیں کہ بچے پوری سرگرمی ومستعدی کے ساتھ پڑھائی کی طرف متوجہ رہیں۔

جیسے کہ یہ حالات اس بات کی تاکید کرتے ہیں کہ رسائل نور اپنی جڑیں گہرائی تک لے جاتے ہیں، اور اللہ کے حکم سے کسی بھی شے کے مقدور میں نہیں کہ وہ انہیں جڑ سے اُکھاڑ سکے، بلکہ یہ آئندہ نسلوں تک کے لیے قائم دائم رہیں گے، ان شاء اللہ۔

جو معاملہ ان معصوم چھوٹے بچوں کا ہے، وہی معاملہ ان عمر رسیدہ بوڑھوں کا ہے جو رسائلِ نور کے مبارک دائرے میں داخل ہو چکے ہیں؛ ان لوگوں نے چالیس پچاس سال کی عمر سے آگے بڑھ جانے کے بعد لکھنا شروع کیا، کسی اور مقصد کے لیے نہیں، صرف رسائل کے لیے۔ ہم نے ان کے لکھے ہوئے مواد کے پچاس کے قریب اجزا ایک دو مجموعے میں درج کر دیے ہیں۔

یہ کام جو ان ناخواندہ بوڑھوں نے کیا ہے — اور ان میں سے بعض چرواہے ہیں — اسی طرح جو کام اِس انداز سے اِن سخت جان نوجوانوں نے کیا ہے، اور ان سخت ترین حالات میں ان لوگوں نے رسائلِ نور کو جو ہر چیز سے بہتر سمجھا ہے اور انہیں ہر چیز پر ترجیح دی ہے، یہ چیز ظاہر کرتی ہے کہ اس دور میں رسائلِ نور کی ضرورت روٹی سے بھی زیادہ ہے، اتنی زیادہ کہ ان کسانوں کاشتکاروں، چرواہوں، اور نوجوانوں نے اس ضمن میں وہ محنت کی ہے جو اپنی ضروری حاجات کے لیے بھی نہیں کرتے! اسی طرح یہ چیز رسائل نور کی حقانیت پر بھی مہر تصدیق ثبت کرتی ہے۔

ان لوگوں کے لکھے ہوئے مواد کی تصحیح کرتے وقت مجھے ان آخری چھ جلدوں میں بڑی محنت کرنا پڑی، اور تھوڑی بہت محنت اِس جلد میں بھی، وقت میرا ساتھ نہیں دے رہا تھا، تب میرے دل میں یہ بات وارد ہوئی اور مجھے معنوی طور پر کہا گیا کہ تنگ دِل نہ ہو؛ کیونکہ ان لوگوں نے جو کچھ لکھا ہے اُسے زُود خوان قسم کے لوگ بھی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے پر مجبور ہو گئے

ہیں، اور اس طرح عقل، قلب، روح، نفس اور احساسات، سب کے لیے رسائلِ نور سے اپنا اپنا وہ حصہ لینا ممکن ہو گیا ہے جو کہ غذا و طعام کی حیثیت رکھتا ہے، یہ چیز اگر نہ ہوتی تو صرف عقل ہی اپنی جزوی سا حصہ حاصل کر سکتی اور باقی چیزیں محروم رہ جاتیں۔

رسائلِ نور کو دیگر کتابوں اور دیگر علوم کی طرح نہیں پڑھنا چاہیے؛ کیونکہ ان میں تحقیقی ایمان کے وہ علوم پائے جاتے ہیں جو دوسرے علوم و معارف کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتے، پس یہ عقل کے علاوہ دیگر بہت سے انسانی لطائف کے لیے خوراک اور انوار کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ ان بچوں کی اور اِن اَن پڑھ بوڑھوں کی کتابت میں جو کمی پائی جاتی ہے اس میں دو فائدے ہیں:

پہلا یہ کہ گہری نظر کے ساتھ اور دھیرے دھیرے پڑھنا مجبوری بن جاتی ہے۔

دوسرا یہ کہ رسائلِ نور کے گہرے اور خوبصورت مسائل کو ایک لذت بھری حیرت کے ساتھ سننے کا اور ان مسائل کو مخلص، معصوم، پاکیزہ، صاف ستھری اور میٹھی زبانوں اور بیانوں کے ذریعے حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے۔

سعید نورسی

اسپارٹا کی طرف ایک خط

میرے معزز وفادار بھائیو!

جیسے ایک آدمی نماز کے بعد تسبیح و ذکر و تہلیل کے ذریعے نیت اور تصور کے ساتھ عظیم الشان محمدی دائرے کے ذکر و تسبیح میں مشغول ختم میں، اور تحمیدات کے روئے زمین کے برابر وسیع و عریض احمدی حلقے میں داخل ہوتا ہے تو نماز کی تسبیحات کی برکت سے اس کا داخل ہونا فیوض و برکات کا دار و مدار اور باعث بن جاتا ہے۔ ہم رسائلِ نور کے وسیع دائرے میں رسائل کے دروس حاصل کرنے والے اور ان کے انوار کے حلقے میں کام کرنے والے بابرکت بزرگوں اور ہزاروں معصوم زبانوں سے صادر ہونے والی دعاؤں میں اور اعمالِ صالحہ میں شریک ہونے کی وجہ سے اتنے سعادت مند ہو گئے ہیں کہ بیان سے باہر ہے، اور اسی طرح خیال، نیت اور تصور کے ذریعے زمان و مکاں کو لپیٹتے ہوئے غیبی طور پر ان کے ہمسائے میں ہونے کی وجہ سے بھی اپنے آپ کو بڑا سعادت مند سمجھتے ہیں اور اُن کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں۔

مجھے جو خاص طور پر میری عمر کے آخری حصے میں اس طرح کے بھلے مانس اور عبدالرحمان[1] جیسے سینکڑوں معنوی بیٹے

---

[1] اس سے مراد آپ کے بڑے بھائی کا بیٹا ''عبداللہ'' ہے، جو کہ اُستاد کے مساعد اور معنوی بیٹے تھے، 1928ء میں انقرہ میں فوت ہوئے، اور وہاں کے قریبی قبرستان میں ہی دفن ہوئے۔

ملے ہوئے ہیں، اِس سے مجھے اس دنیا میں ہی جنت کی زندگی ملی ہوئی ہے۔ میں چونکہ پچھلے رمضان میں بیمار ہونے کی وجہ سے اپنے ہر بھائی کے ایک گھنٹے کے عمل کے عظیم الشان نتائج میں سے صرف ایک نتیجہ عینُ الیقین اور حق الیقین کے ساتھ دیکھ چکا ہوں؛ اس لیے وہ دعائیں جو اُن معصوم بچوں، مبارک بوڑھوں اور اساتذہ کرام کی زبانوں سے میرے لیے نکلی ہیں، جن کی دعائیں ردّ نہیں ہوتیں، ان دعاؤں نے اِس دنیا میں میرے لیے رسائلِ نور کی خدمت کے نتائج میں سے ایک ہمیشہ باقی رہنے والا اُخروی نتیجہ ظاہر کر دیا ہے۔

الباقی ھو الباقی

سعید نورسی

ایک فقرہ جو ''اسپارٹا'' بھیجا گیا

رسائلِ نور اپنے سچے اور ثابت قدم شاگردوں کو جو عظیم الشان منافع عطا کرتے ہیں اور اُن کے لیے جو بہت سے اہم ترین نتائج بروئے کار لاتے ہیں، اور اُن سے اُن منافع و نتائج کی جو قیمت مانگتے ہیں؛ یہ ہے کہ وہ مکمل وفاداری، پورے اخلاص اور دائمی عزمِ راسخ اور ثابت قدمی کا پیکر بن کر رہیں۔

جی ہاں، بیس ہزار قابلِ احترام فاضل لوگ اپنے تجربات کی روشنی میں کہتے ہیں کہ وہ مضبوط تحقیقی ایمان جو مدارس میں پندرہ سال کے عرصے میں حاصل ہوتا ہے، رسائلِ نور اُس ایمان کی اہلیت پندرہ ہفتوں میں، بلکہ بعض لوگوں میں پندرہ دنوں میں پیدا کر دیتے ہیں۔

پھر یہ رسائل اپنے ہر سچے، حقیقی اور ثابت قدم شاگرد کو اُن مقبول دعاؤں سے نوازتے ہیں جن کے ذریعے تمام طلاّبِ نور ہر روز ہزاروں مخلص زبانوں کے ساتھ والہانہ انداز میں اپنی طلب و نیازمندی کا اظہار کرتے ہیں اور اُسے اُخروی اعمال میں اشتراک کے دستور کے مطابق اعمالِ صالحہ کے اسی طرح کے اجروں سے ہمکنار کرتے ہیں جو ہزاروں نیک لوگوں کو ملتا ہے، اور اِس طرح وہ عمل کی حیثیت سے ہر سچے، حقیقی اور ثابت قدم طالب علم کو ہزاروں طالب علموں کی حیثیت دے دیتے ہیں۔ اس کی دلیل حضرت علیؓ کی طرف سے وارد ہونے والی عزت افزائی اور قدردانی والی تین عدد خبریں، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی طرف سے وارد ہونے والی حوصلہ افزا کریمانہ غیبی بشارت اور قرآنِ معجز بیان کے قوی اشارے ہیں۔ یہ چیزیں اس بات کا قطعی طور پر اثبات کرتی ہیں کہ یہ مخلص طالب علم باذنِ اللہ اہلِ سعادت اور اہلِ جنت میں سے ہوں گے۔ اور اس طرح کی کامیابی یقیناً اسی طرح کی قیمت مانگتی ہے۔

حقیقت جب یہی ہے تو پھر اہلِ علم اہلِ طریقت اور صوفیانہ اصحابِ مشارب میں سے جو کوئی بھی رسائلِ نور کے دائرے کے قریب ہیں، ان پر یہ لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے دھارے کے اندر آ جائیں اور ان کے پاس جو علم و

طریقت کی دولت ہے اس کے ذریعے اس دائرے کو مضبوط کریں اور اسے وسیع تر کرنے کی کوشش کریں، اس کے شاگردوں کی حوصلہ افزائی کریں اور اپنی برف کے بلاک کے ساتھ مشابہت رکھنے والی انانیت کو رسائل کے دائرے میں پائے جانے والے آبِ حیات کے حوض میں پھینک کر پگھلا دیں تاکہ مکمل طور پر حوض کے مالک بن جائیں۔

اور اگر اُنہوں نے ایسا کرنے کے بجائے کوئی نیا راستہ کھوج لیا تو اس سے کہ وہ خود کو نقصان پہنچا بیٹھیں گے، صرف یہی نہیں بلکہ اپنی اس روش سے وہ قرآن کریم کے اِس مضبوط مستقیم جادۂ کبریٰ کو بھی نقصان پہنچا بیٹھیں گے، بلکہ اس سے بڑھ کر وہ لاشعوری طور پر الحادو زندیقیت کا تعاون کر بیٹھیں گے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ابداً دائما

میرے عزیز وفادار بھائیو!

دنیا کے اِن دھاروں سے اور خاص کر سیاست کے دھاروں سے اور اس سے بھی خاص کر ان دھاروں سے بچ بچا کر رہو جو خارجی دنیا کے ساتھ مضبوط بندھے ہوئے ہیں، مبادا یہ تمہیں تفرقہ واختلاف کی کھائیوں میں گرا دیں اور اس طرح گمراہی کے علمبردار اِن فرقوں کے مقابلے میں تمہاری ہوا اُکھاڑ دیں اور تمہاری جمعیت کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیں جو تمہارے خلاف متحد ہو چکے ہیں، یا تمہیں معنوی طور پر ان کے جرائم کا شریکِ کار بنا دیں، اور وہ اس طرح کہ تم لوگ اگر اندرونی طور پر بکھر گئے، پارہ پارہ ہو گئے اور اپنے اپنے گروہوں کے لیے تعصُّب کا شکار ہو گئے، تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اُن کی ظلم واستبداد کی روش پر اطمینان کا اظہار کرتے رہو گے، اور اِس طرح تم: "اَلْحُبُّ فِي اللهِ وَالْبُغْضُ فِي اللهِ" کے رحمانی دستور کے بجائے: "اَلْحُبُّ فِي السِّيَاسَةِ وَالْبُغْضُ لِلسِّيَاسَةِ" کے شیطانی دستور کو اپنا کر زندگی گزارو گے اور اس طرح تم اپنے فرشتے جیسے حقیقت پرست بھائی کے دشمن بن جاؤ گے اور شیطانِ خناس جیسے سیاست دان کی دوستی کا دم بھرو گے۔

جی ہاں، اس دور میں سیاست دلوں کو خراب کرتی اور بے قرار روحوں کو مبتلائے عذاب کر دیتی ہے؛ اس لیے جو دل کی سلامتی اور روح کی راحت چاہتا ہے اسے سیاست سے کنارہ کش رہنا چاہیے۔

جی ہاں، کرۂ ارض پر پایا جانے والا ہر انسان ان دنوں مضطرب اور پریشان ہے، مصیبت جو نازل ہو چکی ہے اُس سے کسی نہ کسی طریقے سے اپنے حصے کی کچھ نہ کچھ سزا بہر کیف بھگت رہا ہے، اور قلبی، روحی، عقلی، یا بدنی طور پر اس کا سامنا کر رہا ہے، اور خاص کر غافل وگمراہ لوگ اس کا زیادہ شکار ہیں؛ کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عمومی رحمت اور کامل حکمت کے بارے میں لاعلمی کی وجہ سے اور انسانی جنس میں پائی جانے والی نرمی وگدازی کے نتیجے میں نوعِ بشری کے ساتھ تعلقات

کی حیثیت سے ان دنوں اپنے ذاتی آلام ومصائب کے ساتھ ساتھ نوعِ بشری پر نازل ہونے والے خوفناک قسم کے دہشت خیز مصائب کا عذاب بھی سہہ رہے ہیں؛ اُس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خواہ مخواہ ہی اپنے حقیقی وظائف اور اپنے لازم تر اعمال کو چھوڑ چکے ہیں اور اپنے کانوں کو سیاسی اور آفاقی ہنگامہ آرائیوں اور دنیا میں جاری واقعات وحوادث کی خبروں کے عادی بنا چکے ہیں۔[1] اور ان میں بے فائدہ طور پر عمل دخل کر رہے ہیں، حتی کہ ان کی روحیں حیران اور اُن کی عقلیں فضول بکواس کی خوگر ہوگئی ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے "اَلرَّاضِی بِالضَّرَرِ لَا یُنْظَرُ لَہُ" والے بنیادی قاعدے کی رُو سے خود کو شفقت کے حق اور رحمت کی اہلیت سے محروم کرلیا۔ اس قاعدے کا مطلب یہ ہے کہ جو اپنا نقصان کرنے پر تُل جائے اس پر ترس نہیں کھایا جاتا، اس لیے ان لوگوں پر نہ تو شفقت کی جائے گی اور نہ ہی ان کی حالت پر ترس کھایا جائے گا؛ کیونکہ انہوں نے بغیر کسی وجہ اور ضرورت کے اپنے لیے خود مصیبتیں کھڑی کی ہیں۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ کرۂ ارض ان دنوں جس آگ کی لپیٹ میں ہے اور اس کی سطح پر جو تند وتیز آندھیاں چل رہی ہیں، اس آگ کی لپٹوں سے اور ان آندھیوں کے ہولناک بگولوں سے اپنے دل کی سلامتی اور اپنی روح کی حفاظت صرف حقیقی اہلِ ایمان اور حقیقی اہلِ توکل ہی کر پائے ہیں؛ یہی وجہ ہے رسائل نور کے دائرے میں پورے التزام اور عزم و ثبات کے ساتھ داخل ہونے والے لوگوں نے خود کو دوسرے لوگوں کی بہ نسبت زیادہ محفوظ کرلیا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے رسائلِ نور سے حاصل ہونے والے تحقیقی ایمان کے دروس کی روشنی سے اور ان کی نظر سے دیکھتے ہیں، اس طرح انہیں ہر چیز میں رحمتِ الٰہیہ کا چہرہ اور اس کا اثر نظر آتا ہے، اور وہ ہر شئ میں حکمتِ الٰہیہ کا کمال اور اس کی عدالت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور یوں وہ ان مصائب کا سامنا تسلیم ورضا کے ساتھ مسکراتے ہوئے کرتے ہیں جو نوعِ بشری پر ربوبیتِ الٰہیہ کی کاروائیوں کی طرف سے نازل ہوتے ہیں، اور ان پر مکمل رضامندی کا اظہار کرتے ہیں، اور اپنی شفقت کو رحمتِ الٰہیہ سے آگے نہیں بڑھاتے، اور اس طرح دُکھ درد سے محفوظ رہتے ہیں۔

اس حقیقت کی بنا پر، جو آدمی صرف یہی نہیں کہ اُخروی زندگی میں بلکہ دنیاوی زندگی میں بھی سعادت اور لذت سے ہمکنار ہونا چاہتا ہے، اس کے لیے یہ سعادت ولذت حاصل کرنا ممکن ہے، بلکہ یہ چیز اُسے رسائل نور کے ایمانی اور قرآنی دروس میں مل چکی ہے، اور اس کی دلیل وہ بہت سے تجربات ہیں جو اب تک سامنے آچکے ہیں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

---

[1] اس سے مراد ریڈیو ہے جو اُن دنوں عالمی خبریں سننے کا واحد ذریعہ تھا۔

میں سخت بیمار ہو گئے لیکن بیماری ان کی عبودیت کے مجاہدوں میں خلل نہ ڈال سکی، بلکہ اس کے برعکس وہ کافی دنوں تک چند لقمے کھا کر روزے رکھتے رہے۔

ان کے ہمسائے ان کے بارے میں بتاتے ہیں: ہم آٹھ سال تک تمہارے اُستاد کی غمگین اور پرسوز آواز والی مناجات سنا کرتے تھے، ان کی یہ آواز ان کے رات کے مقررہ وقت سے شروع ہوتی اور صبح دم تک جاری رہتی تھی، تب ان کے سردی اور گرمی کے موسم میں برابر جاری رہنے والے اِن دائمی مجاہدات سے ہم بہت حیران ہوتے تھے!

وہ شرعی طہارت و نظافت کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، ہر وقت باوضو رہتے تھے، اپنا مبارک وقت کبھی ضائع نہیں کرتے تھے، بلکہ یا تو رسائل نور کی تالیف میں اور اس کے نسخوں کی تصحیح میں مشغول رہتے، یا پھر عبودیت کے محراب میں کھڑے دعا و اذکار و مناجاتِ اور ''جوشن'' کا ورد کرتے رہتے، اور یا پھر نعمت ہائے اِلٰہیہ میں غور و فکر کے سمندر میں مستغرق رہتے۔

ہم اُن کے ساتھ شہر سے دور ایک پہاڑ پر جاتے تھے، یہ پہاڑ گھنے درختوں سے ڈھکا ہوا ہے، وہ گرمی کے موسم کا اکثر حصہ وہیں پہ گزارتے تھے، وہاں جاتے ہوئے تمام راستے میں وہ کوئی نہ کوئی ذمہ داری نبھاتے رہتے، رسائل نور کی تصحیح کرتے اور عین اسی وقت اپنی توجہ اپنے ان طالب علموں پر بھی مرکوز رکھتے جو رسائل نور کو مکمل طور پر صحیح نہیں پڑھ سکتے تھے، چنانچہ ان کی غلطیوں کی اصلاح بھی کرتے جاتے، اور کبھی کبھار اپنی کسی قدیم تالیف سے درس بھی دے دیا کرتے۔

جی ہاں، ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ اُن کی گفتگو کی مٹھاس اور حسنِ معاشرت ہی دو ایسی چیزیں ہیں جو ہمیں اتنی مدد دیتی تھیں کہ اگر کوئی شخص اسی حالت میں رہے یعنی اگر وہ صبح سے لے کر شام تک درس لیتا رہے یا راستے میں اُن کے ساتھ ساتھ چلتا رہے تو اس پر کسی قسم کی تھکاوٹ یا اُکتاہٹ کے آثار نمایاں نہیں ہوں گے۔

وہ رسائل نور کی خدمت کو ہر چیز پر ترجیح دیتے تھے اور کہا کرتے تھے: ''میں نے گزشتہ بیس سال سے دیگر کسی بھی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا، اور میری دسترس میں قرآن کریم اور رسائل نور کے علاوہ کوئی کتاب نہیں۔'' پس رسائلِ نور ہی کافی ہیں۔

جی ہاں، جو آدمی قرآن کے حقائق اپنے روشن دل کے ذریعے الہام پا کر حاصل کرتا ہے اور اس پر ان حقائق کا فیضان فیاضِ مطلق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے القا کے ذریعے ہوتا ہے، کیا وہ قرآنِ معجز بیان کے علاوہ کسی دوسری چیز کا محتاج ہو سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ہمارے اُستاد کو رسائلِ نور کی تالیف کے باب میں عجیب طرح کی قدرت سے نوازا ہوا ہے، اور یہ قدرت ہر آدمی کے حصے میں نہیں آتی ہے، چنانچہ ان انوکھے قسم کے رسائل میں سے ہر رسالہ نا قابلِ برداشت اجنبیت، جلاوطنی، بیماری اور کتابوں کی عدم دستیابی جیسے دشوار ترین حالات میں ظاہر ہوا، یہ رسائل پہاڑوں اور باغوں میں املا

کروائے گئے جو بہت سی واضح رکاوٹوں کے باوجود منظرِ عام پر آ گئے اور اہلِ ایمان کی مدد کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔
پس اس کے لیے ہم اللہ تعالیٰ کے لیے سراپا شکر و سپاس ہیں کہ عنایتِ الٰہیہ نے ہمارے اُستاد کو ایک بے مثال توفیق سے نوازا ہے اور ان پر بہت بڑا احسان کیا ہے، اور اس راز کی برکت سے اُنہیں ایسی قدرت عطا کر دی ہے جس کے ذریعے انہوں نے کائنات کو کشف و شہود کی صورت میں حق الیقین کے ساتھ ایسے پڑھ لیا ہے کہ گویا وہ کوئی آسمانی کتاب ہو، اور اس کے ذریعے انہوں نے زمین کو ایسے پڑھ لیا ہے کہ جیسے وہ کسی کتاب کا کوئی صفحہ ہو، اور انہیں اپنی خصوصی عنایت سے ان رسائل جیسی مقدس تالیفات کا مؤلف بنا دیا ہے۔

جی ہاں، چاہیے تو یہ تھا کہ لوگ اس سعادت مند آدمی پر فخر کرتے جو رسائل نور یعنی ان انوکھی تالیفات کے ذریعے حقائق کے موتی بکھیر رہا ہے جو چار سو پھیل گئی ہیں اور قبولِ عام کا درجہ پا گئی ہیں، اور جو تشریعی آیات کے حامل قرآنِ معجز بیان کے حقائق و معارف بیان کرتی ہیں، اور جو کونی آیات کی حامل کائنات کی کتاب کبیر کے وظائف و معانی کی وضاحت کرتی ہیں، اور جو نوعِ بشر کو معرفتِ خداوندی کے اعلیٰ درجات تک جا پہنچنے کی ترغیب دلاتی ہیں۔ ان تالیفات نے اللہ کے فضل سے اُن دِلوں کو اُٹھا کر بٹھا دیا ہے جن پر مایوسی و موت نے اپنے پردے تان رکھے تھے......

لیکن اس سب کے باوجود جو چیز واقعتاً حیرت کا باعث بنتی ہے، یہ ہے کہ کچھ بد بخت لوگ اس جیسے آدمی کو زہر دینے کی کوشش کرتے ہیں، بلکہ اسے پتھر مارنے کی جسارت کرتے ہیں۔

جی ہاں، اَشَدُّ الْبَلَاءِ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ ثُمَّ الْاَوْلِيَاءِ والے قاعدے کی روشنی میں تو حکمتِ الٰہی کا تقاضا یہی تھا کہ انبیا کے وارثوں پر پے در پے انواع و اقسام کی آزمائشیں آتی ہی رہیں، ہمارے استاد بھی بہت سی مصیبتوں کا نشانہ تھے، اس ضمن میں ان کا معاملہ بھی وہی ہے جو اس بابرکت گروہ کا رہا ہے، مثال کے طور پر: وہ جب ''قسطمونو'' میں نئے نئے وارد ہوئے تو ایک دن جب وضو کرنے کے لیے ایک چشمے کی طرف جا رہے تھے ان پر کچھ بچوں نے بعض بد بخت لوگوں کے بھڑکانے کی وجہ سے پتھر پھینکے، لیکن آپ تو چونکہ صاف سینے اور سالم دل کے مالک تھے، اس لیے اُولوالعزم لوگوں کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے اس جفا کاری و ایذا رسانی کے مقابلے میں بڑے صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا، چنانچہ وہ بچوں کی اس بیہودگی سے غضبناک نہیں ہوئے بلکہ ان کے لیے دعا کی اور کہا: ''یہ لوگ سورۂ یٰسین کی ایک آیت کے اہم ترین نکتے کے انکشاف کا سبب بن گئے ہیں!''

اور آپ نے اُن بچوں کے لیے جو دعا کی اس کی برکت سے بچوں کے اندر ایک حیران کن تبدیلی آ گئی، چنانچہ ان کی حالت یہ ہو گئی کہ آپ جب کبھی انہیں دور یا نزدیک سے نظر آ جاتے، بھاگتے ہوئے آتے اور آپ کے بابرکت ہاتھوں کو بوسہ دیتے اور آپ کی دعائیں لیتے۔

ہمارے استاد میں ایسی عجیب و غریب باتیں بہت زیادہ ہیں جو حیرت کا باعث ہیں، اور ان میں ''رسائلِ نور''

سرِ فہرست ہیں۔

جی ہاں، ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ وہ ہمارے دل میں چلنے والے خیالات ہم سے زیادہ پڑھ لیتے ہیں، اور بسا اوقات وہ ہمیں کسی ایسی بات پر متنبہ کر دیتے ہیں جو ہمارے سان گمان میں بھی نہیں ہوتی، لیکن جب وہ کہہ دیتے ہیں تو ہم حیران رہ جاتے ہیں، اور پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ چیز بعینہ ہمارے سامنے آ جاتی ہے جس سے انہوں نے ہمیں خبردار کیا ہوتا ہے، اور ہم چونکنے ہو جاتے ہیں۔

جن دنوں ہم آپ کے ہمراہ پہاڑ پر جایا کرتے تھے، ان دنوں ایسا ہوتا تھا کہ وہ کبھی اچانک اپنی جگہ سے اُٹھ جاتے اور ہمیں مقررہ وقت سے پہلے ہی شہر کی طرف لوٹ جانے کے لیے کہتے، ہم وجہ پوچھتے تو جواب میں کہتے: ''وہ لوگ رسائلِ نور کی خدمت کے سلسلے میں کسی اہم معاملے کے بارے میں ہمارا انتظار کر رہے ہیں، ہمیں جلدی جلدی وہاں پہنچ جانا چاہیے!'' اور حق بات یہ ہے کہ ہم شہر آتے تو کسی اہم طالبِ نور کو اپنے انتظار میں پاتے، یا ہمسائے ہمیں بتاتے کہ ایک طالبِ علم یہاں بار بار آپ لوگوں کے بارے میں پوچھتا رہا اور پھر تھک ہار کر چلا گیا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ محترمہ ''آسیہ'' نے آپ کو مولانا خالد[1] کا وہ جُبّہ بھیجا جو کئی سال سے ان کے ہاں محفوظ چلا آ رہا تھا۔ یہ محترمہ آسیہ ''مولانا خالد'' کے ''عاشق صغیر'' نامی شاگرد کی اولاد سے ہیں۔ یہ جُبہ انہوں نے آپ کو ''فیضی'' کے ہاتھ بھیجا کہ وہ رمضان المبارک میں اَز راہِ تبرُّک آپ کے پاس رہے۔ یہ جُبہ جب آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے شکر و سپاس کے ساتھ اسے پکڑا اور اپنے بھائی ''امین'' سے کہا کہ اسے دھوڑالیں، ''فیضی'' اِس بات سے بڑے حیران ہوئے اور دل میں کہنے لگے:

یہ جبہ تو محترمہ نے میرے ذریعے ان کے پاس صرف بیس دن کے لیے بھیجا تھا، لیکن یہ اس میں ایسے تصرّف کیوں کر رہے ہیں جیسے کہ یہ ان کا اپنا ہو؟!

پھر کچھ دن کے بعد ''فیضی'' کی ان محترمہ کے ساتھ ملاقات ہوئی تو محترمہ نے اُسے وہ بات بتائی جس سے اُس کی حیرانی دور ہوگئی، اس نے کہا: ''میں نے جُبہ کے بارے میں آپ کو جو کچھ کہا تھا، اس لیے تھا کہ میں جانتی تھی کہ استاد — فِدَاہُ أَرْوَاحُنَا — تحفہ قبول نہیں کرتے ہیں، اس لیے میں نے جبہ ان کی خدمت میں اس روپ میں پیش کیا ہے، ورنہ وہ تو انہیں کی امانت ہے۔''

[1] ابو البہاء ضیاء الدین خالد بن احمد بن حسین شہرزوری، مولانا خالد کے نام سے معروف ہیں، عراق میں سلیمانیہ کے مقام پر 1193ھ میں پیدا ہوئے۔ علم و تقویٰ میں معاصر علما میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ تجدیدی صلاحیتوں سے مالا مال تھے، نقشبندی سلسلے میں شیخ عبداللہ دہلوی کے ہاتھ پر بیعت کی اور تمام علوم و معارف اُنہیں سے حاصل کیے، ان کا شمار اس سلسلے کے کبار ائمہ میں ہوتا ہے۔ دمشق میں 1242ھ میں فوت ہوئے۔

جی ہاں، کہا جاتا ہے کہ: ہمارے استادگرامی نے یہ جُبّہ اس لیے قبول کرلیا تھا کہ آپ نے اِسے مولانا خالد کے بعد وظیفۂ تجدید کے اپنی طرف منتقل ہوجانے کی علامت شمار کیا تھا، اور بات حقیقت میں ہونی بھی یہی چاہیے؛ کیونکہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ: "إِنَّ اللهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِئَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهُ دِيْنَهَا"[1] چنانچہ "مولانا خالد" کی ولادت 1193ھ میں ہوئی، اور ہمارے اُستاد کی ولادت 1293ھ میں ہوئی۔ "رسالۂ غوثیہ" میں اس حدیث کی مکمل وضاحت کردی گئی ہے۔

استاد کبھی کبھی دل لگی کے انداز میں ہمیں خبر دیتے ہوئے کہا کرتے تھے: عنقریب تمہیں سزائیں دی جائیں گے...... تم پر مصیبتیں نازل ہوں گی...... تمہیں جیل ہوگی...... اِس طرح وہ ہم پر کسی اہم واقعہ کے رونما ہونے سے قبل ہی اس کا انکشاف کردیتے تھے اور ہمیں رمزی انداز سے ہماری "دنیزلی" کی جیل کے بارے میں بتاتے تھے اور خبردار کرتے تھے۔ اور بالفعل تھوڑے ہی عرصے کے بعد آپ کا کہا ہوا سچ ثابت ہوگیا۔

"دنیزلی" کے حادثے کے ظہور میں آنے سے قبل انہوں نے یہ کہا تھا: میرے بھائیو! ایک طویل مدت سے میں کسی بھی جگہ پر آٹھ سال سے زیادہ نہیں ٹھہر سکا ہوں، اور یہاں آئے ہوئے بھی مجھے آٹھ سال ہوگئے ہیں، پس اس سال یا تو میں فوت ہونے والا ہوں، یا بہرصورت کسی اور جگہ منتقل ہونے والا ہوں۔ اور یوں انہوں نے اپنے "قسطمونو" کو چھوڑ کر چلے جانے کے بارے میں بتادیا۔

اور وہ یہ بھی کہتے تھے: "میرے بھائیو! مجھے محسوس ہورہا ہے کہ رسائلِ نور پر متعدد جہتوں سے یلغار ہونے والی ہے، اس لیے چوکنے رہو۔" اور پھر اس بات پر تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ استنبول میں ایک شیخ نے بغیر علم کے رسائلِ نور کے کسی مسئلے پر اعتراض کردیا، تب سابق امینُ الفتویٰ شیخ "علی رضا" مرحوم نے اس کا ردّ لکھا اور واضح کیا کہ رسائل نور میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہی صحیح ہے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ایک چوپایہ بدک گیا جس سے اُستاد کی پنڈلی میں چوٹ آگئی، اس کی درد آپ کو کئی مہینے تک رہی، لیکن یہ مصیبتیں اور مشقتیں اُنہیں ان کے وظیفۂ عبودیت سے اور رسائل نور کی مقدس خدمت سے روک نہ سکیں۔

پھر "دنیزلی" جیل کا واقعہ پیش آیا، اور آپ اس وقت ایک خطرناک قسم کے زہر دیے جانے کی وجہ سے بہت زیادہ بیمار تھے، لیکن یہ فردِ فریدان مشکل ترین حالات کے باوجود صبر و تحمل اور سخت جانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ثابت قدم رہا، عالی ہمت رہا اور نرم نہ پڑنے والے عزم کا پیکر بنا، اپنی عبودیت کے وظائف ادا کرتا رہا اور ایمانی اور قرآنی خدمت سر انجام دیتا رہا۔

---

[1] ابوداؤد، حدیث نمبر: 4293

ہم پر مقدمہ چلنے سے پہلے وہ اکثر کہا کرتے تھے: ''اہلِ دنیا رسائل نور کے ساتھ چھیڑ خانی کرنے سے گریز کریں، ورنہ ان پر آفات مسلّط ہو جائیں گی اور اس کے ذمہ دار وہ خود ہوں گے۔''

اور حقیقت یہ ہے کہ جیسے کہ تمام لوگ جانتے ہیں طلاّبِ رسائلِ نور پر مقدمہ چلا ہی تھا کہ ہر طرف آفات وزلازل و امراض کا سلسلہ شروع ہو گیا اور ''قسطمونو'' میں تو زلزلے اس وقت تک پے در پے آتے رہے جب تک کہ رسائل نور کی حقانیت کی اور ان کے نفع بخش ہونے کی تصدیق نہ کر دی گئی، حتیٰ کہ ''قسطمونو'' کا بلند و بالا قلعہ جو کہ ایک نوری مدرسے کی حیثیت اختیار کر گیا تھا، اس نے رسائلِ نور اور اُن کے مؤلف کے حق میں ماتم، حسرت اور اشتیاق کا اظہار کیا، چنانچہ اس نے ہمارے استاد کی بتائی ہوئی بات کی تصدیق کرتے ہوئے اپنی مضبوط بنیاد کے کچھ پتھر نیچے گرا دیے۔

ہمارے خلاف مقدمہ دائر ہونے سے قبل آپ نے ہمیں ایک دفعہ کہا تھا: رسائلِ نور پر حملہ کرنے کی سازش تیار ہو چکی ہے، لیکن پریشان نہ ہونا عنایت الٰہیہ ہمارے شاملِ حال رہے گی؛ کیونکہ میں نے آج قرآنی حزبِ اکبر پڑھنے کے لیے کھولی تو اچانک میرے سامنے یہ آیتِ کریمہ آ گئی ﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾، اور اس آیت نے معنوی طور پر مجھے مخاطب ہو کر کہا: میری طرف دیکھ، میں نے اس کی طرف دیکھا تو مجھے نظر آیا کہ وہ مجھے خوشخبری دے رہی ہے اور اپنے معانی کے بہت سے طبقات کے درمیان سے اور خاص کر اپنے اشاری اور جفری معنی کے ذریعے ہمیں جیل ہو جانے کی مصیبت اور پھر ہماری نجات کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

اور یوں ''دنیزلی'' کی عدالت کے ہماری بے گناہی کا فیصلہ صادر کرنے کے نو مہینے پہلے آپ نے بغیر کسی تردّد کے وہ ہیرا ظاہر کر دیا جو اس آیتِ کریمہ کے خزانے سے حاصل کیا تھا، اور اس آیتِ کریمہ کے اہم ترین اعجازی نکتے کا انکشاف کر دیا، اور اپنے ہمارے جیسے معنوی قوت کے محتاج کمزور شاگردوں کو جو خوشخبری دی اس سے ہمارے دل خوشیوں سے بھر دیے۔ ''دنیزلی'' کے دفاعی اور الحاقی بیانات میں اس آیت کی مکمل وضاحت موجود ہے۔

بلاشبہ ہمارے استاد قوت و شجاعت اور زبانِ حق کا ایک چلتا پھرتا نادرۂ روزگار نمونہ تھے، وہ اولوالعزم لوگوں کی اقتدا میں ایک انوکھی طرز کی جرأت کے مالک تھے، حق بات کہنے سے ڈرتے نہیں تھے اور حق کی راہ میں کسی ملامت گر کی ملامت کا خوف نہیں کھاتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ قبروں کے پتھروں کو کہ جن کے اوپر بسم اللہ لکھی ہوئی تھی گٹر کے اوپر رکھ رہے ہیں، آپ نے اس موقع پر اتنی سخت اور تند و تیز گفتگو کی کہ کوئی اور شخص اس طرح کی جرأت شاید ہی کر سکے! اور آپ نے دنیاوی نقطۂ نظر سے وہاں موجود بڑی بڑی شخصیات کی بھی پروا نہ کی اور اس طرح کے باطل اعمال کی راہ میں سدِّ راہ بن کر کھڑے ہو گئے۔

ہمارے علاقے میں جس نے بھی انہیں یا رسائلِ نور کو نقصان پہنچانے کی جرأت کی ہے اس کا انجام اچھا نہیں ہوا،

چنانچہ ان میں سے کچھ تو ہوش میں آ گئے اور توبہ کر کے معافی تلافی کے طلب گار ہوئے اور کچھ نے اپنے کیے کی سزا پائی۔ ''ملحقات'' نامی کتاب میں اس طرح کے کچھ واقعات کا ذکر کر دیا گیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ہم جیسے عاجز لوگوں کے مقدور میں یہ بات نہیں ہے کہ ہم اپنے بابرکت استاد کے اوصافِ کمال اور محاسنِ احوال کی حقیقی منظرکشی کر سکیں؛ خالقِ ذوالجلال وذُوالجمال نے انہیں ایک یگانۂ روزگار ہستی کے طور پر پیدا کیا ہے، اور انہیں توفیقِ الٰہی کا مظہر بنا دیا ہے۔ پس کتنا سعادت مند ہے وہ آدمی جو رسائلِ نور سے سیکھتا ہے! کتنا سعادت مند ہے وہ شخص جس نے اپنے لیے رسائلِ نور کے ذریعے قرآن اور ایمان کی خدمت کے میدان میں اپنی کوئی جگہ بنالی! وہ خدمت جس میں ہمارے استاد مصروف رہے، جس کے لیے وہ اُبھارتے اور آمادہ کرتے رہے اور جس کے بارے میں انہوں نے بڑے اہتمام کے ساتھ وصیت کی ہے۔

ہمارے اُستاد جب تک ہمارے شہر میں رہے بغیر کسی انقطاع کے حقائق کی نشر و اشاعت کرتے رہے۔ انہوں نے اپنی زندگی کی تمام مبارک سانسیں ہماری سعادت وفیروز بختی کے لیے وقف کر دی تھیں۔ پس ہم اللہ اَرحمُ الراحمین سے اپنے دل کی گہرائیوں سے گڑگڑا کر دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حشر میں ہمیں اس علامۃُ الدہر، کنزُ العلوم والفنون، بدیعُ البیان اور حدیث شریف: ''اَلسَّعِيْدُ عن مَنْ سُعِدَ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ''[1] کے مظہر کے ساتھ رکھے، تاکہ وہ اس سب سے زیادہ گھبراہٹ والے دن میں ہمیں اپنے مشفق نورانی ہاتھ سے پکڑ کر رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں لے جائے۔ آمین!

یکے اَز شاگردانِ رسائلِ نور: فیضی، امین

کچھ باتیں رسالہ ''الآیۃُ الکبریٰ'' کے بارے میں

اُستاد جب ''قسطمونو'' میں تھے ان دنوں انہوں نے ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام رکھا تھا: ''الآیۃُ الکبریٰ''۔ یہ کتاب موجودات کی زبان سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کا اثبات کرتی ہے۔ استاد نے اس کتاب کے بارے میں خود رائے دی ہے کہ یہ ایک بہت بڑی قرآنی حقیقت، اور ایک سدِّ عظیم ہے جو اس دور میں رونما ہونے والی معنوی تخریب کاری کی راہ روکتی ہے۔

استاد نے یہ کتاب انتہائی عجلت میں بعینہٖ اُسی طرح لکھی تھی جیسے ان کے دل پر وارد ہوئی تھی، اور اس کا صرف مسودہ لکھنے پر ہی اکتفا کیا تھا اور اُسے ترتیب وتعدیل کے مرحلے سے نہیں گزارہ تھا۔ اس ضمن میں وہ فرماتے ہیں:

---

[1] اخرجہ الطبرانی فی ''المعجم الاوسط''، حدیث رقم، 8465 عن ابی ہریرۃؓ، وسندہ صحیح۔

''یہ کتاب جب لکھی گئی تھی اس وقت میں چونکہ محسوس کرتا تھا کہ یہ میرے ارادے اور اختیار سے نہیں لکھی گئی ہے؛ اس لیے میں نے اپنی سوچ فکر کے ذریعے اس کی اصلاح کرنا اور اس کی تنظیم وترتیب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔''

یہ کتاب پہلی دفعہ خفیہ طور پر طبع کی گئی جس کی وجہ سے اُستاد اور ان کے شاگردوں کو جیل ہوگئی اور پھر ''دنیزلی'' اور ''انقرہ'' کی فوجی عدالتوں نے اُستاد کی تمام تالیفات کی ہمہ گیر جانچ پڑتال اور تحقیق وتفتیش کی کاروائی شروع کردی، جو کہ دو سال تک جاری رہی۔ بعد میں اجماعی طور پر یہ فیصلہ صادر ہوا کہ رسائل نور پر لگائے گئے الزامات میں سے کوئی بھی ثابت نہیں ہوسکا۔ اور پھر اس فیصلے کی رُو سے جو کتابیں ضبط کرلی گئی تھیں، انہیں بھی بحال کردیا گیا۔

ہم نے یہ مناسب سمجھا کہ اس قرآنی حقیقت کو یہاں درج کردیا جائے، اس بنا پر کہ یہ اس دور کے گمراہی کے دھاروں کے آگے ایک بہت بڑے بندھ کی حیثیت رکھتی ہے اور اہلِ اسلام کے ایمان کو تباہ وبرباد کرنے والے تمام منصوبوں کا سامنا کرتی ہے۔

☆ ☆ ☆

الآیۃ الکبریٰ

ایک سیاح کے مشاہدات جو کائنات سے اس کے خالق کے بارے میں دریافت کرتا ہے۔[1]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۗ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۗ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾ (الاسراء: ۴۴)

اس آیت کریمہ کی طرح بہت سی قرآنی آیات کا آغاز خالقِ کائنات کی پہچان کرانے کے ضمن میں چونکہ آسمانوں کے ذکر سے ہوتا ہے جو کہ توحید کے تابندہ ترین صحیفے ہیں اور جن کا ہر انسان کثرت کے ساتھ مفید مطالعہ کرتا ہے، اور ہر وقت انہیں حیرت کے ساتھ دیکھتا رہتا ہے؛ اس لیے مناسب یہی تھا کہ آغاز اُنہی کے ذکر سے کیا جائے۔

---

[1] ''الآیۃ الکبریٰ'' نامی رسالہ ''ساتویں شعاع'' کے نام سے معروف ہے۔ یہ دراصل ایک مقدمے اور دو مقامات پر مشتمل ہے، پہلا مقام استاد نے عربی زبان میں انتہائی اختصار کے ساتھ لکھا تھا اور اسے کئی ''مراتب'' میں تقسیم کیا تھا۔ اس سے ان کا مقصد آیت کریمہ: ﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ﴾ کی تفسیر کرنا تھا: پھر آپ نے اس مقام کے مراتب کی شرح کی اور اس کی تفصیل وتبیین اور اس کے دلائل وبراہین کی وضاحت ''دوسرے مقام'' میں کی۔ اس مقام پر جو نص درج کی گئی ہے وہ صرف ''دوسرا مقام'' ہے۔

جی ہاں، دنیا کی اس مملکت میں اور اس کے مہمان خانے میں آنے والا ہر مہمان جب بھی اپنی آنکھیں کھولتا ہے اور اِدھر اُدھر دیکھتا ہے تو وہ ایک انتہائی لطف وکرم والے مہمان خانے کا، انتہائی درجے کی پختہ مصنوعات کی نمائش گاہ کا، غایت درجے کی ہیبت ناک چھاؤنی اور ٹریننگ سنٹر کا، غایت درجے کی فرحت بخش، پُرکیف اور سحر انگیز تفریح گاہ کا اور انتہائی درجے کی حکمت ومعنی والے دارُ المطالعہ کا مشاہدہ کرتا ہے، تب اس کے دل میں اس خوبصورت اور کیف آور مہمان خانے کے مالک کو پہچاننے کی رغبت انگڑائیاں لیتی ہے، وہ جاننا چاہتا ہے کہ اس مہمان خانے کا مالک کون ہے؟ اس کتابِ کبیر کا مؤلف کون ہے؟ اور اس عظیمُ الشان مملکت کا مالک کون ہے؟ اور عین اُس وقت کہ جب یہ مہمان پورے شدّ ومد کے ساتھ اس کا تعارف حاصل کرنے کے بارے میں بے چین ہورہا ہوتا ہے، اچانک آسمان کا نور سے مزین خوبصورت چہرہ سامنے آجاتا ہے اور اسے کہتا ہے: تو جس کی تلاش میں ہے، اُس کے بارے میں تجھے میں بتاؤں گا۔

اُس نے فوراً اس کی طرف نظر کی تو اُسے اس ربوبیت کی تجلی نظر آئی جو لاکھوں اجرامِ سماوی کو بغیر ستون کے اُٹھائے ہوئے ہے، اور انہیں گرنے نہیں دیتی، ان میں سے بعض تو ہماری زمین سے ہزار گنا بڑے ہیں، اور بعض توپ کے گولے سے ستر گنا زیادہ رفتار کے حامل ہیں۔

یہ ربوبیت ان سب کو انتہائی تیزی کے ساتھ چلارہی ہے اور ان کے درمیان کبھی کوئی تصادم وغیرہ بھی نہیں ہوتا......

ان لامحدود چراغوں کو بغیر ایندھن کے مسلسل روشن کیے رکھتی ہے، اور انہیں کبھی بجھنے نہیں دیتی......

اور ان ضخیم ترین بلاکوں کو ہمہ وقت اس طرح گھمارہی ہے، کہ ان سے کسی شور وشغب کی آواز نہیں آنے دیتی اور ان میں کبھی کوئی خلل واقع نہیں ہونے دیتی......

اور ان ہولناک مخلوقات کو مصروف رکھتی ہے — جیسے کہ شمس وقمر کی مصروفیات ہیں — ان کی طرف سے کسی قسم کی نافرمانی کا مظاہرہ نہیں ہونے دیتی......

عین ایک ہی وقت میں، عین اُسی قوت کے ساتھ، عین اُسی اسلوب میں، عین اُسی فطرت کے سکّے کے ساتھ اور عین اُسی صورت میں دور دراز کی لامتناہی اور قطبین کے دو دائروں کے درمیان پھیلی ہوئی اَرقام کی حدود سے بھی آگے کی فضا میں ان سب میں اس طرح کا تصرّف کرتی ہے کہ جس میں کمی کوتاہی کا شائبہ تک نہیں آنے دیتی۔

ان حدود فراموش قوتوں کے حامل ہولناک بلاکوں کو سرنگوں رکھتی ہے، اور انہیں اپنے قانون کا اس طرح سے اطاعت شعار بناتی ہے کہ وہ اس کی خلاف ورزی نہیں کرسکتے۔

آسمان کے چہرے کو پاک صاف کرتی ہے، اُسے خوبصورت ترین اور تابندہ ترین بنادیتی ہے، اور اُسے ان لامتناہی گنجان اَجرام کے ملبے سے آلودہ نہیں ہونے دیتی......

ان اَجرام کواس طرح ہانک کر لے جاتی ہے کہ جیسے وہ ایک منظم لشکر ہے اور پریڈ کے لیے جا رہا ہے۔ اور دورانِ زمین کے ذریعے اس ہیبت خیز پریڈ کو مختلف حقیقی اور خیالی شکلوں صورتوں میں پیش کرتی ہے، اسے ہر شب کو اور ہر سال اپنی مشاہدہ کرنے والی مخلوقات کی آنکھوں کے سامنے ایسے پیش کرتی ہے کہ گویا وہ سینما میں لگی فلم کے مختلف مناظر ہوں۔

یہ ظاہری آنکھوں سے نظر آ جانے والی ربوبیت، اور اس کی فعالیت میں نمایاں طور پر سامنے آ جانے والی وہ حقیقت ہے کہ جو تسخیر، تدبیر، تدویر، تنظیم، تنظیف اور توظیف سے ترکیب پاتی ہے، اپنی عظمت اور کلی احاطے کے ذریعے — جیسے کہ مشاہدے میں ہے — ان آسمانوں کے خالق پر اور اس کی وحدت پر دلالت کرتی ہے، اور اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اس کا وجود آسمانوں کے وجود سے بھی زیادہ ظاہر و باہر ہے۔

یہ معنی پہلے مقام کے پہلے مرتبے میں ذکر کر دیا گیا ہے، اس میں کہا گیا ہے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاجِبُ الْوُجُوْدُ الَّذِيْ دَلَّ عَلٰى وُجُوْبِ وُجُوْدِهٖ فِيْ وَحْدَتِهِ السَّمٰوَاتُ بِجَمِيْعِ مَا فِيْهَا. بِشَهَادَةِ عَظَمَةِ اِحَاطَةِ حَقِيْقَةِ التَّسْخِيْرِ وَ التَّدْبِيْرِ وَالتَّدْوِيْرِ وَالتَّنْظِيْمِ وَالتَّنْظِيْفِ وَالتَّوْظِيْفِ الْوَاسِعَةِ الْمُكَمَّلَةِ بِالْمُشَاهَدَةِ.

پھر آسمان کی فضا نے جو کہ محشرِ عجائب ہے دنیا کی طرف آنے والے اس مسافر مہمان کو مخاطب کرتے ہوئے پکارا اور زوردار آواز سے کہا: میری طرف دیکھ، میرے ساتھ رہ کر تیرے لیے اس ہستی کو پانا ممکن ہوگا جسے تو پورے شغف سے ڈھونڈ رہا ہے، اور اُس ہستی کا تعارف کر سکے گا جس نے تجھے یہاں بھیجا ہے۔

مہمان نے فضا کے چہرے کی طرف دیکھا سخت تاریک لیکن مہربان تھا، اُس کی دھاکہ خیز بلبلاہٹ سی...... دہشت خیز تھی لیکن خوشخبری بھی دے رہی تھی، چنانچہ اس نے زمین و آسمان کے درمیان معلق بادل کو دیکھا کہ وہ اپنی ذمہ داری نہایت حکمت اور رحمت کے ساتھ ادا کر رہا ہے؛ اور وہ اس طرح کہ وہ زمین کے باغ کو پانی پلاتا ہے، اہلِ زمین کو آبِ حیات مہیا کرتا ہے، حرارت کو اعتدال پر لاتا ہے، اور ہر علاقے کی اس کی ضرورت کے حساب سے دادرسی کرتا ہے۔

یہ اور اس طرح کی دیگر بہت سی ذمہ داریوں کے علاوہ اس نے بادل کو دیکھا کہ وہ اچانک فضا کو بھر دیتا ہے اور پھر چھپ جاتا ہے، اس کے تمام اجزا آرام کرنے کے لیے چلے جاتے ہیں اور ان کا نشان تک ختم ہو جاتا ہے؛ بالکل ایسے کہ جیسے کوئی منظم لشکر اچانک ظہور میں آتا ہے اور فوری اوامر کے تحت آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ بادل جبھی یہ حکم سنتا ہے کہ "بارش کے لیے روانہ ہو جا" تو گھل مل جاتا ہے اور گھنٹے میں، بلکہ منٹوں میں فضا کو پُر کر دیتا ہے، اور ایسے کھڑا ہو جاتا ہے کہ گویا قائد کے حکم کا منتظر ہو۔

پھر مسافر نے فضا میں موجود ہواؤں کو دیکھا، تو دیکھا کہ ہوا سے غایت درجے کی حکمت اور مہربانی سے بھرپور بہت سے وظائف کے لیے خدمت لی جاتی ہے، ایسے لگتا ہے کہ اس کا ہر ذرہ حالانکہ وہ شعور سے بالکل عاری ہے...... سُلطانِ

کائنات کی طرف سے صادر ہونے والے اوامر کو سُن رہا ہے چنانچہ وہ ان اوامر کو پہچانتا ہے اور انہیں اُس آمر کی قوت کے ساتھ نافذ کرتا ہے، اور بغیر کسی سستی کاہلی اور تاخیر کے ادا کرتا ہے اور اس طرح یہ ہوائیں زمین پر ہر نفس کو سانس لینے کا موقع دیتی ہیں، اور تمام ذی حیات کو حرارت، روشنی اور بجلی جیسے ضروری مواد مہیا کرتی ہیں اور آوازوں کو منتقل کرتی ہیں۔ نباتات میں بار آوری کے واسطے کا کام دیتی ہیں...... اور اس طرح کی دیگر بہت سی خدمات جن کے لیے ایک غیبی ہاتھ ان ہواؤں کو انتہائی شعور، علم اور زندگی سے بھر پور انداز سے استعمال کرتا ہے۔

پھر اُس نے بارش کی طرف دیکھا اور اس کے عدم اور رحمت کے غیبی خزانے سے بھیجے گئے میٹھے میٹھے چمکدار قطروں میں غور کیا تو اُن میں اُسے بہت سے رحمانی وظائف اور تحفے نظر آئے، حتی کہ اُسے ایسے محسوس ہوا کہ جیسے رحمت ان ربّانی خزانے سے بہتے چلے آنے والے قطروں کی صورت میں مجسّم ہوگئی ہے۔ اِسی وجہ سے تو بارش کو رحمت کہا جاتا ہے۔

پھر اُس نے بجلی کی طرف دیکھا اور کڑک کی آواز سنی، تو پایا کہ ان دونوں کو بڑی عجیب وغریب خدمات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

پھر وہ اپنی نظر پھیر کر اپنی عقل کی طرف متوجہ ہوا اور اپنے نفس سے کہنے لگا:

بلاشبہ یہ دُھنی ہوئی رُوئی جیسا بے شعور و جامد بادل ہمیں پہچانتا نہیں، اور ہم پر ترس کھا کر خود سے ہماری امداد کو نہیں لپکتا، اور بلاشبہ بغیر امر کے ظاہر ہوتا اور چھپتا نہیں، بلکہ یہ ضروری ہے کہ وہ ایک غایت درجے کی قدرت رکھنے والے قادر قدیر آمر، غایت درجے کی رحمت کی مالک رحیم ہستی کے امر پر حرکت میں آتا ہے، اور ایسے چھپ جاتا ہے کہ اپنا نشان تک نہیں چھوڑتا، اور پھر اپنا کام کرنے کے لیے اچانک ظاہر ہوتا ہے اور پل بھر میں فضا کو سلطانِ فعّال متعال ذُوالجلال کے امر کو نافذ کرتے ہوئے پل پل میں بھرتا اور خالی ہوتا رہتا ہے، چنانچہ وہ عالمِ فضا کی لوح پر ہمیشہ حکمت کے ساتھ لکھتا رہتا ہے اور عافیت کے ساتھ مٹاتا رہتا ہے، اور اس کو لوحُ المحوِ والاثبات اور قیامت وحشر کی چھوٹی سی تصویر بنا دیتا ہے۔

اور یہ بات بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ یہ بادل انتہائی درجے کے لطف واحسان اور غایت درجے کی ربوبیت و مہربانی کے ساتھ صاحبِ تدبیر وحکمت مالک کی تدبیر سے ہواؤں کی پیٹھ پر سوار ہو جاتا ہے اور اپنے ساتھ بارش کے پہاڑوں جیسے خزانے اُٹھائے ہوتا ہے اور ان کے ذریعے ضرورت مند علاقوں میں بارش برساتا ہے، گویا کہ اسے ان علاقوں کی حالتِ زار پر ترس آرہا ہوتا ہے اور اس بنا پر ڈبڈباتی آنکھوں سے رو دیتا ہے اور پھولوں کے ذریعے مسکراہٹیں بکھیر دیتا ہے۔ اور سورج کی تیز ترلپٹ کو لطافت سے بھر دیتا ہے اور اسفنج کی طرح باغوں پر آبپاشی کر دیتا ہے اور زمین کا چہرہ دھو کر اُسے صاف ستھرا کر دیتا ہے۔

پھر اس سراغ پسند مُسافر نے اپنی عقل سے کہا:

باوجود اس کے کہ یہ ہوا جامد اور شعور سے خالی ہے، اور باوجود اس کے کہ یہ ہمیشہ متحرک اور پابرکاب رہتی ہے کہیں

ٹھہرتی نہیں، کسی ہدف کو سامنے رکھے بغیر اور کہیں جم کرر کے بغیر ہمیشہ زور سے رواں دواں اور انقلاب آشنا رہتی ہے؛ وہ اپنی اس ظاہری صورت میں ایسے لاکھوں اقسام کے پائدار اور حکیمانہ اور صنعتکارانہ ورحیمانہ اعمال واحسانات وامدادات پر مشتمل ہے جو صرف اسی کی وساطت سے زمین پر آتے ہیں۔ اور یہ چیز بالبداہت ثابت کرتی ہے کہ اس گردش میں رہنے والے کادم اوران پابرکاب جوشیلی اور متحرک ہواؤں کی کوئی حرکت خودان کی اپنی طرف سے نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ایسے آمر کے حکم سے حرکت کرتی ہیں جو آخری درجے کے علم، قدرت، کرم اور حکمت کا مالک ہے؛ حتی کہ ایسے لگتا ہے جیسے اس کے تمام ذرّات میں سے ہر ذرّہ ایک سپاہی ہے اور اپنے ذمے لگائی گئی ڈیوٹی کو خوب اچھی طرح پہچانتا ہے اور اس آمر کے تمام اوامر کو سنتا سمجھتا ہے، اس لیے ہوا میں جاری ہونے والے ہر امر ربانی کی اطاعت کرتا ہے، جیسے: تمام ذی حیات کی سانسوں کی آمدورفت رکھنا اور ان کی گزربسر کرانا، نباتات کو بارآور کرنا اور انہیں نشوونما دینا اور ان کی زندگی کے ساتھ تعلق رکھنے والا ضروری مواد فراہم کرنا، بادلوں کو گردش دینا اور ہانکنا، سفینوں کو بغیر ایندھن کے چلانا اور جاری و ساری رکھنا، آوازوں کو اور خصوصاً ریڈیو، ٹیلی گراف فون اور وائرلیس کے ذریعے آوازوں کو پہنچا دینا، اور اس طرح کی دیگر عمومی اور کلّی حیثیت رکھنے والی خدمات وغیرہ...... حالانکہ ہوا کے ذرّات ایک دوسرے کے ساتھ مماثلت رکھتے ہیں اور سب کے سب نائٹروجن اور آکسیجن جیسے دو بسیط مادوں سے تالیف پاتے ہیں، لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان سے یہ خدمت روئے زمین پر پائے جانے والے انواع واقسام کے لاکھوں ربانی اعمال میں کمال انتظام کے ساتھ کسی حکمت والے ہاتھ کے ذریعے سے لی جاتی ہے۔

تب سیاح نے یہ کہتے ہوئے فیصلہ کیا کہ جو ہستی ان ہواؤں کو اِن میں پورا پورا تصرّف کرتی ہوئی لامحدود ربانی خدمات کے لیے استعمال کرتی ہے، اور جو ہستی بادلوں سے انہیں مکمل طور پر مسخر کرتے ہوئے لامحدود رحمانی شؤون و معاملات میں خدمت لیتی ہے، اور جس ہستی نے ہوا کو اس شکل صورت میں ایجاد کیا ہے جیسے کہ آیت کریمہ: ﴿وَتَصۡرِيفِ الرِّيَٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَيۡنَ السَّمَآءِ وَالۡأَرۡضِ﴾ (البقرہ:164) صراحت کے ساتھ بتارہی ہے اور یہ فیصلہ کررہی ہے کہ؛ وہ ہستی صرف اور صرف ربِّ ذُوالجلال والِاکرام کی ہستی ہی ہے جو کہ واجبُ الوجود ہے، ہر چیز پر قادر ہے اور ہر چیز کا علم رکھتی ہے۔

پھراس نے بارش کی طرف دیکھا، تو اسے نظر آیا کہ اس میں اس کے دانوں کی تعداد کے برابر منافع، اس کے قطرات کی تعداد میں رحمانی جلوے اور اس کے رشحات کی مقدار میں حکمتیں پائی جاتی ہیں۔

پھر اُس نے دیکھا کہ یہ بابرکت، خوبصورت اور لطافت بھرے قطرے ـــ اور خاص کر گرمیوں میں پڑنے والے اولے ـــ اتنے گہرے انتظام اور جمال کے ساتھ پیدا کیے جاتے ہیں اور اتنے عجیب وغریب میزان اور انتظام کے ساتھ بھیجے جاتے اور برسائے جاتے ہیں، کہ بگولوں والی سرکش اور تندوتیز ہوائیں جو اپنی شدت کی وجہ سے بڑی بڑی ضخیم اشیا کے ساتھ ٹکرا جاتی ہیں، اس میزان اور انتظام میں خلل نہیں ڈالتیں، اُن قطرات کے درمیان تصادم نہیں کرا

پاتیں، اور ان قطرات کو ڈھیروں اور انباروں کی شکل میں اکٹھا بھی نہیں کرتیں کہ وہ نقصان کا باعث بن جائیں۔

اور اس نے یہ دیکھا کہ یہ پانی بنا تو صرف دوشعور سے خالی بسیط مادوں یعنی ہائیڈروجن اور آکسیجن سے ہے، لیکن اسے استعمال خاص طور پر ذی حیات مخلوقات کے لیے بڑے پُرحکمت کاموں میں کیا جاتا ہے، اور اس سے مختلف قسم کی حکمت اور شعور سے بھری لاکھوں صنعتوں میں کام لیا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ یہ بارش جو کہ فی نفسہٖ ایک مجسّم رحمت ہے، صرف رحمان و رحیم ذات کی رحمت کے غیبی خزانے میں تیار ہوتی ہے، اور یہ اپنے نازل ہونے کی صورت میں آیتِ کریمہ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ﴾ (شوریٰ:28) کی سائنسی تفسیر کرتی ہے۔

پھر اس نے ''رعد'' کی طرف کان لگایا اور برق کی طرف نگاہ کی تو اس نے دیکھا کہ یہ دو عجیب وغریب فضائی حادثے ان دو آیتوں: ﴿يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ﴾ (الرعد:13) اور ﴿يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ﴾ کی مکمل عملی تفسیر کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ بارش کے آنے کی خبر دے رہے ہیں اور ضرورت مندوں کو اس کی خوشخبری دے رہے ہیں۔

جی ہاں، فضائے بسیط کو اچانک کسی لاشے سے صادر ہونے والی گونجدار کڑک سے بُلوا دینا، اور نور و نار کی تابدار نمایاں روشنی سے اس کی تاریکیوں کو تتر بتر کر دینا، اور روئی کے پہاڑوں جیسے بادلوں کو شعلہ زن کرنا جو کہ پانی، برف اور اولوں کی پچکاریوں اور فواروں کی حیثیت رکھتے ہیں، اور اس طرح کے دیگر بہت سے عجیب وغریب اور حکیمانہ طور اطوار اوندھے منہ پڑے غافل انسان کے سر کو پکڑ کر اسے جھنجھوڑتے اور بیدار کرتے ہوئے کہتے ہیں: اپنا سر اُوپر اُٹھا اور اس فعّالُ القدیر کے عجائبات کی طرف دیکھ جو اپنا تعارف کروانا چاہتا ہے؛ پس جیسے تُو بے معنی و بے کار نہیں ہے، اسی طرح یہ واقعات وحوادث بھی بے کار نہیں ہو سکتے، بلکہ اِن میں سے ہر ایک بڑی گھمبیر حکمتوں والے وظائف ادا کر رہا ہے اور اُس مدبّرُ الحکیم کی طرف سے استعمال میں لایا جا رہا ہے۔ اور اس طرح محبت اور شغف رکھنے والے اس مسافر نے فضا میں نمایاں ہونے والی اُس بلند پایہ حقیقت کی گواہی کو سُن لیا جو کہ بادلوں کی تسخیر میں، ہواؤں کی تصریف میں، بارش کے اُتارنے میں اور فضائی واقعات وحوادث کی تدبیر سے ترکیب پاتی ہے؛ اور کہا: آمنتُ باللّٰہ۔

پہلے مقام کے دوسرے مرتبے کا فقرہ اس مسافر کے اُن مشاہدات کا ذکر کرتا ہے، جن کا تعلق فضا کے ساتھ ہے، اور کہتا ہے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاجِبُ الْوُجُوْدِ الَّذِيْ دَلَّ عَلٰى وُجُوْبِ وُجُوْدِهِ الْجَوُّ بِجَمِيْعِ مَا فِيْهِ بِشَهَادَةِ عَظَمَةِ اِحَاطَةِ حَقِيْقَةِ التَّسْخِيْرِ وَالتَّصْرِيْفِ وَالتَّنْزِيْلِ وَالتَّدْبِيْرِ الْوَاسِعَةِ الْمُكَمَّلَةِ

بِالْمُشَاهَدَةِ[1]

پھر کرۂ ارض اپنی زبانِ حال کے ساتھ اس متفکر مسافر کو مخاطب کرتا ہے جو فکری سیاحت کے ساتھ مانوس ہو چکا ہے، اور اُسے کہتا ہے: تو آسمانوں میں، فضا میں اور ہوا میں ہی کیوں گھوم پھر رہا ہے، ادھر آ اُس ہستی کی پہچان تجھے میں کراتا ہوں جسے تو ڈھونڈتا پھر رہا ہے، میری ذمہ داریوں کا مشاہدہ کر اور میرے صحیفوں کو پڑھ۔

تب اس نے زمین کی طرف نظر کی تو دیکھا کہ وہ مجذوب مریدِ رُومی کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے اور دونوں حرکتوں کے ساتھ حشرِ اعظم کے میدان کے اطراف میں ایک دائرہ کھینچتی ہے جس سے دن، موسم اور سال ظہور میں آتے ہیں۔

اور اس نے دیکھا کہ یہ زمین ایک ہیبت خیز مسخر شدہ ربّانی سفینے کا رُوپ اختیار کیے ہوئے ہے جو اپنی پیٹھ پر ایک لاکھ قسم کے جاندار — ان کے ارزاق ولوازمِ حیات سمیت — اُٹھائے ہوئے ہے اور انہیں لے کر کمال توازن اور کمال نظام کے ساتھ فضائی موجوں کو چیرتی جاتی ہے اور اپنی اس سیاحت میں سورج کے ارد گرد طواف کر رہی ہے۔

پھر اس نے اس زمین کے صحیفوں میں نظر کی تو دیکھا کہ اس کے دروازوں کے صحیفوں میں سے ہر صحیفہ ہزاروں نشانیوں کے ساتھ ربُّ الارض کا تعارف کروا رہا ہے، لیکن اس کے پاس ان تمام صحائف کا مطالعہ کرنے کا وقت نہیں تھا، چنانچہ اس نے ان میں سے صرف ایک صحیفے پر نظر ڈالی، اور وہ تھا موسمِ گل میں ذی حیات کو ایجاد کرنا اور ان کی ادارت کرنا؛ تو اُسے ان ایک لاکھ انواع کے غیر محدود افراد کی صورتوں کا مشاہدہ ہوا جو ایک بسیط مادے سے انتہائی نظم وضبط سے کھلتی ہیں، انتہائی رحمت کے ساتھ نشو و نما پاتی ہیں، ارجائے عالم میں انتہائی وسعت سے پھیل جاتی ہیں اور اُن میں سے بعض کے بیجوں کو انتہائی معجزانہ صورت میں اُڑنے کے لیے چھوٹے چھوٹے پر بھی عطا ہوتے ہیں، اور یوں وہ اُڑتے ہیں اور پھیل جاتے ہیں، اِن کی غایت درجے کی تدبیر کے ساتھ ادارت کی جاتی ہے اور ان کی گزر بسر کا اور کھانے پینے کا انتہائی شفقت اور مہربانی کے ساتھ انتظام کیا جاتا ہے اور ان کا بہت زیادہ خیال رکھا جاتا ہے، اور ان کے لذیذ، میٹھے، متنوع اور لامحدود رزق کی فراہمی کا اہتمام آخری درجے کی رحمت اور رزاقیت سے کیا جاتا ہے، چنانچہ یہ رزق ان تک عدم سے اور خشک مٹی سے، پانی کے قطروں سے، بیجوں سے اور ہڈیوں جیسی جڑوں سے پہنچتا ہے، اِن سب چیزوں میں ایک دوسرے کے ساتھ اتنی زیادہ مشابہت ہے کہ آپس میں بہت کم اختلاف رکھتی ہیں۔

جیسے کہ اس نے اس بات کا بھی مشاہدہ کیا کہ ہر موسم بہار ایک مال گاڑی کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے جس میں

---

[1] تنبیہ: میں مقامِ اوّل میں گزرنے والے توحید کے تینتیس مراتب کی کسی حد تک وضاحت کرنا چاہتا تھا، لیکن اپنی جسمانی صحت کے پیش نظر اور اپنی اس حالت کے مجھے اجازت نہ دینے کی وجہ سے صرف اُن کی مختصر ترین براہین اور ان کے ترجمے پر ہی اکتفا کرنے پر مجبور ہو گیا۔ رسائل نور کے تیس بلکہ سو رسائل میں سے ہر ایک نے چونکہ علیحدہ طور پر ان تینتیس مراتب کے ایک آدھ حصے کی وضاحت مختلف انداز کے ساتھ ان کے دلائل سمیت کر دی ہے، اس لیے تفصیل کے واسطے ان ہی کا حوالہ دینا ہوگا۔ (سعید)

ہزاروں اقسام کے کھانے اور دیگر لوازمِ حیات لدے ہوئے ہوں، اس پر یہ سامان خزینۂ غیب سے کمال انتظام کے ساتھ لادا جاتا ہے اور اسے انتہائی نظم وضبط کے ساتھ جاندار مخلوقات تک پہنچایا جاتا ہے، اور خاص کر چھوٹے بچوں کی غذا کے لیے شفقت بھری ماؤں کے سینوں میں لٹکتے ہوئے ڈبوں میں انتہائی محفوظ طریقے سے دودھ بھیجنا...... ان میں سے ہر چیز عظیم الشان شفقت رحمت اور حکمت کا مظہر ہے، اور بالبداہت یہ بات ثابت کرتی ہے کہ رحمان ورحیم ذات کے احسان اور رحمت کی شفقت بھری اور تربیت کی حامل بہت بڑی جلوہ گری ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ فصلِ بہار کا یہ حیات پرور صحیفہ جب حشرِ اعظم کے لاکھوں نمونے اور اس کی لاکھوں مثالیں نمایاں کرتا ہے تو اِس آیت کریمہ کی واضح قسم کی عملی تفسیر کرتا ہے:

﴿ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○﴾ (الروم:50)

اور یہ آیت کریمہ اس صحیفے کے معانی کی معجزانہ تعبیر کر رہی ہے۔

چنانچہ زمین اپنے تمام صحائف سمیت اور اپنے قد کاٹھ اور اپنی قوت کے ساتھ جو "لا الہ الا اللہ" کا وِرد کرتی رہتی ہے، سیاح نے اُسے سمجھ لیا اور یاد کر لیا۔

اس مسافر کے مشاہدات کی اور مشاہدات کے معنی ومفہوم کی وضاحت کرنے کے لیے، اور اس کے بقیہ تمام پہلوؤں اور صحیفوں میں پائے جانے والے معنی کی وضاحت کے لیے بیس پہلوؤں میں سے صرف ایک پہلو کی، اور عظیم الشان کرۂ زمین کے بیس سے زائد صفحات میں سے صرف ایک صفحے میں پائی جانے والی ایک مختصر سی شہادت کا ذکر کر دیا گیا ہے، چنانچہ پہلے مقام کے تیسرے مرتبے میں آیا ہے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاجِبُ الْوُجُوْدِ الَّذِيْ دَلَّ عَلٰى وُجُوْبِ وُجُوْدِهٖ فِيْ وَحْدَتِهِ الْاَرْضُ بِجَمِيْعِ مَا فِيْهَا وَمَا عَلَيْهَا، بِشَهَادَةِ عَظَمَةِ اِحَاطَةِ حَقِيْقَةِ التَّسْخِيْرِ وَالتَّدْبِيْرِ وَالتَّرْبِيَةِ وَالْفَتَّاحِيَّةِ، وَتَوْزِيْعِ الْبُذُوْرِ وَالْمُحَافَظَةِ وَالْاِدَارَةِ وَالْاِعَاشَةِ لِجَمِيْعِ ذَوِي الْحَيَاةِ، وَالرَّحْمَانِيَّةِ وَالرَّحِيْمِيَّةِ الْعَامَّةِ الشَّامِلَةِ الْمُكَمَّلَةِ بِالْمُشَاهَدَةِ

☆ ☆ ☆

پھر اس سیاح مسافر کی یہ حالت ہوگئی کہ جب بھی کوئی صحیفہ پڑھتا اس کا وہ ایمان قوی ہو جاتا جو کہ سعادت کی کلید ہے، اور اس کی وہ معرفت زیادہ ہو جاتی جو کہ معنوی ترقیات کی چابی ہے۔ اور ایمان باللہ کی اُس حقیقت کا کوئی نہ کوئی اور ہی درجہ اُبھر کر سامنے آجاتا جو کہ تمام کمالات کی اساس اور ان کی اصل ہے۔ اور یوں اس نے ایسے بہت سے

معنوی اذواق ولذائذ حاصل کر لیے جنھوں نے اس کا شغف مزید بھڑکا دیا اور اس میں شدت پیدا کر دی، اسی بنا پر اس نے جو قطعی اور واضح ترین دروس آسمان، فضا اور زمین سے سنے تھے، ان سب کے باوجود وہ هَلْ مِنْ مَزِيْدٍ؟ کا وِرد کرنے لگا، تب اس نے سمندروں سے اور بڑی بڑی نہروں سے ان کی غمگین میٹھی آوازیں اور اُن کے جوش وجذبے اور وجدان بھرے اَذکار سُنے جو کہ اپنی زبانِ حال اور زبانِ مقال سے کہہ رہے تھے: ہماری طرف دیکھ اور ہمیں بھی پڑھ۔

چنانچہ اس نے دیکھا تو نظر آیا کہ سمندر میں اگر چہ زندگی سے بھرپور لہریں ہمہ وقت پورے جوش کے ساتھ موجزن ہیں، اور باوجود اس کے کہ اس کا کام بہتے جانا، رواں دواں رہنا اور غرقابی اور تباہی پھیلانا ہے، اور باوجود اس کے کہ اس نے زمین کا احاطہ کیا ہوا ہے اور زمین اور ان دونوں کو ایک ساتھ انتہائی سرعت کے ساتھ ایک ایسے دائرے میں چلایا جاتا ہے جس کی مقدار پچیس ہزار سال ہے، یعنی زمین اپنا یہ چکر انتہائی سرعت کے ساتھ ایک سال میں پورا کرتی ہے، لیکن اس کے باوجود سمندر اپنے خشک ہمسائے پر نہ گھومتا پھرتا ہے، نہ بہتا ہے اور نہ چڑھائی کرتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس ہستی کے حکم اور قوت سے حرکت میں آتا اور تھمتا ہے جو مطلق عظمت اور مطلق قوت کی مالک ہے۔

پھر اس نے سمندر کے باطن میں نظر دوڑائی تو اُسے انتہائی خوبصورت، مزین اور مضبوط جواہر نظر آئے، اور اس سے بڑھ کر اس نے دیکھا کہ حیوانات کی لاکھوں کے حساب سے انواع و اقسام ہیں جن کی گزر بسر کا، افزائشِ نسل کا اور پیدائش و وفات کا علم انتہائی انتظام اور اتقان سے چل رہا ہے، پھر اُس نے دیکھا کہ بسیط ریت سے اور کھارے پانی سے ان حیوانات کے سامان ہائے خورد و نوش کی اور ان کے دیگر خصوصی لوازمِ حیات کی ضمانت دینا ایک ایسا انوکھا کمال ہے جو بالبداہت یہ بات ثابت کرتا ہے کہ یہ چیز قدیرِ ذُوالجلال اور رحیمِ ذُوالجمال کی اِدارت سے انجام پا رہی ہے اور گزر بسر کے یہ سارے سامان وہی کر رہا ہے۔

پھر اُس مہمان نے نہروں کی طرف دیکھا، تو اسے اُن کے منافع، مصالح، وظائف، محصولات اور مصارف میں اتنی عظیمُ القدر حکمت اور رحمت نظر آئی کہ جو بالبداہت یہ بات ثابت کرتی ہے کہ تمام ندی نالے، چشمے، تالاب اور بڑی بڑی نہریں رحمانِ ذُوالجلال والاکرام کی رحمت کے خزینے سے پھوٹتی اور جاری ہوتی ہیں، بلکہ وہاں کسی ایسے طریقے سے ذخیرہ کی جاتی اور صرف کی جاتی ہیں جو بالکل خارقِ عادت اور سمجھ سے بالاتر ہے، حتی کہ روایت میں آیا ہے کہ "چار نہریں ایسی ہیں جو جنّت سے پھوٹتی ہیں"[1] مطلب یہ کہ یہ نہریں چونکہ ظاہری اسباب سے بہت زیادہ مافوق ہیں؛ اس لیے ضروری ہے کہ یہ جنت کے معنوی خزینے سے پھوٹتی ہیں اور ایک خشک نہ ہونے والے غیبی چشمے کے فیض سے جاری ہوتی ہیں۔

مثال کے طور پر: یہ بابرکت نہرِ نیل جس نے صحرائے مصر کو جنّت بنا کر رکھ دیا ہے، جنوب کے ایک پہاڑ سے پھوٹتی ہے

---

[1] عن ابی هريرة ﷺ قال قال رسول اللهﷺ: سيحان وجيحان والفرات والنيل كل من انهار الجنة۔" (مسلم، كتاب صفة الجنة)۔

جس کا نام "جبلِ قمر" ہے اور بلا انقطاع ایک جھیل کی طرف چلتی رہتی ہے۔ چنانچہ اگر اس ششماہی مصارف کو جمع کر کے انہیں منجمد کر دیا جائے تو وہ اس پہاڑ سے بھی بڑی ہو جائیں گے، حالانکہ جس جگہ سے یہ پھوٹتی ہے اور جہاں اس پانی کا خزانہ ہے، دونوں مل کر اس کے چھٹے حصے کے برابر بھی نہیں پہنچتے ہیں!

رہیں اس کی درآمدات، تو وہ بہت ہی تھوڑی ہیں، کیونکہ بارشوں کی بخیلی، علاقے کی شدید گرمی اور زمین کی خشکی اور پیاس جو کہ پانی بہت جلد چوس جاتی ہے، یہ تمام چیزیں بارش کے لیے وہاں خزانے کی صورت میں جمع ہونے کی گنجائش کم ہی چھوڑتی ہیں، اور اس طرح بارش کے لیے وہاں اپنی درآمدات و مصارف کے درمیان اس وسیع توازن کو قائم رکھنا ممکن نہیں رہ جاتا؛ اس بنا پر جو روایت یہ بتاتی ہے کہ بابرکت نیل کسی غیبی جنّت کے ایسے چشمے سے پھوٹتا ہے جو زمین کے عمومی قوانین سے بالاتر ہے، انتہائی گہری خوبصورت، لطیف اور پُرمغز حقیقت کی نشاندہی کرتی ہے۔

اور اس طرح اس مسافر نے ہزاروں گواہیوں کے درمیان سے صرف ایک گواہی کا اور خود سمندروں جیسے وسیع و عریض ہزاروں حقائق کے درمیان سے صرف ایک حقیقت کا مشاہدہ کر لیا، اور وہ سمجھ گیا کہ یہ تمام چیزیں سمندروں کی عظمتوں کی قوت کے ساتھ اجماعی طور پر ہم آہنگ ہو کر "لاَ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ" کا ورد کر رہی ہیں اور پانی اس گواہی پر خود سمندروں کی مخلوقات کی تعداد کے برابر گواہ فراہم کر رہا ہیں۔

سمندروں اور نہروں کی ان تمام گواہیوں کے بیان کے لیے پہلے مقام کے چوتھے مرتبے میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ:

[لاَ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاجِبُ الْوُجُوْدِ الَّذِیْ دَلَّ عَلٰی وُجُوْبِ وُجُوْدِهٖ فِیْ وَحْدَتِهٖ جَمِیْعُ الْبِحَارِ وَالْأَنْهَارِ بِجَمِیْعِ مَافِیْهَا، بِشَهَادَةِ عَظَمَةِ اِحَاطَةِ حَقِیْقَةِ التَّسْخِیْرِ وَالْمُحَافَظَةِ وَالْاِدِّخَارِ وَالْاِدَارَةِ الْوَاسِعَةِ الْمُنْتَظَمَةِ بِالْمُشَاهَدَةِ]

☆ ☆ ☆

پھر ان پہاڑوں اور صحراؤں نے فکری سیاحت میں مستغرق اس سیاح کو آواز دی اور اسے کہا: ہمارے صحیفے بھی پڑھو، تب اس نے اُن میں نظر دوڑائی تو دیکھا کہ پہاڑوں کی کُلّی ذمہ داریاں اور ان کی عمومی خدمات عظمت اور حکمت کی اس بلندی کو چھو رہی ہیں کہ عقلیں حیران ہیں۔

اِن میں سے — مثال کے طور پر— ایک یہ ہے کہ پہاڑ زمین سے اَمرِ ربانی کی تعمیل کرتے ہوئے برآمد ہوئے ہیں، اور اس بنا پر زمین جب اپنے باطن میں جنم سے لینے والے انقلابات کی وجہ سے حِدّت، غضب اور ہیجان میں آتی ہے تو یہ اُس کی اس کیفیت کو روک لیتے ہیں۔ اور زمین پہاڑوں کے لاوا اُگلنے کے ذریعے اور ان کی کھڑکیوں کے ذریعے سانس لیتی ہے اور اس طرح ان زلزلوں اور بھونچالوں سے خلاصی پا جاتی ہے جو بہت زیادہ نقصانات کا باعث بنتے ہیں، اور اس طرح وہ اپنی گردش کے دوران اپنے باسیوں کا سکون برباد نہیں کرتی۔

چنانچہ جس طرح سفینوں کے توازن قائم رکھنے کے لیے اور انہیں غرق ہونے اور اضطراب سے بچانے کے لیے ان پر ستون گاڑھ دیے جاتے ہیں اور ان میں میخیں لگا دی جاتی ہیں، اُسی طرح یہ پہاڑ بھی اس معنی میں زمین کے اس سفینے کے لیے خزانوں میں ستون اور میخیں ہیں جو اس کے توازن کو برقرار رکھتے ہیں اور اسے زلزلوں سے بچاتے ہیں۔قرآنِ معجز بیان نے بہت سی آیات میں اسے واضح طور پر بیان کیا ہے، جیسے: ﴿وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا﴾ ،﴿وَاَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ﴾ ،﴿وَالْجِبَالَ اَرْسَاهَا﴾

اور مثال کے طور پر: پہاڑوں کے باطن میں جو انواع واقسام کے چشمے، پانی، معدنیات اس آخری درجے کی ذی حیات کے لیے ضروری دوائیں اور دیگر مادے پائے جاتے ہیں، وہ حکمت، تدبیر، جود وکرم اور احتیاط کے ساتھ ترتیب دیے گئے ہیں، ذخیرہ کیے گئے ہیں اور حاضر کیے گئے ہیں کہ یہ پہاڑ بداہتاً یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ یہ اُس قدیر اور حکیم ذات کے خزانے، سٹور اور خادم ہیں جو بے پایاں قُدرت اور لاانتہا حکمت کی مالک ہے۔

سیّاح کی سمجھ میں یہ بات آگئی، پھر اس نے پہاڑوں اور صحراؤں کے دیگر تمام وظائف کو اور ان کی خود پہاڑوں جیسی ضخیم حکمتوں کو ان دو جوہروں پر قیاس کیا، تو اس نے پایا کہ یہ پہاڑ اور صحرا اپنی تمام تر عمومی حکمتوں کی، اور خاص کر اپنے احتیاطی مواد کو ذخیرہ کر لینے کی حیثیت سے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ'' کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں اور اس کی گواہی دیتے ہیں، ایسی گواہی اور ایسا اقرار کہ جس میں پہاڑوں کی سی قوت اور ثبات پایا جاتا ہے، اور جس میں صحراؤں کی سی عظمت اور وسعت پائی جاتی ہے۔اس نے یہ سب دیکھا تو پکار اُٹھا: آمنتُ باللہ۔

اس معنی کی وضاحت کے لیے پہلے مقام کے پانچویں مرتبے میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ:

[لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاجِبُ الْوُجُوْدِ الَّذِیْ دَلَّ عَلٰی وُجُوْبِ وُجُوْدِهٖ جَمِيْعُ الْجِبَالِ وَالصَّحَارَی بِجَمِيْعِ مَافِيْهَا وَمَا عَلَيْهَا. بِشَهَادَةِ عَظَمَةِ اِحَاطَةِ حَقِيْقَةِ الْاِدِّخَارِ وَالْاِدَارَةِ. وَنَشْرِ الْبُذُوْرِ وَ الْمُحَافَظَةِ وَالتَّدْبِيْرِ الْاِحْتِيَاطِيَّةِ الرَّبَّانِيَّةِ الْوَاسِعَةِ الْعَامَّةِ الْمُنْتَظَمَةِ الْمُكَمَّلَةِ بِالْمُشَاهَدَةِ]

☆ ☆ ☆

پھر یہ مسافر جب پہاڑوں اور صحراؤں میں فکری سیاحت کر رہا تھا، اچانک اس کے سامنے عالمِ اشجار و نباتات کا دروازہ کھل گیا، تو انہوں نے اُسے یہ کہتے ہوئے بلا لیا کہ آؤ، ہماری دنیا میں بھی گھومو پھرو، اور ہماری سطریں بھی پڑھو، تو وہ اس دنیا میں داخل ہو گیا۔وہاں اس نے دیکھا کہ:

اشجار و نباتات نے توحید و تہلیل کی ایک پرشکوہ مجلس منعقد کی ہوئی ہے، اور ایک انتہائی خوبصورت حلقۂ ذکر و شکر قائم کیا ہوا ہے، اور وہ ان کی زبان ہائے احوال سے یہ سمجھا کہ گویا وہ اکٹھے ہو کر بیک آواز یہ وِرد کر رہے ہیں:

لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ۔

اور وہ اس طرح کہ اُسے تین کُلّی حقائقِ کُبریٰ نظر آئے جو اس بات پر دلالت کرتے اور گواہی دیتے تھے کہ تمام پھل دار اشجار و نباتات اپنے پتوں کی فصیح و بلیغ و موزون زبانوں کے ساتھ تسبیح کرتے ہوئے اور اپنے خوبصورت فصیح اقوال کے ساتھ اور اپنے پھلوں کے بلیغ منظوم کلمات کے ساتھ گواہی دیتے ہیں اور کہتے ہیں: لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ۔

پہلی حقیقت: مقصود و مطلوب انعام و اکرام کے مقصود و مطلوب کا اور اختیاری احسان و امتنان کا معنی اور ان کی حقیقت؛ اور یہ چیز ان میں نمایاں ترین صورت میں واضح طور پر نظر آتی ہے، چنانچہ جس طرح یہ چیز ہر جڑی بوٹی اور ہر درخت میں انفرادی طور پر محسوس ہوتی ہے، اسی طرح اس حقیقت کا مشاہدہ ان کی مجموعی صورت میں دوپہر کے سورج کی طرح واضح طور پر ہوتا ہے۔

دوسری حقیقت: حکمت اور قصد پر مبنی تمیز و تفریق اور اختیار و رحمت پر مبنی تزیین و تصویر؛ اور یہ ایک ایسا امر ہے جسے کسی بھی طرح اتفاقات کے حوالے نہیں کیا جا سکتا، بلکہ یہ چیز بے حد و حساب انواع و اقسام و افراد میں حقیقی اور معنوی لحاظ سے روزِ روشن کی طرح بالکل واضح طور پر نظر آ رہی ہے اور نمایاں طور پر ظاہر کرتی ہے کہ یہ صانع الحکیم کے آثار و نقوش ہیں۔

تیسری حقیقت: ان غیر محدود مصنوعات سے لاکھوں صورتیں بنا دینے کی حقیقت؛ اور یہ تمام صورتیں بسیط، جامد، محدود، معدود، ایک دوسرے کے مُماثل، مشابہ، مطابق اور مخلوط بیجوں اور دانوں سے انتہائی انتظام و میزان میں اور مختلف شکلوں صورتوں اور اسلوبوں کے ساتھ کھلائی جاتی ہیں۔

چنانچہ ان دو لاکھ تک جا پہنچنے والی انواع و اقسام کی صورتوں کو کھلانا اور ہر ایک کو پورے نظم و ضبط کے ساتھ اس انداز سے علیحدہ علیحدہ حیثیت دے دینا کہ ان میں سے ہر ایک اپنی امتیازی حیثیت کی مالک ہے، ان کے درمیان آخری قسم کا توازن پایا جاتا ہے، وہ زندگی سے بہرہ ور ہیں، حکمت سے پُر ہیں اور ان میں کہیں غلطی کا اِمکان نظر نہیں آتا اور یہ ایک دوسرے سے مخلوط بھی نہیں ہوتیں ...... یہ چیز ایک ایسی حقیقت ہے جو سورج سے بھی زیادہ تابناک ہے، اور موسمِ گل کے پھولوں پھلوں، اس کے پتوں اور اس کی تمام موجودات کی تعداد کے برابر گواہ اس کا اثبات کرتے ہیں۔

اسے جب اس بات کا علم ہو گیا تو اس نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی نِعْمَۃِ الْاِیْمَانِ۔

ان حقائق اور ان شہادات کی وضاحت پہلے مقام کا چھٹا مرتبہ کرتا ہے، چنانچہ ذکر کیا گیا ہے کہ:

[لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ الْوَاجِبُ الْوُجُوْدِ الَّذِیْ دَلَّ عَلٰی وُجُوْبِ وُجُوْدِہٖ فِیْ وَحْدَتِہٖ اِجْمَاعُ جَمِیْعِ اَنْوَاعِ الْاَشْجَارِ وَ النَّبَاتَاتِ الْمُسَبِّحَاتِ النَّاطِقَاتِ بِکَلِمَاتِ اَوْرَاقِھَا الْمَوْزُوْنَاتِ الْفَصِیْحَاتِ،

وَأَزْهَارِهَا الْمُزَيَّنَاتِ الْجَزِيْلاَتِ، وَأَثْمَارِهَا الْمُنْتَظَمَاتِ الْبَلِيْغَاتِ، بِشَهَادَةِ عَظَمَةِ إِحَاطَةِ حَقِيْقَةِ الْإِنْعَامِ وَالْإِكْرَامِ وَالْإِحْسَانِ بَقَصْدٍ وَرَحْمَةٍ، وَحَقِيْقَةِ التَّمْيِيْزِ وَالتَّزْيِيْنِ وَالتَّصْوِيْرِ بِإِرَادَةٍ وَحِكْمَةٍ، مَعَ قَطْعِيَّةِ دَلاَلَةِ حَقِيْقَةِ فَتْحِ جَمِيْعِ صُوَرِهَا الْمَوْزُوْنَاتِ الْمُزَيَّنَاتِ الْمُتَبَايِنَةِ الْمُتَنَوِّعَةِ غَيْرَ الْمَحْدُوْدَةِ مِنْ نُوَاتَاتٍ وَحَبَّاتٍ مُتَمَاثِلَةٍ مُتَشَابِهَةٍ مَحْصُوْرَةٍ مَعْدُوْدَةٍ]

☆ ☆ ☆

پھر دنیا کا یہ انتہائی شغف رکھنے والا فکری سیاحت میں مستغرق مسافر جس کا ذوق وشوق ترقی کے اس سفر میں بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے، جب موسم گل کے گلستان سے خود موسم گل کے برابر کا معرفت اور ایمان کا گلدستہ اُٹھائے ہوئے چلا آ رہا تھا کہ دفعتاً اُس کی معرفت کی شیدائی فکر اور حقیقت کی مشتاق عقل کے سامنے عالم الحیوانات والطیور کا ایک دروازہ کھل گیا، تو انہوں نے اپنی مختلف قسم کی لاکھوں بولیوں اور متباین آوازوں میں اُسے پکارتے ہوئے کہا: ہماری دنیا میں آؤ!

تو وہ ان کی دنیا میں داخل ہو گیا، تب وہاں اس نے دیکھا کہ وہ اپنی تمام انواع واقسام، تمام گروہوں اور تمام اُمتوں سمیت سطح زمین کو ایک تسبیح وتہلیل کی بہت بڑی مجلس کی شکل دے کر زبانِ حال اور زبانِ مقال کے ساتھ بالاتفاق "لآ اِلٰہَ اِلاَّ ھُوَ" کا وِرد کر رہے ہیں۔

اور اس نے دیکھا کہ ان میں سے بذاتِ خود ایک قصیدۂ ربانی، کلمۂ سبحانی اور بہت سے معانی والا حرف رحمانی ہے، چنانچہ یہ اپنے صانع کے گُن بتاتا ہے اور اس کی حمد وستائش کرتا ہے، اِس حد تک کہ گویا ان حیوانات وطیور کے احساسات اور ان کی قوتیں، ان کے تمام کَل پُرزے، ان کے تمام اعضا اور تمام آلات موزون ومنظوم کلمات اور فصیح وبلیغ اقوال ہیں۔

اور اس نے تین بہت بڑے ہمہ گیر حقائق کا مشاہدہ کیا جو اس بات پر دلالت کرتے تھے کہ یہ حیوانات وغیرہ اپنے خالق اور رازق کا شکر ادا کر رہے اور اپنے کلمات واقوال کے ساتھ اس کی وحدانیت کی گواہی دے رہے ہیں، وہ تین حقائق یہ ہیں۔

پہلی حقیقت: انتہائی حکمت کے ساتھ عدم سے اِیجاد کی، اور پختگی کے ساتھ اِبداع کی، اور اختیار وعلم کی روشنی میں خلق وانشا کی، اور نفخِ روح کی حقیقت جو کہ بیس جہتوں سے علم وحکمت اور ارادے کی تجلّی کی دلیل ہے۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اسے کسی بھی طور پر کسی شب کو اتفاق کا یا اندھی قوت کا، یا گونگی بہری نیچر کا کرشمہ قرار نہیں دیا جا سکتا، بلکہ یہ نمایاں ترین برہان بن کر اُبھرتی ہے جو تمام ذی اَرواح کی تعداد کے برابر گواہوں سے تالیف پاتی ہے اور الحیُّ القیُّوم ذات کے وجود کے وجوب پر، اس کی صفاتِ سبعہ پر اور اس کی وحدت پر دلالت کرتی ہے۔

دُوسری حقیقت: تمیز، تزیین اور تصویر کی عظیم تر اور قوی تر حقیقت جو کہ ان غیر محدود مصنوعات میں نظر آ رہی ہے؛ کیونکہ یہاں ہر چیز دوسری چیز کے مقابلے میں کسی نہ کسی علامتِ فارقہ، شکلِ مزیّن، وزنِ مقدّر اور تصویرِ منتظم کے ساتھ ایسی امتیازی حیثیت کی مالک ہے کہ اس سے صرف ایک ہی بات کا امکان یا احتمال رہ جاتا ہے، اور وہ یہ کہ یہ ہمہ گیر فعل جو ہر جہت سے لاکھوں عجائبات کی تجلّیاں بکھیر رہا ہے اسے صرف اور صرف وہی سرانجام دے سکتا ہے جو عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ اور بِکُلِّ شَیْئٍ عَلِیْمٌ ہو۔

تیسری حقیقت: انواع واقسام کے لاکھوں قطروں کے ذریعے کہ جنھیں نطفہ کہا جاتا ہے، باہم مماثل، متشابہ، متقارب، مخلوط، گنے چنے، محصور اور محدود انڈوں سے اور بویضات یعنی مادہ انڈوں سے انتہائی انتظام اور توازن کے ساتھ ان حیوانات کی صورتیں اس انداز سے کھول دینا کہ ان میں نہ کوئی غلطی نظر آ رہی ہو اور نہ کمی زیادتی؛ یہ چیز یقیناً ایک تابندہ حقیقت ہے جو اپنی روشنی خود ان حیوانات کی تعداد کے برابر دلائل و اسانید سے لے رہی ہے۔

اس مسافر نے اسی طرح دیکھا اور یہ درس حاصل کیا کہ ان حقائقِ ثلاثہ کی رُو سے انواع واقسام کے یہ تمام تر حیوانات یہ کہتے ہوئے اپنی گواہی پیش کر رہے ہیں کہ: "لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ" حتیٰ کہ ایسے لگتا ہے جیسے زمین ایک بہت بڑے انسان کا روپ دھار گئی ہے اور اپنی عظمت وضخامت کے حساب سے زوردار آواز میں کہہ رہی ہے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ"، اور آسمان کے باسیوں کے کانوں میں رس گھول رہی ہے۔

ان مذکورہ حقائق کے معنی کی تعبیر پہلے مقام کے ساتویں مرتبے نے کر دی ہے، چنانچہ وہاں یہ ذکر کیا گیا ہے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاجِبُ الْوَجُوْدِ الَّذِیْ دَلَّ عَلٰی وُجُوْبِ وُجُوْدِهٖ فِیْ وَحْدَتِهٖ اِتِّفَاقُ جَمِیْعِ اَنْوَاعِ الْحَیْوَانَاتِ وَالطُّیُوْرِ الْحَامِدَاتِ الشَّاهِدَاتِ بِكَلِمَاتِ حَوَاسِّهَا وَقُوَاهَا وَ حِسِّیَاتِهَا وَلَطَائِفِهَا الْمَوْزُوْنَاتِ الْمُنْتَظَمَاتِ الْفَصِیْحَاتِ، وَبِكَلِمَاتِ جِهَازَاتِهَا وَجَوَارِحِهَا وَأَعْضَاءِ هَا وَآلَاتِهَا الْمُكَمَّلَةِ الْبَلِیْغَاتِ، بِشَهَادَةِ عَظَمَةِ اِحَاطَةِ حَقِیْقَةِ الْاِیْجَادِ وَ الصُّنْعِ وَالْاِبْدَاعِ بِالْاِرَادَةِ، وَحَقِیْقَةِ التَّمْیِیْزِ وَالتَّزْیِیْنِ بِالْقَصْدِ، وَحَقِیْقَةِ التَّقْدِیْرِ وَالتَّصْوِیْرِ بِالْحِكْمَةِ، مَعَ قَطْعِیَّةِ دَلَالَةِ حَقِیْقَةِ فَتْحِ جَمِیْعِ صُوَرِهَا الْمُنْتَظَمَةِ الْمُتَخَالِفَةِ الْمُتَنَوِّعَةِ الْغَیْرِ الْمَحْصُوْرَةِ مِنْ بَیْضَاتٍ وَقَطَرَاتٍ مُتَمَاثِلَةٍ مُتَشَابِهَةٍ مَحْصُوْرَةٍ مَحْدُوْدَةٍ.

☆ ☆ ☆

پھر اس متفکر مسافر نے عالمِ انسان میں اور دنیائے بشر میں داخل ہونے کا ارادہ کیا، تاکہ اللہ تعالیٰ کی غیر محدود معرفت کے مراتب میں اور اس کے لامتناہی اَذواق وانوار میں آگے بڑھتا جائے، چنانچہ اُسے سب سے پہلے تو انبیا علیہم الصلاۃ والسلام نے بلایا۔

وہ ان کے ہاں چلا گیا، وہاں جا کر اس نے سب سے پہلے زمانہ ماضی کی منازل کی طرف نظر دوڑائی تو اُس نے دیکھا کہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام جو کہ نوعِ بشر کا کامل ترین اور روشن ترین وِرد کر رہے ہیں، اور اپنے غیر محدود، مصدّقہ اور تابندہ معجزات کی قُوّت کے ساتھ توحید کا دعویٰ بلند کر رہے ہیں تا کہ اُنہیں حیوانیت کے مرتبے سے اُٹھا کر ملکیت کے مرتبے پر پہنچا دیں۔

چنانچہ وہ اس نورانی مدرسے کے اِن انسانیت کے ان مشہور ترین اساتذہ اور بلند ترین افراد سے درس لینے کے لیے دوزانوں ہو کر بیٹھ گیا۔ تب اُس نے دیکھا کہ ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں معجزات ہیں جو کہ ان کی تصدیق کی علامات ہیں، یہ معجزات انہیں خالق کائنات نے عطا کیے ہیں۔ اُس نے یہ بھی دیکھا کہ ان لوگوں نے جس بات کی بھی خبر دی ہے، ان میں سے ہر ایک کی تصدیق نوعِ بشر کی کسی نہ کسی امت نے اور کسی بڑی جماعت نے کی ہے اور وہ ایمان میں داخل ہو گئی ہے۔ تب اس کے لیے اس قوت کا اور اس قطعیت کی مقدار کا اندازہ لگانا ممکن ہو گیا جو اس حقیقت کے حصے میں آئی ہے جس کی تصدیق کرنے پر اور جس کے حق میں فیصلہ کرنے پر ان جلیل القدر صادق ترین لوگوں میں سے ایک لاکھ معزّزین کا اتفاق و اجماع ہو چکا ہے۔

اور اُسے جرم اور اس غلطی کے گھناؤنے پن کا بھی ادراک ہو گیا جس کا ارتکاب اہلِ ضلالت نے اس حقیقت کا ارتکاب کر کے کیا ہے جس پر ان سچے مخبروں نے اپنے غیر محدود معجزات کے ذریعے دستخط کیے ہیں اور مہرِ تصدیق ثبت کی ہے۔ اور اُسے اس بات کا بھی ادراک ہو گیا کہ اس طرح کے لوگ واقعتاً بڑے شدید عذاب کے مستحق ہیں۔ اور پھر اُسے اُس حق اور حقیقت کی عظمتوں کا بھی پتا چل گیا جس تک وہ لوگ پہنچے ہیں جو ان پیغمبروں پر ایمان لائے ہیں اور انہیں سچا کہتے اور سچا مانتے ہیں۔

پھر اس کے سامنے ایمان کی قدسیت کا ایک اور عظیم ُالشان مرتبہ نمایاں ہو گیا۔

جی ہاں، ان سنجیدہ قسم کے مخبروں — یعنی انبیاء علیہم السلام — کا ثابت شدہ مسائل میں اجماع، تواتر اور اتفاق، اور مسائل کو ثابت کرنے میں ان کا توافق، تساند اور تطابق، اور اس سے بڑھ کر ان کے غیر محدود معجزات جو کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے ان کی فعلی تصدیق کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کے مخالفین کو آسمان سے پڑنے والے بہت سے طمانچے جو اُن کی حقانیت کو ظاہر کرتے ہیں، اور ان کے شخصی کمالات جو اُن کے برسرِ حق ہونے کی بہت بڑی دلیل ہیں، ان کی حقیقت کے ساتھ مُو بمُو مطابقت رکھنے والی تعلیمات، ان کی سچائی کی گواہی دینے والی ان کی قوتِ ایمانی، اُن کی آخری درجے کی سنجیدگی و جان نثاری اور ان کے صحیفے اور مقدس کتابیں، اور پھر اس سے بڑھ کر ان کی پیروکاری میں حقیقت و کمالات و نور تک رسائی حاصل کر لینے والے ان کے شاگردانِ رشید جو کہ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ان کا راستہ حق اور صواب ہے...... یہ تمام چیزیں ایک ایسی قوت کی صورت گری کرتی ہیں جس کا سامنا دنیا کی کوئی قوت نہیں کر سکتی، اور

ایسی قطعی حجت بن کر اُبھرتی ہیں کہ کسی قسم کے شبے اور تردّد کی قطعاً گنجائش نہیں چھوڑتی ہیں۔

اور وہ یہ بات سمجھ گیا کہ ایمان کے ارکان میں تمام انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کی تصدیق کا دخل ہونا ایک عظیم الشان قوت کا سرچشمہ ہے۔ اور اس نے ان کے دروس سے ڈھیر ساری امدادات و برکات حاصل کرلیں۔

اس مسافر کے اس درس کے معنی کی پہلے مقام کے آٹھویں مرتبے نے وضاحت اسی طرح کی ہے، چنانچہ وہاں ذکر کیا گیا ہے:

[لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللهُ الَّذِيْ دَلَّ عَلٰى وُجُوْبِ وُجُوْدِهٖ فِيْ وَحْدَتِهٖ اِجْمَاعُ جَمِيْعِ الْأَنْبِيَاءِ بِقُوَّةِ مُعْجِزَاتِهِمُ الْبَاهِرَةِ الْمُصَدِّقَةِ الْمُصَدَّقَةِ]

☆ ☆ ☆

پھر یہ طالب علم سیاح جو کہ ایمان کی قوت سے ایک بلند پایہ لذّت حاصل کر چکا تھا، اور وہ جب انبیاؑ کی مجلس سے واپس آرہا تھا اچانک اُسے ان لوگوں نے آواز دی جنھیں اصفیا اور صدیقین کہا جاتا ہے، اور یہ وہی ہیں جنھیں دوسرے لفظوں میں تبحر علما اور محقق مجتہدین کہا جاتا ہے، جنہوں نے انبیاؑ کے دعووں کو علم الیقین کی صورت میں قطعی قوی دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے۔ ان لوگوں نے اُسے اپنے مدرسے میں بلایا۔ تب وہ مدرسے میں داخل ہوا، تو وہاں اُسے ہزاروں کے حساب سے یگانۂ روزگار عبقری انسان اور لاکھوں کی تعداد میں اہلِ تحقیق و اہلِ تدقیق نظر آئے جو ثابت شدہ ایمانی مسائل کا اثبات کرتے ہیں اور اپنی اُن گہری تحقیقات و تدقیقات کے ذریعے ایسی دلائل و براہین مہیا کرتے ہیں جو کوئی ذرّہ برابر بھی شبہ باقی نہیں رہنے دیتی ہیں، اور ان مسائل میں سرفہرست وجود اور وحدت کے وجوب کا مسئلہ ہے۔

جی ہاں، ان لوگوں کا اپنی قابلیتوں، صلاحیتوں اور مسلکوں مشربوں میں مختلف اختلاف ہونے کے باوجود ایمان کے اصول و ارکان میں متفق ہونا، اور ان میں سے ہر ایک کا اپنے قوی اور یقینی دلائل و براہین پر اعتماد کرنا ایک ایسی عظیم حجت ہے کہ اس کا مقابلہ کرنا صرف اسی آدمی کے لیے ممکن ہے جس کے پاس ان کی مجموعی ذہانت جیسی ذہانت، درایت اور ان کی عمومی براہین جیسی برہان ہو، ورنہ بصورت دیگر وہ منکرین صرف جہالت اور اجہلیت کے ساتھ، عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے انکار کے ساتھ صرف اُنھی منفی مسائل میں ہی سامنا کر سکتے ہیں جنھیں ثابت کرنا ممکن ہی نہیں، جو آنکھ بند کر لے وہ صرف یہی کرتا ہے کہ خود کے لیے دن کو رات بنالیتا ہے۔

اور اس کو اس بات کا علم ہوگیا کہ وہ انوار جو اس وسیع و عریض رعب دار مدرسے کے اساتذہ اور جلیل القدر تبحر علما نے پھیلائے ہیں، وہ ایک ہزار سال سے معمورۂ عالم کو روشن کیے ہوئے ہیں، اور اس سے اس کے دل میں اتنی معنوی قوت آگئی کہ تمام انکار کرنے والے اگر اسے گمراہ کرنے کی کوشش کریں یا اُسے اپنے مقام سے ذرّہ برابر بھی ہلانے کی کوشش کریں تو کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔

یوں اس مسافر نے اُس مدرسہ سے جو درس حاصل کیا پہلے مقام کے نویں مرتبے نے اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے، چنانچہ وہاں ذکر کر دیا گیا ہے:

[لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الَّذِیْ دَلَّ عَلٰی وُجُوْبِ وُجُوْدِهٖ فِیْ وَحْدَتِهٖ اِتِّفَاقُ جَمِیْعِ الْاَصْفِیَاءِ بِقُوَّةِ بَرَاهِیْنِهِمُ الظَّاهِرَةِ الْمُحَقَّقَةِ الْمُتَّفِقَةِ]

☆ ☆ ☆

پھر یہ صاحبِ فکر اور ایمان کی قوت کی بڑھوتی میں پوشیدہ اذواق وانوار کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا، اور ایمان کو علم الیقین کے درجے سے ترقی دے کر اور بلند کر کے عینُ الیقین کے درجے تک پہنچا دینے کا مشتاق یہ متفکر مسافر اس مدرسے سے جب واپس آ رہا تھا تو اچانک اسے ہزاروں بلکہ لاکھوں مقدّس مرشدین نے اپنی طرف بلایا جو معراج محمدی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام کے سائے میں محمدی جادۂ کبریٰ پر گام زن ہو کر حقیقت تک پہنچنے کے لیے مصروفِ تگ و دو ہیں، حق تک پہنچنے والے ہیں اور عینُ الیقین کے مقام پر براجمان ہیں — انہوں نے اُسے رشد و ہدایت کے دربار، مجلسِ ذکر اور اُس خانقاہ کی طرف بُلایا جو فیوض وانوار کے باب میں انتہاؤں کو چھو رہی ہے، اور اَن گِنت درباروں، خانقاہوں اور چھوٹی چھوٹی بیٹھکوں کے تسلسل سے صحراؤں جیسی وسعت پکڑ چکی ہے۔

چنانچہ وہ وہاں داخل ہو گیا، وہاں اُسے وہ اصحابِ کشف وکرامات مرشد نظر آئے جو اپنے کشفیات و مشاہدات و کرامات پر اعتماد کرتے ہوئے بالاتفاق و بالاجماع "لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ" کا ورد کرتے ہوئے کائنات کے لیے وجود کے وجوب کا اور وحدتِ ربانی کا اعلان کر رہے ہیں۔

جس طرح سورج کی پہچان اس کی روشنی کے سات رنگوں کی وساطت سے ہوتی ہے، اسی طرح اُس نے علم الیقین کے ساتھ اُس حقیقت کے ظہور و فروغ کی شدّت کا مشاہدہ کر لیا تھا جس پر حقیقت کے متغایر طرق میں، اور مختلف مضبوط و مستقیم مسالک اور متنوع قسم کے حقیقی مشارب میں پائے جانے والے قدسی عباقرہ نے اور نورانی عارفوں نے بالاتفاق و بالاجماع دستخط کیے ہیں اور مہریں لگائی ہیں، اور اُسے ان عارف باللہ لوگوں کے مسالک و مشارب میں پایا جانے والا اختلاف اور انبیا کا اجماع، اصفیا کا اتفاق، اولیا کا توافق اور ان تینوں جماعتوں کا ایک ساتھ اتفاق سورج پر دلالت کرنے والے دن کی روشنی سے بھی زیادہ تابناک نظر آیا۔

اس مہمان نے خانقاہ سے جو فیض حاصل کیا اس کی طرف پہلے مقام کے دسویں مرتبے نے اشارہ کیا ہے، چنانچہ وہاں ذکر کیا گیا ہے:

[لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الَّذِیْ دَلَّ عَلٰی وُجُوْبِ وُجُوْدِهٖ فِیْ وَحْدَتِهٖ اِجْمَاعُ الْاَوْلِیَاءِ بِكَشْفِیَّاتِهِمْ وَكَرَامَاتِهِمُ الظَّاهِرَةِ الْمُحَقَّقَةِ الْمُصَدَّقَةِ]

پھر دنیا کا یہ سیاح جسے اہم ترین اور عظیم ترین انسانی کمالات کی، بلکہ ان کمالات کے سرچشمے کی اور ان کی اساس کی پہچان ہو گئی تھی، جو کہ صرف اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس پر ایمان سے جنم لینے والی محبت ہی ہے؛ تو اس نے اپنا سر اُٹھایا اور اپنی تمام قوتوں کے ساتھ اور تمام لطائف کے ساتھ ایمان کی قوت اور رسوخِ معرفت کی قوت میں مزید اضافے کی خواہش کرتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا، اور اپنی عقل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

کائنات کی سب سے قیمتی چیز چونکہ "زندگی" ہے، اور کائنات کی تمام موجودات زندگی کی مسخر ہیں......

ذی حیات میں سب سے زیادہ قیمتی چونکہ وہ ہیں جو ذی اَرواح ہیں......

ذی اَرواح میں سب سے زیادہ قیمتی چونکہ ذوشعور ہیں۔

اور کرۂ ارض چونکہ ذی حیات کی بے بہا قیمت کی وجہ سے اُن میں اضافہ کرنے کے لیے ہمیشہ ہر سال ہر صدی بھرتی رہتی اور خالی ہوتی رہتی ہے؛ اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس ہیبت خیز مزین آسمانوں کے بھی ذی حیات، ذی اَرواح اور ذی شعور باشندے ہوں جو ان کے ساتھ مناسبت رکھتے ہوں۔

چنانچہ قدیم سے ملائکہ کو دیکھنے کی اور ان کے ساتھ گفتگو کی تواتر کے درجے تک پہنچی ہوئی روایات منقول ہیں، جیسے جبریلؑ کا انسانی شکل میں آنے اور رسول کریم ﷺ کی مجلس میں صحابہ کرامؓ کا اسے دیکھنے کا واقعہ [1] تب سیاح نے کہا: کاش کہ میں آسمان والوں کو دیکھنے کا شرف حاصل کرسکوں اور جان سکوں کہ وہ کیا سوچتے ہیں؛ کیوں کہ خالق کائنات کے بارے میں سب سے زیادہ اہمیت رکھنے والا قول انہیں کا ہوگا...... وہ اسی سوچ میں مستغرق تھا کہ اچانک آسمانی آواز سنتا ہے جو اُسے کہہ رہی تھی: تُو اگر ہمارے ساتھ ملاقات کرنا چاہتا ہے اور ہمارا درس سننا چاہتا ہے تو یاد رکھ کہ ہم ان ایمانی مسائل پر ایمان لانے والے سب سے پہلے لوگ ہیں جو ہمارے واسطے سے تمام انبیاؑ کے پاس آئے ہیں، اور ان میں سرفہرست محمد ﷺ ہیں جن تک یہ مسائل قرآن معجز بیان کے ذریعے پہنچے ہیں۔

اور ہم میں سے وہ تمام پاکیزہ اَرواح جو مجسم ہو کر لوگوں کو نظر آتی ہیں، وہ بلا استثنا و بالاتفاق اس کائنات کے خالق کے واجبُ الوجود ہونے پر، اس کی وحدت پر اور اس کی قدسی صفات کی گواہی دیتی ہیں۔

اس حقیقت کے بارے میں بہت سے خبریں مروی ہیں، جن میں سے ہر خبر دوسری خبر کے ساتھ موافقت اور مطابقت رکھتی ہے۔ پس ان غیر محدود خبروں کا ایک دوسرے کے ساتھ موافقت اور مطابقت رکھنا آفتاب جیسی روشن دلیل ہے۔

سیاح نے اُن کی یہ بات سمجھ لی اور اس سے اس کے ایمان کا نور اتنا چمک اٹھا کہ آسمانوں کو چھو گیا۔

اور یوں اس مسافر نے فرشتوں سے جو درس لیا اس کی طرف پہلے مقام کے گیارہویں مرتبے نے اشارہ کر دیا ہے،

---

[1] حدیث جبریل کی طرف اشارہ ہے جو مسلم نے کتاب الایمان میں حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے۔

چنانچہ اس میں ذکر کیا گیا ہے:

[لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللهُ الْوَاجِبُ الْوُجُوْدِ الَّذِیْ دَلَّ عَلٰی وُجُوْبِ وُجُوْدِهٖ فِیْ وَحْدَتِهٖ اِتِّفَاقُ الْمَلَائِكَةِ الْمُتَمَثِّلِیْنَ لِأَنْظَارِ النَّاسِ، وَالْمُتَكَلِّمِیْنَ مَعَ خَوَاصِ الْبَشَرِ بِاَخْبَارَاتِهِمُ الْمُتَطَابِقَةِ الْمُتَوَافِقَةِ]

☆ ☆ ☆

پھر اس والہانہ شغف رکھنے والے مشتاق مہمان نے مخصوص گروہوں سے ان کی بولیوں اور زبان ہائے احوال سے مادی اور جسمانی جہت سے عالمِ شہادت میں درس حاصل کر لیا تو عالمِ غیب اور عالمِ برزخ میں سیاحت و مطالعہ اور طلبِ حقیقت کی طرف راغب ہوا، تب اس کے لیے اُن عقولِ مستقیمہ منورہ اور قلوبِ سلیمہ نورانیہ کا دروازہ کھل گیا جن سے نوعِ بشر کا کوئی گروہ خالی نہیں، اور جو کہ ثمرۂ کائنات یعنی انسان کے لیے ایک بیج کی حیثیت رکھتی ہیں، اور جس کے لیے بالکل چھوٹے سے حجم کا ہونے کے باوجود یہ ممکن ہے کہ معنوی طور پر پھیلتا جائے اور کائنات کے برابر ہو جائے۔ تب اس سیاح نے دیکھا کہ:

یہ عقول وقلوب عالمُ الغیب والشھادۃ کے درمیان انسانی برزخیں ہیں، اور انسان کی بہ نسبت دونوں عالموں کے درمیان تعلّقات و معاملات انہیں نقاط سے چلتے ہیں، تب اس نے اپنی عقل سے اور اپنے دل سے کہا: ادھر آؤ! حقیقت تک پہنچانے والا سب سے مختصر راستہ وہ ہے جو تمہارے دروازے سے نکلتا ہے۔ اور ہمیں چاہیے کہ ہم یہاں سے اسی طرح درس لیں جس طرح کہ ہم نے یہ درسِ ایمان کی حیثیت سے دیگر راستوں کی زبانوں سے بلکہ عقول وقلوب کے اوصاف کے مطالعہ سے اور ان کی کیفیات سے اور ان کے رنگوں کے مطالعہ سے حاصل کیا ہے۔

اس نے پڑھنا شروع کر دیا تو اُسے نظر آیا کہ تمام مستقیم و منور عقلیں جن کی استعدادوں میں غایت درجے کا اختلاف پایا جاتا ہے، اور جن کے مسالک و مذاہب ایک دوسرے کے بالکل مخالف اور دُور دُور ہیں، ایمان اور توحید کے بارے میں ان کے اعتقادات کمال تحقُّق اور رسوخ کی روشنی میں ایک دوسرے کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں، ان کے یقینیات اور ایمانیات ثبات واطمینان کے ساتھ ایک دوسرے کے بالکل مطابق ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک حقیقت کے ساتھ وابستہ ہیں جو تبدیل نہیں ہوتی، اور ان کے عقیدے کا تنا اتنی مضبوط جڑوں والا ہے کہ اسے اُکھاڑنا ممکن نہیں۔ اس بنا پر، ان عقلوں کا ایمان، وجوب اور توحید کے نقطے پر اجماع ہونا ایک اٹوٹ نورانی سلسلے کی اور حقیقت کی طرف جھانکنے والی کھڑکی کی حیثیت رکھتا ہے۔

اور اس نے یہ بھی دیکھا کہ تمام نورانی قلوبِ سلیم جن کے مشارب متباین اور مسالک ایک دوسرے سے دور دور ہیں؛ توحید کے بارے میں ایک دوسرے کے مطابق ہیں، اور ارکانِ ایمان کے بارے میں ان کے کشفیات و مشاہدات—

اطمینان وانجذاب واتفاق کی روشنی میں — ایک دوسرے کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت کا سامنا کرنے والے اور اُس تک پہنچانے والے اور اس کا رُوپ اختیار کرنے والے یہ نورانی دل کہ جن میں سے ہر ایک معرفت ربّانی کا ایک چھوٹا ساعرش اور جامع قسم کا صمدانی آئینہ ہے، یہ حقیقت کے سورج کی طرف کھلی ہوئی کھڑکیاں ہیں، اور یہ مجموعی طور پر سورج کے بالمقابل رکھے ہوئے سمندر کے ساتھ مشابہت رکھنے والے آئینے ہیں جو اس سورج کی صورت کو منعکس کرتے ہیں۔

اور اس کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ ان کا وجود اور وحدت کے وجوب پر ان کا اتفاق واجماع ایک ایسی دلیلِ اکمل اور مرشد اکبر ہے جو نہ گمراہ ہوتا ہے اور نہ گمراہ کرتا ہے، اسی حیثیت سے کہ اس بات کا کوئی امکان یا احتمال ہی نہیں بچتا کہ کوئی وہم باطل، کوئی بے حقیقت فکر اور بے اصل صفت ان تیز تر، عظیم تر اور گہری نگاہ والی نظروں کو دھوکا دے سکے یا اُسے کسی غلط حِس میں گرادے۔ اور وہ یہ سمجھ گیا کہ وہ فاسد اور بیمار عقل جو اس طرح کے احتمال کو قبول کرتی ہے اس عقل کو — عام لوگ تو رہے ایک طرف — موجودات کے منکر احمق سوفسطائی بھی ردّ کر دیتے ہیں!

چنانچہ اس نے اپنی عقل اور اپنے دل سمیت ایک ساتھ کہا: آمنتُ باللہ۔

اور یوں پہلے مقام کے بارہویں اور تیرہویں مرتبوں نے ایجاز کے ساتھ اس معرفتِ ایمانی کی طرف اشارہ کر دیا جو اس مسافر نے عقولِ سلیمہ اور قلوبِ منورہ سے حاصل کی، چنانچہ اُن میں ذکر کیا گیا:

[لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللہُ الْوَاجِبُ الْوُجُوْدِ الَّذِیْ دَلَّ عَلٰی وُجُوْبِ وُجُوْدِہٖ فِیْ وَحْدَتِہٖ اِجْمَاعُ الْعُقُوْلِ الْمُسْتَقِیْمَۃِ الْمُنَوَّرَۃ بِاِعْتِقَادَاتِہَا الْمُتَوَافِقَۃِ، وَبِقَنَاعَاتِہَا وَیَقِیْنِیَّاتِہَا الْمُتَطَابَقَۃِ، مَعَ تَخَالُفِ الْاِسْتِعْدَادَاتِ وَ الْمَذَاہِبِ، وَ کَذَادَلَّ عَلٰی وُجُوْبِ وُجُوْدِہٖ فِیْ وَحْدَتِہٖ اِتِّفَاقُ الْقُلُوْبِ السَّلِیْمَۃِ النُّوْرَانِیَّۃِ بِکَشْفِیَّاتِہَا الْمُتَطَابَقَۃِ، وَبِمُشَاہَدَاتِہَا الْمُتَوَافِقَۃِ مَعَ تَبَایُنِ الْمَسَالِکِ وَالْمَشَارِبِ]

☆ ☆ ☆

پھر عقل وقلب میں سیاحت کرنے والے اور عالمِ غیب کو قریب سے دیکھنے والے اس مسافر نے انتہائی بے قراری کے عالم میں یہ سوال کرتے ہوئے اس عالم کا دروازہ کھٹکھٹایا: آپ کے خیال میں عالمِ غیب کیا کہتا ہے؟

مطلب یہ کہ یہ بات جب بالبداہت سمجھ میں آ رہی ہے کہ پردۂ غیب کے پیچھے ایک ذات موجود ہے جو اپنی غیر محدود آراستہ پیراستہ مضبوط مصنوعات کے ذریعے اس جسمانی عالمِ شہادت میں اپنا تعارف کرانا چاہتا ہے، اور اپنی لامتناہی خوبصورت مزین نعمتوں کے ذریعے محبوب بننا چاہتا ہے، اور اپنے بے شمار عجیب وغریب معجزنما نقوش وآثار کے ذریعے اپنے خفیہ کمالات کے بارے میں خبر دینا چاہتا ہے...... جی ہاں، وہ جو یہ سب کچھ چاہتا ہے اور اپنے بارے میں افعال

کے ساتھ اور زبانِ حال کے ساتھ اس انداز سے اعلان کرتا ہے کہ جو گفتگو اور بات چیت سے کہیں بڑھ کر واضح ہے؛ ضروری ہے کہ جس طرح وہ زبانِ فعل اور زبانِ حال کے ساتھ اپنا تعارف کراتا ہے، وہ قول اور کلام کے ساتھ بھی اپنا تعارف کرائے گا اور اپنی ذات کو محبوب بنائے گا، بات جب ایسے ہی ہے تو پھر ہمیں چاہیے ہم اُسے عالمِ غیب میں اس کی اُلوہیت و ربوبیت کے مظاہر سے پہچانیں۔

چنانچہ وہ اس عالَم میں داخل ہو گیا، وہاں اس نے اپنی عقل کی آنکھ کے ساتھ یہ دیکھا:

''وحیِٔ الٰہی'' کی حقیقت ہمہ وقت غایت درجے کی قوت رکھنے والے مظاہر کے ساتھ ہمہ وقت عالَمِ غیب کے تمام اطراف واکناف میں غالب ونگران ہے، اور اس نے دیکھا کہ علّام الغیوب کی طرف سے وحی والہام کے حقائق کے ذریعے اس کے وجود پر اور اس کی وحدت پر ایسی شہادت آتی ہے جو کائنات ومخلوقات کی گواہیوں سے کہیں زیادہ قوی ہے؛ کیونکہ وہ اپنی ذات کی پہچان کو اور اپنے وجود اور اپنی وحدانیت کے دلائل کو صرف اپنی مخلوقات کی گواہی میں ہی محصور نہیں کرے گا، بلکہ وہ اپنے ازلی کلام کے ذریعے اس طریقے سے گفتگو کرتا ہے جو اس کی ذات کے شایانِ شان ہے۔ پس وہ ذات جو اپنی قوت اور اپنے علم کے ساتھ ہر جگہ حاضر ناظر ہے اس کے کلام کی نہ کوئی حد ہے نہ انتہا۔ اور جس طرح اس کے کلام کا معنی اس کی پہچان کرواتا ہے، اس کا تکلّم بھی اس کی صفات کے ذریعے اس کی پہچان کراتا ہے۔

جی ہاں، اس مسافر کو اس بات کا علم ہو گیا کہ وحی کی حقیقت کا ثبوت بداہت کے درجے تک پہنچ گیا ہے، اور وہ ہُوا ہے ایک لاکھ انبیاؑ کے تواتر کے ذریعے، اُن کا وحیِٔ الٰہی کے سرچشمے سے صادر ہونے والی اپنی تمام خبروں میں متفق ہونے کی روشنی میں اور کتبِ مُقدّسہ اور صحفِ سماویہ کے دلائل ومعجزات کے ذریعے جو کہ وحی کے ثمرات اور وحیٔ مشہود ہیں، اور جن کی تصدیق نوعِ بشری کی اکثریت نے کی ہے، اُن کی اقتدا کی ہے اور انہیں اپنا امام اور رہنما مانا ہے۔

اس کی سمجھ میں یہ بات بھی آ گئی کہ وحی کی حقیقت پانچ قُدسی حقائق کی تعبیر کرتی ہے، ان کی تاکید کرتی ہے اور انہیں روشن کرتی ہے:

پہلی حقیقت: جس پر "لِلتَّنَزُّلاتِ الْإِلٰهِيَّةِ الیٰ عُقُوْلِ الْبَشَرِ یعنی عقولِ بشر پر تنزّلاتِ الٰہیہ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔''پس نوعِ بشر کے ساتھ اُن کی عقلوں اور ذہنوں کے مطابق بات چیت کرنے کو تنزّلِ الٰہی کہا جاتا ہے۔

جی ہاں، جس نے اپنی مخلوقات میں سے تمام ذی ارواح کو بولنا سکھایا ہے، اور جسے ان تمام باتوں کا علم ہے جو وہ کرتے ہیں، بلاشبہ اس کی ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اُن کے ساتھ انہیں کی زبان میں بات کرے۔

دُوسری حقیقت: جس نے اپنی ذات کا تعارف کرانے کے لیے گرانقدر غیر محدود اخراجات کے ساتھ اس کائنات کو پیدا کیا ہے اور اسے اوّل سے لے کر آخر تک معجزات وعجائبات کے ساتھ بھر دیا ہے، اور اس کائنات کو جس نے اس طرح کا رُوپ دیا ہے کہ وہ ہزاروں زبانوں کے ساتھ اس کے کمالات بیان کرتی ہے؛ ضروری ہے کہ وہ اپنے ان

کمالات کا تعارف اپنے کلمات کے ذریعے بھی کروائے۔

تیسری حقیقت: اُس نے حقیقی لوگوں کی مناجات کی اور ان کی شکر و سپاس کی صدائیں سُنیں، اور یہ لوگ موجودات کا ماحصل، سب سے زیادہ ضرورت مند، سب سے زیادہ نازک اور سب سے زیادہ اشتیاق رکھتے ہیں؛ جس طرح اُس نے ان کی صدائیں سنیں تو انہیں ان کی مناجات کا اور ان کی دعاؤں اور صداؤں کا بالفعل جواب دیا؛ اُسی طرح خالقیت کی شان یہی ہے کہ وہ انہیں اپنے کلام کے ذریعے بھی جواب دے۔

چوتھی حقیقت: مکالمہ و گفتگو کی صفت جو کہ علم اور حیات کا ایک لازمہ روشن مظہر ہے، اس کا اُس ذات میں ہمہ گیر اور سرمدی صورت میں پایا جانا ضروری ہے جو ہمہ گیر علم کی اور سرمدی زندگی کی مالک ہے۔

پانچویں حقیقت: جس نے ان لوگوں میں عجز و اشتیاق، فقر و احتیاج، مستقبل کا خوف و غم، اور محبت و بے قراری ودیعت کر دی ہے جو اس کی مخلوقات میں محبت اور محبوبیت کے میدان میں سب سے زیادہ عاجز اور فقیر ہیں، اور کسی مرکزی سہارے کے سب سے زیادہ محتاج اور فکر مند ہیں، اور اپنے مالک اور صاحب کو پانے کے لیے سب سے زیادہ بے قرار ہیں؛ بلاشبہ اس کی اُلوہیت کا یہ تقاضا ہے کہ وہ انہیں اپنے کلام کے ساتھ اپنے ہونے کا احساس دلائے۔

اور اس سے وہ سمجھ گیا کہ واجبُ الوجود کے وجود کے وجوب کے اور اس کی وحدت کے دلائل جو کہ اجمال کے ساتھ ''تنزّلِ الٰہی''، ''تعرفِ ربانی''، ''مقابلہٴ رحمانی''، اور ''مکالمہٴ سبحانیہ'' کے حقائق پر مشتمل آسمانی وحیوں کی عمومی صورت نے فراہم کیے ہیں، وہ دوپہر میں چمکنے والے سورج کی ان شعاعوں سے بھی کہیں زیادہ قوی ہیں جو اُس سورج کے موجود ہونے کی گواہی دیتی ہیں۔

پھر اس نے الہامات کی جہت میں دیکھا، تو اُسے نظر آیا کہ سچے الہامات مکالمہٴ ربّانیہ کی ایک قسم ہیں، اور یہ اگر چہ ایک جہت سے وحی کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں، مگر ان دونوں میں دو فرق ہیں:

پہلا فرق: وحی جو کہ الہام سے بہت زیادہ بلند ہے، زیادہ تر فرشتوں کے واسطے سے ملتی ہے، اور الہام زیادہ تر بغیر واسطے کے، چنانچہ جس طرح — بطور مثال — بادشاہ کے اوامر اور اس کے مکالمات دو صورتوں میں چلتے ہیں:

ایک یہ کہ وہ اپنے کسی سفیر کو سلطنت کی عظمت اور عمومی حاکمیت کا ترجمان بنا کر اپنے کسی گورنر کی طرف بھیج دے، اور بسا اوقات وہ حکم کی اہمیت اور حاکمیت کی عظمت کا اظہار کرنے کے لیے اس ترجمان کے ساتھ میٹنگ کرتا ہے اور بعد میں اُسے اپنا ایجنڈا سونپ دیتا ہے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ بات چیت سلطنت کے عنوان سے اور اس کی عمومی ترجمانی کی صورت میں نہیں کرتا بلکہ یہ کام اپنی ذاتی حیثیت سے سرانجام دیتا ہے، چنانچہ اس کی یہ بات چیت اس کے خصوصی ٹیلیفون کے ذریعے کسی جزوی معاملے میں یا تو اس کے ان خاص خادموں میں سے کسی ایک کے ساتھ ہوتی ہے جن کے ساتھ اس کے خصوصی

تعلقات ہوتے ہیں، یا پھر اس کی رعایا کے کسی عام آدمی کے ساتھ۔

اس سلطانِ ازلی کا معاملہ بھی اسی طرح کا ہی ہے، چنانچہ اس کی گفتگو اور بات چیت کی ایک صورت تو وہ ہے جو وہ ربُّ العالمین کے نام سے اور خالقِ کائنات کے عنوان سے کرتا ہے، اور یہ بات چیت وحی کے ذریعے اور اُن ہمہ گیر الہامات کے ذریعے ہوتی ہے جو وحی کی ذمہ داری نبھاتے ہیں، اور دوسری صورت اُس کی بات چیت کی وہ ہے جو وہ خصوصی صورت میں ہر فرد کے ساتھ اور ہر ذی حیات کے ساتھ ان کے ربّ اور ان کے خالق ہونے کی حیثیت سے کرتا ہے، صرف یہ ہے کہ یہ بات چیت پردوں کے پیچھے سے اور ان کی قابلیتوں کے حساب سے ہوتی ہے۔

دوسرا فرق: یہ ہے کہ وحی صاف شفاف ہوتی ہے، اس کا کوئی سایہ نہیں ہوتا، اور یہ خاص طور پر خواص کے لیے ہوتی ہے۔ لیکن الہام کا سایہ ہوتا ہے جس میں بہت سے رنگوں کی آمیزش ہوتی ہے، پھر یہ کہ الہام عمومی ہوتا ہے اور اس کی بہت سی قسمیں ہیں: جیسے فرشتوں کے الہامات، بشر کے الہامات اور حیوانات کے الہامات وغیرہ، بلکہ یہ اپنی بہت سی انواع واقسام کے ساتھ کلمات ربانیہ کی تعداد کو سمندروں کے قطروں کے برابر کرنے کے لیے زمین ہموار کرتا ہے۔

سیاح کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ یہ چیز آیت کریمہ:

﴿قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّيْ﴾ کے بہت سے پہلوؤں میں سے ایک پہلو کی تفسیر کر رہی ہے۔

پھر اس نے الہام کی ماہیت، حکمت اور اس کی شہادت کی طرف نظر کی تو دیکھا کہ اس کی ماہیت، اس کی حکمت اور اس کا نتیجہ چار انوار سے مرکب ہے:

پہلا نور: وہ ہے جس پر ''تودُّدِ'' الٰہی کا اطلاق ہوتا ہے، چنانچہ جس طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی مخلوقات کے ساتھ اپنے افعال کی راہ سے دوستی اور پیار کا اظہار کرتا ہے، اسی طرح اُس کا ان کے ساتھ قول، حضوری اور معیت کے ذریعے پیار، محبت اور دوستی کا دم بھرنا، ودودیّت اور رحمانیت کا تقاضا ہے۔

دوسرا نور: وہ جس طرح بالفعل اپنے بندوں کی دعائیں سنتا ہے، اسی طرح پردوں کے پیچھے سے ان کی دعائیں بالقول بھی سننا، رحیمیت کی شان ہے۔

تیسرا نور: وہ جس طرح اپنی اُن مخلوقات کی آہ وزاریوں، فریادوں اور مدد طلبی کی صداؤں پر بالفعل لبیک کہتا ہے جو دردناک مصائب میں گرفتار اور شدید تر حالات سے دوچار ہیں، اسی طرح اُس کا بات چیت کی طرح کے الہامی اقوال کے ساتھ ان کی فریادرسی کرنا اور مدد کو پہنچنا، ربوبیت کا لازمہ ہے۔

چوتھا نور: وہ جس طرح اپنی ذی شعور مصنوعات کو فعلی طور پر اپنے وجود کا اپنے حاضر ناظر ہونے کا اور ان کے لیے

اپنی حمایت کا احساس دلاتا ہے، اور وہ اپنی شدید عاجزی و درماندگی، کمزوری اور فقر و احتیاج کی وجہ سے اپنے مالک، حامی، مدبّر اور محافظ کی تلاش میں ہیں؛ اسی طرح اُس کا اپنے بعض سچے الہامات کے ذریعے جو کہ ربّانی مکالمے کی سی حیثیت رکھتے ہیں، اپنی مخلوق میں سے بعض مخصوص لوگوں کو اُن کے دل کی تاروں کے ذریعے اور ان کی قابلیت کے حساب سے — قولی طور پر — اپنے موجود ہونے کا اور اپنے حاضر ناظر ہونے کا احساس دِلانا رأفتِ اُلوہیت اور رحمتِ ربوبیت کے تقاضوں میں سے ایک واجب اور ضروری تقاضا ہے۔ اُس سیاح کی سمجھ میں کچھ یہی بات آئی۔

پھر اس نے الہام کی گواہی کی طرف نظر کی تو دیکھا کہ اگر — بالفرض سورج زندگی اور شعور کا مالک ہوتا، اور اس کی روشنی کے سات رنگ اس کی سات صفات ہوتیں، تو وہ اس اعتبار سے اپنی روشنی میں پائی جانے والی تجلیوں اور شعاعوں کی بدولت ایک طرح کے مکالمے کا مالک ہوتا؛ اور تب شفاف اشیا میں مشاہدے کے ذریعے اس کی مثال کا اور اس کے انعکاس کا وجود نظر آجاتا، اور وہ ہر آئینے کے ساتھ، ہر چمکدار چیز کے ساتھ، کانچ کے ٹکڑوں کے ساتھ، پانی کے قطروں کے ساتھ، بلبلوں کے ساتھ، اور حتیٰ کہ شفاف ذرّوں کے ساتھ گفتگو کرتا، وہ ان میں سے ہر ایک کی اس کی قابلیت کے حساب سے ضرورتیں پوری کرتا، اور یہ تمام چیزیں اپنے سورج کے موجود ہونے کی گواہی دیتیں، اور اس تمام سلسلے میں کوئی فعل دوسرے فعل کے آگے رکاوٹ نہ بنتا اور کوئی مکالمہ دوسرے مکالمے کے ساتھ مزاحم نہ ہوتا۔

اب جو معاملہ یہاں سورج کے مکالمے کی مثال کا ہے، اسی طرح کا معاملہ اُس آفتاب سرمدی سلطانُ الازل والابد، خالق جمیع الموجودات، ذی شان والجمال کا ہے؛ کیونکہ یہ معاملہ بداہتاً سمجھ میں آجاتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا مکالمہ اس کے علم اور اس کی قدرت کی طرح کلّی، ہمہ گیر اور محیط ہے، ہر شئ میں اس کی قابلیت کے حساب سے جلوہ فگن ہے، اس لیے کوئی سوال دوسرے سوال کے؛ کوئی عمل دوسرے عمل کے اور کوئی خطاب دوسرے خطاب کے آگے رُکاوٹ نہیں بنتا، اس کے ساتھ ٹکراتا نہیں اور مخلوط نہیں ہوتا۔ اور اسے اِس بات کا اس طرح کا علمُ الیقین ہو گیا جو عینُ الیقین کے قریب قریب تھا، کہ یہ تمام تجلیات، مکالمات اور الہامات انفرادی طور پر اور مجموعی طور پر بالاتفاق اس شمسِ اَزلی کے حاضر و ناظر ہونے کی، اس کے واجبُ الوجود ہونے کی، اس کی وحدت کی اور اس کی احدیت کی گواہی دیتے اور اس پر دلالت کرتے ہیں۔

اور اس طرح پہلے مقام کے چودھویں اور پندرھویں مرتبے نے معرفت کے اس درس کی طرف اشارہ کر دیا جو اس دلچسپی رکھنے والے مہمان نے عالم غیب سے سیکھا، چنانچہ وہاں ذکر کیا گیا ہے کہ:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاجِبُ الْوُجُوْدِ الْوَاحِدُ الْاَحَدُ. الَّذِيْ دَلَّ عَلٰى وُجُوْبِ وُجُوْدِهٖ فِيْ وَحْدَتِهٖ اِجْمَاعُ جَمِيْعِ الْوَحْيَاتِ الْحَقَّةِ الْمُتَضَمِّنَةِ لِلتَّنَزُّلَاتِ الْاِلٰهِيَّةِ وَلِلْمُكَالَمَاتِ السُّبْحَانِيَّةِ وَلِلتَّعَرُّفَاتِ الرَّبَّانِيَّةِ وَلِلْمُقَابَلَاتِ الرَّحْمَانِيَّةِ عِنْدَ مُنَاجَاةِ عِبَادِهٖ. وَلِلْاِشْعَارَاتِ الصَّمَدَانِيَّةِ لِوُجُوْدِهٖ

لِمَخْلُوْقَاتِهٖ. وَ كَذَا دَلَّ عَلٰی وُجُوْبِ وُجُوْدِهٖ فِیْ وَحْدَتِهٖ اِتِّفَاقُ الْاِلْهَامَاتِ الصَّادِقَةِ الْمُتَضَمِّنَةِ لِلتَّوَدُّدَاتِ الْاِلٰهِيَّةِ وَلِلْاِجَابَاتِ الرَّحْمَانِيَّةِ لِدَعَوَاتِ مَخْلُوْقَاتِهٖ. وَلِلْاِمْدَادَاتِ الرَّبَّانِيَّةِ لِاِسْتِغَاثَاتِ عِبَادِهٖ. وَلِلْاِحْسَاسَاتِ السُّبْحَانِيَّةِ لِوُجُوْدِهٖ لِمَصْنُوْعَاتِهٖ

☆ ☆ ☆

پھر دنیا کے اس سیاح نے اپنی عقل سے کہا: میں جب اپنے خالق و مالک کو اس کائنات کی موجودات کی وساطت سے ڈھونڈ رہا ہوں، اس لیے کوئی ایسا انسان ہونا چاہیے جو اس ضمن میں سب سے زیادہ مناسب ہو، ہمیں اس کے ہاں جانا چاہیے اور اس ہستی کے بارے میں پوچھنا چاہیے جسے ہم تلاش کر رہے ہیں، اور وہ محمد عربی ﷺ ہی ہیں؛ کیونکہ وہی ایک ایسی شخصیت ہیں کہ جو تمام موجودات میں سب سے زیادہ مشہور ہیں اور جن کے کامل ترین ہونے کی گواہی ان کے دشمنوں تک نے دی ہے، وہ بلند ترین اسلوبِ بیان اور تابندہ ترین عقل کے مالک ہیں، وہ سب سے بڑے قائد اور مشہور ترین حکمران ہیں، وہ تو وہ ہستی ہیں کہ جنھوں نے اپنے فضائل کے آثار اور اپنے قرآن کیساتھ چودہ صدیاں روشن کی ہیں؛ اس لیے عصرِ سعادت کی طرف جانا بہت ضروری ہے۔

چنانچہ وہ اپنی عقل کو ساتھ لے کر اس دور میں داخل ہوگیا، تب اس نے دیکھا کہ وہ دور آنجناب ﷺ کی برکت سے نوعِ بشر کے لیے واقعتاً سعادت کا دور بن گیا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اس نور کے ذریعے جو وہ لائے ہیں سب سے زیادہ بدّ و اور اَن پڑھ قوم کو بالکل تھوڑے سے عرصے میں دنیا کے استاد اور حکمران بنا دیا۔

پھر اُس نے اپنی عقل سے کہا: سب سے پہلے تو ہمیں اس منفرد آدمی کی قیمت کی اور اس کے اقوال کی حقانیت کی اور اس نے جو جو خبریں دی ہیں ان کی سچائی کی پہچان کرنا چاہیے، پھر ہم اس سے اپنے خالق کے بارے میں پوچھیں گے۔ تب وہ تلاش و جستجو میں لگ گیا، تو اُسے اس کے بے شمار قطعی دلائل مل گئے۔ اس مقام پر ہم ان میں سے ایجاز کے ساتھ نو عدد کلی دلائل کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

پہلی دلیل: ان کا تمام تر اخلاقِ حسنہ اور خصالِ حمیدہ سے اس حد تک متصف ہونا کہ ان کے دشمنوں نے بھی اس کی گواہی دی ہے، اور ان کے ہاتھوں سینکڑوں معجزات کا ظہور میں آنا، جیسے کہ ان منقول قطعی دلائل سے ثابت ہے جو کہ حدِ تواتر تک جا پہنچی ہیں، جیسے اُن کی انگلی کے اشارے سے چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا، جیسے کہ آیتِ کریمہ نے صراحت کی ہے: ﴿وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ اور ان کے دشمن کا خاک کی مٹھی سے بھاگ جانا جو انہوں نے ان کے چہروں پر پھینکی تھی اور وہ ان کی آنکھوں میں داخل ہوگئی، جیسے کہ اس آیت کریمہ نے صراحت کی ہے: ﴿وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ اور جیسے کہ ان کی پانچوں انگلیوں سے کوثر کی طرح پانی پھوٹ پڑنا اور آپ کا اس پانی کو ایک پیاسے لشکر کو اُس وقت تک پلاتے رہنا جب تک کہ وہ سیر نہ ہوگیا۔

انیسواں مکتوب جو کہ ''معجزاتِ رسول ﷺ'' کے نام سے موسوم ہے، اور جو کہ بڑا انوکھا، اچھوتا اور کرامت والا رسالہ ہے، اس میں چونکہ اس طرح کے تین سو سے زائد معجزات قطعی دلائل کے ساتھ بیان کر دیے گئے ہیں، اس لیے اس سیاح نے ان مذکورہ معجزات کے لیے یہ کہتے ہوئے اس رسالے کا حوالہ دے دیا کہ: جو ہستی اتنے واضح معجزات کی مالک ہو کر اتنے کمالات کی اور اخلاقِ حسنہ کی مالک ہو، بلاشبہ وہ ہستی تمام دنیا سے زیادہ سچی اور بے اخلاق کمینے لوگوں میں پائی جانے والی جھوٹ، حیلہ گری اور فریب کاری جیسی خصلتوں سے بہت دور تھی۔

دوسری دلیل: وہ اپنے ہاتھ میں ایک دستور اُٹھائے ہوئے ہے جو اللہ کی طرف سے صادر ہوا ہے اور جس کی ہر دور میں ساڑھے تین ملین سے زیادہ لوگوں نے تصدیق کی ہے اور اُسے قبول کیا ہے، اور وہ ہے قرآنِ عظیمُ الشان جو کہ سات پہلوؤں سے مُعجز ہے۔

''پچیسویں مقالے'' میں کہ جس کا دوسرا نام ''قرآنی معجزات'' ہے، اور جو تمام رسائل نور کے درمیان آفتاب کی حیثیت رکھتا ہے، اِس چیز کی وضاحت چونکہ تفصیل کے ساتھ اور قوی دلائل کے ساتھ کر دی گئی ہے کہ یہ قرآن چالیس پہلوؤں سے مُعجز ہے، اور یہ کہ یہ خالقِ کائنات کا کلام ہے؛ اس لیے سیاح نے یہ کہتے ہوئے اس رسالے کا حوالہ دے دیا کہ جو ہستی اس کتاب کی مبلّغ اور ترجمان ہو جو عین حق وحقیقت ہے، اس سے جھوٹ کا صادر ہونا صرف یہی نہیں کہ ممکن ہی نہیں بلکہ اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ یہ اس دستور کے حق میں جرم اور اس کے اُتارنے والے کے حق میں خیانت کے مترادف ہوگا!

تیسری دلیل: آنجناب ﷺ ایسی شریعت، اسلام، عبودیت، دعا، دعوت اور ایمان لے کر آئے ہیں کہ انسانیت ان سے پہلے اور اُن کے بعد اس طرح کی کسی چیز سے آشنا نہیں ہوئی۔

جی ہاں، اس شریعت جیسی کوئی دیگر شریعت نظر ہی نہیں آتی جو ایک اُمّی انسان سے ظہور میں آئی اور اس نے اپنے غیر محدود گہرے قوانین کے ذریعے چودہ سو سال تک نوعِ بشری کے پانچویں حصے کی ادارت کی۔

یہی صورت حال اُس اِسلام کی ہے جس کا صدور اس اُمّی کے اقوال واحوال سے ہوا، اس کا بھی اِس سے پہلے یا بعد میں اس حیثیت سے کوئی مثیل نظر نہیں آتا ہے اور وہ اس طرح کہ ہر صدی میں تین ملین انسانوں کا ہادی اور مرجع ہونے کی حیثیت سے، اُن کی عقلوں کے لیے معلّم اور مرشد ہونے کی حیثیت سے، اُن کے دلوں کے لیے منوّر اور مُصَفّی ہونے کی حیثیت سے، ان کے نفوس کے لیے مربی اور مزکی ہونے کی حیثیت سے، اور ان کی روحوں کے لیے نشوونما کا دارومدار اور ترقیوں کا سرچشمہ ہونے کی صورت میں حیثیت سے اُس کا اس سے پہلے یا بعد میں کوئی مثیل نظر نہیں آتا ہے۔

اِسی طرح اُن کے اپنے دین کی انواع واقسام کی تمام عبادات میں امامت اور قیادت کرنے، تقویٰ وطہارت اور خشیتِ الٰہی میں سب سے آگے ہونے، اپنے بے مثال متواصل مجاہدے اور عبودیت کے دقیق ترین اسرار کا شدید ترین

حالات میں بھی مکمل خیال رکھنے اور ان عبادات کو کسی کی بھی تقلید نہ کرتے ہوئے اُن کا خود سے آغاز کر کے اُنہیں پوری ذمہ داری سے نبھاتے رہنے اور ان کے پہلے اور آخری سرے کو کامل ترین شکل میں یکجا کر کے اُنہیں ان کے تمام معانی و مفاہیم سمیت ادا کرنے کی حیثیت سے بھی اُن کا پہلے اور بعد میں کوئی مثیل نظر نہیں آتا ہے۔

پھر وہ ''الجوشن الکبیر'' میں — جو کہ اُن کی ہزاروں دعاؤں میں سے ایک دعا ہے — بلند ترین معرفتِ ربانیہ کے ساتھ اپنے رب کی وہ تعریف کرتے ہیں کہ اُس وقت سے لے کر اب تک تمام اہلِ معرفت واہلِ ولایت افکار کے تلاحق کے باوجود نہ تو معرفت کے اس مرتبے تک نہیں پہنچ سکے ہیں اور نہ اس انداز کے درجے تک جو آپ ﷺ نے اس میں اپنایا ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ''دعا'' میں بھی آپ ﷺ کا کوئی مثیل نہیں، ''رسالۃ المناجاۃ'' کے آغاز میں جہاں ''الجوشن الکبیر'' کے ننانوے فقروں میں سے ایک چھوٹے سے فقرے کی وضاحت کی گئی ہے، اس مقام کو جو بھی دیکھے گا اس کے لیے یہ بات کہے بغیر کوئی چارہ ہی نہ رہے گا کہ اس ''جوشن'' کا بھی کوئی مثیل نہیں ہے۔

اسی طرح اُنہوں نے رسالت کی تبلیغ کرنے میں اور لوگوں کو حق کی طرف دعوت دینے میں جو مضبوطی، ثابت قدمی اور بہادری کا مظاہرہ کیا ہے، بلکہ اُن کی طرف سے کبھی ذرّہ برابر بھی تردُّد، قلق، اضطراب اور خوف کا مظاہرہ نہیں ہوا، حالانکہ بڑی بڑی سلطنتیں اور قابلِ ذِکر اَدیان و مذاہب ان کے شدید دشمن ہو گئے تھے، صرف یہی نہیں بلکہ ان کی قوم، قبیلہ اور عام لوگ بھی ان کے دشمن بن گئے تھے، لیکن انہوں نے تنِ تنہا تمام دنیا کو چیلنج کیا، اس پر غلبہ حاصل کیا اور اس کی قیادت اسلام کے ہاتھ میں تھما دی۔ یہ چیز ثابت کرتی ہے کہ دعوت و تبلیغ کے میدان میں بھی ان کا کوئی ثانی نہیں تھا، اور ایسا ہونا ممکن بھی نہیں۔

پھر وہ ایمان کی حیثیت سے مضبوط گہرے اور قطعی یقین، بلند پایہ قوت، معجزانہ ترقی اور دنیا کو روشنی سے بھر دینے والے عُلوی اعتقاد کے حامل تھے، چنانچہ علی الرّغم اس کے کہ وہ تمام افکار وعقائد، حکما کی حکمتیں اور روحانی قائدین کے علوم جو اس دور میں غالب تھے، وہ سب کے سب ان کے خلاف جارہے تھے، ان کے ساتھ ٹکراتے تھے اور ان کا انکار کرتے تھے؛ لیکن اس طرح کے تمام تر حالات اُن کے یقین واعتقاد واعتماد واطمینان میں کسی قسم ذرّہ برابر بھی شبہ، تردّد، کمزوری یا وسوسہ پیدا نہ کر سکے؛ بلکہ ان کے ایمانی مرتبے کے فیضان سے وہ تمام لوگ ہمہ وقت نہال ہوتے رہے اور ہو رہے ہیں جو معنوی ترقیوں پر اور ایمانی مراتب پر فائز ہوئے ہیں، اور ان میں سرفہرست صحابہ کرام اور تمام اہلِ ولایت ہیں، اور یہ سب لوگ آپ ﷺ کو اِن معنویات کے اعلیٰ ترین مراتب پر سمجھتے ہیں، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ کے ایمان میں بھی آپ ﷺ کا کوئی مثیل نہیں ہے۔

اور اس طرح سیاح نے اس بات کا ادراک کر لیا اور اس کی عقل نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ جو شخص ایک بلند ترین عبودیت، معجزانہ ایمان، دنیا کو چیلنج کرنے والی دعوت کے ساتھ ساتھ ایسی شریعت کا مالک ہو جس کی کوئی نظیر نہ

ہو، ایسے اسلام والا ہو جس کا کوئی مثیل نہیں، ایسا شخص کسی بھی طور پر اور کسی بھی شکل میں جھوٹ نہیں بول سکتا اور دھوکہ نہیں دے سکتا۔

چوتھی دلیل: انبیاء علیہم السلام کا اجماع جس طرح اللہ تعالیٰ کے وجود پر اور اس کی وحدانیت پر ایک انتہائی قوی دلیل ہے، اسی طرح وہ آنجناب ﷺ کی سچائی کی اور ان کی رسالت کی بھی انتہائی قوی دلیل ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اہم اور قدسی صفات اور معجزات جن پر ان انبیا کی صداقت کا اور ان کی نبوت کا دارومدار ہے وہ تمام صفات و معجزات آپ ﷺ کے بلند ترین درجات کی صورت میں موجود ہیں اور تاریخی طور پر ان کی تصدیق ہو چکی ہے۔

مطلب یہ کہ جس طرح انبیاءؑ نے لوگوں کو آپ ﷺ کے آنے کی خوشخبری دی ہے، اور اپنے صحائف میں، اور تورات، انجیل اور زبور میں انہیں آپ ﷺ کے بارے میں زبانِ مقال کے ساتھ خبر دی ہے— انیسویں مکتوب میں اس طرح کے بیس سے زائد اشارے ثابت کر دیے گئے ہیں جو مقدّس کتابوں میں وارد ہوئے ہیں اور آپ ﷺ کے بارے میں خوشخبری دیتے ہیں، اور ان میں سے بعض نمایاں قسم کے اشاروں کی خوبصورت انداز کے ساتھ وضاحت کر دی گئی ہے— اسی طرح وہ اپنی زبانِ حال کے ساتھ یعنی اپنی نبوّات و معجزات کے ذریعے آپ ﷺ کی تصدیق کرتے ہیں اور ان کے دعوے پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں، کہ آپ ﷺ ان کی نبوت اور دعوت اِلی اللہ والی ذمہ داریوں کے میدان میں ان کے ہراول دستے میں ہیں اور کامل ترین ہیں؛ اور جس طرح انہوں نے اجماع کے ساتھ اور زبانِ مقالی کے ساتھ وحدانیت کی طرف رہنمائی کی ہے، اسی طرح وہ اِتفاق کے ساتھ اور زبانِ حال کے ساتھ ان کی صادقیّت کی گواہی دیتے ہیں۔

سیاح نے اسی چیز کا ادراک کیا تھا۔

پانچویں دلیل: ہزاروں اولیائے کرام جو کہ آنجناب ﷺ کی پیروی سے، ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اور ان کے قوانین و دساتیر پر اور اُن کی تربیت پر عمل کرتے ہوئے حق و حقیقت تک پہنچے ہیں، اور کمالات و کرامات و کشفیات و مشاہدات سے بہرہ وَر ہوئے ہیں؛ یہ تمام کے تمام لوگ جیسے وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں، اسی طرح بالاجماع و بالاتفاق اور بزبانِ حال اپنے اس استاد کی صداقت کی اور اس کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں۔

پھر سیاح نے دیکھا کہ ان اَولیا کا آپ ﷺ کی عالمِ غیب کے بارے میں دی ہوئی بعض خبروں کا نورِ ولایت کے ذریعے مشاہدہ کرنا، اور اُن کا نورِ ایمان کے ساتھ اُن خبروں کی عمومی صورت کی علمُ الیقین، عینُ الیقین یا حقُ الیقین کے درجے میں تصدیق کرنا اور ان پر اعتقاد رکھنا اُن کے اس اُستاد کی حقانیت اور صادقیت کے درجے کو سورج کی طرح نمایاں کر دیتا ہے۔

چھٹی دلیل: لاکھوں کے حساب سے مدقّق اصفیا، محقق صدیقین اور اہلِ ایمان عبقری حکما و فلاسفہ نے جو کہ

آنجناب ﷺ سے درس لینے سے آپ ﷺ کے لائے ہوئے قدسی حقائق کی تعلیم حاصل کرنے سے اور اُمّی ہونے کے باوجود آپ ﷺ کے اختراع کردہ علومِ عالیہ اور کشف کردہ معرفتِ الٰہیہ کی تعلیم حاصل کرنے سے بلند ترین علمی مراتب پر پہنچے ہیں، جس طرح بالاتفاق وحدانیت کی تصدیق کی ہے — جو کہ آپ ﷺ کے دعوے کی اُسّ الاساس ہے — اور قوی براہین کے ساتھ اس کا اثبات کیا ہے؛ اسی طرح ان کی اپنے اِس استادِ اعظم کی حقانیت کی اور اپنے معلمِ اکبر کے قول کے حقیقت ہونے کی بالاتفاق گواہی دینا، آپ ﷺ کی رسالت اور صادقیت پر روزِ روشن جیسی تابناک دلیل ہے۔ اور رسائلِ نور اپنے — مثال کے طور پر — ایک سو اجزا سمیت آپ ﷺ کی صداقت کی صرف ایک دلیل ہیں۔

ساتویں دلیل: وہ بہت بڑا گروہ جسے ''آل'' اور ''اصحاب'' کہا جاتا ہے، انبیا کے بعد نوعِ بشر میں جو طبقہ فراست، درایت اور کمالات کے میدان میں سب سے زیادہ معروف ہوا، جس کا سب سے زیادہ احترام ہے، جس نے سب سے زیادہ شہرت پائی اور جو دین داری میں سب سے زیادہ قوی اور سب سے زیادہ دور نگاہی کا مالک ہے، وہ یہی طبقہ ہے۔ انہوں نے اس ذاتِ گرامی ﷺ کے ظاہری اور پوشیدہ احوال کی جستجو کی، ان کے افکار کی تفتیش کی، اور کمال رغبت، انتہائی بیداری اور آخری درجے کی سنجیدگی کے ساتھ گہری نظر کی، تو ان کی اِس نظر نے انہیں بالاتفاق و بالاجماع ایک غیر متزلزل پائدار تصدیق، اور دونیم نہ ہونے والے قوی ایمان تک پہنچا دیا کہ آنجناب ﷺ دنیا کے تمام لوگوں سے زیادہ سچے، سب سے بلند اور حق وحقیقت کے سب سے زیادہ دوست ہیں۔ سیاح نے اس چیز کو ایسے ہی دلیل جانا جیسے روزِ روشن سورج کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔

آٹھویں دلیل: یہ کائنات جس طرح اپنے مُوجد، مدبّر اور مرتب پر، اور اُس کے کاتب وصانع اور اُس نقاش پر دلالت کرتی ہے، جو اس میں تصویر، تقدیر اور تدبیر کے ذریعے اس طرح تصرّف کرتا ہے کہ جیسے یہ کائنات کوئی کتاب ہو، یا کوئی محل ہو، یا کوئی نمائش گاہ ہو یا پھر کوئی سیرگاہ ہو؛ اُسی طرح یہ ایک عظیمُ القدر مرشد کے وجود کا تقاضا اور مطالبہ کرتا ہے، کسی سچے کشاف اور منادی کرنے والے کا، کسی محقق اُستاد کا اور نامور معلّم کا تقاضا اور مطالبہ کرتا ہے جو اس کتابِ کبیر کے معانی کی تفسیر کرلے، جو یہ بات جانتا ہو اور بتا سکتا ہو کہ کائنات کی تخلیق میں کون سے مقاصدِ الٰہیہ پائے جاتے ہیں، اور اس کے تحوُّلات اور تبدُّلات میں جو ربانی حکمتیں پائی جاتی ہیں ان کی تعلیم دے سکتا ہو، اور اس کی ذمہ دارانہ حرکات کے نتائج کو کھول کر بیان کر سکے، اس کی ماہیت کی اور اس کی موجودات ومخلوقات میں پائے جانے والے کمالات کا اعلان کر سکے...... بالکل، کائنات اس طرح کے معلم مرشد کے وجود کا تقاضا کرتی ہے، اس کی شدت سے طلبگار ہے اور ہر حال میں اس پر دلالت کرتی ہے۔

اس جہت سے سیاح کو اس بات کا علم ہو گیا کہ اس طرح کائنات بھی آنجناب ﷺ کی حقانیت کی گواہی دیتی ہے جس میں یہ ذمہ داریاں انتہائی خوبصورت طریقے سے نبھائی ہیں، اور یہ کہ وہ بلاشک وشبہ خالقِ کائنات کے ہاں بلند ترین اور صادق ترین مبعوث ہیں۔

نویں دلیل: پردے کے پیچھے جب کوئی ایسی ہستی موجود ہو جو اپنی مضبوط اور پائیدار مصنوعات کے ذریعے سے اپنی مضبوطی و پائیداری اور انوکھے پن کی نمائش کرنا چاہتی ہے۔

اپنی لامتناہی خوبصورت، دیدہ زیب اور آراستہ پیراستہ مخلوقات کے ذریعے اپنی ذات کی پہچان کرانا چاہتی ہے اور اسے محبوب بنانا چاہتی ہے۔

اپنی بے حساب بیش قیمت لذیذ ترین نعمتوں کے ذریعے اپنی حمد وستائش اور اپنا شکر کرانا چاہتی ہے۔

اور عمومی طور پر گزر بسر کا اور شفقت اور حفاظت بھری نشوونما کا سامان مہیا کرنے، حتی کہ انواع و اقسام کے کھانے فراہم کرنے اور اس طرح کے ربّانی دسترخوان — کہ جو کام و دہن کے دقیق اور نازک ترین اذواق کی اور ہر قسم کی اشتہا کی تسکین کرتے ہیں — فراہم کر کے وہ یہ چاہتی ہے کہ عبادت، شکر و امتناں اور پوری شیفتگی کے ساتھ اس کی ربوبیت کی طرف متوجہ رہا جائے۔

اور وہ اپنی خلاّقیت اور تحیّر خیز حکیمانہ افعال کے ذریعے، اور اپنی عظیم الشان کارروائیوں اور ہیبت خیز تصرّفات کے ذریعے اپنی اُلوہیت کا اظہار کرتا ہے، جیسے موسم کو تبدیل کرتے رہنا اور رات اور دن کو پے در پے ایک دوسرے کی جگہ پر لانا وغیرہ...... تاکہ ایمان تسلیم اور انقیاد و اطاعت کے ذریعے اس کی اُلوہیت کی طرف متوجہ رہا جائے۔

اور وہ خیر اور اصحابِ خیر کی حفاظت کر کے اور شر اور شریروں کو نابود کر کے اور ظالموں اور جھوٹوں کو آسمانی آفتوں کے ذریعے، ہلاک کر کے ہر وقت اپنی حقانیت کا اور اپنی عدالت کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔

اس بنا پر اس بات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا ہے کہ اُس پردۂ غیب کے پیچھے رہنے والی ہستی کے نزدیک اُس کی محبوب ترین مخلوق اور اس کا صادق ترین بندہ وہ ہے جو اس کے اِن مذکورہ مقاصد کو پورا کرنے کے لیے خالص عمل کرے گا، جو اس کائنات کی پیدائش کا طلسم کھولے گا، اس میں پائے جانے والے راز کو افشا کرے گا، جو اپنے خالق کی ترجمانی کرتا ہوا ہمیشہ مصروفِ تگ و دَو رہے گا، جو ہمیشہ اس سے مدد مانگتا رہے گا، اور اس کے آگے دستِ تعاون دراز کرے گا، اور اس کی امداد اور اس کی توفیق کا مظہر بن جائے گا؛ اور ایسا شخص محمد قرشی ﷺ کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے؟

پھر سیّاح نے اپنی عقل سے کہا: یہ نو عدد حقائق جو ابھی ذکر کیے گئے ہیں، یہ حقائق چونکہ اس نبیٔ کریم ﷺ کی صداقت کی گواہی دیتے ہیں؛ اس لیے اس بات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ وہ بنی نوع انسان کے عزّ وشرف کا قُطب ہیں، افتخارِ عالم کا دارومدار ہیں، اور وہ اِس قابل ہیں کہ انہیں یہ کہا جائے کہ وہ: فخرِ عالَم اور شرفِ بنی آدم ہیں، اور یہ نام صرف انہی کو جچتا ہے، اور ان کے ہاتھوں میں جو فرمانِ رحمان یعنی قرآن کریم ہے جس کی معنوی بادشاہت کا جلال اور اُن کے شخصی کمالات اور بلند پایہ فضائل و خصائل یہ ظاہر کرتے ہیں کہ کائناتِ ہستی میں سب سے بڑا انسان یہ نبیٔ عظیم ہی ہے۔ پس اِس بنا پر ہمارے خالق کے بارے میں فیصلہ کن بات وہی ہے جو آپ ﷺ کہتے ہیں۔

پس آؤ اور دیکھو، ان کی زندگی کی غرض وغایت اور ان کی دعوت کی بنیاد سینکڑوں قسم کے ظاہر و باہر قطعی معجزات پر اور اپنے دین میں پائے جانے والے مضبوط جڑوں والے ہزاروں حقائق عالیہ پر اعتماد کرتے ہوئے واجبُ الوجود کے وجود، اُس کی وحدت اور اُس کے اسماء وصفات کا اثبات کرنا، ان کا اعلان کرنا اور ان کے بارے میں جانکاری دینا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کائنات کا معنوی سورج اور ہمارے خالق کی تابندہ ترین برہان یہی آقا ومولا ہیں جنھیں "حبیبُ اللہ" کہا جاتا ہے؛ کیونکہ تین ایسے کبیر ترین اجماع موجود ہیں جو نہ گمراہ ہوتے ہیں اور نہ گمراہ کیے جاسکتے ہیں، یہ اجماعات آپ ﷺ کی گواہی کی تائید کرتے ہیں، اور اس گواہی کی تصدیق کرتے ہیں اور اس پر دستخط کرتے ہیں۔

پہلا اجماع: وہ تصدیقات جو کہ اس مشہورِ عالم نورانی جماعت کی طرف سے صادر ہوئی ہیں جنھیں ''آلِ محمد'' کہا جاتا ہے، اور اس میں ہزاروں اصحابِ بصیرت اور غیب کو چیر جانے والی تیز نگاہ کے مالک اقطاب اور عظیمُ الشان اولیائے کرام ہیں، جیسے کہ حضرت علیؓ جن کا یہ قول ہے، "لَوْ رُفِعَ الْحِجَابُ مَا ازْدَدْتُ يَقِيْنًا"[1] ''پردہ اُٹھ بھی جائے تو بھی میرے یقین میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا''، اور جیسے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جو زمین پر بیٹھے ہوئے عرشِ اعظم کا اور اسرافیلؑ کی عظمت کا نظارہ کر لیتے تھے۔

دوسرا اجماع: وہ تصدیقات جو اس مشہور جماعت کی طرف سے صادر ہوئی ہیں جو دنیا میں ''صحابہ'' کے نام سے مشہور ہیں؛ چنانچہ ان صحابہ نے یہ تصدیق اپنے اُس قوی ایمان کے ساتھ کی ہے جس نے انہیں اپنی روحیں، اپنے اموال اور اپنے آباء واجداد کو اور اپنے خاندانوں تک کو قربان کر دینے کے لیے تیار کر دیا تھا، اور یہ وہی لوگ جو پہلے گنوار بدّو تھے، ان کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی اور ''فترت'' کے دور میں اور ایک ایسے اَن پڑھ ماحول میں جی رہے تھے جو معاشرتی زندگی اور سیاسی افکار سے بالکل خالی تھا، لیکن پھر تھوڑے ہی عرصے میں یہی لوگ تہذیب وتمدن وثقافت اور سماجی اور سیاسی زندگی کے میدان میں انتہائی ترقی یافتہ قوموں اور حکومتوں کے استاد، مرشد، سیاست دان اور عدل پرور حکمران بن گئے، اور دنیا کو مشرق سے لے کر مغرب تک اس انداز سے چلانے لگے کہ معمورۂ عالم کے اطراف واکناف میں عدل و سلامتی کے جھنڈے لہرانے لگے۔

تیسرا اجماع: ایک عظیم ترین جماعت کی طرف سے باہمی توافق کے ساتھ صادر ہونے والی علمُ الیقین کے درجے کی تصدیقات، وہ عظیم ترین جماعت کہ جس میں وہ بے حد وحساب متبحر ومحقق علما ہیں جو آپ ﷺ کی امت میں پروان چڑھے، اور یہ لوگ ہر دور میں ہزاروں کے حساب سے موجود رہے اور موجود ہیں۔ مختلف مسالک ومذاہب میں اجتہاد

[1] اس قول کی نسبت عام طور پر حضرت علیؓ کی طرف کی جاتی ہے، ابونعیم اصفہانی نے ''حلیة الاولیاء'' میں اس کی نسبت عبداللہ بن سہل کی طرف کی ہے۔ القشیری نے اپنے ''الرسالة'' میں اس کی نسبت ایک تابعی عامر بن عبدالقیس کی طرف کی ہے۔ امام ابن القیم نے ''مدارج السالکین: 417/2'' میں اور ملا علی قاری نے ''الاسرار المرفوعة'' میں اسی کو ترجیح دی ہے۔ (مترجم)

کرتے ہیں، ہر فن مولا ہیں اور ہر علم میں عبقری صلاحتیوں کے مالک ہیں۔

پس اس چیز کو بنیاد بنا کر سیاح نے یہ فیصلہ کیا کہ وحدانیت پر اس نبیِ اُمی کی گواہی کوئی معمولی، جزوی اور شخصی قسم کی گواہی نہیں، بلکہ یہ ایک عمومی اور کُلی قسم کی ایسی پایدار اور غیر متزلزل گواہی ہے کہ تمام شیاطین اکٹھے ہو کر بھی کسی جہت سے اس کا سامنا نہیں کر سکتے۔

پہلے مقام کے سولہویں مرتبے نے اس درس کی طرف مختصر سا اشارہ کر دیا ہے جو دنیا کے اس مہمان نے اور اپنی عقل کے ساتھ سیاحت کرنے والے زندگی کے اس مسافر نے عصرِ سعادت میں اس نورانی مدرسے سے حاصل کیا، چنانچہ وہاں ذکر کیا گیا کہ:

لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ الْوَاجِبُ الْوُجُوْدِ الْوَاحِدُ الْأَحَدُ الَّذِیْ دَلَّ عَلٰی وُجُوْبِ وُجُوْدِهٖ فِیْ وَحْدَتِهٖ فَخْرُ الْعَالَمِ وَ شَرَفُ نَوْعِ بَنِیْ اٰدَمَ بِعَظَمَةِ سَلْطَنَةِ قُرْاٰنِهٖ، وَحَشْمَةِ وُسْعَةِ دِیْنِهٖ، وَ كَثْرَةِ كَمَالَاتِهٖ، وَعُلْوِیَّةِ اَخْلَاقِهٖ، حَتّٰی بِتَصْدِیْقِ اَعْدَائِهٖ، وَ كَذَا شَهِدَ وَبَرْهَنَ بِقُوَّةِ مِئَاتِ مُعْجِزَاتِهِ الظَّاهِرَةِ الْبَاهِرَةِ الْمُصَدِّقَةِ الْمُصَدَّقَةِ، وَبِقُوَّةِ اٰلَافِ حَقَائِقِ دِیْنِهِ السَّاطِعَةِ الْقَاطِعَةِ، بِاِجْمَاعِ اٰلِهٖ ذَوِی الْأَنْوَارِ، وَبِاِتِّفَاقِ اَصْحَابِهٖ ذَوِی الْأَبْصَارِ، وَبِتَوَافُقِ مُحَقِّقِیْ اُمَّتِهٖ ذَوِی الْبَرَاهِیْنِ وَالْبَصَائِرِ النَّوَّارَةِ۔

☆ ☆ ☆

پھر یہ مسافر جو تھکاوٹ اور اُکتاہٹ محسوس کیے بغیر هَلْ مِنْ مَزِیْدٍ کی تصویر بنا ہوا تھا، اور جسے اس بات کا پتا چل چکا تھا کہ اس دنیا میں ایمان ہی زندگی کی زندگی اور زندگی کی غرض و غایت ہے، اُس نے اپنے دل سے کہا: چلیں اس کتاب کی طرف رجوع کرتے ہیں جسے قرآنِ معجز بیان کہا جاتا ہے، اور دیکھتے ہیں کہ وہ کیا کہتی ہے؛ کیونکہ وہ — جیسے کہ سب کو معلوم ہے — اس ہستی کا کلام اور قول ہے جس کی ہمیں تلاش ہے، اور وہ دنیا کی مشہور ترین کتاب ہے، روشنی کے لحاظ سے سب کتابوں سے زیادہ تابناک اور حاکمیت کے لحاظ سے سب سے زیادہ قوی ہے، اور یہ وہ کتاب ہے جو ہر دور میں اپنے نہ ماننے والوں کو چیلنج دیتی چلی آرہی ہے۔ لیکن ہمیں یہ چاہیے کہ ہم پہلے تو یہ ثابت کریں کہ وہ ہمارے خالق کی کتاب ہے۔ اور یوں اُس نے اپنی اس جستجو کا آغاز کر دیا۔

یہ سیاح چونکہ ہمارے اس دور کا تھا، اس لیے اس کی نظر سب سے پہلے رسائل نور پر پڑی جو کہ قرآنِ کریم کے معنوی اعجاز کے لمعات ہیں، تو اس نے دیکھا کہ یہ ایک سو تیس رسائل اُس کی فرقانی آیات کے گہرے نکات ہیں، اس کی آیات کے انوار ہیں اور ان کی بیش قیمت تفسیر ہیں۔ اور اس نے یہ بھی دیکھا کہ علی الرغم اس کے کہ ان رسائل نے الحاد و عناد کے شدید ترین دور میں مسلسل جہاد کے ذریعے قرآنی حقائق نشر کیے ہیں؛ کوئی بھی ان کا مقابلہ کرنے کے لیے

میدان میں نہیں نکلا ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم جو کہ ان رسائل کا اُستاد ہے، اِن کا سرچشمہ ہے، اور ان کا مرجع اور ان کا سورج ہے، آسمانی کتاب ہے کسی بشر کا کلام نہیں۔

اس حد تک کہ رسائل نور میں پائی جانے والی سینکڑوں حجتوں میں سے صرف ایک حجت یعنی ''پچیسواں مقالہ'' اور اس کے ساتھ ''انیسویں مکتوب'' کا آخری حصہ، صرف اس ایک حجت نے چالیس جہتوں سے قرآن کریم کا اعجاز اس انداز سے ثابت کر دیا ہے کہ جس نے بھی ان کا مطالعہ کیا ہے اس نے ان پر اعتراض اور تنقید نہیں کی، بلکہ انہیں پسند کیا ہے اور ان کی بہت زیادہ تعریف کر کے قدردانی کا اظہار کیا ہے۔

سیاح نے قرآن کے اعجازی پہلو کا، اور اس کے واقعتاً اللہ کا کلام ہونے کو ثابت کرنے کا معاملہ رسائلِ نور کے سپرد کر دیا، البتہ اس نے یہ کیا کہ چند ایسے نقطوں کی طرف زیادہ توجہ دی جو مختصر سے اشارے کے ذریعے قرآن کریم کی عظمت کو اُجاگر کرتے ہیں:

پہلا نقطہ: جس طرح قرآن کریم اپنے تمام معجزات سمیت اور اپنے ان تمام حقائق سمیت جو اس کی حقانیت پر دلالت کرتے ہیں محمد ﷺ کا معجزہ ہیں، اسی طرح محمد ﷺ اپنے تمام معجزات، اپنی نبوت کے تمام دلائل اور اپنے تمام علمی کمالات سمیت قرآن کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہیں اور اس بات کی حجتِ قاطعہ ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔

دوسرا نقطہ: قرآن کریم نے جہاں سعادت کے فیضان سے اس دنیا میں سماجی زندگی کے میدان میں حقیقی نورانی تبدیلی برپا کی ہے، اسی طرح اُس نے لوگوں کے قلوب ونفوس وارواح وعقل میں ایک عظیم الشان انقلاب برپا کر دیا، اور اسی طرح ان کی ذاتی اور انفرادی زندگی میں، اجتماعی ومعاشرتی زندگی میں اور سیاسی زندگی میں بھی انقلاب برپا کر دیا......

پھر اس نے یہ انقلاب اس انداز سے قائم دائم رکھا کہ اس کی چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیتیں چودہ[1] صدیوں تک کم از کم ایک سوملین سے زیادہ لوگوں کی زبانوں کے ساتھ ہر آن کمال احترام کے ساتھ پڑھی جاتی رہی ہیں۔

اور اس حیثیت سے کہ یہ قرآن لوگوں کی تربیت کرتا ہے، ان کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے، ان کے قلوب کا تصفیہ کرتا ہے؛ ان کی روحوں کو ترقی اور بلندی عطا کرتا ہے، عقلوں کو استقامت اور نور بخشتا ہے اور زندگی کو زندگی اور سعادت بخشتا ہے...... اس لیے بلاشک وشبہ اس طرح کی کتاب یقیناً ایک بے مثل کتاب ہے، اس کی کوئی نظیر، مثیل یا شبیہ نہیں، اور یہ ایک منفرد، اور غیر معمولی قسم کی خارقِ عادت کتاب ہے۔

---

[1] آیتوں کی گنتی کی یہ صورت قرآن کریم میں پائے جانے والے وَعد ووعید، اُمر ونہی، خبر وقصص، احکام اور ناسخ ومنسوخ کی روشنی میں ہے۔ اور عوام الناس میں یہی تعداد معروف ہے۔

تیسرا نقطہ: قرآن کریم نے اس دور سے لے کر آج تک اس طرح کی بلاغت کا اظہار کیا ہے کہ مشہور ترین شعرا کے ''سبعہ معلّقہ'' کے نام سے مشہور و معروف قصائد کی — جو کہ آبِ زر سے لکھ کر خانہ کعبہ کی دیوار کے ساتھ لٹکائے گئے تھے — قدر و قیمت اتنی گرا دی کہ وہ اپنے مقامِ بلند سے گر کر اس کے قدموں میں نظر آئے، حتی کہ لبید بن ربیعہ کی بیٹی جب اپنے باپ کے قصیدے کو کعبہ سے ہٹا رہی تھی، کہہ رہی تھی: اب چونکہ آیات آ گئی ہیں، اس لیے تیرے جیسے قصیدوں کا یہاں کوئی کام نہیں رہ گیا ہے۔

بلکہ ایک باذوق اعرابی نے جب یہ آیتِ کریمہ سنی: ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾، تو سجدے میں گر گیا۔

تو اُس سے پوچھا گیا کہ کیا تو مسلمان ہو گیا ہے؟

تو اس نے کہا: نہیں، میں نے تو صرف آیت میں پائی جانے والی بلاغت کو سجدہ کیا ہے۔

اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ''عبدالقاہر جرجانی''، سکاکی اور زمخشری جیسے امامانِ ائمۂ ادب اور فصاحت و بلاغت کے عبقری ماہرین فن نے بالاتفاق و بالاجماع یہ قرارداد پاس کی ہے:

''قرآن کی بلاغت کی تہہ تک پہنچنا ناممکن ہے؛ کیونکہ یہ انسانی طاقت سے باہر ہے۔''

پھر قرآن ہر مغرور و متکبر و معاند قسم کے ادیبوں اور بلیغوں کو چیلنج کرتا چلا آیا ہے اور انہیں ایسے انداز کے ساتھ میدانِ مقابلہ میں بلاتا چلا آیا ہے جو انہیں غصہ دلا دے اور بھڑکا کر آپے سے باہر کر دے اور ان کے غرور و تکبر کی ناک رگڑ دے، مثال کے طور پر وہ کہتا ہے: اس طرح کی کوئی ایک آدھ سورت لے آؤ، یا پھر دنیا و آخرت میں ذلت و ہلاکت قبول کر لو۔ لیکن اُس دور کے معاند اور ہٹ دھرم قسم کے بُلَغا نے یہ مختصر ترین یعنی اس طرح کی کوئی سُورت لانے کا راستا چھوڑ دیا اور اس کے مقابلے میں طویل ترین یعنی لڑائی جھگڑے کا راستا اختیار کیا جو ان کی جانوں کو اور اُن کے مالوں کو ہلاکت میں ڈالنے والا تھا۔ اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کوتاہ راستے میں چلنا ناممکن ہے۔

پھر اس دور سے لے کر آج کے دن تک عربی زبان میں لاکھوں کتابیں سامنے آ چکی ہیں، ان میں سے کچھ کتابیں تو وہ ہیں جو قرآن کے دوستوں نے اس کی تقلید میں اور اس کے اندازِ بیان کے رنگ میں لکھی ہیں، اور کچھ وہ ہیں جو اس کے دشمنوں نے اس کا مقابلہ کرنے اور اس پر تنقید کرنے کے جذبے سے لکھی ہیں، اور یہ کتابیں سرِ عام دستیاب ہیں اور تلاحقِ افکار کے ساتھ ساتھ روز بروز ترقی پر ہیں، لیکن اُن میں سے ایک بھی قرآن کی گردِ راہ تک بھی نہیں پہنچ سکی، بلکہ یہ اس کے مقابلے میں اتنی پست ہیں کہ اگر کوئی سادہ ترین انسان بھی انہیں پڑھے یا سنے تو بلا تردُّد کہہ دے گا کہ قرآن ان میں سے کسی کتاب کے ساتھ بھی مشابہت نہیں رکھتا ہے اور نہ ہی ان کے مرتبے میں ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن کریم یا تو ان سب سے نیچے ہے، یا پھر ان سب سے اُوپر ہے۔ اور دنیا میں کوئی ایسا شخص، بلکہ کوئی کافر، بلکہ کوئی ایسا احمق بھی نہیں ہوگا جو قرآن کے بارے میں یہ کہے کہ یہ ان تمام کتابوں سے نیچے ہے اور اس سے یہ پتا چلا کہ اس کا مرتبۂ بلاغت سب

سے بلند ہے۔

کسی شخص نے یہ آیت پڑھی: ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ تو کہنے لگا: مجھے تو اس آیت میں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی جسے بلند پایہ بلاغت شمار کیا جا سکے تو اسے کہا گیا کہ: یہ بات ہے تو تُو بھی اس سیاح کی طرح اُس زمانے میں جا اور وہاں جا کر یہ آیت سُن۔ تب وہ آدمی خود کو خیال کے ذریعے وہاں نزولِ قرآن کے پہلے والے دور میں لے گیا، تو کیا دیکھتا ہے کہ موجوداتِ عالم فانی دنیا کے اندر بڑی بری حالت میں ہیں، ان پر تاریکیوں نے خیمے تان رکھے ہیں اور انہیں کہیں قرار ہی نہیں، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ تمام موجودات بے شعور جمادات ہیں، مُعطّل و بے کار ہیں کوئی ذمہ داری نہیں نبھا رہی ہیں، اور بے پایاں خالی فضا میں سرگرداں ہیں۔

پھر جُونہی اس نے قرآن کی زبان سے یہ آیت سنی تو دیکھا کہ آیت کریمہ دنیا اور کائنات کے چہرے پر پڑے ہوئے پردے کو ہٹا رہی ہے اور اس چہرے کو چمکاتی جا رہی ہے، تا آنکہ اس نے اس خطابِ اَزلی اور دستور سرمدی کا مشاہدہ کر لیا جو نسلاً بعد نسلٍ ہر دور میں نظم و ضبط کے ساتھ صفیں باندھے ہوئے اصحابِ شعور کو مسلسل درس دے رہا ہے۔ اور اس کائنات کو ایک بہت بڑی مسجد کے رُوپ میں ظاہر کر رہا ہے جس میں تمام مخلوقات —— اور ان میں سرفہرست زمین و آسمان ہیں —— سعادت و امتنان کی حالت میں اپنا اپنا کام کر رہی ہیں اور زندگی سے بھرپور ذکر و تسبیح کی حالت میں پوری ہمت، نشاط اور دلچسپی کے ساتھ اپنی اپنی ذمہ داری نبھا رہی ہیں۔

اس نے جب اس آیت کی بلاغت کا مزا چکھا تو دیگر تمام آیات کو اُسی پر قیاس کر لیا، اور اس طرح ان ہزاروں حکمتوں میں سے ایک حکمت اسکی سمجھ میں آ گئی جس نے قرآن کریم کی سلطنت کی عظمت کو چودہ صدیوں تک کمال احترام کے ساتھ بغیر انقطاع کے قائم دائم رکھا اور نوعِ انسانی کے پانچویں اور معمورۂ عالم کے ایک معتد بہ حصے میں اپنی بلاغت کی دھاک بٹھائے رکھی ہے۔

چوتھا نقطہ: قرآن کریم ایک عجیب قسم کی حقیقی شیرینی اور مٹھاس ظاہر کرتا ہے، اس لیے اس کی تلاوت کرنے والا اُکتاتا نہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کثرتِ تکرار انسان کے دل میں شیریں ترین اور لذیذ ترین اشیا کے بارے میں بھی اُکتاہٹ پیدا کر دیتی ہے، لیکن اِدھر حالت یہ ہے کہ تلاوت کی تکرار سے یہ حلاوت بڑھتی جاتی ہے، اور ایسی حالت صرف اس آدمی پر طاری ہوتی ہے جس کا دل فاسد اور ذوق خراب نہ ہو گیا ہو۔ اور یہ ایک ایسی چیز ہے جو قدیم سے ہی سب کے ہاں ایک مسلّمہ حقیقت بن چکی ہے، اِس حد تک کہ یہ حقیقت ایک ضربُ المثل کا درجہ اختیار کر گئی ہے۔

پھر یہ ایک عجیب طرح کی تروتازگی، جوانی اور سنجیدگی ظاہر کرتا ہے کہ باوجود اس کے کہ اس کے نزول پر چودہ صدیاں بیت گئی ہیں، اور یہ ہر ایک کی دسترس میں ہے، یہ اپنی تروتازگی کو اس طرح قائم رکھے ہوئے ہے کہ گویا یہ ابھی نازل ہوا ہے، اور ہر دور کے لوگ اس میں ایسی سنجیدگی اور شباب کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ گویا وہ بالذات انہیں سے مخاطب ہے۔

اور باوجود اس کے کہ ہر علمی گروہ نے اس کے اسلوبِ تعبیر میں اس کی اتباع و اقتدا کی ہے اور اسے ہر ایک کی دسترس میں رہنے دیا ہے تاکہ اس سے ہر انسان ہر آن فائدہ اُٹھا سکے، لیکن اس کے باوجود یہ اپنی اُس سنجیدگی اور انفرادیت کو قائم رکھے ہوئے ہے جو اس کے اسلوب اور طرزِ بیان کا طُرّۂ امتیاز ہے۔

پانچواں نقطہ: قرآن کے دو پر ہیں، ایک پر ماضی میں ہے اور دوسرا مستقبل میں، چنانچہ اس کی جڑیں اور اس کا ایک پر وہ حقائق ہیں جن پر سابقہ انبیائے کرام کا اتفاق ہے......

تو جس طرح قرآن کریم نے اُن کی تصدیق کی ہے اور اُن کی تائید کی ہے، اور جس طرح انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ موافقت کر کے اپنے اتفاق کی زبانِ حال کے ساتھ آپ ﷺ کی تصدیق کی ہے؛ اُسی طرح قرآن کے وہ ثمرات جنھیں اولیا و اصفیا کہا جاتا ہے، اور جو اپنی زندگی قرآن سے حاصل کرتے ہیں، اسی طرح تمام حقیقی اسلامی علوم، اور ولایتِ حق کے تمام طرق جو دوسرے پَر کی نگرانی کے تحت پلے بڑھے اور پروان چڑھے ہیں، اور اپنی زندگی بھری باہمی تکمیل کے ذریعے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ قرآن کا بابرکت درخت حقیقت، فیضان اور قوتِ حیات کا دار و مدار ہے؛ یہ تمام کے تمام اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ قرآن عین حق اور مجمع حقائق ہے، منفرد اور یگانہ ہے، جامعیت اور ہمہ گیریت میں اس کا کوئی مثیل نہیں۔

چھٹا نقطہ: قرآن کی جہاتِ ستہ نورانی ہیں جو کہ اس کی صداقت اور حقانیت کو جگمگا دیتی ہیں۔

جی ہاں، اس کے نیچے والی سمت میں دلائل و براہین ہیں، اور اس کی اُوپر والی سمت میں اِعجاز کا سِکّہ جھلملا رہا ہے...... اس کے سامنے والی سمت اور اس کا ہدف سعادتِ دارین ہے، اور اس کی پچھلی سمت میں اور اس کا نقطۂ استناد وحیٔ آسمانی کے حقائق ہیں۔ اس کی دائیں سمت میں بے شمار عقولِ مستقیمہ ہیں جنھوں نے دلائل کے ذریعے اس کی تصدیق کی ہے، اور اس کی بائیں سمت میں قلوبِ سلیمہ اور پاک صاف ضمیر ہیں جو اس کے بارے میں مکمل گہرا اطمینان حاصل کر چکے ہیں اور انتہائی سچے جذبے کے ساتھ اسے تسلیم کر چکے ہیں۔

پس جس طرح یہ تمام چیزیں یہ ثابت کرتی ہیں کہ قرآن ایک انوکھی طرز کا انتہائی مضبوط اور محفوظ ترین آسمانی زمینی قلعہ ہے، اسی طرح چھ عدد مقامات ایسے پائے جاتے ہیں جو اس بات پر دستخط کرتے ہیں کہ قرآن عین حق ہے، اور یہ اِتنا سچا ہے کہ باطل اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا، اور یہ کسی بشر کا کلام نہیں۔

پہلا مقام: اس کائنات میں تصرّف کرنے والے کی مُہر اور تصدیق، جس نے حُسن کے اظہار کی سُنت کو، خیر، حق کی حمایت کو اور دھوکے بازوں اور افترا پردازوں کو نابود کرنے اور انہیں ہلاک کر دینے کو اس کائنات میں فعالیت کا دستور بنایا ہوا ہے؛ کیونکہ قرآن کریم کو حُرمت کا مقام اور توفیق کا مرتبہ عطا کرنا دنیا میں رفعت، قبولیت اور حاکمیت کی رُو سے اَعلیٰ ترین مرتبہ ہے۔

اسی طرح آنجناب ﷺ کا اعتقاد جو کہ منبعِ اسلام اور ترجمان القرآن ہیں، کیونکہ وہ قرآن پر سب سے زیادہ قوی اعتقاد رکھنے والے اور اس کا سب سے زیادہ احترام کرنے والے ہیں، اور ان پر جب قرآن نازل ہوتا ہے اس وقت ایک ایسی حالت میں ہوتے ہیں جو نیند کے مشابہ ہے، یعنی ان پر وحی ان کے ارادے کے بغیر نازل ہوتی ہے، اور ان کے بقیہ تمام کلام کا قرآن کے مرتبے تک نہ پہنچنا اور اس کا قرآن کے مشابہ نہ ہونا، اور ان کا قرآن کے ذریعے گزرے ہوئے اور آنے والے حقیقی غیبی کونی حوادث کے بارے میں اس یقین کے ساتھ بتانا کہ آپ ﷺ کے اُمی ہونے کے باوجود اس میں کسی قسم کا تردد راہ نہیں پاتا، اور باوجود اس کے کہ بہت سی آنکھیں آپ کی کڑی نگرانی میں رہتی تھیں، آپ کی طرف سے کبھی بھی کسی حیلہ سازی، جھوٹ یا کسی غلطی کا ظہور میں نہ آنا، اور آپ کا قرآن کے ہر حکم پر ایمان لانا اور اس کی گہری تصدیق کرنا، اور کسی بھی چیز سے آپ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آنا...... یہ تمام چیزیں اس بات پر مہرِ تصدیق ثبت کرتی ہیں کہ قرآن آسمانی کتاب ہے، حق ہے، عدل ہے، اور وہ خالقُ الرحیم جل جلالہ کا بابرکت کلام ہے۔

اسی طرح نوعِ انسانی کے پانچویں حصے کا بلکہ اکثر حصے کا اپنے ہاں پائے جانے والے اور سامنے نظر آنے والے اس قرآن کے ساتھ انجذاب وتدیُّن کی رُو سے مضبوط جُڑ جانا، اور اس پر حق کا مشتاق وطلبگار اور مطیع وفرمانبردار کی طرح کان لگا کر اس کی بات سننا، اور جب اس کی تلاوت ہو رہی ہو اس وقت جنوں، فرشتوں اور روحانیوں کا اس پر حقیقت کے شیدائی بن کر پروانوں کی طرح اکٹھے ہو جانا، جیسے کہ بہت سے واقعات، کشف اور بہت سی دیگر علامات اس کی گواہی دیتی ہیں؛ پس یہ تمام چیزیں اس بات پر دستخط کا کام دیتی ہیں کہ یہ تمام جہانوں میں مقبول ہے اور ایک بلندترین مرتبہ حاصل کر چکا ہے۔

اسی طرح نوعِ بشری کے تمام طبقات کا — کند ذہن سے لے کر ذہین ترین تک، اور ایک عام آدمی سے لے کر صاحبِ علم تک — تمام طبقات کا قرآن کے درس سے اپنا حصہ کامل طور پر حاصل کرنا، اور ان کا اس کے عمیق ترین حقائق کو سمجھ لینا، اور اسلامی علوم وفنون کے حامل سینکڑوں گروہوں میں سے ہر گروہ کا، اور خاص کر شریعتِ کبریٰ کے کبار مجتہد بن کا، اور اصولِ دین اور علمِ کلام کے سرکردہ ماہر محققین کا اپنی تمام حاجات وضروریات اور اپنے اپنے علوم سے متعلقہ مسائل کا اسی قرآن سے استخراج واستنباط کرنا اس بات پر مہرِ تصدیق کی حیثیت رکھتا ہے کہ قرآن منبعُ الحق اور معدنُ الحقیقت ہے۔

اِسی طرح بلغائے عرب جو کہ ائمہ فصاحت تھے ان میں سے جو لوگ مسلمان نہ ہوئے ان کا قرآن کریم کا مقابلہ کرنے سے انکار کر دینا حالانکہ اس کی انہیں سخت ضرورت تھی، اور ان کا آج تک کوئی ایسی سورت بنا کر لانے سے عاجز آجانا جو اس کے اعجاز کے سات سب سے بڑے پہلوؤں میں سے صرف ایک پہلو یعنی اس کے "بلاغی اعجاز کے سامنے دم مار سکے، اور ہمارے اس دور تک جتنے بھی عبقری علما اور مشہور بلغا آئے ہیں سب کا اس میدان میں مشہور ہونے کی

خواہش رکھنے کے باوجود کسی ایک اعجازی پہلو کا بھی مقابلہ کرنے سے گریز کرنا اور دم سادھ لینا؛ اس بات پر مہر لگانے کے مترادف ہے کہ قرآن معجزہ ہے اور بشری طاقت سے ماورا ہے۔

جی ہاں، کسی بھی کلام کی قیمت، بلندی اور بلاغت چونکہ اس وقت اُجاگر ہوتی ہے جب یہ ذکر کیا جائے کہ یہ کس کی طرف سے آئی ہے؟؛ کس کی طرف آئی ہے؟ اور کیوں آئی ہے؟؛ اس لیے اس چیز کا کوئی امکان ہی نہیں رہتا کہ کوئی چیز قرآن کی مماثل یا ہم قدم ہو سکے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ربُّ العالمین کا خطاب اور خالق الاکوان کا کلام ہے، اور اُس کی وہ گفتگو ہے کہ کوئی ایسی علامت نہیں ملتی جو کسی بھی جہت سے یہ محسوس کرادے کہ یہ بناوٹی ہے یا کسی کی نقل ہے۔ اور اس کے ذریعے مخاطب اس کو کیا گیا جو تمام بنی نوع انسان بلکہ تمام مخلوقات کی طرف مبعوث کیا گیا ہے، جو معزز ترین مخاطب ہے اور جس کا ذکر سب سے زیادہ بلند ہے، اور وہ ہے جس کے ایمان کی قوت اور وسعت سے ایمان ٹپکا، حتی کہ اُسے قاب قوسین کے مقام کی بلندی تک لے جایا گیا، اور وہ صمدانی خطاب کا مظہر بن کر نازل ہوا۔

پھر یہ خطاب سعادتِ دارین کے ساتھ تعلق رکھنے والے مسائل کی، اور تخلیقِ کائنات کے نتائج کی اور اس میں پائے جانے والے مقاصدِ ربانیہ کی وضاحت کرتا ہے۔

اسی طرح اُس معزز ہستی کے ایمان کی بھی وضاحت کرتا ہے جو تمام تر اسلامی حقائق کا احاطہ کیے ہوئے ہے، اور یہ وسیع ترین اور بلند ترین ایمان ہے۔

اسی طرح یہ اس کائنات کو انوکھی اور بے مثال شکل وصورت میں پیدا کرنے والے صانع وکردگار کے شئون و معاملات کے متعلق بتاتا، ان کی وضاحت کرتا اور ان کی تعلیم دیتا ہے، وہ اس کے ہر کونے کھدرے کو ایسے ہی تہ و بالا کرتا اور اُسے الٹ پلٹ کر دکھاتا ہے جیسے کہ یہ کائنات کوئی نقشہ، گھڑی یا کوئی گھر ہو......

پس بلاشبہ اس قرآن معجز بیان جیسی کوئی کتاب بنالانا محال ہے، اور بلاشبہ اس کے اعجاز کے درجے کو حاصل نہیں کیا جا سکتا......

اور یہی صورتِ حال ان اعلی پائے کے ہزاروں اہلِ فن، مدقق اور محقق علما کی تشریح و وضاحت کی ہے جنہوں نے قرآن کی تفسیریں لکھی ہیں، ان میں سے بعض کی تفاسیر تو تیس، چالیس بلکہ ستر ستر جلدوں میں ہیں — ان کی اپنے پیش کردہ دلائل واسانید کے ذریعے کی — ہوئی یہ تشریح و وضاحت قرآن کریم کی بے حد وحساب امتیازی خصوصیات کی، اس کے نکات کی، اس کے اسرار ورموز کی اور اس کے بلند پایہ معانی کی وضاحت کرتی ہے، اور یہی صورت حال ان کی اُن کامیاب کوششوں کی ہے جو انہوں نے قرآن کریم کی اُن خبروں کو ثابت کرنے اور ان کا انکشاف کرنے میں صَرف کی ہیں جن کا تعلق ہر طرح کے غیبیات کے ساتھ ہے۔

رسائلِ نور کا شمار بھی انہی تفاسیر میں سے ہوتا ہے جن کی تعداد ایک سوتیس ہے، اور جن میں سے ہر ایک جز نے قرآن کے حقائق میں سے کسی نہ کسی حقیقت کو اور اس کے انوار میں سے کسی نہ کسی نور کو اجاگر کیا ہے، اُن میں سے ہر رسالے نے قطعی براہین کے ساتھ اس کی کسی نہ کسی خصوصیت اور اُس کے کسی نہ کسی گہرے نکتے کا اثبات کیا ہے، خاص کر ''قرآنی معجزات'' نامی رسالے نے اور ''بیسویں مقالے کے دوسرے مقام'' نے کہ جس نے قرآن کریم سے جدید تہذیب و تمدن کے عجائبات کا استخراج کیا ہے، جیسے ٹرین اور ہوائی جہاز وغیرہ، اور ''شعاعِ اوّل'' جو کہ ''قرآنی اشارات'' کے نام سے معروف ہے، اور جس نے رسائلِ نور کی طرف اور بجلی کی طرف اشارہ کرنے والی آیات کے اشاروں کی وضاحت کی ہے۔ اسی طرح وہ چھوٹے چھوٹے رسائل جو کہ ''رموزِ ثمانیہ'' کے نام سے معروف ہیں، اور جو قرآنی حروف میں پائے جانے والے عظیم انتظام اور اسرار و معانی کو اجاگر کرتے ہیں، اور اسی طرح ایک چھوٹا سا رسالہ جو سورۂ فتح کی آخری آیت کی وضاحت کرتا ہے اور اس میں پائے جانے والے اعجاز کا پانچ پہلوؤں سے اثبات کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ یہ آیت پانچ پہلوؤں سے ایسی خبروں پر مشتمل ہے جن کا تعلق غیب کے ساتھ ہے۔

پس یہ تمام چیزیں اس بات کے لیے مہرِ تصدیق کی حیثیت رکھتی ہیں کہ قرآن ایک ایسا معجزہ اور اُعجوبہ ہے کہ جس کی مثیل نہیں ملتی، اور یہ عالمِ شہادت میں عالمِ غیب کی زبان ہے، اور یہ علّامُ الغیوب کا کلام ہے۔

اور اس طرح دنیا کا یہ سیاح یہ بات سمجھ گیا کہ قرآن کریم کی ان امتیازی خصوصیات کی وجہ سے کہ جن کی طرف ابھی نقاطِ ستہ، جہاتِ ستہ اور مقاماتِ ستہ میں اشارہ کیا گیا ہے، اس کی مُہیب نورانی حاکمیت اور عظیم قدسی سلطنت ساڑھے تیرہ سو سے زائد عرصے تک زمانوں کے چہروں کی جگمگاتی اور زمین کے چہرے پر روشنی بکھیرتی ہوئی کمال احترام کے ساتھ قائم دائم رہی۔

جیسے کہ اس کی سمجھ میں یہ بات بھی آ گئی کہ جن خاصیات کی خاطر قرآن کریم قدسی امتیازات کا مالک ہوا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے ہر حرف کا کم از کم دس گنا ثواب ملتا ہے اور کم از کم دس گنا نیکیاں ملتی ہیں۔ اور ہر حرف دس باقی رہنے والے ثمرات عطا کرتا ہے، بلکہ اس کی بعض آیتیں اور بعض سورتیں تو ایسی ہیں کہ اُن کا ہر حرف ایک سو، بلکہ ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ ثمرات عطا کرتا ہے، اور ہر حرف کا نور اور اس کا ثواب اور اس کی قیمت مبارک اوقات میں دس سے لے کر سینکڑوں تک بڑھتے جاتے ہیں......

تب اس نے اپنے دل سے کہا: اِن تمام جہتوں سے قرآن معجز بیان نے اپنی تمام سورتوں کے اجماع کے ساتھ، اپنی آیات کے اتفاق کے ساتھ، اپنے اسرار و انوار کے توافق کے ساتھ اور اپنے ثمرات و آثار کے ساتھ واجبُ الوجود الواحدُ الاحد کے وجود پر، اُس کی وحدت پر اور اس کے اسماء و صفات پر دلائل کے ساتھ اس طرح کی ثابت شدہ گواہی دی ہے کہ اس ایک گواہی سے تمام اہلِ ایمان کے لیے غیر محدود گواہیاں ٹپک پڑی ہیں۔

اور یوں پہلے مقام کے سترھویں مرتبے میں انتہائی مختصر اشارے کے ساتھ توحید اور ایمان کے اس درس کا ذکر کر دیا گیا ہے جو اس سیاح نے قرآن سے حاصل کیا:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الْوَاجِبُ الْوُجُوْدِ الْوَاحِدُ الْأَحَدُ الَّذِيْ دَلَّ عَلَى وُجُوْبِ وُجُوْدِهِ فِيْ وَحْدَتِهِ الْقُرْآنُ الْمُعْجِزُ الْبَيَانِ، الْمَقْبُوْلُ الْمَرْغُوْبُ لِأَجْنَاسِ الْمَلَكِ وَالْإِنْسِ وَالْجَانِ، الْمَقْرُوْءُ كُلُّ آيَاتِهِ فِيْ كُلِّ دَقِيْقَةٍ بِكَمَالِ الْإِحْتِرَامِ بِأَلْسِنَةِ مِئَاتِ مِلْيُوْنٍ مِنْ نَوْعِ الْإِنْسَانِ، الدَّائِمُ سَلْطَنَتُهُ الْقُدْسِيَّةُ عَلَى أَقْطَارِ الْأَرْضِ وَالْأَكْوَانِ، وَعَلَى وُجُوْهِ الْأَعْصَارِ وَالزَّمَانِ، وَالْجَارِيْ حَاكِمِيَّتُهُ الْمَعْنَوِيَّةُ النُّوْرَانِيَّةُ عَلَى نِصْفِ الْأَرْضِ وَخُمُسِ الْبَشَرِ فِيْ أَرْبَعَةَ عَشَرَ عَصْراً بِكَمَالِ الْإِحْتِشَامِ؛ وَكَذَا شَهِدَ وَبَرْهَنَ بِإِجْمَاعِ سُوَرِهِ الْقُدْسِيَّةِ السَّمَاوِيَّةِ وَبِاتِّفَاقِ آيَاتِهِ النُّوْرَانِيَّةِ الْإِلٰهِيَّةِ، وَبِتَوَافُقِ أَسْرَارِهِ وَأَنْوَارِهِ، وَبِتَطَابُقِ حَقَائِقِهِ وَثَمَرَاتِهِ وَآثَارِهِ بِالْمُشَاهَدَةِ وَالْعِيَانِ.

☆ ☆ ☆

پھر یہ سیاح اور زندگی کا سفر طے کرنے والا یہ مسافر جو یہ بات جان چکا تھا کہ ایمان ہی انسان کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے؛ کیونکہ یہ اس فقیر انسان کو صرف ایک فانی کھیتی کا نہیں بلکہ عظیم کائنات کا مالک بنا دیتا ہے۔ اور اسے ایک ایسی ہمیشہ رہنے والی بادشاہت عطا کر دیتا ہے جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے، اور اس کے لیے — جو کہ فانی ہے — ابدی زندگی کے لوازمِ حیات مہیا کرتا ہے، مسکین اور اجل کے مشقت کا منتظر ہے — ابدی طور پر نابود ہو جانے سے بچاتا اور اس کی گلوخلاصی کراتا ہے، اور اس کے لیے سرمدی سعادت کے خزانوں کے دروازے کھول دیتا ہے؛ تو اس نے اپنے آپ سے کہا:

چلو آگے چلیں، ایمان کے غیر محدود مراتب میں سے ایک اور مرتبہ حاصل کرنے کے لیے ہمیں چاہیے کہ کائنات پر اُس کی مجموعی شکل وصورت کی حیثیت سے نظر ڈالتے ہیں اور سنتے ہیں کہ وہ کیا کہتی ہے؛ تاکہ ہم نے اس کے اجزا اور ارکان سے جو دروس حاصل کیے ہیں انہیں مکمل کریں اور ان پر روشنی ڈالیں۔

تب اس نے کائنات کو اس وسیع ترین اور ہمہ گیر قسم کی دوربین سے دیکھا جو اس نے قرآن کریم سے حاصل کی تھی، تو اسے نظر آیا کہ اس میں نظم وضبط اور رہنمائی کا اتنا عظیم سامان پایا جاتا ہے کہ یہ ایک مجسّم سبحانی کتاب، مجسّد ربانی قرآن، مزین صمدانی محل اور منظم رحمانی شہر کی طرح محسوس ہوتی ہے۔

اور اس نے دیکھا کہ اس کتاب کی تمام سورتیں، اس کی آیات، اس کے کلمات، حتی کہ اس کے حروف، اور اسی طرح اس کے تمام ابواب وفصول اور صفحات وسطور کہ جن میں ہر وقت ایک لطیف ''محو واثبات'' کا، اور حکمت بھرے تغییر و

تبدیل'' کا عمل جاری رہتا ہے، یہ کتاب جس طرح بالبداہت اور بالاجماع ایک نقاشِ ذوالجلال، کاتبِ ذُوالکمال، بکل شیئٍ علیم، علیٰ کل شیئٍ قدیر، ایک مصنف جو ہر چیز میں ہر چیز دیکھتا ہے اور ہر چیز کی ہر چیز کے ساتھ مناسبت کو جانتا ہے، اور یوں ان تمام چیزوں کا خیال رکھتا ہے؛ یہ کتاب جس طرح ایک ہستی کے وجود کی اور اس کی موجودیّت کی ترجمانی کرتی ہے، اسی طرح یہ اپنے تمام ارکان، انواع، اجزا، جُزئیات، حرکات وسکنات، مشمولات، واردات، مصارف، مصلحت پر مبنی تبدیلیوں، حکمت پر قائم تجدیدات سمیت بالاتفاق ایک بے مثال صانع وکردگار اور بلند پایہ خبیر وبصیر ہستی کی موجودیت اور اس کی وحدت کا اعلان کرتی ہے جو اپنی غیر محدود قدرت اور لامتناہی حکمت کے ساتھ مصروفِ عمل ہے۔

جیسے کہ اس نے یہ بھی دیکھا کہ دو بہت بڑی اور وسیع وعریض حقیقتیں ہیں جو کائنات کی عظمت کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں اور کائنات کی اس عظیم الشان گواہی کا اثبات کرتی ہیں اور خود بھی اس کی گواہی دیتی ہیں:

پہلی حقیقت: ''حدوث وامکان'' کی حقیقت جو کہ حکمائے اسلام نے، اصول الدین اور علمُ الکلام کے عبقری علما نے دیکھی اور بے شمار قطعی دلائل وبراہین کے ساتھ اس کا اثبات کیا۔

چنانچہ وہ کہتے ہیں: ''کائنات میں اور ہر شے میں چونکہ تغیّر اور تبدّل جاری ہے؛ اس لیے یہ حادِث اور فانی ہے، قدیم نہیں۔

اور چونکہ یہ حادث ہے، اس لیے اس کا کوئی نہ کوئی صانع ہونا ضروری ہے جس نے اسے بنایا ہے۔

اور چونکہ کسی بھی چیز میں جب اُس کے وجود یا عدم کا سبب موجود نہ ہو تو اس کا وجود اور عدم برابر ہوتا ہے، اس لیے وہ علی الِاطلاق واجب یا اَزلی نہیں''۔

اور چونکہ یہ بات قطعی براہین کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ اشیائے کائنات ایک دوسرے کو ایجاد کرتی جارہی ہوں؛ کیونکہ اس سے دور اور تسلسل لازم آتا ہے، اور یہ دونوں باطل ہیں، تو اس لیے یہ بات لازم ہو جاتی ہے کہ ایک ایسی ہستی موجود ہو جس کا موجود ہونا واجب ہو، جس کی نظیر ممتنع ہو، جس کی مثال محال ہو، اور اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے ممکن ہو اور مخلوق ہو۔

جی ہاں، حُدوث کی حقیقت کائنات پر غالب ہے، چنانچہ آنکھ اس کا اکثر حصہ دیکھتی ہے اور اور باقی کو عقل دیکھتی ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر سال موسم خزاں میں ایک عظیم تر کائنات ہمارے دیکھتے دیکھتے زندگی کو چھوڑ دیتی ہے، چنانچہ نباتات وحشرات کی ایک لاکھ انواع مر جاتی ہیں، اور ان میں سے ہر نوع کے غیر محدود افراد ہیں، اور ہر فرد ایک کائنات کی طرح ہے جس میں زندگی رواں دواں ہے۔ البتہ یہ موت انتہائی نظم وضبط کے ساتھ چلتی ہے، اور وہ یوں کہ یہ کائنات اپنے وہ بیج، گٹھلیاں اور بُویضے پیچھے چھوڑ جاتی ہے ــــ جن سے موسمِ بہار میں انہیں دوبارہ حشر ونشر

کے عمل سے گزارہ جاتا ہے، اور جو کہ بذاتِ خود رحمت اور حکمت کے معجزات اور علم وقدرت کے انوکھے شاہکار ہیں— انہیں پیچھے چھوڑ جاتی ہے اور ان کے ہاتھوں میں ان کے اعمال کے پروگرام اور ان کے اُن وظائف کے صحیفے تھما دیتی ہے جو انہوں نے سرانجام دیے ہیں، اور انہیں امانت کے طور پر حفیظِ ذُوالجلال کی حکمت اور حمایت کے سپرد کر کے مر جاتی ہے......

اور پھر جب بہار کا موسم آجاتا ہے تو ان فوت شدہ تنوں اور درختوں کو دوبارہ زندہ کر کے اُٹھایا جاتا ہے اور وہ بعینہٖ دوبارہ زندگی سے ہمکنار ہو جاتے ہیں، اس کے ساتھ ان کے پہلو بہ پہلو انہی کے طرح کے دیگر اشجار وحشرات ایجاد کر دیے جاتے ہیں اور زندگی سے بہرہ وَر کر دیے جاتے ہیں۔ اور اس طرح یہ تمام چیزیں حشرِ اعظم کے لیے ایک لاکھ دلائل اور عنوان کا روپ دھار جاتی ہیں؛ اسی طرح ماضی کے فصلِ گل کی موجودات جب اپنے اعمال کے پروگراموں کو اور اپنے وظائف کے صحیفوں کو اِعلانات کی طرح نشر کرتی ہیں، تو گویا آیتِ کریمہ: ﴿وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ﴾ کی ایک مثال پیش کرتی ہیں۔

مجموعی شکل وصورت کا معاملہ بھی کچھ اسی طرح کا ہے، چنانچہ ہر خزاں اور بہار میں ایک بہت بڑا جہان مر جاتا ہے اور ایک نیا جہاں پیدا ہو جاتا ہے، موت وحیات کا یہ سلسلہ ایک عظیم ُالشان نظم وضبط کے ساتھ جاری وساری ہے، اور دو موسموں میں بڑی بڑی بے شمار انواع کی اتنے جچے تلے میزان وانتظام کے ساتھ اموات اور ولادتیں ہو جاتی ہیں کہ گویا یہ دنیا ایک بہت بڑا مہمان خانہ ہے جس میں زندگی سے بہرہ وَر کائناتوں کی مہمانی کی جاتی ہے، اور اس میں سیاحت کرنے والی کائناتیں اور گردش میں رہنے والی دنیائیں بہتی چلی آتی ہیں اور اس میں اپنی اپنی ذمہ داریاں نبھا کر رخصت ہو جاتی ہیں۔

پس مکمل علم وحکمت، مِیزان وموازنے اور نظام وانتظام کے ساتھ زندگی سے بھرپور کئی عوالم برپا کر دینا، اور اس دنیا میں ذمہ داریاں نبھانے والی کئی کائناتیں ایجاد کر دینا، انہیں مقاصدِ ربّانیہ، غایاتِ اِلٰہیہ اور خدماتِ رحمانیہ میں قدرت کے ساتھ استعمال کرنا اور ان سے رحمت کے ساتھ خدمات لینا، یہ تمام چیزیں عقلوں کے سامنے سورج کی طرح روشن ہیں اور بالبداہت ایک ایسی مقدس ذات کے وجود کے واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے جس کی قدرت کی کوئی حد نہیں اور جس کی حکمت کی کوئی انتہا نہیں۔ حدوث کے مسائل کا دروازہ ہم یہاں بند کرتے ہیں اور انہیں رسائل نور اور محقق متکلمین کی کتابوں کے سپرد کرتے ہیں۔

رہی ''اِمکان'' کی جہت، تو وہ دوسری چیز ہے جو کائنات پر غالب ہے اور اس کا اِحاطہ کیے ہوئے ہے۔

اور وہ اس طرح کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر شے کُلّی ہو یا جزئی، چھوٹی ہو یا بڑی، اور عرش سے لے کر فرش تک اور ذرّات سے لے سیّارات تک ہر موجود چیز کو اس کائنات میں ایک مخصوص ذات، ایک معیّن صورت، ایک ممیّز شخصیت، خصوصی

صفات، پُرحکمت کیفیات اور مصلحت بھرے آلات دے کر بھیجا جاتا ہے۔

اور صورتِ حال یہ ہے کہ اس ذات کو اور مخصوص ماہیت کو غیر محدود امکانات کے مابین یہ خصوصیت عطا کر دینا......

اُسے صورتوں کی تعداد کے برابر امکانات واحتمالات کے مابین علاماتِ فارقہ والی یہ منقوش مناسب معیّن صورت پہنا دینا......

اس کے ابنائے جنس کے اشخاص کی مقدار کے برابر امکانات کے درمیان مضطرب ومتقلّب رہنے والی اس شخصیت کو ایسی امتیازی خصوصیات سے بہرہ وَر کر دینا جو اس کی شخصیت کے لائق ہیں......

صفات کی انواع اور ان کے مراتب کی تعداد کے برابر احتمالات وامکانات کے درمیان متردّد اس شکل سے عاری مصنوع میں ایسی مخصوص نفع بخش صفات ودیعت کر دینا جو اس مصنوع کے ساتھ موافقت رکھتی ہوں......

اور اس متحیر وسرگردان مخلوق کو کہ جو اپنے وجود کے امکان کو نظر میں رکھے تو اس کے سامنے کوئی سمت یا ہدف نہیں رہتا؛ اس مخلوق کو غیر محدود امکانات واحتمالات کے مابین مختلف غیر محدود طریقوں اور شکلوں سے تیار کرنا اور اسے اِن پُرحکمت کیفیات سے اور مہربانی وعنایات والے آلات سے مزین کر دینا......

یہ تمام چیزیں تمام کلّی اور جُزئی ممکنات کی تعداد کے برابر، اور ہر ممکن کی ماہیات کے امکانات، ہُوئیات، ہیئات، اس کی صفات ووضعیات اور اس کی صورتوں شکلوں کی تعداد کے برابر شہادات ودلالات واشارات ہیں جو اُس واجبُ الوجود کے وجود کے وجوب کی گواہی دیتے ہیں جو خاص کرتا ہے، ترجیح دیتا ہے، معیَّن کرتا ہے اور ایجاد کرتا ہے۔

اس کی لامحدود قدرت کی اور اس کی لامتناہی حکمت کی گواہی دیتے ہیں، اور اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اس سے کوئی چیز اور کوئی کام مخفی نہیں، اور اسے کوئی چیز عاجز ولاچار نہیں کرسکتی، اور یہ کہ اس کے لیے بڑی سے بڑی چیز چھوٹی سی چھوٹی چیز کی طرح آسان ہے، اور یہ کہ اس کے لیے ایک پورے موسمِ بہار کو ایجاد کرنا ایک درخت کے ایجاد کرنے کی طرح آسان ہے، اور ایک درخت کو ایجاد کرنا اس کے لیے ایک بیج کو ایجاد کرنے کی طرح آسان ہے۔

اِمکان کی حقیقت کی طرف سے صادر ہونے والی یہ گواہی کائنات کی عظیم ترین گواہی کے دو میں سے ایک پہلو کی تشکیل کرتی ہے۔

اور رسائلِ نور نے — اور خاص کر بائیسویں اور بتیسویں مقالے نے، اور بیسویں اور تینتسویں مکتوب نے — کائنات کی اس گواہی کو چونکہ اس کے دونوں پہلوؤں اور دونوں حقیقتوں سمیت مکمل طور پر ثابت کر دیا ہے اور پورے طور پر واضح کر دیا ہے؛ اس لیے ہم اس طویل مسئلے کو یہاں ختم کرنے کے لیے انہی کا حوالہ دینا کافی سمجھتے ہیں۔

رہا کائنات کی مجموعی ہیئت سے آنے والی عظیم تر کلّی شہادت کا دوسرا پہلو، تو وہ ہے:

دوسری حقیقت: اور وہ ہے تعاون کی حقیقت جو کہ تقلّبات وتحوّلات کے اس بے پایاں سمندر میں، دائمی بھاگ دوڑ میں مصروف اُن مخلوقات میں نظر آ رہی ہے جو اپنے وجود اور اپنی ذمہ داری کی حفاظت کے لیے، اپنے وظیفۂ حیات کو نبھانے کے لیے اور اپنی زندگی کی حفاظت کے لیے بھاگ دوڑ کر رہی ہیں، اور یہ ایک ایسا تعاون ہے جو بالکلیہ اس کی قدرت سے باہر ہے۔

مثال کے طور پر: عناصر کا ذی حیات کی امداد کرنا، اور خاص کر بادلوں کا نباتات کی امداد کرنا، اور نباتات کا حیوانات کی مدد کرنا اور حیوانات کا انسان کی معاونت کرنا، چھوٹے بچوں کو کوثر جیسے پستانوں سے بہنے والے دودھ کے ساتھ غذا مہیا کرنا، زندہ کائنات کی تمام حاجات وضروریات کی اور ان کے انواع واقسام کے اس رزق کی ذمہ داری اٹھانا جو ان کے اقتدار واختیار سے باہر ہیں، اور وہ رزق ایسی جگہ سے ان کے سپرد کر دینا جہاں سے انہیں گماں بھی نہیں ہوسکتا، بلکہ اس حد تک کہ خوراک کے ذرّات کا جسم کے خلیوں کی تعمیر کرنے کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنا...... تسخیرِ ربّانی اور استخدامِ رحمانی کے ذریعے تعاون کی حقیقت کی اس جیسی دیگر بہت سی مثالیں ہیں، یہ مثالیں براہِ راست اُس ربُّ العالمین کی عمومی رحمت بھری ربوبیت کو واضح طور پر نمایاں کرتی ہیں جو تمام کائنات کا انتظام ایسے چلا رہا ہے جیسے کہ یہ ایک محل ہو۔

جی ہاں، ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے والی ان مخلوقات کا ایسی اوضاع واطوار میں ظاہر ہونا۔ جن سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ شعور اور شفقت رکھتی ہیں...... حالانکہ یہ شعور اور شفقت سے خالی جامد مخلوقات ہیں، بلاشبہ اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ انہیں اس تعاون کے لیے ربِّ رحیم وحکیم ذوالجلال کے امر سے، اس کی قوت سے اور اس کی رحمت سے پیچھے سے دھکیلا جاتا اور آمادہ کیا جاتا ہے۔

اور یوں کائنات میں جاری وساری عمومی ''تعاون''، کمال انتظام کے ساتھ جاری وساری عمومی ''موازنہ''، کہکشاؤں اور سیاروں سے لے کر زندہ مخلوق کے دقیق آلات واعضا بلکہ اس کے جسم کے ذرّات تک ہمہ گیر قسم کی ''محافظت''، اور ''تزیین'' کہ جس کا قلم آسمان کے خوبصورت جگمگاتے چہرے سے لے کر زمین کے خوبصورت دل آویز چہرے تک، بلکہ پھولوں کے خوبصورت چہرے تک جاری ہے، گلیکسی سے لے کر سولر سسٹم تک اور مکئی اور انار جیسے پھلوں تک حکمرانی کرنے والی ''تنظیم''، اور شمس وقمر وعناصر اور بادلوں سے لے کر شہد کی مکھی اور چیونٹی تک قائم دائم ''توظیف'' (یعنی وظائف وذمہ داریوں کی تقسیم)...... اور اس طرح کے عظیم ترین حقائق جو خود اِن حقائق کی عظمت کے برابر گواہیوں کی حیثیت رکھتے ہیں، کائنات کی گواہی کو ثابت کرتے ہیں اور اس کے دوسرے بازو کی تشکیل کرتے ہیں۔

رسائلِ نور نے چونکہ اس عظیم ترین گواہی کا اثبات کر دیا ہے اور اس کی مکمل صورت میں وضاحت کر دی ہے، اس لیے اس مقام پر اسی مختصر سے اشارے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

اور یوں پہلے مقام کے اٹھارہویں مرتبے نے انتہائی اختصار کے ساتھ اس درسِ ایمانی کی طرف اشارہ کر دیا ہے جو دنیا کے اس سیّاح نے کائنات سے حاصل کیا ہے، چنانچہ وہاں ذکر کیا گیا ہے:

[لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ الْوَاجِبُ الْوُجُوْدِ الْمُمْتَنِعُ وُجُوْدُهُ: اَلْمُمْكِنُ كُلُّ مَا سِوَاهُ، الْوَاحِدُ الْأَحَدُ الَّذِيْ دَلَّ عَلَى وُجُوْبِ وُجُوْدِهِ فِيْ وَحْدَتِهِ هٰذِهِ الْكَائِنَاتُ الْكِتَابُ الْكَبِيْرُ الْمُجَسَّمُ، وَالْقُرْآنُ الْجِسْمَانِيُّ الْمُعَظَّمُ، وَالْقَصْرُ الْمُزَيَّنُ الْمُنَظَّمُ، وَالْبَلَدُ الْمُحْتَشَمُ الْمُنْتَظَمُ، بِإِجْمَاعِ سُوَرِهِ وَآيَاتِهِ وَكَلِمَاتِهِ وَحُرُوْفِهِ وَأَبْوَابِهِ وَفُصُوْلِهِ وَصُحُفِهِ وَسُطُوْرِهِ؛ وَاتِّفَاقِ أَرْكَانِهِ وَأَنْوَاعِهِ وَأَجْزَائِهِ وَجُزْئِيَّاتِهِ، وَسَكَنَتِهِ وَمُشْتَمِلَاتِهِ وَوَارِدَاتِهِ وَمَصَارِفِهِ؛ بِشَهَادَةِ عَظَمَةِ إِحَاطَةِ حَقِيْقِيَّةِ الْحُدُوْثِ وَالتَّغَيُّرِ وَالْإِمْكَانِ؛ بِإِجْمَاعِ جَمِيْعِ عُلَمَاءِ الْكَلَامِ، وَبِشَهَادَةِ حَقِيْقَةِ تَبْدِيْلِ صُوْرَتِهِ وَمُشْتَمِلَاتِهِ بِالْحِكْمَةِ وَالْإِنْتِظَامِ، وَتَجْدِيْدِ حُرُوْفِهِ وَكَلِمَاتِهِ بِالنِّظَامِ وَالْمِيْزَانِ، وَبِشَهَادَةِ عَظَمَةِ إِحَاطَةِ حَقِيْقَةِ التَّعَاوُنِ وَالتَّجَاوُبِ وَالتَّسَانُدِ وَالتَّدَاخُلِ وَالْمُوَازَنَةِ وَالْمُحَافَظَةِ فِيْ مَوْجُوْدَاتِهِ بِالْمُشَاهَدَةِ وَالْعِيَانِ]

☆ ☆ ☆

پھر یہ مشتاق و فریفتہ اور بے تاب مُسافر جو کہ اس دنیا میں آیا، اس دنیا کے خالق کی تلاش میں مارا مارا پھرا، جس نے ایک ایک کر کے اٹھارہ مراتب طے کیے اور عرشِ حقیقت تک گیا، اور معراجِ ایمانی کے ذریعے قدم بقدم ترقی کرتا ہوا غیبی معرفت کے مقام سے حضوری اور مخاطبت کے مقام تک پہنچا...... اُس نے اپنی روح کو یہ کہتے ہوئے مخاطب کیا:

جس طرح فاتحہ کے آغاز میں آنے والی غیبی حمد و ثنا سے طمانیت، سکینت اور پھر ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ کے خطاب تک ترقی حاصل ہوتی ہے، اسی طرح ہمارے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ ہم غائبانہ بحث سے توجہ ہٹا کر سوال کا رُخ براہ راست اس کی طرف کریں جسے تلاش کر رہے ہیں؛ کیوں کہ سورج جو کہ ہر چیز کو نمایاں کرتا ہے، اس کے بارے میں سوال کا رخ براہ راست اسی کی طرف ہونا چاہیے۔

جی ہاں، کیونکہ جو چیز ہر چیز کو نمایاں کرتی ہے، وہ اپنی ذات کو تمام چیزوں سے بڑھ کر نمایاں کرتی ہے۔ اس بنا پر جیسے سورج کا دیدار اور اس کی پہچان اس کی شعاعوں کی وساطت سے ہوتی ہے، اسی طرح ہمارے لیے یہ ممکن ہے کہ ہم اپنی قابلیت کے مطابق اپنے خالق کا تعارف حاصل کرنے کے لیے اُس کے مقدس اسما و صفات کے ذریعے کوشش کریں۔

اور اس مقصد کے لیے چونکہ لاتعداد راستے ہیں، اور ان راستوں کے محدود مراتب ہیں، اور وہ مراتب بہت سے حقائق اور طویل تفصیلات پر مشتمل ہیں، اس لیے ہم اس رسالے میں بالکل اجمال و اختصار کے ساتھ اس کے صرف دو

راستوں کے دو مرتبوں کی صرف دو حقیقتیں بیان کرنے پر اکتفا کریں گے۔

پہلی حقیقت: تمام تر کائنات کو شامل اور اس پر غالب فعالیت کی حقیقت۔ اور یہ ایسی حقیقت ہے جو محیط ہے، دائمی ہے، منتظم ہے اور دہشت خیز ہے، مشاہدہ کرنے سے ظاہری آنکھوں سے نظر آتی ہے، کیونکہ وہ تمام آسمانی و زمینی موجودات کی ادارت کرتی ہے، انہیں تبدیل کرتی ہے اور انہیں نت نئے رُوپ دیتی رہتی ہے؛

اور یہ وہ حقیقت ہے جو اس ہمہ جہتی حکیمانہ فعالیت کی تہوں میں پائی جانے والی اُس ربوبیت کا مظاہرہ کرتی ہے جو بدیہی طور پر سب کو محسوس ہو رہی ہے۔

اور یہ وہ حقیقت ہے جو ہر جہت سے رحمت پھیلانے والی ربوبیت کا مظاہرہ کرنے والی حقیقت کے ضمن میں پائی جانے والی اس الوہیت کو نمایاں کرتی ہے جس کا ادراک بہر صورت سب کو ہو رہا ہے۔

پس ان حکیمانہ و حاکمانہ دائمی فعالیت سے اور ان کے حجاب کے پیچھے سے قدیر و علیم ذات کے افعال ایسے محسوس ہوتے ہیں کہ جیسے آنکھوں سے دیکھے جا رہے ہوں۔

اور تدبیر کرنے والے اور تربیت کرنے والے ان ربانی افعال سے اور ان کے حجاب کے پیچھے سے اُن اسمائے الٰہیہ کا احساس ہوتا ہے اور بدیہی طور پر اُن کی پہچان ہوتی ہے جن کی تجلّیات ہر شے میں موجود ہیں۔

اور جلالی و جمالی تجلیات والے اِن اسمائے حسنیٰ سے اور ان کے حجاب کے پیچھے سے علم الیقین، بلکہ عین الیقین، بلکہ حق الیقین کے درجے میں سات قدسی صفات کے وجود کی اور ان کے پایۂ ثبوت تک پہنچنے کی سمجھ آتی ہے۔

پھر ان سات قدسی صفات کی تجلّیات سے —— اور یہ حیات، قدرت، علم، سمع، بصر، ارادہ اور تکلم والی غیر متناہی تجلّیات ہیں جن کی گواہی تمام مصنوعات دیتی ہیں —— ان صفات کی تجلیات سے ایک واجبُ الوجود موصوف کے، ایک واحدِ احد مسمّٰی کے اور ایک فردِ صمد فاعل کے وجود کا علم ہوتا ہے...... ایسا قطعی، بدیہی اور ضروری اور اس طرح کا علم کہ جو دل کے اندر ایمان کی آنکھ کے سامنے سورج سے بھی زیادہ نمایاں اور چمکدار صورت میں جلوہ فگن ہوتا ہے۔

اور وہ اس طرح کہ ایک خوبصورت با معنی کتاب بدیہی طور پر عملِ کتابت کو مستلزم ہے، اور ایک منظّم گھر بدیہی طور پر عملِ تعمیر کو مستلزم ہے، اور خوبصورت کتابت کا اور منتظم تعمیر کا عمل بدیہی طور پر کاتب اور معمار کے نام کو مستلزم ہے، اور یہ دونوں نام کتابت اور تعمیر کی صنعت اور ان دونوں کی صفات کو مستلزم ہے؛ پھر دونوں صنعتیں اور دونوں صفتیں بدیہی طور پر کسی موصوف ذات کو، کسی صانع کو اور کسی مسمّٰی کو اور کسی فاعل کو لازم ہیں......

پس جیسے کوئی فعل بغیر فاعل کے اور کوئی اسم بغیر مسمّٰی کے نہیں ہوسکتا، اسی طرح کوئی صفت بغیر موصوف کے اور کوئی صنعت بغیر صانع کے نہیں ہوسکتی۔

تو اس حقیقت اور قاعدے کی بنا پر یہ کائنات اپنی تمام موجودات سمیت ایسی کتابوں اور ایسے رسائل کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے جن کے معانی اتنے گہرے اور اتنے زیادہ ہیں کہ شمار سے باہر ہیں، جسے تقدیر کے قلم سے لکھا گیا ہو۔ اور اسی طرح ایسے محلّات اور ایسی عمارات کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے جو قُدرت کے ہتھوڑے کے ساتھ تعمیر کی گئی ہوں۔

تو جس طرح اس میں پائی جانے والی ہر چیز ہزاروں پہلوؤں سے، اور جس طرح یہ خود اپنی مجموعی صورت میں لا تعداد پہلوؤں سے لامتناہی ربانی رحمانی افعال کے ذریعے اور اسمائے الٰہیہ میں سے ایک ہزار ایک اسم کے ذریعے جو کہ اِن افعال کا سرچشمہ ہیں، اور صفاتِ سبحانیہ کی لامتناہی تجلیّات کے ذریعے جو کہ ان اسمائے حسنیٰ کا سرچشمہ ہیں؛ ذاتِ ذُوالجلال کے وجود کے وجوب پر اور اس کی وحدت پر غیر محدود اشارات کرتی ہے اور غیر محدود گواہیاں مہیا کرتی ہے، وہ اَزلی اَبدی ہے اور ان سات ہمہ گیر قدسی صفاتِ سبعہ کا سرچشمہ اور ان کا موصوف ہے...... اسی طرح ان موجودات میں پائے جانے والے جو محاسن و جمالات اور نفائس و کمالات ہیں، مجموعی طور پر اُن قدسی کمالات و جمالات کی گواہی دیتے ہیں جو کہ افعالِ ربانیہ، اَسمائے الٰہیہ، صفات صمدانیہ اور شوون سبحانیہ کے شایانِ شان ہیں اور ان کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں، جیسے کہ یہ سب کے سب بدیہی طور پر ذاتِ اقدس سبحانہ وتعالیٰ کے مقدّس جمال اور کمال کی گواہی دیتے ہیں۔

اور اس طرح فعّالیت کی حقیقت میں واضح طور پر ظاہر ہونے والی ربوبیت کی حقیقت اپنے علم وحکمت کے ساتھ خلق و ایجاد وصنع وابداع، اور نظام ومیزان کے ساتھ تقدیر وتصویر وتدبیر وتدویر، اور قصد واراہ کے ساتھ تبدیل وتنزیل وتکمیل کے، اور رافت ورحمت کے ساتھ اطعام وانعام واکرام واِحسان جیسے تصرّفات وشؤون ومعاملات کے ذریعے اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہے اور اپنا تعارف کراتی ہے۔

اسی طرح اُلوہیت کو نمایاں کرنے والی حقیقت جو کہ ربوبیت کے مظاہرے کی حقیقت میں بدیہی طور پر موجود ہے اور محسوس ہوتی ہے، اسمائے حسنیٰ کے رحیمانہ وکریمانہ جلووں کے ذریعے، اور سات ثبوتی صفات یعنی حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام کی جلالی و جمالی تجلیات کے ذریعے اپنی ذات کا اعلان واظہار کرتی ہے اور اس کا تعارف کراتی ہے۔

جی ہاں، جس طرح صفت ''کلام'' وحی والہامات کے ذریعے ذاتِ اَقدس کا تعارف کراتی ہے، اسی طرح صفتِ ''قدرت'' اس ذات کے بارے میں اس کے اُن مضبوط ومستحکم آثار ونقوش کے ذریعے جو کہ اس کے مجسّم کلمات کی حیثیت رکھتے ہیں؛

ایک قدیرِ ذوالجلال ہستی کے اوصاف بتاتی ہے، اُسے نمایاں کرتی ہے، بیان کرتی ہے اور کائنات کو اوّل سے لے کر آخر تک فرقانِ مجسّم کی ماہیت میں ظاہر کر کے اُس کا تعارف کراتی ہے۔

اسی طرح صفتِ ''علم'' تمام حکیمانہ، مُنظّم، مُستحکم اور موزون مصنوعات کی مقدار میں، اور ان تمام مخلوقات کی تعداد میں جن کی اِدارت تدبیر اور تزیین کی جارہی ہے — اور جنھیں علمی امتیازات بخشے جارہے ہیں — اس ذاتِ اقدس کے بارے میں اِعلان واِظہار کررہی ہے جو کہ ''فرد'' ہے اور ان مصنوعات ومخلوقات کی موصوف ہے۔

رہی صفتِ ''حیات''، تو وہ تمام آثار جو ''قدرت'' پر دلالت کرتے ہیں۔ اور انتظام، حکمت، میزان اور زینت والی تمام صُوَر اور احوال جو کہ ''علم'' کے وجود کی خبر دیتے ہیں، اور وہ تمام دلائل جو کہ دیگر صفات کے بارے میں بتاتے ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ خود صفتِ ''حیات'' کے دلائل، یہ سب کے سب صفتِ ''حیات'' کے تحقُّق اور ثبوت پر دلالت کرتے ہیں، اور خود ''حیات'' بھی اپنے تمام دلائل سمیت تمام ذی حیات کو — جو کہ اس کے آئینے ہیں — گواہوں کی صورت میں نمایاں کرتی ہوئی ذاتِ حیُّ القیُّوم کا اعلان کرتے ہیں، اور کائنات کو اوّل سے لے کر آخر تک ایک بہت بڑا آئینہ بنا دیتے ہیں جو کہ ایسے غیر محدود آئینوں سے تالیف پاتا ہے جو ہمہ وقت نئے پن کے ذریعے یکے بعد دیگرے دیدہ زیب نقوش وتجلیات کو نمایاں کرنے کے لیے دائماً جدید ہوتے رہتے اور متغیر ہوتے رہتے ہیں۔

اسی پر قیاس کی رُو سے سمع، بصر، اختیار اور کلام کی صفات میں سے بھی ہر صفت کائنات کی مقدار کے برابر ذاتِ اقدس کا تعارف کراتی ہے اور اس کے بارے میں اعلان کرتی ہے۔

پھر یہ صفات جیسے ذاتِ ذوالجلال کے وجود پر دلالت کرتی ہیں، اسی طرح بدیہی طور پر ''حیات'' کے وجود پر، اس کے ثبوت پر اور اس ذاتِ ذُوالجلال کے "حیّ" ہونے پر دلالت کرتی ہیں......

اور وہ اس طرح کہ علم حیات کی علامت ہے، اور اختیاری اقتدار صرف ذی حیات میں پایا جاتا ہے؛ رہا تکلُّم، تو یہ ایک زندہ وصاحبِ علم کا معاملہ ہے۔

اور اس طرح ان نقطوں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ صفت ''حیات'' کے اتنے دلائل وبراہین ہیں کہ کائنات سے سات گنا تک بڑھ جاتے ہیں، جو اُس کے وجود کی، اور اس کے موصوف کی خبر دیتے ہیں؛ حتی کہ ''حیات'' تمام صفات کی بنیاد، ان کا سرچشمہ اور اسمِ اعظم کا مصدر اور اس کا مدار بن گئی ہے، رسائلِ نور نے چونکہ اس پہلی حقیقت کو قوی دلائل وبراہین کے ساتھ ثابت کردیا ہے اور اس کی بقدرِ کفایت وضاحت کردی ہے، اس لیے اس سمندر سے فی الحال ہمیں یہ قطرہ ہی کافی ہے۔

دوسری حقیقت: صفتِ کلام سے آنے والا تکلُّمِ الٰہی۔

آیتِ کریمہ ﴿لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّيْ﴾ میں پائے جانے والے راز کی رُو سے کلامِ الٰہی کی کوئی انتہا نہیں۔ اور کسی بھی ہستی کے وجود کی جو چیز سب سے زیادہ واضح دلیل ہوتی ہے، وہ ہے ''تکلُّم''، تو اِس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ حقیقت یعنی تکلُّمِ الٰہی متکلِّمِ اَزلی سبحانہ وتعالیٰ کے وجود پر اور اس کی وحدانیت پر غیر متناہی گواہیاں دے رہی ہے۔

اس رسالے کے چودھویں اور پندرھویں مرتبے میں جہاں وحی اور الہام کی بحث کی گئی ہے وہاں اس حقیقت کی دو بڑی شہادتیں آ چکی ہیں، اسی طرح دسویں مرتبے میں جن مقدس آسمانی کتابوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان کی طرف سے بھی ایک وسیع قسم کی شہادت آ چکی ہے، اور سترھویں مرتبے میں قرآن معجز بیان کی طرف سے ایک مزید جامع قسم کی تابندہ شہادت آ چکی ہے؛ اس لیے اس حقیقت کے بیان کو اور اس کی شہادت کو ہم ان مراتب کے حوالے کرتے ہیں۔

اور یوں آیتِ کریمہ: ﴿شَهِدَ اللهُ أَنَّهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ قَآئِماً بِالْقِسْطِ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ جس نے اس حقیقت کا معجزانہ طریقے سے اعلان کیا ہے اور دیگر تمام حقائق کے ہمراہ اس کی شہادت کی تعبیر کی ہے؛ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے اس مسافر سیاح کے لیے یہ گفتگو کافی رہی اس لیے وہ اس سے زیادہ آگے نہ بڑھا۔ اور یوں وہ درس جو ہمارے اس مسافر نے اس قُدسی مقام سے حاصل کیا، اُس کی مختصری تفسیر کے لیے پہلے مقام کے انیسویں مرتبے میں بطورِ اشارہ ذکر کیا گیا کہ:

لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الْوَاجِبُ الْوُجُودِ الْوَاحِدِ الْأَحَدِ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى وَلَهُ الصِّفَاتُ الْعُلْيَا، وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلٰى. اَلَّذِيْ دَلَّ عَلٰى وُجُوبِ وُجُودِهٖ فِيْ وَحْدَتِهِ الذَّاتُ الْوَاجِبُ الْوُجُودِ بِإِجْمَاعِ جَمِيعِ صِفَاتِهِ الْقُدْسِيَّةِ الْمُحِيطَةِ، وَجَمِيعِ اَسْمَائِهِ الْحُسْنَى الْمُتَجَلِّيَةِ بِاتِّفَاقِ جَمِيعِ شُئُونَاتِهٖ وَاَفْعَالِهِ الْمُتَصَرِّفَةِ بِشَهَادَةِ عَظَمَةِ حَقِيقَةِ تَبَارُزِ الْأُلُوهِيَّةِ فِيْ تَظَاهُرِ الرُّبُوبِيَّةِ فِيْ دَوَامِ الْفَعَّالِيَّةِ الْمُسْتَوْلِيَةِ بِفِعْلِ الْإِيجَادِ وَالْخَلْقِ وَالصُّنْعِ وَالْإِبْدَاعِ بِإِرَادَةٍ وَقُدْرَةٍ، وَبِفِعْلِ التَّقْدِيرِ وَالتَّصْوِيرِ وَالتَّدْبِيرِ وَ التَّدْوِيرِ بِاخْتِيَارٍ وَحِكْمَةٍ، وَبِفِعْلِ التَّصْرِيفِ وَالتَّنْظِيمِ وَالْمُحَافَظَةِ وَالْإِدَارَةِ وَالْإِعَاشَةِ بِقَصْدٍ وَ رَحْمَةٍ، وَبِكَمَالِ الْإِنْتِظَامِ وَالْمُوَازَنَةِ، وَبِشَهَادَةِ عَظَمَةِ إِحَاطَةِ حَقِيقَةِ أَسْرَارِ: ﴿شَهِدَ اللهُ اَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ.﴾

☆ ☆ ☆

رسالۃُ المناجاۃ

رسالۃُ المناجاۃ جو کہ ''تیسری شعاع'' ہے—''الآیة الکُبری'' کا تتمہ ہے، اُستاد نے یہ رسالہ اور مزید کچھ رسائل اس وقت لکھے جب وہ ''قسطمونو'' میں تھے، یہ تمام رسائل مجموعی طور پر بڑے تابندہ رسائل ہیں جو بتاتے ہیں کہ وہاں آپ کی زندگی کیسے گزرتی تھی، اور وہ کون سے معاملات تھے جن کی طرف وہ وہاں زیادہ توجہ دیا کرتے تھے، اور وہ کون سے مسائل تھے جو اُن کی خدمت کا محور تھے۔

جی ہاں، سعید نورسی— جیسے کہ وہ حقائق گواہی دیتے ہیں جو اِن رسائل میں بیان کیے گئے ہیں— اپنی پوری کوشش ایمان کو مضبوط کرنے کے میدان میں صرف کرتے تھے جو کہ دین اور قوم و وطن کی سب سے ضروری خدمت ہے۔

☆ ☆ ☆

مقدمہ

جس طرح یہ آٹھویں ایمانی حجت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وجود کے وجوب پر اور اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے، اسی طرح یہ قطعی دلائل و براہین کے ذریعے اس کی ربوبیت کی ہمہ گیریت پر اور اس کی عظمت کی قدرت پر دلالت کرتی ہے، اور اِسی طرح اس کی حاکمیت اور اس کی رحمت کی ہمہ گیریت پر دلالت کرتی ہے اور ان دونوں کا اثبات کرتی ہے، جیسے کہ یہ بات ثابت کرتی ہے کہ اس کی حکمت اور اس کا علم کائنات کے تمام اجزا کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ یہ آٹھویں ایمانی حجت آٹھ مقدمات پر مشتمل ہے اور ہر مقدمے میں آٹھ نتائج ہیں، اور یہ مقدمات ان نتائج کا اثبات دلائل کے ساتھ کرتے ہیں، اس بنا پر یہ بڑے بلند پایہ امتیازات کے حامل ہیں۔

سعید نورسی

المناجاۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ۝﴾ (البقرۃ: 164)

یاالٰہی ویاربی!

میں ایمان کی آنکھ سے، قرآن کی تعلیم اور اس کے نور سے اور رسول اکرم ﷺ کے درسِ گرامی سے جو کچھ دیکھتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی ''الحکیم'' جو کچھ مجھے دکھاتا ہے، اس کے طفیل مجھے یہ بات نظر آرہی ہے:

آسمانوں میں کوئی بھی ایسی گردش اور حرکت نہیں ہے، مگر وہ اپنے عجیب وغریب انتظام کے ذریعے تیرے وجود کی طرف اشارہ اور اس پر دلالت کرتی ہے۔

آسمانی اَجرام میں سے ہر جِرم کسی بھی شور وغل کے بغیر اور کسی ستون کے سہارے کے بغیر پورے سکون کے ساتھ اپنا وظیفہ ادا کرتے ہوئے تیری ربوبیت پر شہادت کی صورت میں اور تیری وحدت کی طرف اشارے کی صورت میں گواہی دیتا ہے۔

اور کوئی بھی ایسا ستارہ نہیں ہے مگر وہ اپنی موزون خلقت کے ذریعے، اپنی منظم وضع قطع کے ذریعے، اپنے نورانی تبسم کے ذریعے اور اپنی دیگر تمام تر ستاروں کے ساتھ مشابہت کے ذریعے تیری اُلوہیت کی عظمت کی گواہی دیتا ہے اور تیری وحدانیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اور بارہ سیاروں میں سے کوئی بھی ایسا سیارہ نہیں ہے مگر وہ اپنی حکیمانہ حرکت، اپنے مطیعانہ تذلّل، اپنے منظم وظیفے اور اپنے اہم توابع کے ذریعے تیرے وجود کے واجب ہونے کی گواہی دیتا ہے اور تیری اُلوہیت کی سلطنت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

جی ہاں، تمام آسمان اپنے باسیوں سمیت، اور ذاتی طور پر علیحدہ علیحدہ ہر آسمان، یہ تمام آسمان مجموعی طور پر اے خالق ارض وسما! تیرے وجود کے وجوب پر بالکل واضح اور نمایاں گواہی دیتے ہیں، اور اے وہ ذات کہ جو ذرات کی اُن کے منظم مرکبات سمیت تدبیر وادارت کر رہی ہے، اور سیاروں کو اُن کے منظم توابع سمیت رواں دواں رکھے ہوئے ہے اور اپنی اطاعت کے لیے مسخر کیے ہوئے ہے...... تیری وحدت کی اور تیری فردیّت کی قوی اور سچی گواہی دے رہی ہے...... بالکل نمایاں اور قوی گواہی کہ سطح آسماں میں پائے جانے والے ستاروں کی تعداد کے برابر نورانی براہین اور روا ضح دلائل اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

پس یہ خوبصورت پاکیزہ اور صاف ستھرے آسمان تیری عجیب وغریب قدرت کی عظمت پر اور تیری ربوبیت کی ہیبت پر بالکل واضح دلالت کرتے ہیں...... اور تیری ان بلند آسمانوں کو محیط حاکمیت کی وسعت کی طرف، اور تیری ہر ذی حیات کو گود میں لے لینے والی وسیع رحمت کی طرف ایک قوی اشارہ کر رہے ہیں...... اور لاریب تیری ہمہ گیر حکمت کی اور تیرے ہمہ گیر علم کی گواہی دیتے ہیں، وہ علم وحکمت کہ جو تمام تر آسمانی مخلوقات کی اُن کے ضخیم اور تیز رفتار اجرام سمیت، تمام شؤون وکیفیات کو اپنے قبضے میں لے کر انہیں نظم وضبط کے ساتھ چلا رہے ہیں اور اُن اجرام کو روشن چراغوں سے

مزین منظم لشکر اور پُرہیبت کانفرنس کے اَوزاع واطوار میں ظاہر کرتے ہیں...... پس یہ گواہی اور یہ دلالت اتنی واضح اور اتنی نمایاں ہیں کہ گویا نجوم وکواکب آسمانوں کے لیے گواہی دینے والے گواہ اور اس کے مجسم نورانی دلائل ہیں......

رہے آسمان کے سمندر میں اور اس کی فضا میں تیرنے والے ستارے، تو وہ فوج کے تابع فرمان سپاہیوں کے ساتھ منظم سفینوں کے ساتھ فضا کو چیر دینے والے جہازوں کے ساتھ اور عجیب وغریب چراغوں کے ساتھ مشابہت رکھنے والے اوضاع واطوار کے ذریعے تیری الوہیت کی حکمرانی کی تابناکیوں کو نمایاں کرتے ہیں...... اور ہمارا سورج جو کہ اس فوج کے افراد میں سے ایک ستارہ ہے، وہ بے کار نہیں ہے بلکہ آخرت کے عوالم کی طرف آنکھیں لگائے ہوئے ہے، اور اس کی دلیل سورج کے وہ وظائف ہیں جو وہ اپنے سیاروں میں اور ہماری زمین میں ادا کر رہا ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ بقیہ عوالم کے سورج ہوں!

اے واجبُ الوجود! اے واحد اے اَحد!

یہ خارقِ عادت ستارے، یہ ضخیم سورج اور یہ عجیب وغریب چاند...... یہ سب کے سب تیرے امر، تیری بادشاہی، تیری قوت، تیری قدرت، تیری ادارت اور تیری تدبیر کے ساتھ تیرے آسمانوں میں اور تیری بادشاہی میں مسخر ومنظم اور ملازم ہیں...... پس یہ تمام کے تمام عُلوی اجرام اپنے اس اکیلے خالق کی تسبیح وتکبیر کر رہے ہیں جس نے انہیں پیدا کیا ہے اور جو انہیں چلا رہا ہے اور اُن کی ادارت کر رہا ہے، اور یہ اپنی زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں: سبحان الله... الله اکبر--- اور میں ان کے ہمراہ ان کی تمام تر تسبیحات کے ذریعے تیری تقدیس کرتا ہوں۔

اے وہ کہ جو شدّت ظہور کی وجہ سے مخفی ہے، اور جو عظمتِ کبریائی کی وجہ سے پردے میں ہے!

اے قدیر ذوالجلال! اے قادرِ مطلق!

قرآن حکیم کے درس سے اور رسول اکرم ﷺ کی تعلیم سے میں نے یہ سمجھا ہے کہ جس طرح آسمان اور ستارے تیرے وجود پر دلالت کرتے اور تیری وحدت کی گواہی دیتے ہیں، اسی طرح آسمان کی فضا اپنے بادلوں، بجلیوں، کڑکوں، گرجوں، ہواؤں اور بارشوں کے ذریعے تیرے وجود کے وجوب کی گواہی دیتی ہے۔

جی ہاں، جامد لاشعور بادلوں کا لاچار جانداروں کی دستگیری کے لیے حیات خیز بارش بھیجنا، صرف اور صرف تیری رحمت اور حکمت کے طفیل ہی ہے، اس میں اندھا دھند اتفاق کا کوئی عمل دخل نہیں۔

اسی طرح بجلی جو کہ ایک عظیم الشان برقی طاقت ہے، اپنی چکا چوند کے ساتھ اپنے نورانی فوائد کا شوق دلاتی ہے، اور فضا میں کام کرنے والی تیری قدرتِ فاعلہ پر بہترین طریقے سے روشنی ڈالتی ہے۔

اسی طرح بارش کی آمد کی خوشخبری دینے والی رعد یعنی کڑک جو کہ وسیع وعریض فضا کی زبان پر اس کی تسبیحات جاری کر

دیتی ہےاوراس طرح آسمانوں کے اطراف واکناف پر کپکپی طاری کردیتی ہے، تیری تسبیح وتقدیس بیان کرتی ہےاوراپنی زبانِ مقال کے ساتھ تیری ربوبیت کی گواہی دیتی ہے۔

اسی طرح یہ ہوا کہ جسے بہت سی ذمہ داریاں نبھانے کے لیے مسخر کردیا گیا ہے؛ جیسے جانداروں کی گزر بسر کی ضروریات کو پورا کرنا، انہیں انتہائی آسانی سے حاصل ہوجانے والا اور سب سے زیادہ مفید رزق فراہم کرنا، اور انہیں سانس فراہم کرنا اور انہیں راحت پہنچانا وغیرہ، اور اس طرح کی دیگر بہت سی ذمہ داریاں...... یہ ہوا کسی حکمت کے تحت جب ''لوحِ المحو والاِ ثبات'' کی طرح فضا کو تبدیل کرتی ہےاور اس طرح کسی فائدہ دینے والی چیز کولکھ دیتی ہےاور جو فائدہ دے چکی ہےاسے مٹادیتی ہے، تواپنے اس کردار سے وہ تیری قدرت کی فعالیت کی طرف اشارہ کرتی ہے، جیسے کہ بادل سے کشید کردہ اور جانداروں کی طرف بھیجی گئی ''رحمت''، یعنی ''بارش'' بھی اپنے لطیف، موزون، منظم اور میٹھے قطروں کے ساتھ تیری رحمت اور رأفت کی وسعت کی گواہی دیتی ہے۔

اے متصرّف فعّال، اوراے فیّاضِ متعال!

جس طرح بادل، بجلی، رعد، ہوا اور بارش نے علیحدہ علیحدہ تیرے وجود کے وجوب کی گواہی دی ہے، اسی طرح یہ تمام چیزیں نوعیت میں بُعد اور ماہیت میں اختلاف ہونے کے باوجود اتفاق، معیّت، تداخل اور باہمی تائید وتقویت کے ذریعے تیری وحدت اور فردیت کی طرف ایک قوی اشارہ کرتی ہیں۔

اور جس طرح یہ عناصر تیری اُس ربوبیت کے جلال کی گواہی دیتے ہیں جو اس کھلی فضا کو بسااوقات ایک ہی دن میں کئی بار بھر کر اور خالی کر کے اسے عجائبات کا محشر بنادیتی ہے؛ اسی طرح یہ تیری اُس قدرت کی عظمت کی گواہی دیتے ہیں جو کہ ہر چیز میں تصرّف کرتی ہے، اور ہر چیز کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے، اور جو اس وسیع وعریض فضا کو ایسے لکھتی اور اسے ایسے تبدیل کرتی ہے کہ گویا وہ کوئی ''تختی'' ہو، اور وہ زمین کے باغیچے کی آب پاشی کرنے کے لیے بادلوں کو نچوڑتی ہے...... اور اس سے بڑھ کر وہ تیری رحمت اور تیری حاکمیت کی وسعت اور ان کے ہر چیز میں نافذ ہوجانے اور ان کے تمام کرۂ ارض کو اور تمام تر مخلوقات کو فضا کے پردے کے نیچے گردش میں رکھنے پر دلالت کرتے ہیں۔

اسی طرح فضا میں بکھری ہوئی اس ہوا کو بڑے حکیمانہ انداز سے متعدد وظائف میں استعمال کیا جاتا ہے...... اور ان گھنگھور بادلوں کو اور بارش کو ڈھیروں فائدوں کے لیے ایسے سائنسی انداز سے استعمال کیا جاتا ہے کہ اگر ہر چیز کا احاطہ کرنے والے علم کا اور ہر چیز کو شامل حکمت کا وجود نہ ہوتا تو یہ استعمال واستخدام ممکن نہ ہوتا۔

اے فعّال لما یرید!

فضا میں تیرا ہمہ وقت اپنی فعالیت کے ذریعے حشر اور قیامت کے نمونوں کو ظاہر کرنا، اور گھڑی بھر میں گرمی کو سردی میں اور سردی کو گرمی میں تبدیل کردینا، اور ایک عالم کو لے آنا اور دوسرے کو غیب میں لے جانا اور تیری جلوہ نما قدرت

کے اس طرح کے دیگر معاملات...... اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ تو یہ دنیا آخرت میں تبدیل کر دے گا اور آخرت میں کوئی سرمدی معاملات ظاہر کر دے گا۔

اے قدیر ذوالجلال!

آسمان کی فضا میں آندھی، ہوا، بادل، بارش، کڑک، سب کی سب تیری بادشاہی میں، تیرے امر کے ساتھ، تیری طاقت، قوت اور قدرت کے ساتھ مسخر اور ملازم ہیں...... پس اس فضا کی تمام مخلوقات، ان کی ماہیتوں میں بُعد ہونے کے باوجود، اپنے آمر کی حمد کرتی ہیں اور اپنے اس حاکم کی ثنا کرتی ہیں جو انہیں — انتہائی سرعت کے ساتھ — لمحوں میں سر انجام دے دیے جانے والے اوامر کے لیے اور انتہائی سرعت کے ساتھ فوری طور پر امر صادر کرنے والے آمروں کے لیے جھکاتا اور سراپا تسلیم بناتا ہے۔

اے زمین و آسمان کے خالقِ ذوالجلال!

میں تیرے قرآنِ حکیم کی تعلیم اور رسول اکرم ﷺ کے درس کے ذریعے اس بات پر ایمان لا چکا ہوں کہ:

جس طرح سارے آسمان اپنے ستاروں سمیت، اور فضا اپنی تمام تر اشیا سمیت تیرے وجود کے وجوب کی اور تیری وحدانیت کی گواہی دیتی ہیں...... اسی طرح زمین اپنی تمام مخلوقات سمیت اور اپنے تمام احوال کے ذریعے تیرے وجود کی اور تیری وحدت کی اپنی موجودات کی تعداد کے برابر گواہیاں دیتی ہے۔

جی ہاں، زمین میں کوئی بھی ایسا تحوّل و تبدّل نہیں ہے...... جیسے اَشجار و حیوانات کی اور ان کے لباسوں کی، کلّی ہو یا جزوی...... سالانہ تبدیلی، مگر وہ اپنے انتظام اور تناسق کے ذریعے تیرے وجود کی اور تیری وحدت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

اور پھر ہر جاندار اس رزق کی برکت سے جو اُسے رحمت کے ساتھ مہیا کیا جاتا ہے اور اپنے ان کَل پرزوں کے ذریعے جو اس کی زندگی کے لیے ضروری ہیں اور اس میں بڑی حکمت کے ساتھ رکھے گئے ہیں، ہر جاندار اپنی کمزوری اور اپنی ضرورت کے حساب سے تیرے وجود کی اور تیری وحدت کی گواہی دے رہا ہے۔

اور پھر ہر نبات اور ہر حیوان کہ جس کی ہر موسمِ گل میں ہماری آنکھوں کے سامنے ایجاد مکمل ہوتی ہے، وہ اپنی عجیب و غریب صنعت کے ذریعے، اپنی لطیف زیب و زینت کے ذریعے، اپنے مکمل امتیاز کے ذریعے، اپنے انتظام کے ذریعے اور اپنی موزونیت کے ذریعے تیرا تعارف کرواتا ہے...... پس تیرا سطحِ زمین کو پُر کر دینے والی اپنی قدرت کے ان انڈوں، قطروں اور دانوں پر مشتمل نباتات و حیوانات نامی شاہکاروں کو ان کے مادے کے محدود، واحد اور ایک دوسرے کے ساتھ مشابہ ہونے کے باوجود انہیں مکمل استوار، مزین اور علاماتِ فارقہ دے کر ایک دوسرے سے ممتاز

پیدا کرنا، یہ چیز اُن کے صانع حکیم کے وجود پر ایسے مضبوط اور تابندہ طریقے سے دلالت کرتی ہے کہ اتنے مضبوط اور تابندہ طریقے سے سورج کی روشنی بھی سورج پر دلالت نہیں کرتی! اور اس کی وحدت کی، اور اس کی حکمت کی اور اس کی قدرتِ مطلق کی اتنی مضبوط اور تابناک طریقے سے گواہی دیتی ہے کہ اتنے مضبوط اور تابناک طریقے سے سورج کی روشنی بھی سورج پر دلالت نہیں کرتی!

پھر ہوا، پانی، نور، نار اور مٹی جیسے جتنے عناصر ہیں، ان میں سے ہر عنصر شعور سے خالی ہونے کے باوجود پورے شعور کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں نبھا کر، اور بالکل سادہ ہونے کے باوجود اور ایک دوسرے پر زیادتی کرنے، غیر منظم ہونے اور ہر جگہ پر بکھرے ہونے کے باوجود پورے منظم طریقے سے غیب کے خزانے سے پھل اور دیگر پیداوار یں مہیا کرنے کے ذریعے تیری وحدت کی اور تیرے وجود کی گواہی دے رہے ہیں۔

اے فاطرِ قدیر! اے فتاحِ علاّم! اور اے خلاّقِ فعّال!

جس طرح زمین اپنے تمام باسیوں سمیت اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ اس کا خالق واجب الوجود ہے، اسی طرح وہ اے واحدِ احد، اے حنان منّان! اور اے وھاب رزّاق! اپنے چہرے پر جمے ہوئے سکے اور اپنے باسیوں کے چہروں پر جمے ہوئے سکوں کے ذریعے، اور اِن باشندوں کے مابین پائی جانے والی وحدت، اتفاق، تداخل اور تعاون کے ذریعے، اور ربوبیت کے اسماء و افعال کی اس وحدت کے ذریعے جو ان سب کی طرف دیکھ رہی ہے...... بالکل بدیہی درجے میں، بلکہ ان موجودات کی تعداد کے برابر تیری وحدت اور تیری احدیت کی گواہیاں دے رہی ہے۔

اسی طرح زمین اپنی اس شکل صورت کی حیثیت سے کہ یہ ایک لشکر، نمائش گاہ اور ایک ٹریننگ گراؤنڈ کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے، اور اس حیثیت سے کہ یہ نباتات وحیوانات کے دوگروہوں کی چار لاکھ مختلف اُمتوں کو پورے انتظام کے ساتھ مختلف ومتنوع آلات مہیا کرتی ہے، تیری ربوبیت کے جلال پر اور تیری قدرت کے ہر چیز میں نافذ ہوجانے پر دلالت کرتی ہے...... اسی طرح غیر محدود جانداروں پر تقسیم ہونے والے اور خشک بسیط مٹی سے برآمد ہونے والے مختلف ومتنوع قسم کے رزق اور ان رزقوں کا پورے رحم وکرم کے ساتھ فرداً فرداً ہر جاندار تک پہنچانا، اور ان غیر محدود افراد کی اوامرِ ربّانی کی مکمل طور پر اطاعت وانقیاد کرنا اور انہیں مکمل طور پر تسلیم کر لینا، تیری رحمت کے ہر چیز کو شامل ہونے اور تیری حاکمیت کے ہر چیز کا احاطہ کر لینے کا اظہار کرتی ہے۔

اسی طرح زمین میں مخلوقات کے یہ قافلے جو کہ ہمیشہ تغیر وتبدل کی زد میں رہتے ہیں، ان قافلوں کی ادارت کرنا اور ان کا باری باری مر جانا اور زندہ ہو جانا...... اور ان حیوانات ونباتات کی ایسی ادارت اور تدبیر کرنا کہ جو صرف اور صرف ایسے علم کے ذریعے ہی ممکن ہو سکتی ہے جو ہر چیز کے ساتھ تعلق رکھتا ہو، اور وہ ایسی غیر متناہی حکمت کے ذریعے ممکن ہے جو ہر چیز میں فیصلہ نافذ کرتی ہے...... یہ چیز تیرے علم اور تیری حکمت کی ہمہ گیری پر دلالت کرتی ہے۔

اسی طرح یہ عظیم الشان عظمت، یہ غیر محدود جود وسخا اور وافر سامانی، یہ بے قید ربانی تجلّیات، یہ غیر محدود سبحانی خطابات اور اس انسان کے لیے جو کہ زمین کی موجودات میں تصرّف کرتا ہے اور اسے تھوڑے سے عرصے کے لیے غیر محدود ذمہ داریوں کا مکلف کیا گیا ہے، اور اسے کچھ ایسی صلاحیتوں سے اور معنوی آلات سے نوازا گیا ہے جو اسے غیر محدود وقت میں زندگی بسر کرنے کے لیے تیار کرتے ہیں؛ اس انسان کے لیے یہ غیر متناہی الٰہی احسانات...... یہ سب چیزیں لامحالہ دنیا کے اس چھوٹے سے مدرسے میں، دنیا کی اس عارضی سی چھاؤنی میں اور کائنات کی اس وقتی سی نمائش گاہ میں ہی منحصر نہیں ہوسکتیں، وہ اس چھوٹی سی غمگین مکدر عمر میں منحصر نہیں ہوسکتیں، اور نہ ہی اس آلودہ، بے مزا اور ناخوشگوار زندگی میں، اور نہ اس آلام ومصائب سے بھرے ہوئے جہانِ فانی میں منحصر ہوسکتی ہیں، بلکہ یہ سب چیزیں بلاشبہ ایک اور قسم کی ابدی عمر اور ہمیشہ باقی رہنے والی سعادت مندی کی طرف اور عالمِ بقا میں پائے جانے والے اخروی احسانات کی طرف اشارہ کرتی ہیں، بلکہ اس کی گواہی دیتی ہیں۔

پس اے ہر چیز کے خالق!

زمین کی تمام تر مخلوقات مسخر ہونے کی صورت میں تیری بادشاہی میں، تیری زمین میں، تیری طاقت وقوت کے ساتھ، تیری قدرت کے ساتھ، تیرے ارادے کے ساتھ، تیرے علم کے ساتھ اور تیری حکمت کے ساتھ زیرِ گردش رہتی ہیں اور وہ ربوبیت کہ زمین پر جس کی فعالیت کا مشاہدہ ہو رہا ہے، وہ شمولیت اور ہمہ گیریت کو نمایاں کرتی ہے؛ کیونکہ ان مخلوقات کی ادارت اور ان کی تدبیر وتربیت کمال درجے کی حساس چیز ہے...... اور ہر جہت میں پھیلی ہوئی ان کی کاروائیاں اتنی وحدت، معیّت اور مشابہت کی حالت میں ہیں کہ پتا چلا ہے کہ یہ ایک ایسی ربوبیت ہے اور ایسا تصرّف ہے کہ جو ٹکڑوں میں بٹنا قطعی طور پر قبول نہیں کرتا۔ اور یہ ایک ایسی کلی کی حیثیت رکھتی ہیں جس کا تقسیم ہو جانا ممکن نہیں، چنانچہ زمین اپنے تمام باسیوں سمیت زبانِ مقال سے بھی واضح تر غیر محدود فصیح زبانوں کے ساتھ اپنے خالق کی تسبیح وتقدیس کرتی ہے، وہ اپنی زبان ہائے احوال کے ساتھ، اپنے رزّاقِ جلیل کی اُس کی غیر محدود و بے شمار نعمتوں کی تعداد کے حساب سے حمد وثنا کرتی ہے۔

اے وہ کہ جو شدّتِ ظہور کی وجہ سے مختفی ہے!...... اور اے وہ کہ جو کبریائی کی عظمت کے ذریعے حجاب میں ہے! اے ذاتِ اقدس! میں زمین کی تمام تر تقدیسات اور تسبیحات کے ساتھ تیری تسبیح وتقدیس کرتا ہوں، یعنی تجھے کمی کوتاہی، عجز ودرماندگی اور شریک سے پاک سمجھتا ہوں، اور میں زمین کی تمام تحمیدوں اور ثناؤں کے ساتھ تیری حمد وثنا کرتا ہوں۔

اے بحر وبر کے رب!

میں نے قرآن کے درس اور رسولِ اکرم ﷺ کی تعلیم سے یہ سیکھا ہے:

جس طرح آسمان، فضا اور زمین تیری وحدانیت کی اور تیرے وجود کی گواہی دیتی ہے، اسی طرح سمندر، دریا،

نہریں، ندیاں اور چشمے تیرے وجود کے وجوب کی اور تیری وحدت کی — بداہت کے درجے میں — گواہی دیتے ہیں۔

جی ہاں، دنیا میں جو بھی چیز پائی جاتی ہے، بلکہ ہماری اس دنیا کے سمندروں میں جو کہ عجائبات کا سرچشمہ ہیں — کہ گویا بخارات کی ہنڈیاں ہوں — ان میں پانی کا جو ایک قطرہ بھی ہے، وہ اپنے وجود، اپنے انتظام، اپنے منافع جات اور اپنے حالات کے ذریعے اپنے خالق کا تعارف کرواتا ہے۔

اور یہ جتنی بھی عجیب وغریب مخلوقات ہیں کہ جنھیں سادہ ریت اور سادہ پانی میں ان کے رزق مکمل صورت میں بھیج دیے جاتے ہیں، ان میں سے ہر مخلوق......

اور یہ جتنے بھی سمندری حیوانات کہ جو تخلیق کا ایک مکمل شاہکار ہیں، اور خاص کر مچھلیاں جو کہ سمندروں کو زینت بخشتی ہیں اور ان میں سے صرف ایک مچھلی ہی ایک ملین کے حساب سے انڈے دے دیتی ہے...... ان میں سے ہر حیوان اپنی تخلیق، اپنے وظائف، اپنے معاملات کی تدبیر، اپنی گزر بسر اور اپنی تربیت ونشوونما کے ذریعے اپنے خالق کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اپنے رازق کی گواہی دیتا ہے۔

اسی طرح سمندر میں جتنے بھی قیمتی جواہرات اور خوبصورت انمول اور نفیس ترین خصوصیات کے حامل موتی ہیں، سب کے سب اپنی خوبصورت تخلیق، اپنی پرکشش فطرت اور اپنی نفع بخش خاصیت کے ذریعے تجھے پہچانتے ہیں اور تیری پہچان کرواتے ہیں۔

جی ہاں، جہاں ہر موتی انفرادی طور پر گواہی دیتا ہے، وہاں تمام موتی مجموعی طور پر ایک ساتھ بھی ان میں پائے جانے والے اتفاق، تداخل، اختلاط، وحدت اور تخلیق کے سکے ایجاد میں انتہائی سہولت اور انتہائی زیادہ افرادی قوت کی بنا پر ایک ساتھ تیری وحدت کی گواہی دیتے ہیں۔

زمین کو گھیرے ہوئے سمندروں کو اُن کے دُور دور تک پھیلے ہوئے بڑا عظموں سمیت آسمانوں میں اس طرح لٹکا کر رکھنا کہ وہ بہہ کر بکھر جائے بغیر، اور خشکی پر قبضہ کیے بغیر سورج کے ارد گرد تیر رہے ہیں...... اور اس کی پھیلی ہوئی سادہ ریت اور سادہ پانی سے اس کے متنوّع قسم کے منظّم حیوانات اور جواہرات پیدا کرنا...... اور ان مخلوقات کے ارزاق اور ان کے دیگر اُمور کا مکمل طور پر بندوبست کرنا...... اور اس کے نظم ونسق کا اہتمام کرنا اور اس کی سطح کو غیر محدود ضروری جنازوں سے پاک صاف کرنا...... اس کی موجودات کی تعداد کے برابر اشارے کر کے اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ تُو موجود ہے اور واجبُ الوجود ہے......

اور جس طرح یہ چیزیں کھلے عام تیری ربوبیت کی سلطنت کے جاہ وجلال پر اور تیری ہر چیز کو محیط قدرت کی عظمت پر دلالت کرتی ہیں، اسی طرح یہ تیری اس رحمت اور حکمت کی بے قید وسعت پر دلالت کرتی ہیں جو کہ آسمانوں کی بلندیوں

پر چمکتے ہوئے ضخیم و منظم ستاروں سے لے کر سمندروں کی گہرائیوں میں پائی جانے والی منظم طور پر زندگی گزارنے والی چھوٹی چھوٹی مچھلیوں تک ہر چیز پر حاوی ہیں اور ہر چیز کی مدد کرتی ہیں...... اور اپنے نظم و ضبط، اپنے فوائد، اپنی حکمتوں، اپنی امتیازی خصوصیات اور اپنی موزونیت کے ذریعے تیرے ہمہ گیر علم اور تیری ہمہ گیر حکمت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

اس دنیا کے مہمان خانے میں مہمان بن کر آنے والے اس انسان کے لیے رحمت کے اس طرح کے حوض ایجاد کر دینا اور انہیں اس کی سیر و سیاحت کے لیے، اس کے سفینے کے لیے اور اس کے منافع جات کے لیے مسخر کر دینا...... اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جو ہستی اس ریسٹورنٹ میں کہ جو اس نے اپنے مہمانوں کے لیے ان کے راستے میں بنایا ہوا ہے، اپنے مہمانوں کی مہمان نوازی سمندروں کے تحائف و عطیات کے ساتھ کرتی ہے...... اس نے اپنی ابدی سلطنت کی قیام گاہ میں اپنی وسیع ابدی رحمت کے ایسے سمندر تیار کر رکھے ہیں کہ ان میں سے جو یہاں نظر آتے ہیں وہ ان کے مقابلے میں چھوٹے چھوٹے فانی نمونے ہیں......

زمین کے اطراف میں اس خارقِ عادت انداز سے سمندروں کا پایا جانا اور ان کی مخلوقات کی ادارت کرنا اور انتہائی نظم و ضبط کے ساتھ ان کی تربیت کرنا، بدیہی طور پر یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ یہ تمام کے تمام صرف تیری بادشاہی میں، تیرے حکم کے، تیری قوت کے، تیرے نظم و نسق کے مسخر اور پابند ہیں، اور یہ اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے اپنی زبانِ حال کے ساتھ اپنے خالق کی تقدیس کرتے ہیں۔

اے قادر ذوالجلال!

اے وہ کہ جس نے پہاڑوں کو زمین کے اس سفینے کے لیے خزانوں سے بھری ہوئی میخوں کی صورت دے رکھی ہے!

میں نے رسول اکرم ﷺ کی تعلیم اور تیرے قرآنِ حکیم کے درس کے ذریعے یہ جانا ہے:

جیسے سمندر اپنے عجائب و غرائب کے ذریعے تجھے پہچانتے ہیں اور تیری پہچان کرواتے ہیں، اسی طرح پہاڑ بھی زمین کو زلزلوں کے اثرات اور ان کی تباہ کاریوں سے پرسکون رکھنے کی ضمانت دینے کے ذریعے، اُسے اس کے باطن میں چلنے والے انقلابات کی آفتوں سے بے فکر کرنے، زمین کو سمندروں کے بہاؤ اور اُن کی طغیانی سے بچانے، ہوا کو نقصان دہ گیسوں سے صاف کرنے، پانیوں کی حفاظت کرنے اور انہیں ذخیرہ کرنے اور جانداروں کی لازمی حاجات و ضروریات کا درجہ رکھنے والی معدنیات کو ذخیرہ کرنے کے ذریعے سے تجھے پہچانتے ہیں اور تیری پہچان کرواتے ہیں۔

جی ہاں، پہاڑوں کی چٹانوں کی جتنی بھی انواع ہیں، اور مختلف بیماریوں اور آفتوں کے علاجوں میں استعمال ہونے والے مواد کی جتنی بھی اقسام ہیں، جانداروں، اور خاص کر انسان کے لیے متنوّع قسم کی ضروری معدنیات کی جتنی بھی اجناس ہیں، اور اپنے پھولوں کے ساتھ پہاڑوں کو اور اپنے پھلوں کے ساتھ صحراؤں کو سجانے والی نباتات کی جتنی بھی اصناف ہیں...... ان میں پائی جانے والی حکمتوں، انتظام، حُسنِ خِلقت اور دیگر فوائد کی بنا پر کہ جنھیں اتفاق کا کرشمہ نہیں کہا

جا سکتا، اوران کے آپس میں ایک دوسرے کے مشابہ ہونے کے باوجود ان کے ذائقوں میں شدید اختلاف کا پایا جانا— اور خاص کر نمک، ست لیموں، سلفیٹ اور پھٹکری جیسی معدنیات — اور خاص طور پر بسیط مٹی سے اُبھرنے والی انواع و اقسام کی متعدد متباین نباتات اپنے انواع و اقسام کے پھلوں پھولوں سمیت یہ سب ان کے اندر پائی جانے والی وحدتِ ادارت، وحدتِ تدبیر، وحدت نشو ونما، وحدتِ مسکن، وحدتِ خِلقت، پایداری میں مساوات اور تخلیقی عمل میں ارزانی، آسانی، فراوانی اور سرعت کے پیشِ نظر، جہاں صانع کی وحدت اور اس کی احدیت کی گواہی دیتی ہیں، وہاں یہ سب کی سب بدیہی طور پر ایک غیر متناہی قدرت کے مالک صانع کے وجود کے واجب ہونے پر، ایک غیر متناہی حکمت پر اور غیر متناہی فضل و کرم پر دلالت کرتی ہیں۔

اسی طرح پہاڑوں کی سطح پر اور ان کے باطن میں زمین کی تمام جہتوں میں منتشر انواع و اقسام کی مصنوعات میں سے ہر نوع کے دیگر تمام انواع میں تداخل کے باوجود ہر نوع کی آنِ واحد میں، بغیر غلطی اور بغیر اختلاط کے انتہائی کمال اور سرعت کے ساتھ ایسے انداز میں تخلیق اور ایجاد کرنا کہ کوئی کام دوسرے کام کے آگے رکاوٹ نہ بن سکے...... یہ سب چیزیں بھی تیری ربوبیت کی ہیبت پر اور تیری اس قدرت پر دلالت کرتی ہیں جسے کوئی بھی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔

اسی طرح پہاڑوں کی سطحوں کا درختوں اور جڑی بوٹیوں سے اور ان کے اندرون کا منظم معدنیات سے پُر ہونا، اور اُن کا تمام جانداروں کی جملہ حاجات وضروریات کو پورا کرنے کے لیے اس طرح سے مسخر کر دینا کہ ان کے انواع و اقسام کے امراض کے علاج معالجے کے، بلکہ اُن کے گوناگوں اذواق کے بھی ضامن رہیں اور اُن کی متباین مرغوبات کی بھی تسکین کریں...... یہ سب کچھ تیری مطلق و بے قید رحمت اور تیری غیر متناہی حاکمیت کی وسعت پر دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح وہ چیز کہ جو مٹی کے طبقات کی تاریکیوں میں مخفی اور مخلوط ہے، اسے حسبِ حاجت بغیر کسی حیرت کے علم و بصیرت کی روشنی میں حاضر کر دینا...... تیرے ہر چیز کے ساتھ تعلق رکھنے والے علم کی ہمہ گیری، تیری ہر چیز کو نظم وضبط میں رکھنے والی اور ہر چیز کو شامل حکمت پر دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح دوائیوں کو نمایاں کر دینا اور معدنی مواد کو ذخیرہ کر دینا، تیری رحیم و کریم ربوبیت کی تدبیروں کی خوبصورتیوں اور تیری عنایت کے ذخیروں کی لطافتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس پر دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح سر بفلک پہاڑوں کو زمین کے مہمان خانے میں آنے والے مہمانوں کی زندگی کے لیے ضروی خزانوں کو مکمل کرنے والے اور مستقبل میں ان کی ضروریات کو پورا کرنے والے محفوظ خزانے اور منظم اسٹور بنا دینا...... اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے، بلکہ اس بات پر دلالت کرتا ہے، بلکہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ وہ صانع و کردگار اور وہ معزّز، مکرّم، حکیم، رؤف، قدیر اور مربی کہ جو اس فضل و کرم کا مالک ہے...... اس کے ہاں عالمِ ابدی میں، اس کے ان محبوب مسافر مہمانوں کے لیے اس کی ابدی نعمتوں کے خزانے موجود ہیں...... چنانچہ وہاں ستارے وہی ذمہ داریاں

نبھائیں گے جو پہاڑ یہاں پہ نبھا رہے ہیں۔

اے قادر علی کل شئ!

پہاڑ اور ان میں پائی جانے والی مخلوقات...... تیری بادشاہی میں، تیری قوت کے ذریعے، تیری قدرت کے ذریعے، تیرے علم کے ذریعے اور تیری حکمت کے ذریعے مسخر اور ذخیرہ کردی گئی ہیں، یہ اپنے اس فاطر کی تسبیح وتقدیس کرتی ہیں جس نے انہیں اس صورت میں ذمہ دار بنایا ہے اور مسخر کیا ہے۔

اے خالق رحمان! اور اے ربِّ رحیم!

میں نے رسول اکرم ﷺ کی تعلیم سے اور قرآنِ حکیم کے درس سے یہ سیکھا ہے:

جس طرح آسمان، فضا، زمین، سمندر اور پہاڑ اپنی تمام جمع پونجی کے ساتھ اور اپنی تمام مخلوقات سمیت تجھے پہچانتے ہیں اور تیری پہچان کرواتے ہیں، اسی طرح زمین کے تمام اشجار و نباتات اپنے پتوں اور پھولوں سمیت تجھے —بداہت کے درجے میں— پہچانتے ہیں اور تیری پہچان کرواتے ہیں......

پس ذکر کے جذبات اور ذوق وشوق سے لہلہاتے ہوئے اشجار و نباتات کا ہر پتا...... اپنی سج دھج کے ذریعے اپنے صانع و کردگار کی پہچان کروانے والا ہر پھول...... رحمت کی تجلی سے نہال اپنی نازکی سے مسکراہٹ بکھیرنے والا ہر پھل...... یہ تمام کے تمام اپنے اس نظام کے ذریعے جو کہ اس کی خارقِ عادت صنعت گری میں پایا جاتا ہے، اور اس میزان کے ذریعے جو اس نظام میں پایا جاتا ہے، اور اس زینت کے ذریعے جو اس نظام میں پائی جاتی ہے، اور زینت میں پائے جانے والے نقوش کے ذریعے، اور نقوش میں رچی بسی بوقلموں قسم کی مہک کے ذریعے، اور پھلوں سے اُٹھنے والی اس مہک میں پائے جانے والے مختلف ذائقوں کے ذریعے...... یہ سب کے سب ایک بے انتہا رحمت اور فضل وکرم کے مالک صانع و کردگار کے وجود کے وجوب پر ایسی بدیہی گواہی دے رہے ہیں کہ جس کی نسبت اتفاق کی طرف کرنا ممکن ہی نہیں۔

تو جس طرح یہ معاملہ ہر فرد کا ہے، اسی طرح تمام اشجار و نباتات ایک ساتھ بھی اپنی وحدت، اپنے اتفاق، تمام سطح زمین پر اپنی ہم آہنگی، پیدائش کے سکے میں ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت رکھنے، تدبیر و ادارت میں ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہونے میں، ایجاد کے افعال میں اسمائے ربانی اور باہمدیگر متداخل ایک لاکھ انواع واقسام کے غیر محدود افراد کی براہِ راست بغیر کسی حیرانی اور غلطی کے، بالبداہت اس واجب الوجود صانع کی وحدت اور اس کی احدیت کی گواہی دیتے ہیں۔

تو جس طرح یہ سب تیرے وجود کے وجوب کی اور تیری وحدت کی گواہی دیتے ہیں اسی طرح سطح زمین پر پائی

جانے والی چار لاکھ امتوں سے متشکل ہونے والے جانداروں کے اس لشکر جرار کی گزر بسر کا کمال اتقان اور سامانِ زیست کی فراہمی کا بغیر کسی بھول چوک اور اختلاط کے اور لاکھوں طریقے کے ذریعے کمال نظم وضبط کے ساتھ انتظام و انصرام کرنا...... بھی تیری وحدانیت میں تیری ربوبیت کی ہیبت اور جلال پر، اور تیری اس قدرت کی عظمت پر دلالت کرتا ہے، وہ قدرت کہ جوایک پورے موسم بہار کواتنی ہی آسانی کے ساتھ ایجاد کر دیتی ہے کہ جتنی آسانی کے ساتھ ایک پھول کو ایجاد کر لیتی ہے اور ہر چیز کے ساتھ اس کا تعلق جوڑ دیتی ہے۔ اور اسی طرح قطعی طور پر تیری اُس مطلق رحمت کی وسعت پر دلالت کرتی ہے جو کہ انواع واقسام کے مختلف غیر محدود کھانے تیار کرتی ہے اور انہیں اس ضخیم زمین کی تمام جہتوں میں غیر محدود جانداروں اور انسان کے سامنے حاضر کر دیتی ہے۔

اور ان تمام امور، انعامات، اشکال ادارت، انواع واقسام کے سامانِ زیست اور غیر محدود کارروائیوں کا کمال انتظام کے ساتھ جاری وساری رہنا، اور ہر چیز کا، حتی کہ ذرات کا بھی ان کارروائیوں کے سامنے سراپا تسلیم وانقیاد ہونا، تیری حاکمیت کی بے قید وسعت پر قطعی طور پر دلالت کرتا ہے۔

اور ہر چیز کا ان اشجار ونباتات کے ہر پتے، ہر پھول، ہر پھل، اور ہر جڑ، ہر شاخ اور ہر ڈالی کے لیے فائدوں، مصلحتوں اور حکمتوں کے تقاضے کے مطابق علم وبصیرت کے ساتھ سرگرمِ عمل رہنا...... اس بات پر بالکل واضح اور نمایاں طور پر دلالت کرتا ہے اور اس چیز کی طرف غیر محدود انگلیوں کے ساتھ اشارہ کرتا ہے کہ تیرا علم اور تیری حکمت ہر چیز کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہے...... اور یہ اپنی غیر محدود زبانوں کے ساتھ تیری انتہائی کمال کو پہنچی ہوئی صنعت کے جمال کی، اور انتہائی جمال کو پہنچی ہوئی نعمت کے کمال کی حمد وثنا میں مصروف ہیں۔

اسی طرح یہ قیمتی احسانات، یہ انمول عمومی نعمتیں اور یہ حد سے بڑھے ہوئے مصارف اور عزت افزائیاں جو ہمیں اس دار فانی میں، عارضی سے مہمان خانے میں اس تھوڑے سے عرصے میں اور اس چھوٹی سی عمر میں ان اشجار ونباتات کے احسانات کی طفیل ملتی ہیں...... اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں، بلکہ اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ وہ صاحبِ قدرت و صاحب کرم مہربان کہ جس نے اپنے مہمانوں کو یہ رحمت مہیا کی ہے، اس نے اپنے ان بندوں کے لیے جنھیں وہ ہمیشہ رکھنا چاہتا ہے، ایسے دائمی پھل دار درخت اور پھول دار جڑی بوٹیاں بہر کیف تیار کر رکھی ہیں جو کہ دائمی جہان اور دائمی مملکت میں پائی جانے والی جنت کے شایانِ شان ہیں...... تاکہ یہ اس کے اُن مصارف اور اس کے ان احسانات کے نتائج کے منقلب ہو جانے کے آگے رکاوٹ بن جائے جو اس نے اپنی محبت اور اپنی پہچان کے لیے صَرف کیے ہیں، ان کے نتائج کے آگے رکاوٹ بن جائے کہ اُن کے نتائج کہیں اُلٹ ہی نہ نکل آئیں، یعنی تاکہ تمام لوگ کہیں یہ نہ کہیں، یا اُن سے یہ نہ کہلوایا جائے کہ اس نے ہمیں ان نعمتوں کا مزہ تو چکھا دیا، لیکن قبل اس کے کہ ہم انہیں حاصل کر سکیں، اُس نے ہمیں معدوم کر دیا...... اور تاکہ اِس چیز کے آگے بھی رکاوٹ بن جائیں کہ کہیں اس کی اُلوہیت کی سلطنت گر نہ جائے، اپنی رحمت کی وسعت کا انکار نہ کرے اور نہ ہی کروائے اور اس کے تمام تر مشتاق مُحِبّ محروم ہو جانے کی وجہ سے کہیں دشمن نہ

بن جائیں......ایسا کیوں نہ ہو، اس نے یہ تمام نعمتیں اپنی رحمت کے دائمی خزانوں سے اور اپنی ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں مہیا کی ہیں، یہاں اس دنیا میں تو گاہکوں کے لیے صرف نمونے ہی پیش کئے گئے ہیں۔

جس طرح یہ تمام کے تمام اشجار و نباتات اپنے پتوں پھولوں اور اپنے پھلوں کے کلمات کے ساتھ تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں، اسی طرح ان کلمات میں سے ہر کلمہ فی ذات بھی تیری تقدیس کرتا ہے، اور خاص کر پھلوں اور ان کے انواع واقسام کے گودوں کی انوکھی قسم کی تخلیق، اُن کے انواع واقسام کے گودے اور مغز، ان کی عجیب وغریب قسم کی بناوٹ، ان کے خارقِ عادت بیج اور کھانے کی ان پلیٹوں کو درختوں کے ہاتھوں میں تھما دینا اور انہیں نباتات کی چوٹیوں پر رکھ دینا اور اسی طرح انہیں جانداروں کے مہمانوں تک پہنچا دینا......ایک ایسی چیز ہے جو ان کی زبان حال کی تسبیحات کو اتنی واضح اور نمایاں کر دیتی ہے کہ وہ زبان مقال کے درجے تک پہنچ جاتی ہیں۔

پس یہ سب کی سب تیری بادشاہی میں، تیری قوت اور قدرت کے ساتھ، تیرے ارادے اور تیرے احسان کے ساتھ، اور تیری رحمت اور تیری حکمت کے ساتھ مسخّر ہیں اور تیری طرف سے صادر ہونے والے ہر امر کی ماتحت و فرمانبردار ہیں۔

پس اے وہ کہ جو شدت ظہور کی وجہ سے مخفی ہوگیا ہے! اور اے وہ کہ جو کبریائی کی عظمت کے ساتھ حجاب میں ہوگیا ہے!

اے صانعِ حکیم! اور اے خالقِ رحیم!

میں تجھے کسی بھی کمی کوتاہی، عاجزی اور شریک سے پاک سمجھتا ہوا تمام اشجار و نباتات، تمام پتوں، تمام پھولوں اور تمام پھلوں کی ان کی تعداد کے برابر زبانوں کے ساتھ تیری حمد و ثنا کرتا ہوں۔

اے فاطرِ قدیر!

مدبّرِ حکیم!

اور اے مربی رحیم!

میں رسولِ اکرم ﷺ کی تعلیم اور قرآن حکیم کے درس کے ذریعے یہ بات جان چکا ہوں اور اس پر ایمان لے آیا ہوں کہ جیسے یہ نباتات و اشجار تجھے پہچانتے ہیں اور تیری صفاتِ قدسیہ اور اسمائے حسنیٰ کی جانکاری دیتے ہیں، اس سے پتا چلتا ہے کہ انسان اور حیوانات کی طرح روح کے مالک جانداروں کا ہر فرد اپنے جسم کے داخلی اور خارجی اعضا — منظم گھڑیوں کی طرح— کام کرنے والے اور کام پر لگائے جانے والے اور اپنے بدن میں انتہائی دقیق انداز سے رکھے ہوئے نظام کے ذریعے اور انتہائی حساسیت کے ساتھ رکھے ہوئے میزان کے ذریعے، انتہائی اہم فوائد کے ذریعے، غایت درجے کے پختہ صورت میں بنے ہوئے بدنی کل پرزوں کے ذریعے جو کہ انتہائی حکمت کے ساتھ بچھائے گئے ہیں انتہائی توازن کے ساتھ رکھے گئے ہیں؛ تیرے وجود کے واجب ہونے اور تیری صفات کے تحقق کی گواہی دیتا ہے۔

کیونکہ بصیرت پر مبنی اِس دقیق صنعت میں، شعور پر مبنی اِس لطیف حکمت میں، اور تدبیر پر مبنی اس کامل موازنے میں اندھی قوت، بہری نیچر، اور بے لگام اتفاق کا اس میں دخل اندازی کرنا ممکن نہیں، چنانچہ یہ تمام امور ان کے اعمال نہیں ہو سکتے...... رہی یہ بات کہ یہ چیزیں اپنی شکل صورت خود بنالیتی ہیں، تو وہ سو در سو فیصد محال ہے؛ کیونکہ اس صورت میں یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ہر ذرّہ اپنے جسم کی ترکیب کے بارے میں بلکہ دنیا میں اس کے ساتھ تعلق رکھنے والی ہر چیز کی جان پہچان رکھتا ہو، دیکھتا ہو، اور بنا سکتا ہو، یعنی ایسے ہمہ گیر علم اور قدرت کا مالک ہو کہ گویا وہ الٰہ ہے، اس کے بعد ممکن ہے کہ جسم کی تشکیل کی نسبت اس ذرے کی طرف کر دی جائے اور یہ کہا جائے کہ وہ خود ہی شکل پذیر ہو گیا ہے۔ اسی طرح وحدتِ تدبیر، وحدتِ ادارت، وحدتِ نوع، وحدتِ جنس اور وحدتِ سکّۂ فطرت کہ جس کا متفق ہونے کا مشاہدہ ان کی آنکھ، کان اور منہ وغیرہ یعنی عمومی طور پر ان کے چہرے پر ہو رہا ہے، اور ایک نوع کے افراد میں سے ہر فرد اور حکمت کے سکے کا اتحاد کہ جو ایک نوع کے افراد میں سے ہر فرد کی پیشانی میں ظاہر نظر آ رہا ہے، اور گزر بسر کے سامان کی فراہمی میں ہم آہنگی، اور ان کے ایک دوسرے میں باہم متداخل ہونے کے باوجود ایجاد کا عمل...... جانداروں کی ان عمومی کیفیات میں سے کوئی بھی کیفیت نہیں مگر وہ اپنے دامن میں تیری وحدت کی ایک قطعی گواہی اور واحدیت میں تیری احدیت کا اشارہ لیے ہوئے ہے؛ کیونکہ اس کے تمام تر افراد میں سے ہر فرد کون و مکان کی طرف دیکھنے والے تمام اسما کی تجلیات کا مالک ہے۔

اسی طرح انسان کے ساتھ ساتھ اس سطحِ زمین پر بکھرے ہوئے انواع و اقسام کے لاکھوں حیوانات کو مسخر کرنا، انہیں تیار کرنا اور ان کی تدریب و تربیت کرنا اور انہیں اس طرح سے مطیع و مسخر کر دینا کہ گویا وہ ایک منظم لشکر ہو، اور ان میں آخری درجے کے نظم و ضبط کے ساتھ — کہ جو تیری اس ربوبیت کے جلال پر دلالت کرتا ہے — ربوبیت کے اوامر کا جاری و ساری رہنا؛ انتہائی کثرت میں ہونے کے باوجود ان مخلوقات کا بیش قیمت ہونا، انتہائی کمال کی صورت میں ہونے کے باوجود ان کا انتہائی سرعت کے ساتھ ایجاد ہونا، اور غایت درجے کی مضبوطی و استواری میں ہونے کے باوجود ان کی تخلیق کا انتہائی سہولت کے ساتھ ہونا...... تیری قدرت کے درجۂ عظمت پر قطعی طور پر دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح مشرق و مغرب، جنوب اور شمال کے آخری سروں میں چھوٹے سے چھوٹے مائکروب (جرثومہ) سے لے کر دریائی گھوڑے تک، اور چھوٹے سے چھوٹے کیڑے سے لے کر ضخیم ترین پرندے تک؛ جیسی بکھری ہوئی مخلوقات کو ان کا رزق پہنچانا، تیری بے قید رحمت کی وسعت پر دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح سطحِ زمین کا ہر موسمِ گل میں اِن موجودہ مخلوقات کے لیے ایک چھاؤنی کا روپ دھار جانا جو کہ ان مخلوقات کی جگہ پر آئی ہیں جو گزشتہ خزاں میں اپنی خدمات سر انجام دے چکی ہیں، اور ان دونوں مخلوقوں کا اپنی فطری ذمہ داریاں اس انداز سے ادا کرنا کہ گویا یہ ایک مطیع و فرمانبردار سپاہی ہے جو کہ نئے سرے سے کوچ کرنے کے لیے رختِ سفر باندھ رہا ہے...... تیری مطلق حاکمیت کی وسعت پر قطعی دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح جیسے ہر حیوان اپنی ایسی ہستی کے ذریعے کہ جیسے وہ کائنات کا ایک چھوٹا سانسخہ ہو، جسے انتہائی گہرے علم کے ساتھ، انتہائی باریک حکمت کے ساتھ، مخلوط اجزاء کے مابین آمیزش کے بغیر، تمام تر حیوانات کی متباین صورتوں کے درمیان کسی تحیر کے بغیر، اور کسی بھی خطاونسیان اور کمی کوتاہی کے بغیر پیدا کیا گیا ہے...... تمام حیوانات کی تعداد کے برابر تیرے ہر چیز کے بارے میں ہمہ گیر علم اور ہمہ گیر حکمت کی طرف اشارے کرتا ہے...... اسی طرح ان میں سے ہر حیوان کو ایسے پختہ اور خوبصورت انداز میں پیدا کرنا کہ جس سے وہ صنعت گری کا ایک معجزہ اور حکمت کا ایک انوکھا شاہکار بن جاتا ہے...... تیری صنعتِ ربانی کے کمال حسن اور اس کے غایت درجے کے جمال کی طرف اشارہ کرتا ہے، وہ صنعت کہ تو جسے پیش کرنا چاہتا ہے اور جس کی نشر و اشاعت کرنا چاہتا ہے۔

اسی طرح ہر چیز کی اور خاص کر چھوٹی چیزوں کی انتہائی نرمی اور لطافت کی حالت میں تربیت کرنا اور ان کی تمام تر خواہشوں اور امیدوں کو پورا کرنا...... تیری عنایت کے دلکش حسن و جمال کی طرف غیر محدود اشارے کرتا ہے۔

اے رحمن رحیم!

اے صادق الوعد الأمین!

اور اے مالک یومِ الدین!

میں نے تیرے رسول اکرم ﷺ کی تعلیم کے ذریعے اور تیرے قرآن حکیم کی رہنمائی کے ذریعے یہ جانا ہے:

زندگی جب کائنات سے کشید کردہ سب سے بڑا ماحصل اور نتیجہ ہے، اور روح زندگی کا ماحصل اور خلاصہ ہے، اور ذی ارواح مخلوقات کی تمام اقسام کے مابین ذی شعور مخلوقات کا خالص نتیجہ ہیں، اور انسان تمام ذی شعور مخلوقات میں جامع ترین مخلوق ہے، اور تمام کائنات زندگی کے لیے مسخر ہے اور اس کے لیے بھاگ دوڑ کر رہی ہے۔ اور ذی حیات ذی ارواح کے مسخر ہیں اور دنیا میں انہی کے لیے بھیجے گئے ہیں، اور ذی ارواح انسان کے مسخر ہیں اور دائمی طور پر اس کے تعاون کے لیے سرگرم ہیں، اور لوگ فطری طور پر اپنے خالق کے ساتھ خالص محبت رکھتے ہیں، اور ان کا خالق ان کے ساتھ محبت رکھتا ہے اور ہر وسیلے کے ذریعے اپنی ذات کو ان کا محبوب بناتا ہے، اور انسان کی استعداد اور اس کے معنوی کل پرزے ہمیشہ باقی رہنے والے کسی اور عالم کی طرف دیکھتے ہیں اور ہمیشہ رہنے والی کسی اور زندگی کی طرف آنکھیں لگائے ہوئے ہیں، اور اس کا دل اور اس کا شعور بقا کے طلب گار ہیں اور اس کی طرف لپکتے ہیں، اور اس کی زبان بقا کی طلب کرتی ہوئی غیر محدود دعاؤں کے ذریعے اپنے خالق کی قربت کی متلاشی ہے...... اس لیے اپنے ان محبوں اور محبوبوں کو ان کی موت کے بعد دوبارہ زندہ نہ کر کے غصے اور ناراض کرنا کسی بھی طور ممکن نہیں، جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ انہیں بنیادی طور پر پیدا ہی دائمی محبت کے لیے کیا گیا ہے، اور انہیں اس دنیا میں اس حکمت کے تحت بھیجا گیا ہے کہ یہ کسی دیگر ابدی جہان میں پر سعادت زندگی حاصل کر لیں۔

پھر وہ اسمائے حسنیٰ جو کہ انسان پر تجلّی ریز ہیں، اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ وہ جو کہ اس چھوٹی سی فانی دنیا میں ان اسمائے حسنیٰ کی تجلیات کا عکس ریز آئینہ ہے، عنقریب عالمِ بقا میں ان کی ابدی تجلیات سے بہرہ وَر ہوگا۔

جی ہاں، خلود آشنا ہستی کا سچا دوست خلود آشنا ہوگا، اور بقا کا شعور رکھنے والے آئینے کا بقا بدوش ہو جانا لازمی امر ہے، اور جیسے کہ صحیح روایات میں آیا ہے کہ: ''حیوانات کی روحیں دائمی طور پر باقی رہیں گی، اور حیوانات کے بعض خاص افراد کی روحیں اپنے اجساد سمیت عالمِ بقا کی طرف روانہ ہو جائیں گی، جیسے حضرت سلیمانؑ کا ہدہد اور چیونٹیاں، صالحؑ کی اونٹنی، اصحابِ کہف کا کتا[1] ، اور یہ کہ ان میں سے ہر نوع کبھی کبھی استعمال میں آنے کے لیے جسم کا روپ اختیار کر جائے گی۔ پس حکمت اور حقیقت کا اور اسی طرح رحمت اور ربوبیت کا تقاضا یہی ہے۔

اے قدیرِ قیوم!

تمام ذی حیات، تمام ذی ارواح اور تمام ذی شعور تیری بادشاہی میں تیری ربوبیت کے اوامر کے لیے صرف تیری ہی قوت وقدرت کے بل پر تیرے ارادے کے ساتھ، تیری تدبیر کے ساتھ اور تیری رحمت اور تیری حکمت کے ساتھ فطری وظائف کو ادا کرنے والے ملازم اور تیری ربوبیت کے اوامر کو نبھانے کے لیے مسخر ہیں۔

ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جنھیں انسان کے لیے خود اس کی طاقت، قوت اور غلبے کے بل پر نہیں بلکہ اس کے فطری ضعف و عجز کی وجہ سے محض تیری رحمت کی طرف سے مسخر اور ماتحت کر دیا گیا ہے، چنانچہ ہر جاندار اپنے خالق و باری و معبود کی تسبیح کرتا ہوا، اسے کمی کوتاہی اور شرک سے پاک کہتا ہوا، اس کی حمد و ثنا کرتا ہوا اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہوا اپنی زبانِ حال اور زبانِ مقال کے ساتھ اپنی خصوصی عبادت ادا کر رہا ہے۔

پاک ہے تو اے وہ کہ جو شدتِ ظہور کی وجہ سے مختفی ہو گیا ہے! اور پاک ہے تو اے وہ کہ جو کبریائی کی عظمت کی وجہ سے حجاب میں ہو گیا ہے!

میں اس بات کی منادی کرتا ہوا تمام تر ذی ارواح کی تسبیحات کے ذریعے تیری تقدیس کرتا ہوا کہتا ہوں:

سُبْحَانَكَ يَامَنْ جَعَلَ مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ

یارَبَّ العالمین! یا الٰہ الاولین والآخرین!

یارب السموات والارضین!

---

[1] مقاتلؒ کی روایت کے مطابق اہل ایمان کے ساتھ جنت میں دس جانور جائیں گے: صالحؑ کی اونٹنی، ابراہیمؑ کا بچھڑا، اسماعیلؑ کا مینڈھا، موسیٰؑ کی گائے، یونسؑ کی مچھلی، عزیرؑ کا گدھا، سلیمانؑ کی چیونٹی، بلقیس کا ہدہد، اصحاب کہف کا کتا اور محمدؐ کی اونٹنی، یہ سب کے سب مینڈھے کی شکل میں تبدیل ہو کر جنت میں داخل ہوں گے۔ تفسیر روح البیان: 5/226، تفسیر قرطبی: 1/372 (مترجم)

میں رسولِ اکرم ﷺ کی تعلیم کے ذریعے اور قرآن حکیم کے درس کے ذریعے یہ بات جان چکا اور مان چکا ہوں کہ:

جیسے آسمان، فضا، زمین، بحر، برّ، شجر، نباتات اور حیوانات...... تجھے اپنے افراد، اجزاء اور اپنی ذات سمیت پہچانتے ہیں، اور تیرے وجود کی اور تیری وحدت کی گواہی دیتے ہیں، اس پر دلالت کرتے ہیں اور ان کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اسی طرح انبیا، اولیا اور اصفیا جو کہ نوعِ انسان کا خلاصہ ہیں وہ نوعِ انسان جو کہ ان ذی حیات مخلوقات کا خلاصہ ہے جو کہ کائنات کا خلاصہ ہیں...... یہ سب کے سب تیرے وجود کے وجوب کی، تیری وحدانیت کی اور تیری احدیت کی گواہی دیتے ہیں اور خبر دیتے ہیں، ایسی قطعی خبر کہ جو سینکڑوں اجماعات اور ان سینکڑوں تواتروں کی قوت اور قطعیت کی حامل ہے جو کہ ان کے دلوں اور ان کی عقلوں کے مشاہدات پر بھروسا رکھتے ہیں، جن کا اُن کے قلوب وعقول پر انکشاف ہوا ہے، ان پر الہام ہوا ہے اور انہوں نے ان کا استخراج کیا ہے، اور وہ اپنی ان خبروں کا اثبات اپنے معجزات، اپنی کرامات اور اپنی یقینی براہین کے ساتھ کرتے ہیں۔

جی ہاں، دلوں میں ایسا کوئی غیبی خیال نہیں آتا جو اس ذات کی طرف اشارہ نہ کرتا ہو جس کے بارے میں غیب کے پردے کے پیچھے سے خبر دی گئی ہے...... اور ان میں آنے والا کوئی ایسا سچا الہام نہیں جو اس ذات کے دیدار کو واجب نہ کرتا ہو جس کے بارے میں الہام ہوتا ہے...... اور ان میں پایا جانے والا ایسا کوئی یقینی عقیدہ نہیں ہے جو تیری قدسی صفات اور تیرے اسمائے حسنیٰ کے بارے میں حقُّ الیقین کی حد تک انکشاف نہ کرتا ہو...... اور انبیا و اولیا میں ایسا کوئی نورانی دل نہیں ہے جو واجبُ الوجود کے انوار کا عینُ الیقین کی حد تک مشاہدہ نہ کرتا ہو...... اور اصفیا و صدّیقین میں ایسی کوئی نورانی عقل نہیں ہے جو ہر چیز کے خالق کے وجود کے وجوب کی آیات کی تصدیق نہ کرے اور اس کی وحدت کی براہین کا علمُ الیقین کی حد تک اثبات نہ کر سکے...... مگر وہ تیرے وجود کے وجوب کی، تیری مقدّس صفات کی، تیری وحدت کی، تیری احدیت کی اور تیرے اسمائے حسنیٰ کی بھرپور گواہی دیتا ہے، ان پر دلالت کرتا ہے، اور اُن کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اور کوئی نمایاں اور سرکردہ معجزہ نہیں جو کہ سید الانبیا والاولیا والاصفیا والصدیقین اور ان کے سرخیل اور ان کے لبِّ لباب رسول اکرم ﷺ کی تصدیق نہ کرتا ہو، اور نہ ہی ان کی حقانیت کو نمایاں کرنے والے بلند ترین حقائق میں سے کوئی ایسی حقیقت ہو...... اور قرآنِ معجز بیان کہ جو تمام حقیقی مقدّس کتابوں کا خلاصہ پیش کرتا ہے، اس کی توحید کی آیات میں سے ایسی کوئی آیت نہیں اور اس کے قدسی مسائل میں سے ایسا کوئی مسئلہ نہیں...... جو تیرے وجود کے وجوب کی، تیری مقدّس صفات کی، تیری وحدت کی، تیری احدیّت کی، تیرے اسمائے حسنیٰ کی اور تیری صفاتِ جلیلہ کی گواہی نہ دیتا ہو، کسی نہ کسی دلالت کا مالک نہ ہو، اور کوئی نہ کوئی اشارہ پیش نہ کرتا ہو۔

اور جس طرح سچی خبریں دینے والے یہ تمام سچے لوگ جو کہ لاکھوں کی تعداد میں شمار ہوتے ہیں، اپنے معجزات، اپنی کرامات اور اپنی دلیلوں پر اعتماد کرتے ہوئے تیرے وجود کی اور تیری وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں...... یہ لوگ اجماع

اور اتفاق کے ساتھ، ہر چیز کا احاطہ کرنے والے عرشِ اعظم کے کلّی امور کی ادارت سے لے کر، دل اور اُس کے رازوں کے جزوی خلجانات وخیالات وخفیہ معاملات، اس کی آرزوؤں، اس کی دعاؤں، اس کی باتیں سننے اور اس کی ادارت و تدبیر کرنے تک ہر چیز میں جاری وساری تیری ربوبیت کے جلال کے درجۂ عظمت کی خبر دیتے ہیں اور اس کا اثبات کرتے ہیں، اور تیری اس قدرت کی اہمیت کا اعلان کرتے ہیں جو کہ ہماری آنکھوں کے سامنے بیک دفعہ اشیا کو ایجاد کرتی ہے، اور بڑی سے بڑی چیز کو اتنی آسانی کے ساتھ پیدا کر لیتی ہے کہ جیسے ایک چھوٹا سا کیڑا ایجاد کرنا ہو، اور صورتِ حال یہ ہے کہ کوئی فعل دوسرے فعل کے آگے رکاوٹ نہیں بنتا ہے۔

اور جیسے وہ تیری بے قید رحمت کی وسعت کہ جس نے کائنات کو ذی ارواح کے لیے اور خاص کر انسان کے ایک سر بفلک محل بنا دیا ہے، اور جس نے جن وانس کے لیے جنت اور ابدی سعادت تیار کر رکھی ہے، اور جو کہ چھوٹے سے چھوٹے جاندار کو بھی بھولتی نہیں اور عاجز ترین دل کو مطمئن کرنے اور اس کے ساتھ لطافت کا سلوک کرنے کے لیے سرگرم عمل رہتی ہے؛ اس رحمت کے بارے میں خبر دیتے ہیں اور اپنے معجزات اور اپنے دلائل کے ساتھ اس کا اثبات کرتے ہیں...... اور تیری اس بے قید حاکمیت کی وسعت کے بارے میں خبر دیتے ہیں جو کہ ذروں سے لے کر ستاروں اور انواع واقسام کی تمام مخلوقات کو ذمہ داریاں دیتی ہے اور انہیں اپنے اوامر کے ماتحت کرتی ہے......

اسی طرح وہ اجماع واتفاق کے ساتھ تیرے اس علمِ محیط کی ہمہ گیری کی گواہی دیتے ہیں، دلیل دیتے ہیں اور اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جس نے تمام کائنات کو ایک بہت بڑی کتاب بنا دیا ہے، جس میں خود اس کے اپنے اجزاء کی تعداد کے برابر رسائل موجود ہیں، اور جس نے موجودات کے تمام حوادث کو ''امامِ مبین''، اور ''کتابِ مبین'' میں درج کر رکھا ہے جو کہ ''لوحِ محفوظ'' کے دو رجسٹر ہیں، اور جس نے بیجوں میں درختوں کی جُملہ فہرستیں اور تمام منصوبے رکھ دیے ہیں، اور جس نے شعور واحساس رکھنے والے سروں میں پائی جانے والی تمام قوت ہائے حافظہ میں کسی بھی غلطی کے بغیر پورے نظم وضبط کے ساتھ ان کی تواریخِ حیات درج کر دی ہیں......

اور اسی طرح وہ تیری اس ہمہ گیر مقدّس حکمت کی ہمہ گیری کے بارے میں خبر دیتے ہیں جس نے تمام کائنات کو بہت سی حکمتوں سے مزین کر رکھا ہے۔ اس حد تک کہ اس نے ہر درخت کو اس کے پھلوں کی تعداد کے برابر نتائج و ماحاصل سے نواز دینے والی صلاحیتیں عطا کر دی ہیں، اور جس نے ہر ذی حیات میں اس کے اعضا کی تعداد کے برابر، بلکہ اس کے اجزا وخلیات کی تعداد کے برابر مصلحتیں رکھ دی ہیں، حتیٰ کہ اُس نے انسان کی زبان کو متعدد وظائف پر لگانے کے ساتھ ساتھ اُسے مختلف کھانوں کے ذائقوں کی تعداد کے برابر ذوقی پیمانوں سے بھی لیس کر رکھا ہے...... اور وہ ان جلالی و جمالی اسما کی تجلیات کہ جن تجلیات کے آثار اس دنیا میں نمایاں ہیں، ان تجلیات کے اَبد الآباد تک تابندہ ورخشندہ تر صورت میں استمرار ودوام کی، اور تیری وہ نعمتیں کہ جن کے نمونے اس فانی دنیا میں نظر آ رہے ہیں، ان نعمتوں کے دارِ

سعادت میں زیادہ خوبصورت اور زیادہ تابناک صورت میں باقی رہنے کی اور جنّت میں ان نعمتوں کے ان اہلِ شوق کے عین موافق ہونے کی اور اُن کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کی خبر دیتے ہیں جو اِس دُنیا میں ان نعمتوں سے بہرہ وَر ہوئے۔

پس سرفہرست رسول اکرم ﷺ اپنے سینکڑوں نمایاں ترین معجزات پر تکیہ کرتے ہوئے اور قرآن کریم اپنی فیصلہ کن آیات کے سہارے، پھر تمام انبیاء علیہم السلام جو کہ تابندہ روحوں کے مالک ہیں، اور تمام اولیا جو کہ نورانی دلوں والے اقطاب ہیں، اور تمام اصفیا جو کہ روشن عقلوں کے مالک ہیں...... آپ نے تمام آسمانی کتابوں میں اور مقدّس صحیفوں میں بار بار جو وعدو وعید ذکر کیے ہیں، اُن کا سہارا لیتے ہوئے، اور تیری قدرت، رحمت وعنایت، حکمت اور جلال و جمال جیسی قدسی صفات ومقدس معاملات پر اعتماد کرتے ہوئے، اور تیری ربوبیت کے سلطان وجلال کی عزّت پر بھروسا کرتے ہوئے جنوں اور انسانوں کو ابدی سعادت کی خوشخبری دیتے ہیں اور گمراہوں کو جہنم سے ڈراتے ہیں۔ اور وہ خود اس پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور اس کی گواہی بھی دیتے ہیں۔

اور اپنے کشف ومشاہدات اور اپنے علم الیقین پر مبنی عقیدۂ راسخہ کے ذریعے خوشخبریاں دیتے ہیں۔

اے قادرِ حکیم! اے رحمٰنِ رحیم! اے صادق الوعد الکریم!

اے عزت وعظمت وجلال کے مالک قہارِ ذوالجلال......

تو مقدّسِ مطلق ہے، تو اس بات سے بلند اور پاک ہے کہ اپنے اتنی تعداد کے سچے دوستوں کو، اپنے متعدد وعدوں کو، اپنی صفاتِ جلیلہ کو اور اپنے شئوونِ مقدسہ کو جھوٹا کر دے، اور اس طرح وہ چیزیں اوجھل کر دے جن کا تیری ربوبیت کی سلطنت حتمی طور پر تقاضا کرتی ہے، اور ان بے شمار دعاؤں اور صداؤں کو ردّ کر دے جو تیرے اُن مقبول بندوں کی طرف سے صادر ہو رہی ہیں جن کے ساتھ تو نے محبت کی ہے، اور انہوں نے تیرے ساتھ محبت کی ہے، اور انہوں نے ایمان، تصدیق اور فرمانبرداری کے ذریعے خود کو تیرا محبوب بنالیا ہے...... پس تو ان اہلِ ضلالت اور اُن اہلِ کفر کی تصدیق کرنے سے مطلق طور پر منزّہ، متعال اور مستغنی ہے جو حشر کا انکار کر کے تیری کبریائی کی عظمت کے مقابلے میں آتے ہیں اور کفر و نافرمانی کر کے اور تجھے تیرے کیے ہوئے وعدوں کے بارے میں جھوٹا کہہ کے تیرے جلال کی عزّت پر ظلم کرنے کا سبب بنتے ہیں اور تیری الوہیت کی ہیبت کی اور تیری ربوبیت کی شفقت کی بے حرمتی کرتے ہیں۔

پس میں تیرے عدل کی، تیرے جمال کی اور تیری غیر متناہی رحمت کی بے حد وحساب تقدیس کرتا ہوں اور اسے اس غیر متناہی ظلم وقباحت سے پاک سمجھتا ہوں اور اس بات میں رغبت رکھتا ہوں کہ اپنے وجود کے ذرّات کے برابر آیتِ کریمہ: ﴿سُبْحَانَهُ وَ تَعَالَىٰ عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا﴾ کی تلاوت کرتا رہوں، بلکہ تیرے وہ سچے رسول جو کہ تیری سلطنت کے حقیقی داعی ہیں، حق الیقین، عین الیقین اور علم الیقین کے ساتھ عالمِ بقا میں تیری رحمت کے اور تیری نعمتوں کے اخروی خزانوں کی گواہی دیتے ہیں، ان کی خوشخبری دیتے ہیں اور ان کی طرف اشارے کرتے ہیں، اور دارِ سعادت

میں تیرے اسمائے حسنیٰ کی جلوہ ریز ہونے والی خارقِ عادت تجلیات کا انکشاف کرتے ہیں، اور تیرے اہلِ ایمان بندوں کو یہ بات باور کرواتے ہیں کہ اسم گرامی ''الحق'' کی سب سے عظیم شعاع جو کہ تمام حقائق کا مرجع، ان کا سورج اور ان کا حامی ہے، وہ ہے: حشر کی سب سے بڑی حقیقت۔

اے ربُّ الانبیا والصدیقین!

یہ سب کے سب تیری بادشاہی میں، تیرے حکم پر، تیری قدرت کے بل پر تیرے ارادے کے ذریعے، تیری تدبیر کے ساتھ، تیرے علم کے ساتھ اور تیری حکمت کے ساتھ مسخر اور ملازم ہیں......ان لوگوں نے کرۂ ارض کو تقدیس و تسبیح و تکبیر و تحمید اور تہلیل کے ذریعے ایک عظیم ترین دائرُ الذکر بنا دیا ہے، اور کائنات کو عبادت کے لیے سب سے بڑی مسجد کی صورت میں نمایاں کر دیا ہے۔

یاربّی! ویاربَّ السموات والارضین! یاخالقی! ویاخالق کل شیئ!

اپنی اس قدرت، اُس ارادے، اس حکمت، اس حاکمیت اور اُس رحمت کی برکت سے کہ جس کے ذریعے تُو نے آسمانوں کو ان کے ستاروں سمیت اور زمین کو اس کی مشمولات سمیت اور تمام مخلوقات کو ان کی تمام ترکیفیات وانواع سمیت مسخر کیا ہے:

میرے لیے میرے نفس کو مسخر کردے، میرے لیے میرے مطلوب کو مسخر کردے۔

لوگوں کے دلوں کو ''رسائل نور'' کے لیے مسخر کردے تاکہ وہ قرآن اور ایمان کی خدمت کریں۔

مجھے اور میرے بھائیوں کو ایمان کامل اور حسنِ خاتمہ عطا کر۔ جیسے تو نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے سمندر کو، ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کو، داود علیہ السلام کے لیے پہاڑوں کو اور لوہے کو، سلیمان علیہ السلام کے لیے جن وانس کو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شمس وقمر کو مسخر کیا، قلوب وعقول کو رسائل نور کے لیے مسخر کردے۔

اور مجھے اور طلبا رسائلِ نور کو نفس اور شیطان کے شر سے، عذابِ قبر سے اور جہنم کی آگ سے محفوظ رکھ اور جنت الفردوس میں ہمیں سعادت سے ہمکنار کر۔

آمین! آمین! آمین!

﴿سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾

﴿وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾

یہ درس جس کا اقتباس میں نے قرآن کریم سے اور "الجوشن الکبیر" نامی مناجات نبوی[1] جو سے کیا ہے، اسے میں ایک فکری عبادت کی صورت میں اپنے ربِ رحیم کے درِ دولت پر پیش کرتا ہوں، اگر مجھ سے اس میں کوئی کمی یا کوتاہی سرزد ہو گئی ہے تو میں قرآنِ کریم کو اور الجوشن الکبیر کو اپنا سفارشی بناتا ہوا اور اپنی تقصیر سے درگذر کی امید کرتا ہوا اس کی رحمت کی پناہ میں آتا ہوں۔

سعید نورسی

[1] جوشن، سینے پر پہنی جانے والی زرہ کو کہا جاتا ہے، یہ ایک بڑی دلکش مناجات نبوی ہے جو کہ امام زین العابدینؒ کی روایت سے مروی ہے۔
یہ مناجات اسمائے الٰہیہ اور صفاتِ جلیلہ پر مشتمل ہے۔ اور دو ٹکڑوں کے درمیان یہ الفاظ آتے ہیں:
سُبْحَانَكَ يَا لَا اِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ. الْأَمَانُ الْأَمَانُ أَجِرْنَا مِنَ النَّارِ... خَلِّصْنَا مِنَ النَّارِ... نَجِّنَا مِنَ النَّارِ. (مترجم)

پانچواں حصہ

دَنیزلی

دنیزلی کے دنوں کی داستان[1]

[ستمبر 1943—جولائی 1944]

رسائلِ نور کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا تھا، اُس کی فتوحات کا پھریرا مسلسل لہراتا جا رہا تھا، اور اس کے پیاسے قارئین کرام کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ پس پردہ کام کرنے والے اسلام دشمنوں نے جب رسائل کی عجیب وغریب قوت اور دل میں اتر جانے والی تاثیر دیکھی تو ان کے اور ان کے مؤلف کے خلاف نئے سرے سے سازشوں کے جال بُننے شروع کر دیے، چنانچہ مؤلف کے خلاف بہت سی تہمتیں تراشی گئیں، اور یہ الزام لگائے گئے کہ وہ بہت سے سازشی منصوبوں میں ملوث ہیں، ان میں سے ایک یہ تھا کہ: بدیع الزمان ایک خفیہ تنظیم کی بنیاد رکھ رہا ہے اور لوگوں کو حکومت کے خلاف بھڑکا رہا ہے، اور انقلاب کے بہت سے کارناموں کی بنیادیں اُکھاڑ رہا ہے،[2] اور مصطفی کمال کے بارے میں کہہ رہا ہے کہ یہ دجال ہے، سفیانی ہے، اور غارت گردین ہے، اور اپنے اس دعوے کو وہ کچھ احادیث کی روشنی میں ثابت کرتا ہے۔

اس بنا پر اُستاد کو ان کی ''قسطمونو'' والی رہائش گاہ سے گرفتار کر لیا گیا، اور ان کے ساتھ ان کے ایک سو چھبیس طلبہ کو بھی گرفتار کیا گیا جن کا تعلق ''قسطمونو''، ''اسپارٹا''، ''دنیزلی'' اور ''انقرہ'' وغیرہ جیسے مختلف علاقہ جات سے تھا، اور ان سب کو ''دنیزلی'' کی فوجداری عدالت میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ واقعہ 1943ء کا ہے۔[3]

---

[1] ترکی کے جنوب مغرب کے قریب ایک صوبے کا نام۔

[2] انقلاب کے کارناموں سے مراد یہاں وہ کاروائیاں ہیں جو خلافت کو گرانے اور جمہوریت کا اعلان کر دینے کے بعد فرض کر دی گئی تھیں، جن کا مقصد صرف اور صرف اسلام کے شعائر وشرائع کو ملیامیٹ کرنا تھا۔

[3] ''دنیزلی'' کی جیل میں دھکیلے جانے کا سبب رسائل نور کا اپنے دو مرکزوں ''اسپارٹا'' اور ''قسطمونو'' سے نکل کر تمام صوبہ جات میں پھیل جانا اور اس کے نتیجے میں لوگوں کا مسلسل دین کی طرف مائل ہوتے جانا تھا، حتی کہ ''الآیۃ الکبریٰ'' نامی رسالہ جو کہ — ساتویں شعاع ہے ''دنیزلی'' والے اس واقعہ سے تھوڑے ہی عرصے پہلے شائع ہوا تھا، اس رسالے میں جس خوبصورت انداز سے ایمان کے حقائق کا اثبات کیا اور ان کی وضاحت کی گئی تھی، اس نے ملحدوں کے خوف وخدشات کو بیدار کر دیا تھا، چنانچہ انہیں جیل بھیجنے کے جو اسباب بتائے گئے تھے، ان میں سے ایک سبب یہ رسالہ بھی تھا۔

پھر چند ماہرین پر مشتمل ایک کمیشن تشکیل دیا گیا جس کی ذمہ داری استاد کے ان رسائل و مراسلات میں تحقیقی نظر ڈالنا تھی جن پر پابندی عائد کر دی گئی تھی، اور انہیں گہری نظر سے دیکھنا تھا کہ اُن میں کہیں سیاسی موضوعات پر تو بحث نہیں کی گئی ہے؟ کمیشن نے جبھی اپنا کام شروع کیا بدیع الزمان نے یہ کہتے ہوئے اعلان کر دیا کہ: ''یہ صرف نام کا ہی کمیشن ہے، یہ رسائل نور میں تحقیقی و تدقیقی نظر ڈال ہی نہیں سکتا...... اس لیے انقرہ کے اہلِ علم افراد پر مشتمل کمیٹی تشکیل دی جانی چاہیے اور یورپ سے غیر جانبدار فلاسفہ و مفکرین کو بلانا چاہیے، تب اگر انہیں ان رسائل میں کوئی جرم نظر آئے تو میں کڑی سے کڑی سزا پر بھی راضی ہوں۔''

استاد کے اس مطالبے پر ان کے رسائل اور مراسلات انقرہ کے کبار علما اور پروفیسروں پر مشتمل ماہرین کی کمیٹی کے سپرد کر دیے گئے، انہوں نے رسائل کی ایک ایک سطر کی چھان بین کی اور پھر عدالت کے سامنے یہ رپورٹ پیش کی:

> ''بدیع الزمان کے سامنے کوئی سیاسی سرگرمی نہیں ہے، اور اس کے مسلک میں کسی صوفیانہ سلسلے کا یا کسی سیاسی تحریک کا وجود بھی نہیں ہے، اس کی تالیفات علمی اور ایمانی موضوعات پر مشتمل ہیں، اور صرف قرآن کی تفسیر ہیں۔''

اور اس رپورٹ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عدالت میں ان کے خلاف جتنے بھی الزام لگے تھے، صرف منصوبہ بند سازشیں اور افترا پردازیاں تھے، جن کی کوئی دلیل اور قابلِ اعتماد ذریعہ نہیں تھا۔

آخر میں بدیع الزمان نے ایک ناقابلِ تردید دفاعی بیان دیا اور عدالت نے بالآخر متفقہ طور پر 1944/6/16 میں اُن کی بے گناہی کا فیصلہ صادر کر دیا جس کے نتیجے میں رسائل نور کے ایک سو تیس اجزا سے پابندی اٹھالی گئی، ان کے تمام چھینے گئے نسخے ان کے مالکوں کو لوٹا دیے گئے، اور ان کی برأت کے اس فیصلے کی فوجداری عدالت نے 1944/12/30 میں متفقہ طور پر تصدیق کی اور اسے برقرار رکھا۔ اور اس طرح رسائلِ نور کے دعوے کی حقانیت نے مقدمہ جیتنے کا اعزاز حاصل کر لیا۔ اس فیصلے کی روشنی میں بدیع الزمان اور ان کے شاگردوں کو نو ماہ جیل میں رکھنے کے بعد آزاد کر دیا گیا، البتہ یہ ہوا کہ اس جیل میں استاد کو زہر دے دیا گیا تھا جس سے ان کی حالت غیر ہوگئی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت نے انہیں بچالیا، اس کے علاوہ بھی اس جیل میں ان پر اتنا ظلم ہوا کہ پہلے کسی پر نہیں ہوا تھا، لیکن یہ تمام ظلم وستم انہیں حق وحقیقت کی راہ سے برگشتہ اور خوف زدہ نہ کر سکے، اور موت کا خوف بھی ان کے پائے ثبات میں لرزش پیدا نہ کر سکا، حتیٰ کہ دنیزلی کی اس جیل میں تو انہیں لایا ہی اس لیے گیا تھا کہ انہیں پھانسی دینے کے لیے زمین ہموار کی جا سکے۔ ان تمام عدالتوں میں ان کے ساتھ اسی طرح کا سلوک ہوا جہاں انہیں پس پردہ کام کرنے والے منافقین کی سازشوں سے دھکیلا گیا۔

''دنیزلی'' کی اس جیل میں استاد نے ''رسالۃ الثمرۃ'' لکھا جو بعد میں ان کے ''عصائے موسیٰ'' نامی مجموعے کے آغاز

میں نشر کیا گیا، یہ رسالہ انہوں نے جمعے کے دو دنوں میں مکمل کیا، اور اسے آپ کے ساتھ قید آپ کے شاگردوں نے اور دیگر قیدیوں نے نقل کیا، اور اُس کے حقائق پر بڑے ذوق وشوق سے عمل کیا۔ اس رسالے کی کتابت اور نقل کا کام بڑے ہی جوکھوں کا تھا؛ کیونکہ قید خانے میں کاغذ لے جانا منع تھا، اس لیے یہ رسالہ مخفی طور پر لکھا جاتا تھا، حتیٰ کہ اس کی بعض تحریریں ماچس کی ڈبیوں پر لکھی گئیں۔[1]

میرے معزز وفادار بھائیو!......

فردِ جرم سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ بعض چھپے ہوئے زندیقوں نے حکومت کے بعض افسروں کو ہمارے خلاف اُبھارنے کے لیے انہیں بے خبر رکھتے ہوئے ہمارے خلاف جو منصوبے بنائے تھے، سب ناکام ہو گئے ہیں اور ان کا جھوٹ ہونا طشت اَز بام ہوگیا ہے۔ اب ان لوگوں نے پینترا بدل لیا ہے اور اپنے جھوٹوں پر پردہ ڈالنے کے لیے یہ الزام لگا رہے ہیں کہ ہم تحریکیں، تنظیمیں اور پارٹیاں بنا رہے ہیں، اور اسی چیز کو بنیاد بنا کر وہ کسی بھی آدمی کو مجھ سے ملنے نہیں دیتے، وہ سمجھتے ہیں کہ گویا جو بھی ہم سے ملے گا فوراً ہمارا ہی آدمی بن جائے گا!

اس حد تک کہ کچھ بڑے بڑے ملازم ایسے بھی ہیں جو ہمارے ساتھ زیادہ میل جول رکھنے سے بچتے ہیں، اور اپنے افسروں کو — اور خاص کر جیلر کو — خوش کرنے کے لیے مجھ پر سختیاں کرتے ہیں۔



آپ کا اپنے شاگردوں کو لکھا گیا ایک قلمی خط

[1] ''رسالۃ الثمرۃ'' میں دس مسائل سے بحث کی گئی ہے، ہم نے اس قسم کے آخر میں بطور نمونہ چھٹا اور ساتواں ترجمہ درج کر دیا ہے۔


... جنونر ملیون
او مشوبلری و ار و هر کون بش دفعه او مقدس
جمعیته برسیلریله کمال احترامله علاقه لرینی و خدمتکارانه
کوستریورلر (وانما المؤمنون اخوة) قدسی بر دعوتیله
بربرینه یاردیمنه دعالریله و معنوی قازانجلریله
قوشیورلر ایشته بز بو مقدس و معظم جمعیتک
افرادندنز و وظیفه‌مز (خصوصی) ده قرآنک ایمانی حقیقتلرینی
تحقیقی برصورتده اهل ایمانه بیلدیروب اونلری کندیمزی
اعدام ابدیدن و دائمی حبس منفردن قورتارمقدر
سائر دنیوی و سیاسی و انتریقه‌لی جمعیت و قومته‌لریله
مناسبتمز یوقدر و تنزل ایتمیز

آپ کا اپنے شاگردوں کو لکھا گیا قلمی خط کا دوسرا حصہ

☆ ☆ ☆

''دنیزلی'' کی عدالت میں سعید نورسی کے دفاعی بیان کے چند فقرے

جی ہاں، ہم ایک تنظیم ہیں...... اور یہ ایک ایسی منفرد قسم کی تنظیم ہے کہ جس کے ہر صدی میں ساڑھے تین سو ملین افراد اُس کے جھنڈے تلے جمع ہوتے رہے ہیں، اور ہر روز اس کے مبادیات کا کمال احترام کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی پانچ نمازوں کے ذریعے اس کے ساتھ اپنی دلی وابستگی کا اور اپنی خدمتگزاری کا اعلان کرتے ہیں، اور اپنی دعاؤں کے ساتھ اور اپنی معنوی کمائیوں کے ساتھ ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ جیسے قدسی پروگرام پر عمل کرتے ہوئے ایک دوسرے کی مساعدت و معاونت کے لیے بھاگ دوڑ کرتے ہیں......

پس ہم اس عظیم الشان مقدس تنظیم کے افراد ہیں، اور اس تنظیم میں ہمارا خصوصی وظیفہ یہ ہے کہ ہم قرآن کے ایمانی حقائق کو اہل ایمان تک تحقیقی صورت میں پہنچا دیں۔ اور اس طرح اُن کو اور خود کو ابدی طور پر معدوم ہو جانے سے، اور ابدی انفرادی برزخی جیل سے بچا لیں۔

ہمارا ان خفیہ تنظیموں کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے جن کے ساتھ تعلق کا تم لوگ ہمیں الزام دیتے ہو، اور نہ ہی

ان کے علاوہ دنیاوی سیاسی تنظیموں اور پارٹیوں کے ساتھ کوئی لین دین ہے جو سازشوں اور فریب کاریوں کے جال بُنتی ہیں، بلکہ ہم قطعی طور پر اس سطح پر اُترنا بھی نہیں چاہتے ہیں۔

اگر ہمارے دل میں دنیاوی اُمور میں دخل اندازی کی کوئی اہمیت ہوتی تو اس کی بازگشت توپوں کی گھن گرج کی طرح سنائی دیتی نہ کہ مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح! جو آدمی ایسے آدمی بارے میں یہ کہتا ہے کہ یہ اٹھارہ سال سے کسی کو سن گن دیے بغیر سازشوں اور فریب کاریوں کا جال بچھا رہا ہے، جس نے فوجی عدالت میں اپنا بھرپور دفاع کیا ہے اور مصطفی کمال کے سرکاری دفتر میں اس کی سختی اور درشتی کا پوری طاقت سے سامنا کیا ہے؛ ایسا کہنے والا آدمی یقیناً کینہ پرور انسان ہے۔۔۔۔ لیکن یہ بات یادر ہے کہ مجھ سے یا میرے کسی بھائی سے صادر ہونے والی کسی غلطی کی سزا رسائلِ نور کو نہیں ملنی چاہیے؛ کیونکہ یہ براہِ راست قرآن کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں، اور قرآن عرش اعظم کے ساتھ بندھا ہوا ہے، اور ایسا کون ہوسکتا ہے جو اِس عُروۃُ الوثقی کی طرف ہاتھ بڑھا کر اُسے علیحدہ کر سکے؟

پھر تینتیس قرآنی آیتوں کے اشاروں کی روشنی میں، حضرت علیؓ کی غیبی کرامات کی برکتوں سے اور شیخ جیلانی قدس سرّہ کی جانب سے قطعی طور پر خبر دینے کی بنیادوں پر ان علاقوں میں رسائل نور کی بالکل واضح طور پر مادی ومعنوی برکات نمایاں طور پر سامنے آچکی ہیں؛ اس لیے یہ صحیح نہیں بلکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ ہماری بیہودہ قسم کی شخصی غلطیوں کو رسائل کے سر تھوپا جائے، ورنہ اس علاقے کو کوئی ایسا مادی ومعنوی نقصان پہنچے گا جس کی تلافی ممکن نہیں ہوگی۔ [1]

وہ حملے اور وہ سازشیں جن کی کمان رسائل نور کے خلاف کچھ زندیق قسم کے لوگ شیطانی خباثت کی وجہ سے کر رہے ہیں، بإذن اللہ ناکام ہوں گے، اور طلابِ رسائل نور کو دیگر لوگوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا؛ ان کی صفوں میں پھوٹ نہیں ڈالی جاسکتی اور انہیں ان کی دعوتی سرگرمیوں سے پیچھے ہٹنے کے لیے آمادہ نہیں کیا جاسکتا۔

یہ لوگ — اللہ کی مہربانی سے — مغلوب نہیں ہوں گے، پھر یہ لوگ ہر جگہ موجود ہیں انہیں عام لوگوں کا اعتماد اور آشیرواد حاصل ہے، بلکہ یہ لوگ اس قوم کی زندگی کے لیے رگ و پے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن کریم نے اگر انہیں مادی دفاع کے راستے میں چلنے سے روکا نہ ہوتا تو ''شیخ سعید'' [2] اور ''مَنَمَن'' جیسے محدود اور بے فائدہ قسم کے واقعات

---

[1] دفاع کی یہ درخواست اس زلزلے کے وقوع میں آنے سے بیس دن پہلے لکھی گئی جس نے ''قسطمونو'' کے دَر و دیوار ہلا کر رکھ دیے تھے، لیکن رسائل نور کی برکت سے ''قسطمونو'' دیگر علاقوں کی بہ نسبت، بہت زیادہ محفوظ رہا۔ مصائب کا سلسلہ اب شروع ہوگیا ہے جس سے ہمارے اس دعوے کی تصدیق ہوگئی ہے۔

[2] ''شیخ سعید'' کے واقعے سے مراد ''شیخ سعید پیراں'' کی بغاوت ہے، جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اور ''مَنَمَن'' کے واقعہ سے مراد سول نافرمانی کی وہ تحریک ہے جس کا تانا بانا 1930ء میں ''اِزمیر'' شہر میں بُنا گیا، اور اس میں کچھ متدین لوگوں کی طرف سے کچھ اس طرح کی حرکات سامنے آئیں جو سراسر نظامِ حکومت کے خلاف تھیں، اور جن کی وجہ سے حکومت کو ان کے خلاف سخت کاروائی کرنے کا بہانہ مل گیا اور وہ مختلف علاقوں میں ظلم وتشدد کا شکار ہوئے۔

ظہور میں نہ آتے۔ ورنہ — خدانکردہ — اگران پر کوئی ایسا ظلم ڈھایا جائے جو انہیں اپنا دفاع کرنے پر مجبور کردے اور رسائل نور پر حملہ ہو جائے، تو پھر حکومت کو گمراہ کرنے والے زندیقوں، منافقوں کو آخری درجے کی ندامت کا اظہار کرنا چاہیے۔

حاصل کلام: یہ کہ ہم جب اہلِ دنیا کی دنیا کے ساتھ سروکار نہیں رکھتے، تو پھر انہیں بھی ہماری آخرت کے ساتھ اور ہماری ایمانی خدمت کے ساتھ سروکار نہیں رکھنا چاہیے۔

ملزم

سعید نورسی

باسمہ سبحانہ

جنابِ عالی!

میں آپ کو یہ بات یقینی طور پر بتا رہا ہوں کہ میرے ان موجودہ فاضل لوگوں کے علاوہ بھی جن کا ہمارے ساتھ یا رسائل نور کے ساتھ کوئی گہرا رشتہ نہیں، یا محدود سا رشتہ ہے...... ان لوگوں کے علاوہ بھی میرے اس راہِ حقیقت میں بہت سے سچے بھائی اور مخلص ساتھی موجود ہیں، اور ہمارا یہ بداہت کی حد تک پہنچا ہوا عقیدہ ہے جو کہ ہم نے رسائل نور کے قطعی کشفوں سے حاصل کیا ہے کہ موت ہمارے لیے معدوم ہو جانے کا نام نہیں بلکہ کام کاج سے سبکدوشی اور دستبرداری کا نام ہے، جبکہ ہمارے مخالفین اور راہِ ضلالت کے مسافروں کے ہاں یا تو ابدی طور پر معدوم ہو جانے کا نام ہے، اور یہ اس کے لیے ہے جو آخرت کو قطعی طور پر نہیں مانتا ہے، اور یا پھر ابدی طور پر تاریک انفرادی جیل اور اندھیری کوٹھڑی کا نام ہے، اور یہ اس کے لیے جو آخرت کو تو مانتا ہے لیکن گمراہی، گناہ اور رذالت میں ڈوبا ہوا ہے۔ اب آپ کا کیا خیال ہے، کیا دنیا میں کوئی ایسا انسانی مسئلہ بھی موجود ہے جو موت سے اتنا زیادہ بڑا اور اتنا اہم ہو کہ خود موت بھی اس کا آلۂ کار بن جائے؟ جواب اگر یہ ہے کہ نہیں، نہ تو ایسا کوئی مسئلہ موجود ہے اور نہ ہی عقل کسی ایسے مسئلے کو مان سکتی ہے، تو پھر میں آپ لوگوں سے یہ پوچھتا ہوں کہ ہمارے معاملے میں اتنی گہری دلچسپی کیوں؟ اور ہمارے لیے اتنی تکلیف کیوں اٹھائی جا رہی ہے؟

ہم تمہاری طرف سے ملنے والی کڑی سے کڑی سزا کو ڈیوٹی سے سبکدوشی کا پروانہ اور عالمِ نور کی طرف سفر کرنے کا ٹکٹ سمجھتے ہیں، اس لیے پوری ثابت قدمی کے ساتھ اس کا انتظار کرتے ہیں، البتہ ہم اتنا ضرور جانتے ہیں کہ جن لوگوں نے ہمیں نظر انداز کیا ہے اور گمراہی کی خدمت کرنے کے لیے ہمیں مجرم ٹھہرایا ہے۔ عنقریب خود ان کے خلاف انہیں ابدی طور پر معدوم کر دینے کا اور انہیں کال کوٹھڑی میں دھکیل دینے کا فیصلہ ہونے والا ہے۔ اور وہ بہت جلد عبرت ناک قسم کی سزا سے دوچار ہونے والے ہیں...... یہ بات ہم علمُ الیقین کی حد تک جانتے ہیں، بلکہ اُسے ایسے ہی دیکھ رہے ہیں

جیسے آپ لوگوں کو اس مجلس میں دیکھ رہے ہیں۔ اور انسانی احساسات کے تحت ان کے لیے گہرے دُکھ درد کا اظہار بھی کر رہے ہیں۔

میرے پاس اس اہم ترین قطعی حقیقت کو ثابت کرنے کی اور جھگڑالو اور ہٹ دھرم قسم کے لوگوں کی زبان بند کرنے کی بھرپور استعداد موجود ہے۔

اور میں یہ حقیقت صرف یہی نہیں کہ ان ماہرین کی کمیٹی کے سامنے ثابت کر سکتا ہوں جو پرلے درجے کی کینہ توز اور مہارت سے عاری اور روحانیت کی دشمن ہے، بلکہ تمہارے بڑے سے بڑے عالموں اور فلسفیوں کے سامنے بھی ثابت کر سکتا ہوں...... اور اگر اسے دوپہر میں چمکتے ہوئے سورج کی طرح ثابت نہ کر سکا تو مجھے جو بھی سزا دی جائے قبول ہوگی۔

اس ضمن میں بطورِ دلیل میں ''رسالۃ الثمرۃ'' پیش کروں گا جسے ہم نے قیدیوں کے لیے جمعہ کے دو دنوں میں تالیف کیا اور اسے انقرہ میں سرکاری محکموں تک پہنچانے کے لیے ہم نے اسے جدید لاطینی حروف میں لکھنے کے لیے سخت ترین حالات میں کام کیا۔ اس رسالے نے رسائلِ نور کی جن بنیادوں، اساسوں، رازوں اور جن خلاصوں کی وضاحت کی ہے، اس سے یہ ایک دفاعی بیان کی حیثیت اختیار کر گیا ہے، اس لیے اسے ایک نمونہ سمجھو، اسے پڑھو اور اس میں غور فکر کرو، پھر اگر تمہارے دل — تمہارے نفوس نہیں — میری تصدیق نہ کریں تو پھر مجھے حبسِ انفرادی میں رکھ کر جس طرح کی چاہو سزا دو، میں خاموش رہوں گا۔

الحاصل: یا تو تم لوگ رسائلِ نور کو مکمل طور پر آزاد کر دو، اور یا پھر — اگر کر سکتے ہو تو — ان کے مضبوط، ٹھوس اور پایدار حقائق کو تہس نہس کر دو۔ میں نے آج تک تمہیں اور تمہاری اس دنیا کو کوئی اہمیت نہیں دی ہے، بلکہ میں نے ایسا کبھی چاہا بھی نہیں۔ لیکن تم لوگوں نے مجھے اس کے لیے مجبور کر دیا، شاید تمہیں اس بات پر متنبہ کرنا ضروری تھا، اس لیے تقدیر ہمیں گھیر گھار کر اس راستے پر لے آئی۔ رہے ہم، تو ہم اس قُدسی دستور سے رہنمائی لیتے رہیں گے:

مَنْ آمَنَ بِالْقَدَرِ اَمِنَ مِنَ الْكَدَرِ۔

اور ہم اس بات کا عزم کر چکے ہیں کہ تمہاری تمام تر سختیوں کے مقابلے میں صبر کریں گے۔

ملزم

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

ہم نے قرآن کی ان سینکڑوں مشہور آیات سے ایک قرآنی وِرد بنایا تھا جو رسائلِ نور کے سرچشموں کا کام دیتی ہیں، جیسے کہ وہ وِردِ کبیر جس کا اقتباس سورۂ انعام سے کیا گیا ہے۔ اور یہ کوئی انوکھا کام نہیں تھا بلکہ ایک اسلامی عادت ہے جو عہدِ نبوّت سے جاری ہے۔ لیکن اِن لوگوں نے اس کام کو بھی ہمارا جرم شمار کیا اور کہا: ''یہ دین میں تحریفات کر رہا ہے۔''

پھر اُن کا رخ "رسالۃ الحجاب" کی طرف ہو گیا جس کی وجہ سے مجھے ایک سال تک جیل میں رہنا پڑا اور جو کہ ایک پرائیویٹ قسم کی تحریر تھی اور عام طور پر دستیاب نہیں تھی، لیکن انہوں نے ڈھونڈ نکالی اور اُسے لکڑیوں کے ڈھیروں کے نیچے سے برآمد کر لیا گیا جیسے کہ روئدادِ مقدمہ میں ذکر کیا گیا ہے چنانچہ انہوں نے اس تحریر کی وجہ سے ہمیں ایسے موردِ الزام ٹھہرانا چاہا کہ گویا وہ مضمون اِسی سال لکھ کر شائع کیا گیا ہو!!

پھر میں نے اپنے پہلے دور میں ایک حدیث شریف کی حقیقت بیان کی تھی، اور اسے ایک خصوصی ڈائری کی صورت میں لکھا تھا جو عام لوگوں کی دسترس میں نہیں تھی۔ پھر کچھ عرصے کے بعد میری ملاقات ایک ایسے آدمی (مصطفی کمال) سے ہوئی جسے انقرہ میں کچھ اقتدار حاصل ہوا تھا، میں نے اس کا سامنا کافی سخت کلامی اور تیکھے اعتراضات کے ساتھ کیا تو اُس نے چپ سادھ لی اور جواب میں کچھ نہ کہا۔

پھر وہ مذکورہ رسالہ کچھ ایسی اصلی عمومی اور ضروری تنقیدات پر مشتمل تھا کہ ان سے اس آدمی کی اس کے مرنے کے بعد کچھ غلطیوں کا انکشاف ہو گیا تھا، تو ان لوگوں نے اُن غلطیوں کا ذمہ دار مجھے ٹھہرایا!

اب ایک ایسا شخص جو موت کے منہ میں چلا گیا ہو اور اس کا حکومت سے رابطہ بھی کٹ گیا ہو، اُس کی رُو رعایت اور خاطر داری کا حکومت اور قوم کی خاطر داری کے ساتھ کیا مقابلہ؟ یعنی قوانین کا اور عدالت کا پاس لحاظ رکھنا جو کہ اللہ جلّ شانہ کی حاکمیت کی تجلیات میں سے ایک تجلی ہے؟

یہی صورتِ حال رائے اور ضمیر کی آزادی کے مبدا کی ہے جو کہ جمہوری حکومت کی ایک اہم بنیاد ہے، اِس اساس کا ہم سہارا لیتے ہیں اور اُس کے ذریعے ہم اپنا دفاع کرتے ہیں، لیکن ان لوگوں نے اس چیز کو ہمیں مجرم بنانے کا اور ذمہ دار ٹھہرانے کا بہانہ بنا لیا ہے، گویا کہ ہم اس اساس کے برخلاف جا رہے ہیں!!

پھر وہ گرفتاری کے وارنٹ میں میری طرف ایسے اُمور کی نسبت کر رہے ہیں جو خواب خیال میں بھی نہیں ہیں؛ صرف اس بنا پر کہ میں نے اِس جدید تہذیب پر تنقید کی ہے اور اس کے عیوب ونقائص بیان کیے ہیں؛ چنانچہ مجھ پر یہ الزام ہے کہ جدید ترقی وتقدّم نے جو چیزیں ایجاد کی ہیں میں ان کا دشمن ہوں، گویا کہ میں ریڈیو، ہوائی جہاز اور ٹرین کے استعمال

کا انکار کر رہا ہوں!![1]

اس بنا پر ''دنیزلی'' کی منصف عدالت اور اس کا منصف سرکاری وکیل، دونوں ہی — ان مثالوں کی روشنی میں — اللہ کے حکم سے یہ بات واضح کردیں گے کہ یہ معاملہ واضح طور پر عدالت کے خلاف ہے اور وہ ان اوہام کو کوئی اہمیت نہیں دیں گے جن کا ذکر وارنٹ میں ہوا ہے۔

اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ ایک اور عدالت کے سرکاری وکیل نے مجھ سے پوچھا، تُو نے ''شعاعِ خامس'' نامی مضمون میں کہا ہے کہ ''فوج کی کمان عنقریب اس خوفناک آدمی کے ہاتھ سے نکل جائے گی''، یہ بات کر کے تُم فوج کو حکومت کے خلاف بغاوت پر تو نہیں اُکسا رہے ہو؟ تو میں نے کہا: میرا اس سے مقصد یہ ہے کہ یہ کمانڈر یا تو عنقریب مر جائے گا یا تبدیل ہو جائے گا، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ فوج اس آدمی کے ظلم و استبداد سے خلاصی پا جائے گی۔

(یاد رہے کہ ''شعاعِ خامس'' نامی یہ مضمون پرائیویٹ ہے اور عام لوگوں کی دسترس سے باہر ہے۔)

حیرانی اس بات پر ہے کہ ایک ایسا مضمون جو بالکل ذاتی قسم کا ہو، اور جو ان پچھلے آٹھ سالوں میں خود ہمارے ہاتھ بھی صرف دو دفعہ ہی لگا ہو، اور ہم نے اسے عام آنکھوں سے چھپا کر رکھا ہو، اور یہ ایک رسالہ ہی ہے جو آخری زمانے کے ساتھ تعلق رکھنے والی ایک حدیث کا اجمالی اور کُلّی معنی بیان کرتی ہے، البتہ یہ ہے کہ اس کا اصل کافی عرصے پہلے تالیف ہو گیا تھا اور ایسا نہیں ہوا کہ فوج کے کسی فرد نے اس پر اطلاع پائی ہو...... ایسے میں یہ کیسے ممکن ہے کہ اس طرح کا کوئی رسالہ لایا جائے اور اُسے تہمت تراشی کا بہانہ بنا لیا جائے؟ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ ان ظالموں نے اپنی اس عجیب و غریب تہمت کو چارج شیٹ میں درج کر دیا ہے۔

اور اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ میں کسی جگہ پر یہ بات کہہ چکا ہوں کہ: نوعِ بشر کے لیے ضروری تو یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی — جہاز، ٹرین اور ریڈیو جیسی — عظیم نعمتوں کے مقابلے میں عظیم شکر کا مظاہرہ کرتی، لیکن اس نے ایسا کیا نہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جہازوں نے ان پر بم برسائے۔ اور میں نے کہا: ریڈیو اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے، اور اس کا شکر اس طرح ادا ہو سکتا ہے کہ خود ریڈیو ہی لاکھوں زبانوں کے ساتھ ایک بین الاقوامی قاری بن جائے اور روئے زمین پر ہر انسان کو اس کی آیات سنائے۔[2]

---

[1] ریڈیو جیسی عظیم نعمت کے مقابلے میں شکر و سپاس کا اظہار کرنے کے بارے میں بات کرتے ہوئے میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ ریڈیو کو قرآن پڑھنا چاہیے اور روئے زمین پر بسنے والے ہر انسان کو سنانا چاہیے، اور ایتھر کو بھی حاملِ قرآن بن جانا چاہیے۔ (مؤلف)

[2] وہ حقیقت جس کے بارے میں ہمارے اُستاد نے خبر دی اور جس کی تمنا کی ہے وہ ہمارے علاقے میں بروئے کار آنا شروع ہو گئی ہے، چنانچہ دیکھ لیں کہ ہماری ریڈیو نشریات میں قرآن کریم کی تلاوت ہو رہی ہے، اور وہ دن بہت جلد آنے والا ہے جب اس ریڈیو کے ذریعے رسائل نور کے وہ درس نشر کیے جائیں گے جو کہ قرآن کے حقائق پیش کر رہے ہیں، اور نوعِ بشری اس سے باذن اللہ بہت زیادہ فائدے اٹھائے گی۔

جیسے کہ میں نے جب ''بیسویں مقالے'' میں قرآن کریم کی اُن غیبی خبروں کی وضاحت کی جو اُس نے جدید تہذیب کے عجائبات کے بارے میں بیان کی ہیں؛ اُس وقت میں نے ایک قرآنی آیت کی روشنی میں یہ اشارہ کیا تھا کہ کفار اس ٹرین کی وجہ سے عالم اسلام پر غلبہ حاصل کر لیں گے؛ میرا مقصد اس سے اگرچہ مسلمانوں کے دلوں میں ان عجائبات کی رغبت پیدا کرنا تھا، لیکن سابقہ عدالت کے ایک سرکاری وکیل نے اس کی وجہ سے ہمیں مُلزم ٹھہرا دیا اور اسے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا بہانہ بنالیا، چنانچہ اس نے میری چارج شیٹ کے آخر میں مجھ پر یہ الزام لگایا کہ میں جدید ترقی کی ہوائی جہاز، ٹرین اور ریڈیو جیسی ایجادات کا دشمن ہوں!

پھر ایک اور آدمی کسی ایسے موضوع پر گفتگو کر رہا تھا جس کا ہمارے اس مقدمے کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں تھا، لیکن اس نے اچانک گفتگو کا رُخ پھیرا اور کہنے لگا: ''رسالۂ النور''— جو کہ رسائل نور کا دوسرا نام ہے— قرآن کریم کے نور کے الہام کی روشنی میں لکھا گیا ہے، لیکن چارج شیٹ میں اس نے اپنی اس بات کی ایسی توجیہ کر دی جو سراسر مغالطہ آفرینی پر مبنی تھی، اور اس کی وہ توجیہ مجھے ملزم قرار دیے جانے کا ایسے سبب بن گئی جیسے اصل عبارت اس طرح ہو کہ ''رسائل نور ایک رسول ہیں!''

پھر میں نے بیسیوں جگہ پر قطعی دلائل کے ساتھ ثابت کر دیا ہے کہ دین، قرآن اور رسائل نور کو کسی بھی چیز کے لیے آلہ کار نہیں بنایا جا سکتا، اور ہمارے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ ہم انہیں کوئی چیز حاصل کرنے کا وسیلہ بنالیں اگرچہ وہ تمام دنیا ہی کیوں نہ ہو، اور ہم اس کی صرف ایک حقیقت کے بدلے میں تمام دنیا کی بادشاہی بھی لینے کے لیے تیار نہیں ہیں، اور یہ صرف زبانی دعویٰ ہی نہیں ہم واقعتاً ایسے ہی ہیں، اور ہم نے پچھلے بیس سالوں میں اپنے اس دعوے پر جو دلائل دیے ہیں ہزاروں تک جا پہنچے ہیں۔ بات جب یہی ہے تو پھر میں اور میرے ہمراہی اپنی تمام تر قوت کے ساتھ کہتے ہیں:

﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

چارج شیٹ پر اعتراض کا تتمہ

اس اعتراض میں میرے مخاطب ''دنیزلی'' کی عدالت اور اس کا سرکاری وکیل نہیں ہیں، بلکہ وہ سرکاری ملازم ہیں جن کے دلوں میں بغض وکینہ اور دیگر خدشات کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں، جن کے زیرِ اثر انہوں نے اپنی فائلوں کے ناقص اور غلط سلط صفحات پر اعتماد کرتے ہوئے ہمارے خلاف اس طرح کی چارج شیٹ پیش کی ہے، اور ان لوگوں میں سرفہرست ''اسپارٹا'' اور ''اینہ بولو'' کے سرکاری وکیل صاحبان ہیں۔

اس ضمن میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ بے گناہ قسم کے طلّابِ نور پر ایسے الزام لگانا جن کی کوئی اصل نسل ہی نہیں ہے اور جو کبھی میرے سان گمان میں بھی نہیں آئے ہیں، یعنی ان کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ ایک سیاسی تنظیم ہے، حالانکہ ان لوگوں کا سیاست کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں، پھر رسائلِ نور کے دائرے میں داخل ہونے والے ان مسکینوں کو مجرم قرار دینا جن کے سامنے ایمان اور آخرت کے علاوہ اور کوئی مقصد ہی نہیں ہوتا...... پھر انہیں عدالتوں میں اس بنا پر پیش کرنا کہ یہ لوگ اس مزعومہ تنظیم کے افکار پھیلا رہے ہیں، یا اُس کے سرگرم رکن اور حمایتی ہیں...... یا انہیں عدالتوں میں اس بنا پر پیش کرنا کہ ان لوگوں نے رسائل نور کو پڑھا ہے، یا دوسروں کو پڑھ کر سنایا ہے، یا انہیں لکھا اور نقل کیا ہے...... میں کہتا ہوں کہ اس طرح کی تمام کاروائیاں عدالت کی حقیقت کے خلاف ایک چیختی چلّاتی جفا کاری شمار ہوں گی۔

جی ہاں، اس بات کی ہمارے پاس قطعی حجت یہ ہے کہ ''حریّتِ علم وفکر'' کے دستور کو حجت بنا کر ڈاکٹر دوزی کی اور اس قماش کے دیگر ملحدوں کی کتابیں پڑھنے والوں کو مجرم نہیں گردانا گیا، حالانکہ وہ نہایت گندی کتابیں ہیں اور قرآن پر حملہ کرتی ہیں، لیکن رسائلِ نور کی پڑھائی کو اور ان کی کتابت کو جرم قرار دے دیا گیا، حالانکہ یہ حقائق کے دلدادہ تشنہ لبوں کے لیے ایمانی اور قرآنی حقائق بیان کرتے ہیں اور انہیں سورج کی طرح چمکا کر اُن کے سامنے رکھتے ہیں۔

پھر ان لوگوں نے سینکڑوں رسائل میں سے صرف تین رسائل کا انتخاب کیا اور اُن میں سے چند جملے نکال کر انہیں ہم پر الزام لگانے کے لیے استعمال کیا، حالانکہ وہ رسائل ہم نے جیسے کہ پہلے بتایا ہے اپنے خصوصی دائرے کے اندر رکھے ہوئے تھے، اور صرف اس بنا پر انہیں طبع ونشر کرنے کی اجازت نہیں دی تھی کہ انہیں پڑھ کر کوئی غلط فہمی نہ ہو جائے، اور اس پر مزید یہ کہ ''اَسکی شہر'' کی عدالت ان میں سے دو کی تحقیق کر چکی تھی اور اس خصوصی معاملے میں اپنا فیصلہ سنا چکی تھی، اور تیسرے کے بارے میں دفاعی بیان میں اور استغاثے میں قطعی جواب دے دیا گیا تھا، اور ہم نے ''اَسکی شہر'' کی عدالت میں یہ بات بیس پہلوؤں سے ثابت کر دی تھی کہ ہمارے ہاتھوں میں نور ہے سیاست کی چھڑی نہیں، لیکن اس سب کے باوجود تہمت تراش اور ستم گر دعویداروں نے جس طرح اُن خاص پرائیویٹ غیر مطبوعہ اور غیر منشورہ رسالوں

سے چند جملے نکال لیے اور ان کی بنیاد پر تمام رسائل کے بارے میں عمومی فیصلہ صادر کر دیا، اسی طرح انہوں نے ہر اس شخص پر فردِ جرم عائد کر دی جس نے ان رسائل کو پڑھا، لکھا، یا نقل کیا، اور مجھ پر یہ تہمت رکھ دی کہ میں حکومت کی مخالفت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ برسرِ پیکار ہوں۔

اور میں خود کو، اپنے قرابت داروں کو اور اپنے ملنے جلنے والے دوست احباب کو گواہ بنا کر پوری ذمہ داری سے قسم اُٹھا کر یہ بات کہتا ہوں کہ دس سال سے زیادہ عرصہ ہونے کو ہے کہ میری وزرائ، قائدین، مسٔولین، پارلیمانی ارکان اور دیگر رجالِ حکومت میں سے ایک دو کے علاوہ کسی سے بھی جان پہچان نہیں ہے، ان میں دو تو قائد ہیں، ایک رکنِ اسمبلی ہے اور ''قسطمونو'' کا گورنر ہے، ان کے علاوہ میں نے کسی کے ساتھ بھی جان پہچان رکھنے کو کبھی اہمیت نہیں دی، اب خود ہی کہو کہ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص ایسے لوگوں کے ساتھ جان پہچان نہ رکھے جن کے ساتھ اُس کا سامنا ہوتا رہتا ہو، اور اُن کی جان پہچان کا اہتمام نہ کرے اور انہیں کوئی اہمیت نہ دے، تاکہ اسے کم اَز کم یہ تو پتا چل سکے کہ اس کا دوست کون ہے اور دشمن کون؟

یہ باتیں جو ہم نے کہی ہیں، ان سے ضرورتاً یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ یہ لوگ مجھے کسی بھی صورت میں مجرم بنانے کے لیے غلط سے غلط اسباب بھی گھڑ لیتے ہیں اور بہانے تراش لیتے ہیں۔ اب معاملے کی صورتِ حال جب یہی ہے تو پھر میرے اس خطاب کا رخ صرف اس عدالت کی طرف نہیں ہے بلکہ ان جرائم پیشہ ظالموں کی طرف بھی ہے، چنانچہ میں انہیں کہتا ہوں: وہ کڑی سے کڑی سزا جو تم مجھے دو گے میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی، بلکہ وہ سزا اس روشنائی کے مساوی بھی نہیں جس سے یہ رسائل لکھے گئے ہیں، میں ستر سال کا ہو چکا ہوں اور قبر کے دروازے پر کھڑا ہوں، اب مزید سال دو سال معمولی سی مظلومانہ زندگی جینے کی بجائے اگر مجھے شہادت کا مرتبہ نصیب ہو جائے تو اس سے بڑی سعادت اور کون سی ہو سکتی ہے؟

میرا یہ رسائلِ نور میں بیان کردہ ہزاروں دلائل سے تائید یافتہ قطعی ایمان ہے کہ موت ہمارے ہاں ایک آزادی کا پروانہ، کام کاج سے دستبرداری اور ملازمت سے سبکدوشی کا نام ہے، اس لیے فیصلہ اگر پھانسی کا ہو جائے تو وہ ہمارے لیے ایک ساعت کی مشقت ہے جو کہ ابدی رحمت اور سعادت کی کلید ہے۔

لیکن تم اے ظالموں اور ستم شعارو کہ جنہوں نے الحاد و زندیقیت کی مصلحت وحمایت کے لیے عدالت کو گمراہ کیا اور حکومت کو خواہ مخواہ ہمارے ساتھ اُلجھا دیا ہے! تمہیں اس بات کا یقین ہونا چاہیے اور تمہیں اس خوف سے تھر تھر کانپنا چاہیے کہ تمہارے خلاف ابدی طور پر معدوم ہو جانے کا اور ابدی قیدِ تنہائی کا فیصلہ ہونے والا ہے!! ہمیں نظر آرہا ہے کہ تم لوگوں سے ہمارے لیے کس طرح دگنا چوگنا انتقام لیا جائے گا، یہ معاملہ ہمیں اتنا صاف نظر آرہا ہے کہ تمہاری حالت پر ترس آتا ہے!!

جی ہاں، وہ موت کہ جس نے اس شہر کو سینکڑوں مرتبہ قبرستان میں انڈیل دیا ہے، اس کے سامنے لاڑنا اس زندگی کے بعد کوئی نہ کوئی اور منزل ہوگی، اور وہ حل جو موت کے ابدی طور پر معدوم کردینے کے پنجوں سے خلاصی دلانے والا ہے، ایک ایسی قطعی ضرورت ہے جو نوعِ بشر کے تمام معاملات سے بڑا، اہم اور لازم ہے۔ طلابِ نور نے یہ حل پالیا ہے اور رسائل نور نے اُسے ہزار دلیلوں کے ساتھ پیش کردیا ہے۔ تو اب وہ لوگ جو رسائلِ نور کو اور طلاّبِ نور کو بیہودہ قسم کے ذرائع اختیار کرکے متّہم کرتے ہیں، وہ یہ نہیں جانتے کہ حقیقت اور عدالت کی نظر سے دیکھا جائے تو وہ خود متّہم ہیں؟ یہ ایک ایسی بات ہے کہ جسے پاگل بھی جانتے ہیں۔

تین چیزیں ایسی ہیں جو ان ظالم تہمت تراشوں کو مغالطے میں ڈالتی ہیں اور انہیں ایک مزعوم سیاسی تنظیم کے وجود کے وہم میں مبتلا کرتی ہیں:

پہلی چیز: میرا اپنے شاگردوں کے ساتھ گہرا تعلُّق، اور یہ تعلّق شروع ہی سے ایک مضبوط بھائی چارے کی طرح قائم دائم چلا آرہا ہے۔ اس تعلق کو ان لوگوں نے تنظیم سمجھ لیا ہے۔

دوسری چیز: طلابِ نُور کا ہر جگہ پھیل جانا، جمہوریت کے تمام قوانین کا ان سے تعرّض نہ کرنا اور ان کے ساتھ رواداری کا مظاہرہ کرنا، اور ان میں سے بعض کا زندگی اس انداز سے گزارنا کہ گویا وہ کوئی اسلامی جماعت ہوں، اس چیز نے ان کے بارے میں یہ گمان پیدا کردیا ہے کہ گویا وہ کوئی تنظیم ہیں، حالانکہ صورت حال یہ ہے کہ یہ تین چار طالب علم تنظیم یا اس جیسی کسی چیز کی کوئی نیت نہیں رکھتے، یہ تو صرف خالص ایمانی خدمت کے باب میں خالص اخوت اور اُخروی تسائد کی تصویر ہیں۔

تیسری چیز: یہ ظالم تہمت تراش لوگ کہتے ہیں: سعید اور اس کے بھائی ہر حال میں ہمارے اور حکومت کے ان قوانین کے خلاف جاتے ہیں جو ہمیں تہذیب وتمدُّن کے نام پر اپنی غیر شرعی خواہشات و رغبات کو پورا کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ اس بنا پر یہ لوگ ضرور بالضرور ایک معارض ومخالف سیاسی تنظیم ہیں۔ یہ بات وہ اپنے دل میں کہتے ہیں؛ کیونکہ انہیں اپنی گمراہی کا اور اپنی دنیا پر فریفتگی کا علم ہے۔

اور میں کہتا ہوں: اے مسکین بدبختو! دنیا اگر ہمیشہ رہنے والی ہوتی، اور انسان اس میں ہمیشہ رہنے والا ہوتا، اور انسان کی ذمہ داریاں صرف سیاست کے میدان میں ہی محدود ہوتیں، تو پھر تو ممکن تھا کہ تمہاری اس افترا پردازی کا کوئی مطلب ہوتا۔

پھر یہ بھی ہے کہ میں اس معاملے میں اگر سیاست کے دروازے سے داخل ہوتا تو پھر تمہیں ایک سو رسالوں میں صرف دس جملے ہی نہیں بلکہ مقابلے میں کھڑے ہونے والے ہزاروں سیاسی جملے نظر آتے۔

پھر اگر — بحث وتکرار کی رُو سے — یہ فرض کرلیں کہ ہم لوگ تمہارے جیسے ہی ہیں اور اپنی پوری قوت کے ساتھ

دنیا کے لیے، اس کے ساز و سامان کے لیے اور اس کی سیاست کے لیے کام کر رہے ہیں — اور یہ فرض کرنا ایسا ہے کہ شیطان کے لیے بھی اسے قبول کرنا یا اس کے ذریعے کسی کو مطمئن کرنا ممکن نہیں —، تو پھر ہماری زندگی تمہارے سامنے ہے، اگر بیس سال کے عرصے میں ہماری طرف سے کوئی ایک واقعہ بھی رونما نہیں ہوا، اور اگر ہر حکومت کے شدید ترین مخالف بھی ہوتے ہیں، اور حکومت یہ دیکھتی ہے کہ ہاتھ میں کیا ہے، اور یہ دیکھنا اس کا کام نہیں کہ دل میں کیا ہے؛ تو پھر تم لوگ ہمیں کسی بات کا ذمہ دار ٹھہرا ہی نہیں سکتے۔ اور میں آخر میں صرف یہی کہوں گا کہ:

﴿حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میں دفاعی نقطۂ نظر سے ایک قدیم یادداشت اور لطیف واقعہ بیان کرتا ہوں جو کہ ''اسکی شہر'' کی عدالت میں میرے پاس ایک راز کی حیثیت سے محفوظ رہا ہے، اس کا ذکر نہ تو سرکاری طور پر مسل میں ہوا ہے اور نہ میرے دفاعی بیانات کی فائلوں میں۔

وہاں انہوں نے مجھ سے پوچھا: تمہارا جمہوری نظام کے بارے میں کیا خیال ہے؟ تو میں نے انہیں جواب میں کہا: میری حالاتِ زندگی، جو تمہارے ہاں محفوظ ہے، ثابت کرتی ہے کہ میں سربراہِ عدالت کو چھوڑ کر تم سب لوگوں کے پیدا ہونے سے بھی پہلے متدین جمہوری ہوں، اور خلاصہ اس کا یہ ہے کہ میں ان دِنوں — بالکل آج ہی کی طرح — ایک ویران سے مزار کے قبے کے نیچے خلوت نشیں تھا، میرے پاس وہاں جب شوربے والا سالن آتا تھا میں اس کے دانے چیونٹیوں کو ڈال دیتا تھا اور خود صرف روٹی اور شوربے پر گزارہ کرتا تھا، لوگ مجھ سے اس کی وجہ پوچھتے تھے تو میں بتاتا تھا کہ: چیونٹیوں اور شہد کی مکھیوں کی یہ اُمتیں جمہوری اُمتیں ہیں، اور میں شوربے کے یہ دانے خود کھانے کے بجائے ان چیونٹیوں کی جمہوری روایت کا احترام کرتے ہوئے ان کے آگے بکھیر دیتا ہوں۔

پھر اُنہوں نے مجھ سے پوچھا: تم سلف صالحین کی مخالفت کرتے ہو؟ تو میں نے انہیں جواب دیا: خلفائے راشدین میں سے ہر خلیفہ بیک وقت خلیفہ بھی تھا اور سربراہِ جمہوریت بھی، چنانچہ صدیق اکبرؓ بلاشبہ ایک ایسی جمہوریت کے سربراہ تھے جس میں عشرہ مبشرہ بھی تھے اور دیگر صحابہ کرام بھی، فرق صرف یہ ہے کہ یہ لوگ صرف نام کے اور مضمون کے بغیر صرف شکل و صورت کے سربراہ نہیں تھے، بلکہ وہ متدین سربراہانِ جمہوریت تھے اور شرعی عدالت و شرعی حریت کے حقیقی معانی کے حامل تھے۔

پس اے سرکاری وکیل اور ارکانِ عدالت! تم لوگ مجھ پر ایسی چیز کا الزام لگا رہے ہو جو مجھ میں ہے ہی نہیں بلکہ میں پچاس سال سے جس کے بالکل اُلٹ ہوں!! ہاں اگر تم لوگ مجھ سے سیکولر جمہوریت کے بارے میں پوچھتے ہو تو میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ سیکولرازم کا معنی ہے غیر جانبدار رہنا، چنانچہ جیسے یہ حرّیتِ ضمیر کے دستور کے تقاضے کی رُو سے ملاحدہ واہلِ فجور سے تعرّض نہیں کرتی، اسی طرح یہ اہلِ دین واہلِ تقویٰ سے بھی تعرّض نہیں کرتی، میں سیکولر حکومت ایسی حکومت کو ہی کہتا ہوں۔

میں گزشتہ دس سال سے — اور اب تو اس پر بیس سال ہو گئے ہیں — سیاسی اور سماجی زندگی کے میدان سے باہر نکل چکا ہوں، اور مجھے اس بات کا علم نہیں کہ جمہوری حکومت اب کس حال میں ہے، اگر اس کی حالت اتنی خطرناک ہو گئی ہے کہ وہ ایسے قوانین بنا رہی ہے جو ایمان اور آخرت کے لیے عمل کرنے والے لوگوں کا محاسبہ کریں گے، یا اس طرح کے قوانین کے ذریعے الحاد و زندیقیت کی پشت پناہی کرے گی — والعیاذ باللہ — تو میں تمہارے سامنے یہ بات علی الاعلان کہتا ہوں، کسی بھی ڈر خوف کے بغیر تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ: میری اگر ہزار جانیں بھی ہوں تو میں انہیں ایمان و آخرت کے راستے میں قربان کرنے سے لحہ بھر بھی تردّد نہیں کروں گا، اس لیے تم جو چاہتے ہو کر گزرو۔

اور میرے خلاف جو تم نے سزائے موت کا اور قیدِ بامشقت کا ظالمانہ فیصلہ سنایا ہے، اس کی تردید کرتا ہوا میں تمہیں واضح طور پر کہہ رہا ہوں کہ رسائلِ نور نے جو قطعی انکشافات کیے ہیں، اُن کی رُو سے میں مروں گا نہیں......

بلکہ میرے ہاتھ میں ذمہ داریوں سے سبکدوش اور مستعفی ہونے کی ایک یادداشت تھمادی جائے گی اور میں عالمِ نور و سعادت کی طرف کوچ کر جاؤں گا؛ لیکن تم ارے بدبختو! جو کہ ہمیں گمراہی کی پشت پناہی کی خاطر تختۂ مشقِ ستم بنا رہے ہو...... میں اچھی طرح جانتا ہوں تمہارے خلاف تم سے ہمارا انتقام لینے کے لیے ابدی طور پر مٹ جانے کا اور ہمیشہ کے لیے کال کوٹھڑی کا فیصلہ ہونے والا ہے...... یہ بات میں جانتا ہوں اور دیکھ رہا ہوں...... اس لیے میں اپنی جان پورے قلبی اطمینان کے ساتھ جان آفریں کے سپرد کرنے کے لیے تیار ہوں، اور میں آخر میں یہی کہوں گا کہ:

﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾

ملزم

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

جناب عالی......

میرا یہ بہت سی علامات و دلائل کی روشنی میں قطعی عقیدہ بن گیا ہے کہ ہمارے خلاف جو حملے کیے جا رہے ہیں، اس دعوے کی بنیاد پر نہیں کیے جا رہے ہیں کہ ہم دینی مشاعر و علامات سے کوئی ناجائز فائدہ اُٹھا رہے ہیں یا داخلی امن میں خلل ڈال رہے ہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا جا رہا ہے......نہیں، ایسا ہرگز نہیں...... یہ ایک پردہ ہے جو جھوٹ کے آگے تان دیا گیا ہے...... بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم پر یہ حملے صرف اس بنا پر کیے جا رہے ہیں کہ ہم امن اور ایمان کی خدمت کر رہے ہیں۔ اور یہ حملے الحاد و زندیقیت کی مصلحت کے لیے ہیں نہ کہ حکومت کی مصلحت کے لیے۔ اپنے اس دعوے پر میں بہت سی دلیلوں میں سے صرف ایک دلیل پیش کر رہا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ بیس سال میں بیس ہزار لوگوں نے رسائل نور کے ایک ہزار ایک نسخے اور اجزا پڑھے ہیں اور انہیں قبول کیا اور پسند کیا ہے، اس کے باوجود رسائلِ نور کے شاگردوں کی طرف سے کوئی ایک بھی ایسا واقعہ رونما نہیں ہوا جو امن میں خلل انداز ہوا اور حکومت کے ریکارڈ میں ان کے خلاف ایسی کوئی بات نہیں آئی، اور سابقہ اور حالیہ دونوں عدالتیں ان کی طرف سے ہونے والے ایسے کسی بھی حادثے کا سراغ نہیں لگا سکیں، جبکہ ایسی صورتِ حال میں تو اس طرح کے سوچے سمجھے شدید حملوں کے نمونے تو — بیس سال کے بجائے — صرف بیس دنوں میں ہی ظاہر ہو جانے چاہیے تھے! جس کا مطلب ہے وہ ڈھیلا ڈھالا کشادہ قانونی آرٹیکل 163[1] جس کا حکم اپنی شمولیت کے ساتھ تمام متدین اور داعی لوگوں پر اس انداز سے لاگو ہے کہ حرّیتِ ضمیر کی بنیاد کے ہی خلاف ہے؛ یہ مصنوعی نقاب اور جعلی مکھوٹے ہیں جو ان زندیقوں نے حکومت کے بعض کارندوں کو غافل رکھنے کے لیے اور عدالت کو گمراہ کرنے کے لیے اپنے چہروں پر چڑھا رکھے ہیں، تاکہ اس طرح وہ ہمارے لیے سزائے موت کا فیصلہ صادر کروا سکیں۔

حقیقت جب یہی ہے تو پھر ہم اپنی پوری قوت کے ساتھ کہتے ہیں: اے دنیا کے بدلے دین کو بیچنے والو اور کفرِ مطلق کی گہری کھائیوں میں لڑھکنے والے بدبختو!...... جو جی میں ہے کرو...... خدا کرے تمہاری یہ دنیا تمہارے لیے حال و مآل میں وبال بن جائے اور یقیناً تم اِس روش کی وجہ سے برباد ہو جاؤ گے...... اور خدا کرے ہمارے یہ سر اُس قدسی حقیقت پر فدا ہیں جس پر اس سے قبل لاکھوں سورماؤں کے سر فدا ہو چکے ہیں...... ہم تمہاری تمام سزاؤں کے لیے اور سزائے موت کے لیے بھی تیار ہیں...... کیونکہ جیل کی دیواروں سے باہر والے حالات دیواروں کے اندر والے حالات سے سوگنا بدتر ہیں...... پس اس استبداد اور مطلق العنانی کے سائے تلے آزادی کا وجود بالکل نہیں ہے...... نہ ضمیر کی آزادی کا وجود ہے،

---

[1] یہ آرٹیکل ہر اس شخص کو مجرم اور قابلِ سزا گردانتا ہے جو دینی بنیادوں پر حکومت قائم کرے، حکومت کے ادارے، حکومت کا نظام اور حکومت کے قوانین بنانے اور نافذ کرنے کی دعوت دے، یا دین کو، دینی مشاعر کو اور دینی مقدسات کو اس غرض کے لیے یا کسی دیگر سیاسی غرض کے لیے استعمال کرے۔

نہ دینی آزادی کا اور نہ علمی آزادی کا...... ایسے حالات میں اہلِ شرف و اہلِ دین اور آزادی کے حامیوں کے لیے جیل اور موت کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نہیں بچا ہے...... ہم صرف اپنے ربّ پر بھروسا کرتے ہیں......

﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾

ملزم

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

جناب چیف جسٹس علی رضا صاحب!

اپنے حقوق کے دفاع کے ضمن میں میرا ایک مطالبہ اور ایک بڑی اہم اُمید ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ میں جدید لاطینی حروف سے ناواقف ہوں، اور قدیم حروف میں میری لکھائی اچھی نہیں ہے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ لوگ مجھے دوسروں سے ملنے نہیں دیتے، بلکہ میں تو — یوں سمجھو کہ — ال کوٹھڑی کا قیدی ہوں، حتیٰ کہ مجھے جب چارج شیٹ دی گئی تو مجھے پکڑا کر صرف پندرہ سیکنڈ کے بعد چھین لی گئی، پھر میری حالت یہ ہے کہ میں کوئی وکیل نہیں کر سکتا ہوں، حتیٰ کہ اپنا وہ دفاعی بیان جو میں نے آپ کو پیش کیا ہے اس کا جدید حروف میں لکھا ہوا ایک نسخہ بڑی مشکل سے حاصل کر سکا ہوں، اور اس کا ایک حِصہ تو مجھ تک انتہائی مخفی طریقے سے پہنچا ہے۔

پھر میں نے ''رسالۃ الثمرۃ'' کا ایک نسخہ لکھوایا جو رسائلِ نور کی طرف سے ایک دفاعی بیان اور اس کے مسلک کا خلاصہ شمار کیا جاتا ہے، وہ میں نے اس لیے لکھوایا تا کہ اس کا ایک نسخہ سرکاری وکیل کو پیش کروں اور اس کے ایک دو نسخے انقرہ کے سرکاری محکموں کو بھیج دوں، لیکن انہوں نے وہ نسخے مجھ سے چھین لیے اور ابھی تک واپس نہیں کیے، حالانکہ جن دنوں ہم ''اَسکی شہر'' کی عدالت میں تھے ان دنوں وہاں کی عدلیہ نے جیل میں ایک ٹائپ رائٹر بھیجا تھا جن کے ذریعے ہم نے اپنے دفاع کی دو کاپیاں کھولی تھیں اور عدالت نے بھی اپنا ایک نسخہ لکھ لیا تھا، اس بنا پر میری ایک طلب یہ ہے کہ آپ یا تو ہمیں ٹائپ رائٹر مہیا کر دیں یا پھر ہمیں کہیں سے لانے کی اجازت دے دیں تا کہ ہم اپنا دفاعی بیان جدید حروف میں لکھ سکیں اور اسی طرح وہ رسالہ بھی لکھ لیں جو کہ رسائلِ نور کے لیے دفاعی بیان کی حیثیت رکھتا ہے، اور پھر کچھ نسخے وزارتِ عدل، مجلسِ وزرا، پارلیمنٹ اور مُلک کی مجلسِ شوریٰ کو ارسال کر سکیں؛ کیونکہ رسائلِ نور ان تمام ترمقدمات کی بنیاد ہیں، اس کے خلاف اُٹھائے جانے والا کوئی بھی دعویٰ یا اعتراض کوئی جزوی حادثہ یا شخصی مسئلہ نہیں ہے کہ اُسے بہت زیادہ اہمیت نہ دی جائے، بلکہ یہ ایک عمومی مسئلہ ہے، اس کی حیثیت ایک ایسے کُلی حادثے کی سی ہے جس کا اس علاقے کے ساتھ، اس قوم کے ساتھ اور اس حکومت کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے اور مزید یہ کہ یہ حادثہ انتہائی اہم صورت میں عالمِ اسلام کی توجہ کا محور بنتا ہے۔

جی ہاں، وہ لوگ جو پس پردہ رسائل نور پر حملہ آور ہوتے ہیں، وہ لوگ خود ہی لادین سیاست کے ذریعے کفرِ مطلق کو پنپنے کا موقع دیتے ہیں، کچھ اجنبی خفیہ ہاتھ ہیں جو اس علاقے میں قوم کی سب سے بڑی قوت یعنی اس کفر کے مقابلے میں عالمِ اسلام کی آپسی محبت کو پاش پاش کرنے اور اس کی جگہ نفرت، ناراضگی اور قطع تعلقی کو فروغ دینے کے لیے انہیں متحرک رکھتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے حکومت کو غفلت میں رکھا ہے اور دو مرتبہ عدلیہ کے لیے تمام معاملے کو اُلجھا کے رکھ دیا، اور انہوں نے کہا: طلاّبِ رسائلِ نور دین کو سیاست کے لیے آلۂ کار بناتے ہیں اور بسا اوقات علاقے کا امن تباہ کر تے ہیں۔

ارے بدبختو! یہ صحیح ہے کہ رسائلِ نور کا سیاست کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن یہ کفر مطلق کو برباد کرنے کی راہ میں اس کی بنیادوں کو اکھاڑتے چلے جاتے ہیں — اور یہ کفرِ مطلق ایک تباہ کن سرکش اُنارکی ہے — یہ اُس کی گردن توڑتے ہیں، جو کہ استبدادِ مطلق ہے، اور اس طرح انہوں نے امن و استقرار، حریت اور عدالت کے پاؤں مضبوط کیے ہیں اور کر رہے ہیں۔ اور ''رسالۃ الثمرۃ'' جو کہ ان رسائل کا دفاعی بیان ہے اس دعوے کی سینکڑوں دلیلوں میں سے ایک نمایاں دلیل ہے۔ اس لیے چاہیے یہ کہ ان رسائل کی تفتیش، تدقیق کی ذمہ داری کوئی بلند پایہ علمی اور سماجی بورڈ اٹھائے، پھر وہ اگر میرے کہے کی تصدیق نہ کرے تو میں ہر سزا جھیلنے کے لیے بلکہ سخت ترین سزائے موت کے لیے راضی ہوں۔

ملزم

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

جناب چیف جسٹس صاحب!

استغاثہ میں تین مادوں کو بنیاد بنایا گیا ہے:

پہلا مادہ: مجھ پر یہ تہمت لگی ہے کہ میں نے کوئی پارٹی یا تنظیم بنا رکھی ہے۔

اور میں یہاں پر موجود تمام طلاّبِ رسائل نور کو، اور ان تمام لوگوں کو جو میرے ساتھ میل جول رکھتے ہیں، اور ان تمام لوگوں کو جنہوں نے رسائل کو پڑھا ہے یا ان کی کتابت کی ہے، میں اِن تمام لوگوں کو گواہ بناتا ہوں، چنانچہ آپ ان سے پوچھ سکتے ہیں کہ: کیا میں نے ان میں سے کسی کو بھی اور کبھی بھی یہ کہا ہے: ہم ایک سیاسی تنظیم کی یا کسی نقشبندی جماعت کی تشکیل دے رہے ہیں؟

میں تو جس بات کو ہمیشہ دہراتا رہتا ہوں وہ یہ ہے: ہم اپنے ایمان کو بچانے کا کام کر رہے ہیں، ہمارے درمیان تنظیم والی صرف ایک ہی خوبی پائی جاتی ہے، اور وہ یہ کہ ہم ایک مقدس اسلامی جماعت کے افراد ہیں جس کی طرف عام اہلِ

ایمان منسوب ہوتے ہیں، اور اس کے افراد کی تعداد تین سو ملین سے زائد ہے، اور ہم نے — اپنی قرآنی خدمت کی رُو سے اور اُن عام اہل ایمان کے ساتھ اخوت کے تعلقات کی بنا پر جنھیں قرآن نے حزب اللہ کا نام دیا ہے — خود کو حزبُ اللہ کے اور حزبُ القرآن کے دائرے میں پایا ہے۔

استغاثے میں جو کچھ کہا گیا ہے اگر اس کا یہی مطلب ہے، تو ہمیں پورے فخر کے ساتھ صمیم قلب سے اس کا اعتراف ہے، لیکن اگر اس سے کوئی اور چیز مراد ہے تو اس کا ہمیں علم نہیں۔

دوسرا مادہ: ''رسالۃ الحجاب'' اور ''ہجومات ستہ'' جیسے بعض رسائل میں وارد ہونے والے بعض جملوں کی غلط سلط تفسیر کر کے وہ ہمارے کندھوں پر ایک ایسے جرم کی ذمہ داری لادنا چاہتے ہیں جس کی سزا ہم بھگت چکے ہیں، اور اس طرح وہ ہمیں اُس حالت کی طرف لوٹا دینا چاہتے ہیں جو آج سے نو سال پہلے تھی، حالانکہ یہ وہ رسائل ہیں کہ ''اَسکی شہر'' کی عدالت میں ان کی گہری نظر سے تحقیق وتفتیش ہوئی اور اس کی وجہ سے ایک ہلکی سی سزا کا فیصلہ بھی ہوا، اور ''قسطمونو'' کے استغاثے اور ریکارڈ نے اس بات کا اعتراف کیا کہ یہ ذاتی قسم کے رسائل ہیں جو پبلک کے ہاتھوں میں نہیں جاتے ہیں۔ اور یہ کہ یہ کیل لگا کر بند کیے ہوئے صندوقوں میں کوئلے اور لکڑیوں کے ڈھیروں کے نیچے جس حالت میں پڑے ہوئے تھے اس سے اس بات کی مزید تاکید ہو جاتی ہے کہ انہیں کسی بھی صورت میں طبع ونشر کے لیے نہیں لکھا گیا تھا۔

تیسرا مادہ: استغاثے میں بہت سی جگہوں پر ''وقوع'' کی بجائے ایسی عبارات ذکر کی گئی ہیں جو ''وقوع کے اِمکان'' کا معنی دیتی ہیں؛ جیسے یہ عبارت: ''ممکن ہے کہ ملک کے امن میں اس طرح کے حالات پیدا کر دیں''، اور یہ: ''ممکن ہے کہ وہ یہ کام کرے'' وغیرہ۔ اب بات یہ ہے کہ قتل ہو جانے کا امکان تو ہر انسان میں موجود ہے، تو کیا اس کا اس بات پر محاسبہ ہوگا؟

ملزم
سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

چیف جسٹس صاحب!

میں آپ کی خدمت میں اپنا وہ دفاعی بیان پیش کر رہا ہوں جو بطور درخواست میں نے انقرہ میں سربراہِ جمہوریت کو اور سرکاری محکموں کو بھیجا تھا، اور اس کے ساتھ میں وزارت کی طرف سے صادر ہونے والا جوابی خط منسلک کر رہا ہوں جو بتاتا ہے کہ اُس کا اس دفاعی بیان کے ساتھ گہرا تعلق ہے اور یہ کہ اسے یہ دفاعی بیان قبول ہے۔

اس دفاع میں اُن باطل اَوہام وخدشات کا قطعی ردّ موجود ہے جن سے اِن دعوے داروں نے ہمارے خلاف تہمتوں

کا جال بُنا ہے، اسی طرح ماہرین کی کمیٹی نے جو رپورٹ دی ہے اس کی بنیاد ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اِدھر اُدھر سے اُٹھائے ہوئے کچھ سطحی سے رجسٹروں اور فائلوں پر رکھی گئی ہے اور وہ رپورٹ بہت سی مغالطہ آفرین اور خلاف واقعہ باتوں پر مشتمل ہے۔ اِس کمیٹی پر اعتراض کی صورت میں میرا دفاعی بیان پیچھے گزر چکا ہے۔

یہاں میں اس کی کچھ مثالیں پیش کر رہا ہوں:

میں پیچھے یہ بتا چکا ہوں کہ ان لوگوں نے اُسکی شہر میں جب آرٹیکل 163 کے تحت مجھے مجرم بنانا چاہا، تو میں نے ان سے کہا:

''وان'' میں دار العلوم کی بنیاد رکھنے کے لیے جمہوری حکومت کے ڈھائی سو ارکان اسمبلی میں سے ایک سو تریسٹھ ارکان کا ڈیڑھ لاکھ ترکی لیرے کی رقم مختص کرنے پر اتفاق کرنا جو کہ آرٹیکل 163 کی تعداد کے برابر ہے...... میں کہتا ہوں ارکانِ اسمبلی کی اس تعداد کا اس منصوبے پر اتفاق کر لینا اور اس جمہوری حکومت کی طرف سے میری عزت افزائی ہونا، میرے خلاف آرٹیکل 163 والے حکم کو ساقط کر دیتا ہے۔

لیکن ماہرین کی اس کمیٹی نے میری اس بات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا اور اس میں ردّ و بدل کر کے اسے کچھ اس طرح بنا دیا: ''ایک سو تریسٹھ ارکانِ اسمبلی نے سعید کے خلاف مقدمہ چلانے پر اتفاق کیا ہے۔''

پھر ان اِجمالی اور تفصیلی غلط سلط اتہامات کی بنیاد پر ہمارے خلاف دعوے کا موقع آ گیا، جبکہ تمہارے اس ٹریبونل کی قرارداد کے مطابق جو اعلیٰ پائے کا علمی بورڈ تشکیل دیا گیا تھا، اس نے رسائلِ نور کے تمام اجزا کی گہری نظر سے تحقیق کرنے کے بعد بالاتفاق یہ فیصلہ صادر کیا تھا کہ ''یہ بات بالکل عیاں ہے کہ سعید اور شاگردانِ رسائلِ نور کی تحریروں میں ایسی کوئی چیز نہیں پائی جاتی ہے جو صراحتاً یا ضمناً اس بات پر دلالت کرتی ہو کہ یہ لوگ دین کو اور دیگر مقدّسات کو نقضِ امن پر اُبھارنے کی نیت سے، یا کسی تنظیم کی بنیاد رکھنے کے لیے، یا حکومت کے خلاف سازشیں تیار کرنے کے لیے استعمال کر رہے ہیں، جیسے کہ سعید کے شاگردوں کے خطوط سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ وہ حکومت کے خلاف کسی بھی طرح کی بُری نیتیں نہیں رکھتے ہیں اور ان کا مقصد کسی بھی طرح کی سیاسی تنظیم کی بنیاد رکھنا یا کسی صوفیانہ سلسلے کی راہ پر چلنا نہیں ہے۔''

جیسے کہ اس بورڈ نے بالاتفاق یہ قرارداد پیش کی کہ ''سعید نورسی کے ننانوے فیصد رسائل اصولِ علم، حقیقت اور دین کے میدان میں کسی بھی چیز کی مخالفت نہیں کرتے، اس پر مزید یہ کہ یہ رسائل انتہائی اخلاص کے ساتھ اور دنیاوی اغراض سے کنارہ کش رہ کر لکھے گئے ہیں، اور ان میں سے ہر رسالہ کسی آیت کی تفسیر یا کسی حدیث کا معنی بیان کرنے کے لیے لکھا گیا ہے، اور اس میں ایسی مثالیں لائی گئی ہیں جو دین، ایمان، اِلٰہ، نبوت اور آخرت کے ساتھ تعلق رکھنے والے عقائد کی توضیح وتشریح کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں، اور ان میں سے ننانوے فیصد رسائل علمی آرا و افکار، نوجوانوں اور بوڑھوں کے لیے اخلاقی پند و نصائح، بلند پایہ مناقب و فضائل اور زندگی کے تجربات سے کشید کیے عبرت خیز واقعات پر مشتمل ہیں، اور

ان میں ایسی کوئی چیز نہیں جو حکومت، علاقے کے کسی ادارے، یا حکومت یا علاقے کے امن واستقرار کے لیے نقصان میں جاتی ہو، اوران میں اس بات کی بالکل صراحت ملتی ہے کہ ان کا مقصد کوئی تنظیم بنا کر یا دین کو کسی مقصد کے لیے آلۂ کار بنا کر امن عامہ میں خلل ڈالنا نہیں ہے، اور طلابِ رسائل نور کی آپس کی خط وکتابت اوران کی اپنے استاد سعید نورسی کے ساتھ خط وکتابت اسی دائرے میں آتی ہے، رہے بقیہ رسائل جن کی تعداد تقریباً دس کے قریب ہے، تو وہ خاص ذاتی رسائل ہیں، ان میں ایک طرح کے شکوے شکایت کا انداز پایا جاتا ہے، کوئی علمی جھلک نظر نہیں آتی۔''

لیکن استغاثے میں جب اس بلند پایہ علمی بورڈ کی رپورٹ سے آنکھیں بند کر کے ایک پرانی، ناقص، غیر متوازن اور پریشان حال ماہرین کی کمیٹی کی رپورٹ کی روشنی میں ہم پر جو عجیب وغریب اور حیران کن الزامات لگائے گئے ہیں، ہمیں اس روش کا بہت زیادہ افسوس ہے، اور ہماری رائے میں یہ ایک ایسی روش ہے جو اس انصاف کو قطعاً زیب نہیں دیتی جو اس عدل پرست عدلیہ کا طرۂ امتیاز ہے!

ان لوگوں نے رسائلِ نور کے ساتھ جو سلوک کیا ہے — اگر یہ تشبیہ جائز ہوتا — بکتاشی[1] کے سلوک کے ساتھ بہت زیادہ مشابہت رکھتا ہے جب اس سے کہا گیا کہ تو نماز کیوں نہیں پڑھتا؟ تو اس نے کہا: اس لیے کہ قرآن کہتا ہے: ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ﴾، اُسے کہا گیا کہ آیت مکمل کرو، یعنی اس سے اگلے الفاظ ﴿وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ﴾ بھی پڑھو، تو اس نے کہا: میں حافظ نہیں ہوں!!

یہی معاملہ ان لوگوں نے رسائلِ نور کے ساتھ روا رکھا ہے، کہ ان سے اپنے مطلب کے کچھ جملے لے لیے ہیں اور اُن کے بعد والے الفاظ جو ان جملوں کو مکمل کرتے ہیں اوران کا نتیجہ سامنے لاتے ہیں انہیں چھوڑ دیا ہے۔ میں جو اپنا دفاعی بیان پیش کر رہا ہوں، اس کا موازنہ اگر چارج شیٹ کے ساتھ کیا گیا تو اس طرح تیس چالیس مثالیں نظر آئیں گی، اوران مثالوں کی روشنی میں مَیں ایک لطیف واقعہ بیان کروں گا:

''اسکی شہر'' میں کسی بھول چوک کے نتیجے میں مقدّمے کی مِسل میں ایک عبارت سامنے آئی جو رسائل نور کے ایمانی دروس کے بارے میں کہتی تھی کہ: یہ لوگوں کو خراب کر رہے ہیں، لیکن پھر مدّعی نے اس عبارت سے رجوع کر لیا۔ پھر اس واقعہ پر ایک سال گزر جانے کے بعد رسائل نور کے ایک عبدالرزاق نامی شاگرد کی اُس آدمی کے ساتھ بات چیت ہوئی جس سے یہ عبارت صادر ہوئی تھی، تو اُس نے اُس آدمی سے کہا: ارے بد بخت! تُو رسائلِ نور کے ان ارشادات کے خلاف زبان درازی کر رہا ہے جو کہ تینتیس قرآنی آیات کے اشارات کی وجہ سے قدر ومنزلت کا مظہر ہیں، اور جن کی دینی قدر وقیمت سیّدنا علیؓ کی تین عدد کرامات نے غیبی طور پر خبر دے کر اور سیدنا عبدالقادر جیلانی قدّس سرہٗ نے غیبی طور پر آگاہ کر کے ثابت کر دی ہے، اور جن رسائل نے ان بیس سالوں کے دوران اُس علاقے کو اور یہاں کے عوام کو کوئی

[1] بکتاشی: ایک آدمی کا نام ہے جو شرعی فرائض وواجبات سے بھاگنے کے لیے حیلے بہانے تراشنے میں ضرب المثل بن چکا ہے۔

نقصان نہیں پہنچایا ہے، بلکہ ہزاروں لوگوں کی رہنمائی کی ہے، انہیں علم دیا ہے اور اُن کے اخلاق درست کیے ہیں؛ لیکن تو اُن کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ فساد پھیلا رہے ہیں؟ تجھے خدا کا خوف نہیں؟ اللہ تیری زبان کاٹ دے۔

اب مدّعی نے اس عدالت میں اس حق پرست طالبِ نور کی وہ باتیں پکڑ لیں جن کے ذریعے اُس نے اُس آدمی کا ردّ کیا تھا جو کہتا تھا کہ ''سعید اپنے ماحول میں فساد پھیلا رہا ہے۔'' پس مدّعی نے صرف یہی عبارت آگے پیچھے سے کاٹ کر استغاثے میں درج کر دی۔ اب میں یہ معاملہ آپ کے انصاف پر اور آپ کے ضمیر پر چھوڑتا ہوں۔

پھر مُدّعی نے رسائلِ نور کے سماج رُخی دروس کو ہدفِ طعن بنانا چاہا، چنانچہ اس نے کہا: دین کا مقام و محل ضمیر اور وجدان ہے، اس کا حکومت اور قانون کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، بلکہ پہلے دور میں جب دین کا تعلق حکومت اور قانون کے ساتھ جُڑا تھا تو سماجی اتھل پتھل ظہور میں آ گئی تھی۔ اور میں کہتا ہوں: ''دین صرف ایمان ہی کا نام نہیں ہے، بلکہ اس کا دوسرا جز عملِ صالح ہے، تو تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ لوگ جو قتل، زنا، چوری، شراب اور جوئے جیسے اُن مہلک جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں جو معاشرتی زندگی میں زہر بھر دیتے ہیں، ایسے لوگوں کو لگام ڈالنے کے لیے جیل کا یا حکومت کے مخبروں کا خوف کافی ہے؟ بات اگر اسی طرح ہے تو پھر ہر گھر میں بلکہ ہر شخص کے پہلو میں ایک پولیس مین اور ایک مخبر معیّن کر دینا ضروری ہے تاکہ وہ بے راہ لوگوں کو ان مہلک جرائم کے ارتکاب سے روکتے رہیں۔

پس رسائل نور ہر شخص کے ساتھ ہر وقت ایمان اور عملِ صالح کی جہت سے ایک معنوی رقیب کھڑا کر کے رکھتا ہے جو اسے جہنم کی جیل اور غضبِ الٰہی کی یاد دلاتا رہتا ہے اور اس طرح اسے آسانی کے ساتھ برائیوں سے بچا لیتا ہے۔

پھر مدّعی کو کچھ دستخط ملے جو ایک کرامت بھرے لطیف رسالے کے توافقات پر کیے گئے تھے، تو اس نے سمجھا کہ دستخط کرنے والے یہ لوگ کسی جمعیت یا تنظیم کے افراد ہیں۔ کیا تم لوگوں نے دوکانداروں کی کاپیوں میں موجود دستخط دیکھے ہیں؟ ان کے وجود کا مطلب یہ ہے کہ کوئی تنظیم موجود ہے؟

اَسکی شہر کی عدالت میں کچھ اسی طرح کا واقعہ پیش آیا تھا، میں نے جب اس کا جواب دیا اور ''معجزاتِ رسول ﷺ'' نامی کتاب ان کے سامنے رکھی تو وہ اس بات سے حیران رہ گئے، پس اگر ہماری کوئی دنیاوی تنظیم ہوتی تو جن لوگوں کو میری وجہ سے نقصان پہنچا ہے وہ مجھ سے بہر کیف دُور بھاگ جاتے اور بلاشبہ ہمارے درمیان لاتعلقی اور بغض پیدا ہو جاتا، نتیجہ یہ کہ جس طرح میرا اور میرے ہمراہیوں کا امام غزالی ؒ کے ساتھ اٹوٹ رشتہ ہے؛ کیونکہ یہ دنیاوی نہیں بلکہ اُخروی رشتہ ہے، یہی حال ان مخلص، متدین، متقی اور متدین لوگوں کا ہے جنہوں نے مجھ جیسے مسکین کے ساتھ صرف اور صرف ایمان کے دروس کی خاطر مضبوط رشتہ جوڑا ہوا ہے۔

یہی وہ بنیاد ہے جس سے کسی مزعوم سیاسی تنظیم کے وجود کا وہم پیدا ہوتا ہے۔

میں اپنی یہ بات ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ کے ساتھ ختم کرتا ہوں۔

قیدِ تنہائی کا ملزم
سعید نورسی

☆ ☆ ☆

یہ جز بڑی اہمیت کا حامل ہے

باسمہ سبحانہ

آخری بات کا ایک اہم تراشہ

جناب چیف جسٹس صاحب! عزیزان گرامی!......

مجرم ٹھہرانا ایسے ہی ہے جیسے کفرِ مطلق کی مصلحت کی ٹہل سیوا کی خاطر قرآنی حقیقت کو اور ایمانی حقائق کو مجرم بنا دیا جائے، پھر یہ چیز اُس جادۂ کبریٰ کو بند کرنے کی کوشش ہوگی جو ساڑھے تیرہ سو سال سے استوار کیا گیا ہے، اور جس میں ہر صدی میں تین سو ملین مسلمان رواں دواں ہیں، وہ جادۂ کبریٰ جو تین سو بلین مسلمانوں کو حقیقت اور سعادتِ دارین تک پہنچانے والا ہے...... یہ ایک ایسا عمل ہے جو آپ کے خلاف ان لوگوں کے انتقامی جذبات کو ہوا دے گا اور آپ اُن کے اعتراضات کا نشانہ بن جائیں گے؛ کیونکہ اس جادۂ کبریٰ میں چلنے والے اَخلاف اپنے اسلاف کے لیے دُعا کرتے ہیں اور اپنی نیکیوں اور دعاؤں کے ساتھ ان کی مدد کرتے ہیں، اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ تمہارا یہ عمل اس مبارک وطن کے لیے تباہیوں کا سبب بنے گا۔

تُم لوگوں سے اگر ان تین سو بلین مدعیوں کے سامنے اُس عدالتِ عظمٰی میں یہ پوچھا گیا: تم نے ڈاکٹر ''دوزی'' کی ''تاریخِ اسلام'' نامی کتاب پر کوئی روک ٹوک کیوں نہیں لگائی، جو کہ اوّل سے آخر تک تمہارے دین، تمہارے اسلام اور تمہارے وطن کے خلاف ایک ننگا حملہ ہے؟ اور تم نے اپنی لائبریریوں میں زندیقوں کی کتابیں پڑھے جانے کی اجازت کیوں دی؟ تم نے ان کے شاگردوں کا راستہ کیوں نہیں روکا حالانکہ وہ تمہارے ہی قوانین کی روشنی میں جمعیت سازیاں کرتے رہے؟ تم نے ان الحادی، کمیونسٹ باغی، انقلابی، انتہا پسند، انارکسٹ اور اس طرح کی دیگر فسادی اور تخریبی جمعیتوں اور تنظیموں پر پابندیاں کیوں نہ لگائیں جو تمہاری سیاسیات کے ساتھ صاف طور پر ٹکراتی تھیں؟ پھر تم نے ان لوگوں کا راستہ کیوں روکا جن کا سیاست کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہ تھا، جو صرف وہی چند مؤلفات پڑھتے تھے جن کی تمام تر توجہ حق اور حقیقت کی طرف تھی، جیسے رسائل نور جو کہ صرف قرآن کے حقائق کی تفسیر ہیں، وہ لوگ ان رسائل کو اس لیے پڑھتے تھے تا کہ وہ ایمان و قرآن کے جادۂ کبریٰ پر رواں دواں رہ سکیں اور اپنی اور اپنے ہم وطن بھائیوں کو ابدی

طور پر معدوم ہو جانے اور قیدِ تنہائی کے عذاب سے بچا سکیں؟ اور پھر تم لوگوں نے ان مخلص متدین لوگوں کے درمیان قائم ہو جانے والی اُخروی محبت، اخوت اور دوستی کو پارٹی یا تنظیم کا نام کیوں دیا، حالانکہ ان لوگوں کا کسی بھی طرح کی سیاسی تنظیم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا؟ اور پھر تم نے یہ فیصلہ کیوں صادر کیوں کیا کہ یہ لوگ مجرم ہیں اور پھر عجیب وغریب قانون کے ذریعے انہیں مجرم بنائے رکھنے پر اصرار کیوں کرتے رہے؟! یاد رکھو کہ خود ہم بھی تم لوگوں سے یہی سوال کریں گے۔

ہمارے زندیق اور منافق دشمن جنہوں نے تمہیں اور عدالت کو گمراہ کیا ہے اور حکومت کو ہمارے ساتھ کچھ اس انداز سے مصروف کر دیا ہے کہ جس سے بلاد وعباد کو نقصان ہو رہا ہے، یہ سب کچھ استبدادِ مطلق کو ''جمہوریت'' کا نام دے کر، اور ارتدادِ مطلق کو ''نظامِ حکومت'' کے نام سے لاگو کر کے، مادر پدر آزادی اور کمینگی کو ''تہذیب وتمدّن'' کا نام دے کر، اور اپنے مزاجی، بے راہ، ظالمانہ اور کفریہ اوامر کو ''قانون'' کا نام دے کر کر رہے ہیں، اور اس طرح تمہیں گمراہ کر رہے ہیں، حکومت کو مصروف کرتے ہیں اور ہم پر ظلم ڈھاتے ہیں، سختیاں کرتے ہیں اور ہمیں مصائب سے دوچار کرتے ہیں اور اجنبی مصلحتوں کی خدمت کرنے کی خاطر وطن وقوم اور اسلامی حاکمیت پر وار کرتے ہیں۔

عزیزانِ گرامی!...... چار سال کے عرصے میں عین اس وقت کہ جب طلاّبِ رسائل نور پر ظلم وستم روا رکھا گیا، چار عدد ہوش ربا قسم کے زلزلے آتے رہنا، اور ان کے خلاف ظلم رکتے ہی زلزلوں کا رُک جانا، اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تم لوگ ہمارے خلاف فردِ جرم عائد کرنے کی جو قرارداد صادر کرو گے، اس کی وجہ سے جو آسمانی وزمینی آلام ومصائب نازل ہوں گے ان کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔

قیدِ تنہائی اور تجریدِ مطلق کا ملزم

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

آخری بات کا ایک جز

عزیزانِ گرامی قدر!......

تُم لوگوں نے ہم پر جو تنظیم سازی کی تہمت لگائی ہے اور اس پر اصرار بھی کیا ہے،...... میں جب اس سے پیدا ہونے والے حیرت واستعجاب میں غرق تھا، میرے دل میں ایک خیال وارد ہوا...... حالانکہ تمہاری لگائی ہوئی تہمت کی بے مائگی ہم ایسے قطعی ردّ کے ساتھ ثابت کر چکے ہیں کہ جس کی تصدیق انقرہ میں تشکیل دی گئی ماہرین کی کمیٹی نے کر دی تھی، لیکن تم لوگ استغاثے کے مطابق ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہمیں مجرم بنانے کی ضد کو پورا کرنے کے لیے ہمارے

خلاف اُس تہمت کو برابر کھینچتے چلے آ رہے ہو...... میں اپنے دل میں آنے والے اس خیال کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ یاد رہے کہ میں اس وقت جس حالت میں ہوں اس میں میرے لیے موجودہ معاشرتی زندگی کے خد و خال کا اندازہ لگانا مشکل ہے پس میں کہتا ہوں:

بے شک دوستی، آپسی بھائی چارے کی جماعت، برادرانہ اجتماعات اور خالص اُخروی یکجائی و ہمنوائی اور باہمی اخوت، سماجی زندگی کے لیے بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتے ہیں، انسانی فطرت کے لیے ضروری حاجت اور لوگوں کی زندگی میں خاندان اور قبیلے سے لے کر قوم، عالم اسلام اور عالمِ انسان تک ایک اہم ترین اور مضبوط ترین رابطہ ہے، اور ہر انسان کے لیے ان مادی اور معنوی رکاوٹوں کے مقابلے میں ایک نقطۂ استناد ہے جو اُسے اُس کے انسانی اور اسلامی وظائف کی ادائیگی سے روکتی ہیں، اور اس کے لیے اُن چیزوں کے مقابلے میں تسلی کا سامان ہیں جو اس کے لیے نقصان دہ ہیں اور وہ انہیں دُور ہٹانے پر قادر نہیں۔

تو یہ دوستی، جماعت اور یہ اجتماعات جب سیاسی اغراض سے پاک ہیں، اور خاص کر وہ اجتماعات جو طلابِ نور ایمان کے دروس ہر طرح سے قابلِ قدر اور قابلِ تحسین و آفرین کے لیے قائم کرتے ہیں، اور یہ وہ اجتماعات ہیں جو حقیقت کی راہ میں اخوت پر، قوم و وطن کو نقصان دینے والی کسی بھی چیز کے مقابلے میں ایک دوسرے کی پشتیبانی پر، اور جو دنیا و آخرت کی سعادت کا قطعی وسیلہ بننے والے ایمان و قرآن کے درس میں خالص روشنی پر مشتمل ہیں؛ تو پھر اس بات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا ہے کہ جو آدمی ان چیزوں کو "سیاسی تنظیم" کہتا ہے وہ یا تو پرلے درجے کا کم عقل اور فریب خوردہ ہے، یا شریر قسم کا انتہا پسند ہلڑ باز انارکسٹ ہے جو بد نظمی و بے لگامی کے ساتھ انسانیت کے ساتھ دشمنی کر رہا ہے اور استبداد و تسلط کے ذریعے اسلام کے ساتھ برسرِ پیکار ہے، اور تخریب کار بد نظمی و اَنارکی کے فاسد ترین اور پست ترین حربوں کے ذریعے معاشرتی زندگی کے ساتھ لڑائی جھگڑا کر رہا ہے اور ارتداد و تمرّد و عناد کے ساتھ قوم و وطن، اسلام کی حاکمیت اور دینی مقدسات کے خلاف میدانِ جنگ گرم کیے ہوئے ہے،...... اور یا پھر وہ کوئی زندیق شیطان ہے جو غیروں کی خدمت میں اس قوم کو برباد کرنے اور اس کی رگِ حیات کو کاٹنے پر تُلا ہوا ہے؛ چنانچہ اس طرح وہ حکومت کو غافل اور عدالت کو گمراہ کرتا ہے۔ اور اس کھیل میں اس کے سامنے غرض و غایت یہ ہے کہ وہ ہمارے اس معنوی ہتھیار تک پہنچنا چاہتا ہے جسے ہم اب تک ان ہلڑ باز شیطانوں اور فرعونوں کے خلاف استعمال کرتے چلے آ رہے ہیں، تا کہ اس طرح وہ اس ہتھیار کا رخ ہمارے وطن اور ہمارے بھائیوں کی طرف کر دے، یا پھر اسے توڑ ہی ڈالے۔

ملزم

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

عزیزانِ گرامی!

مجھے اپنے سامنے ایک ایسی بات کہنے کی اجازت دیجیے جو ظاہری طور پر تو تمہارے ساتھ ہوگی لیکن حقیقت میں وہ ایک خطاب ہے جس کے ذریعے میں ایک فسادی قسم کی خفیہ تنظیم کا ردّ کر رہا ہوں جو گزشتہ تیس چالیس سالوں سے مختلف شکلوں میں ظاہر ہو رہی ہے اور اغیار، اور کفر و الحاد کی مصلحتوں کی خدمت کرنے کے لیے قوم کو بگاڑنے اور وطن کی جمعیت کو پارہ پارہ کرنے کی غرض سے مختلف وسائل و ذرائع کے ساتھ قرآن کی حقیقت اور ایمان کے حقائق پر حملے کر رہی ہے، اسی طرح میں اس خطاب کے ذریعے ان سطحی فکر کے حامل ظلم کیش و ستمگار ذمہ داران کو مخاطب کروں گا اور ان محکموں کو بھی مخاطب کروں گا جنہوں نے عدالت کو گمراہ کیا ہے اور اس تنظیم کے لیے اسلامی لبادے کو رواج دیا ہے۔

[دوسرے دن بے گناہی کا فیصلہ صادر ہو جانے پر یہ خطرناک بات ٹال دی گئی]

قیدِ تنہائی اور تجریدِ مطلق کا ملزم

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

ایک اہم سوال کا محققانہ جواب

کچھ ذمہ دار قسم کی بڑی شخصیات نے مجھ سے پوچھا ہے کہ مصطفی کمال نے "کردستان" اور مشرقی صوبہ جات میں "شیخ سنوسی" کی جگہ پر آپ کو تین سو لیرا تنخواہ پر واعظِ عام تعینات کرنے کی پیش کش کی تھی، آپ نے وہ پیشکش قبول کیوں نہ کی؟ اگر آپ اُس وقت اس کی یہ پیشکش قبول کر لیتے تو آپ کی وجہ سے وہ ہزاروں روحیں بچ جاتیں جو وہاں انقلاب کی بھینٹ چڑھ گئی ہیں؟![1]

تو میں نے انہیں جواب دیا: بجائے اس کے کہ میں ان لوگوں کی وہ زندگی بچاؤں جس کی مقدار بیس یا تیس سال ہے، رسائلِ نور نے ایک ایسا کام کر دیا ہے جو لاکھوں ابنائے وطن کو وہ اُخروی زندگی عطا کرنے کا وسیلہ بن گیا ہے جو لاکھوں سالوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ لیکن اگر میں وہ پیشکش قبول کر لیتا تو وہ رسائلِ نور ظہور میں نہ آتے جو اخلاص کے حامل ہیں، اور جو کسی بھی چیز کے آلۂ کار کے تابع نہیں ہیں۔

حتی کہ میں نے جب ان لوگوں کے بارے میں بات کی جنہوں نے رسائلِ نور سے زناٹے دار طمانچے کھانے کی وجہ سے میرے لیے سزائے موت کا فیصلہ صادر کیا، تو میں نے جیل میں موجود اپنے دوست احباب اور قریبی ساتھیوں سے کہا: گواہ رہو کہ ان لوگوں نے اگر رسائلِ نور کے ذریعے اپنا ایمان بچا لیا اور ان کی وجہ سے ابدی طور پر معدوم ہونے

[1] اس سے مراد شیخ سعید پیراں والے انقلاب کا واقعہ ہے جو کہ 1925ء میں پیش آیا۔

سے بچ گئے تو میں ان لوگوں کو دل سے معاف کر دوں گا۔

پھر جب ہماری بے گناہی کا فیصلہ سامنے آیا تو میں نے ان لوگوں سے جو "دینزلی" میں اپنی شدید ترین نگرانی کی وجہ سے میرا عرصۂ حیات تنگ کیے ہوئے تھے، ان کے سرداروں سے تھانیدار سے اور تفتیشی ٹیم سے کہا:

رسائلِ نور کی نا قابلِ تردید کرامات میں سے ایک یہ ہے کہ میری اس زندگی کے بیس سالوں میں جو میں نے ظلم سہتے ہوئے گزاری ہے، تحقیق وتمحیص وتدقیق کی کاروائی مکمل ہونے کے نو سال بعد، میرے سینکڑوں رسائل ومراسلات میں، اور ہزاروں شاگردوں کے احوال میں تحقیق وتدقیق کی کاروائیوں کے مکمل ہونے کے نو مہینے بعد بھی کوئی بھی ایسی دستاویز ہاتھ نہیں لگی جو کسی سیاسی دھارے یا تنظیم کے وجود پر یا کسی داخلی یا خارجی تحریک کے ساتھ کسی قسم کے تعلق پر دلالت کرتی ہو؛ کیونکہ یہ عجیب وغریب طور اطوار کسی سوچ فکر یا سوچے سمجھے منصوبے کا نتیجہ نہیں ہو سکتے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو لایا جائے اور اس کے اسرار و رموز کا اور چند سالوں کی زندگی کی مدّت میں اس کے خصوصی معاملات سے پردہ اُٹھا دیا جائے تو حتمی طور پر ایسے بیس مادے ظہور میں آجائیں گے جو اُسے شرمندہ کر دیں گے یا مجرم بنا دیں گے۔

حقیقت جب یہی ہے تو پھر یا تو تم لوگ یہ کہو کہ: یہ ایک ایسا عمل ہے جس کے پیچھے کوئی بہت بڑی دانش ودانائی اور دُور اندیشی کام کر رہی ہے جس کا مقابلہ نہیں ہو سکتا، یا پھر یوں کہو کہ: یہ غایت درجے کی لطف ومہربانی کے ساتھ حفظِ الٰہی ہے، اگر یہ چیز دانش ودانائی ہے تو پھر اس طرح کی دانش کا سامنا کرنا ایک ایسی گمبھیر اور سخت غلطی ہے جو قوم ووطن کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگی، اور اگر یہ چیز حفظِ الٰہی ہے تو پھر اس طرح کے حفظِ الٰہی اور عنایتِ ربّانی کی راہ روکنا صرف اور صرف فرعونی تمرّد ہوگا۔

اگر تم یہ کہو: اگر ہم آپ کو چھوڑ دیں اور تمہارے کام کے ساتھ کوئی سروکار نہ رکھیں تو ہو سکتا ہے کہ آپ اپنے دروس کے ذریعے اور اپنے ان اسرار کے ذریعے جنھیں آپ مخفی رکھے ہوئے ہیں ہماری سماجی زندگی کو گدلا کر کے رکھ دیں۔ تو میں تمہیں کہتا ہوں: میرے تمام دروس بلا استثنا حکومت اور عدالت کے ہاتھ لگ چکے ہیں، ان میں کوئی ایک مادہ بھی نہیں ملا ہے جو ایک دن کے لیے بھی جیل بھیجنے کا مستوجب ہو!

پھر میرے ان ایک سو تیس رسائل کے چالیس پچاس ہزار نسخے ہیں جو قوم کے افراد کے ہاتھوں میں گردش میں ہیں اور اُن کی توجہ اور اہتمام حاصل کر چکے ہیں، اور انہیں نفع کے سوا اور کوئی چیز نہیں دیتے ہیں۔ اور سابقہ اور حالیہ دو عدالتیں ان میں گہری نظر ڈال چکی ہیں اور انہیں ان میں ایسی کوئی چیز نہیں ملی جو ذمہ داری کی مستوجب ہو، یہی وجہ ہے کہ موجودہ عدالت نے ہماری بے گناہی کا فیصلہ صادر کر دیا ہے، جبکہ سابقہ عدالت نے میرے ایک سو بیس ملزم بھائیوں میں سے پندرہ لوگوں کے خلاف چھ مہینے کے لیے جیل کا فیصلہ سنایا تھا۔ اور اس فیصلے میں اُس نے کسی قانونی تقاضے کی نہیں بلکہ ایک سو تیس رسائل میں چند ایسے کلمات کو بہانہ بناتے ہوئے کہ جن سے دنیاوی شان وشوکت کے حامل ایک بڑے آدمی

کی توہین محسوس ہو رہی تھی؛ اپنے ذاتی نظریے کی پیروی کی تھی۔ اور یہ چیز صرف اس چیز کی قطعی دلیل ہے کہ تم لوگوں کا میرے ساتھ اور رسائلِ نور کے ساتھ تعرّض کرنا ایک ایسا بدترین ظلم ہے کہ جس کی بنیاد صرف وہم باطل پر رکھی گئی ہے۔ البتہ یہ بات اور ہے کہ میرا کوئی نیا درس ظہور میں نہیں آیا اور میرا کوئی ایسا خفیہ راز نہیں بچا ہے جسے تم نگرانی کے ذریعے سیدھا کر سکو یا اعتدال پر لا سکو۔

مجھے اِن دنوں اپنی آزادی کی بہت زیادہ ضرورت ہے...... میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے...... اور ہو سکتا ہے کہ میں اپنی کمزوری اور اپنے بڑھاپے سے مجبور ہو کر تمہیں ایسی بددعا دے دوں جو آج تک کسی کو نہ دی ہو...... اور یہ بات بلاشبہ حقیقت ہے کہ مظلوم کی دعا اور عرش کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں۔[1]

پھر ان بدبخت ظالموں نے کہ جو اہم ترین حکومتی عہدوں پر فائز ہیں، مجھ سے کہا: تم نے گزشتہ بیس سالوں میں ایک دفعہ بھی ہمارا ہیٹ نہیں پہنا ہے، اور پہلی اور موجودہ عدالتوں میں ایک دفعہ بھی ننگے سر نہیں آئے اور اپنے قومی لباس میں ہی رہے ہو، حالانکہ سترہ ملین لوگ یہ نیا لباس اختیار کر چکے ہیں؟

تو میں نے انہیں کہا: میں تقوی اور شرعی عزیمت کے دامن کے ساتھ وابستہ رہنے کو اور وہ لباس پہننے کو جو سات بلین شرفا و معززین پہن رہے ہیں، اس بات پر ترجیح دیتا ہوں کہ قانونی مجبوری کے تحت یا شرعی رخصت کے تحت ایسا لباس پہنوں جو سترہ ملین نہیں، حتی کہ سات ملین بھی نہیں، بلکہ صرف سات ہزار کے لگ بھگ یورپ زدہ مدہوش متوالے پہنتے ہیں، صرف یہی چند لوگ ہیں جو اپنی مرضی سے خوشی خوشی یہ لباس پہن رہے ہیں۔

میرے جیسا آدمی جو پندرہ سال سے معاشرتی زندگی کو تیاگ چکا ہے، اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ: ''یہ ہمارے خلاف چلتا ہے اور ہمارے ساتھ بُغض و عناد رکھتا ہے''، بلکہ معاملہ اگرچہ واقعتاً عناد کا ہی ہو تب بھی نہیں کہا جا سکتا۔ خود مصطفی کمال جسے توڑنے سے عاجز رہا، دو عدالتیں جسے توڑنے سے عاجز رہیں، تین ضلعوں کے سرکاری ملازم جس کی عزت پر بٹا نہ لگا سکے؛ تم لوگ اس عناد کو توڑنے کی بے کار کوشش کیوں کر رہے ہو؟ اور اپنی اس بے کار کوشش سے حکومت اور قوم کو نقصان کیوں پہنچا رہے ہو؟

چلو ہم فرض کر لیتے ہیں کہ میں ایک سرگرم سیاسی مخالف ہوں؛ لیکن بات یہ ہے کہ ایک ایسا آدمی جو دنیا سے مکمل طور پر منقطع ہو چکا ہے، اور — تمہارے اِقرار کے مطابق — بیس سال کے عرصے سے معنوی طور پر مر چکا ہے، ایسے آدمی کے بارے میں یہ تصور بھی کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اُس سیاسی زندگی کے میدان میں تمہارا مقابلہ کرنے کے لیے دوبارہ زندہ ہو جائے جو اُس کے لیے سراسر نقصان دہ ہے اور کسی بھی پہلو سے سودمند نہیں؟...... اس طرح کے آدمی کی طرف سے

[1] بخاری اور مسلم کی ایک متفق علیہ حدیث کی طرف اشارہ ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: "اِتق دعوة المظلوم. فأنه ليس بينها و بين الله حجاب"۔

سیاسی مخالفت کا وہم پال لینا صرف پاگل پن ہے، اور پاگلوں کے ساتھ سنجیدہ قسم کی گفتگو کرنا بھی چونکہ پاگل پن ہے؛ اس لیے میں تم جیسے لوگوں سے بات نہیں کرتا۔

اور میں نے ان سے کہا: جو چاہو کرو، مجھ پر تم لوگ کوئی احسان نہیں کرو گے، تو میری اس بات سے انہیں غصہ آ گیا اور وہ اُسی وقت خاموش ہو گئے۔

اور میں آخر میں یہی کہوں گا: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾،

﴿حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾

☆ ☆ ☆

استاد نورسی اور ان کے شاگردوں کو جب عدالت میں لایا گیا، دشمنانِ اسلام نے وہاں علاقے میں خوف و ہراس کی فضا قائم کر رکھی تھی اور سرکاری اداروں کو ایسی معلومات نشر کرنے پر آمادہ کر دیا تھا جو سر سے لے کر پاؤں تک جھوٹ کا پلندہ تھیں، اور لوگوں کو اُن سے اور ان کے رسائلِ نور سے دُور رکھنے کے لیے بھرپور کوشش کی اور طلّابِ نور کے درمیان پھوٹ ڈالنے اختلاف برپا کرنے اور ان کے آپسی تعاون اور باہمی پشتیبانی کو متزلزل کرنے کے لیے سازشوں کے جال بچھائے۔

استاد نورسی جس جیل میں بھی جاتے ان کے لیے وہاں غالباً ایک ہی لگی بندھی کاروائی متعیّن تھی، اور وہ یہ کہ انہیں کال کوٹھڑی میں رکھا اور لوگوں کے ساتھ میل جول سے منع کر دیا جاتا۔ اسی بنا پر آپ نے اپنی عادت کے مطابق اپنے ان شاگردوں کو خط لکھے جو ''دنیزلی'' کی اُسی جیل میں ان کے ساتھ قید تھے، انہیں اس بات کی تنبیہ کرتے تھے اور وصیت کرتے تھے کہ خبردار رہنا، کہیں ان سازشی حملوں کا شکار نہ ہو جانا، اور ان کی روحانی پیاس بجھاتے تھے؛ کیونکہ وہ اپنے محبوب استاد کی ملاقات کے بہت ہی زیادہ مشتاق تھے، اور اس کے بالمقابل وہ استاد کے اُن رسائل، خطوط اور دیگر تالیفات کو حاصل کرنے کی ذمہ داریاں بھی نبھاتے تھے جو وہ جیل کے اندر لکھتے تھے۔ اس مقام پر ہم ان کے بعض خطوط و رسائل درج کرتے ہیں۔

یہ فقرہ کسی مخبر کی راہ سے سرکاری مسئولین کے ہاتھ لگ جانے کی وجہ سے ''ملحقات'' کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ

رمضان شریف کی آمد سے صرف ایک دن قبل مجھے زہر دے دیے جانے کے نتیجے میں میرا درجہ حرارت چالیس

سے بڑھنا شروع ہوگیا، جیسے کہ ڈاکٹر نے اس کی تصدیق کر دی تھی، اور اس معاملے میں ہم پوری قوت کے ساتھ ترجیح اسی بات کو دیتے ہیں کہ یہ ہمارے ان زندیق دشمنوں کی سازباز ہے جو خفیہ طور پر سرگرمِ عمل ہیں۔ اور پھر عین انہی لحات میں ''قسطمونو'' کا سرکاری وکیل اور پولیس کے تفتیشی افسر تفتیش کے لیے میری رہائش گاہ آئے، اور اُسی لمحے کے بعد مجھے حِسِ قبل الوقوع کی قبیل سے یہ محسوس ہوگیا کہ مجھ پر کوئی بہت بڑی مصیبت نازل ہونے والی ہے اور یہ جو خطرناک قسم کا زہر جو مجھے دیا گیا ہے مجھے موت کے منہ میں پہنچا کر ہی رہے گا، تب میں دل کی گہرائیوں سے حضورِ خداوندی میں یہ گریہ زاری کی کہ میری روح ''اسپارٹا'' میں میرے معزز بھائیوں کی گود میں قبض ہونی چاہیے اور مجھے اسی بابرکت مٹی میں دفن ہونا چاہیے۔

میں نے ''قرآنی حزبُ الاکبر'' کھولی، تو میرے سامنے یہ آیتِ کریمہ ابھری ﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾، اور مجھے کہنے لگی: مجھ میں غور کر، میں نے غور کیا تو پتا چلا کہ اس کا اشاری معنی تین قوی نشانات کے ذریعے میرے لیے اور ہم سب کے لیے تین تسلّیاں فراہم کر رہا ہے، مجھ پر نازل ہونے والی میری اس مصیبت کو ختم کر رہا ہے اور اسے ایک طرح سے معدوم ہی کرتا جا رہا ہے، اور میری ''اسپارٹا'' میں پانچویں مرتبہ شہر بدری کو میری دلی دعا کی قبولیت کی دلیل بنا رہا ہے۔

پہلا نشان: اس آیت کے حروف شدّوں مدّوں سمیت ''ابجد'' کے حساب سے ایک ہزار تین سو باسٹھ بنتے ہیں، اور یہ عدد ہجری کیلنڈر کے حساب سے موجودہ سال کے مساوی ہیں، اور معنوی طور پر کہہ رہے ہیں: صبر کر...... اپنے اوپر نازل ہونے والی قضائے ربانی کے آگے سراپا تسلیم و رضا بن جا...... تو ہماری نظرِ کرم کے تحت ہے اس لیے غم نہ کر...... رات کے اندھیرے میں تسبیح وتحمید کو اپنا معمول بنالے۔

تحلیل

و۔	2	=	12
ص۔	1	=	90
ب۔	9	=	18
ر۔	3	=	600
ل۔	1	=	30
ح۔	3	=	24
ک۔	4	=	80

م۔	2	=	80
ف۔	1	=	80
ا۔	4	=	4
ن۔	4	=	200
ع۔	1	=	70
ی۔	1	=	10
س۔	1	=	60
د۔	1	=	4
ٹوٹل		=	1362

پس اس عدد کا عین اُسی وقت میں اس سال کی تاریخ کے مطابق ہونا جس وقت ہم پر یہ مصیبت نازل ہوئی، ایک بہت بڑا نشان ہے۔[1]

نوٹ: دوسرے نشان کے بارے میں بیان کرنا ضروری نہیں تھا اس لیے اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

اس حادثے کی تاثیر کی وجہ سے میں نے ایسے وقت میں حضرت علیؓ کی ''جلجلوتیہ'' نامی دعا پڑھی۔ جب میں نے یہ پختہ عزم کرلیا تھا کہ میں بطیبِ خاطر اپنے بے گناہ بھائیوں کے لیے اپنی جاں نثار کردوں گا، اور میں نے اس کا کوئی راستہ بھی ڈھونڈنا شروع کردیا، تب میرے دل میں اچانک یہ خیال آیا کہ خود سیدنا علیؓ نے ''جلجلوتیہ'' نامی قصیدہ میں یہ کہتے ہوئے یہ دعا پڑھی تھی: ''اے میرے رب مجھے امان عطا فرما، بلاشبہ تم لوگ اِس دعا کے رلز کی برکت سے سلامتی کے ساتھ اس مصیبت سے نجات پا جاؤ گے ان شاء اللہ۔''

---

[1] اس آیت کے اَعداد کے ضمن میں دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ یہ اعداد "وَاصْبِرْ" سے لے کر "وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ" تک کے ہیں یعنی استاد نے آیت تو مکمل ذکر نہیں کی البتہ اپنے ان الفاظ کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کردیا ہے: ''تو ہماری نظر کرم کے تحت ہے، رات کے اندھیرے میں تسبیح وتحمید کو اپنا معمول بنالو۔'' دوسری یہ کہ اِس میں مشدّد حروف کو عام قاعدے سے ہٹ کر ایک نہیں بلکہ دو دو شمار کیا گیا ہے، اسی طرح ہمزۂ وصل کا عدد بھی شمار کیا گیا ہے، حالانکہ وہ ملفوظ نہیں۔ (مترجم)

جی ہاں، جس طرح سیدنا علیؓ نے اپنے قصیدہ جلجلوتیہ میں رسائل نور کے بارے میں دوطرح سے خبر دی ہے، اُسی طرح انہوں نے اپنے اس قول "وَبِالْآيَةِ الْكُبْرَىٰ آمِنِّي مِنَ الفَجَعَتْ" کے ساتھ ''الآیۃ الکبریٰ'' نامی رسالے کی طرف اشارہ کیا ہے، یعنی اس بے وہ یہ اشارہ کررہے ہیں کہ'' آیۃ الکبریٰ'' نامی رسالے کی وجہ سے طلاب نور کو کسی بہت بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا، پھروہ یہ کہتے ہوئے گڑگڑاتے ہیں کہ: یااللہ!'' آیۃ الکبریٰ'' کی برکت سے طلاب نور کو اس دکھ اور مصیبت سے بچا کر رکھ، اور اس طرح وہ اس رسالے اور اس کے سرچشمے سے دوسفارشی بناتے ہیں۔ جی ہاں، وہ مصیبت جو'' آیۃ الکبریٰ'' نامی رسالے کی طباعت کی دلیل سے نازل ہوئی، اُس نے اس غیبی رمز کی مکمل طور پر تصدیق کردی۔

وَلَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا﴾

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ

میرے عزیز وفادار بھائیو!

میں آپ کو تہِ دل سے گزشتہ لیلۃ القدر اور آنے والی عید کی مبارکباد دیتا ہوں، اور ارحم الراحمین کی وحدانیت اور اس کی رحمت کے حوالے کرتا ہوں۔

باوجود اس کے میں تمہیں تسلّی ودلاسے کا محتاج نہیں سمجھتا ہوں؛ کیونکہ ''مَنْ آمَنَ بِالْقَدَرِ أَمِنَ مِنَ الْكَدَرِ''، ''یعنی جو تقدیر پر ایمان لایا وہ پریشانی سے بچ گیا''۔ البتہ میں تمہیں اتنا ضرور کہوں گا کہ: میں وہ بھرپور تسلی دیکھ چکا ہوں جو یہ آیتِ کریمہ اپنے اشاری معنی کے ذریعے پھیلا رہی ہے:

﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾

اس کی تفصیل یہ ہے کہ عین وہ وقت کہ جس میں دنیا سے منہ پھیر کر پورے سکون اور دلی اطمینان کے ساتھ رمضان شریف گزارنے کی طرف متوجہ ہونے کی منصوبہ سازی کررہا تھا، کہ اچانک وہ واقعہ پیش آگیا جو سان گمان، طاقت اور برداشت سے باہر تھا، تب مجھے یہ واقعہ اپنے لیے، اپنے بھائی چارے کے لیے، رسائلِ نور کے لیے اور ماہِ رمضان کے لیے عین عنایت نظر آیا۔[1] رہے وہ بہت سے فائدے جو مجھے حاصل ہوئے ہیں تو ان میں سے میں دوتین فائدے بیان کررہا ہوں:

---

[1] جیل جانے کا یہ واقعہ 20 رمضان 1362ھ بمطابق 20 ستمبر 1943ء میں پیش آیا، اور تقریباً نو مہینے جاری رہا۔

پہلا فائدہ: اس حادثے نے مجھے رمضان شریف میں اپنی شدید ترین بیماری کو پچھاڑتے ہوئے مزید کوشش، محنت، سرگرمی، عزم، التجا اور گریہ زاری پر آمادہ کر دیا۔

دوسرا فائدہ: ہر سال کی طرح اس سال بھی میرے دل میں آپ لوگوں کے قریب تر رہنے کی شدید خواہش انگڑائیاں لے رہی تھی، میں اس بات پر راضی تھا کہ جو تکلیفیں میں نے اٹھائی ہیں، انہیں اس اُمید پر برداشت کرتا رہوں کہ میں ''اسپارٹا'' جاؤں گا اور آپ لوگوں کے ساتھ ملاقات کروں گا، اگرچہ یہ ملاقات صرف ایک ہی آدمی کے ساتھ ہو سکے!

تیسرا فائدہ: تمام دردناک حالات — خواہ وہ ''قسطمونو'' میں پیش آنے والے حالات ہوں، یا راستے میں پیش آئے ہوں، یا اِس جگہ پر — ایک غیر معمولی انداز سے بدلنا شروع ہو گئے، اور میری امید کے خلاف اور میری توقع کے برعکس چلنے والے ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی عنایت و مہربانی کا ہاتھ نظر آنا شروع ہو گیا، جس سے ہم بے اختیار کہنے لگے: اَلْخَيْرُ فِيْ مَا اخْتَارَهُ اللهُ۔

میرے دل میں جو سوچ زیادہ اُبھرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس واقعہ نے پرلے درجے کے غافل لوگوں کو — یعنی بڑے بڑے دنیاوی مناصب پر فائز لوگوں کو — انتہائی تحقیق و انتباہ کے ساتھ رسائل نور کو پڑھنے کے لیے مجبور کر دیا ہے، چنانچہ اس طرح اِس نے نئے میدانوں میں فتوحات کے جھنڈے گاڑنے کے لیے راستہ ہموار کر دیا ہے۔

پھر مجھ پر وارد ہونے والے وہ تمام آلام و مصائب کے علاوہ میری وہ حسرتیں اور آہیں کراہیں جن سے میں تُم پر ڈھائے جانے والی سختیوں کی وجہ سے مسلسل دوچار ہوتا رہتا ہوں، اور جو میرے کلیجے کو میرے ذاتی آلام و مصائب سے بڑھ کر زخمی کرتی ہیں؛ ان سب کے باوجود رمضان شریف کے مہینے میں کہ جس میں عبادت کا درجہ سو گنا تک بڑھ جاتا ہے، اس مہینے میں اس واقعہ کا رونما ہو جانا، اور اس واقعہ کا ایک ایسی مصیبت بن جانا جس کی وجہ سے اس کا اجر دس گنا بڑھ جائے گا؛ اس کی وجہ سے تمہارے اجر ایک ہزار تک بڑھ جائیں گے۔

پھر اس طرح کے حادثے کا تمہارے جیسے مخلص فاضل لوگوں کے ساتھ پیش آنا جو رسائلِ نور کو پڑھ چکے ہیں اور ان سے سبق حاصل کر چکے ہیں، اور جنھیں اس بات کا علم ہو چکا ہے کہ یہ دنیا فانی ہے، یہ صرف ایک تجارت گاہ کی حیثیت رکھتی ہے، اور جنھوں نے ایمان و آخرت کی راہ میں ہر شے قربان کر دی، اور جن کا اس بات پر پختہ ایمان ہے کہ اس مدرسہ یُوسفیہ میں نازل ہونے والے عارضی قسم کے شدائد و مصائب ان کے حق میں دائمی فائدوں اور مسرّتوں کا باعث بن جائیں گے...... میں کہتا ہوں: اس طرح کے حادثے کا تم جیسے لوگوں کے ساتھ پیش آنا تمہارے اِن قابلِ رحم حالات کو ایسے حالات میں تبدیل کر دے گا جو تمہارے صبر و ثبات کی داد دینے کے لیے تہنیت و تبریک اور استحسان کے مستحق ٹھہریں گے۔ چنانچہ میں نے اسی طرح یہ بھی کہا کہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ سِوَى الْكُفْرِ وَالضَّلَالِ

اور ان فوائد سے بڑھ کر جو خود مجھے حاصل ہوئے ہیں، اس حادثے میں اور بھی بہت سے فوائد ہیں جن کا تعلق تمہارے ساتھ، ہمارے بھائی بہنوں کے ساتھ رسائل نور کے ساتھ اور ہمارے ماہِ رمضان کے ساتھ ہیں، اس طرح کہ مجھے اس بات کا پورا پورا یقین ہے کہ اگر پردہ اٹھ جائے تو تم لوگ ضرور بالضرور کہو گے کہ: پروردگار تیرا شکر ہے...... یہ الٰہی قضاوقدر ہمارے حق میں خاص عنایت ومہربانی ہے۔

پس جو شخص بھی اس حادثے کا سبب بنا ہے اس سے ناراض ہونے کی ضرورت نہیں؛ کیونکہ اس مصیبت کا خوفناک منصوبہ بہت دیر پہلے تیار کیا جا چکا تھا، لیکن یہ معنوی طور پر ہلکا سا ظہور میں آیا، اور بہت جلد زائل ہو جائے گا؛ اس لیے نا امیدی کو دل میں راہ نہ دو کیونکہ:

﴿وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ﴾

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ

میرے معزز بھائیو!

میں تمہارے قریب رہنے کی وجہ سے خود کو بڑا خوش نصیب سمجھتا ہوں...... میں تسلّی پانے کے لیے وقتاً فوقتاً تم لوگوں کے خیال کے ساتھ باتیں کرتا رہتا ہوں۔

یاد رکھو کہ تم لوگوں پر نازل ہونے والی سختیوں کو اپنے کندھوں پر اُٹھانا ممکن ہوتا تو میں تمہاری مصیبتوں کو ہنسی خوشی پورے فخر واعتزاز اور خوش دلی کے ساتھ اُٹھا لیتا...... میں نے تمہاری وجہ سے ''اسپارٹا'' اور اس کے مضافات کے ساتھ پیار کیا ہے...... میں نے اس کی مٹی کے ساتھ اور اس کے پتھروں کنکروں کے ساتھ بھی اس حد تک پیار کیا ہے کہ میں کہتا ہوں — اور رسمی طور پر کہتا رہوں گا — کہ اگر ''اسپارٹا'' کی حکومت مجھے سزا سنا دے، لیکن اس کے علاوہ کوئی دیگر حکومت مجھے بری قرار دے دے، تو میں اسپارٹا میں رہنے کو ترجیح دوں گا۔

جی ہاں، میں تین چیزوں کی رُو سے اسپارٹی ہوں، یہ بات اگرچہ میں تاریخی طور پر ثابت نہیں کر سکتا، تاہم میرا یہ اطمینان بخش عقیدہ ہے کہ ''اسپاریت'' جیسے چھوٹے سے شہر میں پیدا ہونے والے سعید کا اپنے آبا واجداد کے ساتھ یہاں سے گزر ہو چکا ہے۔[1]

---

[1] ترکی کے مشرق میں ایک علاقہ جس میں ''نورس'' کی بستی واقع ہے جہاں استاد نورسی کی پیدائش ہوئی۔

پھر ''اسپارٹا'' نے مجھے نایاب قسم کے حقیقی بھائی پیش کیے ہیں...... ایسے بھائی کہ میں ان میں سے ہر ایک پر صرف ''عبدالمجید'' اور ''عبدالرحمان'' ہی نہیں بلکہ خود سعید کو بھی ہنسی خوشی رضامندی کے ساتھ خود کو زیرِ بارِ احسان سمجھتا ہوا قربان کرسکتا ہوں۔[1]

میں یہ سمجھتا ہوں کہ روئے زمین پر ان دنوں شاگردانِ رسائل نور واحد لوگ ہیں جو قلبی و روحی طور پر سب سے کم متاثر ہوتے ہیں؛ کیونکہ ان کے قلوب و اَرواح وعقول جنھیں تحقیقی ایمان کی روشنی نے بھر دیا ہے کسی شدّت اور سختی سے متاثر نہیں ہوتے۔ رہی مادی سختیاں، تو انہیں وہ صبر اور شکر کے ساتھ جھیلتے ہیں؛ کیونکہ وہ رسائلِ نور کے دروس کے ذریعے اس بات کی جانکاری حاصل کر چکے ہیں کہ یہ سختیاں آنی وفانی اور بالکل معمولی اور غیر اہم ہیں، اور یہ کہ ان سے دو چار ہونے والے آدمی کو اس پر اجر ملے گا، اور یہ کہ یہ سختیاں ایمانی خدمت کی راہ میں کچھ نئے آفاق کو کھولنے کا وسیلہ ہے، اور اس طرح وہ اپنی زبانِ حال سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ دنیا میں تحقیقی ایمان ہی سعادت کا دارو مدار ہے۔

جی ہاں، یہ پوری سنجیدگی کے ساتھ یہ کہتے ہوئے ان فانی سختیوں کو باقی رہنے والی رحمتوں میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں کہ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کیا فیصلہ کرتا ہے، اور وہ جو بھی فیصلہ کرے گا ہمیں پسند ہوگا۔

میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ اس طرح کے لوگوں کی تعداد بڑھا دے اور انہیں اس وطن کے شرف و سعادت کا باعث بنادے اور انہیں جنت الفردوس میں ابدی سعادت سے نواز دے۔ آمین!

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میں آپ لوگوں کو پھر سے عید کی مبارکباد دیتے ہوئے کہتا ہوں: ظاہری صورت میں ہماری ملاقات نہ ہونے کی وجہ سے افسوس نہ کرنا؛ کیونکہ ہم حقیقت میں ہمیشہ اکٹھے ہیں، اور یہ اکٹھ ابد کے راستے میں قائم دائم رہے گا۔ ان شاء اللہ۔

میرا یہ عقیدہ ہے کہ اپنی ایمانی خدمت کی راہ میں تم لوگ جو ابدی ثواب، روحانی فضائل اور قلبی مسرّتیں حاصل کر رہے ہو، وہ ان زوال پذیر ہموم وغموم اور عارضی قسم کی سختیوں کو معدوم کر کے رکھ دیں گی جن سے تم ان دنوں دو چار ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ آج سے پہلے ایسے لوگ نہیں پائے گئے جو کسی عظیم ترین قُدسی خدمت کی راہ میں کم سے کم سختیوں سے دو چار ہوئے ہوں، جیسے کہ شاگردانِ رسائل نور کی صورتِ حال ہے۔

---

[1] عبدالمجید استاد کے سب سے چھوٹے بھائی اور عبدالرحمان ان کے سب سے بڑے بھائی عبداللہ کا بیٹا۔

جی ہاں، جنت کوئی سستی چیز نہیں، اور لوگوں کو دنیاوی اور اُخروی زندگی کو تباہ کر دینے والے کفر مطلق سے نجات دلانا اس دور میں ایک بڑا اہم کام ہے۔ اتنا اہم کہ اس کام میں اگر کسی جُزوی سی مشقت کا سامنا ہو بھی جائے تو اس کے مقابلے میں ہمت اور صبر و شکر کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ ہمیں اس عمل میں چونکہ ہمارے اُس خالق نے مصروف کیا ہے جو بڑا رحیم اور حکیم ہے؛ اس لیے ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم اس راہ میں پیش آنے والے مصائب کو اُس کی رحمت اور حکمت پر بھروسا کرتے ہوئے رضامندی اور خندہ پیشانی کے ساتھ خوشی خوشی قبول کریں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

اس مرتبہ میں نے اپنے مختصر سے دفاعی بیان میں کہا:

وہ رحمت و رافت اور حق و حقیقت جن سے رسائلِ نور بھرے ہوئے ہیں، ہمیں سیاست میں حصہ لینے سے روکے ہوئے ہیں؛ کیونکہ اس سے سادہ لوح بے گناہ لوگ ہلاکت کے گڑھوں میں جا گریں گے، اور اس طرح وہ ہمارے ہاتھوں ظلم کا شکار ہو جائیں گے۔

بعض شخصیات نے مجھ سے اس بات کی وضاحت مانگی تھی، تو میں نے کہا تھا: اس ظالم تہذیب سے جوانانیت اور قومی عصبیت پروان چڑھی ہے، اور دوسری جنگِ عظیم نے جو عسکری ظلم و استبداد کا بازار گرم کیا ہے، اور گمراہی نے جس قساوت اور پکڑ دھکڑ کو جنم دیا ہے، اُس کی رُو سے اس مضطرب اور بے قرار دور کے آنگن میں انواع و اقسام کے بدترین ظلم و استبداد نے کچھ اس انداز سے ڈیرے ڈال دیے ہیں کہ اہلِ حق اگر اپنے حقوق کا دفاع مادی قوت کے ساتھ کرتے ہیں تو دو صورتیں ظہور میں لازماً آئیں گی:

یا تو اُن کی وجہ سے بہت سے کمزور و ناتواں مساکین صرف اس بنا پر ظلم کی شدید ترین آگ میں جلیں گے کہ وہ ان کے ساتھ میل جول رکھتے تھے، اور اس صورت میں بھی اہلِ حق ظالم ٹھہریں گے۔

اور یا پھر وہ مغلوب بن کر رہیں؛ کیونکہ وہ ظالم لوگ جوان مذکورہ خواہشات و رُجحانات کی وجہ سے آمادۂ ظلم و ستم رہتے ہیں وہ ایک دو آدمیوں کی غلطی یا جرم کی وجہ سے بیس تیس آدمیوں کو پکڑ لیں گے، اور انتہائی واہیات قسم کی دلیلیوں کا سہارا لے کر انہیں قید کر لیں گے۔

چنانچہ اہلِ حق جوابی کارروائی کے لیے اگر حق و عدالت کے تقاضے پر عمل کریں گے، اور صرف اُسی آدمی کو پکڑیں گے جس نے انہیں پکڑا ہے تو ایک نفع کے مقابلے میں تین خساروں سے دوچار ہوں گے، اور اس طرح بھی وہ مغلوب ہی ٹھہریں گے۔ اور اگر وہ ترکی بہ ترکی جواب دینے والے قاعدے پر عمل کرتے ہوئے ایک دو آدمیوں کے جرم کی وجہ

سے بیس تیس سادہ لوح مساکین کو سزا دیں گے تو وہ حق کے نام پر بدترین ظلم کے مرتکب ٹھہریں گے۔

پس یہ ہے وہ حقیقی حکمت اور حقیقی سبب جس کی وجہ سے ہم انتہائی نفرت اور کنارہ کشی کے جذبات کے ساتھ سیاست سے اور اس کے معاملات سے بہت دور بھاگتے ہیں۔ اور ہمارے اس کردار کے پیچھے قرآن کریم کا حکم کارفرما ہے، ورنہ ہمارے پاس حق کی اتنی قوت ہے کہ جس کے ذریعے ہم اپنے حق کا مکمل طور پر دفاع کر سکتے ہیں۔

پھر جب ہر چیز وقتی اور فانی ہے، اور جب موت کو موت آنے والی نہیں اور قبر کا دروازہ بند ہونے والا نہیں، اور جب مشقت رحمت میں تبدیل ہونے والی ہے، تو پھر ہم صبر شکر کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ پر توکّل کرتے ہوئے لامحالہ خاموشی کا دامن پکڑے رہیں گے۔ رہا ہمیں ہماری خاموشی سے قوت کے بل پر یہ جبر و اکراہ نکالنا، تو یہ عمل عدل وانصاف، وطنی غیرت اور قومی حمیّت کا کلّیتاً مخالف اور منافی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہم ایسا کوئی عمل نہیں کرتے جو رجالِ حکومت، اہلِ سیاست، علاقے کے نظم ونسق کے ذمہ داران، عدلیہ، پولیس اور سکیورٹی کو ہمارے ساتھ اُلجھنے کے لیے آمادہ کر سکے، بلکہ اگر کوئی ایسا عمل ہے بھی جو واقعتاً مقدمے کا مقتضی ہو، تو وہ یہ ہے کہ کچھ ملحد وزندیق لوگ جو پسِ پردہ چھپ چھپا کر اس طرح کے کام کر رہے ہیں ایک خوفناک قسم کا انسانی طاعون اُٹھائے پھر رہے ہیں اور اس طرح کے کفرِ مطلق کو رواج دے رہے ہیں جسے دنیا کی کوئی بھی حکومت قبول نہیں کر سکتی اور کوئی بھی عقل مند آدمی پسند نہیں کر سکتا، اُن کی مادی فلسفے سے جنم لینے والی مادی زندیقیت کے تعصب نے انہیں یکجا کر دیا ہے، اور اس طرح اُنھوں نے اپنے شیطانی اسالیب کے ذریعے بعض سرکاری ملازمین کو گمراہ کر دیا ہے اور ہمارے خلاف ان کے اندرونی خدشات ومخاوف کو بھڑکا دیا ہے۔

اور ہم کہتے ہیں: اس طرح کے چند مٹھی بھر خوفزدہ لوگ ہی نہیں، اگر یہ ہمارے خلاف تمام جہان کو بھی بھڑکا دیں، تو ہم قوتِ قرآن اور عنایتِ رحمان کی برکت سے سامنا کرنے سے منہ نہیں پھیریں گے اور اس زندیقیت اور مرتد کفرِ مطلق کے آگے ہتھیار نہیں پھینکیں گے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے معزز دوست بھائیو!

تمہاری مضبوطی و پامردی نے منافقوں اور فری میسنوں کے تمام تر منصوبے خاک میں ملا دیے ہیں، جی ہاں میرے بھائیو! معاملے کو چھپا کر رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان زندیقوں نے رسائل نور کو اور طلّابِ رسائل نور کو صوفیانہ سلسلوں

پر اور خاص کر نقشبندی سلسلے پر قیاس کیا ہے، اور ہم پر بھی وہی حملے کیے ہیں جن کے ذریعے وہ ان سلسلوں پر غالب آئے ہیں، اِس امید پر کہ وہ ہماری صفوں میں تفریق ڈال کر ہمارا صفایا کر دیں گے۔

چنانچہ ان میں سے پہلا منصوبہ یہ ہے اِس مسلک سے نفرت دلانا اور اس کے استعمال میں جو کوئی غلطی ہوتی ہے اُسے نمایاں کرنا۔

دوسرا منصوبہ ہے اس کے اعضا وارکان کے عیوب کی تشہیر کرنا۔

اور تیسرا منصوبہ ہے مادی فلسفے، تہذیب کے جاذبِ نظر رذائل اور اس کے لذیذ نشہ آور زہروں کے ذریعے اس کے اعضا وارکان کے باہمی اعتماد کو منہدم کرنا، طعن وتشنیع، ردّ وقدح اور نقد وجرح کے ذریعے ان کے استاد کی شان میں گستاخی کر کے ان کی اہمیت گھٹانا اور سائنس اور فلسفے کے بعض دساتیر کو بنیاد بنا کر انہیں ان کے اپنے مسلک کو حقیر سمجھنے کے لیے آمادہ کرنا۔

ان لوگوں نے ہم پر بھی اسی ہتھیار سے حملہ کیا ہے جس ہتھیار سے نقشبندی اور دیگر سلسلوں پر، لیکن وہ کسی بہت بڑے وہم میں مبتلا ہیں؛ کیوں رسائلِ نور کا اساسی مسلک ہے: اخلاصِ تام، ترکِ انانیت، سختیوں میں رحمت کا احساس، آلام و مصائب میں دائمی لذتوں کی تلاش، فانی حرام لذتوں میں چھپے ہوئے رسوا کن آلام ومصائب کو نمایاں کرنا، اس بات کی وضاحت کرنا کہ ایمان صرف آخرت میں ہی نہیں اس دنیا میں بھی غیر محدود لذتوں کا دارومدار ہے، اور ایمان کے ان حقائق ومسائل کی تعلیم دینا جو کسی بھی فلسفے کی پہنچ سے باہر ہیں۔ اور یہ وہ باتیں ہیں جو — باذن اللہ — ان کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیں گی اور انہیں یہ کہتے ہوئے خاموش کر دیں گی کہ: رسائلِ نور کے مسلک کو صوفیانہ سلسلوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے عزیز بھائیو!

میرا یہ پختہ اعتقاد ہے کہ وہ محترم لوگ جنھوں نے ان — نئے اور پرانے دو — یوسفی مدرسوں میں ایک سخت[1] امتحان کے دوران صبر وثبات کا مظاہرہ کیا ہے اور وہ رسائلِ نور کے دروس سے دستبردار نہیں ہوئے ہیں اور شدید ترین حالات میں بھی اپنی طالب علمانہ صفات کو سنبھالے رہے، ان کے اوپر ہونے والے ان تمام حملوں کے باوجود ان کی

---

[1] اس سے مراد ''اسکی شہر'' اور ''دنیزلی'' کی جیلیں ہیں۔

معنوی قوت شکستگی سے دو چار نہیں ہوئی...... میرا یہ اعتقاد ہے کہ وہ اہلِ حقیقت کی طرف سے اور آئندہ نسلوں کی طرف سے اُسی طرح دادو تحسین وصول کریں گے جس طرح اس وقت فرشتوں سے اور پاکیزہ ارواح سے کر رہے ہیں۔

تمہارے درمیان پائے جانے والے مریضوں اور فقیروں نے تمہاری مادی مصیبتوں اور تھکاوٹوں میں یقیناً اضافہ کر دیا ہے، اور مجھے اس بات سے اتنا غم ہوا ہے کہ میں نے اپنی روح سے پیارے لوگوں کے لیے تسلی کا سامان ڈھونڈ لیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب تم میں سے ہر شخص اپنے دوسرے بھائی کے لیے تسلّی بن جائے گا، صبر اور اخلاق میں ایک نمونہ بن جائے گا، باہمی اعتماد اور مواسات میں ایک مشفق بھائی بن جائے گا، علمی مذاکرہ میں ایک ذہین مخاطب اور فطین مُجیب بن جائے گا اور کریمانہ اخلاق و اطوار کو منعکس کرنے والا آئینہ بن جائے گا، اُس وقت یہ تمام تر مشقتیں اور تھکاوٹیں مضمحل ہوتی جائیں گی اور بالآخر نیست و نابود ہو جائیں گی۔

میں کسی دن آپ لوگوں کو ''مولانا خالد'' کا وہ جُبّہ بھیجوں گا جو کہ ایک سو بیس سال پرانا ہے، یہ جبہ جس طرح مجھے اِس امام نے[1] پہنایا ہے، اور میں بھی جب تم لوگ چاہو گے اُسے تمہاری طرف بھیج دوں گا تا کہ وہ ——ان کی طرف سے نیابتاً —— تبرّک کے لیے تم میں سے ہر ایک کو پہناؤں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے معزز وفادار بھائیو!

تقدیرِ الٰہی کی عدالت کا ہمیں ''دینزلی'' کے مدرسۂ یوسفیہ میں کھینچ لانے میں جو حکمتیں پائی جاتی ہیں، ان میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ یہاں کے قیدیوں کو، یہاں کے باسیوں کو، حتی کہ یہاں کے ملازموں کو اور یہاں کی عدلیہ کو رسائلِ نور کی اور طلّاب رسائل نور کی بہت زیادہ ضرورت ہے، اور یہ ضرورت کسی بھی دوسری جگہ سے بڑھ کر ہے، اس بنا پر ہم اس کڑے امتحان میں داخل ہو گئے ہیں تا کہ اُخروی ایمانی وظیفہ ادا کر سکیں۔

جی ہاں، بیس تیس قیدیوں میں صرف ایک دو قیدی ہی نماز کو مکمل ارکان کے ساتھ صحیح طور پر ادا کر سکتے تھے، لیکن جب چالیس پچاس طلّابِ نور آئے جو نماز مکمل ارکان سمیت صحیح طریقے سے ادا کرتے تھے، اور اپنی زبانِ حال اور افعال و کردار کے ساتھ ایک منفرد قسم کا انتہائی دلکش درس اور خوبصورت انداز میں رہنمائی پیش کرتے تھے، تو یہ شدت اور سختی زائل ہونے لگی، بلکہ پسندیدہ بننے لگی۔ ان لوگوں نے جس طرح اپنے اعمال و افعال کے ساتھ یہ درس پیش کیا، اُس

[1] استاد نورسی تک یہ جبہ سیدہ ''آسیہ'' کی راہ سے پہنچا تھا، محترمہ آسیہ مولانا خالد رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں۔

طرح ہم بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت سے یہ آرزو رکھتے ہیں کہ وہ ان کے دلوں میں تحقیقی ایمان مضبوط بٹھا کر اُنہیں ایک ایسا فولادی قلعہ بنا دے جو یہاں اہلِ ایمان کو اہلِ ضلالت کے اَوہام وشبہات سے محفوظ رکھے۔

ہمارے ساتھ جو سلوک اہلِ دنیا نے اس وقت کیا جب ہمیں دوسروں کے ساتھ ملاقات اور میل جول سے روک دیا تھا، وہ ہمیں کبھی بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا؛ کیونکہ زبانِ حال زبانِ مقال سے زیادہ بلیغ اور کارگر ہے، اور جیل سے غرض و غایت اگر تعلیم و تربیت ہے، اور وہ لوگ واقعتاً اس قوم کے ساتھ محبت رکھتے ہیں، تو پھر انہیں چاہیے کہ وہ شاگردانِ رسائلِ نور اور قیدیوں کو آپس میں میل جول رکھنے کی اجازت دیں تا کہ یہ لوگ وہ تربیت ایک مہینے میں بلکہ ایک دن میں اتنی تربیت حاصل کر سکیں جتنی ایک سال میں بھی نہیں ہو سکتی، اور تا کہ وہ ایسے افراد بن جائیں جو اپنے مستقبل میں اور اپنی آخرت میں خود کے لیے اور اس طرح اپنے قوم اور اپنے وطن کے لیے نفع بخش ثابت ہو سکیں۔

اگر ہمارے پاس اس وقت ''رہنمائے شباب'' نامی کتاب ہوتی تو بہت مفید ثابت ہوتی......وہ بہت جلد ہمارے یہاں آجائے گی۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے عزیز وفادار بھائیو!

آج مجھے وہ گفتگو یاد آئی جو میرے اور میرے بڑے بھائی ''مُلّا عبداللہ'' کے درمیان خاص طور پر ''شیخ ضیاءالدین'' کے بارے میں ہوئی[1] پھر میں نے تمہارے بارے میں غور کیا، اور اپنے دل میں کہا:

اگر ان پابندِ شریعت متدین اور سچے مسلمانوں سے غیب کا پردہ ہٹا دیا جائے جو اِن آتش بار اور جگر سوز حالات میں متزلزل نہیں ہوئے، اور جو اس دور میں عجیب وغریب ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہیں جس میں ثابت قدمی جیسی سوغات بہت کم نظر آتی ہے۔

جی ہاں، اگر ان لوگوں کے آگے تنا ہوا غیب کا پردہ ہٹا دیا جائے، اور ان میں سے ہر کوئی ولی یا قطب کے شکل وصورت میں نمایاں ہو جائے تو اِس سے میرے نزدیک اُن کی جو اہمیت ہے اس میں اور ان کے ساتھ میرا جو تعلّق ہے اس میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوگا، اور اگر ان میں سے ہر کوئی کسی عام انسان کے روپ میں ظاہر ہو جائے تو اس سے میرے نزدیک اُن کی جو اہمیت ہے اُس میں کچھ کمی نہیں ہوگی۔

---

[1] یہ گفتگو مکمل صورت میں ''قسطمونو'' والے حصے میں گزر چکی ہے۔

جی ہاں، میں نے کچھ ایسے ہی طے کیا؛ کیونکہ اس طرح کے شدید ترین پُر آشوب حالات میں ایمان کو بچانے کی خدمت کرنا ہر چیز سے زیادہ بلند مرتبہ رکھتا ہے۔ رہے مشائخ، تو ان کی اپنی امتیازی خصوصیات ہیں جن میں ان کے پیروکاروں کے حسنِ ظن کی بنا پر ان کے ذاتی مقامات اضافہ کرتے ہیں، اور جب اس طرح کے مضطرب و متقلب حالات میں حسنِ ظن کو ٹھیس پہنچتی ہے تو محبت کم ہو جاتی ہے اور خود اُن خصوصیات کا مالک اپنے پیروکاروں کی نظروں میں اپنا مقام و مرتبہ برقرار رکھنے کے لیے تصنّع، تکلّف اور بناوٹی وقار کا سہارا لینے کے لیے مجبور ہو جاتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس طرح کے بے معنی تکلّفات سے بے پروا کر رکھا ہے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے بھائیو!

علی الرّغم اس کے کہ ہمارے ان حالات واطوار نے رسائلِ نور کے مؤیّدین اور بعض ذمہ داران کے ہاں رسائلِ نور کے مقابلے میں خوف و ہراس اور بے دلی کی فضا پیدا کر دی ہے، لیکن اس کے بالمقابل اِن حالات نے متدیّن، اِن رسائل کا اہتمام کرنے والوں، اور اِن رسائل کے ساتھ دشمنی رکھنے والوں کی توجہ کھینچ لی ہے اور ان میں ہمدردی کے جذبات بیدار کر دیے ہیں، اس لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں...... کیونکہ انوار چمک پڑتے ہیں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے معزز بھائیو!

میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ چھوٹا سا رسالہ جو ''دنیزلی'' کی جیل نے عطا کیا ہے، ہمارے دفاع کی حقیقی اور آخری شیٹ ہے؛ کیونکہ ہمیں ختم کرنے کے لیے جو وسیع پیمانے پر سازشیں کی گئی ہیں اور منصوبے بنائے گئے ہیں، اور سابقہ بے بنیاد اُوہام و خدشات پر اعتماد کرتے ہوئے ایک سال سے ان پر عمل کیا جا رہا ہے، وہ باطل ذرائع کی بنا پر ہم پر دھاوا بولنے کا تقاضا کرتے تھے، جیسے یہ الزام کہ ہم تصوّف کے کسی سلسلے کے ساتھ منسلک ہیں یا کوئی نیا سلسلہ وجود میں لانا چاہتے ہیں، یا کوئی خفیہ تنظیم چلا رہے ہیں، سیاسی اغراض کو بروئے کار لانے کے لیے دینی جذبات و مشاعر سے ناجائز فائدہ اُٹھانا، جمہوریت کا مقابلہ کرنا، حکومت کے معاملات میں دخل دینا، امنِ عامہ کی فضا خراب کرنا، اور اس طرح کی مزید ایسی

تہمتیں جن کے ذریعے انہوں نے ہم پر دھاوا بولنے کا جواز نکالا۔ پس اللہ کا بے پایاں شکر ہے کہ ان کے یہ تمام منصوبے نا کام ہوئے۔

ان لوگوں نے سینکڑوں رسائل کی تحقیق وتفتیش کی، وطن کے وسیع خطے پر پھیلے ہوئے سینکڑوں طلبہ سے پوچھ گچھ کی، اٹھارہ سال پر پھیلی ہوئی کتابوں اور مراسلات کا لفظ لفظ کھنگالا، لیکن ان سب میں انہیں صرف ایک ہی چیز ملی، اور وہ یہ کہ یہ کام تو ایمانی اور قرآنی حقیقت اور آخرت اور ابدی سعادت کو بروئے کار لانے کے لیے کیا جا رہا ہے، تب انہوں نے بیہودہ قسم کی دلیلوں کے ساتھ اپنے منصوبوں پر پردہ ڈالنا شروع کر دیا۔

البتہ ایسا ایک احتمال باقی رہ جاتا ہے جس کی وجہ سے اِن دنوں میں کوئی خفیہ دہشت گرد تنظیم ہم پر حملہ کر سکتی ہے اور بعض رجالِ حکومت کو گمراہ کرتے ہوئے ہمارے خلاف سازشوں کے جال بچھا سکتی ہے، یا کفرِ مطلق کی خیر خواہی اور خدمت گزاری کے لیے ہمیں براہِ راست نشانہ بنا سکتی ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ یہی وہ احتمال ہے جس کی وجہ سے ہمیں "رسالۃ الثمرہ" لکھنے کے لیے آمادہ کیا گیا، تاکہ وہ ایک ایسے دفاع کی صورت میں سامنے آئے جو ان کا سامنا کرے اور اُنہیں خاموش کر دے؛ کیونکہ یہ آفتاب کی طرح واضح ہے کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں چھوڑتا، پہاڑ کی طرح مضبوط ہے اس میں دراڑیں نہیں پڑتیں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے معزز بھائیو!

ایک دفعہ جبکہ میں جمعہ کے دن ایک جلیل القدر وِرد پڑھ رہا تھا، اچانک میرے خیالوں میں تم لوگ آ گئے، اور تم نے زبانِ حال سے کہا، اس مصیبت سے نکلنے کے لیے ہم کیا کریں؟ تو میرے دل پر یہ جواب وارد ہوا:

ایک دوسرے پر اعتماد رکھو اور سیسہ پلائی دیوار کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ پیوست رہو، کیونکہ جن لوگوں نے مجھ سے جان چھڑا کر، رسائلِ نور اور طلاب نور کے ساتھ تعلق کا انکار کر کے اور ہمیں ختم کر دینے کے لیے خفیہ طور پر کام کرنے والی تنظیموں کا قرب حاصل کرنے کے لیے مختلف قسم کی تدبیریں لڑائی ہیں، انہیں نقصان کے علاوہ کچھ نہیں ملا ہے۔

میں یہ بات پوری تاکید کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر مجھے پتا چل جائے کہ تمہاری خلاصی مجھ سے جان چھڑانے پر ہی موقوف ہے تو میں تمہیں کہہ دیتا کہ تمہیں مجھے مجروح کرنے، میری تحقیر کرنے اور میری غیبت کرنے کی اجازت ہے، اور میں تمہیں اس میں بالکل معاف رکھتا۔ لیکن یہ قوتیں تم لوگوں کو اچھی طرح پہچانتی ہیں اور اس طرح کے معاملات میں

دھوکہ نہیں کھا سکتی ہیں، بلکہ تمہاری کمزوری اور تمہاری مجھ سے لاتعلقی کی وجہ سے وہ مزید شیر ہو جائیں گی اور تمہارے خلاف اپنی گرفت اور مضبوط کر دیں گی۔

پھر ہمارا مسلک چونکہ خِلّت اور اُخوت ہے، اس لیے اس میں انانیت اور ذاتی مصلحت سے پیدا ہونے والی مقابلہ بازی نہیں ہے۔ پس نظر رسائلِ نور کے کمالات کی طرف رہنی چاہیے نہ کہ میرے جیسے عیبوں بھرے ضعیف مسکین کی طرف۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے معزز بھائیو!

دنیاوی زندگی کے تیزی سے بدلتے ہوئے حالات اور اس کی زوال پذیری کے، اس کی فنا پذیر حسّی لذات کے اور اس میں پائے جانے والے فراق وافتراق کے تھپیڑے کہ جن سے ایک انسان دو چار رہتا ہے، اُن کے مقابلے میں مخلص دوستوں اور بھائیوں کے ساتھ ملاقات کرنا بہت زیادہ تسلی کا باعث بنتا ہے۔

جی ہاں، کبھی انسان اپنے جگری دوست کے ساتھ چند لمحات گزارنے کے لیے بیس بیس دن سفر کرتا رہتا ہے اور بہت زیادہ مال صرف کر دیتا ہے، تو پھر یہ عجیب وغریب دور کہ جس میں مخلص دوست اور اُن کی لِلّٰہ فی اللہ قائم ہونے والی مجلسیں اور ان کا مہینے دو مہینے آپس میں حقیقی تسلیاں بانٹنے کا رواج ختم ہو چکا ہے، ایسے دور میں ایک ہی وقت میں چالیس پچاس جگری دوستوں کے ساتھ ملاقات ہو جانا بلاشبہ ہم پر نازل ہونے والی تمام سختیوں کو اور تمام خساروں کو بالکل معمولی اور غیر اہم بنا دیتا ہے۔ اور اس دس سال کے مسلسل فراق کے بعد میری یہاں پر موجود بھائیوں میں سے صرف ایک کے ساتھ بھی ملاقات ہو جائے تو میں ذاتی طور پر ان تمام مشقتوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔[1]

شکایت تقدیر پر تنقید اور شکر اسے تسلیم کرنا ہے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

[1] اس سے مراد وہ طلّابِ نور ہیں جنھیں ''اسپارٹا'' سے ''دنیزلی'' کی جیل میں لایا گیا تھا۔

باسمہ سبحانہ

میرے معزز وفادار بھائیو!

تم لوگ جب رسائلِ نور کے ساتھ خیر، آخرت، عبادت، ثواب اور ایمان وقرآن کے لیے وابستہ ہوئے ہو، تو پھر اس بات میں کوئی شک نہیں کہ تمہیں اس جگہ پر آنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے، اس جگہ سے تم اپنے وہ خصوصی حصے اور اپنے وہ نصیب حاصل کرو گے جو تقدیر نے تمہارے لیے مقرر کیے ہیں، اور اپنے نصیب کا رزق کھاؤ ایک ایسی جگہ کہ جس میں ان مشکل ترین حالات میں ایمان وقرآن کی خدمت کے میدان میں معنوی جہاد کے نقطۂ نظر سے ایک گھنٹے کی عبادت کرنے کا اجر وثواب بیس گھنٹوں کے برابر ہے۔ اور یہ بیس گھنٹے ایک سو گھنٹے کے برابر ہیں۔

اور یہ اجر وثواب اس نعمت کے علاوہ ہے جو تمہیں اس مدرسۂ یوسفیہ کے کھلے امتحانی کمرے میں حاصل ہے، اس میں تم ان حقیقی مجاہد بھائیوں کے ساتھ ملاقات کرتے ہو جن میں سے ہر ایک سو آدمیوں کے برابر ہے، ان کے ساتھ بھائی چارے کے رشتے استوار کرتے ہو، وہ تمہیں مضبوط کرتے ہیں اور تم انہیں مضبوط کرتے ہو، وہ تمہاری تسلی کا باعث بنتے ہیں اور تم ان کی تسلّی کا، اور تم ان کے ہمراہ اس مقدس خدمت کی راہ میں ثابت قدمی اور ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہوئے رواں دواں ہو، ان کے کریمانہ اخلاق واطوار سے مستفید ہوتے ہو، اور مدرسۂ الزہرا میں شاگردی کی اہلیت حاصل کرتے ہو۔

اس لیے تمہیں تمام مصائب وآلام کے مقابلے میں صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان تمام تر فوائد کے بارے میں سوچنا چاہیے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے معزز ثابت قدم بھائیو!

میں اپنے کچھ حالات تمہارے سامنے رکھتا ہوں، لیکن تمہیں غمگین کرنے کے لیے نہیں، اور نہ اس لیے کہ تمہیں عملی تدبیریں کرنے کے لیے اُکساؤں، بلکہ اس لیے کہ معنوی شراکت کی رُو سے میں تمہاری دعاؤں سے مزید فائدہ اٹھا سکوں، اور تاکہ تم مزید بے جگری، پائیداری اور صبر وتحمل کے ساتھ اپنی باہمی پشتیبانی کی حفاظت کر سکو۔

اس جگہ پر میں صرف ایک دن میں جس شدت اور تکلیف کا سامنا کر رہا ہوں، وہ اس تکلیف سے کہیں زیادہ ہے جو مجھے ''اسکی شہر'' کی جیل میں دی جاتی تھی۔ چنانچہ اِن بدترین فری میسنوں نے مجھ پر ایک بہت ہی کینہ ور اور ظالم قسم کا

بے انصاف آدمی مسلط کر دیا ہے، تا کہ اس ظلم کے سامنے میرا صبر کا پیمانہ لبریز ہو جائے اور میں آپے سے باہر ہو کر کہہ دوں: بس کرو!! اور پھر وہ میرے اس قول کو اپنی ظالمانہ کارروائیوں کے لیے ایک وسیلہ بنالیں اور اس کے ساتھ اپنے جھوٹوں پر پردہ ڈال سکیں۔ میں اللہ کے فضل وکرم سے شکر کرتا ہُوا، صبر کا مظاہرہ کر رہا ہوں، اور کرتا رہوں گا؛ کیونکہ جب ہم تقدیرِ الٰہی کے ماتحت ہیں۔ اور ہم پر روا رکھی جانے والی سختیاں "خَيْرُ الْأُمُوْرِ أَحْمَزُهَا" کے قاعدے کی رُو سے زیادہ سے زیادہ ثواب کمانے اور بڑے سے بڑا اجر پانے کا وسیلہ بنتی ہیں، اس لیے اس جہت سے ہم ان تنگیوں ترشیوں کو ایک معنوی نعمت سمجھتے ہیں۔

پھر دنیا کے زوال پذیر مصائب وآلام تو بسا اوقات خوشیوں اور اچھائیوں سے ختم ہو جاتے ہیں، اور ہم نے یقیناً اپنی زندگی ایک سورج سے بھی زیادہ تابناک جنت کی طرح خوبصورت اور سعادتِ ابدی کی طرح میٹھی اور لذیذ حقیقت کی نذر کر رکھی ہے، اس لیے ہمیں شکوہ نہیں کرنا چاہیے، بلکہ یہ مشکل حالات ہمیں یہ کہنے پر آمادہ کرتے ہیں کہ ''ہم ایک معنوی جہاد میں مصروف ہیں، اس پر ہم فخر کرتے ہیں اور اپنے رب کریم کا شکر ادا کرتے ہیں جس نے ہمیں اس جہاد سے نوازا ہے۔''

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے معزز بھائیو!

تمہارے لیے میری پہلی اور آخری وصیّت یہی ہے کہ تم لوگ اپنی باہمی پشتیبانی کی حفاظت کرو اور انانیّت، حُبِّ ذات اور مقابلہ بازی سے خبردار رہو اور احتیاط اور نظم وضبط کا دامن پکڑے رکھو۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے معزز وفادار بھائیو!

سرکاری وکیل کے استغاثے سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ ان مخفی زندیقوں کے منصوبے کہ جنہوں نے حکومت کے بعض ملازموں کو گمراہ کیا اور انہیں ہمارے خلاف بھڑکایا ہے، وہ تمام منصوبے ناکام ہو گئے ہیں اور ان کا جھوٹا ہونا واضح ہو گیا ہے، اور اب وہ لوگ مختلف قسم کے باطل الزامات کا سہارا لے کر اپنے جھوٹوں پر پردہ ڈالنے کی کوششیں کر رہے ہیں، جیسے یہ الزام کہ ہم کوئی سیاسی تنظیم یا خفیہ تحریک ہیں وغیرہ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انہوں کسی بھی شخص کو مجھ سے ملنے سے منع

کر دیا، گویا کہ اگر اس نے مجھے مل لیا تو وہ فوراً ہمارا ہی ایک آدمی بن جائے گا۔ حتیٰ کہ بڑے بڑے سرکاری ملازم مجھ سے بہت زیادہ بدکتے ہیں، بلکہ مجھ پر ظلم وتشدّد کر کے اپنے آقاؤں کا دل جیتتے ہیں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے معزز وفادار بھائیو!

علی الرّغم اس کے کہ میں آپ لوگوں سے مل نہیں سکتا میں اسی بلڈنگ میں تم لوگوں کے قریب تر رہ کر اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھتا ہوں۔

میرے دل میں بعض دفعہ بے اختیار یہ بات آجاتی ہے کہ بعض ضروری تدبیریں اختیار کرنا، جیسے مثال کے طور پر یہ کہ فری میسنوں نے میری ساتھ والی کال کوٹھڑی میں قیدی کے روپ میں اپنا ایک جاسوس بھیجا۔ مجھے تنگ کرنے اور نوجوانوں کو خراب کرنے کی وجہ سے مجھے اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ وہ تمہاری اصلاحی کوششوں کو ناکام کرنے اور علم الحادو زندیقیت پھیلانے اور اخلاقیات کو تباہ کرنے کے لیے کام کر رہا ہے؛ کیونکہ تخریب بڑی آسان ہے، اور خاص کر اس طرح کے شرارتی اور نوجوانوں کو خراب کرنا تو بہت ہی آسان ہے۔ اس طرح کی صورتِ حال میں ہمارے لیے یہ لازم ہو جاتا ہے کہ ہم محتاط اور خبردار رہیں، جہاں تک ہو سکے پرانے قیدیوں کو زِچ نہ کریں، انہیں پریشان کرنے سے بچیں، نظم وضبط کے پابند رہیں، تحمّل و بردباری کے جذبات میں وسعت پیدا کریں اور فرقہ بندی کی گنجائش پیدا نہ ہونے دیں۔ اسی طرح ہمارے بھائیوں پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ جہاں تک ہو سکے تواضع، فنائے ذات اور ترکِ انانیت اپنے بھائی چارے اور باہمی اعتماد کے رشتے کو مضبوط تر کر دیں۔

دنیاوی اُمور میں سر کھپانا ایک ایسا کام ہے جو میری کمر توڑ دیتا ہے؛ اِس لیے میں بغیر کسی شدید ضرورت کے اس دنیا کے معاملات کی طرف نظر نہیں کرتا ہوں، یہی وجہ ہے کہ میں اُمورِ دنیا کے باب میں تمہارے تجربے اور تمہاری دانش وبینش پر اعتماد کرتا ہوں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے بھائیو!

میں ایک مسئلہ کی وضاحت کرنا بہت ضروری سمجھتا ہوں جو آج صبح ہی دل پر وارد ہوا ہے، اور جس میں کسی بھی طرح کے وارد ہونے والے احتمال کا ردّ موجود ہے، اور وہ یہ ہے کہ میرے نفس نے اور میرے شیطان نے گزشتہ بیس سال سے ان حقائق میں بہت زیادہ نظر ڈالی ہے جو ہم نے قرآن سے اخذ کیے ہیں، اور یہ حقائق سورج کی طرح یا روزِ روشن کی طرح ایسے حقائق ہیں کہ جن میں شک وشبے کی یا تردُّد کی قطعاً گنجائش نہیں۔ میرے نفس اور شیطان نے بہت دفعہ یہ بھی پوچھا ہے کہ زندیق فلاسفہ ان حقائق کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ اور وہ جو کچھ کہتے ہیں اس میں ان کی دلیل کیا ہے؟

لیکن ان دونوں کو جب ان میں کوئی رخنہ نظر نہ آیا تو چپ سادھ گئے۔ اور میرا یہ اعتقاد ہے کہ وہ حقیقت جس نے میرے نفس کا اور شیطان کا منہ بند کیا ہے جو اس معاملے میں بڑی گہری دلچسپی کا اظہار کرتے تھے، وہی حقیقت آخری درجے کے ہٹ دھرم سرکش کو خاموش کر دے گی۔ پھر ہم چونکہ ایک سب سے اہم اور سب سے عظیم اور پائیدار اور انمول حقیقت کے لیے کام کر رہے ہیں جس کے سامنے ساری دنیا ہیچ ہے اور جس پر قلوب وارواح قربان کیے جاسکتے ہیں؛ اس لیے ہمارے لیے ہمارے سامنے آنے والے مصائب وآلام واعدا کا آخری درجے کے صبر وثبات کے ساتھ مقابلہ کرنا۔

پھر ہمارا سامنا کبھی بعض گمراہوں اور گمراہ کرنے والے علما و مشائخ سے اور خود کو متقی کہنے والے لوگوں کے ساتھ ہو جاتا ہے، ایسی صورت حال میں ہمارے لیے انتہائی ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم اپنی وحدت اور باہمی اعتماد کو قائم دائم رکھیں، اُن کے ساتھ اُلجھیں نہیں اور ان کے ساتھ بحث مباحثے سے گریز کریں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے عزیز وفادار بھائیو!

میں جن دنوں ''قسطمونو'' میں تھا مجھے ایک متقی قسم کے فاضل آدمی نے اپنی حالت کے بارے میں یہ کہتے ہوئے شکایت کی کہ میں تباہ ہو گیا...... میری وہ سابقہ حالت کہیں گم ہو گئی ہے جس میں اذواق وانوار کا دور دورہ تھا؛ تو میں نے اُسے کہا: اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں، یہ تنزُّل کی نہیں بلکہ ترقی کی علامت ہے، اور وہ اس طرح کہ آپ نے وہ اذواق وکشوفات اپنے پیچھے چھوڑ دیے ہیں جو ہوائے نفس کو بہلاتے ہیں، اُخروی ثمرات کا مزہ دنیا میں چکھا دیتے ہیں اور فخر وغرور کا شعور عطا کرتے ہیں، اور آپ فنائے ذات، ترکِ انانیت اور فانی اَذواق سے منہ پھیرنے کی وجہ سے بلند

ترین مقام میں پرواز کررہے ہیں۔

جی ہاں، اللہ تعالیٰ کا یہ ایک بہت بڑا احسان ہے کہ وہ ایسے شخص کو اپنے وجود کا شعور ہی نہیں دیتا جو اپنی انانیت ترک نہیں کرتا؛ تاکہ وہ کہیں عجب وغرور میں مبتلا نہ وہ جائے۔

اس حقیقت کی بنا پر میرے بھائیو! جو شخص اس آدمی کی طرح سوچتا ہے، یا اُن نمایاں مقامات کی طرف توجہ دیتا ہے جو لوگوں کے حسنِ ظن کی وجہ سے میسّر آتے ہیں، ایسا آدمی جب تمہیں دیکھے گا اور اسے تم میں وہ طالب علم نظر آئیں گے جن میں تواضع، خدمت اور فنائے ذات کی علامات نظر آتی ہوں اور تو وہ تمہیں عوام الناس کی طرح عام لوگ سمجھے گا اور کہے گا: کیا یہ ہیں حقیقت کے ہیرو؟ کیا یہ ہیں وہ لوگ جو دنیا کو چیلنج کرنے والے ہیں؟ افسوس صد افسوس! اِن لوگوں کا اس مقدس خدمت کو سرانجام دینے والے مجاہدین کے ساتھ کیا مقابلہ ہے جس خدمت سے اس دور میں اولیائے کرام تک عاجز آ گئے ہیں؟ تب اگر وہ تمہارے ساتھ ہم آہنگ ہوگا تو اس کا گمان ناکام ہو جائے گا، اور اگر وہ تمہارے خلاف ہوگا تو خود کو حق پرست سمجھے گا۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

رسالۃ الثمرہ کا چھٹا اور ساتواں مسئلہ

استاد نورسی جن دنوں ''دنیزلی'' کی جیل میں تھے اُن دنوں انہوں نے دو جمعے کے دِنوں میں ''الثمرہ'' نامی رسالہ لکھا، یہ ایک بیش قیمت رسالہ ہے جو کہ نو عدد انتہائی اہم مسائل پر مشتمل ہے، اور اس میں انتہائی ایجاز کے ساتھ رسائلِ نور کے حقائق یکجا کردیے گئے ہیں۔ طلّابِ نور جب تک جیل میں قید رہے بار بار اس کی کتابت کرتے رہے اور اسے پڑھتے رہے۔ پہلے پہل یہ رسالہ جیل کے کمروں میں خفیہ طریقے سے ماچس کی ڈبیوں کے کاغذوں پر لکھا گیا، پھر جب یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ یہ ایک انتہائی اہم اور نفع بخش تحریر ہے، اور خاص کر قیدیوں کے لیے تو اتنی زیادہ مفید ہے کہ گویا تریاق کا حکم رکھتی ہے، تو پھر سرِ عام لکھا گیا۔ یہ رسالہ — اس حیثیت سے کہ یہ رسائلِ نور کے دفاع کی ایک اہم دستاویز ہے — ''دنیزلی'' کی عدالت میں، اپیل کورٹ میں، اور انقرہ کے دیگر سرکاری محکموں میں بھیجا گیا۔

اس نقطۂ نظر سے کہ رسالۂ ''ثمرہ'' نے ''دنیزلی'' کی جیل میں ایک نمایاں اثر چھوڑا، اور اس حیثیت سے کہ یہ ایمانی حقائق پر مشتمل ہونے کی وجہ سے کسی نہ کسی پہلو سے بے گناہی کا سبب بن گیا ہے؛ ہم نے یہ مناسب سمجھا کہ اس کا مسئلہ نمبر چھ اور مسئلہ نمبر سات یہاں درج کردیا جائے۔

رسالہ ''ثمرہ'' کا چھٹا مسئلہ

ایمان باللہ کے رکن کی — کہ جس کی وضاحت پیچھے گزر چکی ہے — ہزاروں کلّی براہین میں سے ایک برہان کی طرف اشارہ، اور رسائل نور میں جا بجا بکھری ہوئی اس کی غیر محدود قطعی دلیلوں کا بیان......

[اس مضمون میں اختصار کے ساتھ ایمان باللہ کے بارے میں ان ہزاروں قطعی اور لامتناہی دلائل میں سے صرف ایک دلیل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن کی وضاحت رسائل نور میں جا بجا ہو چکی ہے۔]

''قسطمونی'' شہر میں میرے پاس ہائی سکول کے طلبہ کا ایک گروہ آیا، انہوں نے مجھ سے کہا: ہم آپ سے اپنے خالق کی پہچان کے بارے میں رہنمائی چاہتے ہیں؛ کیونکہ ہمارے اساتذہ اللہ کے بارے میں ہماری کوئی رہنمائی نہیں کرتے ہیں!

تو میں نے ان سے کہا: یاد رکھو کہ تمام علوم جو تم پڑھ رہے ہو، ان میں سے ہر علم ہمیشہ اپنی خاص زبان کے ساتھ اللہ کے وجود کے بارے میں بحث کرتا ہے اور خالقِ کائنات کے بارے میں رہنمائی دیتا ہے۔ لہٰذا تم مدرّسین کی بجائے خود سے ان علوم کو سنو۔

مثال کے طور پر:

اگر ایک بہت بڑی فارمیسی میں دوائیوں کی بہت زیادہ بوتلیں اور مرتبان پڑے ہوں، ہر مرتبان اور بوتل میں انتہائی منظم آلات اور دقیق اور حساس وزنوں اور مقداروں میں حیات بخش معجونیں، شربت اور دیگر دوائیں پڑی ہوں، تو اس سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ ان مرکب دواؤں کے پیچھے ایک بڑے ماہر اور دانا قسم کے دواساز اور انتہائی تجربہ کار کیمیادان کا ہاتھ کام کر رہا ہے۔ کرۂ ارض بھی اسی طرح ایک بہت بڑے دواخانے کی حیثیت رکھتا ہے، اس میں حیوانات و نباتات کی چار لاکھ سے زیادہ انواع و اقسام کی بوتلیں پائی جاتی ہیں، اور ان میں سے ہر بوتل میں حیات بخش مرکب دوائی پائی جاتی ہے، جسے فنِ طب کے انتہائی گہرے اصولوں اور مقداروں کے مطابق تیار کیا گیا ہے۔ اندھی بنسبت کروڑوں درجے بڑا ہے، اس کا خالق بھی بڑا کامل مکمل اور عظمت و جلال والا ہوگا۔

یا پھر مثال کے طور پر:

ایک غیر معمولی اور عجیب و غریب قسم کا کارخانہ جو ایک ہی سادہ سے خام مال سے انواع و اقسام کے کپڑے اور دوسرے قیمتی پارچہ جات تیار کرتا ہے، وہ کارخانہ ہمیں ایک ماہر انجینئر، سائنسدان، مکینک اور تجربہ کار کاریگر کی خبر دیتا ہے، یہ کرۂ ارض بھی اسی طرح اس ذات ربانی کی ایک مشین اور الٰہی کارخانہ ہے۔ اس کارخانے کی آگے ہزاروں شاخیں ہیں اور ہر شاخ میں پھر لاکھوں کارخانے پائے جاتے ہیں۔ یہ کارخانہ ہمیں اپنے خالق و مالک کا تعارف کراتا ہے اور

بتاتا ہے کہ کرۂ ارض والا یہ کارخانہ انسانی ہاتھوں کے بنائے ہوئے کارخانوں سے کہیں زیادہ کامل و مکمل اور عظیم الشان ہے، اور اسی طرح اس کا بنانے والا اور اسے چلانے والا بھی کامل، مکمل اور عظیم الشان ہے۔

یا پھر مثال کے طور پر:

ایک بہت بڑا ڈپو یا اسٹور ہو، جس میں انواع و اقسام کے ہزاروں غذائی مواد رکھے گئے ہوں، اور ان میں سے ہر قسم اور ہر ورائٹی علیحدہ علیحدہ ڈیپارٹمنٹ میں رکھی گئی ہو جیسے کہ ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں ہوتا ہے۔ اس سٹور میں جو ترتیب اور نظم و ضبط نظر آ رہا ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ اس کا کوئی مالک، ڈائریکٹر، اور مینیجر وغیرہ ضرور ہے؛ کیونکہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اتنے بڑے سٹور میں اتنی اقسام کی چیزیں بغیر کسی مرتب اور منظم کے اس ترتیب اور نظم و ضبط سے پڑی ہوئی ملیں! اسی طرح یہ رحمانی اسٹور ہے جو کہ ایک سال میں چوبیس ہزار سالوں کی مسافت کا چکر انتہائی دقیق اور مکمل نظام سے کاٹ لیتا ہے، اور جو اپنے جلو میں ایسی ہزاروں قسم کی مخلوقات رکھتا ہے جن میں سے ہر مخلوق علیحدہ علیحدہ قسم کی خصوصی غذا کی حاجت مند ہے، اور جو اپنے سنگ چار موسم رکھتا ہے، اور جو چاروں موسموں کا وزٹ کرتا ہے اور پھر ہر اس مخلوق کو بہار سے نوازتا ہے جس کی سردیوں میں غذا ختم ہو گئی ہو، ایسے جیسے وہ لذیذ کھانوں سے لدی پھندی مال گاڑی ہو...... اسے کرۂ ارض کہتے ہیں، یہ اس مقدس ذات کا بحری جہاز ہے جس میں ہزاروں قسم کی غذاؤں کے ڈبے، پیکٹ اور دوسرا ساز و سامان لدا ہوا ہے...... فن معیشت اور تجارت کے اصولوں کی روشنی میں یہ تمام چیزیں ہمیں بتاتی ہیں کہ جس طرح انسانی ہاتھوں کے بنائے ہوئے کارخانوں اور دکانوں کا مالک اور مینیجر وغیرہ ہوتا ہے، اسی طرح اس کرۂ ارض کے کارخانے کا بھی ایک خالق و مالک، مدیر اور مدبّر ہے جو کہ اسی حساب سے عظیم الشان اور جلیل القدر ہے جس حساب سے کائنات کا یہ کارخانہ عام انسانی کارخانوں سے بڑا اور جلیل القدر ہے۔ اور یوں یہ تمام چیزیں ہمیں اس مالکُ الملک کی پہچان بھی کرواتی ہیں اور اس کے بارے میں ہمارے دل میں محبت بھی پیدا کرتی ہیں۔

یا پھر مثال کے طور پر:

ایک بہت بڑے لشکر جرار میں چار لاکھ قسم کی مختلف قومیں ہوں، ان میں سے ہر ایک کا کھانا پینا، ہتھیار اور وردی وغیرہ ایک دوسرے سے مختلف ہوں، ہر ایک کی مشق کا طریق کار دوسرے سے جدا اور ہر ایک کے کام کی مدت اور چھٹی کا وقت دوسرے سے علیحدہ ہو، اور ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ ہو جس کی کوئی ضرورت پوری نہ ہوتی ہو، یا اسے نظر انداز کیا جاتا ہو...... یہ تمام چیزیں ہماری نظروں کے سامنے ایک ایسا قائد یا سپہ سالار لا کھڑا کرتی ہیں جو بڑا صاحب ہمت اور معجزانہ صلاحیتوں کا مالک ہے۔ اور دل میں اس کے لیے محبت اور احترام کے جوت جگا دیتی ہیں، زمین میں موسم بہار کی چھاؤنی کی کیفیت بھی یہی ہے، اللہ تعالیٰ کی وہ چھاؤنی جسے چار لاکھ قسم کے ایسے حیوانات و نباتات سے ترتیب دیا گیا ہے جنھیں ان کا اسلحہ، ان کا کھانا پینا اور ان کا لباس غایت درجے کے مکمل انتظام سے دیا جاتا ہے، جن کی ٹریننگ ہوتی

ہےاور پھرانہیں چھٹی بھی دی جاتی ہے۔اور یہ سب کچھ اتنے گہرے انتظام واہتمام سے ہوتا ہے کہ ان میں سے نہ تو کوئی نظرانداز ہوتا ہے، نہ کسی کی ٹریننگ، رخصت ساز وسامان اور اسلحے کے بارے میں بھول چوک ہوتی ہے، اور نہ ہی ان کے معاملات خلط ملط ہوتے ہیں۔اب عسکری علوم وفنون کے پیمانے کی رو سے کرۂ ارض کی چھاؤنی کے خالق، مدبر، سپہ سالار اور مربی کی پہچان ہوجائے گی۔اور پتا چلے گا کہ جس طرح یہ الٰہی چھاؤنی اس انسانی چھاؤنی سے کہیں زیادہ بڑی اور عظیم الشان ہے، اسی طرح اس چھاؤنی کا خالق و مالک اور سپہ سالار، بھی کہیں زیادہ کامل اور عظیم الشان ہے......اس سے زمین کی اس چھاؤنی کے سپہ سالارِ اعظم کی دل میں تقدیس پیدا ہوتی ہے، اس کی محبت جاگزیں ہوتی ہے۔اور دل اس کی تسبیح وتحمید کے جذبات سے بھر جاتا ہے۔

یا پھر مثال کے طور پر:

کسی بہت بڑے دارالحکومت میں لاکھوں برقی چراغ شہر کے ہر کونے میں گردش کر رہے ہیں، جن میں سے نہ تو ایندھن ختم ہوتا ہے اور نہ ہی ان کی آگ بجھتی ہے۔کیا تم نہیں سمجھتے کہ اس عمل کے پیچھے ایک ماہر انجینئر اور تجربہ کار الیکٹریشن کا ہاتھ ہے جو اس تمام الیکٹرسٹی کا بندوبست اور اُس کی دیکھ بھال کر رہا ہے!اور ایسے چراغ بھی تیار کرتا جارہا ہے جو حرکت میں بھی ہیں اور گردش میں بھی! یہ تمام معاملہ یقیناً حیران کن بھی ہے اور تعجب خیز بھی۔اسی طرح یہ بات سمجھو کہ یہ کائنات ایک حیرت انگیز شہر ہے، اس کی چھت پر ستاروں کی شکل میں بے شمار روشن چراغ لٹک رہے ہیں اور وہ گردش میں بھی ہیں، اور ان میں سے ہر ایک — جیسا کہ علم فلکیات ہمیں بتاتا ہے — ہماری اس زمین سے ہزاروں گنا زیادہ بڑا ہے اور اپنی حرکت اور گردش میں توپ کے گولے سے ستر گنا زیادہ تیز ہے۔اس سب کے باوجود نہ تو ان کے نظام میں کوئی خلل آتا ہے، نہ یہ ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں، نہ ان کا وہ ایندھن ختم ہوتا ہے جن سے یہ روشن ہیں، اور نہ ہی یہ بجھتے ہیں۔صرف ایک سورج کو ہی دیکھ لو، جو کہ کرۂ ارض سے — جیسا کہ علمُ الفلکیات سے پتا چلتا ہے — دس لاکھ گنا بڑا اور دس لاکھ سال قدیم ہے، یہ سورج خدائے رحمان کے اس مہمان سرائے میں ایک چراغ اور انگیٹھی کی حیثیت رکھتا ہے۔اب اسے ہمیشہ ایندھن فراہم کرنے اور جلتا اور گرم رکھنے کے لیے ہر روز زمین میں پائے جانے والے سمندروں کے برابر پٹرول، پہاڑوں کے برابر کوئلے اور کرۂ ارض سے ہزاروں گنا زیادہ لکڑی کی ضرورت ہے تاکہ یہ بجھ نہ پائے اور اس کی گرمی اور روشنی فراہم کرنے کی صفت باقی رہے۔

اب سورج اور اس جیسے دوسرے سیاروں سے ہمیں اس بات کی رہنمائی ملتی ہے کہ:

☆ ایک ایسی ذات موجود ہے کہ جو ان تمام سیاروں کو بغیر پٹرول کوئلے اور لکڑی کے ایندھن فراہم کر رہی ہے۔

☆ اور یہ کہ وہ ذات ان سیاروں کو انتہائی دقیق نظام کے تحت رکھ کر ان کی دیکھ بھال کر رہی ہے اور اُنہیں کنٹرول کر رہی ہے۔

☆ اور یہ کہ اس نے ان سیاروں کو انتہائی تیز رفتاری سے گردش میں رکھا ہوا ہے، لیکن اس کے باوجود یہ گردش اتنی منظم ہے کہ ان کا آپس میں کبھی تصادم نہیں ہوتا ہے۔ اور ایسا صرف اور صرف بے انتہا قدرت اور غیر محدود سلطنت ہی سے ممکن ہے...... کہنا یہ ہے کہ یہ عظیم الشان کون ومکان — اس میں پائے جانے والے روشن چراغوں اور لٹکتی ہوئی قندیلوں کے ساتھ — الیکٹریکل سائنس کے اصولوں اور پیمانوں کی رُو سے — اس عظیم الشان نمائش گاہ اور عالی قدر مہرجان کے مالک کی ہمہ گیر سلطنت پر روشنی ڈالتا ہے اور ان جگمگ کرتے ستاروں کی گواہی کے ذریعے اپنے جلیل القدر صانع اور بے نظیر مدبّر اور روشن کنندہ کا تعارف کراتا ہے، اور تحمید وتسبیح وتقدیس کے ذریعے سب کے دل میں اس کی محبت ڈالتا ہے، بلکہ سب کو کشاں کشاں اس کی بندگی کے دائرے میں لے آتا ہے۔

یا پھر مثال کے طور پر:

تمہارے سامنے ایک کتاب ہو جس کی ہر سطر انتہائی دقیق نظری سے لکھی گئی ہو اور اس کے ہر کلمے میں قرآنی سورت لکھ دی گئی ہو، جس کے تمام مسائل ومطالب بڑے پرمغز اور گہرے مفاہیم کے حامل ہوں اور تمام کے تمام ایک دوسرے کی تائید کرتے ہوں، تو یہ چیز بدیہی اور قطعی طور پر دوپہر کے سورج کی طرح اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کتاب کو لکھنے والا کوئی بہت ماہر انشا پرداز اور حاذق مصنف ہے، جو بڑا صاحب کمال اور صاحب قدرت ہے۔ اس کتاب کے دیکھنے والے تعجب سے ''ماشاءاللہ'' ! ''بارک اللہ'' کہیں گے اور داد دیتے ہوئے بے اختیار پکار اٹھیں گے:

''اس کتاب کی کتابت کتنی پیاری ہے اور اس کے مصنف کا علم کتنا حسیں ہے!''

بعینہٖ اسی طرح یہ کائنات بھی ایک بہت بڑی کتاب ہے، یہ کتاب سطح زمین پر لکھی جاتی ہے جو کہ اس کا ایک صفحہ ہے، اور اس کے ایک ہی بند — موسم بہار — میں مختلف قسم کی تین لاکھ کتابیں — حیوانات ونباتات اور اجناس کی شکل میں — لکھی جاتی ہیں — ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر ایک مکمل کتاب کی حیثیت رکھتی ہے...... اور ہر کتاب ان میں سے علیحدہ حیثیت بھی رکھتی ہے اور یہ سب کی سب ایک دوسرے سے متعلق اور باہمدیگر پیوستہ بھی ہیں لیکن آپس میں خلط ملط نہیں ہوتی ہیں، لیکن پھر بھی انہیں پہچاننے میں کوئی غلطی یا بھول چوک نہیں ہوتی ہے، پھر ان کا ہر کلمہ اور ہر شوشہ انتہائی مرتب، منظم اور تکمیل بردوش ہے۔

بلکہ اس کے ہر کلمے میں ایک مکمل قصیدہ لکھ دیا جاتا ہے جیسے ایک درخت کی شاخیں، پتے، پھل اور پھول ہوتے ہیں۔ اور اس کے ہر نقطے میں تمام کتاب کی فہرست لکھ دی جاتی ہے، جیسے ایک بیج میں ایک درخت کی مکمل فہرست موجود ہوتی ہے...... اور یہ تمام منظر ہمارے سامنے ہے، اس کا مشاہدہ ہم اپنی آنکھوں سے کر رہے ہیں۔ اور یہ تمام چیزیں

بالبداہت (صاف طور پر) ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ ایک طاقتور معجز نگار قلم ہے جو لکھتا چلا جا رہا ہے۔ ایک ماہر نقش گر ہے جو نقش نگاری کرتا چلا جا رہا ہے۔ اب تم خود اندازہ لگا سکتے ہو کہ حکمۃ الاشیاء، فن قرأت، اور فن کتابت کی رو سے ایک کتاب کو دیکھ کر اگر ایک ماہر اور صاحب علم مصنف کے ہونے کا یقین ابھرتا ہے، تو کون ومکاں کی یہ بے نظیر کتاب جس کا ہر کلمہ اور ہر نقطہ جہانِ معنی ہے، اسے دیکھ کر جس کا تب اور نقش گر کا یقین ابھرتا ہے وہ کیسا ہوگا؟ قرآن پاک ایسے ہی کاتب اور نقش گر کی نشاندہی کرتا ہے۔ وہ ''اللہ اکبر'' کہہ کر اس کی عظمت اور بڑائی اور ''سبحان اللہ'' کہہ کر اس کی تقدیس بیان کرتا ہے، اور ''الحمدللہ'' کے ساتھ اس کی تعریف کر کے بتاتا ہے کہ وہ اس قابل ہے کہ اس کے ساتھ محبت رکھی جائے، کہنا یہ ہے کہ ایک عام کتاب سے جتنی اس کے لکھنے والے کے لیے نشان دہی ہوتی ہے، قرآن پاک سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہونے والی نشاندہی اس سے کہیں زیادہ ہے...... اور یوں یہ بات آخری حد تک ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ جتنے بھی علوم ہیں — اس قاعدے کلیے کی رو سے — سب کے سب اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرتے ہیں اور اس کے اسمائے حسنیٰ اور اس کی صفات جلیلہ اور کمالات عالیہ کے ذریعے اس کا تعارف کرواتے ہیں؛ کیونکہ یہ علوم وسیع ترین پیمانوں، خصوصی آئینوں، تیز ترین نگاہوں اور عبرت بھری آنکھوں کے مالک ہیں۔ میں نے ان نوجوان طلبہ سے کہا: قرآن پاک میں "خَلْقُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ" اور "رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ" جیسی آیات بار بار دہرائی گئی ہیں، ان سے ایک مقصد تو اس مذکورہ حقیقت کی طرف رہنمائی کرنا ہے، دوسرے یہ کہ توحید پر دلالت کرنے والی اس واضح دلیل کی طرف اشارہ ہو جائے، اور تیسرے یہ کہ ہمیں اپنے عظیم الشان خالق کی پہچان ہو جائے۔

نوجوانوں نے کہا: ہم اس سراپا حقیقت درس پر اللہ تعالیٰ کا بے حساب شکر ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور آپ کو اپنی رضامندی سے نوازے۔

میں نے کہا: انسان ایک جاندار مشین ہے، ان ہزاروں دکھوں سے دکھی ہوتا ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہیں، اور ہزاروں قسموں کی لذتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ اور خود یہ انتہائی عاجز ہے لیکن اس کے ظاہری اور خفیہ بے شمار دشمن ہیں۔ اور پھر یہ انتہائی درجے کا فقیر ہے لیکن اس کی ظاہری اور باطنی خواہشات ورغبات کا کوئی شمار نہیں ہے۔ پھر وہ ایک مسکین مخلوق ہے، ہمیشہ زوال وفراق کے طمانچوں کے دکھ سہتا رہتا ہے...... لیکن اس سب کچھ کے علی الرغم وہ ایمان اور عبودیت کے طفیل اس سلطان ذوالجلال کی طرف منسوب ہو کر ایک مضبوط قسم کا سہارا اور ایسا عظیم الشان مرکز حاصل کر لیتا ہے جس میں اپنے تمام دشمنوں سے بچنے کے لیے پناہ لے لیتا ہے۔ اور اس نسبت کے طفیل اسے ایک ایسا وسیلہ میسر آجاتا ہے جس کی طرف وہ اپنی حاجات برآری، فریادرسی اور امیدوں آرزوؤں کو برلانے کے لیے رجوع کرتا ہے۔ جس طرح ہر آدمی اپنے آقا کے ہاں اپنے مقام ومرتبے کو دیکھ کر عزت محسوس کرتا ہے، اسی طرح انسان کی نسبت جب ایمان کے ذریعے اس قادرِ قدیر ذات کی طرف ہو جاتی ہے۔ جس کی قدرت کی کوئی انتہا نہیں ہے، اور اس کی نسبت جب اس خداوند رحیم کی طرف ہو جاتی ہے جس کی رحمت بہت وسیع ہے، اور اطاعت وشکر کے ذریعے وہ جب اس کی

عبودیت کے دائرے میں آجاتا ہے، تو پھر یہ اجل اور موت ابدی طور پر معدوم ہوجانے کی بجائے عالم بقا کے لیے راہداری کی شکل اختیار کر جاتی ہے۔ اب تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ یہ انسان اپنی اس بندگی کی شیرینی سے اپنے آقا کے حضور کتنا لطف اندوز ہوگا، اس کے دل میں جو ایمان ہے اس کی بدولت کتنی بڑی نعمت سے بہرہ مند ہوگا، اسلام کی روشنیوں سے کتنا سعادت مند ہوگا اور اپنے قادرُ الرحیم آقا پر کتنا فخر کر سکے گا اور ایمان واسلام کی نعمت پر اس کا کتنا شکر گزار رہے گا!! اور یہ جو کچھ میں نے اپنے طالب علم بھائیوں سے کہا ہے وہی کچھ اپنے ان پس دیوار زنداں بھائیوں سے کہتا ہوں کہ:

جو کوئی اللہ کو پہچان کر اس کی اطاعت میں سرگرم ہو جاتا ہے وہ نیک بخت ہے اگرچہ قید خانے کی تہوں میں کیوں نہ ہو، اور جو کوئی اس سے غافل ہو گیا اور اسے بھول گیا، وہ بد بخت ہے اگرچہ پر فخر محلوں میں رہ رہا ہو۔ ایک دن ایک مظلوم نے سولی پر چڑھتے ہوئے ظالموں کے منہ پر خوشی اور مسرت کے ساتھ بھرپور آواز میں کہا تھا:

میں فنا کی طرف نہیں جا رہا ہوں، اور نہ میں معدوم ہوں گا، بلکہ دنیا کے اس تنگ و تاریک قید خانے سے آزاد ہو کر ابدی سعادت کی طرف پرواز کر رہا ہوں، البتہ میں تمھیں دیکھ رہا ہوں کہ تمھارے لیے ہمیشہ کے لیے نیست و نابود ہو جانے کا حکم صادر ہو چکا ہے، اس لیے کہ تمھاری نظروں میں موت فنا اور نیستی کا نام ہے۔ اس لیے تمھیں معلوم ہو جانا چاہیے کہ میں تم لوگوں سے انتقام لے رہا ہوں۔ پھر اس نے "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کا ورد کرتے ہوئے پورے اطمینان کے ساتھ جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

﴿سُبْحَانَكَ لاَ عِلْمَ لَنَا إِلاَّ مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾

☆ ☆ ☆

رسالۂ "ثمرہ" کا ساتواں مسئلہ

(دنیزلی کی جیل میں جمعہ کے دن پکنے والا پھل)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلاَّ كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ﴾

﴿مَا خَلْقُكُمْ وَلاَ بَعْثُكُمْ إِلاَّ كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾

﴿فَانْظُرْ إِلَى آثَارِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

دنیزلی کی جیل میں جو قیدی میرے ساتھ میل جول کا سلسلہ رکھ سکے، وہ اُس درس کو پڑھ چکے تھے جو میں نے ''قسطمونو'' کے ثانوی کے طالب علموں کو مسکول والی سائنس کی زبان میں اس دن دیا تھا جس دن انہوں نے میرے پاس آکر مجھے یہ کہا تھا: ''ہمیں ہمارے خالق کا تعارف کرائیں''، جیسا کہ چھٹے مسئلے میں گزر چکا ہے، چنانچہ انہوں نے مجھ سے کہا: ''ہمیں ہماری آخرت کے بارے میں بھی اس طرح کی مکمل آگاہی دیں کہ اُس کے بعد ہمارے نفوس اور دورِ حاضر کے شیطان ہمیں اغوا نہ کرسکیں اور ہم پھر سے اس طرح کی جیلوں میں نہ دھکیل دیے جائیں۔'' اس لیے ان لوگوں کی طلب کے جواب میں اور ''دنیزلی'' کی جیل میں قید شاگردانِ رسائل نور کی رغبت پر لبیک کہتے ہوئے ایمان بالآخرت کے رکن کا خلاصہ بیان کرنا ضروری ہوگیا ہے، چنانچہ میں نے رسائل کے مختصر سے خلاصے کی صورت میں کہا:

جیسا کہ چھٹے مسئلے میں گزر چکا ہے کہ ہم نے زمین و آسمان سے اپنے خالق کے بارے میں پوچھا تھا، تو انہوں نے سائنس کی زبان میں ہمارے سامنے اس کا سورج کی طرح چمکتا دمکتا تعارف رکھ دیا تھا، اب ہم اُسی طریقے سے اپنی آخرت کے بارے میں پوچھیں گے، اور اس ضمن میں ہم سب سے پہلے اپنے اس رب سے پوچھیں گے جسے ہم جانتے پہچانتے ہیں، پھر اپنے نبی علیہ السلام سے پوچھیں گے، پھر ہم اپنے قرآن سے پوچھیں گے، پھر تمام انبیا علیہم الصلاۃ والسلام سے پوچھیں گے، پھر سابقہ کتابوں سے پوچھیں گے، پھر ملائکہ سے اور پھر کائنات سے۔

پس پہلے مرتبے میں ہم سب سے پہلے آخرت کے بارے میں پوچھیں گے، تو وہ ہمیں اپنے تمام مبعوثین اور اپنے تمام اوامر کے ذریعے اور اپنے تمام اسما و صفات کے ذریعے اس جواب تک پہنچا دے گا کہ: جی ہاں، آخرت موجود ہے...... اور میں تمہیں کشاں کشاں اُسی کی طرف کھینچے لیے جا رہا ہوں۔

دسویں مقالے یعنی رسالہ حشر نے چونکہ بعض اسمائے حُسنیٰ سے کشیدہ کردہ بارہ عدد قطعی تابندہ حقائق کے ذریعے آخرت کا اثبات کردیا ہے اور اس کی وضاحت کردی ہے، اس لیے اس مقام پر ہم وہاں پر کردی گئی وضاحت پر اکتفا کرتے ہوئے ان کی طرف انتہائی ایجاز کے ساتھ صرف اشارہ ہی کریں گے۔

اگر ایسی کوئی سلطنت موجود نہیں ہے جو اپنے اطاعت گزاروں کو صلہ نہیں دیتی اور نافرمانوں کو سزا نہیں دیتی، تو پھر اس سرمدی سلطنت کے بارے میں کیا خیال ہے جو مطلق ربوبیت کا درجہ رکھتی ہے؟ بلاشبہ صلہ موجود ہے اور جو لوگ اس سلطنت کے ساتھ ایمان بھرا تعلق رکھتے ہیں اور اطاعت گزاری کے ساتھ اس کے قوانین کی پابندی کرتے ہیں، انہیں صلہ دیا بھی جاتا ہے، اور سزا بھی موجود ہے اور جو کفر و عصیان کے ذریعے اس معزز سلطنت کا انکار کرتے ہیں اور اس کے قوانین کو تسلیم نہیں کرتے انہیں سزا دی بھی جاتی ہے۔ یہ ہے وہ جواب جو ہمیں اسمِ گرامی ''ربُّ العالمین'' اور اسم گرامی ''السلطانُ الدیّان'' دیتا ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ صلہ اس طریقے سے چلے گا جو اُس کی رحمت اور حسن و جمال کو زیب دیتا ہے، اور سزا کا عمل بھی اسی طرح ظہور میں آئے گا جو اس کی عزت اور جلال کے شایانِ شان ہے۔

پھر ہم سطحِ زمین پر عمومی رحمت، جامع قسم کی شفقت اور عالمگیر فضل وکرم کا مشاہدہ کرتے ہیں، اور یہ سب کچھ ہم اپنی آنکھوں کے ساتھ سورج کی طرح نمایاں اور روز روشن کی طرح واضح دیکھ رہے ہیں، اور اس کی ایک مثال یہ ہے کہ یہ رحمت پھل دار اشجار و نباتات کو موسمِ گل میں دلکش ترین جوڑے پہناتی ہے، اور انہیں اس طرح مزین کرتی ہے کہ گویا وہ جنّت کی حُوریں ہیں، اور اُن کے ہاتھوں کو انواع واقسام کے پھلوں سے بھر دیتی ہے، اور ان پھلوں کو یہ کہتے ہوئے ہمارے قریب کرتی ہے کہ آؤ، یہ پھل لو اور کھاؤ۔ اور اسی طرح وہ ہمیں ایک زہریلی مکھی سے شفا بخش شہد عطا کرتی ہے، اور جس طرح وہ ایک بے ہاتھ کیڑے کے ہاتھ سے ہمیں بہت نرم ونازک سا ریشم پہناتی ہے اُسی طرح ہاتھ کے چھوٹے چھوٹے بیجوں اور گٹھلیوں کی ایک مُٹھی میں ہزاروں ٹن وزنی خوراک ذخیرہ رکھ دیتی ہے اور اس سے احتیاطی ذخائر کے چھوٹے چھوٹے گودام بنا دیتی ہے۔

تو ہم جب اس رحمت، شفقت اور کرم کا ایسے مشاہدہ کرتے ہیں جیسے کہ چمکتا ہوا سورج نظر آتا ہے، تو پھر اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ کریم الرحیم جو اپنے صابر و شاکر عبادت گزار محبوب اہلِ ایمان کا خیال رکھتا ہے، اور انہیں اس قدر لطف ورافت کے ساتھ غذا فراہم کر رہا ہے، اُنہیں معدوم کرتا بلکہ انہیں سبکدوش کرتا ہے، اور انہیں دنیاوی زندگی کی ذمہ داری کی گرانباریوں سے آزاد کرتا ہے تاکہ وہ تابندہ ترین رحمت کا مظہر بن جائیں...... یہ ہے وہ جواب جو ہمیں اسمِ گرامی ''الرحیم'' اور اسمِ گرامی ''الکریم'' یہ کہتے ہوئے دے رہے ہیں کہ ''جنّت حق ہے۔''

پھر ہم اپنی آنکھوں سے اس بات کا مشاہدہ کر رہے ہیں کہ اس زمین میں اور ان تمام مخلوقات میں ایک انتہائی قسم کی حکمت کا ہاتھ کام کر رہا ہے، اور ہمارا مشاہدہ ہے کہ تمام اعمال اتنی بلند پایہ عدالت کے پیمانوں کے مطابق چل رہے ہیں کہ انسانی عقل اس سے بہتر کا تصوّر بھی نہیں کر سکتی؛ کیونکہ ہم — مثال کے طور پر — ایک اَزلی حکمت کا مشاہدہ کرتے ہیں جس نے انسان میں قوتِ حافظہ ایجاد کی ہے، اور ایک ایسی لائبریری کا روپ دے دیا ہے جس میں اس کی زندگی کی تمام کہانی کی اور اس کی زندگی کے ساتھ تعلق رکھنے والے تمام واقعات وحوادث کی دستاویز درج کر دی جاتی ہے، اور دماغ کے ایک اتنے چھوٹے سے کونے میں رکھ دیا ہے کہ جس کا حجم ایک چھوٹے سے دانے سے زیادہ نہیں، بالکل ایسے کہ جیسے وہ ایک سرکاری اسٹام ہو جو انسان کو ہمیشہ اعمال کے اس رجسٹر کی یاد دلاتا رہتا ہے جو حشر کے دن انسان کے مقدّمے کی سماعت کے دوران کھول کر پھیلا دیا جائے گا۔ اور یہ یاد دہانی اُن کل پُرزوں کی بہت سی حکمتوں میں سے ایک ہے جو انسان میں ودیعت کیے گئے ہیں۔

اسی طرح ہم مثال کے طور پر ایک سرمدی عدالت کا مشاہدہ کرتے ہیں جو مخلوقات کے اجزا و اَعضا کو پورے توازن کے ساتھ غایت درجے کی دِقت اور حسّاسیت کی صورت میں ان کے صحیح موقع ومحل میں ترتیب سے رکھتی ہے، اور ایک

جرثومے سے لے کر گینڈے تک اور مکھی سے لے کر رُخ تک،[1] اور ایک پھول دار بوٹی سے لے کر ملین ٹریلین کھلتے ہوئے پھولوں والے موسم بہار تک مصنوعات کو انوکھے اور بے مثال تحفوں کی صورت میں انتہائی تناسب، توازن، انتظام اور جمال کے ساتھ پیدا کرتا اور انہیں ایسے پیمانوں کے مطابق پروان چڑھاتا ہے کہ جن میں اسراف کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا، اور یہ ہر ذی حیات کو کمال میزان کے ساتھ اُس کی زندگی کے حقوق عطا کرتی ہے اور برائی پر بُرے نتائج اور اچھائی پر اچھے نتائج مرتب کرتی ہے۔ اور عہدِ آدم سے لے کر اب تک ظالم اقوام پر اور بپھرے ہوئے حدود فراموش لوگوں کے چہروں پر زوردار طمانچے مار کر پوری قوت کے ساتھ اپنے وجود کا احساس دلاتی رہتی ہے۔

ان تمام چیزوں کو ہم جب واضح طور پر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، تو پھر بلاشبہ جیسے سورج بغیر دن کے نہیں ہوتا، اُسی طرح یہ اَزلی حکمت اور سرمدی عدالت آخرت کے بغیر نہیں ہوسکتیں، اور اس بات کی کسی بھی طرح اجازت نہیں دیتیں کہ معاملات ظلم و جور اور بے ہودگی و بے کاری کے اس انداز سے چلتے رہیں کہ سرکش ترین ظالم کو اور کمزور ترین مظلوم کو بغیر کسی انجام کے ایک ساتھ موت سے ہمکنار کر دے...... یہ ہے وہ جواب جو ہمیں اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی ''الحکیم''، ''الحکم''، ''العدل'' اور ''العادل'' دیتے ہیں، ایسا قطعی جواب کہ جو کسی بھی طرح کے شک وشبہ سے بالاتر ہے۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ تمام کائنات کو اس کی وہ تمام تر حاجات وضروریات مہیّا کی جارہی ہیں جنھیں وہ خود حاصل نہیں کر سکتی اور جن تک ان کے ہاتھ نہیں پہنچ پاتے ہیں اور یہ ضروریات اُن تک فقط فطری استعداد اور ضروری احتیاج کی زبان سے ہی جو کہ دعا کی ہی ایک قسم ہے؛ پہنچ جاتی ہیں، چنانچہ یہ ضروریات انہیں ایک مشفق، مہربان، اور سُننے جاننے والے دستِ غیب کی جانب سے ملتی جارہی ہیں۔ اور وہ تمام دعائیں جو انسان اطاعت وفرمانبرداری سے کرتا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ ان پر لبیک کہا جارہا ہے اور وہ قبول ہورہی ہیں، اور خاص کر انبیاعلیہم الصلاۃ والسلام اور خواص کی وہ دعائیں جن میں سے اکثر غیر معمولی طور پر اس انداز سے قبول ہوجاتی ہیں کہ جس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ پردۂ غیب کے پیچھے کوئی سمیع مجیب ذات موجود ہے جو ہر دُکھی اور غمگین کی آہیں کراہیں اور ہر ضرورت مند کی دعائیں سن رہا ہے، بلکہ وہ ایک ادنیٰ سے ادنیٰ ذی حیات کی ادنیٰ سے ادنی حاجت کو نظر میں رکھتا ہے اور اس کی پوشیدہ ترین آہوں کو سنتا ہے، اس کے ساتھ شفقت کا اظہار کرتا ہے اور اُسے عملی طور پر ایسا جواب دیتا ہے جو اُسے راضی کردے۔

یہ تمام چیزیں جب ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، تو پھر اس امر کی طلب کے بارے میں کیا خیال ہے جو عمومی کائنات کے ساتھ اور عمومی اسماوصفاتِ الٰہیہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، اور وہ ہے بقائے اُخروی کی طلب جو کہ سب سے اہم اور سب سے عام دعا ہے اور یہ وہ دُعا ہے جس کے ذریعے انسان دعا مانگتا ہے جو کہ حاصلِ مخلوقات ہے، اور یہ وہ دُعا

---

[1] RUKH یا ROC، ایک بہت بڑا خیالی پرندہ جو گینڈے کو بھی اُٹھالیتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ پرندہ حقیقت میں موجود تھا لیکن اب ناپید ہوچکا ہے۔

ہے جس کے ذریعے محمد ﷺ نے دعا مانگی اور اُس پر اُن تمام انبیا سے آمین کہلوائی جو کائنات کے امام ہیں، نوعِ بشر کے آفتاب، ستارے اور قائد ہیں، اور جس پر آپ ﷺ کی امت کا ہر مومن ہر روز کم از کم آپ ﷺ پر درود بھیج کر متعدد بار آمین کہتا ہے، بلکہ اس دعا میں تمام مخلوقات یہ کہتے ہوئے شریک ہوتی ہیں کہ: جی ہاں ہمارے پروردگار! انہوں نے آپ سے جو مانگا ہے انہیں عطا کر دے؛ کیونکہ ہماری طلب بھی وہی ہے جو اُن کی ہے...... اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اگر وہ غیر محدود اسباب نہ ہوتے جو اُخروی بقا کے لیے حشر کو اور ابدی سعادت کو واجب کرتے ہیں، بلکہ دعا کی اُن شروط کے ساتھ صرف آپ ﷺ کی دعا ہی ہوتی جن کے ہوتے ہوئے دعا رد نہیں ہوتی؛ تو یہ دُعا ہی جنّت کے وجود کے لیے اور اُس آخرت کو ایجاد کرنے کے لیے کافی ہوتی جو کہ اس کی قدرت کے لیے موسمِ گل کو ایجاد کرنے کی طرح آسان ہے...... یہ ہے وہ جواب جو ہمیں اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی ''السمیع''، ''المجیب'' اور ''الرحیم'' اتنی نمایاں صورت میں دیتے ہیں کہ کسی شبہے کا احتمال نہیں چھوڑتے۔

جس طرح روزِ روشن سورج کو نمایاں طور پر دکھا دیتا ہے؛ اسی طرح روئے زمین پر موسموں کا تبدیل ہونا، اور ان کے ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنے میں جو کُلّی موت کا منظر جاری رہتا ہے، پس پردہ کسی متصرّف کو نمایاں کرتا ہے جو قلمِ قدرت کے ساتھ اس ہیبت خیز کرۂ ارض کا آخری درجے کے نظم وضبط کے ساتھ اسی آسانی سے سروے کر لیتا ہے جس آسانی سے کسی باغیچے کی بلکہ کسی درخت کی کرتا ہے، اور ایک پُر شکوہ موسم گل کی اُسی سہولت اور موزوں زیب وزینت کے ساتھ صورت گری کر لیتا ہے جس سہولت کے ساتھ ایک پھول کی، اور صفحۂ زمین پر انواع واقسام کی نباتات وحیوانات جو کہ تین لاکھ کتابوں کی حیثیت رکھتے ہیں جو حشر ونشر کے تین لاکھ نمونے پیش کرتی ہیں، ان نباتات وحیوانات کی مکمل، منظّم اور بلیغ انداز میں لکیریں کھینچ دیتا ہے، اور باوجود اس کے کہ یہ لکیریں ایک دوسرے کے ساتھ بہت زیادہ مشابہت رکھتی ہیں، وہ ان کے بارے میں نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے، اور باوجود اس کے کہ یہ باہم متداخل ہیں، وہ اس پر ملتبس نہیں ہوتی ہیں، اور باوجود اس کے کہ یہ باہم مخلوط ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ مخلوط نہیں ہوتی ہیں، اور اس عظمت کی صورت میں وہ بے حد رحمت اور بے شمار حکمت کا اظہار کرتا ہے۔ اور اس پر مزید یہ کہ اس متصرّف سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو ایک بلند تر مقام ومرتبہ عطا کیا ہوا ہے؛ کیونکہ اس نے اُسے زمین کی وہ خلافت عطا کی ہے جس کا بوجھ اُٹھانے سے آسمانوں نے، زمین نے اور پہاڑوں نے انکار کر دیا تھا، اور اس کے لیے اس عظیم کائنات کو مسخر کر دیا ہے، اسے مزین کر دیا ہے اور اُسے اس طرح کا فرش بنا دیا ہے کہ گویا وہ اُس کی ایک منزل ہو، اور اسے اس طرح مکرَّم ومعزز بنایا کہ اسے تمام جاندار مخلوقات کا سردار بنا دیا ہے، اور اسے مکالمہ اور مخاطبۂ سبحانیہ سے مشرّف کیا ہے، اور اس کے ساتھ اپنی تمام آسمانی کتابوں میں ابدی سعادت اور اُخروی سعادت کا قطعی وعدہ کیا ہے اور اس وعدے کی اس نے پاسداری بھی کی ہے، پس یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ وہ اس معزز ومکرم انسان کے لیے وہ دارِ سعادت تیار کرے گا جو کہ اس کی قدرت کے لیے ایسے ہی آسان ہے جیسے موسمِ بہار کو تیار کرنا، اس کے لیے قیامت اور حشر قائم کرے گا اور بہت

جلد اس کے لیے دار سعادت کو کھول دے گا...... یہ ہے وہ جواب جو ہمیں ہمارے خالق کے اسمائے گرامی ''المحی''، ''الممیت''، ''الحی''، ''القیوم''، ''القدیر'' اور ''العلیم'' دیتے ہیں۔

جی ہاں، وہ قدرت جو ہر موسمِ گل میں تمام درختوں کو اور نباتات کی جڑوں کو بعینہٖ زندہ کر دیتی ہے، اور ہر موسمِ گل میں حشر ونشر کے تین لاکھ نباتاتی اور حیوانی نمونے ایجاد کر دیتی ہے، اور گزرے ہوئے دو ہزار بہار کے موسموں میں حشر ونشر کے ایک ہزار نمونے اور اس پر ایک ہزار دلیل کو ظہور میں لے آتی ہے؛[1] اور وہ اس طرح کہ اگر ہم خیالی طور پر گزرے ہوئے ان ایک ہزار سال کو دیکھیں جو اُمتِ محمدیہ ﷺ اور امت موسوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ہر فرد نے گزارے ہیں اور ان کے درمیان موازنہ کریں تو پھر حشر جسمانی کو بعید اَز عقل سمجھنا آخری درجے کا اندھا پن اور آخری درجے کی حماقت ہوگی۔

پھر جب ایک لاکھ بیس ہزار پیغمبر جو کہ نوع بشر کے مشہور ترین افراد ہیں، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ہزاروں وعدوں پر بھروسا کرتے ہوئے بالاتفاق سعادت ابدی اور بقائے اُخروی کا اعلان کیا ہے، اور اپنی سچائی کا اثبات انہوں نے اپنے معجزات کے ذریعے کیا۔ اور اس حقیقت پر بے شمار اَولیائے کرام نے ذوق وکشف کے ذریعے مہر تصدیق ثبت کی، پس بلاشبہ یہ حقیقت سورج کی طرح واضح ہے، اور اس میں شک کرنے والا پاگل ہے۔

جی ہاں، جس طرح کسی علم یا فن کے بارے میں اُس علم یا فن کے ایک یا دو اسپیشلسٹ آدمیوں کا حکم یا قول ہی اُس علم یا فن کے بارے ان ہزاروں لوگوں کے قول پر بھاری ہوگا جو اس علم وفن کے متخصص یا ماہر نہیں ہیں، اگرچہ وہ دیگر علوم میں کتنے بھی ماہر کیوں نہ ہوں، جیسے کہ —مثال کے طور پر— شک والے دن رمضان کا چاند دیکھنے کا ثبوت، یا اگر دو آدمی یہ دعویٰ کریں کہ کرۂ ارض پر ایک ایسا باغ پایا جاتا ہے جس میں ایسے ناریل لگتے ہیں جن کی شکل وصورت دودھ کے ڈبوں جیسی ہوتی ہے، اور وہ دونوں اپنا یہ دعویٰ ثابت بھی کرتے ہیں، تو وہ دونوں اس دعوے کے ایک ہزار منکرین پر غالب آجائیں گے اور اپنے دعوے میں جیت جائیں گے؛ کیونکہ مُثبت اپنے دعوے میں صرف اس طرح کا ناریل دکھا کر یا وہ جگہ دکھا کر اپنا دعویٰ آسانی کے ساتھ جیت جائے گا۔ لیکن نفی یا انکار کرنے والا اپنا دعویٰ صرف ایک ہی صورت میں ثابت کر سکتا ہے، اور وہ یہ کہ وہ یہ بات ثابت کر دے کہ وہ روئے زمین کا کونہ کونہ کھنگال چکا ہے اور چپہ چپہ دیکھ چکا ہے، لیکن اُسے اس طرح کا کوئی باغ کہیں نظر نہیں آیا۔ یہی صورت حال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے جنت اور دارِ سعادت کی خبر دی ہے اور اس کا اثبات کیا ہے؛ یہ لوگ کشف کے ذریعے جنت کی کسی علامت اور نشانی وغیرہ کو ظاہر کر کے اپنے دعوے کو ثابت کر سکتے ہیں، لیکن نفی اور انکار کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ازل سے لے کر ابد تک تمام تر کون ومکان کو چھانیں، کھنگالیں، تا کہ ان کے لیے اپنی نفی اور انکار کو ثابت کرنا اور اپنے دعوے کو سچ کر دکھانا ممکن

---

[1] جو موسم گل گزر گیا اس کی قیامت برپا ہوگئی اور وہ مر گیا، اور اس کے بعد آنے والا موسمِ گل اس کے لیے حشر کا حکم رکھتا ہے۔

ہو سکے؛ اسی بنا پر اہلِ تحقیق اس دستورِ عام پر متفق ہیں جس کا مفاد یہ ہے کہ: وہ نفی اور انکار جس کی زد میں عمومی کائنات ہو اور جو کسی خاص جگہ کے ساتھ تعلق نہ رکھتا ہو اُسے ثابت کرنا اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ وہ فی ذاتہٖ محال نہ ہو، جیسے کہ ایمانی حقائق کی نفی کرنا۔

اس قطعی حقیقت کی بنا پر، عین اس وقت کہ جب ہزاروں فلاسفہ کے اقوال کو اس طرح کے ایمانی مسائل کے بارے میں مخبر صادق کے مقابلے میں کوئی شک وشبہ پیدا نہیں کرنا چاہیے، ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ارکانِ ایمانیہ جن پر ایک لاکھ بیس ہزار سچ بولنے والے، سچی خبر دینے والے، اثبات کرنے والے اسپیشلسٹ، اور ثابت کرنے والے لاتعداد وغیر محدود اہلِ حقیقت وارَبابِ تحقیق متفق ہیں، اُن کے بارے میں کچھ لوگ شکوک وشبہات میں مبتلا ہیں! جی ہاں، انگلیوں پر گنے جانے والے چند فلاسفہ کے انکار کی وجہ سے کہ جن کے دل مردہ ہو چکے ہیں اور جن کی عقلیں صرف ان کی آنکھوں تک ہی محدود ہو کر رہ گئی ہیں، اور جو معنویات سے اس حد تک دور جا چکے ہیں کہ بالکل اندھے ہو گئے ہیں، اُن کے انکار کی وجہ سے یہ لوگ شکوک وشبہات میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ اس طرح کے لوگوں کی حماقت کا بلکہ ان کے جنون کا اندازہ آپ خود ہی کر سکتے ہیں!

پھر ہم اپنے آپ میں اور اپنے ماحول میں عمومی رحمت، ہمہ گیر حکمت اور دائمی عنایت ومہربانی دیکھتے ہیں، ان کا مشاہدہ ہم اپنی آنکھوں سے روز روشن کی طرح بالکل واضح طور پر دیکھ رہے ہیں، اور ہم ایسے آثار وجلوات دیکھ رہے ہیں جو ایک پرشکوہ ربوبیت کی سلطنت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، اور ایک دقیق بلند پایہ عدل کی طرف اور جلیل القدر مضبوط معزز کارروائیوں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، اس حد تک کہ ہم ایک ایسی حکمت کا مشاہدہ کر رہے ہیں جو ایک درخت میں اس کے پھولوں اور پھلوں کے تعداد کے برابر حکمتیں قائم کر دیتی ہے، اور ہم ایک ایسی رحمت کا مشاہدہ کر رہے ہیں جو انسان کو اس کے جسم کے آلات واعضا، اس کے احساسات اور اس کی دیگر قوتوں کی تعداد میں احسانات و انعامات سے نوازتی ہے۔ اور ہم ایک عزّت وعنایت بھرے عدل وانصاف کا مشاہدہ کرتے ہیں جو ادنیٰ ترین جاندار کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے اور قوم نوحؑ وہودؑ وصالحؑ اور قوم عاد وثمود اور قوم فرعون جیسی امتوں پر عذاب کے کوڑے برساتا ہے، اور اسی طرح ہم ربوبیت کی سلطنت کا مشاہدہ کرتے ہیں جس کی غیر متناہی عظمت ان چیزوں میں نمایاں ہوتی ہے جس کا تعین یہ آیتِ کریمہ عظمت بھرے ایجاز کے ساتھ کرتی ہے۔

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِنَ الْأَرْضِ إِذَا أَنْتُمْ تَخْرُجُونَ﴾

تو جو صورتِ حال اُس فرمانبردار لشکر کی ہے جو دو فوجی بیرکوں میں سرحدوں پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہو، یونہی کمانڈر لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے انہیں آواز دیتا ہے وہ فوراً اپنی آرام گاہوں سے نکل کر بھاگ اُٹھتے ہیں، اپنے ہتھیار سجا لیتے ہیں

اور اپنی ڈیوٹی سنبھال لیتے ہیں؛ بالکل وہی صورتِ حال عظیم الشان زمین و آسمان کی ہے، یہ دونوں دو فرمانبردار بیرک ہیں جن میں سلطانِ اَزلی سبحانہ وتعالیٰ کا لشکر ہے، ان دونوں بیرکوں میں موت کی نیند سونے والے سپاہیوں کو جبھی اسرافیل اپنے بگل کے ذریعے آواز دے گا یہ جسد کا لباس پہنے ہوئے انتہائی سُرعت کے ساتھ اپنی بوسیدہ قبروں سے اُٹھ کھڑے ہوں گے، اور یہ وہی صورت حال ہے جو ربوبیت کی یہ سلطنت ثابت کرتی ہے اور اسے ہر موسمِ گل میں اس وقت نمایاں کرتی ہے جب مَلَکُ الرعد کا بگل گونج دار آواز میں زمین کے اس بیرک میں موجود سپاہیوں کو ہلا کر رکھ دیتا ہے۔

ہم جب ان تمام چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں اور انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، تو پھر اس بات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا ہے کہ اس دارِ آخرت کو اور دارِ حشر نشر کو قائم نہ کرنے سے کہ جس کا قطعی تقاضا یہ رحمت، حکمت، عنایت، عدالت اور سرمدی سلطنت کرتی ہے۔ جیسے کہ اس کا اثبات ''دسویں مقالے'' میں گزر چکا ہے؛ اس لامتناہی رحمت کا حسن و جمال ایک لامتناہی بدصورت سخت دلی میں تبدیل ہو جائے گا، اور حکمت کا لامحدود کمال لامحدود بدنما بے ہودگی میں بدل جائے گا اور بالکل بے کار اور بے فائدہ جائے گا، اور آخری درجے کے لطف و کرم والی عنایت آخری درجے کے ایذا، درد والم اور غم واندوہ کا رُو پاختیار کر جائے گی، اور غایت درجے کی حقانیت کو پہنچا ہوا عدل وانصاف شدید قسم کے ظلم واستبداد میں بدل جائے گا، اور وہ سرمدی سلطنت اپنے تمام جاہ وجلال اور اپنی قوت وشوکت سمیت زمین بوس ہو جائے گی اور حشر نہ آنے کی وجہ سے اس کی عظمت وہیبت زیست ہو جائے گی، اور ربوبیت کے کمالات میں عجز و نقص کی ملاوٹ ہو جائے گی......اور یہ ایک ایسی حالت ہے کہ جو کسی بھی صورت میں ممکن نہیں، اور عقل اسے کسی بھی طور جائز نہیں سمجھتی ہے، بلکہ یہ باطل، ممتنع، امکان کے دائرے سے خارج اور سینکڑوں محالات کے دائرے میں داخل ہے۔

کیونکہ ہر صاحب شعور آدمی یہ بات سمجھتا ہے کہ جس آدمی کی انتہائی عنایت اور دِقت کے ساتھ پرورش کی گئی ہو اور جسے اِسی انداز میں غذا مہیا کی گئی ہو، اور جس کے نظامِ ترکیبی — عقل وقلب وغیرہ میں — آخرت میں ابدی سعادت اور دائمی بقا کے شوق کے احساسات ودیعت کر دیے گئے ہوں، اس کے حق میں ابدی طور پر معدوم ہو جانا کتنی بڑی سنگدلی ہوگی!

اور اُن اعضا و آلات واستعدادات کو اگر بے کار چھوڑ دیا جائے جن میں ہزاروں فوائد ہیں، اور جس کے صرف دماغ میں ہی سینکڑوں حکیمانہ فوائد ودیعت کر دیے گئے ہیں اسے اِس طرح کی موت کے ذریعے بکھیر دیا جائے جس کے بعد نہ زندگی ہے نہ کوئی انجام، تو اِسراف کی اس روِش میں حکمت پر کتنا ستم ہوگا جس میں نہ کوئی فائدہ ہے اور نہ غرض وغایت! اور جب جہل و عجز ہزاروں وعدوں کی خلاف ورزی ظاہر کرتا ہو تو یہ چیز سلطنت کی عظمت کے اور ربوبیت کے کمال کے کتنی منافی ہوگی!! حاشاو کلا......عنایت اور عدالت کو بھی انہی چیزوں پر قیاس کر لو۔

پس ہمارے خالق کے اسمائے گرامی ''الرحمن''، ''الحکیم''، ''العدل''، ''الکریم'' اور ''الحاکم'' ہمیں ان حقائق کی روشنی میں ہمارے اس سوال کا جواب دیتے ہیں جو ہم نے اس سے آخرت کے بارے میں کیا تھا، اور وہ اِن حقائق کو بغیر کسی شک وشبہ کے سورج کی طرح نمایاں طور پر ثابت کرتے ہیں۔

پھر ہم اپنی آنکھوں سے ایک عظیم الشان، ہمہ گیر اور مُحیطِ کل ''حفیظیّت'' کا مشاہدہ کرتے ہیں جو ہر جاندار کے ساتھ تعلق رکھنے والی ان اشیا وحوادث کی تمام صورتوں کا — اگرچہ وہ صورتیں بہت ہی زیادہ ہیں — ریکارڈ رکھتی ہے، اور اس جاندار کے فطری وظیفۂ حیات کے دفتر کا اور اس کے اُن اعمال کے صحیفے کا ریکارڈ رکھتی ہے جس کا تعلق اس کی اُن تسبیحات کے ساتھ ہے جو وہ اسمائے الٰہیہ کے مقابلے میں ادا کرتا ہے، اُن کا الواحِ المثال میں، چھوٹے چھوٹے بیجوں میں اور گٹھلیوں میں، حافظے کی قوتوں میں جو کہ لوحِ محفوظ کا ایک چھوٹا سا نمونہ، ہیں — اور خاص کر وہ قوتِ حافظہ جو کہ انسان کے دماغ میں ہے کہ وہ اپنی شکل وصورت میں تو ایک بالکل چھوٹی سی لائبریری کے مشابہت رکھتا ہے لیکن اپنے معنی میں بہت بڑا ہے — اِسی طرح وہ باقی تمام مادی اور معنوی عکس ریز آئینوں میں ریکارڈ رکھتی ہے، اور انہیں دستاویزوں اور فائلوں کی صورت میں محفوظ کرتی ہے...... تا آنکہ جب اس کا موسم آئے گا تو یہ ''حفیظیّت'' ان تمام معنوی مکتوبات کو ہماری آنکھوں کے سامنے مادی صورت میں نمایاں کر دیتی ہے اور موسم بہار میں — جو کہ قدرت کے شگوفوں میں سے ایک شگوفہ اور فی نفسہ سب سے بڑا شگوفہ ہے — اربوں زبانوں کے ساتھ حشر ونشر کے عجیب ترین حقائق میں سے ایک آدھ حقیقت کا اعلان کرتی ہے، جو حقائق اس آیتِ کریمہ میں پائے جاتے ہیں: ﴿وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ﴾، اِس کا اعلان وہ لاکھوں مثالوں، دلیلوں اور نمونوں کے ساتھ کرتی ہے اور انتہائی قوت کے ساتھ یہ بات ثابت کرتی ہے کہ تمام اشیا، تمام جاندار — اور ان میں سرفہرست نوعِ انسانی ہے — اس لیے پیدا نہیں کیے گئے ہیں کہ ان کا انجام فنا کے گھاٹ گر کر اور عدم کی گہری کھائیوں میں ختم ہو کر ہمیشہ کے لیے نیست ہو جانا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں، بلکہ وہ تو اس لیے پیدا کیے گئے ہیں تا کہ بقا کے زینوں پر چڑھتے رہیں، خلود کے لیے پھلتے پھولتے رہیں اور ایک سرمدی وظیفے کے میدان میں داخل ہونے کے قابل ہو جائیں۔

جی ہاں، ہمارا مشاہدہ ہے کہ خزاں کے موسم میں موت سے ہمکنار ہو جانے والا ہر درخت، ہر تنا، اور غیر محدود نباتات کا ہر بیج اور ہر گٹھلی بہار کے موسم کے حشر میں آیتِ کریمہ: ﴿وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ﴾ کی تلاوت کرتی ہے، اپنی خاص زبان کے ساتھ، اور گزشتہ سالوں میں اپنے ادا کردہ وظائف کی مثالوں کے ساتھ اس کے کسی نہ کسی معنی کی اور کسی نہ کسی حصے کی تفسیر کرتی ہے اور اس کی ''حفیظیّت'' کی عظمت کی گواہی دیتی ہے اور ہمیں ایک بلند تر درجے کا درس دیتی ہے اور ہمارے لیے واضح کرتی ہے کہ حشر اُتنا ہی آسان اور قطعی ہے جتنا کہ موسمِ گل آسان اور قطعی ہے، اور ہر چیز میں اُن چار جلیل القدر حقائق کو نمایاں کرتی ہے جو اس آیتِ کریمہ میں پائے جاتے ہیں: ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾

جی ہاں، ان اسمائے اربعہ کی تجلّیات ادنیٰ ترین جزئی سے لے کر اعظم ترین کُلّی تک تمام موجودات میں موجود ہیں۔ اس مثال کی روشنی میں، ایک بیج جو کہ ایک درخت کی نشوونما کا سرچشمہ ہے، یہ بیج اپنے ''اسمِ گرامی ''الاوّل'' کا مظہر ہونے کی حیثیت سے ایک چھوٹی سی ڈبیا ہے جس کے اندر انتہائی باریک بینی اور مضبوطی کے ساتھ بغیر کسی کمی بیشی کے اس

درخت کے عمل کا تمام پروگرام، اسے وجود میں لانے کے تمام آلات اور اس کی شکل سازی کی تمام شرائط اور ساز وسامان مکمل طور پر اس انداز سے سمائے ہوئے ہیں کہ اس ''حفیظیّت'' کی عظمت کا اثبات کرتے ہیں۔

رہا وہ پھل جو کہ اسم گرامی ''الآخر'' کا مظہر ہے، تو وہ اس میں پائی جانے والی گٹھلیوں سمیت ایک چھوٹا سا صندوق ہے جو کہ ان تمام فطری وظائف کو یکجا کرنے والی ایک فہرست پر مشتمل ہے جو وظائف اس درخت نے ادا کیے ہیں، اسی طرح وہ اس درخت کے اعمال کے ایک شیڈول پر اور اس کی دوسری زندگی کے دساتیر پر اس طرح سے مشتمل ہے کہ ایک عظیم ترین درجے میں ''حفیظیّت'' کی گواہی دیتا ہے۔

رہی درخت کی شکل وصورت جو کہ اسمِ گرامی ''الظاہر'' کی مظہر ہے، تو اُسے ایک عجیب وغریب، دیدہ زیب اور آراستہ پیراستہ جوڑا پہنا دیا گیا ہے، اور اُسے خوبصورت، متنوع نقوش ونگار اور مرصّع چادریں اوڑھا دی گئی ہیں، حتیٰ کہ ایسے لگتا ہے کہ گویا اس نے حوروں کا کوئی ستّر رنگا لباس پہن لیا ہے، اور کچھ اس انداز سے کہ حفیظیت میں پائی جانے والی قدرت کی عظمت کو، حکمت کے کمال کو اور رحمت کے جمال کو برسرِ عام نمایاں کر دیا ہے۔

رہا درخت کا ایسے آلات پر مشتمل ہونا جو اسم گرامی ''الباطن'' کی ترجمانی کرتے ہیں، تو وہ ایک منظّم قسم کا کارخانہ، حیرت انگیز تیار ساز وسامان، ایک معجز نما کیمیائی لیبارٹری اور موزون خوراک کی ہنڈیا ہے، کیونکہ وہ ہر ٹہنی، پھل، پھول اور پتے تک اس طرح سے اس کی خوراک پہنچاتا ہے کہ ''حفیظیت'' میں پایا جانے والے قدرت وعدالت کے کمال کا، اور حکمت ورحمت کے جمال کا چمکتے سورج کی طرح اثبات کرتا ہے۔

ان اسما کے جلووں کا مشاہدہ ہم نے جیسے درخت کی مذکورہ مثال میں کیا ہے، بعینہٖ ان کا مشاہدہ ہم مکمل صورت میں اُس کرۂ ارض میں کرتے ہیں جس کے سالانہ موسموں کو دیکھا جائے تو وہ ایک درخت کی طرح ہی لگتی ہے۔ رہا اسمِ گرامی ''الاوّل'' کا جلوہ، تو یہ سمجھیں کہ وہ تمام بیج کے پاس سٹور ہوتے ہیں، وہ اُن اوامرِ الٰہیہ کے چھوٹے چھوٹے مجموعے ہیں جن کا تعلق اِس بات کے ساتھ ہے کہ جب زمین بہار کی پوشاک پہن لے تو وہ ایسے درخت تیار کریں کہ جن کی ٹہنیاں اور شاخیں پھوٹیں، پھول کھلیں اور وہ کروڑوں کے حساب سے اپنے پھل دیں، اور اسی طرح وہ ان کے ان دستوروں کے ستون بھی ہیں جن کی حد بندی اُن اوامرِ الٰہیہ کے لیے تقدیر نے کی ہے، جیسے کہ یہ اُسی وقت میں گرمی کے موسم میں ادا کیے گئے وظائف کے لیے چھوٹے چھوٹے اعمال کے صحیفے اور خدمات کے رجسٹر ہیں؛ اس طرح کہ یہ بیج اور یہ گٹھلیاں بداہتاً یہ بات ظاہر کرتی ہیں کہ وہ اپنے یہ اعمال حفیظِ ذُوالجلال والاکرام کی بے پایاں قدرت، عدالت، رحمت اور حکمت کے بل پر ادا کر رہی ہیں۔

اور رہا زمین کا وہ آخری سالانہ درخت، تو وہ آنے والے موسم خزاں میں وہ وظائف رکھ دیتا ہے جو ان درختوں نے ادا کیے تھے...... اور وہ فطری تسبیحات رکھ دیتا ہے جو اُن درختوں نے اَسمائے الٰہیہ کے بالمقابل ادا کی تھیں، اور ان

درختوں کے اعمال کے وہ صحیفے رکھ دیتا ہے جو آنے والے موسمِ گل میں کھول دیے جائیں گے...... یہ تمام چیزیں وہ انتہائی چھوٹے چھوٹے بیجوں میں اور ڈبوں میں رکھتا ہے اور کائنات کے کانوں میں "اسم گرامی" "الآخر" کی ہزاروں زبانوں کے ساتھ تلاوت کرتا ہوا انہیں حفیظ ذوالجلال کے دستِ حکمت کے سپرد کر دیتا ہے۔

رہا اس درخت کا — زمین کے درخت کا — ظاہر، تو وہ حشر کی تین لاکھ مثالوں اور علامتوں کا اظہار کرتے ہوئے تین لاکھ قسم کے پھول کھلاتا ہے اور ہر ذی حیات کی مہمان نوازی کرتا ہوا رحمانیت، رزّاقیت، رحیمیت اور کریمیت کے بے حد وحساب دستر خوان بچھا دیتا ہے، اور ان پھولوں پھلوں اور خوراک بننے والی چیزوں کی تعداد کے برابر زبانوں کے ساتھ اسم گرامی "الظاہر" کا ذکر کرتا ہے، اور ﴿وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ﴾ کی حقیقت کو روزِ روشن کی طرح نمایاں کرتا ہے۔

اور رہا اس پُر ہیبت درخت کا باطن، تو وہ ایک عجیب قسم کی ہنڈیا اور عجیب ترین قسم کا ایندھن ہے جو کمال دِقت اور نظم و ضبط کے ساتھ بے شمار مشینوں کو، موزون کارخانوں کو اور منظم آلات کو متحرک رکھتا ہے؛ کیونکہ وہ ایک درھم کی مقدار سے ٹنوں کے حساب سے کھانا تیار کر دیتا ہے...... انہیں پکا کر اور تیار کر کے بھوکوں تک پہنچا دیتا ہے، اور یہ کام انتہائی دقت اور میزان کے ساتھ کرتا ہے کہ اتفاقات کے لیے ایک ذرہ برابر بھی گنجائش نہیں چھوڑتا، اور اس طرح زمین کا یہ باطن اسم گرامی "الباطن" کا اثبات کرتا ہے اور لاکھوں شکلوں کے ساتھ اس کا اعلان کرتا ہے، جیسے کہ بعض فرشتے جو اللہ تعالیٰ کی ایک لاکھ زبانوں کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں۔

پھر جس طرح زمین — اپنی سالانہ زندگی کی حیثیت سے — ایک درخت کی حیثیت رکھتی ہے، اور اس نے جس طرح ان چار اسمائے حسنیٰ سے اور ان میں پائی جانے والی حفیظیت سے حشر کے دروازے کی چابی بنائی ہے؛ اسی طرح یہ اپنے زمانے کی حیثیت سے اور اپنی دنیاوی زندگی کی حیثیت سے مکمل طور پر ایک منظم درخت ہے جس کے پھل آخرت کے بازار میں بھیجے جاتے ہیں، اور اسی طرح یہ ان چار اسمائے حسنیٰ کا مظہر اور ایک حیرت انگیز آئینہ ہے۔ اور ان حیثیتوں سے وہ آخرت کی طرف ایک راستہ کھولتی ہے، اور یہ راستہ وسیع ہے کہ ہماری عقلیں اس کا[1] احاطہ کرنے سے یا اس کے بارے میں بتانے سے قاصر ہیں، البتہ اس مقام پر ہم درج ذیل بیان پر اکتفا کریں گے:

اور وہ یہ ہے کہ جیسے گھڑی کی سیکنڈ، منٹ، گھنٹے اور ایام گننے والی سوئیاں ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت رکھتی ہیں، اور ایک دوسرے کی طرف دیکھتی ہیں، اور جس طرح یہ سوئیاں ایک دوسرے کے وجود کا اس طرح اثبات کرتی ہیں کہ جو سیکنڈوں والی سوئی کی حرکت کو دیکھے گا اُس کے لیے دیگر سوئیوں کی حرکت کی تصدیق کرنا لازمی ہو جائے گا اور وہ اس بات کا یقین رکھے گا کہ دیگر سوئیاں بھی حرکت کر رہی ہیں: یہ دُنیا بھی جو کہ خالق ارض وسما کا ایک بہت بڑا گھڑیال ہے، اس کی صورتِ حال بھی بعینہٖ اسی طرح ہے؛ اور وہ اس طرح کہ اس کے ایام جو کہ سیکنڈ گنتے ہیں، اور سال جو کہ اُس کے

---

[1] سالانہ زندگی سے مراد اس کے چار موسم ہیں جو سال میں مکمل ہوتے ہیں۔

منٹ گنتے ہیں، اور صدیاں جو کہ اس کے گھنٹوں کو نمایاں کرتی ہیں، اور زمانے جو کہ اس کے ایام کی خبر دیتے ہیں، یہ سب کے سب ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں، ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں اور ایک دوسرے کا اثبات کرتے ہیں۔ اور جیسے اس رات کے بعد قطعی طور پر صبح آئے گی، اس سردی اور خزاں کے بعد بہار آئے گی، یہ اس گھڑیال کی سوئیاں ہمیں اسی قطعیّت کے ساتھ اور بے حد وشمار علامات کے ساتھ خبر دیتی ہیں کہ اس فانی دنیا کی اندھیری خزاں کے بعد ربیعِ باقی اور صبحِ سرمدی آنے والی ہے۔

پس ان مذکورہ حقائق کے ذریعے ہمارے خالق کے اسمائے گرامی ﴿هو الأول والآخر والظاهر والباطن﴾ اسمِ گرامی ''الحفیظ'' کے ساتھ مل کر ہمارے حشر کے بارے میں اٹھنے والے سوالوں کا جواب دیتے ہیں۔

پھر ہم جب اپنی آنکھوں کے ساتھ اس بات کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور اپنی عقلوں کے ساتھ اس بات کا ادراک کر رہے ہیں کہ انسان شجرۂ کائنات کا آخری اور جامع ترین پھل ہے......

اور حقیقتِ محمدیہ علیہ الصلوۃ والسلام کی جہت سے وہی اس درخت کا اساسی بیج ہے......

اور کائنات کے اس قرآن میں آیتِ کبریٰ کی حیثیت رکھتا ہے......

اور وہ اس قرآن کے لیے اس آیۃ الکرسی کی حیثیت رکھتا ہے جو کہ اسمِ اعظم کی حامل ہے......

اور وہ کائنات کے اس محل میں معزز ترین مہمان ہے، اس کا سب سے زیادہ قابل اور صاحبِ صلاحیت ملازم اور اُس کے تمام باسیوں کے مابین صرف ایک وہی ہے جسے تصرّف کرنے کی اجازت دی گئی ہے......

اور کائنات کے اس شہر کے اس محلے میں جسے زمین کہا جاتا ہے، رہنے والوں میں صرف وہی ہے جسے اس زمین کے باغ باغیچوں کی اور اُس کے کھیتوں کی ذمہ داری بخشی گئی ہے، کہ وہ ان میں فصلیں اُگائے؛ ان کی آمدنی اور اخراجات کی نگرانی کرے؛ کیونکہ اِسے سینکڑوں قسم کے علوم وفنون سے اور ہزاروں طرح کی صلاحیتوں سے نواز دیا گیا ہے۔

اور وہ کائنات کی اس سلطنت کے ماتحت صوبے میں سلطانُ الازل والابد کی نگرانی میں ایک جانچ پڑتال کرنے والے انسپکٹر کی حیثیت رکھتا ہے......

اور وہ زمین میں خلیفہ اور متصرّف ہے، اس کے تمام جزوی اور کُلّی تصرُّفات ریکارڈ میں رکھے جاتے ہیں......

اور وہ ایک کُلّی عبد ہے، ایک وسیع قسم کی ہمہ گیر عبادت کا مُکلّف ہے؛ کیونکہ اس نے اپنے کندھوں پر وہ امانتِ کبریٰ اٹھائی ہے جسے اٹھانے سے زمین وآسمان اور پہاڑ ڈر گئے تھے، اور اس کے سامنے دو اس طرح کے راستے کھول دیے گئے ہیں کہ ایک میں چلے تو بدترینِ خلائق بن جاتا ہے اور دوسرے میں چلے تو بہترینِ خلائق......

اور وہ سلطانُ الکائنات اسمِ اعظم کا مظہر ہے اور اس کے اسماوصفات کا جامع ترین آئینہ ہے......

وہ سلطان الکائنات کے مخاطبین میں سے ایک خاص قسم کا مخاطب ہے، اور وہ اس کے سبحانی مکالمات وخطابات کو سب سے زیادہ محفوظ کرنے والا ہے......

وہ جہاں یہ کہ تمام جان داروں میں سب سے زیادہ ضرورت مند ومحتاج ہے، وہاں وہ ایک مسکین سی مخلوق ہے جس کی لامحدود خواہشات ورغبات اور مقاصد ہیں، اور وہ صرف یہی نہیں کہ آخری درجے کا عاجز اور فقیر ہے، وہ بے حد وحساب دشمنوں اور خطروں کے درمیان گھرا ہوا بھی ہے......

استعدادات وقابلیات کے حساب سے وہ تمام ذی حیات سے زیادہ سرمایہ دار ہے......

اور زندگی کی لذتوں کو دیکھا جائے تو اس لحاظ سے وہ سب سے زیادہ دکھی ہے؛ کیونکہ اس کی لذتوں میں ایسے آلام ومصائب کی آمیزش ہوتی رہتی ہے جو ان لذتوں کو بدمزہ اور ناخوشگوار بنا دیتے ہیں۔

اور وہ بقا کا سب سے زیادہ شوق رکھتا ہے، بقا کا سب سے زیادہ ضرورت مند ہے، بقا کا سب سے زیادہ حق دار اور اس کے سب سے زیادہ لائق ہے......اور وہ غیر محدود دعاؤں کے ذریعے بقا کو اور سعادتِ ابدی کو طلب کرتا ہے اور ان کے لیے وسیلے ڈھونڈتا ہے......

اور اسے اگر اس دنیا کی تمام زیبائشیں، آرائشیں اور لذتیں عطا کر دی جائیں، تو یہ چیزیں اس کی خلود وبقا کی پیاس بجھا نہیں سکیں گی......

اور وہ ایک حیرت انگیز صمدانی معجزہ اور تخلیق کا منفرد عجوبہ ہے جو مُحسن ومتفضل سبحانہ وتعالیٰ نے پیدا کیا ہے، وہ اپنے اس مُحسن کے ساتھ اتنی محبت کرتا ہے کہ جو عبادت کے درجے تک جا پہنچتی ہے، اور اسے لوگوں کا محبوب بنا دیتا ہے......اور اُس کا مُحسن بھی اسے محبت رکھتا ہے۔

اس کے اندر عالمِ اکبر سمایا ہوا ہے، اور اس کے تمام انسانی اعضا وآلات اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اُسے اَبد کی طرف جانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے......

جی ہاں، جب انسان ان بیس کُلّی حقیقتوں کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی ''الحق'' کے ساتھ وابستہ ہے، اور جب اس کے تمام اعمال اُس اسمِ گرامی ''الحفیظ'' کی روشنی میں دائمی طور پر ریکارڈ کیے جا رہے ہیں جو ہر ذی حیات کی چھوٹی سے چھوٹی حاجت کو دیکھ رہا ہے اور اس کی آہ وزاری کو سن رہا ہے اور اس کا بالفعل جواب دے رہا ہے، اور جب اس کے وہ افعال واعمال لکھے جا رہے ہیں جو کائنات کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں یہ اعمال اس اسم کی رُو سے کراماً کاتبین لکھتے ہیں، اور جب وہ خود اس اسم کا نمایاں ترین مظہر ہے؛ تو پھر اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں رہ جاتا ہے کہ ان بیس حقائق کے بموجب انسان کا حشر نشر ضرور ہوگا، اور اُسے اسم گرامی ''الحق'' کے بموجب اس کی خدمات کا صلہ ضرور ملے گا اور اس نے جن برائیوں کا ارتکاب کیا ہوگا اسے ان کی سزا ضرور ملے گی، اور اسم گرامی ''الحفیظ'' کے بموجب اس کا محاسبہ ہوگا اور اس

سے اس کے شمار کیے گئے ان تمام کلّی اور جزئی اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اور یہ کہ دارُ البقا میں ابدی سعادت کے مہمان خانوں کے اور دائمی بدبختی کی جیل کے دروازے کھول دیے جائیں گے، اور یہ کہ جو کوئی حکمران قسم کا ہو گا اس عالم میں مخلوقات کے بہت سے گروہوں کی قیادت کرے گا، ان کے معاملات میں دخل دے گا اور بعض اوقات ان کے کام خراب کر دے گا، وہ پاتال کی تہوں میں بھی چلا جائے گا تو بھی اُسے معاف نہیں کیا جائے گا اور اُس سے باز پرس لازماً ہو گی، وہ چھپ نہیں پائے گا، اسے زندہ کر کے دوبارہ لازماً اٹھایا جائے گا۔

ورنہ یہ چیز تو باطل بیّنُ البطلان، ممتنع خارج از امکان اور انتہائی قسم کا بدنما ظلم ہے کہ ایک مکھی سے اُس کی بھنبھناہٹ تو سن لی جائے اور اس کا بالفعل جواب اسے حقِ حیات عطا کر کے دیا جائے، لیکن پھر اُس کی وہ دعائیں نہ سنی جائیں جو رعد کی طرح گرجتی ہیں اور عرش و فرش تک پہنچتی ہیں، اور ان دعاؤں کے ذریعے غیر محدود انسانی حقوق ان مذکورہ بیس حقائق کی زبانوں کے ساتھ سوال کرتے ہوئے دعا کرتے ہوں! اور یوں وہ دعائیں نہ سنی جانے کی وجہ سے بے شمار حقوق ضائع ہو جائیں!

اسی طرح یہ چیز بھی اس حکمت کے حق میں باطل، ممتنع اور بدنما ہے جس نے — خود مچھر کے پر میں پائے جانے والے انتظام کی گواہی کے مطابق — مچھر کے پر کے برابر بھی اسراف سے کام نہیں لیا ہے، یہ چیز اس حکمت کے لیے باطل، ممتنع اور بدنما ہے کہ وہ حکمت ان بیس حقائق کے ساتھ تعلق رکھنے والی انسانی قابلیتوں کو بے کار کر کے، اور ابد کی طرف جھانکنے والی امیدوں اور خواہشوں کو تِتر بِتر کر کے اور کائنات کے ان بہت سے حقائق کو ضائع کر کے جو اِن قابلیتوں کو اور ان امیدوں کو غذا دیتے ہیں اور اُن بہت سے روابط کو ضائع کر کے مکمل طور پر اسراف سے کام لے جو انسان کو اس کائنات کے ساتھ جوڑ کر رکھتے ہیں۔

جی ہاں، یہ چیز باطل، بدصورت، بدنما اور اس حد تک خارج از امکان ہے کہ اسمائے گرامی ''الحق''، ''الحفیظ''، ''الحکیم''، ''الجمیل'' اور ''الرحیم'' کی گواہی دینے والی موجودات اسے یہ کہتی ہوئی ردّ کر دیتی ہیں کہ ''یہ سو درجے محال ہے، یہ ہزار مرتبہ محال ہے۔''

اور اس طرح ہمارے خالق سبحانہ وتعالیٰ کے اسمائے گرامی ہمیں ہمارے حشر کے ساتھ تعلق رکھنے والے سوال کا جواب دیتے ہیں اور ہمیں کہتے ہیں: ''جیسے ہم حق اور حقیقت ہیں، اور جیسے کہ ہمارے حق میں گواہی دینے والی موجودات حق ہیں، اسی طرح حشر بھی حق اور حقیقت ہے۔''

پھر جب......

میں مزید لکھنا چاہتا تھا لیکن بات چونکہ سورج کی طرح واضح اور معلوم ہے، اس لیے اختصار سے کام لیا ہے،

پس سابقہ مثالوں پر اور لفظِ ''جب'' سے شروع ہونے والے جملوں سے لازم آنے والی باتوں پر قیاس کر کے یہ سمجھو

کہ اللہ تعالیٰ کے کائنات کی طرف رخ کیے ہوئے ایک سو بلکہ ایک ہزار اسمائے گرامی میں سے ہر اسم جس طرح کائنات میں موجود اپنی تجلّیوں اور آئینوں کے ذریعے بداہتاً اپنے مُسمّٰی کا اثبات کرتا ہے، اسی طرح قطعی صورت میں حشر کو نمایاں کرتا ہے اور اس کا اثبات کرتا ہے۔

اور جس طرح ہمارا پروردگار ہمارے حشر کے بارے میں کیے گئے سوال کا قُدسی اور حتمی جواب اپنی تمام نازل کردہ کتابوں میں پائے جانے والے اپنے تمام اوامر کے ذریعے، اور اپنے ان تمام اسما کے ذریعے دیتا ہے جو اس نے اپنی ذات کے لیے رکھے ہیں، اسی طرح وہ ہمیں یہ جواب مختلف اسلوب کے ساتھ اپنے فرشتوں کے ذریعے اور ان کی زبانوں کے ذریعے دیتا ہے؛ کیونکہ فرشتے کہتے ہیں: تمہاری ہمارے ساتھ اور روحانیوں کے ساتھ ملاقات کے بہت سے واقعات موجود ہیں، اور یہ کوئی ایک دو نہیں، عہدِ آدم سے لے کر اب تک سینکڑوں واقعات رونما ہو چکے ہیں جو کہ تواتر کی حد تک جا پہنچتے ہیں، اور تمہارے قائدین انبیا علیہم الاصلاۃ والسلام کے ساتھ جب ہماری ملاقات ہوئی تو ہم نے انہیں بتایا اور ایسی باتیں بتاتے چلے آرہے ہیں جو ہماری آخرت کے عوالم میں اور اس کی بعض منزلوں میں سیر و گردش کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دیدہ زیب اور دائمی عوالم جو ہماری جولان گاہ ہیں، اور ان کے علاوہ جو محلّات وغیرہ تیار کیے گئے ہیں، وہ بلا شبہ بڑے اہم مہمانوں کے لیے ہیں، اور وہ اپنے ان مہمانوں کے تشریف لانے کا اور ان میں قیام پذیر ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔

یہ ہُوا وہ جواب جو ہمارے سوال کا فرشتے دیتے ہیں۔

پھر ہمارے خالق نے جب محمد عربیؐ کو ہمارے لیے سب سے بڑا معلم، سب سے کامل استاد اور سب سے سچا رہنما معیّن کر دیا ہے جو گمراہ ہوتا بھی نہیں اور گمراہ کرتا بھی نہیں، اور انہیں ہماری طرف اپنا آخری سفیر بنا کر بھیجا ہے، تو پھر ہم پر لازم ہے کہ ہم نے جو سوال اپنے خالق سے پوچھا ہے وہی سوال سب سے پہلے اُن سے پوچھیں، تاکہ ہم علم الیقین کے مرتبے سے گزر کر عین الیقین اور پھر حق الیقین کے مرتبے تک ترقی پا جائیں؛ کیونکہ مصطفیٰ ﷺ نے جس طرح یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن حق ہے اور وہ اللہ کا کلام ہے، اور یہ بات انہوں نے اپنے ان سینکڑوں معجزات کے ذریعے ثابت کی ہے جن میں سے ہر معجزہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے تصدیق کی علامت ہے، اور اس حقیقت کے ساتھ بھی ثابت کی ہے کہ خود ان کی اپنی ذات قرآن کے منجملہ معجزات میں سے ایک معجزہ ہے؛ اسی طرح قرآن نے بھی اس کے بالمقابل اعجاز کی چالیس انواع کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ وہ رسالت مآب ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے، اور یہ ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ صادق ہیں اور واقعتاً اللہ کے رسول ہیں۔

اس بنا پر حشر کی وہ حقیقت جس کا اثبات و اِعلان ان دو معجزوں نے ہزاروں نشانیوں کے ساتھ کیا ہے — اُن میں سے ایک معجزہ عالمِ شہادت کی زبان ہے کہ اس نے انبیا و اولیا کی تصدیق کے ساتھ اپنی تمام زندگی میں اس حقیقت کا

اعلان کیا؛ اور دوسری عالمِ غیب کی زبان ہے جس نے آسمانی کتابوں کی ہزاروں آیتوں کے ذریعے اور کائنات کے حقائق کی تصدیق کے ساتھ اس حقیقت کا اعلان کیا— کہ بلاشبہ حشر ونشر سورج کی طرح اور روزِ روشن کی طرح ایک قطعی اور واقعی حقیقت ہے۔[1]

حقیقت یہ ہے کہ حشر ونشر اور آخرت کا مسئلہ عقل کی حد سے آگے کا ہے، اور آخری درجے کے عجیب وغریب اور سخت و دشوار مسائل میں سے شمار ہوتا ہے، اس لیے یہ صرف قرآنِ کریم اور رسول کریم ﷺ جیسے دو جلیل القدر استادوں کی تعلیم وتربیت کے بغیر نہ تو سمجھا جا سکتا ہے اور نہ حل ہو سکتا ہے۔

رہی یہ بات کہ سابقہ انبیائے کرام نے یہ مسئلہ اپنی قوموں کو اس طرح تفصیل کے ساتھ کیوں نہیں بتایا جس طرح قرآن نے بتایا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ نوعِ بشری ان زمانوں میں اپنے بداوت اور بچپنے کے مرحلے میں جی رہی تھی، اور ابتدائی اسباق میں زیادہ تفصیل سے کام نہیں لیا جاتا۔

حاصل یہ ہے کہ جب اکثر اسمائے حسنیٰ آخرت کا تقاضا اور مطالبہ کرتے ہیں، تو پھر بلاشبہ ان اسما پر دلالت کرنے والے تمام دلائل کسی نہ کسی جہت سے آخرت کے تحقّق پر بھی دلالت کرتے ہیں۔

اور جب فرشتوں نے یہ خبر دی ہے کہ انہوں نے آخرت کا اور عالمِ بقا کی منازل کا مشاہدہ کیا ہے، تو پھر اس بات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا ہے کہ ملائکہ، ارواح اور نورانیوں کے وجود کی اور ان کی عبودیت کی گواہی دینے والے دلائل آخرت کے وجود پر بھی دلالت کرتے ہیں۔

اور جب وہ اہم اعلان جو محمد ﷺ نے کیا اور زندگی بھر —وحدانیت کے بعد— ہمیشہ جس کی دعوت دیتے رہے، وہ ''آخرت'' ہی ہے، تو پھر بلاشبہ وہ تمام دلائل وبراہین جو ان کی نبوت پر اور اُن کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں؛ کسی نہ کسی جہت سے آخرت کے تحقق پر اور اس کی آمد پر دلالت کرتے ہیں۔

اور قرآن کریم کی آیات کا چوتھا حصہ حشر اور آخرت کے مسائل پر مشتمل ہے، اور جب قرآن حشر اور آخرت کا اثبات کرتا ہے اور ہزار آیتوں کے ذریعے ان دونوں کے بارے میں خبر دیتا ہے، تو پھر بلاشبہ وہ دلائل وبراہین جو قرآن کریم کی حقانیت پر دلالت کرتے ہیں اور اس کی گواہی دیتے ہیں، وہ آخرت کے وجود پر، اس کے تحقّق پر اور اس کے برپا ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور اس کی گواہی دیتے ہیں۔

پس دیکھو اور مشاہدہ کرو کہ یہ رکنِ ایمانی کتنا قوی اور قطعی ہے!

☆ ☆ ☆

[1] رسائلِ نور کے دیگر مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمِ شہادت کی زبان سے مراد ہمارے نبی محمد ﷺ ہیں اور عالم غیب کی زبان سے مراد تمام آسمانی کتابیں ہیں۔

چھٹا حصہ

امیر داغ

امیر داغ میں گذارے ہوئے ایام[1]

[اگست 1944۔جنوری 1948]

مقدمہ

''دنیزلی'' کی فوجداری عدالت سے بے گناہی کا فیصلہ صادر ہونے کے بعد استاد دو مہینے تک دنیزلی میں ہی قیام پذیر رہے۔ پھر انہیں ''امیر داغ'' میں جبری اقامت کے تحت رکھنے کا فیصلہ صادر ہوا، لیکن بایں ہمہ رسائلِ نور جدید فتوحات سے ہمکنار ہوتے رہے اور ان کا دائرہ کار اکثر شہروں، قصبوں اور دیہاتوں تک پھیلتا گیا، اور تھوڑے ہی عرصے میں اس کے شاگردوں کی تعداد لاکھوں تک جا پہنچی، اور رسائل نور کی نشر و اشاعت اب ٹائپ رائٹر کے ذریعے ہونے لگی تھی۔

''امیر داغ'' میں استاد کی جبری اقامت تین سال پر محیط رہی، پھر انہیں اور ان کے بعض شاگردوں کو گرفتار کر کے تیسری مرتبہ جیل میں ڈال دیا گیا، اور جیل جوان کے لیے اختیار کی گئی ''آفیون'' شہر میں تھی، اور یہ گرفتاری 1947ء میں عمل میں آئی اور دو سال تک رہی پھر انہیں آزاد کر دیا گیا اور وہ دوسری مرتبہ ''امیر داغ'' آ گئے اور وہاں وقتاً فوقتاً مزید تین مہینے قیام پذیر رہے۔ پھر بالآخر وہ ''اسپارٹا'' میں مقیم ہو گئے، البتہ وقتاً فوقتاً ''امیر داغ'' میں آتے جاتے رہے اور وہاں مدرسہ نوریہ میں رہائش رکھتے رہے؛ کیونکہ ان کی عمر اب نوے کی سرحدوں کو چھو رہی تھی اور انہیں آرام کی اور آب وہوا کی تبدیلی کی بہت زیادہ ضرورت تھی۔[2]

---

[1] اناطولیہ کے مغرب میں ایک چھوٹا سا شہر جو کہ اداراتی طور پر ''آفیون'' کے ماتحت ہے اور جن دنوں کی بات ہم کر رہے ہیں اُن دنوں یہ ایک بالکل چھوٹا سا شہر تھا۔

[2] یہ مضمون تقریباً 1957ء میں لکھا گیا۔

اس بنا پر ہم اس حصّے میں صرف آپ کے ''امیر داغ'' میں قیام کے پہلے مرحلے کے بارے میں ہی بات کریں گے، اور یہ جبری اقامت کا مرحلہ ہے جو آپ کے ''آفیون'' جیل میں قید ہونے تک پھیلا ہوا ہے، پھر اس کے بعد دوسرا حصہ آئے گا جس میں آپ کی ''آفیون'' جیل والی زندگی پر اور آپ کے دوبارہ ''امیر داغ'' لوٹ کر آنے کے بارے میں، اور اس عرصے میں انجام دی گئی نوری خدمات کے بارے میں گفتگو ہوگی۔

استاد کی سابقہ زندگی اور ''امیر داغ'' میں گزرنے والی زندگی کے درمیان موازنہ کیا جائے تو نظر آتا ہے کہ ان کی ''امیر داغ'' والی زندگی زیادہ دلچسپ، دلکش، جاذبِ نظر اور زیادہ اہم ہے، اس عرصے میں صرف یہی نہیں کہ وہ دائمی نظر بندی کے تحت رہے، اس پر مزید یہ ہے کہ اس عرصے میں وہ تہمتوں، تکلیفوں اور مشقتوں کی زد میں زیادہ رہے، حتی کہ معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ انہیں ختم کر دینے کی کوششیں بھی کی گئیں۔ اور اس کے بالمقابل رسائل نور کا دائرہ کار پھیلتا رہا؛ کیونکہ اب یہ، پروفیسروں، حکومتی عہدیداروں اور سیاستدانوں کے ماحول میں بھی پڑھے جا رہے تھے۔

استاد کے ''امیر داغ'' میں جلا وطن ہونے کے بعد ان پر جو باطل تہمتیں لگیں اور ان کے خلاف جو ظالم قسم کی افترا پردازیاں ہوئیں، اور اس دوران رسائل نور کی جو غیر معمولی نشر و اشاعت ہوئی، ان کا ذکر چلا، تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے لیے یہ لازمی ہو گیا ہے کہ ہم اس مقدّمے میں ایک اہم حقیقت کی وضاحت کر دیں، چنانچہ ہم کہتے ہیں:

استاد نورسی کی زندگی کے حالات میں جو واقعات ہمیں واقعتاً عجیب و غریب نظر آتے ہیں، اور ایمانی و قرآنی خدمت کے بارے میں ان میں ہم جو ایک غیر معمولی سرگرمی کا مشاہدہ کرتے ہیں، اس طرح کے حالات و واقعات کا جب ہم ذکر کرتے ہیں تو اس سے ہمارا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ لوگ ایسی باتیں پڑھ سُن کر کان کھڑے کر لیں، حیرت زدہ رہ جائیں، اُن کی فانی شخصیت کی طرف متوجہ ہو جائیں اور داد و تحسین کے ڈونگرے برسائیں وغیرہ...... نہیں ایسا بالکل نہیں ہے، بلکہ اس سے ہمارا مقصد صرف ان عزتوں کا ذکر کرنا ہے جو انہیں اللہ کا ایک بندہ ہونے کی حیثیت سے، امتِ محمد ﷺ کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے اور قرآن کریم کا شاگرد ہونے کی وجہ سے حاصل ہوئیں، تاکہ ہم یہ بات واضح کر سکیں کہ رسائلِ نور کتنی سعادت و نور برسانے والی مؤثر خدمات سرانجام دے رہے ہیں، اور ان لوگوں کی تردید کر سکیں جو اِس شخص کی صورت کو بدنما بنا کر دکھانا چاہتے ہیں اور غلط سلط جھُوٹی باتیں گھڑ کے اس کی اس خدمت کی قدر و قیمت گرانا چاہتے ہیں، اِس سے ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگ اس ایمانی خدمت سے کنارہ کر لیں جو رسائلِ نور سرانجام دے رہے ہیں۔

ہم اپنے اس عمل سے دین دشمنوں کے ظالم حملوں اور ان کی باطل زیادتیوں کی راہ روکتے ہیں اور یہ بات واضح کرتے ہیں کہ یہ شخص بے قصور ہے، اس حد تک کہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تاریخ میں ایسا آدمی بہت کم ملے گا جو ایسی باطل تہمتوں اور افترا پردازیوں کی زد میں رہا ہو جو اس کے افکار و مبادیات و خدمات و غایات کے مکمل طور پر خلاف ہوں، جیسا کہ بدیع الزمان کے ساتھ ہوا ہے۔

یہ کیسی پریشان کن اور اندوہ خیز حالت ہے جس پر اہلِ انصاف غم سے پھٹے جا رہے ہیں، کہ ایک ایسا آدمی جس نے اپنی تمام صلاحیتیں، اور سرگرمیاں اس وطن کے لوگوں کو اور مستقبل کی نسلوں کو تخریب کار انارکی اور مطلق العنانی سے، الحاد و لادینیت کی تاریکیوں سے اور مادر پدر آزادی اور کمینگی کے پنجوں سے بچانے کے لیے صَرف کردیں، اس پر تہمتیں یہ لگ رہی ہیں کہ وہ وطن کے ساتھ خیانت کر رہا ہے، جوانوں کے افکار کو زہر آلود کر رہا ہے اور اُنہیں ہانک کر رجعیت کی طرف لے جا رہا ہے!! یہ تو ایسے ہی ہے کہ جیسے شفا بخش تریاق کو زہرِ قاتل کہہ دیا جائے!!! اور یہ چیز گمراہی کا جنوں ہے جو خالص کفر والحاد سے جنم لے رہا ہے۔

جی ہاں، یہ ایک بالکل بے گناہ اور بے قصور انسان ہے، اور اس طرح کے خلافِ حقیقت اتہامات کی زد میں آ گیا ہے، اور وہ اس طرح کے اتہامات کی بھینٹ ایک مرتبہ یا بہت زیادہ مرتبہ نہیں بلکہ ہزاروں مرتبہ چڑھا ہے، لیکن جس طرح وہ اپنی خدمت میں منفرد تھا، اُسی طرح اپنے اخلاق و اعمال اور خصوصی حالات میں بھی منفرد تھا، کیونکہ اس نے اخلاقِ حمیدہ میں ایک عمدہ مثال بن کر زندگی گزاری ہے، اور اُس نے طہارت و پاکیزگی اور عفت و پاکدامنی کے بلند پایہ نمونے پیش کیے ہیں، چنانچہ وہ تقویٰ وطہارت اور حسنِ اخلاق کا ایک چلتا پھرتا نمونہ تھے۔

ہم — ہم سے مراد اُن کے وہ طالب علم جو ان کے ساتھ رہے، اُن کی خدمت میں حاضر رہے اور ان کے حالات و اطوار کا قریب سے مشاہدہ کرتے رہے — اپنی بلند آواز کے ساتھ اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ ان کی استادی جس طرح ان علومِ ایمانیہ میں نمایاں ہوئی ہے جو انہوں نے قرآن سے حاصل کیے ہیں اور اُنہیں اہل ایمان اور بنی نوع انسان کے فائدے کے لیے پیش کیا ہے، اسی طرح ان کی استادی ان کے انتہائی دقیق معاملات میں، حالات واطوار میں اور ان کی خصوصی زندگی میں نمایاں ہو کر سامنے آئی ہے؛ کیونکہ ان پر رفیع المقام ولایت اور قرآن کریم کے بیان کردہ حسنِ اخلاق سے پھوٹتی بلند پایہ طمانیت اور سکینت غالب رہتی تھی۔

اور اہلِ قلوب اور اربابِ فضائل جنہوں نے گہری نظر اور فہم و فراست سے اُن کے حالات میں نظر دوڑائی ہے، انہیں آپ کے قلبِ منوّر میں حقیقت و معرفت کی شعاعیں بکھیرتا ہوا سورج اور ایک نہ تھمنے والا بحرِ مواج نظر آیا تو انہوں نے اس بات کا اعلان کر دیا کہ یہ روشن پھل جو اسلام کے درخت نے پیش کیا ہے، انسان و زمان کے لیے فخر کا باعث ہے۔

پس اے وہ بد بخت لوگوں جنہوں نے اُس آدمی کو نشانہ بنایا ہے جس نے فضیلت میں ایک بہترین مثال قائم کر دی ہے، اور جو اخلاق، ادب، ایمان، معرفت اور حقیقت کے میدان میں اُعجوبہ روزگار بن کر اُبھرا ہے؛ اور اس کے ساتھ بری نیت رکھ کر سلوک کیا ہے اور اُسے اپنے خبیث نفسوں پر قیاس کیا ہے اور اس کے بارے میں بدزبانی کا مظاہرہ کیا ہے، اس پر ایسے الزامات لگائے ہیں کہ جن سے شیطان بھی شرماتے ہیں، اُسے بدنام کرنے کی اور اُسے ختم کر دینے کی پوری کوشش کی...... لیکن وہ تمام افترا پردازیاں جو تم لوگوں نے اس آدمی کے خلاف پھیلادی ہیں، اور وہ زہر جو تم نے

اُگلے ہیں، سب بے کار گئے ہیں؛ کیونکہ نورِ حق چمک اُٹھا ہے اور اس نے دنیا کو چمکا کر رکھ دیا ہے، لیکن تمہارا مقام یہ ہے کہ تم لوگ اتنے ذلیل ہو کر رہ گئے ہو۔

اور تمہاری حالت اتنی پتلی ہوگئی ہے کہ تم سے انسانیت نفرت کرنے لگی۔ انسانیت کا لبادہ جو تم لوگوں نے اوڑھ رکھا ہے تمہارے لیے وبال بنتا جا رہا ہے اور آلام ومصائب کے دروازے کھول رہا ہے۔ ہاں، نجات کا ایک دروازہ بھی موجود ہے، اگر تم لوگ اُسے کھٹکھٹانا شروع کر دو تو ہوسکتا ہے کہ تمہارے لیے کھول ہی دیا جائے! سعید نورسی نے اپنے آپ کے ساتھ کوئی وعدہ کیا ہوا ہے، اُس نے کہا ہے: میرے بھائیو! اس بات کے گواہ رہنا کہ جن لوگوں نے مجھے ختم کرنے کی کوششیں کی ہیں میں ان سے درگزر کر رہا ہوں، اور وہ اس طرح کہ اگر وہ لوگ رسائل نور کے ذریعے اپنا ایمان بچالیں اور انہیں گلے سے لگالیں۔

جی ہاں، جیسے وہ لوگ جو کل آپ کے ساتھ برسرِ پیکار رہے اور آپ کو مجرم بنانے کی کوششیں کرتے رہے، وہ آج آپ کے دوست اور یار ومددگار بن چکے ہیں، ویسے ہی تم لوگ ہو جنہوں نے ان پر جھوٹ باندھے ہیں اور سازشیں کی ہیں، پس اُمید تو یہی کی جاتی ہے کہ تم لوگ اگر پشیمانی کا اظہار کرو اور رسائلِ نور کے درس پر دھیان دو تو شفقت کا یہ پیکر تم سے درگزر کرے گا اور تمہارے لیے دعا کرے گا۔

جی ہاں، سعید نورسی ایک ایسا ہیرو ہے کہ جس کی نظیر مشکل سے ملے گی، وہ ظالموں کے خلاف اپنی بہادری وجوانمردی کا اظہار جنگ کے میدانوں میں اور عدالتوں کے احاطوں میں کر چکے ہیں، لیکن ان کے ساتھ دشمنی رکھنے والو اور اُنہیں ختم کر دینے کی کوشش کرنے والو! آؤ اور دیکھو کہ تمہارے کرتوتوں اور ایذارسانیوں کے باوجود کس طرح وہ ہاتھ اُٹھا کر، بہتی آنکھوں کے ساتھ گڑگڑا گڑگڑا کر تم میں سے اُن لوگوں کے لیے نجات اور سلامتی کی دعائیں کر رہا ہے جو رسائل نور کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں اور انہیں خود سے اس بات کا مکمل اعتماد حاصل ہو چکا ہے کہ یہ آدمی قوم کے تمام طبقات کے ساتھ کمال شفقت اور انتہائی تواضع کے ساتھ برتاؤ کرتا ہے؛ اور اس بات کا مشاہدہ کرو کہ اس بلند پایہ شخصیت میں کس طرح بلندتر انسانیت کا مقام ومرتبہ جلوہ گر ہے۔

اس آدمی کی تعریف کرنے اور اس کے کارناموں کی قدر کرنے کا طریقہ یہ نہیں کہ اس کے حق میں تالیاں پیٹی جائیں جیسے کہ اہلِ دنیا کا طریقِ کار ہے، بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ شخص کہ جس نے موجودات کی تاریکیوں کو ایمان کے ساتھ روشن کیا ہے اور اُن کی قدر وقیمت کو واضح کیا ہے، موجودات اُس شخص کو جانتی پہچانتی ہوئی اس کی جو قدر کرتی ہیں اور اس کے لیے برکت کی دعائیں کرتی ہیں اس میں ان موجودات کا ساتھ دیا جائے اور ان کے قدم کے ساتھ قدم ملا کر چلا جائے، چنانچہ ہم جب کبھی نُورسی کے بارے میں حقیقت کے اُن انوار کو سامنے رکھ کر بات کرتے ہیں جن کی وہ ترجمانی کرتا ہے اور جن کے وہ گیت گاتا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ صرف یہی نہیں کہ انسانیت اس کے لیے برکت کی دعا کرتی ہے

اور اُن کی قدر کرتی ہے بلکہ تمام کائنات اپنی انواع و اجناس سمیت یہ کام کر رہی ہے، اور ماضی و مستقبل اس کی ایمانی خدمات کا اعتراف کرتے ہیں اور ان کی قدر کرتے ہیں۔

انواع و اقسام کے وہ غیر محدود کمالات جو حق تعالیٰ نے انسانی ماہیت میں مندرج کر رکھے ہیں نورسی ان تمام میں گویا سبقت لے گئے ہیں، چنانچہ آپ کبھی تو اسے دیکھیں گے کہ وہ بالکل خاموشی کی حالت میں بلند و بالا پہاڑوں کی چوٹیوں پر اکیلے ہی گھومتا پھرتا رہتا ہے، اور کبھی دیکھیں گے کہ وہ انگور کی بیلوں میں، باغوں باغیچوں میں اور نباتات و حیوانات کے بارے میں غور و فکر کر رہا ہے اور پھر اپنے پہلو میں ایک ایسی تڑپتی پھڑکتی روحانی حالت لے کر واپس آتا ہے جو اہم ترین سیاسی اجتماعات میں بلیغ ترین اخلاقی اور ادبی کلمات اور عقلی خطبات کا اِلقا کرنے پر قادر ہوتی ہے، اور ان کی وہ زندگی جو انہوں نے عہدِ حریّت سے پہلے اور عہدِ حریت کے بعد مشرق میں گزاری ہے، اور وہ چیختی چلّاتی زندگی جو انہوں نے استنبول میں گزاری ہے، وہ اس بات کی واضح طور پر گواہی دیتی ہے، چنانچہ کبھی تو آپ دیکھتے ہیں کہ وہ مشرقی اناطولیہ میں قبیلوں کے درمیان گھوم پھر رہا ہے اور انہیں اپنے ایمانی دروس اور اخلاقی نصیحتوں سے نہال کر رہا ہے، اور کبھی دیکھتے ہیں کہ وہ دمشق میں وہاں کے علما اور سرکردہ لوگوں کے درمیان اسلامی سیاست کی روشنی میں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے ستون تعمیر کر رہا ہے اور ان کی ترقی کی بنیادیں رکھ رہا ہے، دُوررَس بصیرت کے ساتھ اور گہری تشخیص کے ذریعے ان کی وضاحت کر رہا ہے، اور ساڑھے تین لاکھ ملین مسلمانوں کی سعادت مندی کے لیے صبحِ صادق کی خوشخبری دے رہا ہے۔[1]

پھر اس کے بعد مشروطیت کا دور آتا ہے،[2] تب وہ زیریں اسمبلی میں اپنی تقریروں کے ذریعے اور اخبارات و جرائد میں اپنے مقالات کے ذریعے امت کو اپنی بلند ترین آواز کے ساتھ پکار کر کہتے ہیں کہ مقدس قرآنی دستور کو لاگو کرنے میں اور اس پر عمل کرنے میں ہی امت کے لیے سعادتِ دارین کی ضمانت دی جا سکتی ہے، اور اسی کے ذریعے امت تعمیر و ترقی کی منزلیں طے کرے گی۔ پھر وہ فوجی عدالتوں میں اپنے ان افکار کا پوری جرأت کے ساتھ دفاع کرتے ہیں۔

اس یگانۂ روزگار شخص کے حالات اور اس کی انجام دی ہوئی خدمات کا ہم نے جو نمونہ مشتے از خروارے تذکرہ کیا ہے، اس سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ وہ ایک ایسا آدمی ہے جو اُمت کے لیے وقف ہو چکا ہے، چنانچہ اس میں ایسے کمالات و محاسن جمع ہو چکے ہیں جو ہمیں ان مضبوط ایمان والے اور بھاری عقل والے لوگوں کے ہاں نظر آتا ہے جنہوں نے اپنے آپ کو اسلام کے نورانی درخت کے پھلوں اور پھولوں کی حیثیت میں ظاہر کر کے تیرہ صدیوں کو زیب و زینت بخشی ہے۔

جی ہاں، گزشتہ صدیوں میں تسلسل کے ساتھ ایسے علما، مجتہدین اور ربانی اساتذہ ظہور میں آئے جو رسولِ اعظم ﷺ

---

[1] اس دور میں دنیا میں مسلمانوں کی تعداد مراد ہے۔

[2] یعنی آئینی حکومت، اس دور میں آپ کے حالاتِ زندگی کی تفصیلات کے لیے اس کتاب کے پہلے حصے میں ''ابتدائی زندگی'' کے عنوان کی طرف رجوع کریں۔

کے وعظ وارشاد سے نہال ہوکر حقیقت کی بلندیوں پر پہنچے اور کمالات کے مدارج چڑھے، اور ان سب نے علیحدہ علیحدہ طور پر مسلمانوں کے کسی نہ کسی گروہ کو اپنے اپنے وعظ وارشاد کے روشنی بخش دائرے میں چلایا۔

اور سعید نورسی آئے تو ایسے لگا کہ جیسے وہ اُن تمام جلیل القدر علما کے مسلک اور علم میں اُن کے وارث ہیں، چنانچہ وہ ہمارے اس زمانے میں ان سب کے فضائل ومحاسن سے مزین ہوکر سامنے آئے اور قرآن کے جھنڈے کے سائے میں اور رسائل نور کے ذریعے دینی خدمت اور معنوی جہاد کی لڑی میں منسلک ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی توفیق کے ساتھ اتنے زیادہ وظائف ادا کر گئے اور اتنی کلّی خدمات سرانجام دے گئے کہ جو ایک بہت بڑی کامل جماعت یا کوئی بلند پائے کا بورڈ یا اعلیٰ سطح کی کمیٹی یا بہت بڑا لشکر ہی دے سکتا ہے۔

شاگردانِ رسائل نور کی وہ معنوی شخصیت جو بدیع الزمان نے نورِ اسلام کی قوت اور ایمان کی اخوت کے رابطے کے ذریعے تشکیل دی ہے، اس نے اہلِ ضلالت کے حملوں کا مقابلہ کیا ہے اور اہلِ ایمان کے لیے ایک مضبوط واستوار نقطۂ استناد تشکیل دے دیا ہے، اور سرخ کمیونزم — جو کہ بلاد وعباد کو دھمکا رہا ہے — کے خطرات کے سامنے ایک نا قابلِ انہدام مضبوط قرآنی دیوار کھڑی کر دی ہے اور ترک قوم۔ کہ جس کے اسلاف پچھلے زمانے میں اسلام کے ہیرو رہے ہیں — اور عالمِ اسلام کے درمیان اخوت ومحبت کے نئے سرے سے کئی پل بنا دیے ہیں۔

بدیع الزمان سعید نورسی ہمہ گیر قسم کی صلاحیتوں کے مالک تھے، اور وہ ان صلاحیتوں میں سب سے بڑھے ہوئے اور بڑے پائیدار تھے، وہ کلّی کے ساتھ جزئی کو انفس وآفاق کے وسیع ترین دائروں میں دیکھنے کے عادی تھے، چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ وہ ذرّے اور گلیکسی کا ایک ہی وقت میں گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں، اُن دونوں میں نورِ توحید کا مشاہدہ کرتے ہیں اور کرواتے ہیں، اور اسے ثابت کرتے ہیں، پھر آپ دیکھتے ہیں کہ وہ عالم اسلام اور عالم انسان کے اطراف واکناف میں پھیلی ہوئی کلّی ایمانی خدمت میں مصروف ہیں، پھر آپ دیکھیں گے کہ وہ خلوت میں صنعتِ الٰہی کے معجزات میں اور فطرتِ ربانی کے ان نفیس نقوش وآثار میں — جو کہ قلمِ قدرت کے مکتوبات ہیں — تفکّر کرتے ہوئے کائناتِ کبیر کی کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں...... پس اس طرح کے عُلوی وظائف کی برکت سے وہ ہمیشہ معرفتِ خداوندی کے غیر محدود انوار میں اور انس وقربِ ربّانی کے اذواق میں ترقی کرتے جاتے ہیں۔

وہ روحانی اور قدسی احوال کہ جن کا مشاہدہ ہم اُستاد کی عام زندگی کی کتاب کے ہر صفحے میں کرتے ہیں، اُن کی وہ زندگی جو انہوں نے ''امیر داغ'' میں گزاری ہے ان مذکورہ معانی سے بھری پڑی ہے۔ ان میں سے کچھ چیزوں کا ذکر اگرچہ ''ملحقات'' نامی کتاب میں ہوگیا ہے، تاہم کمی رہ گئی ہے۔ البتہ اس کتاب میں اس سمندر کے ایک قطرے کو اُجاگر کرنے کی جسارت کی گئی ہے۔

☆ ☆ ☆

سعید نورسی کی ''دنیزلی'' جیل سے رہائی اور ان کی ''امیر داغ'' میں جلاوطنی

جون 1944ء ''دنیزلی'' کی فوجداری عدالت نے طلاّبِ نور کی بے گناہی کا فیصلہ صادر ہونے کے بعد ان کا نور کا راستہ چھوڑ دیا، اور وہ تمام کے تمام اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف لوٹ گئے، جبکہ سعید نورسی کو انقرہ سے آرڈر آنے کے انتظار میں عارضی اقامت کے لیے ''دنیزلی'' میں ''شہر ہوٹل'' نامی ایک ہوٹل میں ٹھہرا دیا گیا۔ طلاّبِ نور کی گرفتاری اور رہائی کا ایک خاطر خواہ نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ''دنیزلی'' کے باسیوں کی توجہ رسائلِ نور کی طرف ہوگئی، اور عدلیہ کے بہت سے ذمہ داران نے عدالتی کاروائی کے دوران یہ اعلان کر دیا کہ وہ رسائل کے پہلو میں کھڑے ہیں، اور انہوں نے ''دنیزلی'' میں رسائل کی نشر و اشاعت کا اہتمام بھی کیا۔ اور پھر اخیر میں وہ عدل پر مبنی فیصلہ آ گیا جس کا انتظار ہو رہا تھا، اور عدلیہ کا سربراہ — جو کہ رسائلِ نور کے دائرے میں عادل اور منصف مزاج جج کے نام سے معروف تھے — اور عدلیہ کے اعضاو ارکان اور دیگر عالی ہمت لوگ جنہوں نے اس معاملے کی بالکل خاموشی کے ساتھ خدمت کی، یہ سب لوگ تمام اہل ایمان کے لیے سرور و شادمانی کا باعث بن گئے، اور ایک بلند پایہ دائمی معنوی مقام پر فائز ہو گئے۔

☆ ☆ ☆

''دنیزلی'' میں استاد نورسی کی تقریباً دو مہینے اقامت کے بعد ان کے لیے صوبہ ''آفیون'' کے شہر ''امیر داغ'' میں جبری اقامت کا آرڈر جاری ہو گیا، چنانچہ انہیں وہاں اسی سال اگست میں شہر بدر کر دیا گیا۔ وہاں وہ پہلے پندرہ دن ایک ہوٹل میں رہائش پذیر رہے، پھر کرائے کے ایک گھر میں ٹھہرے، اور اس کا کرایہ اپنی جیب سے ادا کرتے رہے۔ ''امیر داغ'' میں ان کے حالاتِ زندگی کے بارے میں اختصار کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک دائمی نگرانی کے تحت رہنے والی زندگی تھی، چنانچہ علی الرّغم اس کے کہ عدالتی طور پر انہیں بری قرار دے دیا گیا تھا، اور علی الرّغم اس کے ان کی ضبط کردہ تمام کتابیں لوٹا دی گئی تھیں، انہیں آزاد نہ چھوڑا گیا، بلکہ اس کے برعکس ان کی نگرانی مزید کڑی کر دی گئی، اور ان کی رہائش گاہ پر اتنا کڑا پہرہ لگا دیا گیا کہ اس سے پہلے ایسا کبھی نہ ہوا تھا؛ چنانچہ انہوں نے اپنے ایک رسالے میں خود لکھا ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ''امیر داغ'' میں انہیں صرف ایک دن میں جتنی سختیوں کا سامنا کرنا پڑا وہ ''دنیزلی'' میں پیش آنے والی مکمل ایک مہینے کی سختیوں کے برابر تھیں۔ ان کے ساتھ جو بُرا سلوک ہو رہا تھا، اور جو سختیاں ان پر روا رکھی جا رہی تھیں وہ وہاں کے رہائشیوں سے پوشیدہ نہیں تھیں، اور یہ بات طے شدہ تھی کہ یہ ناروا سلوک ان تحریکوں کی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہو رہا ہے جو خفیہ طور پر دین کے ساتھ برسرِ پیکار تھیں اور آپ کی بے گناہی کا فیصلہ سُن کر ناکامی سے دو چار ہو چکی تھیں، کیونکہ انہیں کوئی اس طرح کا عدالتی فیصلہ صادر کروانے میں کامیابی نہیں ہو سکی تھی جو رسائلِ نور کے انتشار کی راہ میں رکاوٹ پیدا کر سکے اور ان کی ایمانی خدمات کے آگے روڑے اٹکا سکے۔ تب انہوں نے حکومت کے بعض

عہدیداران کو استاد نورسی کے خلاف بھڑکا کر اور اُنہیں ختم کر دینے کی مذموم کوشش میں ان کے اندرونی خدشات کو ہوا دے کر ایک نئی چال چلی، اور اس میں بھی منہ کی کھائی۔

حکومت کے نگران ایک لمحے کے لیے بھی ان کے گھر کے دروازے سے ادھر اُدھر نہیں ہوتے تھے، اس لیے ان سے ملاقات کا امکان بھی خطرات کی زد میں آچکا تھا۔ اور ''چالشقان'' س کا گھرانہ، جس نے ''امیر داغ'' میں سب سے پہلے آپ کی طرف توجہ کی اور اس گھر کے افراد نے اُس جلیل القدر شیخ اور عالم فاضل شخص کے ساتھ عقیدت، محبت کا اظہار کیا جو جلاوطن ہو کر ان کی سرزمین پر آیا تھا، چنانچہ وہ لوگ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اور سازشیوں کے پروپیگنڈے کی قطعاً پرواہ نہ کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں پیش پیش رہے اور آپ کے ساتھ مضبوطی سے جڑے رہے۔

''امیر داغ'' میں طلّابِ نور کا ایک چھوٹا سا مجموعہ تشکیل پا گیا جس میں ''چالشقان'' کے خاندان کے افراد اور چند خالص اہلِ ایمان شامل تھے، اور یہ لوگ اس ایمانی خدمت کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے جس کی بنیادیں استاد نورسی نے رکھی تھیں، چنانچہ انہوں نے اپنے قرب وجوار میں رسائل نور کی پڑھائی کا اور ان کے نقل ونسخ اور نشر واشاعت کا کام شروع کر دیا۔[1] اور پھر لوگوں نے دیکھا کہ استاد نورسی کی اقامت اور رسائلِ نور کے دروس کے بعد شہر کی وسیع آبادی میں علم وعمل اور اخلاق وفضائل کے میدان میں ترقی کے آثار نمایاں ہو گئے ہیں، اور یہ ایک ایسی بات تھی جسے سب لوگ جانتے پہچانتے تھے، اور سرکاری محکمے اس کا اعتراف کرتے تھے۔[2] ''امیر داغ'' کے طالب علم اپنے استاد کے حالات زندگی کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

''استاد دائمی نگرانی میں رہتے تھے، ان کی عادت تھی کہ وہ خاص کر موسمِ بہار اور موسم گرما میں ہوا خوری کے لیے باہر نکلا کرتے تھے، چنانچہ ان دونوں موسموں میں وہ شہر سے باہر نکلتے تھے، وہاں کچھ دیر تنہائی میں بیٹھتے اور پھر گھر واپس آجاتے، اس دوران تمام راستے میں کوئی نہ کوئی آدمی ان کا پیچھا کرتا رہتا، کبھی کوئی سرکاری نگرانی اور کبھی کوئی پولیس مین، ایک دفعہ تو انہیں پیچھے سے گولی بھی ماری گئی، لیکن وہ محفوظ رہے۔ ایک دفعہ ایک سرکاری ملازم پیچھے سے بھاگتا ہوا آپ کے ساتھ جا ملا اور بڑی بدتمیزی کے ساتھ آپ کو کہنے لگا: باہر نکلنا منع ہے، اور آپ ٹوپی یا پگڑی استعمال نہیں کر سکتے،

[1] ''امیر داغ'' کے لوگ ان دنوں عمومی طور پر رسائل نور کے دوست اور حمایتی ہیں، اور ان میں بہت سے طلّابِ نور ہیں۔ خود شہر میں اور اس کی مضافاتی آبادیوں میں رسائل نور کے درس ابھی تک جاری وساری ہیں۔

[2] استاد نورسی کا کہنا ہے کہ وہ ''امیر داغ'' کو ایک ''نوری مدرسہ'' شمار کرتے ہیں، اور اُن تمام بستیوں میں سے ہر ایک کا ذکر بڑے اہتمام سے کرتے ہیں جن کے اکثر باشندوں نے رسائل نور کی قرأت اور نشر واشاعت میں حصہ لیا، جیسے ''بارلا''، ''ساؤ''، ''امیر داغ'' اور ''افلانی'' وغیرہ کہ یہ بستیاں مدرسہ نوریہ کا علامتی نام بن چکی ہیں، اور ان کے زندہ ومردہ، معصوم بچوں اور فاضل عورتوں سمیت باشندوں کے لیے دعا کرتے ہیں، اسی طرح وہ اپنے گاؤں ''نورس'' کے لیے بھی دعا کرتے ہیں اور اُسے اپنی معنوی کمائیوں میں شریک کرتے ہیں۔

چنانچہ استاد انہی پاؤں پر واپس آ گئے۔ اس طرح کے بہت زیادہ معاملات پیش آئے۔

دیگر جگہوں کی طرح ''امیر داغ'' میں بھی استاد کی ایمانی خدمات بعینہٖ ایک ہی خدمت میں منحصر نہ رہیں، ''ملحقات'' کے رسائل سے، آپ کے ہاں آنے جانے والے طالب علموں سے، آپ کے زمانۂ طالب علمی کے ہم سبق دوستوں سے، اور وہاں کے باشندوں، ہمسایوں اور ہمہ وقت آپ کی خدمت میں رہنے والے طالب علموں کے مشاہدات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ بہت سے ایسے وظائف پر کاربند تھے جو حقیقت سے پھوٹتے تھے اور اُن کا رخ حق کی طرف تھا، جنھیں وہ ہر روز مکمل صورت میں ادا کرنے کے لیے پوری پوری کوشش کرتے تھے؛ چنانچہ کتابوں کی تالیف و تصنیف، اُن کی تصحیح اور ان کی نشر و اشاعت — جیسے ''مقالات'' اور ''لمعات'' وغیرہ جو کہ قرآنی حقائق کے انوار ہیں — کے ساتھ ساتھ کون و مکاں کے مطالعہ کرنے کا اور اس کی موجودات و مصنوعات — جو کہ قدرت کے کلمات ہیں — میں تدبُّر کرنے کا بہت زیادہ شغف رکھتے تھے، روئے زمین پر لکھے اور موسمِ گل کے کھلے ہوئے صفحات میں غور و فکر کرنے کے، اشجار و نباتات و حیوانات میں بکھری ہوئی صنعتِ الٰہی کے عجائبات میں تأمل کرنے اور توحید کی ہمہ گیر تابندہ آیات کی جلوہ گریوں کو اُجاگر کرنے کے دلدادہ تھے، چنانچہ وہ حقُّ الیقین کے مرتبے پر پہنچ جانے کی حالت میں ایمانی حقائق اور ربانی معرفت کے غیر متناہی آفاق میں پرواز کرتے تھے۔

اور اس بات میں کوئی تعجب بھی نہیں ہونا چاہیے؛ کیونکہ تفکُّر اُن کے اُس منہج کی ایک بنیاد ہے جو انہوں نے قرآن کریم سے حاصل کیا ہے، اور وہ اپنی تمام تالیفات میں انسان کو تفکر کی دعوت دیتے ہیں اور اس کے دروس کی تلقین کرتے ہیں، وہ اپنے فکری سفر کا آغاز "تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ"[1] سے کرتے تھے اور اکثر یہ شعر دہراتے رہتے تھے۔

وَفِيْ كُلِّ شَيْءٍ لَهُ آيَةٌ
تَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ وَاحِدٌ

انہیں اس بات کا یقین تھا کہ علم و تفکر کے ساتھ حاصل کی گئی معرفتِ الٰہی روح میں کائنات جتنی وسعت پیدا کر دیتی ہے۔

☆ ☆ ☆

[1] یہ حضرت سری سقطیؒ کا قول ہے، تفصیل کے لیے دیکھیں: کشف الخفاء، حدیث نمبر 1004۔

زہر خورانی کا واقعہ

انہیں زہر دینے کا واقعہ ان کی نگرانی پر مامور ٹیم کے ایک بہت بڑے ملازم کے ہاتھوں پیش آیا، اور اسے اس بات پر ایک بہت بڑے سیاستدان نے یہ کہہ کر اُکسایا تھا کہ: ''ہمیں اُوپر سے اس آدمی کو ختم کر دینے کے آرڈر آ گئے ہیں۔'' تب وہ نگران رات کے اندھیرے میں سیڑھی کے ذریعے استاد کے گھر کی کھڑکی تک پہنچا اور اندر داخل ہو کر ان کے کھانے میں زہر ملا کر آ گیا۔ صبح ہوئی تو استاد اس زہر کی وجہ سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے جو ان کے جسم میں سرایت کر چکا تھا، اور باوجود اس کے کہ زہر انتہائی شدید تھا، عنایتِ الٰہیہ نے ان کی حفاظت کی۔ اپنی اس حالت کے بارے میں انہوں نے ان الفاظ کے ساتھ بتایا ہے: ''الجوشن الکبیر جیسے قدسی اَوراد کی برکت سے میں موت سے بچ گیا، لیکن مرض اور الم بہت زیادہ تکلیف دے رہے ہیں۔''

استاد مکمل ایک ہفتہ انتہائی ناگفتہ بہ حالت میں پڑے رہے، کھانے پینے کی کوئی بھی چیز حلق سے نیچے بہت کم اُتری، اللہ تعالیٰ نے شفا دی تو رسائلِ نور کی مراجعت اور تصحیح وغیرہ کا کام پھر سے شروع کر دیا۔ بیماری کی شدّت میں بھی نماز نہیں چھوڑتے تھے، البتہ جو زہر آپ کو دوسری اور تیسری مرتبہ دیا گیا اتنا شدید تھا کہ برداشت سے باہر تھا،[1] اس لیے نماز اور دیگر فرائض بستر پر ہی ادا کرتے تھے۔

آپ جن دنوں بسترِ مرگ پر تھے، اُن دنوں آپ کے دو طالب علم جو ایک رات آپ کی خدمت پر مامور تھے اور پو پھٹنے تک ساری رات بہتی آنکھوں کے ساتھ آپ کی پہرے داری میں مصروف رہے، بتاتے ہیں کہ آپ فجر سے کچھ دیر پہلے بستر پر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے...... آپ کی آنکھیں بند تھیں...... آپ نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور انتہائی مدھم آواز میں کچھ کلمات دہرائے جن میں رسائلِ نور کے ظہور و انتشار کی اور طلاب نور کے لیے حفاظت اور سلامتی کی دعا تھی...... پھر دوسرے ہی لمحے آپ بے سُدھ ہو کر بستر پر گر پڑے۔

وہ جب تک ''امیر داغ'' میں قیام پذیر رہے اُن کے دو تین جان نثار طالب علم باری باری ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔ اور باوجود اس کے کہ کچھ عرصے کے لیے ان سے ملاقات پر پابندی عائد کر دی گئی تھی، اُن کے جاں نثار شاگردوں نے ان کی خدمت میں کوتاہی نہیں کی اور آخری درجے کی قربانی سے بھی گریز نہ کیا۔

''امیر داغ'' میں ایک بہت بڑے ذمہ دار افسر نے اپنے اُس دوست کا راز فاش کر دیا جو کہ بعد میں رسائل نور کا ایک بطلِ جلیل بن کر اُبھرا — اور اُس پر ایک خُفیہ سازش کا انکشاف کر دیا جس کا ہدف کسی خفیہ طریقے سے استاد نورسی کو

---

[1] استاد کو بہت دفعہ زہر دیا گیا، تین دفعہ تو یہ کام صرف ''امیر داغ'' میں ہی ہوا تھا۔ کتاب کے آخر میں ان کا اپنا بیان آئے گا کہ انہیں گیارہ دفعہ زہر دیا گیا۔

ختم کر دینا تھا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ استاد کے ساتھ جو بھی ظالمانہ سلوک ہو رہا تھا وہ صرف اسی سازش کا نتیجہ تھا۔ اُستاد پر مسلط کیا جانے والا ظلم، نگرانی اور سختی اور دباؤ بہت زیادہ الم خیز اور کمر توڑ تھا، اس لیے نہیں کہ وہ سلوک ان کے ساتھ جب بھی ہُوا بہت بُرے طریقے سے ہوا، بلکہ اس لیے کہ وہ بغیر انقطاع کے جاری رہتا تھا۔

''امیر داغ'' میں پہلے دو سالوں میں استاد نماز باجماعت زیادہ تر شہر کے مرکز کے قریب والی مسجد میں ادا کرتے تھے جو کہ ''بازار مسجد'' کے نام سے مشہور تھی، اور اکثر عصر کی نماز سے عشا کی نماز تک اُسی مسجد میں ہی رہتے اور اس کے بعد سیدھے گھر چلے جاتے۔ ''امیر داغ'' میں رہائش کے پہلے دو سال تک آپ کی یہی روش رہی، پھر اس کے بعد گورنر نے انہیں مسجد جانے سے اس حجّت کی بنا پر روک دیا کہ وہ وہاں لوگوں کے ساتھ میل ملاقات کرتے ہیں!

اس مرحلے میں رسائلِ نور بہت سی جگہوں پر ہاتھوں کے ساتھ لکھے اور نقل کیے جاتے تھے، اور ان میں سرِفہرست ''اسپارٹا'' تھا، استاد کے ساتھ ملاقات کے لیے وہاں ایسے بہت سے لوگ آتے تھے جنھوں نے رسائل نور پڑھے تھے اور اُن سے مستفید ہوئے تھے، لیکن آپ کی اُن میں سے بہت کم لوگوں کے ساتھ ملاقات ہو پاتی تھی؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ ملاقات کی توفیق صرف انہیں ملتی ہے جو اپنے دل میں صرف اللہ کی خاطر خالص محبت اور اخوت کا جذبہ رکھتے ہیں، اور وہ اس کے ساتھ ساتھ کمال اخلاص اور دوستی[1] کے ساتھ رسائل نور کی خدمت کرنے کی استعداد بھی رکھتے ہوں، چنانچہ اس طرح کے لوگ استاد کی مجلس میں بیٹھتے اور ان کا درس سنتے۔ اور آپ کی عادت یہ تھی کہ بات سمجھاتے وقت ملاقاتیوں کی قابلیتوں کا خیال رکھتے اور انہیں ان کی ادراکات کے حساب سے مخاطب کرتے، وہ اُن کی توجہ رسائل نور کی طرف اور ایمانی خدمات کی طرف مبذول کراتے، اور ان کے لیے واضح کرتے کہ رسائل نور کے ذریعے ایمان کی خدمت لوگوں کے لیے بہت بڑے مادی اور معنوی فائدے ظہور میں لائے گی۔

ایک اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ آپ کی ملاقات کے لیے آنے والے لوگ معاشرے کے مختلف طبقات کے ساتھ تعلق رکھتے تھے، زیادہ تر ان میں سے نوجوان اور اہلِ علم ہوتے تھے۔ اور یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ ''دنیزلی'' کی عدالت سے صادر ہونے والے بے گناہی کے فیصلے نے سرکاری ملازموں کے ماحول میں ایک توجہ بیدار کر دی تھی اور طلّاب نور کی تعداد میں اضافہ کر دیا تھا۔

---

[1] اس بات کی وضاحت استاد ''چھبیسویں مکتوب'' میں کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں: جو ہماری ملاقات کے لیے آتا ہے وہ یا تو کسی دنیاوی کام کے لیے آئے گا، تو دروازہ بند ہے، یا وہ کسی اخروی معاملے کے بارے میں آتا ہے، تو وہ اگر اس بنا پر آیا ہے کہ مجھے کوئی بابرکت اور صاحبِ مقام آدمی سمجھتا ہے، تو دروازہ پھر بھی بند ہے؛ کیونکہ نہ تو میں خود کو پسند کرتا ہوں اور نہ ان لوگوں کو جو مجھ پر فخر کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے خود پر فخر کرنے والا نہیں بنایا ہے۔ اور اگر وہ اس مقصد کو لے کر آیا ہے کہ میں قرآن کریم کا ایجنٹ ہوں تو خوش آمدید، سر آنکھوں پر، اور ایسا آدمی یا دوست ہے، یا بھائی، یا طالب علم۔

ملاقاتیوں کے ساتھ آپ کی بات چیت

ملاقاتیوں کے ساتھ آپ کی ملاقات زیادہ تر رسائل نور اور ایمان کی خدمت کے بارے میں ہوتی، ملاقاتیوں کے لیے آپ اس بات کی وضاحت کرتے کہ رسائلِ نور کا مقصدِ وحید ایمان کو مضبوط کرنا ہے، اور یہی چیز اس کمیونزم اور الحاد و زندیقیت کے خطرے کی راہ روکے گی جو وطن وقوم کو ڈرا دھمکا رہا ہے۔ اور ایک فرد اور معاشرے کے کندھوں پر جو سب سے ضروری ذمہ داری پڑتی ہے وہ ایمان کو بچانے اور اسے مضبوط کرنے کا عمل ہے، اور اس دور میں سب سے بڑا قضیہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے دامن کو مضبوطی کے ساتھ تھام لیا جائے۔ رسائل نور کے خلاف حملے صرف اس بنا پر ہوئے ہیں کہ انہوں نے اپنی تمام تر قوت کے ساتھ خصوصی طور پر اس قضیے کے لیے کام کیا اور اپنی تمام تر توجہ اس پر مرکوز کر دی، اِسی بنا پر خفیہ طور پر کام کرنے والے ملحدوں نے اور وطن وقوم دشمنوں نے ان پر دھاوا بول دیا اور مختلف جہتوں اور ذریعوں کے ساتھ لوگوں کو اس کے خلاف بھڑکا دیا۔ پھر وہ یہ کہتے ہوئے اضافہ کرتے ہیں کہ ''ہمارے سامنے مثبت اور تعمیری عمل کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں، ہمارے ہاتھوں میں نور ہے سیاست کی لاٹھی نہیں، ہمارے اگر ایک سو ہاتھ بھی ہوتے تو ان میں نور کے علاوہ اور کوئی چیز نہ ہوتی۔''

اور آپ اُن کے لیے وضاحت کرتے ہیں کہ مثبت تعمیری عمل کی تاثیر قوی ترین اسلحے سے بھی زیادہ ہے۔ اور یہی ایک ایسی چیز ہے جو دین کے دشمنوں کو شکست دے سکتی ہے، اسی طرح وہ اس بات کو بھی واضح کرتے ہیں کہ رسائل نور کا سیاست کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، ہمارے مسلک کی اہم ترین بنیاد اخلاص ہے؛ اس لیے اس مسلک میں اللہ کی رضامندی کے علاوہ کسی بھی چیز کی خواہش نہ کی جائے؛ نور کی قوت اسی میں پنہاں ہے۔ پس اخلاص اور مثبت تعمیری عمل کے ساتھ ہی رحمت وعنایتِ الٰہی رسائلِ نور کو اپنی حفظ وحمایت کے دامن میں چھپائے گی۔

ان کے پاس بیٹھنے والوں کے اور ان کے درس سننے والوں کے بیانات کی روشنی میں یہ کہنا ممکن ہے کہ جس طرح ان کا ایک درس یا ایک مجلس بہت سے نوجوانوں کی نجات کا وسیلہ بنتی تھی، اسی طرح پوری جانفشانی کے ساتھ رسائل نور کی خدمت کا ذریعہ بھی بنتی تھی، اور یہ معاملہ اُن اکثر طلبہ کے ساتھ پیش آیا جو ان کے درس میں حاضر ہوئے اور ان کی رہنمائیوں سے مستفید ہوئے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ استاد نے خدمتِ نور کے سلسلے میں جو طالب علم انقرہ بھیجے تھے ان میں سے ایک طالب علم دنیا کے حالات دیکھ کر بہت زیادہ مایوس اور دل برداشتہ ہوگیا، چنانچہ اس نے نا اُمیدی کی حالت میں خود سے سوال کیا: یہ لوگ نور کے حقائق پر کب کان دھریں گے؟ تاریکی کے یہ تنے ہوئے پردے کب چاک ہوں گے؟ اور یہ معنوی اندھیرے کب بکھریں گے؟ اور پھر جب کچھ دیر بعد ''امیر داغ'' لوٹا اور استاد سے ملا تو اس عظیم استاد نے کہا: ہماری ذمہ

داری نور کی خدمت ہے، رہی توفیق اور لوگوں میں مقبولیت، تو یہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے، اور ہم تو صرف اس بات کے مکلّف ہیں کہ اپنی ذمہ داری نبھاتے رہیں، اس لیے غم نہ کرو اور مایوس ہو کر یہ نہ کہو کہ: یہ لوگ رسائلِ نور پر کب کان دھریں گے؟ تمہیں اس بات کا یقینی علم ہونا چاہیے کہ یہ رسائل مَلأ اعلیٰ کے بے شمار رہائشیوں کی توجہ کا اور تعظیم وتبریک کا مرکز بن چکے ہیں، اس لیے کثرت کی کوئی خاص اہمیت نہیں، قیمت کیفیت کی ہوتی ہے کمیت کی نہیں۔ مخلص اور فداکار قسم کا صرف ایک طالب علم ایک ہزار کے برابر ہے۔ اور ان چند کلمات کی بدولت اس کی نا اُمیدی بہت جلد کافور ہو گئی۔

شروع شروع میں استاد پیدل چلتے ہوئے شہر کی مضافاتی آبادیوں میں کافی دور تک نکل جایا کرتے تھے، پھر تانگہ استعمال کرنے لگے، اور ایک دن بھی اس پر کرایہ دیے بغیر نہ بیٹھے۔ اُن کی عادت تھی کہ جب کوئی چیز خریدنا ہوتی ہم سے اس کی قیمت دریافت کرتے رہتے، ہم انہیں صرف لاگت بتایا کرتے تھے، لیکن وہ جب خریدتے تو ہمیں ہماری بتائی ہوئی قیمت سے زیادہ دے دیتے اور کہتے: میں پیسے دیے بغیر لینا پسند نہیں کرتا، مجھے جو کھانا تحفے میں دیا جاتا ہے میں اگر کسی نہ کسی بہانے اس کا معاوضہ نہ دوں تو وہ مجھے بیمار کر دیتا ہے، اور یہ چیز بھی اسی طرح کی ہے؛ اس لیے میں اس کی قیمت ضرور دوں گا۔

ہواخوری کی یہ روِش سردیوں میں بہت کم ہو جاتی؛ اور بقیہ تمام موسموں میں بڑھ جاتی، یہ شہر چاروں اطراف میں کافی پھیلا ہوا تھا، اور اس میں کچھ جگہوں پر نوری مدارس بھی قائم ہو چکے تھے، ان میں جا کر وہ رسائل کی تصحیح کرتے، لیکن چونکہ وہ ایک طرف سے دائمی نگرانی میں ہوتے تھے، اور دوسری طرف وہ پولیس اور خفیہ کی نظروں میں ہوتے تھے، اس لیے 1947ء تک وہ اکیلے ہی گھومتے پھرتے، اکیلے ہی اُٹھتے بیٹھتے اور اکیلے ہی رسائل کی تصحیح کرتے، اور سوائے ایک طالب علم کے[1] کہ جو کوچوانی کے فرائض سرانجام دیتا تھا، ان کے ساتھ دوسرا کوئی نہیں ہوتا تھا، اور منزل مقصود پر پہنچ کر وہ بھی علیحدہ ہو جاتا اور آپ اکیلے رہ جاتے۔

شہر کے مضافاتی علاقے میں جا کر زیادہ تر وہ ہاتھوں سے لکھے ہوئے رسائلِ نور کی تصحیح کرتے، پھر ایک مُدت کے بعد ''اسپارٹا'' اور ''اینہ بولو'' سے آپ کے رسائل نور کی خدمت میں فنا ہو جانے والے طلبہ ٹائپ رائٹر حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے، تب انہوں نے رسائلِ نور کے مجموعوں کو اس کے ذریعے لکھنا شروع کر دیا اور استاد ان کی تصحیح میں لگ گئے۔

استاد رسائل نور کو ہاتھ سے لکھنے اور انہیں مشین کے ساتھ ٹائپ کرنے کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے، استاد کا اپنا خط ایک تو خوبصورت نہیں تھا، دوسرے یہ کہ وہ تیز بھی نہیں لکھ سکتے تھے، چنانچہ اس خدمت میں وہ رسائل کی تصحیح کر کے شریک ہو جاتے تھے، ان کا یہ تصحیحی عمل کئی کئی گھنٹے تک چلتا اور اس دوران وہ کسی تھکاوٹ یا اکتاہٹ کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ نور کی خدمت ان کے لیے ایک قسم کی معنوی غذا بن چکی تھی اور وہ شدید ترین مرض میں بھی اسے جاری رکھتے تھے۔

---

[1] ہر وہ جگہ جس میں رسائلِ نور پڑھے جاتے ہیں اور ان کی درس وتدریس ہوتی ہے، اُسے نوری مدرسہ ہی شمار کیا جاتا ہے۔

یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ استاد سماجی زندگی سے کنارہ کش ہو چکے تھے اور انہیں دوسرے لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنے سے روک دیا گیا تھا، چنانچہ وہ کسی کے ساتھ ملاقات نہیں کرتے تھے اور اُس اُنس اور تسلّی سے محروم ہو چکے تھے جو انسان اپنی جنس کے لوگوں سے مل کر محسوس کرتا ہے، لیکن انہوں نے اپنی اس محرومی میں بھی دولتمندی و بے نیازی کا ایک لافانی خزانہ پالیا، اور وہ اس طرح کہ رحمت الٰہی نے انہیں انوار سے نواز دیا؛ کیونکہ اولاد اور اہل وعیال تو وہ رکھتے نہیں تھے، دنیاوی مال ومتاع سے وہ محروم تھے، اور زمین کا ان کے پاس ایک فٹ بھی نہیں تھا، ان کی کُل جمع پونجی صرف رسائلِ نور تھے، اور یہی ان کی کل کائنات تھے، یہ ان کے لیے سوز وسرور کا باعث اور تسلّی و دلاسے کا سرچشمہ تھے، اس لیے وہ اپنی تمام تر اِمکانی صلاحیتوں کے ساتھ "نور" کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کا فطری وظیفہ انوار کا تعلّم، اُن کی تعلیم اور لوگوں میں ان کی نشر واشاعت ہے۔

سیر وگردش کے دوران ان کا مختلف قسم کے لوگوں کے ساتھ پالا پڑتا تھا، اور وہ خود بھی زراعت وتجارت کے ساتھ تعلق رکھنے والے بہت سے لوگوں کے ساتھ میل ملاقات رکھتے تھے، اور کھیتوں کھلیانوں، پہاڑوں، وادیوں اور جنگلوں میں جہاں بھی کوئی ملتا اس کے ساتھ بات چیت کرتے تھے، اور آپ کی بات چیت میں جو شیرینی اور بلاغت ٹپکتی تھی وہ بیان سے باہر ہے، اور وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی وہ کلّی قرآنی خدمت جس کا بیڑا انہوں نے اٹھا رکھا تھا، اس سے قطعِ نظر آپ نے ان لوگوں کو جو تعلیم وتربیت اور رہنمائی سے نوازا ہے اس کے علاوہ آپ کا کوئی عمل اور کوئی بھی خدمت نہ ہوتی، تو خود یہی کردار ہی ایک منفرد، جلیل القدر اور گہری تاثیر کی حامل خدمت شمار ہوتی۔ جی ہاں، اس میدان میں آپ نے جو کردار ادا کیا ہے وہ کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ انہوں نے جیسے اپنی "بارلا" میں اقامت کے دوران وہاں کے عورتوں مردوں سب رہائشیوں کو طلّابِ نور اور آخرت کے بھائی سمجھا، وہی انداز "امیر داغ" اور ملحقہ بستیوں میں اختیار کیا؛ کیونکہ وہاں اُن کے بہت زیادہ شاگرد اور آخرت کے بھائی تھے، اور بچوں کے ساتھ تو ان کا ایک شفقت بھرا خصوصی تعلق تھا۔

استاد کی عفت واستقامت کسی تعارف کی محتاج نہیں، یہ تو ان کی ایک مشہور عام اور مشاہدے کے ذریعے ثابت شدہ خصلت ہے، ان کے بعض رسائل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ عنفوانِ شباب میں بھی عورتوں کے ساتھ باتیں کرنے سے یا ان کی طرف دیکھنے سے گریز کرتے تھے، اور آپ کی صحبت میں رہنے والے اور آپ کو قریب سے جاننے والے لوگ اس بات کی تصدیق اور تائید کرتے ہیں، شہر کے لوگ اُن کی ذات میں فضیلت کا ایک بلند پایہ نمونہ دیکھ چکے تھے، اس لیے انہوں نے آپ کے ساتھ اُخروی معنوی تعلقات استوار کر لیے، آپ ان محترم خواتین دوشیزاؤں کے لیے بہت زیادہ دعائیں کیا کرتے تھے جو نماز کی پابند تھیں، اور انہیں اپنی اُخروی بہنیں کہا کرتے تھے، اسی طرح آپ ان چھوٹے بچوں کے لیے بھی دعا کیا کرتے تھے جنھیں اپنے طالب علم اور معنوی بیٹے سمجھتے تھے۔

آپ ان عورتوں کو چھوٹے چھوٹے جملوں میں کہا کرتے تھے کہ عورت شفقت ورحمت کی علامت ہے، اس دور میں ہماری عورتوں کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ بچوں کی اسلامی نقطۂ نظر سے تربیت کریں اور انہیں اسلامی ماحول میں پروان چڑھائیں۔ اپنی اولاد کی اُخروی زندگی کی ذمہ داری صرف انہی کے کندھوں پر ہے۔ وہ جب کبھی زیادہ بیمار ہوجاتے، یا مشکلات میں گھر جاتے تو ان سے کہتے کہ میرے لیے دعا کرو، وہ خود اگرچہ اُن کے ساتھ بہت کم بات چیت کیا کرتے تھے، لیکن خواتین اپنی صاف دلی کی وجہ سے یہ بات اچھی طرح سمجھتی تھیں کہ آپ حق وحقیقت کے مالک ایک بہت بڑے انسان ہیں۔

بچوں کے ساتھ آپ کی بات چیت بڑی سبق آموز ہوتی اور اُن کے لیے خوشی کا باعث بنتی، ''امیر داغ'' اور اردگرد کی بستیوں کے بچوں کی جب آپ پر نظر پڑتی تو وہ بھاگ کر آپ کے پاس آتے، اور آپ بھی انہیں ایسے اہمیت دیتے جیسے کہ وہ بڑی عمر کے آدمی ہوں، آپ پورے دل سے ان کی طرف متوجہ ہوتے اور انہیں کہتے: میرے بیٹو! تم معصوم اور گناہوں سے دور ہو، میں بہت بیمار رہتا ہوں، اس لیے میرے حق میں دعا کیا کرو؛ کیونکہ تمہاری دعا قبول ہوتی ہے۔ میں نے بھی تمہیں اپنا شاگرد اور معنوی بیٹے سمجھ کر اپنی دعاؤں میں شریک کیا ہوا ہے۔

بچے آپ کے ساتھ بہت پیار کرتے تھے، اور پیار کا اظہار کرتے وقت ان کی آنکھیں ڈبڈبا جایا کرتی تھیں، آپ ان کے ساتھ سلام دعا کرتے وقت صدق واحترام کا اتنا اظہار کرتے تھے کہ بسا اوقات بڑی عمر کے غافل لوگوں کو بھی نصیب نہ ہوتا، اور کہتے تھے: یہ مستقبل کے طلّابِ نور ہیں، اور میرے ساتھ یہ اس طرح کی وابستگی کا اظہار اس لیے کرتے ہیں کہ ان کی پاکیزہ روحیں جانتی ہیں کہ رسائلِ نور ان کی امداد اور دستگیری کے لیے آئے ہیں، اس لیے مجھے رسائل نور کا ترجمان اور پیش کار جان کر یہ میرے ساتھ تعلق اور والہانہ محبت کا اظہار کرتے ہیں۔

اپنے ہاں آنے والے نوجوانوں کو استاد نماز کی ضرورت واہمیت کی تاکید کرتے تھے، اور انہیں بتاتے تھے کہ وہ رسائل نور پڑھتے رہیں گے اور دورِ حاضر کی رذالتوں اور خباثتوں سے کنارہ کش رہیں گے تو بہت سے فائدوں اور سعادتوں سے ہمکنار ہوں گے۔ استاد کے ان درسوں نے ہزاروں نوجوانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کر دیا۔

آتے جاتے سرِ راہ یا کھیتوں میں جو افسر یا ملازم مل جاتا تو اُسے اس کے ماحول کے مطابق نصیحت ضرور کرتے اور اُسے نماز کی اہمیت یاد دلاتے، اور انہیں بڑی وضاحت کے ساتھ بتاتے کہ تمہاری یہ دنیاوی ذمہ داریاں تمہاری حسنِ نیت کی وجہ سے عبادت بن جاتی ہیں، اور خاص طور پر یہ بات انہیں بڑی وضاحت سے بتاتے کہ جو لوگ دین کو تہذیب و ترقی کے لیے رکاوٹ سمجھتے ہیں، ان کی باتیں صرف وہم وگمان و ہذیان کی حیثیت رکھتی ہیں، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ تہذیب وترقی کی راہیں صرف دین کے ذریعے ہی کھلتی ہیں، اور یہ کہ فرد ومعاشرہ اور قوم ووطن جب ایمان کے نور سے منوّر ہوجاتے ہیں تو مادی اور معنوی فیروز بختی اور تحریک وترقی بروئے کار آجاتی ہے۔

جی ہاں، انسان جب نماز کی پابندی کرے اور پوری استقامت کے ساتھ سرگرمِ عمل ہوجاتا ہے تو اس کے دنیاوی

کاروبار اور سرگرمیاں ایک ایسی عبادت کا درجہ اختیار کر جاتی ہیں جس کا اسے آخرت میں اجر ملے گا اور اس کی برکت سے وہ ابدی سعادت سے ہمکنار ہو جائے گا۔

اس طرح کی بنیادی تعلیمات بلاشبہ انسان کی ہمت بندھاتی ہیں اور اسے پوری سرگرمی سے سعی وعمل پر آمادہ کر دیتی ہیں۔ اس طرح کی حقیقت تمام لوگوں کو بتانی چاہیے، اور ملازموں، افسروں، محنت کشوں اور دیگر لوگوں کو اسے اپنے لیے رہنما بنانا چاہیے۔[1]

---

[1] ذیل میں ان درسوں سے اخذ کر کے کچھ باتیں درج کی جا رہی ہیں جو استاد اپنے ملاقاتیوں کو دیتے تھے؛ اور یہ باتیں اس بات کو پوری تاکید کے ساتھ ثابت کرتی ہیں کہ انسان دینی فرائض کا اہتمام کر کے اپنے دنیاوی اعمال کو عبادت کی شکل میں ڈھال سکتا ہے:

1۔ ہم ایک دفعہ استاد کے ساتھ ''اَسکی شہر'' کے ''پلدز'' نامی ہوٹل میں تھے کہ ایک شوگر مل کے کچھ ملازم اپنے مینیجر کے ہمراہ آپ کی ملاقات کے لیے آئے، استاد نے ان کی طرف توجہ کی اور چند الفاظ میں کہا: تم لوگ فرض نمازیں ادا کرو گے تو تمہارا یہ تمام عمل عبادت بن جائے گا، کیونکہ تم لوگوں کی ضروریات کو پوری کرنے والی بابرکت خدمت سرانجام دے رہے ہو۔

2۔ ایک دفعہ ہم ''اَئیریدر'' کی سڑک کے کنارے پر اتر کر ''رہنمائے شباب'' نامی کتاب پڑھ رہے تھے کہ اچانک ریلوے لائن پر کام کرنے والا ایک آدمی آ گیا، استاد نے اُسے توجہ دی اور کہنے لگے وہ جب فرائض ادا کرے گا اور کبیرہ گناہوں سے کنارہ کش رہے گا تو اس کا یہ دنیاوی کام عبادت بن جائے گا، کیونکہ وہ اس ٹرین کے ذریعے جو دس گھنٹوں کا سفر ایک گھنٹے میں کر لیتی ہے، عام لوگوں کے لیے اور اللہ کے خاص بندوں کے لیے ایک بہت بڑی خدمت سرانجام دے رہا ہے، اور یہ خدمت ضائع اور بے کار نہیں جائے گی بلکہ اس کی ہمیشہ رہنے والی زندگی میں اس کے لیے سرور وسعادت کا سبب بنے گی۔

3۔ بعینہٖ یہی بات آپ نے ''اَسکی شہر'' میں دو ہوابازوں کو، انسپکٹروں اور آفیسروں کو بتائی، اور انہیں کہا: وہ دن آنے والا ہے جب یہ جہاز اسلام کی عظیم الشان خدمت سرانجام دیں گے، اس لیے تم لوگ جب فرض نماز پابندی کے ساتھ ادا کرو گے، اور فوج میں ہونے کی وجہ سے جو نمازیں تم سے چھوٹ گئی ہیں ان کی قضائی دو گے، تو تمہارے ہر دن کا ہر گھنٹہ دس گھنٹوں کی عبادت کا حکم لے لے گا، بلکہ ایک فوجی پائلٹ کا ایک گھنٹہ اسے تیس گھنٹوں کی عبادت عطا کر دے گا، اور اس سعادت کے لیے یہی کافی ہے کہ اُس کے دل میں ایمان کا نور ہو اور وہ نماز ادا کرتا رہے جو کہ ایمان کا لازمی حصہ ہے۔

4۔ ''بارلا''، ''اسپارٹا'' اور ''امیرداغ'' وغیرہ میں چلتے پھرتے جن چرواہوں اور گڈریوں کے ساتھ آپ کی ملاقات ہوتی، آپ انہیں کہتے: تمہارا ان جانوروں کو چرانا ایک بہت بڑی عبادت ہے، خود انبیاء علیہم السلام نے بھی گلّہ بانی کا کام کیا ہے۔ تمہاری ذمہ داری صرف یہ ہے کہ فرض نماز ادا کرتے رہو تا کہ تمہاری یہ خدمت فی سبیل اللہ ہو جائے۔

5۔ پھر ایک دفعہ ''اَئیریدر'' میں بجلی گھر بنانے والے مردوں سے کہا کہ — اس وقت ان کا ٹھیکیدار بھی ان کے ساتھ ہی تھا — اس بجلی کے تمام لوگوں کو بہت سے فائدے ہیں، اگر تم چاہتے ہو کہ ان عمومی منافعوں میں تم بھی ان کے حصے دار بن جاؤ تو پھر فرض نمازیں ادا کرتے رہو، تمہارا یہ عمل عبادت اور اخروی تجارت بن جائے گا۔

آپ نے لوگوں کی جو اس طرح کی رہنمایاں کی ہیں، شمار سے باہر ہیں۔

از جانب: آپ کی خدمت میں رہنے والے طلبہ

تنبیہ: کتاب تیار کرنے والوں نے یہاں جتنی مثالیں پیش کی ہیں وہ زیادہ تر ''امیرداغ'' میں دوسری جلاوطنی والے سالوں میں واقع ہوئی ہیں، یعنی 1952ء میں اور اس کے بعد والے مرحلے میں جب کہ پچھلی صدی کی پانچ دہائیوں میں ڈیموکریٹک پارٹی کے اقتدار میں آنے کے بعد اُستاد کو اِدھر اُدھر نقل وحرکت کے بارے میں کچھ آزادی حاصل ہو گئی تھی۔

یہ باتیں جو ہم نے بیان کی ہیں سمندر کے ایک قطرے کی اور استاد کی انجام دی ہوئی جلیل القدر خدمت کے ایک جز کی حیثیت رکھتی ہیں۔ پس وہ لوگ کتنے گھاٹے میں ہیں جو اسلام کو رجعیت اور مسلمانوں کو رجعت پسند کہتے ہیں!

☆ ☆ ☆

امیر داغ میں اِقامت کے دوران ان کے اور ان کے شاگردوں کے درمیان چلنے والے خط و کتابت کے سلسلے سے چند نمونے

میرے امیر داغ میں رہنے والے بھائیوں کے نام ایک خط

میرے بارے میں جن لوگوں کے دلوں میں ظنون و اَوہام اور خدشات جنم لے رہے ہیں، ان سے کہہ دو کہ یہ آدمی جس کی خدمت کے لیے ہم ہمہ وقت حاضر رہتے ہیں، حکومت نے بہت زیادہ تفتیش کے بعد اس کی تمام تر کتابیں، اسرار و رموز اور بیس سال کے عرصے پر پھیلے ہوئے تمام عمومی و خصوصی خطوط و مراسلات حاصل کر لیے ہیں، اور ''اسپارٹا''، ''دنیزلی'' اور ''انقرہ'' کی عدالتوں اور تحقیقاتی محکموں نے نو مہینوں تک اُن کی بڑی گہری نظر سے جانچ پڑتال کی ہے، لیکن اُنہیں ان کے کاغذات کے بھرے ہوئے پانچ صندوقوں میں سے کوئی بھی ایسی چیز نہ مل سکی جو ان کی سزا کا یا ان کے کسی طالب علم کی سزا کی مستوجب بنتی ہو، اگر چہ ایک دن کی جیل ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ ''دنیزلی'' کی عدالت سے اور انقرہ کے ماہرین کی کمیٹی کی جانب سے ان کی بے گناہی کا فیصلہ صادر ہو گیا۔

پھر یہ آدمی ہم جس کے بڑھاپے کے احترام میں ان کے ضروری معاملات کا خیال رکھتے ہیں، اُس نے عدالت میں یہ دعویٰ کیا ہے اور اپنے اس دعوے پر عدالت میں حاضر تمام دوستوں کو گواہ بنایا ہے اور ان لوگوں نے اس کی تصدیق کی ہے کہ اس نے گزشتہ بیس سالوں سے نہ تو کوئی اخبار پڑھا ہے، نہ کسی سیاسی کتاب کا مطالعہ کیا ہے، نہ ان معاملات کے بارے میں کسی سے پوچھا ہے اور نہ کسی کے ساتھ اس ضمن میں بات کی ہے، اور یہ کہ گزشتہ دس سال سے ملک کے دو سربراہوں، والیٔ شہر اور پارلیمنٹ کے ایک نائب کے علاوہ حکومت کے آدمیوں اور بڑے ذمہ داروں میں سے کسی کو بھی نہیں جانتا ہے، اور اُسے اُن کے ساتھ جان پہچان کرنے کا شوق بھی نہیں ہے۔

اور یہ کہ اس نے گزشتہ تین سال سے دوسری جنگِ عظیم کے بارے میں نہ کسی سے پوچھا ہے، نہ اُسے اس بارے میں کوئی علم ہے، نہ اُس نے جنگ کے معاملے کو کوئی اہمیت دی ہے اور نہ ہی کبھی ریڈیو سنا ہے۔

اور اس کی ایک سو تیس کے قریب تالیفات کو پچھلے بیس سال سے ایک لاکھ کے قریب لوگ بغور پڑھ چکے ہیں، اس کے باوجود حکومت کو ان میں ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئی جو علاقے کے نظم و نسق اور امن و استقرار میں خلل کا باعث بنی ہو یا

وطن وقوم کے لیے نقصان دہ ثابت ہوئی ہو۔

یہ تالیفات پانچ صوبوں کی امن کمیٹیوں کے اور تفتیشی اداروں کے ہاتھ لگیں، اور دارُ الحکومت سمیت چار صوبوں کی فوجداری عدالتوں کے حوالے کی گئیں، لیکن ان تمام اداروں کو ان میں کوئی ادنیٰ سا جرم بھی نظر نہ آیا جس کی وجہ سے یہ ادارے اس سے پابندی ہٹانے پر مجبور ہو گئے اور اُسے اور اس کے طالب علموں کو رہا کرنا پڑا۔

پس اگر اس آدمی میں دنیا کے لیے کوئی رغبت یا سیاست کی طرف کوئی میلان ہوتا تو اس کی طرف سے کچھ اس طرح کی حرکات وعلامات کا اظہار لازماً ہوتا جو اس پر دلالت کرتیں، لیکن اِدھر صورتِ حال یہ ہے کہ ان لوگوں کو اس کے مقدمے میں اس طرف کی کوئی چیز نہ ملی جس کی وجہ سے ہٹ دھرم قسم کا سرکاری وکیل بھی ''وقوع'' کے بجائے ''ممکن الوقوع'' کی تعبیر استعمال کرنے کے لیے مجبور ہو گیا، چنانچہ اس نے میرے خلاف اپنے استغاثے میں میرے لیے یہ بات بار بار دہرائی ہے کہ: ''ممکن ہے کہ یہ ایسا کام کرے'' وغیرہ، لیکن یہ کہیں نہیں کہا: ''اس نے یہ کام کیا ہے''۔ اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ ان دونوں تعبیروں میں کتنا فرق ہے! حتیٰ کہ خود سعید نے سماعت کے دوران ان سے کہا: ہر شخص کے لیے قتل کرنا ممکن ہے، اس بنا پر آپ کے اس دعوے کی روشنی میں ہر شخص کو — حتیٰ کہ آپ کو بھی — عدالت میں کھڑا کرنا چاہیے''!!

الحاصل: یہ آدمی[1] یا تو اس حد تک پاگل ہے کہ اُسے دنیا کے ہوش رُبا حالات کی قطعاً پروا نہیں ہے، اور یا پھر یہ ہے کہ وہ اس وطن اور ابنائے وطن کے لیے سب سے بڑی سعادت بروئے کار لانے کے لیے اتنے اخلاص کے ساتھ کام کر رہا ہے کہ اس راہ میں کسی بھی چیز کو کوئی اہمیت نہیں دیتا ہے۔ بات جب کچھ اسی طرح کی ہی ہے تو پھر اس پر ظلم ڈھانا اور سختیاں کرنا قوم و وطن اور امن و استقرار کے ساتھ خیانت کے علاوہ اور کچھ نہیں، اور اس کی وجہ سے یہ خوف، اندیشے اور وسوسے صرف اور صرف پاگل پن کی علامت ہیں۔

☆ ☆ ☆

اپنے آپ سے گفتگو

یہ شکوہ میں آپ لوگوں کے حوالے کر رہا ہوں، اس میں تصحیح کر کے، تو اگر ضرورت محسوس کریں، ''اَنقرہ'' کے اُوپر والے سرکاری محکموں تک پہنچا دیں۔

خود جج ہی اگر مدعی بن جائے تو پھر میرے جیسا مسکین تو یہی کہہ سکتا ہے نا کہ کس کا شکوہ کروں اور کس سے کروں؟ میں تو اپنے معاملے میں حیران ہو چکا ہوں۔

جی ہاں، میری حالت اِن دنوں اُس سے بھی زیادہ خراب ہے جو جیل میں تھی، بلکہ میری موجودہ حالت تو اتنی پتلی ہے

[1] استاد اس سے مراد خود کو ہی لے رہے ہیں۔

کہ صرف ایک دن میں اتنی تکلیفیں جھیلتا ہوں جتنی انفرادی جیل میں ایک مہینے میں پیش آتی ہیں ۔ اور میں اجنبیت، بڑھاپے، فقر و فاقے اور ضعف و ناداری کے ساتھ ساتھ سردی کے شدید ترین تھپیڑوں میں ہر چیز سے محروم ہوں، اور دو آدمیوں کے علاوہ کسی بھی شخص سے ملاقات کرنے سے روک دیا گیا ہوں، ان میں سے ایک تو بچہ ہے اور دوسرا بیمار، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ میں گزشتہ بیس سالوں سے ہر حالت میں انفرادی جیل میں سزا جھیل رہا ہوں۔ میں تو اس بات سے ڈرتا ہوں کہ مجھ پر ڈھایا جانے والا یہ ظلم وتشدد اگر اسی طرح جاری رہا اور میری یہ کڑی نگرانی اور ہر چیز سے محرومی اگر ختم نہ کی گئی تو غیرتِ خداوندی حرکت میں آجائے گی اور کوئی مصیبت نازل ہوجائے گی۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ میں نے عدالت میں کہا تھا کہ یہ خوفناک قسم کے چار زلزلوں کا وقوع میں آنا جس طرح اُس وقت کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے جس میں ہم ظلم وستم سے دو چار ہوئے تھے، اسی طرح کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں، حتی کہ میرا تو خیال یہ ہے کہ ''افیون'' کی عدالت میں بھڑکنے والی آگ بھی اسی قبیل سے تھی؛ اور وہ اس طرح کہ میں نے اُس عدالت پر اعتماد کا اظہار کیا تھا تاکہ وہ مجھے اور میرے حقوق کو تحفظ فراہم کرے، لیکن اس نے اپنا رویہ بدل لیا اور میں نے خاص طور پر رسائل نور کے بارے میں جو ''دنیزلی'' کی عدالت سے رجوع کیا تھا اس سے اُس نے تجاہل کا اظہار کیا اور میری اُمیدوں پر بُری طرح پانی پھیرتے ہوئے میرے بیانات کو بالکل ہی بے معنی قرار دینے لگی۔ ہوسکتا ہے اس کی یہ روش اس آگ کا سبب بن گئی ہو۔

اور میں کہتا ہوں کہ: میری مکمل طور پر حمایت کرنا اور مجھے تحفظ فراہم کرنا ایک اہم ترین ذمہ داری ہے جو اس وقت اس صوبے کے ذمہ داران پر، اس کی پولیس پر اور انسانی معاملات کو انصاف کے ساتھ سرانجام دینے والے ججوں کے کندھوں پر عائد ہوتی ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرکزی حکومت نے اور اس کے ساتھ تین عدالتوں نے میری ان تالیفات پر اور میرے مراسلات میں جو بیس سال میں میرے قلم سے نکلے ہیں، اُن میں نو ماہ تک بڑی گہری نظر کے ساتھ تحقیق وتفتیش کرنے کے بعد اپنا وہ فیصلہ صادر کیا جو ہماری بے گناہی ثابت کرتا اور ہمیں آزاد کردینے کا تقاضا کرتا ہے، لیکن ایک خفیہ تنظیم کہ جو غیروں کی مصلحتوں کے لیے کام کرتی ہے اور اپنے وطن کو نقصان پہنچا رہی ہے، اس تنظیم کے افراد نے اس فیصلے کو سبوتاژ کرنے کی بھرپور مذموم کوشش کی، چنانچہ وہ بات کا بتنگڑ بنا کر بعض ذمہ دار افسروں کے خدشات کو اُبھار کر انہیں میرے خلاف بھڑکانے لگے، ان کے سامنے ہدف صرف یہ تھا کہ میرا صبر ختم ہوجائے اور میں بس بس کہہ اُٹھوں!

البتہ اِس وقت یہ لوگ جو میری وجہ سے پریشان ہورہے ہیں اس کی ایک وجہ اور بھی ہے، اور وہ یہ کہ ہے میری خاموشی اور میرا ان کے دنیاوی اُمور میں عدم مداخلت کا رویّہ، ایسے لگتا ہے جیسے وہ کہہ رہے ہوں کہ یہ دخل اندازی کیوں نہیں کرتا؟ اسے دخل اندازی کرنا چاہیے تاکہ ہمارا مقصد پورا ہوسکے!

میں آپ کے لیے اُن بعض حیلوں کی وضاحت کرتا ہوں جو انہوں نے حکومت کے بعض ذمہ داران کو میرے خلاف بھڑکانے کے لیے استعمال کیے، اِن لوگوں نے اُن سے کہا: سعید بڑے اثر و نفوذ کا مالک بن چکا ہے، اس کی تالیفات بہت زیادہ اور بڑی پُر تاثیر ہیں، اور یہ کہ اس کے ساتھ جو بھی میل جول رکھتا ہے اس کا دوست بن جاتا ہے، معاملہ جب ایسے ہی ہے تو پھر اسے ہر چیز سے محروم کر کے اس کے اثر و نفوذ کو توڑنا چاہیے، اس کی نیک نامی کو بدنام کرنا چاہیے، لوگوں کو اس سے دور کرنا چاہیے اور جو لوگ اس کے ساتھ دوستی کا دم بھرتے ہیں انہیں ڈرانا دھمکانا چاہیے، اس طرح ان کی حیلہ سازی حکومت پر کارگر ثابت ہوگی اور میرے خلاف تشدّد کا رویہ جائز ہو جائے گا۔

اور میں کہتا ہوں: اے اس وطن اور اہلِ وطن کے ساتھ محبت رکھنے والے بھائیو! اثر و نفوذ واقعتا موجود ہے جیسے کہ یہ منافق لوگ کہتے ہیں، لیکن وہ اثر و نفوذ میرا نہیں بلکہ رسائل نور کا ہے، اور یہ اثر و نفوذ توڑا نہیں جا سکتا، بلکہ جُوں جُوں اس کی رکاوٹ بننے والے رکاوٹ بنتے جائیں گے ان کی قوت بڑھتی جائے گی۔ اور یہ ایک ایسا اثر و نفوذ ہے جو اس قوم و وطن کے خلاف کبھی بھی استعمال نہیں ہوا ہے، بلکہ ایسا کرنا جائز ہی نہیں، بلکہ ممکن ہی نہیں۔

میں نے گزشتہ بیس سالوں میں جو کچھ لکھا ہے دو عدالتوں نے اسے بڑی ہی گہری نظر سے دیکھا ہے، اور ان دونوں کے اس تحقیقی و تدقیقی عمل میں دس سال کا عرصہ تھا، لیکن ان دونوں عدالتوں کو ان تحریروں میں کوئی ایک بھی حقیقی سبب نظر نہ آیا جو اُسے سزا دینے کا سبب بن سکتا ہو۔ اور یہ چیز ہمارے دعوے کے لیے ایک ایسے گواہ کی صورت میں سامنے آتی ہے جس پر جرح نہیں ہو سکتی۔

اور میں یہ بھی کہتا ہوں: کوئی شک نہیں کہ تالیفات بڑی ہی پُر تاثیر ہیں، لیکن یہ تاثیر قوم و وطن کی مصلحت کے لیے کام آتی ہے اور ایک لاکھ اشخاص کی سعادت اور ابدی زندگی کی خدمت میں رہتی ہے۔ کیونکہ یہ تالیفات انہیں کسی بھی طرح کا نقصان دیے بغیر مضبوط قسم کے تحقیقی ایمان کی تلقین کرتی ہیں۔

''دنیزلی'' کی جیل میں صرف ''رسالۃ الثمرۃ'' پڑھنے سے ہی ایسے سینکڑوں قیدی ٹھیک ہو گئے جن میں سے بعض بڑے گھناؤنے جرائم کی پاداش میں جیل کی ہوا کھا رہے تھے، اور بعض دو دو تین تین قتلوں میں ملوّث تھے لیکن اب ان کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ ایمان کے ان دروس کی برکت سے وہ ایک مچھر مارنے سے بھی ڈرتے تھے، حتیٰ کہ جیلر نے خود اس بات کا اعتراف کیا کہ جیل ایک مدرسۂ نوریہ کا رُوپ اختیار کر چکی ہے، اور یہ چیز دعوے کی ایک ناقابل تردید سند اور حجت ہے۔

اسی طرح میں یہ بھی کہتا ہوں کہ مجھے ہر چیز سے محروم کر دینا بلا شبہ اہلِ وطن کے حق میں عذابِ الیم، بھیانک ظلم، بہت بڑی خیانت اور غداری ہے؛ کیونکہ اِس متدین قوم کو مجھ سے کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچی، حالانکہ میں نے ان کے درمیان تیس چالیس سال گزارے ہیں، اس قوم کو ایمانی و معنوی قوت کی اور دلاسے کی بہت زیادہ ضرورت ہے، اور

اس کی قطعی دلیل یہ ہے کہ اس قوم کے بیٹوں نے رسائل نور کے ساتھ اتنے والہانہ انداز کے ساتھ محبت کا اظہار کیا ہے کہ جس کی نظیر مشکل سے ہی ملے گی، اور اس ضمن میں انہوں نے میرے خلاف ہونے والے ہر حملے کے پس پردہ چھپی ہوئی سازش کو بھانپ لیا اور اُنہیں غلط سمجھ کر کوئی اہمیت نہ دی، اس حد تک کہ مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ یہ لوگ مجھے جتنا احترام دیتے ہیں میں اس کا مستحق نہیں ہوں، اور وہ اپنے اس رویے سے مجھے میرے قد سے سوگنا زیادہ بڑھا دیتے ہیں۔

میں نے سنا ہے کہ صوبائی حکومت نے میرے نان نفقے اور میری رہائش کے بارے میں مرکزی حکومت سے رابطہ کیا تھا، اور اسے جواب اثبات میں ملا تھا، میں ان کے اس انسانی جذبے کی تعریف کرتا ہوں، ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ: مجھے جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ ہے آزادی جو کہ میری زندگی کا بنیادی دستور ہے، اور یہ کہ کچھ بے اصل اَوہام وخدشات کی بنا پر مجھ پر ایسی پابندیاں عائد کر دینا اور میرے آزادی کے پاؤں میں ظلم واستبداد کی ایسی بیڑیاں پہنا دینا کہ جن کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی ہے، اس سے خود مجھے یہ زندگی ہی بوجھل لگنے لگی ہے اور میں ایسی زندگی سے اُکتا تا جا رہا ہوں۔ میرے نزدیک جیل، کال کوٹھڑیاں بلکہ قبر بھی اس حالت سے کہیں بہتر ہے۔ یہ بات اور ہے کہ صبر وتحمل مجھے یہ اطمینان بخش دیتے ہیں کہ ایمانی خدمت کی راہ میں جتنی زیادہ مشقت اٹھائی جائے گی اجر کی زیادتی کا سبب بنے گی۔

تو جب انسانی جذبات کے حامل یہ لوگ مجھ پر ظلم نہیں کرنا چاہتے تو انہیں چاہیے کہ پھر قانونی دائرے میں رہتے ہوئے میں جتنی آزادی کا مستحق ہوں اس پر کوئی قدغن نہ لگائیں؛ کیونکہ میں روٹی کے بغیر تو زندہ رہ سکتا ہوں لیکن آزادی کے بغیر نہیں۔

جی ہاں، وہ آدمی جس نے اس دیارِ غربت میں انیس سال تک فقط دو سوتر کی لیرے کے ساتھ گزارہ کیا ہے اور آخری درجے کی کفایت شعاری ریاضت ومجاہدے سے کام لیا ہے، کسی کے سامنے اپنی ضرورت کا اظہار نہیں کیا ہے، جو کسی کے زیرِ بارِ احسان نہیں رہا ہے، جس نے کسی کا صدقہ وخیرات وزکوٰۃ تنخواہ اور ہدیہ قبول نہیں کیا ہے، ایسا آدمی بلاشبہ عدل وانصاف کے سائے میں نان ونفقہ سے بھی زیادہ آزادی کا محتاج ہے۔

جی ہاں، مجھ پر اتنی سختیاں کی جا رہی ہیں کہ جن کی مثال ملنا مشکل ہے، اس کے لیے میں صرف چھوٹی چھوٹی مثالیں پیش کرتا ہوں۔

ایک مثال ''رسالۃ الثمرہ'' ہے جسے عدالت نے رسائلِ نور کا علمی دفاع شمار کیا ہے، اور جسے میرے منجملہ دفاعی بیانات کے ساتھ انقرہ میں رئیس جمہوریت اور حکومت کے دیگر سات بڑے عہدیداران کی طرف بھیجا گیا، اور یہی رسالہ ''انقرہ'' میں بنائی گئی ماہرین کی کمیٹی کی داد وتحسین پر مشتمل رپورٹ کے بعد ہماری بے گناہی کا سبب بن گئی، اور

میرے جیل کے ساتھیوں نے بطور یادگار اپنے خوبصورت خط کے ساتھ اس کے چند نسخے لکھ لیے، وہ نسخے میرے پاس محفوظ ہیں: ''دنیزلی'' کی پولیس نے وہ نسخے دیکھے تھے لیکن ان سے کوئی تعرّض نہیں کیا تھا، ''افیون'' کی پولیس کے ہاں صرف ایک رات کے لیے انہیں دیکھنے کی اجازت دی گئی، اسی طرح یہاں بھی پولیس کی نگرانی میں ایک رات کے لیے اس چیز کی اجازت دی گئی......

پس یہ رسالہ جس کا میں نے ذکر کیا ہے، اسے اور اپنے دفاعی بیان کی کاپی کو میں اپنی اس قلق واضطراب کی حالت میں اس ڈر سے ہر روز چھپا کر رکھتا تھا کہ مبادا تفتیشی ٹیم چھاپہ مارلے اور مجھ سے چھین کر لے جائے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ میں پریشان بھی بہت زیادہ رہتا تھا؛ کیونکہ میں اس اجنبیت میں کسی بھی شخص سے یہ کہہ نہیں سکتا تھا کہ وہ اسے کہیں چھپا کر رکھ لے جسے میں جانتا نہیں تھا۔

دوسری مثال ''رسالۃ الشیوخ'' کی ہے۔ ''دنیزلی'' کی عدالت نے اس سے بھی کوئی تعرّض نہیں کیا تھا، اور ''اَسکی شہر'' کی عدالت نے اس میں پائے جانے والے صرف ایک لفظ کی وجہ سے اس سے تعرّض کیا تھا، لیکن اس نے صرف ایک حرف کے ساتھ اس کا جواب پالیا...... میں کہتا ہوں: استنبول کے ایک آدمی نے یہاں کے رہنے والے ایک آدمی سے ایک نسخہ لیا اور اسے استنبول لے گیا، اور وہ نسخہ کسی طرح ہمارے خلاف لڑنے والے ایک مُلحد کے ہاتھ لگ گیا، اور اس نے بات کا بتنگڑ بنا کر ایک طوفان کھڑا کر دیا، اور صوبے کی پولیس کو یہ کہتے ہوئے دھوکے میں رکھا کہ اس آدمی کا میل ملاپ کس کے ساتھ ہے؟ اس کے پاس کس طرح کے لوگ آتے ہیں؟ تب ان لوگوں نے میرے ساتھ سختی کا رویہ شروع کر دیا۔

بہر حال بطورِ نمونہ یہ جو چند مثالیں ذکر کی گئی ہیں، اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ فضول، بے کار اور بے فائدہ بات یہ ہے کہ انہوں نے ہر شخص کو میرے بارے میں ڈرا دھمکا کر مجھ سے دور کر دیا ہے سوائے ان دو آدمیوں کے جو میری خدمت پر مامور ہیں، اور ان میں سے ایک تو بچہ ہے، اور دوسرا بیمار، اور اس سے ان کی غرض صرف یہ ہے کہ مجھے لوگوں کے ساتھ بات چیت سے منع کر دیں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر دس لوگ میرے ساتھ گفتگو سے کنارہ کش رہتے ہیں تو پریشانی والی کوئی بات ہی نہیں، کیونکہ ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگ کسی بھی خطرے کی یا ممانعت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پورے دوام کے ساتھ رسائلِ نور کے درس لے رہے ہیں۔

پھر رسائلِ نور اس علاقے کے اندرون اور بیرون میں بہت زیادہ رواج پا چکے ہیں اور غیر معمولی طور پر مشہور ہو چکے ہیں؛ کیونکہ یہ بڑے گہرے حقائق اور قیمتی فوائد پر مشتمل ہیں، چنانچہ ان کے ہزاروں نسخوں میں سے ہر نسخہ میرا قائم مقام ہے اور مجھ سے بہتر انداز کے ساتھ گفتگو کرتا ہے، میرے خاموش ہو جانے سے یہ خاموش نہیں ہوں گے۔ اور انہیں خاموش کیا بھی نہیں جا سکتا ہے۔

پھر عدالت کو اس بات کا مکمل ثبوت مل چکا ہے کہ میں گزشتہ بیس سال سے سیاست سے اپنا ناطہ توڑ چکا ہوں، اور ایسی کوئی علامت سامنے نہیں آئی جو کوئی ایسی چیز ثابت کرتی ہو جو اس کے برعکس ہو، تو اس سے پتا چلا کہ میرے ساتھ تعلق رکھنے والوں سے ڈرنا اور اُن کے بارے میں وَہم میں مبتلا ہو جانا ایک بے معنی امر ہے۔

☆ ☆ ☆

رسائلِ نور کے بارے میں دلچسپی رکھنے والی عدالتوں کے ججوں اور وزیرِ عدل کے ساتھ ایک صراحتی گفتگو

عزیزانِ گرامی! تم لوگ بلا کسی جواز کے ہمارے ساتھ اور رسائلِ نور کے ساتھ کیوں اُلجھ رہے ہو؟

یہ بات یقینی طور پر جان لیں کہ ہم اور رسائلِ نور — تمہارا سامنا کرنا اور تمہارے مقابلے میں میدان میں اُترنا تو در کنار — تمہارے بارے میں سوچنا بھی وقت کا ضیاع سمجھتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کے بارے میں سوچنا ہماری ذمہ داری کے دائرے میں نہیں آتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ رسائلِ نور اور ان کے حقیقی شاگرد اس لیے کام کر رہے ہیں تاکہ پچاس سال کے بعد آنے والی نسل کے لیے خدمتِ عُظمیٰ پیش کر سکیں، اُسے بہت بڑے بھنور میں گرنے سے بچالیں، اور قوم و وطن کو امڈے ہوئے خطرات سے بچالیں۔ جب وہ وقت آئے گا جس کی بات ہم کر رہے ہیں تو یہ لوگ جو اِس وقت ہمیں تنگ کر رہے ہیں، اُس وقت قبروں میں بوسیدہ ہڈیاں بن چکے ہوں گے، اگر ہم — اَز راہِ بحث وجدال — یہ فرض کر لیں کہ اس امن و سلامتی اور سعادت و فیروز بختی کے لیے عمل کرنا مقابلے میں اُترنے یا چیلنج کرنے کی حیثیت رکھتا ہے، تو پھر ان لوگوں کو تو میدان میں اُترنے کا چیلنج کرنا ہی نہیں چاہیے جو عنقریب قبروں میں مٹی بن جانے والے ہیں۔

سابقہ دور میں انجمن اتحاد و ترقی نے سماجی زندگی میں، مذہبی میدان میں اور قومی و وطنی اخلاقیات کے سٹیج پر جس بے دینی و بے پرواہی کا اظہار کیا ہے، اس کے نتیجے میں صرف بیس تیس سال کے بعد ہی دین، اخلاق، عفت اور عزت و شرف کے میدان میں جو زوال آیا ہے وہ سب کے سامنے ہے، آزادی کے متوالوں کی معمولی سی بے پرواہی کے نتائج اگر قوم نے دیکھ لیے ہیں تو پھر اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس بہادر معزز اور دین دار قوم کی آئندہ نسل کے پچاس سال کے بعد کیا حالات ہوں گے، دینداری اور معاشرتی اخلاقایات میں وہ کس پائے کے کردار کے مالک ہوں گے، اس کا ادارک آپ بخوبی کر سکتے ہیں۔

بڑی بڑی قربانی دینے والی اس امت نے ایک ہزار سال[1] کے عرصے میں قرآن کی خدمت کے میدان میں اپنی روح وقلب کی گہرائیوں سے بڑی منفرد قسم کی بہادری کے ریکارڈ قائم کیے ہیں، لیکن اس کے باوجود انہیں کی نسلوں سے پچاس سال کے بعد ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو اس کے تابناک ماضی کو بدنما کریں گے یا اس کا نام ونشان ہی مٹا دیں گے، اور ہم یہ بات جانتے ہیں کہ ان نسلوں کو رسائل نور جیسے حقائق کا زادِ راہ دے دینا، اور انہیں ایک خوفناک قسم کے سقوط سے بچانا سب سے اہم قومی اور وطنی خدمت ہے، اس بنا پر ہم زیادہ تر کل کی نسل کے بارے میں سوچتے ہیں آج کی نسل کے بارے میں نہیں۔

اے عزیزانِ گرامی! اگرچہ رسائل نور کی توجہ خالص طور پر آخرت کی طرف ہے، اور ان کی غرض وغایت ایمان کو بچانا اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنا ہے، اور ان کے شاگردوں کی غرض وغایت خود کو اور اپنے ابنائے وطن کو ہمیشہ کے لیے نیست ونابود ہو جانے سے اور ابدی طور پر کال کوٹھڑی میں قید ہو جانے سے محفوظ کرنا ہے، البتہ ثانوی طور پر وہ ایک ایسی جلیل القدر خدمت سرانجام دے رہے ہیں جو دنیا کے فائدے کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اور یہ اس وطن اور ابنائے وطن کو تباہ کُن اَنارکی سے بچا رہے ہیں اور مستقبل کی نسلوں کی مطلق گمراہی کے گڑھوں میں گرنے سے بچا رہے ہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان اور لوگوں کی طرح نہیں ہوتا، مطلب یہ ہے کہ مسلمان جب اپنا دین چھوڑ دے گا اور اسلام کی اقدار کے ساتھ بغاوت کرے گا، کھلی گمراہی کے گڑھے میں جا گرے گا۔

جی ہاں، وہ وقت کہ جب پچاس فیصد لوگوں نے اصلی اسلامی تعلیم حاصل کی تھی، اور دیگر پچاس فیصد اِسلامی اقدار اور اُمت کی روایات کے مقابلے میں بے پرواہی اور آزادروی کا مظاہرہ کر رہے تھے، میرے دل میں یہ سوچ آئی کہ ہو سکتا ہے کہ پچاس سال کے بعد نوے فیصد لوگ نفس امارہ کے پیروکار بن جائیں اور قوم ووطن کو کھینچتے ہوئے تباہ کن اَنارکی کی طرف لے جائیں! اور میں نے اس مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لیے حل ڈھونڈ لیا۔ پس اس چیز نے مجھے آج سے بیس سال پہلے سیاست سے اور اس دور کے لوگوں کے ساتھ مصروف ہونے سے قطعی طور پر روک دیا۔ پس جو صورتِ حال میری تھی، وہی رسائل نور کی اور طلاّبِ رسائل نور کی تھی، چنانچہ ان لوگوں نے اس دور کے لوگوں سے ربط وضبط ختم کر دیا، چنانچہ وہ نہ تو قطعاً اُن کے مقابلے میں آتے ہیں اور نہ ان کے ساتھ اُلجھتے ہیں۔

یہ بات جب حقیقت ہے، تو پھر عدالتی محکموں کی سب سے اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ رسائل نور کو اور طلاّبِ رسائلِ نور کو محفوظ کریں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ وطن وقوم کے اہم ترین حقوق کا دفاع کرتے اور اسے محفوظ کرتے ہیں، اور اسی وجہ سے وطن وقوم کے حقیقی دشمن ان کے مقابلے میں اترتے ہیں اور اس طرح رسائل نور پر حملے کرتے ہیں اور عدالتوں کو گمراہ کرتے ہیں اور انہیں بدترین ظلم وجبر کا ارتکاب کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ میں اس کی دو معمولی سی مثالیں ذکر

[1] امت سے مراد یہاں ایک ہزار سال سے اسلام میں داخل ہونے والی ترک اقوام ہیں۔

کروں گا۔

پہلی مثال: میں نے اپنے جیل کے ایک ساتھی کی طرف صرف پرسش احوال کا خط لکھا، اور اس کے ساتھ دس لیرے بھی نتھی کر دیے جو کہ میری ایک عربی تالیف کی طباعت کے بندوبست کے لیے تھے تاکہ وہ اس شخص تک پہنچا دیے جائیں جس نے ''اسپارٹا'' میں اس تالیف کی طباعت کے جملہ اخراجات اپنے ذمے لیے ہوئے ہیں یہ خط اور لیرے میں نے یہاں کے رہنے والے ایک بھائی کے ہاتھ بھیجے، تب عدلیہ کے اور حکومت کے تمام ادارے فوراً حرکت میں آ گئے اور ایک طرف تو انہوں نے مجھ پر سختیاں شروع کر دیں اور دوسری طرف اس آدمی کے گھر کی تلاشی لی گئی جو خط پہنچانے کا وسیلہ بنا تھا۔

بلاشبہ ایک عام سے غیر اہم خط کے معاملے کو اتنی زیادہ اہمیت دے دینا اور چھ مہینوں میں لکھے گئے صرف ایک ہی خط کو اتنا خطرناک سمجھنا عدلیہ کی عزت وعظمت کے بالکل منافی ہے۔

دوسری مثال: میرے جیسے کمزور، نادار، اجنبی، مہمان، بوڑھے اور عدالت سے بے گناہ قرار دیے گئے آدمی سے ہر شخص کو حتی کہ ان لوگوں کو بھی ڈرانا جو میری خدمت پر مامور ہیں، اور مجھے نشانہ بنا کر سرکاری حملے کر کے لوگوں کو مجھ سے خوف زدہ کرنا اور نفرت دلانا، مجھ پر سختیاں کرنا اور مجھے دباؤ میں رکھ کر انتہائی قابلِ رحم صورتِ حال سے دوچار رکھنا، ایسا معاملہ ہے جو اس وطنی احساس کے بالکل منافی ہے جو اس صوبے کی حکومت کا سرمایہ ہے۔

اور پھر ایک انتہائی غیر معمولی، بے معنی بلکہ موہوم سے نقصان کے معاملے کو اتنی ہولناک شکل میں ظاہر کرنا، اور اس کے حجم کو غیر ضروری طور پر بڑھاتے چلے جانا، اور میرے خلاف سرکاری حملوں کو شہ دیتے جانا، اور ہر شخص سے میرے بارے میں سوال کرنا کہ یہ آدمی کس طرح کے لوگوں سے ملتا ہے؟ اس کی ملاقات کے لیے کس طرح کے لوگ آتے ہیں؟ بلاشبہ یہ ایک ایسا عجیب معاملہ ہے کہ حکومت کی حکمت اور حاکمیت کو اس پستی میں نہیں اُترنا چاہیے۔

بہرحال، اس طرح کی ایسی بہت سی مثالیں ہیں کہ جس کو ان کا پتا چلے گا حیران رہ جائے گا۔

بزرگوارم! گمراہیاں اور برائیاں اگر لاعلمی سے جنم لیں تو انہیں آسانی کے ساتھ رفع دفع کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر وہ جدید علوم و معارف سے جنم لیں تو پھر ان کا ازالہ کرنا انتہائی مشکل کام ہے، اور اس دور کی گمراہی کا تعلق چونکہ علوم و معارف کے ساتھ ہے، اس لیے اس گمراہی کے اِزالے کے لیے، آنے والی نسلوں میں سے جو اس گمراہی میں مبتلا ہو جائے اُسے بچانے کے لیے اور اس کے مقابلے میں پامردی کے ساتھ کھڑا ہونے کے لیے رسائل نور جیسی ایک تالیف کی سخت ضرورت تھی جو ہر طرف سے کافی ووافی ہو۔

اور اس بات کی دلیل کہ رسائل نور اس قدر و قیمت کے حامل ہیں، یہ ہے کہ گزشتہ بیس سال سے ان فلاسفہ میں سے کوئی ایک بھی اس کے مقابلے میں نہیں آیا جنہوں نے ان کے شدید طمانچے کھائے ہیں، اور نہ ان کی مخالفت کرنے

والوں میں سے کوئی سامنے آیا ہے، حالانکہ وہ ان کے شدید ترین دشمن ہیں، اور کوئی بھی انہیں ہدفِ طعن نہیں بنا سکا بلکہ کسی کے لیے ایسا ممکن ہی نہیں ہوا، بلکہ تینوں عدالتی جہتوں کو اور حکومت کے مرکز میں ماہرین کی کمیٹی کو بھی ــــ رسائل نور کے ایک سو اَجزا میں گہری تحقیق و تفتیش کے بعد ــــ ایک بھی ایسا پوائنٹ نہ ملا جو ہمیں ذمہ دار ٹھہراتا ہو۔ اور یہ کہ بہت سے قرآنی اشارات اور علوی و غوثی غیبی خبریں رسائل نور کی اس دور میں اہمیت اور قبولیت پر مہر لگاتی ہیں۔ ان اشاروں اور خبروں نے شاگردانِ رسائل نور کو ــــ جو کہ انتہائی ذہین اور بیدار مغز ہیں ــــ اس چیز کا قطعی اطمینان دے دیا ہے۔

جی ہاں، عدالتوں کا کام چونکہ حقوق کی حفاظت کرنا اور حدود فراموش لوگوں کو ان کی حدود میں روکنا ہے، اور پھر ''دنیزلی'' کے عدالت نے رسائل نور اور ہمارے خاص و عام اوراق کا گہری نظر سے جائزہ لے لیا ہے، اور مزید دو عدالتوں نے، حکومت کے مرکز نے اور متعدد صوبوں کی پولیس نے گزشتہ دس سال سے ان کی پوری تحقیقات کی ہیں، لیکن اس کے باوجود انہیں ان ایک سو رسائل میں سے ان تمام تر کارروائیوں کے باوجود کوئی ایک ایسا شوشہ بھی نہیں ملا ہے جو قوم و وطن کے لیے نقصان دہ ثابت ہو، اور ایسی کوئی غلطی سامنے نہیں آئی جو سزا کی مُوجب ہے، اور اس پر مزید یہ کہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ان ایک سو رسائلِ نور نے اس علاقے میں ان بیس سالوں کے دوران ایک لاکھ لوگوں کی سعادت مندی کے لیے خدمات سرانجام دی ہیں؛ اس لیے رسائلِ نور اس علاقے میں بڑے عظیم الشان کُلّی حقوق کے حامل ہیں۔ اور ہم آپ کو یاد دلاتے ہیں کہ ان اہم ترین حقوق کو نظر انداز کر دینا جبکہ ایک عام انسان کے چھوٹے چھوٹے حقوق کا پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے، اور ان رسائل کو اس طرح ضبط کر لینا کہ جیسے وہ کوئی معمولی سے اور عام سے کاغذ ہوں، اور اس بات سے آنکھیں بند کر لینا کہ یہ انداز قوم و وطن کے حق میں اور ایمان کو مضبوط کرنے کے محتاج مساکین کے حق میں بدترین ظلم ہے...... اور ہم آپ کو یاد دلاتے ہیں کہ یہ طرزِ عمل کسی بھی صورت میں عدلیہ کی ماہیت، عدلیہ کی حقیقت کے شایانِ شان نہیں۔ ہمیں تو یہ ڈر ہے کہ رسائل نور سے تعرّض کرنا اور ڈاکٹر ''دوزی'' جیسے دیگر زندیقوں کی تالیفات سے بالکل تعرُّض نہ کرنا غضبِ الٰہی کے نزول کا سبب بن جائے گا۔

اللہ تمہیں عدل و انصاف اور مہربانی کی، اور ہمیں صبر و تحمّل کی توفیق دے، آمین!

اپنے گھر میں رہتے ہوئے

مطلق نظر بندی کی جیل میں

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

ایک درخواست جو کہ پہلے سرکاری محکموں کو لکھی گئی، اب یہ درخواست اس لیے لکھی گئی ہے تاکہ میرے وہاں کے بھائیوں کے لیے مرجع بن جائے۔[1]

میں تم لوگوں سے یہ چاہتا ہوں کہ تم اُس مظلوم کا شکوہ سنو جو بیس سال تک صابر و ساکت رہا......

جہاں مجھے اُس جمہوری حکومت کے دور میں ہر قسم کی آزادی سے روک دیا گیا ہے جس نے تمام لوگوں کو وسیع ترین اشکال میں ہر قسم کی آزادی سے نوازا ہوا ہے، اتنی آزادی کہ میرے مخالفین ہر طرف سے اکٹھے ہو کر مکمل آزادی کے ساتھ مجھ پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ اور جمہوری حکومت جو کہ حرّیتِ ضمیر اور علمی فکر کی آزادی کی کفیل ہے، اس کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ مجھے مکمل تحفظ فراہم کرے اور مجھے نشانہ بنانے والے میرے وہمی مریض دشمنوں کی زبانوں پر روک لگائے، یا پھر ان کی طرح مجھے بھی قلم کی آزادی مہیا کر دے اور مجھے اپنا دفاع کرنے سے روکے نہیں؛ کیونکہ پوسٹ آفس کو خفیہ سرکاری حکم مل چکا ہے جس کی وجہ سے مجھے ہر قسم کی خط وکتابت سے روک دیا گیا ہے۔

اور عین اُس وقت کہ جب لوگوں کو میرے ساتھ ملاقات سے عمومی طور پر روک دیا گیا اور ڈرایا دھمکایا گیا، اور صرف ایک بچے کو اجازت دی گئی جو کہ میرے لیے روٹی پانی لاتا تھا، اور اس وقت جبکہ میں اپنی اُن تالیفات کے واپس ہو جانے کے انتظار میں تھا جنھوں نے اپیل کورٹ سے ہماری بے گناہی کی تصدیق ہو جانے کے بعد ماہرین کی کمیٹی سے داد وصول کر لی تھی؛ میرے دشمنوں نے فرصت کو غنیمت جانا اور میرے دو ذاتی رسالے ماہرین کی کمیٹی کے اُن دو ارکان کے سپرد کر دیے جو ہمارے مسلک کے خلاف تھے۔ میں نے سنا ہے کہ ان دونوں نے میرے خلاف سخت قسم کی رپورٹ تیار کی ہے، اس لیے میرے صبر و تحمل کا پیمانہ لبریز ہو گیا، اور میں جمہوری حکومت کے تمام ارکان بلکہ تمام دنیا کے لیے یہ اعلان کرتا ہوں کہ:

قرآنِ حکیم کی حقیقت اور اس کے اعجاز کے طلسم کی برکت سے میرا اور رسائل نور کا منصوبہ و مسلک، اور اس کا علمی ماحاصل جس کے نتائج ہم دیکھ چکے ہیں اور جس کے لیے ہم میدانِ عمل میں ہیں اور ہمارے ہدف اور ہماری تگ و دو کی غرض وغایت صرف تحقیقی ایمان کے ذریعے مساکین کو موت کے ہاتھوں ابدی طور پر معدوم ہو جانے سے اور اس مبارک قوم کو انارکی اور مطلق العنانی کی تمام تر شکلوں سے بچانا ہے۔

بنابریں، بیس سال میری زندگی کے اور ایک سو تیس رسائلِ نور ایک ایسی حجت ہے جسے کسی بھی طرح ہدفِ طعن نہیں بنایا جا سکتا، اور یہ حجت اس بات کی دلیل فراہم کرتی ہے کہ رسائلِ نور جنھیں تین عدالتوں نے اور ماہرین کی تین کمیٹیوں نے اچھی طرح جانچ پرکھ کر دیکھ لیا ہے، ان کے سامنے ان دو مقدّس وظیفوں کے علاوہ اور کوئی بھی ہدف نہیں ہے جو بالقصد دنیا کے معاملات، علاقے کے نظم ونسق اور امن واستقرار سے تعلق رکھتا ہو۔

---

[1] اس سے مراد ان کے ''اسپارٹا'' والے بھائی ہیں۔

جی ہاں، یہ مظلوم، نادار اور بے یارومددگار سعید تمہارے سامنے ہے، جس نے گزشتہ بیس سال سے حکومت سے کبھی رجوع نہیں کیا ہے، اور دس سال سے اُس کا چند لوگوں کے سوا حکومت کے کسی آدمی سے کوئی تعارف نہیں ہوا ہے، اور چار سال سے عالمی جنگ کے بارے میں اور دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے دیگر احداث و واقعات کا بھی اُسے نہ کوئی علم ہے اور نہ ان چیزوں کے بارے میں اس نے کبھی دلچسپی لی ہے...... اور اس بات کا اعلان وہ عدالت میں کر چکا ہے اور اس کی تصدیق اس کے ان تمام ساتھیوں نے کی تھی جو اُن کے ساتھ میل جول رکھتے ہیں...... اب وہ آدمی جس کی یہ حالت ہو اُس کے لیے سیاست میں حصہ لینا ممکن ہے؟ کیا اس کے لیے علاقے کے نظم ونسق میں مداخلت کرنا ممکن ہے؟ یا اس کے دل میں امن عام کو تہ و بالا کرنے کا میلان جنم لے سکتا ہے؟ اس کے دل میں اگر ذرّہ برابر بھی اس طرح کی چیز ہوتی ہے تو وہ یہ سوال ضرور کرتا کہ: میرے مقابلے میں آنے والے یہ لوگ کون ہیں؟ دنیا کے حالات کیسے جا رہے ہیں؟ میرا ساتھ کون دے گا؟ وغیرہ...... اس نے نہ کبھی اُن چیزوں کو اہمیت دی، نہ کبھی دخل اندازی کی اور نہ کبھی ملک کے بڑے ذمہ داران کے درمیان اپنی جگہ بنانے کے لیے کسی اور حیلے وسیلے کا سہارا لیا۔

میں آپ کو ایک چھوٹا سا واقعہ سناتا ہوں جو کہ سب سے زیادہ الم خیز اور دُکھ دائک ہے، اور وہ یہ کہ میں نے اپنے کچھ دوستوں کو خط لکھا، اور وہ خط میں نے اُن تک دستی پہنچایا، اور اس میں مَیں نے ان سے کہا: ''میرے لیے کوئی ایسا ذریعہ ڈھونڈو جس سے میں جیل چلا جاؤں اور اِن بدترین حالات سے خلاصی پاؤں جن میں مجھے عام میل جول سے ایسے منع کر دیا گیا ہے کہ جیسے مجھے کال کوٹھڑی کی سزا ملی ہو...... انہیں چاہیے کہ مجھے جیل بھیج دیں تاکہ میں اس عذاب سے تو چھوٹ جاؤں!''، یہ بات میں نے اس لیے کہی تاکہ میں ''دنیزلی'' کی عدالت میں اپنی کتابوں کے پاس رہوں، اور تابندہ رسائلِ نور کے پاس رہوں جو کہ میرا سرمایۂ حیات اور ثمرۂ زندگی ہیں، اور تاکہ میں انہیں واپس لینے کے لیے تگ و دو کر سکوں۔ ماہرین کی کمیٹی جو میرے خلاف کام کرتی تھی اُس میں صرف ایک آدمی میرا دفاع کرتا تھا، اُسے میرے اس رسالے کا پتا چل گیا تھا، لیکن افسوس ہے کہ وہ بھی کمیٹی کے ساتھ ساتھ چلنے کے لیے اور میرے خلاف فیصلہ صادر کرنے کے لیے مجبور ہو گیا۔

مجھے جیل کرانے والے دشمنوں نے جن ذرائع کا سہارا لیا ہے، اور جس کی وجہ سے عدالت سے میرے حق میں بے گناہی کا فیصلہ بھی صادر ہوا وہ ہے ''صوفیانہ نسبت''، حالانکہ میں تو رسائلِ نور میں اس بات کا اعلان کرتا چلا آرہا ہوں کہ یہ زمانہ صوفیانہ طریقت کا زمانہ نہیں بلکہ ایمان کو بچانے کا زمانہ ہے، یہ اس لیے کہ طریقت کے بغیر جنت میں داخل ہونے والے بہت زیادہ ہیں لیکن ایمان کے بغیر جنت میں کوئی نہیں جا سکتا۔ اسی بنا پر ہم نے اپنی تمام تر قوتوں اور صلاحیتوں کے ساتھ ایمان کے لیے کام کیا ہے۔

میں ایک عالم ہوں شیخِ طریقت نہیں، میرا اس دنیا میں کوئی گھر ہی نہیں کہ میری کوئی خانقاہ بھی ہو۔ اور گزشتہ بیس سال

میں ایک بھی شخص نے یہ نہیں کہا کہ میں اُسے کسی ''طریقت'' کا درس دیتا ہوں اور عدالتوں کو اور پولیس کو بھی اس طرح کی کسی بھی چیز کا کوئی سراغ نہیں مل سکا...... ہاں، البتہ ''تلویحات'' نامی ایک کتاب ضرور موجود ہے، جو میں نے بہت پہلے لکھی تھی، اور جو کہ ''تصُوف'' کے سلسلوں کی حقیقت پر تفصیل سے علمی بحث کرتی ہے۔ اور ظاہر ہے وہ تو ایک بلند پایہ علمی درس ہے...... وہ ایک درسِ حقیقت ہے درسِ طریقت نہیں۔

اس جمہوری حکومت کے کندھوں پر ایک اور بھی بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اور وہ ہے اُس مؤلف کی حمایت وطرفداری جس نے تحقیقی ایمان کا اثبات کیا اور فلسفہ پر فتح حاصل کی، اور اُس حقیقت کا اثبات کیا جس کے ساتھ اس قوم کے کروڑوں آبا واجداد کی روحیں وابستہ ہیں اور ان لوگوں نے اس حقیقت کے بل پر تمام عالم کو چیلنج کیا تھا...... پس اس تالیف کی اور اس کی خدمت پر مامور خادموں کی حمایت اس حکومت کی اہم ترین ذمہ داری ہے جس نے ضمیر کی آزادی کو اپنی بنیاد بنایا ہوا ہے اور اگر اس نے ایسا نہ کیا تو اس جمہوریت کے قوانین اس کمزور خادم کو پابندِ سلاسل بنانے کی اور اسے ہزاروں دشمنوں کے حملوں کا ہدف بنانے کی اجازت نہیں دیتے۔

یہ شکوہ میں نے اس اعتقاد پر لکھا ہے کہ جمہوری حکومت میرا یہ شکوہ ضرور سنے گی، جی ہاں، اور میں کہتا ہوں:

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرے عزیز وفادار بھائیو!

یہ اس سوال کا اضطراری جواب ہے جو زبانِ حال وزبانِ مقال سے کیا جاتا ہے۔

سوال: آپ علاقے کے اندر اور باہر پائی جانے والی عمومی گہما گہمیوں میں اور خاص کر سیاسی جماعتوں میں حصہ کیوں نہیں لیتے ہیں؟ اور رسائل نور کو اور طلاب رسائلِ نور کو جہاں تک ممکن ہو ان جماعتوں کے ساتھ میل جول رکھنے سے منع کیوں کرتے ہیں؟ حالانکہ اگر آپ ان کے ساتھ میل جول اور تعلّق رکھتے تو ہزاروں لوگ دائرۂ نور میں داخل ہو جاتے اور ان کے تابندہ حقائق کی نشر واشاعت کرتے اور آپ بھی ان ناروا سختیوں کا نشانہ نہ بنتے۔

جواب: اس اجتناب اور عدمِ تواصُل کا اہم ترین سبب ''اخلاص'' ہے جو کہ ہمارے مسلک کی اساس ہے یہ اخلاص ہی ہمیں اس چیز سے باز رکھتا ہے؛ کیونکہ غفلت کے اس دور میں لوگ — اور خاص کر جماعت سازی اور پارٹی بازی کی سوچ فکر رکھنے والے لوگوں نے — ہر چیز کو اپنے مسلک کے لیے آلۂ کار بنالیا ہے، اس حد تک کہ ان لوگوں نے اپنے

تمام دینی اور اُخروی اعمال کو اپنے اس دنیاوی مسلک کے لیے آلۂ کار کا درجہ دے رکھا ہے، حالانکہ ایمانی حقائق اور مقدس نوری خدمت اس وجود میں کسی چیز کا آلۂ کار نہیں ہو سکتی، اور اس کی غرض و غایت اللہ کی رضامندی کے سوا دیگر کوئی بھی چیز نہیں ہو سکتی۔

حقیقت یہ ہے کہ اخلاص کی حفاظت کرنا اور اسے قائم دائم رکھنا، اور دین کو دنیا کے لیے آلۂ کار نہ بنانا اس دور میں انتہائی مشکل کام ہو گیا ہے جس میں شدید ترین فرقہ بندی کی اور پارٹی سازی کی ہوائیں چل رہی ہیں۔ اور اس چیز کا بہترین حل یہ ہے کہ دورِ جدید کی ان لہروں پر بھروسا کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کی توفیق پر بھروسا کیا جائے۔

ہمارے سیاسی دھاروں سے کنارہ کشی کی ایک وجہ اور بھی ہے، اور وہ ہے شفقت اور ظلم کرنے سے اور ایذا رسانی سے بچنا، اور یہ رسائل نور کی چار بنیادوں میں سے ایک ہے؛[1] کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان گرامی: ﴿إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا﴾ کے مصداق ان دنوں میں شدید قسم کے ظلم و تشدّد کا دور دورہ ہے، اور ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ والے اِرادۂ الٰہیہ کے دستور کے بجائے اس ظلم و جبر کا ہی راج ہے۔

وہ آدمی کہ جس کی حرکات و سکنات فرقہ پرستی اور پارٹی بازی کے شعور کے تحت ہوتی ہیں، صرف یہی نہیں کہ وہ مجرم کے جرم کی وجہ سے مجرم کے اُقربا کے ساتھ دشمنی رکھنا کافی سمجھتا ہے۔ بلکہ اس کی تمام جماعت کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے، اگر اس کے بس میں یہ ہو کہ وہ ان سب پر ظلم کر سکے تو ضرور کر گزرے، اور اگر حکومت کی باگ ڈور اُس کے ہاتھ میں ہو تو وہ ایک آدمی کے جرم کی وجہ سے تمام بستی کو اُڑا کر رکھ دے، حالانکہ ایک سو مجرم کی پاداش میں بھی ایک بے گناہ آدمی کی قربانی نہیں دی جا سکتی اور اس پر ظلم نہیں کیا جا سکتا، لیکن موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ چند مجرموں کی وجہ سے ایک سو بے گناہ لوگوں کو ہلاکت کے گھاٹ اُتار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ جرم تو ایک آدمی کرتا ہے، لیکن سزا اس کے کمزور بوڑھے والدین کو اور اس کے بچوں کو، اس کے اہل و عیال کو اور دیگر غربا و مساکین کو ملتی رہتی ہے، اور صرف پارٹی اور طرفداری کی وجہ سے وہ بھاگتے پھرتے اور چھپتے پھرتے ہیں اور دشمنیوں کا سامنا کرتے رہتے ہیں! یہ چیز بنیادی طور پر شفقت کے خلاف ہے، اور اس طرح کے بے گناہ لوگ مسلمانوں کے درمیان پائی جانے والی جماعتوں اور پارٹیوں کے جھرمٹوں کے ہوتے ہوئے ظلم و ستم سے نجات کیوں کر پا سکتے ہیں؟ اور خاص کر اُس وقت کہ جب وہ حالات بھی موجود ہوں جو ایسے انقلابات و اضطرابات کا سبب بنتے ہیں جو ظلم پھیلاتے ہیں اور اس کا دائرہ وسیع تر کرتے چلے جاتے ہیں۔

یہ بات اگر دینی جہاد میں ہو تو کافروں کے بچوں کے حالات ان کے آبا و اجداد کی طرح ہوں گے، اس لیے ممکن ہے

---

[1] رسائل نور کی چار بنیادیں ہیں: عجز، فقر، تفکّر اور شفقت۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیں ''چھبیسویں مقالے کی ذیلی بحث'' اور ''انتیسویں مکتوب'' کی نویں قسم کی ذیلی بحث۔

کہ وہ غنیمت بن جائیں یا مسلمانوں کی ملکیت میں آجائیں، لیکن اگر کوئی ملحد مسلمانوں میں پایا جاتا ہے تو پھر اُس کے بچوں کا مالک بننا یا ان کے حقوق غصب کرنا کسی بھی طرح جائز نہیں؛ کیونکہ وہ آپس میں اسلام کے اور مسلمانوں کی جماعت کے ذریعے بندھے ہوئے ہیں نہ کہ اپنے ملحد باپ کے رشتے کی وجہ سے لیکن کافروں کے بچے اگرچہ نجات پاجائیں گے، لیکن وہ چونکہ اپنے آباواجداد کے پیروکار تھے اور حقوق اور زندگی میں ان کے ساتھ وابستہ تھے، اس لیے جہاد میں ان کا قیدی اور غلام بنایا جانا جائز ہے۔

تمام بھائیوں کو میرا علیحدہ علیحدہ سلام، میں تم لوگوں کو شب معراج کی مبارک دیتا ہوں جو کہ ہزاروں غنیمتوں سے بھرپور ہے، سید ''رافت'' کو میری طرف سے ''حاجی ابراہیم'' مرحوم کے بارے میں تعزیتی پیغام پہنچادیں، اور ان سے اور مرحوم کے دیگر وابستگان و پسماندگان سے کہیے گا: مرحوم طلاّبِ نور میں سے ہیں اور ان کی دائمی دعاؤں میں شامل ہیں، اور میں بھی اُن کے لیے خصوصی دعا کر رہا ہوں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

باسمہ سبحانہ

میرے معزز وفادار بھائیو!

گرمی کا یہ موسم غفلت اور ہجومِ زندگی میں مصروفیات کا وقت ہے، اور تین بابرکت مہینوں میں بہت زیادہ اجر والی عبادت کا اور اس تند و تیز دھینگا مشتی (زور آزمائی) کا وقت ہے جس کا نظارہ یہ کائنات عسکری انداز میں نہیں بلکہ سیاسی انداز میں کرتی ہے، اس لیے اگر اس مقدس نوری وظیفے میں مضبوطی، پامردی اور ثابت قدمی نہ پائی گئی تو سستی، بیکاری و بےحرکتی در آئے گی اور رسائل نور کی خدمت کو نقصان پہنچے گا۔

میرے عزیز بھائیو!

یہ بات یقینی طور پر جان لو کہ وہ وظیفہ جس کا رسائلِ نور اہتمام کرتے ہیں اور جوان رسائل کے شاگردوں کی مصروفیت بن گیا، وہ روئے زمین پر پائے جانے والے تمام تر معاملوں سے بڑا معاملہ ہے؛ اس لیے تم لوگ ایسے معاملات و واقعات کی طرف التفات نہ کرنا جن کا حاصل کچھ بھی نہیں ہے؛ کیونکہ اس طرح تم لوگ اپنے ہمیشہ رہنے والے وظیفے کے بارے میں سست پڑ جاؤ گے۔ ''رسالۃ الثمرۃ'' کے چوتھے مسئلے کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرو تاکہ تمہاری معنوی قوت کہیں کمزور نہ پڑ جائے۔

جی ہاں، اہلِ دنیا کے جتنے بھی بکھیڑے ہیں، سب کے سب اس فانی زندگی میں گرتے ہیں اور ''کشمکش'' جیسے ظالم دستور کے ارد گرد گھومتے ہیں، اور راہِ دنیا میں پوری سخت گیری اور سخت دلی کے ساتھ دینی مقدّسات تک کی قربانی دے دیتے ہیں، اسی وجہ سے تقدیرِ الٰہی اُنہیں اُن کے اِرتکاب کردہ جرائم کی پاداش میں معنوی جہنم کا مزہ چکھاتا ہے۔

اور اِن لوگوں کے فانی زندگی کی مصروفیات کے بالمقابل رسائلِ نور اور شاگرداں رسائلِ نور جو کردار اور جو وظیفہ ادا کر رہے ہیں یہ ہے کہ وہ اس بات کا قطعی طور پر بالبداہت اثبات کرتے ہیں کہ موت ابدی اور بقا بدوش زندگی کے سامنے تنا ہوا ایک پردہ ہے، اور اجل کا جلاّد جو کہ دنیاوی زندگی کے عاشقوں کو بہت زیادہ خوف دلاتا اور ڈراتا دھمکاتا رہتا ہے، اہلِ ایمان کی ابدی سعادت کے لیے صرف ایک وسیلے کی حیثیت رکھتا ہے...... جی ہاں، رسائلِ نور دو ضرت دو چار کی طرح اس حقیقت کا اظہار مسلسل کر رہے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ اہلِ ضلالت عارضی سی دنیاوی زندگی کے لیے لڑتے جھگڑتے، آپس میں مقابلے کرتے اور اسی زندگی کو تحفظ فراہم کرنے کی کوشش میں بھاگتے دوڑتے تھک ہار کر چکنا چور ہو جاتے ہیں، لیکن ہم لوگ قرآن کے نور کے ذریعے موت کے قضیے کے درپے ہیں، اس لیے اُن کا بڑے سے بڑا مسئلہ ہمارے چھوٹے سے چھوٹے مسئلے کی برابری بھی نہیں کر سکتا ہے؛ کیونکہ ان کے تمام ترقضیے اور مسئلے وقتی اور عارضی ہیں، اور ہمارے مسائل کا رُخ بقا کی طرف ہے۔ اب وہ لوگ جو خود کو ہمارے مسائل سے بلند سمجھتے ہیں اور ان میں دلچسپی نہیں لیتے، تو ہم اپنے مقدّس وظیفے کو نقصان پہنچا کر ان کے پست قسم کے مسائل کی پیروی کیوں کریں اور ان میں دلچسپی کیوں لیں؟!

آیت کریمہ کہتی ہے: ﴿لَا یَضُرُّکُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ﴾، مطلب یہ کہ اگر تم بلا وجہ اور بلا ضرورت دوسروں کی گمراہیوں میں دلچسپی نہیں لوگے تو ان کی گمراہیاں تمہاری ہدایت کو نقصان نہیں پہنچائیں گی، اور اسلامی دستوروں کا ایک اہم اصول کہتا ہے: "اَلرَّاضِیْ بِالضَّرَرِ لَا یُنْظَرُ لَهُ" کہ جو اپنے آپ کو خود ہی نقصان دینے پر تُلا ہوا ہو اس کی طرف شفقت و رحمت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ تو یہ آیت کریمہ اور یہ دستور جب ہمیں ان لوگوں کے لیے دکھی ہونے سے روکتے ہیں جو جانتے بوجھتے خود کو نقصان پہنچاتے ہیں، تو پھر یہ ضروری ہے کہ ہم اپنی تمام قوتیں، اپنی تمام توجہات اور اپنے تمام اہتمامات و اوقات اپنے قدسی وظیفے کو ادا کرنے کے لیے صرف کریں، اور اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے اسے فضول اور بے کار سمجھ کر اُس کے ساتھ سروکار نہ رکھیں اور اُس کے لیے اپنا وقت ضائع نہ کریں؛ کیونکہ ہمارے ہاتھوں میں نُور ہے چھڑی نہیں، اس لیے ظلم و زیادتی کرنا ہمارے مقدور میں ہی نہیں ہے، حتّٰی کہ اگر ہم پر زیادتی ہو جائے تو بھی ہمارے پاس نُور کو ظاہر کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہوگا۔ پس ہم ایک نورانی دفاع کی پوزیشن میں ہیں۔

اس قصّے کو لکھنے کا ایک سبب یہ ہے کہ میں نے ایک طالبِ نور کا امتحان لیا، چنانچہ میں نے موجودہ سیاسی حالات کے بارے میں اُس کی رائے جاننے کے لیے اُس سے ایک دو سوال کیے، تو میں نے پایا کہ وہ اس آدمی کی طرح جواب دے

رہا ہے جسے تمام حالات ومعاملات کا پتا ہے اور اس کا ان حالات کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

تب میں نے دل میں کہا: افسوس! یہ بات تو نورانی وظیفے کے لیے بڑی نقصان دہ ثابت ہوگی! پھر میں نے یہ کہتے ہوئے اُسے شدّت کے ساتھ جھنجھوڑا کہ ہمارے ہاں ایک دستور ہے جو کہتا ہے: "أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ وَالسِّيَاسَةِ"، پس اگر آپ کے دل میں لوگوں کے لیے شفقت کا جذبہ ہے، تو سابقہ دستور کی روشنی میں وہ اس قابل نہیں رہیں گے کہ ان پر شفقت کی جائے۔ پس جہنم لوگوں کو ایسے ہی طلب کرتی ہے جیسے انہیں جنت طلب کرتی ہے۔

پانچویں شعاع نے جو بعض خبریں دی تھیں وہ نئے سرے سے اُبھر کر سامنے آرہی ہیں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

میرے معزز وفادار بھائیو!

پھر میں صریحی اور قطعی انداز سے اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ رسائلِ نور قرآن کریم کی ملکیت ہیں، لہٰذا میں ان کی ملکیت کی جرأت نہیں کرسکتا، اس لیے میری خطائیں اور میری تقصیریں ان میں سرایت نہیں کرسکتیں؛ کیونکہ میں تو اس تابندہ نور کا صرف خادم اور جواہرات اور ہیروں کے گودام میں ایک ایجنٹ ہوں، اس لیے میرے مضطرب حالات ان پر اثر انداز نہیں ہوسکتے اور انہیں قطعاً کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

درحقیقت وہ درس جو رسائل نور نے ہمیں دیا ہے، وہ ہے اخلاص کی حقیقت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رکھنا، غرور کو چھوڑ دینا، نفس کے متعلق یہ جان لینا کہ یہ ہمیشہ تقصیر کرتا ہے، اور خود پسندی سے شدید پرہیز کرنا، پس ہم اہلِ ایمان کے سامنے خود کو پیش نہیں کرتے بلکہ رسائلِ نور کی معنوی شخصیت کو ظاہر وآشکار کرتے ہیں؛ کیونکہ خود اپنے آپ کو پسند کرتے رہنا اور خود ستائی میں مگن رہنا تو اخلاص کو تباہ کردینے کے مترادف ہے جو کہ رسائل نور کی ایک اہم ترین بنیاد ہے۔ ہم ہر اس شخص کے زیر بار احسان ہیں جو ہمیں ہمارے عیب دکھاتا ہے اور ان کے بارے میں بتاتا ہے بشرطیکہ وہ عیب واقعتاً حقیقت ہوں، اور اسے کہتے ہیں: جَزَاكَ اللهُ عَنَّا خَيْراً۔ پس ہم جیسے اس آدمی کے ممنون ہیں جس نے ہمارے جسم پر بچھو دیکھا تو اُسے — قبل اس کے کہ وہ ہمیں ڈس لے — ہم سے دُور پھینک دیا، اسی طرح ہم اپنے عیبوں سے دُور بھاگتے ہیں اور اس آدمی کے ممنون ہیں جو ہمیں ہمارے عیب دکھاتا ہے، بشرطیکہ اس کے اس عمل کے پیچھے کوئی کینہ، بغض اور عناد وغیرہ کارفرما نہ ہو، یا وہ بدعت وضلالت کا تعاون نہ کر رہا ہو۔

☆ ☆ ☆

میرے عزیز بھائیو!

میں نے اپنے دفاع میں ان کی تردید کرتے ہوئے کہا تھا: ان کرامتوں کا سرچشمہ میری ذات نہیں ہے اور نہ ہی میری یہ حیثیت ہے کہ میں ان کا مالک بن سکوں، یہ تو قرآن کریم کے معنوی معجزے کے کچھ رشحات ولمعات ہیں جو ان رسائلِ نور میں کرامتوں کی صورت میں ظاہر ہوئے ہیں جو قرآنِ حکیم کی حقیقی تفسیر ہیں، اور اسی طرح یہ الٰہی عزت افزائیوں کی ایک قسم ہے جو طلّابِ رسائلِ نور کی معنوی قوت کو مضبوط کرنے آئی ہے، اور عزّت افزائی کا اظہار کرنا شکر ہے، اور یہ ایک جائز ومقبول کام ہے۔

کسی اہم وجہ کے پیشِ نظر اس تردید کے ایک حصے کی وضاحت کروں گا؛ کیونکہ مجھ سے یہ پوچھا گیا ہے کہ یہ عزتیں جو آپ کو ملتی ہیں آپ ان کا اظہار کرنا ضروری کیوں سمجھتے ہیں؟ اور خاص طور پر اس نقطے کے لیے دلائل کے انبار کیوں لگا دیتے ہیں؟

جواب: چاہیے تو یہ تھا کہ اس دور میں ہزاروں تخریب کاروں کے مقابلے میں لاکھوں تعمیر کار ہوتے جو اس ایمانی خدمت کے لیے کام کرتے جس کا بیڑا رسائلِ نور نے اُٹھایا ہوا ہے، اور ضرورت اس بات کی تھی کہ میرے پہلو میں کم اَز کم ایک سو کاتب اور مساعد کھڑے ہوتے، اور علاقے کی ادارت اور یہاں کے باسیوں کا یہ فرض تھا کہ وہ اس خدمت سے کنارہ کش ہونے اور ان سے دور بھاگنے کے بجائے اس کے ساتھ مضبوط قسم کا تعلق جوڑتے اور ان کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کر کے اُن کا تعاون کرتے، اور اہلِ ایمان کو چاہیے تھا کہ وہ اِس خدمت کو دنیائے فانی کے تمام مشاغل و مکاسب پر ترجیح دیتے؛ کیونکہ اس خدمت کا تعلق حیاتِ باقیہ کے ساتھ ہے۔

لیکن میں —اور میں خود کو ہی اس کی مثال میں پیش کرتا ہوں— ہر چیز سے محروم کر دیا گیا ہوں، اور مجھے لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے سے، دوست احباب سے اور مساعدین ومعاونین سے روک دیا گیا ہے، بلکہ ان لوگوں نے میرے بھائی بندوں کی معنوی قوت کو کمزور کرنے کی اور انہیں مجھ سے اور رسائلِ نور سے نفرت دلانے کی سر توڑ کوشش کی ہے، صرف اس لیے کہ ایک ایسی جلیل القدر مہم کو ایک میرے جیسے بوڑھے، مریض، ضعیف، اجنبی اور اکیلے آدمی کے کندھوں پر رکھ دیا جائے جسے ہزاروں آدمی بھی مشکل سے اُٹھا سکتے ہیں۔ اور مجھے اِس بات پر مجبور کر دیا گیا کہ میں لوگوں کے ساتھ میل ملاقات نہ رکھوں اور ان سے دُور رہوں، جیسے کہ اس انفرادی جیل میں تشدد سہنے کی وجہ سے مجھے کوئی خطرناک مرض لاحق ہو گیا ہو! اور اس پر مزید یہ کہ لوگوں کو مجھ سے دور رکھنے کے لیے انہیں مجھ سے اس حد تک ڈرایا دھمکایا گیا کہ میرے دوست احباب بھی مجھے سلام تک کرنے سے گریز کرنے لگے، بلکہ ان میں سے بعض تو نمازیں ادا کرنے سے بھی بچنے لگے۔ پس یہ تمام چیزیں وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے میں ان الٰہی کرم فرمائیوں کو بیان کرنے کے لیے آمادہ ہوا جنہوں نے آ کر اِن رُکاوٹوں کے مقابلے میں شاگردانِ رسائلِ نور کی معنوی قوت کو مضبوط کیا اور ان کی حوصلہ افزائی کی پس میں

ایک طرح سے رسائلِ نور کے حق میں معنوی دلائل مہیا کرنے کے لیے اوران رسائل کے حق میں یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ بذاتِ خودفوج کی قوت رکھتے ہیں اور کسی کے محتاج نہیں، اس طرح کی کرم فرمائیوں کوحیلۂ تحریر میں لانے کے لیے مجبور ہوگیا۔

ورنہ حاشا وکلّا اس سے ہمارا مقصد یہ ہرگز نہ تھا کہ ہم اپنی مشہوری کرنا چاہتے ہیں یا ان کے ذریعے لوگوں کی توجّہ اور پسندیدگی ان کی طرف موڑنا چاہتے ہیں، یا ان کی مدح وثنا چاہتے یا ان کی وجہ سے فخر وغرور میں مبتلا ہونا چاہتے ہیں؛ کیونکہ یہ چیز تو اِخلاص کے اُس راز کو تباہ کردے گی جو کہ رسائل نور کی ایک جلیل ُالقدر بنیاد ہے۔ پس رسائل نے جس طرح اپنا دفاع خود ہی کیا ہے اور اپنی قدر و قیمت کو نمایاں کیا ہے، اِسی طرح یہ باذن اللہ ہمارے معنوی دفاع کا اور ہماری لغزشوں سے درگزری کا وسیلہ بنیں گے۔

☆ ☆ ☆

میرے عزیز بھائیو!

ایک معنوی نشاندہی کے بنا پر اور احساس قبل الوقوع کی قبیل سے میرا یہ قطعی اعتقاد بن چکا ہے کہ رسائلِ نور مجھ میں، ہمارے گاؤں میں اور ہمارے علاقے میں ایک عجیب سے طریقے سے بڑے وسیع پیمانے پر نظر آرہے ہیں۔

اور یہ بات رسائل کے ظہور میں آنے سے چالیس سال پہلے کی ہے، اور میں یہ راز ''شفیق'' اور اپنے سگے بھائی ''عبدالمجید'' جیسے پرانے شاگردوں کے سامنے کھول دینا چاہتا تھا، لیکن اب میں تم لوگوں کو بتانے جارہا ہوں؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے روپ میں بہت سے ''عبدالمجید'' اور ''عبدالرحمان'' جیسے بہت سے لوگ عطا کردیے ہیں۔ اور وہ بات یہ ہے کہ میں جب دس سال کی عمر کا تھا فخر وغرور کے نشے میں رہتا تھا، فخر وغرور کی یہ حالت بعض اوقات پورے تکلف کے ساتھ اپنی مدح سرائی تک جا پہنچتی، اور میں ان لوگوں کا روپ دھار لیتا جنہوں نے کچھ عظیم الشان کارنامے سر انجام دیے ہیں، حالانکہ یہ سب کچھ میری چاہت سے نہیں ہوتا تھا، اور میں خود سے کہا کرتا تھا: اپنی خودستائی کا مظاہرہ کیوں کرتا ہے اور خاص کر بہادری پر ناز کیوں کرتا ہے، حالانکہ تیری حیثیت کوڑی کی بھی نہیں ہے؟ اور میں حیران رہتا تھا لیکن اس کا سبب نہیں جانتا تھا۔

اور اس حیرت کا جواب پچھلے دو ماہ سے مل چکا ہے، اور وہ یہ ہے کہ رسائلِ نور اپنا احساس پہلے ہی دلادیتے ہیں، کیونکہ تُو جب لکڑی کے ایک بے حیثیت ٹکڑے کے ساتھ مشابہت رکھنے والا ایک حقیر سا بیج ہوگا، تو احساس قبل الوقوع کے ذریعے تجھے اس بات کا ایسے ہی شعور ہوجائے گا کہ جیسے تو واقعتاً فردوس کے خوشوں کا مالک ہے، چنانچہ تو اس بات پر اِترائے گا اور فخر کرے گا۔

رہی ہماری بستی ''نورس'' تو اس کے بارے میں اس علاقے کے رہائشی اور میرے پرانے طالب علم یہ بات جانتے

ہیں کہ وہ بہادری میں تفوّق کا اظہار اور فخر و مباہات کے لیے اپنی مدح سرائی کرنے کے شیدائی ہیں، چنانچہ وہ لوگ بہادری و جوانمردی کا اظہار کرنے کی خواہش ایسے رکھتے تھے کہ گویا انہوں نے کوئی بڑے علاقے فتح کر لیے ہوں، اور میں اس معاملے میں خود پر اور ان پر بھی حیران ہوتا تھا، اور اب مجھے ایک حقیقی تنبیہ و نشاندہی کے ذریعے اس بات کا پتا چل گیا ہے کہ اس بستی کے پاکیزہ لوگ احساس قبل الوقوع کی روشنی میں اس بات کا شعور رکھتے تھے کہ ان کی یہ بستی رسائلِ نور کی برکت سے ایک عظیم الشان فخر حاصل کرنے والی ہے، اور یہ کہ جن لوگوں نے اس بستی کے بارے میں اور اس علاقے کے بارے میں کچھ دیکھا سنا نہیں وہ عنقریب اس بستی کو جان پہچان لیں گے اور اِسے بڑی اہمیت دیں گے، پس ''نورس'' کے باسی اپنی مدح سرائی کی صورت میں اپنی طرف سے اس شکرانے کا اظہار کیا کرتے تھے۔

میں نے یہ راز تمہیں اس لیے بتا دیا ہے کہ میں تمہیں اپنے پرانے طلبہ اور دوست اور اپنے بھائی ''عبدالمجید'' اور بھتیجے ''عبدالرحمان'' جیسا ہی سمجھتا ہوں، چنانچہ مجھے جیسے اپنی بیش حساسیّت اور اعصاب میں رطوبت کی وجہ سے بارش کا اس کے نازل ہونے سے چوبیس گھنٹے پہلے احساس ہو جاتا ہے، اِسی طرح مجھے، میری بستی والوں کو اور میرے علاقے کے لوگوں کو احساس قبل الوقوع کی روشنی میں چوالیس سال پہلے رحمت کی اُس بارش کا احساس ہو گیا تھا جو رسائلِ نور میں پائی جاتی ہے۔

ہم اپنے تمام بھائیوں کو سلام کہتے ہیں اور ان کے لیے دعا گو ہیں۔ اور آپ لوگوں کی دعاؤں کے امیدوار ہیں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

ایک اہم شخصیت اور بلند منصب آفیسر کی طرف سے وارد ہونے والے ایک خط کا اضطراری جواب

باسمہ سبحانہ

نہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرے عزیز وفادار بھائی!......

میں بھی آپ کو رمضان شریف کی مبارکباد دیتا ہوں...... خواب جو تم لوگوں نے دیکھا ہے بڑا بابرکت ہے، اور یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ تم لوگوں کو بہت سے جلیل القدر احسانات کا مظہر بنا دے گا۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ اِس دور میں سب سے زیادہ جلیل القدر وظیفہ ایمان کو بچانا اور اسے مضبوط کرنا ہے۔

محتاط رہو، اور ہر اُس چیز سے دور رہو جو انانیت اور غرورِ نفس کا باعث بنے؛ کیونکہ اس دور میں اہلِ حقیقت کے لیے تواضع ،فنائے ذات اور ترکِ انانیت بے حد ضروری ہے، بلکہ ہر چیز سے زیادہ ضروری اور لازم ہے؛ کیونکہ اس دور میں سب سے بڑا خطرہ چونکہ انانیت اور عُجب وخود پسندی کی راہ سے آتا ہے، اس لیے اہل حق وحقیقت کے لیے یہ بات انتہائی ضروری ہے کہ اپنی ذاتیات سے آخری حد تک دستبردار ہو جائیں، ہمیشہ اپنے عیبوں پر نظر رکھیں اور اپنے آپ پر تنقید کریں اور خود کو قصوروار ٹھہرائیں۔

اِن مشکل ترین حالات میں آپ جیسے لوگوں کا اپنے ایمان اور عبودیت کی حفاظت کرنا ایک بہت بڑا مقام ہے۔ اور آپ نے جو خواب دیکھا ہے اس کی ایک تعبیر یہی ہے کہ اس میں آپ کے لیے اس نقطے کی خوشخبری ہے۔

''تلویحاتِ تِسعہ'' نامی رسالۂ نور حاصل کریں، اس رسالے میں طریقت کی حقیقت کے مسئلے پر بحث کی گئی ہے، یہ کہیں سے حاصل کر کے اس کا مطالعہ کرو، اور اپنے رسائلِ نور کے دائرے جیسے قوت اور ایمان کے مالک مردوں کی طرح رسائلِ نور کے دائرے میں داخل ہو جاؤ؛ کیونکہ یہ رسائل دورِ حاضر کے حملوں کے مقابلے میں کبھی بھی شکست سے دوچار نہیں ہوئے، بلکہ انہوں نے اپنے شدید ترین دشمنوں کو بھی اُن کو سرکاری طور پر حاصل کرنے پر مجبور کر دیا ہے، حتی کہ سرکاری محکموں نے اور عدالت ہائے عُظمٰی نے دو سال قبل ان کی گہری نظر کے ساتھ چھان بین کرنے کے بعد ان سے پابندیاں اُٹھا دیں اور تمام ضبط شدہ رسائل اور خصوصی وغیر خصوصی اجزا ان کے مالکوں کو واپس کر دینے کا فیصلہ صادر کیا۔

رسائلِ نور کا مسلک مغلوب نہیں ہوا جیسے کہ دیگر طرق ومسالک کے ساتھ ہوا، بلکہ یہ مسلک غالب رہا ہے اور اس نے بہتیرے معاندین کو ہاتھ سے پکڑ کر انہیں ایمان کی راہ پر لگایا ہے، اور اس قبیل کے بہت سے حوادث وواقعات کی شہادت یہ بات ثابت کرتی ہے کہ رسائل نور اس دور میں قرآن پاک کا ایک معنوی معجزہ ہیں، ان واقعات نے ہمارا یہ اعتقاد پختہ تر کر دیا ہے کہ وہ دینی خدمت جو اس علاقے میں رسائل نور کے دائرے سے باہر رہ کر سرانجام دی جائے گی وہ زیادہ تر خصوصی اور جزوی ہوگی جو اُس خدمت گار کے اردگرد ہی گھومتی رہے گی، اور یا وہ ایک ایسی خدمت ہوگی جو مغلوب ہونے کی نفسیات کے ساتھ چھپ چھپ کر کی جائے گی، یا پھر وہ خدمت بدعت کے ساتھ سمجھوتہ کر کے کی جائے گی، اور یا پھر تاویلات کی وجہ سے بہت سی تحریفات پر مشتمل ہوگی۔

پس آپ لوگ اگر ہمت قوی اور ایمانِ عالی کے مالک ہیں تو پھر اپنی ہستی کو مٹا کر اور فنائے ذات کا سراپا بن کر پورے اخلاص اور ثابت قدمی کے ساتھ طلّابِ نور کی تسبیح کے دانے بن جاؤ اور اس طرح ہزاروں بلکہ لاکھوں طلّابِ نور کی اُخروی معنوی کمپنی میں حصے دار بن جاؤ، تب اس طرح تمہارے اعمال وافعال جزوی دائرے سے نکل کر کُلّی دائرے میں آجائیں گے اور اس آخرت میں مکمل طور پر نفع بخش تجارت بن جائیں گے۔

سعید نورسی

باسمہ سبحانہ

﴿وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ﴾

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہمارے بہت مبارک، عزیز اور محبوب استاد!

الحمد للہ کہ اس سال دنیاوی مشاغل نے ''اسپارٹا'' میں آپ کے شاگردوں کو زیادہ غافل نہیں کیا ہے، چنانچہ نوری خدمت کے میدان میں ہماری سنجیدہ کوششیں جاری ہیں، اور نور کا جوشوق ہمارے دلوں میں پنہاں ہے اس کی علامات ہم میں سے ہر ایک کے چہرے پر نمایاں ہو رہی ہیں، حتی کہ ایسے لگتا ہے جیسے آپ کے ان شاگردوں کے دل فرح وسرور سے لبریز ہو رہے ہیں۔

جی ہاں، ہمارے محبوب اُستاد! آپ کے تمام شاگرد یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر ایسے احسانات کیے ہیں اور ہمیں ایسی نعمتوں سے نوازا ہے جو کہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں، چنانچہ اس نے اس خالص نوری خدمت میں ہمیں خالص کر کے استعمال کیا ہے، حالانکہ ہم نہ تو اس کے اہل تھے، نہ اس قابل تھے اور نہ ہی ہماری قطعاً کوئی حیثیت ہے، لیکن اس کے باوجود اُس نے ہم سے کام لیا اور ہمیں اس انوکھے اور یگانۂ روزگار استاد کے شاگرد، اس کے کاتب اور اس کے مخاطب بنا دیا، اور اس نے ہمیں اپنی راہ کے مجاہد، خیر وبہتری کے ناشر، مخلوق کے ناصح اور حق تعالیٰ کے عبادت گزار بنا دیا۔ پس ہم اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر کریں کم ہوگا، حتی کہ یہ شکر جو ہم ادا کرنا چاہتے ہیں وہ بذات خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بہت بڑا احسان ہے۔ جُوں جُوں ہمیں اس بات کا شعور ہوتا ہے ہمارے دل فرح وسرور سے بھر جاتے ہیں۔

''نورس'' کے پاکیزہ لوگ جب اپنی زبانِ حال سے احساسِ قبل الوقوع کے تحت رسائلِ نور کے لیے شکر وامتنان کے جذبے کا اظہار کر چکے ہیں، تو ہم بھی رسائلِ نور کے اس احسان کا اظہار اُس شکر کی صورت میں کر رہے ہیں جو ہمارے شؤون واحوال سے نمایاں ہو رہا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی بے پایاں حمد وثنا اور لا متناہی شکر وسپاس کہ اُس نے ہمیں اپنے لطف وکرم سے جہلِ مطلق کی وادیوں میں بھٹکنے سے اور کفر وعصیان کے کیچڑ میں دھنسنے سے بچالیا ہے اور عقلوں کو موہ لینے والے تابندہ ترین نور کے طالب بنا دیا ہے۔

ہمارے محبوب استاد اگر ہمیں پہلے یہ بتا نہ چکے ہوتے کہ ''اقتران'' میں دو نعمتوں کے جمع ہو جانے کا امکان ہے، تو ہمارے دل کی ترجمانی کرنے والے ہمارے ان قلموں سے اِن میں سے ہر ایک نعمت کے لیے علیحدہ علیحدہ شکر واحسان کے جذبات نکلتے اور پڑھنے کو ملتے۔

بالکل ایسے ہی ہے ہمارے محبوب استاد! ہم اپنے آپ کو رسائل نور کے خطاب کے قابل نہیں سمجھتے، لیکن ہم اس کے

باوجود اس بات کا مشاہدہ کر رہے ہیں کہ ضرورت جب بھی شدید ہو جاتی ہے خالق الرحیم کی تجلیات نمایاں ہو جاتی ہیں۔

اُستاد کا دل ایک چمکدار آئینہ، جگمگاتا ہوا مظہر، اور تابناک عکس ریز ہے، اُن کی زبان بلند پایہ مبلّغ ،انوکھا معلم اور جلیل القدر مرشد ہے، اور ان کا حال ایک خوبصورت ترین مشخّص مثال اور بہترین مجسّم نمونہ ہے۔

نوعِ بشر کی حاجات وضروریات ان دنوں لکھی جا رہی ہیں اور پیش کی جا رہی ہیں، اور ان ظالموں کے حالات جو سات سال سے جنگوں کی آگ بھڑکا رہے ہیں بہت زیادہ مضطرب ہو چکے ہیں، اور ہر وہ شخص جو کچھ سوچ سمجھ کا مالک ہے حیرانی کے عالم میں سراپا سوال بن کر ریڈیو سُنتا ہے، کہ کل کیا ہوگا؟ پھر عین اس وقت کہ جب مشرق میں جاپان کی شکست کے بعد دنیا میں امن وامان اور صلح وسلام قائم ہونے کی کچھ امید ہو چلی تھی؛ کہ اچانک شمال میں ایک دجّالی تحریک ظہور کرتی ہے اور سب کو لپیٹ میں لے لیتی ہے، جس سے ہر انسان خوف وغم کا شکار ہو جاتا ہے اور پریشانی کے عالم میں ریڈیو کی طرف بھاگتا ہے، اور اس کا گمان یہ ہے کہ مستقبل تاریکیوں کی گہرائیوں میں ڈوبنے جا رہا ہے، لیکن ایسے عالم میں اللہ کا شکر ہے کہ رسائلِ نور اپنے بلند پایہ بیانات سے ہماری روحوں کو سکون بخشتے ہیں اور اپنے حقیقی دروس کے ذریعے ہمارے دلوں کو مطمئن کرتے ہیں۔

کچھ ایسی علامتیں موجود ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس خوفناک قسم کے مادی دھارے کو صرف ایک آسمانی قوت کے ذریعے ہی شکست دی جا سکے گی جو عالمِ اسلام اور عالمِ مسیحیت کے باہمی تعاون سے جنم لے گی، اور وہ اس طرح کی اہلِ انجیل اور اہلِ قرآن کی کوششیں اکٹھی ہو جائیں گی اور انجیل قرآن کے تابع ہو جائے گی، جو کہ ایک اشاری معنی کے ذریعے اس بات کا اعلان ہوگا کہ وہ زمانہ قریب آ گیا ہے جس میں عیسیٰؑ کے آنے کا انتظار ہے۔

اس دور میں جو باتیں سننے کی آ رہی ہیں اُن کے مطابق ولایاتِ متحدہ امریکہ نے تمام دنیا میں تلاش وجستجو کے لیے جو چار ٹیمیں بھیجی ہیں، ان میں سے ایک ٹیم کو اس نے حکم دیا ہے اور مکلّف کیا ہے کہ اس دین ومذہب کا کھوج لگاؤ جو نوعِ بشر کی سعادت کا کفیل ہو، بات اگر یہی ہے تو پھر ہمارا یہ پختہ ایمان ہے کہ رسائلِ نور کہ عدالت نے جن کی مجدّدیّت کا اقرار کیا ہے، اس مضطرب و پریشان حال نوعِ بشر کے لیے سب سے بڑی سعادت کا پیغام ہوں گے۔

ہمارے محبوب استاد جب ہماری رہنمائی کر رہے ہیں، اور ہم جب رسائلِ نور کے دامن کو مضبوطی کے ساتھ تھامے ہوئے ہیں کہ بلند ترین حقائق پر مشتمل ہیں اور کتاب اللہ کی بلند ترین اور مفید ترین تفسیر ہیں، تو پھر ہماری سعادت کی کوئی انتہا اور کوئی کنارہ نہیں اگر اس حقیقت کا ہر جز سامنے آ جائے اور فاعلیّت کے میدان میں نمایاں ہو جائے، تو یہ تمام سمتوں کو انتہائی اہتمام کے ساتھ اور مفید صورت میں اپنے مطالعہ کے لیے کھینچ لے، اور اس بات کی بہت سی دلیلیں موجود ہیں، میں بطورِ خاص اس ضمن میں ''دسویں مقالے'' کا ذکر کروں گا جس نے حشر کے انکار کے تصوّر کا قلع قمع کر کے رکھ دیا ہے، اور پھر ''الآیۃ الکبریٰ'' نامی رسالہ ہے جو کہ اگرچہ خفیہ طور پر طبع کیا گیا تھا لیکن اس نے سب کو اس بات کا حوصلہ دے دیا

کہ وہ اس کا علی الاعلان مطالعہ کریں، اور یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ ایمان کو تقویّت دینے والے دلکش وروح افزادلائل پر مشتمل ہے، اوراُن کے علاوہ رسائلِ نور کے دیگر اجزا جنھوں نے اُلوہیت کے انکار کے عقیدے کو بیخ وبُن سے اُکھاڑ کررکھ دیا، جیسے ''رسالۃ الثمرہ'' اور ''الحجۃ البالغۃ'' نامی رسائل۔

اللہ کے حکم سے وہ دن بہت جلد آنے والا ہے جب رسائل نور الحادوزندیقیت کی اس منحوس فصیل کو بنیادوں سے اُکھاڑ پھینکیں گے جسے قرآن کریم کے اِردگرد بنانے کی کوششیں ہورہی ہیں، اور یہ کفر کی اِس خطرناک آگ کو بجھادیں گے، تمام جہان کو امن وایمان کا پیغام دیں گے اوراپنے حوضِ کوثر سے آبِ حیات پلاکراُسے نہال کردیں گے۔

الباقی هو الباقی
آپ کا شاگرد خسرو

☆ ☆ ☆

باسمه سبحانه

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته ابداً دائماً

میرے معزز وفادار بھائیو!

میں تمہیں ایک بار پھر نئے سرے سے عید کی مبارکباد دیتا ہوں...... میں تمہارے ساتھ دواہم ترین مسئلوں کے بارے میں انتہائی اختصار کے ساتھ بات کرنا چاہتا ہوں، اختصار کے ساتھ اس لیے کہ ایک تو مجھے تم لوگوں کی ذہانت پر اعتماد ہے، اوردوسرے یہ کہ یہ دونوں مسئلے رسائلِ نور کے متفرق اجزا میں موجود ہیں۔

پہلا مسئلہ: رسائلِ نور کے ایک صاحبِ حقیقت اورقرآن کریم کے کاتب حقیقی طالب علم نے اس دفعہ ایک خط لکھا ہے جس میں اس نے میرے بارے میں اپنے اتنے زیادہ حسنِ ظن کا اظہار کیا ہے جو میری حد سے ہزار درجے بڑھ کر ہے، وہ مجھ سے ایک جلیل القدر حقیقت کے بارے میں پُوچھ رہا ہے؛ کیونکہ اس نے میری کمزوری شخصیت میں رسائلِ نور کے معنوی شخص کے جلیل القدر قُدسی وظیفے کا مشاہدہ کرلیا ہے، اور خلافتِ نبوّت کے عُلوی وظائف میں سے کسی وظیفے کی ایک تجلّی کی کوئی جھلک دیکھ لی ہے...... اس چیز کا مشاہدہ اور دیدار اُسے اس لیے ہوا کہ میں اس کا استاد ہوں، چنانچہ وہ مجھے اس نظر سے دیکھنا چاہتا ہے کہ میں اس معنوی خلافت کا مظہر ہوں۔

اوّلاً: ہمیشہ باقی رہنے والی حقیقت کی بنیاد فانی اشخاص پر نہیں رکھی جاتی، اور اگر رکھ دی جائے تو یہ اُس پر بہت بڑا ظلم ہوگا، اور ہر طرف سے کامل ومکمل، دائمی اور استمرار بدوش وظیفہ کی ذمہ داری ایسے لوگوں کے کندھوں پر نہیں ڈالی جاتی جو مصائب وآلام اور فنا وزوال کی زد میں ہوں، اور اگر ایسا کردیا جائے تو وہ بہت بڑے نقصان سے دوچار ہوجاتا ہے۔

ثانیاً: قرآن کریم سے ٹپکنے والے رسائلِ نور کا ظہور صرف اُن کے ترجمان کی سوچ فکر اور اس کی معنوی ضرورت کی زبان کے فیضانات ہی نہیں ہیں، اور ان کا تعلق صرف اس کی قابلیت واستعداد کے ساتھ ہی نہیں، بلکہ ان انوار کے ظہور کا باعث یہ بھی تھا کہ کچھ مخلص ثابت قدم فاضل اشخاص نے — جو کہ اس ترجمان کے مخاطب اور اس کے درس قرآن کے ساتھی تھے — انہوں نے دل سے اِن کی طلب کی تھی، ان کی تصدیق کی اور اپنی زندگی کو ان کے مطابق ڈھال دیا تھا، اور اس پر مزید اور بھی بہت سی جہتیں ہیں جو اس ترجمان کی استعداد سے بہت زیادہ بلند ہیں، پس یہ سب کے سب رسائلِ نور کے معنوی شخص کی اور ان کے شاگردوں کی تشکیل کرتے ہیں، اور اس معنوی شخص میں ترجمان کا بھی حصہ ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اُسے سب سے آگے نکل جانے کا شرف حاصل ہوجائے، بشرطیکہ یہ شرف عدمِ اخلاص کی وجہ سے کہیں برباد نہ ہوجائے۔

ثالثاً: یہ دور جماعت کا دور ہے، اشخاص کی انفرادی عبقریت کتنی بھی بلندی کو کیوں نہ چُھو جائے بہرکیف وہ جماعت کے معنوی شخص کی عبقریت کے مقابلے میں قابلِ ہزیمت ہی رہے گی؛ اس بنا پر اس طرح کا ایمانی وظیفہ جو کہ ایک قدسی عبقریت کے انوار سے عبارت ہے کسی نہ کسی طریقے سے عالم اسلام کو روشن کرے گا جیسے کہ عزیز بھائی نے اپنے خط میں ذکر کیا ہے، اس طرح کے ایمانی وظیفے کو کسی میرے جیسے کمزور آدمی کے کاندھوں پر لاد دینا ٹھیک نہیں جو ہر طرف سے مغلوب ہے، نادار ولاچار ہے، بے شمار دشمن اُسے ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں اور ضدی قسم کے مخالف لوگ اُسے مطعون کرکے اور اس کی شہرت کو داغدار کرکے اُسے ختم کردینا چاہتے ہیں، اگر یہ وظیفہ اس طرح کے سراپا عیوب ونقائص آدمی کے کاندھوں پر ڈال دیا گیا اور وہ اپنے دشمنوں کے بدنما اور داغدار کردینے والے تابڑتوڑ حملوں کی وجہ سے کچھ ڈگمگا گیا، تو بوجھ گرجائے گا اور بکھر جائے گا۔

رابعاً: اکثر فاضل لوگوں کی قدیم زمانے سے یہ روش رہی ہے کہ وہ اپنے استادوں، مرشدوں، مُعلموں اور دیگر بڑے لوگوں کے بارے میں اتنا زیادہ حسنِ ظن رکھتے ہیں جو اُن کی شخصی قدروقیمت سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے، اور یہ حسنِ ظن کسی حد تک ایک قابلِ قبول امر بھی تھا کیونکہ یہ ان لوگوں کے دروس سے اور ان کے ارشادات سے فائدہ اٹھانے کا وسیلہ بنتا تھا، اس لیے اس پر اس بنا پر تنقید نہیں ہوتی تھی کہ یہ کوئی خلاف واقعہ چیز ہے۔

لیکن آج کل طلّاب نور پوری ہمت اور عزم ونشاط کے ساتھ کام کررہے ہیں؛ کیونکہ وہ میری ناقص اور کمزور سی شخصیت میں ایک ایسا بلند مقام ومرتبہ دیکھتے ہیں جو ایسے استاد کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے جو اُن کے قابل ہو، اور یہ ایک ایسا امر ہے کہ جسے ایسا حُسنِ ظن شمار کیا جانا ممکن ہے جو میری حد سے کہیں زیادہ ہے۔ لیکن اس بات کا علم ہونا بہت ضروری ہے کہ میرے ہاتھ میں جو کچھ بھی ہے وہ صرف اور صرف رسائلِ نور کے معنوی شخص کی ملکیت ہے۔

ہاں البتہ زندیق، اہلِ ضلالت، اہلِ سیاست، اہلِ غفلت اور حتیٰ کہ سادہ لوح دیندار اشخاص کو بہت زیادہ اہمیت دینے میں غلطی پر ہیں؛ کیونکہ یہ مخالفین —اور خاص کر زنادقہ— اس گمان میں مبتلا ہو کر اپنی تمام تر قوتوں کے ساتھ میری قدر و قیمت گھٹانے کی، ان روشنیوں کو بجھانے کی اور سادہ لوح لوگوں کو اپنی تصدیق پر اُبھارنے اور مجبور کرنے کے لیے ایڑھی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ ان روشنیوں کا سرچشمہ میرے جیسا مسکین شخص ہے، اِس لیے وہ اس شخص کی بے عزتی کر کے حقائق پر کاری ضرب لگا رہے۔

دوسرا مسئلہ: عید کے دوسرے دن میں جب چلنے پھرنے کے لیے کھیتوں کی طرف نکلا تو ایک اہم سرکاری آفیسر نے میرا اس انداز سے راستہ روکا جو پانچ صورتوں میں قانون کے خلاف تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت سے اور اپنے خاص فضل و کرم سے میرے کندھوں پر لادے گئے رسائلِ نور کی حفاظت کی خاطر اور ان کے شاگردوں کی اس عزت اور راحت کی خاطر جو میرے دل میں اور میری رُوح میں گھر کر چکی ہے، مجھے عجیب طرح کے صبر و تحمّل سے نواز دیا، ورنہ وہ آدمی تو اپنے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مجھے غصہ دلا کر آپے سے باہر کرنا چاہتا تھا تاکہ اس طرح رسائلِ نور کی اور خاص کر ''الآیۃ الکبریٰ'' نامی رسالے کی فتوحات پر پردہ ڈالنے میں کامیاب ہو جائے۔

خبردار، مضطرب نہ ہونا اور غم نہ کرنا، اور میرے لیے دُکھ اُٹھانے سے باز رہنا...... عنایتِ الٰہی جو بلاشبہ پردے کے پیچھے سے ہماری حفاظت کر رہی ہے، ہم اُس سے اُمید رکھتے ہیں کہ وہ ہمیں آیت کریمہ: ﴿وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ﴾ کا مظہر بنا دے گی۔

ان کا یہ منصوبہ تو ناکام ہو گیا ہے، لیکن اس صوبے میں ایسے لوگ موجود ہیں جو ایک بہت بڑے سرکاری افسر کا براہِ راست سہارا لے رہے ہیں اور اپنی ساری کوششیں مجھ پر تشدّد کرنے میں صَرف کر رہے ہیں، اس لیے اگر ممکن ہو تو ''دنیزلی'' کی عدالت اور انقرہ کے اپیل کورٹ کے توسط سے اس جگہ پر ہوا کا میری طبیعت کے موافق نہ ہونے کو وسیلہ بنا کر مجھے کسی دیگر مناسب سی جگہ پر منتقل کرنا بہت ضروری ہے؛ کیونکہ ایک تو یہاں حالات میرے مزاج کے مطابق نہیں ہیں، اور دوسرے یہ کہ یہاں اپنے طور پر رہائش رکھنا میرے لیے ممکن نہیں ہے، اس لیے اگر ''دنیزلی'' میں ہمارے دوستوں نے یہ کام کر لیا کیونکہ ان کا اِس معاملے کے ساتھ ہم سے زیادہ تعلق ہے، تو بہت اچھا ہوگا، لیکن اگر ایسا نہ ہو سکا تو پھر کوئی ایسا ذریعہ وجود میں آنا چاہیے جس سے میں گرفتار ہو کر ''دنیزلی'' کی جیل پہنچا دیا جاؤں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے مخلص اور ثابت قدم عزیز دوستو!

ایک بڑا اہم سوال ہے جو میرے ساتھ تعلق رکھنے والے لوگ بھی کرتے ہیں اور اکثر میرے دل میں بھی آتا رہتا ہے چنانچہ یہ بیک وقت ایک مادی سوال بھی ہے اور معنوی بھی اور وہ یہ ہے:

آپ وہ کام کیوں کرتے ہیں جو کوئی بھی نہیں کرتا ہے، اور ان قوتوں کی طرف بھی توجہ نہیں کرتے ہیں جو کافی زیادہ اہمیت کی حامل ہیں اور آپ کے معاملات میں آپ کی مدد کرسکتی ہیں بلکہ آپ تمام لوگوں کے خلاف چلتے ہیں، بلکہ اُن سے بے پرواہی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

پھر وہ بلند پایہ مقامات جن کے بارے میں آپ کے خاص شاگرد متفق ہیں کہ آپ ان مقامات کے اہل ہیں، آپ ان مقامات کو پوری شدت کے ساتھ ردّ کرتے ہیں اور ان سے دور بھاگتے ہیں، جبکہ لوگ تو ان مقامات کی آرزو کرتے ہیں اور ان کی طلب میں مارے مارے پھرتے ہیں! پھر یہ بھی ہے کہ یہ مقامات و مناصب رسائلِ نور کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں جلیل القدر خدمات سرانجام دیتے ہیں اور ان کی فتوحات کے راستے ہموار کرتے ہیں؟

جواب: اہلِ ایمان —وقت حاضر میں— ایک جلیل القدر پاکیزہ حقیقت کے بہت زیادہ محتاج ہیں، اتنی پاکیزہ حقیقت کہ وہ کسی شے تک پہنچنے کا وسیلہ نہیں بن سکتی یا کسی دوسری شے کے لیے اُس شئے کی تابع نہیں ہوسکتی اور دیگر مقاصد تک پہنچنے کے لیے سیڑھی کا کام بھی نہیں دے سکتی، اور اس طرح کا دیگر کوئی بھی مقصد اور کوئی غرض و غایت اُسے آلودہ نہیں کرسکتی، کوئی فلسفہ اور شبہات وغیرہ اس کے قریب نہیں پھٹک سکتے اور اسے نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

پس اہلِ ایمان اس طرح کی پاکیزہ حقیقت کے بہت زیادہ محتاج ہیں، تاکہ وہ انہیں اس دور میں ایمان کے حقائق کی راہ پر ڈال سکے اور ایسے دور میں ان کے ایمان کی حفاظت کرسکے جس میں اُس گمراہی کا حملہ شدت اختیار کرچکا ہے جس کے شبہات گزشتہ ایک ہزار سال تہ دَر تہ جمع ہوچکے ہیں۔

یہی وہ نقطہ ہے جس کی رُو سے رسائلِ نور ان لوگوں کی پروا نہیں کرتے جو اُن کے تعاون کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہیں خواہ وہ اندرونی ہوں یا بیرونی، اور نہ ان کی طاقتوں کو اہمیت دیتے ہیں بلکہ نہ اُن کی تلاش میں رہتے ہیں اور نہ ان کی پیروی کرتے ہیں، مبادا وہ عام مسلمانوں کی نظروں میں دنیاوی اغراض و مقاصد کے حصول کا ذریعہ بن جائیں۔ اور تاکہ یہ رسائل صرف اور صرف ابدی زندگی کا وسیلہ ہونے کی وجہ سے اپنی غیر معمولی طاقت اور حقیقت کے ذریعے ایمان پر حملہ کرنے والوں کے شکوک و شبہات کا ازالہ کرسکیں۔

سوال: نورانی مقامات اور اُخروی مراتب کے کچھ ایسے معنوی درجات ہیں جو تمام اہلِ ایمان و حقیقت کے یہاں

مقبول ہیں بلکہ اہلِ حقیقت ان میں رغبت رکھتے ہیں، اور ان میں کوئی نقصان بھی نہیں۔ اور یہ مقامات آپ کو ہمارے ان مخلص بھائیوں نے دیے ہیں جو آپ کے بارے میں حسنِ ظن رکھتے ہیں۔ یہ مقامات و مناصب اگر چہ آپ کے لیے نقصان دہ نہیں ہیں — حتیٰ کہ اگر آپ انہیں قبول کر بھی لیں تو بھی وہ آپ سے پیچھے نہیں ہٹیں گے کیونکہ ان کے پاس اس ضمن میں بہت سی دلیلیں ہیں — لیکن آپ ان مقامات کو اَز راہِ تواضع اور بے نفسی و بلند نظری کی وجہ سے نہیں بلکہ غصّے سے اور سختی سے ردّ کر دیتے ہیں، بلکہ پوری شدت سے اپنے ان بھائیوں کے احساسات بھی مجروح کر دیتے ہیں جو آپ کو ان مقامات پر بٹھاتے ہیں......!

الجواب: جس طرح ایک غیور آدمی اپنے دوستوں کی زندگی بچانے کے لیے اپنی جان قربان کر دیتا ہے، اسی طرح اہلِ ایمان کی ابدی زندگی کو خطرناک دشمنوں کے حملے سے بچانے کے لیے میں بوقتِ ضرورت — اور ضرورت ہے — صرف یہی نہیں کہ ان مقامات کی قربانی دے دیتا ہوں جن کا میں مستحق نہیں بلکہ ابدی زندگی کے حقیقی مقامات تک کو قربان کر دیتا ہوں۔ میں نے رسائلِ نور سے یہی چیز سیکھی ہے، اور وہ ہے مخلوقِ خدا پر شفقت۔

جی ہاں، اس چیز کا تقاضا ہر وقت اور خاص کر اِس وقت موجود ہے اور خاص کر اِس وقت جب گمراہی کے ہاتھوں جنم لینے والی وعمومی غفلت غالب آ جائے اور تند و تیز سیاسی جھونکوں اور فلسفی آرا و افکار کی چیرہ دستیوں کے سمندر میں اور ہمارے اس دور جیسے دور میں کہ جس میں غرور و خود پسندی و خود بینی کی لہریں بے قابو ہو رہی ہیں...... ایسے حالات میں یہ بڑے بڑے مقامات اور مناصب ہمیشہ ہر چیز کو اپنا زیرِ فرماں آلۂ کار بنانے کی کوشش میں رہتے ہیں اور ہر وسیلے اور ذریعے کو اپنے اغراض و مقاصد کی راہ میں استعمال کرتے ہیں، حتیٰ کہ دنیاوی مناصب تک پہنچنے کے لیے ہماری مقدس نشانیوں تک کو ذریعہ بنا لیتے ہیں۔

اگر معنوی مقامات کا وجود ہے تو ان سے تو بہت ناجائز فائدہ اُٹھایا جاتا ہے اور دوسرے کسی بھی ذریعے سے ان کا غلط استعمال زیادہ ہوتا ہے، اس لیے انسان ہمیشہ تہمتوں کی زد میں رہتا ہے۔ چنانچہ عام لوگ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگوں کی نظروں میں اپنا بھرم قائم رکھنے کے لیے اور یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ ان مقامات کا حامل ہے، مقدس خدمات کو اور بلند و بالا حقائق کو اپنی اغراض و مقاصد کو حل کرنے کے لیے وسائل اور سیڑھیاں بناتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ان معنوی مقامات کو قبول کر لینے سے اس شخص کو اور اس مقام کو تو صرف ایک فائدہ دیتا ہے لیکن ان وارد ہونے والے شبہات کی وجہ سے پہنچنے والی کساد بازاری کی بنا پر عام لوگوں کو اور خود اُن حقائق کو ہزار قسم کے نقصان پہنچا دیتا ہے۔

حاصلِ کلام

اخلاص کی حقیقت مجھے ہر اس چیز سے باز رکھتی ہے جو مادی و معنوی مراتب تک پہنچنے کے لیے کسبِ شہرت کا وسیلہ بن سکے۔

جی ہاں، باوجود اس کے کہ یہ چیز نور کی خدمت پر بہت بری تاثیر چھوڑتی ہے، لیکن دس خدمت گزار لوگوں کی خالص حقیقی رہنمائی کر دینا اور انہیں ایمان کے ان حقائق کی تعلیم دے دینا جو ہر چیز پر فوقیت رکھتے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ یہ چیز کسی عظیم قطبیت کے ذریعے ایک ہزار آدمیوں کی رہنمائی کرنے سے زیادہ اہم ہے؛ کیونکہ کیفیت کمیت پر فضیلت رکھتی ہے، اور یہ بھی کہ وہ دس آدمی ان حقائق کو کسی بھی چیز سے زیادہ فوقیت دیتے ہیں اور اس بنا پر ثابت قدم رہتے ہیں اور ممکن ہے کہ ان کے دل جو ایک بیج کا حکم رکھتے ہیں ایک قدآور درخت اُگا دیں۔

لیکن وہ ہزار لوگ اہلِ دنیا کی طرف سے وارد ہونے والے شکوک وشبہات کے اور فلسفے کے حملوں کی وجہ سے اُس عظیم الشان قُطب کے ارد گرد سے بکھر بھی سکتے ہیں؛ خاص کر اس وقت جب وہ سوچتے ہیں کہ قطب اپنے خصوصی زاویۂ نگاہ سے، اور اپنے خصوصی مقام اور خصوصی احساسات کے تحت بول رہا ہے۔

اس لیے میں کوئی صاحبِ مقام ہونے پر ایک خادم ہونے کو ترجیح دیتا ہوں۔

اس حد تک کہ ایک معروف آدمی نے صرف میرے دشمنوں کی ترتیب دی ہوئی سازش کے تحت پانچ جہتوں سے قانون کی مخالفت کرتے ہوئے عید کے دنوں میں میری اہانت وتحقیر کی تو میں اس بات پر بہت مضطرب ہوا اور میں نے اللہ سے دعا کی کہ اس آدمی پر کہیں کوئی مصیبت نازل نہ ہو جائے؛ کیونکہ یہ بات لوگوں میں پھیل گئی تھی۔ چنانچہ میں اس بات سے خوف زدہ ہو گیا کہ لوگ کہیں مجھے کوئی ایسا مقام نہ دے دیں جس سے کوئی ظہور میں آنے والا معاملہ خارقِ عادت کرامت کا نتیجہ سمجھ لیا جائے۔ تب میں نے کہا: ''اے میرے پروردگار! اس آدمی کی اصلاح کر دے یا پھر اُسے اس کے کرتوتوں کی سزا کچھ اس طرح سے دے کہ اس میں کسی معنوی کرامت کا اشارہ نہ پایا جائے۔''

اس مناسبت سے میں ایک اور معاملے کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ عدالت کی طرف سے جو رسائل مجھے واپس کیے گئے، میں نے بعد میں ان کے درمیان طلاّبِ نور کا ایک رسالہ دیکھا جس پر بہت سے دستخط تھے، ہوسکتا ہے اسے ''ملحقات'' میں بھی درج کر دیا گیا ہو یہ رسالہ اس برکت کے بارے میں بتاتا ہے جو شاگردانِ رسائل نور اپنی معیشت میں پاتے ہیں، اور ان طمانچوں کے بارے میں بتاتا ہے جو ان میں سے بعض طالب علموں کو لگے ہیں، اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہاں پانچ عدد ایسے لوگ موجود ہیں، جنھیں یہ طمانچے اسی طرح پڑے ہیں جیسے کہ دیگر لوگوں کو ''قسطمونو'' میں پڑے تھے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

اُن طلابِ نور کو لکھے گئے خط کا ایک فقرہ جنہوں نے استنبول میں کمیونزم کے خلاف پیش آنے والا واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا

باسمہ سبحانہ

میرے معزز بھائیو!

گزشتہ شب استنبول میں نور کی ایک عظیم الشان اور پُرشکوہ معنوی فتح کا مشاہدہ کیا گیا، لَہُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک تنظیم جو کہ دنیا میں عمومی طور پر اور عالمِ اسلام میں خصوصی طور پر کفرِ مطلق کے پنجے گاڑنے کے لیے سرگرمِ عمل ہے، اس کے ہیڈ آفس پر دھاوا بولا گیا ہے، اور اُس تنظیم کے پریس کا اور اُس کے آرگن کا ساز وسامان بکھیر دیا گیا ہے جو اس کی ترجمانی کرتے تھے اور اس کے افکار واعمال کی ترویج کرتے تھے، اور وہ نوجوان اور سٹوڈنٹ جن کے بارے میں اُس تنظیم کا خیال تھا کہ وہ انہیں ملحد کیمیونسٹ بنا چکی ہے، ان سب نے اکٹھے ہو کر اُس کے خلاف مظاہرہ کیا اور اُونچی آواز کے ساتھ کمیونزم مردہ باد کے نعرے لگائے۔

اِس تنظیم کے مادی نقصان کا اندازہ ہزاروں لیروں تک لگایا جا رہا ہے، اور جہاں تک تعلق ہے معنوی نقصانات کا، تو وہ لاکھوں سے متجاوز ہے۔

اس لیے سرِ دست ہمیں اگر مادی امکانات میسّر نہیں ہیں تو اس پر غم کرنے کی ضرورت نہیں؛ کیونکہ نور کی فتوحات کا دائرہ وسیع تر ہوتا جا رہا ہے اور ہمہ جہتی توفیق سے نوازا جا رہا ہے۔ وَہٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ۔

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے معزز وفادار بھائیو!

ان لوگوں نے چند مہینے سے میرے خلاف جو سازشیں کی ہیں وہ تمام کی تمام طشت اَز بام ہوگئی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حفظ وامان کے ذریعے مجھ پر آنے والی اس مصیبت کا بوجھ بیس سے کم کر کے ایک فیصد کر دیا۔ میں فراغت کے اوقات میں مسجد کو جایا کرتا تھا، میرے طالب علموں نے مجھے سردی کی شدت سے بچانے کے لیے مجھے بتائے بغیر مسجد کے ایک کونے میں میرے لیے ایک جھونپڑی سی بنا دی تھی۔ لیکن میں نے چار پانچ دن پہلے ایک مرتبہ پھر مسجد نہ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا، اور اُس مشہور افسر کی مداخلت سے وہ جھونپڑی بھی گرا دی گئی اور مجھے سرکاری طور پر دوسری دفعہ مسجد نہ جانے کا حکم پہنچا دیا گیا، البتہ یہ بات علیحدہ ہے کہ ان لوگوں نے بات کا بتنگڑ بنا دیا اور طوفانِ بدتمیزی برپا کر دیا۔

غم نہ کرو؛ کیونکہ یہ ایک معمولی کیس ہے، اور میں اپنے اندازے کے مطابق یہ سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ اس طرح کے ذرائع کا سہارا لے کر مجھے ہدفِ طعن بناتے ہیں، اور اس سے مقصد صرف یہ ہے کہ لوگوں کے آگے ہر طرف رکاوٹیں کھڑی کر دیں تا کہ وہ مجھے مل نہ پائیں، میں یہ سمجھتا ہوں کہ میرے مقام سے کہیں بڑھ کر عوام کی توجہ مجھ سے ہٹانے کے لیے بہانے بنا کر مجھ پر زیادتی کی جا رہی ہے۔

دراصل ان لوگوں کے سامنے میری پرانی تصویر ہے اور یہ مجھے اُسی کی روشنی میں دیکھتے ہیں، اور ان کا خیال یہ ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے میں اسے برداشت نہیں کر پاؤں گا، لیکن ادھر صورتِ حال یہ ہے کہ مجھے اگر ہر روز ایک ہزار زخم لگائے جائیں اور ایک ہزار تکلیف پہنچائی جائے، تو بھی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گا؛ کیونکہ میں کسی معاملے کو کوئی بھی اہمیت نہیں دیتا ہوں — بشرطیکہ رسائل نور کو اور ان کی نشر و اشاعت کو کوئی نقصان نہ پہنچے — اور یہی حال یہاں طالب علموں کا ہے، ان کے پائے ثبات میں بھی ذرا سی لغزش نہیں آئی ہے۔ اور یہ واقعہ جس کی توقع ہمیں بہت دیر سے تھی اللہ کے فضل و کرم سے اور اس کی نظر عنایت سے بخیر و عافیت گزر گیا۔

میں سب دوستوں کو سلام کہہ رہا ہوں اور سب کے لیے فرداً فرداً دُعا گو ہوں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

[استاد کا ایک مختصر ساخط جو ان لوگوں کی فریب کاریوں کا پردہ چاک کرتا ہے جو طلابِ نور کو رسائلِ نور سے دور کرنا چاہتے ہیں، اور یہ بتاتا ہے کہ ان لوگوں کے خلاف جوابی کاروائی کیسے کی جائے۔]

میرے معزز وفادار بھائیو!

مجھے تم لوگوں کے ساتھ ایک بڑے اہم مسئلے کے بارے میں بات کرنے کے لیے ایک مضبوط قسم کی معنوی تنبیہ کے ذریعے آمادہ کیا گیا ہے، اور یہ مسئلہ وہی ہے جو میں اجمال کے ساتھ آپ کو پہلے بتا چکا ہوں، اور اس کا ماحصل یہ ہے کہ ہمارے پس پردہ کام کرنے والے، ہمارے دشمن نے جب عدلیہ، سیاست اور حکومت کے دیگر اداروں کو الحاد کے ہاتھوں استعمال کر کے ہمارے خلاف جو حملے کیے تھے، ان تمام حملوں میں ناکام ہو گئے — جیسے کہ سب جانتے ہیں کہ آج تک ایسے ہی ہوا ہے — تو انہوں نے اپنے اُن تمام حربوں کو خیر باد کہہ دیا جو رسائلِ نور کی فتوحات کے لیے نقصان دہ ہونے کی بجائے مفید ثابت ہوئے ہیں، اور ایسے ایسے نفاقی حربے اور دوغلی پالیسیاں اختیار کر رہے ہیں کہ جن سے خود شیطان بھی حیران ہے، اور اس کی بہت سی دلیلیں ہیں۔

اس پالیسی کی ایک اہم بنیاد یہ ہے کہ ہمارے خاص ثابت قدم بھائیوں کی ہمت توڑ دی جائے اور ان کے پائے عزم

میں ڈگمگاہٹ پیدا کردی جائے، بلکہ اگر ہو سکے تو انہیں رسائلِ نور سے اپنا رشتہ توڑ دینے پر مجبور کر دیا جائے۔

اور خصوصی طور پر اس ضمن میں وہ اتنے انتہائی عجیب وغریب قسم کے حیلے استعمال کرتے ہیں کہ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے، ثابت قدمی، باہمی دوستی اور فولاد جیسی مضبوطی کی ضرورت ہے، جیسے کہ ''اسپارٹا'' اور اس کے اردگرد کے بہادر و دلاور شاگردوں کی صورتحال ہے۔

یہ منافق لوگ خود کو دوست، ہمدرد اور غمخوار ظاہر کر کے صفوں میں پھوٹ ڈالتے ہیں، اور جب بھی فرصت پاتے ہیں خوف و ہراس پھیلاتے ہیں اور معاملات کو خطرناک شکل میں بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ لوگوں کے دلوں میں خدشات اُبھارتے ہیں اور کمزور لوگوں کو یہ کہہ کر پیچھے ہٹاتے اور ان کا ساتھ چھوڑتے ہیں کہ خبردار سعید کے پاس بھی نہ پھٹکنا کیونکہ حکومت مسلسل اس کی نگرانی کر رہی ہے۔

اور بعض دفعہ تو وہ اتنی اوچھی حرکتیں کرتے ہیں کہ نوجوان لڑکیوں کو بعض نوجوان طلّابِ نور کے جذبات کو بھڑکانے کے لیے ان پر مسلط کر دیتے ہیں، اور اس سلسلے میں ان کا خصوصی نشانہ وہ نوجوان ہوتے ہیں جو رسائلِ نور کے ارکان ہیں، چنانچہ وہ اُن کے سامنے میرے عیوب ونقائص بیان کرتے ہیں، پھر وہ اہلِ بدعت کی بعض مشہور متدین شخصیات کو پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ''ہم بھی تو مسلمان ہیں! دین صرف سعید کے مسلک میں ہی تو نہیں رہ گیا ہے نا!'' پھر وہ عمر رسیدہ اور دیندار لوگوں کے پاس جاتے ہیں اور انہیں ہمارے خلاف اُن باغی اور مطلق العنان زندیقوں کی مصلحت کے آلۂ کار بنا کر استعمال کرتے ہیں جو خفیہ طور پر ہمارے خلاف محاذِ جنگ کھولے ہوئے ہیں۔ لیکن ان لوگوں کے یہ منصوبے بھی باذن اللہ بہت جلد ناکام ہو جائیں گے۔

پس ان کمینہ خصلت لوگوں سے کہہ دو کہ، ہم رسائلِ نور کے شاگرد ہیں، اور سعید بھی ہمارے جیسا ایک شاگرد ہے۔ رہا رسائلِ نور کا اصل سرچشمہ اور بنیاد، تو وہ ہے قرآن کریم، رسائل نے پچھلے بیس سالوں میں بے نظیر قسم کی گہری تحقیق و تفتیشی اور مقدماتی کاروائیوں سے گزرنے کے باوجود اپنی قدر و قیمت ثابت کردی ہے اور ضدّی ترین دشمنوں کے مقابلے میں اپنی فتح ریکارڈ کرادی ہے۔ اور سعید جو کہ رسائل کا صرف ترجمان، مبلّغ اور خادم ہے، اس کی حالت جو بھی ہو، حتی کہ وہ بھی — خدا نہ کرے — اُن کے بالکل الٹ ہی کیوں نہ ہو جائے تو بھی ہمارا رسائل کے ساتھ جو دوستی اور رشتہ ناطہ ہے وہ باذن اللہ کبھی بھی متاثر اور متزلزل نہیں ہوگا۔

جی ہاں، انہیں یہ بات کہہ دو اور یہ دروازہ بند کر دو، لیکن یہ بات یاد رہے کہ جہاں تک ممکن ہو رسائلِ نور کے ساتھ وابستہ رہو اور جہاں تک میتسر ہو انہیں لکھتے لکھاتے اور نقل کرتے رہو، اور ادھر اُدھر سے ہونے والے تابڑ توڑ حملوں کو کچھ اہمیت نہ دو، اور ماضی کی طرح مکمل محتاط رہو۔

تمام بھائیوں کو علیحدہ علیحدہ سلام و دُعا۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

یہ لوگ جو سیاست کو الحاد و لادینیت کے لیے آلۂ کار بناتے ہیں اور کفرِ مُطلق کو غلبہ دینے کے لیے اور ابنائے وطن کی عظیم ترین قوّت کو پاش پاش کرنے کے لیے بلکہ ان کے درمیان کراہت اور بغض و کینہ کو رواج دینے کے لیے خفیہ طور پر سرگرمِ عمل ہیں، اور وہ قوت ہے ان کا عالمِ اسلام کی طرف منسوب ہونا، ابنائے وطن کے ساتھ ان کا بھائی چارہ اور ان کا آپسی اعتماد اور بھروسا...... میں کہتا ہوں: ان لوگوں نے حکومت کو غافل کیا ہے، اور عدالت کو دومرتبہ گمراہ کیا، اور اس زعمِ بد میں رہے کہ طلاّبِ نور دین کو سیاست کے لیے استعمال کرتے ہیں اور اس بات کا احتمال موجود ہے کہ یہ لوگ امن و استقرار کو نقصان پہنچائیں گے۔

جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ رسائل اس علاقے کے لیے مادی و معنوی برکت کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی خدمات بڑی جلیل القدر اور بلند پایہ ہیں، اور یہ ایسے جامع حقائق پر مشتمل ہیں جو تمام عالمِ اسلام کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہ بات تینتیس آیات کے اشاروں حضرت علیؓ کی تین غیبی کرامات، اور جنابِ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی غائبانہ قطعی خبر دینے کے ذریعے ثابت ہو چکا ہے۔ آگاہ رہیں کہ رسائلِ نور کا سیاست کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن یہ چونکہ کفرِ مطلق کو پاش پاش کرتے ہیں، اس لیے یہ اپنی طبیعت کی رُو سے کفرِ مطلق کی ماتحت والی چیز کو بھی ٹھکرا دیتے اور توڑ پھوڑ دیتے ہیں، اور وہ ہے اَنارکی اور بدنظمی، اور کفر کے مافوق والی چیز کو بھی ٹھکرا دیتے اور منہدم کر دیتے ہیں، اور وہ ہے استبدادِ مطلق، اور امن و استقرار اور حرّیت و عدالت کا بول بالا کرتے ہیں؛ اس بنا پر ان پر یہ بہانہ بنا کر ظلم نہیں کیا جا سکتا کہ یہ وطنِ عزیز کے امن و استقرار میں خلل ڈالتے ہیں، بلکہ ان لوگوں کے مقدور میں یہ بات ہے ہی نہیں کہ یہ کسی ایک بھی شخص کو اس مزعومہ دعوے کی تصدیق پر آمادہ کر سکیں، البتہ منافق یہ ضرور کریں گے کہ مقابلہ کرنے کا محاذ بدل لیں، اور وہ اس طرح کہ اب یہ رسائلِ نور کا مقابلہ خباثت اور مکر و فریب کے ساتھ خود دین و مذہب کے لبادے میں کریں گے اور اس کے لیے کچھ سیدھے سادھے علما و مشائخ کو یا دیگر اہلِ بدعت کو استعمال کریں گے، یا پھر صوفیانہ مشارب کے کچھ انا پرست پیروکاروں کا سہارا لیں گے، اور دو سال قبل "استنبول" میں اور "دنیزلی" کے گرد و نواح میں ایسا ہو بھی چکا ہے، لیکن یہ لوگ اللہ کے حکم سے اس میں بھی کامیاب نہیں ہوں گے۔

☆ ☆ ☆

میرا خیال ہے دو عدد بڑی خطرناک معنوی بلاؤں کو ٹالنے کے لیے رسائلِ نور کی تعلیم دینے اور انہیں مطبوعہ شکل میں منصّۂ شہود پر لانے کا وقت آ گیا ہے، یا آنے ہی والا ہے؛ کیونکہ یہ رسائل اِس مبارک وطن کے معنوی نجات دہندہ ہیں۔

ان دو بلاؤں میں سے ایک اس کلموہے خوفناک الحاد کا دھارا ہے جو شمال[1] میں ظاہر ہوا ہے اور عیسائیت پر غالب آ گیا ہے، اور اَنارکی، بدنظمی اور انواع و اقسام کے قلق و اضطراب کو مسلّط کر گیا ہے، اور اب اُس نے وطن کے ساتھ

[1] سوویت یونین کی طرف اشارہ ہے، جو کہ اس وقت سوشلزم اور الحاد و زندیقیت کا گڑھ تھا۔

معنوی طور پر لڑنا شروع کر دیا ہے۔ اب ممکن ہے کہ رسائلِ نور اس خوفناک دھارے کے آگے ذوالقرنین کے بندھ جیسا قرآنی بندھ باندھنے کا وظیفہ ادا کریں۔

اور دوسری بلا ہے وہ شدید ترین الزامات والہامات واعتراضات کہ جن کی بوچھاڑ تمام عالمِ اسلام میں سے صرف اس مبارک وطن پر کی گئی ہے، اور اب ان الہامات واعتراضات کا اِزالہ کرنے کے لیے انہیں مطبوعات کی زبان میں مخاطب کرنا اَزبس ضروری ہو چکا ہے، یہ بات میرے دِل پر وارد ہوئی ہے۔[1]

مجھے عالمِ دُنیا موجودہ حالات کا کچھ زیادہ علم نہیں ہے، لیکن میں اتنی بات ضرور جانتا ہوں کہ رسائلِ نور کے حقائق جیسے اُس خوفناک دھارے کے مقابلے میں ایک قلعے کا کام دے رہے ہیں جو یورپ کا ستیاناس کیے جا رہا ہے اور جس کی بنیاد کسی آسمانی دین پر نہیں ہے؛ اِسی طرح یہ رسائل ایک قرآنی معجزہ ہیں جو اُن اتہامات واعتراضات کے ازالے کے لیے وسیلہ بنے گا جو اس وقت عالمِ اسلام اور ایشیا کے باسیوں کے مابین گردش کر رہے ہیں، اور عنقریب اُن کے درمیان وہی اخوّت اور محبت لوٹا دے گا جو ماضی میں تھی۔

اس وطن کے ساتھ اور اہلِ وطن کے ساتھ محبت رکھنے والے سیاست دانوں کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ ان رسائل کی سرکاری سطح پر طباعت اور نشر واشاعت کا اہتمام کریں، تاکہ یہ اِن دو بلاؤں کے مقابلے میں ایک محفوظ قلعہ کا کام دے سکیں۔[2]

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

---

[1] یہ حقیقت اس رسالے کی تحریر کے دس سال بعد منصۂ شہود پر آ گئی؛ کیونکہ رسائل نور انقرہ کے پریس میں طبع ہوئے۔

[2] عالمی سطح پر اِس نئی حکومت کو اس عظیم الشان اسلامی خدمت کا شرف حاصل ہوا ہے، اور اس نے 1956ء میں رسائل نور کو پریس میں طبع کرنے کی اجازت دے کر بڑی بالغ نظری کا ثبوت دیا ہے۔ اور اپنے اس کردار سے اس نے امتِ اسلامیہ کے سپوتوں کا دل موہ لیا ہے اور ان کی طرف سے بڑی داد وصول کی ہے۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی توفیق مل گئی ہے کہ جس سے اس کی قوت اور ثابت قدمی میں اضافہ ہو گیا ہے۔

یہ القادل پر اچانک ہُوا، اور میں اسے قلم بند کرنے کے لیے مجبور ہو گیا

باسمہ سبحانہ

میرے بھائیو!

مجھ پر یہ بات کچھ اس طرح واضح ہوگئی ہے کہ اس میں ذرّہ برابر شک نہیں رہا کہ مجھ سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لیے اور انہیں مجھ سے دور کرنے کے لیے کچھ خفیہ منصوبے تیار ہو چکے ہیں، اور انہیں عمل میں اس طرح لایا جائے گا کہ سرکاری سطح پر مجھ پر ردّ وقدح ہوگی اور میری شہرت کو داغدار اور مجھے بدنام کیا جائے گا، جیسے کہ یہ چیز بھی کھل کر سامنے آگئی ہے کہ یہ لوگ پس پردہ میرے ساتھیوں کو ڈرانے دھمکانے اور ان کی حوصلہ شکنی کے لیے سرگرمِ عمل ہیں۔ لیکن صورتِ حال کچھ یوں ہے کہ ''غیبی تصدیق کاسِکہ''[1] ان کے تمام حملوں کو اُلٹا کر رکھ دیتا ہے۔

علی الرّغم اس کے کہ اس طرح کی تمام کاروائیاں جو کہ الحاد و زندیقیت کو فائدہ دینے کے لیے کی جاتی ہیں مجھے بہت تکلیف دیتی ہیں اور ''قدیم سعید'' کے کچھ باقی ماندہ جذبات ومیلانات کو بیدار کر دیتی ہیں؛ لیکن یہ ہے کہ رسائل نور کی خوبصورت فتوحات، اور وہ حُرمت ورحمت کہ جس کے ذریعے ان کے شاگرد اہلِ حقیقت، ملائکہ اور روحانیوں کے ہاں طلاب نور کا میری ذات پر کیے جانے والے تمام ناروا حملوں اور تہمتوں کو اور مجھے بدنام کرنے والی تمام تر کاروائیوں کو مچھر کے پر سے بھی زیادہ بے حیثیت بنا دیتی ہیں۔

یہ بد بخت لوگ جو اہلِ دین کی اور دینی علوم کے حاملین کی صرف اس بنا پر اہانتیں کرتے ہیں کہ وہ دین دار ہیں، وہ دراصل ان لوگوں کی توہین نہیں کرتے بلکہ براہِ راست دین کی توہین کر رہے ہیں، اس بنا پر یہ ملائکہ اور روحانیوں کی نظر میں اور اہلِ ایمان اور اہلِ حقیقت کی نظر میں ملعون ہیں، اور زندیقوں، کم ظرفوں اور پست قسم کے کم عقلوں کے علاوہ کسی ایک کی بھی داد وتحسین حاصل نہیں کر پاتے۔ اور اُن کی تعداد بھی ہزار میں ایک دو سے زیادہ نہیں ہے۔

یہ لوگ اپنی حماقت سے یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ میری بدنامی کر کے رسائلِ نور کے اثر ونفوذ کو کم کر رہے ہیں، اور یہ کہ میری شخصیت کہ جسے وہ رسائلِ نور کا سرچشمہ سمجھتے ہیں، اگر وہ ختم کر دی جائے تو رسائلِ نُور خود بخود ختم ہو جائیں گے، اور میں ان سے کہتا ہوں کہ:

ارے بدبختو کہ جو صرف الحاد کی مصلحت کی خدمت کرنے کے لیے میری بدنامی کر رہے ہو، میں تمہیں یہ قطعی خبر دے رہا ہوں کہ اگر تم لوگوں نے جلدی سے توبہ نہ کی تو تمہاری گلوخلاصی کبھی نہیں ہوگی، بلکہ تم جلاّ داجل کے ہاتھوں ابدی طور پر معدوم ہو جانے کی صورت میں موت کی سولی پر لٹکنے والے ہو، اور تمہاری شریر روحوں کے لیے یہ فیصلہ ہوگا کہ وہ ابدی

---

[1] رسائلِ نور سے اقتباس کردہ مجموعے کا نام، جس میں رسائلِ نور کی طرف اشارہ کرنے والے غیبی اشارات کو جمع کر دیا گیا۔

طور پر کال کوٹھڑی میں سڑتی رہیں گی اور اُنہیں اہلِ ایمان اور روحانیوں کی طرف سے طعنوں اور ناراضگیوں کا سامنا ہوتا رہے گا...... میں تم لوگوں پر ناراضگی کا اظہار نہیں کر رہا ہوں بلکہ مجھے تمہاری حالت پر ترس آتا ہے؛ کیونکہ میں یہ بات جانتا ہوں کہ اگر تم لوگوں نے توبہ نہ کی تو تم سے میرا انتقام دگنی تگنی صورت میں لیا جائے گا۔

رہے رسائلِ نور تو تمہارے جیسے مکھی سے بھی زیادہ بے حیثیت لوگ اس کے اثر ونفوذ کو ایک ذرہ برابر بھی کم نہیں کر سکتے اور نہ ہی ان پر پردہ ڈال سکتے ہیں، بلکہ یہاں ہزاروں لوگ اپنے دلوں اور روحوں کی گہرائیوں میں ان کے لیے احترام وعظمت چھپائے ہوئے ہیں؛ کیونکہ ان کی وجہ سے ان کے ایمان بچے ہیں۔

اور جہاں تک تعلق ہے میرے شخصی تاثر کا، تو میں تمہیں یہ قطعی خبر دیتا ہوں کہ مجھے جو کسی وقت ——منٹ دو منٹ کے لیے—— بے کلی وبے قراری لاحق ہو جاتی ہے، تو دوسرے ہی لمحے کوئی اتنی بڑی تسلی مل جاتی ہے کہ تم لوگ مجھ پر جو حملے کر رہے ہو، ہزار گنا بھی زیادہ بڑھ جائیں تو بھی میری اس تسلی واطمینان کو کم نہیں کر سکتے؛ کیونکہ ہم نے رسائلِ نور کے قطعی اور فلاسفہ کو چت کر دینے والے دلائل کے ساتھ تائید یافتہ کشفی حالات کی روشنی میں اس بات کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ جو لوگ الحاد وزندیقیت کی مصلحت کی خاطر ہم پر حملے کرتے ہیں وہ عنقریب انفرادی حوالات میں اہانت اور ابدی طور پر معدوم ہو جانے والے عذاب سے دو چار ہوں گے، اور طلاب نور جنہوں نے رسائل کے ذریعے اپنے ایمان کو محفوظ کر لیا ہے، وہ موت کی سبکدوشی کا پروانہ اور ابدی سعادت کی دستاویز حاصل کر لیں گے، اور عنقریب وہ ابدی حرمت، رحمت اور عزت کا مظہر بن جائیں گے۔

پھر اس ''جدید سعید'' کی صورتِ حال ''قدیم سعید'' سے یکسر دگرگوں ہے، یعنی جہاں ''قدیم سعید'' حصولِ شہرت، حُبِّ جاہ اور لوگوں کے احترام اور اِن کی توجہ کا بھوکا تھا، وہاں جدید سعید ان چیزوں کے بالکل ہی اُلٹ ہے بلکہ ان چیزوں کو قطعی طور پر ٹھکرا دیتا ہے، یہی وجہ ہے اس نے گزشتہ بیس سال سے گوشہ نشینی اختیار کی ہوئی ہے۔

اور اگر تمہاری یہ دوڑ دھوپ امن واستقرار کی حفاظت کے لیے ہے، اور اس راہ میں تم لوگ عام لوگوں کی نظروں میں میرا اثر ونفوذ اور میری عزت کم کرنا چاہتے ہو، تو پھر یاد رکھو کہ تم بڑی ہی گھمبیر اور سخت غلطی کا ارتکاب کر رہے ہو؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ میری ایک سو بیس تالیفات جو کہ میں نے بیس سال کے عرصے میں تالیف کی ہیں، تین عدالتوں نے ان میں دو سال تک گہری نظر ڈالی ہے اور انہیں اچھی طرح کھنگالا ہے، اور بیس ہزار کی تعداد تک جا پہنچنے والے طلّابِ نور کے تمام حالات کا اچھی طرح جائزہ لیا ہے لیکن انہیں ایک بھی چیز ایسی چیز نہیں ملی ہے جو امن واستقرار میں خلل کا باعث بنتی ہو یا کسی ذمہ داری کے لیے جوابدہ ٹھہرتی ہو، یا قوم ووطن کے خلاف جاتی ہو، تب ان تینوں عدالتوں نے ہماری بے گناہی کا اعلان کر دیا اور ضبط کیے گئے عام رسائلِ نور کو واگزار کرنے کا فیصلہ کر دیا۔

اس بنا پر میں کہتا ہوں: اے وہ لوگو جو الحاد ولادینیت کی مصلحت کے لیے، ہم پر ظلم ڈھا رہے ہو، تُم لوگ صرف تخریب

کار قسم کی اُنارکی کو فائدہ پہنچانے کے لیے، انتہائی خطرناک بیرونی طاقتوں کی مصلحتوں کی رُو رعایت کی خاطرداری کے لیے، اور قوم و وطن اور امن واستقرار کو نقصان پہنچانے کے لیے مجھ پر سختیاں کر رہے ہو، اور حالات بگاڑ کر اور معاشرے میں بدامنی پیدا کر کے اجنبی طاقتوں کو اپنے علاقے میں مداخلت کرنے کا موقع فراہم کرنا چاہتے ہو؛ یہی وجہ ہے کہ تمہارے یہ ظلم وستم اور تمہارے یہ اوچھے قسم کے ناروا حملے میرے نزدیک ایک کوڑی کی بھی حیثیت نہیں رکھتے ہیں...... اور صرف اس بنا پر کہ امن واستقرار قائم دائم رہے، میں نے یہ فیصلہ کیا ہوا ہے کہ یہ سب کچھ برداشت کروں گا اور صبر کروں گا۔

جس طرح یہ دنیا لامحالہ زوال پذیر ہے، اسی طرح اس کے تند و تیز حوادث و واقعات بھی لامحالہ طور پر متغیر ہیں، اور اگر ایک جرم یا گناہ اگرچہ چند گھنٹوں پر محیط ہوتا ہے، لیکن وہ ہزاروں قسم کے عذاب اور دنیاوی اور اخروی جہنم کا باعث بنتا ہے، تب تم لوگوں کو شدید قسم کی ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا، لیکن تمہاری یہ ندامت تمہیں کچھ فائدہ نہیں دے گی۔

اور میں تمہارے جیسے بدبخت لوگوں کو وہی باتیں کہہ کر مخاطب کرتا ہوں جو میں نے ان سرکاری محکموں اور سرکاری ملازموں سے کہی تھیں جو ہمارے معاملات میں دلچسپی لیتے ہیں، اور وہ یہ کہ:

ہم رسائلِ نور کے ذریعے ان دو عظیم ترین خطروں سے بچنے بچانے کے لیے سرگرمِ عمل ہیں جو اس علاقے کو اور اس کے مستقبل کو ڈرا دھمکا رہے ہیں، اور ہمارے اس دعوے کی بہت سی دلیلیں ہیں، ان میں سے بعض کا اثبات تو ہم عدالت میں بھی کر چکے ہیں۔

جہاں تک تعلق ہے اس چیز کا جو پہلے خطرے کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، تو وہ ہے باہر سے آنے والی انارکی کے سامنے بندھ باندھنا جو اس علاقے کو تباہ کرنے کی کوشش میں ہے۔

اور دوسرے خطرے کے سات تعلق رکھنے والی چیز یہ ہے کہ ساڑھے تین سو ملین مسلمانوں کی نفرتیں ختم کر کے انہیں اخوت کے رشتے میں پرو کر اس علاقے کو ایک عظیم ترین نقطہ استناد مہیا کرنا۔

☆ ☆ ☆

میں ''آفیون'' کے مدیر الامن سے یہ کہتا ہوں

مجھ پر جو زیادتیاں ہو رہی ہیں، جن کا نہ کوئی شرعی جواز ہے، نہ ان میں کوئی فائدہ ہے اور نہ ہی کوئی مصلحت نظر آتی ہے، بلکہ دنیا میں اُن کی کہیں مثال بھی نہیں ملتی ہے! آپ ان کی طرف توجہ کیوں نہیں کرتے؟ میں آپ کے سامنے اس کی ایک مثال رکھتا ہوں:

میرا آپ سے یہ سوال ہے: میں غریب الوطن ہوں، اجنبی ہوں، بیمار ہوں، بوڑھا ہوں اور فقر و فاقہ کا شکار ہوں،

اس کے باوجود میری توہین کیوں کی جاتی ہے اور مجھے سرکاری طور پر یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ: ''آج کے بعد مسجد جانا بند ہے''، حالانکہ میں تو مسجد کو صرف جماعت کا ثواب حاصل کرنے کی غرض سے جاتا ہوں، اور وہاں ایک دو سے زیادہ آدمیوں کے ساتھ بیٹھنا قبول بھی نہیں کرتا ہوں، میری اِس توہین میں کون سی مصلحت پائی جاتی ہے؟ اور صرف اس بنا پر کہ ایک بھلے آدمی نے مجھے سردی سے بچانے کی خاطر، اور مجھے بتائے بغیر مسجد میں ایک خالی جگہ دیکھ کر چند لکڑیاں جوڑ کر ایک پردہ سا بنا دیا اور اس میں ایک چٹائی بچھا دی؛ صرف اس بنا پر خوف و ہراس کیوں پھیلایا جا رہا ہے اور بات کا بتنگڑ کیوں بنایا جا رہا ہے؟ خوف و ہراس اور قلق و اضطراب کو ہوا دینے میں آخر کون سی مصلحت کارفرما ہے؟

اِن لوگوں کے پاس مجھے ستانے کا صرف ایک ہی بہانہ ہے، اور وہ یہ کہ لوگ جب میرا احترام کریں اور مجھے کچھ اہمیت دے کر مجھے ملنے کے لیے آئیں تو یہ ان سے کہیں کہ: ''تم لوگ اس جلاوطن انسان کو اتنا احترام کیوں دیتے اور اس کی اتنی عزّت کیوں کرتے ہو!''

اور میں کہتا ہوں: یہ بات سب لوگ جانتے ہیں کہ میں اپنی ذات کے لیے لوگوں کی توجہّ اور احترام کا طلب گار نہیں ہوں، بلکہ میں اسے ٹھکراتا ہوں، تو میں جب اپنے بارے میں دوسروں کے حسنِ ظن کو قبول نہیں کرتا ہوں، تو پھر مجھ سے صرف اِس بنا پر کس قانون کے تحت سوال و جواب کیے جاتے ہیں اور میری صرف اس بنا پر توہین کیوں کی جاتی ہے کہ لوگ میری پسند اور میرے اختیار کے برعکس میرے بارے میں حسنِ ظن رکھتے ہیں؟

اگر ہم — ازراہِ بحث و جدال — یہ فرض کر بھی لیں کہ لوگوں کا میری طرف متوجہ ہونا ایک حقیقتِ واقعہ ہے، تو بھی اس میں قوم و وطن کا فائدہ ہی فائدہ ہے، نقصان والا پہلو تو کوئی بھی نہیں!

پھر اگر میں نے لوگوں کی توجّہ اور احترام کو قبول کر لیا ہے تو پھر یہ بتائیں کہ قیدِ تنہائی کی صورت میں اور انتہائی سرد اور ٹھٹھرے ہوئے کمرے میں اگر میں ایک دو آدمیوں کی دوستی فقط اس نظریے سے قبول کر لوں کہ وہ اس بڑھاپے، بیماری اور فقر و فاقہ کے عالم میں میرے ضروری معاملات میں میری مدد کریں گے، تو اس میں حرج ہی کیا ہے؟ اور کون سا قانون میرے لیے رکاوٹ بن رہا ہے؟ اور وہ کون سا قانون ہے جس کی رُو سے مجھے ایک دو کام کرنے والے بچوں کے سوا سب لوگوں کے ساتھ ملنے ملانے سے روک دیا گیا؟ اور یہ کام کرنے والے بچے بھی جب غیر حاضر ہوں تو میں اپنے کام خود سرانجام نہیں دے سکتا ہوں؟

میری اس غم انگیز اور دردناک حالت کو نگاہ میں رکھنا اور اِسے دیدۂ عبرت نگاہ سے دیکھنا۔ اس علاقے میں رجالِ حکومت کی، حکومتی اداروں کی اور سکیورٹی کی گردن میں ایک امانت ہے، اور میں یہ بات تم لوگوں کو پوری تاکید کے ساتھ کہتا ہوں کہ تم اس ذمہ داری کو نبھانے کے پابند ہو۔

امیرداغ میں مطلق تنہائی کا قیدی

سعید نورسی

باسمہٖ سُبحانہ

میرے توفیق یافتہ معزز وفادار بھائیو!

رسائل نور کو کمیونزم جیسی بھڑکتی ہوئی آگ کا سامنا ہے...... وہ خوفناک مصیبت جو سرخ رُوس سے برآمد ہوتی ہے...... سرخ آگ پھونک رہی ہے اور سرخ انگارے برسا رہی ہے...... دنیا کے تمام شہروں اور دیہاتوں کا ایک ایک کر کے چکر لگا رہی ہے، کہیں آگ لگا رہی ہے اور اپنے شعلوں سے بھسم کرتی چلی جا رہی ہے اور کہیں شقاق ونفاق کی آگ بھڑکاتی جا رہی ہے اور ایک بھائی کے منہ پر چنگھاڑتی ہوئی کہہ رہی ہے کہ اپنے بھائی کو قتل کر دو، پھر جب اُس نے عالمِ مسیحیت کو جلا ڈالا، ویران کر ڈالا اور اُسے بے آب وگیاہ چٹیل میدان میں تبدیل کر کے رکھ دیا، تو عالمِ اسلام کے اطراف واکناف میں گھومنے پھرنے لگی اور اس کے شرارے اڑتے اڑتے ہمارے وطن کے اوپر بھی گرنے لگے...... جی ہاں، رسائلِ نور کہ جنھوں نے اس بھڑکتی ہوئی آگ کا سامنا کیا اور اپنے کندھوں پر اسے بجھانے کی ذمہ داری لی، یہ مسلمانوں کے لیے اور نوعِ بشر کے لیے اس آگ سے بچنے کے لیے ایک بہت بڑی پناہ گاہ ہیں، اور یہ اس کے مقابلے میں ایک منفرد قسم کے عظیم ترین محفوظ قلعے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

پس اے اُس جادۂ صواب (نیکی اور بھلائی) سے بھٹک جانے والو کہ جس کی نشاندہی فخر العالمین ﷺ نے کی ہے! اے دنیا کی متاعِ فانی سے دھوکا کھا جانے والو! اے قرآن کے نور سے اس ڈر کی وجہ سے انحراف کرنے والو کہ یہ نُور کہیں تمہاری دنیا کو نقصان نہ پہنچا دے! اس صورتِ حال میں کہ جب کفرِ مطلق کی آگ کی لپٹیں ہمیں ہر طرف سے گھیر چکی ہیں، ہمارے سامنے نجات کا صرف یہی ایک راستہ ہے کہ ہم رسائلِ نور کے نورانی قلعے میں پناہ گزیں ہو جائیں اور اس کے قُدسی دائرے میں داخل ہو جائیں، کیونکہ یہ ایک بہت ہی محکم اور محفوظ قلعہ ہے۔ اور ایسا کرنے سے تم اس موت کو دائمی زندگی میں تبدیل کر لو گے جس کے بارے میں یہ سمجھ رہے ہو کہ وہ تمہیں ہمیشہ کے لیے نیست کر دے گی۔

اور تم جب اُن دُعاؤں کا التزام کرو گے جو رسائلِ نور کا ہر ترجمان اور ان کا معنوی شخص پڑھتا ہے، جیسے کہ ان کے اس طرح کے الفاظ: "اَجِرْنَا وَأَجِرْ وَالِدَيْنَا، وَأَجِرْ طَلَبَةَ رَسَائِلِ النُّوْرِ وَ وَالِدَيْهِمْ مِنَ النَّارِ..." اور ان دعاؤں کی برکت سے جب تم اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرو گے، اور رسائل نور کی قرأت پر مداومت کرو گے اور اس بابرکت قُدسی دائرے میں داخل ہو جاؤ گے؛ تو آگ کی ان تمام لپٹوں سے اور دنیاوی اور اُخروی امراض سے اسی طرح نجات پا جاؤ گے جیسے میں پا گیا ہوں، اور اپنے ان پیاروں کو بچا لو گے جن کا تمہیں بہت زیادہ خیال رہتا ہے، اور وہ ہیں تمہارے اہل وعیال، اور تم انوار کی نشر واشاعت کر کے مادی اور معنوی طور پر سعادت اور فلاح سے ہمکنار ہو جاؤ گے۔ اور یہ وہ حقیقت ہے جس کے لاکھوں طلّابِ نور گواہ ہیں۔

پس اے طلّابِ نور! اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں اپنے لطفِ اَزلی سے نوازا ہے اس پر اس کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدہ

ریز ہو جاؤ اور پھر سجدے سے سر نہ اُٹھاؤ، اور اس کا شکر ادا کرنے کے لیے رات کی مبارک گھڑیوں میں قیام کرو اور راتوں کی سردی کی کوئی پروانہ کرو، اور وہ حوادث و واقعات جنہوں نے بعض لوگوں کو اس بنا پر ہلا کر رکھ دیا ہے کہ انہیں اپنے مستقبل کی بہت زیادہ فکر ہے، اُن حوادث کی وجہ سے گھبرانا نہیں...... ڈرومت...... بلکہ نور کی قُدسی کرامات و امدادات کا مشاہدہ کرتے جاؤ...... پس دنیا فانی ہے، اگرچہ انسان ہزاروں سال بھی کیوں نہ جی لے، اور اُخروی اور باقی رہنے والی زندگی کے مقابلے میں اس کی حیثیت کالعدم ہے۔ اور یہ دنیا اگرچہ فانی ہے لیکن بہر کیف یہ ایک کھیتی ہے جو ہمیشہ رہنے والی زندگی کے لیے دائمی پھل اُگاتی ہے۔

ان سرخ آندھیوں اور بگولوں کی شدت تمہیں کہیں متزلزل اور خوفزدہ نہ کر دے، اس بابرکت کھیتی میں نور کے پاکیزہ، نتیجہ خیز اور بارآور بیج بوتے رہو؛ کیونکہ جیسے کہ بزرگوں نے کہا ہے: ''جو بوتا ہے وہ کاٹتا ہے۔''

خبردار اے طلّابِ نور! دین کے دشمنوں کے حملوں سے گھبرا نہ جانا...... کمزوری نہ دکھانا اور تھک ہار کر بیٹھ نہ جانا...... کوشش جاری رکھو، محنت کرو اور مسلسل کام کرتے رہو...... اور اس بات کا یقین رکھو کہ نور کی دعائیں، اس کی شفاعت اور اس کی توجہ تمہیں بچالے گی۔

تمہارا بھائی

مصطفیٰ عثمان

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے معزز وفادار بھائیو!

ان کا وہ منصوبہ جو انہوں نے پچھلی گرمیوں میں مجھے ختم کر دینے کے لیے تیار کیا تھا مجھے عنایتِ الٰہیہ کی طرف سے عطا کیے ہوئے صبر و تحمل کی برکت سے اور تمہاری میرے حق میں کی گئی غائبانہ دعاؤں کی برکت سے مکمل طور پر ناکام ہو گیا ہے، اور اس بات کی دلیل کہ اُس کی تیاری بڑے اعلیٰ پیمانے پر کی تھی، یہ ہے کہ صدرِ جمہوریت نے کچھ ہی دیر پہلے ''آفیون'' میں یہ کہتے ہوئے صراحت کی ہے کہ ''ہمیں یہ توقع تھی کہ اس صوبے میں دینی اضطرابات رونما ہوں گے۔''

اس کا مطلب یہ ہوا کہ خفیہ تنظیمیں مجھ سے جوابی کاروائی کروانے کے لیے مجھ پر بہت زیادہ دباؤ ڈال رہی تھیں، لیکن اُن کی اُکسانے والی اور آپے سے باہر کر دینے والی یہ ظالمانہ غیر قانونی تکلیفیں کہ جن کے ذریعے وہ اجنبی مداخلت کی خدمت کرنے کے لیے مسلمانوں کے اور ابنائے وطن کے سامنے مجھ پر زیادتیاں کرتے رہے ہیں، وہ ان کے خلاف اس دنیا میں مکمل نقصان کی اور آخرت میں جہنم اور دوزخ کا رُوپ اختیار کر جائیں گی، اور ہمیں باذن اللہ اجرِ عظیم اور نصرِ

مبین سے ہمکنار کریں گی اور آخرت میں ہمیں جنّت اور حوضِ کوثر کا مالک بنا دیں گی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ کابینہ کو اور صدرِ مملکت کو اس مخفی منصوبے کا اس حد تک علم تھا کہ یہاں کے عام ملازمین یہاں تک کہ گورنر اور علاقے کے ڈائریکٹر بھی مجھ سے بات کرنے سے ڈرتے بلکہ بھاگتے تھے، اور میں اس بات سے بڑا حیران ہوتا تھا، لیکن جس آدمی کے پاس ذرّہ برابر بھی عقل ہے وہ یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ ہمارے ہاتھوں میں تو صرف نور ہے سیاست کی لاٹھی نہیں، اور عجیب بات یہ ہے کہ جن لوگوں کو میرے لیے کام کرنا چاہیے تھا انہیں میرے خلاف استعمال کیا گیا، طلابِ نور کو انتہائی محتاط، چاک و چوبند اور متوازن رہنا چاہیے؛ کیونکہ بہت سے معنوی جھکڑ چل رہے اور تیز تر آندھیاں اُمڈ چکی ہیں، اور بہت سے حیلہ جو فریب کار منافقین ہر جہت سے سازشیں کر رہے ہیں اور حریت پارٹی کی صفوں میں داخل ہو رہے ہیں، جبکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ مطلق استبداد کے اسی طرح حمایتی ہیں جیسے کہ ملحدین، اس کے حمایتی ہیں، اور اس سے ان کی غرض صرف اس پارٹی کی خفیہ پالیسیوں کا سراغ لگانا، اس کی کارکردگی کو خراب کرنا اور اسے برباد کرنا ہے۔

''صلاح الدین'' نے اُس امریکی کو جو ''عصائے موسیٰ'' کا ایک نسخہ دیا ہے، اس مناسبت سے ہم کہتے ہیں: مبشّرین، عیسائی روحانی شخصیات اور طلابِ نور کو آخری حد تک پُرحذر اور محتاط رہنا ہوگا؛ کیونکہ شمال کا یہ دھارا اسلام اور عیسائیت کے مقابلے میں اپنا دفاع کرنے کے لیے مبشرین اور اہلِ اسلام کے درمیان پائی جانے والی موافقت کا تیا پانچہ کر کے رکھ دے گا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ کچھ خصوصی امتیازات و مراعات سے نواز دیں اور انہیں گمراہ کر کے، زکاۃ واجب کر کے، سود کو حرام کر کے، عوامی طبقے کا تعاون کر کے اور بر جوازیوں کو یہ دعوت دے کر کہ وہ عوام کا تعاون کریں اور ظلم سے باز رہیں، اور اس طرح کے ہتھکنڈے استعمال کر کے انہیں کھینچ کر اپنی صفوں میں لے آئیں۔

اس دفعہ میں نے محض تمہاری خاطر اپنا قاعدہ توڑ دیا ہے اور دنیا کی طرف التفات کرلیا ہے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

[اس اعصاب شکن دور میں میرا نفس جب بے صبری کا مظاہرہ کر کے مجھے پریشان کر رہا تھا، تو میں نے اسے آنے والے ان چند کلمات کے ذریعے خاموش کرا دیا اور اس کی زمامِ توجہ شکر کی طرف موڑ دی۔ یہ کلمات جو کہ میرے سامنے لٹکے ہوئے ہیں اُن کا ایک نسخہ میں نے تم لوگوں کو بھی بھیج دیا ہے، امید ہے کہ تمہارے لیے مفید رہے گا۔]

1۔ اے میرے نفس! تُو نے تہتّر سال میں اپنے حصے کے وہ زیادہ تر دنیاوی لذائذ و اذواق حاصل کر لیے ہیں جو نوّے فیصد لوگوں نے حاصل کیے ہیں؛ اس لیے آج کے بعد ان چیزوں میں تیرا کوئی حق نہیں رہ گیا ہے۔

2۔ تو یہ چاہتا ہے کہ یہ آنی و فانی لذتیں ہمیشہ باقی رہیں، اس لیے جب یہ تجھے چھوڑ جاتی ہیں تو تُو رونا شروع کر دیتا ہے، اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تُو نے اپنے اندھے احساسات کے ساتھ جس غلطی کا ارتکاب کیا ہوتا ہے اُس کی وجہ سے زوردار طمانچہ کھاتا ہے اور ایک منٹ کی ہنسی کے مقابلے میں دس گھنٹے تک روتا ہے۔

3۔ وہ مظالم و شدائد جو تجھ پر برسے ہیں، وہ اپنے پیچھے تقدیر کا عدل چھپائے ہوئے ہیں، پس لوگ تو تجھ پر کسی ایک ایسے کام کی وجہ سے ظلم ڈھا رہے ہیں جو تُو نے کیا ہی نہیں لیکن تقدیر تیرے ساتھ یہ معاملہ تیری خفیہ غلطیوں کی وجہ سے کر رہی ہے، اور اس مصیبت کے ذریعے تیری تربیت کر رہی ہے اور اس طرح تیری غلطیوں کا کفارہ بنا دیتی ہے۔

4۔ پھر اے میرے بے قرار نفس! تیرے سینکڑوں تجربات نے تجھے یہ کامل اطمینان عطا کر دیا ہے کہ ان ظاہری مصائب کے پسِ پردہ انتہائی لذیذ الٰہی ثمرات پائے جاتے ہیں، اور آیت کریمہ: ﴿وَعَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا۟ شَيْـًۭٔا وَهُوَ خَيْرٌۭ لَّكُمْ﴾: تجھے ایک قطعی حقیقت کا درس دے رہی ہے، پس یہ درس ہمیشہ یاد رکھ۔

البتہ وہ قانونِ الٰہی جو تقدیر کے پہیے کو گھماتا ہے — اور وہ ایک وسیع و ہمہ گیر تقدیری قانون ہے — وہ صرف تیری چاہت سے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

5۔ "مَنْ آمَنَ بِالْقَدَرِ اٰمِنَ مِنَ الْكَدَرِ" والے قُدسی دستور کو نگاہ میں رکھ اور اسے اپنا دلیلِ راہ بنا لے اور اُن سادہ لوح بچوں کی طرح بے معنی قسم کی لذّتوں کے پیچھے مت دوڑ جن کی باگ ڈور ان کی خواہشات و رغبات کے ہاتھ میں ہوتی ہے، اور یہ سوچ کہ یہ فانی لذتیں بہت سے معنوی آلام و مصائب اور آہات و حسرات چھوڑ جاتی ہیں، جبکہ مشقتیں اور تکلیفیں معنوی لذتیں اور اُخروی ثواب کا باعث بنتی ہیں۔ اس لیے اگر تو احمق نہیں تو تیرے لیے صرف شُکر کی خاطر وقتی اور عارضی لذتوں کو طلب کرنا ممکن ہے؛ کیونکہ لذتیں صرف شکر کے لیے عطا ہوتی ہیں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے عزیز محترم بھائی!

میں نے تمہارا خط پوری توجہ کے ساتھ پڑھا ہے، یہ ایک جامع قسم کا فیضان رساں خط ہے جو ایسے محنت، عرق ریزی اور تحقیق کے ساتھ لکھا گیا ہے کہ گویا کوئی مستقل بحث ہو۔ یہ بات میں شروع میں ہی بتا دینا چاہتا ہوں کہ رسائلِ نور کا استاد اور وہ آدمی جس نے اپنے غیبی اشارات کے ذریعے ان کے ساتھ اپنے مضبوط رشتے کا اظہار کیا ہے، اور جو ایمانی

حقائق کے میدان میں میرا خصوصی استاد ہے، وہ ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

جیسے کہ میں یہ بات بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ آیت کریمہ: ﴿قُل لَّآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا ٱلْمَوَدَّةَ فِى ٱلْقُرْبَىٰ﴾ کی رُو سے آل بیت کی محبت ہمارے مسلک میں اور رسائلِ نور میں ایک بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ حقیقی طلاب نور میں کسی بھی جہت سے وہابی میلان بالکل نہیں پایا جانا چاہیے، لیکن اس دور میں چونکہ گمراہی وزندیقیت کی تندوتیز لہریں آپسی اختلاف کا فائدہ اُٹھارہی ہیں اور اس طرح اہلِ ایمان کو پریشان کرتی ہیں، علامات وشعائر کو بدنما کرتی ہیں، اور قرآن وایمان کے ساتھ برسرِ پیکار ہیں، اس لیے جزوی تفاصیل جو کہ اختلاف کا دارومدار ہیں، اُن میں بحث وجدال کا دروازہ بند کر کے اس دشمن کا مقابلہ کرنا بہت ضروری ہے جو کہ ہمیں چاروں طرف سے گھیرے میں لے چکا ہے۔ فوت شدگان کی مذمّت کرنے کی ضرورت ہی نہیں؛ کیونکہ وہ آخرت کو سدھار چکے ہیں جو کہ دارُ الجزا ہے۔ اور اہلُ السنہ والجماعت نے اُن فتنہ خیز واقعات کا دروازہ کھولنے سے منع کر دیا ہے جو صحابہؓ کے دور میں رُونما ہوئے تھے؛ کیونکہ جن اہلِ بیت کے ساتھ محبت کرنے کا حکم ہوا ہے، اس محبت کا یہ ہرگز تقاضا نہیں ہے کہ ہم ان لوگوں کے عیوب اُچھالتے رہیں جو آخرت کی طرف کوچ کر چکے ہیں؛ کیونکہ یہ معاملہ کسی بھی طرح ضروری نہیں، بلکہ اس کا نقصان ہی نقصان ہے۔

واقعہٴ جمل کہ جس میں طلحہ اور زبیرؓ شریک ہوئے تھے — اور ان دونوں کا تعلق عشرہ مبشرہ کے ساتھ ہے، اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی اس میں شریک تھیں — اس کے بارے میں اہلُ السنہ والجماعت کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ جنگ ایک اجتہاد کا نتیجہ تھی، اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی حق پر تھے اور دوسرا فریق حق پر نہیں تھا؛ لیکن وہ بھی مغفورٌ لہم ہیں کیونکہ یہ سارا معاملہ اجتہاد کا نتیجہ تھا۔ اور اُن کی رائے یہ بھی ہے جنگِ صفّین میں باغیوں کے بارے میں بات چیت کا دروازہ کھولنا صرف نقصان کا باعث ہے؛ کیونکہ اِس طرح یہ چیز ایک طرف تو وہابی میلان کو اور دوسری طرف انتہا پسند رافضیوں کے مذاہب کو ہوا دے گی، اور اس طرح دین اور اہلِ دین کو نقصان پہنچے گا۔

علّامہ سعد الدین تفتازانی نے کہا — جو کہ علم الکلام میں ایک سربرآوردہ نام ہے — یزید، ولید اور حجاج پر لعنت کرنا جائز ہے، اُس نے یہ نہیں کہا کہ اُس پر لعنت کرنا واجب اور کارِ ثواب ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ قرآن کا اور نبی علیہ ﷺ کا انکار کرتے ہیں اور اس مقدس مقام ومرتبے کو ٹھکراتے ہیں جو صحابہ کرامؓ نے حاصل کیا، یہ لوگ بہت زیادہ ہیں، گنتی سے باہر ہیں۔ اور ان میں سے بہت سے لوگ اس دور میں بھی اُچھل کود کر رہے ہیں اور سرگرمِ عمل ہیں، لیکن اُن پر لعنت کرنا واجب اور کارِ ثواب ہرگز نہیں۔ اور اگر کوئی شخص اس طرح کے لوگوں کا ذکر نہیں کرتا یا ان پر لعنت نہیں کرتا تو شرعی طور پر کوئی حرج کی بات نہیں؛ کیونکہ لعنت اور مذمّت مدح اور محبت جیسا نہیں ہے، اور لعنت اور مذمّت کا شمار اعمالِ صالحہ میں بھی نہیں ہوتا ہے، اور اگر یہ نقصان کا سبب بنیں تو پھر تو بہت ہی زیادہ بُرے ہیں۔

حقیقتِ واقعہ یہ ہے کہ اس دور کے منافقین جو پس پردہ بھاگ دوڑ میں مصروف ہیں چند ایسے علما کے ذریعے اسلام پر

ایسی کاری ضربیں لگا رہے ہیں جن کے حق میں بہتر یہ تھا کہ انہیں اسلام کے اور قرآنی حقیقت کے دفاع کے لیے حکم دیا جاتا اور مکلّف کیا جاتا؛ کیونکہ یہ لوگ اس طرح کے علما کو وہابی میلان کا فائدہ اٹھا کر استعمال کرتے ہیں اور ان سے خدمت لیتے ہیں اور اس طرح دونوں فریقوں کے درمیان پھوٹ ڈالتے ہیں، اور اس میدان میں انہیں بڑی مہارت حاصل ہے۔ اس طرح کی بعض چیزیں آپ نے اپنے خط میں ذکر بھی کی ہیں، بلکہ آپ تو یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ سب سے قوی وسیلہ جو ان لوگوں نے میرے اور رسائل نور کے خلاف استعمال کیا ہے وہ انہیں صرف اِن علما میں ہی ملا ہے۔

اور آپ کا وہ اجتہاد کہ جس کا سرچشمہ اہلِ بیت کی محبت ہے، اور جس کے اظہار کی ان حالات میں ضرورت بھی نہیں، یہ چیز بھی آپ پر اور شاگردانِ رسائلِ نور پر حملے کا سبب بن سکتی ہے، اور یہ حملہ کریں گے وہ علما جو بہت عرصے سے استنبول میں ان دنوں حرمین شریفین میں موجود غالی وہابیوں کی اور ابن تیمیہ اور ابن قیم الجوزیہ کی کتابیں پڑھ پڑھا رہے ہیں: یہ دونوں اسلام کے مشاہیر میں سے ہیں اور ان کی کتابیں بڑی عجیب ہیں، اور ان میں بڑی جاذبیت ہے، اور اس ضمن میں ان لوگوں کا تعاون کچھ وہ علما کر رہے ہیں جو بدعت کو فروغ دیتے ہیں، اَولیاء کرام کے خلاف ہیں اور اپنے بدعت کے بارے میں نرم گوشہ رکھنے والے مشارب پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ اگرچہ ذم وتکفیر کی ممانعت کا کوئی شرعی حکم موجود نہیں ہے تاہم ایک شرعی حکم بہرکیف موجود ہے جو ذمّ و تکفیر کے ارتکاب پر مرتّب ہوتا ہے، اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ ذم وتکفیر اگر بغیر حق کے ہو تو بہت بڑا گناہ ہے، اور اگر حق کی روشنی میں ہو تو ان میں نہ خیر ہے نہ اجر؛ اس کی وجہ یہ ہے ذمّ وتکفیر کے مستحق لوگوں کی کمی نہیں ہے، لیکن ذم وتکفیر سے رُکے رہنے میں نہ تو کوئی شرعی حکم وارد ہے اور نہ ہی اس میں کوئی گناہ ہے۔

اسی وجہ سے اہلِ حقیقت نے اُس قُدسی قانون سے رہنمائی حاصل کی ہے جس کی بنیاد اس مذکورہ حقیقت پر ہے جو اہلِ سنت نے مقرر کی ہے، جن میں سرفہرست ائمۂ اَربعہ اور ائمۂ اہلِ بیت ہیں، چنانچہ ان لوگوں نے عصرِ اوّل میں اہلِ اسلام کے مابین برپا ہونے والے فتنوں کے بارے میں بحث وجدال کو جائز نہیں سمجھا ہے، بلکہ انہوں نے فیصلہ دے دیا ہے کہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا فائدہ تو کوئی ہے نہیں البتہ نقصان ضرور ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان جنگوں میں دونوں طرف جلیلُ القدر صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد تھی، اس لیے ان واقعات کی گہرائی میں اترنے سے دل میں ایسا اعتراض اور انکار پیدا کر دیتا ہے جس میں ان صحابہ کرامؓ کے خلاف جانبداری کے پہلو کی جھلک محسوس ہوتی ہے، بلکہ طلحہؓ وزبیرؓ جیسے صحابہ کی مخالفت محسوس ہوتی ہے جن کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے، ان جنگوں میں اگر کوئی غلطی سرزد ہوئی بھی ہے تو توبہ کا قوی تر احتمال ضرور موجود ہے۔

کسی بھی فاضل، دُور اندیش اور کسی قدسی وظیفے کی ذمہ داری نبھانے والے آدمی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ان لوگوں

سے توچشم پوشی کیے رکھے جو واقعتاً ہزاروں لعنتوں اور نفرتوں کے مستحق ہیں، یعنی وہ لوگ جو اس دور میں اسلام پر بدترین حملے کر رہے ہیں؛ اور ماضی کے اُس زمانے کی طرف جا نکلے اور اُن حالات کا گہری نظر سے جائزہ لیتا رہے جبکہ شریعت نے اسے اس طرح کا کوئی حکم نہیں دیا ہے، اور یہ بات کسی بھی حیثیت سے ضروری بھی نہیں بلکہ لامحالہ نقصان دہ ہے۔

اور میں یہ بات آپ سے چھپانا نہیں چاہتا کہ آپ کی ''صبری'' کے ساتھ جو بحث وتکرار ہوئی اس نے رسائل نور کو اور اس کے ایمانی حقائق سے پھیلاؤ کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا ہے، اس بات کا احساس مجھے اُسی وقت ہو گیا تھا، جبکہ میں یہاں تھا، اور مجھے اس بات کا بہت زیادہ دکھ ہوا تھا۔

پھر مجھے آپ جیسے محقق عالم سے، اور آپ کے پاس آنے والے ''صبری'' سے جو کہ اِس علاقے میں کسی اہم خدمت کا وسیلہ بننے کے لیے آیا تھا...... مجھے تم دونوں سے جلیل ُالقدر نوری خدمت کی توقع تھی، لیکن اچانک میں اس سے بالکل الٹ محسوس کرنے لگا بلکہ دیکھنے لگا کہ نور کو تین جہتوں سے نقصان پہنچ رہا ہے، اور میں جب اپنے آپ سے یہ سوال کرتا تھا: یہ نقصان کس چیز سے ہوا ہے؟ تو چند دنوں کے بعد مجھے یہ خبر ملی کہ ''صبری'' نے تمہارے ساتھ کسی ایسے مسئلے میں بحث وتکرار کی ہے جس میں بحث کرنا ضروری بھی نہیں تھا اور اس کا کچھ فائدہ بھی نہیں تھا، اور آپ نے اس بحث میں بڑی سنجیدگی سے کام لیا تھا، تب مجھے اس کا بہت افسوس ہوا اور میں نے یہ کہتے ہوئے اللہ سے دعا کی کہ یا اللہ! یہ دو آدمی ''ارضروم'' سے میرے تعاون کے لیے آئے ہیں، اس لیے ان دونوں کے اختلاف کو صلح میں بدل دے۔

اہلِ ایمان پر ان دنوں جو چیز واجب ہے — جیسے کہ ''اخلاص'' کے دو رسالوں میں ذکر ہو چکا ہے — وہ یہ ہے کہ وہ صرف اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ہی نہیں عیسائیوں کی دینی روحانی شخصیات کے ساتھ بھی تعلقات استوار رکھیں اور اختلافی مسائل وتنازعات کو جھٹک کر ایک طرف رکھ دیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ کفرِ مطلق حملے پہ حملہ کرتا ہی چلا جا رہا ہے۔

اور میں آپ کی دینی حمیّت اور علمی وجاہت کی وجہ سے آپ سے اور رسائلِ نور کے ساتھ آپ کی گہری وابستگی کی وجہ سے یہ اُمید کرتا ہوں کہ آپ اُس واقعے کو بھول جانے کی کوشش کریں گے جو آپ کے اور ''صبری'' کے درمیان رُونما ہوا، اور یہ کہ آپ اس کے ساتھ عفو ودرگزری کا رویہ اختیار کریں گے۔

کیونکہ اس نے جو باتیں کی ہیں اپنی طرف سے نہیں کی ہیں، بلکہ اس نے وہی باتیں دہرا دی ہیں جو مشائخ سے غیر ضروری بحث ومناقشہ کی صورت میں سن رکھی تھیں۔

اور آپ تو یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایک جلیلُ القدر نیکی بہت سی برائیوں کو مٹا ڈالتی ہے۔ جی ہاں، حق بات یہ ہے کہ ہمارے علاقے کے بیٹے ''صبری'' نے رسائلِ نور کی وساطت سے نور کی اور ایمان کی اتنی جلیلُ القدر خدمت کی ہے کہ اس کی ہزاروں غلطیوں سے درگزر کروا سکتی ہیں۔ اور آپ کے مقامِ بلند کا یہ تقاضا ہے کہ اس کی نوری خدمات کو نگاہ

میں رکھیں اور اس بنا پر اسے اپنا ہم وطن دوست اور نور کی خدمت میں اپنا بھائی سمجھیں۔

بعض صحابہؓ نے ان جنگوں کو شرعی رخصت اور اضافی یا نسبتی عدل کی رُو سے دیکھا اور یوں انہوں نے حضرت علیؓ کا مسلک چھوڑ دیا، اور وہ ہے شرعی عزیمت اور حقیقی عدل کا مسلک اور اس میں پایا جانے والا زہد و استغنا اور کفایت شعاری۔ اور انہوں نے یہ مسلک صرف اتباع اور پیروکاری کی حد تک چھوڑا تھا کسی اور وجہ سے نہیں، اور وہ اپنے اجتہاد کے نتیجے میں حضرت علیؓ کی مخالف صفوں میں جا ملے، حتیٰ کہ ان صفوں میں — ایک وقت میں — حضرت علیؓ کے بھائی عقیل بن ابو طالب اور حبرُ الامت عبد اللہ بن عباس بھی نظر آئے۔ پس اس معنی کو سامنے رکھ کر اور "مِنْ مَحَاسِنِ الشَّرِيْعَةِ سَدُّ اَبْوَابِ الْفِتَنِ" جیسے شرعی دستور کی روشنی میں حقیقی اہلِ سنت یہ کہتے ہیں کہ: "طَهَّرَ اللهُ اَيْدِيْنَا، فَلْنُطَهِّرْ مِنْهَا اَلْسِنَتَنَا"۔ چنانچہ انہوں نے ان فتنوں کا دروازہ کھولنے اور ان کی گہرائیوں میں اُترنے کو جائز نہیں سمجھا ہے؛ کیوں کہ فرض کرو کہ اگر چند ایسے لوگ ہوں جن پر اعتراض وارد ہوسکتا ہو، تو وہاں جانبداری کی رَگ لازماً پھڑک اُٹھے گی اور صحابہ کرامؓ پر اعتراض کرنا شروع کر دے گی، بلکہ بعض اُن اہلِ بیت پر بھی اعتراض کرے گی جو حضرت علیؓ کی مخالف صفوں میں چلے گئے تھے، اور طلحہ و زبیر جیسے مبشَّر بالجنت کبار صحابہ پر بھی اعتراض کرے گی، اور پھر اس کے نتیجے میں ذمّ و تکفیر اور دشمنی کی رَگ پھڑک اُٹھے گی؛ پس اِسی وجہ سے اہلِ سنت اس دروازے کو بند کر دینے کی طرف مائل ہوئے ہیں، حتّٰی کہ سعد الدین تفتازانی نے جو کہ اہل سنت کے مشہور امام اور علم الکلام کے سرکردہ عالم ہیں جب یزید اور ولید کے حق میں لعن طعن کے کرنے اور انہیں گمراہ کہنے کے جواز کا فتوی دیا تو اہل سنت کے ہی دوسرے امام سید شریف جرجانی نے یہ کہہ کر ان کی تردید کی کہ: یہ ٹھیک ہے کہ یزید اور ولید ظالم، مستبد اور فاسق و فاجر تھے، لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی موت ایمان پر نہیں ہوئی تھی؛ کیونکہ یہ ایک غیبی معاملہ ہے، اور غیبی معاملے کے بارے میں کسی قطعی اور یقینی علم تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اور کوئی ایسی نص اور قطعی دلیل بھی نہیں ہے جو ان کا نام لے کر ان کے بارے میں کچھ بتاتی ہو۔ کسی بھی شخص پر بعینہ اس کا نام لے کر لعنت کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس بات کا احتمال موجود ہے کہ اس نے مرتے وقت توبہ کر لی ہو، ہاں البتہ عمومی لفظوں کے ساتھ لعنت کرنا جائز ہے، جیسے یہ کہنا: لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الظَّالِمِيْنَ وَ الْمُنَافِقِيْنَ وغیرہ، ورنہ اس چیز کی ضرورت نہیں، بلکہ اس میں بہت زیادہ نقصان ہے۔

شدید بیماری اور ضروری مشاغل کی وجہ سے آپ کے پختہ علمی خط کا تفصیلی جواب نہیں لکھ سکا ہوں، اس لیے جلدی یہی کچھ لکھ سکا، اور اسے ہی کافی سمجھیں۔

آپ کا بھائی

سعید نورسی

وزیر داخلہ کو لکھے گئے دادخواہی والے خط کا ایک جز

......جیسے ظلم مجھ پر ہوئے ہیں ویسے کسی پر نہیں ہوئے ہوں گے، اور مجھ پر جو انواع واقسام کی سختیاں اور زیادتیاں روا رکھی گئی ہیں دس پہلوؤں سے خلاف قانون ہیں، میں اس کی وضاحت کرتا ہوں اور کہتا ہوں:

اس مسکین سعید کو دھوکے سے مارنے کی کوشش میں جو زہر دیا گیا، اس کی وجہ سے وہ بہت زیادہ بیمار ہو گیا ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ بہت زیادہ کمزور، نڈھال اور لاچار ہو چکا ہے، بوڑھا ہے، اکہتر سال کے پیٹے میں ہے، انتہائی قابلِ رحم اجنبیت میں یکہ وتنہا ہے، فقیر ہے گزر بسر کے لیے اپنے کپڑے تک بیچنے پر مجبور ہو گیا ہے، پندرہ سال تک لوگوں سے علیحدہ رہنے کی وجہ سے اب اُن سے وحشت کھاتا ہے، چنانچہ اُسے ایک ہزار لوگوں میں بمشکل ایک آدھ ہی کامل الصدق آدمی ملتا ہے، اور اس سے بڑھ کر وہ ایک بے گناہ آدمی ہے، ''انقرہ'' میں ماہرین کی کمیٹی نے اسے بے گناہ قرار دیا ہے، اور اس سے پہلے تین عدالتوں نے اس کی زندگی کے بیس سالوں کا جائزہ لے کر اور اس کی تالیفات کی تحقیق وتمحیص کرنے کے بعد اُسے بے گناہ قرار دیا تھا، اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اس کی تالیفات بہت مفید ہیں اور ان میں ایسی کوئی چیز نہیں پائی جاتی جو وطن وقوم کے لیے نقصان دہ ہو، وہ اپنا ہم وطن ہے اور وطن کے لیے بڑی غیرت رکھتا ہے، پہلی جنگِ عظیم میں وہ وطن کے لیے بڑی بھاری خدمات سرانجام دے چکا ہے، اور ان دنوں میں بھی وہ وطن اور ابنائے وطن کو انار کی اور بیرونی تخریب کاری سے بچانے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ اور اپنی بالکل واضح تاثیر رکھنے والی تالیفات کے ذریعے میدانِ عمل میں ہے۔ وہ ایک صُلح جُو اور صلح کن آدمی ایسا کوئی کام نہیں کرتا جو تم لوگوں کے لیے نقصان دہ ہو، وہ تمہارے دنیاوی اُمور میں بھی دخل اندازی نہیں کرتا ہے، بلکہ پچھلے پچیس سال سے اس نے نہ تو کوئی اخبار پڑھا ہے اور نہ ہی احوال وواقعات کی طرف کوئی توجّہ دی ہے جیسے کہ یہ بات عدالت میں ستر گواہوں کی گواہی کے ذریعے ایک ثابت شدہ حقیقت ہے، دوسری جنگ عظیم جو سات سال تک جاری رہی اُس نے نہ تو کبھی اس کی طرف کوئی توجہ دی اور نہ ہی اس کے بارے میں کبھی کسی سے معلومات لیں اور نہ ہی اُسے اس کے بارے میں کسی چیز کا علم ہوا۔ وہ اپنی تالیفات میں قوی دلائل کے ساتھ یہ بات ثابت کر چکا ہے کہ وہ سیاست سے قطعی طور پر کنارہ کش ہو چکا ہے جیسے کہ تمہارے عدالتی محکمے سرکاری طور پر اس بات کا اعتراف کر چکے ہیں، اور وہ لوگوں کی توجہ حاصل کرنے سے اور لوگوں کی طرف متوجّہ ہونے سے آخری حد تک متنفر اور گریزاں ہے، اس کے تعلق داروں میں سے کوئی اس کی تعریف کرے یا اُس کے بارے میں حسنِ ظن رکھے تو وہ ناراض ہوتا ہے، اور اس طرح کی کوئی بھی چیز اچھی نہیں لگتی ہے اور نہ وہ اس سے خوش ہوتا ہے؛ تاکہ اس کی آخرت کو اور اس کے اخلاص کو کہیں نقصان نہ ہو جائے......اب آپ سے وزیر داخلہ صاحب یہ سوال ہے کہ آپ نے اسے صرف ایک دن اتنی سزا دینے کے لیے کہ جتنی وہ ایک مہینے قید تنہائی میں جھیلتا تھا، اور اسے قید تنہائی میں اور کال کوٹھڑی میں رہنے پر مجبور کرنے کے لیے آپ نے اس پر ''آفیون'' کے گورنر کو اور ''امیر داغ'' کی

پولیس کو مسلط کر رکھا ہے، اُس میں کون سی حکمت کارفرما ہے اور ایسا کون سی مصلحت کے تقاضے کے تحت کیا جا رہا ہے؟ اور اس قسم کی وحشت ناک سختی کی اجازت کون سا قانون دیتا ہے؟

میں یہ وضاحت حقوقِ عامہ کی نگہداشت کرنے والی عدالت ہائے عالیہ کی وساطت سے وزیر داخلہ کے لیے کر رہا ہوں۔

ازراہِ ظلم

حقِ حیات اور تمام تر شہری اور انسانی حقوق سے محروم

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

سابق وزیر داخلہ اور جمہوری پارٹی[1] کے حالیہ سیکرٹری جناب حلمی کی طرف......

اوّلاً: میں نے بیس سالوں کے دوران صرف ایک ہی شکایتی درخواست لکھی ہے، یہ درخواست میں نے آپ کو اس وقت لکھی تھی جب آپ وزیرِ داخلہ تھے، البتہ یہ ہے کہ میں نے اس تمام مدت میں اپنا قاعدہ ضابطہ نہیں توڑا ہے[2] اس خط میں میں آپ کو سابق وزیر داخلہ اور موجودہ سیکرٹری کی حیثیت سے مخاطب کروں گا۔

جو آدمی بیس سال مسلسل خاموش رہنے کے بعد حکومت کے کسی بڑے آدمی کے ساتھ حکومت کے فائدے کے لیے صرف ایک بار گفتگو کرتا ہے، یہ آدمی اگر دس گھنٹے بھی بات کرے تو وہ بھی بہت کم شمار ہوں گے، اس لیے مجھے گھنٹے دو گھنٹے تک بات کرنے کی اجازت دیں۔

---

[1] اس سے مراد جمہوری خلق پارٹی ہے جس کی تشکیل مصطفی کمال پاشا نے خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کے بعد حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد کی، یہ پارٹی، ترکی میں لگ بھگ پچیس برس تک بلا شرکتِ غیر حکمران رہی۔ پھر 1950ء میں آزادانہ انتخابات میں اسے شکست ہوئی۔ مصطفی کمال کے بعد اس کے جانشیں عصمت اِنونو کے دور میں خلق پارٹی نے بائیں بازو کی سوشلسٹ پارٹی کی شکل اختیار کر لی تھی۔ کمیونسٹ پارٹی ترکی میں خلاف قانون ہے لیکن ترک کمیونسٹ آج بھی خلق پارٹی کی سرپرستی میں پھل پھول رہے ہیں اور جمہوریت، سیکولرازم اور قومیت کے نعرے لگاتے ہیں۔

[2] مطلب یہ ہے کہ انہوں نے خط لکھ تو لیا لیکن پوسٹ نہیں کیا تاکہ ان کا وہ قاعدہ نہ ٹوٹ جائے جس کا التزام انہوں نے اس تمام مدت میں کیے رکھا، اور وہ ہے سرکاری محکموں کی طرف مراجعت نہ کرنا۔

ثانیا: آپ کے جمہوری پارٹی کے سیکرٹری ہونے کی حیثیت سے میں آپ کے سامنے ایک حقیقت کی وضاحت کرنے کے لیے مجبور ہوں، اور وہ یہ ہے کہ اس پارٹی پر قوم کے لیے ایک بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ ترک قوم اور اس کے شانہ بشانہ چلنے والے دیگر دینی بھائیوں نے ایک ہزار سال سے اپنی بہادریوں کے ذریعے عالمِ اسلام کے لیے جو عظیم الشان کارنامے پیش کیے ہیں: وہ کارنامے اسلامی وحدت کو محفوظ رکھنے کا اور نوعِ بشر کو تابناک طریقے سے گمراہی اور کفر مطلق سے بچانے کا ایک وسیلہ بنے، اس لیے آج اگر آپ لوگ قرآن اور حقائقِ ایمان سے خالی ہو گئے، اور ماضی کی طرح قرآنی اور ایمانی حقائق کی نشر و اشاعت کے لیے کمر بستہ نہ ہوئے، تو میں تمہیں اس بات کی قطعی اور قطعی دلائل سے تائید یافتہ خبر دے رہا ہوں کہ تم لوگ عالمِ اسلام اور اس کے قائد اور بہادر بھائی کے درمیان محبت اور اخوت کو فروغ دینے کے بجائے عداوت، بغض اور نفرت ڈالنے کا سبب بن جاؤ گے۔ اور تم لوگ اُس اَنار کی کے مقابلے میں اس قوم کی شکست کا سبب بن جاؤ گے جو اَنار کی اُس کفر کے زیر سایہ پروان چڑھ رہی ہے جو عالمِ اسلام کو تہس نہس کر دینے پر تلا ہوا ہے، اور اس طرح تم اسلام کے مضبوط قلعے اور اس کے دستے یعنی ترک قوم کو پارہ پارہ کرنے اور اُس کے اس خوفناک اژدھے کا شکار بن جانے کا سبب بن جاؤ گے جو مشرقی شمال سے پھنکارتے ہوئے سر نکال رہا ہے۔

جی ہاں، باہر سے جو دو طرح کی تباہ کن دھارے چلے آ رہے ہیں، یہ بہادر قوم اس کے سامنے صرف قرآن کی قوت کے ساتھ ہی کھڑی ہو سکتی ہے، لیکن اگر ایسا نہ ہوا تو کفرِ مطلق، استبدادِ مطلق، رذالتِ مُطلقہ اور شرفا کی دولت و ثروت کو رذیلوں اور کمینوں کے لیے جائز کر دینے کے اعتقاد پر اعتماد کرتے ہوئے تباہ و برباد کر دینے والی قوت کے آگے بندھ صرف دین کی قوت اور ایمان کے رشتے جیسی دو چیزیں ہی باندھ سکتی ہیں اُس قوم کا طرّہ امتیاز ہے جو اسلام کی حقیقت کے ساتھ ممزوج و متّحِد ہو چکی ہے اور جس نے اپنی با عزّت تاریخ کا سراغ اسلام میں ہی پایا ہے۔

جی ہاں، اِس وطن کے غیور مخلص لوگ اس دھارے کو اللہ کے حکم سے روک لیں گے، اور یہ اس طرح ہوگا کہ وہ ان قرآنی حقائق کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیں گے جو کہ اس متحد و متفق قوم کے لیے زندگی کے رگ و ریشے کی حیثیت رکھتے ہیں، اور اُن کا اِن حقائق پر پورا پورا اعتماد ہوگا اور وہ مغربی تہذیب و تمدّن کی تربیت کے بجائے ان حقائق کو اپنی زندگی کا اور اپنی حرکات و سکنات کا دستور بنا لیں گے۔

اور جہاں تک تعلق ہے دوسرے دھارے کا، تو جب تک آپ جیسے غیور ابنائے وطن ان موجودہ مبادیات کو اپنائے اور سینے سے لگائے رکھیں گے جو کہ مغربی تہذیب کی مصلحت کے لیے ہماری مقدّسات کی بے حرمتی کر رہی ہیں، اور وہ کاروائیاں بدستور جاری رہیں جنھیں کچھ لوگوں نے انقلاب کے نام پر نافذ کیا ہوا ہے اور انہیں ایک بنیاد بنا کر ان پر اعتماد کیا جا رہا ہے، اور موجودہ دور کی اور انقلاب کی تمام تر اچھائیوں کی نسبت ان کی طرف کی جائے گی، اور موجودہ دور کی تمام

ترقباحتوں کی نسبت قوم کی طرف کی جائے گی تو پھر ان مجموعی تھوڑے سے لوگوں کی برائیاں تمام لوگوں پر چھا جائیں گی اوران کی تعداد کروڑوں تک پہنچ جائیں گی، اور معاملہ اس بہادر، متدین اور اسلام کے سپاہی ترک قوم کے خلاف اور اُن کے لاکھوں شریف سپاہیوں کے اور بہادر شہیدوں کے خلاف بغاوت بن جائے گا اور ان کی پاک صاف روحوں کے لیے اہانت اور معنوی عذاب کا روپ دھار جائے گا، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ موجودہ نیکیاں جو کہ فوج اور عوام کی قوت وہمت کے ساتھ ظہور میں آئی ہیں، ان نیکیوں کی نسبت ان چند انقلابیوں کی طرف کر دی جائے جن کا اِن میں کوئی قابلِ ذکر حصہ نہیں ہے، تو پھر لاکھوں نیکیاں سکڑ کر چند عدد رہ جائیں گی اور صرف انہیں چند لوگوں میں منحصر ہو جائیں گی اور نہ ہونے کے برابر ہو جائیں گی اور ان کے پاس ان ہولناک قباحتوں کو مٹانے کی طاقت نہیں ہوگی۔

ثالثاً: اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مختلف سطحوں پر تمہارے داخلی اور خارجی مخالفین بہت زیادہ ہیں، چنانچہ اگر یہ تمہاری مخالفت ایمانی حقائق کے ساتھ کریں گے تو تمہیں فوراً ہرا دیں گے؛ کیونکہ اس قوم کے نوّے فیصد بیٹے قلبی اور روحی طور پر ایک ہزار سال سے اسلامی اقدار وروایات کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں، یہ لوگ اگر کوئی ایسا کام کریں گے جو اُن کی فطرت کے خلاف ہوگا تو حکم کی اطاعت کرتے ہوئے بظاہر اس کے مطابق چل بھی پڑیں گے، لیکن اُسے دل سے قبول نہیں کریں گے۔

پھر ایک مسلمان آدمی دیگر اقوام کے کسی فرد جیسا نہیں ہوتا؛ کیونکہ وہ اگر اپنا دین چھوڑ دے تو مطلقُ العنان انارکسٹ ہو جائے گا اور کسی قید میں مقیّد نہیں رہے گا، اور اس وقت اس کے ساتھ استبدادِ مطلق اور کھلی رشوت کے سوا کسی دیگر تربیت کا معاملہ نہیں کیا جائے گا...... اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کی تائید بہت سی دلیلیں اور بہت سی مثالیں کرتی ہیں، لیکن میں تفصیل میں جانے کے بجائے اختصار سے کام لیتا ہوں اور باقی معاملہ تمہاری ذہانت پر چھوڑتا ہوں۔

تم لوگوں کو سویڈن، ناروے اور فن لینڈ سے غافل نہیں ہونا چاہیے جنھیں قرآن کریم کی ضرورت کا شدت سے احساس ہو گیا ہے، بلکہ تمہاری یہ ذمہ داری ہے کہ تم لوگ ان کے اور ان جیسے دیگر ملکوں کے رہبر بن جاؤ۔ لیکن اگر تمہاری نظر ان موجودہ برائیوں پر ہی لگی رہی جو انقلاب سے پیدا ہوئی ہیں، اور تم اُن غلطیوں کی نسبت چند لوگوں کی طرف کرتے رہے اور عالمی جنگ سے اور دیگر انقلابی تحریکوں کے حالات سے برآمد ہونے والی تخریب کاریوں اور فساد انگیزیوں کی طرف متوجہ رہے — اور خاص کر وہ تخریب کاریاں جن کا تعلق دینی اقدار وروایات کے ساتھ ہے — تمہاری توجہ اِن کی طرف ہو گئی اور تم ان کی اصلاح میں مصروف ہو گئے، تو مستقبل میں بڑا شرف حاصل کرو گے اور آخرت میں اپنی برائیوں کو مٹا سکو گے، اور قوم ووطن کی مفید خدمات سرانجام دینے کی وجہ سے تم لوگ غیرت مند وطن پرست کہلاؤ گے۔

رابعاً: موت کو جب قتل نہیں کیا جا سکتا اور قبر کے دروازے کو بند نہیں کیا جا سکتا، اور تم لوگ بھی جب دوسرے لوگوں کی طرح قبر کی طرف سرکتے جا رہے ہو، اور یہ موت جب اہلِ ضلالت کے لیے ابدی طور پر معدوم کر دینے والی چیز کی

حیثیت رکھتی ہے، تو پھر ایک لاکھ جماعتی، سیاسی یا دنیاوی سرگرمی بھی اسے تبدیل نہیں کرسکتی ہے۔

پھر رسائلِ نور تمہارے سامنے ہیں، اور انہی رسائل نے یہ بات سورج کی طرح واضح صورت میں ثابت کردی ہے کہ قرآن اس ابدی طور پر معدوم ہوجانے کو اہل ایمان کے لیے ایک عمل سے سبکدوش ہوجانے میں تبدیل کردیتا ہے، اور یہی وہ رسائل ہیں کہ بیس سال سے کوئی فلسفی یا ملحد قسم کا انسان جن کا سامنا نہیں کرسکا، بلکہ یہی رسائل ان فلاسفہ کو ایمان لانے کے لیے اُبھار رہے ہیں جوان کوغوروفکر کے ساتھ پڑھ چکے ہیں، اور یہ وہی رسائل ہیں جو بارہ سال سے تمہاری سب سے بڑی عدالتوں کی نظروں میں رہے، اور تمہاری علماوفلاسفہ سے ترتیب پائی کمیٹیوں نے جن کی گہری نظر سے چھان بین کی، لیکن یہ ان کی دادوتحسین، تصدیق اور قدردانی کے مستحق ٹھہرے اور ان میں پائے جانے والے ایمان کے دلائل پر کوئی اعتراض نہ کرسکے، اور ان کے ذریعے وطن اور ابنائے وطن کو کبھی کوئی نقصان نہ ہوا، بلکہ یہ سدِّ ذوالقرنین جیسی ایک سدِّ قرآنی ہے جوان خطرناک دھاروں کے حملوں کو روکتی ہے، اور یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ جس پر میں ترک قوم کے ایک لاکھ بیٹوں کی اور خاص کر مہذب ومثقّف نوجوانوں کی گواہی پیش کرسکتا ہوں......رسائلِ نور میں جب وہی صفت پائی جاتی ہے جو میں نے بیان کی ہے، تو پھر یہ بات ضروری ہے کہ تمہارے کندھوں پر پڑنے والی جو اہم ترین ذمہ داریاں ہیں اُن میں سے ایک ذمہ داری یہ ہے کہ میں نے جو رائے دی ہے اسے معتبر سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہوجاؤ۔

تم لوگ ہر وقت سیاستدانوں سے دنیا کی ہزاروں باتیں سنتے تھکتے نہیں ہو، اس لیے تمہارے لیے یہ لازم ہے کہ میرے جیسے ایک ایسے آدمی کی تھوڑی سی بات بھی سنو جو بالکل ضعیف ولاچار ونادار ہے، قبر کے دہانے پر کھڑا ہے، تمہیں آخرت کے بارے میں بتاتا ہے اور ابنائے وطن کے لیے آنسو بہاتا ہے۔

علی الرّغم اس کے کہ میں نے بیس سال کے عرصے میں سرکاری محکموں کی طرف رجوع نہیں کیا ہے، لیکن یہ عریضہ غضب کی حالت میں لکھا گیا ہے اور اس کے علاوہ دیگر کچھ اس انداز میں نہیں لکھا گیا، اور اس میں مخاطب وزیر داخلہ ''حلمی'' ہے جس نے مجھے تکلیفیں دینے میں کبھی کوئی کسر نہیں چھوڑی، اور اسے اطلاع کی غرض سے ''آفیون'' کے پولیس کی طرف ارسال کیا گیا۔ تب انہوں نے مجھے بغیر وجہ کے اور بے فائدہ طور پر پے در پے ظلم وتشدّد کیا اور یہ کہتے ہوئے مجھے سرکاری طور پر پولیس چوکی میں طلب کیا کہ ''یہ تمہاری لکھائی نہیں ہے، سچ بتاؤ تمہیں کس نے لکھ کر دیا ہے؟'' تو میں نے جواب میں کہا: ''اس طرح کے لوگوں کے پاس آنے کا کوئی فائدہ نہیں...... میں جو بیس سال تک خاموش رہا ہوں اس میں حق پر تھا۔''

پس اے ''امیرداغ'' کے ذمہ دار واور پولیس افسرو!...... یہ عریضہ میں نے ایک سال پہلے لکھ لیا تھا لیکن پیش نہیں کیا تھا، بلکہ اسے سنبھال کر رکھے رکھا۔ لیکن دیکھ لو یہ لوگ میرے بارے میں ایسے استبدادِ مطلق کے بل پر فیصلے صادر کررہے ہیں کہ دنیا میں جس کی مثال نہیں ملتی ہے، چنانچہ یہ لوگ میری خصوصی رہائش گاہ تک میں دخل اندازی کرتے ہیں اور

میرے اس خادم کو بھی مجھ سے روکتے ہیں جو میری خدمت پر مامور ہے، اور اس میں وہ صریحاً پانچ پہلوؤں سے قانون کے خلاف چل رہے ہیں اور میں یہ عریضہ اس اُمید پر پیش کر رہا ہوں کہ شاید وہ لوگ بھی انصاف سے کام لے سکیں جو قانون کے نام پر قانون کی مخالفت کر رہے ہیں۔

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے عزیز و فادار بھائی، اور اس دنیائے فانی میں سنجیدہ ہمت کے مالک دوست!

اوّلاً: میں جس ظلم و تشدد کا اور ایذا رسانی کا سامنا کر رہا ہوں اس ضمن میں تم لوگوں نے جس اہتمام سے کام لیا ہے، مجھ پر ترس کھایا ہے اور فکری طور پر جلدی سے تعاون کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں، اس پر میں اپنے دوستوں کا اور ابنائے وطن کا اور خاص کر ''ارضروم'' کے بعض فاضل دوستوں کا بہت زیادہ شکر گزار اور منت پذیر ہوں، اور یہ ایک ایسی بات ہے جو میں تاحیات بھول نہیں پاؤں گا۔ اور میں اس ضمن میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں ماشاءاللہ...... بارک اللہ۔

ثانیاً: میں چند ایسے نقاط کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں جو میری حالت کے ساتھ اور ظالم لوگ مجھے تکلیفیں دے رہے اُن کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ یہ چیز میرے مسلک کے، میرے اس درس کے جو میں نے رسائل نور سے حاصل کیا ہے اس کے، اور میری زندگی کے اس دستور کے منافی ہے جس پر میں بیس سال سے کاربند ہوں — اور وہ دستور ہے اِس دنیائے فانی میں رُونما ہونے والے عبوری، عارضی اور معمولی قسم کے واقعات و حوادث کی طرف بالکل توجہ نہ دینا — لیکن میں نے یہ سب کچھ آپ کی خاطر، آپ کے اس اہتمام کی خاطر اور آپ کے تھوڑی دیر پہلے ارسال کردہ طویل خط کی خاطر کیا ہے۔

اوّلاً: آج سے تیس سال قبل میں جب ''دارُالحکمۃ الاسلامیۃ'' کا ممبر تھا، وہاں ایک دن میرے وہاں کے ایک ممبر دوست ''سعدالدین پاشا'' نے کہا: محتاط رہو...... مجھے ایک ثِقہ آدمی نے بتایا ہے کہ ایک غیر ملکی تنظیم جو کہ ہمارے وطن میں الحاد و زندیقیت پھیلا رہی ہے آپ کی کوئی کتاب اس کے ہاتھ لگ گئی ہے، اور اس تنظیم کے افراد اب آپ کو راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کر چکے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ جب تک اس کتاب کا مؤلف زندہ ہے ہم اس قوم سے اپنا مسلک — یعنی الحاد و زندیقیت — قبول نہیں کروا سکتے، اس لیے اس کا کام تمام کر دینا چاہیے۔

تو میں نے اسے جواب میں کہا: تَوَکَّلْتُ عَلَی اللہِ... اجل ایک ہے جو بدلتی نہیں۔

اِس تنظیم نے تیس بلکہ چالیس سال پہلے وسعت پکڑی ہے، اور میرے ساتھ لڑنے کے لیے کوئی ایسا حربہ نہیں جو اس نے استعمال نہ کیا ہو، اس نے مجھے ختم کرنے کے لیے دو دفعہ مجھے جیل کروانے کی کوشش کی، اور گیارہ دفعہ زہر دیا، اور آخری خطرناک ترین حربہ اس نے یہ استعمال کیا کہ حکومت کے سرکاری اثر و نفوذ کی میرے خلاف ڈیوٹی لگا دی، اور وہ

اس طرح اس نے سابق وزیر داخلہ اور ''آفیوں'' کے سابق گورنر کو اور ''امیرِ داغ'' کے سابق ڈائریکٹر کو میرے بارے میں غلط اطلاعات دے کر اور خوب بھڑکا کر حکومت کے سرکاری اثر ونفوذ کی ڈیوٹی میرے خلاف لگادی، چنانچہ ان تینوں حکومتی ذمہ داران نے میرے جیسے فقیر، ضعیف، اجنبی اور نادار ولاچار بوڑھے، لوگوں سے سمٹے ہوئے اور اپنی گزر بسر کے لیے دوسروں کے محتاج آدمی پر بدترین قسم کے خوفناک حملے شروع کر دیے، جس کے نتیجے میں لوگ مجھ سے اتنے خوفزدہ رہنے لگے کہ میرے کچھ ہمسائے ڈر کے مارے مجھ سے سلام تک نہیں لیتے تھے، اور معاملہ یہاں تک جا پہنچا کہ کسی بھی ملازم کے بارے میں جب پتا چلا کہ اس نے مجھے سلام کہا ہے، اس کی ڈیوٹی تبدیل کر دی گئی، میرے پاس صرف مخبر آتے تھے۔ لیکن اس سب کے باوجود اللہ تعالیٰ کی حفاظت وعنایت نے مجھے صبر وتحمل سے مزین کر دیا تھا، اس لیے یہ بدترین قسم کی سختیاں اور ایذا رسانیاں مجھے اُن لوگوں کے آگے التجا کرنے کے لیے مجبور نہ کر سکیں۔

ثالثاً: جب دو عدالتوں نے میری اور رسائل نور کی بے گناہی کا فیصلہ صادر کر دیا، تو اس کے بعد ان کی رسائلِ نور کے تمام اجزا میں دو سال تک گہری تحقیقات کی بنیاد پر اور کوئی بھی قانونی حیلہ وسیلہ ہاتھ نہ لگنے پر [1] الحاد وزندیقیت کی اس تحریک نے دارُالحکومت میں ایک سرکاری قسم کی اسکیم تیار کی اور اس کے لیے کچھ منافق قسم کے سرکاری افسروں کا تعاون حاصل کیا، چنانچہ انہوں نے مجھے شہر بدری کے حکم کی آڑ میں ''امیر داغ'' منتقل کیا، لیکن درحقیقت یہ ایک قیدِ تنہائی اور تجریدِ مطلق تھا جس میں مجھے میرے تمام دوستوں اور طالب علموں سے محروم کر دیا گیا اور مجھے ایک بدترین جگہ پر ٹھہرایا گیا جو کہ میری صحت اور گزر بسر کے بالکل منافی تھا، اور اس پر مزید یہ کہ مجھے ایسی ایسی کارروائیوں کا تختہ مشق بنایا گیا جو ہر طرح سے خلاف قانون تھیں۔ اور یہ راز آج کھلا ہے کہ وہ لوگ جو میرے ساتھ اس طرح کا سنگین معاملہ کر رہے تھے اس کے پیچھے ان کے دو مقصد تھے: ایک یہ کہ [2] یہ لوگ چونکہ جانتے ہیں کہ میں شروع سے ہی اہانت قبول نہیں کرتا ہوں، اس لیے انہوں نے مجھے غصہ دلانے اور آپے سے باہر کرنے کے لیے کوششیں کیں تاکہ مجھے راستے سے ہٹانے کا کوئی بہانہ ہاتھ آجائے، لیکن ان کی یہ کوشش جب کامیاب نہ ہو سکی تو انہوں نے مجھے زہر دے دیا لیکن عنایتِ الٰہی اور

---

[1] یا تو یہ ہے کہ کوئی بھی محکمہ اور کوئی بھی قانون — حتی کہ ان کا کوئی بھی ظالم قانون — ہمارا اور رسائلِ نور کا راستا نہیں روک سکتا، یا پھر یہ ہے کہ کچھ موجودہ قوانین یہ کام کر سکتے ہیں، لیکن تین عدالتوں نے یہ کام نہ کیا؛ کیونکہ انہوں نے یہ اندازہ لگالیا تھا کہ اگر انہوں نے یہ کام کر دیا تو مستقبل میں ان پر لعنتوں کی بوچھاڑ ہوگی اور وہ عوام کی طرف سے نفرت کی زد میں آجائیں گی؛ اس لیے انہوں نے ہم پر اور رسائل نور پر کوئی دفعہ لگانے یا مقدمہ چلانے سے گریز کیا اور بالاتفاق ہماری بے گناہی کا اور تمام رسائل کو واگزار کرنے کا فیصلہ دے دیا۔
بلاشبہ جو ظلم یہ جابر قسم کے لوگ کر رہے ہیں جنھیں حکومت میں کوئی عارضی سا منصب ملا ہوا ہے — جبکہ پہاڑوں جیسی مضبوط عدالتوں نے ایسا کرنے سے گریز کیا — یقیناً ایک ایسا عمل ہے جو زمین وآسمان کو غضبناک کر دے گا، اس لیے مجھے گرم ہونے اور آپے سے باہر ہونے کی ضرورت نہیں۔ (مؤلف)

[2] آپ نے دوسرے مقصد کا ذکر نہیں کیا۔

طلّاب نور کی دعاؤں سے وہ زہر میرے لیے تریاق بن گیا، اور میرا صبر و تحمل دوا کا کام کر گیا، چنانچہ اس مادی و معنوی زہر کا خطرہ ٹل گیا اور ان کی سازش ناکام ہو گئی۔

علی الرّغم اس کے کہ اس طرح کا ظلم وستم اور ایذا رسانی جس کا استعمال قانون کی آڑ میں اور حکومت کی ترجمانی میں کیا جارہا ہے، تاریخ میں اور حکومتوں میں اس طرح کی ظلم وستم کی مثال بہت کم ملتی ہے، البتہ جو چیز مجھے تکلیف دیتی ہے وہ ہے میری دائمی نگرانی اور لوگوں کو مجھ سے اس انداز سے بدکانا اور خوف دلانا جس سے میرا پیمانۂ صبر لبریز ہو جائے، لیکن میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ ان ظالموں کے رویے سے نالاں ہونے کے بجائے تمہیں ان کے حال پر ترس کھانا چاہیے؛ کیونکہ ان میں سے ہر شخص عنقریب ایک مادی اور معنوی جہنم سے دوچار ہونے والا ہے، اور ایک ایسا دائمی عذاب چکھنے والا ہے جو اُس عارضی عذاب سے[1] ہزار درجے بڑھ کر ہوگا جو یہ لوگ تجھے دے رہے ہیں، اور عنقریب اُن سے آپ کے لیے ہزار گنا زیادہ انتقام لیا جائے گا، اور ان میں سے بعض لوگوں کا — اگر وہ کچھ عقل کے مالک ہوئے تو — ضمیر انہیں ملامت کرے گا اور ابدی طور پر معدوم ہو جانے کے خوف کا عذاب انہیں نفسیاتی مریض بنا کر رکھ دے گا، اور جب تک وہ دنیا میں رہے گا یہ عذاب جھیلتا ہی رہے گا تا آنکہ اُسے موت آجائے۔ اس لیے میں ان کے رویّے سے غصے میں نہیں آتا ہوں بلکہ مجھے ان پر ترس آتا ہے اور میں کہتا ہوں: اللہ ان کی اصلاح کر دے۔

پھر صرف یہی نہیں کہ میں اس ایذا رسانی پر مرتب ہونے والے اجرِ جزیل پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں، بلکہ میں اس بات پر بھی اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ان کی توجہ صرف میری طرف ہی ہے اور وہ صرف مجھے ہی تکلیفیں دے رہے ہیں دیگر طلّاب نور کو نہیں'' جس سے طلّابِ نور کا بہت بڑا فائدہ سامنے آتا ہے اور ان کی سلامتی برقرار رہتی ہے۔ اور اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ میں جن شدید تکلیفوں اور سختیوں سے دوچار ہو رہا ہوں ان کی تہوں میں لپٹی ہوئی خوشی کو محسوس کرتا ہوں۔

رابعاً: آپ نے اپنے خط میں میری رہائش و راحت کے مسئلے کا ذکر بھی کیا ہے اور اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ میرے لیے یہ ممکن ہے کہ موجودہ حکومت کی طرف رجوع کروں تا کہ اگر ہو سکے تو شام یا حجاز میں منتقل ہو جاؤں، تو اِس ضمن میں۔

پہلی بات یہ ہے کہ:

اوّلاً: میرا یہاں آنا ضروری تھا، اگر چہ میں مکہ مکرمہ میں بھی رہائش پذیر ہوتا۔ اور میری یہ آمد آمد ایمان کو بچانے اور قرآن کریم کی خدمت کے لیے ہے۔ پس یہاں آنا بہت ضروری تھا۔

میری اگر ہزر روحیں ہوتیں، اور میں اگر ہزار بیماریوں میں مبتلا ہوتا اور ہزاروں قسموں کے آلام و مصائب سے دوچار

[1] تریاق لغت میں فادزہر کو کہتے ہیں۔

ہوتا،تو اس اُمت کے ایمان کی خدمت کرنے کے لیے اور انہیں ابدی سعادت سے ہمکنار کرنے کے لیے میرا سکون قرار یہاں رہنے میں ہی ہوتا۔ہم نے قرآنِ کریم کے دروس سے یہی چیز سیکھی ہے۔

ثانیاً: میرے بھائی، آپ میرے بارے میں لکھتے ہیں کہ مجھے ادب واحترام اور قدر دانی کی بجائے اہانت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، آپ مجھے کہتے ہیں کہ اگر آپ مصر میں یا امریکا میں ہوتے تو تاریخ میں پورے فخر اعزاز کے ساتھ یاد کیے جاتے۔

میرے عزیز القدر فطین بھائی! ہم اِس بات سے بہت دور بھاگتے ہیں کہ لوگ ہمیں احترام دیں، ہماری عزت کریں، ہمارے بارے میں حسنِ ظن رکھیں، ہمارا پاس لحاظ کریں، یا ہمارے بارے میں خوش فہمی کا شکار رہیں، کیونکہ ہمارے مسلک کا یہی تقاضا ہے۔

پس شہرت کے پیچھے — جو کہ عجیب قسم کی ریا کاری — دیوانہ وار بھاگتے ہوئے ہانپتے رہنا، اور فخر وشان وشوکت کے ساتھ تاریخ میں داخل ہونا جو کہ عجیب طرح کی آزمائش ہے، نمود ونمائش کی محبت اور لوگوں کی توجہ حاصل کرنا...... یہ سب چیزیں اس اِخلاص کے سراسر منافی اور مخالف ہیں جو نور کی بنیاد اور مسلک ہے۔ پس ہم ذاتی طور پر ان چیزوں سے خوف کھاتے اور دُور بھاگتے ہیں، چہ جائیکہ ان میں دلچسپی لی جائے۔

البتہ ہم اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت سے یہ اُمید رکھتے ہیں کہ وہ قرآن کریم کے فیضان سے اُبھرنے والے ان رسائلِ نور کو آشکار کردے، وہ رسائل جو کہ قرآن کے معنوی اعجاز کی کرنیں ہیں، اس کی حقیقتوں کے مفسّر اور اس کے اسرار ورموز کو منکشف کرنے والے ہیں۔

اس لیے ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہی اُمید رکھتے ہیں کہ وہ ان رسائل کا ڈنکا بجادے، انہیں لوگوں میں رواج پذیر کردے، لوگوں پر یہ بات کھول کر واضح کردے کہ لوگوں کو اس بات کا واضح شعور دے دے کہ انہیں اُن رسائل کی بہت ضرورت ہے، اس کی بلند پایہ قیمت کو اُجاگر کردے، لوگوں کے دلوں میں جو ان رسائل کی قدر اور پسندیدگی پائی جاتی ہے اُسے ظاہر کردے، اس کی واضح طور پر سامنے آجانے والی معنوی کرامتوں کو آشکار کردے اور ایمان کے راز کی برکت سے اس کے ہر قسم کے الحاد وزندقہ پر غالب آجانے کی قوت کو نمایاں کردے۔

پس ہم تو انہیں چیزوں کا پرچار کرنا چاہتے ہیں، یہی چیزیں لوگوں کو سمجھانا چاہتے ہیں اور انہیں چیزوں کو اُجاگر کرنا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اس کی اُمید رکھتے ہیں۔

اس مقام پر میں بطور حاشیہ ایک ایسا نقطہ بیان کر رہا ہوں جس کا تعلق میری ذات کے ساتھ ہے۔

جناب ''رجب''[1] اور ''قرہ کاظم''[2] آپ کے دوست ہیں، اور جہاں تک میرا خیال ہے وہ دونوں ''قدیم سعید'' کے ساتھ تعلق بھی رکھتے ہیں، اُن سے یہ مطلوب نہیں ہے کہ وہ میرے ساتھ کوئی نیکی کریں، بلکہ ان کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ میرے ساتھ بلا وجہ اور بے فائدہ طور پر ظلم وتشدّد کا وہ سلوک نہ کریں جو اُن کے بڑوں نے کیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ میں یہاں کی مادی اور معنوی فضا کے ساتھ سمجھوتا نہیں کر سکتا ہوں...... میرے غم بہت ہی زیادہ ہیں...... میں اپنی رہائش گاہ کو اندر اور باہر سے معقفل کر دیتا ہوں...... میں ہر طرف سے تنہا ہو چکا ہوں...... اور دوسری طرف میں ہمسایوں کے بغیر ایک غم زدہ کمرے میں بیامری کی حالت میں زندگی گزار رہا ہوں...... بسا اوقات تو یہاں ایک دن میرے لیے اتنا سخت گزرتا ہے کہ جتنا ''دنیزلی'' کی جیل میں ایک مہینہ ہوتا تھا...... میری آزادی کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ پچھلے بیس سال سے بدترین ظلم سے دوچار ہے...... عدلیہ کی دو سال تک تحقیق وتفتیش اور منافقین کے میرے خلاف بنائے گئے منصوبوں کے ناکام ہو جانے کے دو سال بعد یہ بات قطعی طور پر کھل کر سامنے آگئی کہ قوم ووطن کو نقصان پہنچانے کا بہانہ بنا کر لوگوں کو مجھ سے اور رسائل نور سے خوف زدہ کرنے کا دھوکہ کسی ایک شخص کے ذمے نہیں لگایا جا سکتا۔

مجھے اگر دوسرے لوگوں کی طرح آزادی مل جائے، یا کوئی ایسا ذریعہ پیدا ہو جائے کہ جس سے میں آب وہوا کی تبدیلی کے لیے اردگرد کی معتدل فضا والی بستیوں میں جانے کی اجازت مل جائے تو مناسب رہے گا۔

آپ سب کو اور دیگر نوری دوستوں کو سلام ودعا
الباقی ھو الباقی
سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

[یہ دل پر وارد ہونے والے ایک مادی ومعنوی سوال کی مناسبت سے لکھا جانے والا جواب ہے۔]

میرے سچے وفادار بھائیو!

کہا جاتا ہے:

[1] اس سے مراد ''رجب بکر'' ہے جو ''حملی اوران'' کے بعد وزیر داخلہ بنا۔

[2] ظم قرہ بکر، عہد عثمانی کے اواخر میں ایک نمایاں حیثیت رکھنے والے فوجی جوان اور عہد جمہوریت میں جمہوری پارٹی کے سرکردہ سیاستدان، متعدد بار پارلیمنٹ کے رکن رہے، اور جن دنوں میں استاد نے یہ مضمون لکھا ان دنوں یہ پارلیمنٹ کے سربراہ تھے۔

آپ کی شخصیت کہ جس کے بارے میں طلّابِ نور بہت زیادہ حسنِ ظن کا شکار اور کامل اِطمینان سے سرشار ہیں، آپ اُس شخصیت کے لیے ذاتی طور پر کوئی مقام یا امتیازی خصوصیات قبول کیوں نہیں کرتے ہیں، حالانکہ آپ کا کسی ایسے مقام و مرتبے کو قبول کر لینا یقیناً ان کی ایمانی خدمت کے عمل کے ذوق وشوق کو بڑھائے گا؛ اس کی بجائے ہم دیکھتے یہ ہیں کہ آپ اپنی شخصیت کی تمام خصوصیات کا رُخ صرف رسائلِ نور کی طرف پھیر دیتے ہیں اور خود کو ایک پُرتقصیر خادم گردانتے ہیں؟

جواب: بے پایاں تعریف اور شکر اللہ تعالیٰ کا کہ رسائل نور کی بنیادیں اتنی مضبوط ہیں کہ ہل نہیں پاتی ہیں اور اس کی دلیلیں اتنی پُرتاثیر اور تابناک ہیں کہ بجھتی نہیں اور ان قابلیتوں امتیازی خصوصیتوں سے بالکل مستغنی ہیں جن کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ مجھ میں پائی جاتی ہیں!

رسائلِ نور دیگر کتابوں کی طرح نہیں ہیں کہ جن کی اہمیت کی عمارت ان کے مؤلفین کی قابلیت کی بنیاد پر استوار ہوتی ہے اور وہ اپنی قوت اور حسن و جمال اُسی سے حاصل کرتی ہیں، بلکہ یہ اپنی بنیاد بیس سال سے خود اپنی قطعی دلیلوں پر رکھے ہوئے ہیں، حتیٰ کہ اِنھوں نے میرے مادی اور معنوی دشمنوں کو سر جھکانے پر مجبور کر دیا ہے اور یہ معاملہ سب پر واضح ہے۔

اگر ان رسائل کی بنیاد میری شخصیت پر ہو جاتی تو پھر میرے ملحد دشمنوں اور ظالم مخالفوں کے لیے میری گناہگار وقصوروار شخصیت کو ہدفِ تنقید بنا کر اور اسے مجروح کر کے ان رسائل پر ضربِ کاری لگانا عین ممکن تھا۔ اس کے باوجود یہ دشمن اپنے ہلکے پن اور پاگل پن کی وجہ سے میری قیمت گرانے اور میری شخصیت کو مجروح کرنے کے لیے جہاں تک ان سے ہو سکے سازشوں کے جال بچھاتے رہتے ہیں، یہ لوگ اگر میرے لوگوں کی میری طرف توجہّ کے آگے تو حائل ہونے کی کوشش تو کر رہے ہیں، لیکن رسائلِ نور کی ایمانی فتوحات کے آگے نہ تو رکاوٹ بن سکتے ہیں اور نہ ہی ان کی شان گھٹا سکتے ہیں۔ بلکہ صرف یہ لوگ رسائل نور کے نئے کمزور خدام کے قلوب واَذہان کو گدلاتے رہتے ہیں، لیکن وہ انہیں بھی رسائل کی خدمت سے روک نہیں سکتے۔

اس حقیقت کے پیشِ نظر اور اس دور میں انانیت کے وسیع پیمانے پر غلبہ وتسلط حاصل کر جانے کی وجہ سے میں اپنی اس شخصیت کے بارے میں حسنِ ظن سے دستبردار ہوتا ہوں جو کہ میری حد اور میری طاقت سے کہیں زیادہ ہے؛ میں اپنی ذات کے بارے میں وہ حسنِ ظن نہیں رکھتا ہوں جو میرے متعلق میرے بھائی سوچتے ہیں۔

اِس سے بڑھ کر یہ کہ وہ اُخروی مقام جو میرے بھائیوں نے اپنے اس فقیر بھائی کو دیا ہے، وہ مقام اگر حقیقی دینی مقام ہو تو دوسرے مکتوب میں ذکر کردہ قاعدے کے مطابق اگر میں خود کو اس کا مستحق سمجھوں، یہ دلیل ہے کہ میں اس مقام کا مستحق نہیں ہوں اور اگر اپنے آپ کو مستحق نہ سمجھوں تو ان کے معنوی تحفے اور عطیات وغیرہ قبول نہ کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

اور مزید یہ کہ وہ شخص جو خود کو کسی مقام کا اہل سمجھتا ہے، انانیت اس کے معاملے میں دخل اندازی کر سکتی ہے۔

ایک بات اور ہے، اور وہ یہ ہے کہ دنیاوی لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ: جو شخص ایمانی حقائق کی نشر و اشاعت کا فریضہ ادا کر رہا ہے، وہ شخص اگر مقام و مرتبے والا ہو تو بہت بڑی تاثیر کا حامل ہوتا ہے، لیکن یہاں دو رکاوٹیں پھر بھی سامنے آتی ہیں:

پہلی رکاوٹ: یہ ہے کہ اگر ہم فرض کر لیں کہ یہ مقام مقامِ ولایت ہے، تو کسی بھی آدمی کے لیے علم و ارادے کے ساتھ کسی مقام کے دامن کو پکڑ کر بیٹھ جانا اخلاص اور افنائے ذات کے منافی ہے جو کہ ولایت کے لیے تانے بانے کی حیثیت رکھتے ہیں، اور ولایت کا اظہار اور دعوی کرنا جائز نہیں، جیسے کہ صحابہ کرام نے اس کا اظہار کبھی نہ کیا جو کہ وارثان نبوت ہیں۔

دوسری رُکاوٹ: یہ شخص اگر فانی، بسیط اور محدودُ الاجل ہے اور بہت سے عیوب و نواقص کا مجموعہ ہے، اور بہت سی جہتوں سے نقد و جرح کے قابل ہے اور اس پر انگلیاں اٹھائی جا سکتی ہیں، تو یہ چیز انوار اور ایمانی حقائق کی فتوحات کے لیے نقصان دہ ہے۔

البتہ ایک بات شکر کی موجب ہے، اور وہ یہ ہے کہ میرے سیاستدان دشمن کو ان مذکورہ حقائق کا علم نہیں ہے، اس بنا پر وہ میرے ساتھ جو سلوک کر رہے ہیں مجھے ''پرانا سعید'' سمجھ کر ہی کر رہے ہیں جس کا بڑا احترام کیا جاتا تھا، اور برائیوں اور عیب گیریوں کا رخ انوار کی طرف کرنے کے بجائے میری طرف کیے ہوئے ہیں، اور میرے خلاف کچھ متعصب انانیت پسند مشائخ کو بھی اُبھار رہے ہیں، اور ایسا کر کے اپنے خیال میں وہ انوار کو بجھانے کی کوششیں کر رہے ہیں، حالانکہ وہ ان کی آب و تاب کا وسیلہ بن رہے ہیں۔ پس انوار اپنا نور میری سادہ سی شخصیت سے حاصل نہیں کر رہے ہیں بلکہ اپنے سرچشمے یعنی آفتاب قرآن سے حاصل کر رہے ہیں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے معزز و فادار بھائیو!

میں رونق افزا موسم بہار کے پھولوں کا نظارہ کرنے کے لیے گھنٹے دو گھنٹے کے لیے پالکی میں بیٹھ کر گھومتا پھرتا ہوں...... جڑی بوٹیاں ہر طرف پروان چڑھی اور لہلہارہی ہیں اور ان کے پھول ایسی خوشنما اور انوکھی شکل میں کھلے ہوئے ہیں کہ میں نے ایسا منظر زندگی اور انوکھی شکل میں کھلے ہوئے ہیں کہ میں نے ایسا منظر زندگی میں کبھی نہیں دیکھا ہے، اور

مجھے یہ بات حق الیقین کی حد تک محسوس ہوگئی کہ گویا یہ اپنے صانع ذوالجلال کی تسبیح کرتے ہوئے مسکرا رہے ہیں اور اپنی زبانِ حال سے اس کی انوکھی صنعت کاری کی تعریف کرر ہے ہیں۔

میں اسی حالت میں مگن تھا کہ اچانک میرے دنیاوی زندگی کے مشتاق احساسات اور میرے غافل و بے قرار نفس نے اس فرصت سے فائدہ اٹھایا اور میری جان پر اعتراض کرنے شروع کردیے جو کہ تنگی، سختی اور بیمار کی زندگی سے اکتا چکی تھی اور خود فانی ہونے کے باوجود ہمیشہ باقی رہنے والے ذائقوں اور فائدوں کی طلب میں نکل پڑی، اور اسی طرح وہ میرے دل پر بھی اعتراض کرنے لگا جو کہ دنیا سے بھاگ چکا ہے اور برزخ میں رہنے والے اپنے ننانوے فیصد دوست احباب کی ملاقات کے لیے برزخ کی طرف جانے کا فیصلہ کر چکا ہے، میں اسی حالت میں تھا کہ اچانک احساسات اور رگ وریشہ میں جاری وساری ایمان کا نور اس اعتراض کی تردید کرنے لگا، اور اس کے لیے اس بات کی وضاحت کرنے لگا کہ جب مٹی غیر محدود رحمت کے لیے ایک پردے کی حیثیت رکھتی ہے؛ کیونکہ وہ اپنی مادی جہت کے ساتھ اس تمام حسن و جمال، رحمت، حیات اور زیب وزینت کی مظہر ہے، اور جب اس مٹی میں داخل ہونے والے کو بے کار نہیں چھوڑا جاتا ہے؛ تو پھر بلا شبہ وہ معنوی مرکز کہ جس سے یہ تمام زیب وزینتیں اور ظاہری مادی محاسن اور اس تمام حسن و جمال، رحمت اور حیات کے مظاہر پھوٹتے ہیں، یہ معنوی مرکز صرف اس مٹی کے پردے کے پیچھے اور اس کے نیچے چھپ جاتا ہے، اسی طرح اس کے ان پھولوں کی نشوونما کرنے والے کچھ کارخانے بھی زیرِ زمین چلے جاتے ہیں۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مٹی —جو کہ ہماری مادرِ مہربان ہے— کے طبقات کے نیچے جانا اور اس کی گود میں پناہ لینا اور ان دائمی معنوی پھولوں کا مشاہدہ کرنا محبت کو بہت زیادہ زیب دیتا ہے اور اشتیاق کے بہت زیادہ شایانِ شان ہے۔

اور اس طرح نورِ ایمان نے اپنے بیان کے ذریعے ہر اُس اعتراض کا ازالہ کردیا جو اِن اندھے احساسات اور میرے دنیا کے دلدادہ نفس نے کیا تھا، اور اسے یہ جملہ دہرانے کے لیے آمادہ کردیا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی نُوْرِ الْاِیْمَانِ مِنْ کُلِّ وَجْہٍ

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے معزز وفادار بھائیو!

اوّلاً: نور میں معنوی شراکت —باذن اللہ— رمضان المبارک میں فوزِ عظیم کا مظہر ہوگی، وہ مہینہ کہ جو توفیق یافتہ لوگوں کو اسّی مہینوں کی عبادت کے اجر سے نوازتا ہے۔

نوریوں کو چاہیے کہ وہ عید کے روز تک معنوی طور پر پورے اخلاص کے ساتھ ایک دوسرے کی دعاؤں پر آمین کہتے رہیں، اور جہاں تک ہو سکے یہ تسلسل ٹوٹنے نہ پائے اِس پر اتنی مواظبت کریں کہ اگر ان میں سے ایک کو بھی یہ اسّی مہینے نصیب ہو جائیں تو دوسرے لوگ اپنے اپنے درجے کے لحاظ سے اُس کے شراکت دار بن جائیں گے۔

اور جہاں تک تعلق ہے تمہارے اس مریض بھائی کا جو کہ تم سب سے زیادہ کمزور اور سب سے زیادہ بوجھل ہے، تو تم بلاشبہ معنوی طور پر اس کا تعاون کر رہے ہو۔

ثانیاً: طلّابِ نور میں سے دو ڈاکٹر میری عیادت کے لیے آئے تھے، لیکن میں نے بیماری کی شدت کے باوجود ان دونوں سچے مخلص اور فاضل دوستوں کے ساتھ اپنی بیماری کے بارے میں کوئی بات نہ کی اور ان کی دی ہوئی دوائی بھی نہ کھائی اور بیماری کے شدید تر حملے کے باوجود ان سے کوئی مشورہ نہ لیا، اور میں اُن کے ساتھ بیماری کے بارے میں کوئی بات نہیں حالانکہ مجھے اس بات کی سخت ضرورت بھی تھی اور مجھے تکلیف بھی بہت زیادہ تھی۔ میرے اس رویے کی وجہ سے وہ دونوں پریشان ہو گئے، تب میں ان کے سامنے ایک اسرار و رموز سے بھری حقیقت بیان کرنے پر مجبور ہو گیا، وہ حقیقت میں آپ کے لیے بھی لکھ رہا ہوں شاید کہ آپ کے لیے بھی مفید رہے۔

میں نے ان سے کہا: میرے خفیہ دشمن اور خود میرا نفس شیطان کی تلقین سے میرے کسی کمزور ترین پہلو کی تلاش میں رہتے ہیں تاکہ اس سے مجھ پر زبردستی حکم چلا سکیں اور مجھے پورے اخلاص کے ساتھ انوار کی خدمت کرنے سے روک سکیں، حالانکہ میرے پاس تو میری بیماری ہی سب سے زیادہ کمزور نقطہ اور سب سے زیادہ مضبوط رکاوٹ ہے، چنانچہ جب بھی مجھے کوئی اہمیت دی جاتی ہے جسم کے نفس کی حِس غالب آ جاتی ہے اور مجبوری اور شدید ضرورت کی منادی کرتے ہوئے اس کی آواز بلند ہو جاتی ہے اور اس طرح وہ قلب و روح کو خاموش کرا دیتا ہے اور ڈاکٹر کو ایک مستبد حاکم بنا دیتا ہے اور وہ جو دوائیاں کہتا ہے اُس کی اطاعت کرواتا ہے اور انہیں کھانے پر مجبور کر دیتا ہے، اور یہ چیز اُس خدمت کے لیے نقصان دہ ہے جو پوری قربانی، ایثار اور اخلاص کے ساتھ سرانجام دی جا رہی ہے۔

پھر میرے پسِ پردہ کام کرنے والے دشمنوں نے ہمیشہ میرے اس کمزور پوائنٹ سے غلط فائدہ اُٹھایا ہے اور اُٹھا رہے ہیں، جیسے کہ انہوں نے خوف، طمع شہرت اور جاہ و جلال کے پہلوؤں سے بھی ہمیشہ ناجائز فائدہ اُٹھایا ہے، لیکن خوف کی سطح کا پہلو جو کہ انسان کا سب سے کمزور پہلو ہے، اس پہلو سے انہیں کبھی کچھ حاصل نہ ہوا، اور یہ بات تو ان پر روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ ختم کر دینے کی ہمارے نزدیک کوڑی کی بھی اہمیت نہیں ہے۔

پھر انہوں نے طمع و لالچ کے پہلوؤں کی بہت زیادہ کھوج کرید کی — اور یہ بھی انسان کا ایک بہت کمزور پہلو ہے — لیکن انجام کار ان کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔

پھر ان پر یہ بات واضح ہو گئی کہ متاعِ دنیا کہ جس کے لیے وہ اپنی مقدّسات کو قربان کر دیتے ہیں، ہمارے نزدیک

اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے، یہ چیزیں ان پر بہت سے واقعات کے ذریعے واضح ہوگئیں، حتی کہ ان گزشتہ دس سالوں کے دوران انہوں نے یہاں کے مقامی مسئوولین کو سو سے زیادہ خط لکھے ہیں جن میں یہی سوال کیا گیا ہے کہ اس کے گزر بسر کے ذرائع کیا ہیں؟

پھر انہوں نے ایک اور انسان کمزور نقطے کا سہارا لیا، اور وہ ہے جاہ وجلال، شہرت اور قدر ومنزلت، اور نہایت برے طریقے سے سرکاری سطح پر میری ردّ وقدح، بدنامی، تحقیر وتذلیل، اور ایذارسانی کے ذریعے اس پر عمل کیا، لیکن یہ بات بھی ان پر قطعی صورت میں واضح ہوگئی کہ وہ دنیاوی شان وشوکت اور شہرت کہ جس پر وہ لٹو ہوئے جارہے ہیں، ہمارے نزدیک انتہائی نقصان دہ ریاکاری اور خودفریبی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اور یہ دنیاوی شان وشوکت اور شہرت جسے وہ اس حد تک اہمیت دیتے ہیں ہمارے ہاں ایک کوڑی کی حیثیت بھی نہیں رکھتی ہے، بلکہ اس طرح کے لوگوں کو ہم اس پہلو سے پاگل سمجھتے ہیں۔

پھر ہمارے خدمت کے نقطۂ نظر سے ہمارے ہاں جس چیز کو کمزوری شمار کیا جاتا ہے، حالانکہ وہ حقیقت کے اعتبار سے سب کے ہاں مقبول ہے اور ہر شخص اس سے ہمکنار ہونے کے لیے بے چین ہے — میرا مطلب یہ ہے کہ ہر آدمی کسی معنوی مقام پر فائز ہوجائے اور ترقی کرتا ہوا ولایت کے مراتب تک جا پہنچے اور اس نعمتِ الٰہیہ کو خود اپنی ذات میں پالے — یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو سب کے لیے مفید ہے اور اس سے نقصان پہنچنے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ لیکن ہم جب تک ایسے زمانے میں سانس لے رہے ہیں جس میں انانیت بے قابو ہوچکی ہے، اور ذاتی مصلحت اور انفرادی خلوص حد سے بڑھ چکے ہیں؛ تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ اخلاص پر مبنی ایمانی خدمت اور اسے کسی بھی دنیاوی چیز کے لیے آلۂ کار نہ بنانے کا تقاضا یہ ہے کہ شخصی معنوی مقامات طلب نہ کیے جائیں، اس لیے یہ لازم ہے کہ طلب نہ کیے جائیں، بلکہ انسان کے کسی بھی کردار وعمل اور تصرّفات میں ان کا خیال نہ رکھا جائے تاکہ حقیقی اخلاص خراب نہ ہوجائے۔

یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ جو اس کمزور پوائنٹ سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں انہیں اس بات کا ادراک ہوگیا کہ میں ہر شخص کی طرح نُور کی خدمت کے علاوہ ہر شخص کی طرح اُن کشف وکرامات اور روحانی کمالات کا طلاب نہیں ہوں، وہ لوگ اس پہلو میں بھی مغلوب ہوگئے۔

تمام بھائیو میرا فرداً فرداً سلام، میں لیلۃُ القدر کی حقیقت کی شفاعت کا طلبگار بن کر اللہ کی رحمت کے آگے گڑگڑا رہا ہوں کہ وہ آنے والی لیلۃُ القدر کو ایک ایسی عمر کا روپ دے دے جو ہر نوری فرد کے لیے اسّی سال کی عبادت سے موجزن ہو۔

آپ کا بھائی

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے عزیز و فادار بھائیو!

اولاً: ہم انتہائی اختصار کے ساتھ ایک لمبی چوڑی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو کہ دل پر لیلۃ القدر میں وارد ہوئی، اور وہ یہ ہے:

اس دوسری عالمی جنگ نے نوع بشری پر جو بدترین ظلم وستم ڈھائے ہیں، استبداد، مہلک تخریب کاری، صرف ایک دشمن کے جرم کی وجہ سے سینکڑوں بے گناہ لوگوں پر نازل ہونے والی مصیبت، ہار جانے والے لوگوں پر نازل ہونے والی کڑوی کسیلی نا اُمیدی، اور جیت جانے والوں پر اس بنا پر طاری ہو جانے والا قلق واضطراب کہ وہ اپنی حکمرانی قائم نہیں رکھ سکیں گے، اور ان کے ہاتھوں سے ہونے والی ہولناک تباہی کے بارے میں تخریب وتباہی کی تعمیر کی قدرت نہ رکھنے کی وجہ سے ضمیر میں جنم لینے والا دردناک عذاب...... اور اس جنگ کا یہ واضح کر دینا کہ یہ دنیا بالکل عارضی، وقتی اور فانی ہے اور تہذیب وتمدّن کی یہ تمام تر خوبصورتیاں، دلکشیاں، دلربائیاں اور رعنائیاں ایک نشہ آور فریب کار کی حیثیت رکھتی ہیں...... اور اس جنگ نے انسانی فطرت میں چھپی ہوئی بلند تر استعدادوں اور قابلیتوں کے بل پر انسانی ماہیّت کو جو گہرے زخم لگائے ہیں...... اور اس جنگ کی وجہ سے انسان کی فطرت میں پائی جانے والی جو ایک سرگرم قسم کی انسانی محبت بیدار ہوئی ہے، اور قرآن کی الماسی تلوار کی ضرب ہائے کاری کے ساتھ غفلت وضلالت اور نیچر کی جو مضبوط اور ٹھوس قسم کی چٹانیں پاش پاش ہوئی ہیں...... اور تمام دنیا کے سامنے سیاست کے حقیقی بدصورت، بدنما اور وحشت ناک چہرے کا نمایاں ہو کر سامنے آ جانا، اور یہ چہرہ ایک لمبا چوڑا، دبیز ترین اور انتہائی قسم کا مکّار پردہ ہے جو غفلت اور ضلالت پر پڑا ہوا ہے۔ اب ان علامات کی بنا پر جو شمال، مغرب اور امریکا میں ظاہر ہو چکی ہیں، اور دنیاوی زندگی — جو کہ بنی آدم کے لیے ایک مجازی محبوب کی حیثیت رکھتی ہے — انتہائی بدصورت اور زوال پذیر ہے...... میں کہتا ہوں: بلا شبہ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نوعِ بشر عنقریب اپنی پوری قوت کے ساتھ اس ہمیشہ رہنے والی زندگی کی تلاش میں نکلے گی جو کہ انسانی فطرت کا حقیقی محبوب ومطلوب ہے۔

اور یہ قرآنِ معجز بیان جو کہ ایک ایسی کتاب ہے کہ جس کے ساڑھے تیرہ سو سال کی ہر صدی میں ساڑھے تین سو ملین شاگرد رہے ہیں، لاکھوں اہلِ حقیقت اس کے تمام احکام و دعاوی پر مہرِ تصدیق ثبت کرتے رہے ہیں، لاکھوں لوگوں نے اسے زبانی یاد کیا ہوا ہے، یہ ان کے دلوں میں پورے تقدّس کے ساتھ براجمان ہے، نوعِ بشر کو گہرے سے گہرے اسرار ورموز کی تعلیم دیتا ہے اور لوگوں کے تمام زخموں کا مداوا کرتے ہوئے انہیں اس انداز کے ساتھ حیاتِ باقی اور سعادتِ ابدی کی تعلیم دیتا ہے کہ جس کی مثال ملنا مشکل ہے...... اِس قرآن نے جب ہزاروں آیات کے ذریعے پوری قوت کے ساتھ ہمیشہ رہنے والی زندگی کا دعویٰ کیا ہے اور کبھی صراحت کے ساتھ اور کبھی اشاروں کے ساتھ اس کے بارے میں بار بار خبر دی ہے، اور بے شمار ناقابلِ تردید قطعی اور یقینی دلائل کے ساتھ حیاتِ باقی کی خوشخبری اور سعادتِ ابدی کی تعلیم دی

ہے؛ تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ نوعِ بشر کے اوسان اگر کلی طور پر خطا نہیں ہوئے اور وہ عقل وفکر سے کلی طور پر محروم نہیں ہوئی تو پھر زمین کے تمام براعظم اور اُن کی حکومتیں قرآن کی تلاش میں نکلیں گی، جیسے کہ امریکا میں بہت سی قابل ذکر دینی تنظیموں نے کیا ہے کہ وہ دینِ حق کی تلاش کر رہی ہیں، اور جیسے کہ سویڈن، ناروے، فن لینڈ اور برطانیہ میں سوچ فکر رکھنے والے لوگوں نے قرآنِ کریم کو سیکھنے کے لیے کیا ہے۔ اور انہیں جب اس کے حقائق کا ادراک ہو جائے گا تو روح کی گہرائیوں کے ساتھ اس کا دامن تھام لیں گے؛ کیونکہ خاص کر اس معاملے میں قرآن کریم ایک بے مثل کتاب ہے، بلکہ کوئی بھی کتاب اس کی مثیل اور اس معجزۂ کبریٰ کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔

ثانیاً: رسائلِ نور نے جب اس معجزۂ کبریٰ کی خدمت کی ہے، اور یہ اس کے ہاتھ میں ایک ہیرے کی تلوار کی طرح رہے ہیں، اور انہوں نے ضدی ترین لوگوں کو جھک جانے پر مجبور کر دیا ہے، اسی طرح جب یہ قرآن کریم کا ایک معنوی معجزہ رہے ہیں جو اس کے علاوہ کسی بھی دوسرے مرجع ومصدر کو جانتے تک نہیں اور قلب وروح بلکہ تمام احساسات تک کو منور کر دینے والے اسلوب کے ساتھ قرآنی خزائن کا پتا دینے کی ذمہ داری نبھار ہے ہیں، اور اپنے ''عصائے موسیٰ''، اور ''رسالۃ الثمرۃ'' نامی رسائل کے چھٹے مسئلے میں اور پہلی، دوسری، تیسری اور آٹھویں ایمانی دلیل میں بیان کردہ دلائل کے ذریعے ملحدوں اور زندیقوں پر گمراہی کے وسیع ترین، دبیز ترین اور تاریک ترین آفاق میں پھیلے ہوئے غفلت کے اندھیروں کے پردوں کو چاک کرتے ہوئے نشانہ باندھ کر کیے گئے حملوں پر اور ضدی ترین ملحدوں اور زندیقوں پر کامل فتح ونصرت حاصل کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری نبھار ہے ہیں، علمِ طبیعی کی تہ در تہ پھیلی ہوئی تاریکیوں میں توحید کے نور کو انتہائی دلکش اور تابدار پوشاک میں جلوہ نما کر رہے ہیں..... تو پھر اس بات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا ہے کہ ہمارے لیے اور ہمارے ہم وطن بھائیوں کے لیے جو چیز سب سے زیادہ لازم ہے، یہ ہے کہ نوری طلبہ حال ہی میں جاری کیے گئے دینی تعلیم وتربیت کے لیے پرائیویٹ درس خانے کھولنے کے سرکاری اجازت نامے کی روشنی میں جہاں تک ہو سکے ہر جگہ چھوٹے چھوٹے نوری مدارس کھولنے کا اہتمام کریں۔

پھر وہ نتائج جو پرانے مدارس پانچ یا دس سال میں دیتے تھے، یہ نوری مدارس وہی نتائج —اِن شاءاللہ— پانچ یا دس ہفتوں میں دے دیں گے اور یہ کام وہ بیس سال سے کر رہے ہیں۔

پھر رسائلِ نور جو کہ قرآن کریم کی جگمگاتی کرنیں اور اس کے ترجمان ہیں، ان میں حکومت اور قوم ووطن کے لیے دنیاوی، سیاسی اور اُخروی زندگی کے لیے برابر بہت سے فوائد پنہاں ہیں، بس ان لوگوں کی سب سے مقدّم ذمہ داری یہ ہے کہ ان کا راستہ روکنے کے بجائے اُن کی نشر واشاعت اور تعلیم وترویج کا بندوبست کریں تا کہ یہ چیز سابقہ گناہوں کا کفارہ اور آنے والے مصائب وآلام اور ہولناک مُطلق العنانی کے لیے سدِّ راہ بن جائے۔

میرے بھائیو! پریشان نہ ہونا، بلکہ اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں نور کی ان کھلی آنکھوں نظر آنے والی فتوحات کا یقین رکھو؛ کیونکہ تاریخ میں ایسی کوئی کتاب نظر نہیں آتی جو رسائلِ نور کی طرح کڑے حالات میں طبع ہوئی ہو اور اس طرح کی

تاثیر کی مالک ہو۔

پھر یہ لوگ انوار کو جو مکمل آزادی نہیں دے رہے ہیں اُس کے پیچھے جو سبب کام کر رہا ہے وہ ہے اُن کا اِن انوار میں پائی جانے والی قوّتِ فائقہ سے خوف، ہمیں پتا چلا ہے کہ وزیرِ مذہبی اُمور اور صدر مملکت — باوجود اس کے کہ انہوں نے رسائل کو قبول کر لیا ہے اور ان کی بہت زیادہ قدر کی ہے — سرِ دست اِن کی سرکاری سطح پر نشر و اشاعت کرنے سے گھبراتے ہیں؛ کیونکہ اس سے کوئی پریشانی جنم لے سکتی ہے۔

اب کے وہ ماضی کی طرح حملے نہیں کر رہے ہیں بلکہ صلح چاہتے ہیں، لیکن وہ انتہائی طاقت ور لہریں جو کہ انوار کی تائید کرتی ہیں، وہ عنقریب اُن کے اس قلق و اضطراب کو انہیں سرکاری سطح پر طبع کرانے کی ہمت اور سرگرمی میں تبدیل کر دیں گی۔

پھر بہت سے انا پرست لوگ یہ پسند ہی نہیں کرتے کہ انوار نمایاں ہو کر میدان میں آ جائیں؛ کیونکہ وہ اسے اپنی غیرت کا معاملہ سمجھتے ہیں، اور مزید یہ کہ وہ لوگ خود اپنی کتابیں شائع کرانے کی بہت زیادہ خواہش رکھتے ہیں۔

ثالثاً: رسائلِ نور باہر عالمِ اسلام میں حجاج کرام کی وساطت سے شائع ہو رہے ہیں اور اپنا مناسب راستہ خود ہی بناتے جا رہے ہیں، اور ''عصائے موسیٰ'' اور ''ذوالفقار'' کے مخطوط نسخے جو کہ ہم نے دمشق بھیجے تھے، وہاں کے ایجوکیشن بورڈ نے پندرہ دن تک ان کی جانچ پڑتال کی اور ان کی قدر افزائی کے بارے میں ان الفاظ کے ساتھ رپورٹ دی کہ ہمیں یہ رسائل علیحدہ علیحدہ طور پر طبع کرا دینے چاہییں؛ کیونکہ ایک ہی دفعہ طبع کرانے کے لیے بہت سی رقم درکار ہے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے معزز وفادار بھائیو!

آپ لوگوں کے لیے ایک واقعہ کی وضاحت کرنا مناسب سمجھتا ہوں، یہ واقعہ بیک وقت بڑا عجیب و غریب، دردناک اور لطیف ہے، اس کے ساتھ ساتھ میں اُس ایک تہمت کا بھی ذکر کروں گا جو مجھ پر میرے دشمنوں نے لگائی ہے، اور یہ اتنی گندی تہمت ہے کہ اس کے ذریعے شیطان بھی کسی کو دھوکہ نہیں دے سکتا ہے۔ اور اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اُن کے پاس نُور کے خلاف استعمال کرنے کے لیے اب اور کوئی ہتھیار نہیں بچا ہے، اور وہ واقعہ یہ ہے:

میرے حالاتِ زندگی کے بارے میں علم رکھنے والے لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ آج سے پچپن سال پہلے میں جب اپنی عمر کی دوسری دہائی میں تھا، ان دنوں ''بتلیس'' کے گورنر ''عمر پاشا'' مرحوم کے اصرار پر اور اُن کی علم و معرفت کے

ساتھ شدید وابستگی کی وجہ سے میں دو سال تک ان کے گھر میں مقیم رہا۔

اُن کی تین چھوٹی عمر کی اور تین بڑی عمر کی چھ بیٹیاں تھیں، اب علی الرّغم اس کے کہ ہم ایک ہی گھر میں دو سال تک اکٹھے رہتے رہے، میری اُن بڑی تینوں بہنوں کے ساتھ اس طرح کی جان پہچان نہ ہوسکی کہ میں تینوں میں امتیاز کرسکتا، کیونکہ میں نے تینوں کی علیحدہ علیحدہ پہچان رکھنے کے لیے کبھی انہیں گہری نظر سے دیکھا ہی تھا، اس حد تک کہ ایک دفعہ ہمارے ہاں ایک مہمان آ کر ٹھہرا، اور اس نے صرف دو دنوں میں ان تینوں کی علیحدہ علیحدہ پہچان حاصل کرلی۔ میرے اس انداز سے میری جان پہچان والے لوگ بڑے حیران ہوئے اور مجھ سے کہنے لگے: آپ کیوں نہیں دیکھتے؟ اور میں جواب میں کہتا: علم کی آبرو کی حفاظت مجھے اس بات سے روکتی ہے۔

اور آج سے چالیس سال پہلے استنبول میں ''کاغذ خانہ'' کانفرنس والے دن استنبول، روم اور ارمن کی ہزاروں عورتیں اور نوجوان لڑکیاں عریاں لباسوں میں پُل کے آر پار خلیج کے دونوں طرف حتیٰ کہ ''کاغذ خانہ'' تک اُمڈ آئی تھیں، اِس دوران میں، ''مُلّا سیّد طٰہ مرحوم'' اور ''حاجی الیاس''— جو کہ ان دنوں پارلیمنٹ کے رکن تھے— ایک کشتی میں سوار ہوئے، ہم ان عورتوں کے آس پاس سے گزرتے تھے، مجھے اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ دونوں آپس میں صلاح مشورے کے بعد باری باری میری نگرانی کررہے ہیں۔ اور ایک گھنٹہ تک چلنے پھرنے کے بعد ہم جب واپس آئے تو دونوں نے یہ کہتے ہوئے اعتراف کیا کہ ہم آپ کے بارے میں بڑے حیران ہیں! آپ نے عورتوں کی طرف بالکل نہیں دیکھا ہے!! تو میں نے کہا: میں ایسی تُچھ، زوال پذیر اور گناہ آلود تفریحات پسند نہیں کرتا جن کا نتیجہ آلام وحسرات کی صورت میں برآمد ہو۔

پھر میرے تمام دوست احباب جانتے ہیں کہ میں نے اپنی تمام زندگی میں تحفے قبول کرنے سے اور لوگوں کے صدقات وخیرات واحسانات قبول کر کے ان کے زیرِ احسان رہنے سے ہمیشہ گریز کیا ہے، اور میں انوار کی عزّت وسلامتی اور ایمانی قرآنی خدمات کی حفاظت کی خاطر دنیا کی تمام لذّات اور مادی وسماجی وسیاسی اہتمامات سے کنارہ کش ہو چکا ہوں، اور میں نے حاسدوں اور کینہ وروں کی قتل کردینے سمیت تمام دھمکیوں کی کبھی پروا نہیں کی ہے۔ اور یہ بات ان تمام عدالتوں میں کہ جہاں مجھے جانا پڑا ہے، اور ان دو خوفناک جیلوں میں کہ جہاں میں اپنی ظلم وستم سے بھری ہوئی قید وبند کی زندگی میں دو دفعہ قید رہ چکا ہوں، واضح طور پر کھل کر سامنے آ چکی ہے۔

اور عین اس وقت کہ جب میری زندگی پچھتر سال اسی دائمی دستور کے مطابق چل رہی تھی، اچانک ایک حکومتی عہدے دار نے مجھ پر ایسی تہمت لگانا شروع کردی جو شیطان کے خواب وخیال میں بھی نہیں آسکتی، اور اس سے اس کی غرض وغایت رسائلِ نور کی قدر وقیمت گرانا اور ان کی نیک نامی کو نقصان پہنچانا تھا، چنانچہ اُس نے اپنے خبثِ باطن کا اظہار ان الفاظ کے ساتھ کیا: رات کو اس کے پاس فاحشہ عورتوں کی آمد ورفت رہتی ہے، اور کمینے اور پست قسم کے لوگ

اس کے پاس لذیذ اور مہنگے قسم کے کھانے لے کر آتے ہیں، حالانکہ صورتِ حال یہ ہے کہ میرا دروازہ تمام رات اندر باہر سے مقفل رہتا ہے، اور خود اسی بدبخت تہمت تراش کے حکم سے شام سے لے کر صبح تک ایک پہریدار میرے گھر کی سخت نگرانی کرتا ہے، اسی طرح میرے یہاں کے ہمسائے اور میرے تمام دوست یہ جانتے ہیں کہ میں نے عشا کے بعد صبح دم تک کبھی کسی کا استقبال نہیں کیا۔

میرے خلاف جو تہمت لگائی گئی ہے اس طرح کی تہمت لگانے کی جرأت کوئی بیوقوف سے بیوقوف آدمی بھی نہیں کر سکتا، حتیٰ کہ اگر کوئی گدھا ہو اور بعد میں شیطان بن گیا ہو، وہ بھی نہیں کر سکتا۔ اس چیز کا اندازہ اس سازشی منصوبہ ساز شخص کو اچھی طرح ہو گیا، اور وہ اپنی ان سازشوں سے باز آ گیا اور پھر ذلیل وخوار ہو کر یہاں سے غائب ہو گیا۔

اس سازش کا جال اس آدمی نے سرکاری طور پر صرف میری نیک نامی کو داغدار کرنے کے لیے نہیں بلکہ تمام نوریوں کو بدنام کرنے کے لیے بُنا۔ اس نئے حادثے کو برپا کرنے کا مقصد یہی تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی اور اس کی حفظ و حمایت نے یہ سازش بری طرح سے ناکام بنا دی۔

یہ سب کچھ بتانے کا مقصد خودستائی نہیں ہے، لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس مقدس ایمانی خدمت نے میرے نفس کی یہ حالت بنا دی ہے کہ وہ اپنی تمام خواہشات سے خالی ہوتا جا رہا ہے، چنانچہ اس خدمت میں جو معنوی لذتیں پائی جاتی ہیں، اس کے لیے وہی کافی ہیں۔ میں یہاں اس بات کی طرف بھی توجہ دلا رہا ہوں کہ نوریوں کو بہت زیادہ چوکنا اور محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

ثانیاً: میں آپ کے پاس اپنا ایک خاص کاتب بھیج رہا ہوں جو ٹائپ رائٹر میں خصوصی مہارت رکھتا ہے، آج کے بعد میں آپ کی طرف جو بھی لکھوں گا اختصار کے ساتھ لکھوں گا؛ کیونکہ میں بڑی مشکل سے لکھ پاتا ہوں، اس لیے میری طرف سے تمہیں کوئی پریشانی لاحق نہیں ہونی چاہیے۔

رابعاً: میں نے نور کا ایک خوبصورت چمکدار رسالہ وصول کیا جو کہ ''قسطمونو'' کے ''خسرو''، یعنی برادرِ عزیز ''محمد فیضی''[1] کی طرف ہے، اُسے ہم مبارکباد دیتے ہیں، یہ خط رسائلِ نور کی فتوحات کی بشارتوں کی مبارکباد پر مشتمل ہے، اور ہم ''حلمی''، ''امین'' اور پانچوں سگے بھائیوں کو اور اسی طرح ''زہرا''، ''لُطفیہ'' اور ''عُلویہ'' جیسی نوری بہنوں کو بھی مبارکباد دیتے ہیں، اور ان سب کو تہِ دل سے ذوالحجہ کی دس راتوں کی اور عید کی مبارکباد دیتے ہیں اور اس ضمن میں ہم آپ کی طرف ''خلوصی'' اور ''فیضی'' کے دو خط بھی بھیج رہے ہیں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

[1] ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ''قسطمونو'' میں ''محمد فیضی'' کا وہی مقام ہے جو ''اسپارٹا'' میں ''خسرو آلتن باشاق'' کا ہے۔

باسمہ سبحانہ

میرے معزز بھائیو!

اوّلاً: تمام نوری بھائیوں کو اور حج اکبر میں موجود شاگردانِ نور اور نور کے انصار واعوان کو مبارک بادیوں کے ساتھ ساتھ، نوعِ بشر کی یہ عید ہمیں عالمِ اسلام کے لیے عیدِ اکبر کی خوشخبری دے رہی ہے، اور یہ عیدِ اکبر عالمِ عرب اور عالمِ اسلام کے ہندوستان جیسے بڑے بڑے ممالک میں ایک ایسی اسلامی سلطنت کی صورت میں متحقق ہوگی جو اُن تمام اسلامی ممالک پر مشتمل ہوگی جنہوں نے ایک عرصہ تک غیر ملکی سامراج کے تحت زندگی گزاری ہے اور اپنی آزادی سے محروم رہے ہیں، اُن میں سے ایک تو سو ملین والا ہندوستان ہے اور پچاس ملین والا ''جاوہ''[1] ہے، اور ان میں سے چار یا پانچ ریاستوں پر مشتمل متحدہ عرب امارات ہے۔

ثانیاً: وہ ہیبت ناک عمارت جو کہ فوجی قیادت اور وزارتِ دفاع کا ہیڈ کوارٹر تھا، اور جس نے عرصۂ دراز تک اسلامی لشکروں کی ادارت کی تھی، اور پھر اسے یونیورسٹی میں تبدیل کر دیا گیا تھا، اور جس کی پیشانی پر انتہائی دلکش قرآنی خط میں یہ بلیغ قرآنی آیات لکھی ہوئی تھیں:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾

﴿وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا﴾

یہ انوار جب مرمر کے پتھروں کے ساتھ ڈھانپ دیے گئے اور ان پر پردے ڈال دیے گئے، توان پتھروں کو وہاں سے ہٹا دیا گیا جیسے کہ سید ''رافت'' اور ''مصطفی اورچ'' نے لکھا ہے، اور یہ خطِ قرآنی کے لیے نئے سرے سے اجازت مل جانے کا ایک نمونہ ہے، اور اس مقصد کے لیے ایک وسیلہ ہے جو رسائل نور کا ہدف ہے، اور اس بات کی طرف ایک اشارہ ہے کہ یونیورسٹیاں عنقریب نوری مدارس بن جائیں گی۔

اور دوسری طرف ''دینزلی'' میں ایک نوری بھائی ''احمد'' نے مشہور عبقری صاحبِ علم اور انیسویں صدی کے قدآور عمرانی فلاسفر ''بسمارک''[2] کی کتاب سے ایک اقتباس لیا، اُس میں وہ کہتا ہے: ''میں نے قرآن میں ہر پہلو سے غور کیا ہے، مجھے اس کے ہر کلمے میں جلیل القدر حکمت نظر آئی ہے، یہ ایک بے مثل کتاب ہے، روئے زمین پر ایسی کوئی کتاب موجود نہیں ہے جو نوعِ انسان کی اُس انداز سے ادارت کرتی ہو جیسے قرآن کرتا ہے۔''

---

[1] اس سے مراد انڈونیشیا ہے۔

[2] اوٹو ون بسمارک، انیسویں صدی میں یورپ کا نمایاں ترین سیاستدان 1815ء میں جرمنی میں پیدا ہوا، اور جرمنی میں ہی 1898ء میں فوت ہوا۔

اور نبی علیہ ﷺ کو اپنے دستخط شدہ بیان کے ساتھ مخاطب کر کے کہتا ہے: ''اے محمد! مجھے اس بات کا بہت دکھ ہے کہ میں آپ کے زمانے میں نہیں تھا، آپ جیسی قوتِ متمیزہ نوعِ بشر نے صرف ایک ہی دفعہ دیکھی ہے اور آئندہ کبھی نہیں دیکھ سکے گی، اس بنا پر میں آپ کے سامنے آپ کی مکمل تعظیم کرتا ہوا کورنش بجالا رہا ہوں۔''

اِس فقرے میں سابقہ محرَّف و منسوخ آسمانی کتابوں کے جو شدید نقائص بیان کیے گئے ہیں وہ نہیں لکھنے چاہئیں، میں اُن جملوں کی طرف اشارہ کر چکا ہوں۔

بہت سی علامتیں ہیں جو حسنِ فال کی دعوت دیتی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ آدمی انیسویں صدی کا ایک بہت بڑا اور ذہین ترین فلسفی ہے اور سیاسی اور سماجی حیثیت سے اہم ترین شخصیات میں شمار ہوتا ہے، اور ایک یہ کہ عالمِ اسلام نے کسی حد تک آزادی حاصل کر ہی لی ہے، ایک یہ کہ بدیسی حکومتیں قرآنی حقائق کے بارے میں کھوج کر رہی ہیں، ایک یہ کہ مغرب اور شمال مغرب میں ایسا بہت بڑا دھارا وجود میں آ گیا ہے جو قرآن کی تائید کرتا ہے، اور ایک وہ فیصلہ ہے۔

جس کی صراحت امریکا کے بلند پایہ اور مشہور ترین فلاسفر ٹامس کارلائل''[1] نے کی ہے، اس نے کہا ہے: ''کوئی بھی کتاب کسی بھی جہت سے قرآن کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتی، یہ قولِ حق ہے، اور اس پر کان دھرنا ہمارا فرض بنتا ہے۔'' اور ان میں سے ایک علامت انوار کی ہر جہت میں فتوحات اور ترقیاں ہیں؛ یہ چیزیں یقیناً ایک اچھی فال ہے جو ہمیں یہ بات کہنے پر مجبور کرتی ہے کہ ان غیروں میں ''بسمارک'' اور ''کارلائل'' جیسے بہت سے لوگ ظاہر ہوں گے، اور اس بات کی بھی بہت سی علامات ظہور میں آ رہی ہیں۔

یہ چیز ہم طلابِ نور کو بطورِ عیدی پیش کر رہے ہیں اور خط کے ساتھ ''بسمارک'' کا یہ فقرہ بھی نتھی کر رہے ہیں۔

☆ ☆ ☆

ثانیاً: رسائل نُور کی چونکہ ان مخالفین و معارضین کے مقابلے میں سب سے بڑی قوت جس سے وہ بہرہ وَر ہیں، ''اخلاص'' ہے، اس لیے جس طرح یہ اُمورِ دنیا میں سے کسی بھی امر کا آلۂ کار نہیں ہو سکتے، اسی طرح یہ پارٹی بازی کے احساسات و مشاعر پر مبنی دھاروں کا اور خاص کر اُن دھاروں کا ساتھ نہیں دے سکتے جن کا سیاست کے ساتھ تعلق ہے؛ کیونکہ پارٹی بازی کا میلان اخلاص کو تباہ کر دیتا ہے اور حقائق کو تبدیل کر دیتا ہے۔

حتی کہ میرے تیس سال پہلے سیاست چھوڑ دینے کا سبب یہ بنا تھا کہ ایک منجھے ہوئے عالمِ دین پر اس پارٹی کا میلان غالب آ گیا جس کے وہ پیروکار تھے، چنانچہ انہوں نے ایک جلیل القدر عالم کا مرتبہ اس حد تک گھٹایا کہ اس کی تکفیر تک کر

---

[1] ''ٹامس کارلائل''، مشہور قلمکار اور مؤلف، 1795 میں اسکاٹ لینڈ میں پیدا ہوئے اور 1881 میں لندن میں فوت ہوئے، تاریخ وادب میں بہت سی کتابیں لکھیں، ان میں ''محمد رسول اللہ ﷺ ایک بہترین نمونہ'' بڑی پائے کی کتاب ہے۔ امریکی فلاسفر ''ایمرسن'' ان سے متاثر ہوا اور اُس نے امریکا میں اُس کی کتابیں نشر کیں۔

ڈالی، صرف اس وجہ سے کہ وہ فکری طور پر اس کے ہمنوا نہیں تھے، جبکہ اس نے ایک مشہور حدود فراموش منافق کی بہت زیادہ تعریف کی، صرف اس بنا پر کہ وہ فکری طور پر اُس کے ساتھ ہم آہنگ تھا، چنانچہ اس موقف نے مجھے بہت زیادہ پریشان کیا، اور مجھے روح کی گہرائیوں سے اس سے نفرت ہوگئی، کہنے کا مطلب یہ ہے کہ پارٹی بازی کے میلان میں جب سیاست مداخلت کرنا شروع کر دے تو پھر اِسی طرح کی گھمبیر غلطیوں کا سبب بنتی ہے، تب میں نے کہا: "أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ وَالسِّيَاسَةِ" اور پھر اُسی لمحے سیاست سے کنارہ کش ہوگیا۔

اور میری اس حالت کا ہی نتیجہ ہے کہ — جیسے کہ آپ جانتے ہیں اور آپ جیسے دیگر بھائی بھی جانتے ہیں — میں نے گزشتہ پچیس سال سے کبھی کوئی اخبار نہ خود پڑھا ہے اور نہ کسی پڑھنے والے سے سنا ہے، اور نہ ہی کبھی اس کی طرف کوئی توجہ دی ہے، اور نہ ہی کبھی دس سال تک جاری رہنے والی دوسری جنگ عظیم کے متعلق کچھ سنا سنایا ہے، اور نہ ہی مجھے اس کے بارے میں کچھ علم ہے، اور نہ اس کے بارے میں کبھی کسی دلچسپی کا اظہار کیا ہے...... اور جیسے کہ آپ جانتے ہیں، میں نے اپنی بائیس سالہ ظلم و بربریت سے بھرپور قید کے دوران عدالتی مقدمات کے سوا کسی بھی ایسے معاملے میں سرکاری محکموں کی طرف رجوع نہیں کیا جس کا تعلق میرے آرام وسکون کے ساتھ ہو، اور اس کے پیچھے صرف ایک ہی جذبہ کارفرما ہے، اور وہ ہے پارٹی بازی اور سیاست سے گریز پائی، اور وہ ہے انوار میں پائے جانے والے جذبۂ اخلاص کی کسی بھی طرح کے نقصان سے حفاظت کرنا۔

پھر تم لوگ یہ اچھی طرح جانتے ہو — جیسے کہ میں نے تمہاری طرف اس وقت لکھا جب میں جیل میں تھا — کہ وہ لوگ جنھوں نے مجھے بالکل ختم کر دینا چاہا اور مجھے قسما قسم کی تکلیفوں سے دوچار کیا، اُن لوگوں نے اگر رسائلِ نور کی وساطت سے اپنا ایمان بچالیا، تو میں تمہیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں ان سے درگزر کروں گا، جیسے کہ تم لوگ جانتے ہو کہ ہم نے کسی بھی ایسے دھارے کے ساتھ کبھی کوئی تعلق نہیں رکھا ہے جو دو تین سال سے باہر سے آیا ہے یا اندر سے اُبھرا ہے، اور میں نے اپنے بھائیوں کو اس ضمن میں کسی حد تک متنبہ بھی کر دیا تا کہ اِخلاص کسی طرح کی پارٹی بازی کی طرف میلان رکھ کر نقصان نہ اُٹھا بیٹھے۔

اور تم لوگ یہ بات بھی جانتے ہو کہ میں جیسے صدقات وخیرات اور اس طرح کے دیگر تعاون قبول نہیں کرتا، اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ میں ان چیزوں کا وسیلہ بن جاؤں، یہی وجہ ہے کہ میں اپنے ملبوسات اور دیگر اشیائے ضرور یہ بیچ ڈالتا ہوں جو انہوں نے نقل کی ہوتی ہیں، تا کہ دنیا کی مصلحتیں رسائلِ نور کے اخلاص میں داخل ہو کر انہیں تباہ نہ کر دیں، اور تا کہ اس سے دیگر بھائیوں کو سبق ملے اور اس طرح رسائل نور کو کسی بھی چیز کا وسیلہ نہ بنایا جائے۔ پس حقیقی طلاّبِ نور کے لیے نور ہی کافی ہے، اس لیے انہیں اس سے فائدہ حاصل کرنا چاہیے، اور انہیں کسی بھی دیگر شرف کی طرف یا مادی اور معنوی مصلحتوں کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھنا چاہیے۔

پھراس طرح کے بحث ومباحثے، جدل ونزاع اور دینی مسائل کے بارے میں ایسی جانبداری سے بحث کرنے سے اجتناب لازم ہے کہ جس سے غصہ اُبھرے اور حقد وکینہ کے جذبات جنم لیں، تاکہ اس سے ایسے کینہ توز لوگ میدان میں نہ آجائیں جو نور کے ساتھ دشمنی مول لیے رکھیں، ہمارے بھائی ''مصطفی اُورچ'' نے جب ایک آدمی کے ساتھ کچھ ایسے انداز سے مناقشہ کیا جو رسائل نور کے مسلک کے منافی تھا، اُسی لمحے دل میں — احساس قبل الوقوع — کی قبیل سے اس کے بارے میں بہت غصہ آیا اور اِس حد تک تکلیف ہوئی کہ اسے اُس بلند منصب سے دور کر دینے کو دل چاہا جس پر وہ رسائلِ نور کی وجہ سے فائز ہوا تھا۔ مجھے اس بات کا بہت زیادہ افسوس ہوا اور میں نے دل میں کہا: یہ آدمی تو میرے نزدیک ''عبدالرحمان''[1] کی حیثیت رکھتا تھا، مجھے اس پر اتنا غصہ کیوں آیا؟

پھر وہ اس عید پر میرے پاس آیا اور الحمد للہ کہ اس نے میرا ایک اہم درس سنا اور اسے اپنی اس بہت بڑی غلطی کا احساس ہوگیا، اور اس نے اس بات کا اعتراف کیا کہ وہ غلطی اس سے بالکل اس وقت صادر ہوئی تھی جس وقت مجھے غصہ آیا تھا، تو گویا کہ میرا غصہ اس کی غلطی کا کفارہ بن گیا اور وہ اپنی اس غلطی سے — باذن اللہ — پاک صاف ہوکر باہر آگیا ہے۔

ایک فاضل آدمی تقریباً چار پانچ مہینوں سے مجھے ایک اخبار بھیجتا رہا تھا، لیکن مجھے اس کے بارے میں بہت دیر کے بعد پتا چلا؛ کیونکہ میرے یہاں کے دوست میری عادت کے بارے میں جانتے ہیں، اور یہ بات بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ — اخبارات تو رہے ایک طرف — میں نور کے علاوہ کوئی کتاب اور کوئی مجلہ وغیرہ قبول نہیں کرتا۔ جیسے کہ یہ بھی ہے کہ مجھے جدید لاطینی خط کے ایک حرف کی بھی شدھ بدھ نہیں ہے، لہٰذا وہ ڈر گئے اور مجھے ان اخبارات کے بارے میں کچھ بتانے سے گریز کر گئے۔

آج مجھے ایک آدمی نے میرے اس صحافی دوست کا ایک رسالہ دیا جس کے ساتھ میری دوستی اس وقت ہوئی تھی جب ہم استنبول میں ہوتے تھے، اس رسالے کے ایک صفحے میں اس نے میرے بارے میں لکھا ہے، تو میرے دوستوں نے مجھے کہا: یہ آدمی آپ کو بہت دیر سے رسالے بھیجتا رہا ہے، لیکن ہم ڈر کے مارے آپ کو دیتے نہیں تھے۔ تو میں نے اُن سے کہا: اسے میرا پُر جوش سلام پہنچادو اور بتادو کہ وہ ''قدیم سعید'' جسے آپ جانتے تھے، بالکل تبدیل ہو چکا ہے۔ اس نے دنیا کے ساتھ اپنا تعلق منقطع کر لیا ہے۔ میں بیمار ہوں اس لیے انفرادی طور پر اپنے سگے بھائی کو خط نہیں لکھ سکتا ہوں، اس لیے اُسے میری طرف سے کبیدہ خاطر ہونا چاہیے۔ ہم وہاں پہ موجود اپنے تمام بھائیوں اور خاص کر ''حافظ امین'' اور ''حافظ فخر الدین'' جیسے بھائیوں کو سلام کہتے ہیں اور ایک دفعہ پھر سب کو عید کی مبارک باد دیتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

---

[1] اس سے مراد اُن کا بھتیجا اور ہونہار شاگرد ''عبدالرحمان'' ہے جو 1928ء میں عین جوانی میں فوت ہوگیا تھا۔

اللہ کی بے شمار حمد وثنا کہ رسائلِ نور کو حرمین شریفین میں بھی قبولیت حاصل ہوگئی ہے، اوراس قبولیت کی علامت یہ ہے کہ ''عصائے موسیٰ''، ''ذوالفقار'' اور ''سراج النور'' کے کچھ نسخے جنھیں ''دنیزلی'' کے سپوت ''حافظ مصطفیٰ'' علمائے ہند کو ارسال کرنے کے لیے ساتھ لے گئے تھے، وہ نسخے اُس نے راستے میں کچھ حاجیوں کو پڑھائے، پھر مدینہ منورہ پہنچ کر انہوں نے وہ نسخے کشمیر کے ایک عالم دین کے حوالے کردیے جو کہ ترکی زبان بہت اچھی طرح جانتا تھا، اس نے وہ نسخے بڑی قدر دانی اور شکریے کے ساتھ لیے اور یقین دلایا کہ وہ یہ نسخے علمائے ہند کے مرکز تک پہنچا دے گا۔ اسی طرح خصوصی طور پر مدینہ منورہ اور دیگر جگہوں کے لیے جو نسخے بھیجے گئے تھے وہ بھی اپنی اپنی مطلوبہ جگہوں پر پہنچ گئے۔ اس بات کی خوشخبری ہم تک ''آفیون'' کے اُن دو نوری نوجوانوں نے پہنچائی جو ''حافظ مصطفیٰ'' کے ہم سفر تھے اور راستے میں رسائل کو پڑھتے جارہے تھے، اسی طرح اس کے بارے میں ہمیں دیگر حجاج کرام نے بھی بتایا اور اس بات کی خوشخبری دی کہ رسائلِ نور کی وطن سے باہر مقبولیت اور مانگ بڑھ رہی ہے اور ان کا دائرہ وسیع ہوتا جارہا ہے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

کسی بھی چیز کی وجہ سے مطلق پریشان نہیں ہونا......

ہمارا یہ پختہ اعتقاد ہونا چاہیے کہ عنایتِ الٰہیہ نے جس طرح بیس سال کے دوران سینکڑوں موقعوں پر ہمیں بچایا ہے اور ہماری حمایت کی ہے، اسی طرح وہ ہمیں اس موجودہ خوفناک اور بدترین ظلم سے بھی لازماً بچائے گی جو ہم پر مطلق طور پر بغیر کسی وجہِ جواز کے اور بغیر کسی قانون کے ڈھایا جارہا ہے۔

اور اگر ایسا ہوجائے کہ ہمیں کچھ مصیبتوں کا، سختیوں کا اور نقصانات کا سامنا کرنا پڑ جائے، تو ہمیں اللہ کی رحمت سے یہ بہت بڑی اُمید ہے کہ وہ ہمیں ایسے ثواب، رحمت، اور احسانِ الٰہی کا مظہر بنادے گی جو ان سختیوں پر ہزار درجے زیادہ فوقیت رکھتا ہے، اور وہ ان سختیوں کو ایک ایسی امتیازی قُدسی خدمت کا رُوپ دے دے گی جو بہت سے مسکین اہلِ ایمان کے ایمان کی خدمت کرے گی۔

میں دس پہلوؤں سے اس بات کی وضاحت کرتا ہوں کہ یہ واقعہ بالکل غیر قانونی ہے۔

پہلا پہلو: رسائلِ نور کا نئے سرے سے غیر قانونی طور پر راستہ روکنا اور ان کے ساتھ اس طرح کا سلوک کرنا کہ گویا وہ بہت ہی خطرناک قسم کی مطبوعات ہیں، ایک بہت گھناؤنا کام ہے، حالانکہ اس بات پر مکمل دو سال گزر چکے ہیں کہ تین عدالتیں اور ماہرین کی تین کمیٹیاں ان کا گہری نظر سے جائزہ لے رہی ہیں، اور یہ انقرہ میں عدالتی محکموں اور سات عدد

سرکاری اداروں کی نظر میں رہے ہیں، اور تمام رسائل کے حق میں اور سعید اور اس کے بہتر عدد ساتھیوں کے حق میں بالاتفاق بے گناہی کا اور انہیں کسی بھی طرح کی سزا نہ دینے کا— خواہ وہ ایک دن کی جیل ہی کیوں نہ ہو— فیصلہ صادر ہو چکا ہے، اور فیصلے کی کسی طرف سے مخالفت بھی نہ ہوئی!! جس کے پاس ایک ذرّہ برابر بھی عقل ہوگی وہ اس معاملے کی لاقانونیت بخوبی جان جائے گا۔[1]

دوسرا پہلو: تم لوگ[2] میرے بارے میں کہتے ہو کہ میں بے گناہی کا فیصلہ صادر ہونے کے بعد ''امیر داغ'' میں ساڑھے تین سال تک اجنبی بن کر گوشہ نشیں رہا، اس کا دروازہ باہر سے تالے کے ساتھ اور اندر سے چٹخنی کے ساتھ مقفل کر دیا جاتا ہے، اور یہ سو میں سے صرف ایک آدمی کو ملتا ہے اور وہ بھی کسی بہت ہی ضروری کام کی وجہ سے۔ اور اُس نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی موقوف کر دیا ہے جو بیس سال سے جاری تھا، چنانچہ اب وہ کچھ لکھ بھی نہیں رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود تفتیشی ٹیمیں دنیاوی سیاسی اغراض کے لیے اس کے گھر آ دھمکتی ہیں اور اس کے دروازے کے تالے توڑ دیتے ہیں، لیکن وہاں انہیں کچھ عربی اَوراد و اذکار کے علاوہ اور اس کے سرہانے پر لٹکی ہوئی دو ایمانی لوحوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں ملتا ہے۔ یہ خلافِ قانونی ایذا رسانی کس قدر بدنما ہے، جس کے پاس ذرہ برابر بھی عقل ہے وہ یہ بات اچھی طرح جانتا ہے۔

تیسرا پہلو: اس آدمی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس نے سات سال اس طرح گزارے ہیں کہ اُس کے پاس دوسری جنگ عظیم کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ہیں، نہ وہ اس کے بارے میں کسی سے پوچھتا ہے، اور نہ اُس پر کوئی توجہ دیتا ہے، جیسے اس بات کی تصدیق عدالت میں ستر گواہوں نے کی ہے، اور اس کی اس حالت پر دس سال گزر چکے ہیں، اور گزشتہ پچیس سال سے اس نے نہ کوئی اخبار پڑھا ہے اور نہ ہی کبھی کسی پڑھنے والے کو دھیان سے سنا ہے، اور جس نے آج سے تیس سال قبل اپنا یہ مشہور قول کہا تھا: "أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ وَالسِّيَاسَةِ" اور اپنی پوری قوت کے ساتھ سیاست سے فرار ہو چکا ہے، اور اپنے پر بائیس سال سے ڈھائے جانے والے بدترین ظلم و تشدد میں تخفیف مانگنے کے لیے جس نے ایک بھی دفعہ حکومت کی طرف رجوع نہیں کیا، صرف اس اندیشے سے کہ ایسا کر کے وہ کہیں سیاست میں دخل اندازی نہ کر بیٹھے یا سیاستدانوں کی توجہ اپنی طرف نہ کرا بیٹھے...... کیا یہ بات قانون کے ساتھ تعلق رکھتی ہے کہ اس کے گھر پر اور اس کی خلوت گاہ پر ایسے چھاپہ مارا جائے، شدید بیمار ہونے کے باوجود اس کے ساتھ بدترین سلوک کیا جائے کہ جیسے وہ کوئی بڑا خطرناک سیاستدان ہو اور سازشیں تیار کر رہا ہو؟! کوئی تھوڑی سی عقل رکھنے والے آدمی کو بھی اس صورت حال کا بہت دکھ ہوگا۔

---

[1] اس واقعے کا ذکر دوسرے پہلو میں آ رہا ہے۔

[2] مخاطب آپ کے شاگرد ہیں، انہیں بتا رہے ہیں کہ عدالتی فیصلے کے وقت انہیں کیا کہنا ہوگا۔

چوتھا پہلو: ''اسکی شہر'' کی عدالت میں چھ مہینے تک گہری تحقیقات ہوئیں، ان تحقیقات کا سبب کسی سیاسی تنظیم یا کسی روحانی سلسلے کے وجود کا، یا ان کے ساتھ وابستگی کا خوف تھا، اور باوجود اس کے کہ ایک بہت بڑے قائد نے اِس آدمی کے خلاف اپنے ذاتی بغض و کینے کے زیرِ اثر بعض عدالتی محکموں کو اس کے خلاف بھڑکا دیا تھا، عدالت نے اس بات کا فیصلہ دے دیا کہ اس آدمی کا کسی تنظیم کے ساتھ یا تصوف کے کسی سلسلے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، اسی طرح عدالت نے رسائل نور کے حق میں بھی فیصلہ دے دیا؛ لیکن اس نے رسائلِ نور کے ایک چھوٹے سے جز ''رسالۃ الحجاب'' کو بہانہ بنالیا اور ایک سو بیس میں سے پندرہ طالب علموں کو چھ مہینے کی جیل بھیجنے کا فیصلہ صادر ہو گیا۔ اور اس فیصلے کی بنیاد ظاہر ہے کہ ذاتی مزاج پر تھی نہ کہ کسی قانون پر، چنانچہ چار مہینے تک تحقیقات چلیں اور اس تمام عرصے میں ان پر مقدمہ چلا اور انہیں ڈیڑھ مہینے تک جیل میں رکھا گیا۔

پھر دس سال بعد ''دنیزلی'' کی عدالت نے ایک اور فیصلہ کن تحقیق شروع کر دی جو کہ نو سال تک جاری رہی، اور بیس سال کے دوران اس شخص کی تمام مؤلفات و مراسلات کو شامل رہی، اور اس میں اُس کی دلیل کچھ اسی طرح کی تھی کہ اس شخص کی کوئی سیاسی تنظیم ہے یا روحانی سلسلہ ہے۔ جیسے کہ عدالت نے اس دوران اُس کی تالیفات کے پانچ صندوق انقرہ کی فوجداری عدالت کو بھیجے اور پھر دو سال کی مسلسل تحقیق و تدقیق کے بعد ان دونوں عدالتوں نے بالاتفاق یہ فیصلہ دیا کہ ہمارا کسی بھی سیاسی تنظیم یا روحانی سلسلے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، اور فیصلے میں یہ کہا کہ تمام کتابیں اور رسائل ان کے مالکوں کو واپس کر دیے جائیں، اور سعید اور اس کے ساتھیوں کو بری کر دیا جائے۔

اب اس سب کے باوجود بھی اگر اِن لوگوں پر یہ الزام لگایا جائے کہ یہ لوگ کسی سیاسی تنظیم کے سرغنے ہیں، اور اس آدمی پر یہ الزام لگایا جائے کہ کوئی سیاسی آدمی ہے اور سازشیں کرتا ہے، اور اس الزام پر بنیاد بنا کر عدالت کے آدمیوں کو اس کے خلاف بھڑکا دیا جائے تو یہ کتنا بدترین ظلم ہوگا؟ جس آدمی کی انسانیت بالکل ہی ختم نہیں ہو چکی ہے وہ یہ بات اچھی طرح جانتا ہے۔

پانچواں پہلو: ظلم و تشدّد پر مبنی یہ غیر قانونی واقعہ جو اِن آخری دنوں میں پیش آیا ہے، ایک ایسی تہمت ہے جو اُس حالت کے بالکل ہی اُلٹ ہے جو اس آدمی نے حقیقی مسلک و مشرب کے طور پر اختیار کی ہوئی ہے اور جسے کم و بیش تیس سال سے اپنی زندگی کا دستور بنایا ہوا ہے۔ اس واقعہ کی ماہیت کچھ یوں ہے:

اس شفقت کے دستور کی بنا پر جو کہ رسائلِ نور کا مسلک ہے اور کسی بھی بے گناہ کو نقصان دینے کے دستور کی بنا پر میرے لیے ان مجرموں سے تعرّض کرنا ممکن نہیں جو مجھ پر ظلم کرتے ہیں، بلکہ میرے لیے ان پر بددعا کرنا بھی ممکن نہیں۔ بلکہ میں تو اس معاملے میں اس حد تک محتاط ہوں کہ اُن ملحدوں اور بے دین قسم کے فلسفیوں پر جب بھی غضبناک ہوتا ہوں جو مجھ پر اپنے بغض و کینے کی وجہ سے بدترین ظلم کر رہے ہیں، تو صرف یہی نہیں کہ یہ شفقت مجھے ان پر مادی طور

پر ردّ کرنے سے روکتی ہے، بلکہ ان کے لیے بددعا بھی نہیں کرنے دیتی؛ اس کی وجہ یہ ہے میں یہ نہیں چاہتا کہ ان سرکش ظالموں کی وجہ سے ان کے بے قصور مسکین بوڑھے والدین اور ان کے معصوم بچوں پر مادی یا معنوی مصیبتیں نازل ہوں، پس ان چند بے گناہ لوگوں کی وجہ سے میں اِن سرکش باغی ظالموں کے منہ نہیں لگتا ہوں، حتی کہ بسا اوقات ان سے چشم پوشی کر جاتا ہوں۔

اور اسی شفقت کی وجہ سے میں نے کبھی ایسا کوئی کام نہیں کیا جو امن واستقرار میں خلل ڈالتا ہو، اور میں نے اپنے تمام دوستوں کو اس بات کی سخت تاکید کی ہوئی ہے، اس حد تک کہ تینوں صوبوں میں امن کمیٹی کے منصف مزاج افسروں نے اس بات کا یہ کہتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ: نوری طلبہ معنوی طور پر امن پسند لوگ ہیں اور امن واستقرار کے محافظ ہیں۔

اس حقیقت کے ہزاروں گواہ ہیں، اس شخص کی زندگی کے بیس سال اس کی تصدیق کرتے ہیں، اور اسی طرح یہ بات بھی اس کی تصدیق کرتی ہے کہ ہزاروں کی تعداد میں شاگردوں کی طرف سے ایسا ایک بھی واقعہ پیش نہیں آیا ہے جو امنِ عام میں خلل کا باعث بنا ہو۔

یہ جو کچھ کہا گیا ہے اس کے بعد اب دنیا میں وہ کون سا قانون ہے جو ان ظالموں کو اِس مسکین آدمی کے گھر اس طرح چھاپا مارنے کی اور اس کی توہین کرنے کی اجازت دیتا ہو کہ جیسے وہ کوئی انقلابی آدمی ہے یا کسی تخریب کار تنظیم کا سربراہ ہے، یا کوئی ایسا مجرم ہے جو سوعدد جرموں کا ارتکاب کر چکا ہے! حالانکہ انہیں اس کے گھر میں کبھی کوئی چیز نہیں ملی ہے، اور انہیں اس بات کی اجازت دیتا ہو کہ وہ قرآن پاک اور اس کے سرہانے لٹکی ہوئی دو لوحوں کو اس طرح قبضے میں لے لیں کہ جیسے وہ کوئی بڑی خطرناک مطبوعات ہوں؟!

چھٹا پہلو: ایک آدمی نے آج سے تیس سال قبل اُس نقصان کی شدت کو بھانپ لیا جو دنیا کی عارضی شہرت، اس کی زوال پذیر شان وشوکت اور انانیت سے بھر پور خود پسندی اور حبِّ ظہور میں پایا جاتا ہے، اور ان تمام چیزوں کی بے مایگی اور بے فائدگی کا ادراک کر لیا، جی ہاں، اللہ تعالیٰ کی بے پایاں حمد وثنا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور قرآن کریم کے فیضان سے ان تمام چیزوں کا ادراک کر لیا، اور پھر اُسی لمحے سے اس نے اپنی تمام قوت کے ساتھ اپنے نفسِ امارہ کا مجاہدہ شروع کر دیا اور جہاں تک بن پڑا افنائے ذات کے ذریعے تصنّع، تکلف اور ریا کاری اور انانیت کے تکبر سے کنارہ کش ہو گیا اور یہ وہ معاملہ ہے کہ جس کے بارے میں ہر وہ آدمی قطعی طور پر گواہی دیتا ہے جو اُس کے ساتھ یا اُس کی خدمت میں رہا ہے اور پھر وہ گزشتہ بیس سال سے ہر اس چیز سے فرار حاصل کر چکا ہے جو ہر انسان کو اچھی لگتی ہے، یعنی یہ کہ لوگ اُس کے بارے میں حسنِ ظن رکھیں، اس کی طرف اُمڈتے آئیں، اس کی تعریف کریں اور داد دیں وغیرہ...... اسی طرح وہ خود کو کسی بہت بڑے معنوی اور روحانی مقام کا مالک سمجھنے سے بھی فرار حاصل کر چکا ہے حالانکہ یہ چیز ہر آدمی پسند کرتا ہے، اور اس نے اس حسنِ ظن کو ردّ کر دیا ہے جو اس کے بارے میں اس کے خالص ترین دوست

احباب رکھتے ہیں، اور اپنی اس روش سے اس نے اپنے چاہنے والوں کا دل بھی توڑا ہے، اسی طرح اس نے ان کی طرف جو جوابی خط لکھے ہیں ان میں ان کی مدح وثنا اور حسنِ ظن کی تردید کی ہے، اور اپنے لیے کسی بھی فضیلت کا دعویٰ نہیں کیا ہے، بلکہ تمام فضیلتوں کا حق دار رسائل نور کو ٹھہرایا ہے جو کہ قرآن کی تفسیر ہیں، اور اس کے بعد ان فضیلتوں کا حق دار طلاب نور کی معنوی شخصیت کو سمجھتا ہے اور خود کو نور کا ایک عام سا خادم شمار کیا ہے...... جی ہاں جس آدمی کی یہ حالت ہے وہ یہ بات قطعی صورت میں ثابت کرتا ہے کہ اس نے نہ تو کسی کو اس بات پر اُبھارا ہے کہ وہ اسے پسند کرے، نہ اس کے لیے کوئی کوشش کی ہے، اور نہ ہی اس کی طلب کی ہے، بلکہ اس کو ٹھکرایا ہے۔

تو پھر تم ہی بتاؤ کہ اس مسکین، مریض، بوڑھے اور گوشہ نشیں آدمی کو کس بنا پر ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے اور تفتیشی ٹیم کے کارندے اس کے دروازے کا تالا توڑ کر اس کے گھر اس طرح سے درّانہ کیوں گھس آتے ہیں کہ جیسے وہ کوئی بہت بڑا مجرم ہو، صرف اس وجہ سے کہ اس کے بعض دور رہنے والے دوست احباب نے اس کے بارے میں کچھ زیادہ ہی حسنِ ظن قائم کرلیا ہے جس کا وہ حق دار نہیں تھا، اور اسے اس کے ناپسند کرنے کے باوجود کوئی بڑا مقام دے چکے ہیں، یا پھر یہ ہے کہ "کوتحیا"[1] نامی شہر کے ایک واعظ نے جسے کہ وہ جانتا بھی نہیں، اس واعظ نے اُس کے بارے میں کچھ تعریفی کلمات کہہ دیے ہیں، کیا کسی واعظ کا اُس کے بارے میں تعریفی کلمات کہنا کوئی غیر قانونی چیز ہے؟

البتہ یہ ضرور ہے کہ تفتیش کنندگان کے ہاتھ چند اَوراد واَذکار کے علاوہ اور اس کے سرہانے لٹکی ہوئی دو لوحوں کے علاوہ ایسی کوئی چیز نہ لگی جسے وہ اپنی کاروائی کے جواز کی بنیاد بنا سکتے، تو پھر دنیا کا وہ کون سا قانون ہے اور وہ کون سی سیاست ہے جو اس طرح کی زیادتی کی اجازت دیتے ہوں؟

ساتواں پہلو: ان دِنوں جبکہ گلیاں کوچے ان سرگرم داخلی اور خارجی پارٹیوں سے اَٹے پڑے ہیں، اور یہ آدمی اگر فائدہ اُٹھانا چاہے تو فضا بالکل سازگار ہے اور وہ اپنے چند ساتھیوں کے بدلے ہزاروں سیاستدان اپنی صف میں ملا سکتا ہے، وہ اپنے دوست احباب کو لکھ رہا ہے: خبردار! خبردار! ان دھاروں میں بہنے سے بچنا، سیاست میں حصہ مت لینا، امن واستقرار کی فضا خراب نہ کرنا وغیرہ...... ظاہر ہے کہ وہ انہیں اس طرح کی نصیحتیں سیاست سے کنارہ کش رہنے کے لیے، اخلاص کو کسی بھی طرح کے نقصان سے بچانے کے لیے، حکومت کی نظروں سے خود کو دور رکھنے کے لیے اور دنیاوی مصروفیات سے بچنے کے لیے کرتا ہے، لیکن اس کے اِس میدان سے باہر رہنے کے جرم کی وجہ سے ان داخلی اور خارجی دونوں دھاروں نے اسے نقصان پہنچایا اور اس پر بہت زیادہ تشدد کیا، قدیم دھارے نے یہ سلوک اپنے طرح طرح کے خوف اور خدشات کی وجہ سے کیا اور جدید دھارے نے یہ بہانہ بنایا کہ یہ آدمی ہمارے ساتھ تعاون نہیں کرتا ہے۔ اب اس کے بعد بھی وہ کون سا قانون ہے جو اس آخرت کے بارے میں مصروف مسکین آدمی کی آخرت کے ساتھ تعرّض

---

[1] مغربی اناطولیہ کا ایک شہر جو جمہوری ترکی میں صوبائی مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔

کرنے کی اجازت دیتا ہے، جبکہ اُس نے اہلِ دنیا کی دنیا کے ساتھ کبھی تعرُّض نہیں کیا ہے؟!

پھر آزادی کے قوانین کی بنیاد پر ملحدوں اور کمیونسٹوں کی کتابوں کی نشر واشاعت پر تو کوئی قدغن نہیں لگایا گیا، حالانکہ وہ قوم و وطن اور اخلاق کے لیے بہت زیادہ نقصان دہ ہیں، لیکن رسائل نور کو آڑے ہاتھوں لیا گیا، جبکہ تینوں عدالتوں کو ان میں کوئی بھی قابلِ اعتراض مواد نہیں ملا، اور یہ بیس سال سے قوم و وطن کے لیے امن واستقرار کو بروئے کار لانے کے لیے اور اخلاقی اور معاشرتی زندگی کی ضمانت دینے کے لیے سرگرم عمل ہیں، اور اس قوم اور عالمِ اسلام کے درمیان اخوت وصداقت کے ٹوٹے ہوئے رشتوں کو پھر سے مضبوط کر کے باندھنے کی سرتوڑ کوششیں کر رہے ہیں جو کہ حقیقتاً اس قوم کے لیے ایک نقطۂ استناد کی نمائندگی کرتا ہے، اور ان رسائل کو وزارتِ داخلہ کے حکم سے مذہبی اُمور کے ادارے کے سپرد کیا گیا تا کہ علما ان کا تنقیدی نظر سے مطالعہ کریں لیکن تین ماہ کی گہری تحقیق و تدقیق کے بعد انہیں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا گیا اور ان کے بعض اجزا جیسے ''عصائے موسیٰ'' اور ''ذوالفقار'' کو قیمتی تالیفات شمار کر کے وزارتِ مذہبی اُمور کی لائبریری میں رکھوایا گیا، جی ہاں میں جن رسائل نور کی بات کر رہا ہوں انہی رسائل کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا کہ اس کے بعض اجزا پر پابندی لگا دی گئی اور عدالت میں اس روپ میں پیش کیے گئے کہ یہ بہت ہی خطرناک قسم کی مطبوعات ہیں۔ آپ خود ہی بتائیں کہ یہ جو کچھ بھی کیا گیا ہے اس کی اجازت کون سا قانون، کون سا ضمیر اور کون سا انصاف دیتا ہے؟

آٹھواں پہلو: جس آدمی نے بیس سال سختیوں بھری شدید ترین جلاوطنی میں گزارے ہیں پھر جب ایک عرصہ تک اجنبیت اور تنہائی کی زندگی گزارنے کے بعد عام جلاوطن لوگوں کو آزاد کر دیا گیا تو وہ اپنے علاقے اور اپنی جنم بھومی کی طرف نہ جا سکتا ہو کہ جہاں اس کے ہزاروں احباب واقربا ہیں، بلکہ اس حد تک کہ دنیا اور سیاست سے دامن بچانے کی خاطر مسجد میں جماعت کے ثواب سے محروم رہ کر اپنے کمرے میں تنِ تنہا رہنے کو ترجیح دیتا ہے، مطلب یہ کہ اس نے اس چیز سے گریز کرتے ہوئے کہ لوگ اس کا احترام کریں گے، اپنے لیے ایک روحانی حالت اختیار کر رکھی ہے، اور جو ایک صاحبِ دین وصاحبِ تقویٰ تُرکی کو بہت سے بے عمل کُردیوں پر ترجیح دیتا ہے اور اس کی اس حالت کی گواہی اس کی عمر کے بیس سال دے رہے ہیں اور اس کی تصدیق سینکڑوں فاضل معزز اتراک کر رہے ہیں، حتیٰ کہ اس نے عدالت میں یہ برملا کہہ دیا تھا کہ وہ اپنے ''حافظ علی'' جیسے مضبوط ایمان والے ایک ترک بھائی کو سو کُردوں سے بھاری سمجھتا ہے، اور جو اس بنا پر لوگوں کے ساتھ میل جول نہیں رکھتا اور کسی شدید ضرورت کے بغیر مسجد نہیں جاتا کہ لوگ اس کا احترام کریں گے، اور جو چالیس سال سے اپنی تمام تر قوت کے ساتھ اور اپنی تالیفات کے ذریعے اسلامی اخوت اور مسلمانوں کی آپسی محبت کو مضبوط کرنے کے لیے کوشاں ہے، جو اپنے شدید ترین دشمنوں کی بھی کسی منفی ہتھکنڈے کے ساتھ تردید نہیں کرتا ہے، بلکہ ان کے ساتھ مصروف نہیں ہوتا اور ان کے لیے بددعا نہیں کرتا...... جس آدمی کی یہ حالت ہو، کیا اس کو ہدفِ طعن

بنانے کے لیے، اس کی شہرت کو داغدار کرنے کے لیے، اس کی تصویر کو بدنما کرنے کے لیے اور اس کے دوستوں کو اُس سے دُور ہٹانے کے لیے اس کے خلاف سرکاری سطح پر یہ پروپیگنڈہ کرنا جائز ہے کہ یہ تو کُردی ہے اور تُم لوگ اَتراک ہو یہ شافعی ہے اور تم احناف ہو!؟ کون سا قانون اور کون سی مصلحت لوگوں کو اس سے ڈرانے اور دور ہٹانے کی اجازت دیتے ہیں؟

نواں پہلو: انتہائی مضبوط اور اہم ہے، لیکن اس کا تعلق چونکہ سیاست کے ساتھ ہے، اس لیے خاموش ہوں۔

دسواں پہلو: یہ بھی ایک ایسا پہلو کہ جس کی نہ قانون اجازت دیتا ہے اور نہ ہی یہ کسی مصلحت پر مبنی ہے، بلکہ اس کے پیچھے کچھ بے معنی سے خدشات اور بات کو بتنگڑ بنانے والی سازشیں اور اس طرح کی حدود فراموشیاں کام کر رہی ہیں کہ جو کسی بھی قانون کے تحت نہیں آتیں، یہاں بھی ہم خاموشی سے کام لیں گے تاکہ سیاست میں ملوّث نہ ہو جائیں جسے ہم اپنے مسلک کی رُو سے اچھی نظر سے نہیں دیکھتے ہیں۔ پس دس پہلوؤں سے قانون کے منافی اس معاملے کے مقابلے میں ہم اگر کچھ کہہ سکتے ہیں تو یہی ہے کہ: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے معزز وفادار بھائیو!

اوّلا: ہم نور کے بطلِ جلیل اپنے بھائی ''حافظ مصطفیٰ'' کو بہت زیادہ مبارکباد دیتے ہیں، جس نے رسائلِ نور کے متعدد مجموعے مکہ مکرمہ پہنچائے ہیں اور انہیں وہاں کے عالمِ جلیل ''احمد علی شمشیری'' کے سپرد کیا ہے جو کہ علمائے ہند میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں، اور ان سے تاکیدی وعدہ لیا کہ وہ ان کا ترجمہ ہندی زبان میں ضرور کریں گے اور وہ ترجمہ ہندوستان بھیجیں گے۔ پس المدع کو مکہ مکرمہ میں مقیم اس عالمِ جلیل کے ساتھ رابطے میں رہنا چاہیے۔

ثانیاً: اس دفعہ جو واقعہ پیش آیا ہے اس سے ہمیں یہ پتا چلا ہے کہ ان لوگوں نے — اپنے اندرونی خدشات کی وجہ سے — بات کا بتنگڑ بنا دیا ہے بلکہ کئی بتنگڑ بنا دیے ہیں، اس بات کی ایک علامت یہ ہے کہ ایک رات ''افیون'' کے گورنر صاحب وزیر داخلہ کے حکم پر یہاں آئے، آئی جی پولیس بھی ان کے ہمراہ تھے، ان لوگوں نے رات کے اندھیرے میں میرے گھر پر چھاپہ مارنا چاہا، لیکن سرکاری وکیل کی طرف سے اجازت نہ ہونے کی وجہ سے انہیں اس کام کے لیے صبح تک انتظار کرنا پڑا، تب انہوں نے میرے دو بدترین دشمنوں کو میرے گھر کا تالا توڑنے کے لیے مکلّف کیا اور دندناتے ہوئے اچانک میرے گھر میں داخل ہو گئے۔

پھر اُسی دن جب میں بگھی[1] پر باہر نکلا تو ہم نے پانچ عدد ہیلی کا پٹر دیکھے جو کہ اتنی نیچی پرواز میں اڑ رہے تھے کہ اس طرح کا منظر اس علاقے میں پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا، انہوں نے ہمارے اردگرد کچھ چکر کاٹے کیونکہ انہیں اس بگھی کا علم تھا جس میں میں سوار تھا۔ اور دوسرے دن عین اس وقت کہ جب ہم بگھی کو کسی دوسری طرف لے جا رہے تھے جہاں پانی کی ایک ندیا بہتی تھی جو کہ دور سے آسانی سے نظر نہیں آتی تھی، ہم راستے میں ہی تھے کہ اچانک ہم نے دیکھا کہ پانچ عدد ہیلی کا پٹر انتہائی نیچی پرواز کے ساتھ اُڑ رہے ہیں، اور پھر انہوں نے ایسے گول گول چکر لگانے شروع کر دیے کہ جیسے کسی چیز کی تلاش میں ہوں، تو ہم سمجھ گئے کہ وہ ہماری تلاش میں ہیں۔

ان دو دنوں میں ان لوگوں کا علاقے میں ہمارے اُوپر پانچ عدد ہیلی کا پٹر اُڑانا اور پھر ہمارے گھر میں داخل ہو جانے کے بعد ان کا واپس چلے جانا، اس بات کی قوی علامت ہے انہوں نے ایک کنکر کے بہت سے مینار بنا ڈالے ہیں۔

''اسپارٹا'' کے عدالتی اور دیگر سرکاری اداروں کو میری طرف سے شکریے کے اور ان کی طرف سے مجھے جو تکلیف پہنچی ہے اس پر میری طرف سے چشم پوشی و درگزری کے جذبات پہنچا دینا؛ کیونکہ یہ تکلیف اس تکلیف کے دسویں حصے کے برابر بھی نہیں ہے جو بالکل بے معنی قسم کے خدشات کی وجہ سے مسلسل تین سال تک یہاں مجھے اور ''المدرسۃ الزہراء'' کے سپوتوں کو پہنچی ہے!!

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

ایک جزوی لیکن بڑی اہم درخواست جو کہ کابینہ اور پارلیمان کو بھیجی گئی

باوجود اس کے کہ میں عرصہ تیس سال سے سیاست کے میدان سے باہر آچکا ہوں، تاہم ایک مرتبہ میں وطن وقوم اور امنِ عام کے ساتھ تعلق رکھنے والے ایک مسئلے کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں، اور وہ کچھ یوں ہے کہ بہت سی دلیلوں اور علامتوں کی روشنی میں ہمارا یہ پختہ اعتقاد بن چکا ہے کہ کچھ مردہ نیتیں اَنارکی کی حمایت میں کام کر رہی ہیں اور ان کی اس تگ ودو کا ہدف میری ذات، ''امیر داغ'' اور یہ وطن ہے؛ کیونکہ یہ نیتیں معاملات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتی ہیں، بات کا بتنگڑ بناتی ہیں اور مچھر کے پر سے بھی حقیر اور لایعنی قسم کی چیزوں کو بہت زیادہ اُچھالتی ہیں اور رائی کا پہاڑ بنا ڈالتی ہیں، اور پھر یہ چیزیں ہمارے خلاف یعنی ان طلّابِ نور کے خلاف استعمال ہونے کا ذریعہ بن جاتی ہیں جو ہمارے مسکین ہم وطنوں کو ابدی طور پر معدوم ہونے سے اور اخروی شبہات سے بچانے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ اور یہ ایک ایسا

[1] جی ہاں ہم ''امیر داغ'' کے طالب علموں کی ترجمانی میں اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ واقعہ اسی طرح پیش آیا جیسے کہ ذکر کیا گیا ہے؛ مصطفیٰ درزی، اسماعیل، مصطفیٰ، خادم نوری، خیری، خلیل۔

ظالمانہ حملہ ہے جو کلّی طور پر قانون کے خلاف ہے اور اِس امن واستقرار کے محتاج وطنِ عزیز میں اَنار کی پھیلانے کے لیے اجنبی منصوبوں کے تحت جاری ہے۔ ان لوگوں کا اصل ہدف چونکہ یہ وطن اور اس کا امن واستقرار ہے، اس لیے ظاہری اور باطنی خدشات کی بنا پر مجھے اس ہدف کا ذریعہ بنا دیا گیا۔

اور وہ اِس طرح کہ باوجود اس کے کہ تین عدد عدالتوں نے بیس سال تک میری تمام کتابوں کا، میرے مراسلات کا اور میرے تمام معاملاتِ زندگی کا گہری نظر سے جائزہ لیا اور پھر ہمارے اور ہماری کتابوں کے حق میں بے گناہی کا فیصلہ صادر کر دیا، اور باوجود اس کے کہ میں نے تین سال سے لکھنے لکھانے کا سلسلہ موقوف کر رکھا ہے، اور ایک ہفتے میں ایک خط بھی نہیں لکھ پاتا ہوں، اور باوجود اس کہ میں بغیر ضرورت کے ان چند نوجوانوں کے علاوہ کسی کا بھی استقبال نہیں کرتا جو کڑھائی سلائی کا کام کرتے ہیں اور میری ضروریاتِ زندگی میں باری باری میرا تعاون کرتے ہیں، اور باوجود اس کے کہ تمام جلاوطن کیے گئے لوگوں کو آزاد کر دیا تھا لیکن میں اپنے گھر نہ جا سکا...... اس سب کے باوجود انھوں نے میری اہانت کرنے اور مجھے نقصان پہنچانے کے ارادے سے مجھے سرکاری سطح پر اس انداز سے ہراساں کیا کہ وہ انداز اپنی زندگی میں نہ کبھی دیکھا نہ سنا، اس سے ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آ جائے، چنانچہ انھوں نے حقد و کینے کے جذبات کے تحت غیر قانونی طور پر میرے گھر پہ چھاپا مارا، دروازے کا تالا توڑا اور میرا مصحف اور عربی زبان میں لکھی ہوئی کچھ تحریریں اس طرح قبضے میں لے لیں کہ گویا وہ کوئی خطرناک قسم کی مطبوعات ہوں، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ایک اہم آفیسر نے وائرلیس کے ذریعے یہاں کے سرکاری ملازموں کو آمرانہ لہجے میں کہا: "تمھاری یہ ڈیوٹی تھی کہ آرمی کے دو سپاہی بلا کر سعید کو برملا باہر نکالتے، اسے افرنگی ہیٹ پہننے پر مجبور کرتے اور اُسے اسی حالت میں پوچھ گچھ کے لیے لے جاتے، اور جو کوئی بھی اس کے لیے کام کرتا ہوا نظر آتا اُسے گرفتار کر لیتے۔" جی ہاں، اس نے یہ بات اہم اجتماع میں اس وقت کہی جب میرا حقیقت پر مبنی بیان پڑھا جا رہا تھا۔

ان تمام چیزوں کی روشنی میں، اس بات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا ہے کہ ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت مجھے تکلیف دے کر اور ہراساں کر کے امن واستقرار کو نشانہ بنایا جا رہا ہے اور بدامنی پھیلانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ کا بے پایاں شکر ہے کہ اس نے مجھے ایک ایسی روحانی حالت سے نواز رکھا ہے کہ میں اپنے نہتے ابنائے وطن کی راحت و رامش اور انہیں مصیبتوں سے دور رکھنے کی خاطر اپنے بڑے سے بڑے مقام و مرتبے کی قربانی دے دیتا ہوں، میں اس بات کا فیصلہ کر چکا ہوں کہ یہ لوگ میرے ساتھ کتنا بھی برا سلوک کر لیں اور کیسے بھی خطرناک ارادے کر لیں، میں صبر و تحمل سے کام لوں گا، پس میں اس قوم کے امن واستقرار کے لیے اور خاص کر اس کے معصوم بچوں اور معزز بوڑھوں، مریضوں اور مسکین فقرا کی دنیاوی راحت اور اخروی سعادت کی خاطر اپنے بڑے سے بڑے مقام و مرتبے اور شان و شوکت کو قربان کر دینے کے لیے بالکل تیار ہوں۔

یہ بات کہ ان لوگوں نے میرے معاملے کو اتنا ہولناک ظاہر کیا ہے کہ رائی کا پہاڑ بنا کر رکھ دیا ہے، اِس کی ایک علامت وہ بہیمانہ سلوک ہے جو میرے جیسے کمزور، مریض، بوڑھے اور پردیسی آدمی کے ساتھ صرف دس دنوں میں کیا گیا ہے، اور وہ اس طرح کہ ''آفیون'' کا گورنر اور آئی جی پولیس یہاں پانچ مرتبہ آئے ہیں اور سرکاری وکیل نے یہاں دو چکر لگائے ہیں، میں ہوا خوری کے لیے نکلا تو مسلسل دو دن پانچ ہیلی کاپٹر میری نگرانی کرتے رہے اور میری سواری کے اُوپر چکر کاٹتے رہے، سیکیورٹی میں پانچ مزید آدمی بڑھا دیے گئے جو میری جاسوسی کرنے کے لیے میری نگرانی کرتے تھے، تمام ڈاکخانوں کو سرکاری طور پر یہ حکم صادر ہو گیا کہ میرے ساتھ تعلق رکھنے والے تمام تر خطوط و رسائل قبضے میں لے لیے جائیں...... پس یہ تمام چیزیں اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ لوگ کسی ایسے واقعے کی بنیاد رکھ رہے تھے جو ''شیخ سعید'' اور ''مَنَمَن'' والے واقعے سے دس گنا زیادہ خطرناک ہو، چنانچہ اس طرح انہوں نے معاملات کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا اور رائی کا پہاڑ بنا کر رکھ دیا، اور اس طرح یہ آخری کاروائیاں ظہور میں آئیں جو چند دن پہلے کی گئی ہیں۔

وہ لوگ یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ میں اپنی زندگی اپنی پرانی روِش کے مطابق گزار رہا ہوں، اور انہیں اس بات کی پوری پوری اُمید تھی کہ میں ان کی اِن بیہودہ حرکات پر سٹپٹا کر بھڑک اُٹھوں گا، لیکن یہ ان کا وہم تھا؛ ہم اپنی تمام تر قوتوں کے ساتھ اِنارکی کے سامنے سدِّ ذوالقرنین جیسے قرآنی بند ھ باندھنے کی کوشش میں ہیں، اور وہ لوگ جو ہمارے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر رہے ہیں، وہ صرف اَنارکی ہی نہیں بلکہ کمیونزم کے لیے بھی راستہ ہموار کر رہے ہیں۔

جی ہاں، اگر بدی، برائی اور توہین کے مقابلے میں چپ نہ رہنے کا بلکہ اس کا ترکی بہ ترکی جواب دینے کا جذبہ مجھ میں اسی طرح موجود ہوتا جو میری پہلی زندگی میں فقط علمی عزّت کا دفاع کرنے کے لیے موجود تھا، اگر میری حقیقی ذمہ داری خالصتاً آخرت کے لیے اور اہلِ اسلام کو موت کے ذریعے ابدی طور پر نیست ہو جانے سے بچانے کے لیے نہ ہوتی، اگر ہماری ذمہ داری صرف دنیا داری کے لیے اور اس تخریب کار سیاست کے لیے ہوتی جیسے کہ وہ لوگ کر رہے ہیں جو ہمارے راستے میں روڑے اَٹکا رہے ہیں تو وہ لوگ جو اَنارکی پھیلانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں ضرور کسی ایسے بڑے حادثے کا سبب بن جاتے جو کہ ''شیخ سعید'' اور ''مَنَمَن'' کے حادثے سے دس گنا بڑھ کر ہوتا۔

اگر صرف اِسی ایک بات سے سبق حاصل کر لیا جائے کہ تین عدالتوں نے اور متعدد صوبوں کی پولیس نے گزشتہ بیس سال سے قانونی طور پر میرے لباس پر کوئی اعتراض نہیں کیا، اور میری موجودہ حالت اور گوشہ نشینی کے پیشِ نظر مجھے اس طرح کا حکم نہ ملنے کے باوجود مقامی لوگوں کے سامنے اَزراہِ ظلم وتشدُّد صرف انگریزی ہیٹ پہنانے کے لیے اس طرح کی جبری کاروائیاں کرنے سے وطنِ عزیز کے ان لاکھوں باسیوں میں، اور خاص کر ان لوگوں میں غیض و غضب کی لہر دوڑ جاتی جو عرصہ چالیس سال سے تحقیقی ایمان کے درس میں اخوت کے بندھن سے بندھے ہوئے ہیں، اور آنسو رُلا دینے والے مصائب و آلام کا باعث بن جاتی۔

بہت سی نشانیوں کی روشنی میں ہم پر یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ وہ غیر قانونی کاروائیاں جو میرے خلاف ہوئی ہیں اور جو غیروں کے اشاروں پر لوگوں کو مجھ سے دور ہٹانے کے لیے عمل میں لائی گئی ہیں وہ صرف اسی مقصد کے تحت کی گئی ہیں لیکن اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ان کی اِن تمام توہین آمیز غیر قانونی کاروائیوں کی میرے جیسے اس آدمی کے ہاں کوئی اہمیت نہیں رہی جو کہ قبر کے دھانے پر کھڑا ہے، جس نے اپنے تعلقات ختم کر دیے ہیں، جو دنیا سے اُکتا چکا ہے، لوگوں کی عزت افزائی اور قدردانی اور واہ واہ سے دور بھاگ چکا ہے۔

اور جس کے دل میں شہرت، ریاکاری، شان وشوکت اور خود پسندی وخودستائی کا کوئی میلان نہیں رہ گیا ہے...... پس میں ان لوگوں کا معاملہ اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔

میں تو اس فکر میں رہتا ہوں کہ یہ لوگ جو اپنے لایعنی خدشات کی بنا پر مجھے تکلیفیں دے رہے ہیں عنقریب موت کے ہاتھوں ابدی طور پر نیست ہو جانے کا عذاب چکھیں گے، مجھے تو ان کی حالت پر ترس آتا ہے۔ اس لیے اے اللہ! رسائلِ نور کی وساطت سے ان کے ایمان کی حفاظت فرما، اور قرآن کی برکت سے ان کے ابدی طور پر معدوم ہو جانے کو رہائی کے پروانے میں تبدیل کر دے۔ میں بھی ان سے درگزر کرتا ہوں۔

سعید نورسی

ساتواں حصہ

آفیون

آپ کے ''آفیون'' والے حالاتِ زندگی[1]

[جنوری 1948ء — کانون اوّل 1949ء]

سعید نورسی کی گرفتاری

1947ء کے اواخر میں ''امیر داغ'' میں سیکیورٹی کے تین ملازم وارد ہوئے جو کہ ''آفیون'' کی طرف سے آئے تھے، ان کا دعویٰ یہ تھا ہمیں ایک خفیہ تنظیم کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ہے جو اس علاقے میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے طلاّبِ نور کو ڈھونڈنا شروع کر دیا جن میں سرفہرست سعید نورسی تھے، اور اس کام کے لیے انہوں نے انتہائی بودی قسم کی دلیلوں کا سہارا لیا اور اُس کے خلاف بڑا گھناؤنا پروپیگنڈہ تیار کیا، چنانچہ انہوں نے اس طرح کی رپورٹ تیار کی کہ سعید کے خادم نے اُس کے لیے ایک شراب کی دوکان سے کوئی نشہ آور مشروب خریدا ہے، اور یہ ثابت کرنے کے لیے انہوں نے وہاں دوکان پر موجود ایک مدہ ماتے سے کہا کہ یہاں دستخط کر دو، لیکن اس آدمی کا ضمیر ہوش میں تھا، اس لیے اس نے کہا: توبہ، استغفر اللہ! اس طرح کے افترا پر کون دستخط کرے گا؟!

البتہ یہ ضرور ہوا کہ وہ بد بخت جس نے یہ منصوبہ تیار کیا تھا اپنی کوشش میں ناکام ہوا اور ایک عجیب وغریب حادثے میں اپنے کیے کی سزا پا گیا، اور وہ اس طرح کہ عین اسی رات جب کہ وہ اپنے شرابی ساتھیوں کے ساتھ ایک ندی کے کنارے ٹہل رہا تھا کہ اچانک ان کے درمیان تُوتکار شروع ہوگئی اور معاملہ ہاتھا پائی تک پہنچ گیا، تب اس کے ساتھیوں نے اس کی ٹھکائی کر دی اور اس سے اس کا اسلحہ چھین لیا۔

☆ ☆ ☆

[1] ''آفیون'' مغربی اناطولیہ کا ایک شہر، ''اسکی شہر'' اور ''اسپارٹا'' کے بالکل درمیان میں واقع ہے، اِن دنوں یہ شہر صوبائی مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔

استاد جب بگھی پر سوار ہو کر چہل قدمی کے لیے ''امیر داغ'' کے مضافات میں نکلے تو اچانک آپ کے اُوپر فضا میں پانچ ہیلی کاپٹر گردش کرنے لگے، پھر جب وہ گھر واپس آگئے تو ہیلی کاپٹر بھی غائب ہو گئے، اور خوف و ہراس پھیلانے کی کوشش میں یہ منظر کئی دنوں تک دہرایا گیا، دوسری طرف آپ کی شہرت کو داغدار کرنے کے لیے آپ پر کیے جانے والے جارحانہ حملے بھی زوروں پر تھے اور ان کی خالص اُخروی ایمانی قرآنی خدمت کو بدنما کرنے کی ناروا کوشش میں مصروف تھے اور اس خدمت کی رپورٹ اُوپر والی سرکاری سطح تک بالکل غلط پہنچائی جاتی تھی۔

رسائلِ نور جب ٹائپ رائٹر کے ذریعے پھیلنے شروع ہو گئے اور اناطولیہ کے گرد و نواح میں ان کا طوطی بولنے لگا تو دین دشمن خفیہ تنظیموں کے کان کھڑے ہو گئے اور وہ اس ایمانی خدمت کو روکنے کے لیے ایڑھی چوٹی کا زور لگانے لگیں، چنانچہ انہوں نے حکومت کے اندرونی اندیشوں کو ہوا دے کر اسے ان کے خلاف اُکسایا، تب حکومت نے ''امیر داغ''، ''اسپارٹا''، ''قسطمونو''، ''قونیہ''، ''اینہ بولو''، ''سافران بولو'' اور ''آیدن''[1] جیسے متعدد صوبوں، شہروں اور دیہاتوں میں طلابِ نور کے گھروں کی تلاشی کا حکم دے دیا، اور بالآخر استاد سعید نورسی کو اُن کے پندرہ شاگردوں سمیت 1947ء میں گرفتار کر لیا گیا اور تفتیش کے بعد مقدمہ چلانے کے لیے انہیں ''امیر داغ'' اور ''آفیون'' منتقل کر دیا گیا، دیگر صوبوں میں بھی طلابِ نور کے ساتھ یہی سلوک کیا گیا، چنانچہ انہیں ملزموں کی حیثیت سے ''آفیون'' لایا گیا، اور یوں حالات کچھ ایسا رخ اختیار کر گئے کہ تیسرے مدرسہ یوسفیہ کی سرگزشت شروع ہو گئی۔

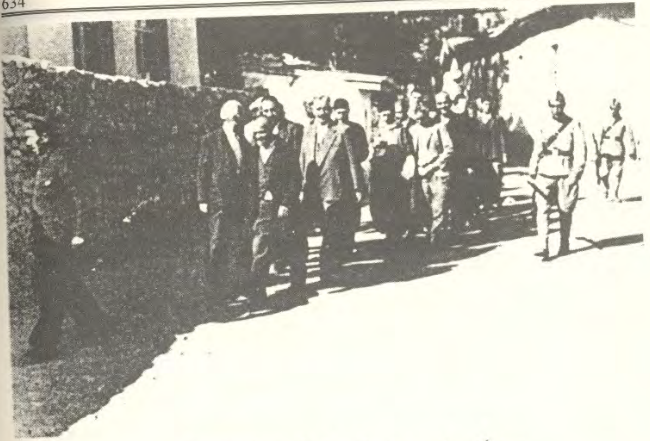
بدیع الزمان کے خلاف ''آفیون'' میں مقدمہ

بدیع الزمان کی عادت یہ تھی کہ وہ جس جیل میں بھی جاتے وہاں کے قیدیوں کے ساتھ تعلیم و ارشاد کا سلسلہ شروع کر دیتے، اس کے اس حد تک اچھے نتائج سامنے آئے کہ بعض مجرم آخری درجے کی سنجیدہ، ملنسار اور نرم طبیعت آدمی بن گئے اور علی الرغم اس کے کہ استاد کو قید تنہائی میں رکھا جاتا، جیل مدرسۂ نوریہ میں تبدیل ہو جاتی، یہی وجہ ہے کہ آپ جن جیلوں میں جاتے انہیں مدرسۂ یوسفیہ کہتے، حتیٰ کہ بعض نوجوان جو ''دنیزلی'' کی جیل میں رہے تھے، ان کی حالت تو یہ ہو گئی تھی کہ انہوں نے یہ خواہش کی کہ ہمیں اس مدرسۂ یوسفیہ میں ہی رہنے دیا جائے، اور کہنے لگے: بدیع الزمان اگر یہاں رہے تو ہم بھی جیل میں رہنے کے لیے خود کو مجرم ثابت کریں گے...... ہم استاد سے کسی قیمت پر علیحدہ نہیں ہوں گے اور رسائلِ نور کے درس لیتے رہیں گے۔

اور دوسری طرف ''رسالۃ الثمرۃ'' کی تالیف و طبع اور لوگوں کی دسترس میں آجانے کے بعد ''دنیزلی'' جیل کے

---

[1] قونیہ اناطولیہ کے وسط میں واقع ہے، اس کے مغرب میں ''اسپارٹا'' اور ''آیدن'' ہے، لیکن قسطمونو، اینہ بولو اور سافران بولو بحرِ اسود کی جانب اقصائے شمال میں ہے۔ اور امیر داغ صوبہ آفیون کا ہی ایک حصہ ہے۔



اپنے شاگردوں کے ہمراہ سماعت کے لیے افیون کی عدالت کی طرف جاتے ہوئے۔

قیدیوں میں اس حد تک نمایاں طور پر مثبت تبدیلی کے آثار نظر آئے کہ دشمن بھی اس کی داد دینے پر اور اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھنے پر مجبور ہو گئے، وہ مخلص طلّاب نور جو رسائلِ نور کو گہری نظر سے پڑھ کر اور ان کے مطالب و مفاہیم میں غور وفکر کر کے تحقیقی ایمان سے ہمکنار ہوئے ہیں، وہ موت سے ذرا نہیں ڈرتے اور جیلوں اور کال کوٹھڑیوں سے خوف نہیں کھاتے اور لوگوں کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں سے گھبراتے نہیں ہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان وقرآن کی قُدسی خدمات کے ساتھ وطن وقوم، عالم اسلام اور نوعِ بشر کی ابدی نجات کے لیے کام کر رہے ہیں اس لیے، انہیں بے دین اور دین دشمن لوگوں کے کتنے بھی مظالم کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے، سُست نہیں پڑتے اور مایوس نہیں ہوتے، بلکہ خوشی خوشی اور پورے فخر واعتزاز کے ساتھ جیل جانا قبول کر لیتے ہیں...... ان لوگوں کا ایک ہی نقطۂ استناد اور جائے اعتماد ہے، اور وہ ہے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر پورے اخلاص کے ساتھ قرآن وایمان کی خدمت کرنا۔

حق تعالیٰ کی ذات ہی بے گناہ اور مظلوم لوگوں کی حفاظت کرنے والی ہے۔

یہ لوگ اپنے بہادر استاد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے رسائل نور کی نشر واشاعت اور اس کی قرأت کے لیے پوری جان نثاری اور فداکاری کے جذبے کے تحت سرگرم عمل ہیں اور اس ضمن میں اپنی راہوں میں آنے والی رکاوٹوں کی قطعاً پروا نہیں کرتے، اور اسی وجہ سے وہ ایمان اور اسلام کی اُس خدمت کے سلسلے میں انتہائی پامردی کے ساتھ ڈٹے رہے جسے سرانجام دینے کے لیے وہ پچیس سال پر محیط خوفناک قسم کے بے لگام ظلم واستبداد کے سائے میں سرگرمِ عمل رہے، ان کا

اس بات پر پختہ ایمان تھا کہ وہ چیز جو بظاہر نقمت نظر آ رہی ہے درحقیقت نعمت ہے، اور یہ کہ مشقت میں نوازش ہے، اور ایمان کی خدمت کے سلسلے میں ہمیں جو تکلیف بھی پہنچتی ہے وہ سراپا خیر ہی خیر ہے، اور مستقبل میں ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے اس بارے میں فکر کرنے کے ہم مکلّف نہیں ہیں ہم تو صرف قرآنی خدمت کے مکلّف ہیں، ہم ہمیشہ اپنے ربِّ رحیم کی نظرِ عنایت میں ہیں، اگر ہم مر گئے تو شہادت کی موت مریں گے، اور اگر زندہ رہے تو قرآن کے خادم بن کر زندہ رہیں گے، پس ہم تو اس کی خدمت میں ہیں، اگرچہ اسلام کے دشمن ہمارے خلاف دائمی جیل کا فیصلہ بھی کیوں نہ کر دیں...... جی ہاں، طلاّبِ نور کا اس پر پختہ ایمان ہے۔ اور یہ ایمان ان کے دلوں میں انتہائی مضبوط ہو گیا ہے۔ اور اس کی تصدیق انہوں نے اپنے اعمال وافعال کے ساتھ کر دی ہے۔ اور یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔

اس متدین اور وفادار قوم کے بیٹوں کو بدیع الزمان کی صداقت کا پورا پورا علم ہے۔ وہ اس کی قدر و قیمت اچھی طرح جانتے اور اس کی بہادری و دلاوری کے بارے اچھی طرح واقف ہیں، اور اس پر پورا اعتماد کرتے ہیں، اتنا اعتماد کہ اس کے خلاف ہونے والے کسی بھی حملے کی تصدیق نہیں کرتے ہیں، انہیں جب بھی پتا چلتا ہے کہ اس آدمی پر ظلم ہوا ہے اور اسے دکھ دیا گیا ہے، تو وہ اُسے اور زیادہ چاہنے لگتے ہیں اور اس کی دوستی کا دم زیادہ بھرنے لگتے ہیں۔ کمیونسٹ اور الحاد پرست لوگ جو ظلم وتشدّد کر رہے ہیں، یہ لوگ اس کے واضح دشمن بن کر سامنے آ گئے ہیں اور یہ لوگ یہ بات کہتے ہوئے بھی بالکل نہیں جھجکتے کہ بدیع الزمان جیسے دین کے فاضل، مبارک اور جلیل القدر ہیرو کو جیل کرنا اور اس کی کتابوں کو آزاد نہ چھوڑنے اور ان پر پابندیاں لگانے کا مطلب اسلام کو منہدم کرنا اور اسے اناطولیہ کی سرزمین سے دیس نکالا دینا ہے۔ لہٰذا، حکومت کی سب سے پہلی ذمہ داری یہ بنتی ہے کہ وہ بدیع الزمان کی بیڑیاں کھول دے اور اس طرح وہ سازش ناکام بنا دے جو اس کے خلاف کی گئی ہے، ورنہ جُوں جُوں اس شخص پر ظلم وتشدّد ہو گا حکومت کو عوام کی طرف سے مزید دشمنی کا سامنا کرنا پڑے گا۔[1] دین و وطن اور عوام کی سلامتی کے پیشِ نظر، ہمارا یہ فرض بنتا ہے کہ ہم اس حقیقت کو سب تک پہنچا دیں۔

جی ہاں، علی الرغم اس کے کہ ''دینزلی'' کی عدالت نے 1944ء میں بدیع الزمان کو بری کر دیا تھا، تاہم انہیں صوبہ ''آفیون'' کے شہر ''امیرداغ'' میں جبری اقامت کے تحت رکھا گیا۔ اور عین اس وقت جبکہ وہ اپنی آخرت اور رسائل نور کے بارے میں مصروف تھے کہ خفیہ طور پر کام کرنے والے اعدائے دین نے پھر وہی پرانی راگنی چھیڑ دی، گویا کہ اب

---

[1] 1950ء کے انتخابات میں یہ حقیقت اُس وقت تمام صورت میں کھل کر سامنے آ گئی جب سابقہ حکومت کو اس عوام کی اکثریت کے ہاتھوں بدترین شکستِ فاش کا سامنا کرنا پڑا۔ اس حکومت نے دین دشمنی کو اپنا شعار بنایا ہوا تھا، اور اس میں بدیع الزمان پورے پچیس سال تک بدترین قسم کے بے لگام استبداد اور رونگٹے کھڑے کر دینے والے تشدّد کا سامنا کرتے رہے تاکہ اس کے بعد ڈیموکریٹک پارٹی زمامِ حکومت سنبھال سکے اور دین اور اہلِ دین کو لاحق ہونے والے ظلم واستبداد کا ازالہ کر سکے۔

تک انہوں نے جتنے بھی ظلم کیے ہیں وہ ناکافی تھے، چنانچہ انہوں نے اُن کے خلاف تہمتوں کی بوچھاڑ کر دی، جیسے یہ تہمت کہ یہ آدمی کسی خفیہ تنظیم کی سرپرستی کر رہا ہے اور لوگوں کو حکومت کے خلاف اُکسا رہا ہے، اور اپنی پوری قوت اور جوش وخروش کے ساتھ نظام حکومت کو تبدیل کرنے کی کوشش کر رہا ہے، اور عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کا یہ جوش وخروش بھی بڑھتا جا رہا ہے، اور یہ شخص مصطفی کمال کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ "اسلام کا دجال اور سفیانی ہے"...... اور اس طرح کی دیگر تہمتیں جنھیں انہوں نے اپنی ناروا کارروائیوں کے لیے بہانہ بنا کر اُسے اور اس کے پچاس شاگردوں کو گرفتار کر لیا اور انہیں پابجولاں "آفیون" کی فوجداری عدالت میں پہنچا دیا تا کہ آخر میں انہیں جیل میں دھکیل دیا جا سکے۔

اور پھر علی الرغم اس کے کہ انہیں لمبی چوڑی تحقیقات سے گزارنے کے بعد بھی ان پر کوئی جرم ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل نہ مل سکی، عدالت نے صرف ذاتی عقائد ورجحانات کو بنیاد بنا کر بدیع الزمان کو بیس مہینے کی، ایک اور جلیل القدر عالِم کو اٹھارہ مہینے کی اور بائیس دیگر افراد کو چھ چھ مہینے کی قید سنا دی، ان لوگوں پر جرم یہ عائد کیا گیا کہ یہ ایک خفیہ تنظیم کے سلسلے میں بدیع الزمان کا تعاون کرتے ہیں۔ اس فیصلے کے مطابق فوراً عملی کارروائی شروع کر دی گئی۔ دیگر لوگوں کو اس بنا پر بری کر دیا گیا کہ وہ بدیع الزمان کو ایک روحانی مرشد سمجھ بیٹھے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ رسائلِ نور کو پڑھ کر انہیں کوئی روحانی تسکین مل سکتی ہے۔

اپیل کورٹ نے معمول کے مطابق نظر ثانی کی اور تھوڑے سے عرصے میں اپنی تحقیقات مکمل کر لیں اور بالآخر اس فیصلے کو یہ کہتے ہوئے بنیاد سے ہی ختم کر دیا کہ: "بدیع الزمان سعید نورسی کو 'دنیزلی' کی عدالت سے اِسی الزام میں بری کیا گیا تھا، اور اپیل کورٹ نے اُسی وقت اس کی تصدیق بھی کر دی تھی؛ اس لیے اب اسے اس مقدمے میں پھر سے اُلجھانے کی ضرورت نہیں جس میں اس کی بے گناہی کی تصدیق اپیل کورٹ کر چکا ہے، حتیٰ کہ 'دنیزلی' کی عدالت کا فیصلہ اگر غلط بھی تھا تو بھی اپیل کورٹ کا فیصلہ ہی ماننا ہوگا۔"

اس بنا پر عدالت کی سماعت دوبارہ ہوتی ہے، ملزموں سے ان کے اغراض ومقاصد کی پوچھ گچھ ہوتی ہے، لیکن بے گناہ طلاّبِ نور جواب دیتے ہیں کہ وہ اپیل کورٹ کے فیصلے کے پابند ہیں۔ "آفیون" کی عدالت اس کیس کا جائزہ لیتی رہی اور اپنا فیصلہ اُس فیصلے کی روشنی میں کرنے کے بارے میں ٹال مٹول سے کام لیتی رہی تا کہ بعد میں اس میں در آنے والی کوتاہیوں کو پورا کرنے کی کارروائی شروع کر دی جائے جو لمبی بھی ہو سکتی ہے اور کافی وقت بھی لے سکتی ہے، اور بدیع الزمان اور اس کے ساتھ جرم ثابت ہو جانے تک قطعی فیصلے کے آنے تک اور صرف الزام کی صورت میں ہی جیل میں سزا بھگتتے رہیں، اور بعد میں انہیں آزاد کر دیا جائے، اور اس طرح یہ تاخیری کارروائیاں تین سال تک یونہی چلتی رہیں۔[1]

[1] اس کے بعد "آفیون" کی عدالت نے دو مرتبہ برأت کا فیصلہ سنا دیا اور بالآخر 1956 میں بدیع الزمان کی تمام ضبط شدہ کتابیں اور دیگر مواد ومراسلات واپس کر دیے گئے۔

یہ بات واقعتاً افسوس ناک ہے کہ بدیع الزمان جیسا علاّمہ فہّامہ اور یگانہ روزگار آدمی جو ہمارے وطن، قوم اور ہمارے نوجوانوں بلکہ تمام تر عالمِ اسلام کی ایمانی خدمت کے جذبے سے اٹھا ہے اور جس نے نوعِ بشر کی خدمت میں ایسی جلیل القدر جاذبِ نظر کتابیں پیش کی ہیں جو نوعِ بشر کی روحانی ضرورتیں پوری کرتی ہیں...... بہت ہی افسوس ناک بات ہے کہ اسے عدالتوں میں گھسیٹا جاتا ہے اور جیلوں کی سلاخوں کے پیچھے دھکیلا جاتا ہے!

بدیع الزمان نے اگر پچھلے بیس سال میں بدترین ظلم وتشدّد کا سامنا کیا تھا، تو ''آفیون'' کی جیل میں گزرے ہوئے یہ سال انہی تکلیفوں اور سزاؤں کا تسلسل تھے، بلکہ ان میں ظلم وتشدّد کا اتنا اضافہ ہو گیا تھا کہ تاریخ میں علمائے کرام کو پہنچنے والی تکلیفوں اور سزاؤں کی یاد تازہ ہو جاتی تھی، اس حد تک کہ ''آفیون'' میں جو تکلیف آپ کو ایک دن میں دی جاتی تھی وہ ''دنیزلی'' میں ملنے والی ایک مہینے کی سزا کے برابر تھی۔ ان کے ساتھ یہ تمام تر کارروائی علی الِا طلاق غیر قانونی طور پر ہو رہی تھی، انہیں بیس مہینے تک شدید سردی کے موسم میں ایک ٹھٹھرتی ہوئی ویران سی رہائش گاہ میں یکہ وتنہا رکھا گیا تھا، اور اس سے اُن کی غرض یہ تھی کہ سردی کی اس شدت میں یہ خود ہی ختم ہو جائے گا اور اسے اتنی شدید سردی میں کہ جب کھڑکیوں اور روشندانوں پر برف کی تہیں جمی ہوئی تھیں، زہر دے دیا گیا جس کی وجہ سے یہ بوڑھا مریض کئی مہینے اکیلا ہی تڑپتا رہا لیکن اس کے کسی شاگرد کو اس کی تیمارداری کی اجازت نہ دی گئی، حتیٰ کہ وہ چارپائی سے لگ گیا اور کسی قسم کی حرکت کرنے سے لاچار ہو گیا، مقصد صرف یہ تھا کہ حالات کچھ اس طرح کے پیدا کیے جائیں کہ یہ خود ہی مر جائے۔ اس زہر خورانی کی اُسے اتنی تکلیف ہوئی کہ کئی دن تک کھانا نہ کھا سکا اور مسلسل بھوکا رہنے کی وجہ سے پیٹ پیٹھ سے جا لگا اور وہ بالکل لاغر ہو گیا۔

اور علی الرّغم اس کے کہ اسے شدید ترین نگرانی اور تشدّد کے تحت رکھا گیا، لیکن وہ رسائلِ نور کی تالیف سے رُکا نہیں، چنانچہ انہوں نے بعض رسائل تو خفیہ طور پر لکھے جیسے کہ ان کی ہر جیل میں عادت رہی اور وہاں کے قیدی انہیں نقل کرتے رہے اور جیل سے باہر بھیجتے رہے، اور یوں رسائلِ نور کی نشر و اشاعت کا کام اس وقت بھی نہ رکا جب بدیع الزمان جیل میں تھے، اور رسائلِ نور کے ''خسرو'' جیسے بطلِ جلیل خفیہ طور پر ہاتھوں سے اور عربی زبان میں لکھے ہوئے سینکڑوں رسائل کی نشر و اشاعت میں کامیاب ہو گئے۔

استاد جب جیل میں بسترِ علالت پر تھے، زہر کے اثرات کی وجہ سے ان پر موت کے سائے منڈلا رہے تھے کہ ایک طالب علم کو ان کے ساتھ ملاقات کا موقع مل گیا تو آپ نے اس سے کہا: شاید میں اب زیادہ دیر زندہ نہ رہوں...... اگر میں مر جاؤں تو میرے دوست میرے لیے انتقام لینے کی نہ سوچیں...... میں اَز سرتاپا وطن، قوم، نوجوانوں، عالمِ اسلام اور نوعِ بشر کی سعادت و رفاہت پر قربان ہونے کے لیے تیار ہوں۔

وہ لوگ جنھیں بدیع الزمان کے جیل جانے کی وجہ سے بہت زیادہ فائدے ہوئے ان میں سے ایک آدمی نے بدیع الزمان کو کھڑکی سے سلام کہا تو جیل انتظامیہ نے موقعہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کہا: تو نے اسے سلام کیوں کہا؟ اور اس کی

کھڑکی کی جانب کیوں دیکھ رہا ہے؟ اور پھر انہوں نے اُسے پیٹنا شروع کر دیا۔

ان طالب علموں کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا جو اپنے استاد کے ساتھ اُن کی بیماری کے دوران خفیہ طور پر ملاقات کرنے کا موقع ڈھونڈتے رہتے تھے۔ ان میں سے کسی کا بھی راز افشا ہو جاتا تو اسے مار مار کر اَدھ مُوا کر دیا جاتا، لیکن ان کی یہ سنگدلی ان کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہ کر سکتی، بلکہ حالت یہ تھی کہ وہ ظالم لوگ جب بھی انہیں مارتے پیٹتے یہ لوگ غیرتِ ایمان اور عزّتِ اسلام سے جنم لینے والی پامردی سے چلاتے ہوئے کہتے: اور مارو...... اور مارو...... اور اس روش میں وہ اپنے استادِ گرامی کے نقشِ قدم پر چلتے تھے جنہوں نے اپنی تالیفات میں یہ بتایا ہے کہ دشمن اگر تمہاری گردن دبوچ لے تو اس کے منہ پر تھوک دو...... روح کو بچاؤ جسم فنا ہو جائے تو کوئی بات نہیں۔

ان لوگوں نے استاد کو ان کی ایمانی خدمت سے روکنے کے لیے انہیں جیل میں یا جیل سے باہر ہر قسم کی تکلیفیں دیں اور ان پر ہر قسم کا تشدّد روا رکھا، لیکن بالآخر تھک ہار کر جب بدیع الزمان نے ہر قسم کا ظلم و ستم سہہ لیا تو ستمبر 1949ء میں انہیں ان کی غیر قانونی سزا کے مکمل ہو جانے پر آزاد کر دیا گیا۔ قیدیوں کو آزاد کرنے کا کام حالانکہ ڈیوٹی ٹائم میں عمل میں لایا جاتا تھا، اور ''آفیون'' میں اس کا مقررہ ٹائم عام طور پر صبح دس بجے کا ہے، لیکن بدیع الزمان کی بیڑیاں صرف اس بنا پر صبحدم ہی کھول دی گئیں کہ ان کے جیل سے رہائی پانے کی خوشی میں عوام کہیں جشن منانے کے لیے اکٹھے نہ ہو جائیں۔

☆ ☆ ☆

استاد نورسی رہائی پانے کے بعد ''آفیون'' میں کافی عرصے تک مقیم رہے، اور باوجود اس کے کہ اپیل کورٹ نے ان کو مجرم بنانے والے استغاثے کو جڑ سے ہی اُکھاڑ پھینکا تھا، اور استاد نے اس کے باوجود غیر قانونی طور پر مکمل سزا بھی کاٹ لی تھی، پولیس کے تین سپاہی ان کے دروازے سے لگے رہتے تھے اور صبح سے لے کر شام تک اور شام سے لے کر صبح تک باری باری ان کی نگرانی کرتے تھے۔

اور باوجود اس کے کہ ان لوگوں نے استاد کو آزاد کر دیا تھا، وہ اُن پر اتنا ظلم و تشدّد کرتے تھے کہ اُنہیں جیل سے باہر آنے پر پچھتاوا ہو رہا تھا، حالانکہ ان دو سالوں میں جیل میں وہ بیمار رہے تھے اور کمزور تر ہو گئے تھے اور کسی کو ان کی عیادت کی اور تیمارداری کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔

بدیع الزمان جب روس میں قید تھے، وہاں کے فوجی جرنیل نے انہیں نقل و حرکت کی کچھ آزادی دے رکھی تھی، لیکن مادرِ وطن میں ان کے افسروں نے ان کے ساتھ عید کے دن بھی کسی کو ملنے نہ دیا، حالانکہ یہ وہ آدمی ہے جس نے اپنا سب کچھ امتِ اسلامیہ کے لیے قربان کر دیا تھا! اس آدمی کے بارے میں ان لوگوں کا رویہ اس حد تک ظالمانہ تھا کہ اس کی خدمت پر مامور آدمی کے ساتھ کسی بھی شخص کو بات کرتے دیکھ لیتے تو اس کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنا شروع کر دیتے اور اس پر صرف اس وجہ سے سختی شروع کر دیتے کہ یہ بدیع الزمان کے معاونین کے ساتھ میل جول رکھتا ہے، لیکن

اُن پر ان تمام تر ظالمانہ کاروائیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ اُن کے اور بھی قریب ہو گئے، انہوں نے آپ کی کتابیں ڈھونڈ نا شروع کر دیں اور ان کے ساتھ اپنا تعلق مزید گہرا کر لیا، اور اُن کے خلاف ناروا حملے کرنے والوں سے انہیں نفرت ہو گئی، چنانچہ بدیع الزمان کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لیے کوششیں جتنی تیز ہوتیں لوگوں کے دلوں میں ان کا احترام اور بڑھ جاتا اور نوجوان، خاص کر پڑھے لکھے نوجوان، اُن کے ساتھ اپنے رابطے اور تیز کر دیتے، اور جُوں جُوں لوگوں کو اُن کے خلاف بھڑکایا جاتا لوگ اُن کے ساتھ اپنے تعلقات اور مضبوط کرتے۔

ان تمام تر ناروا حملوں کے پیچھے ان کا ہدف یہ تھا کہ لوگوں کی اُن کی طرف سے توجہ ہٹائی جائے اور اُن کی بدنامی کی جائے، جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ رسائلِ نور کا تعلق اُن کے مؤلف کے ساتھ نہیں بلکہ یہ قرآن کا سرمایہ ہیں، اور نہ ہی یہ دیگر کتابوں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں، بلکہ یہ بذاتِ خود حجت و برہان کا خزانہ ہیں، اور ان کے قاری کی توجہ ان کے مؤلف کی طرف نہیں جاتی بلکہ اس کی نظر براہِ راست اُن میں پائے جانے والے حقائق و براہین و دلائل پر ہوتی ہے، اس حقیقت کی وجہ سے اور اس طرح کے دیگر حقائق کی وجہ سے بدیع الزمان کی ذات پر ہونے والے بہت سے خطرناک سرکاری حملے ناکام ہو گئے، اور ہوتے رہیں گے۔

جی ہاں، سب سے زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ اس طرح کا عالم اور جلیل القدر مفکّر کہ جس نے وطن وقوم اور امتِ اِسلامیہ کے لیے اس طرح کے مفید ترین کام کیے ہیں، جس نے بے مثال ایثار وقربانی کے ساتھ ایمان اور قرآن کی خدمت کی ہے...... سب سے زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ اسے ہم یکے بعد دیگرے عدالتوں کے چکر لگاتے ہوئے دیکھ رہے ہیں!!

ہم وطن وقوم کی مصلحت کی ترجمانی کرتے ہوئے اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ اس طرح کی کاروائیوں کی کوئی حد ہونی چاہیے اور اس طرح کے مقدمات جلد از جلد ختم ہو جانے چاہئیں؛ کیونکہ وہ قرآنی خدمت کہ جس کا بار بدیع الزمان نے اپنے کندھوں پر اُٹھایا ہے اس کا دائرۂ کار صرف اس علاقے تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ یہ تمام عالمِ اسلام کے اطراف واکناف میں اور تمام دنیا میں اپنے سائے کے ساتھ چھاؤں کرنے کے لیے وسیع تر ہوتا جائے گا۔

اور بدیع الزمان سعید نورسی کے حق میں ہم نے جو حقائقِ عالیہ اور اقدارِ سامیہ کی باتیں کی ہیں وہ نہ تو مبالغہ پر مبنی ہیں اور نہ ہی کسی دلیل کے بغیر کی گئی ہیں: اس بارے میں جن لوگوں کے دلوں میں کوئی شک ہے وہ جب اُس سعید نورسی کو قریب سے دیکھیں گے، جو ابھی زندہ ہے، اور صبر وثبات، استقامت اور خالص نیت کے ساتھ رسائلِ نور کا مطالعہ کر کے اسے پہچان جائیں گے اور اس سے راہ ورسم پیدا کر لیں گے تو انہیں اس بات کا بخوبی ادراک ہو جائے گا کہ ان کے حالاتِ زندگی میں ہم جو حقائق نقل کر رہے ہیں، اُن کی تعبیر ہم ایسی عبارتوں، جملوں اور ایسے کلمات کے ساتھ کر رہے ہیں جو مطلب کو واضح کرنے کے لیے کافی نہیں ہیں، اور اس وقت ان میں ہم سے بھی زیادہ پختہ اور اس طرح کا اعتقاد بن

جائے گا کہ جو انہیں تمام دنیا کے سامنے ان حقائق کا اعلان کرنے کے لیے اُکسائے گا۔

اگر دنیا کی تمام عدالتیں اُن تہمتوں کے بل پر بدیع الزمان کو مجرم بنانے کی کوشش کریں جو اُن پر ان کے خفیہ دشمنوں نے لگائی ہیں، تو جب تک وہ اپنے فیصلوں میں دلیل سے کام لیں گی، اسے مجرم ثابت نہیں کر سکیں گی۔

بدیع الزمان ان دنوں دشمنانِ دین کی طرف سے دیے گئے زہر کی وجہ سے اپنی زندگی بسترِ علالت پر گزار رہا ہے، اور اکثر یہ کلمات دہراتا رہتا ہے کہ ''میں تو اب قبر کے دروازے پر ہوں۔'' اور ہم اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری کرتے ہوئے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ اپنے فضل وکرم کے ساتھ اسلام کے اس بطلِ جلیل کی عمر میں اضافہ کرے؛ کیونکہ عالمِ اسلام اور نوعِ بشر کو اس وقت اس طرح کے آدمی کی سخت ضرورت ہے جو پورے اخلاص اور جان نثاری کے ساتھ قرآن کی خدمت میں مصروف ہے، بطلِ حقیقت ہے، یگانۂ روزگار عبقری ہے، جلیلُ القدر مفکر ہے اور ایک منفرد قسم کا صاحبِ طرز حکیمُ الاسلام ہے۔

☆ ☆ ☆

[ذیل میں ہم ''لمعات'' نامی مجموعے سے ''پندرھویں امید'' درج کر رہے ہیں، اس میں استاد اپنی ''امیر داغ'' اور ''آفیون'' میں گزاری گئی زندگی کے بارے میں بتاتے ہیں۔]

پندرہویں اُمید[1]

میں جن دنوں ''امیر داغ'' میں رہائش کے لیے مجبور تھا اور اپنے کمرے میں قیدِ تنہائی سے دوچار تھا، حکومت کی طرف سے کڑی نگرانی، جاسوسی اور بے جا تشدد کی وجہ سے بڑے دُکھ سہتا تھا، جس کی وجہ سے میں زندگی سے بیزار ہو گیا اور مجھے جیل سے نکلنے کا افسوس ہونے لگا: اور دل وجان سے ''دنیزلی'' کی جیل کی تمنا کرنے لگا اور قبر میں جانے کی آرزو میں رہنے لگا۔ چنانچہ اس دوران جب میں اس بات کا عزم کر چکا تھا کہ اب یا قبر میں جاؤں گا یا جیل میں؛ کیونکہ قبر اور جیل اس طرح کی زندگی سے کہیں بہترین ہیں۔ اچانک عنایتِ الٰہیہ میری مدد کے لیے لپکتی ہوئی آئی، چنانچہ مجھے ایک رونیو مشین مل گئی جو کہ انہی دنوں میں ''مدرسۃ الزہرا'' کے ان طالب علموں کی وساطت سے ملی کہ خود جن کی قلمیں ہی رونیو مشین کی طرح ہیں۔ اس مشین کے ذریعے رسائل نور کے قیمتی مجموعے کے ایک ہی قلم کے ساتھ یکبارگی پانچ سو نسخے نکلنے لگے، تب عنایتِ الٰہیہ ظہور میں آنے والی رسائل نور کی ان فتوحات کی وجہ سے مجھے قلق واضطراب سے بھری زندگی سے پیار ہونے لگا اور میں اللہ کا بے شمار شکر ادا کرنے لگا۔

---

[1] رسائل نور کی تالیف کی مدت آج سے تین سال قبل ختم ہو گئی تھی۔ اس مقام پر پندرہویں اُمید اس لیے لکھی گئی ہے تا کہ وہ ''بوڑھوں کے نام پیغام'' والے اس لمعے کی مستقبل میں تکمیل کے لیے کسی طالب نور کے لیے مصدر اور ماخذ کا کام دے سکے۔ (مؤلف)

لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد رسائل نور کے خفیہ دشمنوں کے لیے یہ فتوحات ناقابل برداشت ہوگئیں، چنانچہ اُنہوں نے حکومت کو ہمارے خلاف بھڑکا دیا۔

اور یوں زندگی ایک بار پھر بوجھل ہونا شروع ہوگئی۔ پھر اچانک عنایتِ الٰہیہ ایک دفعہ پھر جلوہ گر ہوئی۔ اور وہ اس طرح کہ حکومت کے اُن ذمہ داروں نے — جو کہ رسائل نور کے بہت زیادہ محتاج ہیں — اپنی ذمہ داری کو نبھانے کی خاطر اُن رسائل کا پورے غور وفکر اور اہتمام کے ساتھ مطالعہ شروع کر دیا جن پر پابندی لگ چکی تھی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسائلِ نور نے اُن کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرلیا۔ اور یوں اُن کے ناقدانہ رویّے کی بجائے قدر دارانہ رویے کی بنا پر نوری مدارس کا دائرہ وسیع تر ہوگیا۔ اور اس طرح اس رویے کے نتیجے میں جو نفع ظہور میں آیا وہ ہمیں پہنچنے والے مادی نقصان سے سو درجے زیادہ تھا اور ہمارا قلق واضطراب بھی نہ ہونے کے برابر رہ گیا۔

پھر خفیہ منافق دشمنوں نے حکومت کی نظر میری ذات کی طرف پھیر دی اور اسے میری سابقہ سیاسی زندگی کی طرف متوجہ کر دیا اور عدلیہ، ایجوکیشن اتھارٹی، پولیس اور وزارتِ داخلہ کے محکموں میں شکوک واوہام پھیلا دیے اور کمیونزم اور دیگر مختلف سیاسی پارٹیوں کے پردے میں کام کرنے والے قانون شکن ہنگامہ پرداز شورش پسندوں کے ہوا دینے کی وجہ سے یہ دائرہ وسیع تر ہوگیا۔ اس بنا پر، حکومت نے ہم پر سختیاں کیں اور ہمیں گرفتار کرلیا اور رسائل نور کے جتنے نسخے اُن کے ہاتھ لگے انہیں ضبط کرلیا۔ اس سے طلاب نور کی سرگرمیوں میں تعطل آ گیا۔

اور کچھ ذمہ دار سرکاری ملازموں نے یہاں تک کیا کہ میری شخصیت کو مجروح کرنے کے لیے کچھ ایسے عجیب وغریب قسم کے پروپیگنڈے کیے اور ایسی ایسی افترا پردازیاں کیں کہ جنھیں کوئی بھی ماننے کے لیے تیار نہیں تھا، لیکن وہ ناکام رہے اور کسی کو بھی قائل نہ کر سکے۔ پھر بایں ہمہ اُنہوں نے مجھے شدید ترین سردی کے دنوں میں انتہائی کمزور دلیلوں کے بل پر گرفتار کر کے مجھے اکیلے کو دو دن کے لیے ایک بہت بڑے لیکن انتہائی ٹھنڈے کمرے میں ڈال دیا جہاں آگ جلانے کے لیے کوئی انگیٹھی بھی نہیں تھی حالانکہ میرے متعلق سب کو پتا تھا کہ میں اپنے چھوٹے سے کمرے میں دن میں کئی بار آگ سلگاتا تھا اور میرے کمرے میں آگ کا انتظام ہمیشہ رہتا تھا، کیونکہ میں ضعف پیری اور بیماری کی وجہ سے سردی برداشت نہیں کرسکتا تھا۔

پھر عین اُس وقت جبکہ میں شدید ذہنی انقباض کی وجہ سے بے قرار اور سردی کی وجہ سے لاحق ہوجانے والے بخار سے دوچار تھا، عنایتِ الٰہیہ سے اچانک میرے دل میں ایک حقیقت کا انکشاف ہوگیا، اور مجھے روحانی طور پر کہا گیا کہ:

تو نے جیل کو ''مدرسۂ یوسفیہ'' کا نام دے دیا ہے۔ اِسی طرح ''دنیزلی'' کی جیل میں تم پر جو ایک وسیع حلقے میں انوار کی فتوحات ہوئی ہیں اور وہاں قیدیوں نے ان انوار سے جو فائدہ اٹھایا ہے اور اس طرح وہاں آپ لوگوں کو جو خوشیاں اور روحانی فوائد حاصل ہوئے ہیں، وہ اِس شدت اور انقباض سے ہزار درجے زیادہ ہیں۔ ان روحانی فوائد نے تمہیں شکوہ

شکایت کی بجائے شکر و سپاس کا موقع فراہم کر دیا ہے اور تمہاری قید اور تنگی کی ہر گھڑی کو عبادت کی دس گھڑیوں جیسا بنا دیا ہے۔ اور ان فانی گھڑیوں کو باقی رہنے والی گھڑیوں میں تبدیل کر دیا ہے۔ اور اس تیسرے مدرسہ یوسفیہ میں ان مصیبت زدہ لوگوں نے ان انوار سے جو فائدہ اٹھایا اور حوصلہ پایا ہے، وہ تمہارے اس ٹھنڈے اور بوجھل انقباض کو گرما دے گا اور اسے خوشیوں میں تبدیل کر دے گا۔ ان شاء اللہ۔ اور وہ لوگ جن پر تم ناراض ہو رہے ہو اور غصہ کھا رہے ہو، وہ لوگ جو تم پر ظلم کر رہے ہیں وہ لوگ اگر فریب خوردہ ہیں تو ظلم و ستم کا یہ ارتکاب وہ بے علمی اور لاشعوری کی وجہ سے کر رہے ہیں، اس بنا پر ان پر غصہ کھانا اور ان سے ناراض ہونا مناسب نہیں۔ اور اگر وہ تم پر ظلم و ستم جان بوجھ کر اور اہلِ ضلالت کو خوش کرنے کے لیے ڈھا رہے ہیں، تو پھر وہ عنقریب قبر جیسی تنہائی کی جیل میں جانے والے ہیں بہت جلد ہمیشہ کے لیے معدوم کر دینے والی موت کے ہاتھوں دائمی عذاب سے دوچار ہونے والے ہیں۔ اور تو ان کے اس ظلم و ستم کی وجہ سے ثواب کمائے گا، معنوی لذتوں سے ہمکنار ہوگا، فنا پذیر گھڑیوں کو بقا پذیر بنا لے گا اور علم و دین کی خدمت اخلاص کے ساتھ ادا کرنے کا موقع پا لے گا۔ میری روح کو کچھ اسی طرح کی آگاہی ملی۔ تب میں نے پوری قوت کے ساتھ کہا: الحمد للہ۔ اور مجھے انسانیت کے ناطے سے ان ظالموں کے رویے پر دکھ ہوا۔ چنانچہ میں نے ان کے حق میں دعا کی اور کہا: اے اللہ انہیں ٹھیک کر دے۔

میں نے وزارت داخلہ کو جو تحریری معلومات پہنچائی ہیں ان میں یہ بات دس پہلوؤں سے ثابت کر دی ہے کہ اِن دنوں میں پیش آنے والا یہ حادثہ غیر قانونی ہے، اور یہ کہ قانون کے نام پر سرگرم عمل یہ قانون شکن ظالم لوگ ہی اصلی مجرم ہیں، ان لوگوں نے ایسے بودے دلائل و وسائل اور افترا پردازیوں کا سہارا لیا ہے جو سامعین کو ہنساتے اور حقیقت پسند منصف مزاج لوگوں کو رُلاتے ہیں۔ ان لوگوں نے اہلِ انصاف کے سامنے یہ بات واضح کر دی ہے کہ حق اور قانون کی روشنی میں انہیں ایسی کوئی چیز نہیں ملی جس کے سہارے وہ رسائل نور سے تعرض کر سکیں یا طلاب نور کو نقصان پہنچا سکیں۔ اور یوں وہ پاگل پن کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔

مثال کے طور پر: ہماری جاسوسی کرنے والے سرکاری ملازموں کے ہاتھ ہمارے خلاف جب کوئی چیز نہ لگی تو انہوں نے مندرجہ ذیل رپورٹ تیار کی: ''سعید کا ایک خادم شراب کی دکان سے شراب خرید کر اُس کے ہاں لے کر گیا ہے۔'' لیکن انہیں اس رپورٹ کی تصدیق کرنے والا کوئی نہ ملا۔ پھر انہوں نے ایک مسکین سے نشئی آدمی کو گرفتار کر لیا اور اسے ڈرا دھمکا کر اس رپورٹ پر دستخط کرنے پر مجبور کیا۔ لیکن اس نے کہا: توبہ توبہ! اس عجیب و غریب جھوٹ پر کون دستخط کرے گا؟ چنانچہ انہوں نے مجبور ہو کر وہ رپورٹ چاک کر دی۔

دوسری مثال

ایک آدمی نے — جسے میں نہ جانتا تھا اور نہ ہی اب جانتا ہوں — مجھے سیر و گردش کے لیے اپنا گھوڑا دیا۔ میں ان

دنوں بیماری کی وجہ سے گرمیوں کے اکثر دنوں میں ہواخوری کے لیے گھنٹہ دو گھنٹے چلا پھرا کرتا تھا۔ میں نے اس ٹانگے گھوڑے والے کو اجرت نقدی میں دینے کی بجائے پچاس لیروں کی کتابیں دینے کا وعدہ کیا تھا اس سے غرض یہ تھی کہ میرا اصول بھی نہ ٹوٹے اور مجھے کسی کے زیرِ بارِ احسان بھی نہ ہونا پڑے۔ اب اس کام میں کسی بھی طرح کے نقصان کا کوئی احتمال ہے؟ لیکن اس کے باوجود عدلیہ، سیکورٹی اور پولیس نے حتی کہ خود گورنر نے مجھ سے پچاس بار پوچھا کہ وہ گھوڑا کس کا تھا؟ جیسے کہ یہ کوئی بہت بڑا سیاسی واقعہ ہو جس سے نقضِ امن کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہو! اور پھر ان لایعنی سوالات کے سلسلے کو ختم کرنے کے لیے ایک آدمی نے بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ کہا کہ وہ گھوڑا میرا تھا اور دوسرے نے کہا کہ ٹانگہ میرا تھا۔ تو پولیس نے میرے ساتھ ان دونوں کو بھی قید کر لیا۔ پس نمونے کی ان دو مثالوں جیسے واقعات پر ہم ان کی بچگانہ حرکتوں سے محظوظ ہوتے رہے اور ہنستے ہوئے روتے رہے۔ اور ہمیں اس بات کا پتا چل گیا کہ جو بھی رسائلِ نور اور طلابِ نور کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوتا ہے، جگ ہنسائی کا باعث بن جاتا ہے۔

ان مثالوں سے متعلقہ ایک لطیف مکالمہ: میری گرفتاری کے وارنٹ میں میرا جرم امنِ عامہ میں خلل اندازی بتایا گیا تھا۔ میں نے وارنٹ دیکھنے سے قبل پبلک پراسیکیوٹر سے کہا: کل رات میں نے تمہاری غیبت کی تھی، اور وہ اس طرح کہ میں نے مدیرُ الامن کی طرف سے آنے والے تفتیشی آفیسر سے تین بار کہا تھا: ''اگر میں نے اس وطن میں ایک ہزار تفتیشی آفیسروں اور ایک ہزار مدیروں کے برابر امن عام کی خدمت نہ کی ہو تو اللہ مجھ پر اپنا قہر نازل کرے۔''

پھر وہ وقت جبکہ مجھے راحت ورامش، سردی سے بچاؤ اور دنیا کے ہموم وغموم سے دور رہنے کی سخت ضرورت تھی، میرا دل ان لوگوں کے خلاف غیر معمولی غیظ وغضب سے بھر گیا جنہوں نے مجھے اس شدید سردی کے موسم میں گرفتار کیا اور مجھے ایک شہر سے دوسرے شہر در بدر ہونے کے، قیدِ تنہائی کے، پابندِ سلاسل ہونے کے اور مجھے برداشت سے زیادہ سختی سہنے کے عذاب سے دوچار کیا اور جن کے رویّے سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب کچھ جان بوجھ کر اور کسی مقصد کے لیے کیا جارہا ہے۔ لیکن عنایتِ الٰہیہ نے میری مدد کی اور میرا دل اس معنی پر متنبہ ہو گیا کہ:

یہ لوگ جو تجھ پر واضح ظلم کر رہے ہیں اُس میں تقدیرِ الٰہی کا بہت بڑا حصہ ہے جو کہ عدل محض ہے، اور تیرا وہ رزق جو کہ اس قید خانے میں ہے، اُسی نے تجھے یہاں بلایا ہے، اس لیے اس کا استقبال تسلیم ورضا کے ساتھ کرنا ضروری ہے۔

پھر اس میں ربانی حکمت اور رحمت کا بھی ایک بہت بڑا حصہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس جیل کے قیدیوں کو روشن کرنا، انہیں تسلی دینا اور تمہیں ثواب کا حق دار بنانا۔ اس لیے اس نصیبے پر صبر کے ساتھ ساتھ ہزاروں بار شکر کرنا ضروری ہے۔

پھر اس میں تمہارے نفس کا بھی حصہ ہے، کیونکہ وہ کچھ ایسی غلطیاں بھی کرتا ہے جو تیرے علم میں نہیں ہوتیں ہیں، اس لیے اِس حصّے کے مقابلے میں تیرے لیے یہ ضروری ہے کہ تو اپنے نفس کو توبہ واستغفار کے ساتھ ساتھ یہ کہے کہ تو اس طمانچے کا حق دار تھا۔

پھر اس میں تیرے خُفیہ دشمنوں کا بھی حصہ ہے، کہ انہوں نے بعض سادہ لوح اور فریب خوردہ ملازموں کو اپنی سازشوں اور دسیسہ کاریوں سے اس ظلم وستم پر آمادہ کیا۔لیکن رسائل نور نے اپنے دہشت خیز معنوی طمانچوں کے ذریعے ان منافقوں سے پورا پورا انتقام لے لیا ہے۔ان لوگوں کے حصے کے مقابلے میں اتنا ہی کافی ہے۔

رہا آخری حصہ جو کہ اُن سرکاری ملازموں کا ہے جو اس ظلم میں بالفعل واسطہ بنے ہیں، تو اُس کے بارے میں اعلیٰ ظرفی کا تقاضا یہ ہے کہ تو ان لوگوں کو ﴿وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ کے دستور کو سامنے رکھ کر معاف کردے؛ کیونکہ انہوں نے جب تنقید و اعتراض کے نقطۂ نظر سے رسائل نور کا مطالعہ کیا تو ایمان کی جہت سے بلا شبہ اُن سے فائدہ اٹھالیا۔پس اس حقیقی تنبیہ کی وجہ سے میں نے اس نئے مدرسۂ یوسفیہ میں شکر و شادمانی کے ساتھ رہنے اور اپنے مخالفین کے ساتھ تعاون کرنے کی خاطر ایک ایسے جرم کے ارتکاب کا فیصلہ کرلیا جو مُوجبِ نقصان نہیں بلکہ مُوجبِ جزا تھا۔

پھر میرے جیسا انسان جس کا کسی چیز کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو، جو پچھتر سال کا ہو گیا ہو اور اس کے پیارے دوست احباب میں سے دنیا میں پچھتر میں سے صرف پانچ رہ گئے ہوں، اور جس کے بہت سے ایسے بھائی اور وارث ہوں جو میری ایک زبان کے بدلے ہزاروں زبانوں کے ساتھ ایمان کی خدمت کر رہے ہیں۔اور رسائل نور کے ستر ہزار نسخے آزادی کے ساتھ نوری خدمت ادا کر رہے ہیں۔پھر یہ قید خانہ باہر کی فضا سے کہیں زیادہ راحت بخش اور سودمند ہے جس میں بظاہر تو آزادی ہے لیکن وہ آزادی کسی قسم کے بے جا تحکم و تسلط کے نیچے دبی ہوئی ہے؛ کیونکہ جیل میں وہ دوسرے سینکڑوں قیدیوں کے ساتھ جیلر یا انچارج جیسے فقط ایک دو شخص کی طرف سے عاید کیے گئے مبنی بر مصلحت حقیقی تحکم و تسلّط کو برداشت کرنے پر مجبور ہوتا ہے، لیکن اس کے مقابلے میں قید خانے سے باہر اُس اکیلے کو سینکڑوں ملازموں کے تحکمات سہنے پڑتے ہیں اور پھر یہ ہے کہ جیل میں اُسے ان سینکڑوں حقیقی تحکمات کے مقابلے میں بہت سے دوستوں کی طرف سے برادرانہ تسلّی اور لطف و کرم کے برتاؤ کا سامنا رہتا ہے۔

پھر اسلام اور انسانی فطرت کا اِس حالت کو پہنچے ہوئے بوڑھے لوگوں کے لیے رحم لانہ شفقت کا رویہ مشقت کو رحمت میں تبدیل کر دیتا ہے۔ان سب وجوہات کی بنا پر جیل میں رہنے پر راضی ہو گیا۔

مجھے جب اس تیسری عدالت میں لایا گیا تو ضعف و مرض و پیری کی وجہ سے کھڑا نہ ہو سکنے کی وجہ سے میں عدالت سے باہر رکھی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔اچانک ایک جج آیا اور غضب ناک ہو کر تحقیر آمیز لہجے میں بولا: یہ کھڑے ہو کر انتظار کیوں نہیں کرتا؟

بوڑھوں کے حق میں اس بے رحمانہ رویے کی وجہ سے مجھے غصہ آ گیا۔پھر میں نے دیکھا کہ مسلمانوں کا ایک جم غفیر ہماری طرف شفقت، اخوت اور رحمت بھرے جذبات کے ساتھ دیکھ رہا ہے اور ہمارے اردگرد جمع ہو چکا ہے اور کوئی ان کو منتشر نہ کر سکا۔تب اچانک دل میں دو حقیقتیں وارد ہوئیں:

پہلی حقیقت

میرے اور نور کے مخفی دشمنوں نے بعض سادہ لوح سرکاری افسروں کو اس گماں میں مبتلا ہو کر غافل کر دیا اور انہیں اس جیسا توہین آمیز رویہ اختیار کرنے پر اُبھارا اِن کا گمان یہ تھا کہ عوام کی میری طرف بڑھتی ہوئی توجہ ٹوٹے گی تو نور کے سامنے کھلتے ہوئے راستے بند ہو جائیں گے؛ وہ توجہ جو میں نے کبھی طلب ہی نہیں کی۔ اس سے غرض صرف یہ تھی کہ عوام کی نظر میں میری شخصیت مجروح ہو جائے۔ تب اس حالت کے مقابلے میں عنایتِ الٰہیہ نے کہا: اُس ایک آدمی کی اہانت کے مقابلے میں ان سینکڑوں لوگوں کی طرف دیکھ، کہ یہ لوگ رسائل نور کی ایمان کے سلسلے میں خدمات کے اعتراف میں اکرام الٰہی سے اس اہانت خیز سلوک کے مقابلے میں تمہارے ساتھ مشفقانہ انداز میں غمگساری اور دلی وابستگی کا اظہار کرتے ہوئے تمہارا استقبال کرتے اور تمہیں داد دینے کے لیے آئے ہیں۔ حتی کہ دوسرے دن جب میں مجسٹریٹ کے کمرے میں پبلک پراسیکیوٹر کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا تو اس کمال تعلق کی وجہ سے حکومت کے چیمبر اور عدالت کی کھڑکیوں کے سامنے ایک ہزار کے لگ بھگ لوگ جمع ہو گئے۔ ان کی حالت سے نظر آ رہا تھا کہ وہ زبان حال سے یہ کہہ رہے ہیں کہ ''ان لوگوں پر تشدد نہ کرو۔'' پولیس انہیں منتشر نہیں کر پا رہی تھی۔ تب میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ لوگ اس مُہلک دور میں پوری تسلی، نہ بجھنے والے نور، مضبوط قسم کے ایمان اور سعادت ابدی کے لیے سچی بشارت کے فطری طور پر متلاشی اور طلب گار ہیں۔ اور یہ بات سُن چکے ہیں کہ اُن کی مطلوبہ چیز رسائل نور میں پائی جاتی ہے۔ اسی بنا پر وہ میری بے قیمت شخصیت کی طرف توجہ کا میری حد سے کہیں بڑھ کر اظہار کر رہے ہیں۔

دوسری حقیقت

میرے ذہن میں یہ بات ڈالی گئی کہ چند فریب خوردہ لوگوں کی طرف سے امن عامہ میں خلل ڈالنے کے الزام میں جو عامۃُ الناس کی توجہ تم سے دُور ہٹانے کی کوشش کی گئی اور تمہارے ساتھ جو توہین آمیز رویے کو روا رکھا گیا ہے۔ اُس کے مقابلے میں اہلِ حقیقت اور آئندہ نسلوں کی جانب سے تمہارے لیے دادِ تحسین بھی موجود ہے۔

جی ہاں، کمیونزم کے پردے میں امنِ عامہ کو تاراج کرنے کے لیے جو انارکی اور دہشت گردی پھیلائی جا رہی ہے، رسائلِ نور اور طلّابِ نور اس کے مقابلے میں امن و سلامتی کو رواج دینے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں اور اپنے تحقیقی ایمان کے بل پر اس وطن کو ہر طرف سے اس ہولناک فساد سے بچاتے ہیں اور اس فساد کے زور کو توڑتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تین یا چار عدالتیں جن کا رسائلِ نور کے ساتھ تعلق ہے، انہیں ایک بھی ایسا واقعہ نہیں ملا جو امنِ عامہ میں خلل اندازی کے ساتھ تعلق رکھتا ہو۔ اور ان سابقہ بیس سالوں میں دس صوبوں کی پولیس نے بھی ایسا کوئی مقدمہ درج نہیں کیا حالانکہ طلّابِ نور ملک کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بلکہ تین صوبوں کی پولیس نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے: طلّابِ نور ایک معنوی پولیس کی حیثیت رکھتے ہیں اور وہ امنِ عامہ کی حفاظت کے سلسلے میں ہمارے ساتھ تعاون کرتے

ہیں۔ اور رسائلِ نور کو تحقیقی ایمان کے ساتھ پڑھنے والے ہر قاری کی سوچ فکر میں ایک محافظ ونگران بٹھا دیتے ہیں، اور یوں امنِ عامہ کے تحفظ کے لیے سرگرم عمل رہتے ہیں۔ ''دنیزلی'' کی جیل اس صورتِ حال کی ایک بہترین مثال ہے، اور وہ اس طرح کہ اس جیل کے دوسو سے زائد قیدی اس جیل میں رسائل نور اور ان قیدیوں کے لیے لکھے گئے ''رسالہ ثمرہ'' کے داخل ہونے کی وجہ سے تین چار مہینوں میں ہی غیر معمولی طور پر سدھر گئے اور مطیع ومتدین بن گئے، اس حد تک کہ تین چار آدمیوں کا قاتل اب کھٹمل کو مارنے سے بھی ڈرتا تھا۔ اور اس طرح وہ وطن کے لیے صرف غیر مضر ہی نہیں بلکہ ایک نفع بخش مہربان کارکن بن گیا۔

سرکاری ملازم اس صورت حال کو بڑی حیرت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ کچھ نوجوانوں نے تو سزا کا فیصلہ سننے سے پہلے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر نوری طلبہ جیل میں گئے تو ہم اپنے خلاف فیصلہ صادر کروانے اور سزا پانے کی کوشش کریں گے تا کہ ان کے ساتھ رہ کر ان کے درس سنیں گے اور اپنی اصلاح کر کے اِن جیسے ہو جائیں گے۔

پس وہ لوگ ایسی ماہیت کے حامل طلابِ نور کو نقضِ امن کا الزام دیتے ہیں وہ بہر کیف یا تو خود فریب خوردہ ہیں اور یا پھر انہیں بہت بُرے طریقے سے دھوکہ دے دیا گیا ہے، اور یا پھر وہ شعوری یا لاشعوری طور پر انارکی اور بدامنی کی راہ میں حکومت کو غافل رکھنا چاہتے ہیں۔ اور یوں ہمیں نیست و نابود کرنے کے لیے مصروفِ تگ ودو ہیں۔

پس ہم ان لوگوں سے کہتے ہیں:

جب موت کو قتل نہیں کیا جا سکتا: قبر کا دروازہ بند نہیں کیا جا سکتا اور اس دنیا کے مہمان خانے میں موجود مسافر قافلہ در قافلہ انتہائی سرعت اور پریشانی کے ساتھ تہِ خاک داخل ہو کر غائب ہو رہے ہیں، تو بلا شبہ ہم عنقریب ایک دوسرے سے بچھڑنے ہی والے ہیں، اور تم لوگ اپنے اس ظلم وستم کی ہولناک سزا پانے والے ہو، اور کم از کم یہ ہے کہ تم ابدی طور پر نیست و نابود کر دینے والی سولی پر چڑھو گے جو کہ مظلوم اہل ایمان کے لیے کارہائے زندگی سے سبکدوشی کا ٹکٹ ہے۔ اور وہ فانی ذائقے جو تم نے اس دنیا میں سدا بیٹھ رہنے کے وہم میں چکھے ہیں، وہ تمام ذائقے ہمیشہ رہنے والے المناک آلام و مصائب میں تبدیل ہو جائیں گے۔

افسوس کہ ہمارے مخفی منافق دشمن بسا اوقات اسلام کی اُس حقیقت کو ''طریقت'' کا نام دے دیتے ہیں جس کی حفاظت اس دین دار قوم کے اولیا کے مرتبے کے کروڑوں شہیدوں اور بہادر غازیوں کی تلواروں اور خون سے کی گئی ہے۔ اور اس ''طریقت'' کے مشرب کا — جو کہ اُس آفتاب کی ایک شعاع ہے — اظہار وہ ایسے کرتے ہیں کہ جیسے وہ عین آفتاب ہی ہے۔ اور یوں وہ اس سے بعض سادہ لوح سطحی قسم کے سرکاری ملازموں اور افسروں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اور قرآن کی حقیقت اور ایمان کے حقائق کے لیے انتہائی مؤثر صورت میں کام کرنے والے نوری طلبہ کو ''اہلِ طریقت'' اور ''سیاسی جمعیت'' کا نام دیتے ہیں اور اس طریقے سے وہ — افسوس ہے کہ — ان سرکاری افسروں کو ہمارے خلاف

اُبھارنا چاہتے ہیں۔ پس ہم اِن سے اور ان کی باتوں پر کان لگانے والوں سے اپنی وہی بات کہیں گے جو ہم نے ''دنیزلی'' کی عدل پرور عدالت میں کہی تھی:

''ہمارے سر بھی اس مقدس حقیقت پر فدا ہو جانے چاہئیں جن پر کروڑوں سر فدا ہو چکے ہیں۔ اگر تم تمام دنیا کو ہمارے سروں پر شعلہ زن کر دو تو قرآن کی حقیقت پر فدا ہونے والے یہ سر اپنا اسلحہ الحاد و زندقہ کے سپرد کریں گے نہ ہی اپنے قدسی وظیفے سے پیچھے ہٹیں گے۔ ان شاءاللہ۔''

پس میں اپنے اِس بڑھاپے کے ایک شدید ترین سال کے بدلے میں اپنی جوانی کی خوشیوں بھرے دس سال بھی لینے کو تیار نہیں ہوں، صرف قرآن اور ایمان کی طرف سے ان پاکیزہ تسلیوں کی وجہ سے جو میرے بڑھاپے کی تنگیوں تکلیفوں میں میری مدد کو آئیں، اور خاص کر اس حالت میں جبکہ ایک توبہ کرنے والے اور جیل میں فرض نمازیں ادا کرنے والے کی ایک گھڑی عبادت میں گزاری گئی دس گھڑیوں کے برابر ہو جاتی ہے۔ اور ظلم و جبر کے زیرِ سایہ بیماری میں گزرنے والا ایک فانی دن ثواب کے نقطۂ نظر سے عمرِ باقی کے دس دنوں کا حکم لے لیتا ہے۔ اور یوں اس زاویے سے بڑھاپا اور جیل دونوں ہی میرے جیسے ان لوگوں کے لیے شکر کا وسیلہ بن جاتے ہیں جو قبر کے دروازے پر اپنی باری کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس معنوی تنبیہ سے میں نے یہی کچھ سیکھا اور پروردگار کا بے حد وحساب شکر ادا کیا۔ اور میں اپنے بڑھاپے پر خوش اور اس جیل کی زندگی پر راضی ہو گیا؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ عمر ٹھہرتی نہیں اور بسرعت گزرتی جا رہی ہے۔ پس اگر فرح و لذت کے ساتھ گزرے گی تو بصد افسوس کہ فانی ہو کر زائل ہو جائے گی؛ کیونکہ لذت کا زوال درد و الم ہے۔ اور اگر غفلت کے ساتھ ناشکری کی حالت میں گزرے گی تو جاتی ہوئی اپنی جگہ پر کچھ گناہ چھوڑ کر جائے گی۔ اور اگر یہ عمر جیل میں اور محنت مشقت کے ساتھ گزرے تو پھر بقا بدوش بن جائے گی اور اپنے نفع بخش ثمرات کے ذریعے ایک سدا باقی رہنے والی عمر کے حصول کا ذریعہ اور سابقہ گناہوں کا کفارہ بن جائے گی اور جیل جانے کا سبب بنے والی غلطیوں کو دھو ڈالے گی؛ کیونکہ اس صورت میں وہ عبادت کی ایک قسم شمار ہو گی، اور اس لیے بھی کہ درد و الم کے زوال میں ایک معنوی لذت ہے۔ پس اس زاویۂ نگاہ سے فرائض ادا کرنے والے قیدیوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ صبر کے ساتھ ساتھ شکر ادا کرتے رہیں۔

بدیع الزمان کا آفیون والا مقدمہ

پس پردہ کام کرنے والے وہ لوگ جنہوں نے ''آفیون'' میں بدیع الزمان پر ناجائز کارروائیوں، بیہودہ تہمتوں اور دروغ بافیوں کے ذریعے مقدمات قائم کرنے کے لیے زمین ہموار کی، وہ آپ کو ختم کر دینے کا منصوبہ بنا چکے تھے، ان کا یہ دفاعِ کبیر جو اس وقت ہمارے سامنے ہے، اور جو بڑی اہمیت کا حامل بن چکا ہے، اُن چند حقائق کا مجموعہ ہے جو بدیع الزمان نے ان لمبے ہاتھوں والے اصحاب اقتدار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اور ان سے بے خوف ہو کر بیان کیے

تھے جوان کا نام ونشان مٹا دینے پر تلے ہوئے تھے۔

اور آخر میں اپیل کورٹ نے وہ فیصلہ کالعدم قرار دے دیا جس میں آپ کو مجرم قرار دیا گیا تھا اور بدیع الزمان کو دوسری مرتبہ بری کر دیا اور ان کے پانچ سو کے لگ بھگ تمام رسائل ومراسلات انہیں بغیر کسی قید اور شرط کے واپس کر دیے۔

☆ ☆ ☆

دفاعِ کبیر سے چند اقتباسات

بسم اللہ الرحمن الرحیم، وبہ نستعین

میں اٹھارہ سال خاموش رہنے کے بعد مجبور ہو کر، استغاثے کی تردید کے لیے اپنی چارج شیٹ کو ایک دفعہ پھر پیش کر رہا ہوں، اس سے پہلے میں یہ عدالت کو پیش کر چکا ہوں اور اس کی ایک کاپی انقرہ میں سرکاری محکموں کو بھی بھیج چکا ہوں۔

یاد رہے کہ یہ بات جواب کے میں کرنے والا ہوں عین حقیقت ہے، اور یہ اس مختصر سے دفاع کا خلاصہ ہے جو میں نے ''قسطمونو'' میں تین دفعہ اس وقت پیش کیا تھا جب میرے گھر کی تلاشی لی گئی تھی، ایک دفعہ تو سرکاری وکیل اور اس کے ساتھ آنے والے انسپکٹر کو جب یہ دونوں میرے گھر کی تلاشی لینے کے لیے آئے، اور ایک دفعہ ایک دیگر سرکاری وکیل کو اور اس کے ساتھ آنے والے دو انسپکٹروں کو، اور تیسری دفعہ آئی۔ جی پولیس اور اس کے ہمراہ آنے والے چند افسروں کو۔ اسی طرح میں نے یہ بیان ''اسپارٹا'' میں سرکاری وکیل کے سوالوں کے جواب میں پیش کیا، اور اسی طرح ''دنیزلی'' اور ''آفیون'' کی عدالتوں کے سوالوں کے جواب کے لیے بھی پیش کیا؛ اور اس کا خلاصہ یہ ہے:

میں اٹھارہ بیس سال سے گوشہ نشیں ہو کر زندگی گزار رہا ہوں، اور اس تمام عرصے میں دائمی نگرانی اور جاسوسی کے تحت رہا ہوں، اس میں ''قسطمونو'' کہ جس میں مَیں پولیس چوکی کے بالمقابل ایک مکان میں رہا اور دوسری جگہیں برابر ہیں، اور اس پر مزید یہ کہ میرے مکان کی کئی بار تلاشی لی گئی، لیکن اس سب کے باوجود انہیں میرے ہاں ایسی کوئی چیز نہ ملی جس کا تعلق دنیا یا سیاست کے ساتھ ہو، لیکن اگر اس طرح کی کوئی چیز ہوتی اور پولیس اور عدلیہ کو اس کی خبر نہ ہوتی، یا انہیں پتا چل جاتا لیکن وہ چشم پوشی کر لیتے، تو اس کی ذمہ داری بلا شبہ مجھ سے زیادہ ان پر ہوتی۔ اور میرے ہاں سے اس طرح کی کوئی چیز برآمد نہیں ہوئی تو بلا وجہ میرے راستے میں روڑے کیوں اٹکاتے ہو اور ایسی حرکتیں کیوں کرتے ہو جو قوم ووطن کے لیے نقصان دہ ہوں؟ حالانکہ پوری دنیا میں ان لوگوں کو قطعاً تنگ نہیں کیا جاتا جو دنیا چھوڑ کر اور زاویہ نشیں ہو کر اپنی آخرت کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔

ہم طلّابِ نور کے لیے یہ ممکن نہیں کہ ہم رسائل نور کو سیاسی مقاصد کے لیے بلکہ دنیا کی کسی بھی چیز کے لیے آلۂ کار بنا لیں، پھر یہ ہے کہ قرآن نے بھی ہمیں شدت کے ساتھ سیاست سے منع کیا ہوا ہے۔

جی ہاں، رسائلِ نور کا وظیفہ ایمانی حقائق کے ذریعے قرآن کی خدمت کرنا ہے اور ضدی ترین زندیق فلاسفہ کو بھی مان جانے پر مجبور کر دینے والے قوی اور قطعی دلائل و براہین کے ساتھ قرآن کی خدمت کرنا، اور اس کفرِ مطلق کا تعاقب کرنا ہے جو ابدی زندگی کو برباد کرتا ہے اور دنیاوی زندگی کو مہلک زہر میں تبدیل کر دیتا ہے، اس لیے رسائلِ نور کو کسی بھی چیز کے لیے آلۂ کار نہیں بنایا جاسکتا۔

پس اوّلاً: قرآن کے ہیرے جیسے انمول اور نفیس حقائق کی عزت کے لیے اور انہیں اس بات سے بچانے کے لیے کہ کہیں یہ اہلِ غفلت کی نظر میں سیاسی پروپیگنڈے کی وجہ سے کانچ کے ٹکڑوں کی طرح نہ ہو جائیں۔

ثانیاً: ہمیں شفقت، حق، حقیقت اور وجدان بھی اس چیز سے روکتے ہیں، اور یہ چیزیں رسائلِ نور کے مسلک کے جوہر میں شامل ہیں، ان چیزوں نے ہمیں سیاست سے اور امن عامہ میں خلل ڈالنے سے پوری شدت سے روک رکھا ہے؛ کیونکہ وہ بے دین لوگ جو کفرِ مطلق میں گر چکے ہیں اور اس وجہ سے اللہ کی طرف سے طمانچوں اور سزاؤں کے مستحق ہو چکے ہیں، ان میں ہر ایک دو آدمیوں کے ساتھ سات آٹھ بے گناہ بچے، مریض اور بوڑھے وابستہ ہیں، اس لیے جب کوئی مصیبت آئے گی یا کوئی واقعہ رونما ہوگا اس کی آگ میں یہ مساکین بھی لازماً جلیں گے۔

اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ہمیں سیاست کی اُس راہ سے اجتماعی زندگی میں دخل دینے سے بالکل منع کر دیا گیا جس سے امن و استقرار کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو؛ کیونکہ اس کام کے نتائج مشکوک ہیں۔

ثالثاً: پانچ بنیادی چیزیں ہیں جو اس عجیب دور میں قوم و وطن کو اَنارکی سے بچانے کے لیے بہت ہی ضروری ہیں، اور وہ ہیں: احترام، رحمت، حرام سے اجتناب، امن و استقرار، نظم و ضبط کی پابندی اور بے ہودہ آزادی اور بے لگامی سے کنارہ کشی۔

رسائلِ نور جب اجتماعی زندگی کی طرف دیکھتے ہیں تو آنِ واحد میں ان پانچوں بنیادوں کو انتہائی قوی اور قدسی شکل میں مضبوط، محکم اور استوار کر دیتے ہیں، اور اس طرح امن و استقرار کے مرکزی کردار کے نگران بن جاتے ہیں۔ اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ ان رسائل نے بیس سال کے دوران ہزاروں کے حساب سے ایسے لوگ تیار کیے ہیں جو قوم و وطن کے لیے انتہائی مفید ہیں اور کسی بھی پہلو سے ان کے لیے نقصان دہ نہیں ہیں، اور ''اسپارٹا' اور ''قسطمونو'' کے صوبے اس بات کے بہترین گواہ ہیں۔

اس بنا پر وہ لوگ جو رسائلِ نور کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں وہ شعوری یا لاشعوری طور پر اَنارکی کی خدمت کرتے ہیں اور وطن و قوم اور اسلامی حکومت کے ساتھ خیانت کا ارتکاب کرتے ہیں۔

اور رسائلِ نور کہ جنہوں نے اپنے ایک سو تیس اجزا کے ذریعے اس وطن کی خدمت میں ایک سو تیس منافع اور جلیل القدر نیکیاں پیش کی ہیں، اُن میں سے دو تین رسالوں میں اگر کوئی چیزیں مل جاتی ہیں جن سے اہلِ غفلت کو اپنی

سطحی نظر کی وجہ سے کچھ وہم ہو جاتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ چیزیں غلط ہیں، تو ان وہمی غلطیوں اور وہمی نقصانات کی وجہ سے ان رسائل پر کوئی غبار نہیں آ سکتا ہے، اور اگر کوئی ان دو تین رسالوں کو سامنے رکھ کر تمام رسائل پر حرف گیری کرے گا وہ انتہائی ظالم شخص ہے اور آخری درجے کے جرم کا ارتکاب کر رہا ہے۔

تم لوگ اگر بے دینی کو بھی ایک طرح کی سیاست ہی سمجھتے ہو اور اس ضمن میں وہی کچھ کہتے ہو جو ایک ناہنجار نے کہا ہے کہ ''تُو اپنے ان رسائل کی وجہ سے ہمارے رنگ میں بھنگ ڈال رہا ہے اور تہذیب کی مٹی خراب کر رہا ہے''۔ میں تم لوگوں سے یہ کہتا ہوں کہ: بغیر دین کے کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی، اور یہ ایک عام دستور ہے جو تمام عالم میں جاری و ساری ہے، اور خاص کر اس وقت کہ جب کفر بے قید و بے لگام ہو چکا ہو، کیونکہ اس وقت وہ دنیا میں جہنم سے بھی زیادہ تکلیف دہ عذاب کا باعث بنتا ہے: یہ بات ''رہنمائے شباب'' نامی ایک رسالۂ نور نے قطعی صورت میں ثابت کر دی ہے جو کہ سرکاری اجازت میں حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔

ایک مسلمان آدمی جب مرتد ہو جاتا ہے — والعیاذ باللہ — تو کفر مطلق کی کھائیوں میں جا گرتا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ کفرِ مشکوک جو کہ ایسے کافر کو کسی حد تک زندگی عطا کر دیتا ہے اور یہ وہ آدمی غیر مسلم ملحدوں جیسا نہیں ہوتا، لیکن لذائذِ حیات کی حیثیت سے ایسا آدمی حیوانات کے درجے میں جا گرتا ہے جنھیں نہ ماضی کی پہچان ہوتی ہے نہ مستقبل کی؛ کیونکہ موجودات کی موت اور ان موجودات کے اس شخص کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دینے کا علم اس کی گمراہی کے نتیجے میں اس کے دل پر ہمیشہ کے لیے غیر محدود آلام و فراقات کی بارش برسا دیتا ہے۔

لیکن جب ایمان آتا ہے اور اُس کی شادمانی جب دل کے ساتھ مخلوط ہو جاتی ہے تو اچانک ان غیر محدود دوستوں[1] میں زندگی چل پڑتی ہے، اور وہ اپنی زبانِ حال سے یہ کہتے ہیں: ہم مرے نہیں اور فنا نہیں ہوئے، اور تب یہ جہنمی حالت جنّت کی ایک لذت میں بدل جاتی ہے۔

یہ بات جب حقیقت ہے، تو میں تم لوگوں کو خبردار کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ: قرآن کے سہارے لکھے گئے ان رسائل نور کے مقابلے میں مت آؤ؛ کیونکہ یہ مغلوب نہیں ہوں گے، اور اگر تم لوگ باز نہ آئے تو یہ یہاں سے نقل مکانی کر کے کسی اور جگہ چلے جائیں گے اور وہاں روشنی پھیلائیں گے۔ اور کہا جائے گا: صد افسوس اس علاقے پر![2]

''آگاہ رہو! اگر میرے سر کے بالوں کے برابر سر ہوں، اور ان میں سے ہر روز ایک سر کاٹ دیا جائے تو یہ سر جسے میں نے قرآنی حقیقت کی نذر کر دیا ہے اسے جھکاؤں گا نہیں، اور الحاد و زندیقیت اور کفرِ مطلق

---

[1] دوستوں سے مراد یہاں موجودات ہیں، مطلب یہ کہ ایمان کی بدولت یہ موجودات دوست احباب بن جاتی ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: ''تیئیسویں مقالے کا پہلا مبحث''

[2] رسائلِ نور کے مقابلے میں آتے ہی چار ہولناک زلزلوں کا آجانا ''صد افسوس'' والی اس حقیقت کو ثابت کر دیتا ہے۔ (مؤلف)

کے سامنے خم نہیں کروں گا، اور اس قرآنی اور نورانی خدمت سے دستبردار نہیں ہوں گا، بلکہ اس سے دستبردار ہو ہی نہیں سکتا ہوں۔''

حاصل کلام یہ ہے: رسائل نور جو کہ قرآنِ کریم کی عرشی حقیقت کا سہارا لیے ہوئے ہیں، اور جو تیس سال سے کفرِ مطلق کی بیخ کنی کرتے چلے آرہے ہیں— وہ کفر جو کہ ابدی زندگی کا ستیاناس کر دیتا ہے، دنیاوی زندگی کو زہرِ قاتل بنا دیتا ہے اور اس کی لذتوں کو گدلا کر کے رکھ دیتا ہے— اور جن کو نیچریوں کے ہولناک کفریہ عقائد پر ضربِ کاری لگانے کی توفیق ملی[1]، اور جنہوں نے اپنی بے پناہ دلیلوں کے ساتھ اور تابناک صورت میں اس قوم کی دنیاوی اور اخروی زندگی کی سعادت مندیوں کے دستور آشکار کیے..... ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں— اور ہم اپنا دعویٰ ثابت بھی کر سکتے ہیں— کہ اگر کسی چھوٹے سے رسالے میں ایک دو نہیں ایک ہزار اعتراضات بھی پائے جائیں تو بھی ان میں پائی جانے والی ہزاروں عظیم الشان خوبیاں ان اعتراضات سے عفو ودرگزاری کی ذمہ داری اٹھالیں گی۔

جمہوری قواعد وضوابط جب حریتِ ضمیر کے قانون پر عمل کرتے ہوئے ملحدین سے تعرّض نہیں کرتے، تو پھر اُن دیندار لوگوں کے ساتھ تو بالکل ہی تعرّض نہیں کرنا چاہیے جو نہ امورِ دنیا میں دخل دیتے ہیں اور نہ اہلِ دنیا کے مقابلے میں آتے ہیں، اور جو— جہاں تک ان سے بَن پڑتا ہے— اپنی تمام تر کوششوں کا مرکز اپنی آخرت اور اپنے ایمان کو اور —ایک مفید شکل میں— اپنے وطن کو بنائے ہوئے ہیں۔

یہ سیاستدان جو ان دنوں ایشیا پر حکمران ہیں جو کہ انبیاؑ کا گہوارہ ہے، ان کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ وہ اُس تقویٰ اور اصلاح کا راستہ نہیں روک رہے ہیں اور روک بھی نہیں سکتے ہیں جو ایک ہزار سال سے اس قوم کے حق میں غذا اور دوا کی طرح ضروریاتِ زندگی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ ان مسائل میں موجود اعتراضات سے چشم پوشی کر لی جائے جو ایک ایسے آدمی نے پیش کیے ہیں جو بیس سال سے گوشہ نشیں ہے، اور گوشہ نشینی سے بیس سال قبل اُس نے ان مسائل پر ''قدیم سعید'' کی عقل پسندی کے مطابق مناقشہ کیا ہے، اور اب وہ اس دور کے طالب علموں کے اسلوب کے ساتھ میل نہیں کھا رہے ہیں اور حُبُّ الوطنی کی رُو سے میرا یہ فرض بنتا ہے کہ میں وطن وقوم وامن واستقرار کی مصلحت کا خیال رکھتے ہوئے آپ لوگوں کو یاد دلاؤں کہ:

انتہائی واہیات وجوہات کی بنا پر ہمارے خلاف مقدمات قائم کرنے، ہماری بدنامی کرنے اور رسائل نور پر پابندیاں عائد کرنے کا معاملہ تو ایسی چیز ہے کہ اس کا عکس ان لوگوں پر بھی پڑنا چاہیے جنہوں نے اس وطن کے لیے اور

---

[1] نیچری یا نیچر پرست وہ لوگ ہیں جو ایک صاحبِ تدبیر خالق کا انکار کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ کائنات بغیر کسی ضرورت کے اور خارجی علت کے خود بخود وجود میں آگئی ہے، انہیں دہری بھی کہا جاتا ہے۔

اس کے امن واستقرار کے لیے بڑے بڑے مفید کام کیے ہیں، اور اس طرح اُسے چاہیے کہ وہ انہیں اُن لوگوں کے خلاف برانگیختہ کر دے جو علاقے کے نظم ونسق کو سنبھالنے کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں، اور اَنارکی و مطلق العنانی کے لیے دروازے کو چوپٹ کھول دے۔

جی ہاں، جن لوگوں نے رسائلِ نور کے ذریعے اپنا ایمان بچالیا ہے اور وہ اس قوم کے لیے مفید افراد بن گئے ہیں، ان سے برائی صادر نہیں ہوسکتی، اور اس طرح کے لوگ ایک لاکھ سے زائد ہیں اور ہر طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، اور تقریباً جمہوری حکومت کے ہر ضلع میں پائے جاتے ہیں، اور یہ بڑے مفید لوگ ہیں اور استقامت و پاکدامنی سے مزین ہیں، ان لوگوں کو تو ضمانت ملنی چاہیے نہ کہ طعن وتشنیع، اور کچھ سرکاری ذمہ دار آفیسر جو ہمارے شکوے پر کان نہیں دھرتے، ہمیں بات کرنے سے روکتے ہیں، اور مختلف ذرائع سے ہم پر سختیاں کرتے ہیں، ان کے اس رویے سے ہمارے یہ خدشات اور مضبوط ہو جاتے ہیں کہ یہ لوگ وطن میں فساد مچانے کے لیے انارکی کے لیے میدان ہموار کر رہے ہیں۔

پھر میں حکومت کی مصلحت کی ترجمانی میں کہتا ہوں کہ جب ''پانچویں شعاع'' کو ''دنیزلی'' اور ''انقرہ'' کے محکموں میں تحقیقی وتدقیقی عمل سے گزار کر اس پر کوئی بھی اعتراض کیے بغیر وہ ہمیں واپس کر دی گئی، تو پھر یہ بات انتہائی ضروری اور تاکیدی ہو جاتی ہے کہ علاقے کا نظم ونسق چلانے والے اداروں کی طرف سے سرکاری طور پر اس میں نئے سرے سے نظرِ ثانی نہ کی جائے، اور اس بارے میں قیل وقال کا دروازہ پھر سے نہ کھولا جائے۔ یہ رسالہ حکومت کے ہاتھ لگنے اور مشہور ہونے سے پہلے چھپا کر رکھا گیا تھا، اس لیے صوبہ ''آفیون'' کے ادارے اور اس کی عدالت کو چاہیے کہ وہ اب اسے موضوعِ بحث نہ بنائیں، کیونکہ یہ ایک اتنا مضبوط رسالہ ہے کہ جس کی تردید نہیں کی جاسکتی، اس رسالے نے ایک واقعے کے بارے میں پیش گوئی کی تھی، اور وہ اسی طرح وقوع میں آیا جیسے کہ اس نے خبر دی تھی، اور اس پر مزید یہ کہ اس کا ہدف دنیاوی نہیں تھا۔ صرف اتنا ہوا کہ اس کے متعدد معانی میں سے ایک معنی — کسی نہ کسی شکل میں — ایک شخص پر منطبق ہو گیا، جو کہ اب موت کے منہ میں جا چکا ہے۔

میرا ضمیر وطن وقوم، علاقے کی ادرات اور اس کے امن واستقرار کا خیال رکھتے ہوئے تمہیں اس بات کے بارے میں خبردار کرنے کے لیے مجبور کر رہا ہے کہ ان بے پَر کی اُڑائی ہوئی خبروں کو سرکاری حیثیت نہ دی جائے، اور ہمیں گرفتار کرنے کے لیے اس رسالے کی اشتہار بازی کے لیے مزید گنجائش نہ نکالی جائے۔

جی ہاں، صرف اس شخص کے بارے میں اندھا تعصب رکھنے کی وجہ سے اس طرح کا انداز اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

مجھ سے یا میرے بعض دوستوں سے صادر ہونے والی کسی غلطی کی وجہ سے رسائلِ نور پر حملے نہیں ہونے چاہئیں؛ کیونکہ یہ براہِ راست قرآن کے ساتھ متصل ہیں، اور قرآن عرشِ اعظم کے ساتھ متصل ہے، اور اس عُروۃ الوثقیٰ کو اس سے علیحدہ کون کر سکتا ہے؟

پھر تینتیس قرآنی آیات کے اشاروں کی برکت سے، حضرت علیؓ کی تین کرامتوں کی برکت سے اور سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کی جناب سے قطعی خبر دہی کی برکت سے اس علاقے میں رسائلِ نور کی جگمگاتی خدمات اور مادی ومعنوی برکات اُبھر کر سامنے آچکی ہیں اور ثابت ہو چکی ہیں، اور صورتِ حال جب یہی ہے تو پھر ہماری بے معنی اور بے قیمت شخصیت کی غلطیوں کو رسائل نور کے ذمے نہیں لگایا جاسکتا، بلکہ رسائلِ نور اس کے ذمہ دار ہو ہی نہیں سکتے، ورنہ یہ علاقہ ایسے مادی ومعنوی نقصانات کی لپیٹ میں آجائے گا کہ جن کی تلافی ناممکن ہوجائے گی۔

ہمارے پس پردہ کام کرنے والے زندیق دشمن اپنے خبثِ شیطانی کے ساتھ رسائلِ نور پر جو حملے کر رہے ہیں اور ان کے خلاف جو منصوبے بنا رہے ہیں، اللہ کے حکم سے سب کے سب ناکام ہوں گے۔ طلاّبِ رسائلِ نور کو دیگر لوگوں پر قیاس نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ یہ لوگ اُن میں سے نہیں ہیں جن کی صفوں میں تفریق پیدا کی جاسکے یا انہیں ان کی دعوت سے دستبردار ہونے پر آمادہ کیا جاسکے، یہ لوگ — اللہ کے فضل وکرم سے — مغلوب نہیں ہوں گے۔ قرآن کریم نے اگر انہیں مادی دفاع سے روکا نہ ہوتا تو ان کے ہاتھوں صرف ''شیخ سعید'' اور ''مَنَمن'' جیسے ہی ایک دو بے سود قسم کے گنے چنے واقعات ظہور میں نہ آتے؛ کیونکہ یہ لوگ بحمد اللہ ہر جگہ موجود ہیں اور عام لوگوں کی نظروں میں نہایت قابلِ اعتماد لوگ ہیں، یہ لوگ اس معاشرے کے رگ وپے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر کبھی — خدانخواستہ — ان پر کوئی ایسا ظلم ہوگیا جو انہیں دفاع عنِ النّفس پر قطعی طور پر مجبور کردے تو حکومت کو گمراہ کرنے والے یہ زندیق اور منافق لوگ آخری درجے کی پشیمانی سے دوچار ہوں گے۔

حاصل یہ ہے کہ اہلِ دنیا کو ہماری آخرت سے اور ہماری ایمانی خدمت سے تعرّض نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ ہم اُن کی دنیا سے تعُرض نہیں کرتے۔

جی ہاں، ہم ایک جماعت ہیں، ہمارا ہدف اپنے آپ کو، اور پھر اپنے ابنائے وطن کو ابدی طور پر معدوم ہوجانے سے اور دائمی انفرادی برزخی جیل سے بچانا، اور انہیں اَنارکی اور بے لگامی سے محفوظ رکھنا ہے اور خود اپنے آپ کو دنیا اور آخرت کی زندگی کو تباہ کردینے والی زندیقیت کے مقابلے میں رسائل نور میں پائے جانے والے فولادی حقائق کے ذریعے مضبوط قلعے میں محفوظ کرنا ہے۔

تم لوگ مجھے سخت سے سخت سزا بھی دو گے تو اُس کی میرے نزدیک پرکاہ کی بھی اہمیت نہیں ہے، بلکہ وہ اس روشنائی کے بھی برابر نہیں جس کے ساتھ وہ لکھی گئی ہے۔ پس میں تو اب پچھتر سال کا ہوگیا ہوں اور قبر کے دہانے پر کھڑا ہوں، مجھے اگر اس عمر میں آکر سال دوسال کی سادہ سی مظلومانہ زندگی کے بدلے میں شہادت کا مرتبہ حاصل ہوجائے تو میرے لیے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہوگی!!

میرا یہ رسائل نور میں بیان کردہ ہزاروں دلائل سے تائید یافتہ قطعی ایمان ہے کہ موت ہمارے ہاں صرف کاروبارِ

زندگی سے مستعفی اور دستبردار ہوجانے کا پروانہ ہے، لیکن اگر اس کا مطلب ابدی طور پر نیست ہوجانا ہے جیسے کہ بظاہر نظر آتا ہے، تو پھر ہمارے لیے یہ ایک گھنٹے کی مشقت ابدی سعادت ورحمت کی چابی کی حیثیت رکھتی ہے۔

لیکن تم اے پس پردہ کام کرنے والے دشمنو اور ظالمو کہ جنھوں نے زندیقیت کا ساتھ دینے کے لیے عدالت کو گمراہ کیا ہے اور حکومت کو بلاوجہ مصروف کررکھا ہے، تم لوگ یہ بات یقینی طور پر جان لو — اور تمھیں خوف سے کپکپانا بھی چاہیے — کہ تمھارے خلاف ابدی طور پر قیدِ تنہائی کا اور ہمیشہ کے لیے معدوم ہوجانے کا فیصلہ ہوچکا ہے...... ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم لوگوں سے ہمارا انتقام کئی گنا زیادہ لیا جائے گا، اور اس طرح لیا جائے گا کہ ہمیں تمھاری حالت پر ترس آئے گا۔

جی ہاں، موت کی حقیقت کہ جو اس شہر کو سینکڑوں بار قبرستان میں انڈیل چکی ہے، وہ بہرصورت اس زندگی کے پیچھے کسی اور مطلب کی طلب گار ہے، اور موت کے ہاتھوں ہمیشہ کے لیے معدوم ہوجانے سے بچنے کی ضرورت ایک قطعی، ضروری اور نوعِ بشر کے دیگر تمام معاملات سے زیادہ اہم اور لازمی ہے، طلّاب رسائلِ نور نے یہ حل ڈھونڈ نکالا ہے اور رسائل نور نے اسے ہزاروں دلائل کے ساتھ پیش کردیا ہے۔ اب یہ لوگ جو رسائلِ نور پر اور شاگردانِ رسائلِ نور پر واہیات قسم کے ذرائع کے بل پر تہمت زنی کرتے ہیں، حقیقت اور عدالت کی نظر سے دیکھا جائے تو وہ لوگ خود تہمتوں کی زد میں ہیں اور یہ بات اتنی واضح ہے کہ بے وقوف سے بے وقوف آدمی بھی جانتا ہے۔

ایک آدمی نے تیس سال قبل دُنیا کی عارضی شہرت، اُس کی زوال پذیر شان وشوکت اور انانیت سے بھرپور خود پسندی اور حبِ ظہور میں پائے جانے والے نقصان کی گھمبیرتا کو بھانپ لیا اور یہ بات سمجھ لی کہ یہ تمام چیزیں بالکل بے معنی، پھسپھسی اور بے سُود ہیں، جی ہاں اللہ کا بے پایاں شکر وسپاس کہ اس کے فضل وکرم سے یہ تمام چیزیں اُس کی سمجھ میں آگئیں، اور اُس نے اسی لمحے اپنی پوری قوت کے ساتھ اپنے نفسِ امارہ کا مجاہدہ شروع کردیا، اور اپنی تمام تر توجہ تصنع، تکلّف اور فنائے ذات کے ذریعے انانیت کو توڑنے پر لگادی، اور یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ جس کی گواہی ہر وہ شخص دے دیتا ہے جو اُس کی خدمت میں یا اس کے ساتھ رہا ہے۔ اور پچھلے بیس سال سے وہ ہر اس چیز سے دور بھاگ چکا ہے جو عام لوگوں کو بہت اچھی لگتی ہیں، جیسے یہ کہ لوگ اس کی طرف متوجّہ رہیں، اس کی تعریف کرتے رہیں، اس کے متعلق حسنِ ظن رکھیں اور اس کے کاموں کی داد دیتے رہیں وغیرہ، جیسے کہ وہ اس چیز سے بھی دور بھاگ چکا ہے کہ خود کو کسی روحانی مقام پر فائز سمجھے جیسے کہ ہر انسان کرتا ہے، اور اس نے وہ حسنِ ظن ٹھکرادیا ہے جو اس کے بارے میں اس کے بھائی، شاگرد اور مخلص ترین دوست احباب رکھتے ہیں اور ایسا کر کے اس نے ان کی دل شکنی کی ہے، جیسے کہ اس نے اُن کی طرف لکھے گئے اپنے جوابی خطوط میں اُن کی مدح وثنا اور ان کے حسنِ ظن کو بھی ٹھکرادیا ہے اور تمام فضائل کا حق دار رسائل

نور جیسی تفسیرِ قرآن کو بنا کر اس نے اپنی ذات کو کسی بھی خوبی کا دعویٰ کرنے سے دستبردار کر دیا ہے، اور ثانیاً اس نے یہ فضائل طلّاب ِ رسائلِ نور کی معنوی شخصیت کے حوالے کر دیے ہیں اور اپنی ذات کو رسائل نور کا ایک ادنیٰ سا سادہ لوح خادم شمار کیا ہے...... جی ہاں، وہ آدمی کہ جس کی یہ حالت ہو، قطعی طور پر یہ بات ثابت کرتا ہے کہ اس نے کسی کو اس بات پر برانگیختہ نہیں کیا کہ وہ اُسے پسند کرے اور اس پر فریفتہ ہو جائے، اور نہ ہی اس نے اس طرح کی کوئی کوشش کی ہے اور نہ یہ چیز طلب کی ہے، بلکہ اسے بھرپور طریقے سے ٹھکرایا ہے۔

تو پھر وہ کون سا قانون ہے جس کی روشنی میں ذمہ داری اس بوڑھے مسکین غریب مریض اور گوشہ نشیں پر ڈال دی جاتی ہے اور تلاشی لینے اس کے گھر پر ایسے چھاپہ مارتے ہیں اور اس کے دروازے کا تالا ایسے توڑتے ہیں کہ جیسے وہ کوئی بہت بڑا مجرم ہو، محض اس بنا پر کہ اس کے کچھ دور پار رہنے والے دوستوں نے اس کے بارے میں اس کی حد سے کچھ زیادہ ہی حسنِ ظن رکھ لیا ہے اور اس کے نہ چاہنے اور ناپسند کرنے کے باوجود اسے کسی بڑے مقام پر فائز کر دیا ہے؟!

یہ بات اور ہے کہ تلاشی لینے والوں کے ہاتھ اُس آدمی کے اَوراد و اَذکار کے اور اس کے سرہانے لٹکی ہوئی دو لوحوں کے سوا ایسی کوئی چیز نہ لگی جس کو بنیاد بنا کر وہ اپنی اس کاروائی کو جائز قرار دے سکتے، پس دنیا میں وہ کون سا قانون ہے اور کون سی سیاست ہے جو اس طرح کی زیادتیوں کی اجازت دیتے ہیں؟

پھر حُرّیت کے قانون کو بنیاد بنا کر ملحدین کی کتابیں اور کمیونسٹوں کی مطبوعات کی نشر و اشاعت پر کوئی پابندی نہیں لگائی جاتی حالانکہ وہ وطن و قوم و اخلاق کے لیے انتہائی نقصان دہ ہیں، جبکہ رسائلِ نور کہ جن میں تینوں عدالتوں کو ایسی کوئی چیز نہیں ملی جس پر کوئی ذمہ داری عائد کی جا سکتی ہو، اور جو کہ بیس سال سے قوم و وطن کے لیے امن و استقرار کو اُستوار کرنے اور اخلاقیات اور معاشرتی اقدار کی گارنٹی دینے کے لیے سرگرمِ عمل ہیں، اور اس قوم کے اور عالمِ اسلام کے درمیان اخوت و صداقت کا رشتہ پھر سے جوڑنے اور مضبوط کرنے کے لیے پوری تن دہی اور جاں فشانی سے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں، جو کہ اس قوم کے لیے واقعتاً ایک نقطۂ استناد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور جو کہ وزارتِ داخلہ کے حکم سے محکمۂ اوقاف کو پیش کیے گئے تا کہ علمائے کرام ان پر ناقدانہ نظر ڈالیں، لیکن تین مہینے تحقیق و تدقیق کے بعد تنقید سہنے کی بجائے مکمل طور پر تحسین و آفرین کے حق دار ٹھہرے۔ اور اس کے بعض اجزا — جیسے ''عصائے موسیٰ'' اور ''ذوالفقار'' وغیرہ — کو بیش قیمت تالیفات ہونے کی وجہ سے ریاست کی مذہبی اُمور کی لائبریری میں رکھا یا گیا، جیسے کہ حجاج کرام نے ''عصائے موسیٰ'' کا نسخہ روضۂ رسول میں دیکھا جو کہ اس کی مقبولیت کی علامت ہے...... لیکن ان رسائل کے اجزا پر اس بنا پر پابندی لگا دی گئی کہ یہ انتہائی خطرناک مطبوعات ہیں!! اب آپ ہی بتائیں کہ کون سا قانون، کون سا ضمیر اور کون سا انصاف اس طرح کے سلوک کی اجازت دیتے ہیں؟!

میرے پاس کچھ نقاط ہیں جنھیں میں صوبہ ''آفیون''،
اس کی پولیس اور اس کی عدالت میں پیش کر رہا ہوں

پہلا نقطہ: اکثر انبیاؑ کا مشرق اور ایشیا میں ظہور ہونا اور اغلب حکما و فلاسفہ کا مغرب اور یورپ میں آنا صرف اس تقدیرِ اَزلی کی طرف اشارہ ہے کہ ایشیا میں حکمرانی دین کی ہے اور فلسفہ دوسرے نمبر پر ہے، اور تقدیرِ الٰہی کی اس رمز کی بنا پر ایشیا کے فلسفیوں کا — اگر چہ وہ غیر مسلم ہوں — یہ فرض بنتا ہے کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ کبھی نہ اُلجھیں جو دین کی خدمت میں مصروف ہیں بلکہ انہیں چاہیے کہ ان لوگوں کی حوصلہ افزائی کریں۔

دوسرا نقطہ: قرآن کریم اس کرۂ ارض کی عقل اور اس کی قوتِ مفکرہ ہے، اس لیے اگر قرآن اس زمیں سے منہ موڑے تو زمین پاگل ہو جائے۔ والعیاذ باللہ — اور ایسے میں یہ بات بعید نہیں کہ عقل سے خالی یہ سر کسی سیارے کے ساتھ ٹکرا جائے اور قیامت قائم ہو جائے۔

جی ہاں، قرآن حبل اللہ ہے، اور یہ وہ زنجیر ہے جو عرش کو فرش کے ساتھ باندھے ہوئے ہے، اور یہ قوتِ جاذبہ سے بڑھ کر زمین کی حفاظت کرتا ہے۔ اس بنا پر رسائلِ نور جو کہ قرآنِ عظیم الشان کی بڑی مضبوط حقیقی تفسیر ہیں، قرآن کریم کا ایسا معجزہ ہیں جو کبھی مدھم نہیں پڑے گا اور بجھے گا نہیں، اور اس دور میں ایک ایسی جلیل القدر الٰہی نعمت ہے جس کے آثار بیس سال سے وطن وقوم میں جگمگا رہے ہیں، اور حکومت کو چاہیے کہ وہ ان کی راہ روکنے اور اُن کے شاگردوں کو ان سے روکنے اور دور رکھنے کے بجائے ان کی حفاظت کرے اور ان کے مطالعہ پر اُبھارے۔

تیسرا نقطہ: اہلِ ایمان کا یہ وطیرہ ہے کہ بعد میں آنے والے پہلے گزر جانے والوں کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور اُن کی روحوں کو نیکیاں ہبہ کرتے ہیں اور اس طرح ان کا تعاون کرتے رہتے ہیں، اس وطیرے کو سامنے رکھ کر میں نے ''دنیزلی'' کی عدالت کے بورڈ سے ایک سوال کیا تھا۔ میں نے عدالتی بورڈ سے کہا تھا: تم لوگ اس وقت ان کروڑوں اہلِ ایمان کو کیا جواب دو گے جو اُس عدالتِ عظمیٰ میں دعویٰ دائر کریں گے اور تم سے اور ان لوگوں سے سوال کریں گے جو قرآنی حقائق کی خدمت کرنے والے طلّابِ نور کو مجرم بنانے کے لیے اور ان کی ایذا رسانی کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں؟

ملحد اور کمیونسٹ لوگوں کی مطبوعات کو اور ان کی اَنارکی پھیلانے والی پارٹیوں اور تحریکیوں کو نظر انداز کیوں کرتے ہو؟ اور قانونِ حریّت کے تقاضوں کے مطابق ان کی دارو گیر کیوں نہیں کرتے ہو؟ جبکہ طلابِ نور کو جیلوں میں ڈالتے اور انہیں دباؤ میں رکھنے کے لیے تم ہر قسم کا حربہ آزمارہے ہو، حالانکہ یہی وہ لوگ ہیں جو قوم ووطن کو اَنارکی اور اخلاقی بے راہ روی سے اور ابنائے وطن کو موت کے منہ میں جا کر ابدی طور پر معدوم ہو جانے سے بچانے کے لیے تگ ودَو میں مصروف ہیں؟

جی ہاں، تم ایسا کیوں کررہے ہو؟ اور ہم بھی تم لوگوں سے یہی سوال کرتے ہیں۔

میں نے ان سے یہ کہا تو اس بابرکت عدل پرور عدالتی بورڈ نے ہماری بے گناہی کا فیصلہ صادر کردیا اور عدل کا بول بالا کردیا۔

چوتھا نقطہ: ''اِلقرہ'' اور ''آفیون'' کی عدالتوں میں جوابِ دعویٰ کے دوران میں اس بات کا منتظر تھا کہ اس بڑے اہم مقدّمے میں اور اس مقدمے میں انوار کی خدمات کی مقدار کے بارے میں مجھ سے مشورہ مانگا جائے گا، یعنی مجھ سے یہ پوچھا جائے گا کہ میرے پاس ایسے کون سے حل ہیں جو اس دیس کے باشندوں کو اُن کی وہی اخوت لوٹا دے جو انہیں تین سو پچاس ملین مسلمانوں کے ساتھ جوڑ دے، اور انہیں ان کی محبت، اُن کا حسنِ ظن اور اُن کا معنوی تعاون دوبارہ عطا کردے اور وہ پھر سے اُسی طرح ہو جائیں جیسے ماضی میں تھے! اور یہ وہ کام ہے جس کے لیے رسائلِ نور کامیاب ترین حل اور قوی ترین وسیلہ ہیں، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے ایک جلیل القدر عالم نے اس سال رسائل نور کے اہم اجزا کا ہندی اور عربی میں ترجمہ کیا ہے اور انہیں ہندوستان میں اور بعض عرب علاقوں میں بھیجا ہے، اور ان میں اس نے اِس بات کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے کہ رسائلِ نور اس اسلامی اخوت اور اسلامی وحدت کو بروئے کار لانے کے لیے سرگرمِ عمل ہیں جو کہ ہمارے لیے سب سے زیادہ مضبوط مرکزی سہاروں کی حیثیت رکھتے ہیں، اور بتاتے ہیں کہ ترک قوم دین اور ایمان کے میدان میں ہمیشہ اپنا ایک قابلِ رشک نمایاں مقام بنا کر رکھتی ہے۔

اسی طرح مجھے اس بات کا بھی انتظار تھا کہ مجھ سے یہ پوچھا جائے گا کہ کمیونزم کا وہ خطرہ جو ہمارے علاقے میں اَنارکی کا روپ اختیار کرچکا ہے، اِسے روکنے کے لیے رسائلِ نور نے کیا کردار ادا کیا ہے، اور اس مبارک وطن کو اس ہمہ گیر تباہی مچانے والے سیلاب سے محفوظ کیسے کیا جاسکتا ہے؟

جی ہاں، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مجھ سے پہاڑوں جیسی اہمیت رکھنے والے اس طرح کے سوال پوچھے جاتے، لیکن ہوا یہ کہ وہ مجھ سے ایسے معمولی اور حقیر قسم کے سوال پوچھنے لگے جن کی اہمیت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں تھی، اور قانونی طور پر بالکل ہی بے محل تھے، صرف چند ذاتی قسم کے سادہ سے سوال تھے جنھیں اُن سازشیوں کی افترا پردازیوں کی وجہ سے بڑی اہمیت دے دی گئی تھی جنہوں نے رائی کا ایک نہیں بلکہ بہت سے پہاڑ بنادیے ہیں اور ان کی وجہ سے مجھے اِن سخت ترین حالات میں اتنے دُکھ دیے ہیں کہ اُس طرح کے دکھ میں نے اپنی ساری عمر میں نہیں دیکھے۔

مجھ سے وہی سوال پوچھے گئے جو اس سے پہلے دیگر عدالتوں نے پوچھے تھے اور ان میں ہمیں بری کردیا تھا، اور مزید ہم سے کچھ ذاتی قسم کے بے معنی سے سوال پوچھے گئے۔

پانچواں نقطہ: رسائلِ نور کا نہ تو مقابلہ کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی یہ مغلوب ہوتے ہیں، اور یہ گزشتہ بیس سال سے ضدّی ترین فلاسفہ کی زبان بند کرتے چلے آئے ہیں اور ایمان کے آفتاب جیسے حقائق کو نمایاں کررہے ہیں؛ اس لیے اِس

علاقے کے حکمرانوں کو ان کی قوت سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔

چھٹا نقطہ: میرے ذاتی عیوب کو سامنے رکھ کر مجھ پر طعن و تشنیع کرنے، اور مجھے مجرم بنانے کی کوشش کر کے اور مجھے بدنام کر کے عام لوگوں کی نظروں میں مجھے میرے مرتبے سے گرانے سے رسائل نور کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، بلکہ یہ روش انہیں مزید مضبوط کرنے کا باعث بنے گی؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ایک لاکھ نسخوں کی صورت میں میری فانی زبان کی بجائے ہمیشہ باقی رہنے والی زبانیں موجود ہیں، چنانچہ یہ زبانیں ان کی بولی بولتی رہیں گی، اور ان کے بڑے مخلص طالب علم ہیں جو اپنی ہزاروں بلیغ زبانوں کے ساتھ اس ہمہ گیر نورانی قدسی وظیفے کو قیامت تک اُسی طرح ادا کرتے رہیں گے جس طرح انہوں نے آج تک ادا کیا ہے۔

ساتواں نقطہ: میں نے اس سے قبل سابقہ عدالتوں میں جو دعویٰ کیا ہے اُس کے دلائل و براہین بھی پیش کر چکا ہوں کہ ہمارے پوشیدہ دشمن اور ہمارے سرکاری وغیر سرکاری مخالفین جو کہ حکومت کو گمراہ کرتے ہیں اور سرکردہ افسروں کے ایک طبقے کو خدشات و خطرات کو ہوا دیتے ہیں اور سرکاری مشینری کو ہمارے خلاف بھڑکاتے ہیں؛ یہ لوگ یا تو وہمی اور بیہودہ انداز میں اندرونی طور پر خوف زدہ ہیں، یا فریب خوردہ ہیں، یا اَنارکی کو فروغ دینے کے لیے ہنگامہ خیز گھبراہٹیں اور بوکھلاہٹیں پھیلانے والے ہیں اور اس ضمن میں ان کے دل میں ذرّہ برابر رحم نہیں ہے، اور یا پھر انتہائی قسم کے مکار زندیق ہیں جو مرتدوں کی طرح اسلام اور قرآن کی حقیقت کے ساتھ برسرِ پیکار ہیں اور ان لوگوں نے صرف ہم پر حملے کرنے کے لیے استبدادِ مُطلق کو جمہوریت کا نام دے رکھا ہے، ارتدادِ مطلق کو ''نظام'' کے نام سے جاری رکھا ہوا ہے، بے قیدی، بے لگامی، اور کمینگی کو ''تہذیب'' کا اور کفر اور اپنے مزاج کے ساتھ مطابقت رکھنے والے اوامر کو ''قانون'' کا نام دے رکھا ہے، اور اس طرح انہوں نے حکومت کو گمراہ کیا اور عدالتوں کو بے فائدہ طور پر ہمارے معاملے میں مصروف کر دیا اور ہمیں خواہ مخواہ پریشان کیا۔ اور ہم اُن کا یہ معاملہ خود کو ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ کے قلعے میں محفوظ کرتے ہوئے قہارِ ذوالجلال کی قوت و سطوت کے سپرد کرتے ہیں۔

آٹھواں نقطہ: پچھلے سال روس نے بہت سے لوگوں کو حج کرنے کے لیے بھیجا، اور اس طرح اُس نے ایک بہت بڑا پروپیگنڈہ کیا، جس کا ماحصل یہ ہے کہ روس قرآن پاک کا احترام دوسرے لوگوں سے بڑھ کر کرتا ہے، اور اس بہانے سے انہوں نے عالم اسلام کو دین کے معاملے میں، اس وطن کے دین دار لوگوں کے خلاف اکٹھا کرنے کی مذموم کوشش کی، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ رسائلِ نور مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، مصر، دمشق اور حلب میں آہستہ آہستہ پھیلتے چلے گئے اور ان علاقوں کے علما سے دادِ تحسین حاصل کرتے رہے، اور اس طرح کمیونسٹوں کے اس حملے کا زور توڑتے رہے اور عالم اسلام کے باشندوں کے لیے یہ بات واضح کرتے رہے کہ ترک قوم اللہ کے دین اور اس کے قرآن کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے ہوئے ہیں جیسے کہ اس سے پہلے پکڑے ہوئے تھی، اور یہ کہ یہ قوم دیگر تمام اہلِ اسلام کی بہ نسبت ایک بڑے

بھائی کی حیثیت رکھتی ہے جو کہ دین کے دامن کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے ہوئے ہے اور قرآن کی خدمت میں ایک بہادر قائد کی حیثیت رکھتی ہے۔

جی ہاں، رسائلِ نور نے ان اہم اور مقدس شہروں اور مرکزوں میں اس حقیقت کو نمایاں کر کے رکھ دیا، چنانچہ اس جلیل القدر وطنی خدمت کا مقابلہ اگر اس ظلم و جبر کے ساتھ کیا جائے تو کیا یہ چیز خود زمین کو بھی غضبناک نہ کر دے گی؟!

نواں نقطہ: یہ نقطہ اس مسئلے کا ایک مختصر سا خلاصہ ہے جس کا اثبات اور جس کی وضاحت ''دنیزلی'' کے دفاعی بیانات میں گزر چکی ہے، اور وہ یہ ہے کہ ایک بہت زیادہ اہمیت کا حامل کمانڈر اپنی ذہانت و فطانت اور بیدار مغزی کے ساتھ لشکر کی تمام حسنات کی نسبت اپنی طرف کر کے اور اپنی سیاٗنت کی نسبت پورے لشکر کی طرف کر کے پورے لشکر کی تعداد کے برابر نیکیاں اور بہادریاں سکیڑ کر ایک ہی نیکی بنا دے، اور اپنی برائیوں کی نسبت سپاہیوں کی طرف کر کے برائیوں کی تعداد اور سپاہیوں کی تعداد کے برابر بنا دے، تو اس میں جو بدترین ظلم اور حقیقت کی جو مخالفت پائی جاتی ہے کسی پر مخفی نہیں ہے۔ اِسی چیز کی وجہ سے سرکاری وکیل نے سابقہ عدالتوں میں مجھ پر دھاوا بولا تھا، اور اُسے وہ طمانچے بہت بُرے لگے جن کا رُخ اس کمانڈر کی طرف اس حدیث شریف نے کیا تھا جس کی وضاحت میں نے آج سے چالیس سال پہلے کی تھی، چنانچہ میں نے اس سرکاری وکیل سے کہا تھا: یہ صحیح ہے کہ کچھ احادیث کی روشنی میں میں اس کمانڈر کو ہدفِ طعن بناتا ہوں، لیکن میں فوج کی عزت کرتا ہوں اور اُس کے دامن کو اس طرح کی بھاری غلطیوں سے پاک سمجھتا ہوں، لیکن تُو اُس فوج کو طعن و تنقید کا نشانہ بنا رہا ہے جو قرآن کے جھنڈے کی حامل اور عالم اسلام کی بہادر قائد رہی ہے، اور صرف ایک آدمی یعنی اس کمانڈر کی خاطر کہ جو تیرا دوست ہے، اس کی تمام اچھائیوں پر یکسر پانی پھیر رہا ہے۔

ممکن ہے کہ اس سرکاری وکیل نے عدل و انصاف کا دامن پکڑ لیا ہو اور اُسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہو۔

دسواں نقطہ: حضرت علیؓ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک یہودی کے ساتھ مقدمہ لڑا تھا، اور اس میں ان کی بنیاد یہ تھی کہ فیصلہ صرف حق کی خاطر عدالت کی حقیقت کو بچانے کے لیے اور اُن تمام لوگوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے تھا جو عدالت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور ایک دفعہ تو ایسا ہوا کہ ان کے ایک جج نے اپنے عامل کو کسی چور کا ہاتھ کاٹنے کو کہا، کیونکہ ہاتھ کاٹنے کا ثبوت مل چکا تھا اور سزا واجب ہو گئی تھی، لیکن آپ نے دیکھا کہ وہ عامل اس کا ہاتھ بڑے غصّے کے ساتھ کاٹ رہا ہے، تو آپ نے فوراً اسے معزول کر دیا اور انتہائی افسوس کے ساتھ فرمایا: جو شخص عدل کے نام پر اپنے جذبات کی تسکین کرتا ہے وہ بہت بڑا ظالم ہے۔

جی ہاں، جب وہ قانون کا حکم نافذ کر رہا ہو اس وقت اس کے لیے — اگرچہ شفقت کا اظہار نہ کرے — اپنے غصّے کا اظہار کرنا جائز نہیں، اور اگر اس نے ایسا کیا تو ظالم ہو گا، بلکہ سزا اگر قصاص ہو اور عامل مجرم کو غضبناک ہو کر قتل کر دے، تو وہ ایک طرح سے قاتل ہی ٹھہرے گا، جیسے کہ اس عدل پرور جج نے بتایا۔

اس بنا پر، جب تک یہ خالص اور کسی بھی غرض سے خالی حقیقت ہی عدالت پر حاوی ہے، تو پھر یہاں کار پردازوں کو کیا ہو گیا ہے کہ طلّابِ نور کے ساتھ توہین آمیز رویہ اپناتے ہیں اور ان کے ساتھ بڑی سختی اور درشتی کے ساتھ پیش آتے ہیں، حالانکہ یہ لوگ بالکل بے گناہ ہیں اور تسلّی کے اور عدالت کی شفقت و رافت کے محتاج ہیں؟ انہیں تین عدالتوں نے بری کر دیا ہے، اور اس قوم کے نوّے فیصد لوگ بہت سی علامات کی روشنی میں اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ لوگ قوم و وطن کے لیے بہت مفید ہیں اور انہوں نے کبھی کوئی نقصان دہ کام نہیں کیا ہے!!

اور اس لیے بھی کہ ہم نے ہر مصیبت اور اہانت کا سامنا صبر و تحمل کے ساتھ کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے؛ اس بنا پر ہم یہ معاملہ اللہ کے سپرد کرتے ہوئے خاموش رہے، اور ہم نے کہا: اس میں ہمارے لیے بہتری ہی ہوگی، البتہ مجھے اُس بُرے سلوک کا بہت خوف رہا جو ان بے گناہ مسکینوں کے ساتھ خوف و خدشات کو ہوا دینے والی سازشی رپورٹوں کی بنیاد پر کیا جاتا ہے...... خوف اس بات کا تھا کہ یہ غلط رویّہ کہیں مصیبتوں کے نازل ہونے کا سبب نہ بن جائے؛ اس بنا پر مجھے مجبوراً یہ دفاع قلم بند کرنا پڑا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس مقدمے میں اگر کوئی ذمہ دار ہے تو وہ صرف میں ہوں، ان غریبوں نے تو صرف اپنے ایمان کو اور اپنی آخرت کو بچانے کے لیے صرف رضائے الٰہی کی خاطر میرا تعاون کیا تھا، یہ لوگ اگر کسی سلوک کے مستحق ہیں تو وہ صرف یہ ہے کہ انہیں شاباش دی جائے اور ان کی حوصلہ افزائی کی جائے، لیکن ان کے ساتھ اتنا برا سلوک کیا گیا ہے کہ اس سرد موسم میں خود سردی کے بھی پسینے چھوٹ گئے ہیں۔

پھر حیرت ناک بات یہ ہے کہ ان لوگوں پر تنظیم کے وجود کا وہم پھر سے سوار ہو گیا ہے!! حالانکہ صورت حال یہ ہے کہ اگرچہ تین عدد عدالتوں نے اس معاملے کی گہری تحقیق کی ہے اور ہمیں بری بھی کر دیا ہے، کسی بھی عدالت، پولیس اور ماہرین کی کمیٹی کو ایسی کسی چیز کا سراغ نہیں ملا جو ہماری کسی ایسی تنظیم کا اشارہ دیتی ہو جس کی وجہ سے ہم پر اس طرح کا کوئی الزام آ سکے۔ زیادہ سے زیادہ جو کیا جا سکتا ہے یہ ہے کہ طلّابِ نور کے درمیان اُخروی اخوت پائی جاتی ہے، اس کی مثال اس اخوت کی سی ہے جو اکثر استاد کے شاگردوں کے درمیان ہوتی ہے، یا جو ایک یونیورسٹی کے طلبہ کے درمیان رابطے کا سبب ہوتی ہے، یا ایک قاری سے قرآن پڑھنے والوں کو آپس میں ملا کر رکھتی ہے...... اب جو شخص ان پر یہ الزام تھوپتا ہے کہ یہ کوئی تنظیم ہیں اس کے لیے لازم ہے کہ وہ ایک ہی طرح کا کام کرنے والے لوگوں کو، یونیورسٹی سے فارغ ہونے والے لوگوں کو اور خطیبوں اور واعظوں کے بارے میں یہی کہے کہ یہ لوگ بھی اسی طرح کی سیاسی تنظیمیں ہی ہیں۔

اسی لیے میں اس طرح کی واہیات اور بے اصل تہمتوں کی وجہ سے جیل میں جانے والے ان بھائیوں کا دفاع کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا، البتہ جیسے کہ ہم نے تین مرتبہ اُن رسائل نور کا دفاع کیا ہے جن کا اس علاقے کے ساتھ اور عالمِ اسلام کے ساتھ گہرا تعلق ہے، اور جن کے اس وطن اور اس قوم کے لیے ڈھیروں برکتیں اور بہت سے منافع جات ظہور

میں آ چکے ہیں، اِسی طرح اِسی سبب کو سامنے رکھ کر ان تہمتوں کا دفاع کرنے کے لیے بھی میرے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

کیوں نہیں! ہم ایک تنظیم ہیں، اور یہ ایک اتنی عظیم الشان اور منفرد قسم کی تنظیم ہے کہ جس کے ہر صدی میں ساڑھے تین سو ملین افراد رہے ہیں جو اس کے جھنڈے کے نیچے جمع رہتے ہیں، اور اس کی مبادیات کا کمال احترام کرتے ہوئے ہر روز اپنی پانچ نمازوں کے ذریعے اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ وہ اس کے ساتھ مضبوط بندھے ہوئے ہیں اور اس کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، اور ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ جیسے مقدس پروگرام پر عمل کرتے ہوئے دعاؤں اور معنوی کمائیوں کے ساتھ ایک دوسرے کا ہاتھ بٹانے کے لیے بھاگ دوڑ کرتے ہیں۔

پس ہم اس عظیم قدسی تنظیم کے افراد ہیں، اور اس میں ہماری خصوصی ڈیوٹی یہ ہے کہ ہم اہلِ ایمان تک تحقیقی صورت میں قرآن کے حقائق پہنچاتے رہیں اور اس طرح ہم ان کو اور خود اپنے آپ کو ابدی طور پر معدوم ہو جانے سے اور ہمیشہ رہنے والی قیدِ تنہائی کی جیل سے بچالیں۔ اور جن خفیہ تنظیموں کے نام کا تم لوگ ہمیں طعنہ دیتے ہو، ہمارا ان میں سے کسی کے ساتھ بھی کوئی تعلق نہیں ہے، اسی طرح ہمارا ان دنیاوی سیاسی پارٹیوں اور تنظیموں کے ساتھ بھی کوئی تعلق نہیں ہے جو سازشوں اور فریب کاریوں کے جال بنتی ہیں، بلکہ ہم اس کام کے لیے کبھی آمادہ ہی نہیں ہوتے، اور یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ جس کے بارے میں چار عدالتیں اپنی پوری محنت کے ساتھ تحقیق اور بحث و تمحیص کر چکی ہیں۔ اور پھر بالآخر ہماری بے گناہی کا فیصلہ صادر کر چکی ہیں۔

جی ہاں، طلّابِ نور یہ بات جانتے ہیں — اور یہ ایسی بات ہے کہ جس کے دلائل میں عدالت میں دے چکا ہوں — کہ میری تمام تگ و دَو کسی مقام، شہرت، نشان و شوکت اور ناموری کے، اور کسی اُخروی یا معنوی مرتبے کے حصول کے لیے نہیں ہے، بلکہ میں یہ تمام تگ و دَو اہلِ ایمان کے لیے ایمانی خدمت سرانجام دینے کے لیے کر رہا ہوں، اور میں اس خدمت کی راہ میں اپنے تمام نظریے اور تمام قوت کے ساتھ نہ صرف اپنی دنیاوی زندگی اور اپنے فانی مقامات کو قربان کرنے کے لیے تیار ہوں بلکہ اگر ضرورت پڑی تو اپنی اُخروی زندگی کو اور اپنے ان ہمیشہ باقی رہنے والے اخروی مراتب کو بھی قربان کرنے کے لیے تیار ہوں جو ہر انسان کا مطلوب و مقصود ہیں، بلکہ — اگر ضرورت پڑی تو — مجھے یہ بات بھی قبول ہوگی کہ بعض مساکین اہلِ ایمان کو جہنم سے بچانے کے لیے جہنم میں داخل ہو جاؤں۔

اور باوجود اس کے کہ یہ بات میرے تمام حقیقی بھائی اچھی طرح سے جانتے ہیں اور میں عدالتوں میں یہ ثابت بھی کر چکا ہوں، یہ لوگ مجھ پر شہرت و ناموری کے پیچھے بھاگنے کی تہمت لگا کر، اور میری طرف ایسی چیزوں کی نسبت کر کے جو میری نور اور ایمان کی خدمت میں اخلاص کے منافی ہیں، اور انوار کی قدر و قیمت کو گرانے کی کوشش کر کے ابنائے وطن کو ان جلیل القدر حقائق سے محروم کر رہے ہیں جو رسائلِ نور میں موجود ہیں۔

تعجب ہے ان بدبختوں پر جو اس دنیا کو ابدی سمجھتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ باقی سب لوگ بھی دین اور ایمان کو دنیا کے لیے آلۂ کار بناتے ہیں!! ان لوگوں نے ایک ایسے آدمی کو مجرم بنانا گوارہ کیسے کر لیا جس نے تمام دنیا میں اہلِ ضلالت کو چیلنج کیا، اور جس نے ایمانی خدمت کی راہ میں اپنی دنیاوی زندگی، اور اگر ضرورت پڑی تو اُخروی زندگی بھی قربان کر دی! اور جس نے ایک بھی ایمانی حقیقت کے بدلے میں تمام دنیا کی بادشاہی قبول نہ کی جیسے کہ اس نے عدالتوں میں بیان کیا، اور جو اخلاص کے راز کی پاسداری کرتے ہوئے اپنی تمام تر قوت کے ساتھ سیاست سے اور اُن تمام مادی و معنوی مراتب سے دور بھاگ گیا جن سے سیاست کے معنی کی بُو آتی ہو، اور جو بیس سال تک بے بدل قسم کی گونا گوں تکلیفیں اُٹھاتا ہوا اپنے ایمانی مسلک کے تقاضے کے مطابق سیاست سے بلند ہو کر جیا، اور جو اپنے آپ کو — ایک انسان ہونے کی حیثیت سے — اپنے طالب علموں سے کم تر سمجھتا ہے، اور ہمیشہ ان سے تعاون اور داد کا طالب رہتا ہے، اور اپنے آپ کو ایک بے قوت، بے طاقت اور بے اہمیت مسکین سمجھتا ہے...... جی ہاں، ان لوگوں نے اس طرح کے انسان کو مجرم بنانا کیسے گوارہ کیا؟ صرف اس بنا پر کہ اس کے بعض مخلص بھائیوں کو جب رسائلِ نور سے ایمان کی بلند تر چاشنی ملی تو انہوں نے اپنے خصوصی مراسلات میں رسائلِ نور کے بعض فضائل کی نسبت اس کی طرف کر دی، حالانکہ وہ تو صرف ان رسائل کا ترجمان اور مبلغ ہے، اس کے پلّے تو اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے، ان طالب علموں نے اس کے متعلق اتنا زیادہ حسنِ ظن قائم کر لیا جو کہ اس کی حیثیت سے کہیں زیادہ تھا، اور جیسے کہ لوگ عام طور پر کرتے ہیں، انہوں نے اسے کوئی بہت بڑا مقام دے دیا، جیسے کہ لوگ جس کے ساتھ محبت کرتے ہیں اُسے جنابِ من! میرے ولی نعمت، اور اس طرح کے دیگر القاب دے دیتے ہیں، اور اس میں کوئی سیاسی معنی سامنے نہیں آتا، اور جیسے کہ شروع سے ہی اُستادوں اور شاگردوں کے درمیان طریقہ چلا آ رہا ہے اور اس پر کبھی کوئی اعتراض بھی نہیں ہوا، انہوں نے شکریے کے انداز میں اس کی بہت زیادہ تعریف اور مدح سرائی کر دی، اور کچھ تقریظیں لکھ دیں جن میں بہت زیادہ مدح و ثنا تھی، اور وہ تقریظیں انہوں نے اس کی کتابوں میں لگا دیں جیسے کہ یہ طریقۂ کار ان کتابوں میں قدیم سے چلا آ رہا ہے جو لوگوں کے درمیان قبولِ عام کا درجہ حاصل کر چکی ہیں۔

حالانکہ وہ ایک ایسا آدمی ہے جو کہ یکہ و تنہا اجنبیت کی حالت میں زندگی گزار رہا ہے، اس کے بہت زیادہ دشمن ہیں، اور بہت سے اسباب ایسے ہیں جو لوگوں کو اس کا تعاون کرنے سے روکتے ہیں، لیکن وہ صرف اس بنا پر کہ اپنے ان معاون بہت سے شدید دشمنوں کے مقابلے میں اس کا تعاون کرنے والے بھائیوں کی معنوی قوت کو مضبوط کرنے اور اس خدشے کے پیشِ نظر کہ کہیں یہ لوگ اس سے دور نہ بھاگ جائیں، اور جو لوگ اس کی مدح و ثنا میں مبالغے سے کام لیتے ہیں، ان کی حوصلہ شکنی نہ کر دے؛ اس چیز کے پیشِ نظر اس نے ان کے تعریفی الفاظ کو ٹھکرایا نہیں بلکہ اُن الفاظ کا حق دار صرف رسائلِ نور کو سمجھ کر انہیں رسائل کے حوالے ہی کر دیا۔

لیکن اس سب کے باوجود بعض سرکاری افسر اس قبر کے دروازے پر پہنچے ہوئے بوڑھے آدمی کے ہاتھوں سرانجام دی جانے والی ایمانی خدمت کو آڑے ہاتھوں لیتے ہیں اور اسے دنیاوی کام ثابت کرنے کے لیے سرتوڑ کوشش کرتے ہیں، اُن کی یہ روِش حق، انصاف اور قانون سے کتنی دور ہے؟

اور میں آخر میں کہتا ہوں کہ میں نے ہر مصیبت کے مقابلے میں جو چیز تیار کر رکھی ہے وہ ہے: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

☆ ☆ ☆

میں ''آفیون'' کی عدالت کو اور فوجداری عدالت کے صدر کے سامنے میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے عرصۂ دراز سے دنیا سے قطعِ تعلق کر لیا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں فطری طور پر کسی کا بھی تحکّم برداشت نہیں کر سکتا، اور ان بے معنی اور غیر ضروری تحکمات کے سائے میں ان دنوں میں میری زندگی شدید دباؤ کا شکار ہو چکی ہے، اس لیے میں اس طرح کے حالات میں زندگی نہیں گزار سکتا اور جیل سے باہر سینکڑوں سرکاری آدمیوں کے تحکّمات کی تکلیفیں برداشت کرنا اب میری مقدور میں نہیں رہا۔ میں زندگی کے اس اسلوب سے اُکتا چکا ہوں، اور آپ سے پورا زور دے کر جیل کی سزا مانگ رہا ہوں؛ کیونکہ جب تک مجھے قبر میسّر نہیں ہوتی، میرے لیے جیل ہی بہتر ہے۔

آپ لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ استغاثہ نے مجھ پر جو باطل الزام لگائے ہیں بالکل بے اصل ہیں اور میرے لیے جیل واجب نہیں کرتے ہیں، بلکہ حقیقت میں جو چیز میرے لیے جیل واجب کر رہی ہے وہ میری حقیقی ذمہ داری کے مقابلے میں ایک بہت بڑا گناہ ہے، اس لیے اگر مجھ سے اس کے بارے میں پوچھنا مناسب سمجھتے ہیں تو ضرور پوچھیں میں جواب دوں گا۔

جی ہاں، وہ گناہِ عظیم یہ ہے کہ میں نے اپنی وہ ذمہ داری نہیں نبھائی جو اللہ تعالیٰ نے دین، وطن اور قوم کی ترجمانی میں میرے ذمہ لگائی ہے، لیکن میں دنیا کی طرف ملتفِت ہونے کی وجہ سے اسے نبھاہ نہ سکا، اور حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ کوتاہی ایک ناقابلِ معافی جرم ہے اور بھول چوک کی صورت میں مجھے معذور نہیں سمجھا جائے گا۔ یہ ہے وہ عقیدہ جو ان آخری دنوں میں میرے ہاں ''آفیون'' جیل میں پیدا ہوا۔

وہ لوگ جو اس کوشش میں مصروف ہیں کہ اس خالص تعلّق کو کسی دنیاوی سیاسی تنظیم کا نام دے دیں جو طلابِ نور کو اور ان کے ترجمان کو انوار کے ساتھ باندھے ہوئے ہیں اور اس طرح کی تنظیم سے پیدا ہونے والے نتائج کو ان لوگوں کے سر مڑھنے کی کوشش میں مصروف ہیں؛ وہ لوگ حقیقت اور عدالت سے بہت زیادہ دور ہیں۔

انسانی اور خاص کر اسلامی معاشرتی زندگی کی اُسُّ الاساس اہل وعیال اور اعزہ واقربا کے درمیان خالص محبت، قبائل کے درمیان مضبوط ارتباط، اور امتِ اسلامیہ میں اہلِ ایمان بھائیوں کے درمیان فداکاری وجاں نثاری پر مبنی معنوی تعلق

ہے۔ اور طلّاب نور کو سیاسی تنظیم کا نام دینا دو ہی صورتوں میں ممکن ہے: ایک یہ کہ اس طرح کے ان تمام روابط کا انکار کر دیا جائے جو معاشرتی زندگی کے لیے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، اور جن سے وہ گہرے روابط اور مضبوط تعلقات ظہور میں آتے ہیں جو ایک انسان کو قرآنی حقائق کے ساتھ اور ان کی نشر واشاعت کرنے والوں کے ساتھ جوڑتے ہیں اور اس کی ابدی زندگی کو بچاتے ہیں۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ شمال سے آنے والے لال خطرے کو اپنا لیا جائے، اور یہ وہ خطرہ ہے جو انتہائی خوفناک اَنارکی کے بیج بکھیر رہا ہے، حرث ونسل کو تباہ کر رہا ہے، قرابت اور نسبت کو ختم کر کے والدین سے ان کی اولادیں چھین رہا ہے اور انسانی تہذیب وتمدّن کو اور سماجی زندگی کو مکمل طور پر تباہ وبرباد کرنے کے لیے راستہ ہموار کر رہا ہے۔

اسی لیے حقیقی طلابِ نورِ قرآن کے حقائق کے ساتھ اپنے تعلق کا اور اُخروی بھائیوں کے ساتھ اپنے گہرے رشتے کا بغیر کسی تردّد کے ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کرتے ہیں، اور اس اخوت کی راہ میں انہیں جو بھی سزا ملے قبول کرتے ہیں، اور اسی بنا پر عدالت میں حقیقت کا بعینہٖ صراحت کے ساتھ اظہار کر دیتے ہیں، اور اپنا ذاتی دفاع کرنے کے لیے کسی حیلے بہانے، چاپلوسی اور دروغ بافی سے کام نہیں لیتے۔

☆ ☆ ☆

فردِ جرم کی تردید میں ''آفیون'' کی عدالت میں پیش کی گئی چارج شیٹ کے تتمّے کی ذیلی بحث

اوّلاً: میں عدالت کے لیے یہ بات واضح کرتا ہوں کہ یہ چارج شیٹ دو چیزوں پر مبنی ہے: ایک تو وہی سابقہ فردیں ہیں جو ''اسکی شہر'' اور ''دنیزلی'' کی عدالتوں میں پیش کی گئیں۔ اور دوسری چیز وہ سطحی تحقیقات ہیں جو ماہرین کی اُس کمیٹی نے جاری کی ہیں جو بالکل ہی بے خبر اور ہمارے خلاف غیض وغضب سے بھری ہوئی ہے۔ اسی بنا پر میں نے تمہاری عدالت کے سامنے یہ اعلان کیا تھا کہ میں اگر اس چارج شیٹ میں سو غلطیاں ثابت نہ کروں تو سو سال تک جیل میں رہنا قبول کروں گا۔ اور میں اپنا یہ دعویٰ ثابت بھی کر چکا ہوں۔ چاہو تو میں تم لوگوں کو وہ فہرست دکھا سکتا ہوں جس میں سو سے زیادہ غلطیاں ہیں۔

ثانیاً: ''دنیزلی'' کی عدالت کی کاروائی کے دوران، اور ہماری کتابوں اور دیگر اوراق کے انقرہ کی طرف ارسال ہوتے ہی میں نے اپنے بھائیوں کو ایک خط لکھا، اور میری حالت اس وقت یہ تھی کہ مجھ پر قلق واضطراب اور نا اُمیدی کی گھٹا چھائی ہوئی تھی اور میں اس بات کا متوقّع تھا کہ فیصلہ ہمارے خلاف صادر ہوگا۔ اس خط کا ایک حصہ میرے بعض

دفاعی بیانات کے آخر میں موجود ہے، اس میں ہے: ''گواہ رہو کہ عدالت کے ملازم جو کہ تنقید کرنے کی غرض سے رسائل نور کو تحقیقی وتدقیقی نظر سے پڑھ رہے ہیں، اگر وہ لوگ ان رسائل کے ذریعے اپنے ایمان مضبوط کرلیں یا بچالیں، اور پھر مجھے پھانسی دینے کا فیصلہ بھی سنادیں، تو تم گواہ ہو جاؤ کہ میں انہیں معاف کردوں گا؛ کیونکہ رسائلِ نور کا وظیفہ ایمان کو مضبوط کرنا اور اسے بچانا ہے۔ اور ہم تو فقط خُدّام ہیں جنھیں دوست دشمن کے درمیان تفریق کیے بغیر اور کسی بھی جانبداری کے بغیر ایمانی خدمت کو سرانجام دینے کا مکلف کیا گیا ہے۔

اس بنا پر اے عدالتی بورڈ! بلاشبہ رسائلِ نور کے مضبوط دلائل و براہین پر جرح نہیں کی جاسکتی، عدالت کے بعض ملازمین کے دل ان کی طرف مائل ہو چکے ہیں تم لوگ میرے خلاف جو کچھ بھی کرو میں تم سے درگزر کروں گا تم سے انتقام نہیں لوں گا۔ اسی لیے ظلم واستبداد کے اس شدید ترین ماحول میں مجھے مجروح اور بدنام کرنے کے لیے مجھ پر جتنے بھی حملے کیے گئے میں نے سب خندہ پیشانی سے برداشت کیے اور یہ حملے اتنے سخت تھے کہ ایسے حملے میں نے زندگی بھر نہیں دیکھے، جی ہاں، یہ حملے اگرچہ میرا غصہ بھڑکا دیتے تھے، تاہم میں انہیں اس حد تک برداشت کرتا رہا کہ ان لوگوں کے خلاف کبھی بددعا تک نہ کی جنھوں نے یہ حملے کیے تھے۔

یہ رسائلِ نور جو کہ آپ لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں ہمارے خلاف لگنے والے تمام اتہامات کے اور ہماری طرف منسوب تمام جرائم کے ردّ میں میرا ایسا دفاعی بیان ہیں جن کی تردید نہیں ہوسکتی، اور میرا ایسا اعتراضی بیان ہیں جن پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ اور باوجود اس کے کہ رسائل نور کا مصر، دمشق، حلب، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے جلیل القدر علما نے مطالعہ کرلیا ہے، اس وطن کی وزارت مذہبی اُمور نے انہیں بحث وتمحیص کی بھٹی میں ڈال لیا ہے اور ان پر تنقید کرنے کی بجائے انہیں بنظرِ استحسان دیکھا ہے، لیکن اس کے باوجود حیرانی اس بات کی ہے کہ ایک ذہین ترین انسان کہ جس نے ہمارے خلاف چارج شیٹ تیار کی ہے، لکھتا ہے کہ قرآن کی ایک سو چالیس سورتیں ہیں، اب یہ بات کہ یہ آدمی انتہائی سطحی نظر کا مالک ہے، اس کے لیے بطور دلیل یہی فاحش غلطی کافی ہے: اور اس سے بڑھ کر یہ کہ علی الرّغم اُن مشکل ترین حالات کے کہ جن سے رسائلِ نور دوچار ہوئے ہیں، اور علی الرّغم ان بدترین حملوں کے کہ جن کا سامنا انہیں اس اجنبیت، وحدت اور پریشان احوال میں کرنا پڑا، ان رسائل نے لاکھوں اہلِ حقیقت کی طرف سے تصدیق حاصل کرلی ہے، لیکن اس کے باوجود وہ مدّعی آتا ہے کہ جسے قرآن کی سورتوں کی تعداد کا بھی علم نہیں، رسائل پر تنقید کرنے کے لیے آتا ہے او[ر] کہتا ہے: ''اِن رسائل نے اگرچہ قرآن کی تفسیر اور حدیث کی تاویل کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن اگر وہ چیز دیکھی جا[ئے] جو یہ اپنے قارئین کو سکھاتے ہیں، تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ان میں سے کچھ رسائل ایسے ہیں کہ ان میں کو[ئی] قیمتی علمی باتیں نہیں پائی جاتی ہیں''!! اس آدمی کا یہی بیان اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ یہ شخص قانون، حق[یقت] حقیقت اور عدالت سے کتنا دور جا چکا ہے!!

پھر مجھے آپ سے ایک شکایت بھی ہے، اور وہ یہ کہ تم لوگوں نے چالیس صفحات پر مشتمل چارج شیٹ کو مکمل طور پر سننے کے لیے مجبور کیا، اور یہ سماعت دو گھنٹے تک جاری رہی، حالانکہ اس میں سینکڑوں غلطیاں تھیں، اور اس کا مضمون بھی احساسات کو کچل رہا تھا، لیکن تم نے جھوٹ کے اس پلندے کی تردید میں لکھا گیا وہ ایک آدھ صفحہ بھی پڑھنے کی اجازت نہ دی جو بعینہٖ اسی حقیقت پر مشتمل تھا اور جو صرف دو تین منٹ میں پڑھا جا سکتا تھا! حالانکہ ہم نے اسے پڑھنے کے لیے بہت اصرار کیا؛ اس بنا پر اب میرا عدالت سے یہ مطالبہ ہے کہ میں نے چارج شیٹ کے ردّ میں جو اوبجیکشن شیٹ تیار کی ہے، مجھے وہ مکمل طور پر پڑھنے کی اجازت دی جائے۔

ثالثاً: ہر حکومت کے کچھ مخالفین ہوتے ہیں، اور جب تک وہ امن و استقرار میں خلل نہیں ڈالتے قانون کو ان پر ہاتھ ڈالنے کی اجازت نہیں ہوتی؛ اب اس چیز کی روشنی میں کیا میرے لیے، اور میرے جیسے ان لوگوں کے لیے کہ جو دنیا سے اعراض کر کے آخرت کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں، ممکن ہے کہ اُس راستے پر چلتے ہوئے کہ جس پر ہمارے آباؤ اجداد ساڑھے تیرہ سو سال تک چلتے رہے، اور قرآنی تربیت کے دائرے میں رہ کر، اور اس اُسلوب کے مطابق کہ جس کی اجازت وہ قوانین و دساتیر دیتے ہیں جنھیں تین سو ملین اہلِ ایمان ہر وقت مقدس مانتے رہے؛ کیا ہمارے لیے ممکن ہے کہ ہم اپنی باقی رہنے والی زندگی کے لیے عمل کرنا چھوڑ دیں تا کہ ایسے مادر پدر آزاد قوانین کو اپنا لیں جن کی کوکھ سے یورپی تہذیب نے جنم لیا ہے، اور بالشویک جیسے وحشی اور خونی دساتیر کو سینے سے لگا لیں، اور محض اس چھوٹی سی فانی دنیا کے لیے اپنے خفیہ دشمنوں کی سازشوں میں اور ان کے دباؤ میں آ کر ان قوانین و دساتیر کو اپنا دستورُ العمل بنا لیں؟! آگاہ رہیں کہ دنیا میں کوئی ایسا قانون اور کوئی ایسا انسان کہ جس کے پاس ذرّہ برابر بھی انصاف ہو، ہمیں اس طرح کے دستور کو اپنانے کے لیے مجبور نہیں کر سکتا۔

البتہ ان لوگوں سے ہم یہ کہتے ہیں کہ: ہم تمہیں نہیں چھیڑتے اور تم ہمیں نہ چھیڑو۔

اس حقیقت کی بنا پر میں صراحتاً یہ اعلان کرتا ہوں کہ ہم ـــ فکری اور عملی طور پر ـــ ان ظالمانہ اور جانبدارانہ احکام کی تائید نہیں کرتے ہیں جو اس قاعدے قانون کے نام پر صادر کیے ہیں جس نے مسجد ''ایا صوفیہ'' کو بتکدے میں اور ''دارُ المشیخۃ الاسلامیہ'' کو لڑکیوں کے ہائی سکول میں تبدیل کر دیا ہے...... جی ہاں، ہم ذاتی مزاج کی بنیادوں پر صادر کیے گئے ان احکام کی تائید نہیں کرتے ہیں، اور میں ذاتی طور پر ان پر عمل نہیں کرتا ہوں۔

پھر اس شدید ترین ظلم کے باوجود کہ جو اِن بیس سالوں میں میری دکھوں، تکلیفوں اور دشواریوں سے بھرپور جلاوطنی کے دوران مجھ پر ڈھایا گیا، ہم نے سیاست میں کبھی دخل نہ دیا اور اداراتی اور کلیدی معاملات سے تعرّض نہ کیا۔ امن و استقرار میں خلل نہ ڈالا، بلکہ ہمارے بارے میں کوئی ایک بھی ایسا واقعہ ریکارڈ نہ ہوا جو امن و استقرار میں خلل کا باعث بنا ہو، حالانکہ میرے نوری بھائیوں کی تعداد لاکھوں تک ہے۔ میں ذاتی طور پر ان ظالمانہ معاملات کی وجہ سے زندگی سے

اُکتا چکا ہوں جو میرے جذبۂ حمیت کو ہوا دیتے ہیں، اور اپنی آخری عمر میں اور جلا وطنی کی حالت میں پیش آنے والی ناقابلِ مثال تکلیف، زخم خوردگی، توہین اور بدنامی کی وجہ سے زندگی سے اُکتا چکا ہوں، اور اس طرح ظالمانہ تحکم کے تحت رہ کر جیل سے رہا ہونے کو بھی ناپسند کرتا ہوں۔

میں نے اس سے قبل آپ کو ایک درخواست لکھی تھی جس میں عام لوگوں کی طرح اپنی بے گناہی کا مطالبہ نہیں کیا تھا، بلکہ یہ مطالبہ کیا تھا کہ مجھے جیل کر دی جائے، اور اپنے لیے ہلکی پھلکی نہیں بلکہ شدید ترین سزا کا مطالبہ کیا تھا؛ کیونکہ اس طرح کے عجیب وغریب اور بے مثال قسم کے معاملے سے چھٹکارا حاصل کرنے کی دو صورتیں ہیں: قبر یا جیل، اور جہاں تک قبر کا سوال ہے، تو وہ توفی الحال میسّر نہیں؛ کیونکہ خودکشی حرام ہے اور اجل پردے میں ہے، اس لیے میں جیل پر راضی ہو گیا ہوں جس کی کال کوٹھڑی میں مَیں چھ مہینوں سے قید ہوں، صرف یہ ہے کہ میں اپنے بے گناہ بھائیوں کی خاطر آپ لوگوں کے لیے یہ درخواست لکھنے سے باز رہا۔

رابعاً: ایک دعویٰ کر رہا ہوں جس کی تصدیق میرے وہ تمام مضامین کرتے ہیں جو میں نے اپنی زندگی کے ان تیس سالوں میں لکھے ہیں جن میں میرا نام ''جدید سعید'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اسی طرح اس کی تصدیق ان رسائل میں وارد ہونے والے وہ تمام حقائق کرتے ہیں جن کا تعلق میری ذات کے ساتھ ہے، اور اس کی گواہی وہ تمام منصف مزاج اشخاص واصحاب دیتے ہیں جنھیں ''جدید سعید'' کے ساتھ ایک مضبوط گہرا رشتہ باندھے ہوئے ہے......

اور وہ دعویٰ یہ ہے کہ میں نے اپنے نفسِ امارہ کو حسبِ استطاعت ریاکاری، تفاخر اور حُبِّ شہرت سے روکنے کی کوشش کی ہے، اور میں نے ان طلّابِ نور کی بہت دفعہ دل شکنی کی ہے جنھوں نے میرے بارے میں بہت زیادہ حسن ظن قائم کر لیا ہے اور ان کے احساسات کو بہت دفعہ مجروح کیا، اور میں نے ان کے لیے اعلان کیا کہ میں تو قرآن کی ہیروں کی دکان کا ایک ادنیٰ سا ایجنٹ ہوں، اس میں پائی جانے والی کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، اور یہ کہ میں — اپنے قریبی بھائیوں کی تصدیق کے مطابق اور اُن بہت سی علامات کی روشنی میں جن کا وہ مشاہدہ کر چکے ہیں — یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ میں اپنی اس ایمانی خدمت کی راہ میں نہ صرف شان وشوکت کے اور دنیاوی مقامات ومراتب کے حصول کو قربان کر سکتا ہوں، بلکہ ان جلیل القدر معنوی مقامات کو بھی قربان کرنے کے لیے تیار ہوں جو مجھے عطا ہوئے ہیں، صرف اس ڈر سے کہ میری ایمانی خدمت کے اخلاص میں کہیں میرے حظِ نفس کی ملاوٹ نہ ہو جائے، اور اس اساس کی بنا پر میں نے بالفعل عمل کر کے دکھایا۔ لیکن تم لوگوں نے اس سب کے باوجود اپنی اس معزز عدالت میں اس گہرے احترام کو موضوعِ بحث بنایا جو میرے بعض بھائیوں نے مجھے اپنے آباؤ اجداد سے بڑھ کر عطا کیا ہے اور انہوں نے جو رسائل نور سے فائدے حاصل کیے ہیں، ان کے عوض میں انہوں نے اس احترام کے ذریعے میرا ایک طرح کا معنوی شکریہ ادا کیا ہے۔ لیکن تم لوگوں نے اسے انٹیروگیشن کا موقع بنا لیا گویا کہ یہ کوئی بہت بڑا سیاسی مسئلہ ہو، اور کچھ لوگوں کو اس کے انکار

پر آمادہ کیا اور ہمیں وہ کچھ سنا دیا جسے سن کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔

آپ کا کیا خیال ہے کہ ایسا مسکین سا انسان جو اپنے لیے مقامات و مراتب کو اور اپنے بارے میں حسنِ ظن کو پسند نہیں کرتا، اور اپنے آپ کو اس قابل بھی نہیں سمجھتا ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ اسے صرف اس بنا پر مجرم بنا دیا جائے کہ دوسرے لوگوں نے اس کی تعریف کی ہے؟!

خامساً: میں آپ لوگوں کو صراحت کے ساتھ کہتا ہوں کہ ان طلاّبِ نور پر یہ تہمت لگانا کہ وہ کوئی تنظیم ہیں یا سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں، جن کا نہ تو کسی بلاک کے ساتھ تعلق ہے اور نہ سیاسی تنظیموں اور سیاسی تحریکوں کے ساتھ کوئی واسطہ ہے، صرف ایک جنگ ہے جو گزشتہ چالیس سال سے اسلام اور ایمان کے ساتھ جنگ کرنے والی کسی خفیہ ملحد و زندیق پارٹی کی ترجمانی میں — شعوری یا لاشعوری طور پر — اور اس وطن میں اَنار کی کی سر پرستی کرنے والی بالشویک تحریک کے نام پر ہمارے خلاف لڑی جا رہی ہے۔

اس بات سے قطعِ نظر کہ ''اسکی شہر'' کی عدالت نے محض ایک چھوٹے سے رسالے میں عورت کے پردے کے بارے میں وارد ہونے والے ایک مسئلے کی وجہ سے میرے خلاف پورے ایک سال کے لیے جیل کا فیصلہ سنایا تھا، اور دیگر ایک سو بیس آدمیوں میں سے پندرہ آدمیوں کے لیے چھ مہینے کی جیل کا فیصلہ سنایا تھا، اور وہ مسئلہ ایک جملے سے عبارت ہے جو بہت پہلے کہیں لکھا گیا تھا، اور وہ جملہ یہ ہے: ہماری شنید کے مطابق ایک بوٹ پالش کرنے والے نے دنیاوی لحاظ سے ایک بہت بڑے آدمی کی بیوی کو دارالحکومت انقرہ کے بھرے بازار میں سرِعام دن دہاڑے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا، صرف اس وجہ سے کہ وہ عورت ننگی پنڈلی نیم عریاں لباس میں تھی، کیا دست درازی کی یہ انتہائی شرمناک حرکت پردے کی مخالفت کرنے والوں کے بے حیا چہروں پر ایک زوردار تھپڑ رسید نہیں کر رہا ہے؟ تو جب تین عدالتوں نے بالاتفاق رسائلِ نور کو اور نوریوں کو تنظیم کی تہمت سے بری کر دیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آج رسائلِ نور کو اور طلاّبِ نور کو متہم کرنا ان تین عدالتوں کو متہم کرنے، انہیں مجرم بنانے اور ان کی توہین کرنے کے مترادف ہے۔

سادساً: رسائل نور کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا، جتنے بھی علمائے اسلام نے ان پر اطلاع پائی ہے، ان سب نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ یہ قرآن کی حقائق سے بھرپور تفسیر ہیں، مطلب یہ کہ یہ قرآن کے حقائق کو ان کے مضبوط دلائل و براہین کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور اس دور میں اس کے ایک معنوی معجزے کی نمائندگی کرتے ہیں، اور شمال سے آنے والے خطرے کے آگے ناقابلِ تسخیر دیوار بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس سے قوم و وطن کی حفاظت کرتے ہیں، اسی بنا پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ عمومی حق کے مقابلے میں آپ لوگوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ آپ طلاّبِ نور کو ڈرانے دھمکانے کے بجائے انہیں رغبت دلائیں۔ ہمیں آپ کی طرف سے اسی چیز کا انتظار ہے۔

جب علمی آزادی کی رُو رعایت کرتے ہوئے ملحدوں کی کتابوں اور بعض زندیق قسم کے سیاستدانوں کی مطبوعات

کی نشر واشاعت کی اجازت ہے، حالانکہ وہ قوم وطن کے لیے نقصان دہ ہیں اور امن واستقرار کو چیلنج کرتی ہیں، تو پھر ایک انوار کا محتاج معصوم نوجوان اپنا ایمان بچانے کے لیے اور مذموم اخلاق سے چھٹکارا پانے کے لیے جب طلاّبِ نور کے دائرے میں داخل ہوتا ہے، تو وہ اس قابل ہے کہ حکومت اور وزارتِ تربیت کی طرف سے اس کی حوصلہ افزائی کی جائے اور اس کی دادو تحسین کی جائے، نہ یہ کہ اسے مجرم بنادیا جائے۔

آخر میں میری یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ججوں کو حقیقی عدل کی توفیق دے، آمین!

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ، نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

آخری بات

میں جوڈیشل کمیشن کی خدمت میں یہ وضاحت رکھ رہا ہوں

چارج شیٹ کے ذریعے اور مجھے طویل عرصے تک جس انداز سے قیدِ تنہائی میں رکھا گیا، اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ عام طور پر صرف میری شخصیت کو نشانہ بنایا جاتا ہے، اور دیکھا یہ گیا ہے کہ اس مقدمے میں میری شخصیت پر تنقید کرنا اور میری اہمیت گھٹانا ہی سب سے زیادہ مناسب بات تھی، جیسے کہ میں وطن، اس کے امن واستقرار اور اس کے انتظام کو نقصان پہنچا رہا ہوں اور دین کے پردے میں دنیاوی مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہوں اور اس طرح ایک طرح کی سیاست کے پیچھے ہی بھاگا پھر رہا ہوں...... اور میں اس کے ردّ میں تمہارے سامنے قطعی بیان کے ساتھ یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ:

اگر تم لوگوں نے ان اندرونی خطرات وخدشات کی وجہ سے مجھے لوگوں کی نظروں سے گرانے کے لیے کوئی قدم اُٹھا ہی لیا ہے تو پھر اُن رسائلِ نور اور طلاّبِ رسائلِ نور کے ساتھ کوئی برا سلوک مت کرنا جو کہ اس وطن وقوم کے لیے قربانیاں پیش کر رہے ہیں اور ان کے لیے بہت بڑی قیمت ادا کر رہے ہیں؛ کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو قوم ووطن کو بڑا بھاری معنوی نقصان پہنچے گا، اور ہو سکتا ہے کہ تمہاری وجہ سے انہیں بہت بڑا خطرہ لاحق ہو جائے!

اور میں تم لوگوں پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے — اپنے مسلک کے لحاظ سے — یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ میں اپنی ذات کو لاحق ہونے والی ہر توہین، ہر تنقید، ہر تکلیف اور ہر سزا قبول کروں گا، بشرطیکہ میری وجہ سے رسائلِ نور کو اور ان کے شاگردوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اور میں نے جو فیصلہ کیا ہے امید ہے مجھے آخرت میں اس پر ثواب ملے گا، اور اس کی

برکت سے میں اپنے نفسِ امارہ کے شر سے خلاصی پا جاؤں گا۔ اور اس طرح میں اندرونی طور پر اس تکلیف کا ممنون رہوں گا جو کہ ظاہری طور پر المناک ہے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اگر یہ بے گناہ مساکین اس مقدمے میں میرے ساتھ قید نہ ہوتے، تو میرا آپ کی اس عدالت میں بیان کچھ اور ہوتا۔

آپ لوگوں نے اس شخص کی کارکردگی یقیناً دیکھ لی ہے جس نے میرے خلاف چارج شیٹ تیار کی ہے؛ کیونکہ اس نے حیلہ سازی اور دھوکہ دہی سے مجھے طعن وتشنیع کا نشانہ بنانے کی کوشش کی ہے، اور اس میں اس پر ''کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا'' والی مثال صادق آتی ہے، چنانچہ میں نے تقریباً تیس سالوں کے دوران جو کتابیں تحریر کیں اور جتنے ذاتی اور غیر ذاتی خطوط لکھے، اس نے ان سب کو اکٹھا کیا، اور انہیں غلط معنی پہنا کر انہیں حیلہ سازی سے کچھ اس طرح پیش کیا کہ گویا وہ سب کے سب اس ایک ہی سال میں لکھے گئے ہوں، بلکہ ایسے کہ جیسے عدالت نے انہیں کبھی دیکھا ہی نہ ہو، بلکہ ایسے کہ جیسے یہ معافی کے عمل سے گزرے ہی نہ ہوں اور ان پر کافی عرصہ بیتا ہی نہ ہو!

باوجود اس کے کہ میں نے اپنی شان گھٹانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا ہے، اور میرے دشمنوں نے بھی اس باب میں ہر حیلہ وسیلہ استعمال کیا ہے، یہ ساری محنت رائیگاں گئی ہے اور لوگوں کی توجہ مجھ سے ہٹ نہ سکی اور وہ مجھ سے دور نہ ہوئے، اس حد تک کہ اس سے اہلِ سیاست خوف میں مبتلا ہو گئے؛ اس کا سبب یہ ہے کہ اس دور میں اور اس وطن میں ایمان کو مضبوط کرنے کی جو شدید ضرورت ہے، اُسے ایسے اشخاص چاہئیں جو حقیقت کو کسی بھی چیز کے لیے آلۂ کار نہ بنائیں اور حظِ نفسانی سے بچ کر رہیں، تا کہ ان کے ایمانی دروس سے فائدہ اُٹھایا جائے اور انسان ان میں قطعی عقیدے کے درجے تک پہنچ جائے۔

جی ہاں، یہ علاقہ جتنا ضرورت مند اِن دنوں میں ہے پہلے کبھی نہیں رہا؛ کیونکہ بیرونی خطرہ ہمارا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے، اور میں نے اعتراف کرتے ہوئے اس بات کا اعلان کیا تھا کہ میری ذات اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کافی نہیں ہے، لیکن لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ راستہ میں ہی روکوں گا، اور ان کا میرے بارے میں یہ حسن ظن اس لیے نہیں ہے کہ میں کسی امتیازی خصوصیت کا مالک ہوں، بلکہ اس لیے کہ ایک طرف تو ہم سخت ضرورت کی حالت میں ہیں، اور دوسری طرف اس میدان کے شاہ سوار بہت کم نظر آتے ہیں۔

اور ادھر صورت حال یہ ہے کہ میں بہت عرصے سے اس معاملے میں بڑی حیرت اور تعجب سے غور فکر کرتا رہتا تھا، اور ان آخری دنوں میں یہ حکمت میری سمجھ میں آ گئی کہ مجھ میں بہت زیادہ عیب ہونے کے باوجود اور کسی نہ کسی پہلو سے میرے اس کام کے قابل نہ ہونے کے باوجود لوگ میری طرف اتنی توجہ کیوں کر رہے ہیں!!! اور وہ حکمت یہ ہے کہ رسائل نور کی حقیقت نے اور ان کے شاگردوں کی معنوی شخصیت نے اس شدید ترین ضرورت کی نظریں ان کی طرف پھیر دی ہیں، چنانچہ لوگ یہ سمجھ کر کہ میں اس عمدہ ترین اور انوکھی حقیقت کا اور اس خالص ومخلص شخصیت کا ترجمان ہوں، میری

طرف متوجہ ہو گئے حالانکہ ایمانی خدمت کے اعتبار سے میرا حصہ اس میں ہزار میں سے صرف ایک تک ہی پہنچتا ہے۔

علی الرغم اس کے کہ میں اس طرح کی توجہ کا حق دار نہیں ہوں، بلکہ یہ میرے لیے نقصان دہ ہے اور مجھ پر گراں گزرتی ہے، لیکن نوری حقیقت اور اس کی معنوی شخصیت کا خیال کرتے ہوئے میں اس معنوی نقصان پر راضی رہتا تھا اور خاموشی کو ترجیح دیتا تھا، حتی کہ حضرت علیؓ، شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اور ان کے علاوہ دیگر اولیا نے جب — الہامِ الٰہی اور غیبی اشارات کے ذریعے — اس دور میں قرآنِ حکیم کے معنوی معجزے کے آئینے کی نمائندگی کرنے والے رسائل نور کے بارے میں خبر دی اور ان کے مخلص ترین طالب علموں کی معنوی شخصیت کے بارے میں خبر دی، تو ان لوگوں نے رسائلِ نور کے لیے میری خدمات کو دیکھ کر ان خصوصیات کا سہرا میرے سر باندھ دیا۔ البتہ مجھ سے یہ غلطی ہو گئی کہ یہ لوگ جو میری تعریف کرتے تھے میں بعض جگہ پر اس کی تاویل نہ کر سکا اور اس کا حق دار رسائلِ نور کو نہ ٹھہرا سکا، اور اس کی وجہ میری غلطی، میری کمزوری، اپنی بات کے بارے اعتماد اور ثقاہت حاصل کرنے کی رغبت تھی، نیز میں یہ بھی چاہتا تھا کہ وہ اسباب زیادہ جمع نہ ہو جائیں جو میرے معاونین کو مجھ سے دور بھگا دیں، چنانچہ اس بنا پر میں نے ظاہری طور پر ان کی اپنے بارے میں کی گئی مدح سرائی قبول کر لی، دیگر ہیچ۔

میں آپ لوگوں کو یاد دِلا رہا ہوں کہ میری فانی اور قبر کے دروازے پر کھڑی شخصیت کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانے کی، اور مجھے اس طرح کی اہمیت دینے کی ضرورت نہیں، لیکن خبردار! رسائل نور کے دُوبدُو نہ ہونا؛ کیونکہ تم لوگ ان کا مقابلہ نہیں کر سکو گے اور ان پر غلبہ حاصل نہیں کر سکو گے، اگر تم ان کے مقابلے میں اُترے تو اس سے صرف قوم و وطن کو ہی نقصان پہنچاؤ گے، لیکن ان کے شاگردوں کے درمیان تفریق نہیں ڈال سکو گے؛ کیونکہ اس وطن میں ہمارے نیاگانِ کُہن نے قرآنی حقیقت کی حفاظت کی راہ میں پچاس ملین کے قریب شہید پیش کیے ہیں، اور تم لوگ اب اس دور میں ان کے پوتوں کو اس حقیقت سے، اور عالمِ اسلام کی نظر میں رہنے والے اُن کے بزرگوار دینی کارناموں سے دستبردار ہونے پر مجبور نہیں کر سکتے، حتیٰ کہ یہ لوگ اگر ظاہری طور پر ان سے دستبردار ہو بھی جائیں، تو بھی یہ خالص طلبہ قلبی اور روحی طور پر اس حقیقت کے ساتھ بڑے مضبوط بندھن کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں، اور یہ لوگ ان رسائلِ نور سے بھی کبھی دستبردار نہیں ہوں گے جو کہ اس حقیقت کے لیے آئینے کی حیثیت رکھتے ہیں؛ اور اپنی اِس دستبرداری سے وہ قوم و وطن اور امن واستقرار کو نقصان نہیں پہنچائیں گے:

اور میری آخری بات یہ ہے:

﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَاۤ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ، وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ.﴾

تمام وزارتوں، خاص کر وزارتِ مذہبی امور اور اپیل کورٹ میں دائر کی گئی ایک درخواست

یہ داورِ محشر کی عدالتِ عُظمیٰ میں ظلم وستم کے خلاف فریاد کرنے کے لیے دائر کی گئی ایک درخواست اور دربارِ خداوندی میں پیش کیا گیا ایک شکوہ ہے۔ اس دور کے اپیل کورٹ کو اس کی سماعت کرنی چاہیے، اور مستقبل میں آنے والی نسلوں کو اور یونیورسٹیوں کے مہذب ومثقف اساتذہ اور طلبہ کو بھی اسے کان لگا کر سننا چاہیے۔

میں اپنا یہ شکوہ اُس عدل پرور حکیم ذُوالجلال کی عدالت عالیہ میں پیش کر رہا ہوں، اور اس میں مَیں اُن سینکڑوں شدید ترین مظالم میں سے صرف دس کا ذکر کر رہا ہوں جو مجھ پر گزشتہ تیئیس سال کے عرصے میں ڈھائے گئے۔

پہلا ظلم: میں نے بہت سی کمیوں اور کوتاہیوں کا مالک ہونے کے باوجود اپنی زندگی ابنائے وطن کو نیک بخت وسرخرو کرنے اور ان کا ایمان بچانے کے لیے وقف کر رکھی ہے، اور اس مقصد کے لیے میں نے رسائل نور کے ذریعے اپنی تمام تر قوت یہ کہتے ہوئے صَرف کر دی ہے: میرا سر اس حقیقت —یعنی قرآن— پر فدا ہو جانا چاہیے جس پر آج سے پہلے لاکھوں سورماؤں کے سر فدا ہو چکے ہیں۔ اور اس راہ میں مجھے جتنی تکلیفیں دی گئیں اور مجھ پر جتنے بھی ظلم ڈھائے گئے ان سب کے سامنے میں ڈٹ کر کھڑا رہا، نہ میدان سے نکلا نہ پیچھے ہٹا۔

بطورِ مثال میں کچھ اُن ظالمانہ کاروائیوں کا ذکر کر رہا ہوں جو ہمارے خلاف ''آفیون'' کی جیل میں اور اس کی عدالت میں کی گئیں، چنانچہ ان میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے مجھے اور اُن بے گناہ طلاّبِ نور کو کہ جو اپنی تسلّی کے لیے عدالت پر اُمیدیں لگائے بیٹھے تھے، اُن مقدمات کی سماعت کے لیے تین دفعہ مجبور کیا جو کینہ وبغض کی بنیاد پر صرف جھوٹ اور افترا پردازی کا پلندہ تھے، اور ان میں ہر مقدمے کی سماعت کم وبیش دو گھنٹے تک جاری رہی۔ پھر میں نے جب زور دے کر ان سے یہ درخواست کی کہ وہ مجھے اپنے حقِ دفاع کے لیے پانچ دس منٹ دے دیں، تو انہوں نے مجھے صرف ایک دو منٹ دیے۔

مجھے بیس ماہ کے لیے قیدِ تنہائی میں رکھا گیا اور مجھے صرف میرے دو ساتھیوں کے ساتھ ملنے کی اجازت دی گئی اور وہ بھی صرف تین چار گھنٹے تک، جس میں انہوں نے دفاعی بیان لکھنے میں میری کچھ مدد کر دی، اس کے بعد انہیں صرف یہی نہیں کہ روک دیا گیا بلکہ ان کے ساتھ سخت قسم کا برتاؤ کیا گیا۔

پھر وہ چارج شیٹ لے آئے جو سرکاری وکیل نے ایسے تیار کی تھی کہ ''کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا'' کی منہ بولتی تصویر تھی۔ پتا نہیں اس نے حقد وکینے سے ٹپکتے ہوئے غلط معانی اور جھوٹے الزامات کہاں کہاں سے اکٹھے کر لیے تھے۔ میں نے صرف پندرہ صفحات میں اَسّی سے زائد غلطیوں کی نشاندہی کر دی تھی اور ستم بالائے ستم یہ تھا

کہ ہمیں جھوٹ کے اس پلندے کی سماعت کے لیے مجبور کیا گیا اور مجھے بولنے سے روک دیا گیا؛ اگر وہ مجھے بات کرنے کی اجازت دے دیتے تو میں اُن سے کہتا: تم لوگ جب حریتِ فکر اور حریتِ ضمیر کے قانون کے تحت ان لوگوں کو کچھ نہیں کہتے جو تمہارے دین کا انکار کرتے ہیں، تمہارے آبا و اجداد کی توہین کرتے ہیں اور انہیں گمراہ کہتے ہیں، تمہارے نبی کو اور تمہارے قرآن کے قوانین کو ٹھکراتے ہیں اور انہیں قبول نہیں کرتے، میری مراد اس سے یہودی، عیسائی اور مجوسی ہیں اور خاص طور پر وہ منافق، مرتد اور غوغائی انارکسٹ ہیں جو بالشویکی تحریک کے پردے کے پیچھے کام کر رہے ہیں۔

اور پھر جب انگریز کی ظالم اور مسیحیّت کے لیے تعصب رکھنے والی حکومت ان مسلمانوں کو کچھ نہیں کہتی جو اس کی سلطنت و حاکمیت کے دائرے میں موجود ہیں۔[1]

اور ان کا محاسبہ بھی نہیں کرتی اور انہیں عدالتوں میں نہیں گھسیٹتی حالانکہ وہ قرآن پاک کے ہمہ وقت جاری رہتے دروس کی برکات سے انگریزوں کے باطل عقائد اور کفری قوانین و دساتیر کو یکسر ردّ کرتے ہیں......

اور جب حکومتوں کا یہ عام وطیرہ ہے کہ وہ ایسے لوگوں سے تعرّض نہیں کرتی ہیں جو افکار و خیالات کی اعلانیہ نشر و اشاعت کرتے رہتے ہیں......

اور جب میری گزشتہ چالیس سالہ زندگی کے حالات و واقعات، اور میری ایک سو تیس کتابیں، اور خاص کر میرے خطوط و مراسلات صوبہ ''اسپارٹا'' کی حکومت کی، ''دنیزلی'' کی عدالت، ''انقرہ'' کی فوجداری عدالت کی اور وزارتِ مذہبی امور کی تحقیقی و تفتیشی نظر سے گزر چکے ہیں اور ان تمام محکموں کے علاوہ اپیل کورٹ بھی ان پر دو تین مرتبہ تنقیدی نظر ڈال چکا ہے، اور رسائل نور دو تین سال تک ان کی تحویل میں رہ چکے ہیں، اور ان میں خصوصی اور غیر خصوصی تمام رسائل شامل ہیں؛ تو پھر یہ لوگ ایک بھی ایسا نقطہ یا شوشہ سامنے کیوں نہیں لا سکے جو سزا کا مستوجب ہو......

اور جب ہمارے چار سو صفحات تک جا پہنچنے والے دفاعی بیانات نے، اور ان رسائل نور نے ہماری بے گناہی ثابت کر دی ہے جنہوں نے میری کمزوری، مظلومیّت عاجزی اور میرے پُر آشوب حالات کے باوجود اپنے مافی الضمیر کا

---

[1] اے محترم استاد! آپ نے صرف اپنے دو کروڑ ہم وطنوں کا ہی نہیں بلکہ عالمِ اسلام کے ساڑھے تین ارب مسلمانوں کا بھی دفاع کیا ہے، ایسا دفاع کہ جس کے پیچھے صرف اور صرف اللہ کی خوشنودی کارفرما ہے اور جو قرآن کے انوار سے مزین ہے۔ اور اس بات کی دلیل کہ یہ صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے ہے: اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کی خدمت کی توفیق سے نوازا ہے۔
جس طرح موسیٰؑ فرعون کی گرفت سے بچ گئے تھے اور فرعون سمندر میں غرق ہو گیا تھا، اور جس طرح ہمارے رسول کریم ﷺ نے ائمۂ کفر کو پچھاڑ دیا تھا اور وہ جہنم کا ایندھن بن گئے تھے، اسی طرح رسائلِ نور نے ''اُسکی شہر'' میں ''رسالۃ المناجاۃ'' کے ذریعے اور ''دنیزلی'' میں ''رسالۃ الثمرۃ'' اور اُس کی حجت کے ذریعے اور ''آفیون'' میں اس درخواست کے لیے کفرِ مطلق کو اور بدبخت اربابِ زندیقیت کی روحوں کو جہنم میں گرا دیا ہے اور خود زندیقوں کی مبادیات اور ان کی تنظیموں تحریکوں کا تیاپانچہ کرتے ہوئے دنیا کے کونے کونے میں پھیل گئے ہیں۔ وللہ الحمد۔ (علی اصغر)

اظہار بذاتِ خود کیا، بالکل ایک ایسے ثابت قدم اور مضبوط اعصاب کے مالک حقیقی مرشد کہ جو دو ہزار حقیقی اور جانثار قسم کے مریدوں کی رہنمائی کرتا ہے اور وطن وقوم اور معاشرے کی منفعت وامن واستقرار کے لیے کام کرتا ہے......

تو پھر وہ کون سا قانون ہے، وہ کون سا ضمیر ہے اور وہ کون سی مصلحت ہے جس کے لیے، اور وہ کون سا جرم ہے جس کی پاداش میں تم لوگ ہمیں اتنی سخت سزاؤں سے گزار رہے ہو، ہماری اتنی زیادہ توہین کیوں کر رہے ہو اور ہمیں سلاخوں کے پیچھے کیوں دھکیل رہے ہو؟ روزِ محشر تمہیں عدالتِ عظمیٰ میں اس بات کا حساب بہرکیف ضرور دینا ہوگا۔

دُوسرا ظلم: مجھے سزا دینے کے لیے ایک وجہِ جواز میری چند صریح قرآنی آیات کی وہ تفسیر ہے جو میں نے پردے، وراثت، ذکر اللہ اور تعدُّدِ اَزواج کے مسائل کے بارے میں کی، یہ ایک لاجواب تفسیر ہے جو کہ مغربی تہذیب کی طرف سے وارد ہونے والے تمام اعتراضات کا اِزالہ کر دیتی ہے۔

اور میں ذیل میں اپنا وہی فقرہ دہراتا ہوں جو میں نے آج سے پندرہ سال پہلے لکھا اور ''اَسکی شہر'' کی عدالت میں، انقرہ کے اپیل کورٹ میں اور تحقیقاتی بورڈ میں پیش کیا تھا، اور یہ وہی فقرہ ہے جو انہوں نے میرے خلاف لکھی گئی چارج شیٹ میں لکھا تھا...... میں اس فقرے کو ایسے دہرا رہا ہوں کہ جیسے روزِ محشر کی عدالتِ عظمیٰ میں شکایت دائر کر رہا ہوں، اور اسے مستقبل کے اہلِ معرفت واہلِ ثقافت کے لیے بطور تنبیہ استعمال کر رہا ہوں، اور اسے اس انداز میں پیش کر رہا ہوں جس نے پورے عدل وانصاف کے ساتھ ہماری شکایت سُنی ہے اور ہمیں دومرتبہ بَری کیا ہے، اور اس اپیل کے ساتھ ''رسالۃُ الحجاعب'' کی سفارش بھی منتھی ہے، اسے میں بغیر کسی کمی بیشی کے انہیں الفاظ کے ساتھ اس بورڈ کے لیے پڑھ رہا ہوں جس نے مجھے بات کرنے سے روک دیا تھا اور صرف حِقد وحسد کے جذبات سے مغلوب ہو کر تیار کی جانے والی چارج شیٹ کی بنیاد پر میرے خلاف دو سال کی قیدِ تنہائی کا، اور ہمہ وقت کی کڑی نگرانی کے تحت دو سال کی جلاوطنی کا فیصلہ سنایا تھا جس میں ہم نے اَسّی عدد غلطیوں کی نشاندہی کر دی تھی۔

پس میں عدالت سے بآوازِ بلند کہتا ہوں، اور میری یہ آواز عصرِ حاضر کے بہرے کانوں کو بھی سن لینی چاہیے کہ:

اگر زمین پر کہیں عدل وانصاف کا وجود ہے، تو وہ اس ظالمانہ فیصلے کو بہرصورت ٹھکرا دے گا جو اس آدمی کے خلاف ہوا ہے جس نے تقدُّس مآب حقیقی دستورِ الٰہی کی بالکل وہی تفسیر کی ہے جو ساڑھے تیرہ سو سال سے ہوتی آرہی ہے اور ہر صدی میں ساڑھے تین سو ملین مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں معمول بہ رہی ہے...... اور جو تفسیر اس نے ساڑھے تین لاکھ تفسیروں کے اعتماد اور تصدیق پر اور سلف صالحین کے تیرہ سو سال سے چلے آنے والے عقیدے کی اقتدا میں لکھی ہے۔

اب یہ آدمی جس نے فکری اور علمی سطح پر کچھ ایسے اجنبی قوانین کو قبول نہیں کیا جن پر اس دور کے بعض تقاضوں کے تحت وقتی طور پر عمل درآمد کیا گیا، اور جس نے سیاست کو تیاگ دیا اور اجتماعی ومعاشرتی زندگی سے کنارہ کشی اختیار کر لی، اس

آدمی نے ان آیات کی جو تفسیر کی ہے، اس کی وجہ سے اگر اُسے مجرم قرار دے دیا جائے تو اس سے خود اسلام کا انکار لازم نہیں آئے گا؟ اور دین کے ساتھ گہری وابستگی رکھنے والے ایک ارب ابطال سلف صالحین کی توہین نہیں ہوگی؟ اور لاکھوں تفسیروں پر الزام نہیں آئے گا؟!

تیسرا ظلم: ایک اور وجہ جس کا بہانہ بنا کر ان لوگوں نے مجھے جیل بھیجنے کا فیصلہ کیا وہ ہے امن واستقرار میں خلل ڈالنا، جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ ان لوگوں نے ایک انتہائی ناممکن چیز پر لیپا پوتی کر کے اسے ایک واقعاتی چیز بنا دیا، اور پھر انہوں نے میرے خصوصی رسائل اور ذاتی مراسلات پر ہاتھ ڈالا اور دیگر رسائلِ نور کو اپنی تحویل میں لے لیا اور ہزاروں کلمات میں سے چالیس پچاس کلمات نکال لیے اور انہیں غلط معانی کا لبادہ اوڑھا دیا، پھر انہیں بنیاد بنا کر ہم پر الزام لگانے شروع کر دیے اور ہمیں سزائیں سنا دیں۔

اور میں ان لوگوں کو جو مجھے چالیس سال سے جانتے ہیں اور رسائل نور کے ہزاروں خصوصی شاگردوں کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ:

وہ آدمی جس نے اُس انگریزی جنرل کے خفیہ منصوبے کو ناکام بنا دیا جس نے استنبول پر قبضہ کیا تھا، اس منصوبے کا مقصد صرف مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنا تھا، اور یہ منصوبہ اس حد تک کامیاب بھی ہو گیا تھا کہ اس جنرل نے شیخ الاسلام اور بعض دیگر علما کے درمیان اختلافات ڈال کر ان کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا دیا تھا اور اتحادیوں اور ائتلافیوں[1] کو ایک دوسرے کے ساتھ اُلجھا دیا تھا، اور اس طرح اس نے یونانیوں کی جیت اور ''وطنی تحریک'' کی شکست کے لیے راستہ ہموار کر لیا تھا۔ لیکن میری ''خطواتِ ستہ'' نامی کتاب نے اس سازش کا بھانڈا چوراہے پر پھوڑ کر یہ منصوبہ ناکام بنا دیا ہے، یہ کتاب انگریزوں اور یونانیوں کے خلاف انگیخت کرتی ہے، اور اس کے طبع ونشر کی سعادت اشرف ادیب کے حصے میں آئی ہے۔

جی ہاں، جس آدمی نے اس جنرل کا خفیہ منصوبہ ناکام بنا دیا، اور جنرل کی اُسے جان سے مار دینے کی دھمکی بھی اُسے اپنے کام سے باز نہ رکھ سکی۔ اور باوجود اس کے کہ انقرہ کے زعما و اکابرین نے اس مقابلے میں اس کی کوششوں کو سراہتے ہوئے اُسے انقرہ آنے کی دعوت بھی دی، لیکن وہ بھاگ کر انقرہ نہ گیا......

اور وہ شخص جس نے اس وقت بھی قطعاً کوئی پرواہ نہ کی جب وہ روس کی قید میں تھا اور رُوس کے آرمی جنرل نے اسے جان سے مار دینے کا فیصلہ صادر کر دیا تھا۔

---

[1] اتحادیوں سے مراد انجمنِ اتحاد وترقی کے ارکان اور ہمنوا ہیں وائتلافیوں سے مراد انجمن ائتلاف وحرّیت کے ارکان اور ہمنوا ہیں۔ اس جماعت میں خلافتِ عثمانیہ کے دور میں مختلف نسلوں کے لوگ اکٹھے ہو گئے تھے، آزادی اور بے مرکزی اس کا خصوصی نعرہ تھا۔ انجمن اتحاد و ترقی کی اپوزیشن میں یہ سب سے مضبوط پارٹی تھی۔

اور وہ شخص جس نے 31 مارچ والے حادثے میں اپنے ایک خطبے کے ذریعے آٹھ عدد فوجی دستوں کا سرِ تسلیم خم کرا دیا تھا اور انہیں اطاعت وفرمانبرداری پر آمادہ کر دیا تھا۔

اور وہ شخص کہ جس سے فوجداری عدالت نے یہ کہتے ہوئے جواب طلبی کی تھی کہ کیا تو بھی قدامت پسند ہے اور شریعت کا مطالبہ کرتا ہے؟ تو اس نے اس بات کی قطعاً پرواہ نہ کرتے ہوئے کہ یہ لوگ اسے پھانسی پر لٹکا دیں گے، انہیں یہ جواب دیا تھا: مشروطیت اگر ایک گروہ کے ظلم واستبداد کا نام ہے تو پھر جن وانس گواہ رہیں کہ میں رجعیت پسند ہوں...... میں صرف شریعت کے ایک مسئلے پر بھی اپنی جان قربان کر دینے کے لیے تیار ہوں......

اور وہ شخص کہ جس نے اپنے اس موقف کے ذریعے عدالت کے افسروں کو گرویدہ کر لیا اور وہ اُس کے اس کردار کی داد دینے پر مجبور ہو گئے، اور عین اس وقت کہ جب وہ ان کی طرف سے اس بات کا منتظر تھا کہ وہ اس کے لیے پھانسی کا حکم صادر کر دیں گے، اچانک وہ اُس کی بے گناہی کا اور اُسے باعزّت بری کرنے کا فیصلہ کر دیتے ہیں، چنانچہ وہ ان کا شکریہ ادا کیے بغیر عدالت سے چلا آیا اور راستے میں اونچی آواز میں کہتا چلا گیا: ظالموں کے لیے جہنم بھڑکتی رہے۔

اور وہ شخص کہ جسے مصطفی کمال پاشا نے ایوان صدارت میں غضب ناک ہو کر دھمکی آمیز لہجے میں مخاطب کر کے کہا: ہم نے آپ کو یہاں اس لیے بلایا ہے کہ آپ اپنے افکارِ عالیہ کی وضاحت کریں لیکن آپ ایسی باتیں لکھ رہے ہیں جو نماز کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور ہمارے درمیان اختلاف کو ہوا دے رہی ہیں؟! تو اس نے پچاس ارکانِ اسمبلی کی موجودگی میں غضب ناک ہو کر اسے یہ جواب دیا: ایمان کے بعد سب سے بلند چیز نماز ہے، اور جو شخص نماز نہیں پڑھتا وہ خائن ہے، اور خائن کا حکم مردود ہے، تب مصطفی کمال نے اسے راضی کرنے کی کوشش کی، تا آنکہ اس کا غصّہ فرو ہو گیا......

اور وہ شخص کہ جس کے خلاف چھ صوبوں کی پولیس کی طرف سے یا حکومت کے عمومی اداروں کی طرف سے نقضِ امن کا کوئی مقدمہ درج نہیں ہوا ہے، اور رسائل نور کے ہزاروں شاگردوں طرف سے بھی اس قبیل کا کوئی واقعہ درج نہیں ہوا ہے، اور ان میں سے کسی کی طرف سے بھی کبھی سننے میں نہیں آیا ہے کہ اس نے کسی جرم کا ارتکاب کیا ہو، سوائے ایک چھوٹے سے واقعے کے جو ایک شخص کے ساتھ ذاتی دفاع کے معاملے میں پیش آیا......

اور وہ شخص کہ جو جب بھی جیل گیا وہاں کے قیدیوں کی اصلاح کر کے باہر آیا......

اور وہ شخص کہ جو اپنے قول اور فعل کے ساتھ یہ بات ثابت کرتا ہے کہ رسائلِ نور جو کہ لاکھوں کے حساب سے پھیل چکے ہیں ان سے صرف نفع ہی حاصل ہوا ہے نقصان نہیں، اور اس کے اس دعوے پر اس شخص کی زندگی کے تئیس سال گواہی دیتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں، تین عدد عدالتوں سے اور حکومتوں سے اور صوبوں سے صادر ہونے والے بے گناہی کے فیصلے، اور نور کی قدر وقیمت جاننے والے لاکھوں شاگرد گواہی دیتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں......

اور وہ شخص جو کہ احوالِ واقعی میں ایک گوشہ نشیں، یکہ وتنہا، فقیر، سن رسیدہ اور قبر کے دروازہ پر کھڑا انسان ہے......

اور وہ شخص کہ جو اپنی تمام تر قوت کے ساتھ اور محض قناعت و کفایت شعاری کی برکت سے فانی اشیا سے دستبردار ہو گیا اور باقی رہنے والی زندگی کی طلب میں لگ گیا اور اپنی سابقہ کوتاہیوں کا اِزالہ تلاش کرنے لگا......

اور وہ شخص جو کہ دنیاوی مراتب و مناصب کو خاطر میں نہیں لاتا......

اور وہ جو کہ اپنی شدّتِ شفقت کی وجہ سے ان لوگوں کے خلاف بد دعا تک نہیں کرتا جنہوں نے اس پر ظلم ڈھائے ہیں اور اُسے تکلیفوں سے دوچار کیا ہے، صرف اِس خوف سے کہ اس کے اس کردار سے کہیں بے گناہ اور عمر رسیدہ لوگوں کو نقصان نہ پہنچ جائے......

تو کیا ایسا آدمی جس کے بارے میں ہم نے یہ کچھ بتایا ہے، اس کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ ''یہ گوشہ نشیں بوڑھا امنِ عامہ میں خلل ڈال رہا ہے، سکون و قرار تباہ کر رہا ہے، اس کا مقصد صرف دنیاوی چالبازیاں ہیں، اس کے مراسلات اور اس کی خط و کتابتوں اور ملاقاتوں کا ہدف صرف دنیا ہے......اس لیے وہ مجرم ہے؟!''

جو لوگ ایسے آدمی کے بارے میں اس طرح کی باتیں کرتے ہیں، اور اسے شدید ترین حالات میں جیل کر دیتے ہیں، بلاشبہ وہ لوگ بہت بڑے جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں اور اللہ کی عدالتِ عظمیٰ میں اس کا حساب ضرور دیں گے۔

ذرا یہ سوچو کہ ایک ایسا آدمی جس نے اپنے ایک خطبے کے ذریعے آٹھ فوجی دستوں کو جھکا دیا اور انہیں اطاعت پر آمادہ کر دیا، اور جس نے آج سے چالیس سال قبل ہزاروں لوگوں کو اپنے صرف ایک مطبوعہ مضمون کے ذریعے اپنی صف میں آنے پر آمادہ کر دیا، اور جن تین قائدین کا ابھی ذکر ہوا وہ ان میں سے ایک سے بھی خوف زدہ نہ ہوا اور ان کے ساتھ مداہنت سے کام نہ لیا، اور جس نے عدالت کے کٹہرے میں علی الاعلان یہ کہہ دیا: اگر میرے اتنے سر ہوں جتنے میرے سر کے بال ہیں، اور ان میں سے ہر روز ایک سر کاٹ دیا جائے تو بھی میں ان ظالموں کے سامنے اپنا وہ سر نہیں جھکاؤں گا جو میں نے قرآنی حقیقت کی نذر کر دیا ہے، اور زندیقیت و ضلالت کے آگے جھک کر وطن و قوم و اسلام کے ساتھ خیانت نہیں کروں گا، اور جس کا ''امیر داغ'' میں پانچ دس اخروی بھائیوں کے اور تین چار اپنے خدمتگزاروں کے علاوہ کسی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا......

ایسے آدمی کے بارے میں چارج شیٹ میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس سعید نے ''امیر داغ'' میں بڑے خفیہ طریقے سے کام کیا ہے اور امن و استقرار میں خلل ڈالنے کے لیے بعض لوگوں کی ذہن سازی کی ہے، اس کے اردگرد کوئی پندرہ بیس آدمی ہیں جو اس کی تعریف کرتے رہتے اور اُس کی آنکھوں پر پردے ڈالتے رہتے ہیں، اُن کے آپس میں لکھے گئے خطوط یہ واضح کرتے ہیں کہ یہ ایک ایسی خفیہ قسم کی سیاسی تحریک چلا رہا ہے جو حکومت اور انقلاب کے یکسر مخالف ہے؟!

وہ اتنا ظلم کیوں سہہ رہا ہے، اتنی تکلیفوں سے کیوں دوچار ہے، اُسے دو سال تک ایسی دشمنی اور ایسی اہانت کے ساتھ قید تنہائی میں کیوں رکھا جاتا ہے کہ جس کی مثال ہی نہیں ملتی؟! اور اسے عدالتوں میں اپنا موقف بیان کرنے سے روک

کیوں دیا جاتا ہے؟!

اس آدمی کے بارے میں کیا خیال ہے، جس نے لوگوں کی اپنی حیثیت سے کئی گنا بڑھ کر توجہ حاصل کر لی، اپنے ایک خطبے کے ذریعے ہزاروں لوگوں کو پھر سے اطاعت گزار بنا دیا، اور اپنے ایک مضمون کے ذریعے لوگوں کی حالت یہ بنا دی کہ وہ جوق در جوق جمعیتِ اتحادِ محمدی ﷺ میں شامل ہونے لگے، اور مسجد ''ایا صوفیا'' میں لوگوں پر ایسی تاثیر ڈالی کہ پچاس ہزار لوگ اس کے خطبے کو پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ ہمہ تن گوش ہو کر سننے لگے...... کیا ایسے آدمی کے لیے ممکن ہے کہ وہ ''امیر داغ'' میں اس انداز سے کام کرے جیسے تم لوگ سمجھے بیٹھے ہو؟ اور پھر اس کی اس بھرپور کوشش کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ صرف پانچ دس آدمیوں کو ہی پٹری سے اُتار سکے؟ کیا یہ بات کسی بھی طرح قابلِ قبول ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی آخرت کے عمل کو ایک طرف رکھ کر سیاست کی بھول بھلیوں میں کھو جائے؟ اور قبر کو — کہ جس کے وہ دھانے پر کھڑا ہے — انوار کی بجائے ظلمات سے بھر لے؟ خود شیطان بھی کسی کو اس بات کا قائل نہیں کر سکتا......

چوتھا ظلم: ان لوگوں نے میرے انگریزی ہیٹ نہ پہننے کو مجھے جیل بھیجنے کا موجب قرار دے دیا، اور مجھے اپنا موقف بیان کرنے سے روک دیا، ورنہ میں تو ان لوگوں سے جو مجھے مجرم بنانے پر تلے ہوئے ہیں یہ کہنا چاہتا تھا:

باوجود اس کے کہ میں ''قسطمونو'' میں تین مہینے تک پولیس چوکی میں پولیس کا مہمان رہا، لیکن ان لوگوں نے مجھ سے ایک بار بھی ہیٹ پہننے کا مطالبہ نہ کیا، اور میں تین عدالتوں میں اس طرح گیا کہ نہ تو میں نے ہیٹ پہنا اور نہ اپنا سر ننگا کیا؛ لیکن انہوں نے مجھے کچھ نہ کہا......

اور باوجود اس کے کہ بعض مُلحد ظالموں نے اس چیز کو بہانہ بنا کر مجھے تیئس سال تک غیر سرکاری اور غیر قانونی طور پر انتہائی جان لیوا قسم کی کڑی سزاؤں سے دوچار کیا......

اور باوجود اس کے کہ بچوں کو، عورتوں کو، اکثر دیہاتیوں کو، سرکاری محکموں میں سرکاری ملازموں کو اور انگریزی ہیٹ کے علاوہ دیگر قسم کی ٹوپیاں پہننے والے لوگوں کو انگریزی ہیٹ پہننے پر مجبور نہیں کیا جاتا......

اور باوجود اس کے کہ اس کے پہننے میں کوئی مادی منفعت کارفرما نہیں ہے......

اور باوجود اس کے کہ میں — ایک گوشہ نشیں آدمی نے — اس افرنگی ہیٹ کے نہ پہننے کی وجہ سے بیس سال سخت سزا پائی ہے جس کی ممانعت پر تمام مجتہدین اور شیخ الاسلام کے منصب پر فائز ہونے والے عمومی علمائے کرام کا اتفاق ہے، اور اس بہانے کی وجہ سے میرے خلاف بڑا پروپیگنڈہ کیا گیا اور بہت زیادہ زہر اُگلا گیا......

جی ہاں، ان سب چیزوں کے باوجود یہ لوگ پہناوے کے ساتھ تعلق رکھنے والی ایک معمولی سی عادت کو بہانہ بنا کر مجھے پھر سے مجرم ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، اور یہ تماشا عین اس وقت ہو رہا ہے جب وہ شخص

آزادی کے دعوے کی بنا پر رمضان شریف میں نماز چھوڑنے والے کو اور دن دیہاڑے شراب نوشی کرنے والے کو کچھ نہیں کہتے!!!

آگاہ رہیں کہ یہ لوگ جب موت کے ہاتھوں ابدی طور پر معدوم ہو جائیں گے اور قبر میں دائمی قیدِ تنہائی سے دو چار ہوں گے تو ان سے اس عدالتِ عظمیٰ میں اُن کی اس غلطی کے بارے میں بہر صورت پوچھا جائے گا۔

پانچواں ظلم: رسائلِ نور کو تینتیس آیات کے اشارات کا مظہر ہونے کا شرف حاصل ہے، جو کہ اِن کی طرف استحسان کا اشارہ کرتی ہیں، اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرّہ کی طرف سے، دیگر اولیا اور لاکھوں اہلِ ایمان کی طرف سے داد و تحسین حاصل کر چکے ہیں، اور سینکڑوں اہل ایمان کی طرف سے تصدیق حاصل کر چکے ہیں، اور بیس سال میں قوم و وطن کو نقصان پہنچائے بغیر بہت زیادہ نفع دے چکے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان لوگوں نے انتہائی پست اور واہیات قسم کے بہانوں کے ذریعے انہیں ضبط کروانے کی پوری کوشش کی، حتیٰ کہ ''ذوالفقار'' اور ''معجزاتِ رسولؐ'' نامی مجموعے کو صرف اس بنا پر ضبط کرانے کی کوشش کی کہ اس میں دو آیتوں کی حقیقی تفسیر ہے جو کہ دو صفحات پر مشتمل ہے، حالانکہ چار سو صفحات کا یہ مجموعہ اتنا ہی نفیس اور گرانقدر نفع کا حامل ہے، اور اسے یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے ایک لاکھ لوگوں کے ایمان کو بچایا اور مضبوط کیا ہے۔ یہ مجموعہ بہت پہلے لکھا گیا تھا اور ریاست کے قانونِ عفو کے تحت آ چکا ہے اور اس کو لکھے ہوئے ایک عرصہ بیت چکا ہے۔

اس تیسری چارج شیٹ کی جو آدمی بھی سماعت کرے گا اور ان فیصلوں کو پڑھے گا جو ہم نے شائع کر دیے ہیں، وہ یقیناً کہے گا کہ جس طرح کل اِن لوگوں نے اُس نفیس کتاب پر پابندی لگا دی تھی اسی طرح آج یہ لوگ ہر رسالے سے ایک دو لفظ لے کر اور اسے غلط معنی دے کر اور پھر اپنے دیے ہوئے معانی کو بنیاد بنا کر تمام رسائل کو ضبط کرنا چاہتے ہیں۔

اور ہم کہتے ہیں کہ ہم نے ہر مصیبت کے لیے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ... اور حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ تیار کر رکھا ہے۔

چھٹا ظلم: رسائلِ نور میں واضح اور تابندہ تر ایمان پُرور دلائل و براہین سے اور عین الیقین تک پہنچے ہوئے قرآنی علوم سے بعض طلاّبِ نور کو بہت فائدہ ہوا تو ان طالب علموں نے ان دلائل و براہین کے ترجمان یعنی اِس فقیر کے بارے میں کچھ زیادہ ہی حُسنِ ظن کا اظہار کر دیا۔ اور قدر دانی، برکت اور شکر و سپاس کے اظہار کے لیے اور لوگوں کو رسائل نور میں رغبت دلانے کے لیے انہوں نے میرے لیے کچھ زیادہ ہی تعریفی کلمات ادا کرنا شروع کر دیے......اب جن لوگوں نے ان تعریفی جذبات کو قابلِ مؤاخذہ جرم قرار دے دیا ہے میں ان سے کہتا ہوں:

میں جن دنوں عاجز، ضعیف، اجنبی، پردیسی اور اَن پڑھ قسم کا آدمی تھا، مختلف قسم کے ناروا حملے کر کے لوگوں کو مجھ سے دُور بھگایا جاتا تھا اور انہیں مجھ سے نفرت دلائی جاتی تھی، ان دنوں میں نے قرآن کریم کی ادویات سے اور اس کے

مقدّس ایمانی حقائق سے اپنی بیماریوں کی دوا پالی تھی، اور مجھے اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ یہ دوا اس قوم کے لیے اور اہلِ وطن کے لیے بھی کارگر ثابت ہو گی، تب میں نے اُن نفیس حقائق کو مدوّن کرنا شروع کر دیا۔ اور عین اس وقت کہ جب میں خوشنویس نہ ہونے کی وجہ سے کسی ایسے شخص کا سخت محتاج تھا جو میرا معاون بنے، اچانک عنایتِ الٰہیہ نے مجھے صدق وثبات کے پیکر خصوصی معاون مہیا کر دیے، اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ان لوگوں نے مجھے جس حسنِ ظن سے نوازا ہے، ان کے دلوں سے جو میری تعریف نکلتی ہے، اُسے ٹھکرا دینا اور اس کے آگے روک لگا کر ان کی دل شکنی کرنا، اس قرآنی خزانے سے حاصل ہونے والے انوار کی توہین ہو گی اور اس کے ساتھ دشمنی کے مترادف ہو گا، اور تب یہ ہیرے جیسے قلموں اور بہادر دلوں کے مالک معاونین مجھ سے دور ہو جائیں گے۔ پس اسی چیز کو سامنے رکھ میں ان کی وہ تعریف جو وہ میری مفلس اور سادہ لوح شخصیت کی کیا کرتے تھے، میں وہ تعریف اس کے اصل مالک وحق دار کی طرف لوٹا دیتا تھا، اس سے میری مراد رسائلِ نور ہیں جو کہ قرآن کا ایک معنوی معجزہ ہیں، اسی طرح وہ تعریف میں ان رسائل کے خصوصی طالب علموں کی معنوی شخصیت کی طرف لوٹا دیا کرتا تھا، اور اُس وقت میں انہیں یہ کہتے ہوئے خبردار کیا کرتا تھا کہ: تم لوگ میری تعریف میری حیثیت سے بڑھ کر کرتے ہو۔

تو کیا کوئی ایسا قانون بھی موجود ہے جو کسی شخص کو صرف اس بنا پر مجرم بنا دے کہ دوسرے لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں، اگرچہ وہ انہیں روکتا بھی ہو اور اس چیز کو ناپسند بھی کرتا ہو؟ جس کی روشنی میں یہ سرکاری افسر مجھے مجرم بنا رہا ہے اور قانونی تقاضے پورے کر رہا ہے؟

پھر ہمارے خلاف جو فیصلہ ہوا اس کے صفحہ نمبر چوّن پہ ذکر کیا گیا ہے:

''مردِ آخرِ زمان اہلِ بیت کی نسل سے ہو گا، اور ہم طلّابِ نور کا شمار ہو سکتا ہے کہ معنوی طور پر اہلِ بیت میں ہو جائے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔''

اور اس میں یہ بھی ہے:

''مسلکِ نور میں انانیت کی گنجائش نہیں ہے، اور اس میں ذاتی نمائندگی، ذاتی مراتب ومناصب کی، اور شہرت اور شان وشوکت کی طلب جائز نہیں، حتی کہ اگر مجھے اُخروی مقامات بھی عطا کر دیے جائیں تو میں انہیں صرف اس بنا پر ترک کر دینے پر مجبور ہو جاؤں گا کہ مبادا اخلاص میں پائے جانے والے نور میں خلل آجائے۔''

اور اس کے صفحہ نمبر بائیس اور تیئس پہ مذکور ہے:

''انسان کے اپنے عیوب کو پہچان جانے کی حیثیت سے، اپنے فقر وعجز اور حضرتِ الٰہیہ کی درگاہ میں پناہ جوئی اور جبہ سائی کا ادراک کر جانے کی حیثیت سے میں اپنے آپ کو کسی بھی دوسرے انسان سے زیادہ

عاجز، مسکین اور مرقع عیوب شمار کرتا ہوں، اس بنا پر، اگر تمام مخلوق بھی میری مدح وثنا میں لگ جائے، تو وہ مجھے اس بات پر مطمئن نہیں کر سکے گی کہ میں کوئی نیک پاک اور صاحبِ کمال آدمی ہوں۔ میری ایک تیسری شخصیت بھی ہے جو تم لوگوں سے پوشیدہ ہے اور جس کے بارے میں مَیں آپ لوگوں کو کچھ بتا تا ہوں، وہ بڑی بُری شخصیت ہے[1] اور اس کے بارے میں اس لیے کچھ نہیں بتا تا ہوں تا کہ تم لوگوں کو اپنے بارے میں کلّی طور نفرت نہ دلا بیٹھوں؛ بس صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص مہربانی سے میری ذات کو قرآنی اسرار کے لیے ایک عام سے سپاہی کی حیثیت سے استعمال کر رہا ہے، فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ کَثِیْرًا۔ پس میری ذات سب سے ادنیٰ ہے اور وظیفہ سب سے اعلیٰ۔''

اس کے باوجود بھی کوئی آتا ہے اور مجھے اس بنا پر مجرم بنا دیتا ہے کہ لوگ میری تعریف کرتے ہیں اور مجھے — رسائلِ نور کی تعبیر کے مطابق — کوئی جلیل القدر مرشد سمجھتے ہیں، جو لوگ مجھے صرف اس وجہ مجرم گردان رہے ہیں وہ اپنے اس کرتوت کی پاداش میں بہر صورت دردناک سزا پائیں گے۔

ساتواں ظلم: برعکس اس کے کہ ''دنیزلی'' اور ''انقرہ'' کی فوجداری عدالت نے اور اپیل کورٹ نے ہماری اور رسائلِ نور کی بے گناہی کا فیصلہ دے دیا اور ہمارے تمام رسائل و مراسلات ہمیں واپس کر دیے......

اور برعکس اس کے کہ ''آفیون'' کی عدالت کے فیصلے کو کالعدم قرار دیتے ہوئے اپیل کورٹ نے یہ بات صراحت کے ساتھ کہہ دی تھی کہ ''دنیزلی'' کی عدالت سے صادر ہونے والے بے گناہی کے فیصلے میں اگر بالفرض کوئی غلطی ہے بھی، تو بھی یہ فیصلہ حتمی اور قطعی ہے۔ اس مقدمے کی سماعت اب نئے سرے سے نہیں ہو سکتی......

اور برعکس اس کے کہ میں ''امیر داغ'' میں تین سال تک گوشہ نشیں رہا، اور میں ان دو تین درزیوں کے علاوہ کسی سے بات چیت نہیں کرتا تھا جو مزدوری کرتے تھے، اور باری باری میرا ہاتھ بٹاتے تھے، اور اسی طرح چند دیندار لوگ اور بھی تھے جن کے ساتھ بہت ہی کم اور وہ بھی کسی شدید ضرورت کے تحت پانچ دس منٹ بات کر لیتا تھا......

اور علی الرغم اس کے کہ میں ہفتہ میں صرف ایک آدھ خط ہی لکھتا تھا جو انوار کے بارے میں رغبت دلانے کے لیے کسی ایک طرف بھیج دیا کرتا تھا، اور اپنے سگے بھائی کی طرف جو کہ مفتی کے منصب پر فائز تھا، میں نے تین سالوں کے دوران صرف تین خط لکھے۔

اور برعکس اس کے کہ میں تین سال تک تصنیف و تالیف کے شغل سے دستکش رہا، اور اس کے بعد اہل قرآن کے لیے مفید ثابت ہونے والے صرف دو نکتے لکھے جو کہ بیس صفحات پر مشتمل تھے، ان میں ایک قرآن پاک میں تکرار کی حکمت کے بارے میں تھا اور دوسرا فرشتوں کے بارے میں، اور ان سے ہٹ کر میں ان رسائل کو جو عدالتوں نے واپس کیے

[1] اس مسئلے کی تفصیل کے لیے ''چھبیسویں مکتوب'' کے دوسرے مبحث کی طرف رجوع کریں۔

تھے، ایک مجموعے کی شکل میں یکجا کرنے اور عربی رسم الخط میں مطبوعہ ''الآیۃ الکبریٰ'' نامی رسالے کی تصحیح میں مصروف رہا، اور عدالت نے جب ہمیں اس کے پانچ سو نسخے واپس کر دیے، اور فوٹو کاپی مشین کے استعمال پر کوئی سرکاری پابندی بھی نہ رہی تو میں نے اپنے بھائیوں کو اس کی طباعت کی اجازت بھی دے دی تھی تاکہ عالمِ اسلام اس سے مستفید ہو سکے......

اور برعکس اس کے کہ میرا سیاست کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، اور میں نے تمام جلاوطن لوگوں کے برعکس گھر لوٹنے کے بجائے پردیس کو اس کی تمام تر مشقتوں اور مصیبتوں سمیت قبول کر لیا، حالانکہ سرکاری طور واپسی کی اجازت ہو چکی تھی، لیکن میں نے سیاست اور دنیا میں دخل اندازی سے بچنے کے لیے پردیس میں رہنے کو ترجیح دی......

جی ہاں، ان تمام چیزوں کے برعکس ایک آدمی اُٹھتا ہے اور باطل قسم کی تہمتوں سے، جھوٹے واقعات سے اور غلط معانی و مفاہیم کے ذریعے مجھے مجرم بنانے کی کوششوں میں مصروف ہو جاتا ہے، اور اس طرح کے تمام الزامات وہ اس تیسرے استغاثے میں درج کر دیتا ہے!! دو قطعی قسم کی باتیں ایسی ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ اس شخص کی نیت میں فتور ہے، اور یہ شخص انہی دو باتوں کے زیرِ اثر اس ناپاک کوشش میں مصروف ہے لیکن میں اُن دو باتوں کا فی الحال ذکر نہیں کروں گا، البتہ پچھلے دو ماہ سے وہ شخص میرے ساتھ جو برتاؤ کر رہا ہے، وہ بتاتا ہے کہ وہ باتیں ہیں ضرور، فی الحال تو میں یہی کہوں گا کہ اس کے قبر و سقر ہی کافی ہیں، اور اُسے عدالتِ عظمیٰ کے حوالے کرتا ہوں۔

آٹھواں ظلم: ''پانچویں شعاع'' نامی رسالہ ''سراج النور'' نامی مجموعے کے آخر میں درج کر دیا گیا ہے، اور اس کے ساتھ میرا وہ دفاعی بیان بھی درج کر دیا گیا ہے جو ''دنیزلی'' کی عدالت سے ہماری برأت کا سبب بنا تھا۔ اس ''پانچویں شعاع'' نامی رسالے کو وہاں ''دنیزلی'' اور ''انقرہ'' کی عدالتوں سے صادر ہونے والے فیصلے کی بنا پر درج کیا گیا تھا؛ کیونکہ یہ رسالہ مکمل دو سال تک ان دونوں عدالتوں میں رہا اور پھر ہمیں واپس کر دیا گیا۔

اس سے قبل تو ہم اس رسالے کو ایک خصوصی رسالہ شمار کرتے تھے، سب کے لیے نہیں، لیکن پھر جب ہم نے دیکھا کہ عدالتوں نے اس کے حق میں برملا فیصلہ دے دیا ہے اور اسے بری کر کے ہمیں واپس لوٹا دیا ہے، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بالکل بے ضرر ہے؛ تو میں نے اس کے نقل و نسخ کی اجازت دے دی۔

''پانچویں شعاع'' کا اصل موضوع کچھ متشابہ احادیث ہیں جو میں نے تقریباً چالیس سال قبل اکٹھی کی تھیں، اور یہ حدیثیں امت میں عرصۂ دراز سے پھیلی ہوئی ہیں، اور باوجود اس کے کہ محدثین نے ان میں سے بعض کو ضعیف کہا ہے، اور اُن کے ظاہری معانی پر اعتراض وارد ہوتے ہیں، تو ہم نے اہلِ ایمان کے ایمان کو شبہات سے بچانے کے لیے یہ رسالہ رقم کیا۔

لیکن پھر تھوڑے ہی عرصے کے بعد وہ اچھوتی تعبیر اُبھر کر آنکھوں کے سامنے آ گئی جس کی روشنی میں اِن احادیث کی تأویل کی گئی تھی، تب ہم نے اس رسالے کو اپنے ذاتی رسائل کی تہ میں رکھ کر چھپا لیا تاکہ اس سے کوئی غلط فہمی ظہور میں نہ

آ جائے۔ پھر کچھ عرصے کے بعد چند عدالتوں نے اس کا بغور جائزہ لے کر ہمیں واپس کر دیا، اور ان عدالتوں سے واگزار کر دینا ہی اُس کے پھیلنے کا اور مشہور ہو جانے کا سبب بن گیا۔

لیکن اس سب کے باوجود اِن دنوں کوئی پھر سے آ جاتا ہے اور اُس کی وجہ سے مجھے مجرم بنانے پر تُل جاتا ہے!! یہ روشِ حق وعدل وانصاف سے کتنی دُور ہے؟!

جن لوگوں نے صرف اپنے ذاتی عقائد ونظریات کی بنا پر مجھے مجرم ٹھہرایا ہے، ان کا معاملہ ہم اُن کے ضمیر اور وجدان پر چھوڑ دیتے ہیں اور انہیں یہ کہتے ہوئے عدالتِ عظمیٰ کے حوالے کرتے ہیں کہ: حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ.

نواں ظلم: یہ ایک انتہائی قسم کا بدترین ظلم ہے، لیکن اس چیز کا خیال کرتے ہوئے کہ ان لوگوں نے رسائلِ نور کو پڑھا ہے، میں اس کا ذکر نہیں کر رہا ہوں تاکہ وہ کہیں بھڑک نہ اُٹھیں۔

دسواں ظلم: یہ بھی بڑا بھاری اور بدترین ظلم ہے، اس کا ذکر بھی میں اسی چیز کو سامنے رکھ کر نہیں کر رہا ہوں کہ وہ کہیں سیخ پا نہ ہو جائیں۔[1]

☆ ☆ ☆

[1] رسائلِ نور کو رسول گرامی ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کا شرف حاصل ہے، چنانچہ جس طرح آپ ﷺ نے جن وانس کے لیے اپنی نبوت کا اظہار اپنے جلیل القدر معجزے معراج کے ذریعے کیا، اور جس طرح آپ ﷺ نے اس معجزے میں جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کیا اور جن وانس کو مشرکین ومنافقین کے دعوے کا ابطال کرتے ہوئے حشر نشر اور عدالت عظمیٰ کے وجود کی خبر دی؛ اسی طرح رسائل نور نے اس دور میں کہ جس میں ایمانی واعتقادی مراکز میں اُتھل پُتھل ہو چکی ہے اپنی اس شکایتی درخواست کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے وجود کا، اس کے عدل و انصاف کا اور عدالتِ عظمیٰ کا اظہار کیا ہے۔ اور اہلِ ایمان میں سے، ماہرین کی کمیٹی میں سے اور عدالتی بورڈ میں سے جو لوگ شک وشبہہ میں گرفتار ہو گئے ہیں، ان کے لیے اس چیز کو طشت اَز بام کر دیا ہے، اور انہوں نے عالمِ غیب کی جھلک عالمِ شہادت میں دکھا دی ہے، اور جنت کو اہلِ ایمان کی آنکھوں کے سامنے اور جہنم کو ان لوگوں کی آنکھوں کے سامنے پیش کر دیا ہے جو گمراہی اور کفر مطلق کی کھائیوں میں گر چکے ہیں اور انہوں نے لوگوں کے لیے ایمان کو حق الیقین کے درجے میں اس طرح ثابت کر دیا ہے کہ شک وشبے کی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ان کے مؤلف کو جزائے خیر عطا کرے اور اس سے ہمیشہ کے لیے راضی ہو جائے۔ (علی اصغر)

بدیعُ الزمان سعید نورسی کے وہ خطوط جو انہوں نے اپنے بعض شاگردوں کو اس وقت لکھے جب وہ ''آفیون'' میں قیدِ تنہائی کی سزا کاٹ رہے تھے [1]

باسمہ سبحانہ

میرے معزز و فادار بھائیو!

یہ خط میں آپ لوگوں کو مبارکباد دینے کے لیے لکھ رہا ہوں نہ کہ تعزیت کے لیے، تقدیرِ الٰہی ہمیں جب کسی حکمت کے تحت اس تیسرے مدرسۂ یوسفیہ میں لے آئی ہے، اور اُس نے ہمارے نصیب میں اس جگہ کا رزق لکھ دیا ہے جو ہمیں بلا رہا ہے کہ آؤ مجھے حاصل کرلو......

اور جب عنایتِ الٰہیہ نے ہمیں ﴿وَعَسَى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ﴾ کا مظہر بنا ہی دیا ہے، جیسے کہ آج تک قطعی تجارب کے ذریعے ثابت ہو چکا ہے......

اور جب ہمارے اس مدرسۂ یوسفیہ میں آنے والے بھائی انوار میں پائی جانے والی تسلی کے سب سے زیادہ محتاج ہیں۔

اور جب رجالِ عدالت، نُور کے قواعد اور اس کے قدسی قوانین کے تمام ذمہ داروں سے زیادہ محتاج ہیں......

اور جب نور کے بہت سے نسخے جیل سے باہر تمہاری ذمہ داری نبھا رہے ہیں، اور ان کی فتوحات بغیر توقُّف کے جاری و ساری ہیں......

اور جب یہاں زمنِ فانی کی ہر ساعت عبادت کی برکت سے ہمیشہ رہنے والی بہت سے ساعتوں کا رُوپ اختیار کر جاتی ہے......

تو پھر بلا شبہ ہمیں اس مصیبت کا سامنا اس میں پائے جانے والے مذکورہ معانی پر خوش ہوتے ہوئے اور ان پر شکر ادا کرتے ہوئے کمال صبر و ثبات کے ساتھ کرنا ہوگا۔

میں نے جو چھوٹے چھوٹے خط تُم لوگوں کو ''دنیزلی'' میں لکھے تھے وہ پھر سے لکھ رہا ہوں؛ کیونکہ حقائق پر مشتمل یہ گہرے فقرے تم لوگوں کے لیے دلاسے کا باعث بنیں گے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

[1] استاد نورسی نے یہ خطوط اپنے ان شاگردوں کو لکھے جو اُن کے ساتھ جیل میں قید تھے، وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ سب قید تنہائی میں تھے اور ان کی آپس میں ملاقات ممکن نہیں تھی۔

باسمہ سبحانہ

میرے معزز وفادار بھائیو!

اوّلاً: مجھ پر جورؔ و قدح ہو رہی ہے، اور مجھے جو تکلیفیں پہنچائی جا رہی ہیں، ان کی وجہ سے تم لوگوں کو کبیدہ خاطر اور دلبرداشتہ نہیں ہونا چاہیے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو رسائلِ نور میں تو ایسا کوئی عیب نظر نہیں آتا جس کی بنا پر ان کی حرف گیری کر سکیں، تو چار و نا چار وہ ان کے بجائے میری سادہ لوح اور مجمع العیوب شخصیت کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں؛ اور میں اس پر ممنونِ احسان ہوں، بلکہ رسائلِ نور کی سلامتی اور ان کے مقام و مرتبے کی حفاظت میں مجھے اپنی ذات کے لیے ہزاروں آلام و مصائب کا اور ہزاروں نکتہ چینیوں کا سامنا کرنا پڑے، تو ان رسائل سے حاصل کیے ہوئے درس کا تقاضا یہ ہے کہ میں اس طرح کے ہر سلوک کا سامنا شکر و افتخار کے ساتھ کروں؛ اس لیے تم لوگوں کو خاص کر اس ضمن میں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

ثانیاً: ہم جو ایک بڑے وسیع پیانے انتہائی خطرناک حملے سے دو چار ہیں، اُس کا زور اِن دنوں کافی حد تک ٹوٹ چکا ہے اور اس کی حدّت بیس سے ایک فیصد رہ گئی ہے؛ کیونکہ ان لوگوں نے ہزاروں خواص کے بجائے چند فاضل لوگوں کو ہی گرفتار کیا ہے، اور رسائلِ نور کے ساتھ گہری وابستگی رکھنے والے پرانے ہزاروں طالب علموں کے بجائے چند نئے بھائیوں کو ہی پکڑا ہے، اِس کا مطلب یہ ہے کہ حملہ ہوا تو ہے، لیکن اللہ کی مہربانی سے انتہائی ہلکی صورت میں۔

ثالثاً: حملے کی شدّت میں ایک قوی احتمال موجود ہے جو کہ اس حملے کی شدّت میں کمی آنے کی وجہ کی وضاحت کرتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ پرانا گورنر جو کہ مسلسل دو سال ہمارے خلاف سازشوں کے جال بُنتا رہا، اللہ کے فضل و کرم سے ایسا گیا ہے کہ دوبارہ نہیں آئے گا، اور وزیرِ داخلہ کہ جسے ہمارے خلاف بہت زیادہ بھڑکایا گیا تھا، ایک ایسے گھرانے سے تعلق رکھتا ہے جس کے آباؤ اجداد دینداری میں مشہور تھے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ میرے پرانے شناساؤں میں سے ہے، اس لیے نا اُمید ہونے اور غم اُٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں......

رابعاً: بہت سے تجارب اور بہت سے حادثات و واقعات ایسے ہیں کہ جنھوں نے ہمیں یہ قطعی اطمینان عطا کر دیا ہے کہ اگر رسائلِ نور روتے ہیں تو زمین میں بھونچال آ جاتا ہے یا آسمان رونا شروع کر دیتا ہے، اور اس بات کا مشاہدہ ہم نے بہت دفعہ اپنی آنکھوں سے کیا ہے اور بعض مشاہدات کا اثبات ہم عدالت میں بھی کر چکے ہیں؛ چنانچہ اس سال پت جھڑ کا اپنی آمد کے آغاز میں اس طرح سے مسکرانا کہ گویا وہ بہار ہی کا موسم ہو، موسم کی یہ مسکراہٹ رسائلِ نور کی مسکراہٹ کے ساتھ اور فوٹوسٹیٹ مشین کے ذریعے اُن کا خفیہ طریقے سے پھیل جانے کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے، اور ضبطگی اور پابندی لگ جانے کے خوف سے ان کے ہر جگہ پر پھیلاؤ کے رُک جانے کی وجہ سے ان کا رونا موسم سرما کے اچانک رونے اور اس کے کھنکناتی ہوئی خوفناک پت جھڑ میں تبدیل ہو جانے کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔ اور میرا

اندازہ یہ ہے کہ یہ چیز اس بات کی علامت ہے کہ رسائلِ نور قرآنی حقیقت کے مُجملہ معجزات میں سے ایک ایسا معجزہ ہیں جو اس دور میں پوری آب وتاب کے ساتھ جگمگا رہے ہیں، اور یہ کہ اس زمین کا اور کائنات کا ان کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے عزیز وفادار بھائیو!

اپنے ساتھ پیش آنے والی ایک انتہائی لطیف اور عجیب وغریب حالت کا بیان کرنا بہت ضروری ہے، اور وہ یہ ہے:

پچھلے زمانے میں جو لوگ جہاد میں شامل ہوئے ان میں سے کچھ لوگوں نے دیکھا کہ ایک مشہور عالم دین بہت سے محاذوں پر بیک وقت جنگ لڑ رہے ہیں، جنگ ختم ہونے پر جب وہ لوگ واپس ہوئے اور انہوں نے اپنے مشاہدے کے متعلق بتایا تو وہ عالمِ دین کہنے لگے: کچھ اولیائے کرام نے میرے رُوپ میں آ کر میری جگہ پر یہ کارنامے سرانجام دیے ہیں، تا کہ مجھے اَجر ملے اور اہلِ ایمان کو میرے درسوں سے جو فائدہ حاصل ہو رہا ہے وہ جاری رہے، منقطع نہ ہو۔

میرے ساتھ بھی ''دنیزلی'' میں بعینہٖ اسی طرح کا واقعہ پیش آیا، اور وہ اس طرح کہ جب لوگوں نے مجھے مسجد میں موجود دیکھا، حتیٰ کہ یہ خبر سرکاری محکموں تک بھی پہنچ گئی، اور جیلر اور گیٹ کیپر کو بھی اس کا پتا چل گیا، اور لوگ قلق و اضطراب کے عالم میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے: اس کے باہر آنے کے لیے جیل کا دروازہ کون کھولتا ہے؟

یہاں بھی بعینہٖ اسی طرح ہو رہا ہے، جبکہ اصل صورتِ حال یہ ہے کہ جو چیز انوار پر اعتماد کو مضبوط کرتی ہے، وہ میرے جیسے عام سے مرقّعِ عیوب آدمی کی طرف منسوب ہونے والا یہ خارقِ عادت واقعہ نہیں بلکہ رسائلِ نور کے وہ خوارق ہیں جنھیں پیش کرنے کی ذمہ داری ''غیبی تصدیق کی مہر'' نامی مجموعے نے اپنے سر لی ہوئی ہے۔

یہ مجموعہ انوار کو وثوق بخشتا ہے اور اسے اعتماد سے نوازتا ہے۔ اور اس کی قبولیت پر ایسے دستخط کر دیتا ہے کہ جو اس چیز سے سو درجے بلکہ ہزار درجے بہتر ہے جو میری طرف منسوب کی جا رہی ہے۔ اور اس پر مزید یہ کہ طلّابِ نور جیسے ابطالِ جلیل اس پر اپنے حالات اور اپنے اقلام کے ذریعے صرف دعوے سے نہیں بلکہ حقیقت میں دستخط کرتے ہیں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے عزیز وفادار بھائیو!

میرے بجائے رسائلِ نور آپ کے ہمنشیں رہیں گے اور جدید پیاسے بھائیوں کو بہترین انداز سے تعلیم دیں گے، اور رسائلِ نور کو پڑھنے پڑھانے اور لکھنے کا شُغل دل میں انشراح، روح میں راحت، رزق میں برکت اور بدن میں صحت پیدا کرتا ہے، جیسے کہ یہ بات تجربے سے ثابت ہو چکی ہے۔

احسانِ الٰہی نے تمہیں ''خسرو'' جیسا بطلِ نور عطا کر دیا ہے، اور یہ تیسرا مدرسۂ یوسفیہ باذن اللہ تعالیٰ عنقریب ایک مدرسۂ الزہراء بن جائے گا۔

میں آج تک ''خُسرو'' کا معاملہ چھپاتا رہا تھا اور اسے لوگوں پر ظاہر نہیں کرتا تھا، لیکن رسائل کے جو مجموعے طبع ہو گئے ہیں انہوں نے یہ راز اہلِ سیاست پر فاش کر دیا ہے، اس لیے یہ راز اب کوئی راز نہیں رہا، اس بنا پر میں نے اپنے خاص بھائیوں کو اس کی دو تین خدمات کے بارے میں بتا دیا ہے۔ اور ضرورت پڑی تو میں وہ تمام حقائق بتا دوں گا، کچھ چھپا کر نہیں رکھوں گا۔

البتہ ایک بات ہے، اور وہ یہ کہ حقائق کو سننے والے لوگوں میں ہمیں دو خطرناک قسم کے آدمیوں کا سامنا ہے، وہ دونوں آدمی معاند ہیں اور ان کا بھانڈا پھوٹ بھی چکا ہے، دونوں کمیونزم اور الحاد و زندیقیت کے لیے کام کر رہے ہیں، ان میں سے ایک تو ''امیر داغ'' میں جانی پہچانی شخصیت ہے اور دوسرا یہاں۔ یہ دونوں ہمارے خلاف ذمہ دار افسروں کے خدشات کو اُبھارنے کے لیے جھوٹا پروپیگنڈہ کرتے ہیں، اس لیے ان دنوں ہمیں بڑی مضبوطی اور بے جگری کا مظاہرہ کرنے کی اور انتہائی محتاط رہنے کی اور مددِ الٰہی کا انتظار کرتے ہوئے توکّل کا دامن تھامنے کی ضرورت ہے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے عزیز وفادار بھائیو!

میں رسائلِ نور، تمہیں اور خود اپنے آپ کو وہ مبارکبادیں اور وہ خوشخبریاں دے رہا ہوں جو ''خسرو''، ''حفظی'' اور ''سعید بارتنی'' نے ہمیں تحفے میں دی ہیں۔

جی ہاں، اس سال ہمارے حج پر جانے والے نے ان کوششوں کا مشاہدہ کیا جو مکّہ مکرمہ کے کبار علما رسائلِ نور کے قیمتی اجزا کی نشر و اشاعت کے لیے اور ان کا عربی اور ہندی زبان میں ترجمہ کرنے کے لیے کر رہے ہیں، جیسے کہ انہوں نے

مدینہ منورہ میں اس بات کا مشاہدہ بھی کیا کہ رسائلِ نور کو وہاں بڑے پیمانے پر پذیرائی مل رہی ہے، کیونکہ یہ روضۂ مطہرہ میں بلند جگہ پر رکھے گئے ہیں، بلکہ حاجی ''سید'' نے تو یہ دیکھا ہے کہ یہ حجرہ شریفہ میں پڑے ہوئے تھے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قبول نبوی ﷺ اور رضائے محمدی ﷺ کے دائرے میں داخل ہو گئے ہیں۔

ہمارے بجائے ان انوار نے اماکنِ (مقاماتِ) مقدسہ کی زیارت کر لی ہے جیسے کہ ہماری نیت تھی، اور جیسے کہ حُجّاج کرام نے ہمیں بتایا ہے۔ ابطالِ نور کے ہاتھوں ان رسائل کے اِن اجزا کی تصحیح ہو جانے کے بعد نشر و اشاعت کے ذریعے جو ڈھیر سارے فائدے ظہور میں آئے ہیں، اس پر ہم اللہ تعالیٰ کے بے حد شکر گزار اور سراپا سپاس ہیں۔ اس سے ایک تو یہ ہوا ہے کہ ان لوگوں نے مجھے تصحیح کی ذمہ داری اور اہتمام سے بے فکر کر دیا ہے، اور دوسرے یہ کہ یہ اجزا اس حیثیت سے کہ ہاتھوں سے لکھے گئے نسخہ جات کی تصحیح کا مرجع و مرکز بن گئے ہیں، اس بنا پر یہ نسخے سینکڑوں مصححین کا رُوپ اختیار کر گئے ہیں۔ میری اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ وہ ان نسخوں کے ہر حرف کے بدلے میں ان لوگوں کے لیے ایک ہزار نیکی لکھ دے۔ آمین!

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے عزیز وفادار بھائیو اور جیل کے ساتھیو!

اوّلاً: ہم لوگ ظاہری صورت میں جو ایک دوسرے سے مل نہیں پا رہے ہیں اس کا زیادہ غم نہ کرو؛ کیونکہ ہم معنوی طور پر ہر وقت ملتے رہتے ہیں اور بجائے اس کے تم میری شخصیت سے ملو جس کی کوئی اہمیت نہیں ہے، تم لوگ جب اپنے ہاتھ لگنے والے کسی بھی رسالۂ نور کو پڑھو گے یا سنو گے تو اس میں تم مجھے اپنا ہمنشیں پاؤ گے، میری عام سی شخصیت کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس اعتبار سے کہ میں قرآن کریم کا ایک خادم ہوں۔

میں اپنی دعاؤں میں، اپنے خیال میں، تمہیں لکھے جانے والے خطوط میں اور اس تعلق میں جو ہمیں ایک دوسرے کے باندھے ہوئے ہے، تمہارے ساتھ ملاقات کرتا رہتا ہوں۔ پس جب تک ہم ایک مسلک میں ہیں، ہر وقت ایک دوسرے کے ساتھ ملتے رہتے ہیں۔

ثانیاً: اس جدید مدرسۂ یوسفیہ میں ہم نئے طلّابِ نور کو خوشخبری دیتے اور ان قوی ترین دلائل اور قرآنی اشارات کی بنا پر کہ جنھیں خود ماہرین کی کمیٹی تک نے مان لیا، ہم انہیں یہ بتا رہے ہیں کہ سچے طلّابِ نور کی زندگی کا اختتام بہت خوبصورت ہوگا اور وہ قبر میں ایمان سے مالا مال داخل ہوں گے، پھر ان کے درمیان جو معنوی نورانی شراکت ہے، اس کی برکت سے ان میں سے ہر طالب علم کا اپنے بھائیوں کی دعاؤں میں اور ان کی معنوی کمائیوں میں حصہ ہے۔ ان میں سے

ہر ایک اپنے درجے کے حساب سے حصہ پائے گا؛ تو گویا کہ ان میں سے ہر طالب علم ہزاروں زبانوں کے ساتھ عبادت کر رہا ہے اور مغفرت طلب کر رہا ہے۔ اور یہ دو نتیجے اور دو فائدے ان تمام مصائب و آلام و شدائد کو ختم کر دیتے جن سے انسان اس عجیب و غریب دور میں دو چار ہے۔ اور اس طرح رسائل نور اپنے سچے طالب علموں کے لیے بالکل تھوڑی سی قیمت کے بدلے یہ دو عظیم الشان فائدے ظہور میں لے آتے ہیں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے عزیز وفادار بھائیو!

ہمارا وہ دفاعی بیان جو ہم نے ''آفیون'' کی عدالت میں دیا تھا کچھ بڑے اہم حقائق پر مشتمل ہے جو کہ ہمارے ساتھ، انوار کے ساتھ، اس علاقے کے ساتھ اور تمام عالمِ اسلام کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ اُس کے پانچ دس نسخے لاطینی رسم الخط میں طبع کروا دیے جائیں تا کہ انقرہ کے سرکردہ سرکاری محکموں میں بھیجے جاسکیں۔ ہماری موجودہ ذمہ داری— ہمیں آزاد کر دیا جائے یا فیصلہ ہمارے خلاف ہو جائے— یہ ہے کہ اس دفاعی بیان میں جو حقائق موجود ہیں انہیں حکومت، عدالت اور عوام الناس تک پہنچا دیا جائے، ہمیں پکڑ کر جو اس مدرسہ یوسفیہ میں لایا گیا ہے شاید اس میں تقدیرِ الٰہی کی دیگر حکمتوں میں سے ایک یہ بھی ہو! اس لیے وہ دفاعی بیان جتنی جلدی ممکن ہو سکے فوٹو کاپی مشین کے ذریعے لکھ لیا جائے۔

ہمیں آج اگر آزاد بھی کر دیا جائے، تو بھی اس بیان کو مذکورہ محکموں تک پہنچانا بہت ضروری ہے، اس لیے یہ کام کسی بھی صورت لیٹ نہیں ہونا چاہیے۔ بس...... ہمیں جتنے بھی بدترین ظلموں کا سامنا کرنا پڑا ہے، ہمیں غلط طریقوں سے جتنا بھی ستایا گیا ہے، اور صرف اسی قصے کی وجہ سے پندرہ سال کے عرصے میں ہمیں تین مرتبہ جیل کر کے جتنی بھی بے مثال سزاؤں سے گزارا گیا ہے۔ ہمارا یہ دفاعی بیان ان سب کے جواب میں آخری بیان ہونا چاہیے۔

جب سابقہ عدالتوں نے قانونی طور پر ہمیں ٹائپ رائٹر دے دی ہے جس کے ساتھ ہم اپنا دفاعی بیان لکھ سکتے ہیں، تو پھر قانونی طور پر ہمیں ہمارے حق سے محروم کرنا ان لوگوں کے مقدور میں نہیں ہے، تاہم اگر سرکاری سطح پر ہمیں اس کی اجازت نہ دی گئی تو پھر ہمارے وکیل کو چاہیے کہ وہ باقی سب کام چھوڑ کر سب سے پہلے باہر سے اس بیان کے پانچ نسخے ٹائپ رائٹر کے ذریعے لکھ لائے، اور یہ کام پوری بیدار مغزی سے کرے کہیں بھی کوئی غلطی نہیں آنی چاہیے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے عزیز القدر وفادار بھائیو!

علی الرغم اس کے کہ بظاہر ان لوگوں نے دیگر واہیات قسم کی دلیلوں کا سہارا لیا ہے، لیکن آج میری کھڑکیوں کو کیل کانٹوں کے ساتھ بالکل بند کر دینے سے ان کا صرف ایک ہی مطلب ہے، اور وہ یہ کہ مجھے دیگر قیدیوں کے ساتھ سلام دعا سے اور باہمی تعارف سے روک دیا جائے؛ لیکن تم لوگوں نے اس سے پریشان نہیں ہونا ہے، بلکہ میں تو اُن کا احسان مند ہوں کہ وہ لوگ میری غیر اہم سی شخصیت کے ساتھ اُلجھے ہوئے ہیں اور رسائل اور طلآبِ نور پر اپنی دست درازیوں میں کمی لا رہے ہیں، اسی طرح میں اس بات پر صمیمِ قلب سے ان کا ممنونِ احسان ہوں کہ وہ انوار کے ساتھ نسبتاً تعرّض نہیں کر رہے ہیں اور تم لوگوں کو اور انوار کو نقصان پہنچانے کے بجائے مجھے نقصان پہنچا رہے ہیں اور میری ذات کے ساتھ توہین آمیز سلوک کر رہے ہیں؛ اس بنا پر میں صبر کرتا ہوا شکر کا مظاہرہ کر رہا ہوں اور اس معاملے کی بالکل پرواہ نہیں کرتا، اس لیے تم بھی اس کی پرواہ مت کرو۔

میرا یہ پختہ ایمان ہے کہ ہمارے پسِ پردہ کام کرنے والے دشمن حکومتی ذمہ داران کی نظریں جو میری ذات کی طرف پھیرنے میں لگے ہوئے ہیں، یہ چیز انوار کے لیے اور طلآبِ نور کے لیے خیر، سلامتی، نفع و برکت اور مہربانی کا باعث بن گئی ہے۔

ہمارے بعض بھائیوں کو اس بات کا سختی سے خیال رکھنا چاہیے کہ غصے میں آ کر ایسی باتیں کبھی نہ کرنا جن سے طعن و تشنیع اور چغلی وغیرہ کی بو آتی ہو، اور یہ کہ وہ ہر قدم پھونک پھونک کر اُٹھائیں اور پریشانی کو قریب نہ آنے دیں، اور اس مسئلے میں ہر ایرے غیرے کے ساتھ تبادلۂ خیال نہ کریں؛ کیونکہ کچھ جاسوس قسم کے لوگ ہمارے سادہ لوح بھائیوں سے، اور ہمارے نئے بھائی بندوں سے ابھی محتاط رہنے کے عادی نہیں ہوئے، کچھ باتیں سن کر ان میں رنگ آمیزی کرتے ہیں اور بات کا بتنگڑ بناتے ہوئے انہیں توڑ مروڑ کر حکومتی افسروں کے کانوں میں انڈیل دیتے ہیں۔

ہماری موجودہ صورت حال سراپا سنجیدگی ہے، اس میں غیر سنجیدہ انداز اختیار کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں، لیکن تم لوگوں کو بہر کیف پریشان ہونے کی ضرورت نہیں؛ کیونکہ ہم عنایتِ الٰہیہ کے سائے میں ہیں، اور اس بات کا عزم کر چکے ہیں کہ تمام تر مشکلات و مصائب کا مقابلہ کمال صبر کے ساتھ بلکہ شکر کے ساتھ کریں گے۔ پس ہم شکر کے مکلف ہیں؛ کیوں کہ مشقت کے ہر درہم میں ثواب اور رحمت کا ایک خزانہ چھپا ہوا ہے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے عزیز وفادار بھائیو!

دو بڑے اہم اسباب اور ایک مضبوط الہامی اشارے کی وجہ سے میں دفاع کی ذمہ داری کو دلی طور پر مکمل صورت میں چھوڑ دینے اور اسے اُن ارکانِ نور کے حوالے کر دینے پر مجبور ہو گیا ہوں جو یہاں قید ہو چکے ہیں یا ہونے والے ہیں، خاص طور پر خسرو، رافت، طاہری، فیضی اور صبری۔

پہلا سبب: تحقیق و تفتیش کے محکمے میں جو کچھ ہوا اور اس کے علاوہ دیگر بہت سی علامات کی بنا پر مجھے اس بات کا قطعی علم ہو گیا کہ وہ جہاں تک ان سے ہو سکے میرے خلاف مشکلات کھڑی کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور ہزیمت کے خوف سے فکری طور پر میرا سامنا کرنے سے کتراتے ہیں۔

مجھے سرکاری طور پر گفتگو کرنے سے روک دیا گیا ہے، اور یہ لوگ دیگر بہت سے بودے بہانوں کا سہارا لے کر مجھے روک رہے ہیں، ایسے لگتا ہے کہ جیسے اگر میں بول پڑا تو اتنی علمی اور سیاسی قوت کا مظاہرہ کروں گا کہ جس سے سیاستدانوں کی بولتی بند ہو جائے گی اور سرکاری محکمے میرے دلائل کے سامنے لاجواب ہو جائیں گے، بلکہ یہاں تک بھی ہوا کہ تحقیق و تفتیش کے دوران ان میں سے ایک آدمی نے مجھ سے کوئی سوال کیا تو میں نے جواب دیا: مجھے یاد نہیں، تو جج نے حیرت اور تعجب کے عالم میں مجھ سے کہا: آپ جیسا صاحب علم اور بلند پایہ حافظے کا مالک بھول کیسے سکتا ہے؟!

ان لوگوں کا خیال یہ ہے وہ رِفعتِ شان اور علمی تحقیقات جو رسائلِ نور کا طرّہ ٔامتیاز ہیں، میرے افکار کا نتیجہ ہیں، اس لیے مجھ سے خوف کھاتے ہیں اور میرا بولنا پسند نہیں کرتے۔ اسی طرح ان کا یہ بھی خیال ہے کہ جو شخص بھی مجھ سے ملتا ہے فوراً ایک جان نثار طالبِ نور بن جاتا ہے؛ اس بنا پر وہ مجھے لوگوں کے ساتھ میل جول نہیں رکھنے دیتے، اور یہ معاملہ اس حد تک جا پہنچا ہے کہ وزیرِ مذہبی امور نے میرے بارے میں کہہ دیا ہے: یہ آدمی زبردست قوتِ جاذبہ کا مالک ہے، جو اس سے ملتا ہے یہ اس کے دل کا مالک بن جاتا ہے۔

اس لیے ہماری مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ میں یہ معاملہ آپ لوگوں کے سپرد کر دوں۔

یاد رہے کہ میرے سابقہ اور حالیہ دفاعی بیانات جو آپ لوگوں کے پاس ہیں، میری جگہ پر تمہارے مشوروں میں شریک ہوں گے، اور وہی کافی ہیں۔[1]

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

---

[1] نوٹ: دوسرا سبب شاید کسی وجہ سے لکھا نہیں گیا! (مترجم)

باسمہ سبحانہ

میرے عزیز وفادار بھائیو!

آج معنوی اشارے کی وجہ سے میں تمہاری خاطر بہت غمگین اور پریشان ہو گیا ہوں، مجھے واقعتاً میرے ان بھائیوں کے معاملے نے دُکھی اور غمگین کر دیا ہے جو جلد اَز جلد جیل سے نکلنا چاہتے ہیں اور انہیں فکر معاش پریشان کیے ہوئے ہے، لیکن عین غم کے اسی لمحے میں دل میں ایک بابرکت خیال آیا جس کے ہمراہ ایک حققیت اور بشارت بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ صرف پانچ دنوں کے بعد فضیلت والے بابرکت تین مہینے شروع ہو جائیں گے جن میں عبادات کا بہت زیادہ اجر ملتا ہے۔

چنانچہ عام حالات میں ایک نیکی کا ثواب اگر دس گنا ملتا ہے، تو یہی ثواب رجب شریف میں سو گنا ہو جاتا ہے، اور شعبان معظّم میں تین سو گنا تک جا پہنچتا ہے، اور جمعہ کی راتوں کو ہزاروں گنا ہو جاتا ہے، اور لیلۃُ القدر میں تیس ہزار تک بڑھ جاتا ہے۔ پس یہ تین مہینے اُخروی تجارت کے لیے ایک مقدّس بازار کی حیثیت رکھتے ہیں اور بہت سے اُخروی منافع بروئے کار لاتے ہیں، اور اہلِ حقیقت و اہلِ عبادت کے لیے ایک امتیازی حیثیت کے حامل موسم کی حیثیت رکھتے ہیں، یہ ایک دور ہے جو اہلِ ایمان کو صرف تین مہینوں میں اسی سال کے برابر کی عمر عطا کر دیتا ہے۔ یہی تین مہینے اگر کوئی آدمی مدرسۂ یوسفیہ میں گزارے جو کہ تمام اعمال کو دس گنا تک بڑھا دیتے ہیں، تو کیسا رہے گا؟! بلا شبہ یہ ایک عظیم الشان نفع ہے، اس لیے اس مدرسے میں جتنی بھی تکلیف اٹھائے گا وہ عین رحمت بن جائے گی۔

یہ بات جو ہم نے عبادت کے بارے میں ذکر کی ہے خدمتِ نور کے معاملے میں بھی ایسے ہی ہے، کہ یہ بھی کمیّت کے اعتبار سے نہیں بلکہ کیفیت کے اعتبار سے پانچ گنا تک بڑھ جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ آنے جانے والے لوگ کہ جن کی مہمانی یہاں چلتی رہتی ہے، دروسِ نور کے پھلاؤ کا وسیلہ بن جاتے ہیں، اور کبھی صرف ایک آدمی کا اخلاص اتنا نفع بخش ثابت ہوتا ہے کہ بیس آدمیوں سے حاصل ہونے والے نفع کے برابر ہو جاتا ہے۔ پھر یہ ہے کہ وہ مسکین قیدی جو نور کی تسلیوں کے بہت زیادہ محتاج ہیں، ان کے درمیان اخلاص پھیل جانے کی راہ میں جو جزوی سی مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کی چنداں اہمیت نہیں ہے، اور خاص کر اُن لوگوں کے درمیان کہ جن کے عزم وارادے اور بہادری ودلاوری میں سیاست کی آمیزش ہو چکی ہے۔

رہی بات فکر معاش کی، تو جب تم میں سے ہر آدمی بہت سے طلاّبِ نور کی جگہ اس جیل میں آیا ہے، بلکہ تم میں بعض تو ایسے ہیں کہ جو ایک ہزار کی جگہ تمہارا تعاون کر رہے ہیں، اور خاص کر آخرت کے اُس بازار میں جو اِن تین مہینوں میں لگایا گیا ہے۔ پس میں اس چیز سے بہت خوش ہوا ہوں، اور میں نے عید کے آنے تک اس جگہ پر ٹھہرے رہنے کو نعمتِ کبریٰ جانا ہے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

مجھے بعض نشانیوں سے یہ پتا چلا ہے کہ ہمارے پسِ پردہ کام کرنے والے ایسی باطل حجتوں کی تلاش میں ہیں جن کے ذریعے وہ انوار کی قیمت گرانے کے لیے انہیں نیچا دکھا سکیں، اِس کا پتا اُس اعلان سے چلا ہے جو اُس مہدویت کے دعوے کے خوف سے کیا گیا ہے جو ایک سیاسی معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یعنی جس مہدی کا تعلق سیاست کے ساتھ ہو گا۔ مجھے جو اس قدر سزائیں دی گئی ہیں ہوسکتا ہے کہ اُن کے پیچھے اسی قسم کے خوف وخطرات کارفرما ہوں! اور میں ان ظالم دشمنوں سے اور جو ہمارے خلاف ان لوگوں کا کہا مانتے ہیں، کہتا ہوں:

حاشا وکلا...... ثُم حاشا وکلا...... میں کسی بھی دن اپنی حیثیت سے اتنا آگے نہیں بڑھا کہ ایمان کے حقائق کو اپنی ذاتی شان وشوکت اور ذاتی تشہیر کے لیے آلۂ کار بنالوں، اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ جس کی گواہی میری زندگی کے پچھتر سال اور خاص کر آخری تیس سال دے رہے ہیں، اور اسی طرح جس کی گواہی ایک سوتیس رسائلِ نور اور وہ ہزاروں فاضل لوگ دے رہے ہیں جو میرے ساتھ ہمراہی وہم نشینی کے گہرے رشتے کے ذریعے بندھے ہوئے ہیں۔

جی ہاں، طلاّبِ نور یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں — اور یہ وہ بات ہے جو میں عدالتوں میں پُرزور دلائل کے ساتھ ثابت کر چکا ہوں — کہ میری تمام تگ ودو نہ تو کسی مقام ومرتبہ، شہرت، جاہ وحشمت اور ناموری کے لیے ہے اور نہ ہی کسی اُخروی یا روحانی مرتبے کو حاصل کرنے کے لیے، بلکہ میری تمام تگ ودو اہلِ ایمان کے لیے ایمانی خدمت ادا کرنے کے لیے ہے، اور میں اس خدمت کی راہ میں اپنے پورے ایمان واطمینان اور پوری قوت کے ساتھ صرف اپنی دنیاوی زندگی اور فانی مقامات ومراتب ہی نہیں بلکہ بوقتِ ضرورت اپنی اُخروی زندگی کو بلکہ ان تمام اُخروی دائمی مراتب کو بھی قربان کر دینے کے لیے تیار ہوں جن کا ہر انسان طالب رہتا ہے، بلکہ اگر ضرورت پڑی تو جنّت کو چھوڑ کر جہنم میں بھی چلا جاؤں گا تاکہ کچھ نہ کچھ مساکین کو اس سے بچانے کا وسیلہ بن جاؤں۔

اب باوجود اس کے کہ یہ بات میرے تمام ترحقیقی بھائی اچھی طرح جانتے ہیں اور اس سے قبل میں اسے عدالتوں میں بھی ثابت کر چکا ہوں، لیکن پھر بھی یہ لوگ مجھ پر اس طرح کی تہمتیں لگا کر اور میری طرف اخلاص کے اور میری نورو ایمان کے لیے پیش کی گئی خدمات کے بالکل منافی باتوں کی نسبت کر کے انوار کی قیمت کو گرانا چاہتے ہیں تاکہ ابنائے وطن کو ان انوار کے جلیل القدر حقائق سے محروم رکھ سکیں۔

کتنی بڑے عجیب ہیں یہ بدبخت لوگ کہ جو اس دنیائے فانی کو ابدی سمجھتے ہیں اور اس گمان میں مبتلا ہیں کہ تمام لوگ اُنہیں کی طرح دین وایمان کو دنیا کمانے کا آلۂ کار بنالیتے ہیں!! ان لوگوں نے ایک ایسے آدمی کو مجرم بنانا گوارہ کیسے کرلیا جس نے دنیا کے تمام اہلِ ضلالت کو چیلنج کیا۔ ایمانی خدمت کی راہ میں اپنی دنیاوی اور — ضرورت پڑنے پر — اخروی

زندگی کو بھی قربان کر دیا، کسی ایک ایمانی حقیقت کے بدلے میں پوری دنیا بھی لینا گوارہ نہ کیا جیسے کہ اس نے عدالت کے سامنے اس بات کا برملا اعلان کیا، اِخلاص کا خیال کرتے ہوئے جس نے اپنی پوری قوت کے ساتھ سیاست سے اور ان تمام مادی ومعنوی مراتب ومناصب سے فرار حاصل کیا جن سے سیاست کے معنی ومفہوم کی بو آتی ہو، بیس سال تک انواع واقسام کی بے نظیر سزائیں برداشت کرتے ہوئے اپنے مسلک کے تقاضے کے تحت سیاست سے بلند رہا، جو اپنی ذات کو — ایک نفس انسانی ہونے کی حیثیت سے — اپنے طالب علموں سے ادنیٰ شمار کرتا ہے اور ہمیشہ ان سے مدد اور دعا کی درخواست کرتا رہتا ہے، جو خود کو ایک بالکل غیر اہم اور بے سہارا اور درماندہ سا مسکین انسان سمجھتا ہے...... جی ہاں، جس آدمی کی یہ حالت ہو، ان لوگوں نے ایسے آدمی کو مجرم بنانا گوارہ کیسے کرلیا؟ صرف اس بنا پر کہ اس کے بعض مخلص دوستوں کو رسائلِ نور سے ایک بلند پایہ قسم کی ایمانی قوت ملی تو انہوں نے رسائلِ نور کے بعض فضائل کی نسبت اس کی طرف کر دی؟ حالانکہ وہ تو ان رسائل کا ایک ترجمان ہے جو کسی بھی چیز کا مالک نہیں، اور صرف اس بنا پر کہ اس کے کچھ دوستوں نے اس کے بارے میں کچھ ایسا حسنِ ظن قائم کرلیا جو اس کی حیثیت سے ہزار درجہ بڑھ کر ہے، اور اس بنا پر اسے کسی بلند مقام ومرتبے پر بٹھا دیا، اور اس سے کسی سیاسی معنی کی بُو تک نہیں آتی، اور استاد اور شاگردوں کے درمیان قدیم سے چلی آنے والی شکر وسپاس کی رسم کی روشنی میں انہوں نے کچھ مبالغہ آرائی سے کام لے کر اپنے استاد کی مدح وثنا کر دی، اور یہ ایک رسم ہے جسے شروع سے ہی کبھی بھی ناپسندیدگی اور اعتراض کی نظر سے نہیں دیکھا گیا؟!

حالانکہ ان کی یہ مدح وثنا حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ اس میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے، لیکن وہ چونکہ پردیس میں یکہ وتنہا زندگی گزار رہا ہے، اور اس کے دشمن بہت زیادہ ہیں اور ایسے اسباب بھی بہت زیادہ ہیں جو لوگوں کو ان سے دُور رکھتے ہیں اور لوگ اس کے ساتھ تعاون نہیں کرتے؛ اس لیے اس نے یہ چاہا کہ اپنے ان بھائیوں کی معنوی قوت کو مضبوط کرے جو ان کے سخت ترین مخالف دشمنوں کے مقابلے میں اس کے ساتھ تعاون کرتے ہیں، تاکہ یہ اُسے چھوڑ کر کہیں دور نہ بھاگ جائیں، اور وہ ان لوگوں کی کہیں حوصلہ شکنی نہ کر بیٹھے جنہوں نے اس کی مدح سرائی میں مبالغے سے کام لیا ہے، چنانچہ اس چیز کے پیشِ نظر اس نے ان کی مدح سرائی کو بالکل ٹھکرایا نہیں بلکہ اسے صرف انوار کے لیے خاص کر دیا۔

لیکن ان سب باتوں کے باوجود پھر بھی کچھ سرکاری مسئول (سوالات) اُٹھتے ہیں اور اس ایمانی خدمت کے درپے آزار ہو جاتے ہیں جس کی ذمہ داری یہ قبر کے دھانے پر پہنچا شخص نبھا رہا ہے، اور اس خدمت کا رُخ دنیا کی طرف موڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگ قانون اور انصاف سے کتنے دور ہیں!!

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے عزیز وفادار بھائیو!

اوّلاً: مضطرب اور غمگین ہونے کی ضرورت نہیں؛ کیونکہ بار بار کے قطعی تجربات کے ذریعے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ ہم پر نازل ہونے والی ہر مصیبت — اپنے پس پردہ اور اپنے نتائج میں — عنایت و مہربانی کے التفاتات، رحمت کے تبسّمات اور تقدیر وعدل وشفقت کی تربیّات پر مشتمل ہے، اور ہم ان سختیوں، مصیبتوں اور کڑوے کسیلے حالات کے مقابلے میں کمال صبر کے ساتھ شکر کرنے کے مکلّف ہیں۔

طلّابِ نورِ ایمانی حقائق کی خدمت کا ایک بہترین نمونہ ہیں، وہ قدسی خدمت جس کا بیڑا حقائق کے اُن ہزاروں بلکہ لاکھوں مجاہدین نے اُٹھایا جن کی اس راہ میں کھالیں تک اُتار دی گئیں، جیسے کہ جرجیس علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔[1] اور مصائب وآلام جن سے طلّاب نور دو چار ہیں، ان لوگوں کی مصیبتوں کے پاسنگ بھی نہیں ہیں جن سے وہ بزرگ دو چار ہوئے۔ البتہ یہ اور بات ہے کہ وہ اجر اور کسب میں اللہ کے حکم سے برابر ہوں گے۔

ثانیاً: وہ سازشیں کہ جن کے جال ہمارے دشمنوں نے انوار کے خلاف بُنے ہیں سب کی سب ناکام ہوگئی ہیں...... جی ہاں، ہمارے پس پردہ کام کرنے والے اُن دشمنوں کی چالیں ناکام ہوگئی ہیں جنہوں مجھے گیارہ دفعہ راستے سے ہٹانا چاہا۔ اور ہم پر چار دفعہ عدالتوں کو مسلّط کیا، ہمیں تین دفعہ جیل بھیجا؛ یہی وجہ ہے کہ اب وہ لوگ اپنی تمام تر سازشوں کے ذریعے میری شخصیت کو نقصان پہنچانے کے لیے سرگرمِ عمل ہیں جس کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے، چنانچہ وہ مجھ پر سختیاں کرتے ہیں، مجھے بھڑکانے کی کوشش کرتے ہیں، مجھے قید تنہائی میں رکھتے ہیں اور مجھے کسی بھی شخص سے ملنے سے روکتے ہیں، البتہ یہ اور بات ہے کہ مجھے اس تکلیف میں عنایتِ الٰہی کے التفاتات نظر آتے ہیں، اس لیے میں اپنے پروردگار کا شکر ادا کرتا ہوں اور سب تکلیفیں بخندہ پیشانی برداشت کر جاتا ہوں۔

میں نے اتنی سختیاں برداشت کی ہیں کہ تم لوگوں کی سختیوں سے دس گنا زیادہ ہوں گی، جبکہ میں تم لوگوں سے دس گنا زیادہ کمزور ہوں۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ چیز ان محدود، جزوی، معمولی اور عارضی سی سختیوں کو کالعدم بنا دے گی جن کا سامنا تمہارے جیسے قوی، مضبوط اور بزرگوار قسم کے لوگ کر رہے ہیں، اس بنا پر میں تمہارے ساتھ زیادہ ہمدردی و غمگساری کا اظہار نہیں کرنا چاہتا۔

ثالثاً: میرے بارے میں یہ لوگ جو اوچھے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں، میرے ساتھ سخت رویہ اختیار کیے

---

[1] ایک نیک آدمی کا نام ہے جو فلسطین کے ساتھ تعلق رکھتا تھا عیسیٰؑ کے باقی ماندہ حواریوں سے ملاتھا۔ اس نے بت پرستوں کے ماحول میں ایمان باللہ اور توحید کا نعرہ لگایا تھا جس کے نتیجے میں اسے وقت کے حکمرانوں کے ہاتھوں بہت سی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے بہت سی کرامتیں ظاہر کیں۔ امام طبریؒ نے اپنی تاریخ میں جرجیس کے بارے میں ایک مستقل باب باندھا ہے۔

ہوئے ہیں، میری شہرت کو داغدار کر رہے اور مجھے بدنام کرنے کی سعی میں مصروف ہیں، اس پر پریشان نہ ہونا؛ کیونکہ یہ چیز اس بات کی علامت ہے کہ انوار کو اور طلاّبِ نور کو کچھ نہیں کہا جا رہا ہے، اور اس بات کی بھی علامت ہے کہ یہ لوگ راستا بھٹک چکے ہیں، کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قیمت اور برتری خود میری ذات میں پنہاں ہے چنانچہ اس بنا پر وہ مجھ پر سختیاں کرتے ہیں اور میری قدر گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں، یاد رکھیں کہ اس میں انوار کے حق میں بہت زیادہ نفع اور بہت فائدہ ہے، اِسی طرح میرے ذاتی فرائض و واجبات اور نوری خدمت جو میں جیل میں ہونے کی وجہ سے ادا نہیں کر پاتا، یہ لوگ مجھے جیل بھیج کر اس طرح کے سب کام کامل صورت میں ادا کر دیتے ہیں، اور اس چیز میں اتنا اجر ہوگا کہ جس سے میری تمام کمیاں کوتاہیاں قلم زد ہو جائیں گی۔ ان شاءاللہ۔

رابعاً: خفیہ طور پر کام کرنے والے منافقین بعض ذمہ دار افسران کو کسی نہ کسی شکل میں بے راہ ضرور کر چکے ہیں، اور یہ کہہ کر ان کے خوف و خدشات کو برانگیختہ کر چکے ہیں کہ: ''جو شخص بھی سعید سے ملتا ہے اس کا ہمنوا ہو جاتا ہے اور نوری بن جاتا ہے: اس لیے کسی کو بھی اس کے ساتھ میل ملاپ رکھنے کی اجازت نہ دو۔'' اور انہوں نے یہ پروپیگنڈہ اس حد تک کر دیا ہے کہ جیل کے افسر اور چوکیدار وغیرہ مجھ سے دُور بھاگتے ہیں۔ لیکن میں اس حالت کا منت کش ہوں اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔

ہم لوگ اگر بظاہر آپس میں مل جُل نہیں رہے ہیں تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں؛ کیونکہ ہم سب ایک ہی جگہ پر ہیں، اور ہم معنوی، روحانی، فکری، ذمہ داری اور تعاونی طور پر ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ پس ہمیں یہ معنوی ملاقات ہی کافی ہے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے معزز و وفادار بھائیو اور قرآنی و ایمانی خدمت کی راہ میں ثابت قدم رہنے والے جان نثار ساتھیو!

ان آخری دنوں میں مَیں آپ لوگوں کے ساتھ جو قلمی گفتگو کرنے سے رک گیا ہوں اس سے تنگدل نہیں ہونا...... ابھی ابھی دل پر دو نقطے وارد ہوئے ہیں:

پہلا نقطہ: مجھے "اَلْخَيْرُ فِيمَا اخْتَارَهُ اللّٰهُ" کے راز کے مطابق تسلیم و توکّل کی روش اپنا لینے کے بعد دل میں تسلی کی ایک زبردست لہر اُٹھتی ہوئی محسوس ہوئی ہے؛ اور وہ اس طرح کہ ہمیں اور خاص کر ''آل چالشقان'' کو جو رہا نہیں کیا گیا ہے، اور ہمارے درمیان تفریق و تمیز کے بغیر ہمارے مقدمات کو مؤخر کر دیا گیا ہے، یہ صحیح ہے کہ اس میں ہمیں مادی طور پر بڑا نقصان ہوا ہے، لیکن معنوی لحاظ سے اس میں سو طرح کے فائدے پائے جاتے ہیں۔

ان میں سے ایک تو وہ مضبوط اور قوی ترین دفاعی بیانات ہیں جو انقرہ کی عدالت ہائے عالیہ اور دیگر سرکاری محکموں کی طرف بھیجے گئے جو گزشتہ بیس دنوں سے ان کے زیرِ مطالعہ ہیں، بلاشبہ وہ بیش قیمت حقائق جو ان بیانات میں پائے جاتے ہیں، اور وہ مرحلہ جس تک ہمارا یہ مقدمہ پہنچ چکا ہے جس نے اس میں دلچسپی رکھنے والے تمام لوگوں کی توجہ اپنی طرف پھیر لی ہے اور ان کی نظروں میں اپنی اہمیت دو چند کردی ہے، یہ بیانات اور یہ مرحلہ ان کے ساتھ خیر سے نہیں گزریں گے۔

البتہ یہ بات ضرور ہے کہ ان لوگوں نے اگر ان حقائق کے سامنے شکست تسلیم نہ کی ہوتی تو اس مرحلے میں ہم پر ان کی دست درازیاں اور ظالمانہ کاروائیاں مزید شدّت اختیار کر جاتیں، اور اگر انہیں ان دفاعی بیانات میں کوئی رخنہ یا اعتراض نظر آتا تو وہ ان لوگوں کے ہاتھوں جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتا جو رائی کا پہاڑ بنا ڈالتے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ حقیقت جیت گئی ہے، اس لیے اب کے بار اگر ان کی طرف سے ہمارے ساتھ کوئی بُرا سلوک ہوا تو انتہائی معمولی سی چھیڑ خانی ہوگی، اور ذاتی دفاع کے لیے عام طور پر اتنا کچھ تو ہو ہی جاتا ہے۔

اس تمام کاروائی کی وجہ سے جو معنوی کمائیاں ذاتی طور پر میرے حصے میں آئی ہیں، اِن مادی مشقتوں اور تکلیفوں سے سو درجے بہتر ہیں، اور میرا یہ اعتقاد ہے کہ ان کمائیوں میں میرے ہر بھائی کا حصہ میرے حصے سے کہیں زیادہ ہے؛ پس نتیجہ یہ نکلا کہ ہماری رہائی میں جو دیر ہوئی ہے اس میں بہتری تھی۔

پھر یہ ''آل چالشقان'' کے ان تین سگے بھائیوں نے اپنے جیل میں آنے کی وجہ سے بہت سے طلاب نور کو جیل سے بچالیا، اور وہ اس طرح کہ ان لوگوں پر جو الزام لگے تھے اُن کی وجہ سے وہ لوگ ایک طرح سے اس عدالت کی نظریں رسائلِ نور سے ہٹا کر دوسری طرف پھیرنے کا وسیلہ بن گئے، چنانچہ اگر ہمیں چھوڑ کر ان لوگوں کو رہا کر دیا جاتا تو یہ دو قیمتی کمائیاں ان کے حصے میں نہ آتیں اور ان کا رسائلِ نور کے ساتھ جو گہرا تعلق ہے وہ لوگوں کی نظروں میں کمزور محسوس ہوتا۔

دُوسرا نقطہ: ہمارا قضیہ ایک سب سے بڑا قرآنی و ایمانی وظیفہ ہے جو کہ تمام تر عالمِ اسلام کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، اور اس سے گھبرائے ہوئے پس پردہ کام کرنے والے منافقین جہاں تک اُن سے بَن پڑے اس کی توہین کرنے اور اس کی شان گھٹانے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں، اور وہ اس قضیے کے ساتھ گہری دلچسپی رکھنے کی وجہ سے خود کو ایسے ظاہر کرتے ہیں کہ جیسے انہیں اس سے کوئی سروکار ہی نہیں، اپنی اس روش سے وہ حکومت اور عدالت کو گمراہ کرتے ہیں۔

چنانچہ مثال کے طور پر: طلاّبِ نور میں سے کسی بڑے افسر سے تو وہ چشم پوشی کرتے ہیں لیکن انقرہ میں ایک چھوٹے سے طالبِ نور سپاہی کے درپے ہو جاتے ہیں جس کے ہاں انہیں چند بے ضرر قسم کے رسائل نور مل گئے تھے، اور اس واقعے کو اس عدالت میں ہمارے مقدمے کو ٹرخانے اور طول دینے کا بہانہ بنالیتے ہیں، اسی طرح میری شخصیت کے

درپے ہوجاتے ہیں جس کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے، اور اور میری تضحیک و اہانت کرتے ہیں، جبکہ رسائلِ نور کو ان کے طاقتور دروس سمیت اور رسائل کے شاگردوں کو ان کی اس مضبوط معنوی شخصیت سمیت نظر انداز کر دیتے ہیں جس کا منہ بند نہیں کیا جا سکتا، اور ان دونوں کی اہمیت میری شخصیت سے ہزاروں گنا بڑھ کر ہے۔ احوال واقعی یہ ہے کہ یہ لوگ اس اہمیت کی وجہ سے تھر تھر کانپ رہے ہیں اور رائی کا پہاڑ بنانے پر تُل چکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ گمراہی کی آخری حد تک جا پہنچے ہیں۔

ہمارے بعض بھائیوں کو دیر سے رہا کرنے کی وجہ سے اگر ان کے گھریلو، کام کاج اور کاروبار کو نقصان پہنچا ہے تو ہماری معنوی کمائیاں اس مادی نقصان میں تخفیف کریں گی اور اُسے کالعدم بنا دیں گی۔

ہم عنایتِ الٰہیہ کے سائے میں ہیں؛ اس لیے آپ لوگ نہ غم کریں نہ پریشان ہوں، ہمارا وظیفہ جہاں تک ممکن ہو سکے صبر شکر کرنا اور خود کو انوار کے ساتھ مصروف رکھنا ہے، اور ان قیدیوں کے لیے تسلّی کا سامان فراہم کرنا ہے جو مصیبتوں کا ہم سے زیادہ شکار ہیں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے معزز وفادار بھائیو!

ایک مجمل سی معنوی تنبیہ کے ذریعے دل پر ایک مسئلہ وارد ہوا ہے، میں اس کی وضاحت مِن وعَن اُسی طرح کر رہا ہوں جیسے کہ یہ وارد ہوا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ دفاعی بیانات جو کہ چھ عدد عدالت ہائے عالیہ کی طرف بھیجے گئے، اور وہ غالب بھی رہے، ان کے بارے میں جائزہ مکمل ہو جانے کے بعد جواب آ گیا ہے، اور ان لوگوں کو ان میں ایسی کوئی چیز نہیں مل سکی جس کی وجہ سے ہم پر زیادتی کر سکیں، البتہ یہ ضرور ہے کہ ان چھ عدالتوں میں سے ایک عدالت کسی خفیہ ہاتھ میں کھیلتی ہوئی کوئی منصوبہ بنا رہی ہے اور میرے جان نثار بھائیوں کو مجھ سے دور اور ان کے میرے ساتھ بندھے ہوئے مضبوط رشتے کو کمزور کرنا چاہتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے میری نیک نامی کو داغدار کر کے، میرے خلاف افترا پردازی کر کے اور مجھے قیدِ تنہائی سے دو چار کر کے اس مقدس اُخروی ایمانی رشتے میں دراڑ پیدا کرنے کی مذموم کوشش بہت پہلے شروع کر دی تھی، یہ بات اور ہے کہ وہ اپنی ان کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

اور آج کل وہ لوگ نوریوں کو ڈرانے کے لیے بعض وسائل استعمال کر رہے ہیں، اور اِن کے بعض کمزور پہلوؤں کی نشاندہی کر کے ان کی نظریں دوسری طرف پھیر رہے ہیں، لیکن نوریوں نے جس دلیرانہ صبر و تحمل کا اور فولاد نما ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا ہے، اور وہ عجیب و غریب اور خوشنما قربانیاں جو اس مجاہدِ اکبر نے پیش کی ہیں جو نور کے حقائق اپنے ہاتھ میں

اَلماسی تلواروں کی طرح اٹھائے پھرتا ہے — میری مراد اس سے طلاّبِ نور کی معنوی شخصیت ہے — ؛ یہ سب مل کر ان لوگوں کے تمام منصوبے خاک میں ملا دیں گے، ان شاء اللہ۔

جی ہاں، جنت کوئی سستی شئے نہیں اور جہنم بے کار نہیں۔ میں یہ بات آپ کے لیے پہلے بھی بہت دفعہ ثابت کر چکا ہوں کہ مخلص نوری اس پُر آشوب دور میں باذن اللہ کم از کم مشقت کے ساتھ بڑے سے بڑا اجر حاصل کر لیں گے، اور یہ بات ماضی کے ابطال مجاہدین کے حالات سامنے رکھ کر اور اس دور کی شدید ضرورت کی روشنی میں کہی جا رہی ہے۔

جیسے کہ میں نے یہ بات بھی واضح کی ہے کہ طلاّبِ نور عام طور پر عُمر کے بے کار اور ضائع چلے جانے والے محدود سے اور معمولی سے ماہ و سال کو، بلکہ نقصانات اور گناہوں کے بوجھ اٹھا کر گزرنے والے ماہ و سال کو اس مقدّس اور جلیل القدر ایمانی و قرآنی خدمت میں خرچ کرتے ہیں اور اس طرح عمرِ جاودانی سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔

میں یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ اپنی شدید کمزوری کے باوجود اپنے حصے کے یہ ناروا حملے ضرور برداشت کروں گا، اور یہ کہ میرے نوجوان بہادر اور مضبوط جاں نثار بھائی اس ضمن میں مجھ سے کم نہیں ہیں، اور وہ کبھی بھی اس سے دور نہیں ہٹیں گے، بلکہ جو لوگ اس سے پیچھے ہٹ چکے ہیں انہیں پھر سے راہ پر لانے کے لیے وہ اُسی طرح کوشش کریں گے جیسے پہلے کرتے رہے ہیں۔

سعید نورسی

باسمہ سبحانہ

میرے معزز وفادار بھائیو!

اوّلا: میں تم لوگوں کو صمیمِ قلب سے ماہِ رجب شریف کی اور کل آنے والی لیلۃ الرغائب کی مبارک باد دیتا ہوں۔

ثانیاً: نا اُمیدی، غم اور پریشانی کو قریب بھی نہ پھٹکنے دینا؛ کیونکہ عنایتِ ربانیہ بہت جلد ہماری مدد کو پہنچنے والی ہے۔ ان شاء اللہ۔

وہ حادثہ جس کے لیے تین مہینے پہلے تیاری کی گئی تھی، وقوع پذیر ہو چکا ہے، اور وہ معاملہ ظہور میں آ گیا ہے جس کی طرف اشارہ میرے چولہے کے پھٹنے اور ''فیضی'' اور ''خسروؔ'' کے چائے کے کپ ٹوٹ جانے کے ذریعے سے ہوا تھا، البتہ یہ حادثہ ہولناک نہیں تھا بلکہ ہلکے پُھلکے انداز میں واقع ہوا، خدا نے چاہا تو اب یہ آگ بھی مکمل طور پر بجھ جائے گی۔

یہ لوگ ہمارے خلاف جتنے بھی حملے کر رہے ہیں ان کا ہدف صرف ذاتی طور پر میری بے عزتی اور نور کی فتوحات کو مکدّر کرنا ہے یہاں دو شخص ایسے ہیں جنہوں نے ہمیں اپنی پوری قوت کے ساتھ چوٹ پہنچانے کی کوشش کی ہے، ان میں سے ایک تو بدعتی ہے جو عالم بننے کی کوشش میں لگا ہوا ہے، اور دوسرا زندیقوں کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے اور اُن کا آلۂ

کار بنا ہوا ہے، اور یہ شخص ''امیر داغ'' میں رہنے والے مشہور منافق سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ البتہ ان کی چوٹ انتہائی ہلکی پڑی ہے اور ہمیں اس کا نقصان صرف پانچ فیصد ہوا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیں بحکم خدا کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ اور وہ سازشیں اور اسکیمیں جن کے جال ان لوگوں نے ہمیں پھنسانے کے لیے بُنے اور ہماری صفوں میں کھلبلی مچانے اور ہمیں انوار سے دور کرنے کے لیے انہیں عملی جامہ پہنانے کی سرتوڑ کوششیں کیں، وہ تمام سازشیں بھی باِذن اللہ ناکام ہوں گی۔

ان تین مبارک مہینوں کی عزت وحرمت کے، اور وہ اجرِ عظیم جو یہ مہینے عطا کرتے ہیں، اُس کے پیش نظر ہمارا جو فرض بنتا ہے اور جو کام کرنا ہمارے لیے ضروری ہے، وہ ہے ''مَنْ آمَنَ بِالْقَدَرِ اَمِنَ مِنَ الْكَدَرِ'' کے دستور کی روشنی میں شکر وسپاس کے ہمراہ صبر وتحمل اور توکّل وتسلیم کا دامن پکڑ کے رکھنا۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

میرے عزیز القدر وفادار بھائیو!......

اس دنیا میں میری تسلی کا باعث بننے والو!......

اور تھکاوٹ اور اُکتاہٹ کا اظہار کیے بغیر حقیقت کی پوری سنجیدگی سے خدمت کرنے میں میرے ہم سفر ساتھیو!

یہ وقت جو اُکتاہٹ دینے اور کبیدہ خاطر کر دینے والے انداز کے ساتھ گزر رہا ہے، اگر تم نے اِن بابرکت مہینوں میں اور اس ڈھیر سارا اجر عطا کرنے والے مُعتکف یعنی جیل میں اسے غنیمت سمجھ کر اس کا صحیح صحیح فائدہ اٹھالیا، یعنی اسے حسبِ استطاعت قرآنی اور نُوری مشاغل میں صرف کیا تو یہ تمہیں بہت سے منافع عطا کر دے گا۔

یہ وقت جہاں تنگدلی اور اُکتاہٹ میں کمی لائے گا، وہاں بہت زیادہ اجر والی عبادت کا اور قلب وروح کے انشراح کا باعث بنے گا، اور انوار کے ذریعے ایمان کے ساتھ مشغولیت کی وجہ سے یہ عبادت ''فکری عبادت'' شمار ہوگی۔ اور یہ مصروفیت ومشغولیت پانچ جہتوں سے عبادت شمار ہوگی، جیسے کہ ''اخلاص واخوت'' نامی مضمون کے آخر میں بیان کیا گیا ہے۔

عین اُس وقت کہ جب میں اِن دنوں اس بات پر افسوس کر رہا تھا کہ میں اپنے وقت کا کچھ حصہ خاص طور پر اپنا جواب دعویٰ تیار کرنے میں صرف کرتا ہوں، دل پر یہ وارد ہوا کہ یہ مصروفیت بھی ایک علمی کام ہے؛ کیونکہ یہ مصروفیت ایمانی حقائق کی نشر واشاعت کی اور ان کو پہنائی گئی بیڑیوں کے کھولنے کی خدمت پیش کر رہی ہے، اس لیے اس معنی میں یہ بھی ایک طرح کی عبادت ہی ہے۔

مجھ پر جب بھی اکتاہٹ کا حملہ ہوتا ہے، میں نور کے ان مباحث کو پڑھنا شروع کر دیتا ہوں جن کا نظارہ میں پہلے سو دفعہ کر چکا ہوں، اور پورے شغف کے ساتھ ان کا نئے سرے سے مطالعہ کرنے لگ جاتا ہوں، حتی کہ میں تو اپنے دفاعی بیانات کے بارے میں بھی یہی سمجھتا ہوں کہ یہ رسائلِ نور کی سی علمی حیثیت کے مالک ہیں۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ ہمارے کسی ایک بھائی نے مجھ سے کہا تھا: میں نے ''رسالۂ حشر'' تیس مرتبہ پڑھا ہے، لیکن اب بھی اسے نئے سرے سے پڑھنے کی رغبت اور ضرورت محسوس کرتا ہوں۔

یہیں سے مجھے پتا چلا کہ قرآن کی جو ایک منفرد خصوصیت ہے — یعنی اُکتاہٹ پیدا نہ ہونے دینا — اس خصوصیت کا عکس رسائلِ نور میں بھی پایا جاتا ہے جو کہ اس کے حقائق کی تفسیر، جائے عکس اور اس کا آبدار آئینہ ہیں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے معزز وفادار بھائیو!

اس دنیا میں، اور خاص کر اس دور میں، اور خاص کر ان لوگوں کے لیے جو مصائب میں گھرے ہوئے ہیں، اور خاص الخاص طور پر طلابِ نور کے لیے تنگی، تنگدلی اور نا اُمیدی کا بہترین اور مفید ترین حل یہ ہے کہ تمام بھائی آپس میں خوشی اور دلاسے کا تبادلہ کریں، ایک دوسرے کے دکھ درد بانٹیں، آپس میں ایک دوسرے کی معنوی قوت کو مضبوط کریں، باہمی ہمدردی غمگساری و جاں سپاری کا مظاہرہ کریں، اور کامل شفقت اور مہربانی کے ذریعے غمگین دلوں کے ساتھ لطافت و ملائمت کا اظہار کریں، جیسے کہ ایک جاں نثار بھائی کا دوسرے بھائی کے لیے وطیرہ ہوتا ہے۔

ہمارے درمیان قائم ہونے والا تعلق حقیقی اخروی اخوت کا ہے، اور یہ تعلق کسی بھی طرح کے کینہ و بغض اور اپنی رائے پر تعصب کا متحمل نہیں، اور یہ بات تو آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں نے آپ پر پورا اعتماد کیا ہے، اور تمہاری خاطر اپنے آرام و سکون، اپنی قدر و منزلت اور اپنے شرف و وقار کی حتیٰ کہ اپنی روح کی بھی بطیبِ خاطر پوری خوشی کے ساتھ قربانی دے دوں گا، یہ بات جب تم لوگ جانتے ہو بلکہ اس کا مشاہدہ بھی کر رہے ہو تو میں تمہارے سامنے یہ بات قسم کھا کر پوری ذمہ داری کے ساتھ کہتا ہوں کہ میں گزشتہ آٹھ دن سے اس ایک معمولی سے واقعے کی وجہ سے بہت پریشان ہوں جو اُن دو نوری طلبہ کے درمیان پیش آیا جو بظاہر ایک دوسرے سے ناراض ہو گئے تھے اور دونوں نے ایک دوسرے کو تسلی دینے کے بجائے غم سے دوچار کیا، جس کی وجہ سے میری روح، میرا دل اور میری عقل آہ و فغاں کرتے ہوئے اور الامان و الحفیظ کہتے ہوئے زار و قطار روئے اور المدد المدد کہتے ہوئے دعا مانگتے رہے کہ اے اَرحم الراحمین! ہمیں شیاطین الانس والجن کے شر سے محفوظ رکھ، اور میرے بھائیوں کے دلوں کو آپس کی دوستی، محبت، اخوت اور شفقت سے بھر دے۔

پس اے میرے پربت سمان ثابت قدم بھائیو، میری مدد کرو؛ کیونکہ ہمارا معاملہ بہت ہی زیادہ حساس ہے، اور میں نے تم لوگوں پر بہت زیادہ بھروسا کرنے کی وجہ سے اپنی تمام ذمہ داریاں تمہاری معنوی شخصیت کے سپرد کردی ہیں، اس لیے تمہیں چاہیے کہ اپنی تمام تر قوتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر جلد از جلد میری مدد کو پہنچو۔

یہ صحیح ہے کہ تمہارا یہ واقعہ بالکل معمولی سا اور وقتی سا تھا، لیکن یاد رکھیں کہ گھڑی کی مشینری میں پھنس جانے والے چھوٹے چھوٹے ذرے گھڑی کو روک دیتے ہیں، اور آنکھ کی پتلی کے ساتھ ٹکرانے والا بال آنکھ کو زخمی کر دیتا ہے اور تکلیف دیتا ہے۔ اور یہ نقطہ اتنا اہم ہے کہ اس کے بارے میں تین مادی حادثات نے اور تین معنوی مشاہدات نے خبردار کیا ہے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے عزیز وفادار بھائیو!

بلاشبہ شبِ معراج دوسری ''شب قدر'' کا حکم رکھتی ہے، اس لیے اس میں پوری محنت کرو؛ کیونکہ اس میں کمائیاں ایک ہزار تک بڑھ جاتی ہیں۔ اور جلیل القدر رات میں اور اس ڈھیر سارے اجر والے جلیل القدر اعتکاف خانے میں تم میں سے ہر کوئی چالیس ہزار زبانوں کے ساتھ ربّ کی عبادت کرتا ہے اور اُسے پکارتا ہے، بالکل ایسے ہی جیسے بعض ملائکہ چالیس ہزار زبانوں کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں، ہمیں یہ مقام اس لیے ملتا ہے کہ ہمارے درمیان ایک معنوی شراکت پائی جاتی ہے۔ اور تم لوگ اپنی اس عبادت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو گے کہ اس نے ہم پر نازل ہونے والی مصیبت کے نقصان کو اس حد تک کم کر دیا ہے کہ وہ ہزار میں سے صرف ایک حصہ رہ گیا ہے۔ میں تم لوگوں کو مکمل محتاط اور چوکنا ہو جانے پر مبارکباد دیتا ہوں، اور اس بات کی خوشخبری دیتا ہوں کہ عنایتِ ربانیہ ہم میں آشکارترین صورت میں جلوہ ریز ہو چکی ہے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے معزز وفادار مخلص بھائیو!

''اخلاص'' نامی لمعہ کے دساتیر کو استعمال میں لانا اور حقیقی اخلاص کے راز کو عملی جامہ پہنانا اور جہاں تک ہو سکے خود کو

اُسے اپنے درمیان لاگو کرنا اور خود کو اس کے مطابق ڈھالنا، وجوب کے درجے تک جا پہنچا ہے۔

مجھے یہ قطعی خبر ملی ہے کہ ہمارے خاص بھائیوں کے مشارب وافکار کے اختلاف کو ہوا دے کر ان کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے لیے اور ان کے آپسی تعلقات کو خراب کرنے کے لیے تین مہینے پہلے سے تین آدمیوں کی ڈیوٹی لگ چکی ہے۔

پھر یہ لوگ ثابت قدم نوریوں کے پائے ثبات میں لرزش ڈالنے کی غرض سے دلوں میں بے چینی پیدا کرنے کے لیے ہمارے مقدمے کی سماعت کو خواہ مخواہ لیٹ کیے جار ہے ہیں، اور اس سے وہ چاہتے یہ ہیں کہ ان کے پائے ثبات میں لغزش آجائے، ان میں سے جو کمزور طبیعت کے مالک اور جلد گھبرا جانے والے ہیں ان کے خدشات کو برانگیختہ کردیا جائے اور انہیں نوری خدمت سے دُور ہو جانے کے لیے آمادہ کر دیا جائے، پس محتاط رہو، ایسا نہ ہو کہ کہیں تمہارا وہ تعلق ڈگمگا جائے جو تمہیں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ باندھے ہوئے ہے...... یعنی کہ سچی محبت اور ایک دوسرے کے لیے قربانی دینے والا تعلق...... کیونکہ اگر یہ تعلق ذرہ برابر بھی ڈگمگا گیا تو ہمیں نا قابلِ تلافی نقصان پہنچ جائے گا۔

ہماری قرآنی اور ایمانی خدمت کا تقاضا جب یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کے لیے قربانی دیں، حتی کہ اگر ضرورت پڑ جائے تو اپنی جانیں بھی قربان کر دیں، تو پھر حقیقی جان نثار و فداکار بھائیوں کو بیرونی دباؤ، تنگی ترشی اور اس طرح کی چیزوں سے متاثر ہو کر ایک دوسرے سے منہ موڑ لینا زیب نہیں دیتا، انہیں تو محبت اور مودّت کے پتلے بن جانا چاہیے اور تواضع، تسلیم و رضا اور فنائے ذات کا مظہر بن کر ایک دوسرے کی لغزشوں اور خطاؤں کو برداشت کرنا چاہیے؛ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا تو معاملات قابو سے باہر جائیں گے اور اتنا زیادہ نقصان کر جائیں گے کہ جس کی تلافی ناممکن ہو جائے گی۔

آپ کی بیدار مغزی پر اعتماد کرتا ہوا بات کو اختصار کے ساتھ کہہ رہا ہوں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے معزز و فادار بھائیو!

اوّلاً: "اَلْخَيْرُ فِيمَا اخْتَارَهُ اللّٰهُ" والے قاعدے پر عمل ہوتے ہوئے ہماری سماعت میں، اور ہمارے رہا ہو جانے والے بھائیوں کی اس عدالت میں ہماری پیشی کے ضمن میں جو تاخیر ہوئی ہے، اس میں بہت زیادہ بہتری ہے۔

جی ہاں، رسائلِ نور کا مقدمہ چونکہ عالم اسلام میں عمومی طور پر اور اس شہر میں خصوصی طور پر بہت زیادہ اہمیت اختیار کر گیا ہے؛ اس لیے اس طرح کی گرفتاریوں اور لوگوں کے زیادہ سے زیادہ ہجوم کے ذریعے — کہ جن کی عوام الناس میں بڑی بازگشت سنائی دیتی ہے — لوگوں کی ان رسائل کے طرف توجہ کرانا بہت ضروری ہو گیا ہے؛ کیونکہ اس طرح رسائل نور دوست دشمن کو اپنے درس خود ہی ببانگِ دُہل برملا سُنا دیتے ہیں اور ان کا اعلان پورے طنطنے اور ہمھے کے ساتھ

کر دیتے ہیں، اور بغیر کسی خوف وخطر کے، ہمارے لاکھ نہ چاہنے کے باوجود، ہماری توقعات کے برعکس، ہماری احتیاطی تدابیر کو پھلانگتے ہوئے اور ہمارے تحفظات کی اور ہمارے دشمنوں کے توہین آمیز رویّوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے خاص الخاص اسرار دور دراز کے اجنبی لوگوں کے کانوں میں خود ہی ڈال دیتے ہیں۔

حقیقت جب یہی ہے تو پھر ہمیں چاہیے کہ ہم پر جو تھوڑی بہت سختیاں روا رکھی جا رہی ہیں ان کا سامنا یہ سمجھ کر کریں کہ یہ اندرائن جیسی کڑوی دوا ہے، اور یہ کہتے ہوئے صبر وشکر کا مظاہرہ کریں کہ: وہ دن نہیں رہے تو یہ بھی نہیں رہیں گے۔

ثانیاً: میں نے اس یوسفی مدرسہ کے ڈائریکٹر کو لکھا:

بالشویک کی آندھیاں سب سے پہلے جیلوں کے اندر سے اُٹھیں، یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں روس میں قید تھا۔ انقلاب فرانس بھی جیلوں سے ہی ان قیدیوں کے ہاتھوں برآمد ہوا جو تاریخ میں ''تخریب کار اور دہشت گردوں'' کے نام سے مشہور ہیں۔ لیکن ہم طلاّبِ نور نے ''اسکی شہر'' میں ہوں یا ''دنیزلی'' میں، یا اِس شہر میں، جہاں تک ہوسکا قیدیوں کو سمجھانے بجھانے اور سنوارنے کی، کوشش کی ہماری ان اصلاحی کوششوں کا فائدہ ''اسکی شہر'' میں اور ''دنیزلی'' میں واضح طور پر نظر آیا، لیکن اس شہر میں ان سے زیادہ تھا، اس حد تک کہ وہ بگولا[1] جو زمان ومکان کے لحاظ سے اس حسّاس وقت میں اُٹھا، رسائلِ نور کے دروس کی برکت سے تھمتا چلا گیا حتیٰ کہ صرف ایک فیصد رہ گیا۔

ورنہ باہر کی تخریب کار اور تباہ کن لہریں جو ہماری گھات میں رہتی ہیں اور اس طرح اختلافات وحادثات کا فائدہ اٹھاتی ہیں، جلتی پہ تیل ڈالتیں اور آگ کو مزید بھڑکا دیتیں ہیں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے عزیز وفادار اور ثابت قدم بھائیو جو کہ سختیوں کے دباؤ سے گھبرا کر ہماری صفوں سے باہر نہیں نکلتے ہیں۔

میں ان دنوں جبکہ بہت غمگین تھا، اور تمہاری خاطر مادی اور معنوی تنگی کا سامنا کر رہا تھا، کہ اچانک دل پر وارد ہوا: اگر تُو یا تیرا کوئی اور بھائی اس مشقت اور شدت سے دس گنا زیادہ مشقت میں مبتلا ہو جائے جس سے تم لوگ اِن دنوں دوچار ہو، لیکن اس کے ذریعے یہاں یہ موجود بھائیوں میں سے کسی ایک کے ساتھ بالکل قریب سے ملاقات ہو جائے، تو اُس مشقت کی کوئی حیثیت نہیں رہے گی۔

پھر نور کے اُس مشرب کی بنا پر جو تقوی اور تقلّل[2] پر قائم ہے، اور نور کے اس مسلک کی بنا پر جو کہ عام آدمی کو،

---

[1] بگولے سے مراد ''آفیون'' کی جیل مس اُٹھنے والی نافرمانی کی تحریک ہے جس میں طلاب نور شریک نہیں ہوئے تھے۔ (سعید)

[2] یعنی کم چیز پر اکتفا کر جانا۔

ضرورت مند کو، اور حتی کہ دشمن کو بھی حقائق کی تعلیم دینے پر قائم ہے، اور اس غرض کے تحت کہ نور کا معنوی شخص گفتگو کرے، اور اُس ڈگر پر چلتے ہوئے کہ جس پر ماضی میں اہلِ حقیقت چلتے رہے کہ وہ سال میں کم اَز کم ایک دو مرتبہ اجتماع یا جلسہ وغیرہ منعقد کرتے تھے...... ان تمام چیزوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے طلاب نور کا چند سالوں کے بعد کم اَز کم ایک مرتبہ اکٹھے ہونا ضروری ہے، لیکن یہ چیز ہمیں ان دنوں صرف مدرسۂ یوسفیہ میں ہی میسّر ہے، اور اس راہ میں ہزاروں مشقتیں اور سختیاں بھی جھیلنا پڑیں تو کوئی پرواہ نہیں۔

یہ واقعہ پیش آچکا ہے کہ پچھلی جیلوں میں ہمارے ساتھ رہنے والے ہمارے کچھ کمزور بھائیوں کا عزم کمزور پڑ گیا تھا اور وہ نور کے دائرے سے باہر نکل گئے تھے، جس کی وجہ سے انہیں کافی نقصان اُٹھانا پڑا، لیکن انوار کو اس وجہ سے کوئی نقصان نہ ہوا، بلکہ ان سے زیادہ پامرد اور مخلص طالب علم میدان میں آگئے۔

دنیا کے تمام امتحان جب چل چلاؤ کی حیثیت رکھتے ہیں اور تیزی سے گزرتے جاتے ہیں، اور ہمیں جب ان کے اَجر اور پھل ملتے ہیں؛ تو پھر ہمارا یہ فرض بنتا ہے کہ ہم عنایتِ الٰہیہ پر اعتماد کریں اور شکرگزار بن جائیں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے معزز وفادار اور اس مدرسۂ یوسفیہ کے ہم درس بھائیو!

آنے والی رات شب براُت ہے، یہ رات چونکہ تمام سال کے شجرِ سایہ دار کے لیے ایک مقدس گٹھلی کی، اور انسانی مقدروں اور نصیبوں کے پروگرام کی حیثیت رکھتی ہے؛ اس لیے شب قدر ہی کی طرح ایک مقدس رات ہے۔ جس طرح شبِ قدر میں ایک نیکی تیس ہزار گنا تک بڑھ جاتی ہے، اسی طرح جو عمل اِس شب برات میں کیا جائے، اور اس میں قرآن کے جس حرف کی تلاوت کی جائے، اس کا ثواب بیس ہزار گنا تک بڑھ جاتا ہے۔

عام حالات میں اگر ایک نیکی دس گنا تک بڑھ جاتی ہے، تو اِن تین مہینوں میں ایک سو تک بلکہ ایک ہزار تک بلکہ بیس یا تیس ہزار تک بڑھ جاتی ہے۔ پس اجر کی صورت میں یہ راتیں کبھی کبھی پچاس ہزار سال کی عبادت کے اجر تک جا پہنچتی ہیں۔ پس ان راتوں میں انسان جہاں تک ہو سکے قرآن واستغفار اور نمازوں میں مصروف رہے تو بہت ہی زیادہ کمائی کر لے گا۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے عزیز وفادار بھائیو!

میں تمہیں رمضان المبارک کے قدوم میمنت لزوم پر صمیم قلب سے مبارک باد دیتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ اس کی شبِ قدر کو تمہارے لیے ایک ہزار مہینوں سے بہتر بنا دے، اور اسے تمہاری طرف سے اسّی سال کی عمرِ مقبول کی صورت میں قبول کر لے......آمین!

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے عزیز وفادار اور ثابت قدم بھائیو، جو کہ ناگفتہ بہ حالات سے پریشان نہیں ہوتے اور آخرت کو چھوڑ کر دنیا کی طرف متوجہ نہیں ہوتے!......

ان لوگوں نے تمہارے مقدمے کو طول دے کر جو تمہیں یہاں مزید ٹھہرنے پر مجبور کر دیا ہے، اس پر غم نہ کرو، بلکہ اس پر میری طرح ممنونِ احسان رہو؛ کیونکہ عمر جب بغیر توقف کے زوال کی طرف بھاگی چلی جا رہی ہے، تو وہ اپنے اُن اُخروی پھلوں کے ساتھ کہ جن کے بیج یہاں اِس طرح کے چلّے بو دیے گئے ہیں، بقابدوش ہو جائے گی۔

پھر درسِ نور کا دائرہ وسعت پکڑتا جا رہا ہے، اور اس کی ایک جھلک یہ ہے کہ ماہرین کی تحقیقی کمیٹی کے ممبروں میں پائے جانے والے اساتذہ کرام "سراج النور" کو دقتِ نظر کے ساتھ پڑھنے پر مجبور ہیں۔

پھر ان دنوں میں ہماری رہائی کا اثر ایک دو جہتوں سے ہماری ایمانی خدمت پر پڑ سکتا ہے، اور میں ذاتی طور پر یہاں سے جانا نہیں چاہتا حالانکہ میں تم لوگوں سے زیادہ تکلیفیں جھیل رہا ہوں؛ اس لیے جہاں تک ہو سکے صبر و تحمل سے کام لو اور زندگی کے اِس انداز کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کی، اور انوار کو لکھنے پڑھنے کی برکت سے تسلّی اور انشراحِ صدر حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

ثانیاً: ہمارے کلام میں اس بات کا ذکر بار بار ہوتا ہے کہ رسائلِ نور قرآن کی ایک مضبوط حقیقی تفسیر ہیں، دل میں یہ بات آئی ہے کہ ہم اس کی وضاحت کر دیں؛ کیونکہ بعض لوگ جو اس کے مکمل مفہوم سے واقف نہیں ہو سکے اور انہیں یہ

بات سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے۔اس کی وضاحت یہ ہے کہ تفسیر کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: اس میں وہ تفسیریں آتی ہیں جو ہمارے ہاں معروف ہیں، جن میں قرآن کی عبارتوں، لفظوں اور جملوں کے بارے میں بحث کی جاتی ہے اور ان کے معانی ومفاہیم ومطالب کی وضاحت کی جاتی ہے اور ان کا اثبات کیا جاتا ہے۔

دوسری قسم: یہ وہ تفسیریں ہیں جن میں قرآن کے ایمانی حقائق بیان کیے جاتے ہیں، چنانچہ ان حقائق کی وضاحت کی جاتی ہے اور مضبوط دلائل وبراہین کے ذریعے ان کا اثبات کیا جاتا ہے۔اس قسم کی تفسیریں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ پہلی قسم کی معروف ومتداول تفسیروں میں ان دوسری قسم کی تفسیروں کا ذکر کبھی کبھار سرسری طور پر آجاتا ہے، لیکن رسائلِ نور نے دوسری قسم کی تفسیروں کو اپنی بنیاد بنایا ہے۔

اس بنا پر وہ ایک منفرد قسم کی ایسی معنوی تفسیر بن گئے کہ ضدی ترین اور پرلے درجے کے ہٹ دھرم قسم کے فلسفیوں کا ناطقہ بند کر دیتے ہیں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے معزز وفادار بھائیو!

کسی اہم طرف سے مجھ سے بڑا اہم اور پُرمغز سوال کیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے: باوجود اس کے کہ یہ بات طشت اَز بام ہو چکی ہے کہ تم لوگ کوئی تنظیم نہیں ہو؛ کیونکہ اس ضمن میں تین عدالتوں نے تمہیں بری کر دیا ہے، اور چھ صوبوں کی حکومتوں نے بھی تمہیں کچھ نہیں کہا ہے جو کہ بیس سال سے تمہاری ہر نقل وحرکت پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں؛ لیکن پھر بھی نوریوں کے مابین اتنا گہرا اور مضبوط رشتہ پایا جاتا ہے۔جس کی مثال کسی تنظیم، جمعیت اور پارٹی وغیرہ کے افراد میں بھی نہیں ملتی؛ یہ راز کیا ہے؟

تو میں نے اس کا جواب یہ دیا: جی ہاں، طلّابِ نور ان تنظیموں اور جمعیتوں کی طرح کی تنظیم یا جمعیت نہیں ہیں جن کی تشکیل خاص طور پر افراد یا جماعتوں کی مصلحت کے لیے کی گئی ہے، اور خاص طور پر وہ سیاسی، دنیاوی یا دیگر تخریبی اغراض ومقاصد کے لیے بنائی گئی ہیں...... طلّابِ نور نہ تو اس قبیل سے ہیں اور نہ ہی ان کے لیے ایسا ہونا ممکن ہے؛ لیکن یہ لوگ اس وطن کے گزرے ہوئے سورماؤں کے پوتے ہیں، اور ان لاکھوں فدائیانِ اسلام کے بیٹے بیٹیاں ہیں جنہوں نے شہادت کا مرتبہ حاصل کرنے کے لیے پوری خوش دلی کے ساتھ اپنی جانیں قربان کر دیں، فداکاری وجاں نثاری کی خصلتوں کا سبق ان لوگوں کو چونکہ اپنے آباواجداد سے ملا ہے، اس لیے انہوں نے اس منفرد تعلق کا اظہار برملا کر دیا۔جس

کی بنا پر ان کے اس عاجز مسکین بھائی نے ''دنیزلی'' کی عدالت میں ان کے نام برسرِ عام لے دیے اور اونچی آواز میں علی الاعلان کہہ دیا کہ ''ہمارے سر اس حقیقت کے لیے فدا ہو جائیں جس کے لیے اس سے پہلے لاکھوں ابطال کے سر فدا ہو چکے ہیں۔'' اور عدالت کی طرف سے تسلیم کرنے، اس نعرے کو پسند کرنے اور اس کی داد دینے کے علاوہ کوئی ردِ عمل سامنے نہ آیا۔

کہنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ نوریوں میں حقیقی مخلص اخروی جان نثار لوگ ہیں جو اپنے تعمیری علم کے ذریعے اللہ کی رضامندی کے علاوہ کچھ نہیں چاہتے ہیں، اور ان کا یہ وہ جذبہ ہے جس کا سامنا فری میسن، کمیونزم، طاشناق[1] اور ان جیسی دیگر مفسد اور الحاد و زندیقیت کی حامی تنظیمیں بالکل نہ کر سکیں، اور ان تنظیموں کو طلابِ نور کے درمیان پھوٹ ڈالنے اور ان کا صفایا کر دینے کے لیے کوئی راستہ نہ ملا، سوائے اس کے کہ حکومت اور عدالتی بورڈ کو گمراہ کر دیا جائے تا کہ وہ کشادہ دامن ڈھیلے ڈھالے قوانین کے ذریعے اُن کے مقدمے کو طول دیتے جائیں، لیکن اس منصوبے سے بھی اللہ کے حکم سے ان کے ہاتھ کچھ آنے والا نہیں۔ بلکہ اس طرح وہ نور اور ایمان کے فداکاروں میں مزید اضافے کا سبب بن جائیں گے۔ ان شاء اللہ۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے معزز وفادار بھائیو!

میں تم لوگوں کو ایک ایسے مسئلے کے بارے میں خبر دینے والا ہوں جو آج سے چالیس سال قبل پیش آیا اور جو گزشتہ رات میں پیش آنے والے مسئلے کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ''قدیم سعید'' کا شاگردوں کے ساتھ جو تعلق تھا اتنا مضبوط تھا کہ قربانی اور جاں نثاری کی حد تک جا پہنچا تھا۔ اور ارمنی تنظیموں — یعنی طاشناق فدائیوں کی — مسلح سرگرمیاں ''وان'' اور ''بتلیس'' کے اطراف میں زوروں پر تھیں۔ ''سعید'' ان کے مقابلے میں تھا اور انہیں روکنے میں کسی حد تک کامیاب بھی ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے شاگردوں کے لیے ''موزر'' تیار کر رکھے تھے، اور یوں اس کا مدرسہ ایک فوجی چھاؤنی کا نقشہ پیش کرتا تھا جس میں کتاب اسلحے کے قدم بقدم چلتی تھی۔

ایک دن بریگیڈیئر رینک کا ایک فوجی افسر مدرسے میں آ ٹپکا اور اس نے مدرسے کا مشاہدہ کرنے کے بعد کہا: یہ مدرسہ نہیں، یہ تو ایک چھاؤنی ہے! اور وہ کچھ خوف زدہ سا ہو گیا اور اس نے فوراً حکم دیا کہ یہاں کا تمام اسلحہ سمیٹ لو۔ تب

---

[1] طاشناق: ایک ارمنی انقلابی تحریک جو انیسویں صدی کے اواخر میں اٹھی اور جس نے دولتِ عثمانیہ سے علیحدہ ہونے کی غرض سے سلطنت کے مشرقی علاقوں میں بڑا ادھم مچایا اور بڑے خطرناک حربے استعمال کیے۔

انہوں نے جتنا اسلحہ ان کے ہاتھوں لگا اکٹھا کرلیا، وہ پندرہ عدد ''موزر'' تھے۔ اس کے بعد جلد ہی دوسری جنگ عظیم چھڑ گئی اور میں نے اپنی بندوق واپس لینے کی درخواست دے دی۔ یہ واقعہ ''بتلیس'' کے واقعے کے بعد پیش آیا۔[1]

چنانچہ ان دنوں مجھ سے بعض لوگ پوچھا کرتے تھے: یہ اَرمنی تنظیمیں آپ سے کیوں ڈرتی ہیں، حالانکہ ان میں بڑے بڑے بہادر جاں نثار موجود ہیں؟ اور یہ لوگ آپ سے اس حد تک ڈرتے ہیں کہ آپ لوگ ''وان'' میں جب جبل ''ارک'' پر پھیل گئے تو وہ سب آپ کے سامنے سے اِدھر اُدھر ہو گئے اور دوسری جگہوں میں بکھر گئے!! آپ کے اندر اس حد تک وہ کون سی قوت کام کر رہی ہے کہ وہ لوگ آپ کے سامنے آتے ہی تتر بتر ہو جاتے ہیں؟!!

تو میں انہیں جواب دیا کرتا تھا: یہ اَرمنی جانباز جب اس فانی دنیا کے لیے اور کمزوری تخریب کار قومیت کی مصلحت اور سلامتی کے لیے اس طرح کی خارقِ عادت قربانیاں پیش کر سکتے ہیں تو پھر یہ طالب علم کہ جن کا یہ اعتقاد ہے کہ ''اجل ایک ہے'' اس لیے یہ لوگ اُن اِرصفوں سے پیچھے نہیں رہیں گے، اور یہ لوگ عمل بھی باقی رہنے والی زندگی کے لیے ہی کرتے ہیں، وہ اُن مثبت اور تعمیری فائدوں کو بروئے کار لانے کے لیے تگ ودو کر رہے ہیں جو سب سے بڑی اور مقدس قومیت یعنی اسلام میں پائے جاتے ہیں؛

اِن لوگوں کو تو ایسی قربانیاں بدرجۂ اَولیٰ دینی چاہئیں![2] اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ضرورت پڑ گئی تو یہ لوگ موت کا سامنا کرنے سے قطعاً نہیں گھبرائیں گے، اور لاکھوں سال کی عمر کی راہ میں اور اپنے کروڑوں دینی بھائیوں کی مصلحت اور سلامتی کی راہ میں اپنی اس وہمی وگمانی عمر کو قربان کر دینے کے لیے ایک لمحے کے لیے بھی تردّد نہیں کریں گے۔ بلکہ یہ کارنامہ بطیب خاطر ہنسی خوشی سرانجام دے دیں گے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے عزیز، وفادار اور مشفق بھائیو!

اُس صورت حال کے ساتھ کہ جو مجھے لگنے والے زکام کی وجہ سے پیدا ہوئی اور جس کے اثرات میرے سر میں اور

---

1 بتلیس کے واقعے سے مراد وہ مسلح سول نافرمانی کی شورش ہے جو اناطولیہ کے مشرقی علاقے میں 1913 میں اُٹھی، جس کی قیادت کچھ اہلِ علم کر رہے تھے، یہ شورش انجمن اتحاد وترقی کے افسروں کے ان رویّوں کے خلاف اُٹھی تھی جو دین، اخلاق اور معاشرتی اقدار کے یکسر منافی تھے۔

2 میں اپنے بھائیوں کی ترجمانی کرتا ہوا عاجزی کے ساتھ کہتا ہوں کہ ضرورت پڑی تو ہم اللہ کے حکم سے ہراول دستے میں ہوں گے اور بتا دیں گے کہ ہم دین کی طرح بہادری میں بھی اپنے آباواجداد کے وارث ہیں۔ (سعید)

اعصاب میں باقی رہ گئے ہیں اور گزشتہ دو دنوں سے مجھے تکلیف دے رہے ہیں، اور تنگی ترشی اور اُکتاہٹ کے اُن احساسات کے ساتھ کہ جو تنہائی اور قیدِ تنہائی سے جنم لینے والی وحشت کی وجہ سے ایسے وقت میں پیدا ہوئے کہ جب میں دوستوں یاروں کے ساتھ ملاقات کر کے اُنس، تسلّی اور ڈھارس کی تلاش میں تھا...... ایسے حالات میں دل پر کچھ اس طرح کا شکوہ وارد ہوا: ''یہ تمام تکلیفیں آخر کیوں؟ ہماری خدمت کو ان سے کیا فائدہ ہے؟'' پھر اچانک آج صبحدم دل پر یہ وارد ہوا کہ جو خدمات تم لوگ پورے اخلاص کے ساتھ اور حق وحقیقت کے نام پر سرانجام دے رہے ہو، تمہاری ان خدمات کے لیے اس کڑے امتحان میں داخل ہونا بہت ضروری تھا...... اور تم لوگوں کا یکے بعد دیگرے کسوٹی پر کسا جانا بھی بہت ضروری تھا تا کہ دھات کے بارے میں واضح ہو جائے کہ وہ سونا ہے کہ پیتل؟ تم لوگوں کی ہر طرف سے اور ہر طرح سے پوری سختی کے ساتھ پرکھ پڑتال ہونی چاہیے...... اور تمہیں پے در پے ایک چھلنی سے نکال کر دوسری چھلنی میں ڈال کر چھانا جانا چاہیے تا کہ پتا چل جائے کہ تمہارے نفوس کے کسی حصے میں سازشیں موجود ہیں کہ نہیں؟

جی ہاں تمہاری خدمات کے لیے یہ چیز بہت ضروری تھی جو کہ تقدیرِ الٰہی اور عنایتِ ربّانیہ نے مہیا کر دی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بُری تشہیر کہ جس کا حملہ تمہارے کمزور سی دلیلوں کا اور ظالمانہ رویّوں کا سہارا لینے والے ضدی دشمنوں نے کیا ہے، اس تشہیر کے بعد یہ بات سب کے سامنے طشت اَز بام ہو گئی ہے کہ تمہاری خدمت کا سرچشمہ محض حق اور حقیقت ہے، اور اس میں کسی قسم کی حیلہ سازی، فریب کاری، انانیت، ذاتی غرض شخصی، دنیاوی یا اُخروی منافع کا شائبہ تک نہیں ہے۔ اگر یہ خدمت کسی خفیہ طریقے سے ادا کی جارہی ہوتی تو اس کے بھانت بھانت کے مطلب بیان کیے جاتے، عام اہلِ ایمان اِن پر بھروسا نہ کرتے بلکہ ہمیں دھوکے باز سمجھتے، اور بعض خاص لوگوں کے دلوں میں بھی وسوسے جنم لیتے اور وہ ہمارے بارے میں کہتے: یہ لوگ اپنے آپ کو ایسے بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہیں کہ جیسے انہیں کچھ روحانی مقام حاصل ہو چکے ہوں، اور اپنے اس انداز سے وہ لوگوں کا اعتماد حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ان میں مقبول ہونا چاہتے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ تمہاری اس خدمت کے بارے میں نہ عوام مطمئن ہوتے نہ خواص۔

لیکن اب ہم امتحان سے گزر چکے ہیں، اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پرلے درجے کا وسوسہ انداز ہٹ دھرم شخص بھی اِس خدمت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گیا ہے...... تمہاری آزمائش ایک تھی، لیکن کمائیاں باذن اللہ ہزاروں ہیں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے عزیز وفادار بھائیو!

اوّلاً: دل پر ایک ایسے معاملے کی وضاحت وارد ہوئی ہے جو میرے ساتھ میری اسیری کی حالت میں پیش آیا، اس

معاملے میں ایک حیران کن عبرت موجود ہے۔

ہوا یوں کہ میں ''کوسترَ ما'' رُوس میں اپنے نوے عدد قیدی افسروں کے ساتھ ایک ہال نما کمرے میں رہتا تھا، اور انہیں وقتاً فوقتاً دین کی باتیں بتاتا رہتا تھا۔ ایک دن ایک روسی کمانڈر وہاں آ ٹپکا اور اس نے مجھے درس دیتے ہوئے دیکھ لیا۔ تب اس نے کہا: یہ کُردی ایک رضا کار دستے کا کمانڈر تھا، اس نے ہمارے بہت سے فوجی قتل کیے ہیں، اور اب یہ سیاسی درس دے رہا ہے!! میں اِسے اِس کام سے حتمی طور پر روک رہا ہوں۔ پھر وہی کمانڈر دو دن کے بعد دوبارہ آیا اور یہ کہتے ہوئے درس دینے کی اجازت دے گیا کہ: تمہارے درس چونکہ سیاسی نہیں بلکہ دینی اور اخلاقی ہیں، اس لیے دیتے رہو۔

میرے دوسری دفعہ قید ہونے پر جب کہ میں ایک جیل میں تھا، عدالت کے ذمہ دار لوگوں نے میرے ایک خاص بھائی کو میرے ساتھ ملنے سے روک دیا، حالانکہ وہ بیس سال سے میرے درس سن رہا تھا، وہ تعلیم و تدریس کا وظیفہ مجھ سے بہتر طور پر ادا کر سکتا تھا، اسی طرح انہوں نے میرے ان بھائیوں کو بھی جو میرے ضروری کام کاج میں میری خدمت کرتے تھے، میرے پاس آنے سے روک دیا، تاکہ وہ میرا درس نہ سن پائیں۔ حالانکہ رسائل نور اپنے علاوہ کسی اور درس کی ضرورت ہی نہیں چھوڑتے، میرے پاس اور کوئی درس باقی رہا ہی نہیں جس کی میں تعلیم دے سکوں، ہمارا کوئی ایسا راز رہا ہی نہیں جو لوگوں سے پوشیدہ ہو۔ یہاں تک پہنچا تھا کہ اچانک ایک ایمرجنسی آ پڑی جس کی وجہ سے اس لمبی کہانی کو مختصر کرنا پڑا۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

حقائق کی ایک تسلی جو کہ میرے مصائب کو جلا بخشتی ہے

اوّل: مشقت ہمارے حق میں رحمت بن گئی ہے۔

ثانی: تقدیر کے عدل و انصاف کے طفیل رضا و تسلیم سے پیدا ہونے والا انشراحِ صدر۔

ثالث: عنایتِ خاصہ کے نوریوں کو خصوصیت سے نواز دینے کی خوشی۔

رابع: مصائب چونکہ عبوری ہوتے ہیں، اس لیے ان کے زوال میں لذت ہے۔

خامس: اجرِ جزیل۔

سادس: شؤونِ الٰہیہ میں عدمِ مداخلت۔

سابع: ان کے شدید ترین حملوں سے کم سے کم مشقت اور کم سے کم نقصانات ہوئے۔

ثامن: یہ مصائب دیگر لوگوں کے مقابلے میں بڑے ہلکے پھلکے انداز میں واقع ہوئے۔

تاسع: اس شدید امتحان کے ذریعے نُور اور ایمان کی خدمت سے جنم لینے والی ایک بلند بانگ تاثیر والی خوشی۔

پس یہ نو عدد معنوی خوشیاں اور شادمانیاں ہمارے گہرے آلام و مصائب کو تسکین دینے کے لیے ناقابلِ بیان تسکین بخش مرہم اور ایک میٹھی دوائی کی حیثیت رکھتی ہیں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

میرے عزیز و فادار بھائیو!

اوّلا: یہ ظالم حکومت اگر حج سے روک رہی ہے اور آبِ زمزم ضائع کر دیتی ہے[1] اور ہم پر ڈھائے جانے والے شدید ترین مظالم سے چشم پوشی کرتی ہے اور ''سراج النور'' اور ''ذوالفقار'' پر لگی پابندی کو کوئی اہمیت نہیں دیتی ہے، اور ہماری آہوں کراہوں پر جو کہ زبانِ حال سے ظلم و تشدّد کا شکوہ کر رہی ہیں، انہیں سنی ان سنی کر کے ان افسروں کو ترقیاں دے رہی ہے جو ہمیں اپنے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بناتے ہیں؛ تو ہمارے لیے بہترین جگہ جیل ہی ہے، ہاں اس جیل سے منتقل کر کے ہمیں کسی دوسری جیل میں بھیج دیا جانا اگر ممکن ہو تو وہ ہمارے لیے بہت اچھا رہے گا۔

ثانیاً: جس طرح ان لوگوں نے رسائلِ نور کے ساتھ دور کا تعلق بھی نہ رکھنے والے لوگوں کو بلایا اور انہیں بزور بازو چند خصوصی مقامات کا مطالعہ کرنے کے لیے مجبور کیا،[2] اسی طرح یہ ہمیں بھی باصرار و تکرار اور بزور بازو ایک تنظیم ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

جبکہ اصل صورت حال یہ ہے کہ ہم کسی تنظیم سازی کی پارٹی بنانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے تھے؛ کیونکہ اہل ایمان کی جماعت کے اتحاد کی صورت میں پائی جانے والی اسلامی اخوتِ نور طلبہ میں اخلاص و جان نثاری کا تاج پہنے ہوئے پوری آب و تاب سے جگمگا اٹھی ہے؛ اور اس وجہ سے بھی کہ جان نثاری و فداکاری کا جذبہ طلاب نور کو اپنے ابطال

---

[1] ترکی حکومتیں 1948 تک کسی نہ کسی طریقے سے حج سے روکتی رہی تھیں اور حج کی خواہش رکھنے والوں کی راہ میں روڑے اٹکاتی رہی تھیں، اس بنا پر بہت ہی کم لوگ حج کے لیے جا پاتے تھے، اور اس کے لیے کئی حیلے اختیار کرنے پڑتے اور کئی پاپڑ بیلنے پڑتے تھے۔ اسی طرح حجاج کرام اپنے ساتھ حرمین سے جو آب زمزم لاتے تھے، وہ بھی ان کے وطن کی سرحد میں پاؤں رکھتے ہی گرا دیا جاتا تھا۔

[2] اس سے مراد عدالتی نظام ہے جسے رسائل نور کی پرکھ پڑچول کے لیے مکلف کیا گیا۔

آباواجداد سے ورثے میں ملا ہے، اور یہ لوگ اس حقیقت کے ساتھ مضبوط رشتے کے ذریعے بندھے ہوئے ہیں جس پر لاکھوں آباواجداد نے اپنی جانیں خوشی خوشی قربان کر دی تھیں۔ پس اس چیز کے ہوتے ہوئے انہیں — آج تک — کسی بھی قسم کی خفیہ یا اعلانی سرکاری یا سیاسی تنظیم یا پارٹی بنانے کی ضرورت نہیں پڑی ہے۔

اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ان دنوں کوئی جمعیت بنانے کی بہت زیادہ ضرورت ہے، اتنی زیادہ کہ تقدیرِ الٰہی ہم سے یہ کام کروانے کے لیے ان لوگوں کو ہم پر مسلط کر رہی ہے، اور حق بات یہ ہے کہ یہ لوگ جب ہم پر الزام لگاتے ہیں اور ہماری طرف ایک ایسی جمعیت کی نسبت کرتے ہیں جس کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے، تو بہت ظلم کرتے ہیں، لیکن تقدیر نے انصاف کیا ہے، تقدیر ہمیں ان ہاتھوں کے ذریعے یہ کہتے ہوئے طمانچے رسید کر رہی ہے کہ تم لوگ کمال تساندُ، ترابط اور اخلاص کے ساتھ واقعتاً حزبُ اللہ کیوں نہیں بن جاتے ہو؟

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

اس دفعہ ہمارے ساتھ چھیڑ خانی ذرا وسیع پیمانے پر ہوئی تھی، صدرِ مملکت اور اُس کے وزرا نے ہم پر پورے منصوبے کے ساتھ بڑا زوردار حملہ کیا تھا، ان خبروں کی روشنی میں جو مجھ تک پہنچیں اور دیگر بہت سی علامات کی روشنی میں یہ پتا چلا کہ پس پردہ سازشیں کرنے والے منافقوں نے اپنی جھوٹی رپورٹوں میں اور اپنی دھوکہ وفریب پر مبنی دسیسہ کاریوں میں ہماری تصویر کچھ اس طرح کی بنائی ہے کہ ہم ایک تنظیم کی صورت میں خلافت کے قیام کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں، اور ہمارا ایک نقشبندی خفیہ تنظیم کے ساتھ گہرا ربط ضبط ہے، اور ہم اس منصوبے کی شروعات اور ہراول دستہ ہیں۔ پھر ان لوگوں نے اپنے ان زعم ہائے باطل کے لیے دلیل یہ دی کہ رسائلِ نور کی نشر واشاعت اور جلد سازی استنبول میں ہوتی ہے اور پھر یہ عالمِ اسلام میں پھیلا دیے جاتے ہیں اور وہاں ان کا بڑا استقبال ہوتا ہے اور خوب پذیرائی ملتی ہے۔ اپنی ان رپورٹوں کے ذریعے ان منافقوں نے حکومت کے قلق واضطراب اور اس کے خدشات کو مہمیز لگا دی ہے اور حکومت کے حسد کے مارے دینی جذبات رکھنے والوں کو اور شکوک وشبہات وخدشات کے شکار افسروں کو ہمارے خلاف بھڑکا دیا ہے۔

ان منافقوں کا خیال یہ تھا کہ ان کے ہاتھ عنقریب ایسی بہت سی دستاویزات اور دلیلیں لگ جائیں گی جو ان کے اوہام ومزاعم کو ثابت کر دیں گی، اور انہیں اس بات کا بھی یقین تھا کہ ''قدیم سعید'' کے جذبات جلد ہی بھڑک اٹھیں گے، اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جائے گا اور اس طرح بہت سی مشکلات کھڑی ہو جائیں گی۔ لیکن اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے یہ مصیبت اتنی کم کر دی کہ ہزار میں سے صرف ایک حصہ رہ گئی، اور ان لوگوں کو اپنی تمام تر سراغ رسانیوں کے باوجود

ہمارے کسی بھی تنظیم، تحریک یا پارٹی کے ساتھ کسی قسم کا کوئی سراغ نہ مل سکا، کیونکہ ایسے کسی تعلق کا جب وجود ہی نہیں تو انہیں ملتا کیسے! یہی وجہ ہے ڈپٹی کمشنر ہماری طرف کچھ اس طرح کہ الزامات وافترا و اتہامات اور غلط معانی منسوب کرنے پر مجبور ہو گیا جن پر کوئی سزا بنتی ہی نہیں تھی۔

حقیقت جب یہی ہے، تو پھر ہم اور انوار ننانوے فیصد مصیبت سے نجات پا چکے ہیں، اور بات جب یہی ہے تو پھر ہمیں شکوہ نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ہمیں چاہیے کہ ہم عنایتِ الٰہیہ سے اس کا بے پایاں شکر ادا کرتے ہوئے اس کی رحمت کا سوال کرتے ہوئے اور صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس پریشانی کے مکمل طور پر حل ہو جانے کی اُمید رکھیں۔ جیسے کہ ہمارا یہ فرض بھی بنتا ہے کہ ہم اس مدرسے میں آنے جانے والے مہمانوں کا تعاون کریں اور رسائلِ نور کے ان دروس کے ذریعے ان کے لیے تسلّی وتشفی کا سامان فراہم کریں جن کی انہیں ضرورت بھی ہے اور وہ مشتاق بھی ہیں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

استاد نورسی نے ''الحجۃ الزہرءا'' نامی رسالہ ''آفیون''، یعنی تیسرے مدرسۂ یوسفیہ میں تالیف کیا، یہ رسالہ ایک بیش قیمت مضمون ہے جو کہ توحید اور رسالت محمدی کے بارے میں وضاحت کرتا ہے اور سورۃُ الفاتحہ کی تفسیر کرتا ہے۔ اس میں اُن طلّابِ نور کے لیے جو جیل میں قید تھے، اور دیگر لوگوں کے لیے اتنے بیش قیمت علمی اور ایمانی دروس پائے جاتے ہیں کہ یہ ان کے لیے اُن ترجیحی اہتمامات کا درجہ اختیار کر گیا ہے جو خیر اور نُور کا باعث ہیں۔ ذیل میں ہم وہ تقریظ درج کر رہے ہیں جو استاد کے اُن شاگردوں نے لکھی جو عدالتی فیصلے کے بعد اُن کے ساتھ جیل میں رہے۔

بدیعُ الزمان کون ہے اور رسائلِ نور کیا ہیں؟

وہ علمائے مجددین جن کے ہر صدی کے اختتام پر آنے کی بشارت حدیث میں آئی ہے، وہ متبع ہوں گے مبتدع نہیں، مطلب یہ کہ وہ اپنی طرف سے کوئی نئی چیز ایجاد نہیں کریں گے اور نئے احکام لے کر نہیں آئیں گے، بلکہ سنت نبوی اور دینی احکام وقواعد کے مکمل طور پر پابند ہوں گے، چنانچہ وہ دین کو حاکم بنائیں گے اور جو حکم لوگوں کے ہاں کسی ٹیڑھے پن کا شکار ہو گیا ہو گا اسے سیدھا کر دیں گے، اور دین کے اصول اور حقائق کو کھول کھول کر بیان کریں گے، اور اُسے انتہا پسندوں کی تحریف، باطل پرستوں کے غلط نظریات سے اور جاہلوں کی انتہا پسندی سے پاک کریں گے، اور امرِ ربانیہ کو قائم کریں گے اور احکامِ الٰہیہ کے عزّ وشرف اور اس کے مقام ومرتبے کا بول بالا کریں گے۔

اور وہ لوگ یہ وظیفہ زبان وبیان واطمینان بخشی کے ایسے نئے نئے اسالیب کی پیروی کر کے سرانجام دیں گے جو کہ

اُن کے ذہنوں کے عین مطابق ہوں گے، لیکن اس میں نہ تو اصل کو ہلایا جائے گا اور نہ بنیاد کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا، پس وہ لوگ ربانی ملازم ہوں گے جو اپنے وظیفۂ حیات کی تصدیق اپنے اعمال کے ساتھ کریں گے، اور ایمان کے مراتب کی عظمت کا جھنڈا اپنے افعال کے ساتھ گاڑیں گے، اور ان کے اخلاص کی اور ایمانی ثابت قدمی کی جھلک ان کے حالات کے آئینے میں نظر آئے گی، ان کی شخصیت اخلاقِ محمدیہؐ، عاداتِ احمدیہؐ اور شمائلِ نبویہ کا سراپا ہو گی......

دو لفظی بات یہ ہے کہ وہ لوگ اعمال و اخلاق میں ایک زندہ مثال اور سنتِ نبویہ کی پیروکاری اور اس کی وابستگی کا قابلِ تقلید نمونہ ہوں گے۔

ان لوگوں کے قلمی آثار جو کہ کتاب اللہ کی تفسیر کرتے ہیں، اور ہم عصر سوچ فکر کے ساتھ ہم آہنگ اسلوب میں اس کے دین کے احکام کی وضاحت کرتے ہیں، وہ نہ تو ان کے ذاتی افکار ہیں، نہ ذہنی اختراعات ہیں، نہ ان کی بلند پایہ طبیعتوں کے فیضان ہیں اور نہ ان کی عبقریت کے اور علوم و معارف کے نتائج ہیں، بلکہ جلوہ گاہِ وحی اور معدلِ طہارت رسالت مآب ﷺ کی رسالت سے براہِ راست حاصل ہونے والے معنوی الہامات و تلقینات ہیں، ''اوراد مبارکہ''، ''مثنوی نوری''، ''فتوح الغیب'' اور اس طرح کے دیگر مجموعے ان عجیب و غریب اور سحر انگیز قدسی آثار کے نمونے ہی تو ہیں! اور ان بزرگوار ائمۂ کرام کی حیثیت ان کے ترجمان کی ہی تو ہے۔ ان کا حصہ ان آثار میں صرف یہ ہے کہ ان لوگوں نے انہیں اپنے اسلوب میں ڈھال کر منظم طریقے سے پیش کر دیا ہے، پس یہ لوگ ان بلند پایہ معانی کے لیے مظاہر کی اور آئینوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

رہے رسائلِ نور، تو یہ انوکھے، اچھوتے اور عجیب و غریب شاہکار ایسے علوی فیضان اور بلند پایہ کمال کا نمونہ ہیں جس کی نظیر اس سے پہلے کہیں نظر نہیں آتی ہے، ان کا مشاہدہ کرنے والے اہلِ نظر کہتے ہیں کہ انہیں مشعلِ الٰہی، شمسِ ہدایت اور نیرِ سعادت یعنی قرآن کریم کا اتنا فیضان حاصل ہے کہ جو اس سے پہلے شاید کسی کتاب کے حصے میں نہیں آیا ہے۔ اور یہ بات ایک سورج کی طرح واضح حقیقت کی طرح سامنے آ چکی ہے کہ ان آثار کی عمارت قرآن کے خالص نور کی بنیاد پر استوار ہے، اور ان میں انوارِ محمدیہ کا جو فیضان پایا جاتا ہے وہ کسی اور کتاب میں نہیں ہے، اور یہ کہ ان کا جناب رسالت مآب ﷺ کے ساتھ جو غیر معمولی قسم کا تعلق ہے اور انہیں اس بارگاہِ عالیہ سے جو کچھ نصیب ہوا ہے وہ اس طرح کے دیگر اولیا کی تالیفات کے حصے میں نہیں آیا ہے، اور یہ کہ ان کے ترجمان کو اور ان کے مظہر کو بھی انہیں کے حساب سے حصہ ملے گا۔

جی ہاں، ان کے ترجمان نے لڑکپن میں ہی اور تحصیلِ علم کے بغیر ہی چند ہی مہینوں میں علوم و معارف اور اسرار و حِکم کی جن بلندیوں کو چھو لیا وہ کسی دوسرے کے حصے میں نہیں آئیں۔ نور کا ترجمان صرف یہی نہیں کہ ایک علمی اُعجوبہ بن گیا بلکہ ہم نے جو بتایا ہے اس کی برکت سے سراپا عفت، نادرِ روزگار شجاعت، استغنائے مطلق اور بلند پایہ صلاحیت کا آنکھوں دیکھا چلتا پھرتا نمونہ بن گیا۔

اس کے ہم عصر علما نے اس کے ساتھ اس وقت مناظرہ کیا جب وہ ابھی بالغ بھی نہیں ہوا تھا،لیکن وہ غالب رہا اور اس کی دلیلوں کا جواب نہ آیا۔ اس پر مختلف موضوعات کے بارے میں سوالوں کی بوچھاڑ کی گئی تو اس نے کسی تردّد اور اضطراب کا اظہار کیے بغیر سب کے صحیح صحیح جواب دے دیے، اس نے چودہ سال کی عمر میں استاد کا لقب حاصل کرلیا اور اپنے اردگرد کے لوگوں میں علم وحکمت کی روشنیاں پھیلانی شروع کر دیں، اہلِ علم وعرفان کو اس کی عبارتوں میں بڑی گہرائی اور گیرائی، اس کے بیان میں بلند آہنگی اور پختگی، اور اس کی توجہات میں اتنی دور اندیشی، فہم وفراست اور گہری بصیرت نظر آئی کہ وہ انگشت بدنداں رہ گئے اور اُسے بدیع الزمان کا لقب دینے پر مجبور ہو گئے۔

بلاشبہ وہ آدمی جو اس طرح کی بلند پایہ امتیازی خصوصیات اور علمی فضائل سے آراستہ ہو کر میدان میں اترا ہے، اور جس نے دین کی نشر واشاعت اور اس کے ارکان کو مضبوط کرنے کے ضمن میں یہ خدمت سرانجام دی ہے وہ صرف سید الانبیا ﷺ کی نظرِ عنایت کا مظہر اور ان کی توجہ اور امداد سے ہی بہرہ وَر ہو سکتا ہے، اور نبی ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر چلنے والے، اُن کے اوامر ونواہی کے مطابق ڈھل جانے والے اور اُن کے انوار وحقائق کا وارث بننے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود بھی کریمانہ صفات کا حامل ہو۔

جی ہاں، اس نے انوارِ محمدیہ، معارفِ احمدیہ اور فیوضاتِ الٰہیہ کو تابندہ ترین صورت میں جگمگا دیا، چنانچہ وہ ایمانی خدمت کے میدان میں نبیٔ مصطفی ﷺ کی رسالت کو جلا دینے والا ایک آبدار آئینہ، ان کی رسالت کے درخت کا ایک چمکدار پھل، اس رسالت کی دعوت کی ترجمانی کرنی والی طنطناتی گونجدار زبانِ حقیقت، اور اس کے نور سے حاصل کی گئی مشعل کا مشعل بردار ہے۔

ان تمام طلّابِ نور کے نام جنہوں نے ''الحجۃ الزہراء'' اور ''زہرۃ النور'' کا درس لیا ہے، اور یہ واحد درس ہے جو اس تیسرے مدرسۂ یوسفیہ میں دیا گیا

احمد فیضی، احمد نظیف، زبیر، صلاح الدین، جیلان، صونغور

علی الرّغم اس کے کہ اوپر جن لوگوں کے دستخط ہیں انہوں میری حیثیت سے بڑھ کر میری تعریف کی ہے، لیکن میں نے ان کی دل شکنی کرنا اچھا نہ سمجھا، اس لیے اس تعریف پر چپ رہا اور اسے طلّاب رسائلِ نور کے معنوی شخص کی ترجمانی کی حیثیت سے قبول کرلیا۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

آٹھواں حصہ

اسپارٹا

آپ کی اسپارٹا میں گزرنے والی زندگی کے حالات

[1950ء کے بعد]

استاد سعید نورسی کو ستمبر 1949 کے کسی دن میں صُبح کے وقت رہا کیا گیا اور انہیں پہلے سے نکلے ہوئے شاگرد زبیر کی کرائے پر لائی ہوئی پالکی میں بٹھا کر کرائے کے مکان میں لے جایا گیا، پولیس کے دو افسر اور آپ کے کچھ خدمت گزار شاگرد پالکی کے ساتھ تھے۔

اُستاد کی زندگی نے اور ان کی نوری خدمت نے ''آفیون'' جیل کے بعد کچھ اہم تبدیلیوں اور ترقیوں کا مشاہدہ کیا، اور وہ اس طرح کہ جیل میں جانے سے قبل آپ کسی کو اپنے ساتھ رہنے کی اجازت نہیں دیتے تھے، اور عشا سے لے کر اگلے دن کی چاشت تک دروازے کو اندر سے کنڈی لگا کر رکھتے تھے۔ لیکن ''آفیون'' کی جیل کے بعد آپ نے اپنے چند خاص طلبہ زبیر، ضیا اور صونفور کو اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی، لیکن ان کا کمرہ آپ کے کمرے سے علیحدہ تھا، اور وہ بوقت ضرورت آپ کے ہاں آ جا سکتے تھے۔

''آفیون'' کی جیل کے بعد کچھ علامات ظہور میں آئیں جنھیں ہم خود استاد ہی کی تعبیر کے مطابق ''تیسرا سعید'' کہہ سکتے ہیں، اور وہ اس طرح کہ جدید مرحلے کا آغاز ہوتے ہی نوری خدمت خود میں ایک طرح کی انقلابی تبدیلیوں کا مشاہدہ کر رہی تھی، اور وہ لوگ جو استاد کی خدمت کے لیے اٹھے تھے مہذب طبقے کے خصوصی تربیت یافتہ نوجوان تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عنایت الٰہیہ نے ''افیون'' جیل کی مصیبت کو بہت سے پہلوؤں سے رحمت بنا دیا تھا۔

اس رحمت کا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ طلبہ جنھیں عدالت میں حاضر ہونے کا حکم ملا تھا مختلف علاقوں کے ساتھ تعلق رکھتے تھے، اور یہ چیز ان کے درمیان باہمی تعارف کا اور رسائلِ نور اور ان کے مؤلف کے بارے میں اور نوری خدمت کے بارے میں خیالات و معلومات و تجربات کے باہمی تبادلے کا سبب بن گئی تھی، اور اس کی وجہ سے سچی، اخروی اور ایمانی اخوت پر مبنی معنوی قوت ظہور میں آئی جس کے رشتے نور کے سائے میں اتنے مضبوط ہو گئے کہ اب ان کے سامنے اللہ

تعالیٰ کی رضا کے علاوہ دیگر کوئی مقصد نہ رہا۔

اس ضمن میں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ استاد اور ان کے شاگرد عدالت میں جماعت کی صورت میں جاتے تھے جیسے کہ وہ کوئی پہلوانوں کا جتھہ ہو، اور ان کی یہ روشِ اہلِ ایمان کے دل میں ان کے لیے خالص محبت ومودت کے جذبات اُبھارتی تھی۔ عدالتوں کی ان اجتماعی نشستوں نے ایمان واسلام کی دعوت کی خدمت کی خاطر اٹھ کھڑے ہونے کے لیے ایک مضبوط محرّک اور باعث فراہم کر دیا۔

طلاب نور کی ایک نئی پڑھی لکھی، مثقّف اور مہذّب نسل میدان میں آ گئی، اور جیل کی اس مصیبت نے ایسے جاں نثار سپوت پیدا کر دیے جو رسائل نور کی ایمانی خدمت کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر اُٹھائے پھرتے ہیں، اور دین دشمن لوگوں کی ہزاروں مخالفتوں کے باوجود وہ اس خدمت کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی غرض وغایت سمجھتے ہیں۔

استاد نورسی کو رہا کرنے کے بعد جس گھر میں منتقل کیا گیا تھا اس کی نگرانی کے لیے پولیس کے دو سپاہی مامور تھے جو بغیر انقطاع کے ہمہ وقت دروازے پر پہرہ دیتے تھے اور کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے، اور ستم بالائے ستم یہ تھا کہ جب آپ جیل میں رہے اس تمام عرصے میں آپ کے خلاف بے ہودہ حملے ہوتے رہے اور وہ لوگوں کو آپ سے نفرت دلانے میں اپنا کردار ادا کرتے رہے، ان کے دلوں میں خوف پیدا کرتے رہے اور اس طرح کی جھوٹی اور غلط افواہیں اُڑاتے رہے جیسے نورسی کو پھانسی دینے کا فیصلہ ہونے ہی والا ہے۔

''آفیون'' والے اس گھر میں استاد دو مہینے تک رہے، بعد ازاں انہیں پھر سے ''امیر داغ'' منتقل کر دیا گیا جہاں بہت سے طلاّب نور موجود تھے اور نوری خدمت کو بطریقِ احسن ادا کر رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

''آفیون'' جیل کے بعد نوری خدمت

''اسپارٹا'' میں رسائلِ نور کی نشر واشاعت کا کام فوٹو کاپی مشین کے ذریعے کیا جاتا تھا، جبکہ استاد اپنی عادت کے مطابق تصحیح وتدقیق کا بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے۔ لیکن جیل ہونے کے بعد نوری خدمت کئی میدانوں میں بٹ گئی، چنانچہ اب یہ دستی کتابت اور فوٹو کاپی تک ہی محدود نہ رہی بلکہ اس مرحلے میں وہ جہاں تک جا پہنچی اُسے ذیل میں انتہائی اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے:

1۔ طلابِ نور نے اپنی اپنی بساط کے مطابق اور اپنے اپنے ماحول میں مختلف صوبوں، شہروں اور بستیوں میں رسائلِ نور کو پڑھنے پڑھانے، اُن کے لکھنے لکھانے اور اُن کی نشر واشاعت کے لیے کام کیا۔

2۔ رسائلِ نور کی جلد بندی ہونے لگی، اور ''اسپارٹا'' اور ''اینہ بولو'' میں فوٹو سٹیٹ مشینوں کے ذریعے اس کے نسخے تیار کر کے اطراف و اکناف میں پھیلائے جانے لگے۔

3۔ رسائل نور انقرہ اور استنبول میں پھیل گئے اور معاشرے کی مختلف سطحوں پر اور خاص کر یونیورسٹیوں کے طالب علموں، نوجوانوں، عورتوں اور حکومتی ملازمین کے ماحول میں پڑھے جانے لگے، ان کے ساتھ بہت سے لوگ جڑ گئے اور انہوں نے ان کے ساتھ بڑے مضبوط قسم کے معنوی تعلقات استوار کر لیے۔ اور پھر انہیں میں سے فوج درفوج مخلص اور جان نثار لوگ نکلے، اور ان دو مرکزی شہروں میں ایمان کے انوار جگمگا اٹھے۔

4۔ ضبط کیے گئے تمام کے تمام نسخے واگزار کر دیے گئے، اور سرکاری محکموں اور رسائلِ نور و طلابِ نور کے درمیان آپسی میل ملاپ کے چینل کھول دیے گئے اور ایک سرکاری رپورٹ میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ رسائلِ نور قوم و وطن اور آئندہ نسلوں کی سعادتمندی کے لیے کام کر رہے ہیں۔

نئی حکومت نے رسائلِ نور کے حق میں مُثبت موقف اختیار کیا، اور انہیں اس دور کے لیے قرآن کریم سے حاصل کردہ بلند پایہ نور شمار کر کے قدردانی کی نظر سے دیکھا، اور کمیونیکیشن کے جدید ترین ذرائع و وسائل کے ذریعے ترکی میں، عالمِ اسلام میں اور عمومی طور پر تمام دنیا میں اس کی نشر و اشاعت کی کفالت لے لی۔

5۔ رسائلِ نور مشرقی صوبوں میں پھیل گئے۔

تو گویا کہ استاد کے ''افیون'' سے رہا ہونے کے بعد اور ''امیر داغ'' میں آنے تک نوری خدمت اس مرحلے تک پہنچ گئی تھی اور اُستاد اس سے واقف بھی تھے، اور حکومت کی طرف سے خدمت کے ساتھ تعلق رکھنے کے بارے میں جو بھی فیصلے صادر ہوتے تھے استاد ان کے بارے میں پل پل کی خبر رکھتے تھے۔ اسی طرح وہ ''امیر داغ'' میں اپنے ''بارلا'' کے دنوں والے خصوصی طالب علموں کے ساتھ اور انوار کی نشر و اشاعت کے باب میں کام کرنے والے لوگوں کے ساتھ ملاقات بھی کرتے تھے اور ان کی خدمات پر ان کی تعریف کرتے اور ان کا حوصلہ بڑھاتے تھے۔

یہ کہنا ممکن ہے کہ یہ وہ مرحلہ ہے جس میں رسائل نے اس بات کا مشاہدہ کرنا شروع کر دیا تھا کہ تہذیب وثقافت سے آراستہ اور سرکاری محکموں میں کام کرنے والے لوگوں کی توجّہ اُن کی طرف ہونا شروع ہو گئی ہے۔ اور طالب علموں کی ایک ایسی کھیپ میدان میں اتر چکی ہے جنہوں نے نور کی خدمت کو اپنی زندگی کی غرض و غایت بنا لیا ہے۔ اور ان لوگوں نے اپنی اس خدمت کے ذریعے قوم و وطن اور دین کو بہت فائدہ پہنچایا ہے۔

☆ ☆ ☆

اپیل کورٹ نے ''آفیون'' عدالت کے فیصلے کو کالعدم قرار دے دیا تھا جس میں رسائلِ نور کو ضبط کر لینے کا حکم تھا، اس

کی وجہ یہ بنی کہ جو رسائل استغاثے کی چارج شیٹ میں اس بنا پر پیش کیے گئے تھے کہ ان سے جرم ثابت ہوتا ہے، ان کے بارے میں یہ وضاحت نہیں کی گئی تھی کہ کیا یہ وہی رسائل ہیں جنھیں ''دنیزلی'' کی عدالت نے بری قرار دے دیا ہے یا ان کے علاوہ کوئی اور ہیں! اگر یہ وہی رسائل ہیں جن کی بے گناہی کا اور انہیں ان کے مالکوں کو واپس کردینے کا فیصلہ ہو چکا ہے تو پھر ''آفیون'' کی عدالت کا فیصلہ کالعدم شمار ہوگا۔ پھر یہ بات تو قانون کے بالکل خلاف ہے کہ کسی ایسے کیس کے بارے میں نظرِ ثانی کی جائے جو اپیل کورٹ کی تصدیق سے ایک مضبوط کیس کی حیثیت اختیار کر چکا ہو۔

لیکن ستم دیکھو کہ اپیل کورٹ کی طرف سے اس فیصلے کو کالعدم قرار دیے جانے کے باوجود ''آفیون'' میں عدالتی کمیشن کی نشستیں مسلسل جاری رہیں، اور اس وقت ختم ہوئیں جب ڈیموکریٹک پارٹی برسرِ اقتدار آئی اور اس نے مجموعی طور پر عفوِ عام کا اعلان کر دیا، اور اس میں ''آفیون'' عدالت کا فیصلہ بھی آ گیا، اور یوں اس مقدمے کی فائل بند ہوگئی۔[1]

آفیون جیل کے واقعے سے پہلے مذہبی امور کے رئیس ''احمد حمدی'' نے استاد نورسی سے رسائلِ نور کے دو نسخے طلب کیے تھے، ایک ریاستِ مذہبی امور کی لائبریری کے لیے اور دوسرا اپنے پاس رکھنے کے لیے، لیکن اچانک ''آفیون'' کا واقعہ آڑے آ گیا اور نسخے انہیں دیے نہ جا سکے، پھر جب استاد کو رہائی ہوئی اور وہ ''امیر داغ'' گئے تو وہاں آ کر انہوں نے رسائلِ نور کے پہلے سے تیار شدہ دو نسخوں کی تصحیح کر کے انہیں جناب ''احمد حمدی'' کی طرف بھیج دیا، اور ساتھ یہ خط بھی نتھی کر دیا۔

محترم جناب احمد حمدی صاحب!

میں آپ کو اپنے ساتھ پیش آنے والا ایک روحانی واقعہ بتا رہا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ میرے افکار شروع سے ہی آپ کے ساتھ اور آپ کے ہم مسلک مشائخ کے ساتھ میل نہیں کھاتے ہیں جو ضرورتوں کے پیشِ نظر عزیمتوں کو چھوڑ کر رخصتوں پر عمل کرتے ہیں، چنانچہ مجھے آپ پر اور ان لوگوں پر غصہ آتا تھا اور میں کہا کرتا تھا: یہ لوگ عزیمتوں کو چھوڑ کر رخصتوں پر عمل کیوں کرتے ہیں، اور اسی لیے میں آپ کی طرف براہِ راست رسائل نور بھیجنے سے کتراتا تھا۔

---

[1] لیکن عدالتی بورڈ نے رسائل نور کی برأت کا نہیں بلکہ ان کی ضبطی کا فیصلہ صادر کیا، اور اس فیصلے پر 1956 تک عمل درآمد رہا۔ عدالت نے رسائل کی ضبطی کا فیصلہ دو دفعہ صادر کیا، اور اپیل کورٹ نے دونوں دفعہ اُسے کالعدم قرار دے دیا۔ پھر ''آفیون'' کی عدالت نے اپیل کورٹ کی بات مان لی اور براءت کا فیصلہ صادر کر دیا۔ لیکن اس مرتبہ اپیل کورٹ نے کسی قانونی سُقم کی وجہ سے یہ فیصلہ باطل قرار دے دیا، اور مطالبہ کیا کہ رسائل نور کی وزارت مذہبی امور کی طرف سے ایک بار پھر جانچ پڑتال کی جائے۔ تب وزارت مذہبی امور نے ماہرین کی ایک کمیٹی تشکیل دی جس نے ان کا اول سے لے کر آخر تک جائزہ لیا اور ایک رپورٹ لکھی جو کسی نہ کسی طرح رسائل نور کے مقام و مرتبے کے تعارف پر مشتمل تھی، اور اس رپورٹ کو بنیاد بنا کر ''آفیون'' کی عدالت نے جون 1956 کو بالاتفاق ایک فیصلہ صادر کیا جس کا تقاضا یہ تھا کہ رسائل نور ہر الزام سے بری ہیں، اس لیے ان سے ہر قسم کی پابندی اٹھالی جائے۔ یہ فیصلہ قطعی قرار دیا گیا اور تبھی سے رسائل نور کی جلدیں دار الحکومت کے ساتھ ساتھ دیگر پریسوں سے بھی شائع ہونے لگیں۔

پھر چند سال پہلے آپ کے بارے میں قائم کیے اپنے نظریے پر دل میں افسوس کا احساس ہوا، اور ایک تنقیدی خیال وارد ہوا جو کہہ رہا تھا: یہ فاضل علمائے کرام جو کہ تیرے پرانے طالب علم بھائی ہیں — اور ان میں سرِ فہرست احمد حمدی ہے — ان لوگوں نے "اِخْتِيَارُ أَهْوَنِ الشَّرِّ" والے قاعدے پر عمل کرتے ہوئے انتہائی شدید اور خطرناک تخریب کاریوں کا سامنا کیا ہے، اور اپنی علمی ذمہ داری کا ایک اہم حصہ مقدسات کی حفاظت کی راہ میں صرف کر دیا ہے، اور یوں انہوں نے ایک بہت خطرے کو چار میں سے تین حصوں تک کر دیا ہے، اور عین ممکن ہے کہ یہ چیز ان کی مجبوری کے تحت رخصتوں پر عمل کرنے والی روش کے لیے اور ان کی دیگر کوتاہیوں کے لیے کفارہ بن جائے!

جی ہاں، یہ ہے وہ چیز جو دل پر بڑی شدت کے ساتھ وارد ہوئی، تب سے میں نے آپ کو اور آپ جیسے تمام لوگوں کو اپنے پرانے طالب علم ساتھیوں اور اپنے ہم سبق دوستوں کی حیثیت سے حقیقی اُخوت کی نظر سے دیکھنا شروع کر دیا ہے۔ اسی چیز کے پیشِ نظر آج سے تین سال قبل جب مجھے سخت قسم کا زہر دیا گیا اور اس بات کا بہت زیادہ احتمال تھا کہ اس سے میری موت واقع ہو جائے گی، میں نے یہ نیت کر لی تھی کہ آپ کی شدید طلب کے پیشِ نظر میں آپ کو رسائل نور کے مجموعے کا ایک سیٹ ضرور بھیجوں گا۔ بہت زیادہ امید ہے کہ آپ میرے بعد اس کے حقیقی اہل ثابت ہوں گے اور ان کے محافظ و نگراں بنیں گے۔ اس وقت ان کا ایک ہی سیٹ موجود ہے جو تین نوری طلبہ نے آج سے پندرہ سال پہلے لکھا تھا، لیکن وہ نامکمل اور غیر مدقّق ہے۔ میں نے آپ کے لیے بیماری کی شدت کے باوجود اس کی کچھ نہ کچھ تصحیح کر دی ہے۔ ان تین فاضل دوستوں کے ہاتھوں کا لکھا ہوا یہ نسخہ میرے نزدیک دوسرے دس نسخوں کے برابر ہے۔ اور یہ سیٹ میں آپ کے علاوہ کسی کو بھی ہرگز دینے والا نہیں تھا۔ رہی اس کی معنوی قیمت، تو وہ تین چیزیں ہیں:

پہلی یہ ہے کہ آپ سے جیسے بھی ممکن ہو اس کے بیس تیس نسخے تیار کریں اور علاقے میں ضلعی سطح پر مذہبی امور سے متعلقہ محکموں میں تقسیم کریں؛ کیونکہ خارجی الحاد کے مقابلے میں اس طرح کی تالیفات کی نشر و اشاعت کرنا وزارتِ مذہبی امور کی ذمہ داری ہے، اور میں چاہوں گا کہ یہ کام قرآنی رسم الخط میں پایۂ تکمیل کو پہنچے، اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر لاطینی رسم الخط میں، بشرطیکہ میرے خاص بھائیوں میں سے کوئی ایسا شخص موجود ہے جو ان کی تحقیق و تدقیق میں تعاون کرے۔

دوسری یہ کہ یہ رسائل چونکہ دینی مدارس کی ملکیت ہیں، اور آپ چونکہ بیک وقت ان مدارس کے بیٹے، ان کے شاگرد اور ان کے بارے میں ذمہ دار اور جواب دہ ہیں، اس بنا پر رسائل نور آپ کی ملکیت ہیں۔

اور تیسری یہ کہ ہو سکے تو توافقات والے مصحف کو فوٹوگرافی والی تکنیک سے شائع کیا جائے، تاکہ توافقات میں اعجاز کی جو جھلک پائی جاتی ہے وہ ابھر کر سامنے آ جائے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

1950ء کے بعد بدیع الزمان اور اُن کے شاگردوں کے درمیان خط و کتابت کے چند نمونے

ڈیموکریٹک پارٹی کی طرف سے عربی میں اذان دینے کی اجازت کی مناسبت سے مبارکباد[1]

میرے عزیز وفادار بھائیو!

میں آپ لوگوں کو ہزاروں مناروں سے گونجنے والی اذانِ محمدی کی وجہ سے اُمڈ کر آنے والی خوشی کی مبارکباد دیتا ہوں اور اس چیز کو ہم آپ کے لیے، اس علاقے کے لیے اور عالمِ اسلام کے لیے خوشیوں بھری عیدوں کا آغاز اور اس علاقے میں اسلامی شعائر کے جگمگانے کی خوشخبری شمار کرتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس رمضان المبارک میں تمہاری اُس عبادت اور دعا کو قبول کرے جو اسّی سالہ عبادت والی عمر عطا کر دیتی ہے۔ اور رحمتِ الٰہیہ کے آگے گڑگڑاتے ہیں کہ وہ اس ماہِ مبارک کی ہر رات کو ہمارے لیے لیلۃُ القدر جیسا بنادے اور تمہیں اس کا ثواب عطا کر دے۔

میں آپ لوگوں کی معنوی مساعدت کا اُمیدوار ہوں؛ کیونکہ اس رمضان المبارک میں مرض کی شدت اور کمزوری کی وجہ سے میں عمل کو پوری طرح سے ادا کرنے پر قادر نہیں ہوں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

عالمِ اسلام کے مرکزوں کے فاضل مسلمان بھائیوں کے نام!

ہمیں اس بات کی بہت زیادہ خوشی ہو رہی ہے کہ ہم آپ لوگوں کی خدمت میں قلب و روح کو گرما دینے والی مبارکبادیں پیش کر رہے ہیں، اور آپ لوگوں کو اس بات کی جانکاری دے رہے ہیں کہ آپ کی وساطت سے ایک جلیل القدر، بابرکت اور مجاہدِ عالم دین کی طرف سے موصول ہونے والا خط ہم نے اپنی ذمہ داری نبھاتے ہوئے عالمِ جلیل، مفسّرِ قرآن اور صاحبِ تصانیفِ قیّمہ بدیع الزمان سعید نورسی کی خدمت میں پہنچا دیا ہے۔

استاد نے آپ کی طرف جو جوابی خط لکھا ہے، اس میں وہ آپ کی محنتوں اور کوششوں کی بہت زیادہ تعریف کر رہے

---

[1] 1932ء میں سرکاری طور پر ایک فیصلہ صادر ہوا جس کے مطابق اذان اور اقامت پر پابندی عائد کر دی گئی اور ان کی جگہ ترکی زبان میں کچھ اور الفاظ لازم قرار دے دیے گئے۔ اور یہ پابندی 1950ء تک برقرار رہی۔ پھر برسرِ اقتدار آنے والی ڈیموکریٹک پارٹی کے حکم سے یہ پابندی ختم کر دی گئی۔

ہیں اور آپ کو اس بات کی خبر دے رہے ہیں کہ نُوری جو کہ ہمارے علاقے اناطولیہ میں قرآن وایمان کے بہترین وارث ہیں، اپنے ان مسلمان بھائیوں کے ساتھ مل کر — کہ جو بلادِ عربیہ میں قرآنی حقیقت کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں — حزبُ القرآن کے دائرے میں اکٹھی ہو جانے والی بہت سی صفوں کے درمیان دو ایسی صفوں کی تشکیل کرنے جا رہے ہیں جو باہمی بھائی چارے، باہمی ہم آہنگی اور باہمی رفاقت کا سراپا ہوں گی۔

جیسے کہ وہ اس بات پر بھی بہت زیادہ خوشی کا اظہار کر رہے ہیں کہ تم لوگ جہاں خود رسائل نور کے ساتھ گہرے رشتے کے ذریعے وابستہ ہو، وہاں بعض رسائل کا عربی زبان میں ترجمہ کرنے کا اور انہیں طبع کرنے کا عزم کر چکے ہو۔ استاد نے ہمیں آپ لوگوں تک یہ بات پہنچانے کا مکلف کیا ہے کہ اسلامی جماعتیں رسائل نور بدل و جان اپنا لیں اور ''اورفا'' میں اس کے شاگردوں کی حفاظت کرتے ہوئے اُن کے ساتھ میل جول رکھیں۔

اے عربی نسل کے معزز، شریف اور روشن ضمیر وروشن خیال بھائیو! کفر کے وہ لشکر جوامتِ اسلامیہ کو پارہ پارہ کرنے کے لیے چودہ سو سال سے ہمارے آباواجداد کے ساتھ برسرِ پیکار رہے ہیں، لیکن اپنا مقصد وہ پہلی جنگ عظیم کے بعد ہی حاصل کر سکے؛ ترکوں اور عربوں کے درمیان پائی جانے والی وہ ایک ہزار سالہ محبت جس نے ایک ہزار سال سے ان دونوں کو سچی اسلامی اخوت کے رشتے میں باندھ رکھا ہے، اس محبت کے مضبوط رشتے کو توڑنے کے لیے دشمنوں نے مختلف حربے استعمال کیے ہیں اور انواع واقسام کی دروغ بافیوں کا سہارا لیا ہے،

وہ جب دیکھتے ہیں کہ یہ دل اس روضۂ مطہرہ کی چوکھٹ چومنے کے لیے سلگتے رہتے ہیں جس میں فخرِ اہلِ اسلام وبنی انسان، مدارُ الاکوان، مظہرِ فیوضِ رحمان رسالت مآب ﷺ محوِ استراحت ہیں؛ تو انہیں بہت تکلیف ہوتی ہے، اور یہ دیکھ کر ان کی سانس رُکتی ہے کہ آپ ﷺ کی جناب سے نظرِ عنایت حاصل کرنے کے لیے جانیں اور روحیں قربان کر دی جاتی ہیں۔

دشمنوں نے مسلمانوں کے حافظے سے چودہ سو سال کے ان مفاخر کو مٹا ڈالنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جو ان کے مجاہد اور شہید آباواجداد نے اپنی چمکدار تلواروں کے اقلام سے اور اپنے پاکیزہ خون کی سیاہی سے رقم کیے تھے، انہیں زمین کے پہلوؤں میں اور زمانے کے صفحات پر دوام دیا اور امانت کی صورت میں تاریخ کے گلے کا زیور بنا دیا۔

دشمنوں کی دوڑ دھوپ صرف یہیں تک محدود نہ رہی بلکہ انہوں نے ان دو بھائیوں — ترکوں اور عربوں — کو اس اندیشے کے تحت کہ یہ کہیں دوبارہ اکٹھے نہ ہو جائیں، انتہائی ظالمانہ معاہدوں کی زنجیروں میں جکڑ دیا اور انہیں شدید ترین اذیتوں سے دوچار کیا، مسلمان ایک طویل عرصے تک اُن کی ان زنجیروں میں جکڑے رہے اور اُن کی آہیں کراہیں آسمان کو چھوتی رہیں، اور وہ اُن ظالموں کے ہاتھوں ہر طرح کی ذلت اور توہین سہتے رہے۔

لیکن افسوس کے ان دشمنوں کو اس بات کا پتا نہیں کہ عنایتِ الٰہیہ پھر سے ہمارا ساتھ دے گی...... اور انہیں اس عظیم الشان

فتح کا پتا نہیں چلا، بلکہ یہ اُسے دیکھ نہیں پائے جو کہ قرآن کی رسائلِ نور جیسی انوکھی تفسیر کی برکت سے اور ان کے مؤلف بدیع الزمان کے ذریعے مسلمانوں کو حاصل ہو رہی ہے، یہ بڑی نفیس اور قیمتی تالیفات ہیں جو کہ قوی اور محقَّق براہین کے ساتھ اور بڑی واضح اور تابندہ صورت میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد ﷺ کی رسالت کا اور اخروی حقائق کا اس انداز سے اثبات کرتی ہیں کہ کوئی عالمِ دین، سائنس دان یا فلسفی اُن کا سامنا یا ان پر اعتراض نہیں کر سکتا۔

اے ہمارے نجیب اور آل بیتِ اطہار کی نسل کے عرب لوگو! ہم ترک لوگ اپنے دلوں میں تمہارے لیے اور تمہارے نیکوکار آبا و اجداد صحابہ کرام کے لیے گہری محبت اور بہت زیادہ احترام رکھتے ہیں، اور یہ وہ محبت اور وہ احترام ہے جس کے جذبات نہ دھیمے پڑتے ہیں اور نہ زائل ہوتے ہیں، کیونکہ اِن کا انعقاد صرف اللہ اور اس کے رسول مصطفیٰ ﷺ کے لیے ہوا ہے، اور ہم اس نبی کریم ﷺ کی خاطر اور اس کے دینِ قویم کی خاطر اپنے نفس و نفیس کی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے لطف و کرم کے امیدوار بن کر گریہ وزاری کرتے ہیں کہ ہمارے محبوب استاد نے جو بشارت دی تھی کہ ترک اور عرب عنقریب پھر سے حقیقی بھائیوں کی طرح متحد ہو جائیں گے، وہ بشارت مستقبل قریب میں جلد از جلد پوری ہو جائے، اور جب ایسا ہو جائے گا تب مسلمانوں کے یہ دشمن منہ کی کھائیں گے اور شر و فساد کے وہ بیج جو اُنہوں نے بوئے ہیں، واپس اُنہی کی طرف لوٹ جائیں گے، اور وہ بیڑیاں جن میں بندھے ہوئے چار ملین مسلمان کراہ رہے ہیں، ٹوٹ جائیں گی اور وہ مقدّس اسلامی زندگی کی برکت سے نوع بشر کے قافلے کے پیش رَو بن جائیں گے اور تمام دنیا میں امن و سلامتی کا بول بالا کر دیں گے۔

العبد الفقیر الی اللہ خسرو

یکے اَز طُلّابِ رسائلِ نور

☆ ☆ ☆

یہ خط استاد نورسی نے وزیرِ اعظم "عدنان مندریس"، کو لکھا تھا جو کہ رسائلِ نور کی دین، وطن اور قوم کے لیے پیش کی گئی خدمات کا معترف تھا۔[1]

---

[1] عدنان مندریس، جدید ترکی میں جمہوری طریقے سے منتخب ہونے والا پہلا سیاسی قائد، ڈیموکریٹک پارٹی کا سربراہ تھا جس کی تاسیس میں اس کا بڑا ہاتھ تھا، جمہوریہ ترکیہ کے پہلے آزاد انتخابات میں حصہ لیا اور اس کی پارٹی پچیس سال تک بلا شرکت غیرے برسرِ اقتدار رہنے والی جمہوری پارٹی کو شکست فاش دے کر نمایاں طور پر کامیاب ہوئی، اور عدنان مندریس 1950ء سے لے کر 1960ء تک مکمل دس سال وزیرِ اعظم رہے۔ انہوں نے اپنے دورِ اقتدار میں مختلف میدانوں میں بڑے اہم اصلاحی کام کیے، اور سابقہ پارٹی نے اذان پر جو پابندی لگا رکھی تھی اسے ختم کر دیا۔ عدنان مندریس کو اور اس کی حکومت کو 1960ء میں فوجی انقلاب کے ذریعے ختم کر دیا گیا اور خود اُسے اس الزام میں پھانسی دے دی گئی کہ اس نے ایک سیکولر نظامِ حکومت کا تختہ اُلٹ کر دینی حکومت قائم کی تھی۔

باسمہ سبحانہ

باوجود اس کے کہ میری بیماری شدت اختیار کر چکی ہے، اور باوجود اس کے کہ میں سیاست میں دلچسپی نہیں رکھتا ہوں؛ میں اسلام کے بطلِ جلیل عدنان مندریس کے ساتھ ملاقات کرنا چاہتا ہوں، لیکن چونکہ حالات و واقعات اس چیز کی اجازت نہیں دے رہے ہیں، اس لیے میں یہ خط لکھ رہا ہوں تا کہ یہ ملاقات کے قائم مقام ہوجائے اور میرا قائم مقام بن کر بات چیت کرے۔

اسلام کے بطلِ جلیل ''عدنان مندریس'' جیسے متدین لوگوں کی خدمت میں انتہائی اختصار کے ساتھ کچھ بنیادی باتیں رکھنا چاہتا ہوں۔

پہلی بات: اسلام کے بہت سے قوانین و دساتیر میں سے ایک دستور وہ ہے جس کی تعبیر اس آیت کریمہ نے کی ہے:

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾

اس جلیل القدر دستور کا تقاضا یہ ہے کہ کسی بھی انسان کا کسی دوسرے کے جرم کی وجہ سے مؤاخذہ نہ کیا جائے، اگر چہ وہ اس کا قریبی رشتے دار یا دوست ہی کیوں نہ ہو؛ لیکن اِدھر صورت حال یہ ہے کہ موجودہ سیاست اور اس میں چلنے والی صرف اپنی ہی پارٹی کی حمایت والی منطق ایک مجرم کی وجہ سے بہت سے بے گناہ لوگوں کو نقصان پہنچانے کے قانون پر عمل پیرا ہے، چنانچہ جرم تو صرف مجرم کرتا ہے لیکن طعن و تشنیع، ردّ و قدح اور نقصان پہنچانے کا ناروا سلوک اس کے گھر والوں اور اس کے تمام دوستوں کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے، اور یوں ایک جرم سو جرائم بن جاتے ہیں۔ یہ روش غصہ و کینہ و حقد اور خطرناک قسم کی دشمنی کے میلانات پیدا کر دیتی ہے اور انسان کو بغض و انتقام کے جذبات پالنے پر ابھارتی اور مجبور کر دیتی ہے۔

بلاشبہ یہ رویہ ایک زہرِ ہلاہل ہے جو کہ معاشرتی زندگی کو سرے سے تباہ کیے جا رہا ہے اور بیرونی مداخلت کے لیے میدان ہموار کر رہا ہے۔ یہ بات کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ اِن دنوں مصر اور ایران میں جو واقعات ظہور میں آ رہے ہیں اور جو بحران پیدا ہو رہے ہیں اسی بنیاد سے پیدا ہوئے ہیں، البتہ یہ ہے کہ اس طرح کے حالات کا موازنہ اگر اپنے علاقے کے حالات سے کیا جائے تو یہ ایک فیصد سے زیادہ نظر نہیں آتے ہیں، ورنہ اس طرح کے حالات — خدا نکردہ — اگر ہمارے پیدا ہو جائیں تو ستیاناس کر کے رکھ دیں۔

اس خطرناک صورتِ حال کا صرف ایک ہی حل ہے، اور وہ ہے مواخات اور اسلامی طرزِ زندگی کی بنیادی اینٹ رکھ دی جائے، اور بے گناہوں کو بچانے کے لیے جرم کو صرف جرم کرنے والے تک ہی محدود رکھا جائے۔

پھر یہ ہے کہ امن و استقرار کا بنیادی پتھر بھی اسی دستور کے ذریعے مضبوط ہوگا، چنانچہ مثال کے طور پر اگر ایک گھر میں یا ایک کشتی میں دس مجرموں کے مقابلے میں ایک بے گناہ آدمی موجود ہو، تو حقیقی عدل و انصاف کا اور امن و استقرار

کے دستور کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس گھر کو یا اس کشتی کو اس وقت تک نہ چھیڑا جائے جب تک وہ بے گناہ آدمی اس سے نکل نہ جائے، تاکہ وہ خطرے سے محفوظ رہے۔

اس قرآنی دستور کی روشنی میں دس مجرموں کے جرم کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے نوّے بے گناہ آدمیوں کی پکڑ دھکڑ کر کے اور اُنہیں خطرات سے دوچار کر کے داخلی امن واستقرار کو تہ وبالا کر دینا غضبِ الٰہی کو دعوت دینے والا کام ہے۔

اور اس پُرآشوب دور میں اللہ تعالیٰ نے چونکہ ایک حقیقی متدین گروہ کو اقتدار سے نوازا ہے، اس لیے ان کے لیے یہ ایک قسم کا حکم ہے کہ وہ اس قرآنی دستور کو اپنے لیے ایک زرہ اور نقطۂ استناد کی حیثیت سے اپنائیں، اور اس کے ذریعے ان لوگوں کا سامنا کریں جو کل تک ان کے ساتھ کینے، حقد اور بغض کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اور رہا اسلام کا

دوسرا دستور: تو وہ یہ حدیث شریف ہے:

"وَسَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ"[1]

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ منصب لوگوں کی خدمت کے لیے ہے نہ کہ اُن پر زبردستی اور تحکُّم کے ساتھ حاکمیت کا اور انانیت کا رعب جھاڑنے کا آلۂ کار، لیکن اس دور میں اسلامی تربیت چونکہ بہت کم رہ گئی ہے، اور عبودیّتِ خداوندی کمزور پڑ گئی ہے، اس لیے انانیت مضبوط ہو گئی ہے اور زور پکڑ گئی ہے، اور اس بنا پر منصب بھی خدمت نہیں رہا بلکہ استبدادی قسم کے تحکُّم اور تکبّر کا ایک مرتبہ بن کر رہ گیا ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عدل رخصت ہو گیا اور اس کی بنیاد میں فساد آ گیا، حقوق العباد ضائع ہو گئے، اور قانون پر ظاہری شکل میں عملدرآمد ایسے ہی ہو گیا جیسے وضو اور قبلہ کی طرف منہ کیے بغیر نماز ادا کر لی جائے! جو آدمی حقوق اللہ کی پہچان نہیں رکھتا اُسے حقوق العباد کی پہچان کیا ہو گی؟!

ان دنوں دو خطرناک قسم کی لہریں ہیں جو ان دونوں دستوروں کے خلاف جاتی ہیں اور عدنان مندریس جیسے شخص کے سامنے آ کھڑی ہوئی ہیں جس نے کہا ہے: ''ہم دین اور اسلام کے بموجب کام کریں گے''۔ اور اس بات کا بھی قوی احتمال موجود ہے کہ یہ دونوں لہریں عوام کو کسی خوفناک قسم کی معنوی رشوت کے ذریعے دھوکہ دے کر، یا پھر بیرونی مداخلت کے لیے میدان وسیع کر کے بھرپور حملہ کر دیں۔

جہاں تک پہلی لہر کا تعلق ہے، تو یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اس نے ابھی ابھی ذکر کیے پہلے دستور کے خلاف ایک شخص کے جرم کے بدلے میں پورے چالیس لوگوں کا بلکہ پوری بستی کا خون بہایا۔ یہ لہر ایک انتہائی ظالم اور مطلق استبداد کی حامل لہر ہے، یہ کسی چھوٹے موٹے منصب کو حاکمیت کا لبادہ پہنا کر اور اسے حاکمیت کا نام دے کر عہدوں کے بھوکے

[1] یہ حدیث امام بیہقی نے شعبُ الایمان میں، ابونعیم نے حلیۃُ الاولیاء میں، دیلمی نے مسند میں، خطیب اور ابن عساکر نے اپنی اپنی تاریخ میں اور ابوعبدالرحمان سُلمی نے آداب الصحبۃ میں مرفوع روایت کی ہے۔ عجلونی نے "کشف الخفاء" میں کہا ہے کہ یہ حدیث تعددِ طرق کی وجہ سے حسن کے درجے کو پہنچ گئی ہے۔

لوگوں کو وہ منصب رشوت میں دیتی ہے، اوراس طرح یہ آزادی کے دیندار قسم کے حامیوں پر حملہ کر دیتی ہے۔

رہی دوسری لہر، تو وہ اسلام کے ساتھ پاکیزہ نسبت سے دستبردار ہونے، اور پہلی لہر کی طرح ایک مجرم کے جرم میں سو بے گناہ لوگوں کے حقوق ہضم کرنے کے لیے تیار بیٹھی ہے، اس لہر نے اگر چہ بظاہر قومیت کا لبادہ اُتار پھینکا ہے، لیکن در حقیقت یہ قوم پرست ہے، یہ حریت کے علمبردار ڈیموکریسیوں سے برسرِ پیکار ہے، اوران تمام بقیہ ستر فیصد ابنائے وطن کے ساتھ برسرِ پیکار ہے، بلکہ ان مسکین اتراک کے ساتھ، حکومت کے ساتھ اوراس سیاست کے ساتھ برسرِ پیکار ہے جس کی پیروی ڈیموکریٹک پارٹی کر رہی ہے۔ اوراس کی جگہ اَنانیت پسند لوگوں کے درمیان قوم پرستی اور نسل پرستی پر مبنی اخوت قائم کر رہی ہے، چنانچہ اس کام کے لیے انہیں اِس اخوت کی رشوت دیتی ہے جوان کی نفسانی خواہشات ورغبات کی تسکین کرے، اوران شدید ترین خطرات کے ذریعے احساسات کو معطل کر دے جواس سے حاصل ہونے والے منافع جات سے کہیں زیادہ نقصان دہ ہیں، جن میں سے ایک نقصان حقیقی بھائیوں کو دشمنوں میں تبدیل کر دینا ہے۔

چنانچہ مثال کے طور پر: چارلین لوگ ہیں جنھیں اسلامی اخوت آپس میں مضبوط رشتے کے ساتھ باندھے ہوئے ہے۔ اور یہ لوگ "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ" جیسی دعا کے ذریعے ہر روز اپنے مابین معنوی تعاون کا تبادلہ کرتے ہیں، لیکن مذکورہ نسل پرستی اس نظریے کے حامل انسان کو چار سو بے لگام و بے مہار قسم کے لوگوں کی خاطر اور فقط محدود سی معمولی دنیاوی منفعت کی خاطر ان چارلین بابرکت بھائیوں کو چھوڑ دینے پر برانگیختہ کرتی ہے۔ اوراس میں وطن، حکومت، متدیّن ڈیموکریسیوں کے لیے اور ترکوں کے لیے بہت بڑا خطرہ پنہاں ہے۔ جو واقعتاً ترک ہے وہ یہ کام نہیں کر سکتا ہے، بلکہ کوئی ترکی الاصل آدمی اس طرح کی غلطی کا ارتکاب کبھی نہیں کرے گا۔

یہ دونوں لہریں متدین ڈیموکریسیوں کو گرانے کے لیے کام کر رہی ہیں، بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی اس کالے کرتوت پر اُبھار رہی ہیں، اوراس کے لیے ان کے ہاتھ جو حیلہ بھی لگتا ہے اس سے فائدہ اٹھا رہی ہیں، اور یہ بلاشبہ ایک ایسی بات ہے کہ احوالِ واقعی جس کی گواہی دے رہے ہیں اوراس میں دوسری کوئی رائے نہیں ہے، اوراس تباہ کن کرتوت کے، اور تمہارے مقابلے میں آنے والی ان دو قوتوں کے مقابلے میں، اور اندرونی اور بیرونی دشمنوں کے مقابلے میں تمہارے پاس ایک ہی حل ہے، اس آفت کا مقابلہ کرنے کے لیے تمہارے لیے صرف اسی کو استعمال کرنا لازم اور واجب ہے اور وہ ہے قرآن کی اُس مضبوط حقیقت کو پوری قوت کے ساتھ تھامنا جس نے صرف چالیس صحابہ کرام کے ساتھ چالیس ملکوں کو چیلنج کیا تھا اوران پر غالب بھی آگئی تھی، وہ حقیقت کہ جس کے چودہ سو سال سے، ہر صدی میں چار سو ملین شاگرد رہے ہیں، جی ہاں، اس قرآنی حقیقت کی قوت کو اوراس کے دامن میں پائے جانے والے دنیاوی اور اخروی ابدی سعادت کے منافع جات کے دامن کو مضبوطی سے تھام لینا، اورانہیں ان دشمنوں کے مقابلے میں مرکزی نقطۂ استناد بنالینا، ورنہ تمہاری گھات میں بیٹھے ہوئے یہ اندرونی و بیرونی دشمن تمہارے ایک جرم کو ہزاروں جرم بنادیں گے، اور پھر ان جرائم

کے ساتھ پہلے لوگوں کے جرائم بھی نتھی کر دیں گے اور پھر وہ تمام کے تمام تمہارے کھاتے میں ڈال دیں گے جیسے کہ تمہارے علاوہ دوسرے لوگوں کے کھاتے میں ڈالے تھے، اور تب یہ چیز آپ کے لیے اور قوم و وطن کے لیے اتنے بڑے خطرے کا باعث بن جائے گی کہ جس کی تلافی ممکن نہیں ہوگی۔

آپ جو جلیلُ القدر خدمات سرانجام دے رہے ہیں، اور جو مذکورہ دو دستوروں کو عملی جامہ پہنائیں گے، اُس ضمن میں اور میرے نوری بھائی آپ کے لیے یہ کہتے ہوئے دعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دینِ اسلام کی خدمت کی توفیق دے اور آپ کو ان مذکورہ خطرات سے محفوظ رکھے۔

رہا تیسرا دستور، تو وہ یہ حدیث ہے جو کہ اسلام میں معاشرتی زندگی کے ایک اہم دستور کی بنیاد رکھتی ہے:

"اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضاً"[1]

مطلب یہ کہ بیرونی دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے آپس کی اندرونی دشمنیوں کو بھلا دینا اور باہم شیر و شکر ہو کر ایک دوسرے پر بھروسا کرنا بہت ضروری ہے۔ دنیا کی بالکل ابتدائی، جنگلی اور غیر مہذب قوموں تک نے اس دستور کے فوائد کو ذہن میں رکھا ہے اور اس پر عمل کیا ہے، چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ جب کوئی بیرونی دشمن ان پر حملہ آور ہوتا ہے، ان کے افراد آپس کی تمام دشمنیاں بھول جاتے ہیں، حالانکہ ان میں سے کسی نے دوسرے کے باپ کو یا بھائی کو قتل کیا ہوتا ہے، لیکن وہ یہ سب کچھ بھول کر بیرونی حملے کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمیں اپنے درمیان کچھ اس طرح کے لوگ نظر آ رہے ہیں کہ جن کے دل و دماغ پر انانیت، ریاکاری، فخر و غرور اور اِس غدّار سیاست سے جنم لینے والی پارٹی بازی کی سوچ غالب ہے، چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ وہ جس کا حمایتی ہے اس کے لیے اللہ کی رحمت مانگتا ہے خواہ وہ خود شیطان ہی کیوں نہ ہو! اور اس کے مخالفین پر لعن طعن کرتا ہے خواہ وہ فرشتے ہی کیوں نہ ہوں! اس حد تک کہ آج سے پینتیس سال پہلے کی بات ہے کہ میں نے ایک نیک عالمِ دین کو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے جلیل القدر عالمِ دین کی غیبت کر رہا تھا جو اس کے ساتھ سیاسی اختلاف رکھتا تھا اور اس پر اتنی سخت تنقید کر رہا تھا کہ اُسے کافر بنانے پر تُلا ہوا تھا، جبکہ ایک اسلام مخالف زندیق کی بڑے جوش و خروش کے ساتھ تعریف کر رہا تھا، صرف اس بنا پر کہ وہ اس کی سیاسی سوچ فکر میں اس کا ہمنوا تھا۔ تب سے میں نے اسی لمحے سیاست کو تیاگ دیا اور اس سے ایسے دور بھاگ گیا جس طرح شیطان سے بھاگتا ہوں۔

دوسری طرف ایک آدمی رمضان المبارک کے بارے میں، اسلامی شعائر کے بارے میں اور دیندار قوم کے بارے میں کسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ اس کے مخالفین اس کی اس دیدہ دلیری پر خوشی اور رضامندی کا اظہار کر رہے ہیں، حالانکہ کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے، اور اسی طرح گمراہی پر راضی ہونا گمراہی اور ظلم پر راضی ہونا ظلم ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب نصر المظلوم: اور صحیح مسلم، کتاب البرّ والصلۃ، باب تراحم المؤمنین و تعاطفھم و تعاضدھم۔

جو بات میری سمجھ میں آئی ہے، یہ ہے کہ مخالفین جن جرائم کا ارتکاب کر چکے ہیں، ان کے بارے میں رائے عامہ کی حمایت حاصل کرنا چاہتے ہیں، اور یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ دیگر مجرم ان سے زیادہ کافر اور بڑے مجرم ہیں۔

اس طرح کے مظالم پر مرتب ہونے والے نتائج صرف یہی نہیں کہ مہلک ہیں بلکہ معاشرے کی اخلاقی قدروں کو تباہ کر کے رکھ دینے والے ہیں، اور اس وطن، قوم اور اسلام کی حاکمیت کو دھوکے سے قتل کر دینے کے مترادف ہیں۔

میں مزید بھی لکھنا چاہتا تھا، لیکن آزادی کے دیندار حامیوں کے لیے صرف انہی تین بنیادی نقطوں پر اکتفا کرتا ہوں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

اپنی معاشرتی زندگی کے ساتھ تعلق رکھنے والی جو حقیقت ہم نے ''عدنان مندریس'' کو لکھ کر بھیجی، یہاں ہم اس پر حاشیہ لکھ رہے ہیں۔

حاشیہ: خاص طور پر اس تیجانی [1] واقعہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جو کہ سابقہ عہدِ حکومت کے بالکل لایعنی ظالمانہ قوانین کے نتیجے میں اور انہیں انتہائی بھونڈے طریقے سے نافذ کرنے کے نتیجے میں ظہور میں آیا۔ بلکہ ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ خود حکومت کے ہی کچھ آدمیوں کے اشتعال دلانے کی وجہ سے پیش آیا ہو! میری نظر میں اس کا ایک ہی ایسا حل ہے جو اس واقعے کو متدین ڈیموکریسیوں کے کھاتے میں ڈالے جانے سے بچاسکتا ہے اور عالم کی نظروں میں ان کی جو نیک نامی اور قدرومنزلت ہے اس کی حفاظت کرسکتا ہے، اور وہ حل اس اذانِ محمدی کی تکمیل کرسکتا جس کا آغاز ان لوگوں نے کر دیا ہے اور جس نے ان کی قوت میں دس گنا اضافہ کر دیا ہے، اور وہ اس طرح ہے کہ حکومت مسجد ''آیا صوفیا'' [2] وہ مقدس مقام لوٹا دیں جو اسے پانچ صدیوں تک حاصل رہا، اور رسائلِ نور پر جو پابندی لگائی گئی ہے وہ سرکاری طور پر دور کر دے، وہ رسائل کہ جنہوں نے عالمِ اسلام پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں، اور جنہوں نے ابنائے وطن کو اُمتِ مسلمہ کی حسنِ توجہ سے بہرہ ور کر دیا ہے۔ اور اٹھائیس سال کے عرصے میں عدالتوں کو جن میں کوئی خطرناک مواد نہیں ملا ہے، اور پانچ عدالتوں نے جن کی براءت کا فیصلہ صادر کر دیا ہے۔ یہ ایک حل ہے جسے اپنا کر ڈیموکریسی لوگ اس واقعے کے برے نتائج سے بچ سکتے ہیں اور میرا یہ اعتقاد ہے کہ یہ لوگ اس حل کو جب عملی جامہ پہنا دیں گے تو ایک تو انہیں عالمِ اسلام کی

---

[1] واقعۂ تیجانیہ: جمہوری پارٹی کے دورِ حکومت 1949ء میں ترکی میں رونما ہونے والے چند واقعات کا مجموعہ، یہ واقعات ان لوگوں کے ہاتھوں رونما ہوئے جو سلسلۂ تیجانیہ کے ساتھ نسبت رکھتے تھے۔ ان میں دو آدمیوں نے چوپال میں اذان دے دی، اور دیگر کچھ افراد نے انقرہ اور اس کے مضافات میں مصطفی کمال پاشا کے اسٹیچوؤں کو توڑ دیا۔

[2] مسجد ''آیا صوفیا'' 857ھ بمطابق 1453ء سے، جب سے استنبول فتح ہوا صلاۃ و عبادت سے معمور رہی، تا آنکہ 1933ء میں اس کی حفاظت و نگہداشت کے بہانے اُسے بند کر دیا گیا، اور پھر 1937ء میں اُسے عجائب گھر میں تبدیل کر دیا گیا۔

توجہ حاصل ہو جائے گی اور دوسرے یہ کہ دوسرے لوگ اس واقعہ کی ذمہ داری ان لوگوں پر نہیں ڈال سکیں گے۔

علی الرغم اس کے کہ میں پینتیس سال سے سیاست سے کنارہ کش ہو چکا ہوں، میں نے صرف دو گھنٹے کے لیے اس میں دلچسپی کا اظہار کر لیا ہے، اور یہ باتیں متدین ڈیموکریسیوں کی خاطر، اور خاص کر ''عدنان مندریس'' کی خاطر قلم بند کی ہیں۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

انقرہ کے طلّابِ نور کی طرف سے ایک خط

میرے عزیز وفادار بھائیو!

تمہارے خط میں خورشید اسلام کی جھلکیاں نظر آئی ہیں، اور محسوس ہوا ہے کہ رسائل نور نوجوان طبقے میں کیسی تیزی کے ساتھ پھیل رہے ہیں، اور اُس بگاڑ کی اصلاح کرتے چلے جا رہے ہیں جو اہلِ کفر سینکڑوں سالوں سے انسان اور اسلام کو نقصان پہنچانے والے فاسد افکار کے ذریعے معاشرے میں پیدا کر رہے ہیں۔

وہ عاشقانِ حق جو کہ رسائل نور کے ذریعے ابدی زندگی کے ڈگر پر رواں دواں ہیں، انہوں نے لہو ولعب اور عبث و بیکاری کی زندگی کو پسِ پشت پھینک دیا ہے اور کفر کو بیخ و بن سے اُکھاڑنے میں مصروف ہو گئے ہیں۔ طلّابِ نور، اربابِ قلوب اور اہلِ ایمان کے حقیقی بھائی ہیں۔

برادرانِ عزیز! آپ لوگوں کے خطوط ہمارے اندر بڑی ہمت اور نشاط پیدا کر دیتے ہیں۔ رسائلِ نور نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ اس دور میں اگر انسان گمراہی کی زندگی گزارے اور کفر کا دُو بدو مقابلہ نہ کرے تو یہ بہت بڑی حماقت ہوگی، اور یہ دور کہ جس میں کمیونزم، فری میشنری اور انارکی اور مطلق العنانی جیسی تباہ کن قوتیں غالب آ چکی ہیں، ایسے دور میں ادا کیا جانے والا سب سے بہتر وظیفہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر نور کی خدمت کرنا اور اسے اس کے مشتاق و طلب گار کو پیش کرنا ہے۔ اور یاد رکھیں کہ ہمیں اس بلند پایہ، بیش قیمت اور بابرکت وظیفے سے روکنے کے لیے ہم پر جو سب سے شدید حملہ ہوگا، وہ ہماری ثابت قدمی اور پامردی میں اضافہ کرے گا۔

رسائلِ نور نے ہمیں یہ سکھایا اور ہمارے لیے ثابت کیا ہے کہ یہ دنیا فقط ایک عارضی مہمان خانہ ہے، اور جو آدمی ابدی زندگی کا طلب گار ہے وہ اُس زندگی میں اپنا مقام و مرتبہ اِس مہمان خانے میں اپنا وظیفہ ادا کرنے کے لحاظ سے بناتا ہے۔ اس چیز کی روشنی میں ہمارا سب سے اہم وظیفہ یہ ہے کہ ہم اُن دین دار لوگوں کو بچانے کے لیے بھاگ دوڑ کریں جو اُس کیچڑ سے نکلنا چاہتے ہیں جس میں نوعِ بشر اس دور میں گر چکی ہے، اور ان پیاسے دلوں کے لیے دستِ تعاون

اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہمارا طریقِ کار یہ ہے کہ ہم نور کا راستا بڑھائیں جو تاریکیوں سے اُکتا چکے ہیں۔ اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہمارا طریقِ کار یہ ہے کہ ہم نور کا راستا دکھانے والے رہنما بن جائیں، اور وہ اس طرح کہ پہلے اپنی ذات سے شروع کریں اور پھر اپنے اردگرد کے لوگوں سے، اور اس میدان میں ہمارا پہلا فرض یہ بنتا ہے کہ ہم پورے غور و فکر اور انہماک کے ساتھ رسائلِ نور کا مطالعہ کریں، اور اس نفیس مجموعے میں ایمان اور قرآن کے جو حقائق پائے جاتے ہیں ان کی عملی تصویر بن جائیں، اور جو شخص اس جلیل القدر نعمت سے بہرہ ور ہو جائے، وہ اس قابل ہے کہ خود اپنے لیے اپنی قوم کے لیے اور اپنے وطن کے لیے ایک مفید فرد بن جائے، اپنی قوت اور اپنی نفع بخشی میں وہ ایک سو بلکہ ایک ہزار لوگوں کے برابر ہو جائے، تب اس کے لیے ممکن ہوگا کہ وہ وسیع پیمانے پر خدمت سرانجام دینے کے لیے اٹھے تاکہ وہ خدمتِ وطن، ابنائے وطن، نوجوانانِ وطن اور تمام عالمِ اسلام کو یکساں طور پر اپنے سایۂ شفقت میں لے لے۔ اور ہم اس ضمن میں استاد نورسی صاحب سے اور آپ لوگوں سے دعا کی اپیل کرتے ہیں، کہ تمھی تو وہ لوگ ہو جنھیں اُن کے حقیقی شاگرد ہونے کا شرف حاصل ہے۔

اس دور میں رسائلِ نور کی مقبولیت کی دلیلیں چونکہ بہت زیادہ ہیں، اس لیے یہ بات فطری ہے کہ ہر منصف مزاج مومن ان کو سہارا دے اور ان کے شانہ بشانہ کھڑا ہو جائے، پھر رسائلِ نور چونکہ عصرِ حاضر کے اسلوب میں لکھے گئے ہیں، اور ان میں عصرِ حاضر کی خصوصیات بدرجۂ اُتم پائی جاتی ہیں اور انہیں علما کی طرف سے تحسین و آفرین کا حصۂ وافر ملا ہوا ہے۔ لوگوں کو قرآن کریم کی راہ دکھانے والا استاد نورسی جیسا بطلِ جلیل جب اپنی زندگی ایمان و اسلام کے لیے وقف کر چکا ہے، اور وہ اپنے راستے میں پورے اعتماد، ثابت قدمی، وسیع مبادیات اور بے نظیر کمال کے ساتھ چل رہا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کام کر رہا ہے، کوئی دنیاوی منفعت اس کے پیشِ نظر نہیں ہے۔ اور جب طلابِ نور بھی اسی طرح اپنی زندگیاں اہلِ سنت کے دائرے میں رہتے ہوئے اسلام اور ایمان کے لیے وقف کر چکے ہیں اور اس سے آگے وہ دنیاوی ساز و سامان کے بالکل آرزو مند نہیں ہیں، اور جب ان میں سے ہزاروں طالب علموں نے یہ حقیقت سختیاں اور دھمکیاں برداشت کرتے ہوئے اپنے کردار کے ساتھ ثابت کر دی ہے، اور جب آج ہر طالبِ نور ان دنوں گردش کرنے والے فلسفیانہ افکار کی محقق، باوزن اور تیروں جیسے سیدھے دلائل کے ساتھ تردید کرنے کے لیے مستعد ہے یا مستعد ہو رہا ہے، اور جب قرآن ہماری حاجات و ضروریات پوری کرتا ہے اور ہمیں اس میں حقائق واضح اور واشگاف صورت میں مل جاتے ہیں، اور جب وہ خود ہی ہمارا بہترین معلّم ہے اور ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہوا ایک ہدیہ، نور اور رحمت ہے، اور جب رسائلِ نور رحمت کا خزینہ اور حقیقت کا سرچشمہ ہیں جو مختلف گروہوں کو تعلیم دیتے ہیں اور حقائق کی واشگاف صورت میں وضاحت کرتے ہیں، تو پھر اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ان کی طرف توجہ کرنا اور اپنا وقت انہیں پورے غور و فکر کے ساتھ پڑھنے میں اور ان کے نسخے تیار کرنے میں صرف کرنا، یقیناً ایک جلیل القدر عبادت اور شادمانی و سعادت کا ایک سرچشمہ شمار ہوگا۔

رسائلِ نور بلاشبہ ہم نوجوانوں کے حاضر اور مستقبل کے لیے ایک معنوی نجات دہندہ کی حیثیت رکھتے ہیں، اور یہ ایک عظیم النفع اور بالغُ التاثیر قسم کی دوا اور تریاق ہیں جسے ہم پوری رغبت اور لذت سے کھاتے ہیں، اور یہ چیز ایک غفلت کی علامت ہوگی کہ باوجود اس کے کہ یہ حقائق کا خزانہ ہیں، ہمارا ان کے ساتھ کوئی تعلق یا وابستگی نہ ہو!

ہر وہ شخص جو حقیقت کی تلاش میں بھاگا پھر رہا ہے، اسے رسائلِ نور سے سیکھنا چاہیے، اور ہم انقرہ یونیورسٹی کے طلاّبِ نور کا یہ ایمان ہے کہ ہر مہذب و مثقف آدمی جو جادۂ نور میں گام زن ہوگا وہ لامحالہ بہت جلد حقیقی سعادت تک پہنچ جائے گا اور دنیا کی حقیقت پہچان جائے گا، اور بہت جلد ایک دن آنے ہی والا ہے جس میں رسائل نور کی آواز اطراف و اکنافِ عالم میں تہلکہ خیز انداز میں گونج اٹھے گی...... جی ہاں، ایسا ہونا ضروری ہے؛ کیونکہ یہ قرآن حکیم کے انوار میں سے کشید کردہ ایک نور ہے جو کہ حیاتِ ابدی کے خزانوں کو نمایاں کر کے دکھا رہا ہے!!

وہ مسلمان علما جو کہ اپنی حرص و ہوا سے دستبردار ہو چکے ہیں اور جنہوں نے دنیا کو اپنی غرض و غایت نہیں بنایا ہے، حقیقت میں وہی انبیا علیہم السلام کے وارث ہیں جیسے کہ حدیث شریف: "اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ"[1] نے خبر دی ہے، اور ہم لوگ اس اعتبار سے رسائل نور کو ان کامل ترین علما میں سے شمار کرتے ہیں۔ یہ ہے ان رسائل کے معنوی شخص کی صورتِ حال، اور ان غفلت کے مارے گونگے بہرے اندھے لوگوں میں سے جو کوئی بھی اس کے مقابلے میں آئے گا ذلت وخواری سے دوچار ہوگا۔ پس یہ رسائل جو کہ اس بلند پایہ کمال کے مالک ہیں؛ اربابِ عقول، اہلِ علم اور طالبانِ حق کو بہت جلد اپنی طرف کھینچ لیں گے، اور عنقریب ہر صاحبِ عقلِ سلیم و صاحبِ قلبِ کریم اس کے دروس لے گا، اور وہ وقت بہت دور نہیں ہے یہ سب کچھ ہم باذن اللہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے؛ کیونکہ جیسے کہ بہت سے علما و مفکرین نے کہا ہے، اس جہانِ رنگ و بُو کی تشکیل نئے سرے سے ہو رہی ہے اور وہ اپنے نور کی تلاش میں ہے جیسے کہ شاعرِ حقیقت محمد عاکف نے کہا ہے:

رَبَّاهُ قَدْ طَالَ الْمَدَى فَابْعَثْ لَنَا نُورَ الْهُدَى
ضَجَّ الْأَنَامُ بِلَيْلِهِمْ أَيْنَ الصَّبَاحُ؟ أَلَا بَدَا؟

پروردگار! بہت دیر ہو چکی ہے، اب ہمارے لیے نورِ ہدایت بھیج ہی دے۔

لوگ راتوں میں چیخ و پکار کر رہے ہیں: صبح کہاں ہے؟ ابھی طلوع نہیں ہوئی؟

پس یہ نور جس کی طرف ہمارے شاعر نے اشارہ کیا ہے، ہمارے ہاں ان دنوں حقیقت کا روپ دھار چکا ہے۔

[1] جامع ترمذی، کتاب العلم، باب فضل الفقہ علی العبادۃ، ابوداود، کتاب العلم، باب فضل العلم، ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ دیکھیں ابن حبان، حدیث نمبر: 88۔

ہمارے معزز بھائیو!

ہمیں آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے تاکہ ہم ایسے انداز سے محنت کر سکیں جو رسائلِ نور کے شایانِ شان ہے، تاکہ انقرہ کا ماحول ہم پر غالب نہ آسکے؛ کیونکہ نور تاریکیوں کو کتنا بھی بکھیر دے، اُسے دیکھنے کے لیے آنکھوں کی اور اس کا ادراک کرنے کے لیے عقل کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے آپ لوگ اپنے ان محتاج بھائیوں کے لیے دعا کریں کہ ہماری آنکھوں پر اس ماحول کے پردے نہ پڑ جائیں...... اللہ تعالیٰ ہم سب کو رسائلِ نور کے دامن کے ساتھ وابستہ ہونے کی اور اپنے دینِ عزیز کی خدمت کی توفیق دے...... آمین!

خالص محبت کے ساتھ

طلاّبِ نور، انقرہ یونیورسٹی

☆ ☆ ☆

جائزے اور تجزیے

طویل فراق کے بعد

میں ستائیس اٹھائیس سال سے استاد سے نہیں مل سکا۔ میں نے بہت دفعہ چاہا بھی کہ اُن کی زیارت کروں اور ان کا چہرہ مبارک دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کروں، لیکن بے تحاشا مصروفیات نے اس طرح کی کوئی فرصت مہیا نہ ہونے دی، لیکن وہ اس کے باوجود دلوں میں بستے ہیں اور اپنے معنوی وجود کے ذریعے ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے ہیں، لیکن کیا شوق کے سلگتے ہوئے جذبات صرف اتنے سے ٹھنڈے ہو سکتے ہیں؟! ہرگز نہیں۔ ان کے ساتھ ملاقات کرنے اور، ان کے نورانی چہرے کے دیدار کرنے کی خوشی نے ہمارے ان کے ساتھ ملنے اور ان کی مجلس میں بیٹھنے کے شوق کے سارے بندھن توڑ دیے ہیں۔

استاد کے ساتھ ہمارے تعارف پر چالیس سال گزر چکے ہیں، ان دنوں وہ اکثر ڈائریکٹر کے کمرے میں آتے جاتے رہتے تھے[1] اور ہم ان کے ساتھ مفید ترین وقت گزارا کرتے تھے، اور محمد عاکف، نعیم، فرید اور اسماعیل حقی ازمیری جیسے فاضل لوگوں کی صحبت میں کئی کئی گھنٹے مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہتی تھیں، چنانچہ استاد وہاں اپنے اپنائیت والے اور دوسروں کو اپنی گرفت میں لے لینے والے لہجے کے ساتھ بڑے علمی مسائل کے بارے میں گفتگو کرتے تھے، ان کی گفتگو میں پائی جانے والی قوت اور غلبے کی جھلک ہمارے جذبات کو بھڑکا دیا کرتی تھی، ان کی غیر معمولی فطری

---

[1] یعنی استنبول ''دار الحکمۃ الاسلامیۃ'' میں۔

ذہانت اور خداداد صلاحیت پر لے درجے کے گھمبیر اور پیچیدہ ترین مسائل کو حل کرتے وقت جھلک جھلک پڑتی تھی۔

وہ ایک بیدار اور روشن ترین دماغ کے مالک تھے، منقول علم میں زیادہ کتابیں نہیں پڑھتے تھے، اُن کا مرشد صرف قرآن تھا، قرآن ہی اُن کی ذہانت و فطانت اور فیضانات کا سرچشمہ تھا، اور ان کی تمام کرنیں وہیں سے ابھری ہیں، اسی طرح وہ ایک ایسی منفرد رائے کے مالک ہیں جو انہیں مجتہد اور اِمام کے درجے تک پہنچا دیتی ہے، وہ ایک آدمی ہیں جو سینے میں کسی صحابی کی طرح ایمان سے بھرا ہوا دل رکھتے ہیں اور ان کی روح عمرؓ کی شہامت اور غیرت سے معمور ہے۔ وہ بیسویں صدی میں عصرِ نبوت کی روح کے ساتھ جی رہے ہیں۔ ان کے سامنے صرف ایک ہی ہدف ہے اور وہ ہے: ایمان اور قرآن۔ ان کا اور رسائل کا سب سے بڑا سہارا اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی توحید جو کہ اسلام کی غرض و غایت کے لیے مغز کی حیثیت رکھتے ہیں، اور ان کے دل میں شرک اور بت پرستوں کے لیے اتنی نفرت ہے کہ اگر ان کے مقدر میں اسلام کے ابتدائی دور میں زندگی گزارنا ہو جائے تو اُس وقت بتوں کو توڑنے کی ذمہ داری ان کے سپرد کی جائے۔

انہیں ایک صدی کے لگ بھگ زندگی گزارنے کا موقع ملا، اس دوران وہ دلوں میں قرآن و ایمان کے حقائق کی بنیادیں استوار کرنے کے لیے مسلسل جدو جہد کرتے رہے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ان کی زندگی فضیلت اور غیرت و حمیت کی زندگی تھی، میدان ہائے جنگ میں ان کا تعارف دشمن پر جھپٹنے پلٹنے اور پلٹ کر جھپٹنے والے دلاور، صاحب عزم اور مضبوط دل مجاہد کے طور پر ہوا، اور قید و بند نے انہیں ایسے سورمے کی حیثیت سے جانا جو نہ تو قید کرنے والوں کی پرواہ کرتا تھا اور نہ تختۂ دار سے ڈرتا تھا، حتیٰ کہ اس نے دشمنوں کے کمانڈر کو اپنا فیصلہ تبدیل کرنے اور انصاف کی طرف رجوع کرنے پر مجبور کر دیا۔

وہ فدائی ہیں، قوم و وطن کے لیے اپنی جان قربان کر دینے میں بالکل تردّد نہیں کرتے، وہ فتنہ و فساد اور تخریب کاری کے جانی دشمن ہیں، اُمّت کی مصلحت کے لیے انواع و اقسام کے ظلم برداشت کرتے ہیں، وہ اس آدمی کے خلاف بھی بد دعا کرنے سے گریز کرتے ہیں جس نے ان پر ظلم کیا ہو، بلکہ جن لوگوں نے انہیں جیل میں دھکیلا وہ ان کی اصلاح اور ایمان کی امید رکھتے ہیں، ان کے قُدسی مقصد کی راہ میں موت ان کے ہاں ایک معمولی سی چیز رہ جاتی ہے۔

رہا ان کا کھانا، تو وہ شوربے کی پیالی، پانی کا گلاس اور روٹی کے چند لقمے ہیں، اور ان کا لباس انتہائی سادہ اور زاہدانہ ہے، اور وہ ایک سفید رنگ کی اونی چھال ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ صفائی کا بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں، اپنے کپڑے بدل کر میلے ہونے سے قبل ہی دھوڈالتے ہیں...... کاغذ کی نقدی نہ پاس رکھتے ہیں اور نہ اُسے ہاتھ چھوتے ہیں...... ان کی ملکیت میں دنیا کی کوئی متاع نہیں ہے...... وہ اپنے لیے نہیں اُمت کے لیے جیتے ہیں۔

نحیف الجثّہ ہیں اور درمیانے قد کے ہیں، لیکن بڑے پُرشکوہ اور رعب دار ہیں، عقابی نظر کے مالک ہیں، ان کی آنکھوں سے عجیب قسم کی روشنی چھلکتی ہے، مادی طور پر ہوسکتا ہے دنیا کے سب سے زیادہ غریب آدمی ہوں...... لیکن

معنوی طور پر بادشاہ ہیں۔

ان کی اسی سال سے زائد عمر کے آلام ومصائب ان کے چہروں پر جھریاں نہیں ڈال سکے...... بڑھاپا ان کے صرف بالوں کو ہی تاراج کرسکا ہے......

ان کا رنگ چمکدار ہے...... کلین شیو ہیں...... چُست ایسے ہیں کہ جیسے بالکل جوان ہوں...... پُرسکون اور نرم وگداز اور لطیف مجلسی ماحول کے مالک ہیں...... لیکن ان کی مجلس میں جب بحث میں گرما گرمی اور تُوتکار کی فضا بن جائے تو پھر شیر کی طرح سیدھے ہوکر بیٹھ جاتے ہیں اور ایسے جوشیلے اور گرجدار انداز میں گفتگو شروع کردیتے ہیں کہ گویا کوئی بادشاہ تخت پر بیٹھا ہوا ہو۔

اُن کے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت چیز سیاست ہے...... انہوں نے خود کو اور اپنے شاگردوں کو سیاسی دلچسپیوں سے روک رکھا ہے...... ان پر آج پینتیس سال ہوگئے ہیں، اس عرصے میں انہوں نے کبھی کوئی اخبار نہیں پڑھا ہے...... وہ دنیا کے تمام معاملات سے قطع تعلق کرچکے ہیں اور ہمہ تن عبادت میں مصروف ہوگئے ہیں۔ چنانچہ مغرب کی نماز کے بعد سے لے کر دوسرے دن کی ظہر تک کسی سے نہیں ملتے...... رات جاگتے رہتے ہیں، بہت کم سوتے ہیں۔

اُن کے طالب علم مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں، جن کی تعداد چھ لاکھ سے زائد ہے، بلکہ ہوسکتا ہے دس لاکھ تک پہنچ گئی ہو...... وہ علاقے کے بہترین لوگ شمار ہوتے ہیں، اور ان میں ہزاروں ایسے ہیں جو مختلف کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جدید علوم حاصل کررہے، اُن سب کو اخلاق، فضائل، سنجیدگی، محنت اور جدوجہد کے باب میں ان کے ہم عصروں میں ممتاز پائیں گے......

اور باوجود اس کے کہ طلّابِ نور علاقے کے اطراف واکناف میں ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں، لیکن آپ کبھی نہیں سنیں گے کہ ان کی طرف سے کوئی ایسا واقعہ رونما ہوا ہے جو امنِ عام میں خلل کا یا نظامِ حکومت کے خلاف بغاوت کا باعث بنا ہو...... بلکہ ان میں سے ہر طالب علم علاقے کے امن واستقرار کا خیال رکھنے والے سارجنٹ کا کردار ادا کررہا ہے اور بے ساختہ طور پر اس کے نظام وانتظام کی حفاظت اور نگرانی ونگہبانی کررہا ہے۔

☆ ☆ ☆

میں نے ان سے پوچھا کہ استنبول کے سفر میں اگر تکلیفیں پیش آئیں تو پھر؟

تو انہوں نے جواب دیا:

مجھ پر وہ تکلیفیں گراں گزرتی ہیں جو عالم اسلام کو درپیش ہیں...... چنانچہ عالم اسلام کو پہلے دور میں تکلیفیں چونکہ باہر سے آتی تھیں اس لیے ان کا مقابلہ بڑا آسان تھا...... لیکن آج کل اسے تکلیفیں اندر سے آرہی ہیں...... ملّت کا درخت

اب اندر سے کھوکھلا کیا جا رہا ہے اور یہ کھوکھلا پن اب تنے تک پہنچ چکا ہے اور اس کا مقابلہ بہت ہی مشکل ہو گیا ہے...... اور مجھے تو اس بات کا ڈر ہے کہ ہمارا معاشرہ اب یہ مقابلہ نہیں کر سکے گا...... افسوس تو اس بات کا ہے کہ قوم کو اپنے اس کھوکھلے پن کا احساس نہیں ہو رہا ہے، بلکہ قوم اپنے اس دشمن کو جو کہ اس کی زندگی کی شریانوں کو کاٹے جا رہا ہے اور اس کا خون چوسے جا رہا ہے، اپنا جگری دوست سمجھ رہی ہے...... معاشروں کی آنکھیں جب اس حد تک اندھی ہو جائیں تو پھر یہ سمجھو کہ ایمان کے قلعے کو خطرات لاحق ہو چکے ہیں! مجھ پر صرف یہی تکلیف گراں گزر رہی ہے اور کوئی نہیں، میرے پاس اپنی ذاتی تکالیف کے بارے میں غور کرنے کے لیے وقت ہی نہیں ہے...... کاش کہ یہ تکلیفیں ہزار گنا بڑھ جائیں اور اس کے عوض میں ایمان کا قلعہ اور اس کا مستقبل سلامت رہ جائے۔

سوال: آپ کے یہ ہزاروں اہلِ ایمان شاگرد آپ کو مستقبل کے بارے میں تسلّی اور امید فراہم نہیں کر سکتے؟

جواب: کیوں نہیں! میں مکمل طور پر بدفال نہیں ہوا ہوں......

دنیا اس دور میں ایک بہت بڑے معنوی بحران سے گزر رہی ہے، آئے دن اس میں ایسی آفات اور ایسے امراض پھیلتے جا رہے ہیں جو یورپ کے روحانی طور پر شکستہ بنیادوں والے معاشرے میں اُبھرے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ عالم اسلام ان مہلک امراض کا مداوا کیسے کرے گا؟ اور اس کے پاس ان سے نپٹنے کے لیے کیا حل ہیں؟ کیا اس کے پاس وہی باطل حل ہیں جو یورپ نے تیار کیے ہیں جو خود اندرونی ٹوٹ پھوٹ اور بدنظمی کا شکار ہے؟ یا پھر وہ ان کا مداوا اپنی مضبوط پاکیزہ ایمانی بنیادوں کے ساتھ کرے گا؟

مجھے بڑی بڑی عقلوں کے مالک تو غفلت میں پڑے نظر آ رہے ہیں، اور کفر کی دیمک خوردہ بنیادوں پر ایمان کے قلعے کے ستون کھڑے نہیں کیے جا سکتے؛ اس بنا پر میں خود کو باقی تمام مسائل چھوڑ کر اپنی تمام تر کوششیں صرف ایمان کے مسئلے پر مرکوز رکھنے کے لیے مجبور سمجھتا ہوں۔

یہ لوگ رسائل نور کو سمجھ نہیں پا رہے ہیں، یا پھر سمجھنا ہی نہیں چاہتے ہیں...... یہ مجھے ایک رواجی سا عالمِ دین سمجھ رہے ہیں جو کہ مذاہب کی جدلیات اور متون و شروح کے صفحات میں مستغرق ہے...... میں نے اپنی عنانِ توجہ جدید سائنس اور عصرِ حاضر کے تمام معارف و فلسفہ جات کی طرف موڑی تھی، اور انہیں اتنے انہماک کے ساتھ پڑھا تھا کہ ان کے دقیق ترین مسائل حل کر لیے تھے اور اس ضمن میں کچھ کتابیں بھی لکھ ڈالی تھیں، لیکن میں چکنی چپڑی باتیں کرنے کا اور گفتگو میں مہارت دکھانے کا عادی نہیں ہوں اور فلسفہ کی فریب کاری کو اور ملمّع سازیوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا ہوں...... میری پریشانی اور غرض و غایت صرف یہ اُمت ہے، اس کی اندرونی زندگی، اس کا معنوی وجود، اس کا ضمیر اور اس کا ایمان ہے...... اور میری مصروفیت صرف اور صرف توحید اور ایمان ہے اور یہ وہ دو بنیادیں ہیں جو قرآن کریم نے استوار کی ہیں...... پس یہ دونوں بنیادیں ہی وہ بنیادی ستون ہیں جس پر امتِ اسلامیہ کی بنیاد کھڑی ہے...... یہ ستون جب ڈگمگا جائے گا تو امت کا

وجود تباہ کن خطرات سے دوچار ہو جائے گا۔

مجھ سے کہا جاتا ہے کہ تم ہر کسی کے معاملات میں دخل اندازی کیوں کرتے ہو؟

میں کہتا ہوں: مجھے اس کا پتا نہیں چلا؛ کیونکہ مجھے اپنے سامنے آگ لگی ہوئی نظر آرہی ہے جس کے شعلے آسمان کو چھو رہے ہیں...... اس آگ میں میرے بیٹے جل رہے ہیں...... اور اس کی لپٹیں مجھ تک بھی پہنچ رہی ہیں...... چنانچہ میں جلدی سے آگ بجھانے کے لیے اٹھتا ہوں تاکہ انہیں بچا سکوں...... لیکن اچانک ایک آدمی میرے راستے میں آجاتا ہے اور مجھے وہاں پہنچنے نہیں دیتا...... تب میرا پاؤں اس کے ساتھ ٹکرا جاتا ہے...... تو اس کی کیا اہمیت ہوگی؟ اور اس ہولناک آگ کے سامنے اس طرح کے معمولی سے حادثے کی کیا قیمت ہوگی؟ گھٹیا سوچ اور کوتاہ نظر۔

کیا یہ لوگ مجھے ایک انا پرست انسان سمجھتے ہیں جسے صرف اپنی جان بچانے کی فکر ہے؟ میں اپنا سب کچھ معاشرے کا ایمان بچانے کے لیے قربان کر چکا ہوں...... بلکہ اس راہ میں اپنی آخرت کو بھی قربان کر چکا ہوں...... میں اپنی اسی سال سے زائد زندگی میں دنیا کی لذتوں اور رنگینیوں کے ساتھ جان پہچان نہیں کر پایا ہوں، میری تمام زندگی جنگ کے میدانوں میں، یا قید کی چھاؤنیوں میں، یا علاقے کی جیلوں میں اور یا پھر عدالتوں میں گزری ہے۔ کوئی ایسی سختی نہیں جس کا میں نے سامنا نہیں کیا، اور کوئی ایسی تکلیف نہیں جس کا میں نے ذائقہ نہیں چکھا...... فوجداری عدالت میں میرے ساتھ ایک مجرم والا برتاؤ کیا گیا، اور مجھے ایک تخریب کار دہشت گرد کی طرح پے در پے ایک شہر سے دوسرے شہر میں جلا وطن کیا گیا، اور مجھے اپنے علاقے کی جیلوں میں کئی مہینے تک دوسروں کے ساتھ ملنے جلنے سے منع کیے رکھا، مجھے کئی مرتبہ زہر دیا گیا، اور مجھ پر انواع واقسام کے طعن وتشنیع، بے عزتی اور عیب گیریوں اور بدنامیوں کے اتنے زیادہ حملے کیے گئے کہ میں نے کئی دفعہ موت کو زندگی پر ترجیح دی...... میرا دین اگر مجھے خودکشی سے نہ روکتا تو سعید آج سے کتنی دیر پہلے زیر زمیں جا چکا ہوتا۔

مجھے فطرت ہی ایسی ملی ہے جو ذلت واہانت قبول نہیں کرتی، اور اسلام کی عزت اور شان وشوکت دونوں ہی مجھے اس طرح کے سلوک قبول کرنے سے سختی سے روکتے ہیں، میرا مدِ مخالف جو کوئی بھی ہو، خواہ کتنا ہی ظالم وجابر اور قہرمان ہٹ دھرم اور سفاک قسم کا دشمن کیوں نہ ہو، میں اس کے سامنے پستی کا اظہار کسی بھی صورت میں نہیں کروں گا، بلکہ اس کے ظلم وستم کا اور اس کی سخت گیری کا رد کروں گا، اگرچہ اس کے نتیجے میں وہ مجھے جیلوں کی کال کوٹھڑیوں میں دھکیل دے یا پھانسیوں کے پھندوں تک لے جائے، ایسا کچھ بھی ہو جائے مجھے اس کی قطعاً پرواہ نہیں، بلکہ ایسا تو بالفعل واقع ہو بھی چکا ہے اور میں اس کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کر چکا ہوں۔ پکڑ دھکڑ کی اُس چھاؤنی میں اس خونی قائد کا ضمیر اور اس کا دل اگر مزید ظلم ڈھانے کے لیے اس کی بات مان لیتا۔ تو آج سعید کا شمار بھی ان لوگوں میں ہوتا جو تختۂ دار پر جھول چکے ہیں، اور وہ بھی کبھی کا مظلوموں کے قافلے کے ساتھ جا ملا ہوتا۔

میری زندگی کچھ اسی انداز سے مصیبتوں، مشقتوں اور آزمائشوں میں گزری ہے، اور میں نے معاشرے کے ایمان، اس کی سلامتی اور سعادت کے لیے اپنی ذات اور اپنی دنیا کو قربان کر دیا ہے۔ میرے سماج کو یہ چیز مبارک ہو، جن لوگوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے میں ان کے لیے بد دعا بھی نہیں کرتا ہوں؛ کیونکہ ان مشقتوں اور مصیبتوں کی برکت سے رسائلِ نور اگر کروڑوں کا نہیں تو لاکھوں کا ایمان بچانے کا وسیلہ بن گئے ہیں...... میں تو ایسے لوگوں کی تعداد صحیح طور پر نہیں جانتا پر لوگ کچھ ایسے ہی کہتے ہیں۔ ''افیون'' کے سرکاری وکیل نے کہا تھا کہ ان کی تعداد پانچ لاکھ ہے...... پس اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میرے بقیدِ حیات رہنے اور مصیبتوں مشقتوں کو برداشت کرنے والے رویّے نے ان تمام لوگوں کے ایمان بچا کر بہت بڑی خدمت سرانجام دے دی ہے، لیکن اگر میں مر جاتا تو زیادہ سے زیادہ صرف اپنا ایمان ہی بچا پاتا۔

اس معاشرے کے ایمان اور اس کی سلامتی کی خاطر میں اپنی آخرت بھی قربان کر چکا ہوں، اور ایسا میں نے جنّت کے لالچ اور جہنم کے خوف سے نہیں کیا؛ کیونکہ اگر ترکی کے اڑھائی کروڑ نفوس پر مشتمل سماج کا ایمان سالم رہ جائے...... بلکہ کروڑوں کی تعداد کے اسلامی معاشروں کا ایمان سلامت رہ جائے، تو پھر اِن کے لیے ایک سعید کیا ہزاروں سعید بھی قربان ہو جائیں تو پرواہ نہیں۔

روئے زمین پر اگر ایک بھی ایسی جماعت نہ پائی جائے جو قرآن کا جھنڈا بلند کرتی ہو، تو میں جنت میں رغبت نہیں رکھتا ہوں، بلکہ وہ جنت ہی میرے لیے جیل کا روپ دھار جائے گی۔ میرے جہنم کی آگ میں جلنے سے اگر اس وطن کے باشندوں کا ایمان بچ سکتا ہے تو مجھے جہنم میں جلنا قبول ہے؛ کیونکہ جب میرا جسم جلے گا تو میرا دل پھولوں کا ایک باغیچہ بن جائے گا۔

استاد غیرت وحمیت اور خودداری میں اس آتش فشاں کی طرح تھے جو آگ کے انگارے پھینکتا ہے، یا ایک تیز آندھی کی طرح تھے جو دلوں کے سمندروں کی سطح پر چلتی ہے تو ان کی موجوں میں تلاطم آجاتا ہے، یا پھر وہ تیزی کے ساتھ گرتی ہوئی ہیبت خیز آبشار کی طرح تھے جو روحوں کی گہرائیوں میں گرتی ہے، وہ ایک ولولہ انگیز خطیب کی طرح لوگوں کے بڑے بڑے مجمعوں میں ایک قادرُ الکلام خطیب کی طرح گفتگو کرتے جاتے تھے، کوئی بھی آدمی ان کی بات کاٹ کر انہیں روکنا نہیں چاہتا تھا۔

مجھے محسوس ہوا کہ وہ تھک گئے ہیں، تب میں نے موضوع کا رُخ بدلتے ہوئے ان سے پوچھا:

اِن مقدّمات سے آپ اکتائے نہیں؟

میں حقوق کے اساتذہ سے اور اہلِ علم سے یہ پوچھتا ہوں کہ قانون میں کوئی ایسا آرٹیکل بھی موجود ہے جو اُس آدمی کو مجرم ٹھہراتا ہو جو دینی تعلیم کی حمایت کرتا ہو، یا اپنی عورتوں کی اور اپنے وطن کی بیٹیوں کی اسلامی تربیت کر کے ان کی عفت وعزّت کی حفاظت کرنے کی حمایت کرتا ہو؟ یا میرے اِس قول میں کہ ''دل میں ایک حقیقت وارد ہوئی ہے''، یا اس قسم کی

دیگر تعبیروں میں ایسی کوئی چیز پائی جاتی ہے جو اس بات کی دلیل بنتی ہو کہ میں اس طرح کے جملے بول کر اپنی ذاتی حیثیت کا بول بالا کرنا چاہتا ہوں؟

استاد کے ساتھ ہماری ملاقات کافی طول اختیار کر گئی، اور وقت بڑی تیزی سے گزر گیا، تب ہم نے اجازت لی اور واپس آ گئے۔

اشرف ادیب

1952ء

☆ ☆ ☆

سعید نورسی اور اُن کے شاگرد

ایک بوڑھا آدمی ہے، بہت بوڑھا، اپنی کوشش میں کامیاب ہے، اس کے اردگرد آٹھ سال سے لے کر اسی سال کے مختلف قسموں کے لوگ جمع ہو چکے ہیں، ان کی عمروں میں تفاوت ہے...... افکار میں تنوّع ہے...... اور اعمال میں اختلاف ہے...... لیکن اس کے باوجود ان میں کوئی فرق نہیں، ربّ العالمین، اُس کے رسولِ امین صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی کتابِ کریم پر ایمان نے اُنہیں یکجا کر دیا ہے، اور اُن کے حالات ایسے لوگوں کی خبر دیتے ہیں جنہیں ان کا وہ گوہر مقصود مل گیا ہے جس کی وہ تلاش میں تھے، اور وہ قرآن کو ایسے تروتازہ پا رہے ہیں کہ جیسے وہ آج ہی نازل ہوا ہو۔

انسان جب سعید نورا اور اس کے شاگردوں کے حالات میں غور کرتا ہے، اسے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ عصرِ سعادت کی طرف لوٹ گیا ہے، عصرِ اوّل کے ہراول دستے میں اُسے نظر آتا ہے کہ نور ان کے چہروں سے ٹپک رہا ہے اور اس کی جھلک ان کے ظاہر و باطن میں ہویدا ہے...... ان کے اردگرد سکینت کا ہالہ ہے...... یہ کتنی بڑی سعادت ہے کہ انسان کا تعلق کسی پاکیزہ، عُلوی اور خلود آشنا چیز کے ساتھ جڑ جائے!

اور وہ کائنات کو پیدا کرنے والی اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہستی کے ساتھ وابستہ ہو جائے...... انسان جب اس راہ میں چل پڑتا ہے اور اس کا عاشق ہو جاتا ہے تو کتنا سعادتمند ہو جاتا ہے!

سعید نورا ایک ایسا آدمی ہے جسے تجارب نے نکھار کر رکھ دیا ہے، اس نے اپنی طویل عمر میں تین مرحلے دیکھے:

مشروطیت یعنی آئینی حکومت کا مرحلہ، انجمن اتحاد و ترقی کا مرحلہ، اور جمہوریت کا مرحلہ؛ یہ تینوں مرحلے تبدیلیوں، گراوٹوں، تنزلیوں اور پستیوں کے مرحلے تھے، ان میں ہر چیز پستیوں کا شکار ہوئی، سوائے ایک آدمی کے کہ جس نے آندھیوں میں بھی اپنا چراغ جلائے رکھا اور پربت کی طرح ثابت و برقرار رہا...... یہ مردِ کہستانی مشرق کی چوٹیوں سے نمودار ہوا تھا...... مشرق کہ جہاں سے آفتاب نمودار ہوتا ہے...... یہ اپنے سینے میں مضبوط پہاڑوں جیسا ایمان اُٹھائے

ہوئے استنبول میں وارد ہوا...... اس ایمان کو اس نے زرہ بنا کر پہن رکھا تھا تا کہ اس کے ذریعے ان تینوں مرحلوں کے شرور وآفات سے محفوظ رہ سکے۔

اس نے صرف اپنے ربّ پر بھروسا کیا...... صرف اپنے نبی ﷺ کو نمونہ بنایا...... اس کا کل سرمایہ یہی تھا...... سر بفلک پہاڑ کی طرح پورے وقار کے ساتھ سر بلند ہو کر کھڑا رہا، کوئی ظالم وجابر اسے جھکا نہ سکا اور کوئی عالم علم میں اس کا ہمعنان نہ ہوسکا...... چٹان جیسے مضبوط ارادے کا تھا اور برق جیسی تیز ذہانت کا مالک تھا...... یہ ہے سعید نورسی، معنویات کا ایک تحیُّر خیز انسان، فوجی عدالتیں، بغاوتیں اور انقلابی شورشیں جس کے پائے ثبات میں لرزش پیدا نہ کر سکیں...... جلاوطنیاں اور تختہ ہائے دار اُسے اس کی راہ سے پرے نہ ہٹا سکے...... وہ ان تمام سختیوں، سنگینیوں اور ان تمام چیلنجوں کے مقابلے میں اپنے گہرے ایمان سے جنم لینے والی سخت جانی وشجاعت کے طفیل ایسے ڈٹا رہا کہ جیسے اس کے اندر اللہ تعالیٰ کا فرمانِ گرامی: ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ تجلی فرما ہے۔

ہم نے ان کے دفاعی بیانات پڑھے ہیں جو انہوں نے عدالتوں میں دیے ہیں، وہ بیانات صرف ذاتی دفاع ہی نہیں بلکہ ایک قضیۂ کبریٰ کے دفاع میں ہیں۔ ان کا یہ حق بنتا ہے کہ وہ ایک ایسی نفیس کتاب بن جائیں جس کے صفحات شجاعت، ثابت قدمی اور عبقریت کی روشنیوں سے جگمگا رہے ہوں۔

سقراط اس درجے کا عظیم آدمی کیوں تھا؟ کیا اس لیے نہیں کہ اس نے وقت کے اہم قضیے کے مقابلے میں اپنی زندگی کو ہیچ سمجھا؟ سعید نورسی کو اس ضمن میں کم از کم جس شخص کے ساتھ تشبیہ دی جاسکتی ہے سقراط ہے، لیکن اسلام کے دشمنوں نے ان کی جو تصویر کھینچی ہے یہ ہے کہ وہ ایک رجعت پسند اور بنیاد پرست انسان ہے، ان کی نظر میں عظمت صرف غیر مسلموں کے حصے میں ہی آسکتی ہے۔

اِس انسان کو ایک عدالت سے دوسری عدالت کی طرف گھسیٹا گیا، لیکن تہمتوں کے پنجرے میں بھی اس کا بول بالا رہا، اُسے جیلوں کی کال کوٹھڑیوں میں ڈالا گیا، لیکن اس کی فضیلت کی وجہ سے جیلیں اور کال کوٹھڑیاں یوسفی مدارس بن گئیں، سعید نورسی نے جیلوں اور دلوں کو روشن کر دیا تھا، کتنے ہی قاتل، بدکار اور قانون کے باغی مجرم ایمان کے اس نمونے کے سامنے اپنی انانیت سے دستبردار ہو کر فنائے ذات کا نمونہ بن گئے، اور ان میں سے ہر ایک ایسا پاکیزہ مومن اور نیک ہم وطن بن گیا کہ گویا سارے نئے سرے سے پیدا ہوئے ہیں! آپ کے ہاں ایسا کون سا مدرسہ یا نظامِ تربیت ہے جس نے یہ کام کیا ہے یا کر سکتا ہو؟

اُسے بہت دفعہ ایک جگہ سے دوسری جگہ شہر بدر کیا گیا، لیکن وہ جہاں جاتا وہ جگہ اس کی مادرِ وطن میں تبدیل ہو جاتی، وہ جہاں گیا پاکیزہ اور تقویٰ شعار اہلِ ایمان اس کے اردگرد اکٹھے ہو گئے، اور قوانین، اَحکام واَوامر، پولیس، سیکیورٹی فورس اور جیل کی پختہ دیواریں اس کے اور اس کے مومن بھائیوں کے درمیان ایک لمحے کی بھی جدائی نہ ڈال سکیں، بلکہ

ان طالب علموں کے اور ان کے مرشد کے درمیان حائل ہونے والی دبیز قسم کی مادی رکاوٹوں کے تمام طبقات دین و ایمان اور محبت کی برکت سے لطیف اور شفاف پردے بن گئے۔

لوگوں نے اسے لوہے کی مضبوط گونگی بیڑیوں میں جکڑا اور اسے اندھی قوت کی دھمکیوں کے طوق پہنائے، لیکن عالمِ روح اس طرح کی بیڑیوں اور طوقوں سے آشنا نہیں ہے، بلکہ اس کے بحر زخار کی موجیں بہت اٹھیں اور ایک دور افتادہ چھوٹے سے گاؤں کے چھوٹے چھوٹے کمروں سے جھاگ نکالتی ہوئی اچھلتی کودتی ہوئی نکلیں اور ہر طرف پھیلتی گئیں اور یونیورسٹیوں کے دروازوں سے جا ٹکرائیں۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس کے نور سے معاشرے کے ہر طبقے کے لوگ روشنی حاصل کر رہے ہیں، چنانچہ ان میں سے کچھ ایمان کے پیاسے ہیں، اور کچھ وہ ابنائے وطن ہیں جن کے مقدس شعائر کی کئی سالوں تک بے حرمتی کی گئی، اور کچھ وہ نسلیں ہیں کہ باطل نے جن کے معنوی وجود تباہ و برباد کر دیے ہیں۔

رسائل نور آپ کے سامنے ہاتھوں ہاتھ منتقل ہو رہے اور زبانوں پر جاری ہیں، مختلف علاقوں میں پھیلتے جا رہے ہیں، ہر آدمی حصہ بقدر جثہ ان سے فائدہ اُٹھا رہا ہے اور ان کے نور سے منور ہو رہا ہے، ان میں بچے، بوڑھے، نوجوان، پڑھے لکھے، اَن پڑھ، مہذب و مثقف اور چھوٹے بڑے سب شامل ہیں، ان کا ہر شاگرد فوٹو کاپی مشین اور پریس بن چکا ہے اور انہیں طبع کرتا جا رہا ہے۔ ایمان ٹیکنالوجی کو چیلنج کر چکا ہے اور اس نے ہمارے لیے ہزاروں کے حساب سے قلمی نسخے پیدا کر دیے ہیں جو فوٹو کاپی مشین کو چیلنج کر رہے ہیں۔

بلکہ ان اندھے لوگوں پر خوف طاری ہو چکا ہے جن کی آنکھوں پر مہر لگ چکی ہے، بصیرتیں ختم ہو گئی ہیں اور جن کے باطن اجاڑ بیابان بن چکے ہیں، چنانچہ وہ لوگ اس روشنی و تابانی سے ڈر گئے ہیں اور اب وہی گھسا پٹا ریکارڈ دُہراتے جا رہے ہیں کہ یہ سیکولرازم کے خلاف ہے۔ اور اس بھونڈے سے گیت کو دلیل بنا کر ہی انہوں نے اسے عدالتوں کے چکر لگوائے، اُسے جیلوں میں ٹھونسا اور اسے کئی مرتبہ زہر دیا، لیکن وہ زہر تریاق بن گیا اور جیلیں مدرسوں کا روپ اختیار کر گئیں...... اور استاد کا اللہ کے اور قرآن کے نور سے کشید کردہ نور اپنے علاقے سے نکل کر عالمِ اسلام کے اطراف و اکناف میں پھیل گیا۔

ترکی میں اِن دنوں ایک قوت پائی جاتی ہے، ہر تنظیم کو اور ہر محبِ وطن انسان کو چاہیے کہ وہ اس کے احترام میں کھڑا ہو جائے...... اور وہ قوت ہے سعید نور اور اس کے شاگرد؛ ان لوگوں کی نہ کوئی جمعیت ہے، نہ بلڈنگ، نہ ہیڈ آفس اور نہ ہیڈ کوارٹر، اسی طرح نہ ان کی کوئی سیاسی پارٹی ہے، نہ خطابی کانفرنسیں اور نہ عوامی اجتماعات، یہ ان باعمل، پوشیدہ اور تقویٰ شعار اہلِ ایمان کا ایک جمِ غفیر ہے جنھوں نے قَضِيۂ الکُبریٰ کے لیے اپنی مہنگی اور نفیس ترین متاعِ حیات کو قربان کر دیا ہے۔

عثمان یوکسل سردن گجتی

☆ ☆ ☆

بدیع الزمان کو زہر دے دیا گیا تھا

آج سے سات سال پہلے (1948) اور علاقے کی تاریخ کے سیاہ دنوں میں کہ جب قوانین کی بے حرمتی ہوتی تھی، لوگوں کے حقوق چھینے جاتے تھے، آزادیاں کوڑوں کی زد میں تھیں اور ذاتی مصلحتیں اور شخصی اغراض کو قانون پر بالا دستی حاصل تھی...... اُن دنوں میں ایک اسی سال سے زائد بوڑھے جلیل القدر عالم دین کو ''صوبہ افیون'' کے ''امیر داغ'' نامی شہر میں جلاوطن کر دیا گیا اور اس کا نام قانونی طور پر وہیں کے لوگوں کے رجسٹر میں درج کر دیا گیا اور اس پر وہاں جبری اقامت فرض کر دی گئی۔

جی ہاں، اس علمی اور فکری آدمی کو جلاوطن کر دیا گیا جس نے احکام قرآن کی تبلیغ کو اور لوگوں کو حق، خیر اور فضیلت کی راہ دکھانے کو اپنی زندگی کی غرض و غایت بنالیا تھا۔ اور اپنے اس وطن کی سرزمین پر کہ جس کی سرحدوں پر اس نے دشمن کے ساتھ لڑائی کی تھی اور اس کی مٹی کو اپنا خون پلایا تھا، اسی سرزمین پر اس پر اتنا ظلم ہوا اور اسے اتنی تکلیفیں دی گئیں کہ جو تفتیشی عدالتوں کی یاد تازہ کر دیتی ہیں، اور ان ظالموں نے اس کے طرزِ زندگی اور لباس سمیت اس کے ہر معاملے میں ٹانگ اڑائی اور اس پر سختیاں روا رکھیں!! اسے سنگینوں کے سائے میں موت کی سزا دینے کے لیے لایا گیا، اور اُسے اس کی جلاوطنی میں زندگی کی ہر سہولت سے محروم رکھا گیا...... البتہ یہ بات اور ہے کہ اس علاقے ''امیر داغ'' کے باسیوں نے اس کے ساتھ خیر سگالی، مہمان نوازی، پریشان حال کی دستگیری اور بوڑھوں اور مسافروں کے ساتھ تعاون کا وہی سلوک کیا جو ترکوں کو اپنے آباواجداد سے وراثت میں ملا ہے، چنانچہ وہ لوگ اس عالمِ جلیل کی مدد کرنے اور اس کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے، اور اپنے اس سلوک کو انہوں نے اپنے ضمیر اور اپنے اخلاق کی طرف سے عائد ہونے والا فرض سمجھا۔

اِس شخص کی زندگی کسی بھی تنظیم یا سیاسی پارٹی کے ساتھ وابستگی سے نا آشنا تھی، وہ تو صرف ایک عالمِ دین تھا جو اسلام کی عزت کی نگرانی کرتا تھا، علم کے شرف و وقار کو محفوظ کرتا تھا، اور دنیا کی فانی لذّتوں اور منافعوں کو حاصل کرنے کے لیے کسی کا بھی احسان نہیں اٹھاتا تھا، اُس کے ساتھ وہی سلوک ہوا جو ترکی میں صاحب ایمان، صاحبِ فکر اور دین کے اصول و مبادیات کا پرچار کرنے والے کے ساتھ ہوا، چنانچہ اُس کے گھر کی کئی دفعہ تلاشی لی گئی، اس کی تمام کتابیں اور تمام تالیفات ضبط کر لی گئیں، حتی کہ اس کے ذاتی خطوط بھی ضبط کر لیے گئے، اور کسی بھی جرم کے بغیر اسے عدالتوں میں گھسیٹا گیا، جیل کی کال کوٹھڑیوں میں بند کیا گیا، جی ہاں، ہم کہتے ہیں کہ کسی بھی جرم کے بغیر اس کے ساتھ یہ سلوک ہوا؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ استاد نورسی کو تکلیف دینے، اسے نقصان پہنچانے اور اُسے بدنام کرنے سے ایک گورنر اور ڈائریکٹر

سے لے کر پولیس کے چھوٹے سے چھوٹے سپاہی تک، ہر ایک کے لیے فخر و مباہات کا باعث بنتا تھا، ان کا اپنے محکمے میں وقار بلند ہوتا تھا، انہیں اپنے بڑوں کی قربت نصیب ہوتی تھی اور ترقیاں ملتی تھیں۔

ظلم و جبر اور ایذا رسانی کے اس چشون چڑھائے غضب ناک مرحلے میں جو ظلم و جبر، ایذا رسانی، دین اور دینداروں کے خلاف جانبدارنہ سلوک، آزادیٔ فکر پر پابندی اور ناروا سختی، اور دینی شعائر کے ساتھ توہین آمیز سلوک کا جو منظر سامنے آیا، یقیناً اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے اسباب و دواعی کا کھوج لگایا جائے۔ آج تو ہم اس منظر کو ناپسند کر رہے ہیں اور اُسے بہت بُرا سمجھ رہے ہیں، لیکن اس دور میں یہ ایک عام سا واقعہ تھا، نہ عجیب شمار ہوتا تھا اور نہ ناپسند کیا جاتا تھا، جی ہاں، تاریخ کے اس مرحلے میں کہ جب صرف یہی ایک چیز پیش نظر تھی کہ ایک خالص مادہ پرست اور دین سے آزاد نسل تیار ہو جائے، جو غلاموں والی روح کے ساتھ زندگی گزارے اور جنھیں اپنی بہیمی شہوات کے پیچھے ہانپنے کے علاوہ اور کوئی کام نہ ہو؛ عین اس مرحلے میں یہ آدمی اپنی زندگی کی پرواہ نہ کرتا ہوا اس خطرے کا سامنا کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور ایک ایمان، اخلاق اور آزادی سے مزین نسل تیار کرنے کی کوشش میں لگ گیا جسے خواہشات و شہوات و میلانات اپنا اسیر نہ بنا سکیں۔ اور یہ بات تو بالکل بدیہی ہے کہ یہ کام ان ظالموں کو کسی بھی طرح اچھا نہیں لگ سکتا تھا جو اس قوم کے سینے پر چڑھ کر بیٹھے ہوئے ہیں اور اُخطبوط کی طرح ان کی گردنوں کو پکڑے ہوئے ہیں، ان کے حقوق پامال کرتے ہیں اور آمدنیاں ہڑپ کر جاتے ہیں، صرف یہی نہیں کہ یہ کام انہیں اچھا نہیں لگے گا، بلکہ یہ ان کے دل میں خوف پیدا کرے گا اور ان کے خدشات برانگیختہ کر دے گا۔

ایک طویل عرصے تک جو دباؤ ڈالے گئے اور مقدمے دائر کیے گئے ان سے کوئی بھی محفوظ نہ رہ سکا، اور خاص کر اس شخص کے مقدمے تو بہت لمبے ہو گئے جس نے استاد کے ساتھ کوئی بات کی، یا خط و کتابت کی، یا ان کا ہاتھ بٹایا، چنانچہ ان کے گھروں پر چھاپے مارے گئے، انہیں جیلوں میں ٹھونسا گیا اور ان کے خاندانوں اور گھرانوں کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا، اور انجام کار کیا ہونے والا ہے، اس کا کسی کو کچھ پتا نہ تھا۔

ان ظالموں نے استاد کا قرآن کریم کا قلمی نسخہ اور اس کے ساتھ اُس کی رسائلِ نور نامی تفسیر بھی ضبط کر لی، اور یہ چیزیں اٹارنی جنرل کو اس الزام کے ساتھ پیش کر دیں کہ اس طرح کی مطبوعات وطن کے ساتھ خیانت کے مترادف ہیں اور اس چیز کو مقدمہ چلانے کا ایک بہانہ بنا لیا۔ چنانچہ اس بہانے سے انہوں نے استاد کو بغیر کسی جرم کے بیس مہینے جیل میں رکھا۔ اور اسی طریقے سے گرفتاریاں جاری رہیں، تا آنکہ ایک وقت وہ بھی آ گیا کہ ''افیون'' جیل ان بے گناہ ہم وطنوں سے لبالب بھر گئی۔ جن کا صرف یہ گناہ تھا کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں، اور انہیں اتنے وحشت ناک ظلم و ستم کا سامنا کرنا پڑا کہ جس سے خود شیطان بھی حیران رہ جائے۔

بیت المقدس اگر تاریخ میں اس چیز میں مشہور ہے کہ اس میں یہودی انبیا کی پکڑ دھکڑ کرتے رہے اور ان پر ظلم ڈھاتے رہے ہیں، تو پھر ''افیون'' شہر نے بھی اُس دور میں حقوق کی پامالی اور ظلم و زیادتی کے باب میں حصۂ وافر پایا ہے اور بڑا نام کمایا ہے۔

چودہ مئی 1950ء میں انتخابات ہوئے تاکہ ظلم و استبداد کی چوتھائی صدی کا خاتمہ ہو اور اس کی بنیادیں منہدم ہو جائیں، لوگ بے حد خوش تھے، اتنے خوش کہ گویا عید منا رہے ہوں؛ کیونکہ انہیں اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ اب کے اپنی قسمت کا فیصلہ وہ خود ہی کرنے والے ہیں۔ اور پھر ان حالات میں جب اس بات کی قوی امید تھی کہ ہر شے میں تبدیلی آئے گی، اچانک ہم دیکھتے ہیں کہ ''افیون'' کے گورنر اور ''امیر داغ'' کے علاقے کے ڈائریکٹر کے رویّوں میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہ آئی اور اُن کے پہلے رویے اُسی طرح جاری رہے، اور ان کی انٹیلی جنس کے عناصر دو یا تین آدمیوں کو بھی اکٹھے نہ ہونے دیتے، اور انہوں نے بدیع الزمان کے گھر کا پہرہ مزید سخت کر دیا، اور چھوٹے سے چھوٹے پولیس مین کو بھی سرکاری اجازت کے بغیر ہی لوگوں کے گھروں پر چھاپہ مارنے اور ان کی عزتیں پامال کرنے کا اختیار دے دیا گیا، اور یہ سب جمہوریہ ترکیہ کے قانون کے بالکل خلاف تھا جو کہ گھروں کی عزت وحرمت کا خیال رکھنے کا پابند کرتا ہے۔ پھر پولیس کے اس خان بہادر کو اس کے اس کالے کرتوت پر کوئی سزا نہیں دی جاتی تھی......اور پھر انہوں نے استاد کے لباس اور طرزِ زندگی کو پھر سے اپنی ستم رانیوں کا موضوع بنالیا اور پہلے کی طرح ان لوگوں کے نام لکھنے شروع کر دیے اور انہیں پولیس چوکیوں میں بلانا شروع کر دیا جو استاد سے میل ملاقات کے لیے آتے تھے۔

ان کا مقصد دراصل اس جلیل القدر سالخوردہ عالم دین کو راستے سے ہٹانا تھا جس نے اسی سال اپنی ذات کو اس قوم کی خدمت کے لیے وقف کیے رکھا تھا۔ اور پھر اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کب ہوا؟ رمضان المبارک کے مہینے میں......عید الفطر کی رات کو......اور وہ اس طرح کہ اس کی افطاری کے کھانے میں زہر ملا دیا جائے! تم لوگوں میں اگر شرم کا کوئی مادہ ہو تو تمہارے لیے تمہاری یہی بدترین اور پست ترین حرکت ہی کافی ہے جو ہر قسم کے اخلاقی معیار کے اور انسانیت کے خلاف ہے! پھر معاملہ یہیں پہ ختم نہ ہوا، بلکہ اس کے کال کوٹھڑی جیسے گھر کے دروازے پر ایک وحشی قسم کا پہرے دار بٹھا دیا گیا جو کسی بھی شخص کو اس سے ملنے نہیں دیتا تھا، اور استاد کو اکیلے موت کے ساتھ نبرد آزما ہونے کے لیے چھوڑ دیا گیا!! یہ ایک انتہائی افسوسناک صورتِ حال تھی جو کہ ہر صاحبِ ایمان و اسلام آدمی کو رُلا رُلا دیتی تھی......لیکن اس غم کا مقابلہ ہم آنسو بہا کر اور واویلا کر کے نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں پوری محنت، جدوجہد اور اخلاصِ عمل کے ساتھ کریں گے۔

نہات یازار

☆ ☆ ☆

بدیع الزمان سعید نور

ایک بہت بڑے شہر کی طرح کہ جس کی گود میں عظیم اور یگانۂ روزگار شخصیات پل کر پروان چڑھی ہوں، ترکی نے اپنی طویل تاریخ میں بہت سے ابطال مجاہدین، مجددین اور بڑی عظیم اور نابغۂ روزگار شخصیات دیکھی ہیں، ان سب لوگوں کو اس دیس میں بڑی عزت ملی، ان کی بڑی قدر ہوئی اور انہوں نے بڑے احترام اور تکریم و اجلال کے ساتھ زندگی گزاری، اور حق کے راستے میں چلنے کے لیے انہیں ہر طرح کی مدد اور معاونت کی سہولت مہیا رہی...... لیکن گزشتہ پچیس سال اس ضمن میں ایک استثنائی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کے بالکل ہی برعکس ہیں، یہ سال اگرچہ اس تاریخ کا ایک سیاہ دور ہیں جس میں ہم پر بدترین قسم کے ظلم ہوئے...... لیکن اس دور نے ہمیں ایک ایسا آدمی تحفے میں دے دیا جو ایک منفرد قسم کی عبقریت، نادر قسم کی فضیلت اور تابندہ قسم کے نور سے مزین تھا۔ تجربوں اور آزمائشوں نے اسے مزید نکھار اور سنوار دیا تھا، اس نے ایمان کی عظمت سے بلندیوں کو چھولیا اور اپنے مقدمے کی شان و شوکت سے چاردانگ عالم میں پھیل گیا...... اس کے نور نے بہت سے تاریک ضمیروں کو روشن کر دیا، اور اس کی قوت نے بہت سے کمزور اہلِ ایمان کے دلوں میں بہادری کی روح پھونک دی، اور اس کی عبقریت نے بہت سی بجھی ہوئی صلاحیتوں کو شعلہ زن کر دیا...... ایسا آدمی بدیع الزمان نورسی کے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے؟

وہ لوگ جنہوں نے گمراہ ہو جانے کے بعد اس سے فضیلت اور جان نثاری کے درس لیے انہوں نے خود کو نور اور سعادت کے لہلہاتے ریگزاروں میں پایا، اور یہ پُروقار آدمی جو اپنے سینے میں عبقریت، سخت جانی اور صبر و تحمل ہی کی طرح ایمانی قوت بھی رکھتا ہے، واحد شخص تھا جو کسی بھی طرح کی گھبراہٹ کا اظہار کیے بغیر پچیس سالوں پر پھیلے ہوئے ظلم و استبداد کے سامنے استقامت کا پہاڑ بن کر کھڑا رہا، اور اس کے مقابلے میں ایسی ایمانی شجاعت سے لیس ہو کر نبرد آزما رہا جو خوف و خطرے سے بالکل ناآشنا تھی۔

عالم اسلام اس قطب کی جاذبیت کے مقابلے میں کھڑا نہ ہو سکا، پس مشرقی ترکی میں پیدا ہونے والے اس نور کے حامل انسان کی روشنی اتنی پھیلی کہ پاکستان اور انڈونیشیا کے دور دراز علاقوں تک جا پہنچی، اور اس کی روشنی بڑھتی گئی اور ہم بھی اس کی برکت سے روشن تر ہوتے گئے، لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ یہ صاحب عظمت بابرکت آدمی جس نے ہمارے درمیان زندگی گزاری، جس نے ہمیں شرف و مجد سے آشنا کیا، ہمارے تاریک دلوں کو روشن کیا، گم کردہ راہ و سرگردان لوگوں کو جادۂ حق و صواب پر لگایا...... اسے اپنے دیس کے اصحابِ اقتدار کی طرف سے ظلم و عدوان کے سوا کچھ نہ ملا، لیکن اس کے باوجود وہ نہ تو گھبرایا، نہ اُکتایا اور نہ ہی اپنے راستے سے اِدھر اُدھر ہوا، بلکہ اس نے لوگوں کو یہ بتایا کہ کوئی بھی قضیہ اس وقت تک اپنی جڑیں گہرائی تک نہیں لے جاسکتا جب تک کہ وہ سختیوں، آزمائشوں، مقابلوں، لڑائیوں

بھٹرائیوں اور قربانیوں سے نہ گزرے۔

یاد رکھیں کہ یہ تمام ارادے اور منصوبے جتنی بھی کوشش اور بھاگ دوڑ کرلیں سورج کی اس روشنی کو بجھانے میں کامیاب نہیں ہوسکتے؛ کیونکہ اس نے یہ روشنی ایسی مشعلوں کی صورت میں پھیلادی ہے جو بجھ نہیں سکتیں بلکہ عقول وقلوب کو روشن کرتی جارہی ہیں...... یہ ہے اس کی دعوت اور سعیٔ پیہم کا پھل...... کیا برکت ہے جو اس کے حصے میں آئی ہے!!

جوادرفعت اتیلخان

☆ ☆ ☆

بدیع الزمان سعید نور

یہ نام ایک عبقری، یگانۂ روزگار اور جلیل القدر مرشد کے لیے ایک علامت بن چکا ہے، اسے ترکی کی پاک سرزمین نے پیدا کیا اور پروان چڑھایا اور اسے تمام لوگوں کے لیے ایک نمونہ بنا کر پیش کردیا۔ وہ اپنی زندگی کے ہر دن میں — اور وہ اب نوے کی دہائی میں ہے — نور کے ایک ہالے کے ساتھ، فضیلت کی روشنی کے ساتھ اور عزم وایمان کی شعاع کے ساتھ نئی آب وتاب کے ساتھ چمکتا ہے، وہ ترک نوجوانوں کے دلوں میں اور عقلوں میں بسیرا کرچکا ہے، اور اس نے اس نور کے ذریعے ان کی تاریک روحوں کو جگمگا دیا ہے اور انہیں روشن صراط مستقیم پر لگا دیا ہے۔

عنایتِ الٰہیہ نے بدیع الزمان کو غیر معمولی ذہانت سے نواز رکھا ہے، اور بدیع الزمان نے اپنی اس ذہانت کو ایک پختہ صاحب ایمان کے عزم وثبات کے ساتھ ان کاموں میں صرف کردیا جن میں اس دیس کے باسیوں کی بھلائی اور ان کی ترقی پائی جاتی ہے، اور اس کے یہ انوار صرف اسی علاقے کے قیدی بن کر نہیں رہ گئے بلکہ تمام حدود پھلانگ گئے، اور پاکستان اور انڈونیشیا تک جا پہنچے۔

وہ نور جو اس آدمی نے پھیلایا ہے، اور اخلاق وفضائل کی وہ قندیلیں جو اس نے لوگوں کے لیے روشن کی ہیں، ان کی قدر وقیمت ہم اپنے محدود پیمانوں کے ساتھ متعین نہیں کرسکتے، وہ جس عزم وارادے، یقینِ راسخ اور خُلق کریم سے مزین ہے، یقیناً ایک قابلِ تقلید نمونے کی حیثیت رکھتا ہے، صرف ہم ترکی والوں کے لیے نہیں بلکہ عمومی طور پر تمام عالم اسلام کے لیے اور تمام انسانیت کے لیے۔ اس دیس کے باسیوں کو اس بات پر فخر کرنا چاہیے کہ ان کا دیس اس طیّب وطاہر نادرِ روزگار، ربّانی ذہانت وفطانت کے مالک انسان کی جنم بھومی ہے!

کل اس شخص پر مقدمہ چلا تھا، اور اس مقدمے نے ہمارے لیے دو باتیں طشت از بام کردی ہیں:

پہلی بات: یہ کہ اس نے اصیل ترکی نوجوان کے اصل جوہر کا انکشاف کردیا جس کے دل میں بلند پایہ اخلاق وفضائل،

ایمانِ عالی اور پختہ تر عزم وارادہ موجود ہے۔

دوسری بات: یہ کہ اس نے اس چھوٹے سے گروہ کے اصل چہرے سے پردہ ہٹا دیا جس کے حسب نسب کا کوئی پتا نہیں ہے، اور جو ترک قوم کو ذلیل کر کے اور اُسے پسماندہ رکھ کر دولت وثروت، عیش وآرام اور بلند مناصب کی تلاش میں ہے۔ اور وہ اپنی تمام تر تعلیمات، توجیہات اور مالی امدادان تخریب کار عالمی خفیہ تنظیموں سے لیتے ہیں جو اس قوم کی سخت دشمن ہیں، اس گروہ کو مہذب و مثقف ترک نوجوانوں کے اکٹھ اور بھیڑ بھاڑ سے اپنے لیے خوف وخطرے کا احساس شروع ہو چکا ہے، اس بنا پر انہوں نے ان نوجوانوں پر خست وخباثت چکاں اور زہر فشاں فلموں کے ذریعے حملے شروع کر دیے ہیں، اور ان کی عزت گھٹانے اور انہیں بدنام کرنے کے لیے ایسے گھناؤنے اور پیچ دار حربے شروع کر دیے ہیں کہ جن کی بدصورتی وبدنمائی طشت اَز بام ہو چکی ہے اور جن کا جھوٹ سرِ عام رسوا ہو چکا ہے۔

یہاں ہمارے استادِ گرامی اور اُن کے ہمعصر مہاتما گاندھی کے درمیان موازنہ کرنا ممکن ہے، وہ عظیم انسان کہ جس نے ہندوستان کی آزادی کی تحریک کی قیادت کی، مہاتما گاندھی نے انگریزوں کے زور وجبر کے، ان کی سلطنت کے، اور اس قبضے کے خلاف بغاوت کر دی اور انقلابی تحریک چلا دی جس نے اس کے ملک کو لوٹ لیا تھا اور وہاں کی قوم کو غلام بنا لیا تھا۔ یہ شخص اپنے موقف پر ڈٹ گیا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مضبوط ہو گیا اور اپنے موقف سے ایک انچ پیچھے نہ ہٹا۔ حتیٰ کہ برطانیہ نے اپنی تمام تر شان وشوکت اور طاقت وقوت کے باوجود اس کے عزم صمیم کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے۔

اور ہمارے وطن کا یہ سپوت — یعنی استاد نورسی — بھی ثابت قدمی، جدوجہد، دفاعی قوت اور قومی جنگ میں، اپنی طرزِ زندگی میں گاندھی کے ساتھ بہت زیادہ مشابہت رکھتا ہے، لیکن ایمان اور اسلام میں اس پر فوقیت رکھتا ہے، وہ اسلام اور ایمان جس سے اللہ تعالیٰ نے اُسے مشرّف کیا ہے، جس کے ذریعے اس کی روح کو سورج کی طرح تابناک بنا دیا ہے اور اس کی برکت سے اُسے عالم اسلام کے اطراف واکناف میں گھما دیا ہے۔ البتہ ان دونوں آدمیوں کے درمیان ایک بہت بڑا فرق ہے جو حسرت کا باعث بنتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ گاندھی کو اپنے وطن کے چار کروڑ عوام کی تائید، توجہ، بھروسا، احترام اور مالی تعاون حاصل رہا، لیکن نورسی صاحب کو چند اوباش، بداصل وبے نسل اور چھچھورے لوگوں کی طرف سے اہانت، تحقیر، طعن وتشنیع اور بے قدری کا سامنا کرنا پڑا۔

یا اللہ رحم کر! ہم اتنے نیچے کیوں گر گئے ہیں کہ اپنی قیمتی ترین متاع کو حقیر اور ہلکا سمجھ رہے ہیں؟! ہم آپ کی جناب میں اپنے جرم کی گھمبیرتا کا اقرار کر رہے ہیں، ہم جتنا گر گئے ہیں اتنا ہی کافی ہے۔

جواد رفعت آتیلخان

☆ ☆ ☆

بدیع الزمان کون ہے؟

وہ ایک ایسا آدمی ہے جو ہماری خطروں اور ہلاکتوں سے گھری زندگی کی سلامتی کی ضمانت دینے کے لیے پوری محنت سے بھاگ دوڑ کر رہا ہے، ایمان کے نور اور ارشاد کی روشنی کے ساتھ اس کا پورا پورا خیال رکھ رہا ہے، اور پھر اس کا عملی نمونہ پیش کرتا ہے۔ جو لوگوں کو اس بات کا علم دیتا ہے کہ علم کس طرح انسان کو خود اپنا قائد بنا دیتا ہے اور جہل کس طرح انسان کو ایک اندھے کی طرح دوسروں کی تابعِ فرمان مخلوق بنا دیتا ہے!

اس انسان نے ایک قطعی حقیقت کا اثبات کیا اور اسے لوگوں کے سامنے نمایاں طور پر واشگاف کر دیا، اس حقیقت کا ماحصل یہ ہے کہ:

جدید علوم اخلاقی اقدار اور وطنی روح کے پہلو بہ پہلو ہی چل سکتے ہیں، اور وہ نوجوان جو اس بنیاد کی روشنی میں پروان نہیں چڑھے گا وہ تھوتھے چنے کی طرح روحانی طور پر کھوکھلا ہو کر زندگی گزارے گا، اس کی روح ایک بے آب و گیاہ لق و دق صحرا کا منظر پیش کرے گی، اور اس طرح کا نوجوان مستقبل میں ایک مہلک خطرہ بن جائے گا اور وطن کے افق کو تاریکیوں سے بھر دے گا۔

بدیع الزمان ایک ایسا عالم ہے جسے اس بات کا ادراک ہو گیا تھا کہ مشرق و مغرب میں جو ہولناک قسم کا فرق پایا جاتا ہے اس کا تعلق شخصیت کے مفہوم کے ساتھ ہے، اور اُس نے اِس بات کا مشاہدہ کر لیا تھا کہ اس دور میں یورپ کے اندھے مقلدوں کی شخصیت اتنی مسخ ہو چکی ہے کہ وہ بندروں کی طرح صرف نقال بن کر رہ گئے ہیں، چنانچہ اس بنا پر اُس نے دلوں میں ایک مستقل بلند پایہ ربّانی شخصیت کی بنیاد رکھی۔

اسی طرح بدیع الزمان ایک ایسا جلیل القدر عالمِ دین ہے جس نے دلوں میں یہ بات نقش کر دی کہ ایک آزاد ایمان دار علاقہ اپنے آزاد باشندوں کی بنیادیں کیسے استوار کرتا ہے...... اور یہ کہ اس دریا دل علاقے کے بیٹوں کو ایک ایسے شخص کی بہت زیادہ ضرورت ہے جو اس میں پائے جانے والے شخصی مصلحت کے بتوں کو پاش پاش کر دے جیسے کہ بدیع الزمان نے کیا۔

لاءڈیپارٹمنٹ سے ضیا نور

☆ ☆ ☆

اپنے ڈیموکریٹک پارٹی کے بھائیوں کو ایک نصیحت

فری مشینری کے گماشتوں نے اس فتنہ خیز مرحلے میں اپنی تاریخ کا جو سب سے زیادہ خطرناک ہتھیار استعمال کیا ہے، وہ اُن کا اس بات کا ڈھنڈورا پیٹنا ہے کہ ڈیموکریٹک پارٹی دین کی ہم سے زیادہ دشمن ہے اور دین کے خلاف ہم سے زیادہ جنگ کررہی ہے، حالانکہ یہی لوگ پچھلے دور میں جب برسرِ اقتدار تھے اور اپنے ظلم واستبدار کی صورت میں سیاہ وسفید کے مالک تھے، اس وطن میں دین اور ایمان کے خلاف سب سے زیادہ محاذ انہوں نے ہی کھول رکھے تھے، انہوں نے وطنِ عزیز کا گلا گھونٹ رکھا تھا اور اس میں ہر خشک وتر کو جلا کر راکھ کردیتے تھے۔

ان دنوں یہ دو پارٹیوں میں تقسیم ہو گئے ہیں: ایک پارٹی کے کارندے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے دین کا لبادہ اوڑھے پھرتے ہیں اور اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے اس طرح کے حملے کررہے ہیں کہ ڈیموکریٹک پارٹی نے ابنائے وطن کو دینی آزادی دینے کی جو ضمانت دی تھی، وہ ہرگز پورا نہیں کرے گی؛ اور یہ لوگ اس طرح کی افواہیں اس لیے اڑاتے ہیں کہ وہ ڈیموکریٹک پارٹی کو رجعیت کی حمایت کا الزام دیتے ہیں۔ اور یوں اس طریقے سے وہ اس پارٹی کو دین اور دینی اداروں کے ساتھ جنگ چھیڑنے پر، اور دین داروں کے ساتھ سخت اور کرخت رویہ اختیار کرنے پر اُبھارتے ہیں۔

ڈیموکریٹک پارٹی نے جو اقتدار سنبھالتے ہی ایک طرف تو کمیونسٹ تحریک کی لگامیں کس دیں، اور دوسری طرف محمدی اذان دینے کی اجازت دے دی، اس سے اُس نے عوام کے مختلف حلقوں کی طرف سے تائید اور سپورٹ حاصل کرلی اور اپنی قوت میں بڑی حد تک اضافہ کرلیا، جس کی وجہ سے اس کی مدمقابل جمہوری پارٹی کے دل میں قلق واضطراب اور خوف وخدشات کے جذبات اُبھرنے لگے۔

سابقہ دورِ حکومت ظالمانہ سیاست کی پیروی کرکے نوری اہلِ دین واہلِ قرآن کے ساتھ بُرا سلوک کرکے جس رُسوا کن پستی میں گر چکا تھا، ڈیموکریٹک پارٹی سے وہ صورتِ حال کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی اور ہم یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ پارٹی اس ملعون چال میں نہیں پھنسے گی۔

سابقہ دور کے تمام شعار وعلامات کا سب کو علم ہے، اس لیے یہ ڈیموکریسی اگر اپنی جگہ پر قائم دائم رہنا چاہتے ہیں تو اُن کے لیے ان سابقہ شعاروں کے کلی طور پر خلاف چلنا بہت ضروری ہے؛ اور وہ اس طرح کہ ایک طرف سے تو کمیونزم کا راستا روکا جائے، اور دوسری طرف سے دین اور اہلِ دین کی حمایت کی جائے۔ جی ہاں، ان کے لیے پوری قوت کے ساتھ برملا اس راستے پر چلنا بہت ضروری ہے، اس بارے میں انہوں کسی بھی کمزوری یا تردد کا اظہار کیا، تو وہ انہیں یقیناً اس جال میں پھنسا دے گا جو ان کے لیے جمہوری پارٹی نے بچھا رکھا ہے۔

ہم طلاب نور کسی قسم کی سیاست میں حصہ نہیں لیتے، ہماری واحد آرزو یہ ہے کہ ہمارے ملک میں دینی آزادی ایک محسوس ہونے والی واقعاتی چیز بن جائے، اور وہ ظلم و جبر اور دباؤ ختم ہو جائے جو دین، اہلِ دین اور نوری اہلِ قرآن کے سروں پر ایک چوتھائی صدی سے دھرنا دے کر بیٹھا ہوا ہے۔

ہم اپنے ڈیموکریسی بھائیوں کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ وہ سابقہ دور کے حیلوں بہانوں اور اس کے شیطانی کھیلوں سے دھوکا نہ کھائیں، اور اس گمراہی میں نہ گریں جس میں سابقہ دور گر گیا تھا، اور قوم کے ارادے کو اور اس کی روح کے ساتھ تعلّق رکھنے والی کسی بھی چیز کو معمولی نہ سمجھیں جیسے کہ پہلی حکومت نے کیا تھا۔ اور کمیونزم کا مقابلہ کرنے اور دین کی مدد کرنے کے لیے سیدھے راستے میں پورے عزم کے ساتھ چلتے جائیں جس پر وہ گام زن ہو چکے ہیں۔

طلابِ نور کے ترجمان

صادق، صونغور، ضیاء

☆ ☆ ☆

بدیع الزمان

برگساں اپنی ''دین و اخلاق کے سر دو چشمے'' نامی آخری کتاب میں ذکر کرتا ہے: انسانی معاشرے کے اخلاق پستیوں سے بلند ہو کر بلندیوں کو صرف ایک ایسی شخصیت کی وساطت سے ہی چھو سکتے ہیں جو خود دین داری و پاکدامنی سے کافی حد تک آراستہ ہو۔[1]

ہمیں انسانی اور اسلامی تاریخ کے ہر دور میں ایسی بے شمار مثالیں نظر آتی ہیں جو اس خیال کی تصدیق کرتی ہیں۔ علم النفس کے سہارے میں پروان چڑھنے کی روشنی علم التربیت پہلے زمانے میں حسبِ مقدور اس بنیادی گُر پر عمل پیرا ہو کر اور حسبِ مقدور نسلوں کو ان بلند تر نمونوں اور بلند پایہ کرداروں کے نقشِ قدم پر چلا کر ایسی نسلیں منصۂ شہود پر لانے میں کامیاب ہو چکا ہے جو ہم سے کہیں زیادہ بہتر تھیں، اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ بدیع الزمان کی شخصیت ایسی نادر اور پاکیزہ قسم کی شخصیات میں سے ایک ہے جس نے ابھی ذکر کیے گئے کردار کی خصوصیات پر پہرہ دیا ہے، اگرچہ اس

[1] برگساں (Henry Lovs Bergson) مشہور فرانسیسی فلسفی 1859ء میں پیرس پیدا ہوا اور 1941ء میں اکیاسی برس کی عمر میں فوت ہوا۔ اپنے دور میں عقلیات پسندی کے خلاف تحریک کا علمبردار رہا۔ اس کے فلسفے کا خلاصہ یہ ہے کہ عقل حقائق کا ادراک نہیں کر سکتی، اس لیے ہمیں چاہیے کہ وجدان کو رہنما بنائیں۔ ایک سو چھبیس کتابیں لکھیں، جن میں سے Creative، Matter and Memory Evolution اور The two Sources of Morality and Religon بہت مشہور ہوئیں۔ زیرِ نظر اقتباس آخری کتاب سے لیا گیا ہے۔

کے زمانے اور اس کے معاشرے میں ایسا کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا!

قوم کے دشمن اور وطن کے غدار ایک ٹولے نے پس پردہ سازشیں کرنے والے خفیہ ہاتھوں کی مدد سے جھوٹوں، فریب کاریوں اور حیلہ سازیوں سے اس قوم کو دھوکہ دیئے، اسے گمراہ کرنے اور اسے تباہ کرنے کے لیے ہر جائز نا جائز حربہ استعمال کیا، اور اس پاکیزہ و منصف مزاج شخصیت کو کئی سالوں تک زیرِ عتاب رکھا۔ ہم پوچھتے ہیں: یہ بات کیونکر قرینِ عقل ہو سکتی ہے کہ بڑے بڑے بطریق تو بڑے بڑے خوشنما محلوں میں رہیں۔ حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کا ہماری پوری تاریخ میں یہ کردار رہا ہے کہ انہیں جب بھی کبھی موقع ملا، ہمارے بدترین دشمن ثابت ہوئے، جبکہ بدیع الزمان جیسا آدمی جو کہ پشتوں سے اس سرزمین کا بیٹا ہے، اور اپنی عقل اور دل میں اس مٹی کے لیے محبت اور قدر رکھتا ہے......

ایسے آدمی کو زندگی کے اُس حق سے بھی محروم کیا جا رہا ہے جو اُن محلوں کے دروازوں پر چوکیداری کرتے ہیں جو برائیوں اور تخریب کاریوں کے اڈے بن چکے ہیں! جی ہاں، ہم یہ پوچھتے ہیں، لیکن کس سے؟ اور پوچھنے کا فائدہ بھی کیا ہوگا؟

ہم میں سے یہ بات کون قبول کر سکتا ہے کہ اُس کی محفوظ چار دیواری کی بے حرمتی کر دی جائے، اور اس خاص کمرے میں بغیر اجازت و اطلاع کے درّانا گھسا جائے اور اس کے ہاتھ سے اس کی وہ کتابیں چھین لی جائیں جن میں اس نے اپنی فکری سیاحت اور روحانی تجربے کا خلاصہ تحریر کیا ہو؟! اس طرح کی یہ بیہودہ کارروائیاں جن کے بارے میں تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ یہ دورِ حاضر کے مہذب و متمدن معاشروں کی تقلید میں کی جا رہی ہیں، اس طرح کی کارروائیاں تو اسپین میں بھی نہیں ہوتیں جو کہ ان سب سے زیادہ پسماندہ ملک ہے، بلکہ اگر کبھی اس طرح کا کوئی واقعہ رونما ہو بھی جائے تو وہ کسی بھی صورت میں دوبارہ نہیں ہوگا۔

اس بنا پر ہم اس توہین آمیز سلوک پر احتجاج کرتے ہیں اور اس کی بھرپور مذمت کرتے ہیں جو بدیع الزمان جیسے پاکیزہ صفت، منصف مزاج، رفیع القدر اور علم و اخلاق اور فضیلت سے مزین انسان کے ساتھ روا رکھا گیا ہے اور خاص کر وہ سلوک جو تھوڑے ہی دنوں پہلے ہوا ہے۔

ہم ان سیاہ ترین دنوں میں کہ جنہوں نے ترک قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، ان میں بے راہروی، انحطاط اور پستی و رذالت ہر نشیب و فراز سے ایسے امڈ آئی ہے کہ گویا ایک طوفانِ بدتمیزی ہے جو ہر فضیلت اور اخلاقی قدر کو نگل جانا چاہتا ہے...... ان سیاہ ترین دنوں میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ بدیع الزمان کا فیضان مقابلے میں آنے والی ہر شے کو پچھاڑتا ہوا ایک دل سے دوسرے دل کی طرف ایک اُچھل کر گرتے ہوئے راز کی طرح منتقل ہوتا جا رہا ہے، اور ہمیں اس میں

ایک نا قابلِ بیان قسم کی تسلی ملتی ہے۔ ہماری راتیں بہت زیادہ تاریک ہو چکی ہیں...... اور راتوں کا اندھیرا جب بڑھ جائے تو طلوعِ فجر قریب تر ہو جاتی ہے......

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ

جودت سیزر

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

ہمارے بہت عزیز مبارک، شفیق اور محبوب استاد!

ہم نے جب بھی آپ کی دعاؤں اور رہنمایوں سے دل لگا کر رسائلِ نور کو غور و فکر کے ساتھ پڑھا ہے، ہم پر یہ بات کھل کر واضح ہو گئی کہ یہ نفیس ترین کتابیں ایک کشاف کی حیثیت رکھتی ہیں جو کائنات کے طلسم سے پردہ سرکاتا ہے اور اس کی چیستان کو حل کر دیتا ہے، اسی طرح یہ ایک جلیل القدر مرشد، اور حاضر و مستقبل کے لیے ایک ایمان دار رہنما ہے، جی ہاں ہمارے قابلِ احترام استاد! رسائل نور کا مطالعہ کرنے والے ہر صاحبِ عقل آدمی پر یہ بات کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ یہ انسان کے دل و دماغ کو جلا بخشتے ہیں، اُسے روشن کر دیتے ہیں اور اُسے کفر کی تاریکیوں سے باہر نکال دیتے ہیں، اِن کی یہ کارکردگی حال اور مستقبل کے لیے یکساں ہے۔

یہ رسائل صرف اس وطن کے باسیوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے نہیں لکھے گئے ہیں، بلکہ تمام عالم اسلام کی اور تمام تر انسانی معاشرے کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے لکھے گئے ہیں۔ جی ہاں، نوعِ بشر ان دنوں ناداری اور ہلاکت کی جن اتھاہ گہرائیوں میں گر چکی ہے اس کی مثال پہلے نہیں ملتی ہے، اور اس بحران سے نکلنے کی یہی ایک صورت ہے کہ اُس قرآنی حل کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیا جائے جو رسائل نور نے پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے، اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس نے رسائل نور پڑھے ہیں یا پڑھ رہا ہے اُسے اس کا ادراک ہو گیا ہے اور ہو جاتا ہے۔ ہمارے بس میں ہوتا تو ہم اس حقیقت کا اعلان برسرِ عام کرتے، لیکن اگر ہم یہ کام نہیں کر سکے تو پھر ہم لوگ جو کہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ رسائل لوگوں کے لیے کتنے قیمتی، ضروری اور کتنے اہم ہیں، ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے وقت کا ہر لحہ کمالات و عرفان کے اس سرچشمے سے چُلیاں بھرنے میں صرف کریں، اور اس فیض رساں نورانی خزانے سے زیادہ سے زیادہ فیض یاب ہو کر اپنی عمر کو بھرپور طریقے سے گزاریں اور اس سے بھرپور فائدہ اُٹھائیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوششوں کو اپنی خاص مدد اور توفیق سے بار آور کرے۔

ایک اور بڑی اہم اور واضح تر حقیقت ہے جس کی تعریف و تعظیم کرنا بہت ضروری ہے، اور وہ یہ کہ کسی شخص کا علم کتنا بھی بلند ہو جائے اُسے رسائلِ نور کو پڑھنے، ان سے استفادہ کرنے اور ان کے مؤلف کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کی

ضرورت بہر کیف رہے گی۔ لیکن اگر اس پر غفلت نے غلبہ پالیا اور وہ اپنی دھوکے باز ذاتی انانیت میں مگن ہو کر رسائلِ نور کو نہ پڑھ سکا، تو سمجھو کہ اس نے خود کو بہت بڑی بھلائی سے محروم کر لیا۔ ہم اس بات کا صرف دعویٰ ہی نہیں کر رہے ہیں بلکہ یہ حقیقت ہے اور اس کا تجربہ ہم بذاتِ خود کر چکے ہیں۔ اس نعمتِ الٰہی کے شکر و امتنان کا جو حق ہے، ہم وہ ادا نہیں کر رہے ہیں؛ بلکہ ہم ان رسائل کی ایک سطر کا بھی حق ادا نہیں کر رہے ہیں، اور ان کا حق ادا ہم کر بھی کیسے سکتے ہیں، کیونکہ یہ انوکھے اور اچھوتے قسم کے رسائل تو فی نفسہ قرآن کریم کے مِن جُملہ معجزات میں سے ایک معنوی معجزہ ہیں؟!

اس لیے ہم بارگاہِ خداوندی میں دست بدعا ہیں کہ وہ آپ کو ہماری طرف سے بہترین جزا عطا کرے اور یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ وہ آپ کو ظالموں کے شر سے اور مکاروں کے مکر و فریب سے محفوظ رکھے، اور آپ کو قرآن و ایمان کی خدمت کے میدان میں توفیق سے نوازتا رہے، اور آپ کو صحت و عافیت سے بھری ہوئی لمبی بابرکت عمر سے نوازے۔

ہمارے انتہائی قابلِ تعظیم استاد! ہم یونیورسٹی کے طلبہ کا ایک گروپ ہیں، ہم پر اللہ تعالیٰ نے یہ احسان کیا ہے کہ ہمیں رسائلِ نور کو غور و فکر کے ساتھ پڑھنے کی نعمت سے نواز دیا ہے۔ اور ہمارا کسی بھی شک و شبے سے بالاتر یہ ایمان ہے کہ عنایتِ الٰہیہ بدیع الزمان کو اس کفر و الحاد کا زور توڑنے کی توفیق ضرور دے گی جو پہلے کبھی نظر نہ آنے والی اس تمام قساوت اور وحشت و بربریت کا سبب ہیں جن سے دنیا اس وقت دو چار ہے، ہمارا یہ ایمان کسی سادہ سی سوچ فکر، اوپرے اور نمائشی سے میلان اور ظن و تخمین کا نتیجہ نہیں، بلکہ علم و برہان کی روشنی میں اپنایا اور اختیار کیا گیا اور تحقیق کی بارگاہ سے تائید یافتہ پختہ عقیدہ ہے، یہی وجہ ہے کہ مخالفین اوپرے زبانوں کے ساتھ اگرچہ جھٹلاتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن ان کے دل اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔

آپ سے دعا اور نظرِ عنایت کی التجا ہے، اور ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں قرآن و ایمان کی خدمت میں خرچ کرنے والے، ثابت قدم رہنے والے اور ہمت سے کام لینے والے بنا دے، اور رسائلِ نور کو پڑھنے اور ان کی کتابت کرنے کے لیے ہر لمحے سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے اور ہمارے اعمال کے سروں کو مکمل اخلاص کے تاج کے ساتھ آراستہ کر دے۔

یونیورسٹی کے طلبہ کا ترجمان
عبدالمحسن

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

ہمارے مبارک استاد!

پہلے تو ہم آپ کو خوشخبری دیتے ہیں کہ تھوڑے ہی دن پہلے جتنے نسخے بھیجے گئے تھے سب تقسیم ہو چکے ہیں، نور کے

دیوانے بھائیوں نے یہ نسخے بڑے والہانہ پن سے خوشی خوشی ہاتھوں ہاتھ لے لیے، اور اب یہ حاملینِ نور ''مَنْ طَلَبَ وَجَدَّ وَجَدَ'' والی حقیقت کا مصداق بن کر ان دل جلوں کے قافلے میں شامل ہونے کے لیے بے چین ہیں۔

کل ہمارا بھائی ''ضیا''، ''مقالات'' نامی کتاب کے چونتیس نُسخے لایا، تمام بھائی اسے حاصل کرنے کے لیے لپکے اور وہ پل بھر میں ختم ہو گئے۔ باقی رہی ''عصائے موسیٰ'' نامی کتاب، تو اس کے نسخے انقرہ میں اور اناطولیہ کے مضافات میں بڑے منظم طریقے سے تقسیم کیے جا رہے ہیں۔

اور اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ جن لوگوں نے رسائل میں پائے جانے والے انوار کا مطالعہ کیا ہے وہ ان کے سرگرم حمایتی اور مددگار بن گئے ہیں، اور مستقبل میں اناطولیہ کے علاقہ جات میں اور عالم اسلام کے تمام پرگنوں میں رسائلِ نور کے نام کے مدارس کے وسیع تر پھیلاؤ کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کر لے گا۔ اِن شاءاللہ۔

اور یہ ایک ایسی شے ہے کہ جس کا نظارہ ہم نے ایک طرف سے تو اُن بلند پایہ حقائق کے اندر سے واضح طور پر کر لیا ہے جو رسائلِ نور میں ٹھاٹھیں مار رہے ہیں، اور دوسری طرف سے اس کا نظارہ ہم نے اس مضبوط ترین اخوت میں کر لیا ہے جو اُن اہلِ علم اور اہلِ ایمان کے درمیان استوار ہوئی ہے جنھوں نے رسائلِ نور کو غور و فکر کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور مدرسۃُ الزہراء ان دنوں جس نشاط اور دلچسپی کا مظاہرہ کر رہا ہے اس کی تشبیہ میں ایک پُرکیف جذبات پرور فصل گل کی بہار کے ساتھ ہی دے سکتا ہوں جسے قدرتِ الٰہی نے بہار کے خوشنما موسم میں نمایاں کر دیا ہے، پس یہ ہے مدرسۃُ الزہراء کی دلچسپیوں اور سرگرمیوں کے احوال، یہ حالات بحمد اللہ کسی شور و شغب، ہلڑ باری، دھاچوکڑی اور جائزے وغیرہ کے بغیر بہترین صورت میں چل رہے ہیں۔

جی ہاں، انسان جو کہ پیدائشی طور پر نہایت جلد باز ہے، ہر معاملے کو اسی وقت پایۂ تکمیل تک پہنچتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے جس وقت وہ خود چاہتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ان فطری قوانین پر نظر نہیں رکھتا ہے جو اِس تمام عالم میں حکمرانی کر رہے ہیں، چنانچہ اس بنا پر وہ اپنی اس ذمہ داری کو چھوڑ دیتا ہے جو اس کے قریب والے چھوٹے سے دائرے کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور دور والے بڑے دائرے کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

وہ پودا جو کل رسائل نور نے چند حقیقی ایمان رکھنے والے فاضل انسانوں کی صورت میں بویا تھا، آج اپنے تنے پر کھڑا ہو چکا ہے اور میٹھا پھل دے رہا ہے، اور عالم اسلام باذن اللہ عنقریب ایسے نمونے دیکھے گا جن کے نقش قدم پر چلا جائے گا اور ایسی مشعلیں دیکھے گا جن سے روشنی لی جائے گی۔

انقرہ یونیورسٹی کے طلبہ کا ترجمان

عبداللہ

☆ ☆ ☆

[ایک صاحبِ دل کا خط جسے اللہ تعالیٰ نے انقرہ میں انوار کی نشرواشاعت کی نعمت سے نوازا]

صاحبِ اخلاص ونور وکمال وارشاد، مجاہدِ اکبر حضرت بدیع الزمان!

میں آپ کے حق میں اللہ کے لیے قیامت تک باقی رہنے والی گواہی دیتا ہوں، اور اہلِ اسلام، جن وانس، زمین و آسمان، املاک وافلاک، عرش وکرسی اور لوح وقلم بھی آپ کے حق میں اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ جب سے آپ ابتلا وامتحان کے میدان میں لِلّٰہ فی اللہ داخل ہوئے ہیں، آپ نے حقوق اللہ اور حقوق العباد کا بھرپور دفاع کیا ہے اور اس میدان میں انتہائی سنگین اور ناگفتہ بہ حالات میں پوری ہمت اور پورے عزم واستقلال کے ساتھ شب وروز تگ ودو کی ہے، اور آپ نے حق کی نصرت اور مخلوقِ خدا کی رہنمائی کے لیے اپنے علم، کمال، نور اور ارشاد کی خداداد صلاحیتوں کو پورے اخلاص کے ساتھ صرف کیا ہے۔

اے ہمارے زمانے کے یگانہ روزگار صاحبِ نور!

آپ کا یہ فقیر بھائی جو آپ کی خدمت میں یہ چند سطریں رقم کر رہا ہے، آپ کا پرانا دوست ہے، اور یہ دوستی کوئی عارضی اور زوال پذیر نہیں ہے بلکہ وہ ہے جو قلب وروح میں براجمان ہوجاتی ہے، یہ ازل سے ہی عہدِ اَلَست کے دن قائم ہوگئی تھی، اور اس کے رشتے ناطے اور تانے بانے عبرت اور حکمت کے ان دروس کی برکت سے جو میں نے نصف صدی تک آپ کے اقوال، افعال، احوال اور آپ کی حرکات وسکنات سے، اور آپ کی ان تکلیفوں مشقتوں اور آزمائشوں سے جو آپ نے عہدِ استبداد، اور عہدِ مشروطیت سے لے کر جمہوریت تک پہنچتے پہنچتے برداشت کیں، اور اُن فوجداری، دیوانی اور سول عدالتوں سے جن میں آپ مختلف ادوار میں دشوار ترین حالات میں جاتے رہے، اور انقلابات میں اور میدان ہائے جنگ میں آپ کی ثابت قدمی سے، اور آپ کے اُن اعلیٰ پائے کے علمی مناقشوں اور بحثوں سے جو آپ کے اور آپ جیسے معاصر علما کے درمیان ہوئیں، اور آپ کی مشہور ومعروف، جلیل القدر اور اچھوتی قسم کی تالیفات سے، اور آپ کے خالص نیک اعمال سے اور تابندہ افکار سے، اور آپ کے جہادِ اصغر اور جہادِ اکبر سے کہ جس کا میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکا ہوں...... اِن تمام چیزوں کے طفیل اس دوستی کے رشتے ناطے اور تانے بانے عالمِ شہود میں روز بروز مضبوط ہوتے گئے۔ اس طرح کی دوستی اس بات کا حق رکھتی ہے کہ مضبوطی اور استواری کے اعلیٰ درجات تک، بلکہ محبت اور وجد کے درجے تک پہنچ جائے۔

اس محبت اور جذبے کو سامنے رکھ کر، اور یہ دوستی جن مادی اور معنوی ذمہ داریوں کا تقاضا کرتی ہے ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے میں نے سلطان عبدالحمید کے دور سے آپ کے حقوق کی اور طلابِ نور کے خاص وعام حقوق کی پاسداری کے لیے، ان کی حمایت کے لیے اور ان کے دفاع کے لیے کام کیا ہے اور کر رہا ہوں، اور جہاں تک میرا بس

چلے گا اور جہاں بھی میرے لیے ممکن ہوگا میں یہ کام کرتا رہوں گا، اور میں — خدا جانتا ہے — کہ یہ کام صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کر رہا ہوں۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ جسے تمام لوگ اور کچھ اہم طلاّبِ نور جانتے ہیں۔

مجھے اس بات کی بہت زیادہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے، نبوی نگاہ کرم سے، اور اس دور میں آپ لوگوں کے جہادِ اکبر و جہادِ اصغر کے میدان میں بے نظیر اخلاص کی برکت سے حق عنقریب فتح حاصل کرلے گا اور باطل شکست کھا جائے گا، اور عنقریب لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو جائیں گے اور محمدی تہذیب وتمدّن کا سورج پھر سے روشن ہوگا، اور ہم یہ عیدِ اکبر اس تمام کائنات کو اپنے ساتھ لے کر منائیں گے، اور ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہیں کہ وہ اپنے فضل و کرم سے تمام دنیا کو خوشیوں سے بھر دینے والی اس عید کا نظارہ آپ کی صحت وعافیت کی حالت میں کرادے۔ اور ہم اُس سے اِس بات کی امید رکھتے ہیں کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حُرمت کے طفیل ہماری دعا قبول فرمائے، آمین، ثم آمین!

میرے عزیز مبارک دوست! پتا نہیں آپ اپنے اس فقیر بھائی کو یاد کرتے ہیں کہ نہیں، لیکن مجھے اجازت دیں کہ میں آپ کو اس کی تھوڑی سی یاد دلا دوں...... میں آپ کے پرانے دوستوں میں سے ایک ہوں، میرا نام ''عثمان نوری'' اور تعلق انقرہ سے ہے، میں وہی ہوں جس کے ساتھ آپ نے اُس دن مشورہ کیا تھا جس دن ہم ایک مقررہ وقت کے مطابق استنبول میں آپ کی اقامت گاہ پر ملے تھے۔ اس مشاورتی ملاقات میں بات چیت کا موضوع یہ تھا کہ آپ وہ دعوت قبول کرلیں جو آپ کو اور دیگر اٹھارہ عدد نامزد اشخاص کو ''انقرہ'' میں آزادی کی جنگ لڑنے والی ایک تحریک کی قیادت نے دی تھی، اور آپ سے مطالبہ کیا تھا کہ آپ آزادی کی اس جنگ میں اس تحریک کے ساتھ مل جائیں جو کہ بہت سے علاقوں میں پھیل چکی ہے۔ اور میں اُن دنوں ایک رضا کار دستے کا مفتی ہوتا تھا، پھر اس کے بعد مجھے وزارت دفاع میں مفتی تعینات کر دیا گیا اور میں اس منصب پر لگ بھگ پچیس سال تک کام کرتا رہا۔ اور اب تین سال ہوگئے ہیں ریٹائر ہو گیا ہوں۔

میں ان دنوں انقرہ میں مقیم ہوں اور اپنی زندگی کے دن آپ کے لیے، اہل اسلام کے لیے اور بنی نوع انسان کے لیے دعائے خیر کرتا ہوا پورے کر رہا ہوں۔ میری سب سے بڑی آرزو اور امید یہ ہے کہ مرنے سے پہلے آپ کی زیارت کرلوں، آپ کی دید سے آنکھیں ٹھنڈی کرلوں اور اللہ کی راہ میں آپ کے ساتھ آپ کی مجلس میں بیٹھنے کا شرف حاصل کر سکوں، بس میری سب سے بڑی آرزو یہی ہے، اور مجھے دل کی گہرائیوں سے یہ امید ہے کہ میری یہ آرزو ضرور پوری ہوگی۔

اے میرے لیے معزز ترین ہستی! میں آپ کی اور تمام طلاّب نور کی خدمت میں تکریم اِجلال و اکرام سے لبریز پر جوش سلام اور معطّر آداب پیش کرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑاتا ہوا یہ دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو دین و دنیا میں عزّت دے...... میں وافر شوق اور جذبے کے ساتھ آپ کے بابرکت ہاتھوں کو بوسا دیتا ہوں اور آپ کی طرف سے جوابی خط کا

انتظار کرتے ہوئے آپ کی خالص دعاؤں کا امیدوار ہوں۔

میرے صاحب نور وعزم وارادہ وارشاد آقا!

أَسْتَوْدِعُكُمُ اللهَ.

الباقی ھو اللہ

خالص محبت اور فداکاری کے جذبے سے سرشار آپ کا دوست

عثمان نوری

☆ ☆ ☆

استاد نورسی کی ''امیرداغ'' میں منتقلی

''افیون'' جیل سے رہا ہونے کے بعد استاد سعید نورسی خود اور ان کے ساتھ ان کے چند قریبی طالب علم ''امیرداغ'' منتقل ہو گئے، اور وہاں وہ دو سال تک مقیم رہے اور محرم 1371ھ۔ اکتوبر 1951ء میں ''اَسکی شہر'' آگئے، اور وہاں ''یلدز'' نامی ہوٹل میں تقریباً ڈیڑھ مہینہ رہائش پذیر رہے۔

استاد نورسی کا ''اَسکی شہر'' آنا بڑی اہمیت کا حامل تھا؛ کیونکہ 1950ء تک وہ جن جن جگہوں کی طرف جلاوطن کیے گئے وہیں کے ہو کر رہ گئے، اور انہیں نماز تک پڑھنے کے لیے بھی باہر نکلنے کی اجازت نہ دی گئی، اور ایک طویل عرصے تک اُن کے لیے اُن کی جلاوطنی کی جگہ کے کسی قریب ترین گاؤں تک جانا بھی ممکن نہ رہا تھا۔

''اَسکی شہر'' میں استاد نے اپنے مشتاق طلبہ سے ملاقات کی اور نوجوان طلبہ کے ساتھ میل جول رکھا، یہ نوجوان طلبہ رسائل نور کا میٹھا اور تر و تازہ پھل ہیں، اسی طرح انہوں نے معاشرتی زندگی کے ساتھ بھی میل ملاپ جاری رکھا۔

''اَسکی شہر'' میں رسائل نور کا پھیلاؤ صرف ایک ہی طبقے تک محدود نہ رہا بلکہ مختلف طبقات کے ساتھ تعلق رکھنے والے بہت سے لوگ اِن کی شاگردی میں آتے گئے، خاص کر فوج میں اور بطور خاص یہ ہوائی فوج کی صفوں میں بہت زیادہ مقبول ہوئے،[1] اور فوج کے ان دونوں حصوں میں ان کے بہت زیادہ شاگرد ہو گئے جن میں سے ہر ایک بلند پایہ ایمان اور اخلاقِ عالیہ سے مزین تھا، اور اس کا سر وطنی اور اسلامی شجاعت کے جذبے سے بلند، اور اس کا دل دین و وطن کی خدمت میں فنا ہو جانے کے ساتھ ساتھ خالص نبوی محبت سے سرشار رہتا تھا۔

استاد نورسی نے کچھ عرصے کے بعد ''اَسکی شہر'' چھوڑ دیا اور ''اسپارٹا'' کی طرف روانہ ہو گئے، وہاں وہ تقریباً دو ڈھائی

---

[1] اَسکی شہر میں ترک ایئر فورس کا ایک ایئر بیس موجود ہے جو کہ ایئر فورس کا ہیڈ کوارٹر ہے۔

مہینے تک قیام کرنا چاہتے تھے۔ اس عرصے میں استنبول کے باہمت اور نشیط قسم کے طالب علموں نے ''رہنمائے شباب'' نامی کتاب طبع کروادی، اور اس کے نتیجے میں اُستاد کے خلاف مقدمہ ہو گیا اور انہیں استنبول کی عدالت نے طلب کر لیا۔

استاد نے اپنے ''اسپارٹا'' اور استنبول میں قیام کے دوران توحید کے متعلق کچھ مضامین لکھے اور اپنے شاگردوں کی طرف بھیج دیے، یہ تمام مضامین بعد میں ''عالم نور کی ایک چابی'' کے نام سے طبع ہوئے۔ ان میں سے ہر مضمون توحید کے ایک نفیس خزانے کی حیثیت رکھتا ہے۔

☆ ☆ ☆

استنبول کی عدالت

استنبول میں یونیورسٹی کے بعض طلبہ نے نوجوان نسل کی ایمان واخلاق کی سطح پر خدمت کرنے کی خاطر ''رہنمائے شباب'' نامی کتاب کو طبع کروادیا تھا، لیکن حکومتِ وقت کے اِس طرح کی اغراض کے ساتھ ہم آہنگ نہ ہونے کی وجہ سے ترکی کے قانون کے آرٹیکل نمبر 163 کی بنیاد پر اٹارنی جنرل کی طرف سے استاد نورسی کو استنبول کی فوجداری عدالت درجۂ اول میں بلا لیا گیا، ان کے خلاف دعوی یہ دائر ہوا کہ یہ کتاب سیکولرازم کے خلاف ہے اور اس طرح کے پروپیگنڈے پر مشتمل ہے کہ حکومت کے قوانین ایسے ہونے چاہئیں جو دینی بنیادوں کے ساتھ ہم آہنگ ہوں۔

مقررہ تاریخ یعنی 22 جنوری 1952ء کو استاد ''اسپارٹا'' سے استنبول آئے اور عدالت میں پیش ہو گئے۔ عدالت کا ہال اور لابیاں استاد کے یونیورسٹی کے نوجوان طلبہ سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔

پہلے چارج شیٹ اور پھر اس کے بعد ماہرین کی کمیٹی کی رپورٹ پڑھ کر سنائی گئی، اور پھر استاد سے جوابِ دعویٰ طلب کیا گیا۔ ماہرین نے جو رپورٹ تیار کی تھی بڑی مفصل تھی، اس میں یہ بھی تھا کہ مؤلف نے اس کتاب میں دینی افکار پھیلانے کی جسارت کی ہے، اور ایسے افکار پیش کئے ہیں جو اِس ضمن میں نوجوانوں کی رہنمائی کا کام دیں گے، پھر اس نے اس میں عورت کے پردے کی دعوت دی ہے اور بتایا ہے کہ عورتوں کا اس طرح عریاں لباس میں بے پردہ ہو کر باہر نکلنا اسلام کے بھی خلاف ہے اور عورت کی فطرت کے بھی، اور یہ کہ عورت کے حسن و جمال کو چار چاند صرف اسلامی تعلیم و تربیت ہی لگا سکتی ہے، اور اسے آراستہ پیراستہ صرف قرآنی آداب ہی بنا سکتے ہیں؛ اور رپورٹ میں اس بات کی بھی وضاحت کی گئی کہ مؤلف دینی علوم و معارف کو پڑھانے کی حمایت کرتا ہے، اور اس بنا پر وہ اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ حکومت کا نظام اور اس کا دستور اصول دین کے ساتھ ہم آہنگ ہونا چاہیے۔

استنبول کے چند نامور وکلاء نے استاد نورسی کے دفاع کا فریضہ بڑی کامیابی کے ساتھ ادا کیا، ان وکلاء کے نام یہ ہیں:
''سَنیُّ الدین باشاق''، ''مِہری حلاوُ'' اور ''عبدالرحمان شرف لاچ''۔



1952ء میں بدیع الزمان کی یہ تصویر اس وقت لی گئی جب وہ نمازِ جمعہ کے بعد سلطان محمد فاتح کے مزار پر فاتحہ پڑھ رہے تھے۔

استغاثے میں اور کمیٹی کی رپورٹ میں جو دعوی کیا گیا تھا، استاد نورسی نے اس دعوے کی تردید کی اور برملا واضح کیا کہ اس کی زندگی کے گزشتہ پچیس سالوں میں اس کا سیاست کے ساتھ اور تخریب کار دنیاوی دھاروں کے ساتھ قطعاً کوئی تعلق نہیں رہا، اور یہ کہ اُس نے اپنی تمام تر قوت کو صرف ایمان کو بچانے والے راستے میں صرف کیا ہے، اور اس کی تمام مصروفیات و توجُّہات اور تمام تر اہتمامات صرف ایک کام کے لیے وقف رہے، اور وہ کام ہے ایمانی حقائق اور قرآنی خدمت مزید آپ نے عدالت کو یہ بھی یاد دلایا کہ میری بے گناہی کے فیصلے کئی صادر ہو چکے ہیں اور میری بحکمِ سرکار ضبط شدہ کتابیں مجھے واپس ہو چکی ہیں۔

آپ نے اس بات کی بھی وضاحت کی اور انہیں باور کرایا کہ یونیورسٹی کے طلبہ نے اگران کی ''رہنمائے شباب'' نامی کتاب شائع کر دی ہے تو اس میں برا منانے والی یا لے دے کرنے والی کوئی بھی بات نہیں ہے، بلکہ اس پر تو ان لڑکوں کا احسان ماننا چاہیے اور انہیں داد دینی چاہیے، اور یہ کہ رسائل نور کے ''رہنمائے شباب'' جیسے اجزا کی نشر و اشاعت کرنا اور عمومی طور پر نوجوانوں، جوانوں اور عورتوں کو پڑھنے کے لیے دینا، اس وطن کو اور ابنائے وطن کو سعادت مند بنانے کے لیے ایک لازم ترین اور اہم ترین کام ہے؛ کیونکہ یہ رسائل اس دور میں تخریب کار دھاروں کا راستہ روکتے ہیں، اور ان میں سے خاص کر وہ دھارے جو ایسے الحاد اور ایسے رذائل کو فروغ دے رہے ہیں جو اپنی تخریبی کاروائیوں کے ذریعے ہماری معاشرتی بنیادوں کو کھوکھلا کیے جا رہے ہیں۔ اور پھر آخر میں انہوں نے اس بات کی بھی وضاحت کر دی کہ ان طلبہ نے ''رہنمائے شباب'' نامی کتاب صرف انہی اغراض و مقاصد کو سامنے رکھ کر شائع کی ہے، اور یہ کہ یہ کام انہوں نے مجھے بتائے بغیر کیا ہے۔

سماعت کی کاروائی موقوف ہوگئی اور آئندہ سماعت کے لیے 19/2/1952 کی تاریخ دے دی گئی۔ تاریخ آنے پر یونیورسٹیوں کے طلبہ اور دیگر اہل ایمان و اہل عرفان لوگ سماعت کی کاروائی دیکھنے کے لیے پو پھٹتے ہی جوق در جوق عدالت کی طرف آنا شروع ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے اتنے لوگ اکٹھے ہو گئے کہ کھوے سے کُھوا چھلنے لگا اور عدالت کی لابیوں میں تل رکھنے کی جگہ نہ رہی۔ استاد اپنے نوجوان شاگردوں کے جُھرمٹ میں تالیوں کی گونج میں عدالت کے احاطے میں داخل ہوئے اور ملزم والی کرسی پر بیٹھ گئے۔ اور وکیلوں نے بھی اپنی نشستیں سنبھال لیں۔

عدالت کے احاطے میں اس وقت جو اِزدحام تھا بیان سے باہر ہے...... ہزاروں لوگ یہ کاروائی دیکھنے کے لیے سمندر کی لہروں کی طرح دروازوں سے اُمڈ آئے تھے...... اس پُرشکوہ منظر کے بڑے گہرے اور دوررس اثرات مرتب ہوئے...... اور وہ اس طرح کہ ایک عام نوجوان جو دینی تہذیب و تمدن سے محروم ماحول میں پروان چڑھا تھا، سعید نورسی کے لیے بہت زیادہ تشکر و امتنان اور قدردانی جذبات کا اظہار کر رہا تھا جو اسلام کے نور کے مجسّم نمونے کی نمائندگی کر رہے تھے، ایسے لگتا تھا کہ جیسے اس طرح کے نوجوان اپنی زبان سے یہ کہہ رہے ہوں کہ:

اے مجاہد کبیر! اے وہ شخص کہ جس نے قرآن کے انوار کے ذریعے بیسویں صدی کی تاریکیاں پارہ پارہ کر کے رکھ دی ہیں، جس نے انسانیت کو اس بلند پایہ ابدی سعادت کی دعوت دی ہے جو اس کی انسانیت کے شایانِ شان ہے؛ آپ نے انسانیت کی بہت بڑی خدمت کی ہے، اور خاص کر اس وطن کے بیٹوں کے لیے آپ نے بڑی ہی نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں، ہم آپ کی ان کوششوں پر آپ کے بہت زیادہ شکر گزار ہیں، اور مستقبل بھی آپ کی ان خدمات کی قدر و قیمت پہچانتا ہوا اور انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوا آپ کو یاد رکھے گا۔

آپ وہ طبیب بن کر آئے ہیں جس نے نسلِ نو کی نبض دیکھ کر اس بات کا ادراک کر لیا تھا کہ یہ بالکل قریبِ الموت ہو چکی ہے، تب آپ نے اسے آب حیات پلایا اور ان کے لیے بڑی عظیم الشان اور بلند پایہ خدمات سرانجام دیں، اور ایک ایسی قوم اور ایسی نسل کہ جن کے بارے میں چاہا یہ گیا تھا کہ انہیں عدم اور ابدی بدبختی کے گہرے گڑھوں میں پھینک دیا جائے، ان کے لیے آپ نے جدو جہد کی اور اپنی زندگی قربان کر دی، آپ اُن کے پاس قرآن کا نور لے کر آئے، اور ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں ابدی سعادت اور اللہ تعالیٰ کی شاہراہ پر لگا دیا۔

آپ ہی کی شاہراہ پر ہیں ہدایت اور نور کی نسلیں، اور آپ ہی کے راستے پر ہیں آئندہ بہت سے دَور۔

عدالت کے ہال میں بہت زیادہ بھیڑ ہونے کی وجہ سے عدالت کاروائی جاری نہ رکھ سکی، اور نظام کو کنٹرول کرنے والی پولیس بھی لوگوں کو رش کرنے سے روک نہ سکی، جس کی بنا پر چیف جسٹس یہ کہتے ہوئے لوگوں کو مخاطب کرنے پر مجبور ہو گیا کہ: تم لوگ اگر واقعتاً استاد کے ساتھ پیار کرتے ہو تو پھر میں آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ رش ختم کر دیں تاکہ عدالت اپنی کاروائی پوری کر سکے، تب لوگ فوراً اِدھر اُدھر ہو گئے اور عدالت نے اپنی کاروائی دوبارہ شروع کر دی۔

چنانچہ پہلے اُس پریس کے مالک کا بیان قلم بند ہوا جس نے رہنمائے شباب نامی کتاب طبع کی تھی، اور اس کے فوراً بعد پولیس کا بیان لیا گیا۔ پھر استاد نے ماہرین کی کمیٹی کی رپورٹ پر اپنے اعتراضات پیش کیے اور نماز پڑھنے کی اجازت مانگی؛ کیونکہ نماز کا ٹائم گزرتا جا رہا تھا۔ چیف جسٹس نے استاد کو نماز پڑھنے کی اجازت دے دی اور عدالت برخاست کر دی۔

استاد جب عدالت کے احاطے کی روش سے اپنے مُحبّوں اور نوجوان شاگردوں کے جھرمٹ میں گزر رہے تھے، ہزاروں لوگوں کے ہاتھ گرمجوشی کے ساتھ تالیاں پیٹ رہے تھے، تو استاد نے اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ اپنے شاگردوں کی اس محبت کا جواب دیا جو عدالت کے گیٹ پر تقریباً چار ہزار افراد آپ کا دیدار کرنے کے لیے انتظار میں کھڑے تھے۔ استاد تالیوں کی گونج میں دہلیز کی سیڑھیوں سے نیچے اُترے، وہاں کھڑے لوگ شدتِ تاثر کی وجہ رو رہے تھے۔ ان حالات میں پیدل چلنا ممکن نہیں رہا تھا، چنانچہ طالب علم اپنے استاد کو کار میں بٹھا کر مسجد سلطان احمد میں لے آئے، وہاں ان لوگوں نے نماز ادا کی اور پھر انہیں ان کی اقامت گاہ میں لے آئے۔

☆ ☆ ☆

اِن عدالتوں کی آخری سماعت پانچ مارچ 1950ء میں ہوئی، استاد عدالت کے ہال میں اپنے محبوں اور نو جوان شاگردوں کے جلو میں داخل ہوئے۔ عدالت نے رش سے روکنے کے لیے پہلے سے ہی کافی اقدامات کر لیے تا کہ کاروائی پر اثر نہ پڑے جیسے کہ پہلے ہو چکا تھا، چنانچہ اس کام کے لیے اس نے پولیس کی نفری میں اضافہ کر دیا اور انہیں دروازوں، روشوں اور سیڑھیوں پر متعین کر دیا، لیکن اُن تمام تر انتظامات کے باوجود ہال حاضرین سے کھچا کھچ بھر گیا۔

کاروائی کا آغاز یونیورسٹی کے اس طالب علم کے بیان سے ہوا جس نے ''رہنمائے شباب'' نامی کتاب کو طبع کرایا تھا، اُسے اس مقدمے کے ایک گواہ کے طور پر پیش کیا گیا، اس نے اپنے بیان میں بتایا کہ:

میں نے مشرق و مغرب کی تہذیب و ثقافت کے ساتھ تعلق رکھنے والی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں، لیکن جب میرے ہاتھ رسائلِ نور لگے، تو ان سے میری عقل، سوچ فکر، دل اور روح کو خاطر خواہ فائدہ ہوا، اور مجھے اُن سے وہ کچھ ملا جو دیگر کتابوں سے نہیں ملا تھا، رسائلِ نور نے میرے اخلاق پر اور میرے ارادوں پر بڑے گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ اور میں نے دیکھا کہ نوجوان نسل میں ایمان کی جوت جگانے میں، اس ایمان کو محفوظ رکھنے میں اور ان کی اخلاقی بنیادوں کو مضبوط کرنے میں یہ ''رہنمائے شباب'' نامی کتاب بڑی گہری تاثیر کی مالک ہے...... تب میں نے اسے اس امید پر طبع کرادیا کہ یہ اُن کے لیے ایک نفع بخش وطنی خدمت سرانجام دے گی۔ اور مجھے تو اس کام میں ایسی کوئی چیز نظر نہیں آتی جسے جُرم یا قانون کی مخالفت کہا جا سکے!

استاد کا دفاعی بیان

میں انتہائی اختصار کے ساتھ اس طویل عرصے تک کیے گئے ظلم کی داستان آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں جس کا سامنا میں نے اپنی زندگی میں کیا ہے، امید ہے آپ اسے سننے کی زحمت گوارہ کریں گے۔

[عدالت نے استاد کو مکمل آزادی اور راحت کے ساتھ بولنے کی اجازت دے دی، تب استاد نے تفصیل اور ٹھہراؤ کے ساتھ اپنے دفاعی بیان کا آغاز کر دیا۔]

میں نے اٹھائیس سالوں میں اہانت، ایذا، نگرانی اور جیل جیسی اتنی تکلیفوں کا سامنا کیا ہے کہ جن کی مثال نہیں ملتی ہے، اور یہ سب کچھ ہوتا ہے چند باطل الزامات، افتراءات اور اتہامات کی بنیاد پر، جن کی بنیاد چند نقطوں پر رکھی جاتی ہے:

پہلا اتہام: مجھے نظام حکومت کا مخالف سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ ہر حکومت کے مخالفین ہوتے ہیں، اور یہ کہ کسی بھی آدمی کا محاسبہ اُس کے اُس فکر اور منہج کی بنا پر نہیں کیا جاتا جو وہ اپنے دل اور اپنے ضمیر کے ساتھ اختیار کرتا ہے، جب تک کہ وہ امن و استقرار میں خلل انداز نہ ہو۔ اور یہ ہر شہری کا ایک ایسا حق ہے جسے سب لوگ جانتے ہیں

اور جو ہر جگہ قابل عمل ہے۔

یہ انگریز آپ کے سامنے ہیں جو حکومت کے باب میں انتہائی تعصب، تشدد اور سختیے کام لیتے ہیں، گزشتہ ایک سو سال سے کم وبیش دس کروڑ مسلمان ان کے زیرِ حکومت زندگی گزار رہے ہیں،[1] اور ان کے کافر نظامِ حکومت کو قبول نہیں کرتے اور قرآن کے تقاضے کے تحت اُسے ردّ کر رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود انگریزوں کی عدالتیں اُنہیں اس ضمن میں کچھ نہیں کہتیں۔

اور یہ یہودی اور عیسائی آپ کے سامنے ہیں، ان لوگوں نے ہمارے اس ملک میں اور دیگر کئی ملکوں میں اسلامی حکومتوں کے زیرِ سایہ زندگی بسر کی ہے، اور یہ جس ملک میں بھی رہے ہیں وہاں کے دین و مذہب کے اور اس کے مقدس نظامِ حکومت کے خلاف ہی رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود ان حکومتوں نے ایک دن بھی ان سے تعرّض نہیں کیا اور ان کے قوانین نے انہیں کوئی نقصان نہ پہنچایا۔

اور حضرت عمر بن خطابؓ کے دورِ خلافت میں یہ واقعہ پیش آیا کہ وہ اور ایک عام عیسائی آدمی اپنا مقدمہ لے کر عدالت میں گئے، اب باوجود اس کے کہ وہ آدمی اسلامی حکومت کے، اس کے دین کے، اس کی مقدسات کے، اور اس کے قوانین کے یکسر خلاف تھا، لیکن عدالت نے اس طرح کی کسی چیز کا لحاظ نہ کیا۔ جس سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ عدالتیں حالات کے رخ سے متاثر نہیں ہوتیں اور جانبداری کا مظاہرہ نہیں کرتیں۔

پس دین اور ضمیر کی آزادی ریاست کا ایک ایسا ستون ہے کہ جس کے بارے میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے، بلکہ کمیونسٹ حکومتوں کو چھوڑ کر مشرق سے لے کر مغرب تک دنیا کی تمام عدالتیں اس کے مطابق چلتی اور فیصلے کرتی ہیں۔

اب میں نے اگر یورپی تہذیب کے کچھ فاسد پہلوؤں کو، آزادی کے پردے کے پیچھے چھپے ہوئے استبدادِ مطلق، سیکولرازم کے لبادے میں دین پر اور اہلِ دین پر ہونے والی زیادتیوں کو ٹھکرادیا ہے اور حریّتِ دین اور حریّتِ ضمیر پر اپنا مکمل اعتماد کرتے ہوئے، اور ہزاروں قرآنی آیات کا سہارا لیتے ہوئے اس چیز کی مخالفت کی ہے..... تو کیا میں قانون کا باغی ٹھہروں گا؟ یا پھر ملک کے قانون ودستور کا حقیقی اور سچا مدافع ومحافظ؟!

باطل، ظلم وتشدد اور بے دینی کا مقابلہ کرنے کو کسی بھی حکومت کے ہاں جرم شمار نہیں کیا جاتا، پس حقیقی اور شرعی مقابلہ ہی وہ عنصر ہے جو عدل وانصاف کے توازن کی حفاظت کرتا ہے۔

رہا دوسرا الزام، جو مجھ پر سابقہ کارپردازانِ حکومت نے لگایا ہے اور اس کے بموجب مجھے ظلم وتشدد کا اور بدترین سزاؤں کا مستحق گردانا ہے، تو وہ ہے امن واستقرار میں خلل اندازی، اس جھوٹے الزام اور مزعومہ خدشے کی پاداش میں

---

[1] یعنی ہندوستان میں۔

اٹھائیس سال تک مجھے وہ سزا دی گئی ہے جو میرے علاوہ اور کسی کو نہیں دی گئی، چنانچہ مجھے ایک شہر سے دوسرے شہر میں جلا وطن کیا گیا، ایک عدالت سے دوسری عدالت میں گھسیٹا گیا، ایک کال کوٹھڑی سے نکال کر دوسری میں ڈالا گیا، مجھے باہر کی دنیا سے بالکل لاتعلق کیا گیا، مجھے زہر دیا گیا اور میرے ساتھ ہر قسم کا ذلّت آمیز سلوک کیا گیا۔

حق بات یہ ہے کہ ہم طلّابِ نور کہ جو پانچ لاکھ جان نثار و فدا کار طالب علموں کی تعداد میں ہیں، ہم ہی وہ لوگ ہیں جنھیں وطن کے امن و استقرار کے معنوی محافظوں کا فخر حاصل ہے، اس لیے ہم پر یہ الزام لگانا کہ ہم امن و استقرار میں خلل ڈالنے والے لوگ ہیں، بہت بڑا ظلم ہے۔ بلکہ باوجود اس کے اِن لوگوں نے ہم پر بہت ظالم قسم کی زیادتیاں کی ہیں، ہم نے اپنے آپ کو کسی بھی قسم کے انتقامی جذبات سے اور جوابی کاروائی سے بلند رکھا ہے، اور ایک دن بھی ایسا نہیں چھوڑا کہ جس میں دلوں میں امن و استقرار کی اہمیت بٹھانے، اس کی آبیاری کرنے، ایمان اور قرآن کی خدمت کرنے اور غفلت کی وجہ سے انارکی اور مُطلق العنانی و بے لگامی کے گندے جوہڑ میں گرے ہوئے لوگوں کو بچانے کے لیے کام نہ کیا ہو۔

جج صاحبان!

میں آپ کے سامنے صرف بے دلیل دعوے نہیں بلکہ قطعی اور حتمی معلومات رکھ رہا ہوں، اور وہ یہ ہیں کہ ان طویل اور تفصیلی گہری تفتیشی کاروائیوں کے بعد جو کہ ان چھ صوبوں کی چھ عدالتوں میں کی گئیں جہاں ہم پر ظلم ڈھائے گئے اور ہمیں جلاوطن کیا گیا، یہ بات روزِ روشن کی طرف واضح ہوگئی کہ ہمارے خلاف نقضِ امن کی ایک بھی رپورٹ درج نہیں کی گئی۔ اور اس سے یہ بات ثابت ہے کہ مدرسۂ نور — اور یہ علم وعرفان کا مدرسہ ہے — کے طالب علموں کا میدانِ عمل دل ہیں، اور دلوں میں اور عقلوں میں ایک ایسا نگران مقرر کر کے رکھتے ہیں جو امن و استقرار کے معاملات کی نگرانی ونگہبانی کرتا ہے۔

ہمارے ایمانی درس فسادانگیزی اور باغی قسم کی انارکی کے بالکل برعکس ہیں، اِسی طرح ہمارے یہ درس فری میشنری اور کمیونزم کے خلاف ہیں، اس وطن کے سیکورٹی اور پولیس کے تمام اداروں سے پوچھا جانا چاہیے کہ نور وعرفان کے اس مدرسے کے پانچ لاکھ طالب علموں میں سے کسی ایک بھی طالب علم کی طرف سے کبھی کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہے جو نقضِ امن کا باعث بنا ہو؟ بلاشبہ ایسا کبھی نہیں ہوا؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے دل میں ایمان کا ایک نگران بیٹھا ہوا ہے جو نظام و انتظام کی سب سے بہتر نگرانی کر سکتا ہے۔ ان حقائق کی میں اپنے ایک مضمون ''حقیقت بولتی ہے'' میں بڑی تفصیل کے ساتھ وضاحت کر چکا ہوں، یہ مضمون ماہنامہ ''سبیل الرشاد'' کے عدد نمبر ایک سو سولہ میں شائع ہوا تھا۔

یہ بات بہت بڑا ظلم اور ایک غایت درجے کی گھناؤنی جارحیت اور حق وانصاف سے ایسے ہی دور ہے جیسے آسمان سے زمین دور ہے کہ ایک ایسے آدمی کو پکڑ لیا جائے جس کی عمر کے ماہ وسال گواہی دے رہے ہوں کہ اس نے اپنی دنیا کو قربان

کر دیا ہے، بلکہ ضرورت کے وقت اپنی زندگی اور اپنی آخرت کو بھی قربان کر چکا ہے اور پینتیس سال سے سیاست سے کنارہ کش ہو چکا ہے، اور عدالتوں کو پوری تلاش اور تحقیق و تدقیق کے باوجود ایسی کوئی دلیل نہیں ملی جو اُسے اس ضمن میں مجرم ثابت کرتی ہو، اور اُس کی عمر اسی سال سے زائد ہو چکی ہے اور وہ قبر کے دھانے پر کھڑا ہے، دنیا کی کسی چیز کا مالک نہیں اور نہ ہی دنیا کی کسی چیز کو اہمیت دیتا ہے ...... ایسے آدمی کو پکڑ لایا جائے اور اس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ یہ آدمی دین کو سیاست کا آلۂ کار بنا رہا ہے!!

ہم نور و عرفان کے مدرسے کے طالب علموں نے قرآن حکیم سے حقیقت کا جو درس لیا ہے، وہ یہ ہے کہ: اگر کسی گھر میں یا سواری میں ایک بے گناہ اور دس مجرم ہوں تو قرآنی عدالت اُس ایک بے گناہ جانی حق کو نقصان سے بچانے کے لیے اس گھر کو یا سواری کو تباہ کرنے سے منع کرتی ہے، لیکن اگر ایک مجرم کے مقابلے میں دس بے گناہ کھڑے ہوں تو کیا اس ایک مجرم کی وجہ سے اس گھر کو یا اس سواری کو تباہ کرنا جائز ہوگا؟ اگر واقعتاً ایسا ہو جائے تو کیا یہ بڑا گھناؤنا ظلم، خیانتِ کبریٰ اور آخری درجے کا وحشی پن نہیں ہوگا؟

اسی چیز کی خاطر عدالتِ الٰہیہ اور حقیقتِ قرآنیہ نے دس فیصد امن دشمن مجرموں کی وجہ سے نوے فیصد بے گناہ لوگوں کی زندگی کو خطرات و نقصانات سے دوچار کرنے سے سختی سے منع کر دیا ہے، اور اسی لیے ہم لوگ اس قرآنی درس کی پیروی میں خود کو اپنی پوری قوت کے ساتھ امن و استقرار کے تحفُّظ کا مکلّف سمجھتے ہیں۔

اس لیے یہ بات کسی بھی شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ سابقہ دورِ حکومت میں پسِ پردہ کام کرنے والے ہمارے دشمن اور وہ لوگ جنھوں نے ہم پر یہ باطل الزامات لگائے ہیں، وہ یا تو سیاست کو الحاد و زندیقیت کے ہاتھ کا کھلونا بنانا چاہتے ہیں، اور یا پھر وہ جہاں تک اُن سے بن پڑے ــــ شعوری یا لاشعوری طور پر ــــ ہمارے وطن میں یکسر غلط اور فاسد قسم کے نظریات کو مقامی اور علاقائی نظریات بنا دینا چاہتے ہیں! اور یہ بات اب بالکل واضح ہو چکی ہے کہ وہی لوگ ــــ ہم نہیں ــــ نظام کو درہم برہم کرتے ہیں، اور علاقے کے مادی و معنوی امن و استقرار میں خلل ڈالتے ہیں۔

ایک حقیقی مسلمان اور پکا سچا مومن آدمی ایک دن کے لیے بھی انارکی اور فتنہ و فساد کی تائید نہیں کر سکتا ہے؛ کیونکہ اس کا دین اسے اس کام سے بڑی سختی کے ساتھ منع کرتا ہے، کیونکہ انارکی حقوق کی پہچان نہیں رکھتی بلکہ انسانی عادت کو اور تمدنی اقدار کو حیوانی طبیعتوں میں تبدیل کر دیتی ہے، بالکل جیسے کہ وحشی جانور میں ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے تو یہاں تک اشارہ کر دیا ہے کہ اس طرح کے یاجوج ماجوج کے گروہ ہیں جو آخرِ زمانہ میں نمودار ہوں گے۔

معزز جج صاحبان!

ان لوگوں نے مجھے اور میرے شاگردوں کو اٹھائیس سال تک تکلیفوں، اذیتوں اور سزاؤں سے دوچار کیا، اور سرکاری وکلاء کو عدالتوں میں ہماری بدنامی کرتے وقت اور ہم پر طعن تشنیع کرتے وقت ذرا بھی تردد نہ ہوا، لیکن ہم نے صبر کیا، برداشت کیا اور ایمان و قرآن کی خدمت کی شاہراہ میں اپنا سفر جاری رکھا اور سابقہ دورِ حکومت کے کارپردازوں نے

ہم پر جو ظلم کیا ہم نے اسے معاف کر دیا، کیونکہ انہیں اُن کے کیے کی وہ سزا مل گئی جس کے وہ مستحق تھے، اور ہمیں ہمارے حقوق مل گئے اور ہماری آزادی مل گئی۔

اور ہم اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں آپ جیسے مومن اور عادل جج صاحبان کے سامنے اپنا عندیہ بیان کرنے کا موقع مہیا کیا ہے۔

وھذا من فضل ربی

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

دفاعی وکیل ''مہری حلاو'' کے دفاعی بیان سے چند اقتباسات

رسائلِ نور کا مؤلف ایک ایسا آدمی ہے کہ مؤلفوں اور قلمکاروں کے میدان میں اس سے زیادہ متواضع اور منکسر المزاج آدمی نظر نہیں آتا ہے، یہ متاعِ دنیا سے منہ موڑ چکا ہے، اور مال، شہرت، اثر و نفوذ اور شان شوکت اسے اس کے راستے سے ادھر اُدھر نہ کر سکے، اس میدان میں اس آدمی کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا ہے، دنیا و مافیہا سے جس طرح اس نے ہاتھ جھاڑے ہیں خود گاندھی بھی ایسا نہ کر سکا۔

یہ عظیم انسان جسے اپنے ایک دن کے کھانے میں ایک سوکھی روٹی اور سوپ کی ایک پلیٹ کافی ہو جاتی ہے، یہ آدمی اگر جی رہا ہے تو صرف قرآن اور ایمان کی خدمت کے لیے جی رہا ہے، دیگر ہیچ...... اس چیز کے علاوہ اس کے ہاں کسی بھی چیز کی کوئی قیمت اور اہمیت نہیں ہے۔

لیکن اِس سب کے باوجود اس کو مجرم بنانے کے لیے اور اسے آرٹیکل 163 کے جال میں پھنسانے کی کاروائی کی جا رہی ہے۔ کیا یہ چیز حق، عدل اور انصاف کے مطابق ہے؟ یا علم اور فکر کے ساتھ میل کھاتی ہے؟ یا قانون، عقل اور منطق کے ساتھ ہم آہنگ ہے؟

اس کا فیصلہ میں مؤقر عدالت پر چھوڑتا ہوں......

آخر میں مَیں اپنا بیان ختم کرنے سے پہلے چند باتیں اس ضمن میں کہنا چاہوں گا کہ یہ شخص نظام حکومت کے معارض و مخالف ہے:

قابلِ احترام اور آپ کے عدل پر مبنی فیصلے کا منتظر انسان، ایک نہایت پاک باز، پاکیزہ سیرت، سچا اور کھرا انسان ہے، تجربوں اور سالوں نے اسے ایک نیا ہی انسان بنا کر نمایاں کر دیا ہے، اس نے اپنی پوری زندگی میں خلافِ حقیقت

بات کہنے کے لیے پستی اور گراوٹ کو قبول نہیں کیا اور اپنے موقف سے روگردانی نہیں کی، عدالت کی پہلی سماعت کے موقع پر اس نے موجودہ حکومت کے بارے میں اپنی پسندیدگی کا اور اچھے خیالات کا اظہار کیا تھا اور اس کے لیے توفیق کی دعا مانگی تھی، اور اس بات کا صراحت کے ساتھ اعلان کیا تھا کہ جس حکومت نے اسے تنقید کا نشانہ بنایا تھا وہ صرف سابقہ حکومت تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ میرے مؤکل نے اپنے اہلِ وطن کے ساتھ مل کر استبداد کے خلاف جنگ کی ہے اور امت کی حریت وحاکمیت کی بنیاد رکھنے کے لیے تگ ودو کی ہے: اور اس میدان میں جو کامیابی ہوئی ہے اس پر آج اسے سعادت وامتنان کا احساس ہو رہا ہے۔ اور یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے کہ رسائل نور کے منجملہ اغراض ومقاصد میں سے ایک غرض دلوں میں اجتماعی نظام وانتظام کا بیج بونا بھی ہے، چنانچہ سیاست دان اگر سیاسی سطح پر اس غرض کو بروئے کار لانے کے لیے اور اس قوم کے حقوق اور حریت کی ضمانت دینے کے لیے سرگرمِ عمل ہیں، تو رسائل نور کا مؤلف بھی یہی کام کر رہا ہے، لیکن معنوی سطح پر، پس اس کا مطلب یہ ہے کہ غرض وغایت مشترک ہے۔

رسائل نور کا مؤلف اور ان کے شاگرد معنوی چوکیدار ہیں، اور قابلِ فخر محافظ ہیں جو کہ امن ونظام واستقرار کی محافظت کرتے ہیں، اور قلوب، اذہان سے انارکی اور فساد کے ازالے کے لیے معنوی سطح پر سرگرم عمل ہیں، اور وہ اپنا یہ کام پوری سچائی، ایمانداری جان نثاری اور کسی بھی عوض معاوضے کا یا کسی اور غرض کا انتظار کیے بغیر سرانجام دیتے ہیں، اس ضمن میں ان کی آرزو صرف اللہ کی رضامندی اور وطن واہلِ وطن کی نفع رسانی ہے، اور یہ جتنے کام بیان کیے گئے ہیں، ان میں کوئی کام بھی ایسا نہیں ہے جس کے متعلق کہا جائے کہ یہ جرم ہے، بلکہ یہ سب کام قوم ووطن کی ایک ایسی خدمت شمار ہوتے ہیں جن پر حوصلہ افزائی ہونی چاہیے اور شاباشی ملنی چاہیے، نہ کہ مواخذہ اور گرفتاری۔ اس لیے ان کی رہائی کا مطالبہ کرنا ہمارا حق بنتا ہے۔

اور فیصلہ مؤقر عدالت کے ہاتھ میں ہے۔

☆ ☆ ☆

''سَنیُّ الدین باشاق'' نامی وکیل کا دفاع

اس کے بعد دوسرا دفاعی وکیل ''سنی الدین باشاق'' کھڑا ہوا اور چند کلمات میں اپنا موقف بیان کرتے ہوئے اس نے کہا:

مسئلہ تو بالکل واضح ہو چکا ہے، اور حقیقت سورج کی طرح جگمگا اٹھی ہے، اور معزز عدالت کو اس معاملے کے ساتھ تعلق رکھنے والے ہر پہلو کا علم ہو گیا ہے، اس لیے میرے پاس اضافہ کرنے کے لیے اب کچھ نہیں رہا۔

میں عدالت عالیہ کو ان لوگوں کے عقلی معیار کے متعلق کچھ بتانا چاہتا تھا جو اس فاضل آدمی کو یہاں لائے ہیں اور اُسے تہمتوں کے جال میں پھنسا دیا ہے، اور اس آدمی نے کسی بھی اُجرت اور عوض معاوضے کے بغیر وطن و ابنائے وطن کے لیے جو خدمات سرانجام دی ہیں اس کی قدر و قیمت، فضیلت، قربانی اور فنائے ذات کے ثبوت کے لیے وہی کافی ہیں...... جی ہاں، میں آپ کو ان لوگوں کے عقلی معیار کے متعلق بتانا چاہتا تھا، لیکن یہ ایسی باتوں کا موقع نہیں ہے، بلکہ یہ کام ایک مستقل کتاب کا متقاضی ہے؛ کیونکہ اس طرح کی عقلیت کی پہچان رکھنا اور اس کا پیچھا کرنا ہر آدمی کا فرض بنتا ہے۔

آپ کی مؤقر عدالت جس ضمیرِ عالی کی مالک ہے اس نے مجھے دفاعی بیان سے مستغنی کر دیا ہے۔

میں اپنے مؤکل کو باعزّت بری کرانے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔

☆ ☆ ☆

''عبدالرحمان شرف لاج'' نامی وکیل کا دفاع

اس کے بعد آپ کا دفاع کرنے کے لیے نامی گرامی وکیل ''عبدالرحمان شرف لاج'' کھڑا ہوا جو کہ ایک نہایت قادُر الکلام اور تجربہ کار وکیل ہے، اس نے بھی اپنے دیگر فاضل وکلاء بھائیوں کی طرح استاد کا دفاع رضا کارانہ طور پر کیا، چنانچہ اس نے اپنے بیان سے پہلے بطورِ تمہید یہ باتیں کیں:

وکیل شرف لاج: یہ بات مکمل طور پر واضح ہوگئی ہے کہ یہ بابرکت فاضل جناب جو کہ اسی سال سے زائد عمر کے ہو چکے ہیں، اور جو آپ کی عدالت میں ایک مُلزم کی حیثیت سے کھڑے ہیں، اس کا کسی بھی جرم کے ساتھ کسی بھی طرح کا کوئی بھی تعلق واسطہ نہیں ہے۔ اور میں یہ امید کرتا ہوں کہ آپ کی مؤقر عدالت اس بارے میں مکمل طور پر مطمئن ہوگی، اس لیے ہم اسے بری کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ہاں اگر ہزار میں سے ایک بھی ایسا احتمال پایا گیا جو اس فیصلے کے خلاف کسی اور فیصلے کا مطالبہ کرتا ہو، تو اپنے بے گناہ مؤکل کا دفاع کرنے میں اگر مجھ سے کوئی سستی ہوگئی ہے تو میں خود کو قصوروار سمجھوں گا، میرے مؤکل میں بہر کیف کوئی کمی نہیں۔

عدالت کی سماعت کو جاری رکھنے والے اصولوں کی پاسداری کرتے ہوئے، اور اس بات سے بچتے ہوئے کہ عدالتی کاروائیوں میں کہیں کوئی کمی بیشی اور نقصان واقع نہ ہو جائے، عالی قدر اپیل کورٹ کے نقطۂ نظر کو اور اُس کے اظہارِ اطمینان کو اہمیت دینا ہمارا فرض بنتا ہے، اور اسی نقطے کو سامنے رکھ کر میں آپ کی معزز عدالت سے اپنا بیان ریکارڈ کرانے کی اجازت چاہوں گا۔

عدالتی بورڈ: ٹھیک ہے جناب عبدالرحمان صاحب! آپ اپنے آخری دفاعی بیان کا آغاز کریں، ہم سن رہے ہیں۔

ایڈووکیٹ ''شرف لاج'': چونکہ ''رہنمائے شباب'' نامی کتاب قرآن کریم کی اور اس کے اوامر واحکام کی تفسیر کی

حیثیت رکھتی ہے؛اور چونکہ یہ کتاب اسلامی تعلیمات سے حاصل کردہ دینی نصائح وتوجیہات پر مشتمل ہے،اور چونکہ دستور کا آرٹیکل نمبر 70 کا متن اس بات کو صراحت کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ شخصی تحفظ،حریتِ فکر،حریت ضمیر،حقِ تعبیر اور حقِ نشر واشاعت ترکی ہم وطن کا فطری حق ہے،اور چونکہ دستور کا آرٹیکل نمبر 75 کا متن اس بات کی صراحت کرتا ہے کہ کسی بھی آدمی کا اس کے اختیار کیے ہوئے دین ومذہب کی وجہ سے محاسبہ کرنا جائز نہیں؛اس لیے میرے موکل کو دین کی اور نشر واشاعت کی اس آزادی سے محروم رکھنا جس کی ضمانت دستور نے دی ہوئی ہے اور اس پر قانونی طور پر مقدمہ دائر کر دینا دستور کی بالکل واضح خلاف ورزی ہے۔

اگر ہم فرض کرلیں کہ میں نے ابھی ابھی جو قانونی پہلو بیان کیے ہیں انہیں کوئی حیثیت اور اہمیت نہیں دی گئی ہے اور اس آرٹیکل کے مطابق جو صراحتاً جمہوریت کے ساتھ متصادم ہے،یعنی آرٹیکل 163 جو کہ ترکی قانون میں سزاؤں کا آرٹیکل ہے؛اس آرٹیکل کے تحت میرے مؤکل پر مقدمہ بنتا ہی ہے،تو پھر ہم اس کی طرف منسوب کیے گئے جرم کا جواز پیش کریں گے اور کہیں گے کہ:

ایک مسلمان آدمی...... بوڑھا کھوسٹ...... بڑا پاکیزہ اور عفت مآب...... چہرے پر نور کی تابندہ جھلکیوں والا...... بڑھاپے نے اس کے سر پر اپنا تاج سجایا ہوا ہے اور روشنی نے اس کے چہرے کو جگمگا رکھا ہے اور اللہ کے نور نے اس کے تمام وجود کے اردگرد ہالہ بنایا ہوا ہے......اس نے اپنی خداداد زندگی خالصتاً اس دیس کے باشندوں کی اصلاح اور اُن کی حقیقی سعادت مندی کے لیے وقف کر رکھی ہے......اور اس نے یہ عزم کر رکھا ہے کہ اس نے جو راستا اختیار کیا ہے اُس پر چلتا رہے گا اور اس سے کبھی اِدھر اُدھر نہیں ہوگا تا آنکہ جان جان آفریں کے سپرد کردے......ایک عظیم الشان مسلمان کہ کمزوری جس کے قریب بھی نہ پھٹک سکی،اُس کا جسم صرف اللہ کی راہ میں کمزور ہوا......ان دنوں میں — کہ جنھیں ڈیموکریسی کے دن کہا جاتا ہے — ایک دن اس نے جب اللہ کی طرف بلایا...... بالکل،صرف اللہ وحدہ کی طرف بلایا......اور اس نے اس کے رسول ﷺ کی اقتدا کی......اور اس کی کتاب کو آگے پہنچایا......اور اپنے وطن کے نوجوانوں کی آنکھیں کھولیں اور انہیں چوکنا کیا......اُس نے جناب والا یہ کام کیا ہی تھا کہ سرکاری وکیل نے یہ کہتے ہوئے اس پر مقدمہ دائر کر دیا کہ اِدھر آ،تو نے بہت بڑا جرم کیا ہے!!اور پھر آفاق پر گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔

لیکن ذرا اس اصیل اور عمر اور قدر و قیمت کے لحاظ سے بہت بڑے مسلمان کو دیکھو،کہ کس طرح سکون اور اطمینان کا مجسمہ بنا نظر آتا ہے!!اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک کو ماننے والا آدمی ہے،کثرت اس کو اپنے حصار میں نہیں لے سکی......اس نے چونکہ اپنے تمام غم صرف ایک غم میں مدغم کر دیے ہیں،اس لیے اللہ اس کے لیے تمام غموں کی طرف سے کافی ہو گیا ہے۔وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تجلیات میں سے ایک تجلّی کا مظہر ہے......زحمتوں کے اندر سے رحمتوں کی جھلک دیکھ لیتا ہے......اور تکلیف میں خوشی کا مشاہدہ کر لیتا ہے...... جی بالکل،اُس نے اشیا کی حقیقت کو جانچا،پرکھا اور کثافت کو چیر کر

لطافت تک پہنچ گیا...... اس کی جن رگوں کا خون بہایا گیا ہے ان میں اللہ تعالیٰ کی مدد، اس تائید، اس کا فیض اور اس کا نور گردش کرتا ہے...... یہ ہے وہ مردِ مسلمان جس کے خلاف سرکاری وکیل نے مقدمہ دائر کیا ہے اور اُسے ہتھکڑیاں لگائیں ہیں اور جیل میں ڈالا ہے۔

لیکن کیوں؟ اس سالخوردہ بوڑھے نے ایسا کیا کر دیا ہے؟ اس نے کون سے جرم کا ارتکاب کیا ہے؟ سرکاری وکیل کی نظر میں تو اس بوڑھے نے بڑے بڑے جرائم کا ارتکاب کیا ہے...... چنانچہ

اوّلاً: اس نے ''رہنمائے شباب'' کے نام سے اپنی کتاب شائع کی ہے۔

ثانیاً: اس نے سیکولرازم سے خلاف کام کیا ہے۔

ثالثاً: اس نے حکومت کی اجتماعی، مالی، سیاسی اور عمومی حقوق کی عمارتیں دینی بنیادوں پر کھڑی کرنے کی تگ و دو کی ہے!!

لیکن کیسے؟ اور وہ ایسے کیوں کر رہا ہے؟

رابعاً: اس نے شخصی اثر ورسوخ کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے!!

ٹھیک ہے...... مان لیتے ہیں...... لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس کے پیچھے اس کی کوئی سیاسی مصلحت تھی؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں، کیونکہ ماہرین کی کمیٹی کو اس میں اس طرح کی کوئی چیز نظر نہیں آئی، اور خود سرکاری وکیل نے بھی اس طرح کی کوئی بات نہیں کی۔

اب چونکہ کوئی سیاسی مصلحت تو سامنے ہے نہیں، تو پھر یہ بوڑھا اپنے ذاتی اثر ورسوخ کے ذریعے دنیا کی طرف سے کس چیز کے انتظار میں ہے؟

سرکاری وکیل کہتا ہے کہ یہ ایک بے معنی بات ہے، کچھ بھی ہو یہ آدمی سیاسی اثر ونفوذ کے لیے بھاگ دوڑ کر رہا ہے...... یہی بات ماہرین کی کمیٹی کہہ رہی ہے۔

بہت اچھا...... ہم پوچھتے ہیں کہ اس مسلمان آدمی نے ان کاموں کا ارتکاب کیا تو کیسے؟

وہ جواب میں کہتے ہیں: اس نے دین اور دینی مشاعر ومقدسات کو دوسری اغراض کو حاصل کرنے کے لیے آلۂ کار بنایا۔

یہ مقدسات کیا ہیں؟ اسلام...... اسلامی مشاعر...... خوف خدا جس کا مقام ومحل دل ہے...... قرآن...... تفسیر......؟ یہ وہ چیزیں جنھیں خود سرکاری وکیل بھی جانتا ہے، اور اس کا یہ ایمان بھی ہے کہ یہ مقدسات ہیں......

بہت اچھا...... کیا ان تمام چیزوں کی معرفت حاصل کر لینا، اور ان پر ایمان لے آنا، اور پھر ان کو عملی صورت میں

دہراتے رہنے کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ انہیں دیگر اغراض ومقاصد کے لیے استعمال کیا جارہا ہے؟

جی ہاں، یہ معاملہ اس سرکاری وکیل کے لیے بھی ایسا ہی ہے جس نے یہ استغاثہ پیش کیا ہے...... اور جب ایک معاملے میں مدّعی اور مدعا علیہ دونوں برابر ہیں، تو پھر کیا سرکاری وکیل خود بھی انہیں مقدسات کو سیاسی قانون کے لیے استعمال نہیں کر رہا ہے؟ اور انہی کے ذریعے ان پر ایمان رکھنے والے اپنے جیسے دوسرے مسلمان کو مجرم بنا رہا ہے؟ اور پھر کیا سرکاری وکیل خود آرٹیکل 163 کے تحت جرم کا ارتکاب نہیں کر رہا ہے؟

سرکاری وکیل اُس کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے: ہرگز نہیں...... میں دعوتی حملہ نہیں کر رہا ہوں، جبکہ یہ شخص دعوتی اور توجیہی حملہ کر رہا ہے!

اس شخص نے پھر جواب میں کیا کہا؟ اس نے جو کچھ کہا بعینہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

اس دور میں الحاد و زندیقیت کے حامی اور گمراہ کن جماعتوں کا اسلام پر حملہ کرنے کے لیے جو سب سے زیادہ خطرناک لشکر تیار کر رہے ہیں، وہ ہے نیم عُریاں عورتوں کا گروہ جنھیں اُن کے نفس ہائے امارہ نے اپنی لگام شیطان کے ہاتھ میں سونپ دینے پر آمادہ کر دیا ہے، چنانچہ وہ اپنے فتنہ خیز اعضا کے خنجروں سے لیس ہو کر اہلِ ایمان کے سامنے آتی ہیں اور عفت و نکاح کے راستے تنگ کر رہی ہیں اور رذالت اور فحاشی کا راستا آسان کر رہی ہیں، تاکہ بہتیرے لوگ اپنے نفسِ امارہ کے قیدی بن جائیں اور اپنے قلب و روح کو نقصان پہنچاتے ہوئے — بلکہ بسا اوقات انہیں موت کے منہ میں دھکیلتے ہوئے — کبائر کا ارتکاب کرتے رہیں۔

کیا میری یہ بات جھوٹ ہے؟ ہرگز نہیں۔

کیا اُن ویشیاؤں کے وجود کو ناپسند کیا جاتا ہے جو عفت و پاکدامنی کے خلاف جنگ کرتی ہیں اور رذالت کو شہ دیتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔

کیا حکومت خفیہ اور اعلانیہ بدکاری کو روک نہیں سکتی؟

کیا جزا وسزا کا قانون اور اخلاقی پولیس رات دن ایک کر کے اس رجحان کے خلاف جنگ نہیں کر سکتی؟ اور عفت و پاکدامنی کا دفاع نہیں کر سکتی؟

سرکاری وکیل کہے گا: کیوں نہیں...... لیکن یہ اللہ کا کام نہیں بلکہ یہ ہمارا کام ہے۔

بہت اچھا...... وہ ایسے کہہ سکتا ہے، لیکن قانون، پولیس اور سرکاری وکیل مجرم کو اور جرم پر ابھارنے والے یا شریکِ جرم کو، جرم واقع ہو جانے کے بعد یعنی جرم کا ارتکاب ہو چکنے کے بعد، یعنی جب عزت لوٹ لی جا چکی ہو اور متاثرہ شخص مر چکا ہو — پھر گرفتار کرتے ہیں، اور وقوعِ فعل سے پہلے قانونی طور پر کوئی کاروائی کرنا ممکن ہی نہیں...... البتہ دین کی رُو

سے ممکن ہے، اور وہ ہے دینی جذبے سے مغلوب ہو کر یا اللہ کے خوف سے متاثر ہو کر...... صرف یہی خدا خوفی ایک ایسی چیز ہے جس کے ذریعے اس کے مختلف رذائل سے بچا جا سکتا ہے، اور وہ اس چیز کا حکم دیتا ہے اور قبل از وقت کی تدبیر اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہے...... لیکن کیسے؟

نصیحت کے ذریعے...... باہمی ہمدردی کے ذریعے...... اللہ کی پہچان کرانے کے ساتھ...... انسان کے دل میں اللہ کی محبت اور اس کے خوف کا بیج بو دینے کے ذریعے...... آگ جہنم اور ابدی عذاب کی ترہیب کے ذریعے اور جنت اور ابدی نعمتوں کی ترغیب کے ذریعے...... تا کہ انسان ان برائیوں اور قباحتوں سے دُور رہے اور خود کو ان سے محفوظ رکھ سکے...... اور تا کہ معاشرہ، حکومت، قوم، اور خود سرکاری وکیل بھی راحت وطمانیت کے ساتھ زندگی گزار سکیں...... اسی چیز کے پیشِ نظر انہوں نے لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی خشیت کا بیج بویا ہے۔

ہم یہ کام کریں کیسے؟

لکھو، تالیف کرو اور پڑھاؤ سکھاؤ۔

بہت اچھا...... تب وہ کہیں گے: یہ ایک دعائیہ اور توجیہیہ حملہ ہے۔

ہوتا رہے...... کیا یہ چیزیں اللہ کے اوامر اور قرآن کی تعلیمات نہیں؟ کیا دین تمہارے فطری حقوق میں سے ایک اہم ترین حق نہیں ہے؟ تو پھر تمہیں اس سے کون روکتا ہے؟ اس کے بارے میں وہ کہتے ہیں: یہ جرم ہے، کیا ایسا ہی نہیں؟ اللہ کا حکم پڑھو:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى لَنْ يَضُرُّوا اللهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ﴾

بہت اچھا...... لیکن اگر ہماری سنیں ہی نا تو؟

تو جناب جو سنتا ہے اس کے کانوں میں اور اہلِ ایمان کے کانوں میں بار بار ڈالو؛ کیونکہ جو کام تم لوگ کر رہے ہو ایک صالح اور سودمند کام ہے جس کا فائدہ فرد، معاشرے، قوم اور حکومت وسلطنت کو یکساں طور پر ہوگا، اور یہ انہیں شر ورو مصائب سے بچائے گا۔

اہل ایمان سے کہو:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾

اور جو اس پر ایمان نہیں رکھتا اس سے کہو:

خطرہ سب کے سر پر منڈلا رہا ہے...... تمہارے وطن پر اور تمہاری قوم پر...... خطرہ دین میں یا دین کی دعوت میں نہیں

ہے...... بلکہ کفر میں اور دین سے آزاد ہو جانے میں ہے، وزیر اعظم اس بات کی صراحت کر چکے ہیں کہ دائیں بازو کی جماعتیں وطن کے لیے کسی خطرے کا باعث نہیں ہیں، اور ان دونوں ایسی کوئی چیز موجود نہیں جو دین کی دعوت کے آگے رُکاوٹ بن سکے یا اس کے خلاف سازشیں کرنے کا باعث بن سکے۔

معزز جج صاحبان!

میری آپ سے گزارش ہے کہ آپ سرکاری وکیل کے سامنے کہ جس نے یہ مقدمہ قائم کیا ہے، ایک سوال رکھیں جس کے جواب کا آپ لوگوں کو زیادہ علم ہے، لیکن پھر اس سے پوچھ کے دیکھ لیں کیا اس سے انکار بن آتا ہے؟ یہ بتاؤ کہ اگر نوجوانوں تک اللہ کے احکام نہ پہنچائے جائیں اور انہیں قرآن کی تعلیمات سے آراستہ نہ کیا جائے، اور اس کام کو دعوت و ارشاد کا جرم شمار کر کے روک دیا جائے، تو کیا پھر صرف جزا و سزا کے قانون کے بل پر بے راہ روی، رذالت، چھچھورے پن، بے لگامی اور زنا اور قتل کے جرائم کے آگے رکاوٹ کھڑی کی جا سکتی ہے؟ اور پھر کمیونزم جیسے مہلک فتنوں سے جنم لینے والی وہ بیک وقت خفیہ اور اعلانیہ منظم تباہی جس نے تمام عالم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، اس کا مقابلہ کرنا کیسے ممکن ہوگا؟

محب وطن معزز جج صاحبان!......

اللہ پر اور اس کے دین پر ایمان رکھنے والو! انتہائی خطرناک پروپیگنڈے کے ان حملوں پر نظر رکھو جو کفر کا پرچار کر رہے ہیں...... اُن زہروں پر نظر رکھو جو دشمنانِ دین اس وطن کے پاک صاف اور مسلمان نوجوان نسلوں کے دلوں اور دماغوں میں انڈیل رہے ہیں...... دیکھو کہ انہیں تباہ کرنے کے لیے کیسے کیسے اوچھے حربے استعمال کر رہے ہیں! یہ کیسی متناقض اور منافق فضا ہے جس میں ہم جی رہے ہیں!! اور یہ کیسی حقیقی اور سنجیدہ دھمکیاں ہیں جن کا ہم سامنا کر رہے ہیں!!

لیکن مقدمہ قائم کرنے والے سرکاری وکیل کو ان میں سے کوئی بھی چیز نظر نہیں آتی...... اسے اُن توہین آمیز حملوں کی کوئی پرواہ نہیں جو اسلام پر اور دیگر آسمانی ادیان و مذاہب پر ہو رہے ہیں...... اسے تو بس اتنا ہی پتا ہے کہ جو آدمی نوجوانوں کو نصیحت کرے گا، ان کی رہنمائی کرے گا اور انہیں اس طرح کے حملوں سے بچائے گا اسے گرفتار کرنا ہے۔

معزز جج صاحبان! مُعزز ترک مسلمان جج صاحبان!

آپ میرے موکّل کو "رہنمائے شباب" نامی کتاب کے الزام میں مجرم نہیں ٹھہرا سکتے جو کہ قرآن کے انوار سے بھری ہوئی ہے اور اسے لوگوں کے لیے آشکار کر رہی ہے۔

معزز جج صاحبان! معزز اصیل ترک مسلمان جج صاحبان!

آپ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ علما انبیا کے وارث ہیں...... اور یہ معزز فاضل علما جس چیز کے وارث ہیں قرآن کریم کے حکم کے مطابق اس کی نشر و اشاعت کرنے، اس کی تبلیغ کرنے اور اس کے ذریعے نصیحت اور دعوت و ارشاد

کا فرض ادا کرنے کے مکلّف ہیں۔ یہ اپنے اس وظیفے پر کوئی عوض معاوضہ یا اجرت نہیں مانگتے ...... بلکہ وہ اپنا یہ وظیفہ صرف اللہ کی رضا کی خاطر ادا کرتے ہیں، ان کے سامنے اللہ اوراس کے رسول کی رضا کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہوتی ...... اور وہ اپنا یہ وظیفہ اسی طریقے سے دمِ واپسیں تک مسلسل ادا کرتے رہتے ہیں......؛ کیونکہ یہ وظیفہ ان کے پاس اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ایک امانت ہوتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ میرا مؤکل جو کہ اس امانت کو ان کے حق داروں تک پہنچا رہا ہے اُسے مجرم قرار کیونکر دیا جا سکتا ہے اور اس پر مقدمہ کیونکر چلایا جا سکتا ہے؟! اس کمزور اور محتی سے سال خوردہ بوڑھے کو پکڑ کر جیل میں کیونکر ٹھونسا جا سکتا ہے؟! یہ بڑا خوفناک ظلم ہے...... اور اس ظلم کے آگے بندھ باندھنا آپ کے سپرد کی گئی ایک امانت ہے جو آپ کو ادا کرنا ہوگی۔

صرف اور صرف نور ہی برائیوں، گناہوں، بے لگامیوں، بے باکیوں، خستوں، رذالتوں، فساد انگیزیوں اور فتنہ خیزیوں کا نام ونشان مٹا سکتا ہے۔

﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾

ایڈووکیٹ

عبدالرحمان شرف لاج

وکیل دفاع کے ان دلائل کے بعد چیف جسٹس نے سعید نورسی سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ کے پاس کہنے کو اگر کچھ اور بھی ہے تو کہیں، تو استاد اُٹھ کر گویا ہوئے:

— میں آپ کی اجازت سے زیادہ نہیں چند کلمات ہی کہوں گا۔

— فرمائیے

— میرے فاضل وکیل نے میرے بارے میں جو تعریفی کلمات کہے ہیں میں اپنے آپ کو ان کا اہل نہیں سمجھتا ہوں، میں تو ایک کمزور سا آدمی ہوں، قرآن اور ایمان کی خدمت کے لیے کام کر رہا ہوں۔ میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہنا چاہوں گا۔

برأت کے فیصلے کا اعلان:

اس کے بعد ساعت برخاست ہوگئی اور عدالتی بورڈ مشاورت کے لیے بیٹھ گیا، اور پھر انہوں نے بالاتفاق استاد کی بے گناہی کا فیصلہ صادر کر دیا، ہال میں موجود لوگوں کی طرف سے اس فیصلے پر پُر جوش تالیوں کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا۔ اور جنزل پراسیکیوشن کی طرف سے کوئی اپیل سامنے نہ آنے کی بنا پر اس فیصلے کو قطعی قرار دے دیا گیا۔

☆ ☆ ☆

استاد کے استنبول آنے پر یونیورسٹی کے ایک طالبِ نور اسٹوڈنٹ کا ایک خط جو اس نے اپنے کلاس فیلو کو لکھا

ہمارے محبوب استاد کے استنبول تشریف لانے پر آپ نے جو ہمیں اور استنبول کو مبارکباد دی ہے، اس پر میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں...... ان کے قدومِ میمنت لزوم سے یہ عظیم شہر خوبصورت ہوگیا ہے اور اس منفرد قسم کے واقعے میں ان کے استقبال کے لیے ایسے نکلا ہے کہ جیسے عید منا رہا ہو...... اس شہر کے باشندے، عالم، جاہل امیر، غریب، بوڑھے اور جوان...... سب انہیں دیکھنے اور سننے کے لیے بھاگتے ہوئے عدالت اور ہوٹل جا پہنچے۔

ہم سب فرح وسرور سے نہال ہو رہے ہیں...... ہمارے خواب پورے ہوئے، پھلے پھولے اور چمک اُٹھے ہیں...... لیکن ہمارے دشمنوں کے چہرے سیاہ ہوگئے ہیں اور ان پر نحوست کے سائے منڈلا رہے ہیں...... اور ان پر یہ حقیقت واضح ہوگئی ہے کہ ان کا وہ نفاق کہ جس کے ساتھ انہوں نے اپنے اعمال کے صحیفے سیاہ کر لیے ہیں، ان کے کسی کام نہیں آسکا اور اُن کے لیے کسی بھی پہلو سے سودمند ثابت نہیں ہوسکا۔

ہمارے استاد نے استنبول کی تمام عظیم یادگاروں میں زندگی کی نئی روح پھونک دی ہے، اور ان کا منظر ہمارے بھائیوں کی آنکھوں میں اب کچھ اور ہی منظر پیش کر رہا ہے...... ''ایاصوفیا'' کا چہرہ تمتما اُٹھا ہے...... مینار پھر سے اذانِ محمدیؐ سے گونج اٹھے ہیں...... مساجد سے حاملینِ قرآن قاریوں کی تلاوت کی میٹھی آوازیں کانوں میں رس گھول رہی ہیں...... مجھے ایسے محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے سلطان فاتح ہر روز اپنی قبر سے اٹھ کر آتا ہے اور اپنے شہر میں وارد ہونے والے اس مہمانِ عزیز کو خوش آمدید کہتا ہے...... اور ہم سب کو ایسے نظر آرہا ہے کہ جیسے مسجد ''ینی جامع'' کی بالکونیوں سے نور کی گھٹائیں اٹھ رہی ہیں اور محلہ ''بے اوغلو'' کے آخری کناروں تک پہنچ رہی ہیں اور اس کے تاریک ترین گوشوں کو منور کرتی جارہی ہیں...... انہوں نے اپنی مبارک تشریف آوری کے ساتھ اس پردے کو دور کر دیا ہے جو مسلم استنبول کے اور اس کی ایاصوفیا، فاتح، سلطان احمد، ایوب اور سلیمانیہ جیسی پُرکیف اور سحر انگیز مساجد کے چہرے پر پڑ چکا تھا...... چنانچہ اب یہ مسجدیں ہمیں پہلے سے زیادہ خوبصورت، دلکش، نظر نواز اور جذبات پرور نظر آتی ہیں...... ہمارے استاد اس شہر کے سورج بن گئے ہیں...... چنانچہ اب اگر انہوں نے اس شہر کو چھوڑ دیا تو اس شہر کے در و دیوار پھر سے تاریکیوں کی لپیٹ میں آجائیں گے...... ہماری تسلی کی اب ایک صورت ہے، اور وہ یہ امید کہ سلطان فاتح کا یہ شہر رسائل نور کی برکت سے چمک دمک اٹھے۔

مجھے بھائیوں نے جب اُستاد کے آنے کی ٹیلیفون کے ذریعے خبر دی تو سنتے ہی مجھے ایسے لگا کہ گویا میرے بے جان سے جسم میں بجلی کا کرنٹ دوڑ گیا ہو...... لیکن یہ جان سے مارنے والا اور جھٹکا لگانے والا کرنٹ نہیں تھا...... بلکہ وہ کرنٹ تھا

جو رگ و پے میں زندگی اور روح دوڑا دیتا ہے...... اچانک مجھے محسوس ہوا کہ جیسے میرے مادی اور معنوی جسم میں کوئی قوت سرایت کر گئی ہو، اور کوئی مقناطیسی قوت مجھے اپنی طرف کھینچ رہی ہو...... اور پھر جب میں عدالت میں پہنچا تو پتا چلا کہ باقی تمام لوگوں کی حالت بھی وہی تھی جو میری تھی۔

عدالت اندر باہر سے لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی...... میں ہجوم کے اندر سے آگے جانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک میری نظر استاد پر پڑگئی، وہ اپنے یونیورسٹی کے دو طالب علموں کے درمیان چل رہے تھے...... اپنی ظاہری چال ڈھال، اپنے لباس اور اپنے چہرے مہرے سے بالکل ایسے ہی منفرد نظر آ رہے تھے جیسے کہ وہ اپنی فطرت، سوچ فکر اور روحانی اقدار میں سب سے منفرد ہیں...... لیکن یہ منفرد قسم کا انسان ہزاروں آنکھیں جس کی ایک جھلک دیکھنے کو ترس رہی تھیں، کچھ اس انداز سے جلوہ گر ہوا کہ اسے کسی بھی چیز کی اور کسی بھی چیز کے لیے کوئی پرواہ نہیں۔

میں اس وقت عدالت کے ہال میں ہوں، اور جب میرے سامنے انہیں ان کا نام لے کر بلایا گیا تو وہ عظیم الشان انسان ایک معزز قوم کی، عظیم الشان دین کی اور عظیم القدر تاریخ کی نمائندگی کرتا ہوا ہال میں داخل ہوا...... چند لمحوں کے لیے شور وغل ہوا اور پھر اس کے بعد ہر طرف خاموشی چھا گئی...... اور پھر سب پر موقع ومحل کی اور موجودہ لمحے کی ہیبت غالب آ گئی۔

آپ بیمار ہونے کے باوجود بجلی کی کڑک کی طرح لپکے اور اس قوتِ بیان اور ثابت قدمی کے ساتھ دفاع کرنے لگے اور اعتراض کرنے لگے کہ عدالتی بورڈ عش عش کر اٹھا...... اور دوسری سماعت میں لوگ پہلے سے کہیں زیادہ تھے...... اس میں آپ نے غیر ماہر ماہرین کی کمیٹی کی رپورٹ کی تردید خود کی اور اپنے موقف پر بڑے مضبوط دلائل پیش کیے...... اور جب سماعت ختم ہونے کے بعد اگلی سماعت کے لیے مارچ کی پانچ تاریخ کا اعلان کر دیا گیا تو میں اپنی کمزوری اور کمی کوتاہی کا احساس لیے متردد قدموں کے ساتھ ان کی طرف بڑھا...... اور ان کے مبارک ہاتھوں کو چومنے کے لیے والہانہ شوق کے ساتھ ان کے ہاتھوں پر جھکا...... اور ایک لحظے کے لیے صفائے باطن اور طہارتِ قلبی کے ساتھ میں نے اپنے حواس پر کنٹرول کر کے ان کی آنکھوں کی طرف دیکھا...... وہ لحظات اور وہ دن...... حسین ترین اور خوبصورت ترین یادوں کے طور پر میرے ذہن میں محفوظ رہیں گے...... رہے میرے یونیورسٹی کے دیگر اخروی بھائی، تو وہ ان کے ساتھ رہ کر اور ان کی خدمت کر کے بہت بڑا اشرف حاصل کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہماری طرف سے ہمارے استاد کو جزائے خیر عطا فرمائے، اور اس پر اس طرح راضی ہو جائے کہ اس کے بعد ناراضگی نہ ہو، اور ان طالب علموں کو — اور خاص کر میرے جیسے کمزور اور سیدھے سادھے طالب علموں کو — فہم ودرایت اور عزم واخلاص سے نواز دے۔ آمین!

جی ہاں اے میرے بھائی! ہم اس بات پر اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہم محتاج لوگوں کو وہ

استاد عطا کر دیا ہے جس نے اپنے کارناموں اور اپنی کتابوں کے ذریعے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ اس دور کے معنوی سلطان ہیں، اور اس نے ہمیں رسائلِ نور مہیا کر دیے ہیں جو کہ اس دور کے زخموں کے لیے بہترین شفا بخش دوا، مفید ترین مرہم اور تابندہ ترین نور ہیں، ایک مسلمان آدمی کے لیے اس دور کی تاریکیوں سے لڑنے کے لیے بہترین ہتھیار، اور گمراہی کے گہرے گڑھوں میں آوارہ و پریشان لوگوں کے لیے بہترین رہنما ہیں۔ ان کا ہم پر یہ حق بنتا ہے کہ جب تک ہماری زندگی ہے ہم اُن کی قرأت پر مواظبت کریں اور ان کی نشر و اشاعت کا باقاعدہ اہتمام کرتے رہیں۔

الباقی هو الباقی

یکے از طلاب نور کامل استنبول یونیورسٹی

☆ ☆ ☆

استاد کی ''امیر داغ'' واپسی

استنبول کی عدالت کی طرف سے برأت کا فیصلہ ہوتے ہی استاد ''امیر داغ'' چلے گئے، رمضان شریف میں ایک دن وہ اپنی عادت کے مطابق کھیتوں میں ٹہل رہے تھے کہ اچانک کہیں سے رینجرز کے تین عدد اہلکار ٹپک پڑے جن کی سربراہی ایک اوّل درجے کا سارجنٹ کر رہا تھا، انہوں نے آپ سے افرنگی ہیٹ پہننے کا مطالبہ کیا جسے آپ نے ٹھکرا دیا، تب وہ آپ کو پکڑ کر چوکی لے گئے۔ اس واقع کے فوراً بعد استاد نے ایک شکایتی درخواست وزارتِ عدل اور وزارت داخلہ کو علیحدہ علیحدہ لکھی، اور ایک خط انقرہ میں اپنے شاگرد کو بھیجی تاکہ وہ اس ماجرے کے متعلق اُن ارکانِ پارلیمنٹ کو بتائے جو رسائل نور کے ساتھ سروکار رکھتے ہیں۔ اس طالب علم نے اس درخواست کی ایک کاپی ''الجہادُ الاکبر'' نامی ماہنامے کو ارسال کر دی جو کہ ''صامسُون''[1] نامی شہر سے شائع ہوتا تھا۔ اس ماہنامے نے اس درخواست کو ''الدلیلُ الاکبر'' کے نام سے ایک مضمون کی شکل میں شائع کر دیا۔

اس کے بعد انقرہ اور استنبول یونیورسٹی کے طلبہ نے اس ماہنامے کو متعدد مضامین بھیجے جو اس نے شائع کر دیے۔ اور اس اثنا میں ''ملاطیہ''[2] والا واقعہ پیش آ گیا، جس کے نتیجے میں متدیّن لوگوں پر جھوٹ، افترا اور رُسوا کُن سازشوں سے

---

[1] شمالی ترکی کا ایک شہر جو کہ بحر اسود کی ساحلی پٹی کے درمیان میں واقع ہے۔

[2] ایک قدیم تاریخی شہر جو اناطولیہ کے وسط میں نہر فرات کے قریب آباد ہے۔ اور یہ مذکورہ واقعہ 1952ء میں پیش آیا، اس کا پس منظر یہ ہے کہ میٹرک کے ایک سٹوڈنٹ نے ایک پریس کانفرنس میں ماہنامہ ''الوطن'' کے ایڈیٹر کو گولی مار دی؛ کیونکہ اس ماہنامے میں دین اور اہل دین طبقے کے خلاف انتہائی بے ہودہ اور کینہ پرور مضامین شائع ہوتے تھے۔ تب سیکولر قوتوں نے اس واقعے کو بہانہ بنا کر وزیر اعظم پر دباؤ ڈالا کہ وہ علاقے میں موجود دینی قوتوں کے خلاف سخت موقف اختیار کرے۔

بھر پور حملہ کر دیا گیا، اس سے کچھ سرکاری آفیسر بھی متاثر ہو گئے، چنانچہ انہوں نے دینی رسالوں کی مین میکھ نکالتے ہوئے انہیں موردِ الزام ٹھہرانے کے لیے بھاگ دوڑ شروع کر دی، اور ''الدلیل الاکبر'' اور اس طرح کے دیگر مضامین شائع کرنے کی وجہ ''الجہاد الاکبر'' کے مدیر پر اور انقرہ یونیورسٹی کے ایک طالبِ نور پر مقدمہ دائر کر دیا گیا، اور سرکاری اخبار ورسائل، رسائل نور کے خلاف اور ان کی دن دگنی رات چوگنی ترقی کے خلاف زہر اُگلنے لگے۔ اور ترکی کے اطراف و اکناف میں پچیس جگہوں پر بحث وتحقیق کا اور مقدمات دائر کرنے کے حملوں کا آغاز ہو گیا۔ اور لگ بھگ چھ سو طلابِ نور دھر لیے گئے، لیکن اس کاروائی سے ان کا کوئی بھی مقصد پورا نہ ہو سکا، بلکہ تمام تر تحقیقی اور تفتیشی کاروائیوں کے نتیجے میں یہ بات سامنے آئی کہ رسائلِ نور اور طلاب نور میں ایسی کوئی بھی بات نہیں پائی جاتی جو انہیں مُلزم یا مجرم بنانے کی مستوجب ہو۔

اور علی الرغم اس کے کہ ''صامسُون'' کی عدالت اس سے پہلے رسائلِ نور کے خلاف فیصلہ صادر کر چکی تھی اور انہیں مجرم بنا چکی تھی؛ اپیل کورٹ نے اس فیصلے کو سرے سے باطل قرار دیا اور اپنے فیصلے کے بعد یہ اطلاعی بیان جاری کر دیا کہ رسائلِ نور ہر الزام سے بری ہیں، اور یہ کہ ان کے موضوعات کچھ اور ہیں، جس کی بنا پر ''صامسُون'' کی عدالت نے نئے سرے سے سماعت کی اور اس میں رسائلِ نور و مؤلفِ رسائلِ نور کو رسائل کے مضامین میں کسی قابلِ گرفت مواد کے نہ ہونے کی وجہ سے بری کر دیا۔

لیکن دوسری طرف اسی ''صامسُون'' کی عدالت میں ''الدلیل الاکبر'' نامی مضمون کی وجہ سے استاد کے خلاف مقدمہ دائر ہو گیا اور عدالت نے پیش ہونے کا سختی سے حکم جاری کر دیا۔ اور اُس میڈیکل رپورٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے انہیں سمن جاری کر دیا جس میں یہ لکھا گیا تھا کہ یہ شخص زیادہ بڑھاپے کی وجہ سے اور صحت کے بُری طرح گر جانے کی وجہ سے عدالت میں پیش ہونے سے معذور ہے۔ تب استاد نے مجبور ہو کر عدالت میں پیش ہونے کا فیصلہ کر لیا، اور ''امیر داغ'' سے استنبول جانے کے لیے کمر بستہ ہو گئے تاکہ وہاں سے ''صامسُون'' روانہ ہو سکیں، لیکن گرتی ہوئی صحت اور زیادہ کمزور ہو جانے کی وجہ سے سفر پورا نہ کر سکے، تب انہوں نے ایک اور میڈیکل رپورٹ لے لی جس میں یہ لکھا گیا تھا کہ سعید نورسی کے میڈیکل چیک اپ کے بعد پتا چلا ہے کہ اس کی صحت اتنی زیادہ خراب ہے کہ یہ ''صامسُون'' کی طرف بری، بحری یا فضائی کوئی بھی سفر نہیں کر سکتے ہیں، اور یہ رپورٹ ''صامسُون'' کی عدالت کو روانہ کر دی گئی جس کا پراسیکیوٹر استاد کے پرسنلی پیش ہونے کی ضد پر اڑا ہوا تھا۔ تب وہاں کے عدالتی بورڈ نے اس کیس کی سماعت کی ذمہ داری نیابتاً استنبول کی ایک عدالت کو سونپ دینے کا فیصلہ کیا، اور اس طرح یہ مسئلہ حل ہو گیا۔ اور بالآخر ''صامسُون'' کی عدالت نے اس مضمون میں کسی مستوجب سزا مواد کے نہ ہونے کی وجہ سے سعید نورسی کو بری قرار دے دیا۔

☆ ☆ ☆

سعید نورسی کا وہ دفاعی بیان جو انہوں نے استنبول کی عدالت میں دیا اور جس پر عدالت نے انہیں بری کر دیا تھا

ہمارے پس پردہ کام کرنے والے دشمنوں نے رمضان کے اس مقدس مہینے میں عدالت کو ہمارے خلاف ایک دفعہ پھر بھڑکا دیا ہے، اس کے پیچھے ایک خفیہ کیمونسٹ تحریک کا ہاتھ ہے۔

تو اس میں پہلی اور قانون کے کُلّی طور پر خلاف بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے ایک سارجنٹ درجہ اول کی سربراہی میں میری طرف رینجرز کے مسلح سپاہی بھیجے اور یہ اس وقت ہوا جبکہ میں کھیتوں اور پہاڑوں میں اکیلا گھوم پھر رہا تھا، چنانچہ وہ لوگ مجھے اس بہانے زبردستی پکڑ کر پولیس چوکی لے آئے کہ میں افرنگی ہیٹ نہیں پہنتا ہوں!!

اور تمام عدل طلب عدالتوں سے کہتا ہوں:

حقیقت تو یہ ہے کہ قانون کی مخالفت کی تہمت کا رُخ ان لوگوں کی طرف ہونا چاہیے تھا جنھوں نے پانچ پہلوؤں سے اسلام کے قوانین کے ساتھ بغاوت کی ہے، اور پانچ پہلوؤں سے قانون کے نام پر ظلم کا ارتکاب کیا ہے، اور یہ لوگ گزشتہ دو سال سے باطل دلیلوں کا اور انتہائی شرمناک قانونی موشگافیوں اور کٹ حجتیوں کا سہارا لے کر مجھے ذہنی سزائیں دے رہے ہیں۔ یہ لوگ عدالتِ عظمیٰ میں اپنے کیے کی سزا ضرور پائیں گے۔

جی ہاں، ایک ایسا آدمی جو پینتیس سال گوشہ نشین رہا ہے اور اس دوران بازاروں اور مجمعوں میں لوگوں کے ساتھ میل جول نہیں رکھ پایا ہے، اسے ملزم کیسے ٹھہرایا جا سکتا ہے اور اس سے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ تو افرنگی ہیٹ کیوں نہیں پہنتا ہے؟! دنیا کا کون سا قانون اس کی اجازت دیتا ہے؟!

اس آدمی نے اٹھائیس سال مختلف صوبوں میں گزارے ہیں، ان صوبوں میں اسے پانچ عدالتوں میں بلایا گیا، لیکن ان صوبوں کے کسی ادارے نے، کسی پولیس نے اور کسی عدالت نے اس خصوصی مسئلے میں کبھی دخل اندازی نہیں کی کہ یہ اپنے سر پر کیا چیز رکھتا ہے، اور آج وہ استنبول کی عدل پرست عدالت میں حاضر ہے، اور پولیس کے سو سے زائد سپاہی بھی موجود ہیں۔ یہ شخص اس شہر میں پہلے بھی رہ چکا ہے اور دو مہینوں تک یہاں کے اہم مقامات میں پھرتا رہا ہے، لیکن پولیس کے کسی سپاہی نے اسے خاص طور پر اس معاملے میں کبھی روکا ٹوکا نہیں!

حالانکہ اپیل کورٹ نے اس بارے میں اپنا فیصلہ سنا دیا ہے کہ اسلامی ٹوپیوں پر کوئی پابندی نہیں ہے، یعنی جو کوئی چاہے پہن سکتا ہے، لیکن اس سے پھر بھی روکا جاتا ہے، دوسری کسی عورت کو، فوج کے کسی سپاہی کو، سرکاری ملازموں کو، اور دیگر لوگوں کو جو اپنا سر ننگا رکھتے ہیں افرنگی ہیٹ پہننے کے لیے مجبور نہیں کیا جاتا، اور پھر اس کے پہننے میں کوئی مصلحت بھی تو نظر نہیں آتی، اور اگر کوئی اس کے علاوہ کوئی اور طرح کی ٹوپی پہنتا ہے تو اس میں کوئی خرابی بھی نہیں ہے!!

پھر یہ آدمی کوئی سرکاری ملازم بھی نہیں ہے کہ سرکاری لباس پہنے رکھے، بلکہ وہ تو ایک گوشہ نشیں آدمی ہے، لوگوں کے ساتھ میل جول نہیں رکھتا، اور خاص کر رمضان میں تو کسی سے نہیں ملتا، وہ اپنے خاص ساتھیوں کے ساتھ بھی میل ملاقات سے باز رہتا ہے تا کہ اسے دنیا یاد نہ آجائے یا وہ اپنی روح کو اس طرح کے پریشان کن معاملات میں نہ اُلجھا بیٹھے جو قانون کے خلاف شمار ہوتے ہیں، اس حد تک کہ اس نے اپنی بیماری کی شدت کے باوجود کوئی دوا نہیں لی اور کسی ڈاکٹر کو نہیں بلایا تا کہ اپنے قلب وروح کو اپنے جسم کے معاملات میں مصروف نہ کردے۔

لیکن اس سب کے باوجود اس سے فرنگی راہبوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے کے لیے فرنگی ہیٹ پہننے کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور اُسے یہ دھمکی دی جاتی ہے کہ اگر اس نے انکار کیا تو اسے عدالت کے حوالے کر دیا جائے گا، اپنے اختیارات سے یہ کتنا بُرا فائدہ اُٹھایا جا رہا ہے کہ جس کے پاس ذرہ برابر عقل ہے وہ اس سے ناک بھوں چڑھائے گا۔

اس موضوع کے ساتھ تعلق رکھنے والی ایک اور بات یہ ہے کہ جس شخص نے اِس سے ہیٹ پہننے کا مطالبہ کیا تھا اس نے کہا تھا: میں عبدِ مامور یعنی حکم کا پابند غلام ہوں۔

کیا یہ بات بنیادی طور پر جائز ہے کہ ایک ظالمانہ و جابرانہ قانون کی اس حد تک پابندی کا حکم دیا جائے کہ کسی کو یہ تک کہنا پڑ جائے کہ میں عبدِ مامور ہوں؟! نہیں، ہرگز نہیں؛ کیونکہ قرآن پاک اپنے اس حکم میں ﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ میں اُولی الامر کی اطاعت کا حکم دیتا ہے، اسی طرح وہ یہ کہتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کی جائے، چنانچہ وہ اُولی الامر کی اطاعت کا حکم اس شرط پر دیتا ہے کہ یہ اطاعت اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کے منافی نہ ہو۔ اِس صورت میں انسان کہہ سکتا ہے کہ میں عبدِ مامور ہوں، لیکن اِدھر صورت حال یہ ہے کہ ہمارے اس قضیے کے بہت سے پہلو ہیں: مثال کے طور پر یہ قانون کے خلاف ہے، اسلام کے رسوم ورواج سے اور اس کے قوانین سے متصادم ہے، ایک ظالم کام کی خیر خواہی اسلام کے قدسی قوانین کی بے حرمتی ہے، چنانچہ یہ کیس اسلام کی اُن تعلیمات کی بے حرمتی کر رہا ہے جو مریض کے ساتھ شفقت کا، اجنبی کے ساتھ نرمی و مہربانی کا اور فی سبیل اللہ قرآن وایمان کی دعوت دینے والے کے ساتھ عدمِ تشدّد کا رویہ اختیار کرنے کا حکم دیتی ہیں، پھر یہ کیس ایک ایسے گوشہ نشیں آدمی کے خلاف کیا گیا ہے جو دنیا کو چھوڑ چکا ہے، اور یہ کیس اُسے یہودی اور عیسائی راہبوں کی طرح ہیٹ پہننے کے لیے کہہ رہا ہے!

اور پھر میرے جیسے فقیر اجنبی کے خلاف اس طرح کی کاروائیاں کرنا کہ جو بالکل بوڑھا ہو چکا ہے: اس کی بیماری شدّت اختیار کر چکی ہے، قبر کے دروازے پر کھڑا ہے، اور پینتیس سال سے اس بنا پر دنیا کو چھوڑ کر گوشہ گیر ہو چکا ہے کہ مبادا سنتِ نبویؐ کی مخالفت ہو جائے...... ایسے آدمی کے خلاف اس طرح کی کاروائیوں کے پیچھے یقیناً کمیونزم کا خفیہ ہاتھ کام کر رہا ہے، اور ان کا نشانہ یقیناً یہ آدمی نہیں بلکہ ان کا نشانہ ایک ہی وقت میں، ایک تو تخریب کارانارکی کی مصلحتوں کی

خدمت کرنے کی خاطر قوم و وطن، اسلام اور دین ہے، اور دوسرا نشانہ ڈیموکریسی کا رجحان اور وہ دین دار ارکانِ پارلیمنٹ ہیں جنھوں نے اپنے کندھوں پر دین و وطن کی خدمت کی اور خارجی تخریب کار منصوبوں کی راہ روکنے کی ذمہ داری اٹھائی ہوئی ہے۔ میں اپنے اس دفاعی بیان میں انہیں بھی جھنجھوڑ رہا ہوں تا کہ وہ اس خبیث منصوبے کی راہ روکنے کے لیے مجھے اکیلا نہ چھوڑ دیں۔

حاشیہ: ایک ایسا آدمی کہ جس نے اپنے آپ کو اسلام کے دفاع کی نذر کر رکھا ہو، اپنی زندگی قرآن کی خدمت کے لیے وقف کر رکھی ہے اور اسلام کی عزت و آبرو کا اتنا زیادہ خیال رکھا ہے کہ اس روسی کمانڈر کے لیے اٹھ کر کھڑا نہیں ہوا جو جان بوجھ کر اسی غرض کے لیے اس کے سامنے سے بار بار گزرا، اور جب اس نے اسے قتل کی دھمکی دی تو وہ مطلق خوفزدہ نہ ہوا، اور اپنے اسلام پر فخر کرتے ہوئے استنبول کو فتح کرنے والے انگریز کمانڈر کو اور اس کے حاشیہ بردار علما کو کہ جنھوں نے اس کی حمایت میں فتوی دیا تھا، دُو بدُو جواب دیا اور اس نے جب اسے جان سے مارنے کی دھمکی دی تو اس کی قطعاً پرواہ نہ کی، بلکہ اخبارات و جرائد میں یہ گویا اعلان کر دیا کہ ان بدقماش ظالموں کے منہ پر تھوک دو۔ اور جس نے مصطفیٰ کمال کو پچاس ارکانِ پارلیمنٹ کی موجودگی میں اپنے سخت اور تیز لہجے میں مخاطب کر کے کہا تھا: ''نماز نہ پڑھنے والا خائن ہے''۔ جس نے فوجی عدالت کے اہلکاروں کے ساتھ مداہنت اور چاپلوسی کا رویہ اختیار کرنے سے انکار کر دیا تھا، بلکہ ان کی دھمکی آمیز جواب طلبیوں کا یہ کہہ کر جواب دیا کہ: میں شریعت کے صرف ایک مسئلے پر بھی اپنی روح کو قربان کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اور جس نے اٹھائیس سال تک عُزلت کی زندگی گزاری تا کہ اسے کافروں کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کرنی پڑے...... ایسا آدمی جو اس کردار کا مالک ہے، اُسے اگر کسی ایسے مسئلے کا پابند کیا جائے جو غیر قانونی بھی ہو اور اس میں کوئی مصلحت بھی نظر نہ آتی ہو، اور اسے کہا جائے کہ تجھے یہود و نصاری کے راہبوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا پڑے گی اور اُن کی طرح افرنگی ہیٹ پہننا پڑے گا، اور تجھے مسلمانوں کے اجماع کی مخالفت کرنا ہوگی، ورنہ تجھے سخت سزا دی جائے گی؛ تو پھر وہ آدمی کہ جو قرآنی حقیقت کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر چکا ہے، وہ یہ ہیٹ ہرگز نہیں پہنے گا، اور اس معاملے میں صرف ایک روح تو کیا، اگر اُس کے پاس سو روحیں بھی ہوں تو وہ بھی قربان کر دے گا، بلکہ اس حد تک کہ اگر اسے صرف قید و بند اور سزا ہی نہیں بلکہ اس کا ایک ایک انگ کاٹ دیا جائے یا اسے آگ میں جلا دیا جائے، تو بھی اپنے موقف سے ذرہ برابر اِدھر اُدھر نہیں ہوگا۔ یہ بات اگر سمجھنا چاہو تو تم لوگوں کے لیے اُس آدمی کی سابقہ زندگی کی گواہی کافی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آخر وہ راز کیا ہے جو اس آدمی کو اس طرح کی جاں نثاری اور اور حیرت خیز معنوی قوت سے مزین کیے ہوئے ہے کہ وہ پس پردہ کام کرنے والے دین اور وطن کے دشمنوں کی طرف سے ڈھائے جانے شدید ترین ظلم اور زیادتی کو برداشت کیے جا رہا ہے؟! اور وہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دے رہا ہے اور نہ ہی اُن کے مقابلے میں کوئی واضح طور پر عملی اقدام کر رہا ہے!

آج میں تمہیں بھی اور ہر صاحبِ ضمیر اور صاحبِ وجدان آدمی کو وہ راز بتا ہی دینا چاہتا ہوں اور وہ راز یہ ہے: وہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ کہیں دس فیصد کافر، زندیق لوگوں کے جرم کی وجہ سے نوے فیصد بے گناہ لوگوں کو نقصان نہ پہنچ جائے، اور وہ اس وطن کے امن واستقرار کی بہر صورت حفاظت کرنا چاہتا ہے، اور رسائل نور کے دروس کے ذریعے وہ ہر دل میں ایک معنوی نگران بٹھا دینا چاہتا ہے جو اسے کنٹرول کرتا رہے، یہ ہے وہ چیز جس کا علم اسے خاص طور پر قرآن کریم نے عطا کیا ہے، ورنہ اس کے جن دشمنوں نے اس پر اٹھائیس سال ظلم کیا وہ ان سے ایک دن میں انتقام لے سکتا ہے، لیکن صرف امن واستقرار کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اور بے گناہ لوگوں کے حقوق کا خیال کرتے ہوئے وہ ان لوگوں سے انتقام نہیں لے رہا ہے جنھوں نے اسے پر ذاتی طور پر طعن وملامت کی ہے اور اسے بے عزت اور رُسوا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا ہے، بلکہ وہ کہتا ہے: میں امتِ اسلامیہ کی خاطر صرف یہی نہیں کہ اپنی دنیاوی زندگی کو قربان کر دوں گا، بلکہ اگر ضرورت پڑ گئی تو اپنی اُخروی زندگی بھی قربان کر دوں گا۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

ہمارے مبارک، شفیق ومؤقر استاد!

اس کفر و مادیت میں غرق ہو چکے عجیب وغریب دور میں آنکھیں اندھی ہو چکی ہیں اور دل شرور وآثام سے بھر چکے ہیں، اور صرف رسائل نور ہی ان آنکھوں کو جلا بخش سکتے ہیں اور ان تاریک وحشت بھرے دلوں کو روشن کر سکتے ہیں، رسائلِ نور جو کہ اس دور میں قرآن کے منہلِ صافی سے ٹپکنے والے حقیقت وصداقت سے بھرپور قطرے ہیں، اس بنا پر اس دور کو جو مناسب ترین نام دیا جا سکتا ہے وہ ہے: عصرِ نور۔

رسائل نور نے انسان کے مندمل نہ ہونے والے زخموں کو ہاتھ ڈالا ہے اور ان پر اُخروی شفا بخش مرہم رکھی ہے۔ آپ نے ان خوبصورت رسائل کے ذریعے ہزاروں مہذّب ومثقف نوجوانوں کو بچانے کا فریضہ ادا کیا ہے — اور ابھی تک کرتے جا رہے ہیں — اور رسائل نور نے جن لوگوں کو حیرانی وسرگردانی سے نکالا ہے اور اُن کے ایمان کو بچایا ہے، ہم ان کی چلتی پھرتی زندہ گواہیاں ہیں۔

رسائلِ نور اس پُر آشوب دور میں میدان میں آئے اور انہوں نے مادہ پرستی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا، اور علم وادراک کے ہتھیار سے مسلّح ہو کر کیمونزم اور فری میسن کی واہیات وخرافات کے مقابلے میں اترے اور انہیں ملبے کے ڈھیر اور کھنڈرات میں تبدیل کر دیا، اور اپنے قارئین کے لیے — اور یہ لوگ واقعتاً اس دور کے نصیبہ ور لوگ ہیں — وہ آبِ حیات پیش کیا جس کی اس دنیا میں اور اس پوری کائنات میں کوئی قیمت ہی نہیں ہے، یعنی ایمان جو کہ عالمِ بقا کی طرف سفر کرنے کے لیے ٹکٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔

ہمارے معزز مبارک استاد! آپ نے ہمیں ایک ایسا نفیس تحفہ عطا کر دیا ہے جس کی قیمت کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، اس کے مقابلے میں ہم نے آپ کو دلی محبت اور دلی احترام دیا ہے، لیکن ہم حق ادا نہیں کر سکے، ہم اور آپ جس مضبوط بندھن کے ساتھ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں، وہ ایک ابدی بندھن ہے، دنیا کی کوئی طاقت اسے کھول نہیں سکتی۔

میں آپ کے بابرکت ہاتھ چومتا ہوں اور آپ سے دعا کی درخواست کرتا ہوں۔

یونیورسٹی طلابِ نور کا ترجمان

احمد اطاق

پولیٹیکل سائنس کالج

☆ ☆ ☆

یہ وہ مضمون ہے جو "صامسون" سے شائع ہونے والے ماہنامے "الجہاد الاکبر" میں شائع ہوا تھا، پریشان کن حملے کرنے والوں نے اسے استاد کے خلاف اس عدالت میں مقدمہ دائر کرنے کا بہانہ بنالیا تھا جس نے بالآخر استاد کو بری کر دیا تھا۔

بخدمت اہلِ ایمان کے سرتاج اور رسائلِ نور کے ترجمان استاد نورسی......

آپ نے چند سال پہلے فرمایا تھا کہ رسائلِ نور میری ملکیت نہیں ہیں بلکہ یہ قرآن کریم کی پونجی اور اس کا فیضان ہیں، اور دنیا کی کوئی طاقت انہیں اناطولیہ کی سرزمین سے نہ چھین سکتی ہے اور نہ ان کا اس سے رشتہ ختم کر سکتی ہے؛ کیونکہ رسائل نور قرآنِ عظیم الشان کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں، اور قرآنِ عظیم عرش اعظم کے ساتھ متصل ہے، اور ایسا کون ہے جو اس عُروۃُ الوثقیٰ کے برابر لمبا ہو جائے اور اسے کاٹ ڈالے؟!

آپ نے جس بات کا چند سال پہلے اعلان کیا تھا وہ آج ثابت ہو گئی ہے، اور وہ اس وقت کہ جب اس مرتبہ متدین ڈیموکریٹک پارٹی کے دورِ حکومت میں "افیون" کی عدالت نے رسائلِ نور سے پابندی اٹھانے کا اور تمام ضبط شدہ رسائل وخطوط اور دیگر کتابوں کے واپس کر دینے کا فیصلہ صادر کیا تھا؛ کیونکہ ان میں ایسی کوئی بات نہیں پائی گئی جو جرم شمار ہوتی ہو۔

عدالت کی طرف سے آپ کی برأت کے اس فیصلے کو ہم آپ کی کہی ہوئی بات کی صریح تصدیق شمار کرتے ہیں، اور اس بات کی روشن دلیل سمجھتے ہیں کہ آپ جو بلند پایہ خدمت سرانجام دے رہے ہیں، خالص قرآنی خدمت ہے جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے انجام دی جا رہی ہے، اسی طرح اس خدمت کو ہم عالمِ اسلام کے لیے عمومی طور پر

اور اس مسلمان قوم کے لیے خصوصی طور پر خیر و برکت کا آغاز سمجھتے ہیں۔

ہم موقع کی مناسبت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس شخص کو جوش و خروش سے مبارکباد پیش کرتے ہیں جو اس طرح کی فتوحات کا بڑے شوق سے منتظر تھا، اور وہ ہیں ہمارے استادِ گرامی، نور خاندان کے سربراہ اور بحرِ حقائق کے ناخدا اور اس دور میں انسان کے مرشد کہ جس میں انسانیت طغیانی کے تھپیڑوں میں پھنس چکی ہے...... اسی طرح ہم متدین ڈیموکریٹک پارٹی اور عدل پرست عدالت کے ارکان و اعضا کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے اہلِ ایمان کو سہارا دیا ہے اور اُن کی جیت کو یقینی بنایا ہے۔

ہمارے معزز استاد! آپ نے قرآنی حقیقت کا جھنڈا بلند کرنے کے لیے بڑے لمبے عرصے تک جہاد کیا ہے، اور اس راہ میں آپ نے اپنی ہر قیمتی اور نفیس متاع کو خرچ کر دیا، تا آنکہ اس وطن کے طول و عرض میں اس حقیقت کو فتح و کامرانی نصیب ہوئی، اس کا بول بالا ہوا اور اسے پنپنا اور پھلنا پھولنا نصیب ہوا، اور اس نے اہلِ ایمان کے دلوں کو اُنس و سرور سے بھر دیا، اور یہ ایک دوپہر کے سورج کی طرح چمکتی ہوئی دلیل ہے جو اس قدسی دعوت کی عظمت و سربلندی کا اثبات کرتی ہے جس کی خدمت کا بیڑا آپ نے اٹھایا اور اس میں بے مثال توفیق سے نوازے گئے۔

اس پچیس تیس سال کے عرصے میں پیش آنے والی مصیبتوں، مشقتوں اور رکاوٹوں کا سامنا کرتے ہوئے آپ نے جس صبر و ثبات کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور ان رسائل نور کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں ــــ جن کے فیضان کو قرآن نے آپ کے دل پر جاری کیا ہے ــــ آپ نے جو جہاد کیا ہے اور جو منفرد قسم کی خدمات سرانجام دی ہیں، وہ خدمات مستقبل کی نسلوں اور ابطال مجاہدینِ اسلام کے لیے ایک قابلِ عمل نمونہ بن جائیں گی۔

آپ نے قرآن کریم کے نور کی تابندہ کرنوں کے ذریعے جہل و ضلالت کی تاریکیاں تتر بتر کر دی ہیں، اور ان کے ذریعے لاکھوں لوگوں کے دل روشن کر دیے ہیں۔ اہلِ ایمان کے سر آپ نے بڑے تابندہ احسانات کر دیے ہیں اور ان کے لیے ہمیشہ رہنے والی بڑی حسین یادیں چھوڑ دی ہیں، آپ کی خدمات ہمیشہ آنکھوں کے سامنے رہیں گی، تاریخ انہیں بھلا نہیں پائے گی، اور یہ زمین بھی انہیں بھلا نہیں سکے گی، اور یہ وطن اور اس کے بیٹے بھی انہیں کبھی بھلا نہیں سکیں گے۔ بلکہ آپ جب عالمِ خلود کی طرف منتقل ہو جائیں گے تو اس وقت آپ کی یہ خدمات ایک گٹھلی کا روپ اختیار کر جائیں گی جس سے نور کا ایک دراز قد، طویل شاخوں والا اور گھنے سائے والا درخت پھوٹے گا۔ جس سے رسائلِ نور کے گھنے خوشے لٹکیں گے، اور اس کے سائے کے نیچے بہت سی جماعتیں ایک دوسرے سے ملیں گی، اور تب یہ خدمت اپنی خوبصورت ترین اور تابندہ ترین شکل میں دوبارہ شروع ہو جائے گی، اور پھر ان جماعتوں کے ہاتھوں قیامت تک چلتی رہے گی۔

جی ہاں، ہمارے محبوب استاد کو اللہ تعالیٰ نے جو رسائل نور کا ترجمان مقرر کر دیا ہے اس کی برکت سے اور اپنی اُن

ایمانی خدمات کی برکت سے جن سے عالم اسلام کے آفاق جگمگا اٹھے ہیں، وہ اس دور کے راہبر و رہنما بن گئے ہیں؛ اور چودھویں صدی ہجری میں قرآن کی راہ دکھانے والے بہت بڑے رہنما ہیں...... وہ ایک جاں نثار ہیرو ہیں جنہوں نے قرآن کے نور کے ساتھ اِس مشکل ترین دور کی تاریکیوں کا مقابلہ کیا ہے...... انہوں نے ان رسائل کے لاکھوں نیکوکار شاگردوں کے قلموں کے ساتھ لاکھوں رسائلِ نور کی نشر واشاعت کی ہے، اوراس کے ذریعے انہوں نے الحاد اور کفر مطلق کے راستے میں ایک محکم اور نا قابلِ عبور قرآنی بند باندھ دیا ہے۔

ہم آپ کی اس قدسی خدمت پر آپ کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں جس نے چار دانگ عالم میں رحمت و سعادت کے بادل بکھیر دیے ہیں۔ اور بنی نوعِ انسان کے لیے تسلی اور سلامتی کی خیرات بانٹی ہے، اور اہلِ ایمان کو زمین کے اطراف واکناف میں اسلام کی حاکمیت کے پھر سے لوٹ آنے کی پیشگی خوشخبری دی ہے، اور وہ دن یقیناً عیدِ اکبر اور عیدِ انور کا دن ہوگا۔

ہم آپ کے مبارک ہاتھ کو بوسہ دے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ آپ کی مبارک عمر میں اضافہ فرمائے۔

انقرہ یونیورسٹی کے طلابِ نور

اسماعیل، صالح، عاطف، احمد، ضیا، محمد، عبداللہ

☆ ☆ ☆

استاد نورسی کی ''اسپارٹا'' میں اقامت

1953ء کے موسم گرما میں استاد نورسی نے ''اسپارٹا'' جانے کے لیے کہ جہاں ان کے بہت سے مخلص شاگرد تھے، ''امیر داغ'' کو الوداع کہا۔ ''اسپارٹا'' کے بارے میں پہلے گزر چکا ہے کہ استاد نے اس شہر کو اس کی مٹی اور پتھروں سمیت مبارک کہا ہے۔ یہ شہر اُن کی اُس معنوی زندگی کو دوام دینے کے لیے ایک مضبوط ترین مرکز کی حیثیت رکھتا تھا، جو کہ رسائل نور کے ظہور وانتشار کے ساتھ نمودار ہوئی۔

حقیقت یہ ہے کہ استاد نے ''اسپارٹا'' کے بارے میں جو کہا ہے اور اس کی جتنی تعریف کی ہے، اُس نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ واقعتاً اس کا حق دار ہے، اس کے حق میں اِن چیزوں کی گواہی طویل عرصے میں ظاہر ہونے والے بہت سے واقعات نے دی ہے، چنانچہ سب سے پہلی وہ جگہ کہ جہاں رسائلِ نور لکھے گئے، اور ان رسائل کے لیے سب سے پہلا کھولا جانے والا مدرسہ ''بارلا'' میں تھا جو کہ ''اسپارٹا'' کی نواحی بستی ہے، رسائل نور کے بنیادی حصے اسی جگہ میں لکھے گئے۔

اس وقت کہ جب وطنِ عزیز کی تمام تر فضا خوف و دہشت کی لپیٹ میں تھی، اسپارٹا اور اس کے گردونواح کے طلابِ نور رسائل نور کے ہزاروں نسخے اپنے ہاتھوں سے لکھ رہے تھے اور پھیلا رہے تھے، اس کی مثال کے لیے ہمیں صرف ایک چھوٹی سی بستی ''صاو'' ہی کافی ہے، چنانچہ استاد کو جب ''قسطمونو'' میں جبری اقامت کے تحت رکھا گیا، اس وقت صرف اسی ایک بستی میں ایک ہزار قلم تھے جو بے تکان رسائلِ نور لکھتے اور نقل کرتے رہتے تھے، اور یہ کام کئی سال تک چلتا رہا۔ ''اسپارٹا'' اور اس کے گردونواح کے تمام نوری مرکزوں کی صورتِ حال یہی تھی، چنانچہ وہاں کی ایک بستی اور تحصیل رسائل نور کی کتابت اور نشر واشاعت کی خدمت کا اتنا کام کرتی تھی کہ جو ایک صوبے کے کام کی برابری کرتا تھا۔

اس پر اس بات کا بھی اضافہ کرلیں کہ طلابِ نور کی پہلی کھیپ کے اکثر افراد اور ان کے علاوہ وہ بڑی عمر کے لوگ کہ



''اسپارٹا'' کے عسکری یونٹوں میں بنائی جانے والی مسجد کی بنیادوں میں سیمنٹ ڈالنے کا آغاز کرتے ہوئے۔

جن میں سے ہر ایک قرآنی خدمت کے میدان میں ایک قطب کی حیثیت رکھتا تھا اور وہ طلاّب نور کے لیے فخر کا باعث تھے؛ سب کے سب اسی شہر کے ساتھ اور اس کے گرد و نواح کے ساتھ تعلق رکھتے تھے۔

پھر یہاں کی عدالت اور پولیس کے لوگوں کا رویہ رسائل اور طلاّب رسائل کے ساتھ اجمالی طور پر تقریباً منصفانہ ہی رہا۔ بسا اوقات استاد نے اسپارٹا کی عدالتوں کے لیے دعا کی اور اس ضمن میں صوبوں کو اِن کی مثال بھی دی۔

اس طرح کی تمام باتوں کو سامنے رکھ کر استاد یہ آرزو لے کر اسپارٹا آئے کہ اپنی بقیہ زندگی وہیں پہ گزاریں گے اور موت کا استقبال اپنے ان بابرکت مخلص بھائیوں کے درمیان رہ کر کریں گے اور اسی سرزمین کی مٹی میں دفن ہوں گے، وہ ''اسپارٹا'' شہر ہو یا ''صاؤ'' یا ''بارلا''۔

استاد نے ''اسپارٹا'' میں ایک گھر کرائے پر لے لیا اور اس میں اقامت گزیں ہو گئے، آپ کے ساتھ آپ کے کچھ شاگرد بھی تھے جو آپ کی خدمت کے لیے وقف تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو ساتھ لے کر آپ نے نوری مدرسے کے اس نظام کا آغاز کیا جو آج ہم سب کے سامنے ہے۔

☆ ☆ ☆

''اسپارٹا'' میں اقامتی مرحلے کے چند پہلو

عدالتیں اور مقدمے

''افیون'' کی عدالت کے رسائلِ نور سے پابندی ختم کرنے کے فیصلے سے پہلے ''ملاطیہ'' والا واقعہ پیش آ گیا جس کا ابھی ذکر ہوا، تب متعدد صوبوں اور ضلعوں میں تلاشیوں کے سلسلے شروع ہو گئے اور ''مرسین''، ''ریزہ'' اور ''دیار بکر'' جیسے بہت سے علاقوں میں رسائل نور اور طلاّب نور کے خلاف دعوے دائر کر دیے گئے، جن کا آخری نتیجہ برأت کی صورت میں سامنے آیا۔

نوریوں کے خلاف ہو چکی اس فضا میں ''اسپارٹا'' کی پراسیکیوشن میں حرکت پیدا ہوئی اور اس نے اسیّ سے زائد طلاّب نور کے خلاف چارج شیٹ تیار کر لی اور تحقیقاتی عدالت کے سامنے پیش کر دی۔

دوسری طرف سیکیورٹی کی مشینری حرکت میں آ گئی اور اُس کے اداروں نے طلاّب نور کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لیے ان کے درمیان اپنے کارندے پھیلا دیے، اسی طرح انقرہ، استنبول، آضا پازار، سافران بولو، قرہ بوک، دینار، اینہ بولو اور وان وغیرہ میں تلاشیوں کا اور پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع ہو گیا، لیکن ان میں سے کسی ادارے کو ان تمام تر تفتیشی کاروائیوں میں ایک ذرّہ برابر کوئی ایسی چیز نہ ملی جو قوم و وطن کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہو، بلکہ اس کے برعکس یہ

بات سامنے آئی کہ طلّاب نور تمام اہلِ وطن کے لیے فخر و اعتزاز کا باعث ہیں، یہ لوگ تو ایمانی، علمی اور وطنی خدمات اور اخلاقی کارنامے سرانجام دے رہے ہیں، ان کے سامنے صرف ایک ہی مقصد ہے، اور وہ یہ کہ وہ رسائلِ نور پڑھتے پڑھاتے رہیں اور ان کی نشر و اشاعت کرتے رہیں۔ اس بنا پر عدالت نے مکمل اطمینان حاصل کر لینے کے بعد کہا: ہمیں طلّاب نور میں کوئی جرم نہیں ملا، اور یہ کسی بھی ایسی سرگرمی یا تصرُّف میں ملوّث نہیں ہیں جس پر انہیں کسی چیز کا ذمہ دار ٹھہرایا جاسکے۔

حقیقت یہ ہے کہ تحقیقات کی اس لہر کے رسائل نور کے حق میں بڑے مثبت اثرات سامنے آئے؛ اور وہ اس طرح کہ یہ چیز ان کی حقانیت کو برملا نمایاں کرنے کا وسیلہ بن گئی۔ اور پھر آخر میں فیصلہ بھی انہیں کے حق میں صادر ہوا۔

اور تیسری طرف ''اورفا'' اور ''دیار بکر'' میں چند نشیط اور فعّال قسم کے طلّاب نور نے نوری مدارس کھولنا شروع کر دیے، ان میں وہ معاشرے کے مختلف طبقات کو، اور خاص کر نوجوانوں اور طالب علموں کو رسائلِ نور کے علمی مسائل پڑھاتے تھے، اپنے اس طریق کار سے انہوں نے طالب علموں کا وہ قابلِ رشک مقام و مرتبہ بحال کر دیا جس کی اس دور میں سخت ضرورت تھی، اور مشرقی علاقہ جات میں انہوں نے بڑی جلیل القدر ایمانی خدمات سرانجام دیں۔ اور اس اثنا میں ''دیار بکر'' میں ایمانی و قرآنی خدمات سرانجام دینے والے ایک سرگرم طالب علم کے خلاف دعویٰ دائر ہو گیا، لیکن عدالت نے اس کو باعزت بری کر دیا اور یوں مسئلہ حل ہو گیا، اور اس کے اہلِ ایمان کے دلوں میں بڑے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔

لیکن وہ مقدمہ جو رسائلِ نور کے خلاف ''افیون'' کی جیل میں چلایا گیا تھا، اس کے متعلق حتمی فیصلہ 1956ء میں ہوا،[1] چنانچہ ریاستِ مذہبی امور کے مشاورتی بورڈ نے رسائل نور کے بارے میں جب اپنی تحقیقات مکمل کر لیں تو اپنا فیصلہ صادر کر دیا جس کا ماحصل یہ تھا کہ یہ کتابیں ایمان اور اخلاق کی خدمت کرتی ہیں، اور پھر اسی فیصلے کی بنیاد پر ''افیون'' کی عدالت نے رسائلِ نور کی براءت اور اُن کی طباعت و اشاعت کی اجازت وغیرہ کے بارے میں اپنا قطعی فیصلہ جاری کر دیا، اور پھر اس فیصلے کے فوراً ہی بعد ''اسپارٹا'' کے تحقیقی جج کا فیصلہ بھی آ گیا جس میں اس بات کی صراحت تھی کہ رسائلِ نور کا ٹرائل نہ کیا جائے۔

اور اس طرح رسائل نے کلی اور عمومی اجازت حاصل کرنے کے لیے اور وسیع پیمانے پر حسنِ قبول سے ہمکنار ہونے کے لیے عدالتی رکاوٹیں عبور کر لیں جو ان کے راستے میں آتی رہیں۔

---

[1] یہ مقدمہ 1947ء کے اواخر میں دائر کیا گیا تھا۔

انوار کی نشر و اشاعت

انوار کی خدمت جو کہ اناطولیہ کے مختلف علاقوں میں استواری و برق رفتاری سے جاری تھیں، ان کے بالکل متوازی ''انقرہ''، ''استنبول''، ''دیار بکر'' اور ''اورفا'' میں قائم شدہ نوری مدارس اس میدان میں اپنا کردار بھرپور انداز کے ساتھ ادا کر رہے تھے، ان کی خدمات کے اثرات قریبی میدانوں میں ہی محدود نہیں رہے تھے، بلکہ ان کا دائرہ کار بہت وسیع ہو گیا تھا، یہ خدمات چونکہ خالص قرآنی تھیں کسی خاص شخص، گروہ یا جماعت کے ساتھ تعلق نہیں رکھتی تھی؛ اس بنا پر انہیں ادا کرنے کے لیے بے شمار لوگ میدان میں آ گئے، اور انہیں مختلف طریقوں، اسلوبوں اور پہلوؤں سے ادا کیا، اور اس قلمی خدمت کو ادا کرنے اور انوار محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی نشر و اشاعت کرنے کے لیے اتنے زیادہ مخلص طلبہ اور اہل ایمان میدان میں آ گئے اور اس میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے کہ ان کے نام بھی معلوم نہیں اور تعداد بھی شمار سے باہر ہے۔

انقرہ میں یونیورسٹی کے طلبہ نے اور دیگر احساس رکھنے والے مخلص لوگوں نے مل کر رسائل نور کو طبع کرانے کی اور انہیں مختلف لوگوں تک پہنچانے کی ذمہ داری سنبھال لی، اور خاص کر ان لوگوں تک پہنچانے کی جو صرف لاطینی رسم الخط ہی پڑھ سکتے تھے لیکن رسائل سے فائدہ اٹھانے کے لیے بے قرار تھے۔ تو جوانوں نے اور مدارس کے طلبہ نے رسائل نور کے مجموعے کو مکمل صورت میں چھاپنے کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر اٹھائی اور اس راہ میں انہوں نے بہت زیادہ قربانیاں دیں، اور ان لوگوں کی یہ کوششیں وطن و اہلِ وطن کی سعادت مندی و فیروز بختی کا باعث بن گئیں؛ کیونکہ یہ لوگ اس کام کے لیے میدان میں رضا کارانہ طور پر اترے تھے، ان کے سامنے کوئی دنیاوی منفعت یا مصلحت نہیں تھی، بلکہ صرف اور صرف اللہ کی رضا تھی...... اپنے اس کردار سے انہوں نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ واقعتاً اصیل ترک ہیں اور اپنے ابطال و بزرگوار آبا و اجداد کے صحیح وارث ہیں۔

☆ ☆ ☆

''بارلا'' روانگی

استاد نے ''بارلا'' بیس سال پہلے چھوڑا تھا اور اس کے بعد دوبارہ وہاں نہیں گئے تھے، حق بات یہ ہے کہ استاد کا ''بارلا'' کے ساتھ جو تعلق ہے وہ ان کی اپنی جنم بھومی ''نورس'' سے بھی زیادہ گہرا ہے؛ کیونکہ ''بارلا'' میں ہی رسائلِ نور کی تالیفات کے ذریعے ان کی معنوی زندگی کا آغاز ہوا، ''بارلا'' ہی سے ''مقالات''، ''مکتوبات''، اور ''لمعات'' جیسی کتابیں منصۂ شہود پر آئیں جو کہ قرآنِ حکیم کی ہدایت کے انوار کی ترجمانی کرتی ہیں، اس لحاظ سے ''بارلا'' سب سے پہلا نوری مدرسہ شمار ہوتا ہے۔ علی الرغم اس کے کہ استاد نے بارلا میں جو زندگی گزاری انتہائی ناخوشگوار، دکھوں بھری، جلاوطنی،

تنہائی، دائمی نگرانی کی اور سختیوں والی تھی، لیکن دوسری طرف یہی زندگی ان کی زندگی کے خوبصورت ترین اور مفید ترین لمحات شمار ہوتے ہیں؛ کیونکہ زندگی کا یہی وہ مرحلہ ہے جس میں رسائلِ نور کی تالیف ہوئی۔

لیکن اس مرتبہ استاد بارلا میں جلاوطنی یا قید کی زندگی گزارنے نہیں گئے بلکہ بالا رادہ اور برضا و رغبت گئے ہیں...... موسم بہار کے ایک خوبصورت دن میں وہاں پہنچے تو وہاں آپ کے متعدد مخلص طلبہ نے آپ کا استقبال کیا۔ وہ مدرسۂ نوریہ کہ جہاں آپ نے آٹھ سال گزارے تھے، اس کے قریب پہنچتے ہی آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ خود پر قابو نہ رکھ سکے، چنار کا وہ ضخیم درخت ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے آپ کا استقبال کر رہا ہو...... بیتے دنوں کی یادیں تازہ ہو گئیں اور آٹھ سالہ قیام سے لے کر الوداعی لمحات تک ایک ایک لمحہ آنکھوں کے سامنے سے گزرنے لگا...... وداع کا وہ لمحہ کہ جب خود توت کا یہ درخت بھی غمگین ہو کر اپنی لمبی شاخوں کی باہیں پھیلا کر آپ کو الوداع کہہ رہا تھا...... اور آج کا وہ دن کہ وہ لمبی جدائی کے بعد خوشی کے ساتھ جھومتا ہوا ان کا استقبال کر رہا تھا...... آج تو یہ بابرکت درخت ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے اپنے خالق کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدے میں مستغرق ہے...... استاد اس کے پاس گئے اور روتے ہوئے بے قابو ہو کر اس کے ساتھ لپٹ گئے...... اور اپنے شاگردوں اور دیگر لوگوں سے کہہ دیا کہ مجھے اکیلا چھوڑ دیں...... اس کے بعد وہ مدرسۂ نوریہ میں اپنے کمرے میں داخل ہوئے اور تقریباً دو گھنٹے تک اندر ہی رہے...... ان کی سسکیوں کی آوازیں باہر سنائی دے رہی تھیں۔

جی ہاں، یہ آدمی اللہ تعالیٰ کی لامتناہی رحمت کا ایک مظہر ہے، ایک دن وہ تھا کہ اسے مشرقی اناطولیہ سے ''اسپارٹا'' اور وہاں سے پہاڑوں کے درمیان واقع ایک بستی ''بارلا'' میں جلاوطن کیا گیا تھا، اور اس کے پیچھے مقصد یہ تھا کہ یہ وہاں مرکھپ جائے گا اور نسیان کی نذر ہو جائے گا، لیکن اس بہادر سورمے کا ذاتی کردار اور اس کی سابقہ زندگی کے ایام اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ ایک ایسا انسان ہے کہ جس نے اپنے سینے میں قرآن کے حقائق اٹھا رکھے ہیں اور انہیں اپنی زندگی کا سب سے بڑا کیس اور سب سے بڑا مقصد بنالیا ہے، اور اس کا یہ ایمان ہے کہ فرد و معاشرے کی سعادت صرف اسلام کے حقائق میں پوشیدہ ہے، چنانچہ وہ ان حقائق کی دعوت دیتا ہوا اور ان کا دفاع کرتا ہوا علم کے اور عقلی دلائل کے میدان میں اُترا۔

اُس نے اِس علاقے کے تین عہدِ حکومت دیکھے، لیکن اس نے بڑے سے بڑے ظالم و جابر حکمران کے سامنے سر نہیں جھکایا، اور اپنی دعوت سے یک سرِ مُو اِدھر اُدھر نہیں ہوا، وہ معرکوں میں زخموں سے چور چور ہوا، اس کے کھانے میں زہر ملایا گیا، لیکن وہ مرا نہیں، اور مشکلات و مصائب کی تند و تیز لہریں اس کے عزمِ بلند کا رخ نہ موڑ سکیں۔

اور ہمارے اس موجودہ دور کو اپنی لپیٹ میں لے لینے والے خطرناک مذاہب و نظریات کہ جن کی مہلک لہروں نے اقوام و مِلل کو تہس نہس کر کے رکھ دیا ہے اور عقلیات و مفاہیم کو یکسر تبدیل کر دیا ہے، وہ لہریں اس آدمی کو اس کے اس

راستے سے اِدھر اُدھر کرنے میں کامیاب نہ ہوسکیں جو اُس نے ایمان وقرآن کی دعوت کے سلسلے میں اپنے لیے اختیار کیا ہے، بلکہ اس کا ایمانی غیرت سے بھرپور یہ یقین کامل ہے کہ وہ دن عنقریب آنے والا ہے جس میں قوم اس حقیقت کو بسرو چشم اپنالے گی جس کی اس نے دعوت دی ہے، اور یہ کہ سعید اکیلا ہی نہیں رہ جائے گا، بلکہ کل کو ہزاروں بلکہ لاکھوں سعید بن جائیں گے، اور وہ ایمانی حقائق جو اس نے لوگوں میں پھیلائے ہیں، اُن کی دعوتی فتوحات دن دوگنی رات چوگنی ترقیاں کریں گی، اور ہدایت کی وہ مشعل جو اُس نے قرآن سے حاصل کی ہے، ان تاریکیوں کو تتر بتر کردے گی جو عالم اسلام کے آفاق پر چھائی ہوئی ہیں، اور ایمان کی وہ روح پھر سے اٹھ بیٹھے گی اور انگڑائی لے کر بیدار اور ہشیار ہوجائے گی جس کے بارے میں اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ نزع کی حالت میں سانس لے رہی ہے، یہ جی اٹھے گی اور روحوں میں روح پھونک دے گی، اور اُس امت کو پھر سے زندہ کردے گی جس پر معنوی موت طاری ہوچکی ہے، اور اسلام پھر سے دنیا کا سردار بن جائے گا۔

یہ مردِ جلیل جو اس قدسی حقیقت کا حامل ہے اور اس کی طرف دعوت دے رہا ہے، اور جو ان دنوں بنی انسان کے لیے فخر واعتزاز کا باعث ہے...... ایک وقت وہ تھا کہ جب اسے اس دور افتادہ چھوٹی سی بستی میں جلاوطن کردیا گیا تھا، اور اس کام کے پیچھے ان دشمنانِ دین کی سازش کارفرما تھی، جو اس بات سے ڈرتے تھے کہ یہ آدمی اناطولیہ میں ابھی ابھی قائم ہوئے سیاسی نظام میں عملی طور پر دخل اندازی کرے گا، لیکن اس آدمی کی حالت اور ان لوگوں کے خدشات وخطرات کے درمیان زمین وآسمان کا فاصلہ تھا...... یہ آدمی سیاست کو تیاگ چکا تھا اور آخری الوداع کہہ چکا تھا، اہلِ دنیا کی دنیا میں دخل نہیں دیتا تھا، بلکہ وہ تو ایک ایسی حقیقت کی طرف متوجہ ہوچکا تھا جو عنقریب مستقبل کو روشن کرنے والی تھی، تب وہ ربّ کائنات کی توفیق اور اس کی نصرت وحمایت کے سائے میں ہمہ تن اس حقیقت کو تالیف کرنے اور اس کی نشرو اشاعت میں مصروف ہوگیا،...... اور آج وہ تیس سال کے بعد پھر سے ''بارلا'' لوٹ رہا ہے، اور اپنے اس دورے میں وہ جب اُن الطاف وعنایات کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کرتا ہے جو اس پر اس کے پروردگار نے اس کی ایمانی خدمات کے طفیل کی ہیں، تو اس کی آنکھیں خوشی کے آنسوؤں سے ڈبڈبا جاتی ہیں، اور وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہوا سجدے میں گر جاتا ہے۔

استاذ ''اسپارٹا'' میں مقیم ہوجاتے ہیں، اور وقتاً فوقتاً ''امیر داغ'' اور ''بارلا'' کا چکر لگاتے رہتے ہیں کہ ان دونوں کے ساتھ ان کا گہرا روحانی رشتہ تھا؛ کیونکہ یہ دونوں مقام رسائلِ نور کی تالیف اور نشر واشاعت کے مرکز تھے، اور حالت یہ تھی کہ وہ نوے سال کی عمر ہوجانے کی وجہ سے بیمار اور بہت زیادہ کمزور ہوچکے تھے، اور مزید یہ کہ انہیں متعدد بار زہر بھی دیا جاچکا تھا، اور اس پر مزید یہ کہ وہ انتہائی زیادہ حساس طبیعت کے مالک تھے، نوعِ انسان کی تکلیفوں سے عمومی طور پر اور عالم اسلام کی تکلیفوں سے خصوصی طور پر متاثر ہوتے تھے، اور خاص کر ان جگہوں کی تکلیفوں کے بارے میں کہ جہاں رسائلِ نور پھیل رہے تھے، زیادہ پریشان ہوتے تھے۔

اگرچہ ان کے شاگردوں کی دعائیں اور ایمانی انوار کی نشر و اشاعت ان کے مرض کی دوا کی حیثیت رکھتی تھیں، تاہم پھر بھی بسا اوقات دل میں بہت زیادہ شفقت رکھنے کی بنا پر ان کا مرض شدت اختیار کر جاتا تھا، تب ان کے لیے کسی بھی ایک رہائش گاہ میں زیادہ دیر تک رہنا مشکل ہو جاتا تھا اور وہ آب و ہوا کی تبدیلی کے لیے مجبور ہو جاتے تھے۔

رسائل نور جب آفاق میں پھیل گئے اور ان کے شاگردوں کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی اور وہ ہر جگہ پھیلنے لگے، تو استاد نے لوگوں کے ساتھ ملنا جلنا کافی حد تک کم کر دیا، چنانچہ اب وہ ملنے کے لیے آنے والوں کا استقبال نہیں کرتے تھے، بلکہ بسا اوقات یہ کہتے تھے کہ: ''رسائل نور کو پڑھنا میرے ساتھ بیٹھنے سے دس گُنا زیادہ مفید ہے''۔ بلکہ اپنے خدمت گزار طلبہ کے ساتھ بھی شدید ضرورت کے بغیر بہت کم گفتگو کرتے تھے۔

اب استاد یہ بات اکثر دہراتے تھے کہ وہ زندگی کے آخری سرے پر پہنچ چکے ہیں اور اپنی اجل کے انتظار میں ہیں، پتا نہیں یہ مہینہ پورا ہوگا یا نہیں، انوار کی نشر و اشاعت پر شکر اور امتنان کا اظہار کرتے تھے، اور حکومت و معاشرہ اسلام کی خدمت کے لیے اور سعادت کو عام کرنے کے لیے جو بھی قدم اٹھاتا اس کی بڑی قدر کرتے، حق کی راہ میں چلنے والے اور اسلام کے شعائر کو زندہ کرنے والے ہر شخص کے لیے دُعا کرتے اور عالمِ اسلام کی مادی اور معنوی سلامتی و سعادتمندی کے آرزومند رہتے، اور وطن کے اندر یا باہر اس مقصد کے لیے جو بھی کوشش ہوتی اس پر بہت زیادہ خوشی اور احسان مندی کے احساسات کا اظہار کرتے۔

رسائل نور کو استاد اس دور میں قرآن کریم کا ایک معجزہ شمار کرتے ہیں، اور اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ان میں جو قرآنی حقائق پائے جاتے ہیں، اس وطن کو کمیونزم کے خطرات سے وہی محفوظ رکھ سکتے ہیں، اور یہ رسائل اس دیس کے اور عالم اسلام کے باسیوں کے درمیان اخوت کے رشتے کا کام دیں گے۔ اور وہ اس بات کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ ہماری دنیاوی اور اخروی سعادت ان حقائق کے دامن کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے کی مرہونِ منت ہے۔ اور انہیں اس بات کا مکمل یقین ہے کہ یہ رسائل صرف اناطولیہ کی سرزمین تک ہی محدود نہیں رہیں گے بلکہ تمام بلادِ اسلامیہ میں پھیلیں گے، اور وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ان کی نشر و اشاعت کرنا سیاسی دلچسپیوں اور سرگرمیوں میں ملوّث ہونے سے مقدم ہے، اور یہ کام زیادہ مفید اور کارآمد ہوگا۔

☆ ☆ ☆

نواں حصہ

رسائل نور کا ترکی سے باہر ممالک میں پھیلاؤ

رسائل نور کی علاقے سے باہر فتوحات

رسائل نور کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہ جدید دور میں سائنس کے مبینہ حقائق اور جدید خیالات کے ساتھ ہم آہنگ جچے تلے اسلوب میں عقل اور قلب دونوں کو مطمئن کرنے والے راستے پر چلتے ہیں؛ یہی وجہ ہے کہ ان کا پھیلاؤ صرف ترکی تک ہی محدود نہیں رہا، بلکہ ترکی سے باہر بھی انہیں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی ہے، اور اس بات کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ یہ خود ترکی میں لاطینی رسم الخط میں طبع ہونے سے پہلے عالمِ اسلام کے بہت سے ملکوں میں پھیل گئے تھے اور متداول ہو گئے تھے، چنانچہ بہت سے اسلامی ملکوں نے آغاز ہی میں ان کے ساتھ جان پہچان حاصل کر لی اور انہوں نے ان کا عربی، اُردو، ہندی اور انگریزی میں ترجمہ کرنے کا بیڑا اٹھالیا، اور ان ملکوں میں ان کے بہت سے قارئین پیدا ہو گئے۔

یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں کہ بدیع الزمان ایک ایسی ممتاز شخصیت کے طور پر ابھرے کہ جس نے لگ بھگ پچاس سال قبل بڑی شہرت حاصل کر لی تھی، اور ان کی یہ شہرت اپنے قریبی ماحول تک ہی محدود نہیں رہی تھی، انہوں نے چھوٹی عمر سے ہی اپنے علمی مقام اور اپنی قوتِ کلام سے اپنا لوہا منوالیا تھا اور دیس پردیس میں لوگوں کی توجہ ان کی طرف ہو گئی تھی۔ جامعہ از ہر میں ان کا تعارف علامہ ''بخیت المطیعی'' جیسے علما و مشائخ کی راہ سے ہوا جبکہ عام لوگوں میں ان کی شہرت اس حیثیت سے تھی کہ وہ جدید علوم کے بارے میں ایک وسیع الاطلاع عالم ہیں، اور ان کے مصر میں شائع ہونے والے مضامین نے ان کی پہچان کروائی اور اس وقت انہیں ''بدیع الزمان'' کے لقب سے یاد کیا گیا، اور انہوں نے پچاس سال قبل دمشق کی جامع اُموی میں ایک منفرد قسم کا خطبہ دیا تھا جسے سننے کے لیے لگ بھگ دس ہزار کا جم غفیر آیا تھا، جن میں ایک سو کے قریب علمائے کرام تھے، اُنہوں نے اپنے اس خطبے میں عالمِ اسلام کے پیچھے رہ جانے کے اسباب بیان کیے تھے اور وضاحت کے ساتھ بتایا تھا کہ اب یہ دوبارہ اپنے پاؤں پر کیسے کھڑا ہو سکتا ہے اور اپنا کھویا ہوا وقار پھر سے کیسے حاصل کر سکتا ہے۔ یہ خطبہ بڑا موثر تھا؛ لوگوں نے اسے بڑا پسند کیا اور بہت داد دی، اور یہ خطبہ علمی مجلسوں میں آپ

کی شہرت کا سبب بن گیا تھا، اوراس سے بڑھ کر یہ کہ وہاں بہت سے لوگوں کو جب آپ کے حسنِ کردار کا اور دشمنوں کے خلاف آپ کے جہاد کا اور میدان جنگ میں بہادری و پامردی کا پتا چل گیا، اور انہوں نے آپ کی تالیفات پڑھ لیں، تو آپ کے ساتھ اٹوٹ معنوی رشتے قائم کر لیے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ جامعہ ازہر کے کسی طالب علم نے آپ سے ایک سوال پوچھا جس کا تعلق کسی مشکل حدیث کے ساتھ تھا، تو اس وقت آپ کی صحت کی خرابی کے پیشِ نظر آپ کے کچھ شاگردوں نے اپنی طرف سے اس کا وہی جواب لکھ دیا جو آپ نے اس حدیث پر وارد ہونے والے اشکالات کے جوابات کی صورت میں پہلے کسی وقت تحریر کیا تھا، اور اس جواب کے بعد رسائل نور سے اس موضوع کے ساتھ تعلق رکھنے والے کچھ اور فقرے بھی لکھ دیے، اور اس طرح وہ ایک فصیح و بلیغ اور شافی قسم کا جواب بن گیا جسے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔

اور جب پاکستان کے اس وزیرِ تعلیم علی اکبر شاہ نے — جو کہ بعد میں سندھ یونیورسٹی کے ڈین بھی رہے — جب ترکی کا دورہ کیا، تو انہوں نے استاد کے ساتھ بھی ملاقات کی، اور واپس جانے سے پہلے انہوں نے طلبہ کے ساتھ ایک نشست میں استاد کے بارے میں اور ان کی تالیفات کے بارے میں تفصیل کے ساتھ اظہار خیال کیا اور واپس لوٹنے پر ان کتابوں کے اردو ترجمے کا اہتمام کیا، اور ان میں سے بعض کتابوں کو سرکاری یونیورسٹیوں کے نصاب میں رکھوایا، اور پاکستان میں چھپنے والے عربی اور انگریزی اخبارات ورسائل نے استاد نورسی اور ان کی تالیفات کا تعارف کرانے کی ذمہ داری اٹھائی اور اس کردار پر کھل کر روشنی ڈالی جو ترکی میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے رسائل نور نے ادا کیا تھا، اور استاد کا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ وہ اس وقت عالمِ اسلام کے ایک ابھرتے ہوئے سربرآوردہ معنوی قائد ہیں، اور بہت سے مضامین میں ان کی دشمنوں کے خلاف جہادی اور دفاعی کوششوں کو سراہا گیا۔ اور رسائل نور کو ایک قرآنی بندھ شمار کیا گیا جو کہ ان تمام حملوں کو روک دیتا ہے جن سے اِن دنوں عالمِ اسلام دوچار ہے۔

دوسری طرف رسائل نور کو یورپ، امریکا اور افریقہ میں بہت زیادہ پذیرائی حاصل ہوئی، اور بہت سے علاقوں — اور خاص کر جرمنی اور فِن لینڈ — میں انہیں پڑھنے پڑھانے والے اور ان میں دلچسپی لینے والے بہت سے لوگ میدان میں آ گئے، اور اِن کی اہمیت کے پیشِ نظر ان کا ایک نسخہ برلن کی یونیورسٹی آف ٹیکنالوجی کی مسجد میں رکھا گیا، اور اور ینٹل و اسٹڈیز کالج کے اِسلامک ڈیپارٹمنٹ میں ان کے بارے میں ایک کانفرنس منعقد کی گئی۔ ان رسائل نے جرمنی میں دعوتِ اسلام کی فتوحات کے سلسلے میں جو کردار ادا کیا ہے، اس کا بہت سے لوگ کھلے بندوں اعتراف کرتے ہیں۔

یونان کے شہر ''غومولجینا'' میں ایک دینی مدرسہ کھولا گیا جس کی نگرانی ''حافظ علی آفندی'' کرتے ہیں، اس میں رسائل نور پڑھائے جاتے ہیں اور سینکڑوں طلابِ نور تیار ہو رہے ہیں۔ اسی طرح فِن لینڈ میں وہاں کی اسلامی جماعت کے سربراہ کے ذریعے ان رسائل کی نشر و اشاعت ہوئی جن کی برکت سے بہت سے فن لینڈی مسلمان ہوئے۔

جاپان اور کوریا میں رسائل نور کے بہت سے قارئین پائے جاتے ہیں۔کوریا کی جنگ میں شرکت کے دوران بہت سے تُرک طلاّبِ نور کوریا میں رسائل نور لے گئے، ان میں سے کچھ نسخے جاپان کی یونیورسٹیوں کو تحفے میں دے دیے گئے اور کچھ کوریا کی پبلک لائبریریوں میں رکھوا دیے گئے، مسلمانوں نے ان رسائل سے دونوں ملکوں میں فائدہ اٹھایا۔

انڈیا اور انڈونیشیا کے مسلمان بھی رسائلِ نور سے محروم نہ رہے، چنانچہ یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ایک طالب نور نے حج کے دنوں میں ان کا ایک نسخہ انڈیا کے کسی عالمِ دین کو دے دیا تھا، اور اس نے وہ نسخہ بڑے احترام سے قبول کیا تھا اور اسے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا تھا، اور اپنے آپ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کا ہندی زبان میں ترجمہ کرے گا۔

اسی طرح کچھ نسخے امریکہ میں واشنگٹن کی مسجد کو بھی تحفے میں دیے گئے اور وہاں عام مسلمانوں کو ان سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا۔ واشنگٹن کے ثقافتی مرکز کے سیکرٹری نے عراق کے اس طالب نور کو شکریے کا ٹیلیگراف بھیجا تھا جس نے یہ نسخے وہاں بھیجے تھے۔

رسائل نور کی وطن سے باہر فتوحات کے یہ کچھ نمونے ہیں جو ہم تک پہنچے ہیں۔ اور عنقریب ہم باذن اللہ اس مصحف شریف میں قرآن کریم کے اعجازی پہلوؤں میں سے ایک پہلو کا مشاہدہ کریں گے جو عثمانی رسم الخط میں لکھا گیا ہے اور ابھی زیرِ طبع ہے۔[1] بلاشبہ یہ نسخہ دنیا میں عمومی طور پر اور عالمِ اسلام میں خصوصی طور پر بہت زیادہ اہمیّت کا حامل ہوگا۔

یہ جو کچھ ابھی بیان ہوا ہے کیا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ رسائلِ نور نے کتنے بڑے فراغ کو پُر کر رہے ہیں؟ نوعِ بشری ان دنوں قرآن کریم کی بہت زیادہ محتاج ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے رسائلِ نور کی بہت زیادہ ضرورت ہے جو کہ اس دور میں اس کے معنوی اعجاز کے پرت کھول رہے ہیں اور اسے برملا اجاگر کر رہے ہیں۔

وطن سے باہر اخبارات و رسائل میں جو مضامین چھپے اور ان میں بدیع الزمان اور رسائلِ نور کے بارے میں جو گفتگو کی گئی، ان میں سے بعض مضمون ہم ذیل میں ذکر کر رہے ہیں۔ اسی طرح ہم ان بعض خطوط کا بھی ذکر کریں گے جو اس ضمن میں استاد کو اور ان کے شاگردوں کو موصول ہوئے۔

☆ ☆ ☆

---

[1] اس سے مراد ''توافقات'' والا مصحف ہے، یہ مصحف مخصوص معیاروں کے تحت لکھا گیا ہے، چنانچہ اس کے صفحات میں لفظ ''اللہ'' اور بعض اسمائے حسنیٰ کچھ اس عجیب طرح سے ترتیب و توازن کے ساتھ آئے ہیں کہ یہ بات کتابت کرتے وقت کاتب کے خواب و خیال میں بھی نہیں ہوگی۔

سندھ یونیورسٹی کے ڈین علی اکبر شاہ کا ایک خط انقرہ کے ایک طالبِ نور کے نام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میرے عزیز وفادار بھائی!

میں آپ سے معذرت چاہتا ہوں کہ ایک مدت سے آپ کے ساتھ خط وکتابت کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکا۔ لیکن آج کے بعد میں آپ کے ساتھ خط وکتابت کے ذریعے رابطے میں رہوں گا، امید ہے کہ آپ بھی ایسے ہی کریں گے، کیونکہ مجھے آپ لوگوں سے جو محبت ہے وہ کم نہیں ہوئی بلکہ روز افزوں ہے۔

میں ترکی زبان نہیں جانتا ہوں، لیکن مجھے رسائلِ نور کی ورق گردانی کرنا بہت اچھا لگتا ہے، اسی طرح ان کا نام بھی بہت اچھا لگتا ہے؛ کیونکہ

زبانِ یارِ من ترکی، ومن ترکی نمی دانم
چہ خوش بودے، گر بودے، زبانش در دہانِ مَن

اور یہ کتنی اچھی بات ہے کہ آپ کی کلیات کا نام بھی نور ہے اور یہ واقعتاً نور کی دعوت دیتے ہیں۔

ہمارا تمہارا آپس کا روح کا رشتہ ہے، اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ اسے مزید پختہ کردے۔

میں جب ترکی میں تھا تو آپ لوگوں میں سے بعض بھائیوں کے ساتھ ملا تھا، میرے دل میں ان کی بہت قدر ہے، مجھے امید ہے کہ آپ ان بھائیوں کے احوال کے بارے میں مجھے بتائیں گے اور انہیں میرا اسلام پہنچادیں گے۔ میں اس بارے میں آپ کا شکر گزار رہوں گا۔

استادِ نورکا کیا حال ہے؟ مجھے ان کے حالات کے بارے میں بھی لکھیں، اور انہیں بتائیں کہ میں ان کا ایک خادم ہوں، انہیں میرا اسلام اور خالص محبت کا پیغام پہنچادیں۔

میں صابر حسین اوغلو بھائی سے ملا ہوں، اور اس وقت اُسی کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوں اور اسے آپ لوگوں کے اور ترکی کے بارے میں بتا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس دین کی خدمت کرنے کی مزید توفیق سے نوازے۔

آپ کے لیے اللہ تعالیٰ سے دائمی صحت وعافیت کی دعا کرتا ہوا اور اہلِ اسلام کے لیے دائمی امن وامان کی امید کرتا ہوا میں اپنا یہ خط ختم کر رہا ہوں۔ اخوکم فی الدین

سید اکبر علی شاہ
ڈین آف شریعت کالج
سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد
مغربی پاکستان[1]

☆ ☆ ☆

[1] ان دنوں پاکستان کا دارالحکومت کراچی تھا، بعد میں 14 اگست (1967ء میں) اسلام آباد بنا۔ (مترجم)



اِسلامی جمعیت طلبہ (پاکستان)

Islami Jamiat-e-Talaba (Pakistan)

Central Office
[illegible]

Ref. No. KARACHI ١٩ ربيع الاول ٧٧هـ

الى السيد الاكرم علامه سعيد نور   السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

[illegible] نتشرف باعلامكم بان الحفلة السنوية لجمعية الاسلامية
لطلبة باكستان ستعقد في كراتشي (عاصمة باكستان) في ١٤/ ١٥/ ١٦/
ربيع الاول ١٣٧٧هـ (المطابق ٨/ ٩/ ١٠/ نوفمبر ١٩٥٧م) ونرجوكم
ان تشرفونا برسائلكم بمناسبة هذه الحفلة تشجيعاً للشباب العاملين في
سبيل الاسلام۔

اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کی طرف ایک خط۔

اسلامی جمعیت طلبہ کے ناظم کا خط استاد نورسی کے نام

جناب گرانقدر...... انمول...... علامہ سعید نور صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ...... وبعد:

ہم آپ کو یہ اطلاع دینے کا شرف حاصل کر رہے کہ اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان سالانہ اجتماع ربیع الاول کی 14, 16,15 1377ھ بمطابق 10,9,8 دسمبر 1957ء کو پاکستان کے دارالحکومت کراچی میں منعقد ہو رہا ہے۔[1] ہماری آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس موقع کی مناسبت سے ہمارے اسلام کی راہ میں کام کرنے والے نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کے لیے ایک خط لکھ دیں۔

ہم آپ جناب کے علم میں یہ بات بھی لانا چاہتے ہیں کہ ہماری جمعیت کا شعار اسلام ہے، اور ہمارا یہ پختہ ایمان ہے

[1] اُن دنوں پاکستان دو حصوں پر مشتمل تھا، ایک مشرقی پاکستان کہلاتا تھا۔ دوسرا مغربی، پھر 26 مارچ 1971ء میں کچھ ناگفتہ بہ وجوہات کی بنا پر مشرقی پاکستان علیحدہ ہو گیا اور اسے بنگلہ دیش کا نام دے دیا گیا۔ (مترجم)

کہ صرف اسلام ہی کے پاس وہ قدرت ہے جو دنیا کے تمام مسائل کا مؤثر حل پیش کر سکتی ہے۔ ہماری یہ جمعیت تنظیمی لحاظ سے پاکستان کی مضبوط ترین جمعیت شمار ہوتی ہے، اور یہ عرصہ دس سال سے طالب علموں میں اسلامی بیداری پیدا کرنے کے لیے سرگرم عمل ہے، اور ہر زمان و مکان کے حق میں مناسب اور مفید ترین اسلامی نظام کا تعارف کرواتی ہے۔

آخر میں ہمیں اس بات کا پورا پورا بھروسا ہے کہ آپ ہمیں نا امید نہیں کریں گے اور ہماری آرزو بہترین شکل میں بر لائیں گے......

اخوکم فی الدین

ابصار عالم

ناظم، اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان

محمد صابر کا ایک خط

[کراچی یونیورسٹی میں ترکی تاریخ کے شعبے میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں، چار عدد معتدبہ اخباروں میں لکھتے ہیں، اور پاکستان میں رسائل نور کی نشر و اشاعت اور ان کے افادی پہلوؤں کو اجاگر کرنے میں قابلِ قدر کوششوں کے مالک ہیں۔]

باسمہ سبحانہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرے معزز دینی بھائیو!

آپ کا بیش قیمت خط ملا، یاد آوری کا بہت بہت شکریہ۔

ہمارے محترم استاد سعید نورسی کا کیا حال ہے؟ ان کی صحت کیسی ہے؟ یہاں ان کے مُحِب اور طالب علم ان کے بارے میں پوچھتے رہتے ہیں، اور ہم آپ لوگوں سے یہ امید کرتے ہیں کہ آپ ہمیں ان کے بارے میں آگاہ کرتے رہیں گے۔

ان تین مہینوں میں میں نے انڈیا میں صیہونیت اور سوشلزم کے بارے میں چار مضمون لکھ کر طبع کروائے ہیں، یہ دونوں اِزم اسلام اور اتراک کے حقیقی اور برابر کے دشمن ہیں، اسی طرح میں نے ایک مضمون ترکی اور پاکستان کی آپسی محبت کی تاریخ اور اس کی بنیادوں پر بھی لکھا ہے، اُسے میں نے کراچی سے شائع کیا ہے اور اس کا ایک نسخہ آپ لوگوں کو بھی بھیجا ہے۔ اسی طرح ایک مضمون ''روس میں مظلوم مسلمانوں کی حالتِ زار'' پر لکھا ہے، اور اسے ''امام'' نام کے ایک

ماہنامے میں شائع کیا ہے، اور اس کا بھی ایک نسخہ آپ لوگوں کو بھیجا ہے، اور دیگر چند نسخے اردو اخبارات کو بھیجے ہیں۔

میری زندگی کا مقصد اسلام کی خدمت کرنا، ترکی ادب کی پہچان کروانا اور ترک دشمنوں کا پیچھا کرنا اور انہیں رسوا کرنا ہے۔

میں ان دنوں ایک اہم کتاب شائع کروانے کے چکر میں ہوں، اس لیے میں آپ لوگوں کو بھی بتا رہا ہوں کہ میں ان دنوں ان لوگوں کا تعارف کروانے میں لگا ہوں جو خود کو جمہوری پارٹی کہتے ہیں، یعنی وہ لوگ جنہوں نے ترک قوم کی مصلحتوں کے خلاف کام کیا ہے، انہیں جمہوریت کے نام پر دھوکا دیا ہے، دین کے نام لیواؤں کو جیلوں میں ٹھونسا ہے۔ اس ضمن میں میں نے کراچی میں متعدد مضامین شائع کیے ہیں، اور ان سب کو اکٹھا کر کے کتابی صورت میں شائع کرنا چاہتا ہوں، اس لیے آپ لوگوں کے پاس اس ضمن میں اگر کوئی معلومات ہوں تو مجھے ارسال کر دیں تا کہ میں اس میں شائع کر سکوں۔

اس کے بعد میں آپ کو ایک اور خط لکھوں گا جس میں بتاؤں گا کہ استاد اس وقت عالم اسلام میں سب سے بڑی دینی شخصیت کی حیثیت رکھتے ہیں، اور یہ کہ برصغیر پاک و ہند ہو، انڈونیشیا ہو، عرب ممالک ہوں یا افریقہ...... ان کے پائے کا کوئی شخص اس وقت کہیں بھی نہیں ہے۔

پس اے میرے نوری بھائیو! ترک پاکستان اخوت کے لیے کام کرو اور کمیونسٹوں سے بچ کر رہو، ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ ہم بغداد کے حلف میں شریک ہیں، اور ہمارا راستہ اسلام ہے عربی یا ایرانی قومیت نہیں۔

پچھلے مہینے جناب اکبر علی شاہ نے مجھے ملاقات کے لیے بلایا تھا، اور انہوں نے استاد کے اپنی 1950ء میں ہونے والی ملاقات کے بارے میں بھی بتایا اور اس بارے میں بڑی قیمتی معلومات فراہم کیں۔ وہ استاد کے تعارف میں کچھ مضامین بھی شائع کر چکے ہیں، اسی طرح انہوں نے یہودیوں کے بارے میں لکھا ہے اور ان کی سیاہ کاریوں سے پردہ اٹھایا ہے۔ وہ استاد کو سلام کہہ رہے ہیں اور ان کے شاگردوں کے لیے دعا گو ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ: میں اپنی زندگی میں دو آدمیوں سے متاثر ہوا ہوں: مولانا جلال الدین رومی اور سعید نورسی۔

محمد صابر

☆ ☆ ☆

محمد صابر کا ایک اور خط

ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ عدنان مندریس کی حکومت عمومی طور پر عام عالَم کے اور خصوصی طور پر عالمِ اسلام کے بہت بڑے مفکر استاد سعید نورسی کے تالیف کردہ قیمتی رسائل کی نشر و اشاعت کا حکم دے دیا ہے۔

پاکستان میں دین کی خدمت کرنے والے تمام لوگ یہ خبر سن کر باغ باغ ہو گئے ہیں۔ اور ہم اس مناسبت سے استاد نورسی کو، ان کے فاضل شاگردوں کو اور اپنے ترک دینی بھائیوں کو تہِ دل سے مبارک باد کہتے ہیں۔ اور ڈیموکریسیوں کا — اور ان میں سرفہرست عدنان مندریس ہیں — ترک قوم کو ظلم و استبداد اور الحاد سے خلاصی دلانے پر شکریہ ادا کرتے ہیں۔

اس اہم قدم کا اس حملے کی شدت کو توڑنے میں بہت بڑا کردار ہوگا جس کا مقصد ترک قوم کو بدنام کرنا ہے، اور یہ اس محبت کو پھر سے زندہ کردے گا جو عالم اسلام کے دل میں ترکی کے لیے ہے۔ میں ایک پاکستانی مسلمان ہوں، مجھے اس سے پہلے ترکی دیکھنے کا یا سعید نورسی کے ساتھ ملاقات کرنے کا موقع نہیں ملا ہے، لیکن میں جب وہ مضامین پڑھتا ہوں جو استنبول یونیورسٹی کے طالب علموں نے شائع کیے ہیں، تو مجھے حقیقی روحانی لذت کا احساس ہوتا ہے۔ آگاہ رہیں کہ دونوں ملکوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہونے کے باوجود میں اَب ایک طالبِ نور بن گیا ہوں۔

میری اردو زبان میں رسائلِ نور جیسی تالیفات موجود نہیں ہیں، اور انڈیا ہو یا پاکستان، دونوں میں نورسی جیسا دین کا کوئی بطلِ جلیل موجود نہیں ہے۔

جی ہاں، یہ حقیقت ہے، اور ہماری یہ آرزو ہے کہ اسلام کی یہ خدمتِ کبریٰ ان رسائل کا اردو میں ترجمہ کر کے ادا ہو جائے؛ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ کمیونزم کے ساتھ قلمی جنگ بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ ڈیموکریسیوں نے اپنے قوانین میں اس مسئلے کا بہت خیال رکھا ہے...... اور یہ کہ اس طرح اسلامی دلچسپیاں اور سرگرمیاں کمیونزم وفری میشنری اور ان جیسی تمام تحریکوں کا قلع قمع کر دیں جو ترک قوم کے ساتھ برسرِ پیکار ہیں، اور اس طرح ترکی اپنے پہلے والے مجد و شرف کو پھر حاصل کرلے۔

طالب نور در پاکستان

محمد صابر — احسان اوغلو

پاکستانی طالبِ نور، آرابادی

☆ ☆ ☆

کراچی سے طلّابِ نور کا ایک خط

طلّابِ نور — کراچی — پاکستان

محمد صابر احسان اوغلو

اسسٹنٹ پروفیسر/شعبہ تاریخ وثقافت اسلام

کراچی یونیورسٹی، اسلام جمہوریہ پاکستان

باسمہ سبحانہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محترم جناب!

مجھے ہمارے جلیل القدر استاد محترم جناب بدیع الزمان سعید نورسی کی بیش قیمت نفیس تالیفات پہنچ گئی ہیں، یہ کتابیں میں نے اس سے پہلے نہیں دیکھی تھیں، آپ لوگ یہ کتابیں مجھے پہلی دفعہ ارسال کر رہے ہیں۔

ان دنوں میرے امتحان چونکہ قریب ہیں، اس لیے میں مئی کے بعد اپنے استاد کے بارے میں اور ان کی قرآنی اور ایمانی خدمات کے بارے میں مضامین لکھوں گا اور جو شائع ہو جائیں گے ان کے کچھ نسخے باذن اللہ آپ لوگوں کو بھی بھیجوں گا۔

میں آپ لوگوں سے اگر چہ پہلے ملا نہیں ہوں لیکن معنوی طور پر بہر کیف آپ کو جانتا پہچانتا ہوں، کیونکہ اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں جیسے کہ قرآن پاک کا فیصلہ ہے، اور میں آپ کو جو لکھتا ہوں آپ کو اپنے اسلامی بھائی ہونے کی حیثیت سے، ترک مسلمان ہونے کی حیثیت سے اور خاص کر طلّابِ نور ہونے کی حیثیت سے لکھتا ہوں۔

میں پاکستانی ہوں ترکی نہیں ہوں، میری مادری زبان ترکی نہیں ہے، مگر میں طالب نور ہوں اور اپنا تعارف اسی بنیاد پر کراتا ہوں، اور میں سعید نورسی کو اس دور کا سب سے بڑا عالم دین اور مفکرِ اسلام سمجھتا ہوں، اس لیے وہ صرف تمہارے ہی استاد نہیں ہیں، بلکہ وہ تمام مسلمان نوجوانوں کے استاد ہیں۔

افسوس ناک بات تو یہ ہے کہ ہمارے ہاں ترکی زبان جاننے والا کوئی نہیں ہے، اس بنا پر یہاں کے لوگ اُن خدمات کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے جو استاد نورسی نے سرانجام دی ہیں۔

ذیل میں مَیں پاکستان میں رسائل نور کے متعلق کچھ معلومات فراہم کر رہا ہوں۔

یہاں لوگوں کے درمیان ترکی کے بارے میں گردش کرنے والی معلومات بہت کم ہیں، اور میں اس میدان میں گزشتہ دو سالوں سے کام کر رہا ہوں اور ''پاکستان''، ''بخارا'' اور ''بیرما'' جیسے اخبارات میں متعدد مضامین لکھ چکا ہوں جنھیں پسند کیا گیا اور بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا اور مجھ سے مزید لکھنے کا مطالبہ کیا گیا، لیکن اُن دنوں میں استاد کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا، تب میں نے ایک نوجوان کے ساتھ خط وکتابت کی جس کا نام ''صالح اوزجان'' تھا، اور اسے کہا کہ مجھے ترکی کے بارے میں کوئی کتاب بھیجو، اس نے میری یہ درخواست قبول کر لی اور مجھے کچھ کتابیں بھیج دیں، ان میں ایک مضمون ''سردن گچتی'' نامی قلمکاروں کا تھا جس میں رسائلِ نور کے بارے میں بتایا گیا تھا، میں نے وہ مضمون پڑھا اور اس سے استفادہ کیا، جس سے میرے دل میں استاد نورسی کی کتابوں کو پڑھنے کی اور خود استاد کے بارے میں لکھنے کی شدید خواہش پیدا ہوئی، اور پھر اس وقت سے لے کر میں نے استاد کے بارے میں اور رسائل نور کو پڑھنا شروع کر دیا۔ اس دوران مجھ پر یہ کھلا کہ دوسرے ملکوں میں دشمنانِ اسلام نے استاد کو بدنام کرنے کی بہت زیادہ اور ان کے بارے میں بہت رسوا کن اور غلط قسم کی معلومات پھیلائی ہوئی ہیں، تب میں نے اُن کے دفاع میں مضامین لکھنے شروع کر دیے، اور اب بارہ عدد مضامین لکھ چکا ہوں جو کہ مختلف اخبارات و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں، جیسے ''دعوت'' دہلی، ''استقلال''، رنگون، ''تسنیم'' لاہور، ''المنیر'' لائل پور (موجودہ فیصل آباد)، ''ایشیاء'' لاہور، ''المسلم'' ڈھاکا، ''انقلاب'' کراچی، ''انجم'' کراچی، اور ''جنگ'' کراچی وغیرہ نے شائع کیا ہے۔ ان مضامین کا دیگر زبانوں میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے اور آج ہزاروں بلکہ لاکھوں مسلم اور غیر مسلم لوگوں کو استاد کا تعارف ہو چکا ہے، اور بہت سے لوگ مجھ سے ان کے بارے میں معلومات مانگتے ہیں اور ہر اخبار چاہتا ہے کہ میں اسے ان کے بارے میں کچھ نہ کچھ لکھ کر دیتا رہوں۔ اور مجھے اللہ نے چاہا تو تین مہینے کے بعد اس کام کے لیے فراغت مل جائے گی، اور میں کسی بھی اسلام دشمن کا خوف دل میں لائے بغیر اس کام کے لیے اپنی پوری طاقت صرف کر دوں گا۔

میں نے کراچی میں ایک چھوٹی سی لائبریری کھولی ہے جس میں استاد کی اور ترکی زبان وادب کی دیگر کچھ کتابیں اکٹھی کر کے رکھی ہیں، اور اب مجھے ترکی کی طرف سے جو کچھ بھی پہنچتا ہے وہ میں اس لائبریری میں رکھتا جاتا ہوں۔ اس کے علاوہ ہم ان دنوں ''ترک پاکستان طلبہ اتحاد'' کے نام سے ایک جمعیت بھی بنانا چاہتے ہیں۔ اس ضمن میں ہم اپنے طلاّب نور بھائیوں سے یہ آرزو رکھتے ہیں کہ وہ دوستی کے رشتوں کو مضبوط کریں اور اردو زبان سیکھیں؛ کیونکہ برصغیر پاک و ہند میں تیرہ کروڑ مسلمانوں کی قومی اور دیسی زبان اردو ہے۔ اور ہم یہاں اس ترکی زبان کو سیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں جو کہ ترکی کے اڑھائی کروڑ باسیوں کے علاوہ سائبیریا و بلقان کے درمیان بکھرے ہوئے چھ کروڑ مسلمانوں کی زبان ہے۔

میں اپنے طلاّب نور بھائیوں سے یہ کہتا ہوں کہ: صہیونیت جہاں بھی ملے اس کا پیچھا کرو؛ کیونکہ کمیونزم کے موجد یہودی ہیں، اور کمیونزم اب تک وسطی ایشیا، اورال، قفقاس، جرمنی، قرم، آذربیجان، مغربی ترکستان اور ہمارے ہمسائے

مشرقی ترکستان پر غلبہ حاصل کر چکا ہے، اور وہاں چھ کروڑ مسلمانوں کو ان کے حقوق سے محروم کر دیا گیا ہے۔

انڈیا بھی اسی طرح ایک سامراجی اسٹیٹ ہے، اور ''جواہر لعل نہرو'' اور ہندو اسلام کے دشمن ہیں، لیکن افسوس ہے کہ مسلمان ممالک یہ بات نہیں جانتے ہیں، چنانچہ ''نہرو'' کشمیر کے مسلمانوں کا قتلِ عام کر رہا ہے...... انڈیا کے مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک ہو رہا ہے اس کے بارے میں استاد نورسی کو بتائیں تا کہ وہ اس کے خلاف بھی کچھ لکھیں؛ کیونکہ ان کا ہمارے ملک میں بڑا مقام ہے، اور ہم ان کے ساتھ محبت رکھتے ہیں اور ان کی صحت اور لمبی عمر کے لیے دعا کرتے ہیں۔ اس وقت عالمِ اسلام میں ان جیسا کوئی آدمی نہیں ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ مصر میں ''حسن البنا'' تھے، لیکن وہ شہید ہو چکے ہیں، ہمارے ملک میں ''علامہ اقبال'' تھے، لیکن وہ فوت ہو چکے ہیں، یہ ٹھیک ہے کہ اس وقت ''مولانا مودودی'' جیسی بڑی بڑی شخصیات موجود ہیں، لیکن ہمارے استاد جیسی کوئی بھی شخصیت موجود نہیں ہے۔ وہ عالمِ اسلام کے ہیرے ہیں۔ لیکن ان کے بارے میں ابھی تک معلومات بہت کم ملی ہیں، اور ان کی کتابوں کا ابھی تک فارسی، انگریزی اور اردو میں ترجمہ نہیں ہوا ہے۔ مستقبل قریب میں ان شاء اللہ ہو جائے گا۔[1]

استاد نے اپنی زندگی کے قیمتی ماہ و سال جیلوں میں گزارے ہیں، اور جمہوری پارٹی کے کارندوں نے ان پر بڑے سخت ظلم کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جمہوری پارٹی کا دور اور ان کا ظلم و استبداد رخصت ہو گیا ہے اور زمامِ اقتدار اب ڈیموکریسیوں کے ہاتھ میں ہے، اور ہم پاکستانی عدنان مندریس کی حکومت کو پسند کرتے ہیں اور اس کا ساتھ دیتے ہیں؛ کیونکہ اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو ترکی اور پاکستان کے درمیان یہ دوستی قائم نہ ہو پاتی، اور حلف بغداد وجود میں نہ آتا۔ اور ہمارے مابین یہ ایمانی رشتے ناطے قائم نہ ہو پاتے۔

اُستاد کی خدمت میں میری طرف سے جوشیلا سلام اور خالص محبت کے جذبات پیش کرنا۔ اور آپ لوگوں سے درخواست ہے کہ آپ مجھے ان کی ایک فوٹوگرافی تصویر بھیج دیں، تصویر ذرا واضح اور بڑے سائز کی ہونی چاہیے۔

تمام طلابِ نور بھائیوں کو میرا سلام

اسلامی اخوت زندہ باد...... ترک پاکستان دوستی زندہ باد!

الباقی ھو الباقی
پاکستانی طالبِ نور
محمد صابر
آراباد—30/3/1957

☆ ☆ ☆

[1] یہ آرزو بر آئی، اور کچھ عرصے بعد رسائل نور کا ترجمہ شروع ہو گیا۔

محمد صابر کا ایک خط جس میں وہ ترکی میں اسلامی عمل داری پنپنے پر شکر و امتنان کا اظہار کرتا ہے

باسمہ سبحانہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرے محترم معزز وفادار بھائیو!

مجھے آپ کی طرف سے چار قیمتی رسائل پہنچے ہیں اور ان کے ساتھ ایک تصویر بھی ہے۔ اور ہمارے استاد کی ''مقالات'' نامی کتاب بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں آپ کی اس مہربانی پر اپنے شکر و امتنان کے جذبات کا اظہار کرنے سے عاجز ہوں۔

آپ نے خطوط میں بتایا ہے کہ ترکی میں اسلام کو اور رسائل نور کو بڑا فروغ مل رہا ہے، مجھے اس بات سے بہت زیادہ خوشی ہوئی ہے؛ کیونکہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سابقہ حکومت استاد کی دشمن تھی، ان پر ظلم کرتی تھی اور انہیں انواع و اقسام کی تکلیفوں سے دوچار کرتی تھی، لیکن ''مندریس'' جیسے حقیقی مسلمان کی آمد نے اسلام کو دباؤ سے اور ظلم و جبر سے بچالیا ہے، اللہ اُسے جزائے خیر دے اور اسے لمبی عمر عطا کرے۔ ترکی باذن اللہ عنقریب عہدِ رفتہ کو واپس لائے گا اور اپنا کھویا ہوا خصوصی مقام دوبارہ حاصل کرلے گا۔

آپ لوگوں کے ہاں ترکی میں استاد جیسے اور رسائلِ نور کی نشر و اشاعت کا کام کرنے والے لوگوں کی طرح کے بہت سے جلیل القدر علما پائے جاتے ہیں، آپ کی حکومت انہیں اسلامی کانفرنسوں میں اور اسلامی اجتماعات وغیرہ میں کیوں نہیں بھیجتی؛ کیونکہ ترکی میں اس کام کے اہل یقیناً بہت سے لوگ ہیں، اور میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں استاد نورسی جیسا عالم موجود نہیں ہے، اور ہمارے ملکوں میں اس طرح کا عالم پیدا نہیں ہوا۔ یہ بات بڑی افسوسناک ہے کہ ہمارے ملک میں کمیونسٹ روس اور کافر چین کی طرف سے تخریبی افکار کے حامل بہت سے لوگ آتے ہیں اور کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں اور بلاواسطہ وغیر محسوس طریقے سے نوجوانوں کے افکار میں زہر گھولتے ہیں۔ ترکی اگر اس طرح کی تقریبات میں دلچسپی لینا شروع کردے اور یہاں اپنے علما بھیجنا شروع کردے تو یہ کام پاکستان میں اور تمام عالم اسلام میں بڑی اچھی تاثیر کا حامل ہوگا۔ ہم پاکستان میں ترکی کو عالمِ اسلام کے ایک قائد کی حیثیت سے دیکھتے ہیں، یہ اسلام کا مغربی قلعہ ہے، عالم اسلام کا اتحاد اس کے بغیر قائم ہو ہی نہیں سکتا۔

میں نے استاد کے بارے میں جو مضامین لکھے ہیں آپ کو بھیج دیے ہیں، ابھی انہی دنوں میں مَیں نے ان کے بارے میں ایک اور مضمون بھی شائع کیا ہے، جس کا عنوان ہے: ''مشرقی ترکستان چین کے قبضے میں''۔

پاکستان میں ترکی لائبریریاں نہیں ہیں، اور کوئی ترکی ایسا نہیں ملتا جو یہاں اس طرح کا کام کردے، حتی کہ آپ کے

سفارتخانے میں بھی کوئی ایسا آدمی نہیں ملتا جو اردو جانتا ہو، اور وہ پاکستانی نوجوانوں کے ساتھ کوئی میل جول بھی نہیں رکھتے ہیں، اسی طرح ان کے پاس اردو زبان میں ترکی کے بارے میں بھی لٹریچر نہیں ہے، اور انہیں اگر کسی تقریب میں شرکت کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو قبول نہیں کرتے، اور کلچر آفس میں ایسی کتابیں یا دیگر مطبوعات نہیں پائی جاتیں ہیں جن کا دور یا قریب سے دین کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔

ابھی تھوڑے ہی دن پہلے لاہور میں ایک اسلامی کانفرنس ہوئی ہے جس میں ترکی کی کوئی مشہور شخصیت شریک نہیں ہوئی، صرف ڈاکٹر "رہبر" نے شرکت کی ہے، اور وہ پاکستانی ہے اور انقرہ یونیورسٹی کے ایجوکیشن بورڈ میں کام کرتا ہے۔ اس نے اسلام کے خلاف باتیں کیں، جس پر اس پہ چاروں طرف سے لعنتوں کی بوچھاڑ ہوئی، لیکن عام لوگوں نے یہ خبر اخبارات میں پڑھی تو سمجھے کہ وہ کوئی ترکی آدمی تھا، اور اس پر انہیں حیرانی بھی ہوئی۔ میں نے ماہنامہ "سبیل الرشاد" کے لیے ایک مضمون لکھا ہے، جس میں بتایا ہے کہ اس آدمی نے دین اور ترک قوم کی ایک ساتھ توہین کی ہے۔

استاد کے ساتھ خط و کتابت کرنے کے لیے خاص ایڈریس کیا ہے؟ میں ان کی خدمت میں قرآن پاک کا ایک نسخہ اور ان کے بارے میں لکھے ہوئے اپنے مطبوعہ مضامین بھیجنا چاہتا ہوں۔ میں نے آپ لوگوں کے بارے میں بہت سے مضامین لکھے ہوئے ہیں، میں عنقریب انہیں یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کر دوں گا۔

پاکستان میں ہمارے فاضل دوست استاد کے بارے میں پوچھتے رہتے ہیں اور ان کی صحت کے بارے میں اطمینان حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور ہم پاکستانی طلابِ نور انہیں اپنے ہاں آنے کی بھرپور دعوت دیتے ہیں۔

الباقی ھو الباقی

آپ کا بھائی

محمد صابر

☆ ☆ ☆

[اسلامی کانفرنس کے صدر "ظفر آفاق انصار" نے "اسلام کی نشاۃِ ثانیہ" کے بارے میں اپنے مضمون میں مؤلفِ رسائلِ نور استاد نورسی کے بارے میں اظہار خیال کیا۔ اُن کا یہ مضمون "اسٹوڈنٹس وائس" میں شائع ہوا، یہ رسالہ پاکستان کا سب سے بڑا آرگن ہے۔]

وہ مرکز کہ جس سے اس طرح کی سرگرمیاں ابھریں گی وہ یہی جامعات اور ثقافتی مراکز ہیں جہاں سے سعید نورسی کے شاگرد کھیپ در کھیپ پھیل رہے ہیں اور انہیں طلابِ رسائل نور کہا جاتا ہے، یہ نوجوان اپنا شعار اِن الفاظ کے ساتھ بیان کرتے ہیں: ہمارا دستور قرآن ہے، ہماری غرض وغایت یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے منہج کے مطابق زندگی گزاریں، اس

کے دین کا دنیا کے کونے کونے میں بول بالا کر دیں۔ اور اسلام کے ساتھ برسرِ پیکار ہونے والی صیہونیت، کمیونزم اور بدمعاشی کا مقابلہ کریں۔ اور ہم ترکی نوجوان کو اس طرح کا بنانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ وہ اسلام کو اپنے دل کی گہرائیوں سے اپنالے، اور ہم اپنے علاقے کی حفاظت کرتے ہیں اور اس سے خطرات کو دور ہٹاتے ہیں، اور قومی اور نسلی تعصب سے دور رہتے ہیں اور اسلامی وحدت کو بروئے کار لانے کے لیے سرگرم عمل ہیں۔

رسائل نور سے مراد وہ ایک سو تیس رسالے ہیں جو استاد نورسی نے تالیف کیے ہیں، اور طلّابِ نور نے ان کی نشر و اشاعت کی ذمہ داری اٹھائی ہوئی ہے۔

☆ ☆ ☆

پاکستانی اخبارات ورسائل میں اُستاد نورسی اور رسائل نور کے بارے میں شائع ہونے والے مضامین کے چند نمونے

[پندرہ روزہ ''اسٹوڈنٹس وائس'' نے اپنے 31 جنوری 1958ء کے شمارے میں ''ترک جوان بیدار ہو رہا ہے'' کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا تھا، یہ رسالہ اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کا ترجمان ہے اور ہر پندرہ دن کے بعد شائع ہوتا ہے، مستقبل میں بلند اسلامی سوچ فکر رکھنے والے قائدین تیار کرنا اِس کے بنیادی اہداف میں سے ایک ہے۔]

عالمِ اسلام کے اتحاد کے لیے کام کرنے والی اسلامی جماعتوں کا ذکر چھڑا تو پھر ترکی کے طلّابِ نور کا ذکر کرنا بھی ضروری ہو گیا، جن کی بنیاد رکھنے کا سہرا عالم جلیل جناب سعید نورسی کے سر ہے، جن کی عمر اس وقت پچاسی سال ہے۔

اُس انسان نے ترکی کی سرزمین میں اسلام اور اُس کے حقائق کی نصرت کے لیے سرتوڑ کوشش کی، اور اُس کی پاداش میں تیس سال تک قید و بند کی مصیبتیں سہیں، تا آنکہ اُسے 1952ء میں رہا کر دیا گیا۔

لیکن بایں ہمہ وہ عزم کی پختگی، عالی ہمتی اور دور اندیشی اور گہری بصیرت سے آراستہ رہا، جیل میں بیتے ہوئے ماہ و سال اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے اور اس کے عزم بلند کو شکست نہ دے سکے، اس کی اس طویل تر جدوجہد کے طفیل طلّابِ نور کی جماعت وجود میں آئی جو کہ آپس میں بے مثال گہرے رشتوں کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اس کی ''رسائلِ نور'' نامی مؤلفات نے ترک نوجوان کو صیہونیت اور کمیونزم جیسے اسلام کے دو بدترین آئیڈیالوجیکل دشمنوں کے جال سے بچانے میں بہت بڑا کردار ادا کیا ہے۔

پچھلے دنوں وزیر اعظم ''عدنان مندریس'' نے رسائل نور کی نشر و اشاعت پر لگی ہوئی پابندی اٹھا دی ہے۔ اس مناسبت سے ہم نے انہیں ترکی میں پاکستانی سفیر ''صلاح الدین رفعت اربیل'' کی وساطت سے تہنیت و تبریک اور داد و

تحسین کا خط لکھا تھا، اسی طرح ہم نے اپنے سفیر ہی کی وساطت سے استاد نورسی اور طلاب نور کو آداب وتسلیمات بھیجے تھے، ہمارا یہ خط ترکی میں طبع ہو کر ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کیا گیا، اسی طرح ہماری جمعیت کے دستور العمل کا بھی ترکی زبان میں ترجمہ کیا گیا، اور اس کے بالمقابل ہم نے کچھ اہم رسائل نور کا اردو میں ترجمہ کیا۔

اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کی تاسیس پر دس سال گزر جانے کی مناسبت سے ترکی میں اسلامی تحریک کا تعارف کرانے کی غرض سے ترک اسلامی ادبیات کے بارے میں ایک نمائش قائم کی گئی، اور اس میں ہمارے کلیۃ الشریعہ اور مذہبی اُمور کے بورڈ کی مطبوعات رکھی گئی تھیں، اسی طرح اس میں ترکی زبان میں ترجمہ کی گئی بعض کتابیں اور پندرہ کے قریب رسائل نور بھی رکھے گئے، اور طلاب نور کی سرگرمیوں کا تعارف نقشوں اور تصویروں کے ساتھ کرایا گیا۔

☆ ☆ ☆


الصدیق سلطان

۴۳

الخطوات الست

فی دسائس وساوس شیاطین الانس

للعالم الربانی الشهیر بدیع الزمان سعید النورسی

شکر الله سعیه ضاعف اجره ونفع الاسلام بطول حیاته

اعوذ بالله من الشیطان الرجیم

ولا تتبعوا خطوات الشیطان انه لكم عدو مبین

اعلم ان لكل زمان شيطانا انسيا مكملا، او شيطانا انس صورة انسان فرد، او موضح جماعة۔

ماہنامہ ''الصدیق'' میں طبع ہونے والے مضمون ''کفایت شعاری'' کا عربی ترجمہ۔

الصديق ملتان ٣ ربيع الاول ٧٢ م

بحث في الاقتصاد والقناعة وفي الاسراف والتبذير

كتبه الاستاذ النورسي بالتركية وعربه اخوه الاستاذ عبد المجيد

كما تقدم في العدد السابق اننا نسوق الى اصحاب العلم منا اهل باكستان والهند نخبة من بحوث العلماء واهل العرب وغيرهم ننقل هذا الموضوع المعاني الثمين. من رسالة النور التي اهداها الينا احمد رمضان صالح من طلبة النور العراقية. من المكتبة السليمانية نشرها بتشكر وامتنان. والمقالة في الاصل للاستاذ النورسي بالتركية. عربه الاستاذ عبد المجيد

(ابو سعيد)

كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا

ان هذه الآية آمرة بالاقتصاد ناهية عن الاسراف وفي هذه المسئلة رتسح

ماہنامہ ''الصدیق'' میں طبع ہونے والے مضمون میں سے ایک ہے جن میں بعض رسائلِ نور کا عربی اور اردو ترجمہ شائع ہوا۔

''عالمِ اسلام میں تعمیری بیداری کا آغاز'' نامی مضمون سے چند اقتباسات

[یہ مضمون ''اسٹوڈنٹس وائس'' کے 30 اپریل 1958ء والے شمارے میں شائع ہوا۔]

ان دنوں عالم اسلام کے ہر علاقے میں ایک شریفانہ جدوجہد کی کوئی نہ کوئی کہانی وجود میں آ رہی ہے جس کی داد دینا اور اس پر آفریں کہنا بہت ضروری ہے، اور وہ ہے اسلام کی حاکمیت کو بحال کرنے کی جدوجہد۔

ترکی کی بھی اس طرح کی جدوجہد کی اپنی ایک لمبی کہانی ہے، جس کے منجملہ نتائج میں سے ایک نتیجہ برآمد ہوا کہ حکومت نے دینی آزادیوں پر لگائی ہوئی پابندیوں میں کچھ نرمی کردی۔

شاعرِ اسلام ''محمد عاکف'' نے اپنا ''صفحات'' نامی دیوان لکھا تو اُس میں نسلی قومیت پر ایک زوردار حملہ کیا اور لوگوں کو ایک زندہ اور حقیقی نسبت کا شعور بخشا، اور استاد سعید نورسی نے اسلام کی راہ میں انتھک محنت اور پیہم جدوجہد کی، جس کی وجہ سے ان پر ''اتاترک'' کے ساتھ دشمنی رکھنے کا الزام لگ گیا؛ کیونکہ ترکی میں اتاترک کی مخالفت سب سے بڑا جرم شمار ہوتی ہے، اور اُن پر انہیں بدنام کرنے کے لیے باضابطہ حملے کیے گئے، انہوں نے اس راہ میں بہت ظلم سہے اور بڑی تکلیفیں اٹھائیں، لیکن وہ اپنے راستے سے اِدھر اُدھر نہ ہوئے، بلکہ اس سے ان کی عزت میں اضافہ ہوا اور لوگوں کی ان کی طرف توجہ اور زیادہ ہوگئی۔ اس ایک سوتیس کتابوں کے مؤلف عالمِ دین کو جیلوں میں رکھا گیا، اور اس نے اپنا بڑھاپا ان جیلوں میں ہی تکلیفیں اٹھاتے ہوئے گزارا۔ اسے یکے بعد دیگرے زہر دیا گیا — حالانکہ اس وقت ان کی عمر اُسی سال سے زائد ہو چکی تھی — لیکن یہ چیز بھی انہیں اسلام کی خدمت اور مسلمانوں کی سعادت کے لیے کام کرنے سے روک نہ سکی۔

☆ ☆ ☆

مدینہ منورہ میں مقیم ایک عالمِ فاضل کا خط کہ جس نے رسائلِ نور کو سمجھا ہے اور اپنی زندگی اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دی ہے

ہمارے قابلِ صد احترام، فاتح القلوب استاد!

میں آپ کے معزز ہاتھ چومتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو اور آپ کے معزز وفادار طالب علموں کو دائمی صحت وسلامتی سے نوازے رکھے۔

مجھے آپ کے بَری ہونے کی خبر ملی ہے جسے تمام مسلمانوں کے لیے عید کا دن کہنا چاہیے، اس خبر سے مجھے دیگر تمام طلبہ کی طرح بہت خوشی ہوئی اور دل باغ باغ ہوگیا، خوشی کیوں نہ ہو، اس برأت کا مطلب ہے روح کی مادیات پر، نور کی ظلمات پر، ایمان کی کفر پر، حق کی باطل پر، توحید کی شرک پر اور معرفت کی جہالت پر فتح، اور مادیات، ظلمات، باطل اور کفر کی شکست!

جی ہاں، گزشتہ کافی سالوں میں نور کے فیضان کے آگے فلک بوس پہاڑوں جیسی اونچی اور اتھاہ کھائیوں جیسی گہری رکاوٹیں کھڑی کی گئیں، لیکن رسائل کی آبشار معجزانہ طور پر ان دیواروں کو گراتے ہوئے، رکاوٹوں کو توڑتے پھوڑتے اور نور کے ساتھ ظلمات کو پاش پاش کرتے ہوئے اپنا راستہ خود بناتی گئی اور بہتی رہی، اور بہہ رہی ہے۔

سنتے تو یہ آئے ہیں کہ ''وہ الٰہی تجلیات جو معجزاتی خوارق کے ہمراہ جھلملاتی اور نظر آتی ہیں، انہیں قلم بند کرنے سے قلم عاجز آجاتے ہیں، افکار لرز جاتے ہیں، اور الہام کا شعلہ بجھ جاتا ہے اور راکھ ہو جاتا ہے۔'' جس حقیقت کا احساس مجھے ہو

رہا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ مجھے ایسے محسوس ہو رہا ہے کہ یہ عاجزی اس منفرد فتح و کامرانی کے سامنے میرے سراپے کو نیست ہی کر دے گی؛ کیونکہ میرے فکر والہام کے سامنے وسیع وعریض قسم کے غیر متناہی آفاق کھلتے چلے جا رہے ہیں، اور دنیا میری آنکھوں میں ایک ہیبت خیز نورانی مسجد کی صورت میں مرتسم ہو رہی ہے، اور میرے اردگرد کی تمام چیزوں پر ایک گہرے وجد اور ہمہ گیر استغراق کی حالت چھا رہی ہے، اور ہر ذرّے میں اللہ تعالیٰ کے فرمانِ گرامی: ﴿وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ﴾ کے دامن سے برآمد ہوتا ہوا سبحانی راز جگمگا رہا ہے...... چنانچہ میں حیران ہوں کہ اس سعادت سے بھرپور انوکھے واقعے کے بارے میں کیا کہوں، اسے نصرِ عظیم کہوں؟ یا فتحِ مبین؟ یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت ونگہداشت اور نجات دہی؟ یا چاردانگ عالم کو خوشیوں سے نہال کر دینے والی عید؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ نُصرتِ الٰہی کہ جس کا تاج اِس قدسی دعوت نے پہن لیا ہے، اس نے عالمِ اسلامی اور عالمِ انسانی میں دعوت کا کام کرنے والے مجاہدین کے عزائم کو مضبوط کر دیا ہے۔ اور ان کے ایمان میں جوش وجذبہ اور آگے بڑھنے کا حوصلہ بھر دیا ہے۔

جی ہاں، نا اُمیدی کے بادل ایسے بہت سے مسلمانوں پر چھا رہے تھے جن کے ایمان، عزم، باہمی جانثاری اور امید کے عقائد و جذبات ابھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچے تھے، چنانچہ وہ اس طرح کی فتح و کامرانی کے ظہور میں آنے کو ''این خیال است ومحال است وجنوں'' کی ایک قسم سمجھتے تھے، لیکن رسائلِ نور آئے تو انہوں نے اپنے لیے نور اور مدد کا سرچشمہ اُس قرآن کریم کو بنایا جو عرشِ اعظم کے آفاق سے نازل ہوا ہے اور تمام تر نوعِ بشر کے لیے آفتابِ ہدایت وارشاد ہے...... چنانچہ ان رسائل نے آکر دلوں کے ٹھہرے ہوئے پانیوں میں حرکت پیدا کر دی اور انہیں موجزن سمندروں میں تبدیل کر دیا، اور جفاکاری وحرماں نصیبی کی ان دیرینہ زنجیروں کو توڑ دیا جنہوں نے امیدوں اور آرزوؤں کو جکڑ رکھا تھا۔

یہ رسائل جو کہ نور کے چشمے کی حکمت سے لبریز ہو کر نکلے ہیں، اِن رسائل نے انسان کے افکار ومشاعر میں پنہاں اور خاص طور پر اس کی روح کی گہرائیوں میں اور اس کے بھڑکتے اور مچلتے ہوئے جذبات واحساسات میں براجمان ان تمام ازلی وابدی حاجات وضروریات کے لیے سامان مہیا کیا ہے اور انہیں بحرِ ظلمات کی تند وتیز موجوں سے اور اس کے گھنگھور گردابوں سے نکال کر نور کے صاف شفاف تابناک آفاق میں لا کھڑا کیا ہے۔

گھمبیر خاموشی، گہری غفلت اور گلوگیر ظلمت کے طویل سالوں کے بعد کہیں جا کر یہ قُدسی فتح ونصرت آفتابِ الٰہی بن کر چمکی اور اس نے نور کے راستے کی تلاش میں ٹامک ٹوئیاں مارتی ہوئی حیران وسرگردان انسانیت کو بہت جلد حاصل ہو جانے والی بیداری کی خوشخبری سے نوازا؛ کیونکہ دین صرف مسلمانوں کی ہی ضرورت نہیں ہے، بلکہ یہ تمام تر بنی نوع انسان کی ازلی وابدی ضرورت ہے، اور دین کی نعمت سے محرومی کی پریشانیوں کی وجہ سے اس بدبخت نوعِ انسان کے سینے میں آگ بھڑک رہی تھی۔ اور اُس کے انتہائی ناخوشگوار اور مہلک نتائج کے لیے یہی کافی ہیں کہ اسے صرف پچیس سال کے دوران دو دفعہ عالمی جنگ کا مزا چکھنا پڑا، اور اب یہ پورے جوش وخروش کے ساتھ تیسری عالمی جنگ کے دروازے کھٹکھٹانے کے لیے بے چین ہے۔

آج یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو چکی ہے کہ اسلام ہی وہ واحد قوت ہے جو بنی نوعِ انسان کو ایک ہی عالمی جھنڈے کے نیچے اکٹھا کرنے اور ان کے درمیان مؤاخات قائم کرنے کی قدرت رکھتا ہے، اس جھنڈے کے سائے کے نیچے آنے والوں پر نور کے آفاق سے اور نعمتوں کی جنتوں سے امن واستقرار اور سعادت ورفاہیت کی معطر ہوائیں چلیں گی؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ نوعِ بشر کی حالت آج تقریباً وہی ہو چکی ہے جو اسلام سے پہلے تھی، لیکن اسلام نے جس طرح اسے ان دنوں اس کی ابدی پریشانیوں سے نجات دلائی تھی، آج بھی وہی کام نئے سرے سے کرنے پر قادر ہے۔

جی ہاں، یہی ایک واحد مشفق ہاتھ ہے جو صدیوں سے رِستے ہوئے لاکھوں بلکہ کروڑوں دلوں کے زخموں پر مرہم رکھے گا۔ افق پر وقتاً فوقتاً کتنی بھی دھوکہ دینے والی روشنیاں نمودار کیوں نہ ہوتی رہیں، غروب ہو جانے والے سورجوں سے حاصل کی جانے والی روشنیوں کا کوئی مستقبل نہیں، بلکہ مستقبل اس ازلی ابدی سورج کا ہے جو اپنا نور اور دیگر سامانِ زیست براہِ راست ربّ العالمین سبحانہ وتعالیٰ سے حاصل کرتا ہے، یہی سورج رہتی دنیا تک رہے گا، اور یہی سورج ہر اس چیز کو جلا کر راکھ کر دے گا جو اسے بجھانے کی کوشش کرے گی۔

میرے قابلِ صد احترام استاد! آپ پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ان دنوں دعوت وارشاد کی اور ضو پاش یعنی روشنی پھیلانے کی دعویدار کچھ تحریکیں سامنے آ گئی ہیں جو اس مقدس دعوت کی خدمت کر رہی ہیں، لیکن ان میں سے کوئی تحریک بھی وہ کام نہیں کر پائی جو رسائل نور نے کر دکھایا ہے، اور ان میں سے کسی کو وہ نصرتِ خداوندی نصیب نہیں ہوئی جو رسائل کو ہوئی ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسائل نور کا اختیار کردہ راستہ ہی وہ راستہ ہے جس پر انبیاؑ، اولیاؒ، اور عارفین وصالحینؒ چلے ہیں، اور خاص طور پر جس پر وہ لاکھوں شہدأ چلے ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار کی راہ میں اپنی جانیں قربان کر دیں۔ اس دشوار گزار راستے پر جو بھی چلنا چاہتا ہے، اس کا یہ حق بنتا ہے کہ وہ ان تمام رکاوٹوں اور گھاٹیوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھے جو اس کی راہ میں حائل ہونے والی ہیں، اور اس کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اس طرح کا راسخ ایمان پیدا کرے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے، اور پھر اسے چاہیے کہ وہ اس بلند تر معرفتِ خداوندی سے بھی مزین ہو جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ارزانی کی ہے، اور پھر یہ کہ وہ آپ جیسے منفرد قسم کے اخلاص کا مالک ہو اور خاص طور پر اپنی ذات سے بالکل ہی چھٹکارا حاصل کر چکا ہو؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ دعوت وارشاد اور روشنی پھیلانے کے وہ اصول جن کے نقشِ پا پر رسائل نور چل رہے ہیں، بالکل منفرد قسم کے امتیازات کے حامل ہیں۔

میں آپ سے دعا کی درخواست کرتا ہوں، کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس ضمن میں ایک عمیق قسم کا مقالہ لکھنے کی توفیق دے جو فکر وشعور اور روح ووجدان میں نئے آفاق کھول دے، تا کہ میں وہ مقالہ ایک مستقل مفصل کتاب میں اپنے دینی بھائیوں کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف حاصل کر سکوں، کیونکہ یہ نوری موضوع اتنا گہرا اور اتنا اہم ہے کہ چند مقالات اور مختصر سے رسائل وغیرہ میں اس کے بارے میں بات کرنا ممکن ہی نہیں۔

وہ نوجوان کہ جن کے پاکیزہ دل آپ نے قرآن اور ایمان کے نور سے کھول دیے ہیں وہ بیش قیمت ہیرے، اور اہم ترین مخلوق ہیں، اور وہ اس نصرتِ الٰہی کی تابندہ تر دلیل ہیں، اور یہ پاکباز نوجوان کہ جن کی اصیل ارواح و مشاعر کو میں نے اپنے ''صدائے نور'' نامی قصیدے کے ہر شعر میں مخاطب کیا ہے، یہ وہی تو جوان ہیں جن کے دل حق اور حقیقت کی محبت سے دہک رہے ہیں۔

میں آپ کی خدمت میں اپنا وہ الہامی قصیدہ پیش کر رہا ہوں جو اس فتح و نصرت کے وجد سے لبریز ہے جو دعوتِ نور کو حاصل ہوئی ہے۔ امید ہے کہ آپ اسے شرفِ قبولیت سے نوازیں گے۔

استادِ محترم! میں آپ کے مبارک ہاتھ بار بار چومتا ہوں، اور آپ کی بابرکت دعاؤں کا امیدوار ہوں۔

آپ کا ایک روحانی بیٹا

علی عُلوی

☆ ☆ ☆

استنبول کی عدالت سے ''رہنمائے شباب'' کے مقدمے میں برأت کے فیصلے کی مناسبت سے ''بغداد'' سے مبارکبادی کا ٹیلیگراف ماہنامہ ''سبیل الرشاد'' استنبول

ہم حضرت العلّام بدیع الزمان کے حق میں بے گناہی کے عدالتی فیصلے کا انتہائی سرور و شادمانی کے ساتھ استقبال کر رہے ہیں، اور اس مبنی بَرعدل فیصلے کی بنا پر کہ جس نے ہمارے دلوں کو خوشیوں سے بھر دیا ہے، ہم مؤقر عدالتی بورڈ اور قابلِ احترام رضا کار وکیلوں کے تہِ دل سے شکرگزار ہیں، اسی طرح ہم آپ کے اس میگزین کی وساطت سے اپنے استاد گرامی اور طلّابِ نور بھائیوں کو دل کی گہرائیوں سے مبارکباد دیتے ہیں۔

امجد زُہاوی

عراق

☆ ☆ ☆

عراق سے ایک طالب نور کا خط استاد نورسی کے ان چند تحریری کلمات کے بارے میں جن کی درخواست ان سے پاکستان کے طلابِ نور نے کی تھی

پچھلے دنوں پاکستان میں اسٹوڈنٹس کانفرنس ہوئی، کانفرنس کے کچھ کارپردازوں نے اس بارے میں استاد نورسی سے

کوئی توجیہی خط طلب کیا تھا، اور ذکر کیا تھا کہ اس خط کا خاطر خواہ اثر ہوگا۔ اور ہمیں پتا چلا تھا کہ ''صالح اوز جان'' بھائی نے طلاّب نور کی ترجمانی میں ایک خط لکھ دیا تھا۔

اس کے فوراً بعد انہوں نے مجھے خط لکھا جس میں کانفرنس کے بارے میں تفصیلی رپورٹ تھی، اور انہوں نے یہ تمنا بھی کی تھی کہ میں استاد کو اس کے بارے میں بتا دوں؛ کیونکہ کانفرنس میں استاد کے بارے میں اور رسائل نور کے بارے میں بڑے پُروقار طریقے سے اور حوصلہ افزائی اور دادِ تحسین کے لہجے میں بات ہوئی تھی، کمیونسٹ سٹوڈنٹ اس سے بڑے سیخ پا ہوئے اور انہوں نے اس پر اعتراضات کیے، لیکن کانفرنس کے صدر نے وہ تمام اعتراض رد کر دیے، اسی طرح کانفرنس میں استاد کی تصویر بھی دکھائی گئی۔ اور عنقریب ہم ایک خصوصی نمبر نکال رہے ہیں جس میں رسائل نور اور طلاب نور کے بارے میں تصویروں اور نقشوں کے ساتھ تفصیلی تعارف پیش کیا جائے گا۔

خالص آداب وتسلیمات کے ساتھ

احمد رمضان

☆ ☆ ☆

ماہنامہ ''الدفاع'' میں بغداد کے لکھاری استاد عیسیٰ عبدالقادر کا مضمون

استاد عیسیٰ عبدالقادر نے طلاّبِ رسائل نور کے بارے میں ایک بحث لکھی جو کہ اسی مذکورہ ''میگزین'' میں شائع ہوئی، اس نے لکھا کہ:

''طلاّبِ نور'' اور ''الاخوان المسلمون'' کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ ان دونوں میں کون سی چیزیں متفق ہیں اور کون سی مختلف؟ کیا ترکی میں طلاب نور ''الاخوان المسلمون'' ہی کی طرح اسلامی اتحاد کے لیے سرگرمِ عمل ہیں جو کہ مصر اور دیگر عرب ممالک میں پھیلی ہوئی ہے؟ کیا طلابِ نور انہی میں سے ہیں؟ میں ان سوالوں کے جواب دے رہا ہوں:

علی الرغم اس کے کہ طلاب نور اور اخوان المسلمین قرآنی اور ایمانی حقائق کی خدمت کے لیے اور مسلمانوں کی دنیاوی اور اخروی سعادت کو بروئے کار لانے کے لیے تگ ودو کر رہے ہیں، لیکن طلاّبِ نور اور اخوان المسلمین کے درمیان پانچ بنیادی فرق ہیں:

پہلا فرق: طلاّبِ نور سیاست میں دلچسپی نہیں لیتے، بلکہ اس سے دور بھاگتے ہیں، اور اگر کبھی انہیں مجبور ہو کر اس میں حصہ لینا پڑ ہی جائے، تو وہ سیاست کو الحاد و لادینیت کا آلۂ کار بنا لینے والے لوگوں کے مقابلے میں دین کے تقدس کا اظہار کرنے کے لیے سیاست کو دین کا آلۂ کار نہیں بناتے، یعنی وہ سیاست سے بھی دین کا کام نہیں لیتے ہیں، لیکن یہ یاد رہے کہ اُن کی قطعی طور پر کوئی سیاسی تنظیم نہیں ہے۔

لیکن اخوان المسلمین اپنے ملک کے حالات کے پیش نظر دین کی مصلحت کی خاطر سیاست میں حصہ لیتے ہیں، اس بنا پر وہ ایک سیاسی تنظیم کی شکل میں ہیں۔

دوسرا فرق: طلابِ نور اپنے استاد کی مجلس میں اکٹھے نہیں ہوتے، اور یہ ان کی مجبوری بھی نہیں ہے، بلکہ وہ اس چیز کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے، اسی طرح ان کی رائے میں درس وغیرہ لینے کے لیے بھی اکٹھا ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہر جگہ نوری مدرسے کی حیثیت رکھتی ہے، اور صرف رسائلِ نور کی موجودگی ضروری ہے، جہاں رسائل ہوں گے وہاں ہر رسالہ ''سعید نورسی'' کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے اور انہیں تعلیم دے دیتا ہے۔

پھر وہ جہاں تک ان سے ہو سکے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر بغیر کسی عوض معاوضے کے رسائل کی کاپیاں کرتے رہتے ہیں، اور ضرورت مندوں میں مفت تقسیم کرتے ہیں، ان کی خواہش صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ اُسے پڑھے یا کوئی اسے پڑھ کر سنائے، اور اس طرح تمام علاقہ مجموعی صورت میں ایک مدرسۂ کبریٰ کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔

لیکن اخوان المسلمین اپنے مرشد اور اپنے قائدین سے ملنے کے لیے اور ان سے سیکھنے اور رہنمائی حاصل کرنے کے لیے اپنے مرکزی اداروں میں جاتے ہیں، اسی طرح وہ برانچوں میں اور عوامی مراکز میں ان اہم شخصیات کے ساتھ ملاقاتیں کرتے ہیں جو مرشد کے قائم مقام یا اس کی نائب ہوتی ہیں، اور ان سے درس لیتے اور رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

اور دوسری طرف وہ جماعت کے مرکز سے صادر ہونے والے اخبارات و رسائل اور دیگر مطبوعات خریدتے ہیں اور انہیں اپنی معلومات کا سرچشمہ بناتے ہیں۔

تیسرا فرق: طلابِ نور اپنے علوم و دروس رسائلِ نور کے مذاکرے اور آپس میں علمی مراسلات کے تبادلے سے حاصل کرتے ہیں، اور اس معاملے میں ایسے ہی ہیں کہ جیسے کسی یونیورسٹی یا کسی ہائی انسٹیٹیوٹ کے سٹوڈنٹ ہوں، چنانچہ اس طرح ایک شہر یا ایک صوبہ ایک مدرسۂ کبریٰ کا رُوپ دھار جاتا ہے، جس میں وہ علیحدہ علیحدہ اور ایک دوسرے سے دور دور کے شہروں اور دیہاتوں میں رہنے کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات نہ کرنے کے باوجود اور ایک دوسرے کو نہ جانتے ہوئے بھی انفرادی طور پر ایک دوسرے سے پڑھتے پڑھاتے رہتے ہیں اور اکٹھے بھی اس مدرسے میں درس لیتے رہتے ہیں۔

لیکن اخوان المسلمین اپنے علاقوں کے حالات کے پیشِ نظر کتابیں اور اخبارات و رسائل شائع کرنے کا اور انہیں ہر طرف پھیلانے کا طریق کار اپناتے ہیں، اور اس طریقے سے ان کا آپس میں وسیع پیمانے پر تعارف بھی ہوتا رہتا ہے اور میل جول بھی بڑھتا رہتا ہے۔

چوتھا فرق: طلابِ نور ان دنوں بہت سے اسلامی ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں، اور باوجود اس کے کہ ہر ملک کے اپنے

اپنے خصوصی سیاسی نظام ہیں، تاہم طلاب نور کو اپنے اجتماعات منعقد کرنے کے لیے اور اپنی سرگرمیوں کو پروان چڑھانے کے لیے ان حکومتوں سے اجازت لینے کے لیے مجبور نہیں ہونا پڑتا؛ کیونکہ ان کے مسلک میں سیاست یا پارٹی بازی کا وجود ہی نہیں ہے۔

لیکن اخوان المسلمین کا چونکہ سیاست کے ساتھ تعلق ہے، اور وہ ایک تنظیم کی شکل میں ہیں، اور انہیں اپنے مراکز اور اپنی برانچیں کھولنے کی ضرورت ہے؛ اس لیے انہیں طلاب نور کے برعکس وہاں حکومتوں سے اجازت لینے اور پرمٹ حاصل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ مصر میں اپنے ہیڈ آفس کے علاوہ سوریا، لبنان، فلسطین، اردن، سوڈان، مغرب اور عراق وغیرہ میں انہوں نے اپنی بہت سی برانچیں اسی بنیاد پر کھولی ہوئی ہیں۔

پانچواں فرق: آپ دیکھیں گے کہ طلاب نور معاشرے کے مختلف طبقات کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، جن میں مرد، عورتیں اور سات آٹھ سال کے بچے تک شامل ہیں جو مساجد میں قرآن پڑھنا سیکھتے ہیں، ان بچوں سے لے کر اسی نوے سال کے بوڑھوں تک...... پھر دیہاتی مزدوروں سے لے کر پارلیمنٹ کے ارکان تک، ایک چھوٹے سے سپاہی سے لے کر بڑے افسر تک، سب طرح کے لوگ شامل ہیں...... اس تنوع اور تفاوت کے باوجود ان سب کا مقصد ایک ہی ہے، اور وہ ہے قرآن کی رہنمائی سے رہنمائی حاصل کرنا اور ایمان کے حقائق کی برکت سے جگمگا اٹھنا، رہا ان کا کام اور ان کی اہم ترین مصروفیت، تو وہ ہے علم وعرفان کی اور ایمانی حقائق کی نشر واشاعت کرنا، اس کے علاوہ ان کا کوئی اور شغل نظر نہیں آتا ہے۔

عدالتوں کی پریشانیاں اور دشمنوں کی فریب کاریاں اٹھائیس سال تک ان کا پیچھا کرتی رہیں، لیکن وہ انہیں مجرم ثابت کرنے اور ان کی جمعیت کو پارہ پارہ کرنے میں ناکام رہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مقدس خدمت کے علاوہ ان کی کسی اور غرض وغایت کا سراغ ہی نہیں مل سکا۔

پھر یہ لوگ خود کو اپنے گروہ کو بڑھانے اور اپنے مؤیدین میں اضافہ کرنے کے لیے مجبور نہیں سمجھتے، بلکہ یہ کہتے ہیں: ''ہماری ذمہ داری پیروکاروں کی کھوج میں رہنا نہیں بلکہ ایمان کی خدمت کرنا ہے، اس لیے جو ہمیں چاہے گا پالے گا''۔ مطلب یہ کہ یہ لوگ کمیت کو اہمیت نہیں دیتے بلکہ حقیقی اخلاص کے پیکر ایک آدمی کو دیگر سو لوگوں پر ترجیح دیتے ہیں۔

لیکن اخوان المسلمین اگرچہ لوگوں کو اسلامی علوم ومعارف کی تحصیل پر اور ایمانی حقائق پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونے کے لیے طلاب نور کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں، لیکن سیاست کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے کمیت کو اور جماعتی اعضاو ارا کین میں اضافے کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور انصار واتباع کی تلاش میں رہتے ہیں۔

چھٹا فرق: مخلص طلاب نور مادی منافع جات کو بالکل اہمیت نہیں دیتے ہیں، چنانچہ ان میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو میانہ روی، کفایت شعاری اور صبر واستغنا جیسی صفات سے آراستہ ہیں اور مالی طور پر کمزور ہونے کے باوجود

معاشرے میں کمائی کے مروّجہ طریقوں سے کسی حد تک جان ہی چھڑاتے ہیں؛ صرف اس مقصد کے تحت کہ قرآنی خدمت کے لیے پوری تندہی اور پورے اخلاص کے ساتھ کام کر سکیں، اور تا کہ وہ حقیقت اور اخلاص کی جو دعوت دے رہے ہیں اس میں قول وعمل کے اختلاف کی ملاوٹ نہ ہونے پائے، اور یہ قُدسی خدمت اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا کسی اور غرض وغایت کا وسیلہ نہ بن جائے۔

رہے اخوان المسلمین، تو وہ مقصد اور غرض وغایت کی ماہیت میں تو طلاّب نور کے ہمقدم ہی ہیں، لیکن اپنے حالات و واقعات کی رُو سے ان کے لیے دنیا کو طلاّبِ نور کی طرح چھوڑنا ممکن نہیں، اور وہ خود کو اس آخری درجے کی قربانی کے لیے مجبور نہیں سمجھتے ہیں۔

عیسیٰ عبدالقادر

بغداد سے صادر ہونے والے ایک اہم اور سیاسی میگزین میں مطبوعہ مضمون پر مُحرر ''عیسیٰ عبدالقادر'' کا تبصرہ

ماہنامہ ''الدفاع'' کے قارئیں مجھ سے طلاّبِ نور کے مرشد بدیع الزمان سعید نورسی کے بارے میں پوچھتے رہتے ہیں اور ان کے بارے میں اور طلاّب نور کے بارے میں مزید معلومات مانگتے ہیں، لیکن میں اُن کی بات سنجیدہ شکل میں اور مفصل طور پر کرنے کے لیے ہمت بڑھانے کی خاطر اس کا جواب اختصار کے ساتھ دوں گا؛ کیونکہ ہم عرب لوگ جو کہ اسلام کے بنیادی عنصر اور بنیادی مواد کی ترجمانی کر رہے ہیں، ہمارے ذمے استاد کا، رسائلِ نور کا اور طلاّبِ نور کا بہت زیادہ حق ہے، اور ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ رسائلِ نور کے گراں قدر فوائد ظہور میں آنا شروع ہو گئے ہیں۔

میں کہتا ہوں: ترکی ہو یا عرب ممالک، طلاّبِ نور کمیونزم کے سامنے نا قابلِ عبور دیوار بن کر کھڑے ہوتے ہیں۔

میں نے اپنے مضمون میں جو کچھ لکھا ہے اس کا تعلق اس دور سے ہے کہ جب ڈیموکریٹک پارٹی نے زمامِ اقتدار ابھی اپنے ہاتھ میں نہیں لی تھی، اس بنا پر طلاّبِ نور کی تعداد پانچ لاکھ نہیں ہے جیسے کہ سرکاری وکیل نے ذکر کیا ہے، بلکہ آج ان کی تعداد دس لاکھ سے بھی بڑھ چکی ہے اور مسلسل بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

رہے رسائل نور، تو صرف ترکی اور اسلامی ممالک میں ہی نہیں، بلکہ دیارِ غیر میں بھی وسیع پیمانے پر پھیلتے جا رہے ہیں، اور ان کی طلب ورغبت والہانہ انداز میں بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔ حق بات یہ ہے کہ کوئی بھی چیز طلاّب نور کی ہمت کو پست نہیں کر سکتی اور ان کے جوش وجذبے کو ٹھنڈا نہیں کر سکتی۔ اور اس بات کا بھی اقرار کرتے ہی بنتی ہے کہ وہ عظیم الشان خدمت جس کی ذمہ داری رسائلِ نور نے اور طلاب نور نے اپنے کندھوں پر اٹھائی ہے اس نے ڈیموکریٹک پارٹی کے اقتدار میں آتے ہی بڑا ازدحام دیکھا ہے اور لوگ انبوہ در انبوہ اس میں شامل ہوئے ہیں۔ ترکی میں ڈیموکریٹک پارٹی کی

اقتدار میں آمد نے عالمِ اسلام کی اسلامی تحریکوں کی جانب سے بڑی داد و تحسین حاصل کی، اسی طرح عراق کی عرب، کرد اور ترکمان جیسی مختلف اقوام سے ترکیب پائی ہوئی عراقی مسلمان قوم کی طرف سے اس اسلامی خدمت اور مقدس جہاد کا انتہائی خوشی اور تشکر و امتنان کے ساتھ استقبال کیا گیا۔ اور ہمیں اس بات کا پورا پورا یقین ہے کہ ہمارے ترک بھائی ان رسائل نور کے ذریعے یورپ کے تخریب کار اثر و نفوذ کا راستا ضرور روکیں گے۔

عیسیٰ عبدالقادر

☆ ☆ ☆

جامعہ ازہر میں زیر تعلیم ترک طلبہ کی طرف سے ''رہنمائے شباب'' نامی کتاب کی براءت کے عدالتی فیصلے پر تہنیت و تبریک کا خط۔

قاہرہ

13/4/1952

استادِ گرامی حضرت بدیع الزمان سعید نورسی!

آپ کی قرآن کریم سے الہام شدہ قیمتی تالیفات ایمان کی روشنی کی برکت سے دلوں کو منور کرتی ہیں اور معاشرے میں امن و استقرار کی بنیادیں استوار کرتی ہیں، اور آخرت کے راستے کا حقیقی لنک مہیا کرتی ہیں۔

آپ کی ''رہنمائے شباب'' نامی کتاب کی برأت کے فیصلے کی خبر سے ہمیں انتہائی خوشی ہوئی ہے، اور اس مناسبت سے ہم آپ کو اور ترکی میں عدل پرور ڈیموکریٹک عدالتوں کو اپنے دلوں کی گہرائیوں سے مبارکباد دیتے ہیں۔

ہمارے انتھک مجاہد استاد کہ اس دور میں جن کی نظیر ملنا مشکل ہے، جنہوں نے اپنی زندگی اسلام کے دفاع کے لیے وقف کردی ہے، اور ترک قوم کی خدمت کو اپنے لیے عزت اور شرف کا باعث سمجھا ہے!

تمام عالمِ اسلام اور عالمِ انسان کی طرف سے آپ کا بہت بہت شکریہ...... اسی طرح ہماری طرف سے بھی بہت بہت شکریہ، اگرچہ ہمارا یہ شکریہ آپ کا وہ حق ذرہ برابر بھی ادا نہیں کرسکتا جو ہمارے ذمّے ہے۔

ہم آپ کی بابرکت دعاؤں کے طلبگار ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ سے اور آپ کے ساتھ محبت رکھنے والوں سے مکمل طور پر راضی ہو جائے۔

حاجی علی قلنچ اَلپ
ترجمان
ترک اسٹوڈنٹس ازہر یونیورسٹی

ایک ایرانی طالب علم کا خط استاد نورسی کے نام

جمہوریہ ترکی کے صوبے ''اسپارٹا'' کی ایک بستی ''بارلا'' میں مقیم استاد محترم حضرت بدیع الزمان صاحب!

سب سے پہلے تو میں آپ کو سلام مع الاحترام پیش کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے آپ کی صحت و عافیت کے لیے دعا کرتا ہوں۔ آپ نے مجھ فقیر کے بارے میں پوچھا ہے، تو میں یہ بتاتے ہوئے خوشی محسوس کر رہا ہوں کہ میں ایران کے صوبے ''رضائیہ'' کے علاقے کے ''دیزح'' نامی گاؤں میں رہ رہا ہوں۔

پچھلے چالیس سالوں میں حالات واوضاع واطوار میں جو تبدیلیاں آئی ہیں، ان کی وجہ سے، اور اس وجہ سے بھی کہ میں آبادیوں سے کٹے ہوئے ایک دُور دراز کے پسماندہ علاقے میں رہتا ہوں؛ آپ کے بارے میں مجھے خاطر خواہ معلومات نہیں مل سکیں، جبکہ آپ کے بارے میں خیر خبر حاصل کرتے رہنا میری سب سے بڑی رغبت اور آرزو تھی۔ اور اب میں اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ انہی دنوں میں ایران سے تعلق رکھنے والے ایک افسر ہمارے محترم بھائی ''طیّب'' کی وساطت سے آپ کی خیر خبر کا پتا چل گیا ہے۔

اور اس بات سے مجھے اتنی خوشی ہوئی ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے خاص لطف و کرم کے ذریعے آپ کی حفاظت فرمائے اور اسلام کی خدمت کرنے اور ابنائے اسلام کو سعادت مند بنانے کے لیے آپ کا سایہ تادیر ہم پر قائم رکھے، آمین!

دوسری خوشی کی بات یہ ہے کہ مجھے اپنے اسی بھائی کی وساطت سے آپ کی ''عصائے موسیٰ''، ''رہنمائے شباب'' اور ''نور کا پہلا دروازہ'' اور اس طرح کی دیگر قیمتی کتابیں مل گئی ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے ان سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق دے۔

آپ کی طرف لکھے جانے والے اپنے اس پہلے ہی خط کو میں طول نہیں دینا چاہتا۔ بس اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں آپ کی بابرکت زندگی سے نوازے رکھے اور آپ کو صحت و سلامتی عطا فرمائے۔ اور مجھے اس بات کی بھی بہت زیادہ اُمید ہے کہ آپ الطاف کریمانہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھے ایک آدھ خط لازمی لکھیں گے۔

آپ کا محب
سید عبداللہ بن
سید عبدالقادر

☆ ☆ ☆

سُوریا کے ایک ننھے طالبِ نور کی طرف سے استاد بدیع الزمان سعید نورسی کو ایک خط

فخرِ اسلام، استادِ اعظم حضرت بدیع الزمان صاحب:

میں پورے احترام کے ساتھ آپ کے روئے تابدار کا بوسہ لے رہا ہوں، میں سوریا میں سب سے زیادہ کم سن طالبِ نور ہوں، یعنی میری عمر ابھی صرف چھ سال ہے، میں نے اور میرے ساتھ میرے گیارہ دوستوں نے اس رمضان شریف کے چھبیسویں روزے میں قرآن کریم ختم کیا ہے۔ اور ہم تمام دوست نماز کے پابند ہیں۔

میں آپ کی خدمت میں یہ خط ''اورفا'' کے ایک طالب نور کی وساطت سے بھیج رہا ہوں اور اس میں مَیں نے اپنی ایک تصویر بھی رکھ دی ہے، میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس کی بیک سائڈ پر اَز راہِ کرم اپنے مبارک ہاتھ سے ایک دو جملے لکھ دیں اور مجھے واپس بھیج دیں۔

میرے والدِ محترم عبدالہادی آپ کے مبارک ہاتھوں کو بوسہ دے رہے ہیں اور آپ سے دعا کی درخواست کر رہے ہیں۔

حسین عبدالھادی
طالب نور، موضع ''عالیہ'' تحصیل
''درباسیہ''۔ سوریا۔

☆ ☆ ☆

[رسائل نور عالمِ اسلام کی طرح یورپ میں بھی بہت زیادہ حسنِ قبول سے نوازے گئے، بطورِ مثال ذیل میں ہم فِن لینڈ کے علاقے ''تامبری'' میں اسلامی محلے کے امام ''حبیب الرحمان شاکر'' کی طرف سے موصول ہونے والے دو عدد خط درج کر رہے ہیں۔]

میرے قابلِ احترام بھائی!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی ارسال کردہ ''المثنوی العربی النوری'' نامی بیش قیمت کتاب مجھے مل چکی ہے، اس تحفے پر میں آپ کا بہت زیادہ شکر گزار ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ آپ کو آپ کے مقاصد میں کامیاب کرے۔

یہ نفیس تحفہ میرے لیے بہت قیمتی اور بہت ہی زیادہ مفید ہے، یہ دعوتی عمل میں میرا معاون ثابت ہوگا۔ اور بلاشبہ ایک ایسا صدقہ جاریہ بنے گا کہ جس کا اجر و ثواب — باذن اللہ — کبھی ختم نہیں ہوگا۔

آپ سے یہ درخواست ہے کہ کتاب کے مؤلف استاد سعید نورسی کا تعارف بھی کرا دیں۔

حبیب الرحمن شاکر

شاکر امام و مبلغ مرکزِ دعوت اسلامی، اسلامی محلہ، تامری، فن لینڈ

☆ ☆ ☆

فِن لینڈ کے طالبِ نور شیخ حبیب الرحمن شاکر کا دوسرا خط جو کہ یورپ میں رسائل نور کی پذیرائی اور حسنِ فروغ کا نمونہ پیش کرتا ہے

برادرانِ عزیز!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پچھلے دنوں مجھے آپ کا وہ تعریفی خط ملا جس کے ہمراہ آپ نے ''اخلاص''، ''ذیل الحباب''، اور استاد کی خدمت میں رسائل نور کے بارے میں ایک خط اور ''رسائل نور کانفرس'' کی رپورٹ بھی منسلک کی تھی۔ اس پر آپ کا بہت زیادہ شکریہ۔

جی ہاں، ہمیں اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ استادِ محترم بدیع الزمان اس دور کے ایک جینیئس شخص اور بہت بڑے ولی اللہ ہیں، بلکہ اگر ہم یہ کہیں اور یہ عقیدہ رکھیں کہ وہ چودھویں صدی کے مجدّد ہیں، تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔

پس اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جس نے ہمیں اس جوہرِ مکنون سے نوازا ہے، اور اسے انقلاباتِ زمانہ کی بے رحم موجوں میں غرق ہو کر ضائع ہو جانے سے بچا لیا ہے، اسے ہمارے لیے ترک قوم سے ہویدا کیا ہے اور اس کے ذریعے ہمارے زمانے کو چار چاند لگا دیے ہیں، جس طرح پروردگارِ عالم نے اپنے نبی موسیٰؑ کو فرعون کی گود میں پالا تھا، اُسی طرح اس بابرکت شخصیت کو کافر طاغوتوں کے درمیان مصائب و آلام کے بھنور میں پالا اور پروان چڑھایا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان کی عمر میں اضافہ کرے اور انہیں عافیت و سلامتی کے سائے میں رکھے۔

استاد بدیع الزمان کے بارے میں ہمارا یہی عقیدہ ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ اُن تک ہمارے محبت اور قدر شناسی کے جذبات پہنچا دیں اور ان سے ہمارے لیے دعائے خیر کی درخواست کریں۔

خالص آداب واحترام کے ساتھ

آپ کا مخلص، دینی اور قومی بھائی

حبیب الرحمان شاکر

21-VELLAMONKATU12/2/1957

[اسلامک کلچر سنٹر پیرس کے اعزازی صدر، سار بون یونیورسٹی پیرس میں اسلامی اور رومی قانون
کے مابین تقابلی جائزے کے چیئر پروفیسر ڈاکٹر حمید اللہ کا خط استاد نورسی کے نام۔]

مجاہد فی سبیل اللہ استاد محترم! اللہ تعالیٰ آپ کو تا دیر سلامت رکھے اور آپ کی زندگی میں خیر و برکت عطا فرمائے۔

آپ نے مجھے جو اپنی بیش قیمت کتاب تحفے میں بھیجی ہے، وہ میں نے بصد شکریہ وصول کر لی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے اور ہمیں اس طرح کی قیمتی کتابوں سے کماحقہ فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

میں آپ کے فضائل و مناقب کے بارے میں اور آپ کی جہدِ مسلسل کے بارے میں اکثر سنتا رہتا تھا اور سنتا رہتا ہوں، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بہترین حالات میں یکجا کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ آپ کو ان کاموں کی توفیق دے جو اسے پسند ہیں اور جنھیں وہ محبوب رکھتا ہے۔ اور اس فقیر کی طرف سے تشکر و امتنان کے جذبات قبول فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے یقیناً آپ کو قرآن کریم کی خدمت کے لیے چن لیا ہے اور آپ کو بلند مقام پر فائز کر دیا ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ

☆ ☆ ☆

عراق کے طالب نور احمد رمضان کو شکریے کا ٹیلیگراف

آپ نے واشنگٹن کے اسلامی ثقافتی مرکز کو جو تحفہ پیش کیا ہے اس پر ہم آپ کا بہت بہت شکریہ ادا کرتے ہیں، تحفے سے مراد بدیع الزمان سعید نورسی کی ''خطبۂ شامیہ'' اور ''موازین رسائلِ نور'' نامی دو کتابیں ہیں۔

سدا خیر و سعادت سے رہو!

خالص محبت کے ساتھ۔

ڈاکٹر محمد حبیب اللہ

سیکرٹری جنرل، اسلامی ثقافتی مرکز واشنگٹن

☆ ☆ ☆

یونان میں رسائلِ نور کی نشر واشاعت کرنے والے اور سینکڑوں طلّابِ نور کی تربیت کرنے والے ایک بھائی کا ترکی کے طلابِ نور کو خط

ان معزز نوری بھائیوں عبداللہ، حسنی، عبدالقادر، محمد اور سلیمان کی خدمت میں

جو دین وایمان کی خدمت کررہے ہیں اور شرک وکفر کے گھروندے منہدم کررہے ہیں۔

اوّلاً: مجھے آپ کا خلوص بھرا خط ملا ہے، اس پر میرا دل تشکر وامتنان کے جذبات سے لبریز ہے، اور ہر وہ دل جس میں یہ نور جگمگایا ہے، اس کا یہ حق بنتا ہے کہ وہ آپ لوگوں کے جوش بھرے دینی جذبات کی اور آپ کی نور میں مستغرق روح کی گہرائیوں سے پھوٹنے والے سچے کلمات اور خلوص بھری تبریکات کی برکت سے سرور وشادمانی سے مخمور ہوجائے۔

میں آپ کے آداب کے بدلے میں آداب، محبت کے بدلے میں محبت اور پیار کے بدلے میں پیار کا اظہار کررہا ہوں، اور دور ہونے کے باوجود اللہ کے لیے آپس میں بھائی بھائی بننے اور اللہ ہی کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات رکھنے والے لوگوں والے شوق اور جذبے کے ساتھ آپ کے ساتھ بغلگیر ہورہا ہوں اور آپ کے چہرے کا بوسہ لے رہا ہوں۔

ثانیاً: مجھے اس بات کی بہت زیادہ خوشی ہوئی ہے کہ آپ نے مجھے ''خطبۂ شامیہ''، ''شکوہ نامہ''، ''مراسلات'' اور ''عدالتی فیصلہ جات'' ارسال کیے ہیں، میں اس ضمن میں آپ کو شکریے کا خط لکھنے ہی والا تھا کہ اچانک مجھے ''کرکوک'' میں رہنے والے اپنے بھائی ''احمد رمضان'' کی طرف سے ''مقالات'' کا مجموعہ وصول ہوا، اس سے مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے، اور تب میں نے شکریے کا ایک خط اس کے لیے بھی لکھنا شروع کردیا۔ حق بات یہ ہے کہ تشکر وامتنان کے ان احساسات کا تبادلہ ہماری مبارک جماعت کے تمام بھائی آپس میں کرتے رہتے ہیں، اور وہ اپنے معزز نوری بھائیوں کو اپنے آداب وتسلیمات بھیجتے ہی رہتے ہیں۔

میرا اور میرے تمام دوستوں بھائیوں کا یہ نظریہ ہے کہ استاد کے ساتھ ہمارے تعلقات کی بنیاد یہ ہے کہ ہر دور ایک ایسے کامل انسان کا محتاج ہے کہ جو انفس وآفاق میں بکھری ہوئی لامتناہی آیات کی بہترین تفسیر کرے، اور اس دور میں مشرق ومغرب میں اس طرح کے فاضلِ اجلّ علما یقیناً موجود ہیں، لیکن سخت ضرورت ایک ایسے ستون کی ہے کہ جو ایک منفرد قسم کے غوث کا قائم مقام ہو، جو تمام تر مادی منافع کو ٹھکرا چکا ہو، اس غیر فانی ذات کے نور سے منور ہوچکا ہو اور اُسے پاکر باقی سب سے بے پرواہ ہوچکا ہو، اور ہمارے استادِ گرامی چونکہ ان تمام صفات کے ساتھ متصف ہیں، اس لیے وہ اس دور کے لیے قطب کی حیثیت رکھتے ہیں، اور ان کی پیروی کرنے کا مطلب ایسے لوگوں کی اقتدا کرنا ہوگا جو کہ اقتدا کے اہل ہیں، اور ہمارے اس مجدّد اکبر امام کا ہمارے دور میں موجود ہونا گویا کہ ایسے حالات میں موجود ہونا ہے جو بالکل

''دورِفترت'' کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں؛ اس لیے یہ بات کسی بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ اس طرح کے مرشدِ اعظم جیسے مجدّد کے ساتھ جڑ کر رہنا واجب ہو جاتا ہے۔ پس یہ ہے وہ حقیقت جو ہمیں بغیر کسی تردّد اور شک شبہے کے استاد کے ساتھ ربط وضبط رکھنے پر آمادہ کرتی ہے۔ اور مزید یہ کہ ہم میں سے ہر ایک کے دل میں جو ایمان کا ربط وضبط قائم ہے، اس کا مقناطیس کی طرح نور کے اصلی سرچشمے کی طرف کھنچتے چلے آنے کا جذبہ ہمارا معاون ومددگار ہے۔

میرے یہ تمام بھائی ان رسائل کا جب ذاتی مطالعہ کرتے ہیں اور آپس میں پڑھتے پڑھاتے ہیں، تو یہ ان کے قلوب واذہان میں فوری طور پر اپنے واضح اثرات چھوڑ جاتے ہیں، اور تھوڑے ہی عرصے میں ان کی تحصیل کی سطح اتنی بلند ہو جاتی ہے کہ گویا ان کی شخصیتوں میں کوئی واضح انقلاب آ گیا ہو؟ اور ان کی قابلتیں ان رسائل کے مسائل کا ادراک کرنے کے قابل ہو جاتی ہیں...... ﴿هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي﴾، ﴿هَذِهِ رَحْمَةٌ مِنْ رَبِّي﴾۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل کا ہم جتنا بھی شکر ادا کریں، اور اس کی جتنی بھی تعریف کریں کم ہے۔

تاکہ مجھے اس خدمت کی توفیق مل سکے، مجھے ایسے عزم گراں اور ایسے ثبات کی ضرورت ہے جو کبھی نرم نہ پڑے، بالکل اس طرح کا عزم وثبات جو اِن مشکل ترین حالات میں مجھے آپ کے دعوتی، ارشادی اور بیداری کی روح پھونکنے والے جذبات میں نظر آتا ہے۔ اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہر علاقے میں اور ہر میدان میں اس انداز سے عمل پیہم کا مظاہرہ کرنا اللہ کے حکم سے امتِ اسلامیہ کو عمومی طور پر نجات کی راہ پر ڈال دے گا۔

حافظ علی

☆ ☆ ☆

دسواں حصہ

بدیع الزمان اور رسائل نور

رسائلِ نور کیا ہیں؟ اور یہ تفسیر کی کون سی قسم ہیں؟

رسائلِ نور ایک چھوٹا سا انسائیکلو پیڈیا ہیں جو کہ جدید سائنس کے ساتھ ہم آہنگ انداز میں قرآن کریم کے حقائق کی وضاحت کرتا ہے اور اس کے دلائل و براہین مہیا کرتا ہے، اور عام طور پر ان کے مسائل کے بارے میں بحث کرتا ہے جو ہر انسان کے دل میں اُبھرتے ہیں، جیسے یہ کہ میں کون ہوں؟ میں کہاں سے آیا ہوں؟ اور کہاں جاؤں گا؟ میری ڈیوٹی کیا ہے؟ یہ موجودات کہاں سے آئی ہیں؟ ان کا انجام کیا ہے؟ اور ان کی ماہیت وحقیقت کیا ہے؟ اور اس طرح کے دیگر سوالات...... اور ان کے واضح اور اطمینان بخش جواب دیتا ہے، اور ایک ایسے پر کشش اسلوب اور خوبصورت عبارت میں ان کی وضاحت کرتا ہے کہ عقل روشن اور رُوح مطمئن ہو جاتی ہے۔

یہ رسائل بیسویں صدی میں قرآن کے فلسفے کی ترجمانی کرتے ہیں، اور یہ اس بات کا اثبات اور اعلان کرتے ہیں کہ وہ تہذیب جو اس قوم کے بیٹے استوار کریں گے وہ ایک طرف مادی جانب سے علم وفنون اور ٹیکنالوجی کا اور دوسری طرف معنوی جانب سے ایمان واخلاق کا مجموعہ ہوگی، اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ان تمام تہذیبوں سے بھاری ہوگی جو صرف مادی پہلو پر کھڑی ہوں۔



امیریکہ اور یوروپ کے رسالہ نور کے طلبہ اپنے استاذ کے ہمراہ

ہمارے آباواجداد جن کریمانہ عادات واطوار سے مزین تھے وہ ہم سب کے لیے فخر واعتزاز کا باعث ہیں، اور خاص کر جوان کے اس ایمان سے پھوٹی جس سے ان کے دل لبالب بھرے ہوئے تھے، اور جس بہادری کے ذریعے انہوں نے اپنے سے سوگنا زیادہ قوموں اور ملکوں کا مقابلہ کیا اور ایشیا، افریقہ اور یورپ کے ایک حصے پر اسلامی اور معنوی کمالات کا جھنڈا بلند کر کے لہرایا، آفات وخطرات کے سامنے ڈٹ کر کھڑے رہے اور موت کا اطمینان بھرے دلوں کے ساتھ اور مسکراتے چہروں کے ساتھ سامنا کرتے رہے، ان میں سے ہر آدمی کہتا تھا: ''اگر میں قتل ہوگیا تو شہید ہوں گا، اور اگر اپنے دشمنوں پر غالب آ گیا تو مجاہد ٹھہروں گا۔'' ہمارے مستقبل کی سلامتی اور وطن اور ابنائے وطن کی مصلحت کی خاطر ہمارے نوجوانوں کو آج جو اس طرح کی معنوی عادات وخصوصیات اور اخلاقِ عالیہ سے مزین ہونے کی جس قدر ضرورت ہے، وہ کسی پر مخفی نہیں۔

کسی بھی تحریک یا سرگرمی میں کوئی مادی عوض معاوضہ اور ذاتی منفعت وغیرہ طلب کرنا اگرچہ مناسب کام سمجھے جاتے ہیں، لیکن یہ کام اس مقام ومرتبے کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا جو اس مسلمان قوم نے تاریخ میں بنایا ہے، پس ہم یہ کام صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرتے ہیں، اپنے اس عمل کے بدلے میں اگر کوئی اُجرت طلب کرتے ہیں، تو وہ اس بنا پر کہ ہم اپنے بھائیوں کی، اپنے ابنائے وطن کی، ابنائے عالم اسلام کی اور عمومی طور پر بنی نوع انسان کی خدمت کرنے کی توفیق سے نوازے گئے ہیں، صرف یہی ہے کہ ہمیں ہماری ابدی زندگی میں فرحت وسرور حاصل ہوجائے۔

رسائلِ نور کون سی تفسیر ہیں؟

قرآن کی تفسیریں دو قسم کی ہیں: ایک قسم وہ ہے جس میں اس کی آیات والفاظ کا اور ان کے معانی کی تشریح کا اہتمام کیا جاتا ہے، تفسیر کی مشہور قسم یہی ہے۔۔ دوسری قسم وہ ہے جس میں اس کے ایمانی حقائق کی وضاحت کی جاتی ہے اور ان کے قطعی دلائل وبراہین مہیا کیے جاتے ہیں، اس تفسیر کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ صرف یہ ہے کہ یہ تفسیر کی کتابوں میں کبھی کبھار غیر مستقل طور پر آجاتی ہے، یعنی اس قسم کی تفسیر کی کوئی بعینہ مستقل کتاب نہیں ہے۔ البتہ رسائل نور نے اس قسم کی تفسیر کی طرف براہِ راست توجہ دی ہے اور اس کا بڑا اہتمام کیا ہے اور اسے اپنے عمل کی بنیاد بنایا ہے، اور اس طرح یہ ایک منفرد قسم کی تفسیر کے طور پر ہویدا ہوئے ہیں اور پرلے درجے کے سرکش اور ہٹ دھرم فلسفیوں کا ناطقہ بند کردیتے ہیں۔

رسائلِ نور ایک چھوٹا سا انسائیکلوپیڈیا ہے جس کی ساری توجہ اس کتاب یعنی قرآن کریم پر ہے جس سے ہر دور میں لاکھوں لوگ رہنمائی طلب کرتے رہے ہیں، چنانچہ یہ اس کے حقائق کی اپنی ذاتی رائے سے دور رہ کر موضوعی منطقی صورت میں وضاحت کرتے ہیں اور انہیں تمام تر انسانیت کی فلاح وبہبود کے لیے پیش کرتے ہیں...... یہ قرآنی آیات کی ایک تابندہ تر تفسیر ہیں اور اوّل سے لے کر آخر تک ایمان کے حقائق اور توحید کے دلائل وبراہین سے مزین ہیں......

یہ کچھ اس انداز سے لکھی گئی ہیں کہ جس سے لوگوں کا ہر طبقہ آسانی کے ساتھ فائدہ اٹھا سکتا ہے...... اس میں شبہات گزیدہ لوگوں کا ہر شبہ دور کرنے کے لیے عصرِ حاضر کے علوم و معارف بھی سمو دیے گئے ہیں...... یہ ادنیٰ سے لے کر اخص الخواص تک تمام لوگوں کو مخاطب کرتے ہیں اور سرکش ترین ضدی لوگوں کے لیے دلائل مہیا کرتے ہیں۔

یہ ایک چھوٹا سا تابناک انسائیکلو پیڈیا ہیں جو کہ چھوٹے بڑے رسائل کی صورت میں ایک سو تیس کتابوں پر مشتمل ہے...... اس دور کی علمی ضروریات کو پورا کرتا ہے...... عقل و قلب کو مطمئن کرتا ہے...... اس دور میں قرآن کریم کی الفاظ کے لحاظ سے نہیں بلکہ معانی کے لحاظ سے تفسیر کرتا ہے...... ذہنوں میں آنے والے تمام مسائل و اشکالات کے جواب دیتا ہے...... ایمان کے مراتب اور وحدانیت اور نبوّت کے حقائق بیان کرتا ہے...... اور غیب و شہادت، روح و ملائکہ، زمان آخرت اور حشر و نشر کی حقیقت، جنت اور دوزخ کے وجود، موت کی ماہیت اور ابدی سعادت اور ابدی بدبختی جیسے بہت سے گہرے مسائل کو زیرِ بحث لاتا ہے اور انہیں عقلی دلائل اور قطعی منطقی براہین کے ساتھ ثابت کرتا ہے۔

☆ ☆ ☆

آخر میں ایک بڑی اہم بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے، اور وہ یہ کہ رسائل کی ایک محدود سی تعداد کی طباعت سے جو آمدنی حاصل ہوئی وہ ان باقی رہ جانے والے رسائل کی طباعت کے لیے خاص کر دی گئی ہے جو ابھی طبع نہیں ہو پائے ہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ رسائل کسی تجارتی غرض کے لیے بالکل طبع نہیں کیے گئے، بلکہ یہ کتب فروشوں کو دیے ہی نہیں گئے۔

ایک اور بات جس کی طرف اس مقام پر توجہ دلانا بہت ضروری ہے، یہ ہے کہ رسائل ان ہاتھوں میں جانے چاہئیں جنھیں ان کی قدر و قیمت کا اندازہ ہے، اور ان کی حقیقی قیمت یہ ہے کہ ایک رسالے کے ذریعے کم از کم پچیس لوگوں کو فائدہ ہو۔

یہ معنوی تفسیر چار بنیادی کتابوں پر مشتمل ہے، جن کے نام یہ ہیں: ''مقالات''، ''مکتوبات''، ''لمعات''، ''شعاعات''، اور یہ مجموعی طور پر ایک سو تیس رسائل بنتے ہیں۔

شعبۂ نشر و اشاعت برائے رسائل نور

☆ ☆ ☆

صرف حقیقت ہی بولتی ہے

رسائلِ نور میں یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ کبھی ظلم میں بھی عدل کی تجلی پائی جاتی ہے؛ اور وہ اس طرح کہ انسان بسا اوقات کسی وجہ سے یا بغیر کسی ظاہری وجہ کے ظلم سے دوچار ہو جاتا ہے، جیسے یہ کہ اس پر کوئی مصیبت نازل ہو جائے، یا اُسے مجرم بنا دیا جائے، یا اسے جیل کی کال کوٹھڑیوں میں ڈال دیا جائے وغیرہ تو یہ چیز بظاہر تو ظلم ہو گی، لیکن خود یہی واقعہ

کبھی اپنی حقیقت میں عدل کا مظہر ہوتا ہے، اور وہ اس طرح کہ یہ انسان کہ جو کسی وجہ سے سزا کا مستحق تھا، تقدیر اسے کسی ظالم کے ہاتھوں سزا دلواتی ہے، یا اس پر کوئی مصیبت نازل کر دیتی ہے۔

آج میں اپنے بارے میں سوچتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ میں اٹھائیس سال سے ایک صوبے سے دوسرے صوبے میں جلاوطن کیا جاتا ہوں، ایک شہر سے دوسرے شہر بھگا دیا جاتا ہوں، اور ایک عدالت سے دوسری عدالت میں گھسیٹا جاتا ہوں!! اب یہ لوگ جو مجھ پر اس طرح کا ظلم کر رہے ہیں اور مجھے اتنی تکلیفیں دے رہے ہیں، یہ مجھ پر الزام کیا لگاتے ہیں؟ کیا یہی الزام نہیں کہ میں دین کو سیاست کے لیے استعمال کر رہا ہوں؟ ان کی یہ بات اگر صحیح ہے تو اسے ثابت کرنے سے عاجز کیوں ہیں؟ صرف اس لیے کہ اس چیز کا واقعہ میں کوئی وجود ہی نہیں ہے؟

یہ عدالت کسی ایسے جرم کی تلاش میں مہینوں اور برسوں کوئی ایسا جرم ڈھونڈتی رہتی ہے جس کو بہانہ بنا کر مجھے مجرم ثابت کر سکے، لیکن ناکام رہتی ہے، تب تنگ آ کر مجھے چھوڑ دیتی ہے اور پھر کوئی دوسری عدالت اُسی بات پر مجھے پکڑ لیتی ہے، اور وہ بالکل اسی مقدمے میں نئے سرے سے باز پُرس شروع کر دیتی ہے، وہ ایک عرصے تک اسی میں مصروف رہتی ہے، اور مجھ پر سختیاں کرتی ہے مجھے گوناگوں تکلیفیں دیتی ہے، اور پھر خالی ہاتھ ہو کر مجھے تیسری عدالت کے حوالے کر دیتی ہے تاکہ وہ میرا عرصۂ حیات تنگ کیے رکھے، اور یوں میں ایک مصیبت سے دوسری مصیبت میں لوٹ پوٹ اور ایک مشقت سے دوسری مشقت کی طرف منتقل ہوتا رہا ہوں، میری زندگی کے اٹھائیس سال اسی حالت میں گزرے ہیں، پھر آخر میں جا کر اُن پر یہ واضح ہوگیا کہ وہ تمام تہمتیں جو انہوں نے مجھ پر لگائیں بالکل ہی بے اصل، بے بنیاد اور غیر صحیح تھیں۔

میں بسا اوقات سوچتا ہوں اور سوال کرتا ہوں کہ یہ تمام الزامات خواہ مخواہ کی تہمت طرازی اور افترا پردازی ہے؟ یا اس کا سرچشمہ میرے بارے میں پائے جانے والے اندرونی خطرات و خدشات ہیں؟ وجہ جو بھی ہو، بس میں اتنی بات یقینی طور پر جانتا ہوں کہ میرا ان کے ساتھ دور نزدیک کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے، اور دنیا کے تمام اہل انصاف یہ بات جانتے ہیں کہ میں دین کو سیاست کے لیے استعمال کرنے والا شخص نہیں ہوں، حتیٰ کہ وہ لوگ جو مجھ پر یہ تہمت لگا رہے ہیں وہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں اس تہمت سے بالکل بری ہوں، پھر سوال یہ ہے کہ وہ مجھ پر ظلم کیوں کرتے چلے جا رہے ہیں؟ اور میں بے گناہ اور بے قصور ہونے کے باوجود اس مسلسل ظلم و ستم کا شکار کیوں ہوں؟ اور میں ان مصائب و مشکلات سے خلاصی کیوں نہیں پا سکا ہوں؟ کیا یہ چیز عدلِ الٰہی کے خلاف شمار نہیں ہوگی؟

یہ سوالات ایک چوتھائی صدی تک میری سوچ فکر کا محور رہے ہیں، اور میرے پاس ان کا کوئی جواب نہیں ہوتا تھا، اس لیے میرے غم و اندوہ کا باعث بنتے تھے، لیکن ان کے اس ظلم و ستم اور اُن کی ان ایذا رسانیوں کے پیچھے جو اصل سبب کام کر رہا تھا، آج مجھے اس کا پتا چل گیا ہے۔ اور میں وہ انتہائی افسوس کے ساتھ بیان کر رہا ہوں، میرا گناہ یہ تھا کہ میں نے اپنی قرآنی خدمت کو اپنی مادی و معنوی ترقیات و کمالات کے لیے آلۂ کار بنانے کا ارادہ کیا تھا۔ اور یہ بات مجھے آج

بھی اچھی طرح یاد ہے اور اس کا مکمل احساس ہے، لیکن میں اس بات پر اللہ تعالیٰ کا بے حد شکرادا کرتا ہوں اور بے شمار حمد وثنا کرتا ہوں کہ کچھ اس طرح کی معنوی رکاوٹیں کھڑی ہوگئیں کہ جنھیں عبور کرنا میرے بس میں نہیں تھا، یہ رکاوٹیں اس تمام عرصے میں مجھے اپنی ایمانی خدمات کو اپنے مادی ومعنوی ترقیات وکمالات کا آلۂ کار بنانے سے، دوزخ وعذابِ دوزخ سے نجات کا وسیلہ بنانے سے، حتیٰ کہ ابدی سعادت کے حصول کا اور اس طرح کے دیگر مقاصد کے حصول کا وسیلہ بنانے سے روکتی رہیں۔

ان گہرے احساسات ومشاعر نے مجھے تعجب اور حیرانی میں ڈال دیا، باوجود اس کے کہ ہر انسان معنوی مقامات کو حاصل کرنا چاہتا ہے، اور عملِ صالح کے ذریعے اخروی سعادت سے ہم کنار ہونے کے لیے بھاگ دوڑ کرتا ہے، اور باوجود اس کے کہ اس طرح کے اغراض ومقاصد کی طرف توجہ کرنا ہر انسان کا شرعی حق ہے، اور اس میں کسی کا کوئی نقصان بھی نہیں ہے، لیکن میں قلبی اور روحی طور پر ان احوال سے روک دیا جاتا تھا، اور مجھے دکھا دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے بعد، اپنے علمی فطری وظیفے کے باعث ایمانی خدمت کی بجا آوری کے سوا میرے سامنے ایسا کوئی مقصد نہیں ہے جس کے لیے میں بھاگ دوڑ کرتا پھروں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمانی حقائق ہی ایک ایسی چیز ہیں کہ جنھیں کسی بھی دوسری چیز کے لیے نہ تو آلۂ کار بنایا جاسکتا ہے اور نہ ہی انہیں کسی کے تابع اور ماتحت کیا جاسکتا ہے، بلکہ یہ ہر غرض وغایت اور ہر مقصد سے بلند تر ہیں۔ اور اِس دور میں بے علم اور ضرورت مند لوگوں کو اِن ایمانی حقائق کی تلقین اس کی فطری عبودیت کے ذریعے کی جانی بہت ضروری ہے، اور یہ تلقین انتہائی مؤثر طریقے سے ہونی چاہیے، اور قرآنی حقائق کے ضمن میں یہ بات بھی بہت ضروری ہے کہ ان کو تعلیم اس انداز سے دی جائے کہ وہ تعلیم کے ساتھ ساتھ کسی بھی دیگر چیز کے لیے آلۂ کار نہ بنیں، بلکہ یہ اس طرح سے سکھائے جائیں کہ اس مضطرب اور ایک حالت پر برقرار نہ رہنے والی دنیا میں انسان کا ایمان بچائیں اور معانِد انسان کو قطعی یقین سے آراستہ کردیں، تاکہ یہ طرزِ عمل کفرِ مطلق کی کمر توڑ سکے، اور ضدی، ہٹ دھرم اور سرکش قسم کی گمراہی کو بیخ وبن سے اُکھاڑ سکے اور ہر انسان کو قطعی قسم کا یقین واطمینان مہیا کرسکتا ہے۔

اور اس دور میں ان حالات میں اس طرح کا ایمان اور یقین صرف اس صورت میں پیدا ہوسکتا کہ یہ بات طشت اَز بام ہوجائے کہ دین کو کسی بھی ذاتی غرض کے لیے آلۂ کار نہیں بنایا جاسکتا، وہ غرض دینی ہو یا دنیاوی، مادی ہو یا معنوی، ورنہ جو شخص کفر اور الحاد کی اس معنوی شخصیت کا سامنا کرنے کے لیے اُٹھے گا جو تنظیموں، جمعیتوں اور پارٹیوں کے بطن سے پروان چڑھی ہیں، وہ اگرچہ کتنے بھی بڑے روحانی مرتبے کا مالک ہوگا وہ لوگوں کے وساوِس وشبہات کا ازالہ کرنے پر کماحقہ قادر نہیں ہوگا؛ کیونکہ وہ مُعانِد جو ایمان میں داخل ہونا چاہتا ہے، ممکن ہے کہ اس کا نفس اور اس کی ''اَنَا'' اسے کہے کہ اس آدمی نے اپنی ذہانت وفطانت اور اپنے حیران کُن روحانی مقام ومرتبے کے بل پر ہمیں فریب دے رکھا ہے۔ اور یُوں وہ وساوس اور شکوک وشبہات کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ جاتا ہے۔

اور میں اس بات پر اللہ تعالیٰ کا بے حد وحساب شکر کرتا ہوں کہ تقدیرِ الٰہی اٹھائیس سال سے مجھے متنبہ کر رہی ہے اور مجھ پر الزام لگانے والوں کے ظالم ہاتھوں کے ذریعے مجھے اس بہانے سے طمانچے رسید کرواتی ہے کہ میں دین کو سیاست کے لیے آلۂ کار بناتا ہوں۔ چنانچہ یہ چیز اس کی طرف سے محض عدل ہے۔ وہ اس چیز کے ذریعے مجھے — میری لاعلمی میں — اس بات سے دور رکھتی ہے کہ میں دین کو کسی ذاتی غرض کے لیے آلۂ کار بنالوں، اور مجھے کہتی ہے: خبردار...... خبردار! ایمان کے حقائق کو اپنی ذات کے لیے آلۂ کار نہ بنانا...... تاکہ ایمان کے محتاج لوگ یہ بات سمجھ جائیں کہ صرف ایک حقیقت ہی ہے جو بول رہی ہے...... اور تاکہ نفس کے اَوہام اور شیطان کی سازشیں خاموش ہو جائیں اور پیچھے ہٹ جائیں۔

پس یہ ہے وہ خفیہ راز جو رسائلِ نور کی قلوب واَرواح میں سمندر کی جوشیلی لہروں کی طرح اُتر جانے والی تاثیر کے پیچھے کارفرما ہے...... جی ہاں، یہی ہے وہ راز، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

وہ حقائق جو رسائلِ نور نے پیش کیے ہیں، اگرچہ وہی حقائق ہیں جو ہزاروں علما نے پیش کیے ہیں، اور انہیں لاکھوں کتابوں میں بلیغ ترین اسلوب میں پیش کیا ہے، لیکن یہ کتابیں کفرِ مطلق کا راستا نہ روک سکیں۔ اور رسائلِ نور کو اگر ان مشکل ترین حالات میں کفرِ مطلق کے ساتھ جنگ آزما ہونے کی توفیق ملی ہے تو اسی راز کی وجہ سے ملی ہے، ورنہ اس معاملے میں سعید کا نہ تو وجود ہے، نہ اس کے پاس اس کی اہلیت ہے اور نہ اسے سرانجام دینے کی طاقت، بلکہ یہ صرف حقیقت ہی ہے جو بول رہی ہے...... جی ہاں، ایمانی حقیقت ہی بول رہی ہے۔

تو جب حقیقت کے انوار ہی ایمان کے محتاج لوگوں کے دلوں میں اپنا کام دکھا رہے ہیں، تو پھر اس پر ایک نہیں ہزاروں سعید فدا ہو جائیں، اور اس راستے میں مَیں نے اٹھائیس سال تک جتنی تکلیفیں اٹھائی ہیں، جتنی سختیاں جھیلیں ہیں، جتنی مشقتیں برداشت کی ہیں، اور جتنی مصیبتوں سے دوچار ہوا ہوں، ان سب کی حیثیت بالکل معمولی سی رہ جاتی ہے، اور وہ لوگ جنھوں نے مجھ پر ظلم کیے ہیں اور مجھے ایک شہر سے دوسرے شہر دُھتکارا ہے، میرے ساتھ بُرا سلوک کیا ہے اور مجھ پر انواع واقسام کی تہمتیں لگا کر مجھے مجرم بنانے کی کوشش کی ہے، یا مجھے جیلوں میں بھیجا ہے، وہ میری طرف سے آزاد ہیں، ان پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔

اور عادل تقدیر سے کہتا ہوں: میں آپ کے ان مہربان طمانچوں کا ہی مستحق تھا، ورنہ اگر میں بھی دوسرے لوگوں کی طرح کوئی اور راستا اختیار کرتا — اور وہ ایک شرعی راستا ہے جس میں کوئی نقصان بھی نہیں ہے — اور اس طرح اپنی تمام توجہ اپنی ذات پر ہی مرکوز کر لیتا اور اپنے مادی ومعنوی فیوضات کے اذواق سے خالی نہ ہو پاتا، تو ایمان کی خدمت میں اس بہت بڑی معنوی قوت سے محروم ہو جاتا۔

میرے ہاں مادی اور معنوی طور پر جو چیز بھی تھی میں نے اس کی قربانی دے دی ہے، ہر مصیبت برداشت کی ہے، ہر

تکلیف پر صبر کیا ہے، اور اس کی برکت سے ایمانی حقیقت ہر جگہ پر پھیل گئی، اور اسی کی برکت سے مدارس نور نے — جو کہ علم و عرفان کے مدارس ہیں — ہزاروں بلکہ لاکھوں طالب علم پیدا کیے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو ایمانی خدمت کا یہ کام اسی نہج پر سرانجام دیتے رہیں گے، اور ہر مادی و معنوی چیز سے بے پروائی کے جس مسلک کی پیروی میں نے کی ہے وہ میرے اس مسلک سے ادھر اُدھر نہیں ہوں گے۔ وہ یہ کام اس طرح کریں گے کہ صرف اللہ کی رضا کے علاوہ کسی بھی چیز کے طلبگار نہیں ہوں گے۔

جن لوگوں نے ہمیں تکلیفیں دی ہیں اور ہم پر سختیاں کی ہیں، انہوں نے شعوری یا لاشعوری طور پر اور اپنی عقلوں کے ساتھ تقدیرِ الٰہی کا ادراک نہ کرتے ہوئے ایمانی حقائق کی نشر و اشاعت کے میدان میں بڑی جلیل القدر خدمات سر انجام دی ہیں۔ اور ان کے مقابلے میں ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم ان کی ہدایت کے امیدوار رہیں۔

میں سخت بیمار ہوں، مجھ میں لکھنے اور بات کرنے کی طاقت نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ میری آخری بات ہو، اس لیے مدرسۃ الزہراء میں طلّابِ نور کو میری یہ وصیت نہیں بھولنی چاہیے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

دشمنانِ دین کی طرف سے کئے گئے رسوا کن جھوٹے حملوں کے ردّ میں یونیورسٹیوں کے طلابِ نور کا بیان

ہمارے معزز وفادار بھائیو!

اس آزمائش کے ختم ہوجانے پر ہم آپ لوگوں کو مبارک باد دیتے ہیں؛ کیونکہ اس طرح کے حملے کہ جن سے وہ طلّابِ نور دو چار ہوتے ہیں جو رسائلِ نور سے حاصل ہونے والے تحقیقی ایمان کے دروس کے طفیل مضبوط راسخ ایمان کے مالک بن چکے ہیں اور اس میں بلند مراتب تک ترقی پا چکے ہیں؛ ایک طرف سے تو امتحان اور آزمائش ہیں، اور دوسری طرف سے نفیس الماس کو خسیس کوئلے سے علیحدہ کرنے کی کسوٹی ہیں...... جی ہاں، ان کے اللہؐ پر ایمان، اس کے رسولؐ کی پیروی اور اس کی کتاب کے مطابق عمل کی سزا میں انہیں جن جیلوں میں ٹھونسا جاتا ہے، وہ جیلیں تو صرف مدارس یوسفیہ کی حیثیت رکھتی ہیں...... اور وہ ظلم جس سے یہ دو چار ہور ہے ہیں، وہ تو ان کے لیے انہیں اس راہ میں مزید آگے بڑھانے کے لیے مہمیز کا کام دیتا ہے...... گویا کہ تقدیرِ الٰہی ان حملوں کے ذریعے ہمیں یہ کہتے ہوئے اشارے کر رہی ہے کہ: آگے بڑھو، کام کرو...... رکو نہیں۔

طلّابِ نور مصیبتوں کا سامنا کرنے کے عادی ہو چکے ہیں، اور وہ دفاعی بیانات جو وہ عدالتوں میں دیتے ہیں وہ ان کی

آپس کی عام باتوں کا روپ دھار چکی ہیں، اسی طرح وہ پولیس چوکیاں جہاں انہیں وقتاً فوقتاً لے جایا جاتا ہے، ان کے ہاں بالکل غیر اہم ہو کر رہ گئی ہیں، چنانچہ ان کے ہاں کسی پولیس چوکی جانے یا بازار جانے میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے، اور رہیں وہ ہتھکڑیاں جوان کے ہاتھوں میں ڈالی جاتی ہیں، تو وہ جہاد اکبر کے کنگن ہیں جوان کی کلائیوں کو آراستہ کر رہے ہیں، اور رہے وہ الزامات جوان پر انہیں مجرم بنانے کے لیے لگائے جاتے ہیں، تو وہ ان کے اللہ کے ہاں بے گناہ ہونے کی دلیل ہیں، اور رہے وہ شدائد و مظالم جن سے وہ دوچار ہوئے ہیں، تو وہ ان کے سینوں پر سجنے والے تمغے ہیں، طلاب نور کی پہلی کھیپ نے تیس سالوں کے دوران جو نعمت حاصل کر لی ہے وہ کتنی بھاگ بھری اور بخت آور ہے، جبکہ ہم اس نعمت سے محروم رہ گئے ہیں، اور وہ ہماری پہنچ سے بھی باہر ہو گئی ہے؛ کیونکہ اس کا پیریڈ اب ختم ہوا چاہتا ہے!!

رسائل نور ایک بڑا عمدہ اور نفیس ایمانی مجموعہ ہے جس نے اس وطن اور ابنائے وطن کے لیے امن واستقرار کو استوار کیا ہے اور دلوں میں ایک جیتا جاگتا عقیدہ بٹھا دیا۔ ان کے خلاف دین دشمنوں کی طرف سے مختلف عدالتوں میں جتنے بھی مقدمے دائر کیے گئے یہ سب میں بری ہوئے، اور پچپیں عدالتوں نے اس بات کی صراحت کی کہ انہیں رسائل میں ایسی ایک بھی چیز نہیں ملی جو جرم شمار ہوتی ہو اور اپیل کورٹ نے ان کی بے گناہی کے متفقہ فیصلے کی تصدیق کی، اس طرح رسائل نور کے دعوے کو ایک حتمی اور قطعی مقدمے کا رنگ مل گیا۔

گزشتہ تیس سالوں میں کسی ایک بھی طالب نور کے خلاف نقضِ امن کا ایک بھی مقدمہ درج نہیں ہوا، حالانکہ ان کی تعداد لاکھوں تک جا پہنچی ہے؛ اس بنا پر جو لوگ رسائل کی نشر و اشاعت کو روکنے کا کام کر رہے ہیں وہ — ارادی یا غیر ارادی طور پر — امن استقرار کے دشمنوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں، اور وطن و قوم کے ساتھ خیانت کرنے والی تخریب کار انارکی کے فائدے کے لیے کام کر رہے ہیں، حالانکہ صورتِ حال یہ ہے کہ خود حکومت رسائلِ نور کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی نہیں کر رہی ہے؛ کیونکہ سیکیورٹی فورسز اور پولیس پر یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ بدیع الزمان اور طلابِ نور کے سامنے کوئی سیاسی مقصد نہیں ہے، اور یہ کہ یہ لوگ صرف ایمان اور اسلام کی خدمت کے لیے سرگرم عمل ہیں، آگاہ رہیں کہ رسائل نور کے ساتھ صرف وہ دین دشمن لوگ ہی اُلجھ رہے ہیں جو پس پردہ کام کر رہے ہیں، اور طلابِ نور کہ جنہوں نے رسائل سے تحقیقی ایمان کے درس حاصل کیے ہیں، وہ قرآن کی وہ مضبوط پارٹی ہیں جو مغلوب نہیں ہو سکتی، اور وہ مضبوط اور محفوظ قلعہ ہیں کہ جس کی فصیلوں پر دشمنوں کے تمام حملے پسپا ہو جاتے ہیں، ان دشمنوں کے حملے جوں جوں شدید ہوتے ہیں طلاب نور کی رسائل کے لیے اور اپنے اُستاد کے لیے ثابت قدمی، سرگرمی اور دوستی و وفاداری اور بڑھ جاتی ہے، اس حد تک کہ ان میں کسی ایک طالب علم نے استاد کو مخاطب کر کے لکھا: میرے بہادر و جواں مرد استاد! ہمارے مخالفین کی تعداد جوں جوں بڑھتی جارہی ہے، ہماری قوت بھی بڑھتی جارہی ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کا بے حد وحساب شکر ہے۔

جی ہاں، ایک سیاہ ترین دور تھا جس پر ظلم اور گھٹا ٹوپ تاریکی نے خیمہ لگایا ہوا تھا، اور اس پر زبردستی، بے راہروی اور استبداد کا راج تھا جس نے تمام لوگوں کے منہ بند کر رکھے تھے، سوائے ایک آدمی کے، وہ چپ نہ ہوا اور اسے کوئی بھی چپ نہ کرا سکا، بلکہ کوئی اس کے طالب علموں کا کچھ نہ بگاڑ سکا...... یہ ہے بدیع الزمان......واقعتاً انوکھا اور یگانۂ روزگار انسان۔

طلّابِ نور نے رسائلِ نور کو قرآنِ حکیم کی ایک بلند پایہ تابندہ تفسیر سمجھ کر اُن کے دامن کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیا اور انہیں اوّلاً اپنا ایمان بچانے کے لیے خود پڑھا اور ثانیاً اپنے دینی بھائیوں کا ایمان بچانے کے لیے انہیں پڑھایا، اور اس میدان میں انہوں بھرپور جدوجہد کی، اور وہ رسائلِ نور کے ذریعے قرآن وایمان کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہو گئے اور اس ضمن میں ان کے سامنے اللہ کی رضامندی کے سوا اور کچھ نہیں تھا، اس بنا پر اس راہ میں انہیں جتنی دھمکیاں دی گئیں، ان پر جتنے ظلم وستم ہوئے، اور پسِ پردہ سازشیں کرانے والے دشمنوں نے انہیں بدنام کرنے کے لیے ان پر جتنے بھی حملے کیے، انہوں نے ان میں سے کسی بھی چیز کی کوئی پرواہ نہ کی، بلکہ انہوں نے ان تمام چیزوں کو ایمان اور قرآن کی خدمت کے راستے پر مزید آگے بڑھنے کے لیے محرّکات شمار کیا۔ اور ان لوگوں نے سختیوں اور شدّتوں کے تیس سالوں میں جو محنت کی اس کا پھل اب عالمِ اسلام کی آنکھوں کے سامنے ہے۔

پس اے رسائلِ نور کے ساتھ شغف رکھنے والے جدید طلّابِ نور بھائیو! تمہیں مبارک ہو......تم لوگ جو اس مبارک سلسلے کی کڑی بن چکے ہو اور رسائل کے میٹھے سرچشمے سے نہال ہو رہے ہو اور انہیں پڑھ کر رسوخ اور ثابت قدمی میں بڑھتے جا رہے ہو اور ان کے انوار کی نشر واشاعت کر رہے ہو؛ اس پر ہم آپ لوگوں کو اپنے دل کی گہرائیوں سے مبارکباد دیتے ہیں......ہم آپ لوگوں کو آداب وتسلیمات پیش کر رہے ہیں، آپ کے لیے دعا کرتے ہیں اور آپ سے بھی دعا کی درخواست کرتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

ان حملوں نے انوار کو اگر ایک عدد نقصان پہنچایا ہے تو بیس عدد منافع بھی دیے ہیں، جو اس نقصان کو معدوم کی حیثیت میں لے آتے ہیں، جی ہاں، یہ حملے اتنے وسیع پیمانے پر ہوئے ہی اس لیے ہیں تاکہ انوار پھلے پھولیں اور ان کی نشر و اشاعت کا دائرہ وسیع ہو جائے، اور یہ حملے ان رسائل کے عالمِ اسلام کے باسیوں کے درمیان ان رسائل کی مقبولیت کا سبب بن گئے ہیں اور انہیں اُن کا اعتماد حاصل ہو گیا ہے۔ اسلام کے دشمنوں نے ترکی میں، عالمِ اسلام میں، بلکہ یورپ اور امریکا میں رسائلِ نور کے وسیع پھیلاؤ کو، ان کی فتوحات کو اور ان کی گہری تاثیر کو واضح طور پر محسوس کر لیا ہے، اس لیے انہوں نے یہاں وہاں ان کے ساتھ پھر سے اُلجھنا شروع کر دیا ہے، لیکن اُن کی اِن کوششوں کا نتیجہ بالکل ہی الٹا نکلا ہے۔ اور ہم تک پہنچنے والی معلومات کے مطابق، اُن کے رسائل کے ساتھ اُلجھنے کے بعد مشرقی علاقوں میں اُن کی فتوحات ان

سے دو چند ہوگئیں جو ان سے اُلجھنے سے پہلے تھیں۔ اور ان کی ان کاروائیوں نے لوگوں کی نظروں کو رسائل نور اور ان کے مؤلف کی طرف موڑ دیا ہے اور غافلوں کو بیدار کر دیا ہے، کسلمندوں کو متنبہ کر دیا ہے اور سُست رَو اور بے فکر لوگوں کو محتاط اور بیدار کر دیا ہے۔ یہ دردناک حملے اگرچہ زوال پذیر ہیں زیادہ دیر تک نہیں چلیں گے، لیکن یہ ضرور ہے کہ یہ ایک طرح کی خفیہ جنگی مشقیں ہیں جن سے مقصد لوگوں کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا کرنا ہے۔

سرکاری اداروں کو گمراہ کرنا، انہیں ہمارے خلاف بھڑکانا اور انہیں ہمارے خلاف دہشت گردی کے لیے بطور وسیلہ استعمال کرنا دین کے احمق لوگوں کا وطیرہ بن چکا ہے...... کیا ان لوگوں کو پتا نہیں کہ ہم کون ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ ملحد، فری میسن اور کمیونسٹ قسم کے دشمن انتہائی کمزور ہیں، رہی یہ بات کہ وہ ظاہر میں مضبوط نظر آ رہے ہیں، تو وہ اس لیے کہ وہ تخریبی اور تباہ کن کرتوتوں میں مبتلا ہیں، ان کے یہ کرتوت اس شرارتی بچے کے کام کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں جو ماچس کی ایک تیلی سے پورا گھر جلا کر راکھ کر دیتا ہے!

جی ہاں، وہ لوگ بہت کمزور ہیں؛ کیونکہ اُن کا میلان اپنے ان نفوس کی طرف ہے جن کے پاس اقتدار کا اتنا حصہ بھی نہیں ہے جتنا کہ ایک چڑیا کے پاس ہوتا ہے، اور وہ انتہائی ذلیل اور پست اور کمینے لوگ ہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے جیسے غلاموں کے غلام ہیں۔ ان کے قریب ہونا چاہتے ہیں، ان کو دکھانے کے لیے کام کرتے ہیں اور ان کی چاپلوسی کرتے ہیں۔ لیکن اہلِ ایمان — اور خاص کر وہ لوگ جو کہ تحقیقی ایمان سے ہمکنار ہو چکے ہیں — مضبوط اور معزز ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کلّی طور پر ایک معزز غلام ہے، کیونکہ یہ لوگ صرف اُسی قدیر ذوالجلال اور حاکم ذوالکمال، خالقِ کائنات کے غلام ہیں اور صرف اسی کی بندگی کرتے ہیں جو رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ہے...... پس یہ لوگ عبادت کے لیے صرف اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، صرف اُسی کی طرف نسبت رکھتے ہیں اور صرف اُسی کی طرف جھکتے ہیں۔

منافقین کو اور پس پردہ سازشیں کرنے والے لوگوں کو اس بات کا ادراک ہو گیا ہے کہ طلابِ نور وہ لوگ ہیں جو اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھے پھرتے ہیں، اور ان پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انہیں رسائلِ نور سے دور کرنا یا ان سے ان کے استاد کا ساتھ چھڑوا دینا کسی کے بس کا روگ نہیں ہے، اس لیے انہوں نے اپنی شیطانی اسکیموں اور سازشوں کے طریقِ کار تبدیل کر لیے اور دھوکے فریب کے راستے اختیار کر لیے، اور اس انتظار میں رہنے لگے کہ شاید انہیں ان لوگوں میں کوئی ایسی کمزوری مل جائے کہ جس کے ذریعے وہ رسائل کے دائرے سے باہر کھسک آئیں، یا پھر ان کی سادہ لوحی اور پاک دلی سے ناجائز فائدہ اٹھالیں! چنانچہ یہ منافقین، یا ان کے گماشتے، یا ان کے فریب میں آ جانے والے لوگ طلابِ نور کی لڑی میں داخل ہو گئے، ان کے دوست بن کر یا ان کے ہمدرد اور حمایتی بن کر ان کی صفوں میں گھس گئے اور کچھ اس طرح کی باتیں کرنے لگے کہ اسلام کی خدمت کرنے کے اور بھی بہت سے طریقے ہیں...... دین دشمنوں کے ساتھ جہاد

اور طریقے سے بھی ہوسکتا...... رسائلِ نور کے علاوہ بھی بڑی قیمتی اور مفید کتابیں موجود ہیں...... اگر دوسرے علوم وفنون بھی حاصل کرلوگے تو رسائلِ نور کی مزید بہتر خدمت کرسکو گے...... اور اس طرح کی دیگر سازشیں جن کے ذریعے وہ طلّابِ نور کو انوار سے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آہستہ آہستہ ان کی توجہ اس خدمت سے ہٹا دیتے ہیں جو وہ سر انجام دے رہے ہیں، اور ان کی نظریں دیگر مسائل کی طرف پھیر دیتے ہیں، تا آنکہ ان میں سے کوئی نہ کوئی ان سے متاثر ہوکر دیگر بہت سے مشاغل میں اتنا مصروف ہوجاتا ہے کہ پھر اسے رسائلِ نور کے لیے وقت ہی نہیں ملتا ہے وہ طلابِ نور کو اِس طرح دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

کبھی انہوں نے اپنے مکروفریب کے لیے ایک اور راستا اختیار کیا، جیسے یہ کہ طلّابِ نور کو منصب، شہرت اور مال و ثروت کا بہکاوا دینا، یا تخویف وترہیب کے ذریعے انہیں خدمت سے دور ہٹانا وغیرہ، لیکن رسائل نور کو جو بھی غور، توجہ، گہرائی، فکری آگاہی، روحانی بیداری اور قلبی ہوشیاری کے ساتھ پڑھتا ہے، اس پر اس طرح کے دھوکے فریب اثرانداز نہیں ہوسکتے، بلکہ ان فریب کاروں کے ارادوں کے برعکس ان کے تمام دھوکے فریب خود انہیں کے لیے نقصان دہ ثابت ہوجاتے ہیں، بلکہ وہ طلّابِ نور کو رسائل نور کی طرف اور دھکیلتے ہیں اور ہمارا رستہ ان کے ساتھ اور مضبوط کردیتے ہیں۔ پس پاک ہے وہ ذات جس نے اُن کا دھوکہ انہیں کے گلے میں ڈال دیا ہے۔

طلّابِ نور میں کچھ ایسے لوگ بھی ملیں گے جو اپنی دنیا کو چھوڑ چکے ہیں، اور اپنی زندگی انوار کی خدمت کے لیے وقف کرچکے ہیں، اور بلند پایہ سچی خالص نیت کے بعد — ان کے اس کردار کا محرّک — صرف ایک ہی چیز ہے، اور وہ ہے ان کی سازشوں، اسکیموں اور خبیث مکاریوں کا مقابلہ کرنا۔ اور وہ اپنے استاد کا ایک یہ پرانا قول دہراتے رہتے ہیں: ''یہ دور اسلام کے لیے قربانی دینے کا دور ہے''۔ پس اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى فَضْلِهٖ وَاِحْسَانِهٖ۔

ہمارا سیاست کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ ہماری ایمانی خدمت کے نقطۂ نظر سے یہ سیاست کانچ کے ٹوٹے پھوٹے ٹکڑوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی ہے، تو پھر نفیس ہیرے کے بدلے میں کانچ کے ٹکڑے کیوں لیے جائیں؟

مذہبی قیادت کے ادارے میں ماہرین کی کمیٹی کی رپورٹ نے اس بات کی صراحت کی تھی کہ رسائل نور میں سیاست کے ساتھ تعلّق رکھنے والے موضوعات نہیں ہیں، اور ''افیون'' میں اٹارنی جنرل نے اپنی چارج شیٹ میں یہ اعلان کیا تھا کہ بدیع الزمان اور اس کے شاگردوں کی سرگرمیاں سیاسی نہیں ہیں۔

جی ہاں، وہ ذمہ داری جسے طلابِ نور نے بہت زیادہ اہتمام دیا ہے، وہ دنیا کے بڑے سے بڑے معاملے سے بھی بڑا ہے، اس لیے سیاست میں دلچسپی لینے کے لیے ہمارے پاس وقت ہی نہیں ہے، ہمارے اگر سو ہاتھ بھی ہوتے تو شاید وہ بھی نور کی خدمت کے لیے ناکافی ہوتے، اور ہمارے پاس امریکا اور برطانیہ جیسے ملکوں کی دولت وثروت ہوتی تو ہم وہ تمام کی تمام ایمان کو بچانے کے معاملے کے لیے وقف کردیتے، ہمارے پاس سیاسی نظریات کے لیے اور باطل افکار

کے لیے وقت نہیں ہے؛ کیونکہ ہماری عمر بہت کوتاہ ہے اور وقت بہت تھوڑا ہے، اور سیاسی امور کی مصروفیات انسان پر بڑی بُری تاثیر چھوڑتے ہیں، اور خاص کر اس دور میں، اور وہ اس طرح کہ یہ مصروفیات باطل کو اس طرح سے مزین کرتی ہیں کہ وہ صاف ستھرے ذہنوں کو گمراہ کر دیتا ہے، جیسے کہ ہمارے استاد نے کہا ہے۔ جی ہاں، بسا اوقات ہوتا ہے کہ کوئی سیاستدان صاف نیت کے ساتھ برے افکار و امور کا یہ کہتے ہوئے ارتکاب کر لیتا ہے کہ میں ان برے افکار و اُمور کو سیکھوں گا اور ان کی پہچان حاصل کروں گا تا کہ ان کے خلاف لڑ سکوں اور کا رد کر سکوں، لیکن آہستہ آہستہ وہ دین کے ساتھ ربط وضبط میں، اس کے دامن کے ساتھ وابستگی میں اور اس پر ثابت قدمی کے بارے میں کمزور پڑتا جاتا ہے، اور پھر وہ دیکھتے ہی دیکھتے کچھ اور ہی ہو جاتا ہے۔ لیکن رسائلِ نور کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہ نور کو بکھیر کر تاریکیوں کو تتر بتر کر دیتے ہیں، اور انسان کو خیر کی تعلیم دے کر اسے برائیوں کے ترک کرنے اور شرارتوں سے دور رہنے پر اُبھارتے ہیں، اور اپنے قاری کو حقیقت کی تلقین کرتے ہیں اور اس طرح اُسے باطل سے بچاتے ہیں اور محفوظ کرتے ہیں۔

خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ ہم لوگ انوار میں مصروف ہیں...... ہماری دلچسپی کا سامان قرآنی ہیرے ہیں اور ہم قرآن کے اُن الماسی حقائق پر عمل پیرا ہیں جو تمام کائنات کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہیں...... ہم اس چیز کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں جو ہمیشہ باقی رہے گی، اور فنا پذیر چیزوں کی خدمت میں سر نہیں کھپاتے ہیں، ہم رسائل نور کے ذریعے ایمانی خدمت کی برکت سے اتنے مستغنی ہو چکے ہیں کہ اُس نے ہمیں ہر چیز عطا کر دی ہے اور اب کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں رہی ہے۔

الحاصل: ہمارے پس پردہ کام کرنے والے دین کے دشمن رسائل نور اور ان کے مؤلف کے ساتھ مسلسل برسرِ پیکار ہیں، اور اس جنگ میں انہیں شکست کے سوا کچھ نہیں ملا ہے، فتح ونصرت اور توفیق باذن اللہ صرف رسائلِ نور اور ان کے مؤلف کی حلیف ہوگی، البتہ یہ بات یاد رہے کہ ذاتی طعن، تشنیع اور عیب گیری رسائل نور کا کوئی نقصان نہیں کرے گی؛ کیونکہ ذاتی طور پر یہ خود حجت اور برہان ہیں، بلکہ وہ لوگ جنہوں نے ہم پر طعن و تشنیع کرنے اور ہماری شہرت کو داغدار کرنے کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھایا ہوا ہے، وہ اپنے بچھائے ہوئے جال میں خود ہی پھنس چکے ہیں، اور تاریخ اس طرح کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ رسائلِ نور میں جو بلند حقائق پائے جاتے ہیں وہ انہیں اللہ کے حکم سے قیامت تک کے لیے خلود و بقا عطا کر دیں گے۔

ایک دن وہ بھی تھا کہ جب طلاب نور نے فوجداری عدالت میں یہ کہتے ہوئے اعلان کیا تھا کہ ''کوئی بشری طاقت ہماری صفوں میں دراڑ نہیں ڈال سکتی اور یا ہمیں ہم سے، ہمارے استاد سے اور رسائل نور سے دور نہیں کر سکتی۔'' اور یہ بات ہے بھی حقیقت ہے کہ یہ منافقین اسلحے کے بل پر بھی ایسا نہیں کر سکتے ہیں، حتیٰ کہ اگر ہمیں قتل بھی کر دیں اور ہمارے بدن ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ بھی ہو جائیں، تو بھی ہماری روحیں سلامتی وسعادت کے ساتھ عالمِ خلود کی طرف روانہ ہو جائیں گی۔ ہم وہی بات کہتے ہیں جو ہمارے استاد نے ''مکتوبات'' میں کہی ہے، یعنی یہ کہ ''حتیٰ کہ اگر جگہیں ہمیں اس

طرح جدا کردیں کہ ہم میں سے ایک دنیا میں ہو اور دوسرا آخرت میں...... یا ایک مشرق میں ہو اور دوسرا مغرب میں...... یا ایک شمال میں ہو اور دوسرا جنوب میں...... تب بھی ہم اکٹھے ہی رہیں گے۔''

ہمارے استاد اپنے لیے کسی روحانی مقام کا دعوی نہیں کرتے ہیں، بلکہ ان کی طرف جس بھی بلند مقام و مرتبے کی یا استثنائی حیثیت کی نسبت کی جاتی ہے وہ اسے ٹھکرا دیتے ہیں، لیکن یہ حالات و واقعات اور ان کی ذاتی زندگی ان کا تعارف کرانے کے لیے اور ان کے حق میں کوئی بھی دلیل دینے کے لیے کافی ہیں، جی ہاں، ہمارے لیے اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ قرآن اور ایمان کی وہ خدمت جو بدیع الزمان نے اور رسائل نور نے اس حد تک سرانجام دی ہے کہ وہ دلوں میں پیوست ہوگئی ہے اور ہر جگہ پھیل گئی ہے، کوئی بھی انسانی قوت اب اس کے آگے رکاوٹ نہیں ڈال سکتی ہے، اِلّا یہ کہ وہ قوت اتنی ہمہ گیر ہو کہ کائنات کی چابیاں اس کے ہاتھ میں ہوں اور وہ اس میں جیسے چاہے تصرّف کر سکتی ہو!

اس مقام پر ہم ''الدفاع الکبیر'' سے چند جملوں کے اقتباسات درج کرتے ہیں، اور یہ وہ کلمات ہیں جو استاد نے اس عدالت میں کہے جس میں آپ کو آپ کے خلاف موت کا فیصلہ سنانے کی سازش کر کے لایا گیا تھا، استاد کہتے ہیں: طلّابِ رسائل نور دوسرے لوگوں کی طرح نہیں ہیں...... چنانچہ انہیں دھوکہ دینے میں اور ان کے خلاف حیلہ سازی میں کسی کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اور یہ لوگ شکست کے آگے جھکتے نہیں ہیں...... اور رہے رسائل نور، تو وہ قرآن کا سرمایہ ہیں اور اس کے بے پایاں سمندر کا ایک قطرہ ہیں...... اور قرآن ایک نورانی زنجیر ہے جو عرش کو فرش کے ساتھ ملاتی ہے...... تو ایسا کون ہے جو اس پر غالب آ سکتا ہے؟ رسائلِ نور اناطولیہ کی سرزمین میں اپنی جڑیں مضبوط کر چکے ہیں، اب انہیں اکھاڑنا کسی کے بس میں نہیں ہے۔

استاد اپنی مشہور دلکش کتاب ''الآیۃ الکبریٰ'' میں فرماتے ہیں: ''رسائلِ نور صرف جزوی خرابیوں کی اصلاح نہیں کرتے ہیں، اور کوئی چھوٹا سا گھر تعمیر نہیں کرتے، کُلّی اور ہمہ گیر قسم کی خرابیاں دور کرتے ہیں، اور ایک بڑا عظیم الشان وسیع و عریض قلعہ تعمیر کرتے ہیں جو اپنے اندر سے اسلام کی حفاظت کرتا ہے، اور اس کے پتھر پہاڑوں کی طرح بڑے ہو جاتے ہیں۔

ایسے حالات میں کہ جب وہ تمام اسلامی بنیادیں، دھارے اور شعائر تباہ و برباد کر دیے گئے ہیں جو تمام لوگوں کے لیے، اور خاص کر عوام الناس کے ہاں ایک مرکز کی حیثیت رکھتے تھے، یہ کسی خاص دل کی اصلاح کے لیے یا کسی خصوصی ضمیر کے لیے کام نہیں کرتے، بلکہ یہ اُس عام دل کے لیے کام کرتے ہیں جسے ایک ہزار سال سے تخریب کار آلات کے تہ در تہ زخموں نے نڈھال کر دیا ہے، اور اُس عمومی ضمیر اور وجدان کو اچھا بنانے کے لیے کام کرتے ہیں، پس یہ ہے وہ کام جو[1] رسائلِ نور قرآن اور ایمان کی دواؤں سے مدد لے کر قرآن کے اعجاز پر اعتماد کرتے ہوئے سرانجام دے رہے

[1] خود استاد نے اور بعض طلاب نور نے عدالتوں میں جو دفاعی بیانات دیے تھے انہیں ایک کتاب میں جمع کر کے، اُس کتاب کو ''دفاع کبیر'' کا نام دیا گیا۔

ہیں، اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس طرح کے گہرے، المناک اور پریشان کن زخموں کو بڑے فعّال قسم کے آلات کی، قوی اور مضبوط دلائل کی، غیر محدود دواؤں کی اور اس طرح کے مجرّب و مؤثر قسم کے اینٹی بائیوٹکس کی ضرورت ہوتی ہے جو ایک ہزار تریاق کی خاصیت رکھتے ہوتے ہوں۔ اور یہ ہے وہ ذمہ داری جو اس دور میں رسائل نور نے اپنے کندھوں پر اٹھائی ہے۔ یہ رسائل قرآنِ معجز بیان کے معنوی اعجاز سے اس بلند پایہ ذمہ داری کو نبھانے کے لیے پھوٹے ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ یہ ایمان کے غیر محدود مراتب کے لیے اور ترقی و تزکیہ کے لیے وسیلے کا کام دیتے ہیں۔

ہمارے معزز بھائیو! یہ ہیجان خیز سرکش دَور کہ جس میں الحاد اور کفرِ مطلق کا دور دورہ ہے...... اور ایسا خوفناک زمانہ کہ جس میں اسلام، ایمان اور قرآن کو مٹا ڈالنے کے منصوبوں کو نافذ کرنے کا آغاز ہو چکا ہے...... اور ایسا بھیانک عرصہ کہ تاریخ میں جس کی مثال نہیں ملتی ہے، جس میں علمائے دین پر بدترین حملہ کیا گیا، ان کی زبانیں بند کی گئیں اور ان پر دینی علوم کی نشر و اشاعت کرنے، قرآنی حقائق کو بیان کرنے اور ان کی تبلیغ کرنے پر پابندی لگا دی گئی...... عین اس پُرفتن مرحلے میں بدیع الزمان اکیلا ہی بہادر بن کر، قربانی دیتا ہوا پوری ثابت قدمی کے ساتھ اور دفاع کرتا ہوا دینی جہاد کے میدان میں اترا اور قرآن، ایمان اور اسلام کا دفاع کرنے لگا...... اور اکیلا ہی صرف مقامی فرعونوں کو نہیں بلکہ یورپ کے تمام ملحدوں کو چیلنج کرنے لگا، چنانچہ وہ اپنی ذات میں انجمن بن کر ابھرا اور اتنے کام کرنے لگا کہ جتنے ایک قوم کر سکتی ہو، اور شدید ترین مطلق ظلم و استبداد سے بھرپور کڑے حالات میں قرآن کے حقائق کی نشر و اشاعت کرنے لگا، اور اس راہ میں اسے ہر قسم کی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا، اس پر سختیاں کی گئیں، اس کی کڑی نگرانی کی گئی، اس پر مقدمے چلائے گئے اور اسے چھوٹے چھوٹے حقوق سے بھی محروم رکھا گیا، اُن پر اس طرح کی سختیاں کی گئیں کہ جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی، اُنہیں پولیس اور رینجرز کی نگرانی میں اُن کے گھر میں نظر بند کر دیا گیا حتی کہ اُنہیں جمعے کی نماز ادا کرنے کے لیے مسجد جانے سے بھی روک دیا گیا، اور اِس تمام ظلم و زیادتی کے باوجود اس کا ہمیشہ ایک ہی نعرہ رہا، اور وہ یہ کہ ہمارا کام کوشش کرنا اور عمل کرنا ہے، رہی فتح و شکست اور توفیق و قبول، تو وہ صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، ہم خدائی معاملات میں دخل نہیں دیتے۔

یہ ہیں وہ دشوار ترین حالات جن میں ہمارے استاد نے عنایتِ خداوندی سے رسائلِ نور تالیف کیے اور انہیں اُس دور میں دستی کتابت کے ساتھ اور قرآنی عربی رسمُ الخط میں شائع کیا جس میں عربی رسمُ الخط کی جگہ سرکاری طور پر لاطینی رسمُ الخط فرض کر دیا گیا تھا۔ اور اس طرح استاد نے قرآن کریم کے رسمُ الخط کی حفاظت کی اور اس سے لاکھوں ترک نوجوان قرآن کریم کے رسمُ الخط کو کتابت اور قراءت کی صورت میں سیکھنے کی نعمت اور شرف سے بہرہ یاب ہوئے۔

استاد نے ان رسائل میں — اپنی خداداد ایمانی قوت اور اخلاص کے طفیل — قرآنی اور ایمانی حقائق کی تعبیر کی ہے اور ایسے جدید ترین اسلوب میں ان کی وضاحت کی ہے، کہ جو دورِ حاضر کے ساتھ ہم آہنگ ہے اور آپ کے عام اور خاص ہر طرح کے طالب علم اس سے بھرپور فائدہ اُٹھا سکتے ہیں، اور یوں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انہیں رسائلِ نور

جیسی بلند پایہ اور تابندہ معانی کی حامل زندہ وجاوید قرآنی تفسیر لکھنے کی توفیق سے نواز دیا گیا، اور ان خوبصورت تالیفات کی جو انتہائی قابلِ قدر تاثیر سامنے آئی، وہ تھی قوم ووطن کی الحادوزندیقیت اور کمیونزم سے حفاظت۔

اور پھر اس زمانے میں کہ جب اسلامی شعائر کو بزور بازو ہٹا دیا گیا تھا، اور ایسے علمائے سوء کثرت سے سامنے آگئے تھے جنھوں نے دنیاوی مصلحتوں کو ترجیح دی تھی اور خود کو ایسا کرنے پر مجبور سمجھا تھا، چنانچہ وہ ان قدسی شعائر سے دستبردار ہوگئے تھے اور ایسے کام کرنے لگ گئے تھے جو دین کے لیے سراسر نقصان دہ تھے، اور ان سے جب بدعتوں کے ساتھ ہمقدم ہو کر چلنے کا اور اسلام مخالف فتوے صادر کرنے کا مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے فوراً لبیک کہا...... بالکل اسی پُرآشوب زمانے میں بدیع الزمان اپنی زبانِ حال ومقال وافعال کے ساتھ عزم وثبات کا پہاڑ بن کر ڈٹے رہے اور قتل اور پھانسی کی دھمکیوں تک پہنچی ہوئی تکلیفوں اور اذیتوں سے دوچار ہونے کے باوجود وہ نہ خود تبدیل ہوئے اور نہ ہی انہوں نے اپنا نقطۂ نظر تبدیل کیا، بلکہ اس جنگ میں انہوں نے یہ کہتے ہوئے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کہ ''اجل ایک ہی ہے، تبدیل نہیں ہوتی، اور موت عالمِ فنا سے سبکدوش ہو کر عالمِ بقا اور عالمِ نور کی طرف جانے کا ایک ٹکٹ ہے''۔ وہ خفیہ طور پر اور تیس سال کے عرصے میں ایسی تالیفات کی نشر واشاعت کرتے رہے جو بدعتوں سے خبردار کرتی تھیں، ان سے جنگ کرتی تھیں اور اسلامی شعائر کی محافظت کرتی تھیں اور سُنت کا احیا کرتی تھیں۔ اس طرح ان کے ماحول میں عصرِ نبوّت کی خوشبو پھیل گئی اور اس کی ایک تجلّی جگمگا اٹھی۔

استاد نے قہر وبلا سے بھری ہوئی خلوت والی زندگی اختیار کی تا کہ کسی بھی طرح کی سنتِ نبویؐ کی مخالفت سے بچے رہیں۔ اور وہ بے لگام قسم کا استبداد کہ تاریخ میں جس کی مثال نہیں ملتی ہے اور جو تیس سال تک لاکھوں لوگوں پر حکمرانی کرتا رہا، وہ استبداد بدیع الزمان پر اپنا حکم نہ چلا سکا، بلکہ یہ تمام ظالم ومستبد حکمران ان کے مقابلے میں شکست خوردہ ہی رہے۔

رسائلِ نور انسان کا ایمان مضبوط کر دیتے ہیں؛ کیونکہ یہ اسے تقلیدی ایمان سے نکال کر تحقیقی ایمان میں لے آتے ہیں، اور اس طرح وہ سعادتِ دارین اور حسنِ خاتمہ سے ہمکنار ہو جاتا ہے، اور دوسری طرف یہ سرکش ترین سرکش فلاسفہ کو لاجواب کر دیتے ہیں، بلکہ ان کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ — متکلمین کے اندازِ بیاں کے برعکس — اپنے قاری کو اہلِ ضلالت کے شکوک وشبہات واعتراضات میں غور وخوض کرنے کے بجائے صاف اور شفاف صورت میں ایمانی درس عطا کرتے ہیں، اور یوں اس کی معنوی بیماریوں کا اس طرح سے مداوا کرتے ہیں کہ اس کے دل میں ان شبہات کے لگائے ہوئے زخموں کا نشان تک باقی نہیں رہنے دیتے، اور اس طرح وساوس واوہام کا قلع قمع کر دیتے ہیں اور سوالات واشکالات کا ایسے اسلوب کے ساتھ جواب دیتے ہیں کہ جن سے من خاموش اور دل مطمئن ہو جاتا ہے۔

رسائل نور عقل وقلب کو ایک ساتھ روشن کرتے ہیں اور انسان کی لگام اس کے ہاتھ میں پکڑا دیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے دامن کے ساتھ دونوں گروہ وابستہ ہو جاتے ہیں، وہ گروہ بھی جو سائنس اور فلسفے میں مصروف رہتا ہے اور

صرف عقل پر بھروسا کرتا ہے، اور وہ گروہ بھی جو اہلِ تصوّف کا ہے اور دل کے راستے پر چلتا ہے؛ چنانچہ پہلے گروہ کو اس بات کا ادراک ہو جاتا ہے کہ حقیقی روشنی صرف اس وقت حاصل ہوتی ہے جب عقل اور دل دونوں کی روشنی کو باہم ملا دیا جائے، اور یہ کہ صرف عقل کا دامن پکڑ کر رہ جانے سے انسان صرف آنکھ کے لیول پر رہ جاتا ہے، یعنی صرف اُسی چیز کو مانتا ہے جو آنکھ سے نظر آئے، اور ایسے انسان کی حالت اس پرندے کی سی ہو جاتی ہے جس کا ایک پر ٹوٹ چکا ہو اور وہ اڑ نہ سکتا ہو، اور اگر اڑنے کی کوشش کرے تو جلد ہی زمین پر گر پڑے، اور دوسرا اہل تصوّف کا خالص و مخلص گروہ اس بات کا ادراک کر لیتا ہے کہ موجودہ زمانہ ماضی جیسا نہیں ہے، اور یہ کہ اس زمانے میں ہمارے لیے قرآنی طریق کار اختیار کرنا ضروری ہے جو ہمیں حقیقت کی راہ میں چلائے گا، اور حقیقت تک قلب اور عقل دونوں کے ذریعے پہنچائے گا، اور اس طرح ہم دو پروں کی اڑان بھریں گے۔[1]

ہمارے معمول کے اسلامی مدارس کہ جو معاملے کو اچھی طرح سے سمجھ گئے ہیں، ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ وہ ایمانی اور اسلامی محصولات اور نتائج جو کہ معمول کے مدارس کے مقررہ نصاب کے مطابق پندرہ سال کے عرصے میں ظہور میں آتے ہیں، انہیں اس دور میں رسائلِ نور کی وساطت سے پندرہ ہفتوں میں حاصل کرنا ممکن ہو گیا ہے۔ ہمارے استاد اس ضمن میں فرماتے ہیں:

> ''جو آدمی پوری سمجھ بوجھ کے ساتھ اور دل سے قبول کر کے رسائلِ نور کے دروس ایک سال تک پڑھے گا، وہ اس قابل ہے کہ اس دور میں ایک حقیقی اور عالی شان عالم بن جائے۔''

رسائلِ نور مدد اور نور کا ایک خزینہ ہیں جو کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کے نورانی مشرب کو قریب تر کرتے ہیں اور صحابہ کرامؓ کے بلند پایہ اخلاق و عادات کو کھول کر بیان کرتے ہیں، اور یہ ایک ایسی امتیازی خصوصیت ہے کہ جوان دنوں دنیا کو ایک نورانی اور جیتی جاگتی اچھلتی کودتی زندگی فراہم کرتی ہے، اور ایک جدید روشن چہرے سے پردہ ہٹاتی ہے؛ کیونکہ رسائلِ نور جدید علوم کے حاملین کو قدیم علوم کے حاملین کے اور اہلِ تصوّف کے ساتھ ایک سٹیج پر بٹھا دیتے ہیں اور انہیں ایک ہی ڈوری میں پرو دیتے ہیں، جبکہ اس سے مدتِ مدید سے یہ لوگ اس گمان میں مبتلا چلے آتے ہیں کہ یہ لوگ علیحدہ علیحدہ فرقوں کی حیثیت رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ اور کچھ اہم قسم کے لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ عالمِ اسلام

---

[1] وہ اہلِ علم اور اہلِ تحقیق جنہیں ''المثنوی العربی النوری'' کا تعارف حاصل ہے، اس بات کو زور و شور سے بیان کرتے ہیں کہ قطبیت اور غوثیت جیسے مراتب کہ جہاں تک بہت ہی تھوڑے سے کامل لوگ ستر اسی سال تک سیر و سلوک اور ریاضت و مجاہدے کے ذریعے پہنچتے ہیں، اور ان میں وہ ایک ایسے نقطے تک جا پہنچتے ہیں کہ جہاں پہنچ کر وہ پکار اٹھتے ہیں کہ یہ آخری اسٹیج ہے، اس سے آگے جانے کے لیے کوئی راستا نہیں ہے؛ یہ وہ مراتب ہیں کہ بدیع الزمان اس علم اور اس راستے سے اُن لوگوں سے بھی آگے جا پہنچے جو انہوں نے قرآن مجید میں پایا۔ اور یہ اہل علم لوگ ان نادر فوائد کی بڑی تعریف کرتے ہیں جو انہیں ان گہرے، بلند اور وسیع حقائق سے حاصل ہوئے جو اس نفیس کتاب میں پائے جاتے ہیں۔

کے اتحاد کے لیے رسائلِ نور سب سے زیادہ اور سب سے نمایاں کردار ادا کر سکتے ہیں۔ جی ہاں، ہم تو یہاں تک کہہ سکتے ہیں کہ یہ مشرق ومغرب کے درمیان صلح وسلامتی بروئے کار لائیں گے، حالانکہ ان دونوں کے درمیان پائے جانے والے اختلاف کے بارے میں سب کو پتا ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ اور امریکا میں کچھ ایسی لہریں اُٹھی ہیں کہ جو ایسے جدید علمی انکشافات کی تلاش میں ہیں جو دنیا کی مشکلات کو حل کر دیں گے، اور اس دور کے انسان کے لیے حق وحقیقت کو واضح کر دیں گے جو کہ علمی اور فکری ترقی میں پتا نہیں کن بلندیوں تک پہنچ چکا ہے! اگر یہ لوگ کچھ سوچ سکیں اور ادراک کر سکیں تو وہ اپنا مطلوب ومقصود رسائلِ نور میں پالیں گے۔ کچھ علامتیں ایسی ملی ہیں جو اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ جرمن قوم میں اس طرح کی کئی چیزیں ظہور میں آچکی ہیں۔[1]

رسائلِ نور نے اُن مشکل ترین مسائل کو موضوعِ بحث بنایا ہے جو ماضی میں یورپی فلسفیوں سے حل نہیں ہو سکے، اور جن کے بارے میں آج کے فلسفی کہہ رہے ہیں کہ وہ ناقابلِ حل ہیں، لیکن رسائلِ نور نے قرآن کریم کے فیضان سے اور اس کی مدد سے وہ مسائل حل کر دیے ہیں، اور ان پر عقلی ومنطقی دلائل قائم کر دیے ہیں۔ یہی صورتِ حال ان اشکالی مسائل کی ہے جن کی وضاحت کرنے میں اور جنھیں سمجھانے کے لیے مشرق کے فلسفیوں نے بہت زیادہ محنت کی ہے، اور ان میں چالیس چالیس صفحات لکھ ڈالے ہیں، جبکہ رسائل نور نے ان کی تعبیر انتہائی ایجاز کے ساتھ صرف ایک ہی صفحے میں کر دی ہے۔ اس ضمن میں ہم چند وہ باتیں نقل کرتے ہیں جو استاد نے 1953ء میں ''اسکی شہر'' کی فوجداری عدالت میں اپنے دفاعی بیان میں کہیں تھیں، اور یہ وہ عدالت ہے جس میں انہیں موت کی سزا دینے کی سازش تیار کی گئی تھی، استاد کہتے ہیں: ''رسائل نور بجھیں گے نہیں ...... یہ نور ہیں، انہیں جوں جوں بجھانے کی کوشش کی جائے گی یہ اور چمکیں گے ...... یہ پردہ در ہیں، کائنات کے طلسم کے چہرے سے پردہ سرکاتے ہیں اور اس کی پہیلی کو حل کرتے ہیں۔

حشرِ جسمانی کا مسئلہ بھی اسی قبیل کا ہے، اس کے بارے میں ابن سینا جیسے عبقری فلسفی نے کہا ہے: ''یہ نقلی طور پر تو ثابت ہے، لیکن اسے عقلی طور پر ثابت کرنا ممکن نہیں۔'' لیکن رسائلِ نور نے قرآن کریم کے فیضان سے انہیں عقلی طور پر ثابت کر دیا ہے اور انہیں ایسے منفرد انداز میں واضح کیا ہے کہ عوام الناس بھی اسے آسانی کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں۔

اور اس کے قریب قریب ہی وہ اعتراضات ہیں جو یورپ کے گمراہی میں ڈوبے ہوئے فلاسفہ کے شاگردوں نے بعض متشابہ آیات واحادیث پر اُن کے معانی سمجھ نہ پانے کی وجہ سے کیے تھے، رسائلِ نور نے ان کے عقلی ومنطقی جواب دے دیے اور تمام آیات واحادیث میں پائے جانے والے اعجاز کا ہر پہلو آشکار کر دیا۔ انہوں نے علوم وفنون کی طرف سے وارد ہونے والے شکوک وشبہات وضلالات کا اس طریقے سے مقابلہ کیا اور ایک مضبوط علمی طریقۂ کار کی پیروی کرتے ہوئے انہیں جڑ سے اُکھاڑ پھینکا۔

---

[1] اس کی ایک مثال پینسٹھ نوجوانوں کا اسلام میں داخل ہونا اور ان کا رسائلِ نور کے منہج پر کاربند ہونا ہے، اور یہ واقعہ جرمنی کے صرف ایک قصبے میں اور خالص مسیحی ماحول میں پیش آیا ہے۔

اگر ہم رسائلِ نور کے بارے میں ادبی انداز سے کچھ کہنا چاہیں تو یوں کہیں گے کہ یہ ایک بے نظیر ادبی بلندی کے مالک ہیں، اور ان کے منفرد قسم کے اسلوب میں ایک ایسی فصاحت، بلاغت، عذوبت اور ایسا اعجاز پایا جاتا ہے جو عام طور پر ان کتابوں میں نظر نہیں آتا ہے جو لوگوں میں مشہور ہیں۔ اس مقام پر ہمیں اس بات کا ذکر کر دینا چاہیے کہ جب بعض جلیل القدر علما نے ''عصائے موسیٰ'' نامی کتاب کا عربی زبان میں ترجمہ کرنے کا عزم کیا اور پھر باصرار و تکرار وہ کتاب طلب کی، تو انہیں کتاب دے دی گئی، لیکن جب انہوں نے کتاب کی ورق گردانی کی تو یہ کہتے ہوئے استاد اور اُن کے رسائل کے حق میں فضیلت اور امتیازی خصوصیت کی گواہی دی کہ ''بدیع الزمان کی کتابوں کا ترجمہ صرف بدیع الزمان ہی کر سکتا ہے...... ہم لوگ رسائل نور کا ایسا ترجمہ کرنے سے عاجز ہیں جو اس میں پائے جانے والے علم و معرفت کا ترجمہ بھی کر سکے اور اس میں پائی جانے والی فصاحت و بلاغت اور ایجاز کی بھی پوری پوری نگرانی کر سکے۔''

بدیع الزمان نے اپنی تالیفات میں جو منہج اختیار کیا ہے وہ — اکثر ادیبوں اور قلمکاروں کے برعکس — یہ ہے کہ وہ لفظ سے زیادہ معنی کو اہمیت دیتے ہیں، چنانچہ وہ لفظوں کی خاطر معنی کو قربان نہیں کرتے ہیں، بلکہ لفظ کو معنی کا خادم اور اس کا تابع بناتے ہیں، اور اپنے اسلوب میں قاری کی خواہش کو مدِ نظر نہیں رکھتے ہیں بلکہ حقیقت اور معنی پر اعتماد کرتے ہیں اور اسی کو بنیاد بناتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ وہ جب بدن کے لیے کپڑا سیتے ہیں تو اُس کی کٹنگ بدن کے حساب سے کرتے ہیں، بدن کو کپڑوں کے مطابق بنانے کی کوشش نہیں کرتے، یا کپڑے پہلے کاٹ کر انہیں بدن کے مطابق بنانے کی کوشش نہیں کرتے، یہی وہ ربانی جاذبیت ہے جو رسائل نور میں پائی جاتی ہے، جو عقول و قلوب و ارواح و ضمائر کو حقیقت کی طرف کھینچتی چلی جاتی ہے اور وہ اس کی طرف بھاگتے اور کھنچے چلے جاتے ہیں، حتیٰ کہ آپ پائیں گے کہ چھوٹے، بڑے، جوان، بوڑھے اور عوام و خواص سب ہی اس کی طرف ایسے لپکتے چلے آتے ہیں جیسے پروانے روشنی کی طرف لپکتے ہیں۔ اور اس کی بہترین مثال لوگوں کا ان کی طرف وسیع پیمانے پر متوجہ ہو جانا ہے، جس سے دین دشمن گھبرا اٹھے ہیں اور ان کے خدشات ابھر کر سامنے آ گئے ہیں۔

رسائلِ نور کے دیگر مختلف پہلوؤں کی طرح ان کے ادبی پہلو کی وضاحت کرنا اور ان کی قیمت اور اہمیت کما حقہٗ بیان کرنا خاص کر ہمارے جیسے ادب سے بے بہرہ اور ادبا کے مقام سے نا آشنا لوگوں کے مقدور میں نہیں ہے، اور اس مقام پر ہماری عبارتیں اگرچہ کم مایہ آدمی کی کوشش کی طرح مطلب کو واضح کرنے کے لیے کافی نہیں ہیں تاہم یہ ضرور ہے کہ ہماری یہ عبارتیں ہمارے دلوں میں پائے جانے والے اس لامتناہی شکر و امتنان کی سچی تعبیر کرتی رہیں گی جو ہمارے دلوں میں ان فوائد کے مقابلے میں پایا جاتا ہے جو ہم نے رسائل نور سے حاصل کیے ہیں، ورنہ اس مسئلے میں آخری فیصلہ تو خود رسائل کے مؤلّف کا ہی ہوگا۔

منصف مزاج جلیل القدر علما نے رسائل نور کے حق میں یہ گواہی دی ہے کہ یہ ایک منفرد قسم کی قرآنی تفسیر ہے جو کہ

عصرِ حاضر کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے، اور ان لوگوں نے ان کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے ان کی بہت زیادہ تعریف کی ہے اور انہیں بنظرِ استحسان دیکھا ہے، جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بہت سے فاضل علما نے بدیع الزمان کے علم ودرایت کی گہرائی وگیرائی کی گواہی دی ہے، جیسے کہ مفتی دیارِ مصر یہ شیخ محمد بخیت مطیعی کا واقعہ، جب آج سے کم وبیش پچاس سال پہلے ان کی بدیع الزمان کے ساتھ ملاقات ہوئی۔

اس مقام پر ہم وہ دستور یاد دلانا چاہتے ہیں جو بدیع الزمان نے اپنی تمام تر زندگی میں اپنائے رکھا، اور وہ ہے عطیات کا قبول نہ کرنا، اور تحفہ اس شرط پر قبول کرنا کہ اس کے مقابلے میں کوئی چیز لازماً دیں گے۔ اس چیز کی گواہی تو ان کے دشمن تک دے چکے ہیں، اور وہ اس بات کا اقرار کر چکے ہیں کہ انہوں نے اپنے عملی موقف کے ذریعے اِس تہمت کو غلط ثابت کر دکھایا جو کہ اسلام کے دشمنوں نے اہلِ علم کے بارے میں بڑھ چڑھ کر دہرائی ہے، اور اُنہوں نے علم کو کمینے پن سے اور اس کے ذریعے دنیا کمانے سے بچ کر رہنے کے بارے میں ایک قابلِ نمونہ مثال قائم کر دی ہے، اور پھر انہوں نے سرکش ترین ظالموں کے مقابلے میں اسلام اور ایمان کی عزت کی حفاظت کی ہے، اور استغنا کے اس قاعدے میں رخنہ نہیں آنے دیا جس پر وہ سخت ترین حالات میں بھی عمل پیرا رہے، چنانچہ وہ یہ کہتے ہوئے لوگوں کے اموال سے مستغنی رہے کہ قناعت اور کفایت شعاری دو عظیم الشان خزانے ہیں، مجھے ان دو خزانوں کی برکتیں ہی کافی ہیں۔

بدیع الزمان جو عرصۂ دراز تک جیلوں میں رہے، قیدِ تنہائی میں دھکیلے گئے، جلاوطنیوں سے دوچار ہوئے، تکلیفیں سہتے رہے اور سترہ مرتبہ زہر خورانی کی کوششوں کا شکار ہوئے ...... یہ تمام چیزیں اس بات کی ایک تابندہ دلیل اور زندہ برہان ہیں کہ ان کی راہ سچائی کی راہ تھی اور ان کی دعوت حقانیت کا سراپا تھی۔ اس بات کی گواہی میں ہم اس موقف کا ذکر کرتے ہیں جو ایک فاضل دوست نے اس وقت اختیار کیا جب اس سے لوگوں کے مجمع میں پوچھا گیا کہ بدیع الزمان کون ہے؟ تو اس نے جواب میں کہا: وہ ایک صاحبِ دعوت آدمی ہے، اتنا عزت دار، غیرت منداور پاکباز ہے کہ صدقہ اور ہدیہ قبول نہیں کرتا، بیماری نے اُسے لاغر کر دیا ہے، بوڑھا ہو چکا ہے، اس نے ساری زندگی پردیس اور جلاوطنی میں گزاری ہے، وہ فقر وفاقہ سے دوچار اور ہر طرح کے ظلم وستم کا شکار رہا، لیکن اس سب کے باوجود گزشتہ ساٹھ سال سے وہ اپنے دعوتی موقف پر پہاڑ کی طرح ڈٹا ہوا ہے، ایک انچ بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوا!

لوگوں نے کہا: جس آدمی کے یہ حالات ہوں وہ بہر صورت حق پرست ہوگا اور قرآن واسلام کی کلّی، سنجیدہ اور مؤثر ترین خدمت سرانجام دے رہا ہوگا، اور کفر والحاد وزندیقیت کے سامنے سر نہیں جھکاتا ہوگا، ریاکار اور چاپلوس نہیں ہوگا؛ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اتنے ظلم وستم کا اور اتنی تکلیفوں کا سامنا کبھی نہ کرتا۔

یہیں سے ہمارے لیے یہ کہنا ممکن ہو جاتا ہے کہ مدح وثنا اور قدردانی کی وہ عبارتیں جو استاد کے حق میں کہی جاتی ہیں

اور عالم فاضل لوگوں کی زبانوں سے ادا ہوتی ہیں صرف رواجی مدح وثنا کی عبارتیں نہیں ہیں، بلکہ یہ ایک کھلی آنکھوں نظر آنے والے اور مشاہداتی واقعہ کے بارے میں دیے گئے بیانات ہیں، اور جو کارنامے بدیع الزمان نے سرانجام دیے ہیں ان کے ایک چھوٹے سے جز کا حق ادا نہ کر سکنے والی قاصری تعبیر ہے۔ اور طلابِ نور بھی جو مضامین اور خطوط وغیرہ لکھتے ہیں، ان کی صورتِ حال بھی یہی ہے، یہ کوئی ایسی مدح سرائیاں نہیں ہیں جن کے اُوپر بناؤ سنگھار کرایا جائے، بلکہ کچھ سادہ سے دفاعی مضامین ہیں جو کچھ بے ضمیر اور بے انصاف قسم کے دین دشمنوں کا ناطقہ بند کرتے ہیں، اور وہ لوگ استاد کی ایمانی خدمات پر ضرب لگانے اور ان کی شخصیت کے ساتھ الجھنے کی جو کوششیں کرتے ہیں، ان کوششوں میں انہیں ناکام کرنے کے لیے ان کے ساتھ جنگ آزما ہوتے ہیں۔[1]

علی الرغم اس کے کہ یہ تعریفی وتوصیفی عبارتیں حقیقت سے ہٹ کر نہیں ہوتی ہیں، استاد اپنی ناپسندیدگی اور پریشانی کا اظہار کر ہی دیتے ہیں، اگرچہ اس سے ان کہنے والوں کے جذبات مجروح بھی ہو جائیں، بلکہ بسا اوقات وہ اس بات پر زور دیتے ہوئے کہتے ہیں: یہ دور انفرادی شخص کا نہیں ہے بلکہ یہ معنوی شخصیت کا دور ہے...... اور رسائل نور میں کوئی انفرادی شخص نہیں ہے بلکہ ان میں معنوی شخصیت ہے...... میں کچھ نہیں ہوں...... رسائل قرآن کا سرمایہ ہیں، اُسی سے ٹپکے ہیں اور ان کے حسن وجمال اور شرف وکمال کا سرچشمہ صرف وہی ہے...... میرے اور رسائل نور کے درمیان خلط ملط واقع ہو چکا ہے...... امتیازی حیثیت صرف انہیں کو حاصل ہے مجھے نہیں...... رہی ان کی نشر واشاعت کے ضمن میں ملنے والی عجیب توفیق، تو اس کا مرجع اس کے شاگرد ہیں...... بات صرف اتنی ہے کہ میں بہت زیادہ ضرورت مند تھا اور اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنا فضل کر دیا ہے اور مجھ پر قرآن حکیم کی دواؤں کی نعمت ارزانی کر دی اور میں نے انہیں یکجا کر دیا، اور

---

1 ملحدین اور شیاطین الجن والانس جو مکاریاں اور دسیسہ کاریاں بار بار دہراتے رہتے ہیں اور اپنے فریب خوردہ لوگوں کی زبانوں پر چلاتے رہتے ہیں، ان میں سے ایک اہم دسیسہ ان کا یہ کہنا ہے: تمہارا استاد تو اپنی ذات کو کوئی اہمیت نہیں دیتا ہے، لیکن تم لوگ اس کی تعریف اور جلالتِ شان میں لکھ لکھ کر اس کے منہج ورضا کی مخالفت کرتے رہتے ہو؟

حقیقت یہ ہے کہ طلابِ نور کو دھوکا دینے کے لیے اور انہیں پریشان کرنے کے لیے یہ ان لوگوں کا ایک اہم حربہ ہے؛ اور وہ اس طرح کہ عام اور سادہ لوح لوگوں کو چونکہ استاد کا اور رسائل کا عادلانہ اور غیر جانبدار دفاع کرنے سے روک دیا جاتا ہے اور ان سیدھے سادھے لوگوں میں یہ بات مشہور بھی ہے کہ استاد اپنی تعریف نہیں کرنے دیتے ہیں، اس لیے شاطر لوگ اس بات کو لے اڑتے ہیں اور اس طرح طلابِ نور کو مغالطہ دیتے ہیں؛ اور ہم کہتے ہیں: جی ہاں! ہمارے استاد کے اخلاص سے جنم لینے والی ایک بلند ترین خصلت یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے ہیں، لیکن یہ چیز ہمیں ان کی قدر وقیمت سے اور ان کے بلند مرتبے سے غافل نہیں کر سکتی، بلکہ بصیرت اور انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ اسے آشکار کیا جائے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ اپنے خاص لطف وکرم کا برتاؤ کرتے ہوئے ہمیں یہ یگانۂ روزگار آدمی عطا کر دیا ہے جس نے ہمیں رسائلِ نور کی صورت میں ایک انوکھی طرز کی قرآنی تفسیر دے دی ہے جو کہ ہمارے اہم ترین بنیادی مسائل کا حل پیش کرتی ہے، اور یہ مسائل آج صرف عالمِ اسلام کے اور معاصر انسانی سماج کے مسائل ہی نہیں ہیں، بلکہ اُن کے اثرات اور کردار آئندہ نسلوں کو بھی متاثر کریں گے۔

میرے کندھوں پر کسی نہ کسی شکل میں ان کی ترجمانی کی اور ان کی تعبیر کی ذمہ داری آ پڑی...... میں رسائل نور کا ایک طالب علم ہوں...... میں ان میں سے ایک رسالہ سو مرتبہ پڑھ چکا ہوں اور اب پھر سے اسے پڑھنے کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں...... پس علم حاصل کرنے میں مَیں تم لوگوں کا کلاس فیلو ہوں۔

قرآن اور ایمان کی وہ خدمت کہ جس کا بیڑا بدیع الزمان نے اٹھایا ہے، کوئی مقامی اور محدود سا کام نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ایسی خدمت ہے جو معمورۂ عالم کے اطراف واکناف میں پھیلتی جاتی ہے اور ایک واضح توفیق اور کامیابی سے نوازی جارہی ہے۔ اور یہ توفیق، نجات اور قوتِ تاثیر کہ جس سے رسائلِ نور متمتع ہو رہے ہیں، اس کے پیچھے جو راز کام کر رہا ہے وہ ہے بدیع الزمان کا مکمل ''اخلاص''؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے علاوہ اس کے ہاں نہ تو کوئی بنیاد ہے جس کا وہ سہارا لے رہا ہو، اور نہ ہی اس کے سامنے کوئی مقصد ہے جس کی طرف وہ آنکھیں لگائے ہوئے ہو، اس ضمن میں وہ کہتے ہیں: ''ہمارے مسلک کی بنیاد انتہائی اخلاص اور ترکِ انانیت ہے، چنانچہ خالص عمل کا ایک تولہ غیر خالص عمل کے ایک من سے بہتر ہے...... میں شہرت سے اور لوگوں کے مادی و معنوی تحفوں اور عوام الناس کی توجہ سے اور اپنے لیے ان کی تعظیم و توقیر سے بہت دور بھاگتا ہوں۔'' اور بلاشبہ وہ جو اپنی ملاقات کے لیے آنے والوں کا استقبال نہیں کرتے تھے، اس کے بہت سے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا۔ ان کے اخلاص کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اپنے ایک سو تیس رسائل میں سے ''اخلاص واخوت'' نامی رسالے کا آغاز خاص طور پر اس عبارت کے ساتھ کیا ہے: ''یہ رسالہ ہر پندرہ دن میں کم اَز کم ایک بار ضرور پڑھا جائے''۔ اور اپنی ''دفاعِ کبیر'' نامی کتاب میں کہتے ہیں: ''ہماری غرض وغایت اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے، اور رسائلِ نور کو دنیا کی کسی بھی چیز کے لیے، بلکہ تمام تر کائنات کے لیے بھی آلۂ کار نہیں بنایا جا سکتا۔''

پس یہ ہے وہ اخلاص جو ان جلیل القدر محقق علما میں سے ایک عالم نے محسوس کیا جو امام غزالیؒ جیسے بڑے بڑے مشہور فلسفی ائمہ کی تالیفات کو پڑھنے کے عادی ہیں، چنانچہ اس نے کہا: جو فائدہ میں رسائل نور کا ایک صفحہ پڑھ کر حاصل کرتا ہوں، وہ اس فائدے سے کہیں زیادہ ہوتا ہے جو میں رسائل کے علاوہ دیگر تالیفات کے دس صفحات پڑھ کر حاصل کرتا ہوں۔

فلسفے کا ایک استاد کہتا ہے: مجھے کئی سال تک علمی اور فلسفی کتابوں کے ساتھ گہرا شغف رہا ہے، لیکن رسائلِ نور کے علاوہ مجھے ایسی کوئی کتاب نہ ملی جو مجھے مطمئن کر سکتی ہو اور میرے ان زخموں پر مرہم رکھ سکتی ہو، میرے فلسفے اور یورپی کتابوں کے ہاتھوں لگے ہوئے زخموں پر مرہم رکھ سکتی ہو اور میری اس دور میں اُبھرنے والی حاجات وضروریات کو پورا کر سکتی ہو!

ایک ادیب کہتا ہے: میرا دل مومن تھا لیکن میری عقل تاریک تھی، رسائلِ نور نے آ کر ان دونوں کو ایک ساتھ روشن

کر دیا اور میرے نفس کے خلاف دلیل قائم کر دی اور مجھے میری جہنم کے عذاب سے بچا لیا۔

ایک ڈاکٹر کہتا ہے: حق یہ ہے کہ میرا جنم دن وہ ہے جس دن میں نے رسائل نور سے فائدہ اٹھانا شروع کیا۔

یونیورسٹی کا ایک توثیق یافتہ سٹوڈنٹ کہتا ہے:

یہ بات کہ میں استنبول میں کوئی رسالۂ نور ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کی خدمت سرانجام دوں، مجھے پارلیمنٹ کا ممبر بننے سے زیادہ پسند ہے۔

آج سے تیس سال پہلے اہل تصوف میں سے ایک فاضل، مخلص اور جلیل القدر بزرگ آدمی نے لُطفی نامی ایک نوجوان کے بارے میں کہا تھا: یہ طالب نور ہم سے بہت آگے نکل گیا ہے۔

یہ بہت سے اعتراقات کے چند نمونے ہیں جو ہمارے ذکر کردہ اخلاص کی طرف اشارہ کرتے ہیں، یہ یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اخلاص کا یہی راز ہمیں طلابِ نور میں بھی نظر آتا ہے، اور یہی وہ راز ہے جس کی برکت سے وہ ان پُرآشوب حالات میں، بہت دھمکیوں، ڈراووں اور قید و بند کی سختیوں کی فضا میں بھی ایمان و اسلام کی خدمت کی توفیق سے نوازے جا رہے ہیں، اور انہوں نے اپنی زندگی رسائل نور کی خدمت کے لیے اور اپنے استاد کے نقش پا پر چلنے کے لیے وقف کر رکھی ہے، ان لوگوں نے رسائلِ نور کے معاملے کو اپنی عمر کا سرمایہ اور اپنی زندگی کی غرض و غایت قرار دیا ہوا ہے۔

جس طرح رسائلِ نور کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے، اسی طرح ایمانی غیرت کے حامل وکلا بھی ان پر عمل کر کے بہت بڑی نعمت اور بلند پایہ عزت سے ہمکنار ہو گئے ہیں، وہ ان کے اتنے قابلِ فخر وکیل بن گئے کہ ان کے قلوب و ارواح اسلام دوستی سے لبالب بھر گئے۔ اور یہی حالت ان کے ان قلمکاروں بھائیوں کی ہے جو دین کے دفاع میں اور حق کی نصرت و تائید کے لیے خم ٹھونک کر میدان میں آ گئے ہیں۔

وہ پھیلاؤ جو رسائلِ نور کے حصے میں آیا ہے، اور وہ فتوحات جو وہ پے در پے کرتے جا رہے ہیں، اور وہ تاثیر جو وہ اپنے پیچھے چھوڑ رہے ہیں، وہ اُن موجودات کے ساتھ مشابہت رکھتی ہیں جو فصلِ گل میں پھیل جاتی ہیں اور کسی بھی طرح کا شور و غل کیے بغیر بڑی شان و شوکت کے ساتھ کھلتی جاتی ہیں۔

پس اے میرے نوری بھائیو! تمہارے حصے میں رسائل نور کی صورت میں ایک ایسی نعمت آ گئی ہے جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے...... اور تم لوگوں نے اسلام کے بدیع الزمان جیسے بطلِ جلیل کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ہے...... وہ عبقری مفکر، عالمِ متبحر، مجاہدِ لاثانی اور وہ عبدِ کلی کہ ایمانی حقائق جس کے روپ میں مجسّم ہو کر سامنے آ گئے تھے، اور جس میں زہد و تقویٰ کے معانی جگمگا اٹھے، اور جس نے اپنی تمام زندگی کو پورے اخلاص اور بے نفسی کے ساتھ قرآن کے شاگرد کے طور پر اور اسلام کے خادم کے طور پر اس طرح سے کر دیا کہ اس کے سامنے اپنے پروردگار کی رضامندی

کے سوا کوئی چیز نہیں رہی تھی، وہ ایمان کو بچانے والے ہیں اور کہتے ہیں: میں ایک شخص کے ایمان کو بچانے کے لیے جہنم میں جانے کے لیے راضی ہوں، اور یہ وہی ہیں جنھیں موت کی سزا دینے کے لیے فوجداری عدالت میں پیش کیا گیا، اور جب اُن پر رجعت پسندی کا الزام لگا تو انہوں نے یہ کہتے ہوئے جواب دیا: مشروطیت اگر لوگوں کے ایک گروہ کے استبداد کا نام ہے، تو پھر جن وانس گواہ رہیں کہ میں رجعت پسند ہوں، میری اگر ایک ہزار روحیں بھی ہوں تو میں ان سب کو قرآن کے ایک ہی حکم پر قربان کر دینے میں ذرّہ برابر تردّد نہیں کروں گا۔ پھر جب عدالت نے ان کی بے گناہی کا فیصلہ سنایا تو وہ عدالت کا شکر یہ ادا کیے بغیر ہی عدالت کے احاطے سے باہر نکل کر عدالت کے قریبی میدان میں چلے گئے اور لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر بلند آواز کے ساتھ کہنے لگے:

ظالموں کے لیے جہنم زندہ باد!

اور یہ وہی ہیں جنہوں نے ان عدالتوں میں کہ جنہوں نے آج سے چوبیس برس پہلے انہیں ختم کر دینے کی کوشش کی، پوری گونج دار آواز میں کہا تھا: ارے ملحدو! ارے زندیقو! تُم یہ کہہ چکے ہو کہ: سعید پچاس ہزار آدمیوں کی قوت کا مالک ہے، آگاہ رہو کہ تم لوگ غلطی پہ ہو...... کیونکہ قرآن وایمان کا خادم ہونے کی وجہ سے میں پچاس ہزار نہیں بلکہ پچاس ملین آدمیوں کی قوت رکھتا ہوں۔...... اس سے تم خود حساب لگالو...... اور اگر تم لوگوں میں میرے ساتھ الجھنے کی ہمت ہے تو میرے ساتھ اُلجھ کر دیکھ لو۔ میری پھانسی تم پر بم بن کر پھٹے گی اور تمہارا ستیا ناس کر دے گی۔ اور میری موت کا فیصلہ مٹی میں دانہ دفنا دینے کے مترادف ہوگا جو بہت جلد سو بالیوں کی صورت میں اُگ آئے گا...... اور تب تم دیکھو گے کہ میرے بجائے سو سو سعید ظہور میں آئیں گے اور تمہاری آنکھوں کے سامنے اس بلند تر حقیقت کا پرچار کریں گے۔ اور یہ وہی ہیں جنہوں نے آج سے پندرہ سال پہلے کہا تھا کہ اگر میرے اتنے سر ہوں جتنے میرے سر کے بال ہیں، اور ان میں سے ہر روز ایک سر کاٹ دیا جائے، تو بھی میں اپنی اس ایمانی خدمت سے پیچھے نہیں ہٹوں گا، اور اگر تم لوگ تمام دنیا کو آگ بنا دو اور اُسے میرے سر پر بھڑکا دو، تو بھی میں اس سر کو جھکاؤں گا نہیں جو میں قرآنی حقیقت کی نذر کر چکا ہوں اور جسے میں نے زندیقیت کے سامنے کبھی خم نہیں کیا...... اور یہ وہی ہیں جنہوں نے آج سے پچاس سال پہلے اُس ظالم وجابر برطانوی سلطنت کا سامنا کیا جس نے عالمِ اسلام کے ممالک پر قبضہ کر لیا تھا اور ان کی تمام دولت وثروت ہتھیا لی تھی، وہ اس سلطنت کے مقابلے میں کھڑا ہو گیا، اور اس کے بارے میں اپنی مطبوعات میں اپنے موقف کا اظہار ان الفاظ کے ساتھ کیا: ان ظالموں اور بے حیاؤں کے چہروں پر تھوک دو...... اور یہ وہی ہے جس نے لوگ سبھا کے سامنے صدرِ مملکت کو مخاطب ہو کر کہا تھا، ''کائنات میں ایمان کے بعد سب سے بڑی حقیقت نماز ہے...... اور جو آدمی نماز نہیں پڑھتا خائن ہے...... اور خائن کا حکم مردود ہے...... کیا ایمان کے بعد کوئی حقیقت نماز سے بڑھ کر بھی ہو سکتی ہے کہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں سینکڑوں جگہ پر حکم دیا ہے؟'' ...... یہ وہی ہیں جنہوں نے لوگ سبھا میں نماز کے بارے میں

پہلے تقریر کی اور پھر وہاں با جماعت نماز کی سنّت کا آغاز کیا...... یہ وہی ہیں جنہوں نے موت کو ایک معمولی سی چیز سمجھا اور بغیر کسی خوف وخطرے کے یہ کہتے ہوئے گولی کے ساتھ موت کا استقبال کیا کہ ''مجھے آخرت کی طرف جانے کے لیے پاسپورٹ کی ضرورت تھی۔'' اور یہ اس وقت کی بات ہے جب انہوں نے پہلی جنگِ عظیم میں ایک رضا کار دستے کی قیادت کی تھی اور وہ روس کے ہاتھوں قید ہوگئے تھے۔

جی ہاں، اے نوری بھائیو! ہمیں ایک ایسی عظیم نعمت مل گئی ہے کہ اگر ہم اس کی راہ میں اپنی روحیں قربان کردیں، اپنی ساری زندگی اس کے لیے وقف کردیں اور اس کے شکرانے کے لیے ساری عمر بھی سجدے میں پڑے رہیں تو بھی اس کا حق ادا نہیں کر سکتے۔

کہ ہمارا مسلک مثبت اور تعمیری ہے، اور یہ کہ قرآن نے ہمیں کسی بھی منفی نقصان دہ اور تخریبی کام سے منع کر رکھا ہے۔
جی ہاں ہمارے محبوب استاد!...... ہمارے آقا اور ہمارے سروں کے تاج!...... ہمارے لیے ہمارے دلوں، ہماری روحوں اور ہماری زندگی سے زیادہ عزیز ہستی!...... جب تک آپ ہمیں کسی بھی نقصان دہ تخریبی کام کی اجازت نہیں دیتے، ہم اللہ تعالیٰ سے مدد اور توفیق کی بھیک مانگتے ہوئے آپ کے ساتھ عہد کرتے ہیں کہ ہم دین کے ان ظالم وفاجر دشمنوں سے انتقام ضرور لیں گے جنہوں نے ہم پر شدید ترین ظلم کیے ہیں، اور ہمیں اس ضمن میں بہت زیادہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے گا اور ہمیں توفیق سے نوازے گا...... ان سے اپنا انتقام اس طرح لیں گے کہ ہم رسائلِ نور کی نشر واشاعت کریں گے، اُن کی خدمت کریں گے، ان کی تعلیم دیں گے، ان پر ثابت قدمی دکھائیں گے اور مرتے دم تک ان کے ساتھ محبت اور دوستی کا دم بھرتے رہیں گے...... اور انہیں باذن اللہ سونے کے پانی سے لکھیں گے۔

بقلم: یونیورسٹی طلبہ

استاد کا ملاقاتیوں کے لیے ایک خصوصی پیغام

میں اپنے دوستوں کے لیے خصوصی طور پر اور ملاقاتیوں کے لیے عمومی طور ایک بات واضح کرنے پر مجبور ہوگیا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ میں نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ عُزلت میں گزارا ہے، چنانچہ میں نے لگ بھگ چالیس سال تک شدید نگرانی اور مقدمات کی پیروی میں گزارے ہیں، حتیٰ کہ میں خود کو دنیا سے علیحدہ رکھتا رہا اور لوگوں سے دور بھاگتا رہا، اور سوائے کسی سخت ضرورت کے ان سے ملتا نہیں تھا۔

پھر میں مادی اور معنوی تحفے قبول کرنے کو بارِگراں سمجھتا تھا، اب ان دنوں میرے دوستوں اور ملاقاتیوں کی تعداد میں بڑا اضافہ ہو چکا ہے اور انہیں ان کے معنوی تحفوں کے بدلے میں کچھ نہ کچھ دینا ضروری ہو جاتا ہے؛ چنانچہ جس طرح مجھے مادی تحفے کا ایک لقمہ بیمار کر دیتا ہے، اسی طرح میری ملاقات کے لیے اور میرے ساتھ بات چیت کے لیے، اور

خاص کر دور دراز کے علاقوں سے تکلیفیں اٹھا کر مجھے سلام کرنے کے لیے اور میرے ساتھ مصافحہ کرنے کے لیے آنا تو ایک بہت ہی گراں بہا معنوی تحفہ ہے، بلکہ یہ تحفہ اپنے جیسے تمام مادی تحفوں پر فوقیت رکھتا ہے اور میں اس کا بدلہ نہیں چکا سکتا، اور میں خود کو اس احترام کا اور اس قدر دانی کا اہل بھی نہیں سمجھتا ہوں۔

لہٰذا، احسانِ الٰہی نے جیسے مجھے مادی تحفے قبول کرنے سے روک رکھا ہے، اسی طرح اُس نے مجھے معنوی تحفے قبول کرنے سے یعنی بغیر کسی شدید ضرورت کے میل ملاقاتوں سے بھی روک رکھا ہے، چنانچہ بعض ملاقاتیں مجھے ایسے ہی بیمار کرتی ہیں جیسے وہ مادی تحفے کہ جن کا میں بدلہ نہیں چکا سکتا؛ اس لیے تمہیں اس بات سے بددل اور غمگین نہیں ہونا چاہیے۔

رسائلِ نور کا مطالعہ میرے ساتھ براہِ راست ملاقات کرنے سے دس گنا زیادہ مفید ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ میرے ساتھ ملاقات آخرت، ایمان اور قرآن کی خاطر ہوتی ہے، اور میں چونکہ دنیا سے قطع تعلق کر چکا ہوں، اس لیے میرے ساتھ دنیا کے لیے ملاقات کرنے کا کوئی مطلب ہی نہیں ہے، رہی میرے ساتھ آخرت، ایمان اور قرآن کی خاطر ملاقات، تو رسائل نور نے اس ضمن میں میرے ساتھ ملاقات کرنے کی ضرورت نہیں رہنے دی ہے، حتی کہ میں اپنے ان خاص بھائیوں کے ساتھ بھی کسی ضرورت کے بغیر نہیں مل سکتا ہوں جو میرے ہی کام کاج میں مصروف ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ میں بعض فاضل دوستوں کے ساتھ رسائلِ نور کی خدمت اور اُن کی فتوحات کے لیے ملاقات رکھنا چاہتا ہوں، اِس لیے ملاقات کا مقصد اگر وہی ہو جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے تو پھر ملاقات ممکن ہے اور وہ مجھ پر گراں نہیں گزرے گی۔

اور میری ملاقات کے لیے آنے والے وہ دوست احباب جو یہ بات نہیں جانتے ہیں، میں اُن کی معلومات کے لیے یہ کہتا ہوں کہ میں اس سے پہلے بعض اخبارات میں یہ اعلان کر چکا ہوں کہ میں ہر اس آدمی کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھتا ہوں جو میرے ساتھ ملاقات کرنا چاہتا ہے، اور خاص کر وہ جو مجھے ملنے کے لیے دور سے آتا ہے لیکن اُسے میرے ساتھ ملاقات کا موقع نہیں ملتا اور وہ ملے بغیر ہی واپس چلا جاتا ہے...... میں ان سب لوگوں کے لیے خاص کر ہر صبح کو دعا کرتا ہوں...... اس لیے ان لوگوں کے دلوں میں میرے بارے میں کوئی میل نہیں آنی چاہیے۔

سعید نورسی

☆ ☆ ☆

باسمہ سبحانہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ہمارے استاد کو کسی بڑے ذمہ دار افسر کا ایک خط موصول ہوا، اس میں وہ لکھتا ہے: سابقہ جمہوری پارٹی کی حکومت کے قائدین نے ''سوانح عمری'' نامی کتاب کی نشر واشاعت کی ممانعت کی نسبت حکومت کے کلیدی عہدوں پر فائز اثر و

نفوذ رکھنے والی شخصیات کی طرف کی ہے اور بتایا ہے کہ انہی لوگوں نے یہ کتاب شائع کرنے سے روکا تھا؛ اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے کچھ خصوصی اختیارات بھی دے دیے تھے۔

استاد نے اس کا جواب کچھ اس طرح سے دیا:

اوّلا: اس کتاب کے اہم حصے پہلے بھی کئی دفعہ شائع ہو چکے ہیں، ان میں کچھ تو وہ ہیں جو "سبیل الرشاد" نامی میگزین میں تین دفعہ شائع ہوئے، اور کچھ وہ ہیں جو آج سے چالیس سال قبل عربی ولاطینی رسم الخط میں چار دفعہ شائع ہوئے، اور مزید یہ کہ اس میں کچھ وہ دفاعی بیانات ہیں جو سرکاری حکم سے طبع ہوئے اور عدالتوں میں پڑھے گئے۔ اور آخر میں ان میں بعض ان خطوط و مضامین کا اضافہ کر دیا گیا جو وطن سے باہر کے فاضل علما نے، تعریف، شکریہ اور قدردانی کی رُو سے لکھے تھے۔ اس بنا پر ایسی کوئی وجہ نظر نہیں آ رہی ہے جو عدالت کے لیے ان مذکورہ چیزوں پر پابندی لگانے کا جواز فراہم کر سکے۔

ثانیاً: رسائل نور پچھلے چالیس پچاس سالوں میں سیاستدانوں کے ہر طرح کے دباؤ کے باوجود عالمِ اسلام میں عجیب طریقے سے ذاتی طور پر پھیلے ہیں، اور اب جبکہ ان کے لاکھوں ناشرین میدان میں آ چکے ہیں، ان کی نشر و اشاعت کیسے روکی جا سکتی ہے؟ آگاہ رہیں کہ صرف سابقہ پارٹی کے کارندے ہی نہیں بلکہ تمام عالم انہیں روکنے سے عاجز ہے، بلکہ ان کی یہ کوشش ان رسائل کے حق میں ایک پروپیگنڈا بن جائے گی، اس لیے طلاب نور کو اس سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

ثالثاً: سابقہ پارٹی نے مجھ پر جتنے بھی ظلم کیے ہیں، میں نے سب معاف کر دیا ہے، اس سے بڑھ کر یہ کہ رسائلِ نور نے اناطولیہ اور مشرق صوبہ جات میں امن و استقرار کے لیے بہت بڑی خدمت سرانجام دی ہے، اور وہ اس طرح کہ انہوں نے ہر آدمی کے دل میں ایک نگران مقرر کر دیا ہے جو کہ ایک معنوی سپاہی کی حیثیت رکھتا ہے اور اُس میں اِس قرآنی دستور ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ کے مطابق عمل کو مضبوط کر دیا ہے، جس کے تقاضے کے مطابق اگر کوئی آدمی کوئی جرم کرتا ہے تو اس کے اس گناہ کی ذمہ داری کسی اور آدمی پر، یا اس کی پارٹی پر یا اس کے اہل و عیال پر اور اس کے رشتہ داروں پر ڈالنا جائز اور صحیح نہیں۔

یہی وہ نقطہ ہے جس کی بنیاد پر رسائل نور سابقہ پارٹی کے چند افراد کی غلطی کو بڑھا چڑھا کر پیش نہیں کرتے ہیں، یعنی یہ سو میں سے پانچ آدمیوں کی غلطی کو باقی پچانوے آدمیوں کے سر تھوپنے کو جائز نہیں سمجھتے ہیں، اور اس غلطی کو سامنے رکھ کر رائی کا پہاڑ بنانے کی اجازت نہیں دیتے ہیں، اسی بنیاد کو سامنے رکھتے ہوئے سابقہ جمہوری پارٹی کے کارندوں کو چاہیے کہ وہ رسائل نور کے ممنون رہیں، اور ان کے بارے میں وہی رویہ اختیار کریں جو موجودہ حکمران پارٹی نے کیا ہوا ہے؛ کیونکہ اگر رسائل نور قرآنی دستور سے حاصل کردہ اس درس کی تعلیم و تلقین نہ کرتے تو آج چند آدمیوں کے جرم کی وجہ سے ہزاروں لوگ مجرم قرار دیے جا چکے ہوتے۔

رابعاً: یہ بات قطعی صورت میں واضح ہو چکی ہے کہ رسائلِ نور قرآن حکیم کے معنوی معجزے کا ایک درس ہیں جو اس وطن کے اور عالمِ اسلام کے باشندوں کی حفاظت کرتے ہیں اور انہیں خارج سے آنے والے کفرِ مطلق سے اس حد تک بچاتے ہیں کہ ان کا سامنا کرنے میں اور ان کی تردید کرنے میں کوئی بھی ملحد فلسفی کامیاب نہیں ہو سکا۔ ہمیں یہ یقینی خبر پہنچی کہ عالمِ اسلام کے ایک شہر میں ایک بہت بڑا اجتماع ہوا ہے جس میں لاکھوں کی تعداد میں نوجوان شریک ہوئے ہیں، ان نوجوانوں نے اس اجتماع میں یہ اعلان کیا ہے کہ رسائلِ نور ہی عالمی امن قائم کرنے کے لیے کردار ادا کریں گے، اور ہمیں یہ خبر بھی ملی ہے کہ وہ بعض ملک جو کہ عالمی امن کی حمایت کرتے ہیں انہوں نے رسائل نور کا اپنی زبانوں میں ترجمہ شروع کر دیا ہے۔

خامساً: بعض سرکاری عہدے داروں نے ایک دو سطروں کو بنیاد بنا کر تمام کتاب کی اشاعت کو روکنے کے لیے بعض قوانین کی غلط وضاحت کر ڈالی ہے، تو انہیں میری طرف سے نیابتاً کہہ دو کہ کیا ایک آدمی کے جرم کی وجہ سے اس کے بیس ہزار رشتے داروں اور محلے داروں کو سزا دینا جائز ہے؟ اور کیا پوری دنیا میں کوئی بھی قانون اس کی اجازت دیتا ہے؟

بالکل یہی صورت حال پانچ سو صفحات پر مشتمل کسی کتاب کی ہے جس کے ہر صفحے میں بیس سطریں ہوں، لیکن اس کی کسی ایک سطر میں کسی شخص کے بارے میں کوئی تیکھا سا جملہ آ گیا ہے..... تو اگر اس جملے میں کسی شخص کا نام نہیں آیا ہے تو پھر اس پر کوئی بھی ذمہ داری مرتب نہیں ہوتی اور وہ مجرم نہیں ٹھہرتا، بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اگر اس کا نام بھی آ جائے تو پھر نشر واشاعت کی سنسر شپ کے قوانین کے تحت وہ نام حذف کر دیا جائے گا، لیکن یہ بات کہ اس کتاب پر پابندی لگا دی جائے گی، قانون کے خلاف ایسی بغاوت ہے جو کبھی دیکھنے سننے میں نہیں آئی، اور یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے ایک شخص کے جرم کی وجہ سے دس ہزار لوگوں کو جیل میں ٹھونس دیا جائے! اور اس سے بھی بڑھ کر بات یہ ہے کہ باقی بچنے والی بیس ہزار سطریں بیس ہزار خوبیوں کی مالک ہیں؛ کیونکہ وہ اب تک بیس ہزار لوگوں کا ایمان مضبوط کر چکی ہیں، اور یہ بیس ہزار خوبیوں میں اس ایک برائی کو مٹا ڈالنے کی صلاحیت یقیناً موجود ہے۔

میں اگر اس وقت کچھ زیادہ بیمار نہ ہوتا تو اور بھی کافی باتیں کرتا، لیکن اب تم لوگ جو میرے معاملات میں میرا ہاتھ بٹا رہے ہو، اگر محسوس کرو تو مناسب قسم کی کمی بیشی کر سکتے ہو۔

رسائلِ نور کی سب سے تائید ونصرت ان پولیس والوں کو کرنی چاہیے تھی؛ کیونکہ ان رسائل نے امن واستقرار کی بنیادیں استوار کر کے بہت بڑی خدمت سرانجام دی ہے اور اس طرح انہوں نے معنوی پولیس کی ڈیوٹی ادا کی ہے، لیکن پولیس والوں کی ان دنوں یہ ڈیوٹی لگا دینا کہ وہ رسائلِ نور اور ان کی خدمت کی تفتیش اور سراغ رسانی کرتے رہیں، ایک ایسا کام ہے جو ایک طرف تو ان کی اصل ڈیوٹی کے منافی ہے، اور دوسری طرف ہماری دل آزاری کا باعث بنتا ہے۔ بہر کیف پولیس والوں کو بھی یہ پیغام پہنچا دو کہ میں نے انہیں معاف کر دیا ہے۔

سادساً: ہمیں امید تھی کہ ان تین مبارک مہینوں میں اور خاص کر شب معراج میں ہماری مصیبت دور اور پریشانی ختم ہو جائے گی، لیکن اچانک ہمیں یہ افسوس ناک خبر ملتی ہے کہ کتاب ضبط ہو گئی ہے اور اس پر پابندی لگ گئی ہے اور تمام خوشی کافور ہو جاتی ہے۔

ہم اس صحیح حدیث کے مفہوم کی روشنی میں کہ صدقہ بلا کو ٹال دیتا ہے[1]، رسائل نور کو ایک ایسا صدقہ شمار کرتے ہیں جو اناطولیہ کے علاقے سے بلا کو ٹالتا رہتا ہے، اور ایسے بہت سے واقعات پیش آ چکے ہیں جو اس مفہوم کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اور وہ اس طرح کہ جب بھی ان کی بے گناہی کا اور ان سے پابندی ہٹانے کا فیصلہ آتا ہے بلا ٹل جاتی ہے، اور جب بھی ان پر حملہ ہوتا ہے بہت سی بلائیں نازل ہو جاتی ہیں، ان میں کچھ تو وہ ہیں جو پچھلے دنوں شدید زلزلوں اور تیز آندھیوں کی صورت میں آئی ہیں، اور اس مرتبہ جب ان کے خلاف مقدمہ دائر ہوا اور ان سے چھیڑ خانی کی گئی تو اتنی زیادہ سردی پڑی کہ سابقہ ریکارڈ ٹوٹ گئے اور درجۂ حرارت منفی اٹھارہ ڈگری تک جا پہنچا۔

مرض کی شدت کی وجہ سے استاد اپنی بات پوری نہ کر سکے، اس لیے انہوں نے اپنے خدمت گزار سے کہہ دیا کہ یہ معلومات بعض دوستوں، بھائیوں اور ذمہ داروں کو پہنچا دو تا کہ وہ اس ضمن میں کبیدہ خاطر نہ ہوں۔

کاتب اور پیش کار
استاد کی بیماری میں ان کی خدمت پر مامور ایک خدمت گزار
اس نے جو لکھا ہے صحیح لکھا ہے
سعید نورسی

باسمہ سبحانہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہمارے جلیل القدر اُستادِ گرامی!

رسائلِ نور ہماری آنکھوں کے سامنے پوری آزادی سے پھیلتے جا رہے ہیں تا کہ آپ کی قدسی ایمانی دعوت آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے معنوی جہاد اور صبرِ جمیل کے انعام کے طور پر اپنا پھل عمدہ، نفیس اور خوشگوار صورت میں دیتی رہے...... یہ قدسی دعوت انتہائی شدید حالات میں شروع ہوئی، اور اپنا بلند پایہ مقدمہ لڑتی ہوئی اور سخت ترین دفاعی مقابلہ کرتی ہوئی آگے بڑھتی گئی، اور یہ دعوت آج اپنے سر پر فتح و کامرانی کا تاج سجائے ہوئے ہے...... پس اللہ تعالیٰ کا

[1] اس مفہوم میں کئی حدیثیں آئی ہیں، مثال کے طور پر، "ان الصدقة لتطفئ غضب الرب وتدفع ميتة السوء"، یہ حدیث ترمذی اور ابن حبان میں حضرت انسؓ سے مروی ہے، اسی طرح یہ حدیث ہے "باكروا بالصدقة فان البلاء لا يتخطاها"، یہ بیہقی اور طبرانی اوسط میں حضرت علیؓ سے مرفوعاً مروی ہے۔

ارادہ نافذ ہو رہا ہے اور ہماری امیدیں اور خواہشیں بر آ رہی ہیں...... ایمان تاریکیوں کے پردے چاک کرتا ہوا اور آفاق میں نور بکھیرتا ہوا کفر پر فتح حاصل کر رہا ہے۔ رسائلِ نور نے ہمارے لیے یہ فتح و نصرت ثابت کر کے، ہمیں ایمان کی نعمت سے متعارف کرا کے، اس کے ذریعے ہمیں ابد کی سعادت کی دہلیز تک پہنچا کے اور ہمیں اللہ تبارک و تعالیٰ کے قرب سے بہرہ وَر کر کے ہم ترکی کے باسیوں پر بلکہ ہمارے ساتھ ساتھ تمام تر انسانیت پر بہت بڑا احسان کیا ہے، اور آج یہ رسائل وہ قوی ترین اور تیز ترین ہتھیار بن چکے ہیں جو ایمان و کفر کے درمیان فیصلہ کن جنگ کریں گے۔

جی ہاں، رسائل نے ہماری روح کو آباد کر دیا ہے، ہمارے ایمانوں کو مضبوط کر دیا ہے، اور ہمارے دلوں پر اپنا راج قائم کر دیا ہے۔ ہمارے محبوب استاد! ہم اس ضمن میں آپ کے بہت زیادہ شکر گزار اور منت پزیر ہیں...... آپ نے سختیوں، آزمائشوں اور بے قراریوں سے بھرپور بدترین دور میں زندگی گزاری ہے، اور آپ کی مبارک زندگی جو کہ تقریباً ایک صدی پر محیط ہے، کے تمام صفحات جہاد، دفاع، کشمکش، تکلیف، دباؤ، ظلم اور جلاوطنی کی کہانیوں سے بھرے پڑے ہیں، لیکن آپ نے ان سب کا مقابلہ بڑے صبر، تحمل، عزم، شجاعت، تنہائی، اکیلے پن، اخلاص اور فولاد سے بھی زیادہ مضبوط ایمان کے ساتھ کیا، اور آپ نے اور خاص کر آپ کی ''رسائلِ نور'' نامی تالیفات نے فہمِ اسلام اور ہمہ گیر انسانی اقدار کے میدان میں ایک قابلِ تقلید مُجسّم نمونہ دیا اور اپنے بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے انتہائی گہرے اثرات چھوڑے اور ہم لاکھوں طلّابِ نور اسی بنیاد کی روشنی میں آپ کے لیے دل کی گہرائیوں سے قدر دانی کا اور قدر شناسی کا اظہار کرتے ہیں۔

ہمارے عزیز استاد! اس مشکل ترین امتحان کے بعد کہ جو بہت سی مشکلات، تکالیف اور کبرسنی کے باوجود کامیابی اور توفیق سے ہمکنار ہوا ہے، اس امتحان کے بعد اب آپ کو دلی طور پر مطمئن اور پرسکون ہو جانا چاہیے؛ کیونکہ اب نوجوانوں کی ایک ایسی نئی کھیپ پروان چڑھ چکی ہے کہ جن میں سے ہر ایک نوجوان ایک ''جدید سعید'' ہوگا، اور یہ سب نوجوان آنے والے دنوں میں اللہ کے حکم سے اس قدسی دعوت اور ایمانی اور قرآنی خدمت کا سلسلہ جاری رکھیں گے اور ایمان کی روشنی میں اس شاہراہ پر سفر جاری رکھیں گے، اور قیامت تک نسلاً بعد نسلٍ اس ذمہ داری کو نبھاتے رہیں گے۔

ہمارے محبوب استاد! ''سوانح عمری'' کی اس کتاب کے انقرہ میں طبع ہو جانے کے بعد ہم اتنے خوش ہیں کہ جیسے عید کی خوشی منا رہے ہوں، یہ جدید اور مفصّل ''حالاتِ زندگی'' اس قابل ہے کہ اس کا ذکر تاریخ کے تابندہ صفحات میں پورے فخر و اعتزاز کے ساتھ کیا جائے، اور ہمیں اس کی وجہ سے بہت زیادہ خوش ہونے کا حق پہنچتا ہے؛ کیونکہ یہ سوانح حیات بڑی اہمیت کی حامل ہے، اور اس کی اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو آپ نے ایمان کو بچانے والی وہ دعوت کہ جس کے لیے آپ نے اپنی تمام عمر قربان کر دی اور اسے اپنی زندگی کی غرض و غایت بنا لیا تھا، اس دعوت کی راہ میں آپ نے جو محنت، مشقت اور تگ و دو کی، یہ کتاب اس تمام محنت کو مرحلہ وار بیان کرتی ہے...... اور پھر آپ نے ان تمام مصیبتوں کو

برداشت کر کے اور راہ میں آنے والی تمام رکاوٹوں کو عبور کر کے اپنے عزمِ واثق اور عملِ پیہم کے ذریعے اپنے مقصد کو حاصل کر لیا، یہ کتاب اس تمام عملی جدوجہد کی تفصیلات مہیا کرتی ہے...... اور پھر اس لیے بھی کہ یہ کتاب رسائلِ نور کی تالیف وترتیب اور نشرواشاعت کے بارے میں کافی ووافی معلومات مہیا کرتی ہے۔

نور کا یہ سمندر کہ جس نے لاکھوں لوگوں کے دلوں میں غیرت وحمیت وسرگرمی کی لہریں بیدار کر دی ہیں اور انہیں ایمان کے ساحل پر اتار دیا ہے، یہ سمندر اب ہمیشہ موجزن رہے گا اور اہلِ کفر کو غرق کرتا رہے گا اور بنی نوع انساں کو بچاتا اور نجات دلاتا ہوا رواں دواں رہے گا۔

ہمارے محبوب ومحترم استاد! ہم آپ کے شکر وسپاس کا حق ادا نہیں کر سکے...... آپ کے لیے محبت اور احترام ہمارے دل کی گہرائیوں میں بسا ہوا ہے۔ ہم اپنا اخلاص بھرا اسلام اور آداب آپ تک پہنچا رہے ہیں، آپ کے پاکیزہ ہاتھوں کو بوسہ دے رہے ہیں اور آپ کی بابرکت دعاؤں کی امید لگائے ہوئے ہیں۔

طلاب نور

استنبول

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَا اَللّٰهُ، يَا رَحْمٰنُ وَيَا رَحِيْمُ، يَا فَرْدُ، يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا حَكَمُ، يَا عَدْلُ، يَا قُدُّوْسُ.

نَسْئَلُكَ بِحَقِّ اِسْمِكَ الْاَعْظَمِ وَ بِحُرْمَةِ الْقُرْاٰنِ مُعْجِزِ الْبَيَانِ، وَ بِمَقَامِ الرَّسُوْلِ الْاَكْرَمِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ. اَنْ تَجْعَلَ مَنْ قَامُوْا بِهٰذَا الْعَمَلِ وَمَنْ اَعَانَهُمْ مِنْ اِخْوَةٍ مُبَارَكِيْنَ، وَسَائِرَ طُلَّابِ النُّوْرِ مَظْهَرًا لِلسَّعَادَةِ الْاَبَدِيَّةِ فِيْ جَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ... اٰمِيْنَ.

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْهُمْ دَائِمًا فِي الْخِدْمَةِ الْاِيْمَانِيَّةِ وَالْقُرْاٰنِيَّةِ... اٰمِيْنَ، وَاكْتُبْ لَهُمْ بِكُلِّ حَرْفٍ مِنْ هٰذَا الْكِتَابِ اَلْفَ حَسَنَةٍ فِيْ دَفْتَرِ حَسَنَاتِهِمْ... اٰمِيْنَ.

وَاَكْرِمْهُمْ بِالْاِخْلَاصِ وَالدَّوَامِ وَالثَّبَاتِ فِيْ نَشْرِ الْاَنْوَارِ... اٰمِيْنَ.

اَللّٰهُمَّ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ! اَسْعِدْ جَمِيْعَ تَلَامِيْذِ النُّوْرِ فِي الدَّارَيْنِ... اٰمِيْنَ

وَاحْفَظْهُمْ مِنْ شَرِّ شَيَاطِيْنِ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ... اٰمِيْن، وَاعْفُ عَنْ تَقْصِيْرِ سَعِيْدِ الْعَاجِزِ الْمِسْكِيْنِ... اٰمِيْنَ.

عمومی طلاب نور کا ترجمان

سعید نورسی

نقشے اور تصویریں